

قاران
کراچی

پاکستان

ماہِ القادری

قاران

ماہ القادری

ایڈیٹر

اپریل ۱۹۵۷ء

سالانہ چندہ چھ روپے

فی پرچہ آٹھ آنے

مقام اشاعت

دفتر قاران - کیمیل اسٹریٹ - کراچی ۱

نظم و ترتیب

۲	...	ماہر القادری	...	نقشِ اول
۹	...	سید محمد عبدالرشید فاضل ایم اے	...	اقبال اور عشقِ رسول
۳۳	...	جمال اختر ہاشمی	...	اسلام اور وحدت و اخوت
۳۸	...	شبیم رومانی	...	شبیم عقیدت
~	...	ابو ظفر نازش رضوی	...	رجز
۳۹	...	تسکین قریشی - جگر مراد آبادی - نظر جیدر آبادی -	...	فردوسِ تغزل
۴۰	...	عنی احمد غنی - پیرزادہ محمد ادیش تائبش - ضیا جالسی - فضل الرحمن مہبتلا - بزمی چریا کوٹی -	...	جگر لخت لخت
۴۱	روح انتخاب
۴۲	...	ماہر القادری	(افسانہ)	آواز
۵۲	ہماری نظریں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نفسِ اول

آج ہمارا خطاب خاص طور سے اُن لوگوں سے ہے جو اس آخرت فراموش تہذیب، خود تامل اور مادہ پرست دور میں "دین دار" کہلاتے ہیں۔ اور یہ خطاب بجا طور پر انہیں زیب بھی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اُن پر فضل ہے کہ یہ حضرات دین کو صرف قبول ہی نہیں کرتے بلکہ پسند بھی کرتے ہیں۔ اور اُن کی دلی تمنا بھی یہی ہے کہ اللہ کے دین کو تعلیم اور سر بلندی حاصل ہو۔ عالم انسانیت اور اسلام کو اسی طبقہ سے خیر و منافع کی امیدیں وابستہ ہیں۔ انجیل کی اصطلاح میں یہ لوگ "زمین کا نمک" ہیں۔ اور شعر و ادب کی زبان میں سے یہ لوگ چمن ہیں، چمن کی ہسا رہی!

یہ دیندار اور مذہبی لوگ کسی خاص جماعت، طبقہ اور ملک میں محدود نہیں ہیں۔ یہ ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ اور شاید انہی کا وجود اور نیکیاں اس خدا فراموش دور میں اللہ تعالیٰ کے غضب کو تھامے ہوئے ہیں۔ ورنہ یہ دُنيا محمود و بغاوت اور عصیان و سرکشی کی اس حد تک قریب قریب پہنچ چکی ہے کہ آسمان سے پتھروں کی بارش ہو اور انسانوں کی بستیوں کی بستیاں عا د و ثمود جیسی نافرمان قوموں کی طرح ایک افسانہ عبرت بن کر رہ جائیں۔

اس اعترافِ خوبی و کمال اور مدح و مناقب کے بعد ان دین پسند حضرات سے ہم آج کی فرصت میں کچھ گزارشیں بھی کرنا چاہتے ہیں۔ مقصد نہ کسی پر طنز و تعریف ہے اور نہ اپنی پاک بازی اور اسلام پسندی کا اظہار و اعلان مقصود ہے۔ دوسروں کو ٹوکنے سے پہلے ہم خود اپنی کمزوریوں اور نفس کی درازدستیوں کا اقرار کرتے ہیں۔ خدا جانتا ہے کہ ہم اوروں کو دعوتِ احسان دیتے ہوئے خود شرم و ندامت محسوس کرتے ہیں کہ حقیقت میں ہم اس منصب کے اہل نہیں ہیں۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ پورا معاشرہ و بائے عام میں مبتلا ہے۔ حالات اس ذہبت پر پہنچ چکے ہیں کہ خود مرلین دوسرے مرلین کو دوا اور پرمیز کی ہدایت کر رہا ہے اور اُسے ایسا کرنا ہی چاہیے۔ پس قریب قریب یہی پوزیشن "نفسِ اول" کے لکھنے والے کی ہے۔ اس مضمون میں مضمون نگار نے نہ جلنے کتنا

احتیاج اپنے پر کیا ہے۔

ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو - ع

تن ہمہ داغ داغ شد، پنیہ کجا کجا نہم !!

کہہ کر زخموں کی دوا دارو اور مرہم پٹی ہی سببے نیاز اور غافل ہو جاتے ہیں۔ ہم تو عزم رکھتے ہیں کہ جسم کے جتنے داغوں کی بھی دیکھ بھال ہو سکے، اُس سے غفلت نہ برتنی چاہیے۔ اکتاہٹ، بایکوسی، بے نیازی اور بے دلی مرد مومن کو زیب نہیں دیتی !

آپ پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ کبھی کبھار غفلت کے سبب نماز قضا ہو جاتی ہے، تو آپ کو خاصہ ملال ہوتا ہے۔ مگر یہ سوچئے کہ آپ پر یہ کیفیت کیا کبھی واقعی طاری ہوئی ہے کہ ”آپ اللہ کو دیکھ رہے ہیں یا اللہ آپ کو دیکھ رہا ہے“ یعنی اس حضوری کا احساس کہ آپ سبحان اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑے ہو کر اپنی احتیاج و التجا اور عجز و نیاز کو پیش کر رہے ہیں۔ پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ آپ کے دوستوں اور عزیزوں میں اور خود آپ کے گھر میں کتنے لوگ پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور جو نہیں پڑھتے ان میں سے کتنوں کو نمازی بنانے کے لئے آپ نے جدوجہد کی۔ کیا اپنے بے نمازی دوستوں کی تحفگی کے ڈر سے انھیں یہ تک محسوس ہونے دیا کہ ان کا نماز نہ پڑھنا آپ کو پسند نہیں ہے۔ آپ کا لڑکا یا بھائی کسی دن اتفاق سے اسکول نہ جا سکے۔ تو آپ کو جتنا رنج اُس کے اسکول نہ جانے کا ہوتا ہے، کیا اتنا غم اُس کے نماز قضا کر دینے کا بھی ہوتا ہے ؟

آپ نماز میں تعدیل ارکان کا کتنا خیال رکھتے ہیں ؟ کسی دعوت یا جلسہ کا اہتمام کرنا یا کسی سے ملنے کے لئے جانا۔ یا کوئی اور ضروری کام درپیش ہو تو اُس وقت نماز پڑھتے ہیں آپ کی توجہ کا کیا عالم ہوتا ہے ؟ آپ ڈاک کے لفافہ پر پتہ لکھتے ہیں تو اس میں کس قدر صحت کتابت کو ملحوظ رکھتے ہیں اور پتہ لکھتے ہیں کیا انہماک ہوتا ہے اور کس قدر احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ مگر کیا نماز ادا کرنے میں، لفافہ کا پتہ لکھنے کی برابر بھی آپ یکسوئی اور توجہ کو صرف فرماتے ہیں ؟

اللہ تعالیٰ کے نفل و کرم سے آپ روزہ بھی رکھتے ہیں اور طبیعت کے اہتمحلال کے باوجود شب میں تراویح بھی پڑھتے ہیں۔ مگر آمد ماہ صیام کے ساتھ جس چیز کا سب سے زیادہ اہتمام کرتے ہیں وہ ماکولات اور مشروبات ہیں ! کھانے پینے کے ذوق کی سیرابی کا اہتمام ایک طرف اور تقویٰ، پاکیزگی اور ذکر الہی کی تیاری دوسری طرف۔ ان دونوں میں آپ خود ہی موازنہ فرما سکتے ہیں کہ ان میں سے کس کا پتہ بھاری رہتا ہے۔ روزہ دار کو روزہ اس بات کا احساس دلانا ہے کہ جو لوگ افلاس و ناداری کے سبب بھوکے رہتے ہیں، ان بیچاروں پر کیا گزرتی ہوگی۔ اس احساس کے بعد آپ کے اندر قدرتی طور پر ماہ رمضان میں انفاق کا جذبہ دوسرے مہینوں کے مقابلہ میں نیرتر ہو جانا چاہیے۔ مگر ماہ رمضان میں خود آپ کے کھانے پینے کے مصارف میں اتنی زیادتی ہو جاتی ہے کہ آپ کو بھوکوں اور فاقہ زدوں کی امداد کا خیال آتا بھی ہے تو اپنے بڑے بڑے بھٹے کو دیکھ کر یہ خیال عمل کے قالب میں ڈھلنے نہیں پاتا جس مہینہ میں آپ کو سراپا ایشا رب بن جانا چاہیے تھا، اُس میں آپ سب مہینوں سے زیادہ آرام طلب، خیر گراحت اور کام و دہن کی لذت کے شوقین بن جاتے ہیں !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک عورت اور خوشبو کو پسند فرمایا ہے اور آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دیا ہو۔ اُس کا ظہار اُس شخص کی ظاہری حالت سے بھی ہونا چاہیے۔ مگر حضور نے خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھانا بھی تو کھلایا ہے۔ فقر کا یہ عالم کہ کئی کئی دن تک حریم نبوت اور کاشانہ رسالت میں چڑھا گرم ہونے کی نوبت نہ آئی تھی۔ حضور کسی سائل کو

نا کام نہ پھیرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض اہل سوال سے یہ فرمادیا کہ تم میرے نام پر کسی سے قرض لے لینا میں اسے ادا کروں گا۔ سرکار (ردھی فداک) کی معاشرت اس قدر سادہ یعنی کہ وہ سادگی رہتی دنیا تک کے لئے ایک مثال بن کر رہ گئی ہے!

حضور کی مقدس زندگی کا ایک ایک ورق آپ کے سامنے ہے۔ سرکار کی سیرت چاند، سورج سے زیادہ روشن ہے۔ ممکن ہے کہ آسمانوں پر بھی کہیں کہیں تاریکی ہو۔ مگر نرم رسالت میں ہر طرف نور و تجلی ہی ملے گی۔ آپ کہ حضور کی اتباع کو ایمان کا سب سے بڑا تقاضا سمجھتے ہیں اور نام نامی سن کر آپ کے ہونٹوں پر صلوٰۃ و سلام کے نغمے ابھر آتے ہیں اور فرط عقیدت سے آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا ہے۔ آپ اپنے پر خود احتساب کریں کہ حضور کے اتباع میں کسی بھوکے اور نادار کی خاطر بھوکا رہنا تو کچھ۔ کیا آپ نے کسی مفلس اور ضرورت مند کے لئے اپنے پان اور سگریٹ کے مصارف میں بھی کمی کی ہے۔ اور کیا کوئی ایسا مہینہ بھی آپ پر گزرا ہے کہ اپنی آمدنی کا آپ نے بیسواں حصہ بھی اہل حاجت پر صرف کر دیا ہو؟

آپ کو مال و دولت سے، جائیداد اور عہدہ سے، شہرت اور ناموری سے، اور عیش و راحت کے اسباب سے جو انتہا درجہ کی دل چسپی ہے اور جس کے لئے آپ زمین و آسمان ایک کئے دیتے ہیں۔ کیا سفرِ آخرت کے لئے "زادِ راہ" ہتیا کرنے والوں کے شوق و دل چسپی کا یہی معیار اور مطلوب ہو نا چاہیے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ تمناؤں، خواہشیں اور ان کے حصول کی کوششیں حرام ہیں۔ مگر کیا "حرام" سے اونچا کوئی درجہ نہیں ہے۔ کیا آپ اپنی زندگی میں صرف "زہر" سے پرہیز کرتے ہیں اور "زہر" کے علاوہ ہر چیز نوش جان کر لیتے ہیں۔ نہیں، آپ ایسا نہیں کرتے۔ آپ کھانے پینے کی ان چیزوں سے بھی بچتے ہیں جن میں "زہر" کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ مگر ان کا استعمال آپ صحت کے لئے مضر سمجھتے ہیں!!

آپ کی بیمار پرسی، تعزیت اور جنازوں میں شرکت کا دار و مدار تعلقات، روابط اور قرابت داری پر ہے۔ جن مسلمانوں سے آپ کی شتاسائی نہیں ہے، ان کے جنازوں کو دیکھ کر آپ گزر جاتے ہیں۔ آپ عام طور پر سلام بھی جاننے والوں کو کرتے ہیں اور اس "مفت" کے ثواب کو محض اپنی مزعومہ خود داری کے پندار میں ضائع کر دیتے ہیں۔ جیسے کہ "افستوا السلام" کا حکم حضرت عبداللہ ابن عمر جیسے اہل ایمان کو دیا گیا تھا، آپ تک پہنچتے پہنچتے اس حکم کی نوعیت بدل گئی ہے!

کسی یتیم کے سر پر آپ نے دستِ شفقت پھیرا۔ کسی بیوہ کی نمکساری کی۔ کسی اندھے اور اپاہج کو سہارا دیا؟ جاڑے کی رت میں جب آپ مفلر، دستلے، اُدور کوٹ اور اُدنی بنیان پہنے پھرتے ہیں۔ کیا کسی نادار کی آن پوٹی کا بھی خیال آتا ہے کہ سردی میں اس بیچارے پر جس کا گرتہ بھی ثابت نہیں ہے، کیا گزرتی ہوگی؟

آپ کو قرآن کی تلاوت کا بھی شوق ہے۔ مگر اس اپنے پورے زمانہ تلاوت کا جائزہ لیجئے کہ قرآن پڑھتے میں کتنی بار آپ کی آنکھیں خدا کے خوف سے اشکبار ہوئی ہیں۔ کتنی مرتبہ خشیتِ الہی سے آپ کا دل ہلا ہے اور رنگے ٹکڑے ہوئے ہیں۔ اس کو بھی سوچیے کہ آپ کو جہاں نہ کسی قسم کے نفع کی توقع ہے اور نہ مضرت کا خطرہ ہے، وہاں آپ کس بیباکی کے ساتھ اعلانِ حق فرماتے ہیں۔ مگر جہاں آپ کی کچھ امیدیں وابستہ ہیں اور جس جگہ حق بات کہنے سے آپ پر آنچ آتی ہے، وہاں آپ کا جذبہ حق گوئی کیا اوش اختیار کرتا اور کن تاویلوں اور مصالحوں کی پناہ ڈھونڈتا ہے؟

آپ آخرت پر لہتی تائاً ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کے اچھے ہونے کی ہر نماز میں دعا بھی مانگتے ہیں۔ مگر جس طرح کسی عدالت میں مقدمہ کی پیشی سے پہلے کسی ملزم کی حالت میں شدید اضطراب پایا جاتا ہے اور اس کے پیش نظر ہر لمحہ یہی اندیشہ رہتا ہے کہ نہ جانے حاکمِ عدالت کیا فیصلہ سنائے۔ کیا اللہ کے دربار میں حاضری اور اعمال کی باز پرس کا اس سے دنس گناک

خوف بھی آپ کے اندر موجود ہے ؟

کیا قبر کی تاریکی کے خوفناک تصور سے آپ کی نیند اچھاٹ ہوئی ہے۔ کیا میزانِ عدالت میں اعمال و وزن کئے جانے کے ڈر سے آپ کے کھانے پینے اور عیش و تفریح کے مشاغل میں کوئی کمی آئی ہے ؟ کیا جہنم کے عذاب کے خوف نے آپ کو رُلا یا ہے ؟ دن میں نہیں، ایک ہفتہ میں، بلکہ سال بھر میں، کے بار آپ کو موت یاد آئی ہے ؟

آپ کو یقیناً مسلمانوں کی بد عملی دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ لیکن اپنے مشاغل کا جائزہ لے کر بتائیے کہ آپ نے خود اپنے محلہ کے مسلمانوں میں سے کس کس کے پاس جا کر تبلیغ کا حق ادا کیا ہے ؟ آپ نے اپنے وقت کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی اس اہم کام میں صرف کیا ؟ کسی دن اس کے لئے زحمت اٹھائی ؟ اگر کبھی کسی سے کچھ کہنے کی توفیق بھی نصیب ہوئی تو اس کی بے نیازی اور عدم توجہی کو دیکھ کر آپ نے پھر اس طرف کا رخ نہیں کیا۔ حالانکہ اپنے ذاتی کاموں میں آپ اتنی جلد بائوس نہیں ہو جاتے اور امید بندھی ہی رہتی ہے کہ شاید ابکی بار کامیابی ہو جائے !

اگر آپ اسلام پسند شاعر، ادیب، مقرر، افسانہ نگار یا انشائیہ پرداز ہیں تو دل کو ٹٹولنے کے ہر علمی و ادبی پیشکش پر شہرت کا ہر دلعزیزی کا، اور یہ کہ لوگ داد دیں اور تعریفیں کریں۔ اس کا کتنا داعیہ آپ کے دل میں نہ میں کر د میں لیتا رہا۔ آپ کے اخلاص کے ہم منکر نہیں ہیں۔ آپ پر لفظی کا خدا نخواستہ ہم شبہ نہیں کرتے۔ عرض کرنا صرف یہ ہے کہ اس "اخلاص" میں کوئی دوسرا جذبہ اور داعیہ بھی شریک تھا۔ یا نہیں ؟

سخنی کے ساتھ اس کا جائزہ لیجئے کہ خود آپ کی زندگی، سیرت، اعمال و مشاغل اور حالات سے کتنے لوگوں نے دینی تاثر قبول کیا ہے ؟ اگر آپ کے اندر دینی حرارت تھی تو یہ کیسی حرارت تھی جس نے اپنے ماحول تک کو ذرا سا بھی گرم نہیں کیا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آپ کی زندگی کے آتش دان میں اُدپر اُدپر تو بجلائی ہوئی چنگاریوں سے گرم دھواں نکل رہا ہو اور اُن کے نیچے برف کے ٹکڑے رکھے ہوں !

پوری ذمہ داری اور انصاف کے ساتھ اس کا فیصلہ کیجئے کہ آپ کی تقریر اور تحریر سے آپ کے جس دینی شغف، فکر و عمل کی پاکیزگی اور خلوص و للہیت کا پتہ ملتا ہے۔ کیا آپ واقعی اپنے عقیدت مندوں، قدر شناسوں اور تعریف کرنے والوں کے "حسن ظن" کے مصداق ہیں۔ اور لوگوں نے آپ کے وعظ و تقریر میں کر اور آپ کے مضامین پڑھ کر جو کچھ آپ کو سمجھا ہے کیا آپ کی زندگی اُس کے عین مطابق ہے ؟

آپ بیشک اللہ کے دین کا غلیہ چاہتے ہیں۔ آپ اس کے لئے دعائیں بھی کرتے ہیں۔ اور اپنے اندر اضطراب اور بے چینی بھی پاتے ہیں کہ سارے عالم میں اسلام کا بول بالا ہو اور صرف اسلام ہی غالب ہو کر رہے ! یہ تمنا بہت مبارک اور اس کے لئے دعائیں اور زیادہ بابرکت ہیں۔ مگر آپ نے کیا کبھی تمنا ہے کہ کسی کسان نے بیج بونے کی صورت تمنا اپنے دل میں پیدا کر کے دعا کی ہو اور اُس کے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر آپ ہی آپ فصل اُگ آئی ہو ! آپ اگر کسی کا فرانہ ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں تو سوچئے کہ دہاں آپ اللہ کے دین کو قائم رکھنے اور غالب کرنے کے لئے کیا جدوجہد کر رہے ہیں۔ کفر کے ساتھ آپ کا رویہ مصالحانہ اور دوستانہ ہے یا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یعنی آپ کفر کی مشین کے پُرزے بن کر کام کر رہے ہیں۔ یا اس مشین سے الگ تھلگ ہیں !

اور اگر آپ مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہیں تو نظامِ حق کے قیام کے لئے آپ نے کیا جدوجہد کی ہے ؟ دماغی، درمی،

قدے، سختے، اس جدوجہد میں آپ نے کس قدر حصہ لیا ہے، آپ کا اب تک رول کیا رہا ہے؟ اور جو خدا کے بندے نظام حق کے قیام کی خاطر عملاً دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ ان کی آپ نے حوصلہ افزائی اور رفاقت کی ہے، یا ان کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی ہیں اور کانٹے بچھائے ہیں؟

آپ کی نمازیں، اوراد و وظائف اور مذہبی شفقت اپنی جگہ تسلیم، بلکہ لائق احترام۔ مگر یہ سوچیے کہ آپ کے برتاؤ سے نظام حق کے قیام کی مہم کو کس قدر فائدہ پہنچا۔ آپ کی روش نے ان لوگوں کے ہاتھ مضبوط کئے جو کسی عنوان اسلام کو حدودِ نظم و نسق میں داخل ہونے دینا ہی نہیں چاہتے۔ یا ان جرات آزماؤں کی طاقت کو کمزور بنا یا جو دین حق کے غلبہ کے سوا اور کوئی تمنا اور امنگ ہی اپنے اندر نہیں رکھتے!

اس کا بھی اندازہ لگائیے کہ فسق و فجور اور منکرات کو دیکھ کر آپ کے دل کے اندر کھینچلا ہٹ پیدا ہوتی ہے یا انھیں گوارا کرنے کی طرف طبیعت مائل ہے! آپ کے اندر جرات اور توانائی کس قدر ہے، بدی کو مٹانے کے لئے آپ کس حد تک جا سکتے ہیں؟

کیا آپ بندوں کے حقوق کا کم سے کم اتنا خیال رکھتے ہیں کہ راستہ میں کیلیں، کلنٹے، یا چھینے والے پتھر دکھائی دیں تو انھیں ہٹادیں۔ ریل میں سفر کر رہے ہوں، اور جگہ کی تنگی ہو تو کسی کھڑے ہوئے مسافر کو جگہ دینے کے لئے خود ذرا سٹپ کر بیٹھ جائیں۔ کیا آپ کی خودداری اس کو گوارا کر سکتی ہے کہ قلی آپ کا سامان اٹھاتے ہیں اضطراب اور دقت محسوس کر رہا ہو۔ تو آپ سامان اٹھانے میں اس کی مدد کریں!

آپ خود ہی سوچیے کہ مسجد کے اندر آپ کا کتنا دل لگتا ہے اور نماز پڑھتے ہی آپ کہیں اس طرح تو مسجد سے نہیں بھاگ چھوٹتے جیسے کوئی پرندہ قفس کا در کھلتے ہی گھبرا کر اڑ جاتا ہے۔ امام قرأت کو ذرا طویل کر دے تو آپ کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ جاتی ہیں۔ یا آپ کے تیوروں سے ذوق و شوق کا اظہار ہوتا ہے؟

آپ جن محفلوں میں بیٹھتے اٹھتے یا آتے جاتے ہیں۔ ان میں آپ اہل محفل کے ذوق، رجحان اور اہمیت طبع کی کتنی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں۔ دین و اخلاق کا کوئی ایسا تذکرہ آپ چھیڑنے کی سزا و نادہری جرات کرتے ہیں۔ جس سے اس مقبولیت پر جو دوستوں میں آپ کو حاصل ہے، حرف آتا ہو!

ایک طرف خود آپ کی تمنایں اور خواہشیں ہیں اور دوسری طرف دین کے تقاضے اور مطالبے ہیں۔ آپ کو جائزہ اس کا لینا ہے کہ آپ کی تو ان ایساں اور صلاحیتیں ان میں سے زیادہ تر کس کے کام آ رہی ہیں! آپ نے دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنی خواہشوں کو تیر بان کیا ہے، یا خود دینی مطالبوں کو آپ کی خواہشوں اور آرزوؤں پر قربان ہونا پڑا ہے!

حالات کس طرح بدلیں گے؟ | جن باتوں کی طرف اُد پر اشارے کئے گئے ہیں۔ ان کا جائزہ کوئی دوسرا لے ہی نہیں سکتا۔ یہ تو خود ہمارے کرنے کا کام ہے۔ ایمان داری اور سچائی کے ساتھ خود اپنا احتساب

اور اس کے بعد کمزوریوں کو دور کرنے کی جدوجہد، یہ ہونی چاہیے ایک مخلص مسلمان کی روش! اپنی ذات پر نقد و احتساب کے وقت شیطان کے فریب اور نفس کے جیلوں سے پوری طرح باخبر رہنے کی ضرورت ہے۔ درنہ یہ ظالم تو برائیوں اور کمزوریوں کے لئے ایسی ایسی نازک اور باریک تاویلیں سمجھا دیتا ہے کہ آدمی پہلے سے بھی زیادہ ہست ہو جاتا ہے!

دُنیا کے حالات بدلنے کے لئے آسمان سے فرشتے نازل نہیں ہوں گے اور نہ اجرامِ فلکی اس فرمن کو انجام دینگے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جو لوگ اپنے کو بدلنے کا سر سے کوئی داعیہ ہی اپنے اندر نہ رکھتے ہوں۔ اور اس کام کے لئے کوئی عملی اقدام نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنی قوتِ قاہرہ کے زور سے حالات میں انقلاب پیدا کر دے۔ اگر ایسا ہو سکتا تو انبیاءِ کرام اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ مگر ان مقدس ترین انسانوں کی زندگیوں گواہ ہیں کہ انہوں نے اللہ کے دین کو سر بلند کرنے اور دُنیا میں انقلاب لانے کے لئے کیسی کیسی دردناک مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ اور ایک لمحہ کے لئے بھی وہ اپنے فرمن سے غافل نہیں رہے! (علیہم السلام)

ایک آپن اور ایک دھلگے کے تیاری بھی محنت اور لگن چاہتی ہے۔ آپ سے جو عظیم الشان فریضہ متعلق ہے۔ اس کا تو نقتنا ضایہ ہے کہ ایثار و قربانی کا جذبہ آپ کی زندگی کی تمام دوسری صفات پر غالب ہو جائے! حالات کی تبدیلی کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ جو دُنیا کے حالات کو بدلنے کا داعیہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ وہ سب سے پہلے خود بدل جائیں!

حق کی راہ یقیناً دشوار ہے مگر چلنا تو اسی راہ میں ہے۔ سچائی کا پیالہ تلخ اور ناخوشگوار سہی مگر نوش جان تو اسی کو کرتا ہے! اس ذمہ داری کو جب آپ اٹھا چکے ہیں۔ تو پھر بس دپیش کیسا؟

باطل کی چڑیں بہت کمزور ہیں مگر آپ بہت ہی نہیں کرتے! حق کو غالب اور سر بلند ہی ہونا ہے۔ لیکن آپ کہ حق کی نمائندگی کا دم بھرتے ہیں جرأت سے کام ہی نہیں لیتے!

دُنیا میں یقیناً بہت کچھ تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں۔ مگر آپ اپنے سوزِ دل و جان کی شمعیں روشن کر دیں تو تاریکیوں کی مجال ہے کہ وہ دم بھرنے کے لئے بھی ٹپک سکیں!

اللہ تعالیٰ کی زمین کے جائز وارث آپ ہیں۔ مگر آپ کی غفلتوں نے اس ورثہ کو غاصبوں کے قبضہ میں دے دیا ہے۔ دُنیا کی قیادت کے آپ مستحق ہیں۔ مگر اس اپنے حق کو آپ نے خود ہی چھوڑ رکھا ہے۔ خدا کے لئے اپنے منصب کو بھلنے۔ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کیجئے۔ اور باطل کے مقابلہ میں اس عزم کے ساتھ — حق کی سر بلندی یا موت — صف آراء ہو جائیے، بس پھر فوز و صلاح اور کامیابیوں کی ایسی ایسی راہیں کھلیں گی کہ فتحِ مسرور و مدائن کی یاد تازہ ہو جائے گی!

دُنیا میں جہاں کہیں بھی فساد پایا جاتا ہے، اس کے مٹانے کی ذمہ داری اسی اُمت پر عائد ہوتی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے "خیر الامم" اور "خاتم الامم" بنا کر اٹھایا ہے۔ "خدائی فوجدار" ایک طنز ہے۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ ساری کائنات کے لئے سچ مج "خدائی فوجدار" کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر کسی کا فرمانہ ماحول کی کرد و دل انسانوں کی آبادی میں بھی ایک مسلمان پایا جاتا ہو، اسے حق کی غربت و بے مسروسامانی سے دل شکستہ اور کفر و باطل کے غلبہ سے مرعوب نہ ہونا چاہیے۔ مردِ مومن جہادِ زندگی میں سپر انداز تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اسلام کے پرچم اور حق کے جھنڈے کو وہ تیروں کی بوچھاڑوں میں بھی مضبوطی کے ساتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے رہے گا، ہاتھ کٹ جائیں گے تو اپنے دانتوں کی گرفت میں پرچمِ اسلام کو لے لے گا۔ یہاں تک کہ اس کا سر قلم ہو جائے۔ پس پھر اس پر کوئی ذمہ داری نہیں کہ وہ اپنا حق ادا کر چکا۔

بارِ الہا! جو تیرے بندے نظامِ حق کے قیام کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں، ان کے اعمال میں جہاں کہیں کھوٹ پائی جاتی

ہے اُسے اخلاص سے بدلے، اُن میں اگر اختلاف ہے تو اُسے یا تو مٹادے یا اسے رحمت بنا دے!

یا اللہ! مسلمانوں کی پر اگندگی کو جمعیت سے اور اُن کی پریشیاں حالی اور شکستہ دلی کونٹا طواہینان سے بدل دے۔
یا رب قادر و قیوم! اہل نفاق کے شر سے اُمتِ مسلمہ کو بچا۔ اسلامی حکومتوں کی زمام اقتدار اُن کو سونپ، جن کی زندگیوں
میں اسلامی اخلاق پھلکتے ہوں اور جو اسلام کی سر بلندی چاہتے ہوں۔
یا اللہ! مسلم عوام کو اُن لوگوں سے نجات دے جو سازشوں کے ذریعہ اپنے اقتدار کی عمر بڑھا لے میں اپنی تمام توانائیاں
صرف کرتے ہوں۔

یا اللہ! اپنے دین کو قوت، سر بلندی اور غلبہ عطا فرما!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ!

بمبارکبادی
۲۲ مارچ ۱۹۵۷ء

ضروری اعلان

ماہ جون میں "فاران" کا عظیم الشان توجید نمبر انشاء اللہ شائع ہو رہا ہے جس کی ضخامت تین سو صفحات سے کسی طرح کم نہ ہوگی۔ یہ نمبر خریدار صاحبان کی خدمت میں رجسٹری کے ذریعہ بھیجا جائے گا۔ لہذا پاکستان کے خریدار صاحبان دفتر "فاران" میں اور بھارت کے خریدار صاحبان دفتر "المحنت" رام پور (ریوپی) میں آٹھ آنے کے ٹکٹ جلد سے جلد بھیجیں۔ جو صاحبان رجسٹری کے ٹکٹ نہ بھیجیں گے، اُن کو سادہ ڈاک سے "توجید نمبر" ارسال کیا جائے گا اور وہ کسی سبب سے ضائع ہو گیا تو دفتر "فاران" اُن کو دوبارہ "توجید نمبر" جہاں نہ کر سکے گا۔

(سنیچر)

سید محمد عبدالرشید فاضل ایم اے

اقبال اور عشق رسولؐ

کسی کے عشق کی داستان لکھ دینا آسان ہے۔ کیوں کر عشق ہوا۔ عشق کے ہاتھوں کیا کیا دیکھنا نصیب ہوا۔ مثلاً محسن و جمال اور ناز و ادا کا دیکھنا تھا کہ دل ہانقہ سے جاتا رہا۔ کسی بات کا ہوش نہیں۔ اٹھتے بیٹھتے دوست کا خیال ہے اور دوست کی یاد۔ جنوں کی نوبت پہنچی تو گھر اور بستی چھوڑ کر جنگ بیا بان کو نکل گئے۔ اور بادیہ پیمائی شروع کر دی۔ کانٹے پیروں میں چبھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے قائم و سبحان پر محل رہے ہیں۔ پتی ہوئی ریت گلاب کے پھولوں کا فرش معلوم ہوتی ہے۔ یہ اور اسی قسم کی بے شمار باتیں، جو دیکھنے اور سننے میں آتی ہیں، بیان کی جا سکتی ہیں۔ مگر کیا آج تک کوئی شاعر یا حکیم نکتہ داں عشق کی تعریف کا بھی حق ادا کر سکا ہے کیا عشق کی کیفیات و واردات کے ناپنے کا پیمانہ ہمارے پاس موجود ہے؟ عاشق کے دل پر دوست کی جدائی میں کیا گزرتی ہے، رشک کیا قیامت ڈھاتا ہے، دوست کی اداؤں کا دل پر کیسا اثر ہوتا ہے۔ پھر جس پر دل آیا ہے اس کے آگے دنیا جہان کے دوسرے جبینوں کی اداؤں اور ان کے حسن و جمال کا دل پر کیوں نہیں اثر ہوتا۔ ایک شخص پکار رہا ہے

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا

ساعز کو مرے ہانقہ سے لینا کہ چلا میں!

دیکھنے والا اس کے جسم کی حرکت، اس کے چہرہ کا رنگ دیکھتا اور اس کی آواز سنتا ہے، مگر کیا اس جذبہ دلی اور کیفیت قلبی کو بھی دیکھ سکتا ہے جس سے یہ شعر زبان پر آتا ہے؟ اور یہ تو عام عشق و محبت کی باتیں ہیں۔ ذرا اس شخص کی مشکلات کا اندازہ کیجئے جو "عشق رسول" پر مضمون لکھنا چاہتا ہے۔ جہاں عشق کی تعریف بھی بدل جاتی ہے اور نوعیت بھی۔ کیفیات و واردات کی اثر انگیزی بھی اور اس کے اسباب و علل اور محرکات بھی بدل جاتے ہیں۔

عشق رسولؐ سے بڑھ کر اور کونسی چیز ہو سکتی ہے! خدا کی معرفت بلکہ خوشنودی خدا بھی اسی پر موقوف ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وجہ آفرین اور مقصدِ حیات انسانی عشق رسولؐ کے سوا اور کچھ نہیں۔ بھلا ایسی عظیم الشان چیز کا بیان کیا آسان ہے! پھر اس کے ساتھ یہ دکھانا کہ اقبال جو ایک بلند پایہ فلسفی ہیں۔ اکثر فلاسفہ کی طرح، مائل بہ تشکیک و الحاد ہونے کی بجائے ایسے گرویدہ اسلام اور عاشق رسولؐ کیسے ہوئے کہ اپنے تمام تفلسف اور عقولیت کو ایک متاعِ حقیر کی طرح حضور سرور کائنات کے قدموں پر لا ڈالا! وہ کیا اسباب تھے جو اس قلبِ ماہیت کا باعث ہوئے۔ اس کے لئے اقبال کی پوری زندگی کا جائزہ لینا ہوگا۔ ان کی طفلی، ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور ماحول کا اثر۔ کن شخصیتوں سے اثر قبول کیا۔ مطالعہ کتب کی نوعیت اور خود ان کے ذاتی مشاہدات، غرض کہ پوری سوانح حیات کی چھان بین کرنی ہوگی۔ ان کی تصانیف کی ایک ایک سطر بلکہ ایک ایک لفظ کا بغور مطالعہ کر کے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ حضور اکرم کی کن صفات نے ان کا دل موہ لیا ہے۔ پھر یہ کہ یہ آگ ان کے سینہ میں کب لگی، کس طرح تیز ہوتی گئی۔ اور کب اس حد کو پہنچی کہ جب انہوں نے اپنے تمام فلسفہ کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ

بہ مصطفیٰ برسوں خویش را کہ دین ہمہ دوست !

عاشقانِ رسول نے طرح طرح سے اپنے عشق کا اظہار کیا ہے۔ اور بہتر سے بہتر اسلوب بیان اور اچھے سے اچھے الفاظ میں ہدیہ عقیدت و نیاز پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ حسان بن ثابتؓ اور کعب بن زبیرؓ سے لے کر حکیم سنائی، مولانا روم، خاقانی، جامی، شہیدی اور غالب تک سبھی نے بقدر ہمت اس فضلے بیکراں میں اپنے طائر فکر کی جولانیاں دکھلائی ہیں۔ مگر ساتھ ہی ہر ایک کو اس "م کی نزاکت اور اس کی بھاری ذمہ داریوں کا احساس بھی رہا ہے۔ اگرچہ محبت کی باتیں عقل و خرد کی باتوں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں، مگر عشقِ رسولؐ ایسے توازن کا مطالبہ کرتا ہے کہ شریعت اور محبت میں تضاد نہ ہونے پائے۔ خود حضورؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس تعریف کو پسند فرمایا ہے جو واقعت پر مبنی ہو۔ یہاں تک کہ حضرت کعبؓ کے قلم سے حضورؐ کی شان میں "سيف من سيوف الهند" نکل گیا۔ تو رحمتہ للعالمین نے اس کی بھی اصلاح فرمادی۔ کہ "سيف من سيوف الله" کہنا چاہیے۔ اسی نزاکت کے پیش نظر عرفی نے کہا تھا کہ

عرفی مشتاق این رہ نعت است نہ صحر است
ہمدار کہ نتوان بیک آہنگ سرودن
اور غالب کو کہنا پڑا تھا کہ

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

اس لئے یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اقبال اس مرحلہ دشوار سے گزرنے میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ پھر عشق نہ بواہوسی کا نام ہے اور نہ یہ خلل دماغ اور فتورِ عقل ہے بلکہ ایک وجدانی کیفیت، روحانی مسرت اور ایک بلند مقصد کے لئے عقل و حواس اور شعور کی تمام قوتوں کے ساتھ بے چینی اور اولہا نہ تڑپ اور اس کے حصول کے لئے ہمت و وقف ہو جانے کا نام عشق ہے۔ اقبال کا بھی ایک مقصد ہے اور وہ یہ کہ رسول کریمؐ کی جیانتِ طیبہ کو ساری دنیا کے لئے شمع ہدایت و وسیلہ کامیابی سمجھتے ہیں اور اس لئے اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت چاہتے ہیں۔ اور دنیا کو اس سے واقف کرنے کے لئے بے چین ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ دیکھنا ہوگا کہ حضورؐ کی جن صفات کو وہ انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی اصلاح و کامرانی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، ان صفات سے ان کا تاثر کس نوعیت کا ہے اور انہوں نے اپنے تاثرات کو کن الفاظ اور کیسے اسالیب کے ذریعہ بیان کیا ہے۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ فارسی اور اردو کے دوسرے نعت گو شعرا اور اقبال کے انداز بیان میں کیا فرق ہے۔ غرض کہ اس قدر گونا گوں دشواریاں تھیں مگر اس موضوع پر لکھنا افادی حیثیت سے خانی نہ تھا، اس لئے باوجود ان تمام دشواریوں کے میں نے اپنا خیال ترک نہیں کیا۔ اور اپنی امکانی کوشش سے کام لے کر اقبال کے "عشقِ رسول" کا ایک مرقع، نہیں ایک تصویر بلکہ تصویر بھی نہیں کہہ سکتا ایک ناقص سا خاکہ بنیاد کیا ہے جس کو ناظرین کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں !

عشقِ رسولؐ کی ابتداء کا اللہ کے ساتھ ہی محمد الرسول اللہ کے اقرار سے ہوتی ہے۔ خدا اور اس کے فرشتے حضورؐ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ نیز قرآن پڑھیے تو اول سے آخر تک ذکرِ رسولؐ سے معمور ہے۔ کہیں حضورؐ کے اخلاق کی تعریف کی جاتی ہے۔ کہیں آپؐ کی جان کی قسم کھائی جاتی ہے۔ کہیں آپؐ کی حفاظت کا ذمہ لیا جاتا ہے۔ کہیں آپؐ کے علو مرتبت کو بیان کیا جاتا ہے۔ کہیں دلجوئی و ولداری کی جاتی ہے۔ من احب شیعاً فاکثر ذی کرباً کی رو سے یہ تمام باتیں اس کا ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بھی

رسول اللہ کا ذکر پسند ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ کے چاہنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ
فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ۔ اس پر شاہد ہے۔ ملائکہ بھی عاشق رسول ہیں حضور پر درود و سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ اور صحابہ کرام کے
عشق کا تو کہنا ہی کیا! اگر کسی ایک صحابی کے عشق کا حال بیان کرنا چاہوں تو ایک دفتر چاہیے۔ اسی طرح قرون اولیٰ سے
لے کر آج تک عاشقان رسول برابر ہوتے رہے ہیں۔ اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ بلکہ مسلمان نے تو ہمیشہ اسی چیز کو اپنا
سب سے بڑا سرمایہ سمجھا۔ ایسا سرمایہ کہ جان عزیز کے عوض بھی حاصل ہو تو ارزاں ہے۔ اور آج بھی جیکہ مسلمان اخلاقی و دینی اعتباراً
سے پستی کی انتہا کو پہنچ چکا ہے، اپنے آقا و مولا (فداہ ابی دانی) کا دلدادہ ہی دیوانہ ہے۔ اقبال اسی حقیقت کو ان اشعار
میں ظاہر کرتے ہیں

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟ بُت گری پیشہ کیا؟ بُت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو، عشق کی آشفٹہ سری کو چھوڑا؟ رسمِ سلمان و اولیںِ قسریٰ کو چھوڑا؟
آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں!

زندگی مثلِ بلائِ حبشی رکھتے ہیں!

اور جبکہ ایک طرف خدا قربا تا ہے قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ اور دوسری طرف خود حضور کا
ارشاد ہے کہ کوئی مومن ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو ماں باپ سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ تو اللہ نے جتنی زیادہ
بصیرت کسی کو دی ہے وہ اسی زیادہ حضور سے محبت کرتا ہے۔

عشق کسی کے جمال و کمال یا جو دو نوال کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے یا براہ راست اس سے متمتع ہونے ہی سے پیدا نہیں

ہوتا۔ بلکہ ع

بسا کیں دولت از گفتار خیرد!

مبارک تھے وہ لوگ جنہوں نے اس پیکرِ حسن و جمال اور اس سراپائے کمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس کے انوار سے
اپنی آنکھیں روشن کیں اور اس کے فیوض و برکات سے اپنے دامن جاں کو بھر لیا۔ مگر وہ لوگ بھی کم خوش نصیب نہیں جو
اس کی تعریف سن کر اس کے شہدائی ہو گئے۔ آخر اولیںِ قسریٰ نے حضور کو کب دیکھا تھا! اور کیا اس ہستی کو نا دیدہ
کہہ بھی سکتے ہیں، جس کے محامد و نقائل انسان تو انسان خود اللہ ہی ان کرنا ہے۔ اور قرآن کا حرف حرف جس کی صورت
و سیرت کا آئینہ دار ہے، جس کے انوار اخلاق سے کائنات کا ذرہ ذرہ جمگا رہا ہے۔ کیا آفتاب بادل کی نقاب چہرہ پر
ڈال لینے سے غائب ہو جاتا ہے؟ کیا دُنیائے مورتوں کی موجودگی کا پتہ نہیں دینی؟ پھر وہ آفتاب کیونکر غائب ہو گیا
جس کے انوار سے آج بھی کرہ ارضی کا چہ چہ روشن ہے۔ جس کی سیرت و اخلاق کے آثار و انوار سے آج بھی دُنیاء معمور ہے
بلکہ پھر پوچھیے تو دُنیاء میں اگر کہیں اُجالا ہے تو اسی کے جمالی جہاں آرا کا ہے ورنہ سائنس و تہذیب جدید کی روشنی نے
اندھیروں کے پھیلانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے!

حضور کے سیرت زکاروں نے صحابہ کرام کے بیانات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور جہانی حسن و جمال میں
بھی اُس مقام پر تھے کہ جہاں آج تک کوئی نہ پہنچا۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں:-

”مَدْرَأَيْتُ أَحْسَنَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِي فِي وَجْهِهِ!“

میں نے حضور سے زیادہ حسین کوئی نہ دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا آپ کے چہرے میں آفتاب گردش کر رہا ہے۔

یا جیسا حضرت حسان فرماتے ہیں۔

خَلَقْتَ صَبْرًا مِنْ كُلِّ عَيْبٍ كَأَنَّكَ قَدْ خَلَقْتَ كَمَا تَشَاءُ
آپ تمام عیبوں سے پاک پیدا کئے گئے ہیں۔ گویا آپ جس طرح چاہتے تھے اسی طرح تخلیق کئے گئے۔

وَ أَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرُقْطْ عَيْنِي أَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
آپ سے زیادہ حسین میری آنکھوں نے کہیں نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ خوبصورت فرزند کسی عورت کے بطن سے پیدا نہیں ہوا۔

حضرت انسؓ اور حضرت جابرؓ سے بھی اسی قسم کی روایات منقول ہیں۔ (فادان سیرت نمبر)

یہ بیانات بالکل صحیح بلکہ چودہ سو برس میں جس قدر حضور کے حسن و جمال کی تعریف آپ کے عاشقوں نے کی ہے وہ سب درست۔ مگر ان شواہد کی ضرورت کیا رہ جاتی ہے جبکہ خود خدا حضور کو سراجا صنیع کے لقب سے یاد فرماتا ہے۔ اور اگر انسانی شہادت ہی کی ضرورت ہے تو پھر حضور کی رفیقہ جیات حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر اور کس کی شہادت ہو سکتی ہے! وَقَطَعَنْ رِبْدِي يَهْنُ وَقَلْبِي حَاشَى لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ۔ (انہوں نے حیرت میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور زمان مہر نے کہا عاتش للہ یہ تو انسان نہیں معلوم ہوتا، یہ تو کوئی بڑے درجہ کا فرشتہ ہے) والی آیت کی تفسیر کے ذیل میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ لَوْ رَأَيْتُ حُسْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَتَلْتَنِي أَنْفُسِيَّ وَأَوْقَالَتُ كَذَا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ اگر زمان مصر حضور کے جمال کو دیکھ لیتیں تو حُسنِ نبوی کی تاب نہ لا کر بجائے ہاتھ کاٹنے کے حیرت میں اپنے آپ ہی کو قتل کر لیتیں۔ (تفسیر روح المعانی)

خیر یہ تو مضمون کی مختصر تمہید تھی۔ بحث اقبال کے ”عشق رسول“ سے ہے۔ لہذا اب اصل مضمون سے گفتگو کی جاتی ہے۔ اقبال کے عشق رسول کے اسباب کو مندرجہ ذیل عنوانات پر تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

۱۔ بچپن کی تربیت اور ماں باپ کا اثر۔

۲۔ ابتدائی تعلیم اور ماحول۔

۳۔ استاد کی صحبت۔

۴۔ غالب اور عالی کا اثر۔

۵۔ وسیع مطالعہ کتب اور ذاتی مشاہدات۔

اقبال کے والد شیخ نور محمد بڑے نیک اور اللہ والے بزرگ تھے۔ یہاں تک کہ اپنی بچپن کی تربیت اور ماں باپ کا اثر | نیکی اور پرہیزگاری ہی کی وجہ سے اپنے شہر میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، دُنیا کے کاموں میں ان کا جی بہت کم لگتا تھا بلکہ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے اور دین کی باتیں سننے کا شوق تھا۔ اسلام کی محبت ان کے دل میں گُوٹ گُوٹ کر بھری تھی۔ دُنیا کے کاموں سے جتنا وقت بچتا اُس میں یا بزرگوں کی کتابوں کا مطالعہ کرتے یا نیک لوگوں کی صحبت سے استفادہ۔ مولانا روم کے بھی بڑے عاشق تھے۔ مثنوی کے اشعار بڑے لطف سے پڑھا

کرتے تھے۔ صوفی سنت آدمی تھے۔ مگر ان کا تصوف ایسا نہ تھا کہ زندگی کے روزمرہ کے فرائض کو بالائے طاق رکھ کر گوشہ نشین ہو جاتے یا کسی خانقاہ میں جا بیٹھتے۔ ساری عمر اپنی محنت سے روزی کمائی اور دل بہ یا رو دست بہ کار پر عامل رہے۔ ساتھ ہی صابر و فتاح اور بڑے سادگی پسند تھے۔ ان پر مذہب کا رنگ کتنا گہرا تھا وہ ذیل کے واقعے سے معلوم ہو سکتا ہے:-

”اقبال ابھی چوتھی جماعت میں پڑھتے تھے کہ ایک دن ان کے والد صبح سویرے مولوی میر حسن صاحب کے ہاں پہنچے اور کہنے لگے مولوی صاحب! میں سوچتا ہوں اقبال آخر انگریزی کی تعلیم پا کر کیا کرے گا! اسے مذہب کی تعلیم کیوں نہ دی جائے۔ جس سے اس کی عاقبت سدھ جائے اور دل میں توہم کی خدمت کا خیال پیدا ہو۔ میرے خیال میں یہی اچھا ہے کہ اقبال اسکول جانے کی بجائے مسجد میں آپ سے دینیات پڑھ لیا کرے۔“ (حیات اقبال ص ۱۲)

اقبال نے ”رموز بے خودی“ میں اپنے والد بزرگوار کی خدا ترسی، غریب تواری اور دینداری کا واقعہ لکھا ہے کہ:-

”ایک دن ایک گداے ٹبرم ہمارے دروازہ پر صدمہ لگا رہا تھا اور کسی طرح ٹلنا نہ تھا۔ میں نے غصہ میں آ کر ایک لکڑی اس کے سر پر ایسی ماری کہ جو کچھ مانگ کر لایا تھا وہ بھی اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ جوانی کے نشہ میں عقل صواب و ناصواب نہیں دیکھتی۔ میرے اس فعل سے باپ کو بڑا رنج ہوا۔ چہرہ افسردہ ہو گیا۔ دل سے آہیں نکلنے لگیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ یہ دیکھ کر میرا دل کانپ گیا۔ فرمانے لگے کہ کل روز حشر جب حضور کی امت حضور کے گرد جمع ہوگی۔ غازیان ملت بیٹھا بھی اور حکمت دین کے حافظ بھی اور شہید بھی کہ جو دین کی حجت ہیں، زما د بھی اور عاشقانِ دلفگار بھی۔ عالم بھی اور شرمسار گنہگار بھی۔ سب موجود ہوں گے۔ اور اس اجتماع امت میں اس گداے درد مند کا نالہ بلند ہو گا تو اسے صراطِ مستقیم سے دور افتادہ سرکش! اس وقت اگر حضور نے پوچھا تو میں کیا جواب دوں گا۔ کہ اللہ نے تجھ کو ایک مسلمان نو جوان دیا تھا تو یہ آسان کام بھی نہ کر سکا کہ اس کو آدمی بنا دیتا۔“

پھر بیٹے سے اس طرح خطاب کرتے ہیں:-

اند کے اندیش و یاد آور پسر	اجتماع امت خیر البشر
باز این ریش سفید من نگر	لرزہ بیم و امید من نگر
بر پدر این جوہر نازیبا مکن	پیش مولانا بندہ را رسوا مکن
غنچہ از شاخسار مصطفیٰ	گل شواز باد بہار مصطفیٰ
از بہارش رنگ دبو باید گرفت	بہرہ از خلق او باید گرفت

اے بیٹے! ذرا امت خیر البشر کے اس اجتماع کا خیال کر اور پھر میری سفید ڈاڑھی اور اس پر امید و بیم کی وجہ سے جسم لرزاں کو دیکھ! باپ پر ایسا نازیبا ظلم روا نہ رکھ اور غلام کو آقا کے آگے رسوا نہ کر۔ تو شاخِ مصطفیٰ کا ایک غنچہ ہے۔ مصطفیٰ ہی کی باد بہاری سے پیول بننے کی کوشش کر۔ حضور کے خلقِ عظیم سے بہرہ ور ہونا چاہیے، اسی طرح انہوں نے بیان کیا ہے کہ:-

”جب میں سیالکوٹ میں پڑھتا تھا تو صبح اٹھ کر روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا۔ والد مرحوم اپنے اوداد و وظائف سے فرصت پا کر آتے اور مجھے دیکھ کر گزر جاتے۔ ایک دن صبح کو میرے پاس سے

گزرے تو فرمایا کہ کبھی فرصت ملی تو میں تم کو ایک بات بتاؤں گا۔ ہاں آخر انہوں نے ایک مدت کے بعد یہ بات بتائی اور ایک دن صبح کو جب میں حسب دستور قرآن کی تلاوت کر رہا تھا تو وہ میرے پاس آئے اور فرمایا بیٹا! کہنا یہ تھا کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ قرآن تم ہی پر اترا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہے۔“

اقبال نے اپنے ذیل کے شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب گرہ کشا میں نہ رازی نہ صاحب کشف

(اقبال کا مصلح)

جب اقبال اسکول کی تعلیم ختم کر کے کالج میں داخل ہونے لگے تو ان کے والد نے ان سے عہد لیا کہ تعلیم میں کمال حاصل کرنے کے بعد اپنی زندگی خدمت اسلام کے لئے وقف کر دیں گے۔ اقبال کی والدہ بھی ان کے والد کی طرح ایک دیندار خاتون تھیں۔ انہوں نے بھی اقبال کی تربیت و نگہداشت دین ہی کے اسلوب پر کی۔ اقبال نے ”والدہ کی یاد میں“ جو نظم لکھی ہے اس میں کہتے ہیں۔

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا

دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات بھئی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

غرض کہ اسلام اور رسول اسلام سے محبت اور اولیاء کرام سے عقیدت اقبال کے آبا کا خاصہ رہا ہے، یہی چیز ان کے والدین کا فطری جوہر تھی اور یہی اقبال کو بھی ورثاً ملی۔ بلکہ اقبال تک آتے آتے یہ شراب دو آتشہ و سہ آتشہ ہو گئی۔ ”النجفے مسافر“ میں اپنے ماں باپ کی اس تربیت کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں۔

پھر آ رکھوں قدم مادر و پدر پہ جسیں کیا جنہوں نے محبت کا راز داں مجھ کو

ابتدائی تعلیم اور ماحول | اقبال کی تعلیم کا آغاز کتب سے ہوا اور اس زمانے کے مکتبوں میں عربی، فارسی، اردو، خاص کر قرآن و دینیات ہی کی تعلیم ہوتی تھی۔ پھر ہائی اسکول میں داخل ہوئے تو مولوی میر حسن جیسے متبحر استاد

ملے۔ جو پرانی وضع کے پکتے با اصول دیندار آدمی تھے۔ شاگرد کی ذہانت، طباعی اور خداداد قابلیت کو تاڑ گئے اور اس کو عربی و فارسی کے علاوہ اسلامیات اور حکمت و فلسفہ کی تعلیم بھی دی اور اس پر ایسی کوشش اور توجہ صرف کی کہ ذرہ کو آفتاب بنا کر چمکادیا۔ چنانچہ اقبال اپنی نظم ”النجفے مسافر“ میں استاد کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

وہ شمع ہار گئے حساندان منضوی رہے گا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو

نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو

دعا یہ ہے کہ خداداد آسمان و زمین کرے پھر اس کی زیارت سے شاد ماں مجھ کو

مولوی میر حسن صاحب کو درس و تدریس کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ ہر وقت پڑھنے و لے کتابیں کھولے موجود رہتے۔ مولوی صاحب درس سے رہے ہیں، طالب علم سوالات کر رہے ہیں، بحث مباحثہ ہو رہا ہے، غرض کہ علم ہی کے چرچے اور دین ہی کے تذکرے تھے۔ اس علمی و دینی ماحول نے اقبال کی آتش شوق کو اور بھی تیز کر دیا۔ یہاں تک کہ انھیں کھیل کود سے کوئی دل چسپی نہ رہی۔ یا مطالعہ کتب میں محو رہنے یا کسی گہرے تفکر میں ڈوبے ہوئے۔ اقبال کی خوش قسمتی دیکھئے کہ ان کے فلسفے کے اُناد اور وہ بھی مسلمان نہیں ایک یورپین عیسائی، فارسی و عربی کے علاوہ اسلامیات سے بھی گہری دل چسپی رکھتے تھے۔

غالب و محالی کے اثرات

اقبال نے شروع میں اگرچہ رسماً اصل طرح سخن مرزا داغ دہلوی سے لی۔ مگر اُن کی طبیعت کو فطری مناسبت مرزا غالب سے تھی۔ وہی فارسی تراکیب جو غالب کا طرہ امتیاز تھا، اقبال کے ہاں بھی اُسی کثرت سے موجود ہیں۔ وہی بلند میٹریکری، وہی ندرت خیال اور نازک خیالی جو غالب کا سرمایہ تازہ ہے۔ اقبال کے کلام کی بھی وہی خصوصیات ہیں۔ مگر یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ غالب نے لغتِ رسول کا بھی کیسا بلوغ لگایا ہے اور اس ناواقفیت کا سبب یہ ہے کہ غالب کی بہترین لغت فارسی میں ہیں۔ اور فارسی کا اس تک ہیں رواج نہیں رہا۔ دو ایک نمونے ملاحظہ فرمائیے۔ ہر ہر روز میں حمد کے بعد "زمرہ لغت" کے عنوان سے صفحے کے صفحے لکھتے چلے جاتے ہیں۔ اور اتنا کچھ لکھتے پر بھی جی نہیں بھرتا۔ اسی طرح دوسری تصانیف کو بھی بہتر سے بہتر لغت لکھ کر زندہ جاوید بنانے کی کوشش کی ہے اور لغت جس جوش کے ساتھ کہتے ہیں اُس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کو حضور رسالت مآب سے والہانہ عقیدت تھی۔ مثلاً

زرا ز نہاں پردہ برزده	ذرات خدا منجرے سرزده
نمائے دیرینہ کردگار	بوسے ایزد از طیش
تن از نور پاوودہ سرچشمہ	دلے بچو ہبتاب در چشمہ
جمالش دل افروز روحانیاں	خیالش نظر سوزیو نایاں
ہر بیوتد پیرایہ خاکیاں	ہر دم حرز بازوے افلاکیاں

آپ جیواں بردشنامی خاک راہش زنده را زندہ جاوید سازد۔ عیسیٰ بہ ہمدی یاد دانش جاں در حق مرہ اندازد۔ بہ طرف چمنے کہ دران چمنش بہ محبوبی نشاندہ اند خضر سبزہ بیگانہ و بر شمع انجمنے کہ دران انجمنش بہ مہمانی خواندہ اندارنی گوے طور پروانہ۔ کودکان کولیش را از انجم مرغان رشتہ بر پا در دست کہ ہموارہ در طیرانند و ہچنان برعائے مانند۔ اردویش را از افلاک تو سنان رام زیراں کہ پوستہ بیک ہنجا روند و از خط دائرہ بدر زوند۔ پویندگان جادہ شرعش را سبزہ بارغ بہشت چون سایہ ہمپائے و نخل طوفانی چون خضر پیش روتا ہر قدر ہراں جادہ عرض رہروی دادہ باشند بسایہ رہ بریدہ باشند و بر سبزہ گام نہادہ باشند پیش از ہمہ خلق از خدا بہ تشریف ہستی نام دار و بعد از خدا بر ہمہ خلق بخدا وندی سزاوار۔ ستم زدگان را بداد داور و عم زدگان را بیادیاور۔ آسمانیاں آستانیاں، سروشاں سفینہ گوشاں، خاک نشینان دراز سپہر برترش منشور فرما نروائی را چنان خوار داشتہ اند کہ پنداری سطر نقش پائے موز پنداشتہ اند۔ حاملان عرض را اندو ہے کہ در عالم فرض محال نیز نشانیش نیست، اگر ہست جز رشک طالع جیس سپاہان سنگ آستانش نیست

مطالع آدم و عالم محمد عربی	وکیل مطلق و دستور حضرت باری
عدو گشتے کہ ز چاک کتا ز توفیقش	دویدہ تادل خسر و جراحہ کاری
شہنشاہ کہ دیران دفتر جاہش	ہر جبریل نویسند عزت آثاری
افادہ اثرش بر قوائم افلاک	بشکل رعشہ بر اندام آدمی طاری
افاضہ کریش در حقائق آفاق	بسان روح در اعصاب جانور ساری

دو نیمہ گشتن پیکر ماہ دو ہفتہ از تنگی حوصلہ معجزہ خواستاراں بودہ است ورنہ در ہر سرا نگشتن نیروئے برزدین
روزگاراں بودہ است

صنوبر کے دوسرے معجزات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ معجزات :-

” از آثار بزرگی صورت آن بزرگ معنی و صورت است کہ صورت آستیاں را از بہر مشاہدہ تجلیات
الہی در عالم صورت ضرورت است ورنہ خواجہ راجز بہ چشمے کہ جز خدا را نہ بیند ، نتوان دید و
جز بہ دلے کہ جز خداے نہ داند ، نتوان دانست “

ایک نعتیہ غزل اور سن لیجئے

حق جلوہ گر زطرز بیان محمد است	آرے کلام حق بزبان محمد است
آئینہ دار یر تو مہر است ماہتاب	شان حق آشکار ز شان محمد است
بیرقصنا ہر آئینہ در ترکش حق است	اما کشادہ اوز کمان محمد است
دانی، اگر بہ معنی لولاک و ارسی	خود ہر چہ از حق است ازان محمد است
ہر کس قسم بد انچہ عزیز است می خورد	سو گند کردگار بہ جان محمد است
واعظ حدیث سایہ طوبیٰ فر و گزار	کاینچا سخن ز سر و روان محمد است
بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را	کاں نیمہ جہنمشے ز بنان محمد است
ورخود ز نقوش مہر نبوت سخن رود	آں نیز نامور ز نشان محمد است

غالب ثنائے خواجہ بہ یرداں گزاشتیم!

کاں ذات پاک مرتبہ وان محمد است

غالب کی نظم و نثر سے نعت کے یہ نمونے اس لئے دیئے ہیں کہ ہمارا یہ خیال ہے کہ جہاں غالب کی دوسری شاعرانہ خصوصیات
نے اقبال کو متاثر کیا ہے وہاں غالب کی نعت گوئی سے بھی وہ ضرور متاثر ہوئے ہیں۔ نیز ہمارے دعوے کا ثبوت اس بات سے بھی
ملتا ہے کہ جاوید نامہ ” کی سیر آسمانی میں جہاں مرزا غالب سے ملاقات ہوتی ہے تو مرزا کی زبان پر اس وقت بھی یہ ترانہ ہوتا ہے کہ

خلق و نعت یر و ہدایت ابتداست

رحمتہ للعالمینی انتہاست!

غالب کے بعد جس شخص کا اثر انہوں نے قبول کیا ہے، وہ خواجہ الطاف حسین حالی ہیں۔ وہی درد قوم، وہی یادِ ماضی اور
عظمتِ رفتہ کے اجیاء کی تڑپ۔ وہی قوم کی لپستی اسحاق و زبوں حالی کا رونا۔ اور قوم کے مستقبل کی منکر جو حالی کے ان ہے وہی
اقبال کے ان بھی موجود ہے۔ لہذا جہاں ان کو عالی کی دوسری باتوں نے متاثر کیا ہے وہاں ان کی عشقِ رسول میں زمرہ سنجی نے بھی
متاثر کیا ہے۔ چنانچہ مرزا جلال الدین صاحب بیہر سطر لکھتے ہیں :-

” خواجہ حالی مرحوم کے مسدس کے تو وہ عاشق تھے، میرے پاس ریاست ٹونگ کا ایک شائستہ

مذاق ملازم تھا، اُسے ستار بجانے میں خاص دسترس تھی اور وہ مسدس حالی ستار پر ایک خاص

غزل کے ساتھ سنایا کرتا۔ ڈاکٹر صاحب التزام کے ساتھ ہر دوسرے تیسرے دن اُس سے مسدس

سُننے کی خواہش کرتے، حضور سرور کائنات کی تعریف میں وہ بند جو وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا“
سے شروع ہوتے ہیں اور وہ اشعار جو مسدس کے آخر میں ہیں (اسے خاصہ خاصانِ رسل وقت دعا ہے)۔
انہیں بطور خاص مرغوب تھے، اُن کے سُننے ہی اُن کا دل بھر آتا اور وہ اکثر بے اختیار رو پڑتے۔ اسی
طرح اگر کوئی عمدہ نعت سنائی جاتی تو اُن کی آنکھیں پُر نم ہو جاتیں۔“ (مکاتیب اقبال)

غرضکہ والدین کی تربیت، اُستاد کی تعلیم اور ماحول کے اثر نے اُن کو اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق بنا دیا۔
اور غالب، حالی اور دوسرے شعراء کے نعتیہ کلام نے اس آگ کو اور تیز کر دیا۔ مگر اس وقت تک اُن کا عشق بھی اعتقادی تھا اور
نعت گوئی کا انداز بھی تقریباً دوسرے نعت گو شعراء کا جیسا ہی تھا۔ مثلاً اپنی نظم ”بلال“ میں لکھتے ہیں سے

گری وہ برق تری جانِ ناشکیبا پر
ادائے دید سراپا نیب ز تھی تیری
اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا

کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دست موٹی پر
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
نماز اُس کے نظارے کا اک بہانہ بنی
خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اُس کا

یا غزل سے

سراپا حُسن بن جاتا ہے جس کے حُسن کا عاشق
پھڑک اٹھا کوئی تیری ادائے مآرِ فنا پر
نمایاں ہو کے دکھلائے کبھی اُن کو جمال اپنا

بھلا لے دل حسین ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں؟
ترا تیرہ رہا بڑھ چڑھ کے سب نماز آفرینوں میں
بہت مدت سے چرچے ہیں ترے باریک بینیوں میں

یا ترانہ ملی سے

سالارِ کارِ رواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں بہارا
اگرچہ ان اشعار میں بھی دوسرے شعراء کے مقابلہ میں کسی قدر امتیازی شان کی جھلکیاں موجود ہیں۔ جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے

نمایاں ہو کے دکھلائے کبھی اُن کو جمال اپنا!
بہت مدت سے چرچے ہیں ترے باریک بینیوں میں

تاہم زیادہ تر قدیم انداز ہے، مگر بعد میں جب ان کا مطالعہ علم وسیع ہوتا گیا اور خصوصاً علوم اسلامیہ کا مطالعہ۔ چنانچہ
انہوں نے یورپ کے زمانہ قیام میں اسلام پر لیکچر بھی دیئے اور اسلامی تعلیم کے فلسفے کا تحقیقی مطالعہ کر کے وہ مقالہ بھی لکھا جس پر
اُن کو میونسٹیو یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ فلانسفی کی ڈگری ملی۔ اس کے ساتھ ہی جب یورپ کے حالات کو دیکھ کر اُن کے دل میں بیداری
قوم اور اچھا دین اسلام کا جذبہ پیدا ہوا تو انہوں نے قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک کا خاص طور پر مطالعہ
کیا تاکہ قوم کے سامنے ایک لائحہ عمل رکھ سکیں۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے علوم اور دوسرے مذاہب کو جانچنے اور اُن سے اسلامی تعلیمات
کا مقابلہ کرنے کا بھی موقع ملا تو اُن کا عشق رسول اور عشق اسلام نرتی کرتا گیا، یہاں تک کہ وہ عشق جو پہلے محض تقلیدی تھا آخر کار
حقیقی عشق کی صورت اختیار کر گیا۔ اور اب وہ بقول مولانا عبدالمجید سالک:-

”حضور کی ذات والا کو ساری کائنات سے افضل مانتے تھے اور ہر مسلمان مانتا ہی ہے۔ لیکن تمام مسلمانوں
کے ماننے اور اُن کے ماننے میں فرق یہ تھا کہ مسلمان اعتقاداً کہتے ہیں کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصراً

لیکن حضرت علامہ تھنیف اس عقیدے کو تسلیم کرتے تھے اور جب اس پر گفتگو کرتے تو القاد والہام، مقام نبوت، انسانیت کاملہ، توازن جذبہ و ادراک اور حریت انسانی کے مسائل پر نفسیات جدید کی رو سے ایسی سیر حاصل بحث فرماتے کہ کسی مخالف کو بھی حضور کے انسان کامل ہونے میں شبہ کی گنجائش باقی نہ رہتی۔

اصل میں اقبال نے یورپ پہنچ کر جب اس مہذب دنیا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو ان کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اس آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی کے پیچھے نسق و فجور اور مصیبت و خدا فراموشی کے وہ اندھیرے ان کو نظر آئے کہ روح کا نپ گئی اور مظلوم انسانیت کے لئے آنکھیں خون کے آنسو رو دینے لگیں۔ بڑی فکر اس بات کی ہوئی کہ آیا یورپ کے زہر کا تریاق ہے بھی یا نہیں۔ کیا دنیا اسی طرح جہنم کدہ بنی رہے گی۔ کیا انسان اسی طرح انسان کا شکار ہوتا رہے گا۔ اور اس مایوسی اور بے چینی کی حالت میں جب انہوں نے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا تو ان کو صبح امید کے اشار نظر آنے لگے۔ اور بالآخر ان کے وسیع و عمیق مطالعہ نے ان پر اچھی طرح واضح کر دیا کہ ان تمام مصیبتوں کا حل اور ان حملہ امراض کا علاج اسلام اور صرف اسلام ہے۔ اب وہ کھٹے بندوں اسلام کے محامد و محاسن اور یورپ کے نقائص و معائب بیان کرتے ہیں۔ مثلاً:-

یورپ میں کیا دیکھا ہے

دل سینہ بے نور میں محسوس تھی !
یہ دادی امین نہیں شایان تجلی !

یہ عیش فراواں، یہ حکومت، یہ تجارت
تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے

یورپ کی حالت کیا ہے ؟

حق یہ ہے کہ بے چشمہ جیواں ہے یہ ظلمات
سود ایک لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبیر، یہ حکومت
بیکاری و غربانی و میخواری و افلاس
ہر دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت

چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
یا غارہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات

یورپ کی سیاست کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

حریت می خواند اور ابے بصر !
پردہ بر رویے لوکیت کشید !
کار خود را بختہ کرد و خام گفت
با کلیدش بیج در نواں کشود
آستان در حنائے صیاد بند

می گند بند غلامان سخت تر
گر می ہنگامہ جمہور دید
سلطنت راجا مع اقوام گفت
در فضائش بال و پر نواں کشود
گوناگون عقائد و مذہب

ہر کہ سازد آشیان در دشت و مرغ
 از فسولش مرغ زیرک، دانہ مست
 حریت خواہی بہ پچاکش میفت
 الحذر از گرمی گفتار او
 چشمہا از سرمہ اش بے نور تر
 از شراب سائگینش الحذر
 او نباشد ایمن از شاہین و چرخ
 نالہ با اندر گلوئے خود شکست
 نشنہ میر و بر لب تا کش میفت
 الحذر از حرف پہلو دار او
 بندہ مجبور از و مجبور تر!
 از قمار بد نشینش الحذر

یہ سیاست غلاموں کی قید کو اور سخت کرتی ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ کم عقل اس کو آزادی سمجھتے ہیں
 ہنگامہ جمہوریت کی شورشوری بھی دیکھی - بلوکیت کے چہرے پر جمہوریت کا نقاب ڈالا گیا ہے! اس
 سیاست کی بنیاد پر نہیں کھولنے چاہئیں۔ اس سے کوئی بھی مشکل آسان نہیں ہو سکتی۔ پرندے سے کہتی ہے
 غم نصیب! صیاد کے گھر میں آشیانہ بنا۔ جو کوئی دشت و چمن میں آشیانہ بناتا ہے، شاہین و عقاب
 سے محفوظ نہیں رہتا۔ اس کے افسوں سے مرغ زیرک دانہ مست ہو کر نالہ کرنا بھول جاتا ہے۔ اگر تو حریت
 چاہتا ہے تو اس کے دام پر پیچ میں نہ پڑ۔ پیاسا مر جانا پسند کر مگر اس کے انگوڑوں سے دور رہ۔
 اس کی گرمی گفتار اور حرف پہلو دار سے خدا کی پناہ! آنکھیں اس کے سرمہ سے اور بھی بے نور ہیں اور
 بندہ مجبور اس کے ہاتھوں اور بھی زیادہ مجبور ہے۔
 از شراب سائگینش الحذر!
 از قمار بد نشینش الحذر!

مغربی تہذیب کیا ہے؟
 فادر قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
 رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
 یورپ کی معاشرت سے
 کہ روح اس مدینت کی رہ سکی نہ عقیقت!
 صنیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف
 ہند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش
 مرد بیکار و زن تہی آغوش
 کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
 کیا یہی ہے معاشرے کا کمال؟

حکمت فرنگ سے
 تفریق مل حکمت انرنگ کا مقصد
 ایک جگہ اسلامی تعلیمات کی تعریف کرنے کے بعد لکھتے ہیں
 آہ یورپ زین مقام آگاہ نیست
 او نداند از حلال و از حرام
 اُمّتے بر اُمّتے دیگر چہ سرد
 از ضعیقاں ناں ربودن حکمت است
 شیوہ تہذیب تو آدم دری ست
 اسلام کا مقصد فقط ملت آدم
 چشمہ او بنظر بنور اللہ نیست
 حکمتش خام است و کارش نا تمام
 دانہ این می کار د آں حاصل برد
 از تن شاں جاں ربودن حکمت است
 پردہ آدم دری سو اگر می ست

ایں مینڈک، ایں منکر چالاک یہود
نور حق از سینہ آدم ربود
تاتہ و بالانگردد ایں نظام
دانش و تہذیب دین سوا کے خام

افسوس یورپ اس مہتمم سے آگاہ نہیں۔ اُس کی آنکھ اللہ کے نور سے نہیں دیکھتی۔ حلال و حرام کا فرق نہیں جانتا۔ اس کی حکمت خام ہے اور اس کا کام ناتمام۔ ایک قوم دوسری قوم کو کھا رہی ہے۔ ایک بوتلا ہے اور دوسرا اُس کے حاصل کو اٹوا لیتا ہے۔ یورپ کے نزدیک کمزوروں کی روٹی چھین لینا ایک طرف اُن کے جسم سے جان تک نکال لینا حکمت ہے۔ غرض کہ تہذیب نو کا شیوہ آدم دری ہے اور آدم دری کا پردہ تجارت کو بنایا ہے۔ ان بنکوں نے جو یہود کی فکر چالاک کا مظہر ہیں آدمی کے دل سے نور چھین لیا ہے جب تک یہ نظام نہ وبالانہ ہوگا دانش و تہذیب سوا کے خام ہے!

یورپ کی عورت سے

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ اُموت
ہے حضرتِ انساں کے لئے اس کا ثرموت!
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہر نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت!
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنرموت!

غرض کہ رنگ و نسل کے امتیازات، گورے کالے کا فرق۔ وطنیت و قومیت کے بٹوں کی خوں آشامی، مساوات کا فقہ۔ اخوت ناپید، انسان کا انسان بدترین دشمن، سود خواری، لفع اندوزی، ٹوٹ کھسوٹ، آپادھاپنی، اسی دُنیا کو سب کچھ سمجھنا۔ حیات بعد الموت سے انکار، تن کی فکر روح سے غفلت، ہمدردی، ایثار، مروت اور عنقراری سے بے تعلق، عورت کی آزادی یہ اور اسی قسم کی بے شمار انفرادی و اجتماعی خرابیاں یورپ کی تہذیب اور اُس کی معاشرت میں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ اس سے پہلے خود اپنے ملک میں ہمدرد، سکھ اور دوسری اقوام کے حالات کا اچھی طرح مشاہدہ کر چکے تھے۔ اس کے ساتھ ہی جب اسلامی تعلیمات پر غور کیا تو معاملہ اور ہی نظر آیا۔ اسلام کے ہمہ گیر، جامع اور غیر فانی اصولِ مساوات، حریت، اخوت اور اُس کا سیاسی و معاشی نظام۔ اس کے تہذیب، تمدن اور عمرانی زندگی کے اصول اور پھر صدر اسلام کے مسلمانوں کی زندگی اور وہ پاکیزہ و بے عیب معاشرہ، اُن کی نگاہِ تصور کے سامنے آیا تو اُن کو یقین کامل ہو گیا کہ اسلام ہی کے اصول پر عمل پیرا ہونے میں دُنیا کی نجات ہے اور یہی نظامِ زندگی دُنیا کے لئے دارالامان کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ اقبال نے اپنے مطالعہ علمی اور مشاہدہ عینی کے تاثرات کو صوب سے پہلے اپنی دو مثنویوں "اسرارِ خودی" اور "رموزِ بے خودی" کے ذریعہ دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ دُنیا کے لئے یہ ایک چیلنج بھی تھا۔ اور دعوتِ عمل بھی تھی۔ چیلنج اس طرح کہ اگر اس سے بہتر دستور حیات کسی کے پاس ہے تو اُس کو پیش کیا جائے۔ اور دعوت اس لئے کہ اگر اس سے بہتر کوئی دستورِ عمل نہیں ہے تو نوعِ انسانی کی صلاح و بہبود کی خاطر اسے قبول کیا جائے۔ اور اس طرح دُنیا کے موجودہ خلفشار کو دور کر کے دُنیا کو امن و سلامتی اور خوشحالی سے دوچار کرنے کا موقع دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی اپنی قوم کو بھی یاد دلا لیت کہ وہ اس نسخہ کیمیاء کو جس نے مسِ خام کو کندن بنا کر دکھا دیا تھا۔ طاقِ نسیاں سے اتار کر اپنی زندگی کو پھر اس کے ذریعہ آراستہ کرے!

اسلام نے افراد کو جماعت کا بہترین رکن بننے کے لئے کیا ہدایات دی ہیں۔ یہ ہدایات انہوں نے "اسرارِ خودی" میں تفصیل سے بیان کی ہیں۔ اپنے آپ کو پہچانتا۔ بلند مقاصد کی تولید اور اُن کے حصول کی جدوجہد کے ذریعہ ہمیشہ

مصرفِ عمل رہنا۔ نفعی خودی، نرکِ آرزو اور زندگی کی دشواریوں سے فرار اختیار کرنے کو مذہب اور سوال کو حرام قرار دینا کہ اس سے خودی ضعیف ہوتی ہے، خودی کو عشق کے ذریعہ محکم بنانا تاکہ وہ نظامِ عالم کے قواعدِ مخفیہ و ظاہرہ کو مسخر کر سکے۔ تربیتِ خودی کے لئے اطاعتِ قانونِ الہی اور ضبطِ نفس کا مکمل تصاب یعنی کلمہ طیبہ کی حقیقت کا سمجھنا۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا سختی سے پابند ہونا کہ ان میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اس کے بعد نیا بت الہی کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا کہ یہ انسانیت کی معراج ہے۔ مسلمانوں کی زندگی کا مقصد اعلیٰ کلمتہ الحق قرار دینا، اور اس بلند و پاکیزہ مقصد کے تحفظ و بقا کے لئے جہاد کرنا اور جہاد کے علاوہ ہر قسم کی جنگوں کو حرام قرار دینا۔ ان اسلام کی پابندی کے ذریعہ وقت کی قدر، نظم و ضوابط اور توجہ الی اللہ اور اطمینانِ دل کا بہترین سبق دینا۔ وغیرہ۔

اجتماعی و ملی زندگی کے متعلق اسلام کی برکات کو ”رموز بے خودی“ کے ذریعہ بیان کر کے اسلام کے بتائے ہوئے آئین کو حیاتِ ملی کے لئے بہترین ضابطہ قرار دیا ہے۔ اور اس ضمن میں مختلف اسلامی اصولوں پر تبصرہ کر کے اپنے پیش کردہ نظریہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

”ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں۔ ان کو عربی اسلام سے اور اس کے نصب العین اور غرض و غایت سے آشنا نہیں۔ ان کے لٹریچر آئیڈیل بھی ایرانی ہیں اور سوشل نصب العین بھی ایرانی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان مثالیوں کے ذریعہ حقیقی اسلام کی بے نقاب کروں، جس کی اشاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ہوئی۔“
(مکاتیب اقبال ص ۲۷)

اسلام نے فرد و ملت کے ربطِ باہم پر کس قدر زور دیا ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ حضور نے فرمایا ہے:-
”شیطان جماعت سے دُور رہتا ہے“

حرزِ جاں کن گفتہ خیر البشر ہست شیطان از جماعت دُور تر

اور جس طرح جماعت بغیر فرد کے وجود میں نہیں آتی، فرد بھی جماعت کے بغیر زندہ و پابندہ نہیں ہو سکتا۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ فرد و قوم ایک دوسرے کا آئینہ ہیں۔ فرد کی عزت قوم سے ہے اور ملت کا نظام افراد سے۔ فرد جماعت میں ملکہ قطرہ ناچیز سے قلمزم بیکراں ہو جاتا ہے۔ جب تک تنہا رہتا ہے، مقاصد سے غافل رہتا ہے اور اس کی قوتیں منتشر رہتی ہیں۔ جب قوم سے وابستہ ہو جاتا ہے تو قوم اس کو ضبط و نظم سے آشنا کر کے ہر طرح کی غلامی سے آزاد کر دیتی ہے۔ جب وہ حلقہ آئین جماعت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو خود کو رم چھوڑ کر اپنے ہی حسن و جمال کا امیر ہو جاتا ہے۔ اپنے ہی اصول و روایات پر فریفتہ اور اپنے ہی نظریات کا دلدادہ رہتا ہے۔ دُوسروں کی اداؤں پر دل کو سدا کرنے کی بجائے قوم کے آئینے میں اپنی ادا دیکھتا اور خود کا گرفتار ہو جاتا ہے!

اسلام نے فرد کو اعلیٰ مقاصد کے لئے جماعت میں گم ہونے کی تعلیم دی ہے اور فرد کی خودی اور اس کی تربیت و استحکام کی غرض و غایت ہی یہ بتلائی ہے کہ ایک بہترین جماعت وجود میں آئے جو ”مکانہم بنیان“ ہر صوم“ کا مصداق ہو۔ فرد جماعت میں ملکہ قطرہ سے دریا اور برگ گل سے چمن ہو جاتا ہے تو جماعت بھی ایسے افراد کی بدولت، جو اپنی تمام انفرادی و شخصی صلاحیتوں کے ساتھ جماعت میں گم ہوتے ہیں۔ محکم اور قوی ہوتی ہے۔

درجماعت خود شکن گردد خودی !
فردتا اندر جماعت گم شود

تا ز گلبرگے چمن گردد خودی !
قطرہ وسعت طلب قلزم شود!

اور جماعت میں مل کر افراد کی حالت کیا ہو جاتی ہے ؟

مردماں خوگر بیک دیگر شوند
در نبرد زندگی یار ہم اند
محفلی انجم ز جذب با ہم است
مستحق کو کب ز کو کب محکم است

صفتہ در یک رشتہ چوں گوہر شوند
مثل ہمکاراں گرفتار ہم اند
مستی کو کب ز کو کب محکم است

جماعت کا قیام تو اختلاط افراد سے ظہور پذیر ہو جاتا ہے مگر اس کی تعمیر و تکمیل کسی زندہ عقیدے یا قانون کے ذریعہ مربوط ہو کر ہی ہو سکتی ہے۔ اس لئے ملت اسلامیہ کی تکمیل تربیت نبوت کے ذریعہ ہوئی ہے۔

اسلام نے توجید و رسالت پر ایمان کی بنیاد رکھی ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا دامن چھوٹنا اور ایمان کی عمارت زمین پر آرہی۔ توجید کے ذریعہ انسان تمام مکروہات سے محفوظ رہتا ہے۔ مایوسی، خوف اور حزن و ملال کیونکر باقی رہ سکتا ہے جبکہ یقین ہو جائے

کہ ایک ایسی ہستی موجود ہے جس سے غلطی یا زیادتی سرزد نہیں ہوتی۔ جو سمیع و بصیر بھی ہے اور ہمہ داں و قادر مطلق بھی اور جب تک ہم اس سے وابستہ ہیں ناکامی و نامرادی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ ہمارے ساتھ پورا پورا انصاف ہوگا اور ہماری کوششوں کا ثمرہ ہم کو مل کر رہے گا۔ اقبال نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے

مرگ را سا ماں ز قطع آرزوست
اے کہ در زندان غم باشی اسیر
چوں کلیے موئے فرعونے رود

زندگانی محکم از لا تقنطواست
از نبی تعظیم لا تحزن بگیر
قلب اواز لا تحف محکم شود

لا تقنطوا من رحمة الله اور لا تحزن ان الله معنا سے انہی کو تقویت و طمانیت خاطر حاصل ہوتی ہے جو پرستار ان توجید ہیں۔ ورنہ حزن و ملال، مایوسی و خوف کا علاج مشکل ہے۔ اس لئے اقبال فرماتے ہیں

ہر کہ ریز مصطفیٰ فہمیدہ است
شرک را در خوف مضمردیدہ است

اس عقیدے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سب سے پہلے اسلام ہی نے موجوداتِ فطرت کی تسخیر کا سبق دیا ہے۔ کیونکہ جب چاند، سورج، برق و باران، پہاڑ، دریا اور فطرت کی دوسری چیزیں قابل پرستش سمجھ لی جائیں گی تو ان کے تجزیہ و تسخیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے توجید نے جہاں انسان کو ہر قسم کی پرستش سے نجات دلائی وہاں تو اسے فطرت کو مسخر کرنے پر بھی جرات کے ساتھ آمادہ کیا۔ قرآن نے آج سے چودہ سو سال پہلے انسان کو یہ شہ سنا یا تھا کہ :-

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ مَسْخَرَاتٍ بِأَمْرِ رَبِّهِ !

اس کے علاوہ بھی بے شمار آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ جن کے ذریعہ انسان کو تسخیر موجوداتِ فطرت کی طرف

متوجہ کیا گیا ہے !

رسالت کے ذریعہ اسلام نے ان تمام نظریات اور اصول کے ممکن العمل ہونے کو بھی ثابت کیا جو اس نے پیش کئے۔ اور

نوع انسانی کے لئے باعث خیر و برکت ہونے کو بھی اس لئے کہ اسلام کے رسول نے ان پر خود عمل کر کے دکھلایا اور ان کی زندگی ہی میں

ایک ایسا معاشرہ قائم ہو گیا کہ چشمِ فلک نے ایسا نہ پہلے کبھی دیکھا نہ آئندہ کبھی دیکھ سکے گی۔ اقبال نے ذیل کے اشعار میں اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے۔

کبھی اے نوجوانِ مسلم تدبیر بھی کیا تو نے ؟
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
تمدنِ آفریں، خلاقِ آئین جہاں نداری
سماں "الفقرِ فخری" کا رہا شانِ امارت میں
گدائی میں بھی وہ اللہ لے تھے غیور اتنے
غرض میں کیا کہوں تم سے کہ وہ صحرائیں کیا تھے

وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہوا اک ٹوٹا ہوا تارا ہے
کچھل ڈالا تھا جس نے پاؤں سے تاجِ سردارا
وہ صحرائے عرب یعنی شتر بانوں کا گہوارا
"باب و رنگِ خال و خطہ چہ خستہ روئے زیبارا" ؟
کہ منعجم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
جہانگیر و جہاں دار و جہانبان و جہاں آرا

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر لفظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظرا را

یہ معاشرہ اسلام کے انفرادی و اجتماعی، سیاسی، معاشی اور اخلاقی و روحانی اصول پر قائم ہوا تھا۔ انسان کے لئے سراپا رحمت و رافت اور صلاح و برکت تھا۔ اور جالشینانِ رسول اللہ نے اپنی زندگیوں کو حضور کے اسوہ پاک کے سانچے میں ڈھال کر دنیا کا نقشہ بدل دیا تھا۔ جب تک کسی نظریہ کے پیچھے زندہ و پابندہ شخصیت کا فرمانہ ہو، وہ نظریہ تاریخ کے اوراق کی زینت تو ہو سکتا ہے مگر دنیا میں انقلاب نہیں لاسکتا۔ اور کوئی زندہ و پابندہ سوسائٹی محض نظریات و اصول کے ذریعہ وجود میں نہیں آسکتی۔ جب تک کہ وہ نظریات عمل کے ذریعہ افراد کے کردار و گفتار میں متشکل ہو کر اپنی نوعِ بخشی ثابت نہ کر دیں۔ نیز حضور رسالت مآب نے دنیا کے سامنے جو دستور العمل رکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حریت، مساوات اور اخوتِ نوعِ انسانی کی بنیاد رسالتِ محمدیہ ہی کے ذریعہ رکھی گئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عالمِ انسانی کی صلاح و بہبود انہی حقائق سے گاندگی تشکیل و تعمیر میں مضمر ہے۔ اور انہی صفات کی وجہ سے اسلام زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہے۔ اقبال فرماتے ہیں۔

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
رونق از ما محفلِ ایامِ را
بر رسولِ ما رسالت ختم کرد
اور صلِ را ختم و ما اقوامِ را
خدمتِ ساقی گری با ما گزاشت
داد مارا آخریں جامے کہ داشت

اسی حریت، مساوات اور اخوت کی بنا پر اسلام کے اصول پر قائم ہونے والی سوسائٹی جغرافیائی حدود سے آزاد ہو کر ساری دنیا کو اپنے ساتھ ملانے کو اپنا مقصدِ حیات سمجھتی ہے۔ اس لئے کہ اسلام ساری دنیا کے لئے پیامِ امن و راحت بن کر آیا ہے نہ کہ محض مسلمانوں کے لئے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جہاں اسلام کے خدا کو رب العالمین، رسول کو رحمت للعالمین کہا ہے، وہاں اپنے آپ کو بھی "ھدایٰ کریمی للعالمین" کہا ہے۔ یہیں سے یہ تعلیم بھی ملتی ہے کہ جب ملتِ اسلامیہ اپنے اصول اور تعلیمات کی جامعیت و ہمہ گیری کی وجہ سے زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہے تو اس کے نزدیک رنگ و نسل اور ملک کا امتیاز بھی کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں۔

جو ہر ما با مقتلے بستہ نیست
ہندی و چینی سفالِ جامِ ماست
بادۂ تندیش بجائے بستہ نیست
رومی و شامی رگلِ اندامِ ماست

قلب ما از ہند و روم و شام نیست مرز بوم او بجز اسلام نیست
می ننگی مسلم اندر مرز و بوم در دل او یا وہ گرد شام و روم
اسی طرح رماں کی قید سے آزاد ہونے کے متعلق فرماتے ہیں :-

اُمّتِ مُسَلِّمٍ ز آیاتِ خداست اِصْلَاحُ اَزْ بِنِگامَہِ قَالُوا بِلٰی سَت
اِز اَجَلِ اِیْنِ قَوْمِ بے پروا سَتے اِسْتَوَارَ اِز مَخْنِ نَزَلَتْ سَتے
ذکر قائم از قیامِ ذاکر است اِز دوامِ او دوامِ ذاکر است

خدا فرماتا ہے۔ مَخْنُ نَزَلَتْ اِلَیْکُمْ وَاِنَّا لَآلِهٌ لِّحَافِظُوْنَ ط ہم نے ہی ذکر (قرآن) نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ضامن ہیں۔

اقبال فرماتے ہیں کہ ذکر کی حفاظت سے ذاکر کی حفاظت لازم آتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان نہ ہو اور قرآن ہو۔ قرآن ہے تو مسلمان بھی ہے۔

تَاخِذُوا اِنْ یَطْفُوْا فَرَمُوْهُ اِسْت اِز فِردنِ اِیْنِ چِراغِ اَسْوَدِہِ اِسْت

جب خدا نے قرآن میں فرما دیا ہے کہ اُمّتِ اسلامیہ کا چِراغ کفار اپنی پھونکیوں سے نہیں بجھا سکیں گے تو پھر اس چِراغ کے بجھنے کا اندیشہ کس کو ہو سکتا ہے! اور یہ حفاظت کوئی بے وجہ نہیں ہے۔ بلکہ اس لئے ہے کہ صرف یہی اُمّت ہے جو تخلیقِ عالم کے مقصد کو پورا کر سکتی ہے۔

اُمّتِ در حقِ پرستی کا ملے اُمّتِ محبوبِ ہر صاحبِ دلے
حقِ بروں آورد این تیغِ اصیل اِز پیامِ آرزو ہائے خلیئل
تا صداقتِ زندہ گردد از دَمِش غیر حق سوزد ز برقِ ہمیش
ماکہ تو حیدرِ خدا را جتیمِ ! حافظِ رمزِ کتاب و ملتیمِ !

ملت کی شیرازہ بندی کے لئے آئین بھی ضروری ہے اور ایک ایسی ملت کے لئے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، یعنی جو آخری اُمّت ہے اور قیامت تک کے لئے نوری انسان کے لئے بشیر و نذیر بن کر آئی ہے، آئین بھی ایسا ہی جامع، ہمہ گیر اور لازوال ہے جو انسان کے ہر شعبہ حیات کے لئے مکمل ہدایات کا حامل ہے۔ اور ہر جگہ اور ہر زمانے میں یکساں رہنمائی کرتا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں :-

”تو جانتا ہے تیرا آئین کیا ہے، یعنی اس آسمان کے نیچے تیری عزت کا راز کیا ہے؟ وہ زندہ کتاب جو قرآن حکیم ہے۔ جس کی حکمت لازوال اور قدیم ہے۔ حیاتِ انسانی کے لئے نسخہٴ امر و نہی، جس کی قوت سے ناپائیدار پائیدار ہو جلتے ہیں۔ جس کا حرفِ حریف و تبدل سے محفوظ ہے، جس کی آیاتِ شرمندہٴ تاویل نہیں ہیں۔ جس کے زور سے جامِ پتھر سے لڑ جاتا ہے۔ غلام جس کے پاس آتے ہیں تو آزاد ہو کر جاتے ہیں۔ جس سے ظالم نالوں میں۔ جو نوعِ انساں کے لئے خدا کا آخری پیغام ہے۔ جس کا حامل رحمتہ للعالمین ہے۔ جس کی بدولت رہن، راہبر بن گئے، اور دُشمنوں نے اُس ایک چِراغ کی روشنی سے علوم کی سینکڑوں تجلیاں اپنے دماغ

میں بھریں۔ قرآن کیا ہے؟ خواجہ کے لئے پیغامِ مرگ اور بندہ بے نوا کا دستگیر۔ جب قرآن کا نقش اس عالم میں قائم ہوا تو کاہن و پاپا کے نفوس باطل ہو گئے۔ جو دل میں ہے بر ملا کہتا ہوں کہ یہ کتاب نہیں ہے اور ہی کوئی چیز ہے۔ جب دل میں اترتا ہے تو دل کی حالت او ہوجاتی ہے اور جب دل بدل جاتا ہے تو جہان بھی بدل جاتا ہے۔ یہ خدا کی طرح عیاں بھی ہے اور نہاں بھی، زندہ و پابند اور گویا بھی۔ اس میں مغرب کی تقدیر بھی پوشیدہ ہے اور مشرق کی بھی۔ اور انسان کے خیال میں برق کی سرعت پیدا کرتا ہے۔

تو ہی دانی کہ آئینِ تو چھیت؟	زیر گردوں سر تکین تو چھیت؟
آن کتابِ زندہ قرآنِ حکیم	حکمتِ اولائزال است و قدیم
نسخہ اسرارِ تکوینِ حیات	بے ثبات از توفیقِ گیرد ثبات
حرفِ اورا ریب نے، تبدیل نے	آیہ امش شرمندہ تاویل نے
پختہ تر سولے خام از زور او	درفتہ با سنگ جام از زور او
می برد پابند و آزاد آورد	صید بندان را بہ فریاد آورد
ذریعہ انساں را پیامِ آخریں	حاملِ ادرحمتہ للعالمین
رہزناں از حفظِ اور میرشدند	از کتابے صاحبِ دفتر شدند
دمت پیمایان کتابِ یک چراغ	صد بجلی از علوم اندر دماغ
چھیت قرآن؟ خواجہ را پیغامِ مرگ	دستگیر بندہ بے ساز و برگ
نقشِ قرآن تا درین عالم نشست	نقشہا سے کاہن و پاپا شکست
فانش گویم آنچه در دل مصمراست	ایں کتابے نیت، چیزے دیگر است
چوں بجاں در رفت، جاں دیگر شود	جاں چو دیگر شد، جہاں دیگر شود
مثل حق پیدا وہم نہاں است	زندہ و پابندہ و گویا است

اندر وقتِ پیرائے غرب و شرق

سرعتِ اندیشہ پیدا کن جو برق

حیاتِ ملی کی شیرازہ بندی و استحکام کے لئے ایک مرکز محسوس بھی ضروری ہے اور ایسی ملت کیلئے جو وحدتِ مقصد اور وحدتِ نصب العین میں یکتہ و یگانہ ہے مرکز بھی ایک ہے اور ایسی بلند روایات کا حامل جو اس ملت کے نمایاں شان ہے۔ یعنی بیتِ الحرام جو توحید کا سرچشمہ اور ملتِ ابراہیمی کی جائے ولادت ہے۔ اقبال اس مرکز کی تعریف کرتے ہیں۔

قوم را ربط و نظام از مرکزے	روزگارش را دوام از مرکزے
راز دار و راز ما بیتِ الحرام	سوز ما ہم ساز ما بیتِ الحرام
از حسابِ او یکے بسیاریت	پختہ از بندیکے خود داریت
تو ز پیوندِ حریکے زندہ!	تا طوافِ او کنی پابندہ

درجہاں جان اُمم جمعیت است درنگ مہر حرم جمعیت است

اسی طرح ملت اسلامیہ کا نصب العین بھی ایک ہی ہے، وحدتِ نصب العین میں اس کی بقا، کاراز پوشیدہ ہے۔ اسی کی تبلیغ سے ملت کی رگوں میں زندگی کا خون رواں ہے۔ اگر وحدتِ مقصد نہ ہو تو افراد میں ربطِ حقیقی نہیں پیدا ہو سکتا اور ربطِ حقیقی کے بغیر جوہم افراد تو ہو سکتا ہے مگر ملت نہیں ہو سکتی۔ اور جبکہ نصب العین ایک، اور اتنا بلند یعنی "حفظ و نشر توحید" تو ایسی ہر جماعت دُنیا میں حقیقی جمعیت سے پرہ ور ہو سکتی ہے۔ اقبال اول مدعا کی تعریف کرتے ہیں سے

مدعا راز بقائے زندگی	جمع سہمائے قوائے زندگی
چوں جیات از مقصد محرم شود	ضابطہ اسبابِ ایں عالم شود
مدعا مضرب سازِ مہمت است	مرکزے کو جاذبِ ہر قوت است
دست و پا تو مہ را جنباند او	یک نظر صد چشم را گرداند او

اس کے بعد ملتِ اسلامیہ کے مدعا و مقصد کی تعریف کرتے ہیں سے

نقطہ ادوارِ عالم لا الہ	انتہائے کارِ عالم لا الہ
چرخ را از زویرا گردندگی	مہر را تا بندگی رخشندگی
صد نواداری چوں خوں در تن ڈال	خیز و مہر ابلے بتا را و رساں
زانکہ در تکبیر راز بود تست	حفظ و نشر لا الہ مقصود تست

اسلام نے تو وسیع جہات ملی کے لئے موجوداتِ فطرت کی تسخیر پر بڑا زور دیا ہے۔ قرآن میں انسان کے علوم مرتبہ کو بیان کرتے ہوئے جا بجا ارشاد ہوا ہے کہ چاند، تارے، سورج، پہاڑ، دریا، برق و باراں انسان کے لئے مسخر کر دیئے گئے ہیں۔ اور انسان کو وہ صلاحیتیں دے دی گئی ہیں کہ اُن سے کام لے کر ہر چیز کو تسخیر کر سکتا ہے۔ اور یہ بات اسلام کے لئے اُس وقت کہی کہ جب دُنیا قوائے فطرت کی تسخیر کی بجائے اُن کی پرستش میں لگی ہوئی تھی۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کی آرام پسند زندگی سے اگر اس حقیقت کا ثبوت نہیں ملتا کہ اس قوم نے قرآن کے اس حکم کی تعمیل میں کبھی تسخیرِ موجودات کی ہوگی تو قرآن کی اصلی تعلیم اور تاریخ کے حقائق سے کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے۔ بقول اقبال اسلام تو یہاں تک کہتا ہے کہ سے

ستاروں سے آگے جہاں ادب بھی ہیں	ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر	چمن اور بھی آستیاں اور بھی ہیں
تو مشاہد ہے پرواز ہے کام تیرا	ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اور یہ تسخیر کسی مادی منفعت، آسائشِ تن اور نفسانی کامرانی کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ اس لئے ہے کہ اس سے

معرفتِ خودی اور عرفانِ الہی وابستہ ہے سے

مہنتی حاضر کند تفسیرِ غیب	می شود دیباچہ تسخیرِ غیب
ماسوا از بہر تسخیر است و بس	سینہ او عرقہ تیر است و بس
از کین حق ماسوی شد آشکار	تا شود پیکان تو سنداں گزار
دشمن با بدگرہ اندر گرہ	تا شود لطف کشودن را فرہ

کوہ و صحرا دشت و دریا بحر و بر
تختہ تعلیم ارباب نظر
اے کہ از تاثیر فیوں نغمتہ
عالم اسباب را دوں گفتہ
خیز و واکن دیدہ مخمور را
دوں محو ال این عالم مجور را
غایتش تو سبب ذات مسلم است
امتحان ممکنات مسلم است

گیر اور اتا نگیرد او ترا
بچوے اندر سبو گیرد ترا

ثابت و سیارہ گردوں وطن
آں صدا و ندان اقوام کہن
این ہمہ اے خواجہ آغوش تو اند
پدین خیز و حلقہ در گوش تو اند
جستجو را محکم از تدبیر کن
انفس و آفاق را لتخیر کن
تو کہ مقصود خطاب انظری
پس چرا این راہ چوں کوراں بری

آج مہذب دنیا اور ان کی دیکھا دیکھی مغرب زدہ مسلمان بھی اسلام کو ہدف طعن بناتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو آزادی کی نعمت سے محروم رکھا ہے اور اس کو سوسائٹی میں کوئی درجہ نہیں دیا۔ مگر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جس چیز پر اسلام کو خصوصیت سے دوسرے مذاہب پر تفوق حاصل ہے اسی پر اس کو مطعون کیا جائے! یورپ کے لئے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ

مہنر چشتم عداوت بزرگتر عیبے ست

مگر اپنے بھائیوں کی خیرہ چشمی و کور باطنی کو کیا کہیں! کہنا چلتا ہے کہ :-

سخن شناس نہ ای دلبر اخطا اینجاست!

اسلام نے عورت کا مقام بھی متعین کیا ہے اور اس کی حدود عمل بھی متعین کی ہیں اور سوسائٹی میں اتنا بلند مقام دیا ہے کہ آج تک کسی مذہب نے نہیں دیا۔ عورت کو بالکل آزاد چھوڑ کر فلم ایکٹریس، رونق محفل اور بیسوا بنادینا عورت کو عزت بخشتا نہیں ہے بلکہ ذلت کے اسفل السافلین میں پہنچا دینا ہے۔ اس لئے اس میں شک نہیں کہ اسلام نے عورت کو ایسی عزت نہیں بخش ہے۔ نیز عورت کو عورت ہی رکھنے مرد بننے کی بھی اجازت نہیں دی ہے۔ اقبال فرماتے ہیں :-

پوشش عریانی مرداں زن است
حسن دلجو عشق را پیرا ہن است

یہ قرآن ہی کے ارشاد "هَوْنٌ لِبِئْسَ لَكُمْ" کا ترجمہ ہے۔ عورتیں مردوں کا لباس ہیں۔ مردوں کے بہت سے عیوب کا پردہ عورتوں ہی سے رہتا ہے۔

آنکہ نازد بر وجودش کائیات
ذکر او فرمود ہا طیب وصلوات

یہ حضور کی حدیث مبارک کی طرف اشارہ ہے کہ حضور نے فرمایا ہے میں تمہاری دنیا میں سے نماز، خوشبو اور عورت کو محبوب رکھتا ہوں۔ غور کیجئے حضور کے اس ارشاد سے عورت کا مقام اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ

مسلمے کو را پرستائے شمر
بہرہ از حکمت شرآں نبرد

اقبال کہتے ہیں کہ اگر کوئی نادان شخص عورت کو کینیز خانہ سمجھتا ہے تو وہ حکمت قرآنی سے بہرہ ور نہیں ہے۔

تلت از تکریم ارحام است و بس
ورنہ کار زندگی خام است و بس

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُؤْتَىٰ مَلًا وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ -

اور جس صلہ رحمی کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو توڑتے ہیں۔ اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ وہ لوگ خسارے میں ہیں۔

بردمدایں لالہ زار ممکنات از خیابان ریاض اُتہات

حافظِ رمزِ اخوتِ مداراں قوتِ قرآنِ ولتِ مداراں

گفت آں مقصودِ حرفِ کن و کالِ زبیرِ پائے اُتہاتِ آمدِ جناب

حضور کا ارشاد ہے کہ جنت ماؤں کے پیروں تلے ہے۔ اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِكُمْ۔ اقبال نے اسلام کی

اس تعلیم کو زندہ عملی صورت میں حضرت سیدۃ النساءِ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جیاتِ طیبہ میں دیکھا ہے، اس لئے

خواتین اسلام کو اس اُسوۂ حسنہ کے اتباع کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

مزرعِ تسلیمِ را حاصلِ بتولِ مادرانِ را اُسوۂ کاملِ بتولِ

اسرارِ خودی اور رموزِ بے خودی کے بعد اقبال نے اپنی ہر تصنیف میں اسلام کے اصول و نظریات ہی کی نئے نئے پیرایوں

میں تعریف و تشریح کی ہے۔ مثلاً اسلام نے جنگ کا کیا معیار مقرر کیا ہے؟

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ مالِ عنینت نہ کشورِ کاشانی

نماز کیا ہے

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مومن کی شان کیا ہے

ہو حلقہ یاراں تو بریشیم کی طرح نرم رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن!

افلاک سے ہے اس کی حرینا نہ کشاکشِ خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن!

چچے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں جبریل و سرا فیل کا صیاد ہے مومن!

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آنِ گفتار میں کردار میں اللہ کی بُرہان!

قہاری و جبّاری و قدوسی و جبروتِ یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

ہمسایہ جبریل امیں بندہ خاکی ہے اس کا شیمین نہ بخارا نہ بدخشاں

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے دُنیا میں بھی میزانِ قیامت میں بھی میزان

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم دریاؤں کے دل جس سے دل جائیں وہ طوفان!

فطرت کا سرودِ ازلہ اس کے شبِ روز آہنگ میں بیکتا صفتِ سورہ رحمان

نقدیر کے پابند بناتا و جمادات مومن فقط احکامِ الہی کا ہے پابند

ایک جگہ مومن سے خطاب کرتے ہیں

اترنگ ز خود بے خبرت کرد و گرنہ لے بندہ مومن تو بشیری! تو نذیری!

کافر و مومن کا فرق بتاتے ہیں سے

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہو مومن کی یہ پہچان کہ گم اُس میں ہیں آفاق
کافر ہو تو تلوار پہ کرتا ہے بھروسہ مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

غرض کہ اب اُن کو یقین کا مل ہو گیا کہ اسلام کے سوا دُنیا کا کوئی دوسرا نظام انسان کی صلاح و بہبود کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ صرف اسلام ایسا مذہب ہے جو ممکن ضابطہ حیات رکھتا ہے، ایسا ضابطہ جو زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہو کر پوری نوع انسانی کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس انکشاف حقیقت سے اُن کو اسلام کے ساتھ والہانہ گرویدگی پیدا ہو گئی اور اسی گرویدگی نے ترقی کر کے پیغمبر اسلام کے عشق کی صورت اختیار کر لی۔ اب نہ اسلام کے ساتھ اُن کا محض اعتقاد ہی تعلق رہا نہ پیغمبر اسلام کے ساتھ بلکہ دونوں کے ساتھ حقیقی عشق ہو گیا۔ جس کی بنیاد سا لہا سال کی تلاش و جستجو اور تحقیق پر ہے۔ اس یقین کے بعد اُن کی صرف ایک خواہش تھی۔ وہ یہ کہ اسلام کے اصول کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو۔ اُن کو ایک ایک گھر میں نہیں ایک ایک شخص تک پہنچایا جائے۔ اور اس کو وہ نوع انساں کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے تھے۔ اسی لئے وہ چاہتے تھے کہ ایک ایسا "اسلامی دارالاشاعت" قائم ہو جو اسلامی فلسفہ و تعلیم کو دُنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچائے۔ ایک ایسی لائبریری ہو جہاں مذہب کے متعلق تمام ضروری کتابیں جمع ہوں اور ایک ایسا ادارہ ہو جس کے ذریعہ علوم اسلامی کا اجیار کیا جاسکے۔ اُن کے خطوط سے جو انہوں نے اپنے اجباب اور عقیدت مندوں کو لکھے ہیں اور اُن کے اجباب کی شہادتوں سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ بعض تجربات کے ضروری اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔ ایک خط حضرت علامہ مصطفیٰ الراعی شیخ جامعہ اذہر کے نام عربی میں لکھا ہے۔ جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:-

"ہم نے ارادہ کیا ہے کہ پنجاب کے ایک گاؤں میں ایسا ادارہ قائم کریں جس کی نظیر آج تک یہاں وقوع میں نہیں آئی۔ ہماری خواہش ہے کہ اس ادارے کو وہ شان حاصل ہو جو دوسرے دینی اور اسلامی اداروں کی شان سے بہت بڑھ چڑھ کے ہو۔ ہمارا یہ بھی ارادہ ہے کہ علوم جدیدہ کے چند فارغ التحصیل حضرات اور چند علوم دینیہ کے ماہرین کو یہاں جمع کریں۔ یہ ایسے حضرات ہوں جن میں اعلیٰ درجہ کی ذہنی صلاحیتیں موجود ہوں۔ اور اپنی زندگی دین اسلام کی خدمت کے لئے وقف کرنے کے لئے تیار رہوں۔ ہم اُن کے لئے تہذیب حاضرہ کے شور و شغب سے دور ایک گوشہ میں ہوٹل بنا نا چاہتے ہیں۔ جو اُن کے لئے ایک علمی، اسلامی مرکز ہو۔ اور اُن کے لئے ایک لائبریری قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں ہر قسم کی نئی اور پُرانی کتاب موجود ہو اور اُن کی رہنمائی کے لئے ایک ایسا معلم مقرر کرنا چاہتے ہیں جو کامل اور صالح ہو اور قرآن حکیم میں بصیرت تامہ رکھتا ہو اور انقلاب دور حاضرہ سے بھی واقف ہو، تاکہ وہ ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے واقف کرے اور تفکر اسلامی کی تجدید یعنی فلسفہ حکمت، اقتصادیات اور سیاسیات کے علوم میں اُن کی مدد کرے، تاکہ وہ اپنے علم اور تحریروں کے ذریعہ تمدن اسلام کے دوبارہ زندہ کرنے میں جہاد کر سکیں۔" (مکاتیب اقبال ص ۲۵۱)

ایک خط میں مولانا سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں:-

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ممالک اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے، ذاتی لحاظ سے، خدا کے فضل و کرم سے، میرا دل پورا مطمئن ہے۔ یہ بے چینی اور اضطراب محض اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل گھبرا کر کوئی اور راہ نہ اختیار

کرے۔ حال میں ایک تعلیم یافتہ عرب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ فریسیسی خوب جانتا تھا مگر اسلام سے بالکل بے خبر تھا۔ اس قسم کے واقعات مشاہدہ میں آتے ہیں تو سخت تکلیف ہوتی ہے۔
(مکاتیب اقبال ص ۱۵۵)

ایک دوسرے خط میں سید صاحب کو لکھتے ہیں :-

”اس وقت طبری ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ اسلامی کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے۔ اگر مولانا شبلی زندہ ہوتے تو میں ان سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا۔ موجودہ صورت میں سو آگے آپ کے اس کام کو کون کرے گا۔ ہندوستان کی جمعیتہ العلماء کی توجہ اس طرف ضروری ہے آپ چونکہ اس جمعیت کے صدر ہیں اس واسطے آپ سے درخواست کرنا ہوں کہ اس کام کو مستقل طور پر اپنے ہاتھ میں لیجئے۔ ندوہ کے دیگر ارکان یا فارغ التحصیل طلباء کو بھی اپنے ساتھ ملائیے تاکہ اقوام اسلامیہ کو فقہ اسلامی کو حقیقت معلوم ہو۔“ (مکاتیب اقبال ص ۱۲۳)

مسٹر نیاز احمد — ایم اے دہلی، کو ایک خط میں لکھتے ہیں :-

”میرے خیال میں آپ کا اولین فرض یہ ہے کہ آپ کو اسلام، اس کی مذہبی اور سیاسی تاریخ، اس کے کلچر اور اس مجاز کا مطالعہ کرنا چاہیے جو طرکی اور دوسرے اسلامی ممالک میں مغرب کے افکار جدید کے اسلامی زندگی اور افکار پر اثر نے پیدا کر دیا ہے۔ آپ عیسائیوں کے تبلیغی طرز سے زیادہ اسلام پر کتابیں لکھ کر اسلام کی خدمت کر سکتے ہیں۔ اسلام میں تنخواہ دار مبلغین کی انجمنیں کبھی نہیں تھیں، تبلیغ کا کام انفرادی کوشش اور سرگرمی پر موقوف رہا ہے۔ افریقہ کا حلقہ بگوش اسلام ہونا ایسے مسلمانوں کی انفرادی کوششوں کا مرہون منت ہے جن کے پاس اس خدمت کے ظاہری وسائل موجود نہ تھے۔ ہندوستان میں بھی اشاعت اسلام کا کام شخصی اور انفرادی کوششوں کا نتیجہ ہے۔“ (مکاتیب اقبال ص ۲۶)

حافظ محمد فضل الرحمن انصاری کو لکھتے ہیں :-

”جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے فرانس، جرمنی، انگلستان اور اطلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد عام ہیں، جن کو عالمانہ تحقیق اور انتہائی حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ ان حالات میں آپ کے بلند مقاصد پر نظر رکھتے ہوئے میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے لئے یورپ جانا بے سود ہے۔“

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہو جس کے سبب اسی عطار کے لڑکے سے دوایتے ہیں!

مصر جاییے، عربی زبان میں بہارت پیدا کیجئے، اسلامی علوم، اسلام کی دینی اور سیاسی تاریخ، تصوف فقہ، تفسیر کا بغور مطالعہ کر کے محمد عربی کی اصلی روح تک پہنچنے کی کوشش کیجئے۔ پھر اگر ذہن خداداد ہے اور دل میں خدمت اسلام کی تڑپ ہے تو آپ اس تحریک کی بنیاد رکھ سکیں گے جو اس وقت آپ کے ذہن میں ہے۔“ (مکاتیب اقبال ص ۳۹)

پروفیسر جی، ایس چٹرجی لکھتے ہیں:-

”اقبال کی قوت نکلنے سے مشرق اور عالم اسلام کے اُن مصائب کے اسباب و علل سے آگاہ کیا اور اس کی عاقبت میں نظروں نے اُن امر امن کا مداوا اور اس لپٹی وزبوں حالی سے نجات پانے کا اُن کو راستہ بتا دیا۔ چنانچہ اس دور میں اس کے مُنہ سے بجائے ہندی ترانہ کے اسلامی ترانہ ادا ہوا اور وطنیت کی محدود فصاؤں سے نکل کر وہ عالمگیر قومیت کی پیام رسانی کرنے لگے اقبال کے نزدیک اسلام ایک ایسا عالمگیر مذہب ہے جو انسان کی تقدیر اور اس کی ناقابلِ فتح روح کے تمام امکانات پر حاوی ہے۔“ (اقبال نامہ ص ۱۳)

اقبال نے اسی قسم کے تاثرات کا اظہار ذیل کے اشعار میں کیا ہے:

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے وہی آب و گلِ ایراں وہی تیریز ہے ساقی !
نہیں ہرنا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی !

غرض کہ اب اُن کا عشق اُس طفلِ سادہ کا جیسا نہیں ہے جو چاند اور سورج کو دیکھ کر اُن کو طرفِ ہاتھ پھیلا دیتا ہے۔ اور اُن کو اپنی آغوش میں لینے کی سعی بے حاصل کرتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے بلکہ اب اُس ہالغ نظر انسان کا عشق ہے جو چاند اور سورج کا اس لئے دلدادہ ہے کہ ان کو نظامِ عالم میں بڑا دخل ہے، اگر وہ نہ ہوں تو دُنیا خدا جانے کیا سے کیا ہو جائے! بعض پچھلے شعراء نے عشقِ رسول کے ترانے اس انداز میں گائے ہیں کہ اُن سے اُن کی وارفتگی کا اظہار تو ہوتا ہے مگر یہ بہت کم پتہ چلتا ہے کہ حضورِ سرورِ کائنات کی سیرت کا انہوں نے کیا اثر قبول کیا ہے۔ یہ انداز کچھ موجودہ دور کے شعراء کی داد کا سا ہے کہ واہ وا کا شور تو زمین سے آسمان تک پہنچ گیا۔ مگر یہ نہیں معلوم ہوا کہ شعر کی کونسی خوبیوں نے اس تحسین و آفرین کیلئے مجبور کیا ہے۔ برخلاف اس کے اقبال کا اظہارِ عشق اُس شاعرِ سخن شناس کا سا ہے جو شعر کی خوبیوں کو اچھی طرح سمجھ کر واہ وا اور سبحان اللہ کہتا ہے اور ساتھ ہی شعر کے محاسن کی طرف بھی لطیف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی محض عقیدہ نہیں بلکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضور کی ذاتِ اقدس دُنیا پر ابر رحمت بن کر برسی ہے اور ایسی برسی ہے کہ ایک بار دُنیا کی تمام کلفتیں دُور ہو گئی ہیں۔ اور آج بھی اگر اخلاقی روشنی کہیں نظر آتی ہے تو وہ اُسی آفتابِ عالمتاب کی ضیا باری کے آثارِ باقیہ ہیں۔ نیز وہ یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ اگر دُنیا پھر حضور کی لائی ہوئی ہدایت پر عمل پیرا ہو جائے تو یہ تمام تاریکیاں چھٹ کر آفتابِ اسلام کی ضیا پاشیوں سے دُنیا پھر منور ہو سکتی ہے، اس لئے وہ دُنیا کو اس تعلیم کی طرف متوجہ کرنے کے لئے مسلمانوں کو وہ خوابِ غفلت سے بیدار کرتے ہیں کہ وہ اٹھیں، اول خود عمل کر کے دکھلائیں، پھر اس تعلیم سے دُنیا کے گوشہ گوشہ کو روشناس کرا دیں۔ یعنی

مصلحت دیدن آن است کہ یاراں بہہ کار بگزرانند و خمِ طرہ یارے گیرند

اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی محبت تو ہر صاحبِ عقل و بصیرت کو ہونی چاہیے۔ عقل و بصیرت کے ہوتے ہوئے کسی کو محبتِ دہر تو حیرت کی بات ہے! اسلام سے محبت کا باعث اُس کے وہ نظرِ یاریت ہیں جن کا اجمالی ذکر ابھی کیا جا چکا ہے۔ اور رسولِ اسلام سے محبت اس لئے کہ اُن کے اذکاروں دُنیا کو وہ کتابِ ملی جو اس جامِ دہمہ گیر تعلیم کی حامل ہے۔ اور یہی نہیں کہ اُس ذاتِ اقدس نے کتابِ دُنیا کے سامنے لا کر رکھ دی۔ یا اُس کے معانی و مطالب لوگوں کو سمجھا دیے بلکہ اُس کے ایک ایک

حرف کو اپنے اعمال و کردار کے ذریعہ زندہ و فعال صورت میں بھی دکھلادیا۔ لہذا یہ کتاب اس کے اخلاق کا آئینہ اور اس کی سیرت کا مرقع بھی ہے۔ جہاں دوسرے مذاہب کی نہ کتابیں محفوظ ہیں اور نہ حاملان کتب کے حالات زندگی محفوظ ہیں۔ وہاں اسلام کی کتاب بھی محفوظ ہے اور اس کے پیغمبر کے حالات زندگی بھی محفوظ ہیں۔ اور کمال یہ ہے کہ اسلام کی کتاب آئینِ جانتِ انسانی بھی ہے اور مرقعِ اخلاقِ پیغمبرِ اسلام بھی اور پیغمبرِ اسلام صاحبِ کتاب بھی ہیں اور اپنی سیرت کے اعتبار سے کتاب بھی۔ اور یہی نہیں بلکہ جہاں آپ کی سیرت دُنیا نے قرآن کے حرفوں میں مرقوم دیکھی وہاں آپ کے اصحاب کی زندگیوں میں متحرک و انقلاب آفریں بھی دیکھی۔ پھر وہ سیرت ایسی جامعیتِ کبریٰ کی مالک کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ نہیں جو اس آفتابِ عالمیاب کی روشنی سے محروم ہو۔ انفرادی زندگی ہو خواہ اجتماعی، خانگی ہو خواہ شہری سب کے لئے براہِ روشنی پہنچ رہی ہے۔ معاہدات، اخلاقیات، سیاسیات اور عمرانیات کے علماء جمع ہوں اور آپ کی زندگی اور سیرت کے ایک ایک باب اور ایک فصل کو روایت و درایت اور جدید سے جدید اصولِ تحقیق و تنقید کی روشنی میں پرکھیں۔ ہم پورے یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ اس کی اہمیت و جامعیت اور پاکیزگی و لطافت کے لئے دل و جان سے خراجِ محبت و عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہوں گے، اقبال نے بھی اپنی ہمہ گیر صلاحیتوں کی عینک سے کتاب و سنت کے آئینوں میں جب اس محسنِ کائنات کے حُسن و جمال کو دیکھا تو ہزاروں وجہان سے اس کے مطیع و فرمانبردار اور والد و شہید ہو گئے! اتنا باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد جو ذات سب سے زیادہ محبت، عقیدت و ستائش اور اطاعت و فرمانبرداری کی مستحق ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامانِ اوست
بحرِ دیرِ درگوشہٴ دامانِ اوست

آج کے مادی دور میں جبکہ جیسا کہ کتاب میں اور رسالے گھر گھر پہنچ رہے ہیں اور پروردہ نشین خواتین کے ہاتھوں میں یہ ناقابلِ برداشت لٹریچر پہنچ رہا ہے۔ جس کی وجہ سے پورا معاشرہ گندگی اور ہمہ گیر فساد کی لپیٹ میں ہے اس کی سخت ضرورت ہے کہ ان شریف بہو بیٹیوں کو اس گندے اور گھناؤنے ماحول سے بچایا جائے اور ان کے ہاتھوں میں صحیح اور اخلاقی لٹریچر پہنچایا جائے۔ اس ضرورت کے پیش نظر ماہنامہ ”رضوان“ کا اجرا عمل میں لایا گیا ہے امید ہے کہ یہ رسالہ مسلمان خواتین میں صحیح دینی ذوق، اسلامی جذبہ، قوتِ عمل اور اخلاقی شعور پیدا کرے گا اور ان کے لئے دل چسپ دل آویز بھی ثابت ہوگا۔ ہر مرد و عورت کا اخلاقی اور دینی فریضہ ہے کہ وہ اس رسالہ کو مسلمان گھرانوں میں پہنچائے!

مسلمان خواتین کے لئے

اصلاحی اخلاقی دینی

لکھنؤ

ماہنامہ

رضوان

زیر ادارت

سید محمد ثانی ندوی — ائمۃ اللہ تنظیم (مہترہ ملا سید ابوالحسن علی ندوی)

پاکستان میں رقم جمع کرنے کا پتہ: سر
ادارہ نشر و اشاعت اسلامیات، ملتان مغربی پاکستان۔

چند سالانہ پاکستان کے لئے تین روپے۔ ہندوستان کیلئے

قیمت فی کاپی ۳۰ روپے۔ نمونہ کے لئے ۳۰ روپے۔

دفتر ماہنامہ - رضوان لکھنؤ ۳ گون روڈ لکھنؤ

اسلام اور وحدتِ انوث

عرب کے بے آب و گیاہ ریگستان میں نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس طویل سلسلہ کی آخری کڑی تھی۔ جو حضرت آدم سے شروع ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے خود فرمایا کہ ”الیوم اَکملت لکم دینکم“ اور رسالت کی آخری قسط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور تبلیغ سے مکمل ہو گئی، اور خداوند تعالیٰ نے انسانی معاشرہ کو وہ ”شعور حقیقی“ کلام پاک کے ذریعہ عطا کر دیا جو خالق کائنات نے انسانی معاشرہ کو مستحکم بنانے اور شر و فساد سے محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ناگزیر سمجھا۔

تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے ہمیں یہ معلوم ہے کہ انسانی معاشرہ اُس وقت تک دورِ اول یا *Primitive age* سے نکل کر آتنا باصلاحیت ہو چکا تھا کہ اس پیغام کو سمجھ سکے اور اس پر عمل پیرا ہو سکے۔ مگر کفر و طغیان کے سیلاب نے ان جامع احکام میں اپنی موت دیکھی اور ایک زوردار ٹکڑے کے بعد اسلام کا جمہوری نظام، بادشاہی یا سلطانی میں بدل گیا۔ اسلام کے عقائد پر طرح طرح کے نئے حملے شروع ہو گئے۔ سیاسی نظام میں تو ریثی بادشاہت نے تعلیمی و دینی حلقوں میں وراثت کے لئے زمین ہموار کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دیں خالص و سادہ کی جگہ ”پراسرار جذب و کشف“ نے لے لی۔ اور اب خدا تک پہنچنے کا روشن طریقہ مختلف پیروں اور مرشدوں کی ”روحانی توجہ“ کا رہین منت بن گیا!

تاریخی کے اس دور میں علماء و صلحاء کی ایک جماعت ہمہ تن اس بات کے لئے کوشاں رہی کہ اسلام کی اصل روح کو برقرار رکھے اور یہ انہی بے نفس اور بے غرض افراد کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ تقریباً چودہ صدیوں کے بعد آج بھی اسلام اتنا ہی خالص و سادہ اور تابندہ ہے جتنا کہ پہلے کبھی تھا۔!

اسلامیان ہند کی جدوجہد آزادی سے کون ناواقف ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اس ملک کے توجید پرستوں ہماری جدوجہد کو ایک طرف انگریزوں سے جو حاکم تھے اور مغرب کے جدید ترین علوم و فنون سے پوری طرح آراستہ تھے، نبرد آزما ہونا پڑا۔ تو دوسری طرف ہندوؤں سے جو تعداد، سرمایہ اور تنظیم میں ہم پر سبقت رکھتے تھے نہٹنا پڑا۔ الحمد للہ کہ اس کڑی آزمائش میں ہم اپنی روایتی شان کو برقرار رکھ سکے اور اس کے تحت ہم ایک اسلامی مملکت کو دُنیا کے سیاسی جغرافیہ میں جگہ دلوا سکے!

پاکستان کیا ہے؟ کیا یہ ایک ملک ہے؟ میں کہوں گا، جی نہیں! بظاہر تو یہ ایک ملک ہی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ یہ ایک نظریہ کا نام ہے۔ ایک نظریہ جو آج سے چودہ سو برس پہلے دُنیا کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ کوئی شخص خواہ وہ کسی رنگ و نسل سے تعلق رکھتا ہو۔ اگر وہ مسلمان ہے تو مسلم قوم کا ایک جزو ہے۔ اور رنگ و نسل کی بنا پر نہ وہ دوسرے سے برتر ہے اور نہ دوسرا اس سے برتر ہے۔ بالفاظ دیگر مسلمان ایک قوم ہیں۔ جنہیں ہندوستانی، پاکستانی، افغانی، عربی اور ترکی کہنا صرف تعارف کے لئے تو ممکن ہے۔ لیکن یہ قوت جامعہ نہیں بن سکتی۔ موجودہ دور میں اس حقیقت کو صرف ایک جگہ کے مسلمانوں نے تسلیم کیا ہے۔ اور وہ ہندوستان و پاکستان کے مسلمان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے مسلمان اس عام جدوجہد آزادی میں دوسری جگہ کے

ملاؤں سے ممت از نظر آتے ہیں۔ یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا دوسری جگہ کے مسلمان اس پیغام کو بھول گئے ہیں؟ جی نہیں
 بسا نہیں ہے! اگر ایسا ہوتا تو مصر میں اخوان المسلمون اور انڈونیشیا میں دارالسلام نام کی پارٹیاں وجود میں نہ آتیں۔ ہاں ایک
 ت یہ ضرور ہے کہ دوسرے ملکوں کے مسلمان حکمران اپنے ملک کے لوگوں سے اس بات کے متمنی ہیں کہ وہ اسے بھول جائیں۔ کیونکہ اس
 منقبت کا وجود خود ان کے اقتدار کے لئے ایک زبردست خطرہ بن جائے گا۔ اگر قومیت کی اساس مذہب ہو تو بیچارے سوئیکار نو او
 مال ناصر کی جگہ دنیا میں کہاں ہوگی؟ سوئیکار نو اور جمال ناصر سے ٹھاپ کے لوگ پاکستان میں بھی موجود ہیں۔ جو اس ملک کے
 امام حکومت اور معاشرے کو مغربی تہذیب کے قالب میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔ اور جن کی زندگیاں اسلامی اخلاق کی بالکل ضد
 واقع ہوئی ہیں۔ ان کے سونے ہی صرف افرنگی نہیں ہیں۔ ان کے دل و دماغ بھی "افرنگی" ہیں۔!

جی ہاں! پاکستان کا وجود اسی ایک نظریہ کا مرہون منت ہے کہ "عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔"
 کیا تعجب ہے کہ اس کی مخالفت میں بااستثنائے چند ساری دنیا متحد نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نظریہ پہلے بھی کتنی سلطنتوں کے
 لئے پیغامِ مرگ ثابت ہو چکا ہے اور اس زمانہ کی سلطنتیں بھی تو وطنی اور ملکی امتیازات پر قائم ہیں۔ اس لئے یہ نظریہ یقیناً
 ان کے لئے بھی پیغامِ مرگ ثابت ہو سکتا ہے۔ جہاں جہاں بھی "جاہلیت" پائی جاتی ہے، وہاں "اسلام" کی مخالفت کا پایا جانا
 ضروری ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہر تاریکی، روشنی کی حریف ہے۔!

پاکستان کے مقابلہ میں طاغوتی طاقتوں کا اتحاد درحقیقت طاقتوں اور سلطنتوں کا اتحاد نہیں ہے۔ نظریات کا اتحاد ہے۔
 وہ تمام نظریات جو کچی بنیادوں پر لیکن چمکدار دیواروں سے بنے ہیں۔ اسلام کے مقابلہ میں متحد نظر آتے ہیں۔ دنیا کو انہوں نے
 کئی ناموں سے اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا ہے۔ اور کبھی رہے ہیں۔ کہیں یہ قومیت ہے، کہیں رنگ و نسل، کہیں یہ سرمایہ
 کا اتحاد اور کہیں مزدور کی حکومت ہے۔ مگر مقصد سب کا ایک ہے۔ "اپنی برتری زیادہ سے زیادہ انسانوں سے کیونکر منوائی
 جائے" اور اس زمانہ میں جبکہ "توحید اور انسانی" کے عہدِ نفاذ کے وقت کی بناء پر اہل پرٹے ہیں انہیں اپنی ان کمزوریوں
 کا احساس بڑی طرح ستارا ہے، ان کا یہ اتحاد عین فطرت کے تقاضوں کے تحت ہے۔ گو اپنے مخصوص مقاصد کے تحت آپس میں
 لڑ بھی لیتے ہیں۔ مگر اسلام کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے حلیف ہیں۔ فلسطین کی یہودی حکومت بننے کے لئے روس اور امریکہ کا دوٹ
 اور اس کی ابتدائی ترقی کے لئے مشرقی یورپ کے اسلحہ اور امریکہ کے ادبی کام آئے۔ یہ مثالیں کتنی عجیب لیکن کتنی سچی ہیں۔
 تو ریت مقدس میں آخری نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کیا سچی پہچان بتائی گئی ہے:-

"اُس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کا ہاتھ اُس کے خلاف ہوگا۔"

اور سارے طوفان کے مقابلہ کے لئے پاکستان کا مسلمان تنہا ہے۔ اُس نے نظریہ توحید کو اپنا یا ہے۔ تاکہ اپنی مملکت
 کو ایک مثالی مملکت بنا سکے۔ ایک ایسی مثال جو دنیا کے لئے قابل تقلید ہو۔ اس کام کا بیڑا ان اسلام پسند افراد نے اٹھایا ہے
 جو دنیا کو امن و سلامتی کی وہ صحیح راہ دکھانا چاہتے ہیں۔ جس پر چل کر انسانیت ایٹم اور ہائیڈروجن کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہ سکے۔
 لیکن کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟

ادیان اور مذاہب کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ دنیا کے سب مذاہب صرف افراد
 اسلام کی جامع تعلیمات کے ذاتی اخلاق پر زور دیتے ہیں۔ معاشرہ کی تنظیم کا نخیل اول تو خال خال نظر آتا ہے اور آتا ہی ہے
 تو اتنا مبہم کہ عمل ممکن نہیں۔ مگر اسلام، جہاں فرد کی ساری زندگی کے مختلف ادوار اور اتار چڑھاؤ میں اسکی نگرانی

کڑا ہے۔ وہاں معاشرہ کی تنظیم اور اس سے بڑھ کر مملکت کے فرائض اور لائحہ عمل سب کچھ بتا دیتا ہے۔ اسلام نے فرد کے لئے، جماعت کے لئے، یہاں تک کہ حکومت کے لئے ہدایت کا ازلی وابدی منشور دیا ہے۔ ایک ایسی شاہراہ عمل بتائی ہے جس کے رہرو کو کسی بات کا کھٹکا نہیں!

عیسائیت و یہودیت اسرائیل کی بھیڑوں کے واسطے تھی تو ہندومت چاند اور سورج کے بیٹوں کے لئے مخصوص رہی۔ اگر کمیونزم کو بھی ایک مذہب تسلیم کیا جائے تو کمیونسٹ ہونے سے پہلے روس کے جدید دیوتاؤں (لینن وغیرہ) کی برتری عقیدے کے طور پر تسلیم کرنی ضروری ہوگی۔ لیکن اسلام؟ صاف اور غیر مبہم الفاظ میں اعلان کرتا ہے:-
”میں نے تم کو ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے پیدا کیا اور قبائل و شعوب میں تقسیم کیا تاکہ تم پہچانے جا سکو۔ بیشک اللہ کے سامنے سب سے مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔“

رنگ و نسل کا کوئی امتیاز نہیں ہے، ہر شخص جو مسلمان ہے وہ دوسرے مسلمان کے برابر ہے۔ خواہ وہ کوئی زبان بولتا ہو کہیں کا رہنے والا ہو۔ کوئی رنگ رکھتا ہو۔ زبان و رنگ اور نسل کے بتوں کو صرف اسلام ہی نے توڑا ہے!
یہ جو دیتا میں لڑائی اور فساد ہے۔ اسلحہ اور سامان حرب کی تباہ کاریاں ہیں۔ وہ انہی دیوتاؤں کی سر بلندی کے لئے ہیں۔ اور اگر یہ دیوتا ہی نہ رہیں تو پھر معاشی اور سیاسی بنیادوں پر ایک دوسرے کو غلام کس لئے بنایا جائے گا؟
یہ غربت اور جہالت، بیماری اور مفلسی کی تباہ کاریاں کیوں ہیں؟ اس لئے معاشرہ کا ایک مخصوص طبقہ سوائے کے تمام نہیں تو اکثر و بیشتر ذرائع پر قابض ہے۔ بنکوں کا نظام خواہ وہ فرد کا ہو یا مملکت کا اگر ختم ہو جائے تو یہ روپیہ کہاں جائے گا؟ انہی افراد کو واپس تقسیم ہو جائے گا۔ اور بنکوں کے نظام کے خلاف دنیا میں کوئی آواز ہے تو اسلام کی ہے جو سود لینا اور دینا، دونوں کو شدید ترین جرائم قرار دیتا ہے۔

”زمین اس کی جو اسے چلائے۔“ اسلام کا یہ اٹل قانون صدیوں سے دنیا کے زرعی مصلحین کے لئے مشعل کا کام دے رہا ہے۔ کسان کے لئے کیا مصیبتیں ہیں؟ زمیندار اور جاگیردار کا ظلم، سود و سود کی لہنت اور اگر یہ دونوں نہ رہیں۔ مزدور کے لئے کیا وقت ہے؟ سرمایہ دار کی حرص، مہاجن کا قرض۔ اور اگر ان دونوں سے اسے نجات مل جائے تو پھر غربت کہاں ہوگی؟ اور کیا ایک دن وہ نہ آجائے گا کہ تم عید کے دن فطرہ کی رقم لے کر ساری کراچی میں گشت کرتے پھرے گے مگر فطرہ لینے والا کوئی نہ ملے گا۔ جیسا کہ اس سے پہلے مسلم اسپین میں ہو چکا ہے اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں عرب کی حالت بھی ایسی ہی تھی۔

حکم ہے کہ ”ہر مسلمان عورت اور مرد پر حصول علم فرض ہے۔“ ہر مملکت اس بات کی کوشش کرتی ہے کہ اپنے یہاں تعلیم کو زیادہ سے زیادہ عام کرے۔ اسلام نے اس کے متعلق جو حکم دے رکھا ہے وہ بالکل واضح اور عام ہے۔ افراد کی مالی حالت مستحکم ہوتے ہی انھیں اپنے بچوں کو ”ذریعہ معاش“ بنانے (یعنی چھوٹی عمر میں کام پر لگانے) کا جس کا آج کل عام رواج ہے، کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

جرائم کی روک تھام کی طرف ہر حکومت اور مملکت کی توجہ ہوتی ہے۔ مگر جرم کا باعث کیا ہے؟ جرائم مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔! ڈاکہ چوری، گروہ کٹی وغیرہ۔ چوری کی اولین وجہ ناداری اور افلاس ہے جس کی گہنا نش اسلامی معاشرہ

میں بچوں نہیں ہے کہ اسلامی خزانہ عامہ ہر شخص کی ابتدائی ضروریات کا کفیل ہوتا ہے۔ دوسری وجہ غلط تربیت ہے۔ جس کی گنجائش مذہبی تعلیم، اچھی تربیت اور روشن خیالی کے بعد باقی نہیں رہتی۔ ایک تیسری وجہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ بعض اشخاص کا فطری میلان ہی چوری کی طرف ہوتا ہے۔ خواہ انھیں ضرورت ہو یا نہ ہو۔ چوری بغرض نفع پر ہی مگر کریں گے ضرور۔ ایسے شخص کا ہاتھ کاٹ دینے کے علاوہ کوئی علاج ہی نہیں۔ کھانے کو اسے پھر بھی دیا ہی جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اگر کچھ کر کے کھانے کے بجائے لوگوں کی جیبیں ہی کاٹنی ہیں تو بہتر ہے کہ لوگوں کی جیبوں سے اس کا گزارا بھی ہوتا ہے۔ چوری کی ایک اور بڑی اہم وجہ چوری کے مال کا پک جانا ہے۔ اگر چوری کا مال نہ پک سکے تو چوری کی کم سے کم وارداتیں ہوتی۔ اسلامی معاشرہ میں چوری کے مال فروخت ہونے کی گنجائش احتساب کے بعد نہیں رہ سکتی۔!

ہمارے معاشرے میں عیش پرستی اور ہوسناکی کے جرائم اس قدر عام ہو گئے ہیں کہ بعض دفعہ حیرت ہونے لگتی ہے کہ اب تک ہم لوگ عذاب الہی سے بچے ہوئے کیونکر ہیں۔ اس کے اسباب تو بہت سے ہیں۔ مگر خاص طور پر آج کل کی تہذیبی ترقی کو اس میں بہت زیادہ دخل ہے۔ فحش لٹریچر، سینما، عریاں تصویریں اور افسانے، مردوں اور عورتوں کا آزادانہ ملنا جلنا، فیشن پرستی اور رقص و موسیقی۔ یہ تمام محرکات ہمیں اس بات کے لئے ابھارتے ہیں کہ ہم بے راہ روی اختیار کریں۔ نیز غلط تربیت اور اخلاقی پابندیوں کی کمزوری بھی اس رجحان کا باعث ہے۔ الحمد للہ اسلام ان سب باتوں کا سختی سے مخالف ہے۔ آجکل کا قانون نہ صرف ان باتوں کو جائز قرار دیتا ہے بلکہ ہو دیتا ہے۔ اگر مرد و عورت کا اختلاط اپنی مرضی سے ہو تو کوئی جرم ہی نہیں ہے۔ اور اگر جرم ہے بھی تو سزا اتنی معمولی کہ نہ مجرم کے لئے باعث تربیت ہے اور نہ دوسروں کے لئے باعث عبرت! اس کے مقابلہ میں اسلام ایسی غیرتناک سزا دیتا ہے کہ اس کے نام سے بڑے بڑے بدکار "تھرا جاتے ہیں۔!

کہا جاتا ہے کہ شراب تمام جرائم کی ماں ہے، اور صحیح بھی ہے۔ جب انسان اپنے ہوش ہی سے گزر گیا تو اچھے بچے کی تمیز کیا رہے گی۔ شراب آجکل پانی کی طرح استعمال ہوتی ہے۔ اور شراب نہ صرف اس کی قیمت مہیا کرنے کے لئے چوری کی طرف اُکساتی ہے، بلکہ ساکنہ ہی خون کی گرمی عیاشی اور محنت کاری کی طرف بھی راغب کرتی ہے۔ اسلام نے اس لئے شراب کو قطعاً حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔ سزا بھی ایسی رکھی ہے کہ کوئی شخص اس کی طرف رغبت ہی نہ کر سکے! مندرجہ بالا سطور میں ہم نے جائزہ لیا ہے کہ اسلام کس طرح جرم کو پابند بنا کر رکھتا ہے۔ جہاں وہ مجرم کو سزا دیتا ہے، وہاں جرم کے اسباب و علل کی بھی کڑی نگرانی اور روک تھام کرتا ہے۔ وہ ایسے حالات ہی پیدا نہیں ہونے دیتا کہ لوگ جرم کی طرف مائل ہو سکیں۔ اور اگر کوئی اس کا مرتکب ہو تو سزا ایسی ہے کہ دوبارہ کبھی ہمت ہی نہ ہو۔ یا اکثر حالات میں تو یہ صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے کہ دوبارہ اس جرم کو کر سکے۔!

آپ نے دیکھا کہ اسلام کس طرح انسان کی ہر ضرورت اور مسئلہ کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام زمانہ کی ترقیوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اس لئے اسلام کو بس "انفرادی زندگیوں" تک ہی محدود رکھنا چاہیے۔ اجتماعیات میں اسلام کو لانا ٹھیک نہیں۔ مگر یہ ان لوگوں کی جو اسلام کا صحیح حل نہیں رکھتے، غلط اندیشی، غلط بینی اور فکر کی کمی ہے۔ "اجتماعیات" کے مسائل کا فطری حل "اسلام" کے سوا اور کسی نظریہ سے ممکن ہی نہیں۔

اسلام ہے ہر درد کا ہر دکھ کا ملاوا!

تحریک پاکستان، قیام پاکستان اور مقصد وجود پاکستان کیا ہے؟ صرف یہی کہ ہم چند کروڑ انسانوں نے انسانی قانون کے بجائے خدا کا قانون اپنے اوپر نافذ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر اس مقصد عظیم میں ہم کامیاب ہو گئے تو یہ ایک انقلاب کا پیش خمیہ ہو گا۔ جو شاید آنے والی نسلیوں کے لئے باعث رحمت ثابت ہو سکے، اس طرح اسلامی قانون کو اپنا کر ہم نے دوسروں کے مقابلہ میں اپنے اوپر زیادہ ذمہ داری لے لی ہے۔ یہ دنیا جو نہایت تیزی سے تباہی اور بربادی کی طرف بھاگ رہی ہے۔ اس کو بچانا صرف ہمارا کام ہے اور اس کی واحد تدبیر ایک ایسی سماجی مملکت (Welfare State) کا وجود میں لانا ہے جو دوسروں کے لئے قابل قبول ہی نہیں باعث تقلید بھی ہو۔ اس بارگراں سے ہم اس طرح سبکدوش ہو سکتے ہیں جب اس نظریہ کو اپنانے کا حق ادا کریں۔ یہی وجہ ہے کہ نظریہ توحید دوسروں کے لئے چاہے صرف فلسفہ مابعد الطبیعیات کا ایک نکتہ یا علم کلام کا ایک مسئلہ ہو۔ مگر ایمانداری کی بات یہ ہے کہ ہم پاکستانیوں کے لئے یہ ہماری تحریک کی ابتداء اور انتہا اور پوری جدوجہد کا حاصل ہے۔ یہ وہ بنیادی پتھر ہے جس پر ہماری مملکت کی بنیادیں قائم ہیں۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ صرف اسی پر قائم رہ سکتی ہیں۔ یہ وہ مقصد ہے جس کے لئے ہمارے ہر فرد کو اور بحیثیت مجموعی سب کو اپنی زندگیوں کو ڈھالتا اور سوارنا ہے۔ اللہ کرے ہم اس مقصد کے حصول میں کامیاب ثابت ہوں۔ (آمین)

غسل کیلئے بہترین صابن

صنعت پاکستان کے بہترین نمونے

پسندیدہ ترین نمونے
صابن خریدنے کے وقت

ذوالفقار انڈسٹریز

کا نام دیکھئے

جو اچھے صابنوں کی ضمانت ہے۔ جدید ترین ولایتی مشینری سے تیار کردہ۔
پاکستان میں ہر قسم کی صابن کی ضروریات کے لئے
ذوالفقار انڈسٹریز کا نام ہمیشہ یاد رکھیں۔

ذوالفقار انڈسٹریز۔ ڈی ۱۹ منگھوپر روڈ۔ کراچی

گلفام ٹو ایٹ سوپ

لیٹی کریم سوپ

لیٹی سوپ فلیکس پوڈر

ریشمی اور ادنی کپڑے دھونے کا خاص اجزاء سے مرکب صابن

آل رائٹ میڈیکل کاربالک صابن

کپڑے دھونے کے بہترین صابن

۱۱ ہرن برانڈ۔ (۲) ملٹری بار۔

۵۵۵ بار

شبہنم عقیقت

شبہنم سادیوانہ شاعر اور مدیحہ نگار
 محفل والو! اس کو پہنادو پھولوں کے
 دینا ہی یا پاپ کی منڈی پیار ہی یا ہیر پیا
 سچی تیری کالی کالی جھوٹا سب سنسار
 کالے بادل کوئل ہی کو مست نہیں کرتے
 ہم بھی ہیں اک لہ سیہ کی الفت میں شہر
 اہل محبت راہ و فامیں مگر کے امر کہلائے
 اے نادانو! تم ہی سوچو جیت ہوئی یا ہا
 ہر بستی اپنی بستی ہی، ہر دین اپنا دین
 توڑ دو ہر اوہام کی سرحد، ڈھادو ہر لویا
 مرد مسلمان شعلہ و شبہنم، سو بھی ہر اور ساز
 لچکے تو اک پھول کی ڈالی، چمکے تو تلوا

حیر

کہہ دو اغیار سے الجھیں نہ مسلمانوں سے
 چھپڑا چھی نہیں اللہ کے دیوانوں سے
 دین کا نام دو عالم میں ہے اب تک روشن
 ستم تو حید کے دل سوختہ پروانوں سے
 آج بھی لرزہ بر اندام نظر آتے ہیں
 پاسباں دیر کے کعبہ کے نگہبانوں سے
 اہرمن زادوں سے مرعوب نہ ہونگے مومن
 اہل یزدان نہ دہیں گے کبھی شیطانوں سے
 حق کی آغوش میں آئیں گے پھر اصنام پرست
 شور تکبیر پھر اٹھنے کو ہے بتخانوں سے
 خیر و خندق و بدر و احد و جنگ حنین
 آج اسلام ہے زندہ انہیں افسانوں سے
 آج وہ پیکر تہذیب بنے بیٹھے ہیں
 پست کل تک نظر آتے تھے جو حیوانوں سے
 کہہ دو تثلیث کے حامی سے ہے پھر اٹھنے کو
 غل ھو اللہ احد کا ترے کاشانوں سے
 ناقہ عزم کو پہنچا مہر منزل نازش
 تیز گامی کا سبق سیکھو حدی خوانوں سے

فردوس تغزل

تسکین قریشی

کوئی خاموش ہے کوئی نالہ بلب
اللہ اللہ یہ مستی شوق طلب
عشق کی کاہشیں دل سجاتی ہیں کب
باہمہ جبرأت ترق و جوش طلب
اپنا اپنا جنوں، اپنی اپنی طلب!
جتنا شرار ہوں اتنا ہی تشنہ لب
اب بھی آنسو نکل آتے ہیں بے سبب
ہے مقام محبت، مقام ادب
اب محبت کا ہے خود محبت سبب
ہر قسم ہے اک نالہ زیر لب
نغمہ حسن بھی نغمہ بے طرب
ٹوسرا پاکشش، میں مجسم طلب
پھر یہ دوری ہے کیا؟ یہ تغافل ہے کیوں

اتنا بے خود بھی تسکین کو جانو نہ تم

ہر تو دیوانہ، لیکن سمجھتا ہے سب

جگر ہر اد آبادی

بے غم عشق و بے دل آگاہ موت بھی جرم زندگی بھی گناہ

شاہد صدیقی

اس کو دعویٰ تعمیر، اس کو دعویٰ تعمیر اور اس کتاکش میں بڑھ رہے ہیں پیرا

نظر حیدر آبادی

خے رنگیں کا کیا ہو یہ میخانے کہاں جاتے نگاہ یار مل جاتی تو پیمانے کہاں جاتے

جگر نخت نخت

(غنی احمد غنی)

وہ طرز جنوں اپنی خود مجھ کو پسند آئی
جب اُس کے تصور نے چپکے سے پکارا،
بیراد کسٹنِ غم ہی کچھ اس کو سمجھتا،
رہ رہ کے جگر میں اک شعلہ سالپکتا ہے
تا چند بہاروں پر احساں گلِ ولالہ کے
کی جب سرد امن نے کانٹوں کی پذیرائی
محسوس ہوا ایسا یوں اٹھی ہے تنہائی
آسان ہے رو لینا، مشکل ہے شکلیاں
رہ رہ کے بھڑکتی ہے شمع شبِ تنہائی
کانٹوں میں بھی پیدا کر ذوقِ چمنِ آرائی

کیا شے ہے غنی آخر امیدوں کی کشتی بھی

موجوں سے بھی ٹکرائی، ساحل کو بھی چھو آئی

صبا اجاسی

پیرزادہ محمد اورین تابش - شجاع آبادی

راہِ اُلفت میں یونہی مشکل مقام آتے رہیں
ہاں مگر تیری نگاہوں کے پیام آتے رہیں
یہ بڑا غم کو چھپانے والا!

بڑی چریا کوٹی - ایم ایس، ایل ایل بی وکیل

لاکھ چپکے سے چھپا گیا سا رزدل

پھر بھی پہچان لی میں نے آواز دل

نغمگیں آتشیں اور حیاتِ آندریں

کون سی شے ملی ہے یہ اندازِ دل

پردہ درہور ہے جس حجابات بھی

کھل رہا ہے نگاہوں سے کھل رازِ دل

پھرنے سے گلستاں میں بہا رہا آجائے
پھر خزاں دیدہ شگوفوں نہ کھار آجائے
تو رہ عشق میں اتنی تو کشش پیدا کر

کہ ترے سامنے خود منزلِ بار آجائے

فضل الرحمن مستلا - غازی پوری

رکنے والے نہیں اب آجائے تیرگی اپنا زور آزما لے

آج گلچیں بھی ہے کستکش میں پھول توڑے کہ دامن سنبھالے

ذوقِ آرائشِ آشتیاں میں ہم نے خود بال و پر نوچ ڈالے

کون اب فرصت بے خودی کو

ہو شمتدی کے سا پچھے میں ٹھالے



روحِ انتہا

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میری تعریف میں زیادہ مبالغہ مت کرو۔ جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو حد سے زیادہ بڑھا دیا۔ میں تو اللہ کا بندوں میں سے ایک ہوں۔ اس لئے مجھے "عبد اللہ ورسولہ" کہا کرو۔ ایک مرتبہ آپ تشریف لائے تو سب صحابہ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ جیسے عجمی آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اس طرح تم کو کھڑا نہ ہونا چاہیے۔ (شعار غاضی عیاض) آپ اپنے اصحاب میں بالکل ملے جھلے رہتے تھے۔ اور مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی تھی، وہیں بیٹھ جاتے تھے۔ حضورؐ نوکروں کے کام میں شریک ہو جاتے اور ان کو اپنے پاس بٹھالیتے!

آپ نے فرمایا۔ بھوکوں اور مسکینوں کے لئے کوشش کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ قائم اللیل اور صائم النہار کے برابر درجہ رکھتا ہے۔ آنس بن شریق نے ابو جہل سے کہا کہ اے ابوالحکم! تجھ سے میں ایک بات پوچھتا ہوں، اس جگہ ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا شخص ہماری بات سننے والا نہیں ہے۔ تو مجھے کس طرح بتا دے کہ آیا محمدؐ (روحی فداک) سچا ہے یا جھوٹا۔ ابو جہل نے جواب دیا۔ واللہ! بیشک محمدؐ ہمیشہ سچ بولتا ہے اور اس نے کبھی غلط بیانی نہیں کی!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ سے کہا کہ مشرکین کے لئے بددعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں لعنت کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریضوں کی عیادت کیلئے دو دروازوں میں تشریف لے جاتے تھے، جس کسی سے ملتے پہلے خود سلام کرتے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے آپ سے مصافحہ کیا اور آپ نے اس کے ہاتھ کھینچنے سے پہلے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہو۔ آپ اخترا یا اپنے اصحاب کا نام نہ لیتے بلکہ کسی کنیت سے مخاطب فرماتے اور محبت آمیز پسندیدہ ناموں سے ان کو یاد کرتے تھے۔ آپ کسی کا قطع کلام نہیں کرتے تھے بلکہ اگر کوئی نازیبا بات کہتا تو آپ اسے منع فرمادیتے یا اٹھ کر کھڑے ہو جاتے۔ تاکہ وہ خودی رگ جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں آٹھ برس کا تھا جب آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ برابر دس برس تک خدمت نبوی میں رہا مگر اس طویل مدت میں کبھی ایک مرتبہ بھی آپ نے اٹ تک نہیں کی اور نہ یہ فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا؟ اور وہ کام کیوں نہ کیا۔ آپ کی زبان سے کبھی کوئی فحش اور بیہودہ کلمہ نہیں نکلا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے بار بار فرمایا کہ اگر میرے پاس کوہ احد کے برابر سونا ہو تب بھی مجھے خوشی اس وقت ہو کہ میں بین دن گزرنے سے پہلے ہی وہ سب تقسیم کر دوں اور میرے پاس سوائے اس کے جو میں ادلے قرمن کے لئے اٹھا رکھوں اور کچھ باقی نہ رہے!

حضرت عبداللہ ابن عمارت کا قول ہے کہ میں نے کسی شخص کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوش خلق نہیں دیکھا۔ آپ کا قول ہے۔ "پہلو ان وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پھٹاڑنے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کا مالک ہو!"

آپ کی زندگی تہی اور سبکیسی کی حالت سے شروع ہوئی مگر جب آپ کی وفات ہوئی تو تمام ملک عرب کے فرمانروا تھے۔ ان تمام حالت اور تمام مدارج زندگی میں آپ کی سادہ معاشرت یکساں طور پر نظر آتی ہے۔ تاریخ اسلام۔ حصہ اول۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

آواز

فیروز ہنس مکھ نوجوان تھا۔ طبیعت بڑی منسا رہائی تھی۔ اسکول میں کوئی تقریب ہوتی تو اس میں اس قدر دل چسپی اور انہماک کے ساتھ حصہ لیتا جیسے اس تقریب کی کامیابی کی ساری ذمہ داری اسی کے سر پر پڑی ہے۔ کرکٹ کا وہ درمیانہ درجہ کا کھلاڑی تھا۔ اور باکی کی فرسٹ ایون ٹیم میں شامل تھا۔ ایک عیب اس میں نہ ہوتا تو وہ باکی کا ممتاز ترین سینئر فارورڈ ہوتا۔ وہ یہ کہ گیند لینے کے بعد اپنے ساتھیوں کی طرف گیند پاس کرنے کی بہت ہی کم کوشش کرتا۔ اس کی آخر تک یہی کوشش رہتی کہ وہ کسی اور کی مدد کے بغیر تنہا گول بنا کر اپنی مشاقتی، چابکدستی اور مہارت کے جھنڈے کھیل کے میدان میں گاڑ دے۔ خود ستانی اور خود اعتمادی کے ملے جلے جذبے جن کے صحیح تناسب کا تعین شاید کوئی بڑے سے بڑا ماہر نفسیات بھی نہیں کر سکتا۔!

اسکول کے بعد فیروز کالج میں پہنچا تو اس کی سوشل دل چسپیاں اور بڑھ گئی۔ کالج میں ڈرامے ہوتے تو ان میں وہ پیش پیش رہتا ایکٹنگ سے لے کر ایسٹیج کی تیاری تک کے تمام مرحلوں میں فیروز کی دلچسپیاں شریک کارہوتیں۔ اداکاروں کا تلفظ وہ درست کرتا۔ گیتوں کی دھنیں بٹھانے میں اس کی پسند ناپسند کا دخل ہوتا اور ایسٹیج کے پردوں کی ترتیب میں اس سے مشورہ لیا جاتا۔ جس کو ڈراموں اور کھیل تماشوں سے اتنی دل چسپی ہو، اسے بہت زیادہ ہنسوڑ اور پھلکڑ ہونا چاہیے۔ مگر فیروز بڑا خود دار اور باوقار نوجوان تھا۔ چلتی باتوں سے اسے نفرت تھی، ڈرامہ کھیلنے والے لڑکے فرصت کے اوقات میں ناچتے گاتے۔ تھرکتے، گھڑوں اور تھالیوں سے طبلہ کا کام لے کر خوب اودھم مچاتے اور خوش فعلیاں کرتے۔ مگر فیروز اس دھماچو کڑی سے کتنی کاٹ جاتا۔ اس نے اپنے محلہ کی لائبریری کی مجلس انتظامیہ سے محض اس وجہ سے علیحدگی اختیار کر لی کہ "How to Kiss" نام کے ایک فحش ناول کو لائبریری سے وہ نکلوا دینا چاہتا تھا۔ مگر لائبریری کے کرتادھرتاؤں کی اکثریت نے فیروز کی اس تجویز کو رد کر دیا۔!

کالج کے ڈراموں کی سادگی میں اب رفتہ رفتہ رنگینی بلکہ یوں کہیے شوخی کا اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ فیروز کو "آرٹ" کا اس قدر پاؤں پھیلا نا کھلنے لگا! ایک بار کالج میں ایک ڈرامہ کی تیاری ہو رہی تھی۔ کھیل کا نام تھا:-

"دریا کے اُس پاس"

اس میں ایک لڑکی کا پارٹ کالج کے سب سے زیادہ خوبصورت لڑکے "ہمتاب" کو دیا گیا۔ پیش مشقی (ریہرسل) کا آخری دن تھا۔ غروب آفتاب کے بعد ہمتاب کو زمانہ لباس پہنایا جا رہا تھا کہ اتنے میں "میک اپ روم" سے شور اٹھا۔ پھر چائٹوں اور لات گھونسلوں کی آواز آنے لگی۔ بیچوں، کرسیوں اور ٹیشوں کے توڑے جانے کی آواز نے اس شور کو خونناک بنا دیا۔ آن کی آن میں سارا کھیل ہی بگڑ گیا۔!

کالج کے منتقلین نے لاکھ جتن کئے کہ یہ خبر کالج سے باہر نہ جانے پائے۔ مگر شہر میں خیر پھیل کر رہی۔ عام شہرت تھی اور گھر گھر چرچا تھا کہ ہمتاب نام کے لڑکے کو جسے زمانہ لباس پہنایا جا رہا تھا۔ کسی من چلے نے پھیر دیا اور اس پر بات بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ دو ٹولیلوں میں

ہاتھ پائی کی توبت آگئی۔ اس خبر کو یار لوگوں نے نک مہرج لگا کر جو تیز اور چٹپٹا بنا یا ہے، تو نہ پوچھیے وہ کہاں جا کر کیا بنی اور کس زبان نے اُسے کس طرح ادا کیا۔ ہزار منہ ہزار باتیں۔ یہ ضرب المثل یونہی شہرت نہیں پاگئی۔ اس میں اصلیت ہے۔ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ یہ روزانہ کا بخر ہے کہ دوسروں کی عیب چینی ہی سے محفلوں میں گرمی پیدا ہوتی ہے اور ایسی باتوں سے سچ سچ محکاموں میں رس پڑتا ہے! اس واقعہ نے نہ جانے کتنی پچھلی باتوں کو زندہ کر دیا۔ یہ تک مشہور ہو گیا کہ بسنت پر جو۔۔۔ خوبصورت بلا۔۔۔ ڈرامہ

کالج میں کھیلا گیا تھا۔ اُس میں ہیرو نے جو غزل پڑھی تھی، جس کا ایک شعر یہ تھا ہے
تمہاری چشموں نے نیل اتنے دل پہ ڈالے ہیں
کہ جن کو گنتے گنتے دکھ گئی ہیں انگلیاں میری

تو یہ شعر کالج کی بعض لڑکیوں کی کاپیوں پر لکھا دیکھا گیا اور کسی کسی کے پرس سے تو اُس نوجوان کا فوٹو پکرا گیا۔

فیروز مڈ آرٹ اور کلچر کی بڑھتی ہوئی رعنائیوں کو پہلے ہی بھانپ چکا تھا کہ اعمت دال، سلامت روی اور سادگی کی عیدیں ٹوٹ کر رہیں گی، اس واقعہ کا اُس نے شاید سب سے زیادہ اثر لیا۔ شدید ردِ عمل، اس حد تک کہ وہ ڈرامہ سے بالکل کنارہ کش ہو گیا۔ اور اُس کی کنارہ کشی کو کالج والوں نے ایسا محسوس کیا جیسے اس غبارے سے ساری ہوا ہی نکل گئی۔ ساتھیوں نے اُس کی خوشامد کی اور پروفیسروں نے اُسے سمجھایا۔ مگر فیروز کسی طرح نرم نہ پڑا۔!

اب وہ گہرے سوچ میں رہنے لگا، جیسے وہ اس واقعہ کے بعد ایک دم فلسفی ہو گیا ہے، مطالعہ کا وہ چھٹ پن ہی سے شوقین تھا۔ اب یہ شوق اور تیز ہو گیا۔ اُس نے "Sins of The world" سے لے کر "فلسفہ اخلاق" تک کو پڑھ ڈالا۔ ایک سال تک وہ کالج کی سوشل دل چسپیوں سے بالکل الگ تھلگ تو نہ رہ سکا مگر ہاں! بچا بچا سا رہا۔!

نوجوانی، کالج کا دل چسپ ماحول۔ شور و شگ ساتھ ہیوں کی چہلیں، بالآخر ایک پک تک پارٹی میں اُس کی توبہ ٹوٹ ہی کر رہی! اُس نے ہارمونیم پر ایک گیت گایا۔ اور دوستوں کے اصرار پر:-

مچھو نے نہ دوں گی شریہ بھریوں سے دل بھروں گی۔

کونرت کے ساتھ ادا کیا۔ وہ نہ گایا تھا اور نہ نرت کار۔ گانے والوں کا گانا سن کر اور اُن کی نرت دیکھ کر، اُس کی ذہانت نے نقل اتار لی تھی۔ اس "نفتالی" سے یار دوستوں کی محفلوں میں گرمی پیدا ہو جاتی۔ دوستوں کو ہنسا کر آدمی کو بڑی خوشی ہوتی ہے!

کالج کے کلچرل ایسوسی ایشن کی نگرانی جن پروفیسر صاحب کے سپرد تھی، اُن کے پاس فیروز کا آنا جانا رہتا تھا۔ اب تک وہ کالج کے ہاسٹل میں رہتے تھے۔ بیوی بچے آگے تو شہر کے ایک مکان میں رہنے لگے۔ فیروز ایک دن پروفیسر صاحب کے یہاں گیا اور دروازے پر دستک دی۔ ایک عورت نے کواڑ کی اوٹ سے اُس کے سوالوں کا جواب اس قدر اکھڑ پن اور رکھائی سے دیا کہ فیروز زمین میں ایک پل کے لئے بھی نہ ٹپک سکا۔ عورت کے لہجہ میں درشتی بلکہ خستہ تھی۔ فیروز کو پسینہ سا آگیا جیسے کسی نے اُسے دھتکار دیا ہو۔ عورت نے جواب اُس کے ہر سوال کا دیا۔ مگر لب و لہجہ میں خاصہ فخر و پاپن تھا کہ سُننے والے کے دل میں جواب دینے والی کی طرف سے رتی بھر لگاؤٹ پیدا نہ ہو۔!

بات آئی گئی ہوگئی۔ اس واقعہ کے دو ڈرامائی مہینہ بعد کالج میں ایک مشاعرہ ہونے والا تھا۔ فیروز کو اس سلسلہ میں پروفیسر صاحب سے ضروری ہدایتیں یعنی تقیہ۔ کالج میں اُن سے ملاقات نہ ہو سکی، اُن کے گھر پہ جانے ہوئے وہ بچکچکا تا تھا کہ کہیں آج بھی پروفیسر مکان پر نہ ہوں، اور اُس اکھڑ مزاج عورت سے بات چیت کرنی پڑے۔ وہاں جانا ہر حال ضروری تھا۔ کالج سے سائیکل پر روانہ ہوا۔

راستہ میں چوراہے سے مڑتے ہوئے سائیکل کی چین اتر گئی۔ اُسے جیسے تیسے درست کیا تو آگے چل کر ایک کیل ٹائیر میں چھبی اور ڈیڑھ کے پھٹنے کی آواز آئی۔ آن کی آن میں ہوا نکل گئی۔ اُسے اپنے سے زیادہ سائیکل پر جھنجھلاہٹ آ رہی تھی کہ عین ضرورت اور کام کے وقت یہ ظالم دغا دے گئی۔ اس جھنجھلاہٹ سے پھٹا ہوا ٹیوب جڑ تھوڑی سکتا تھا۔ اگر جھنجھلاہٹ اور خفتگی سے بگڑے ہوئے کام بن جایا کریں تو پھر خفتگی، غناب، جھنجھلاہٹ اور بگڑنا لوگوں کا محبوب ترین شغل بلکہ آرٹ بن کر رہ جائے!

فیروز نے سائیکل کو ایک جاننے والے حجام کی دکان کے قریب تختہ کے سہلے کھڑا کر دیا۔ اور پیدل چل کر پروفیسر صاحب کے مکان پر پہنچا۔ اُس نے دروازہ پر دستک دی۔ جو اب میں کوئی آواز نہیں آئی۔ بس کواڑوں میں ذرا سی جنبش ہو کر رہ گئی۔ جس طرح تانگہ والے اپنے گھوڑے کی پیچھے کو پھینچتے ہیں۔ فیروز نے اسی انداز میں دروازے کی کواڑ پر کھٹے ہوئے ہاتھ سے پھر دستک دی۔ اندر سے ایک مہین سی آواز آئی۔

”پروفیسر صاحب باہر گئے ہوئے ہیں“

فیروز نے اس پر دریافت کیا کہ وہ مکان پر کس وقت مل سکیں گے۔ اس کا جواب بڑے نرم و شیریں انداز میں دیا گیا۔ دیر تک سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ فیروز ڈرتے ڈرتے پروفیسر صاحب کے یہاں آیا تھا۔ کہ وہ نہ ہوئے اور اُس دن کی طرح اُسی عورت سے بات چیت کی ثبوت آگئی تو اپنے کان کے پردوں پر وہ درشت لہجہ کی خراشیں لے کر وہاں سے جائیگا۔ مگر آج تو اُس کے سامنے نے موج کوثر و تسنیم کا لطف اٹھایا تھا۔ وہ راسنہ بھر عورت کے لہجہ کی نرمی، آواز کے لوح اور جملوں کی بسیا ختنگی اور شیرینی کے تصور سے لطف انداز ہوتا رہا۔ ”جس کی آواز ایسی ہو اُس کی صورت کیسی ہوگی؟“ اس سوال کے دل میں پیدا ہوتے ہی وہ کچھ لاشیمان سا ہو گیا۔ جیسے اُس کے ضمیر نے فوراً چٹکی لی ہو۔!

کالج میں مشاعرہ ہوا اور بڑی دھوم کا مشاعرہ ہوا۔ پردہ نشین خواتین کے لئے پردہ کا بھی خاص طور پر انتظام تھا۔ چکیں، حلیمیں، پردے۔۔۔ مگر یہ بس دیکھتے ہی کے پردے تھے۔ کالج کے طلباء بار بار اس طرف جاتے اور جی بھر کے نظارہ کرتے۔ نوجوان شعراء، رنگین اشعار اور پھر ترنم! اس ماحول میں جذبات پر جو بھی گزر جائے، تھوڑا ہے۔!

مشاعرے کے بعد اُن طلباء کو جو اس تقریب کے انتظام میں سرگرم کار تھے، پنڈال ہی میں رک جانا پڑا۔ صبح سویرے اٹھ کر انہیں فریش، شامیانے، پردے، گلدان وغیرہ بھولنے پھینے۔ فیروز اور دوسرے طلباء نے اسٹیج کے قالینوں پر ہی بستر جمائے۔ اتنی بہت سی شوخ و شنگ ”جو انیاں“ جہاں جمع ہو جائیں تو نیند کہاں آسکتی ہے۔ گفتگو کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اُن کی باتیں۔!

بھئی! مجمع نے سب سے زیادہ داد تو اکرام مرزا پوری کو دی۔ مگر حقیقت میں غزلیں سب سے زیادہ اچھی اُس ساونے رنگ سے ملے پتلے شاعر کی تھیں۔ کاش اُسے ترنم سے پڑھنا بھی آتا۔۔۔ یا را! بزجی رومانی اپنی نظم ”پہلی ملاقات“ جب پڑھ رہے تھے تو میں نے زمانہ کی طرف دیکھا۔ ایک خوبصورت لڑکی بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ اسلم! تمہارے سر کی قسم آج مشاعرے میں وہ وہ صورتیں دیکھی ہیں کہ میں اپنی نگاہوں کو مبارکباد دے رہا ہوں۔ سائے شہر کا حسن کھنچ کر ہمارے کالج میں آ گیا تھا۔ اور ہاں! بھائیو! آج ایک عجیب تجربہ ہوا۔ وہ جو ہمارے پروفیسر مسٹر نصیر ہیں۔ اُن کے گھر میرا کئی بار آنا جانا ہوا۔ وہاں دُد عورتوں سے پردے کی آڑ سے بات چیت کا موقع ملا۔ ایک کی آواز میں درشتی اور خوشنمت پائی، دوسری کی آواز نرم و شیریں۔ میں نے دونوں کے ناک نقشہ اور چہرے مہرے کے بارے میں اُن کی ”آوازوں کے اعتبار سے کچھ تصورات قائم کئے تھے۔

مگر آج کے مشاعرے میں انہیں دیکھ کر پتہ چلا کہ میں نے جو لفظ جایا تھا۔ معاملہ اُس کا بالکل الٹ نکلا۔ خوبصورت تو دراصل وہ عورت ہے، جو اپنی آواز کو بات کرنے میں پھٹے بانس کی طرح بنا لیتی ہے۔ وہ اُس کی مزاحیہ دار گرون، وہ کتابی چہرہ، وہ چمپنی رنگت، بس ذرا ہونٹ موٹے ہیں۔ اور ہاں! اتنے لائے پلک تو میں نے آج تک دیکھے ہی نہیں۔ اور دوستو! وہ دوسری عورت جس کے لہجہ میں نرمی اور شیرینی ہے، پستہ قد، آنکھیں جیسے واسکٹ کے بٹن۔ خم کھائی ہوئی چھٹی ناک۔ گندمی رنگت۔ چیمپک کے داغوں نے اُسے عجیب طرح کا میٹالاس بنا دیا ہے! (فیروز سب سے زیادہ توجہ کے ساتھ اس گفتگو کو سنتا رہا اور ایک گہرے سوچ میں پڑ گیا)

صبح سویرے طلباء نے اٹھ کر ہانڈ مٹہ دھویا اور ناشتہ کیا۔ ناشتہ میں انہوں نے خوب چہلیں کیں۔ چھین چھپٹ۔ قہقہے، ہنسی مذاق، کسی نے جھپٹا مار کر حلوے کا دوٹا مٹھیا لیا۔ کسی نے ثابت پوری کا ہانڈ سے چورا کیا اور ایک ہی لقمہ میں چٹ کر گیا۔ کسی نے چائے میں شکر ڈالتے ہوئے دو تین چمچے شکر ہی پھانک لی۔ ایک نے دوسرے کی تمبیس کے دامن سے ہانڈ پونچھے تو دوسرے نے اچار کا مسالہ اُس کے گال پر لگا دیا۔ ایک شربرٹ کے نے رات کے مشاعرے کی نقل اتاری۔ سب سے زیادہ لطف بوڑھے شاعر کی نقل اتارنے میں آیا۔ لڑکے نے اسٹیج پر گاؤ تکیہ پر ٹریکا لگا کر پہلے آگا لدان میں پان کی پیک تھو کی۔ پھر حتمہ کو ناک سے اتار کر مجمع کا جائزہ لیا۔ اُس کے بعد جیب سے کاغذ نکالا تو کاغذ کے ساتھ ایک روپے کا نوٹ بھی لپٹا ہوا چلا آیا۔ شعر پڑھتے میں آواز الگ کپکپا رہی تھی اور ہانڈ الگ کانپ رہا تھا۔ وہ اس کا مجمع کو سلام کرنے میں جھک جھک جانا۔ وہ کمر کی لچک، گردن کا گھماؤ اور ہاتھوں کی جھریوں کا تناؤ! نقل میں اصل سے زیادہ لطف آیا۔ کوئی گھنٹہ پون گھنٹہ تک یہ محفل گرم رہی۔!

اس کے بعد دن گیا رہ بجے تک لڑکے کام میں لگے رہے۔ فیروز نے سب سے زیادہ کام کیا تھا۔ اُس کا بدن تھک کر چور ہو گیا تھا۔ وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح اپنے گھر کی طرف آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ ہر تجربہ اور انکشاف کے بعد اُس پر خاص قسم کا رد عمل ہوتا، جیسے اُس کی زندگی سچ سچ کسی نئے موڑ پر مڑ رہی ہے!

اُس کے مکان کے قریب محلہ کے چھوکرے ایک بندر کا پھینچا کر رہے تھے۔ بندر نے بہت کچھ غرنش کی اور بھبکیوں سے لڑکیوں کو مرعوب کرنا چاہا۔ مگر لڑکے بھلا داب کب کھانے والے تھے۔ لونڈوں کی ایک پلٹن تھی جو ہنومان جی کا تعاقب کر رہی تھی۔ فیروز لڑکے کے نگر پر مڑا ہی تھا کہ ایک لونڈے نے بندر کے پتھر مارا۔ اور بندر جو پلٹا ہے تو فیروز درمیان میں آگیا اور اُس کے پا جائے کے پائینچے کو بندر نے تارتا کر دیا۔ ہلکی سی خراش بھی اُس کی سیدھی ٹانگ پر آگئی۔ کرا کس نے اور بھرا کس نے! دینا میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ جیون ایک گورکھ دھندا اور سنسارا چنبھا ہی اچنبھا ہے۔ اس دینا میں سب سے مشکل اُن کی ہے جو دل حساس رکھتے ہیں۔ نزاکت احساس ایک نعمت بھی ہے اور عذاب بھی ہے!

فیروز اپنے مکان کے دروازہ پر پہنچا۔ تو اُس کے بڑے بھائی کا کوئی ملنے والا کواڑوں کے قریب کھڑا تھا۔ اور اندر سے اُسکی بھاوج باہر آ رہی تھی۔ اس منظر کو دیکھ کر اس کے تیور ایسا ایکلی خستہ ناک ہو گئے۔ وہ تیزی کے ساتھ لہنی لہنی ڈیگیں بھرتا ہوا گھر کے اندر داخل ہوا۔ اُس کی بھاوج بھی تھوڑی سی دیر میں دروازے سے چل کر اُس کے پاس آگئی۔!

”مستی کہاں مر گیا؟“ فیروز نے غضبناک لہجہ میں اپنی بھاوج سے سوال کیا۔

”وہ باورچی خانہ میں مسالہ پیس رہا ہے۔“ بھاوج نے جواب دیا۔

”بھابی جان! جب لڑکا گھر میں موجود تھا، تو آپ کو اُس آدمی سے باتیں کرنی نہیں چاہیے تھیں۔ ہاں! وہ گھر میں نہ ہوتا تو دوسری بات تھی۔ آپ کو یہ نرا کتیں سمجھنی چاہئیں۔ بھابی جان!“

(عورت بات کاٹتے ہوئے) ”یہ تمہیں آج ہو کیا گیا ہے۔ جو اس طرح کی نصیحتیں مجھے کی جا رہی ہیں۔ پردے کی آڑ سے کسی شریف آدمی سے بات کر لینے میں آخر بُرائی کیا ہے۔“

(فیروز برافروختہ ہو کر) ”بہت بڑی بُرائی ہے۔ اس میں نہ جلنے کتنے فتنے اور خطرے ہیں۔ خطرے..... خطا.....“

راتے میں فیروز کا بڑا بھائی امتیاز آجاتا ہے۔ اور اُس کو دیکھتے ہی عفت بیٹے لگتی ہے:-

”اپنے چھوٹے بھائی کی تو خبر لو۔ ان کا دماغ چل گیا ہے۔ یہ مجھے آج عجیب طرح کی نصیحتیں کر رہے ہیں۔“

اس پر فیروز کے غصہ کا پارہ اور چڑھ جاتا ہے۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر بول پڑتا ہے:-

”اں میں نے بھابی جان کو نصیحت کی تھی، یہ ہمارے خاندان کی عزت اور ناموس کا معاملہ ہے۔ مجھے سب کچھ کہنے کا حق حاصل ہے۔ میں اب کھل کر کہتا ہوں کہ غیر آدمی ہمارے دروازہ پر آئے تو اُس سے بات چیت گھر کے ملازم کو کرنی چاہیے۔ وہ نہ ہو تو بھابی جان اُس کی باتوں کا جواب اس طرح دیں جیسے وہ پرلے درجہ کی رُوکھی اور بے مروت ہیں۔ جھنجھلاہٹ کے انداز میں۔ جس طرح کوئی کسی سے بات کرنا نہ چاہتا ہو۔ اور مجبوری کے سبب اُس نے اس ناخوشگواری کو گوارا کر لیا ہو۔ بھابی جان! آپ نامحرموں سے باتیں کرنے میں بالکل اُجڑ اور اکھڑ بن جائیے۔“

”تو میں بدتہذیب بن جاؤں۔“ عفت نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”ہاں! ہاں! یہ اچھا ہے، بلکہ میں تو کہتا ہوں یہی اچھا ہے کہ سُننے والا آپ کے بارے میں بدتہذیب بلکہ پھوٹا ہونے کا تصور لے کر جائے، بجائے اس کے وہ کچھ اور خیال قائم کرے۔“

”فیروز کیا تم نے بھنگ دھنگ پنی لی ہے۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اور کس سے کہہ رہے ہو۔ یہ تم کس وہم اور غلطی میں مبتلا ہو گئے ہو۔“ فیروز کے بڑے بھائی نے برافروختہ ہو کر کہا۔

”بھائی جان! حقیقت کو وہم اور اصلیت کو غلط سمجھ کر خدا کے لئے اُس کا مذاق نہ اڑائیے۔ میں آپ دونوں کا چھوٹا ہوں مگر جو کچھ میں آپ لوگوں سے کہہ رہا ہوں، وہ بڑے تجربہ کی بات ہے۔ اتنی بڑی بات کہ جس کی کوئی قیمت نہیں۔ کاش! لفظ میری دلی کیفیات کے مستعمل ہو سکتے!“

”آخر غیر مرد سے شائستہ اور نرم لہجہ میں بات کرنے سے ہو کیا جاتا ہے۔“ عفت نے فیروز کو ٹوکا۔

”سب کچھ ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ ہو چکا ہے بھابی جان! آپ مجھ سے عمر اور عقل میں بڑی ہیں۔ مگر اس معاملہ میں میرا تجربہ آپ کی عمر اور عقل سے بہت آگے ہے۔ اپنے چھوٹے بھائی کی طرف یہ بات کسی دلیل کے بغیر خدا کے لئے مان لیجئے۔ ہر بات کھول کر بیان نہیں کی جاتی۔ یہ معاملہ ہی بڑا نازک ہے۔ تلوار سے تیز اور بال سے ہاریک!“ فیروز نے کہا۔

”اور یہ تمہارا پاجامہ..... یہ کیا!“ فیروز کے بڑے بھائی نے طنز اور حیرت کے لہجہ میں کہا۔

”یہ بھی ایک ناگہانی حادثہ ہے۔ ایک بندر کے کروت ہیں.....“

فیروز کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ میاں پوری دونوں نے ایک ساتھ تہقنہ بلند کیا۔ اور فیروز کا بڑا بھائی امتیاز بولا:-

”یعنی..... بندر نے آپ کا پاجامہ پھاڑ ڈالا۔ کیا خوب! اولہ رے! ابواہول..... ماشاء اللہ! چشم بردور، کیا

عجب ہے کہ کسی دن (بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ ہمارے عزیز بقراط صفت بھائی یہ اگر کہہ دیں کہ آج دو بیویوں نے میرے خوب کان کھینچے اور ایک بنگلہ میری ٹوپی اتار کر لے گیا!

فیروز اس پر جھلا کر بالاخانہ کی سیڑھیوں پر کھٹ کھٹ چڑھتا ہوا اوپر چلا گیا۔ فضا بڑی تلخ ہو گئی تھی۔ اُس نے وہاں سے چلے جانے میں ہی بھلائی دیکھی۔

عفت نے شوہر سے کہا کہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فیروز میاں کے دماغ میں کچھ خلل پیدا ہو گیا ہے۔ دو تین ہفتے سے میں دیکھ رہی ہوں کہ یہ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ کئی دن ہوئے اپنے کمرے میں تن تنہا آپ ہی آپ گفتگو کر رہے تھے۔ ایک دن مسیتا فلمی گانا گاتے ہوئے ٹھہر رہا تھا، اس کے دو تہڑ رسید کر دیا۔ اور ہاں کوئی ایک ہفتہ کی بات ہے کہ آپ جو تصویروں کا البم لائے ہیں، اُس کی ایک تصویر کو فیروز نے سیاہی پھیر کر بگاڑ دیا۔ کل صبح میں چٹنی بنا رہی تھی۔ میرے چٹنی بناتے بناتے تین چار کچھی مرچیں فیروز چبا گئے!

بیوی کی باتیں سن کر امتیاز گہری فکر میں ڈوب گیا۔ اُس کے تیوروں پر گردِ ملال سی چھا گئی۔ ایک خاص تاثر کے ساتھ بیوی سے بولا:-

”عفت! اباجان مرحوم ہم چھ بھائی بہنوں میں سب سے زیادہ فیروز ہی کو چاہتے تھے۔ اس کے اسکول جانے کے لئے قرض لے کر ٹم ٹم بنوائی۔ فیروز اباجان کی محبت کی نشانی ہے۔ اسی نسبت سے مجھے بھی وہ بہت عزیز ہے۔ مگر... راہ! زیرلی کے ساتھ)..... (کچھ سوچ کر) آج نیرہ تاریخ ہے نا! (عفت سر ہلاتی ہے) آج شام میں حج صاحب کی کمپنی باغ میں پارٹی ہے۔ میں اُس میں جانا نہیں چاہتا تھا کہ ایسی پارٹیوں اور دعوتوں کی تہ میں کچھ اغراض چھپے ہوتے ہیں۔ مگر اب میں ضرور جاؤں گا۔ یہ جو اپنے قاضی عزیز الدین ہیں، اُن کا بھانجہ احمد یار ولایت سے دماغی امراض میں اسپیشلسٹ ہو کر اسی سال آیا ہے دن اس پارٹی میں ضرور ہوگا۔ میں وہاں اس سے فیروز کے بارے میں مشورہ کروں گا۔ اللہ مالک ہے! خدا کرے تمہارا یہ وہم غلط ثابت ہو!“

امتیاز شام کو ایٹا ہوم میں پہنچا۔ وہاں مہمانوں کی اتنی بھیڑ تھی کہ شہر کی شاہی سی پارٹی میں اتنے لوگ جمع ہوئے ہوں۔ بیرے، خانسا ماں اور بوائے پوری استعداد کے ساتھ دوڑتے پھر رہے تھے۔ پھر بھی اگوں کو شکایت تھی کہ ”سروس“ ٹھیک نہیں ہو رہی ہے۔ فیروز اس پارٹی میں صرف ڈاکٹر احمد یار سے ملنے کے لئے آیا تھا۔ اس نے ٹاؤن ہال اور اس کے اطراف میں ادھر ادھر بہت کچھ گھوم پھر کر دیکھا مگر ڈاکٹر صاحب کہیں نظر نہیں آئے۔ یہاں تک کہ دن چھپنے لگا اور مہمانوں کی واپسی شروع ہو گئی۔ امتیاز میزبان سے رخصت ہو کر کمپنی باغ کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ ڈاکٹر صاحب کی گاڑی گر کی اور وہ مٹھ میں پائپ لگائے، دھوئیں اٹاتے ہوئے نیچے اترے۔ امتیاز سے علیک سلیک ہوئی۔ اُس نے کہا کہ بھئی ڈاکٹر صاحب! میں صرف تم سے ملنے کے لئے آج کی پارٹی میں آیا تھا۔ کس کسٹمکس انتظار میں یہ وقت گزارا ہے میں نے! ڈاکٹر صاحب نے پوچھا خیر تو ہے۔ بھائی جان تو خیریت سے ہیں، بچے تو اچھے ہیں۔ امتیاز نے جواب دیا کہ مجھے اپنے چھوٹے بھائی کے بارے میں آپ سے مشورہ کرنا ہے!

تھوڑی دیر میں ڈاکٹر صاحب میزبان سے مل کر آگئے۔ امتیاز کمپنی باغ کے دروازے پر اُن کا انتظار کر رہا تھا۔ دونوں موٹر میں بیٹھے۔ اس طرح کہ کلینر پھلی سیٹ پر، یہ دونوں آگے۔ ادھر موٹر علی اور ادھر امتیاز نے ڈاکٹر صاحب سے اپنے

بھائی کا ذکر چھیڑ دیا۔ مطب میں پہنچ کر ڈاکٹر صاحب نے امتیاز سے بہت سے سوالات کر ڈالے۔ یہ کہ تمہارے خاندان میں کوئی شخص جنون میں تو مبتلا نہیں ہوا۔ فیروز نشہ تو نہیں کرتا۔ بچپن سے اب تک کے اس کی زندگی اور صحت کے خاص خاص حالات کیا رہے ہیں؟

امتیاز نے ڈاکٹر کے سوالات کے جواب اس ذمہ داری اور احتیاط کے ساتھ دیئے جیسے مجسٹریٹ کی عدالت میں کوئی گواہی دیتا ہے۔ وہ بولا۔ ہمارے والد کے ایک دور کے رشتہ کے چچا تھے ان کے بلے میں کہا جاتا ہے کہ بچہ پلے میں ان کا دماغ کچھ چل سا گیا تھا۔ کڑا کے کے جاڑوں میں ٹھنڈے پانی سے اور می جوں کی گرمی میں اوتے ہوئے پانی سے نہاتے۔ مرتے سے کچھ دن پہلے اپنے اکلوتے لڑکے کو ہاٹ کر دیا اور ساری جائداد اپنی سالی کے لڑکے کے نام لکھ دی۔ فیروز کوئی آٹھ سال کا ہوگا۔ جب اس کو ڈبل نمونہ ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب! آپ پوچھتے ہیں وہ نشہ تو نہیں کرتا۔ بھائی! اس نے آج تک سگریٹ تک نہیں پی۔ میرا تو گمان غالب یہی ہے کہ خستک مذہبیت بلکہ یوں کہیے ملائمت نے اس کے دماغ کو متاثر کر دیا ہے۔ بچپن میں دو تین سال تک فیروز اللہ مغفرت کرے ہمارے بڑے ماموں کی تربیت میں رہا ہے اور ان کی مذہبیت کا یہ عالم تھا کہ ہمارے گھر آ کر جس کمرے میں بٹھرتے تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر کمرے کی ایک ایک تصویر نکال کر دم لیتے۔ زنانی سواریوں کو لے کر کہیں باہر جاتے تو تانگہ اور بیکہ پر دوہری دوہری چا دیریں اپنے ہاتھ سے لپیٹتے۔ کہا کرتے تھے جب تک مسلمان عورتیں پردے میں رہیں گی، مسلمانوں کی ساکھ باقی رہے گی، وہ بے آبرو نہ ہوں گے۔

”خوب تھے آپ کے ماموں صاحب!“ ڈاکٹر صاحب نے پائپ میں کیش لگاتے ہوئے کہا۔

امتیاز نے دوسری باتوں کے علاوہ آج کے واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ ڈاکٹر کے گوش گزار کیا۔ ڈاکٹر نے ڈائری دیکھتے ہوئے کہا کہ کل تو مجھے صبح سے رات تک فرصت نہ مل سکے گی۔ پرسوں صبح نو بجے میں تمہارے گھر آؤں گا۔ فیروز کو اس وقت تک گھر ہی پر روکے رکھیے۔“

ڈاکٹر صاحب نے تیسرے دن آنے کا وعدہ کیا تھا۔ دو راتیں اور پورا ایک دن باقی تھا۔ اس عرصہ میں امتیاز اور عفت دونوں نے فیروز کی ایک ایک حرکت کو بغور دیکھا۔ یہ فرض کرتے ہوئے کہ اس کے دماغ میں فستور آ گیا ہے! واہمہ کسی کیسی غلط باتوں کی کڑی سے کڑی ملا دیتا ہے!

فیروز نے پانی پی کر گلاس کو گھڑوچی پر ٹیڑھا رکھ دیا۔ میاں بیوی دونوں یہ سمجھے کہ یہ دماغ کے عدم توازن کا سبب ہے۔ چائے بنانے میں چائے دانی سے تھوڑی سی چائے ٹرے میں گری تو اسے بھی فیروز کے خنل دماغ سے تعبیر کیا گیا۔ اسکے اناربن کا اتفاق سے لٹک جانا، منجن کی شیشی کو کھٹلا ہوا چھوڑ دینا، معمول کے خلاف گرم پانی کی ایک بالٹی کی جگہ دو بالٹیوں سے نہانا۔ ان سب باتوں کو سچا رہے فیروز کے جنون کا منظر سمجھا گیا!

شام کو فیروز اپنی سائیکل پر سوار ہو کر بڑے بازار کے نکرے گزرا تو کیا دیکھتا ہے کہ دو سپاہی ایک عزیب ٹھیلے والے کو پکڑے ہوئے کھڑے ہیں۔ وہ منت سماجت کر رہا ہے مگر سپاہی اسے ملا جیاں سناتا رہے ہیں۔ فیروز نے سائیکل سے اتر کر ٹھیلے والے کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا تو سپاہی بگڑنے لگے۔ گالی گفٹاز تک کی نوبت آ گئی۔ فیروز نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ یہاں تک کہ اٹھا پانی شروع ہو گئی۔ وہ دو یا اکیلا۔ مگر کالج کا کھلنڈرا صحت مند نوجوان۔ پھر منظم کی حمایت اور مدافعت نے اس میں اور جرأت پیدا کر دی تھی۔ وہ ہاتھ دکھائے ہیں اس نے کہ سپاہیوں کو دانتوں

پسینہ آگیا۔ ان کی لال ٹوپیاں اڑی اڑی پھرتی تھیں۔ ایک سپاہی کی کنبٹی پر چوٹ بھی آئی۔ لہو میں اس کا کتہ بھر گیا۔ سیٹیاں بچنے لگیں۔ لوگ جمع ہو گئے۔ کچھ اور سپاہی بھی آگئے۔ فیروز گرفتار ہو گیا۔

فیروز ایک ملزم کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہوا۔ فیروز نے اقرار کیا کہ میں نے سپاہیوں پر ہانڈ اٹھانا۔ مگر پہل ان کی طرف سے ہوئی۔ گالیوں میں بھی اور مار پیٹ میں بھی!

فیروز کے بھائی امتیاز نے ڈاکٹری سارٹیفکیٹ پیش کرتے ہوئے اپنے وکیل سے یہ کہلوایا کہ ملزم کا بہت دنوں سے دماغ خراب ہے۔ لہذا اس کے بیان کا کوئی وزن نہیں! اس پر فیروز عدالت میں چیخنے لگا۔ میرا دماغ خراب ہی میرا! اور ڈاکٹر نے میرے دماغ کی خرابی کا سارٹیفکیٹ بھی تصنیف فرمادیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ڈاکٹر پاگل اور سڑی ہے۔ اپنے بڑے بھائی کو تو کیا کہوں۔ سوائے اس کے کہ اللہ انھیں عقل سلیم عطا فرمائے۔ — اس با میرے ساتھ آخر یہ کیا مذاق کیا جا رہا ہے۔ یا اللہ! میں یہ کیا سن رہا ہوں! (مجسٹریٹ اس پر مسکراتا ہے اور مجسٹریٹ کو مسکراتا دیکھ کر فیروز اور زور سے چیخنے لگتا ہے) آپ بھی مسکرا رہے ہیں۔ اس لئے کہ میں پاگل ہوں اور پاگل ہوائی تباہی باتیں کیا کرتے ہیں۔ جب کسی عدالت کے مجسٹریٹ ہی مسخرے ہو جائیں تو پھر کسے رہنا کرے کوئی

اسی دن شام سے کچھ دیر پہلے فیروز کو دماغی مریضوں کے ہسپتال میں کشاں کشاں لے جاتا ہوا دیکھا گیا۔ اسے جب اندر لایا گیا تو ایک نیم پاگل لوہے کے جھنگے سے جھانکتے ہوئے بولا: ع

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

فیروز نے اس پر کھسکا کر کہا۔ اچھا! تو تم نے بھی شاید اپنی کسی رشتہ دار عورت کو نامحرم مردوں سے بات کرتے ہو گا ہو گا۔ اسی کی یہ سنرا مل رہی ہے تم کو.....!

اس پر تمام لوگوں نے ایک فقہتہ بلند کیا۔ امتیاز کے لبوں پر بھی مسکراہٹ آئی۔ مگر اس کے ساتھ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں!!

برصغیر ہندوپاک کا واحد عربی ماہنامہ

البعث الاسلامی

زیر سرپرستی :- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

زیر ادارت :- سید محمد حسنی۔

خوبصورت عربی ٹائپ پر۔ نئی ترتیب کے ساتھ۔

ترسیل زر کا پتہ :-

ہندوستان میں ۱- دفتر البعث " ۳۷ - گون روڈ لکھنؤ۔

پاکستان میں :- دفتر ماہنامہ قاران " کیمبل اسٹریٹ کراچی۔

تازہ شمارہ کی ایک جھلک

قاہرہ میں چند دن — (قاہرہ کی معاشرتی و علمی زندگی کا ایک دلچسپ خاکہ)

مولانا ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے

عربی قومیت تاریخ اور حقائق کی کسوٹی پر۔

مولانا محمد ناظم ندوی شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بھالپور

ہندوستان کی مساجد کی تاریخ - مولانا حکیم سید عبدالرحمن مرحوم۔

ہندوستان کے خاموش منہ بولین - سید محمد البع ندوی استاذ ادبیات العلوم ندوۃ العلماء

جگر اور ان کی شاعری - سعید الاعظمی۔

دوسرے مستقل عنوانات - اداریہ - قرأت لک

ندوۃ البعث - کے علاوہ -

فاران کا عظیم الشان

توحید نمبر

- شرک و بدعت کے بت کدوں میں "نعرہ توحید" کی گونج۔
- عجمی صنم کدوں میں دین خالص کا غلغلہ۔
- ایک ایک مقالہ ایمان افروز۔
- علم و تحقیق کی وہ راہیں جو صراطِ مستقیم سے جا کر ملتی ہیں۔
- اردو ادب میں ایک انقلابی اقدام اور مثالی نمونہ

مندرجہ ذیل علماء اور اہل فکر کے مقالے آچکے ہیں :-

- مولانا ابوالاعلیٰ مودودی — مولانا مفتی محمد شفیع — مولانا قاری محمد طیب — مولانا امین احسن اصلاحی —
- مولانا ظفر احمد عثمانی — مولانا ابوالحسن علی ندوی — مولانا محمد سمیع (گوجر نوالہ) — مولانا محمد ناظم ندوی — مولانا
- قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی — مولانا عبدالمجید آرشد — مولانا عامر عثمانی (مدیر تجلی) — مولانا محمد اسحاق
- سندیلوی — مولانا محمد اویس ندوی — مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری — مولانا محمد نجیب اللہ ندوی —
- مولوی ابو منظور شیخ احمد — محترمہ عطیہ خلیل عرب —

عرب کے سب سے بڑے انشا پرداز

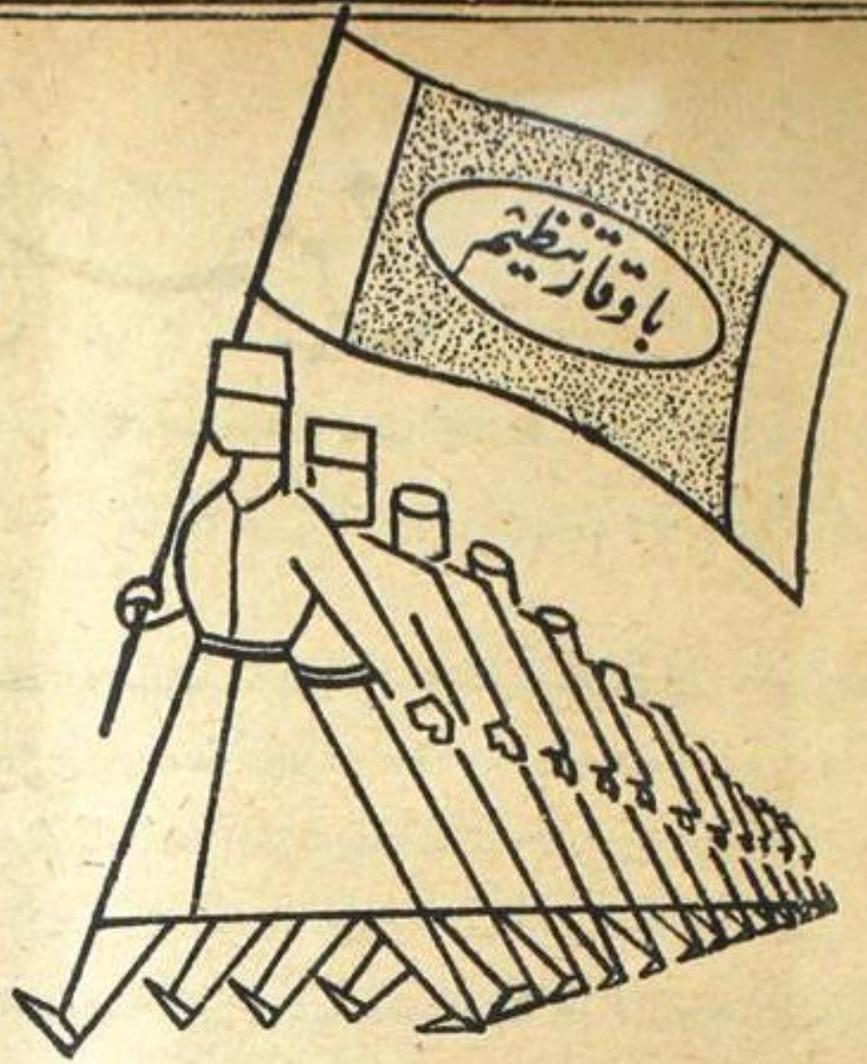
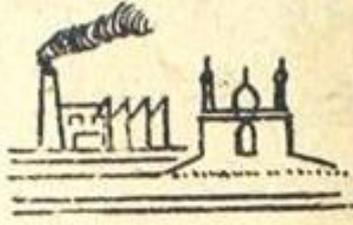
علامہ بشیر براہمی (الجزائری) اپنی علالت کے باوجود "توحید نمبر" کے لئے مقالہ تحریر فرما رہے ہیں۔ شاعروں کے نادر منظومات کے علاوہ ماہر القادری "مدیر" فاران" کا "نقش اول" بھی ہوگا۔

شہادت تین سو صفحات۔ سرورق رنگین و دلکش۔ قیمت تین روپے (محصولہ اک آٹھ آنے) مستقل خریداروں کو سالانہ پندرہ روپے آٹھ آنے ہی میں "توحید نمبر" دیا جائے گا۔ (اس میں رجسٹری کی فیس بھی شامل ہے)

ہندوستان میں :- مینجر دفتر "الحسنات" رام پورہ (یو پی)

دفتر فاران "کمپل اسٹریٹ" کراچی۔

قدم ملا کے چلو، باوقار بن کے بڑھو
اس انتشار میں "تنظیم" کی ضرورت ہے



باوقار تنظیم

(باہمی بچت کی پرافٹ شیرنگ اسکیم)

آج کل کے غیر اسلامی اقتصادی و معاشی نظام کو اسلام کے نظام معیشت میں ڈھالنے کیلئے ہماری پہلی پیش قدمی

یہ اسکیم
دورِ حاضر کی چھوٹی بچت کی پرافٹ شیرنگ اسکیموں کی ایک اسلامی شکل ہے

جو

ہر طرح کے سودی لین دین - طالع آزمائی یا لاطری اور جوئے جیسی مذموم لغتوں سے پاک ہے

آئیے

آپ بھی اس اسکیم میں شامل ہو کر ہمارے ساتھ شانہ بشانہ چل کر اس پاکیزہ جدوجہد اور نیک مقصد میں ہمارا ہاتھ بٹائیے

تفصیلات مندرجہ ذیل پتہ سے حاصل کریں

بندر روڈ کراچی را

منیجر باوقار کمپنی لمیٹڈ

فون:- 7923

تار:- باوقار کراچی

ہماری تطہیریں

ماہنامہ تجلی کا خاص نمبر

ایڈیٹر:- عامر عثمانی (فاضل دیوبند) ضخامت ۱۵ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ۔ سالانہ چندہ پانچ روپے (رنگین سرورق)۔ دفتر تجلی "دیوبند ضلع سہارنپور ریوپی، پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:- شیخ سلیم اللہ صاحب مسکینی ۲/۵ ناظم آباد- کراچی۔

”مولانا مدنی مدظلہ کا مزاج انتہا پسند اور شدت آمیز ہے، وہ جب جنگ آزادی لڑ رہے تھے تو کہا کرتے تھے کہ انگریز کے خلاف اگر مجھے کتوں اور خستہ بروں سے بھی تعاون حاصل کرنا پڑے تو کروں گا۔ حالانکہ انگریز کی نفرت اور پسپائی بچاؤ خود کوئی مقصد نہیں ہو سکتی۔..... تحریک آزادی میں آپ نے ولایتی مال کے بائیکاٹ کے سلسلہ میں یہ اصول بنایا تھا کہ جس میت کا کفن کھدکا نہ ہوگا، اُس کی نماز جنازہ نہ پڑھاؤں گا۔ نماز جنازہ جیسے خالص اخروی معاملہ میں اُن کا یہ طرز فکر جس قدر شدت پسندانہ تھا وہ تو تھا ہی لیکن آزادی کے بعد بھی اسی پر جمے رہنا جب کہ لٹھا خود ہندوستان میں بہتیرا بن رہا ہے، اُن کی انتہا پسندی کا شاہکار ہے۔“

”قاری محمد طیب صاحب کے حقیقی بھائی مولوی محمد طاہر صاحب کا چند سال ہوئے انتقال ہوا تو بھی مولانا مدنی نے نماز جنازہ پڑھانے کی یہی شرط رکھی کہ کھدکا کفن ہو۔ اس پر قاری محمد طیب صاحب نے شدید ناگواری محسوس کی اور دیوبند میں جو سب سے بہتر لٹھا مل سکا، اُس کا کفن بھائی کو دیا اور مولانا مدنی سے نماز جنازہ نہیں پڑھوائی۔“
(خاص نمبر ماہنامہ تجلی)

جس عالم دین کے سوچنے کا یہ انداز اور جس کی شدت پسندی اور دینی فراست کا یہ عالم ہو، اُس کی روش سے خیر و سلامت روی اور صحت و اعتدال کی تہذیبیں جتنی بھی مجروح ہو جائیں، تھوڑی ہیں۔ مولانا حسین احمد مدنی کی طبیعت کی یہی صند، مزاج کی انتہا پسندی اور فہم و فراست کی اعجمیت، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے خلاف میدان جنگ میں اُتر آئی ہے۔ اور ”حضرت شیخ العرب والجم“ نے اپنی ”شوخی شکر“ کے وہ وہ شگوفے چھوڑے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر کبھی قہقہہ لگانے اور کبھی خون کے آنسو رونے کو جی چاہتا ہے!

مولانا عامر عثمانی نے اس ”خاص نمبر“ سے پہلے بھی مولانا مدنی اور اُن کے حواریوں کے فتووں اور تحریروں پر اس قدر زنی دلائل کے ساتھ تنقید کی تھی کہ اس کا جواب دینے کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی اور اب کی بار تو اُن کے مدلل مگر پُر جوش نکتہ و محاکمہ نے ”مذہبی شیخوت“ کے اُن تمام حصاروں کو توڑ دیا ہے، جس میں بیٹھ کر یہ حضرات بیچارے مودودی پر خواہ مخواہ نادک سنگتی کرتے رہتے ہیں۔

مولانا مودودی نے فقہانہ نہیں، ناصحانہ انداز میں، جو ہمیشہ سے مصلحین کا مسلک رہا ہے، مسلمانوں کی بے عملی پر تنبیہ کا پہلو اختیار کیا تھا اور انہیں عمل پر ابھارا تھا۔ اس کو مولانا مدنی نے ”ایمان و عمل“ کی فقہانہ اور منکلمانہ نزاع میں الجھا کر

مودودی صاحب پر خارجیت کا فتویٰ لگا دیا! مولانا عام عثمانی نے مظلوم مودودی کے موقف کو واضح کرنے کے لئے جو کچھ لکھا ہے، اسکی ایک ایک سطر بصیرت افروز ہے۔ انشاء سے لے کر استدلال تک اور فکر سے لے کر اظہار تک روشنی ہی روشنی نظر آتی ہے۔ دوسرا مقالہ مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری کا بھی اسی موضوع پر ہے۔ جو ہر اعتبار سے وزنی، سنجیدہ اور باوقار ہے۔ حق کی حمایت میں اللہ تعالیٰ فکر کو کس قدر بلند، ذہن کو کتنا رسا اور نگاہ کو کس قدر عمیق بنا دیتا ہے۔ اس کا ثبوت اس مقالہ سے ملتا ہے!

تیسرا مقالہ ”مولانا مودودی اور تصوف“ جناب مولوی ابو منظور شیخ احمد کے قلم کا شاہکار ہے۔ اس مقالہ کو پڑھ کر دنیا کی قدرنا شناسی پر دل دکھا کہ کیسے کیسے جو ہر قابل ہیں جو گمنامی اور کس مپرسی کے عالم میں زندگی بسر کر رہے ہیں!

تفویر تو اسے چہ رخ گرداں تفو!

اس مقالہ میں دلائل و شواہد اور اقتباسات کے ذریعہ فاضل مقالہ نگار نے ثابت کیا ہے کہ اگر ”تصوف“ تزکیہ نفس اور احسان کے سوا اور کچھ نہیں ہے، تو مولانا مودودی اپنے زمانہ کے بہت بڑے صوفی ہیں!

”تجلی“ کا یہ ”خاص نمبر“ اس قابل ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ مسلمانوں تک پہنچایا جائے۔ نذر دنیا ز اور فاتحہ، عرس وغیرہ پر ایک خط کے جواب میں مولانا عام عثمانی نے جو کچھ لکھا ہے۔ اُسے پڑھ کر ان کی اصابت نائے اور دینی بصیرت پر ایک اور شہادت مل گئی۔ کتاب و سنت پر جس کی نگاہ ہوگی۔ وہ حق کے معاملہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی مرعوب نہیں ہو سکتا۔ اور عقیدت و احترام اُسے اظہار حق سے باز نہیں رکھ سکتے!

اس ”خاص نمبر“ سے اس ٹری بیڈی کا بھی منسل علم ہر اک، ”تجلی“ کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔ خود ”صاحب تجلی“ کی زبان سے سنئے:-

”کچھ دنوں سے میرے ساتھ جو درپردہ فریب و عناد برتا جا رہا ہے، اُس میں اللہ نے اعدا کو کامیابی نہیں دی۔ تو اب غنڈہ گردی کی نوبت آئی، اللہ انھیں نیک ہدایت دے! ہا طل کی فطرت ہی یہ ہے کہ استدلال اور علم و عقل کے میدان میں شکست کھا کر وہ مکر و دغا، منافقت اور دھاندلی اور زور و قوت کے اوچھے ہتھیار استعمال کرتا ہے۔۔۔۔۔“

اللہ تعالیٰ مدبر تجلی کی حفاظت فرمائے کہ وہ سخت خطروں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اس کا تو سان گمان بھی نہ تھا کہ قرطاس و قلم کی علمی معرکہ آرائی کو شکست خوردہ ذہنیت اس حد تک بھی پہنچا سکتی ہے۔ افسوس!

اس ”خاص نمبر“ میں منصور علاج پر مدبر تجلی کی رائے پڑھ کر حیرت ہوئی کہ ”شُرک و بدعت“ کے خلاف اس شد و مد کے ساتھ جہاد کرنے والا، منصور کا اس قدر مدح سرا! تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ منصور علاج نے اگر بہ صحت ہوش و حواس ”انا الحق“ کہا تھا تو اُس نے لغو ترین حرکت کا ارتکاب کیا اور اگر اُس کے ہوش و حواس درست نہیں تھے تو دیوانوں اور فاتر العقول کی حرکتوں کو سراہتا کوئی دانش مندی کی بات نہیں ہے۔ ”انا الحق“ والے منصور کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی لامشریک عظمت کی خاطر ایک ہزار صوفیوں سے ہم لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ کہ ”غیرتِ عبدیت“ اسے کسی طرح برداشت ہی نہیں کر سکتی! (م۔ ق)

حبِ فضلی

ضعفِ اعضاءِ ریشہ اور چہرے کی بے رونقی کو زائل کر کے
سرخ سیب کے مانند بناتی ہے۔
مقوی، مفرح اجزاء کا مرکب، گردہ مثانہ کی کمزوری اخراجِ فاسفیٹ
پٹھوں کو تقویت دیا بیٹس شکر جریان اور جسمانی و دماغی کمزوری
کو دور کرنے کے لئے اکسیرِ اعظم ٹانک۔

قیمت شیشی دو روپے آٹھ آنے صرف محصول اک چودہ آنہ (بندہ خریدار)
تیار کردہ

ہندی دوا خانہ - موری گیٹ - قصور

ماہنامہ "تعمیر انسانیت" لاہور

دوسرا شاندار سالنامہ

زیر ادارت کوثر نیازی

پندرہ لکھنے والے

یکم مئی ۱۹۵۷ء کو منظرِ عام پر آ رہا ہے

صفحہ ۲۰۰ قیمت دو روپے

• سید ابوالاعلیٰ مودودی • امین اسرار ملاحی • ماہر السناری

تقل خریدار بن جانے والوں سے یہ قیمت علیحدہ نہیں بنی جائے گی۔

• نسیم حجازی • نسیم صغی • خیلانی - بی - اے

۶/۰ چھ روپے

• احسان دانش • اتر نصیبانی • ابو صالح اسلامی

ٹائٹل پرائیکٹس میں بحال شدہ متنظر

• ابن مسعود • کوثر نیازی • نسیم جاوید

• عارف بدایونی • فردخ احمد • محمد وارث کمال

• نصر اللہ خاں عزیز • عاصی کرناوی • اسعد گیلانی

ایجنٹ حضرات اپنی مطلوبہ تعداد سے فی الفور مطلع کریں۔

• بیام شاہ جہان پوری • نظر زیدی • نسیم

دوا ماہنامہ تعمیر انسانیت پوچی دروازہ لاہور

• نسیم

غریب حضرات کو آٹھ آنے کی کٹ اپنا ہمارے

سالنامہ محفوظ طریقہ پر منگوانے کیلئے منتظر

وہ کتابیں جن میں ایمان اسلام اور اخلاق کے موتی بکھڑے ہیں

مکتبہ "فاران" کیمبل اسٹریٹ کراچی سے منگائیے

مشکوٰۃ شریف کا اردو ترجمہ عربی کے اصل متن کے ساتھ - حدیث شریف کی گیارہ کتابوں (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، موطا مسند امام احمد، شافعی، بیہقی اور دارمی) کا ہمیشہ بہا انتخاب ہے۔ قیمت فی حصہ مجلد آٹھ روپے۔ جملہ قیمت کامل تین حصے (مجلد) چوبیس روپے (علاوہ محصول اک)

مشکوٰۃ شریف

صحیح بخاری کی تین ہزار تین سو چھیتر احادیث سے علامہ حسین بن مبارک نے دو ہزار ایک سو اسی احادیث کا انتخاب فرمایا جن میں مکرر احادیث شامل نہیں ہیں۔ تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق احادیث اس مجموعہ کی زینت ہیں۔ قیمت مجلد پانچ روپے (علاوہ محصول اک)

تخرید بخاری اردو

شمائل ترمذی (اردو ترجمہ مع شرح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و خصائل اور رات دن کے معمولات کا بے نظیر مرقع! ایک ایک حدیث حرز جان اور معمول زندگی بنانے کے قابل۔ ایمان افروز اور زندگی بخش۔ قیمت مجلد آٹھ روپے۔ (علاوہ محصول اک)

شمائل ترمذی

تبلیغ دین امام غزالی کی مشہور کتاب "العین" کا اردو ترجمہ جس میں اسلامی تعلیمات کی حکمتیں، ظاہری و باطنی فوائد، عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ اس کے مخالفہ سے اسلامی فکر میں جلا پیدا ہوتی ہے۔ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے (علاوہ محصول اک)

تبلیغ دین

اسباب زوال امت علامہ امیر شکیب ارسلان کی شہرہ آفاق اور معرکہ آرا تصنیف کا اردو ترجمہ۔ فکر و عمل کی شاہراہ میں یہ کتاب رہنما کا فرض انجام دیتی ہے، موجودہ صدی کی ممتاز ترین علمی تصنیف۔ قیمت مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے۔ (علاوہ محصول اک)

اسباب زوال امت

حجۃ اللہ البالغہ شاہکار - فکر و نظر کو دینی انداز پر ترتیب دینے والی کتاب۔ اصل عربی کے مقابل آسان اردو ترجمہ ضروری تشریحات کے ساتھ۔ قیمت ہر دو جلد بیس روپے۔ ایک جلد دس روپے (علاوہ محصول اک)

حجۃ اللہ البالغہ

مجموعہ تفاسیر فراہمی مولانا حمید الدین فراہی کی اس بلند پایہ تالیف کو مولانا امین احسن اصداسی نے اردو قالب عطا کیا ہے۔ انتہائی شگفتہ اور دل نشین ترجمہ۔ تفسیری حقائق و معارف کا ایمان افروز ترجمہ۔ قرآنی مشکلات کے حل کے لئے بہترین کلید۔ صفحات ۷۵۲۔ کپڑے کی عمدہ جلد۔ قیمت چودہ روپے (علاوہ محصول اک)

مجموعہ تفاسیر فراہمی

حقوق المرآة مولانا مودودی کی تصنیف فقہی اور دینی فکر کے اعتبار سے اپنی آپ مثال ہے۔ معاشرے کی بہت سی گھریلو اُلجھنوں کا قابل عمل حل۔ قیمت دو روپے (علاوہ محصول اک)

حقوق المرآة

اخلاقی کہانیاں از افضل حسین (ایم اے، ایل ٹی) بچوں کے لئے چار کتابوں کا سیٹ۔ کردار سازی میں کتابیں بہت مدد دیتی ہیں۔ قیمت ایک روپیہ دس آنے (علاوہ محصول اک)

اخلاقی کہانیاں

حدیثِ دفاع :- میجر جنرل اکبر خاں کی معرکہ آرا کتاب جس میں جنگی نقطہ نگاہ سے غزوات پر روشنی ڈالی گئی ہے قیمت پانچ روپے علاوہ محصول ڈاک۔
سیر خاتم الانبیاء :- مولانا مفتی محمد شفیع کی مشہور تالیف جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اب تک بیسوں پبلیکیشن نکل چکے ہیں قیمت دو روپے علاوہ محصول ڈاک۔
فقہی اختلافات کا حل :- مولانا اصلاحی کی یہ کتاب پڑھ کر فکر و نظر میں ترقی کی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ قیمت ایک روپیہ بارہ آنہ علاوہ محصول ڈاک۔
ب اس عظیم مصباح کیساتھ اہل بدعت نے کتاب کا اظلم کیا ہے۔ مولانا مسعود عالم ندوی کی یہ کتاب اس ظلم کے خلاف موثر
محمد بن عبدالوہاب :- احتجاج ہے، غلط فہمیوں کے ایک ایک پردہ کو چاک کیا گیا ہے، قابل قدر تحقیق قیمت دو روپے بارہ آنہ علاوہ محصول ڈاک۔
دور حاضر کے سب سے زیادہ ہنگامہ خیز موضوع پر نہایت ہی سنجیدہ، پرمغز اور مطمئن کرنے والی کتاب۔ جناب
معاشی ناہوریوں کا اسلامی حل نعیم صدیقی اس کے مصنف ہیں۔ قیمت تین روپے آٹھ آنے علاوہ محصول ڈاک۔

عرب کے مشہور عالم مصطفیٰ اسامی کی بلند پایہ کتاب کا اردو ترجمہ۔ حدیث کی حمایت میں بڑی کامیاب تصنیف
سنتِ رسول :- قیمت دو روپے چار آنے۔ علاوہ محصول ڈاک۔

دفتر بے معنی :- قیمت دو روپے آٹھ آنے علاوہ محصول ڈاک۔
نعیم صدیقی کے قلم کی شوخیاں اپنے شباب پر۔ بڑی معنی خیز طنزیں۔ کتاب اٹھانے کے بعد آپ پڑھ کر دم نہیں لیں گے

مولانا مسعود عالم ندوی نے بڑی بڑی غلط فہمیوں کو اس کتاب میں بے نقاب کر دیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے
اشتراکیت اسلام :- کہ اشتراکیت اور اسلام اپنے مزاج کے اعتبار سے کس قدر مختلف اور متضاد واقع ہوئے ہیں۔ قیمت دو روپے آٹھ آنہ۔
مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو فوجی عدالت نے پھانسی کی سزا سنائی تھی۔ اس تاریخی مقدمہ میں اس مرد مجاہد نے جو
تحقیقاتی عدالت میں بیان دیے ہیں وہ دعوت و غزیت کی ایک مکمل تاریخ انقلاب ہے۔ تینوں کتابوں (تینوں بیانون پر مشتمل)
کی قیمت دو روپے دس آنے (علاوہ محصول ڈاک)

علامہ زین القضاة احمد بن محمد کی عربی کتاب المنہجات کا دل نشین اردو ترجمہ۔ ہندو معظمت سے ایک ایک سطر
تازیانے :- معہور۔ قیمت جلد تین روپے (علاوہ محصول ڈاک)

عرب دنیا کی مخلص ترین دینی جماعت "اخوان المسلمون" کا جانتا ہی تو اسی جماعت کے بانی اور مشر حضرت
الماخوان اور اس کی دعوت :- حسن البناء شہید کی یہ دولہ انگیز کتاب منور پڑھیے۔ قیمت ایک روپیہ چار آنہ (علاوہ محصول ڈاک)

کوثر نیازی کا پہلا مجموعہ کلام۔ جس کی تمام ادبی حلقوں میں دھوم ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اس کا
زیرِ گل :- مقدمہ لکھا ہے۔ جو ان جذبات کا اسلامی پیرایہ میں دکھن اظہار ہے۔ قیمت دو روپے بارہ آنہ۔ علاوہ محصول ڈاک۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی شاہکار تصنیف۔ جس نے مغرب زدہ حلقوں میں تہلکہ مچا کر دیا ہے۔ اپنے موضوع
پر بے مثل کتاب۔ قیمت چار روپے علاوہ محصول ڈاک۔

مولانا مودودی نے یہ کتاب لکھ کر مغرب کے قانون جنگ کو چیلنج کیا ہے۔ فاضل مصنف نے معذرت خواہانہ انداز
الجہاد فی الاسلام :- نہیں بلکہ پوری جرأت کیساتھ "جہاد" کے جو اوزار دیسی پیش کی ہیں۔ موضوع جہاد پر حرف آخر۔ قیمت دو روپے۔

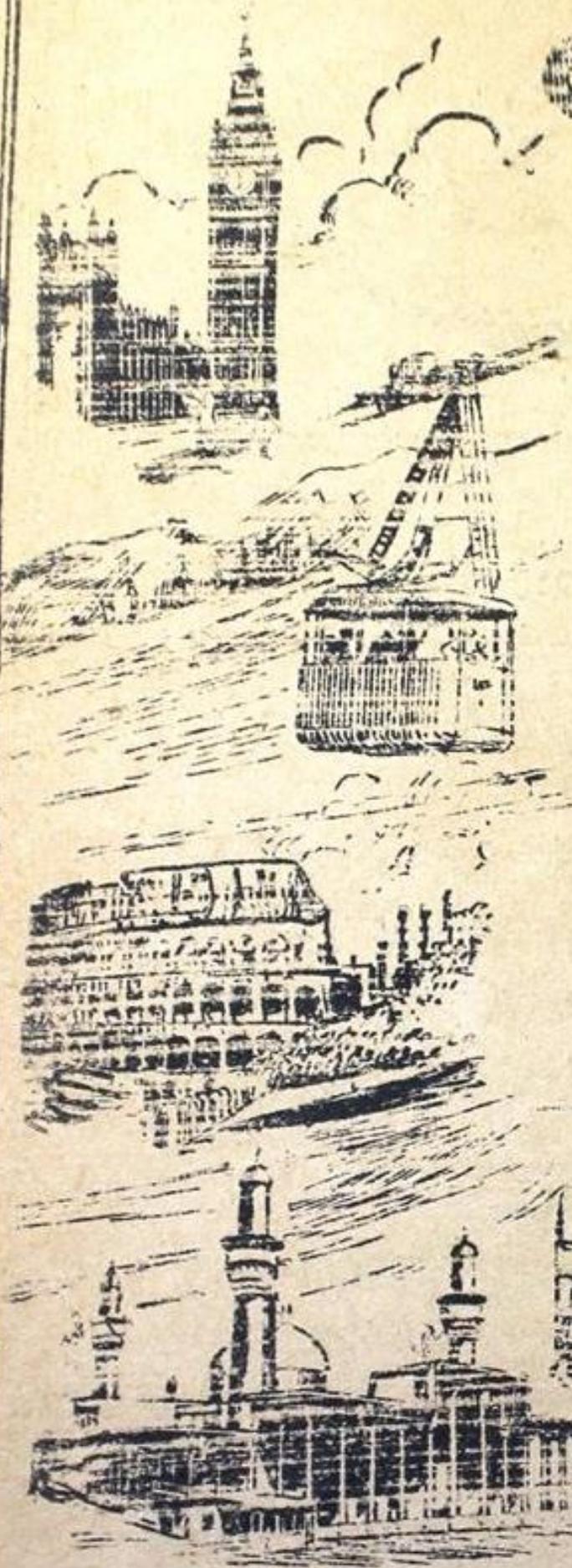
مولانا امین احسن اصلاحی اس کتاب کے مصنف ہیں۔ پاکستان میں مغرب زدگی کے بڑے بڑے رجحانات کے
پاکستانی عورتوں پر :- خلاف پہلا قلمی جہاد۔ انداز بیان اتنا سنگتہ و دلاؤز کہ پڑھیے اور جھپٹے۔ ہر شرافت گھرانے میں

اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔ قیمت تین روپے (علاوہ محصول ڈاک)

پی۔ آئی۔ اے سے

یورپ

کا ہوائی سفر کیجئے



پی۔ آئی۔ اے سے پرکاش ٹیلیشن سے یورپ کا مشہور و چمکندوں کا سفر اور یہ چند گھنٹے کی آرام اور سکون سے گزرتے ہیں۔

پی۔ آئی۔ اے کی ہوسٹیس آپ کو گرجو شہ سے استقبال کرے گی آپ یہاں سے نرسٹ کلاس میں سفر کر رہے ہوں یا ٹورسٹ کلاس میں ہوں۔ یہ لڈن کے کسی نوں کا سفر ہے۔

دوستانہ ماحول میں آرام کیجئے۔ ہر سکون بند کیجئے پی۔ آئی۔ اے سے ہر کانسٹیشن کے ترسے کلاس کیبن میں سیٹا شدہ سٹریٹجی کی گھنٹی میا میں ہر روس پاکستان اور یورپ کے درمیان ہے۔ ہر پی۔ آئی۔ اے ہر روس پر آپ کو اس قدر آرام حاصل ہوگا جو کسی تندرستی کی خدمت کی جائیگی۔ پی۔ آئی۔ اے کی ہر روس پاکستان سے براہ ہندوستان عراق اٹلی سوئٹزر لینڈ اور برطانیہ جاتی ہے اگر آپ امریکہ تشریف لے جا رہے ہیں تو پی۔ آئی۔ اے آپ کے سفر کا بندوبست کر سکتی ہے۔

آئندہ جب آپ امریکہ تشریف لے جائیں تو پی۔ آئی۔ اے سے سفر کیجئے۔ ہم آپ کے سفر کو آپ کی خواہش کے مطابق خوشگوار بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے۔



اپنے ریول ایجنٹ یا پی۔ آئی۔ اے سے رجوع فرمائیں

پاکستان انٹرنیشنل ایر لائنز

چمکدار لیکن سکون بخش



حلی سنز کے لیمنز مسلسل مدت میں تمام پاکستان میں پھیل گئے
آپ انہیں مکانات، آفسز اور فیکٹریوں میں ہر جگہ پائیں گے درحقیقت
ایک اعلیٰ درجہ کی چمکدار عوام کی خدمت کیلئے پیش کی گئی ہے۔ آپ
حلی سنز ہی استعمال کیجئے اس لئے کہ یہ بہترین ہیں

پینے ہوئے

پاکستان میں



حلی سنز الیکٹریک کمپنی لمیٹڈ

H.P. 50

رومن پرنٹنگ پریس کراچی

کراچی
فاران

پاکستان

ماہ الفتنہ درمی

قاران

مئی ۱۹۵۷ء — ایڈیٹر — ماہر القادری

ساکنہ چندہ ... چھ روپے
فی پرچہ ... آٹھ آنے

مقام اشاعت
دفتر قاران - کیمیل اسٹریٹ - کراچی

نظمیں و ترتیب

۲	...	ماہر القادری	...	نقش اول
۹	...	ایک عقیدت مند کے قلم سے	...	حیات سلیمانی
۱۸	آہ! یہ فتنہ بے حجابی
۲۱	...	ادارہ قاران	...	الجھاوس
۲۵	...	پروفیسر اسرار احمد	...	ادبی مطالعہ
۲۹	قرآن فیصل
۳۳	...	رؤش صدیقی	...	نعت رسول
۳۵	...	عامر عثمانی	...	قرآن
۳۶	غالب کے ایک شعر پر
۳۷	...	عبدالمجید حیرت - شفقت کاظمی	...	دو غزلیں
۳۸	روح انتخاب
۳۹	...	تماشائی کے قلم سے	...	پرچہ ایماں
۴۲	...	غلام علی	...	ایک اہم مکتوب
۴۵	ہماری نظر میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نفسِ اوّل

یہ حقیقت کتنی ہی تلخ اور تکلیف دہ کیوں نہ ہو، مگر اس کے اعتراف سے گریز اور صرف نظر بھی ممکن نہیں کہ آج دنیا میں سب سے زیادہ اضطراب اور انتشارِ مسلم ممالک میں پایا جاتا ہے۔ گردشِ روزگار کی سب سے زیادہ عنایت مسلمانوں ہی کے حال پر ہو اور انقلابات کی براہِ راست زدِ اپنی پر پڑ رہی ہے، جو اسلام کے نام لیوا ہیں!

قریب قریب ہر مسلم مملکت شدید ترین سیاسی بحران میں مبتلا ہے، کسی سلطنت کی حالت کٹی ہوئی پتنگ کی سی ہے کہ خود اس میں کوئی طاقت نہیں رہی، اُس کا اڑنا اور گرنا ہوا کی موجوں کے رحم و کرم پر موقوف ہے، کسی کا جہازِ مسجداہار میں پھنسا ہوا ہے، کسی کی کشتی ساحل سے قریب ہے، مگر موجوں کے تھپیڑے ہیں کہ اُسے ڈگمگائے دے رہے ہیں، کسی کے باغ میں خود باغبانوں نے آگ لگا دی ہے اور دھوکا یہ دے رکھا ہے کہ یہ ”آتشِ گل“ کی نمود ہے۔ کہیں صیادوں اور باغ کے رکھوالوں کے درمیان نزاع برپا ہے، جس نے چمن کے ایک ایک گوشہ میں برہمی پیدا کر رکھی ہے۔ کہیں گریساں لڑ رہی ہیں، کسی جگہ قیادت سے قیادت دست و گریبان ہے۔ کہیں یہ حالت کہ :-

اُدپر اُدپر پھول کھلے ہیں، بھینتر بھینتر آگ!

اور کہیں :-

چور بنے ہیں چوکیدار!

جہاں بظاہر سکون نظر آتا ہے وہاں بھی ”سطحِ ہموار“ ایک دھوکا ہے، سطح کے نیچے نہ جانے کتنے گرم و تند طوفان کڑھیں لے لے رہے ہیں! غرض اس میں ذرّہ برابر مبالغہ نہیں ہے کہ عالمِ اسلام آج ایک ضغطہ کے عالم میں ہے!

ہفت آسیا بگردش و ما در میان او غالب! دگر مہرس کہ بر ما چہ می رود

اُمّتِ مُسلمہ پر کوئی شک نہیں بڑے بڑے سخت وقت آئے ہیں، ابنِ علقمہ، میر جعفر اور میر صادق جیسے غداروں نے مُسلم حکومتوں کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا پارٹ ادا کیا ہے، مسلم فرما نرداؤں کی بے دانشی، غفلت اور سب سے بڑھ کر اُن کی اعمیٰ پسندیوں اور بدکاریوں نے حالات کو ابتر بنایا ہے! مگر ہوتا یہ رہا ہے کہ کہیں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا تو کسی جگہ چاندنی چمٹکی ہوئی تھی۔ کسی مقام پر لٹیروں کا راج تھا تو دوسری جگہ امانت دار اور صالح افراد زمامِ حکومت سنبھالے ہوئے تھے۔ ایک ملک کی ابتری اور پریشانی حالی کی، دوسرے ملک کی خوش انتظامی اور امن و آسائش سے تلافی ہو جاتی تھی۔ زخم تھے تو اُن کے ساتھ مرہم بھی تھے۔ بارغ میں ہر طرف کانٹے ہی کانٹے نہیں تھے۔ کہیں ٹھولوں کے تختے، اور سبزہ زار بھی تھے۔ کہیں کے حالات کو دیکھ کر جی جلتا تھا تو کسی جگہ کے احوال کو اُلفت سے آنکھیں ٹھنڈی اور جی خوش بھی ہوتا تھا!

مگر آج اُمّتِ مُسلمہ شرق سے لے کر غرب تک پریشان اور مضطرب الحال ہے :-

جو صید کا عالم وہی صیاد کا عالم!

پوری قوم کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے، مُسلم حکومت میں ابتری پھیلی ہوئی ہے، اگر مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ کسی کے سامنے نہ ہو، تو وہ ہم مسلمانوں کی حالت دیکھ کر یہی سمجھے گا کہ اس قوم نے عروج و عزت اور مسرت و اقبال مندی کا شاید ایک لمحہ بھی نہیں دیکھا۔ اس ملت کو تو ہمیشہ ٹھکرا یا جاتا رہا ہے اور اس میں سدا نکمے اور ناکارہ لوگ ہی پیدا ہوتے رہے ہیں۔!

”اسلام“ جسے دُنیا میں غالب ہو کر رہنا چاہیے، وہ ہماری کمزوری اور بد اعمالیوں کے سبب مظلومیت کے دور سے گزر رہا ہے، بدھ کا فلسفہ جسے دُعا قریب قریب فراموش کر چکی تھی اور جس کا ذکر شاذ و نادر ہی سننے میں آتا تھا، اُس تک کا ”احیاء“ ہو رہا ہے۔ اور سچے سچے مُردوں میں جان ڈالی جا رہی ہے، مگر ہم مُسلمان کے اعمال و کردار کو، اللہ اور رسول سے ہماری بے وفائی اور دین سے بیزاری کو دیکھ کر، دُنیا، اسلام کو شک و شبہ کی نگاہوں سے دیکھ رہی ہے اور ہم نے اس سب سے زیادہ نامی و منترک اور فعال ترین دین کو جامدا اور معطل بنا کر رکھ دیا ہے!

اللہ تعالیٰ کی وہ مخصوب قوم جس پر مسکت و ذلت ڈال دی گئی ہے، ملتِ اسلام کے مقابلہ میں وہ تک اُبھر رہی ہے اور بالشت بھر کی اسرائیلی حکومت نے تمام عرب حکومتوں کے احوال و کوائف کو تہ و بالا کر رکھا ہے۔ پوری مسلم قوم ذلت و مظلومیت کی ویا میں مبتلا ہے۔ مسلمانوں کے خاندان اور قبیلے ہوں یا ملک اور حکومتیں، سب پر نکتہ و ادبار کی گھٹائیں چھا رہی ہیں۔ دُنیا کے پردے پر کسی خطہ اور کسی گوشہ سے بھی، مسلمانوں کے حالات کی کوئی ایسی خبر سننے میں نہیں آتی، جسے ”تردہ“ اور ”نوید“ کہہ سکیں۔ یا جس کے سننے سے دل کو خوشی اور سکون حاصل ہو! جہاں سے بھی خبر آتی ہے پریشانی اور بحران و انتشار ہی کی آتی ہے۔ سامع کے لئے سامانِ جراحت اور دل و دماغ کے لئے ایک اندوہناک حادثہ بن کر!

ایک وہ خوش نصیبی اور اقبال کی یاوری کا دور کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہم پر ساون کی گھٹا کی طرح برستی تھی اور ایک یہ زبوں حالی اور بد توفیقی کا زمانہ کہ اس کے قہر و عتاب کے خوفناک سائے ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں اور یہ تاریکی گہری ہی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ تصور کس کا ہے، ہمارا یا اللہ میاں کا (معاذ اللہ، خاک بدہن گستاخ!) بے انصافی اور بے وفائی کدھر سے ہو رہی ہے؟ پیمان و فاکس نے توڑا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی ذات پر تم کے نفقہ و عیب سے پاک ہے، ظلم کا صدور اس کی ذات سے ناممکن ہے (سبحان اللہ عما تصفون)
 اللہ تعالیٰ کی ربوبیت تو ہر کافر و دیندار کے لئے یکساں ہے اور اس کا اجر کرم بہرہ داروں پر ہی نہیں، چھٹیل میدانوں اور
 بیجر زمینوں پر بھی برکت ہے۔ گل و لالہ اور سرسوسمن ہی نہیں، خار و خس اور جھاڑ جھنکار بھی اسی کی ربوبیت کے سہارے
 نشرو نما پارہے ہیں، اور موحد و مشرک اور نافرمان اور فرمانبردار سب اسی کے در سے پل رہے ہیں۔ مگر مسلمان کو تمام
 مخلوقات میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی "مخلوق" ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے دین کا حامل اور اس کے
 کلمہ کا ناشر اور علمبردار بھی ہے۔ اس لئے ربوبیت عامہ کے علاوہ، اللہ تعالیٰ کے کرم خاص کا بھی اسے مستحق ہونا چاہیے
 اسی طرح دین مبین کے اس حامل اور علمبردار سے جب کوتاہی، غفلت اور نافرمانی ظہور میں آئے۔ تو اللہ کے انصاف کا عین
 تقاضا ہے کہ دوسرے نافرمان لوگوں کے مقابلہ میں اسے سزا بھی دہری دی جائے! ایک عام نافرمانی کی۔ دوسری سزا
 اس فریضہ کی ادائیگی میں غفلت برتنے اور اس امانت میں خرد برد کرنے کی، جو اسے سونپی گئی تھی!

ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کی معبودیت اور اپنی عبدیت کا اعلان تو ضرور کرتے ہیں، اور یہ اقرار و اعلان بھی خدا کو
 نہ رہے تو پھر ہم مسلمان ہی کہاں رہ سکتے ہیں۔ مگر ہمارا حال اس نافرمان غلام کا سا ہے، جس نے اپنے آقا کے حکم کی
 خلاف ورزی اور سرتابی کو اپنا وتیرہ بنا لیا ہو۔ جو اپنے آقا کی بات اس کان سے اور اس کان اڑا دے۔ اور اس کی
 اطاعت سے جس نے منہ موڑ لیا ہو! ہمیں اللہ کے دین کی علمبراری کا دعویٰ ہے، مگر ہمارے کرتوت ایسے ہیں کہ دین
 کے علم ہمارے ہاتھوں سرنگوں ہوئے جا رہے ہیں۔ اور ہمارے اعمال و کردار سے اللہ کا دین رسوا ہو رہا ہے!

ہم سے بڑا حق ناشناس اور کینہ کوئی نہیں اگر ہم اللہ سے شکوہ کریں کہ

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر

برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

یہ ہماری بیچارگی، پامالی، ذلت اور تکلیت خود ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ ہم نے جو بویا بھٹا اسے کاٹ بھی رہے ہیں
 ہمارا کیا ہوا ہی ہمارے سامنے آ رہا ہے! — ازماست کہ برماست —! ہماری غلط اندیشی کا یہ عالم ہے کہ ہم نے
 بونیں تو بولیں اور ان پر کانٹے دیکھ کر، شکوہ کر رہے ہیں کہ ان پر تو انگور اور انجیر لگنے چاہیے تھے۔ ہم خود اپنے کو بدلنے
 کے لئے تیار نہیں ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ سے اس کی توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنی "سنت" کو بدل دے!

مسلم عوام | "بڑے آدمیوں" اور "اوپنے لوگوں" کا نمبر تو بعد میں آتا ہے، معاشرے کی تباہی سب سے زیادہ ہم
 عوام مسلمانوں ہی کے ہاتھوں ہوتی ہے۔ لوگوں کی جیبیں کون کاٹتا ہے؟ پانی میں دودھ کی ملاوٹ کون
 کرتا ہے؟ سلائی کی مشینوں پر کپڑا کون بچاتا ہے؟ سینماؤں کے دروازوں پر پولیس کے ڈنڈے کون کھاتا ہے؟
 فٹ پاتھ پر جو اکون کھیلتا ہے؟ قحیہ خانوں کی گھاگھی کس کے دم سے قائم ہے؟ مسجدوں میں جوتے کون چراتا ہے؟
 رشتہ دے کر فائدے کون اٹھاتا ہے؟ پرانی بہو بیٹیوں کو کون تاکتا اور گھورتا ہے؟ خدا کی قسم کھا کر اور ہاتھوں پر
 قرآن اٹھا کر دھوکے کون دیتا ہے؟ سڑک کا روبرو کون کرتا ہے؟ چلتی عورتوں پر آوانے کون کتنا ہے؟ عورتوں کے
 اغوا کے واقعات کس سے ظہور میں آتے ہیں؟ مالی فائدہ کے لالچ میں سوسائٹی کے سب سے بڑے لوگوں کو دوٹ کون دیتا
 ہے؟ عدالتوں میں جھوٹی گواہی دینے کی کسے عادت ہے؟

یہ ہم عوام مسلمانوں ہی کی زندگی کے سبب اور افاق ہیں۔ یہ ہمارے ہی کیر کٹر کی چند جھلکیاں ہیں، یہ ہمارے کردار ہی کی طرف چند اشارے ہیں۔ اس رحمان کی تفصیل اس درجہ گفناؤنی اور لغت انگیز ہے کہ اس کا ذکر نہ کرنے ہی میں بے ہمتی اور شرافت ہے، آوے کا آوا اور گھان کا گھان ہی بگڑا ہوا ہے!

ہم آخرت کا زبان سے اقرار کرتے ہیں۔ مگر عمل یہ ہے کہ جیسے ہی دینا اور اس کی لذتیں ہی سب کچھ ہیں۔ ٹوٹو جتنی لذتیں ٹوٹی جائیں۔ منفعیتیں حاصل کرو جتنی بھی کر سکو، دینا طلبی اور لذت اندوزی کا جہاں تک تعلق ہے، ہمارا اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کا ایک ہی جیسا انداز حیات اور طرز زندگی ہے!

فسق و فجور اور لغزش و گناہ کی منزل میں ہم مسلمان کا فرد، مشرکوں، دہریوں اور مادہ پرستوں سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہیں، چودہ کرتے ہیں، وہی ہم کرتے ہیں، جو ان کے مشاغل ہیں وہی ہمارے ہیں۔ جب ایسے لچھن اور یہ کروت ہوں تو پھر دینا میں اپنی ذلتوں اور پامالیوں پر یہ شکوے اور شکایتیں کیسی؟ اس دینا کے آب و گل اور جہاں کون و حادث میں شیطان کے کام کو سب سے زیادہ آسان ہم نے کر دیا ہے۔ اسلام خود مشرمانا ہے کہ کیسے نافرمان لوگ مجھ سے منسوب ہو گئے ہیں۔ اور ایمان پناہ مانگتا ہے کہ میں کیسے بے عملوں اور بے وفاؤں میں گھر گیا ہوں!

جس طرح مرعین ڈاکٹروں اور طبیبوں سے اس لگائے رہنے میں کہ ان کی توجہ سے خطرناک سے خطرناک مرض بھی جاتا رہے گا، اسی طرح بگڑا ہوا معاشرہ علماء کرام سے توقع رکھتا ہے کہ یہ معاشرے کو کسی نہ کسی حد تک سنبھال لیں گے مگر علماء کی اکثریت خود اپنی دنیا بنانے کی فکر میں لگی ہوئی ہے۔ اور یہ دینا داروں سے زیادہ دنیا کی ہوس رکھتے ہیں۔ اور آخرت سے غافل ہیں۔ ان کی محصلوں اور مجلسوں میں اور تو سب کچھ یاد آتا ہے مگر خدا یاد نہیں آتا۔ دربارداری اور "سرمایہ داروں" کو خوش رکھنے کے فن میں یہ حضرات بیدِ طولی رکھتے ہیں۔ دوسرا کام ان سے یہ آتا ہے کہ کہیں اللہ کے دین کا کام ہو رہا ہو، تو اس میں روڑے اٹکائیں۔ صاحبانِ عمل و اخلاص پر تہمتیں جوڑیں اور اپنے کاروبار کے مندرے پڑنے کے ڈر سے دین کے مخلص خدمت گزاروں کو عوام مسلمانوں کی نگاہ میں مشتبہ اور بے وقعت بنا دیں!

دراز دستیٰ این کو نہ آستیناں ہیں!

یہ بڑے لوگ! | اب رہی مسلم سلطنتوں اور ملکوں کی ابتری، تو اس کے ذمہ دار وہ "بڑے لوگ" ہیں۔ جن کا ایک ایک فرد "خداوندِ نعمت" بلکہ "مالکِ رقابِ اُمم" بنا بیٹھا ہے۔ بالشت برابر اسرائیلی حکومت قائم ہوئی اور جہم گئی۔ اس کا وزن محسوس کیا جا رہا ہے۔ اور وہ اس لئے کہ اس حکومت کے چلانے والے مخلص، ایشار پیشہ اور اپنی قوم کے غم خوار ہیں۔ مگر کروڑوں کی آبادی اور ہزاروں میل کے رقبہ کی اسلامی حکومتیں ہیں کہ جن کی دنیا میں کوئی ساکھ نہیں، سکتے ان کا بے وقعت ہے۔ سفارت خانے ان کے بے اثر ہیں۔ وہ کسی حکومت سے اپنا جائز حق نہیں مذاں سکتے۔ غیر حکومتیں نہ ان کی دوستی کو اہمیت دیتی ہیں اور نہ ان کی دشمنی کی پروا کرتی ہیں!

اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ مسلم حکومتوں کے کرتا دھرتا مخلص ہونے کے بجائے غرض پرست ہیں۔ ان کا سارا وقت اسی جوڑ توڑ میں صرف ہوتا ہے کہ ملک تباہ ہوتا ہو بلکہ سے ہو جائے مگر ان کی گریباں "سلامت رہیں"۔ پارٹیوں کے توازن کا گر چلتے ہوئے انگریزوں کے کان میں پھونک گیا ہے۔ اور یہ اسی اچھر سے برابر کام لے جا رہے ہیں۔ ملک کی سیاسی پارٹیوں کو آپس میں لڑانا اور ان میں بھوٹ ڈالتا۔ بس اسی آرٹ کے سہارے

اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے نقص و عیب سے پاک ہے، ظلم کا صدور اس کی ذات سے ناممکن ہے (سبحان اللہ عما تصفون) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت تو ہر کار فرودیندار کے لئے یکساں ہے اور اس کا اجر کرم بہترہ زاروں پر ہی نہیں، چٹیل میدانوں اور بنجر زمینوں پر بھی برکت ہے۔ گل و لالہ اور سرو سمن ہی نہیں، خار و خس اور جھاڑ جھنکار بھی اسی کی ربوبیت کے سہارے نشوونما پا رہے ہیں، اور موحد و مشترک اور نافرمان اور فرمانبردار سب اسی کے در سے پل رہے ہیں۔ مگر مسلمان کو تمام مخلوقات میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی "مخلوق" ہی نہیں ہے، بلکہ اُس کے دین کا حامل اور اُس کے کلمہ کا ناشر اور علمبردار بھی ہے۔ اس لئے ربوبیت عامہ کے علاوہ، اللہ تعالیٰ کے کرم خاص کا بھی اُسے مستحق ہونا چاہیے۔ اسی طرح دینِ مبتین کے اس حامل اور علمبردار سے جب کوتاہی بغفلت اور نافرمانی ظہور میں آئے۔ تو اللہ کے انصاف کا عین تقاضا ہے کہ دوسرے نافرمان لوگوں کے مقابلہ میں اسے سزا بھی دہری دی جائے! ایک عام نافرمانی کی۔ دوسری سزا اُس فرض کی ادائیگی میں غفلت برتنے اور اُس امانت میں خرد برد کرنے کی، جو اُسے سونپی گئی تھی!

ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کی معبودیت اور اپنی عبدیت کا اعلان تو ضرور کرتے ہیں، اور یہ اقرار و اعلان بھی خدا نخواستہ نہ رہے تو پھر ہم مسلمان ہی کہاں رہ سکتے ہیں۔ مگر ہمارا حال اُس نافرمان غلام کا سا ہے، جس نے اپنے آقا کے حکم کی خلاف ورزی اور سرتابی کو اپنا وتیرہ بنا لیا ہو۔ جو اپنے آقا کی بات اس کان سے اور اُس کان اڑا دے۔ اور اُس کی اطاعت سے جس نے منہ موڑ لیا ہو! ہمیں اللہ کے دین کی علمبراری کا دعویٰ ہے، مگر ہمارے کروت ایسے ہیں کہ دین کے علم ہمارے ہاتھوں سرنگوں ہوئے جا رہے ہیں۔ اور ہمارے اعمال و کردار سے اللہ کا دین رسوا ہو رہا ہے!

ہم سے بڑا حق ناشناس اور کینہ کوئی نہیں اگر ہم اللہ سے شکوہ کریں کہ

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشاؤں پر

برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

یہ ہماری بیچارگی، پامالی، ذلت اور نکت خود ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ ہم نے جو بویا تھا اُسے کاٹ بھی رہے ہیں! ہمارا کیا ہوا ہی ہمارے سامنے آ رہا ہے! — ازماست کہ برماست —! ہماری غلط اندیشی کا یہ عالم ہے کہ ہم نے بونیں تو بولیں اور اُن پر کانٹے دیکھ کر، شکوہ کر رہے ہیں کہ ان پر تو انگور اور انجیر لگنے چاہیے تھے۔ ہم خود اپنے کو بدلنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ سے اس کی توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنی "سنت" کو بدل دے!

مسلم عوام | "بڑے آدمیوں" اور "اوپے لوگوں" کا نمبر تو بعد میں آتا ہے، معاشرے کی تباہی سب سے زیادہ ہم عوام مسلمانوں ہی کے ہاتھوں ہوتی ہے۔ لوگوں کی جیبیں کون کاٹتا ہے؟ پانی میں دودھ کی ملاوٹ کون کرتا ہے؟ سلائی کی مشینوں پر کپڑا کون بچاتا ہے؟ سینماؤں کے دروازوں پر پولیس کے ڈنڈے کون کھاتا ہے؟ فٹ پاٹھ پر جو کون کھیلتا ہے؟ قحبہ خانوں کی گھاگھی کس کے دم سے قائم ہے؟ مسجدوں میں جوتے کون چراتا ہے؟ رسوئی دے کر فائدے کون اٹھاتا ہے؟ پرانی بہو بیٹیوں کو کون تاکتا اور گھورتا ہے؟ خدا کی قسم کھا کر اور ہاتھوں پر قرآن اٹھا کر دھوکے کون دیتا ہے؟ سٹہ کا کاروبار کون کرتا ہے؟ چلتی عورتوں پر آوازے کون کتا ہے؟ عورتوں کے اغوا کے واقعات کس سے ظہور میں آتے ہیں؟ مالی فائدہ کے لالچ میں سوسائٹی کے رتبے بڑے لوگوں کو ووٹ کون دیتا ہے؟ عدالتوں میں جھوٹی گواہی دینے کی کسے عادت ہے؟

یہ ہم عوام مسلمانوں ہی کی زندگی کے سبب اور افاق ہیں۔ یہ ہمارے ہی کیر کٹر کی چند جھلکیاں ہیں، یہ ہمارے کردار ہی کی طرف چند اشارے ہیں۔ اس مجال کی تفصیل اس درجہ گفتگوئی اور نفرت انگیز ہے کہ اس کا ذکر نہ کرنے ہی میں بھلمنساہت اور شرافت ہے، آوے کا آوا اور گھان کا گھان ہی بگڑا ہوا ہے!

ہم آخرت کا زبان سے اقرار کرتے ہیں۔ مگر عمل یہ ہے کہ جیسے یہی دینا اور اس کی لذتیں ہی سب کچھ ہیں۔ لوٹو جتنی لذتیں لوٹی جائیں۔ منفعیتیں حاصل کرو جتنی بھی کر سکو، دنیا طلبی اور لذت اندوزی کا جہاں تک تعلق ہے، ہمارا اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کا ایک ہی جیسا انداز حیات اور طرز زندگی ہے!

فسق و فجور اور لغزش و گناہ کی منزل میں ہم مسلمان کا فرد، مشرکوں، دہریوں اور مادہ پرستوں سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہیں، چودہ کرتے ہیں، وہی ہم کرتے ہیں، جو ان کے مشاغل ہیں وہی ہمارے ہیں۔ جب ایسے لچھن اور یہ کرتوت ہوں تو پھر دنیا میں اپنی لذتوں اور پامالیوں پر یہ شکوے اور شکایتیں کیسی؟ اس دنیا کے آب و گل اور جہان کون و حوادث میں شیطان کے کام کو سب سے زیادہ آسان ہم نے کر دیا ہے۔ اسلام خود مشرکوں سے کہ کیسے نافرمان لوگ مجھ سے منسوب ہو گئے ہیں۔ اور ایمان پناہ مانگتا ہے کہ میں کیسے بے عملوں اور بے وفاؤں میں گھر گیا ہوں!

جس طرح مرہین ڈاکٹروں اور طبیبوں سے اس لگائے رہنے ہیں کہ ان کی توجہ سے خطرناک سے خطرناک مرض بھی جاتا رہے گا، اسی طرح بگڑا ہوا معاشرہ علماء کرام سے توقع رکھتا ہے کہ یہ معاشرے کو کسی نہ کسی حد تک سنبھال لیں گے مگر علماء کی اکثریت خود اپنی دنیا بنانے کی فکر میں لگی ہوئی ہے۔ اور یہ دنیا داروں سے زیادہ دنیا کی ہوس رکھتے ہیں۔ اور آخرت سے غافل ہیں۔ ان کی محصلوں اور مجلسوں میں اور تو سب کچھ یاد آتا ہے مگر خدا یاد نہیں آتا۔ دربارداری اور "سرمایہ داروں" کو خوش رکھنے کے فن میں یہ حضرات بدطولی رکھتے ہیں۔ دوسرا کام ان سے یہ آتا ہے کہ کہیں اللہ کے دین کا کام ہو رہا ہو، تو اس میں روڑے اٹکائیں۔ صاحبان عمل و اخلاص پر تہمتیں جوڑیں اور اپنے کاروبار کے مندرے پڑنے کے ڈر سے دین کے مخلص خدمت گزاروں کو عوام مسلمانوں کی نگاہ میں مشتبہ اور بے وقعت بنا دیں!

درازدستیٰ این کو نہ استیناں ہیں!

اب رہی مسلم سلطنتوں اور ملکوں کی ابتری، تو اس کے ذمہ دار وہ "بڑے لوگ" ہیں۔ جن کا ایک ایک یہ "بڑے لوگ" | فرد "خداوند نعمت" بلکہ "مالک رقاب امم" بنا بیٹھا ہے۔ بالشت برابر اسراہیلی حکومت قائم ہوئی اور جم گئی۔ اس کا وزن محسوس کیا جا رہا ہے۔ اور وہ اس لئے کہ اس حکومت کے چلائے والے مخلص، ایثار پیشہ اور اپنی قوم کے غم خوار ہیں۔ مگر کرڈروں کی آبادی اور ہزاروں میل کے رقبہ کی اسلامی حکومتیں ہیں کہ جن کی دنیا میں کوئی ساکھ نہیں، سکہ ان کا بے وقعت ہے۔ سفارت خانے ان کے بے اثر ہیں۔ وہ کسی حکومت سے اپنا جائز حق نہیں منڈا سکتے۔ غیر حکومتیں نہ ان کی دوستی کو اہمیت دیتی ہیں اور نہ ان کی دشمنی کی پروا کرتی ہیں!

اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ مسلم حکومتوں کے کرتا دھرتا مخلص ہونے کے بجائے غرض پرست ہیں۔ ان کا سارا وقت اسی جوڑ توڑ میں صرف ہوتا ہے کہ ملک تباہ ہوتا ہو بلکہ سے ہو جائے مگر ان کی گرسیاں "سلامت رہیں"۔ پارٹیوں کے توازن کا گر چلتے ہوئے انگریزوں کے کان میں پھونک گیا ہے۔ اور یہ اسی انچھر سے برابر کام لئے جا رہے ہیں۔ ملک کی سیاسی پارٹیوں کو آپس میں لڑانا اور ان میں بھوٹ ڈالتا۔ بس اسی آرٹ "کے سہارے

اُن کی کرسیاں قائم ہیں۔ جو ایک بار کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر مرتے دم تک کرسی سے ہٹتا نہیں چاہتا!

افسوس ہے کہ بڑے بڑے اہل اور لائق لوگوں کی ذہانتیں اپنے عہدوں کی عمر بڑھانے کی بھاگ دوڑ میں صرف ہو رہی ہیں۔ جو ذہانت اور ہوشمندی ملک اور قوم کی تعمیر میں کام آتی چاہیے تھی، وہ اپنے ذاتی اغراض کے کام آ رہی ہے!

تھوڑی بہت غرض ہر شخص رکھتا ہے اور نفس ہر کسی کے ساتھ لگا ہوا ہے، مگر ایسی بھی غرض دوستی اور نفس پرستی کیا کہ اپنی خواہش اور غرض کے لئے قوم اور ملک کے وقار کو بے دریغ بھینٹ چڑھا دیا جائے! اور ملکی مسائل کو دیکھنے کے لئے صرف ایک ہی عینک اور امور مملکت کو جانچنے اور پرکھنے کی ایک ہی کسوٹی ہو۔ اور وہ ہیں اپنے ”ذاتی اغراض“! اپنی غرض جہاں پوری ہوتی نظر آئے، وہاں ہر گناہ، ثواب۔ ہر خطا درست اور ہر سازش عین مصلحت و حکمت! اس پارٹی سے اس پارٹی کو لڑا دیا۔ اس کو شہ دی، اس کی پیٹھ تھپکی۔ فلاں کو ”پرہٹ“ کا لالچ دیا۔ کسی کو ”عہدے“ کا فریب دے کر شیشہ میں اتارا۔ کسی کو سائی، کسی کو بدھائی!

جن ملکوں اور سلطنتوں میں اوپر کے لوگوں کے یہ رنگ ڈھنگ اور کرتوت ہوں۔ وہاں جو کچھ بھی ہو جائے،

تھوڑا ہے!

ان ”خداوندانِ نعمت“ کو سب سے زیادہ خوفِ اسلامی نظامِ حکومت سے لگتا ہے۔ اس کے قیام میں انھیں اپنے جاہ و اقتدار کی موت نظر آتی ہے۔ اس لئے اُن کی ساری کوششیں اسی میں صرف ہوتی ہیں کہ ”نظامِ حق“ کو پاؤں جمانے کا موقع نہ مل سکے!

امریکہ اور انگلستان تو ابک طرف رہے اگر روس کا نظامِ حکومت تک قائم ہو جائے تو بھی یہ ”بڑے لوگ“ اسلام کے مقابلہ میں اسے قبول کر لیں گے! ”اسلامی نظام“ کو یہ ”صاحبِ لوگ“ اپنے لئے ”موت کا فرشتہ“ سمجھتے ہیں، اسی لئے اُس کے ٹالنے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے!

جمالِ ناصر کی مثال ہمارے سامنے ہے، اُس نے اپنے اقتدار کو جمانے اور اپنی آمریت کو بڑھانے کے لئے تین کام

کئے ہیں:-

ایک یہ کہ جمہوریت کو ختم کیا۔

دوسرا کام یہ کیا کہ ”اسلام پسندوں“ اور نظامِ حق کے لئے جدوجہد کرنے والوں کو پس کر رکھ دیا۔

تیسرا کارنامہ یہ انجام دیا کہ اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے اور دنیا کی توجہ کا رخ پھیرنے کے لئے ”نہر سوئز“ کے مسئلہ کو کھڑا کر دیا۔

”نہر سوئز“ کے مسئلہ ہی کے یہ تلخ ثمرات ہیں کہ مصر، شام اور اردن میں کمیونسٹوں کو غلبہ حاصل ہوتا جا رہا ہے۔

اور سرخ پرچم کا منحوس سایہ جہاں جہاں نظر آ رہا ہے!

جمالِ ناصر کی ذہنیت کے لوگ جن جن مسلم حکومتوں اور ملکوں میں موجود ہیں، وہ اسی طرح کی اتنی پھیلا رہے

ہیں! جمہوریت اور اسلام کی قدریں اُن کے ہاتھوں پا مال ہو رہی ہیں۔ اور دستور و قانون کو پا مال اور بے آبرو کرنے میں انھیں کوئی باک نہیں ہوتا۔ ہر تعمیری کام کو التوا میں ڈالنے اور ہر مفید منصوبہ کو ٹالنے کی کوشش!

ساری دوڑ دھوپ اس کے لئے کہ اُن کے اقتدار کے ارد گرد مضبوط حصّہ قائم ہو جائے اور اُن کی

”بلند پائی“ پر کسی عنوان آنے نہ پائے!

یہ ایک سرسری جائزہ ہے مسلم حکومتوں کا!

یہ وہ حقائق ہیں جن کی صحت میں وہی شخص شبہ کر سکتا ہے، جو عقل و بصیرت سے کورا ہو!

جو لوگ دینی غیرت، قومی حمیت اور عزتِ نفس کھو چکے ہیں، وہ ملک و ملت کے انتشار و اضطراب سے کوئی اثر نہیں لیتے، اُن کو تو اپنی عیش کوشی، ذاتی اعتراض اور شخصی مفادات سے

اُٹھے!

کام ہے!

اس ذہنیت کے لوگ چڑھتے سورج کے چبھاری اور مارتے کے سانپنی ہوتے ہیں۔ اُن کے پاس کوئی اصول اور کوئی نظریہ نہیں ہوتا۔ جس کے ہاتھ میں اختیار و اقتدار ہے، یہ اُسی کی ہم نوائی کرتے ہیں اور اُسی کے غاشیہ بردار بن جاتے ہیں۔

اس کردار اور مزاج کے افراد ہر مسلم ملک میں پائے جاتے ہیں۔ ”جی حضوریوں“ کا یہ وہ ذلیل طبقہ ہے، جو جابرول اور ظالموں کی جوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اور جس کی نیا زمسندی وقت کے فرعونوں اور مانوں کے کبر و غرور کو غذا پہنچاتی ہے!

ہمارا خطاب اُن درد مند لوگوں سے ہے، جو اس گئے گزرے زمانہ میں بھی خدا کا خوف، رسول کی محبت، دین کا شغف اور ملت کا درد رکھتے ہیں۔ ہم نے ملتِ اسلامیہ کے حالات کا جو جائزہ لیا ہے، اُس سے ہمارا یہ ہرگز مقصد نہیں ہے کہ قوم کی زبوں حالی اور پراگستگی کو دیکھ کر لوگوں کے دل ٹوٹ جائیں اور دل و دماغ پر افسردگی و نومیدی طاری ہو جائے۔

افسردگی اور نومیدی کا ہم سے بڑا دشمن شاید ہی کوئی ہوگا۔ ”فاران“ کے صفحات اس کے شاہد ہیں کہ ہمارا قلم ہمیشہ ”زمانہ ستیز“ رہا ہے۔ ہمارا تو مشن ہی یہ ہے کہ حق کا ایک ذرہ بھی جہاں کہیں ہے وہ باطل کے الوند و البرز کے مہت بلہ کے لئے اکٹھ کھڑا ہو۔ جس دن ”حق“ باطل سے دبے گئے گا بس وہی قیامت کا دن ہوگا۔

یہ دردناک تفصیلات ہم نے اس غرض سے پیش کی ہیں کہ اہل حق جہاں بھی ہیں اور جس حال میں بھی ہیں، وہ چونک جائیں، ہوشیار ہو جائیں، کمر ہمت باندھ لیں۔ وہ اس بات کو سوچیں اور محسوس کریں کہ کس کس محاذ پر، کس ساز و سامان اور کس حکمت و تدبیر کے ساتھ باطل سے نبرد آزما ہونا ہے۔ معاشرے کے اس ”بگاڑ“ کو سدھانے کے لئے کس عزم، ہمت، ثابت قدمی اور جانفشانی کی ضرورت ہے، جب و باکے عام ہوتی ہے تو درد مند طبیعوں کی نیتد اور کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ اسی جذبہ کو لے کر اُٹھ کھڑے ہونا ہے!

اسلامی معاشرہ اور نظامِ حق جب تک قائم نہ ہوگا، اللہ کا دین غالب نہیں ہو سکتا۔ پس جس کسی کو اللہ اور رسول سے کئے ہوئے عہد و پیمان کا پاس ہو، وہ اس فیلہ میں شامل ہو جائے۔ جس کے پیش نظر

اللہ کے کلمہ کی بلندی ہے! اس راہ کی موت بھی مدرسوں اور خانقاہوں کی زندگی سے اچھی ہے!
 مسلمانوں کو "ان کنتم مومنین" کی شرط پورا کرنے کے لئے آمادہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا
 وعدہ "انتم اعلان" بھی پورا ہو جائے۔ یہ ہو گیا تو یوں سمجھو کہ انسانیت کے دن پھر گئے۔ امن و سلامتی
 کا نصیبہ جاگ اٹھا۔ دنیا کو غاصبوں اور غلط کاروں سے نجات مل گئی۔ اور خلافتِ اکبری اُس کے مستحق
 وارثوں کی طرف لوٹ آئی!

زلفِ گیتی کا ہر اک بیج نکل جائے گا
 تُو جو بدلے گا زمانہ بھی بدل جائے گا

ماہِ اکتوبر
 ۱۹۵۷ء
 ۲۱/۱۰/۵۷

ضروری اعلان

- ماہ جون کا شمارہ "توجید نمبر" ہوگا۔ جس کی ضخامت تین سو صفحات سے کسی طرح کم نہ ہوگی، سادہ ڈاک سے اگر یہ نمبر بھیجا گیا، تو گم ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے ادارہ "فاران" نے خریدار صاحبان کی خاطر یہ زحمت قبول کی ہے کہ خریدار صاحبان کی خدمت میں رجسٹری کے ذریعہ "توجید نمبر" بھیجا جائے، جس طرح "سیرت نمبر" بھیجا گیا تھا۔ لہذا خریدار صاحبان آٹھ آنے کے ٹکٹ دفتر "فاران" کو جلد سے جلد بھیجیں۔ بھارت کے خریدار صاحبان دفتر "المحنتات" رام پور (ریو پی) کو ٹکٹ روانہ فرما کر دفتر ہذا کو ضرور مطلع فرمادیں۔
- جن صاحبان کے ٹکٹ دفتر میں وصول نہ ہوں گے ان کی خدمت میں توجید نمبر بذریعہ وی پی بھیجا جائے گا۔ اس وی پی میں صرف ڈاک کے اخراجات شامل ہوں گے۔
- جن خریدار صاحبان نے چھ روپے تیرہ آنے کا وی پی وصول کیا ہے، ان کو مزید ٹکٹ بھیجنے کی ضرورت نہیں۔
- خط و کتابت میں خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیکھئے، جو آپ کے پتہ کی چٹ پر درج ہوا کرتا ہے۔

ایجنسیاں

- جن ایجنسیوں کو "فاران" کی متعدد کاپیاں جاتی ہیں، ان کی خدمت میں عرض ہے کہ "توجید نمبر" (قیمت تین روپے) کی جتنی کاپیاں مطلوب ہوں اُس کی اطلاع ۱۵- مئی تک ضرور دے دیں۔ تاکہ مانگ کا اندازہ کر کے "توجید نمبر" چھپوایا جائے۔

(منیجر "فاران")

ایک عقیدہ مند کے قلم سے

حیاتِ سلیمانی

ادھر اردو رسالوں کے جو شخصیات نمبر نکلے ہیں۔ ان میں 'معارف' کے سلیمان نمبر کا کیا درجہ ہے۔ اس کا فیصلہ اردو ادب کے نقاد اور کتابوں کے تیصر نگار حضرات ہی کر سکتے ہیں۔ ہمیں اس کا علم نہیں ہے کہ اس پر کسی صاحب نے اب تک مفصل تیصر کیا ہے یا نہیں۔ اس کی ترتیب و تکمیل میں جن اربابِ قلم نے حصہ لیا ہے، وہ بجائے خود بڑی شخصیتوں کے مالک اردو کے مصنف، ادیب اور صاحبِ طرز انشاء پرداز ہیں۔ مثلاً مولانا عبید الباری ندوی، پروفیسر رشید احمد صدیقی، مولانا سید مناظر حسن گیلانی، جناب مالک رام ایم اے، مولانا عبد الماجد دریا بادی، وغیرہ۔ موزالذکر تو وہ بزرگ ہیں۔ جن دارالمصنفین کے یومِ تاسیس سے برابر علمی تعاون، نظری و فکری اشتراک سید صاحب کو حاصل رہا ہے۔ اور جو آج بھی اس ادارہ کے رکن، اس کی مجلس کا رکن کے صدر، اس کے رفقاء و مصنفین کے علمی مشیر و رہنما ہیں۔ خود اس رسالہ کے مرتب شاہ معین الدین احمد ندوی صاحب کس سے کم ہیں۔ جن کے قلم کی شگفتگی، روانی، سلاست اور اس کے ساتھ ان کا علم و مطالعہ وسیع تجربہ۔ سید صاحب کی دیرینہ رفاقت و شاگردی، تصنیفی صلاحیت، ادبی ذوق نہ صرف دارالمصنفین کے قیام و بقا، بلکہ ترقی کا ضامن ہے بلکہ ساری ندوی برادری کے لئے قابلِ فخر ہے۔

یوں تو اس نمبر کے سارے مضامین اپنی جگہ بہت بلند، معیاری اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ لیکن ایک مضمون جو سید صاحب کے سوانح و حالات پر سید صباح الدین عبدالرحمن کے قلم سے ہے، وہ بڑی محنت، جانفشانی اور دیدہ ریزی سے لکھا گیا ہے۔ اور اس میں سید صاحب کی زندگی کے تمام پہلو اجمال کے ساتھ آگے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے حیاتِ شبلی کو سامنے رکھ کر لکھا ہے اور اس کی ہر پہلو نقل کی ہے۔ اگر اسی مضمون کو اس کے بعد والے مضمون کے ساتھ جرا خلاصہ و عادات پر ہے، ان لاریج کر دیا جائے، تو سید صاحب کی زندگی اور کارناموں پر اچھی خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ لیکن ان گوناگوں خصوصیات کے باوجود بھی یہ نمبر سیرتِ سلیمانی کا بدل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر خدا نخواستہ اسی پر قناعت کر لی گئی ہے تو سید صاحب پر بڑا ظلم ہو گا۔ یہ محض ایک نمبر ہے، جس کی ادب میں صرف وقتی قدر و قیمت (value) ہوتی ہے۔ فارسی زبان کے مستشرق براؤن کا انتقال ہوا اور لوگوں نے ان... علمی تعلقات و روابط کی بنا پر جو ان کو مولانا شبلی خود ان سے اور دارالمصنفین سے تھے۔ ان کے نام پر 'معارف' کا خاص نمبر نکالنے کی فرمائش کی۔ تو شذرات ہی میں سید صاحب یہ مصرعہ لکھ کر خاموش ہو گئے کہ۔

نئی رویم بر ہے کہ کارواں رفتہ است!

ان کے زمانہ قیام بھوپال میں جب مولانا شردانی کا انتقال ہوا، تو گوا یک مہینہ کے معارف کا حجم بڑھا کر اس کے

نے کئے وقت ضرور کر دیا گیا۔ لیکن اس کا شروانی نمبر نام نہیں رکھا گیا۔ اس میں شروانی صاحب پر سید صاحب کے قلم سے بھی ایک مضمون ہے۔ لیکن سید صاحب کے انتقال کے بعد وہی پامال راستہ اختیار کیا گیا۔ جس پر چلنے کا ننگ انہوں نے کبھی گوارا نہیں کیا۔ اور ان کے نام پر ایک خاص نمبر نکال ہی دیا گیا۔ یہ بھی ٹھیک تھا۔ اگر اسی پر اکتفا نہ کر لیا جاتا۔ اور ان کی یادگار کا سلسلہ جاری رہتا۔ مثلاً جس طرح سید صاحب نے مولانا شبلی کے نام کا مضمون کی تکمیل کی۔ سیرۃ النبوی کو شائع کیا۔ ان کے خطوط دو جلدوں میں جمع کئے۔ ان پر ایک طویل مقدمہ لکھا۔ ان کا فارسی کلام اکٹھا کیا۔ کلیات فارسی شبلی کے نام سے شائع کیا۔ پھر ان کا سارا اردو کلام جمع کیا۔ اور ان کی شاعرانہ حیثیت، اور ان کی اردو شاعری پر مضمون لکھا۔ پھر مولانا کے تمام علمی و ادبی اور تنقیدی و مذہبی تاریخی و سوانحی، قومی و فلسفیانہ مضامین، مقالات کے الگ الگ مجموعے شائع کئے، ان کے خطبات کی ایک جلد شائع کی۔ جو مولانا شبلی کے علمی، تعلیمی و قومی تقریروں کا مجموعہ ہے۔ شعر العجم کے ایک نامی مسودہ کو جس میں قصیدہ و غزل اور فارسی زبان کی غمشقیہ مونیانہ اور اخلاقی شاعری پر نقد و تبصرہ ہے۔ اس کو ایڈٹ کر کے شائع کیا۔ اور اس طرح فارسی شاعری اور فارسی ادب و زبان سے ذوق رکھنے والوں کے لئے شعر العجم کی ایک اور جلد ہم پہنچا دی۔

پھر جب ملک میں تنقید کا ذوق بڑھا اور تنقیدی کتابوں کی مانگ شروع ہوئی۔ تو مولانا شبلی کی شعر العجم اور موازنہ کا وہ حصہ جس میں کلام کے حسن و قبح اور عیب و مہنر اور شعر کی حقیقت اور اصول تنقید کی تشریح کی گئی ہے الگ سے انتخابات شبلی کے نام سے شائع کیا۔ جو بے حد مقبول ہوا۔ سید صاحب کی مشہور کتاب لغات جدیدہ بھی درحقیقت مولانا شبلی ہی کے ایک نامی کام کی تکمیل ہے، آپ کو یاد ہو گا کہ جب انہوں نے اپنا سفر نامہ روم و مصر و ستام شائع کیا۔ تو اس کے آخر میں عربی کے جدید مروج الفاظ کی ایک فرہنگ بھی دے دی تھی۔ وہی بڑھ کر لغات جدیدہ بن گئی۔ جس کو سید صاحب نے امرتسر کے نذوۃ العلماء کے اجلاس میں بطور ایک علمی کارنامہ کے پیش کیا تھا۔ اور علماء نے ان کو بڑی داد دی تھی۔ یہ کتاب آج نئی عربی کی تحصیل و مطالعہ کرنے والوں کے لئے بہترین گائیڈ ہے۔ اور سید صاحب کی مقبول ترین کتابوں میں نہیں بلکہ اولیات میں داخل ہے۔

سیرۃ النبوی یا دائرة المعارف النبویہ کا جو خاکہ مولانا شبلی نے سیرۃ کی پہلی جلد میں پیش کیا تھا، اس کی تعمیل میں معجزات، منصب نبوت، عبادات و احقاق پر الگ الگ عیض و ضخیم جلدیں اپنے قلم سے لکھیں۔ اور نہایت اہتمام سے شائع کیں۔ اور ملک نے اس اہم اور دینی خدمت کے انجام دینے پر ان کو خراج تحسین پیش کیا۔ اور علماء و خواص امت نے ان کو بے حد پسند کیا۔ اور مولف کو داد دی۔ اہد مولانا مناظر حسن صاحب جیسے بزرگوں نے ان پر ریویو لکھا۔ اس سلسلہ کی صرف دو جلدیں شائع ہونے سے رہ گئیں۔ ایک معاملات کی۔ جو زیر تحریر تھی۔ مگر شاید مکمل نہ ہو سکی۔ اور دوسری وہ جلد جس میں سیرت نبوی سے متعلق یورپین تصنیفات کی غلطیوں کی تصحیح اور یورپین منتشرین سے مسائل اسلام کے سمجھنے میں جو غلطیاں ہوئیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات و زندگی یا مسائل اسلام پر انہوں نے جو نکتہ چینیوں کی ہیں اور جن کی وجہ سے سائے یورپ میں ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں، ان کا تشریحی بخش جو اب دینا تھا۔ جو تھا ایک شخص کا نہیں پورے ایک تصنیفی بورڈ کا کام تھا۔

اس کے علاوہ ہمارے خیال میں ایک جلد اور بھی لکھنے سے رہ گئی ہے۔ جس میں قرآن مجید کی تاریخ، اس کے وجوہ اعجاز، اور حقائق و اسرار سے بحث ہوتی۔ کا شکہ سید صاحب کی محنت نے اجازت اور ان کی عمر نے وفا کی ہوتی۔ تو یہ تینوں جلدیں بھی بتدریج منظر عام پر آجائیں۔ پھر بھی جتنا کچھ ہو گیا ہے، اردو فارسی تو کیا خود عربی میں بھی سیرۃ نبوی پر متکلمانہ انداز کا اتنا قیمتی اور

دیسع لظیر نہیں مل سکتا۔ سید صاحب کچھ نہ کرتے تو بھی یہ عظیم الشان دینی خدمت اُن کو بقائے دوام کی مجلس میں جگہ دینے اور بارگاہِ خداوندی میں مغفرت کے لئے کافی تھی!

اس سلسلہ کی سید صاحب کی دو کتابیں اور بھی ہیں۔ ایک خطباتِ مدراس اور دوسری رحمتِ عالم۔ یوں تو اس کماری سے پشاور تک تمام پڑھے لکھے مسلمانوں کو سید صاحب سے عقیدت تھی۔ جہاں جاتے تھے، دھوم مچ جاتی تھی، اور ہر شہر میں اسی طرح اُن کا استقبال ہوتا تھا۔ جس طرح اُن کے استاد مولانا شبلی کا ہوتا تھا۔ اور اُن کے علم و کمال شہرہ سُن کر اُن کی تقریر سُننے کے لئے لوگ بڑے شوق و عقیدت کے ساتھ جمع ہو جاتے تھے۔ لیکن صوبہ مدراس کے مسلمانوں کو اُن سے غیر معمولی عقیدت و محبت تھی۔ بلکہ وہ ان کو اپنا مرشد و امام سمجھتے تھے۔ اور اپنی دینی و مذہبی تقریروں اور جلسوں میں خاص طور سے ان کو مدعو کرتے تھے۔ اور ان کی عالمانہ و فاضلانہ تقریروں کو گوشِ دل سے سُنتے تھے۔ اور اُن سے اثر لیتے تھے۔ مدراس کے انہی دیندار اور عقیدت کبیش مسلمانوں کی فرمائش پر ۱۹۲۵ء میں سیرۃِ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر، مختلف نشہ میں آٹھ لیکچر دیئے تھے۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخی حیثیت، آپ کی جامعیت، کالیست اور آپ کی پاک و مطہر زندگی کے عملی پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہی خطبات ہیں جن کو بعد میں خطباتِ مدراس کے نام سے کتابی شکل میں شائع کر دیا تھا۔ جس کو پڑھ کر بہت سے لوگ سیرتِ نبوی کے مقرر اور لیکچرار ہو گئے۔ ہندوستان کے مشہور سحر بیان خطیب نواب بہادر یار جنگ کی اس موضوع کی تقریروں کی مواد بہت کچھ اسی کتاب کا رہینِ منت تھا۔ اس کے ورق کے ورق اُن کو زبانی یاد تھے۔ اور بے تکلف بولتے چلے جاتے تھے اور اس کا اُن کو خود بھی اعتراف تھا۔ اس سے بریلوی، دیوبندی، مقلد، غیر مقلد، اہل حدیث و اہل نعتہ، اربابِ تسنن و اہل تشیع سب نے فائدہ اُٹھایا۔ یہ خطبات دارالمصنفین کی سیرتِ نبوی کی چھ سات ضخیم جلدوں کا خلاصہ اور عطر ہیں۔ جن میں سیرتِ نبوی کا کوئی پہلو تشہد تفصیل نہیں رہ گیا ہے۔ سید صاحب، صاحبِ کشف و کرامات تو نہیں تھے۔ اور نہ ساری عمر کبھی اس کا دعویٰ کیا۔ لیکن ان خطبات میں الہامی رنگ منعکس ہے۔ ان میں غضب کی روانی، ہر جستگی اور آمد ہے۔ جس کے ایک ایک فقرے اور جملے میں روح القدس کا فیض جھلکتا ہوا نظر آتا ہے!

دوسری کتاب ”رحمتِ عالم“ ہے۔ اسی قلم اعجاز رقم نے جس نے ہزاروں صفحوں پر مشتمل کئی ضخیم جلدوں میں سیرۃِ نبوی لکھی ہے اور دادِ تحقیق دی ہے۔ سادہ، آسان، اور عام فہم زبان میں مکتب اور ابتدائی مدرسوں کے بچوں کے لئے سیرۃِ نبوی پر یہ چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے۔ جس میں شروع سے آخر تک ایک لفظ بھی مشکل اور عسیر الفہم نہ ملے گا۔ اس کا پہلا ایڈیشن چار ہزار کی تعداد میں نکلا تھا۔ جو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ اور اس کی ساری آمدنی سید صاحب نے مذکورہ کو دے دی۔ وہ ایسا مقبول ہوا کہ حیدرآباد، بہار، یوپی، پنجاب و سرحد کے اکثر ابتدائی مدرسوں کے نصاب میں داخل ہو گیا۔ اس وقت بازار میں غالباً اس کا نواں یا دسواں ایڈیشن ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت، افادیت اور جاذبیت کی بہت بڑی شہادت ہے!

اُن کی مشہور کتاب ”ارض القرآن“ بھی جیسا کہ شاہ معین الدین صاحب نے ان کی علمی و دینی خدمات کے ذکر اور اُن کی کتابوں کے تبصرہ کے سلسلہ میں اسی سلیمان نمبر میں خود مسقف کے حوالہ سے لکھا بھی ہے۔ کہ اگرچہ اس کا موضوع سیرت ہے۔ مگر اُسے۔ لیکن درحقیقت سیرۃِ النبی ہی کا دیباچہ ہے۔ جو بڑھ کر مستقل ایک کتاب بن گیا۔ اس کو انہوں نے اپنے زمانہ قیامِ ہونہ میں اسناد کی زندگی ہی میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن اس کی تکمیل شاید استاد کی وفات کے بعد ہوئی۔ اس کی دو جلدیں

ی۔ پہلی جلد میں ایک طویل مقدمہ ہے۔ جس میں عرب کی تاریخ و جغرافیہ کے قدیم ماخذوں سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد عرب قدیم کا مفصل جغرافیہ، اس کی قدیم تاریخ اور کلام مجید میں جن اقوام و قبائل اور مقامات کا ذکر ہے ان کی تاریخی و اثری یقین ہے۔ اور دوسرے حصہ میں قرآن مجید اور اثری اکتشافات کی روشنی میں جو ابراہیم کی تاریخ، عربوں کی قبل از اسلام نارت اور ان کے مذاہب پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ اس موضوع پر اردو میں پہلی اور غالباً آذی کتاب ہے۔ جس پر آج تک ایک حرف کا اضافہ نہ ہو سکا۔ سید صاحب کی یہ کتاب ایسی ہے کہ حق تھا اگر عرب ممالک کی یونیورسٹیاں اس پر ان کو اکرٹریٹ کی ڈگری دیتیں۔ اور ایک ہندی نژاد عالم کا زبردست کارنامہ تصور کرتیں۔ اور عرب مصنفین و اہل قلم اس کو عربی میں منتقل کر کے عرب ممالک میں شائع کرتے اور اس کے مصنف کو خراج تحسین پیش کرتے!

عرب کی تاریخ، اس کا جغرافیہ، اس کی زبان، اس کا لغت، اس کا کلمہ، اس کے علوم و فنون سید صاحب کا خاص موضوع رہا ہے۔ اس پر انہوں نے اردو میں بہت بیش قیمت لٹریچر فراہم کر دیا ہے۔ ان کی "عرب و ہند کے تعلقات اور عربوں کی جہاز رانی" اسی سلسلہ کی کتاب میں ہے، جو علی الترتیب ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد اور اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی کی طرف سے شائع ہوئی ہیں۔ یہ درحقیقت سید صاحب کی تقریروں کے مجموعے ہیں، جو ان اداروں کے اہتمام میں مختلف نشستوں میں الہ آباد اور بمبئی میں اہل علم کے مجموعوں میں کی گئیں۔ جو بے حد پسند کی گئیں اور بعد میں کتابی شکل میں شائع کر دی گئیں۔

عربوں کی جہاز رانی کی طرف سید صاحب سے پہلے شاید ہی کسی کا ذہن منتقل ہوا ہو۔ اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ عرب ظہور اسلام سے بہت پہلے اپنے زمانہ کے بہت بڑے بحریہ اور جہاز ران تھے۔ اس کے بعد جب اسلامی فتوحات کا میلاب عرب سے افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں اور یورپ کے برفستانی علاقوں کی طرف بڑھا۔ تو ان کے سمندر عربوں کے عربی بیڑوں کا جولا رنگاہ بن گئے۔ ان کی اس زمانہ میں وہی حیثیت تھی جو آج برطانیہ، امریکہ اور یورپ کے دوسرے ملکوں کی ہے۔ انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ فن جہاز رانی کو ترقی دی۔ اس پر کتابیں لکھیں، سمندروں کا جائزہ لیا۔ اور ڈینلکے بہت سے نامعلوم خطوں کو دریافت کیا۔ اور بہت سے نئے سمندروں کا پتہ چلایا۔

یہ اس لئے جو سید صاحب مرحوم نے خاص اپنے اہتمام میں معارف پریس میں آرٹ پیپر پر چھپوایا تھا۔ اس کے بعد پھر اس کے دوبارہ چھپنے کی نوبت نہیں آئی، اس بیش قیمت رسالہ کا نیا ایڈیشن منظر کرنا بھی جانیٹان بید کے فرائض میں داخل ہے۔ جس کے لئے بمبئی کی اسلامک ایسوسی ایشن سے اجازت حاصل کرنا مشکل نہیں ہے!

عربی یا اردو میں ممتاز عرب جہاز رانوں، عرب جغرافیہ دانوں، اور عرب سیاحوں کے حالات پر بھی سید صاحب نے ایک کتاب لکھی شروع کی تھی۔ جس کے کچھ حصے الصیبا، لکھنؤ میں شائع بھی ہوئے تھے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کتاب مکمل ہو گئی یا نہیں۔ بہر حال اس کو بھی از سر نو ایڈٹ کر کے شائع کرنے کی ضرورت ہے!

"اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر" مولانا شبلی کا مشہور رسالہ ہے۔ جو اورنگ زیب کے ہندو معترضوں کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اور ان کے ایک ایک الزام کو رفع کیا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے موضوع پر بہت زیادہ مکمل نہیں ہے۔ رقعہ عالمگیری کی ترتیب و طبع و اشاعت کا جو سلسلہ سید صاحب نے شروع کیا تھا، اس کا مقصد درحقیقت مولانا شبلی کے اسی محل رسالہ کی تفصیل تھی۔ جو افسوس ہے کہ ملک کی عام ناقدانہ اور سردہری کے باعث پہلی جلد سے آگے اس کا کام نہ بڑھ سکا۔ یہ جلد اورنگ زیب کی شاہزادگی سے لے کر تخت نشینی کے اہم رقعہ و خطوط پر مشتمل ہے۔ اس پر ایک طویل

مقدمہ بھی ہے، جس کو اُن کے رفیق کار اور عزیز پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے آنرز نے لکھا ہے۔ جو مقدمہ رقصات عالمگیر کے نام سے الگ سے شائع بھی ہو گیا ہے۔ اس میں اورنگ زیب کی تخت نشینی تک کے حالات مع برادرانہ جنگ کی مکمل جزوی تفصیلات کے آگے ہیں۔ شاہ جہاں کا اس سلسلہ میں جو عجیب و غریب طرز عمل رہا ہے۔ اُس پر بھی پوری روشنی ڈالی گئی ہے!

یہ مقدمہ مولانا شبلی کے اس مجل رسالہ کے بعد عالمگیر کے متعلق اردو میں مستند ترین کتاب ہے، جو اُسی کے رقصات کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے اور دارالمصنفین کی اول درجہ کی کتابوں میں اس کا شمار ہے۔ عالمگیر کا عہد حکومت ۵۰ سال سے بھی زیادہ ممتد اور بڑا پُر آشوب اور ہنگامہ خیز رہا ہے۔ اُسے دن ملک کے مختلف حصوں میں بغاوتیں ہوتی تھیں اور وہ ان کا شدت کے ساتھ استیصال کرتا تھا۔ بنا بریں میں بغاوت ہوئی، شیعہ حکومتیں الگ الگ اُس کو پریشان کئے ہوئے تھیں۔ آخر عمر میں اس کے بڑے لڑکے نے بھی جس کو ولی عہد سلطنت اور اس کا جانشین ہونا تھا۔ بغاوت کردی تھی۔ اس کو بغیر کسی رو رعایت کے گواہیار کے قلعہ میں قید کر دیا تھا۔ اس پورے دور میں اُس نے ہزاروں خطوط اور فرامین اور توجیحات لکھے ہوں گے، جن کا جمع کرنا اور اُن کی روشنی میں اس کے عہد حکومت کی تاریخ مرتب کرنا ایسا کام ہے جس کے پورا کرنے کی مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے لائق جانشینوں سے توقع کی جاسکتی ہے!

سید صاحب کی مشہور و معروف کتابوں میں ایک کتاب پیام بھی ہے۔ جو اُن کی علمی اور تصنیفی زندگی کا ایک اہم اور یادگار کارنامہ ہے، اس کی داوڑ کو ہندوستان تو الگ رہا۔ ایران و کابل اور یورپ تک کے علماء و فضلا نے دی تھی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ فردوسی کی ہزار سالہ جوہی کے موقع پر حکومت افغانستان نے ایران کو جو تحائف دیئے تھے، اُن میں ایک گرانقدر تحفہ پیام بھی تھا۔ ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد نے پالیسیورپ یہ العام دیا تھا۔

یہ کتاب بھی درحقیقت مولانا شبلی کے محترموں، نامتوروں اور نکتہ چینیوں کے جواب میں لکھی تھی، اس کی تقریب یہ ہوئی کہ پنجاب کے محمود شیرانی اور ان کے رفقا پروفیسر اقبال وغیرہ نے رسالہ اردو اورنگ آباد میں شعرالہجھم پر تنقیدی مہامین کا ایک سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ اس سلسلہ کا ایک مضمون "شعرالہجھم اور پیام" کے عنوان سے تھا۔ سید صاحب نے معارف میں اس کے جواب میں ایک طویل مضمون لکھا اور آخر میں برہمچکی کے انداز میں یہ لکھ دیا کہ شعرالہجھم واقعات کی کھوئی نہیں حسن و عشق کا افسانہ ہے،

پھر دسمبر ۱۹۳۳ء میں اورنگ آباد میں فرانس منقذہ پٹنہ میں پیام پر ایک مقالہ پیش کیا۔ جس کو ارباب نظر نے مقالہ نگار کی توقع سے کہیں بڑھ کر پسند کیا۔ اور اس کی فتد کی۔ انہی دونوں مقالوں نے بڑھ کر بعد میں اس کتاب کی صورت اختیار کر لی۔ اب تک پیام ساری دنیا میں ایک شاعر کی حیثیت سے متعارف تھا۔ اور مولانا شبلی نے بھی موضوع کے اعتبار سے شعرالہجھم صحابی اسٹر آبادی، ایو سعید ابوالخیر و غیرہ مشہور رباعی گو شعراء کے سلسلہ میں ایک پاتمال رباعی گو شاعر کی حیثیت سے اس کو پیش کیا ہے اور پیام کی طرف یورپ کے اعتنا کا سبب بھی درحقیقت یہی ہے۔ سید صاحب مرحوم نے اس کتاب میں بالکل پہلی مرتبہ ایک فلسفی، حکیم، ہنیت و نجوم اور ریاضیات کے ایک بہت بڑے عالم کی حیثیت سے پیام کو پیش کیا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ وہ رندتہد باز نہیں، بلکہ ایک دیندار مسلمان اور ہنیت و ریاضی اور حکمت کے علاوہ مذہبی علوم میں بڑی دستگاہ رکھتا تھا۔ اور ایک شاعر سے کہیں زیادہ عالم، حکیم اور فلسفی قسم کا صوفی تھا۔

یہ کتاب سید صاحب کی وسعت مطالعہ، دقت نظر اور تحقیق کا شاہکار ہے، جس کی صحیح عظمت کا اندازہ اُس کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے!

مولانا شبلی عربی زبان کے بہت اچھے ادیب اور انشا پرداز تھے۔ لیکن انہوں نے اس کو مستقلاً اپنا ذریعہ اظہار خیال نہیں بنایا۔ اپنی ساری عمر میں صرف دو کتابیں عربی میں لکھیں۔ ایک تفسیر نبویؐ ہی سے متعلق تھی۔ جو عربی کے ابتدائی طالب علموں کے لئے علی گڑھ کے زمانہ قیام میں لکھی تھی۔ اس کا نام بدر الاصلاح تھا۔ جس کا بعد میں فارسی میں بھی ترجمہ ہو گیا تھا۔ دوسری کتاب الانتقاد ہے۔ جس کی تقریب یہ ہے کہ الہلال مصر کے مشہور عیسائی ایڈیٹر جرجی زیدان نے پانچ جلدوں میں تمدن اسلامی کی تاریخ لکھی تھی۔ جس میں اُس نے اسلامی تمدن کی صورت بگاڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ مگر اس کو ایسے اسلوب سے پیش کیا تھا کہ بادی النظر میں وہ حسن نظر آتا تھا۔ لیکن درحقیقت اس میں کوئی نہ کوئی عیب چھپا رہتا تھا۔ جس کی تہ تک پہنچنا بڑا مشکل کام تھا۔ اور آہستہ آہستہ اس کا زہر عالم اسلامی میں پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ مصر و ہندوستان کے اچھے خالص پڑھے لکھے لوگ اس کے فریب میں آگئے تھے۔ بلکہ اردو میں بغیر کسی نوٹ اور تحشیہ کے اس کا ترجمہ بھی ہونا شروع ہو گیا تھا۔

مولانا شبلی پہلے بزرگ تھے، جنہوں نے اس کی طرف توجہ کی، اور الانتقاد علی التمدن کا اسلامی کے نام سے اُس پر ایک زبردست تنقید لکھی، اس رسالہ کی تکمیل میں بھی سید صاحب مرحوم نے اپنے استاد کا ہاتھ بٹایا۔ اور اس میں بنو امیہ کی علمی سرپرستی کا باب جو طبع ہند کے صفحہ ۷۴ سے ۵۳ تک ہے۔ سید صاحب کے قلم سے ہے۔ اس رسالہ کی عربی تحریر بڑی انشا پردازانہ ہے۔ مولانا شبلی عربی تحریر میں جاچکے طرز کے پیرو تھے۔ جاچکا کی البیان والتبیین اور کتاب الجوان اکثر مطالعہ میں رہتی تھی۔ سید صاحب نے بھی اسی رنگ میں یہ چند صفحے اس طرح لکھے کہ آج تک استاد دشاگرد کی تحریروں میں کوئی امتیاز نہ کر سکا۔!

سید صاحب کو ابتداء میں کسی کے مخصوص طرز و اسلوب میں لکھنے کا بڑا ملکہ تھا۔ جب وہ الہلال کلکتہ کے اسٹاٹ میں تھے، تو اس میں الہلال ہی کے رنگ میں مضامین لکھتے تھے۔ چونکہ الہلال میں مضمون نگاروں کے نام شائع نہیں ہوتے تھے، اس لئے لوگ سمجھتے تھے کہ یہ مضامین بھی مولانا ابوالکلام ہی کے ہیں۔ اور اس طرح سے سید صاحب کے کتنے ہی مضامین اُن کی جانب منسوب ہو گئے۔ ”واقعہ محزنہ کانپور“ پر ”مشہد اکبر“ کے عنوان سے جو ولولہ انگیز مضمون ۱۹۱۳ء میں الہلال کے ادارتی کالموں میں شائع ہوا تھا اور جس کی پاداش میں ہنگال گورنمنٹ نے الہلال کو بند کر دیا تھا، وہ حضرت سید صاحب ہی کے قلم کا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے حسب ذیل مضامین بھی سید صاحب ہی کے ہیں جو غلطی سے مولانا ابوالکلام آزاد کی طرف منسوب ہو گئے ہیں۔

الجزیہ فی الاسلام، تذکار نزول قرآن۔ حبشہ کی تاریخ کا ایک ورق۔ قصص بنی اسرائیل۔ تیسرا مضمون جو

لے یہ کام تو مولانا ابوالکلام آزاد کے کرنے کا تھا کہ وہ اعلان فرماتے۔ کہ فلاں فلاں مضامین جو میرے نام سے منسوب کئے جاتے ہیں، وہ میرے نہیں ہیں، مولانا سید سلیمان ندوی کے لکھے ہوئے ہیں۔ حیرت ہے کہ یہ باتیں قرطیہ و قلم تک آچکی ہیں مگر مولانا آزاد پھر بھی اس اعلان کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ (م۔ ق)

حیثیت کی تاریخ سے متعلق ہے۔ وہ اہلسلال کی کئی اشاعتوں میں پھیلا ہوا ہے اور اس میں سید صاحب نے خوب خوب داد و تحقیر دی ہے۔ سید صاحب کی یادگار میں "مقالات اہلسلال" کے نام سے ان مضامین کا بھی ایک مجموعہ شائع کیا جاسکتا ہے!

ان عظیم الشان علمی و ادبی اور تعلیمی کارناموں اور خدمات کا انجام دینے اور سینکڑوں متفرق علمی و فقہی و تاریخی و ادبی مضامین لکھنے اور اپنے استاد کے سلسلے کے تمام کاموں کی تکمیل کے بعد بالکل آخری عمر میں جیاتِ شبلی کی تالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور استاد کی وصیت بھی تھی کہ دوسرے لوگ میری سوانح عمری کیا لکھیں گے، تم ہی جب کبھی دینا گے اور کاموں سے فرصت پانا تو اس کام کو انجام دینا اور یہ عجیب اتفاق ہے جیسا کہ شاہ معین الدین ندوی صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا بھی ہے کہ ان کو اس کی تالیف کا اسی وقت موقع میسر آیا جب وہ دُنیا کے اور کاموں سے بڑی حد تک فرصت پا چکے تھے! جیاتِ شبلی ان کی آخری تصنیف ہے اور اسی پر ان کی شاندار تصنیفی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔!

یوں تو جیاتِ شبلی لکھنے کی بہت سے لوگوں نے خواہش ظاہر کی، ان میں سب سے زیادہ پیش پیش "جیاتِ التذیر" کے مصنف مہنشی سید افتخار عالم صاحب مارہروی تھے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ جس طرح انہوں نے ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کی لائف لکھی ہے۔ اسی طرح مولانا کے سوانح کی بھی تالیف کریں۔ اس کے متعلق انہوں نے خود مولانا شبلی کو لکھا۔ پھر سید صاحب کو گھیرا۔ لیکن یہ سعادت ان کے مقدر میں نہیں تھی۔ اولاً تو وہ اس کے اہل نہیں تھے۔ دوسرے مولانا شبلی کی سیرت لکھنے کے لئے جس صلاحیت، قابلیت، وسعت نظر اور علوم عربیہ و فونی کلامیہ اور ادب و تاریخ پر جیسی اطلاع و واقفیت کی ضرورت تھی۔ وہ اپنی تمام خوش سلیقگی، سنجیدگی اور اردو فارسی کا علم رکھنے کے باوجود اس سے محروم تھے۔ اس لئے مولانا کا خیال تھا اور بالکل صحیح تھا کہ وہ ان کی سوانح عمری کے فرض سے کما حقہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ خود "جیاتِ التذیر" بھی جیسا کہ جیاتِ شبلی کے دیباچہ میں ہے کہ انہوں نے نہیں لکھی تھی۔ اس کے طرز انشاء سے صاف پتہ چلتا ہے کہ خود صاحب سوانح نے اپنے حالات ان کو املا یا قلم بند کرادیئے تھے۔ یہی خدمت وہ غالباً مولانا شبلی سے بھی لینا چاہتے تھے۔ لیکن وہ بعلا اس کے لئے کب تیار ہو سکتے تھے۔ سید صاحب نے مولانا سے ان کی سفارش کی مگر یہ سفارش بھی کارگر نہ ہو سکی!

جیاتِ شبلی لکھنے کی نوبت زندگی کے تمام ضروری کاموں سے فراغت کے بعد آئی۔ لیکن سید صاحب کو ہمیشہ اور ہر آن اس کا خیال رہا۔ اور کبھی اس سے خالی الذہن نہیں رہے۔ سیرتِ نبوی کی مصروفیت اور صاحب سوانح کے خاندانی و ابتدائی حالات کی ناواقفیت کے سبب اس کام کو پہلے مولانا عبدالسلام ندوی کے سپرد کیا کہ وہ مولانا سے نہ صرف شاگردی، ہم وطنی، بلکہ برادری کا بھی تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سید صاحب کے حسب ایما مولانا کے خاندانی حالات کے ساتھ ساتھ مکاتیبِ شبلی کے بہت سے متفرق حالات و واقعات کو ترتیب کے ساتھ یکجا کر دیا۔ ان اوراق کو سید صاحب نے مولانا شہروانی اور مولانا سے مرحوم کے دوسرے اجباب و تلامذہ کو دکھایا تو ان میں زندگی کی روح نظر نہیں آئی۔

پھر اس کام کو مولانا کے پرنالے شاگرد مولانا انبیا سہیل کو سپرد کیا۔ چنانچہ انہوں نے جیسا کہ سید صاحب نے دیباچہ میں لکھا ہے، مولانا عبدالسلام ندوی کے مسودہ کو گھٹا بڑھا کر اور بہت سے علی گڑھ کے نئے واقعات کا اضافہ کر کے اپنے زور قلم سے بزم میں رزم کی شان پیدا کر دی۔ یہی مضمون ہے جو بعد میں "سیرتِ شبلی" کے عنوان سے الاصلاح سرائے میر میں دو برس تک مسلسل نکلتا رہا۔ پہلا مسودہ جیسا کہ ہم نے ابھی اوپر لکھا ہے بے روح تھا۔ اور دوسرا علی گڑھ

کے حالات تک آکر رہ گیا۔ اس کے بعد مولانا سہیل کو نہ زمانہ کے مکروہات نے فرصت دی، نہ وہ سید صاحب کے حسب خواہ اس کی تکمیل کر سکے!

بالآخر سید صاحب نے دوسری ہنگ عظیم کے عین بحران یعنی ۱۹۴۷ء میں اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور اس طرف پورے انہماک و یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہو گئے۔ مولانا شبلی کے جن جن اجباب و اعزاز و تلامذہ سے اس کام میں مدد ملنے کی توقع تھی ان سب لوگوں سے انہوں نے رابطہ قائم کیا۔ اور مدد حاصل کی۔ اور حیاتِ شبلی کے دیرینہ کام کو جو قدرت نے اسی عمر اور زمانہ کے لئے اٹھا رکھا تھا۔ اس طرح پورا کر دیا کہ وہ مولانا شبلی کی تنہا سوانح عمری ہی نہیں ہے۔ بلکہ ان کی وفات ۱۹۱۷ء تک ایک تہائی صدی کی، ہندوستان کے مسلمانوں کی علمی، تعلیمی، اصلاحی، سیاسی اور دوسری تحریکوں اور سرگرمیوں کی مفصل تاریخ بن گئی ہے۔ اس کا مقدمہ جس میں اودھ اور مشرقی اضلاع کی کئی صدیوں کی، علوم اسلامیہ کے درس و اشاعت کی تاریخ آگئی ہے۔ جس کو سید صاحب نے تاریخ و تذکرہ کی سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کے بعد بڑی محنت اور دہیدہ پیری سے جمع کیا ہے، بجائے خود ایک مستقل کتاب اور سید صاحب کے ذوقِ تحقیق اور تاریخ دانی کا شاہکار ہے۔ اس کی روشنی میں ہندوستان کے مسلمانوں کی بڑی مفصل ذہنی و دماغی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔ اتنا تاریخی مواد شاید ہی کسی سوانح عمری میں اکٹھا کیا گیا ہو۔ اور یقیناً مولانا شبلی کی روح کو اس سے بڑی مسرت حاصل ہوئی ہوگی!

ہے تو درحقیقت وہ مولانا شبلی کی سوانح عمری اور ان کے علمی کارناموں کی مفصل تاریخ، لیکن وہ خود سید صاحب کی غیر شعوری طور پر آپ بیتی بھی بنتی چلی گئی ہے، ان کی فراغتِ تعلیم کے بعد سے شاید ہی شبلی کا کوئی کارنامہ رہا ہو۔ جس میں وہ شامل نہ رہے ہوں۔ نہ وہ کی علمی و تعلیمی و تبلیغی خدمات میں تو ان کی حیثیت شاگرد کی نہیں، برابر کے رفیق کار کی ہو گئی ہے۔ اسی طرح مولانا شبلی کے ناقص کاموں کی تکمیل و اہتمام کا ایک سلسلہ تھا۔ جو ان کی ساری عمر جاری رہا۔ اور جس کا انہوں نے نفس واپس تک خیال رکھا۔ سید صاحب کے ناقص کاموں کی تکمیل اور ان کی علمی یادگاروں کے محفوظ رکھنے کی، بعد کے لوگوں میں بھی اسی طرح کی لگن ہونی چاہیے۔ سید صاحب کو انتقال کے ہوئے تین برس سے زیادہ ہو رہے ہیں۔ ان کے جانشین ان کی یادگار میں اب تک ان کی کوئی چیز شائع نہ کر سکے، شاید یہ حضرات یہ سمجھ رہے ہیں کہ معارف کا ایک سیما نبر شائع کر کے اپنی ساری ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو گئے!

سید صاحب کے مضامین کے اب تک کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ دو تو ان ہی کی زندگی میں شائع ہوئے۔ ایک "فقوش سیمانی" جس کو انہوں نے اپنے اہتمام میں معارف پریس میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔ اس وقت تک انہوں نے ہندوستانی اور اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف تقریروں اور کانفرنسوں میں جو تقریریں کی تھیں، یا جو تجزیوں ان کے قلم سے نکلی تھیں۔ وہ سب اس میں آگئی ہیں۔ افسوس ہے کہ اس کے دوبارہ چھپنے کی نوبت نہ آسکی۔

دوسرا مجموعہ بغیر کسی خاص لحاظ اور ترتیب کے "مضامین سید سیمانی" کے نام سے بہار کے ایک بزرگ ابو سلمہ محمد شفیع صاحب نے شائع کیا تھا۔ ان کے سلسلہ مضامین کا ایک اور مجموعہ جو سفرِ افغانستان کے متعلق ہے، وہ بھی ان کی زندگی ہی میں نہایت ہی حسین کتابت و طباعت و تقطیع کے ساتھ حیدرآباد سے شائع ہوا تھا۔ مضامین کا ایک مجموعہ ان کے وصال کے بعد سید ابو عاصم صاحب کے اہتمام میں کراچی سے شائع ہوا ہے۔ ملک کے مشاہیر علماء، مصنفین، قارئین، رجالِ سیاست اور اجباب و اعزاز کی وفات پر دنیا کے عنوان سے یا ہر سلسلہ شذرات وہ معارف میں جو کچھ لکھتے تھے، وہ سب اس میں

قرینہ کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ ہے تو وہ درحقیقت ان کے غم آگین جذبات و احساسات و تاثرات کا ایک دلہ روز مرقع۔ جس میں مرنے والوں پر انہوں نے اشکِ غم بہائے ہیں۔ لیکن وہ تاریخ و تذکرہ کی ابنِ خلدان کی دنیاتِ الاعیان کی طرح تاریخ و تذکرہ کی اچھی خاصی کتاب بن گئی ہے۔ جس میں مرنے والوں کی زندگی، اور ان کے کارناموں اور خدمات کی بقید سنیں و شہور پوری تفصیل آگئی ہے۔ اس کا نام تو سید صاحب مرحوم کچھ اور رکھنا چاہتے تھے، لیکن سید ابو عاصم اور بعض دوسرے اہل علم بزرگوں نے ”یادِ رفتگان“ اس کا نام تجویز کیا اور سید صاحب نے اس کو منظور فرمایا۔ ان مولانا کا نانا تھا ذوی کی وفات پر حکیم الامتہ کے ایشیاٹک سوسائٹی کے عنوان سے ان کی علمی و دینی، مذہبی خدمات پر انہوں نے جو مضمون معارف میں لکھا تھا۔ اس کو ان کے مستتر شدہ جناب غلام محمد صاحب (جیدر آباد کن) نے اپنی سیرت اشرف نام ایک چھوٹی سی کتاب میں پورا نقل کر دیا ہے اور شاید جیدر آباد سے کسی صاحب نے الگ سے بھی شائع کیا ہے، اس کے علاوہ ان کے مضامین کا کوئی مجموعہ اور کہیں سے شائع ہوا ہے تو ہمیں اس کی خبر نہیں۔ اگر تلاش و تفرس سے کام لیا جائے تو ان کی کچھ اور مطبوعہ چیزوں کا بھی پتہ لگ سکتا ہے۔ مگر یہ سب کام دارالمصنفین کے باہر ہوا ہے یا ہو رہا ہے۔ ہم اس سلسلے میں دارالمصنفین کی خدمات کے منتظر عام پر آنے کے منتظر ہیں۔

ان کے خطوط کے بھی دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ایک تو ان کی زندگی ہی میں، اور ایک ان کے انتقال کے بعد۔ پہلا ”برید فرنگ“ ہے۔ جو سید ابو عاصم صاحب کے اہتمام میں کراچی کے مکتبہ اشرف سے شائع ہوا ہے۔ اس میں سید صاحب کے سفرِ لیرپ کے سارے خطوط جو انہوں نے وہاں کے زمانہ قیام میں اپنے اجاب و اعزاز اور نلک کے دوسرے اکابر اور بزرگوں کے نام لکھے تھے۔ اس میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ دوسرا مجموعہ وہ ہے جو ان کے لائق شاگرد مولانا مسعود عالم ندوی نے ان کے انتقال کے تھوڑے ہی دنوں بعد شائع کیا تھا۔ اس میں ان کے نام کا ایک ایک خط اور ایک ایک رقعہ آگیا ہے جس کو مرتب نے حرزِ حان بنا کر رکھا تھا، لیکن یہ اتفاق دیکھئے کہ اس کے شائع ہونے کے شاید ایک ہی آدھ جہینہ کے بعد خود شاگرد بھی استاد سے جا ملا، افسوس! رحمہما اللہ تعالیٰ!

مولانا مسعود عالم ندوی کو بعض دینی امور و مسائل میں شدید اختلاف کے باوجود سید صاحب سے بڑا قلبی تعلق تھا، اگر وہ زندہ ہوتے تو سید صاحب کے سوانح جیات لکھنے کی ہم انہی سے درخواست کرتے اور اس کے وہ ہر طرح سے اہل بھی تھے، خود سید صاحب ان کی صلاحیتوں پر بڑا اعتماد اور ان کی ذات پر بڑا ناز تھا، لغاتِ جدیدہ کا نیا ایڈیشن معارف پریس سے متوسط تقطیع پر شائع کیا تو اس کا مقدمہ انہی کی فرمائش سے مولانا مسعود عالم مرحوم ہی نے لکھا تھا۔ یہ شرف جہاں تک ہماری یاد کام کرتی ہے ان کے نلامذہ و رفقاء کار میں سے کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ لغاتِ جدیدہ کیساتھ مولانا مسعود عالم کی یہ علمی یادگار جو مقدمہ کی صورت میں ہے، ہمیشہ زندہ اور استاد و شاگرد کے باہمی علمی تعاون اور غیر معمولی تعلق کو برابر یاد دلاتی رہے گی۔

اس طویل گزارش سے مقصود ارباب دارالمصنفین یا خصوصاً جانشین سید صاحب شاہ معین الدین احمد ندوی ناظم دارالمصنفین کو سید صاحب کی علمی یادگاروں کے جمع و ترتیب اور جیات سلیمانی کی تالیف و تدوین کی طرف توجہ لانا ہے جس کا انہوں نے سلیمان میر میں وعدہ بھی کیا ہے کہ یہ کوئی مفصل و جامع تذکرہ نہیں بلکہ اس کا ایک اجالی خاکہ ہے جس کی تفصیل انشا اللہ جیات سلیمانی میں پیش کی جائے گی، اور یہ واقعہ بھی ہے جیسا کہ انہوں نے خود بھی لکھا ہے کہ سید صاحب کی جیسی جامع کمالات ہستی کے حالات کا احاطہ جو تقریباً نصف صدی تک علم و فن کی ہر مجلس میں ضیاء بارہری ہوا اور جس نے اسلامی علوم و فنون کے دفتر کے دفتر کھنگالے ہوں اور جس کے کارناموں میں دین و ملت کا ایک ایک گوشہ معجز ہو، چند سو صفحات میں ہو ہی نہیں سکتا تھا، یہ ضرور ہے کہ سلیمان میر کے مضامین سید صاحب رحمۃ اللہ کی زندگی اور ان کے کمالات کے اہم ترخ اور ان کی شخصیت کے بعض ایسے جملے جو عام نگاہوں سے مستور تھے، ان کے سامنے آگئے، اور اس نقطہ نگاہ سے اس نام ادبی خدمت کا انکار ایک طرح کی احسان فراموشی اور ادبی جرم ہے۔ معارف کا سلیمان میر دور رس اور ان کے شخصیاتِ بلیروں میں ایک خاص امتیاز کا حامل، اردو ادب کے خزانہ میں ایک بیش قیمت اضافہ، اور مرتب کی ادبی صلاحیتوں کا ایک دلاویز مرقع ہے، جس سے جیات سلیمانی کے لئے بڑی سے بڑی توقعات قائم کی جا سکتی ہیں۔

آہ! یہ فتنہ بے حجابی!

ایک درد مند دل کی پکار

پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں عورتوں کی بے حجابی، آزادی اور مغرب زدگی کا طوفان بدتمیزی جس تیزی کے ساتھ آرہا ہے۔ اُسے دیکھ کر حساس اور غیرت مند دلوں کو جس قدر اذیت ہوتی ہے، اس کا لفظوں میں اظہار نہیں ہو سکتا۔ یہ ہی نہیں ہے کہ چہروں سے صرف بُرقعے اور نقاب اُتر رہے ہیں۔ رونا تو اس کا ہے کہ یہ بے لفتابی "تبرج جاہلیت" تک پہنچ رہی ہے بلکہ پہنچ چکی ہے۔ حالات کی زبونی اب یہ رخ اختیار کر رہی ہے کہ بعض اونچے درجہ کی بیگمات کی محفلوں میں "دخت رز" بارپا چکی ہے!

اسلامی معاشرہ کے قیام کی سب سے بڑی ذمہ داری پاکستان کے کانسٹیٹیوشن کی رو سے ارباب اقتدار پر عائد ہوتی ہے مگر مستام گریہ و ماتم ہے کہ یہ "بڑے لوگ" نہ صرف یہ کہ اپنے فرض سے غافل اور بے پروا ہیں بلکہ یہ فتنے اُن کے دم قدم سے پروا چرٹھ رہے ہیں!

فرد ایوان کا سایہ نچلے طبقہ پر بھی پڑ رہا ہے اور قدیم ضرب المثل "الناس علیٰ دین ملوکہم" کی صداقت ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مسلمانوں کے شریف گھرانوں تک میں تعلیم اور درس و تدریس کے لئے نامحرم لڑکوں اور لڑکیوں کو خلط ملط کے مواقع میسر آتے ہیں اور پردے ہی پردے میں شیطان اپنا کام کئے جا رہا ہے! وہ لوگ جو اس دور میں واقعی شریف کہے جاتے ہیں، اُن کا یہ حال ہے کہ اپنے لڑکوں، لڑکیوں، بھائیوں اور بہنوں کی ذہنی ترقی کی تو انتہائی تمت اور اُس سے شفقت رکھتے ہیں۔ مگر ان نو نہالوں کی سیرتوں کی طرف سے غافل ہیں۔ کہ اُن کو دین و اخلاق کے کن ساپچوں میں ڈھلنا ہے۔ اور زمانہ کی بڑی ہواؤں سے انھیں کس طرح بچانا ہے؟

اگر ان فتنوں کی اس وقت روک تھام نہ کی گئی اور پاکستان کے معاشرے پر چند سال اسی طرح اور گزر رہے دئے گئے تو پھر پاکستان مغرب زدگی، بے حجابی اور بد اخلاقی میں فرانس، اور انگلستان کی سطح تک پہنچ جائے گا۔ مہر کی مثال ہمارے سامنے ہے، وہاں دینی قدروں اور اسلامی اخلاق کو دیس نکالا دیا جا رہا ہے، اور اسلام پسندوں کو وہاں کے جابر و مستبد حاکموں نے بالکل بے اثر کر کے رکھ دیا ہے، اور (حاکم بدمن گستاخ) اس وقت تو ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ مہر میں شاید اسلام کے لئے کوئی سستقل ہی نہیں ہے!

پاکستان کی دینی جماعتوں کو ہم مسائل اس طرف توجہ دلاتے رہے ہیں۔ مگر اب تک اسلام پسند حضرات نے اس "فتنہ" کی شدت اور تباہ کاری کو اتنا محسوس نہیں کیا، جتنا محسوس کرنا چاہیے تھا۔ یہ بھی کتنی بڑی ٹریجڈی ہے کہ وہ آتش فشاں کو اپنی نظر چنگا ریوں اور انگاروں کا ایک الاؤ سمجھ رہے ہیں۔ اور اس خیال سے مطمئن ہیں کہ جب چاہیں گے پانی کے چند

مشکیزوں سے اس الٹو کو بچھا دیں گے! یہ ان لوگوں کی بھول، خوش اندیشی اور سادہ دلی ہے!
 مردوزن کے آزادانہ اختلاط، بے حجابی اور عریانی کے مسئلہ میں تمام اسلامی فرقے اور دینی جماعتیں دور میں نہیں کہتیں
 اُس کی برائیوں اور آشوب سامانیوں کا سب کو احساس ہے، پس ضرورت ہے کہ تمام مذہبی جماعتیں یکساں دل و یکجان ہو کر
 اس فتنہ کے خلاف عملی جدوجہد کریں۔ پانی بھی سر سے اُوچھا نہیں ہوا۔ آگ ابھی دروازوں تک آئی ہے! مسلمانوں کی
 اکثریت میں ابھی تک اللہ کے فضل سے احساسِ غیرت اور دینی حمیت باقی ہے۔ اصلاح و انقلاب کے ابھی تک تو کافی
 مواقع موجود ہیں۔ اس فتنہ پر ضرب لگنے سے پورا نظامِ جاہلیت ہل جائے گا اور اس ایک ”منکر“ کے مٹنے سے بے شمار
 فحاش و منکرات کی چڑھیں ڈھیلی ہو جائیں گی۔!

جناب محمد عباس صاحب جن کا ایک مکتوب یہاں درج کیا جا رہا ہے، ایک غیرت مند مسلمان ہیں۔ وہ کئی مہینے سے
 ہمیں لکھ رہے ہیں کہ ”بے حجابی، مغرب زدگی، اور عریانی“ کے خلاف ہم منظم تحریک شروع کریں۔ مکتوب نگار کے
 اس ”حسن ظن“ پر جو وہ ہماری ذات سے رکھتے ہیں، ہمیں بڑی ندامت محسوس ہوتی ہے، کاش! ہم اس کی قدرت و استطاعت
 رکھتے اور اخلاقی اعتبار سے بھی ہم اپنے کو اس کا اہل سمجھتے۔!

یہ مکتوب ایک غیرت مند دل کی آواز نہیں فریاد ہے، کاش! یہ فریاد نہ صرف یہ کہ کسی جائے بلکہ بہت سے دلوں پر
 اثر انداز بھی ہو سکے، اور مکتوب نگار کا دل جس آگ سے سلگ رہا ہے اس کی چنگاریاں اوروں تک بھی اڑ کر پہنچ سکیں!
 بے اثر ہیں سینکڑوں نغمے نہ ہو گردل میں سوز ایک نالہ سے بدل سکتا ہے رنگِ انجمن!
 اللہ کرے کہ ”یہ نالہ پُرسوز“ رنگِ انجمن کو بدل دے!
 (م-ق)

(انقلاب و آداب اور ہدیہ سلام و رحمت کے بعد)

درد مندوں سے کہیں ضبطِ نعتاں ہوتی ہے

چھکے چھکے تیرے پیار کر رہیں کیوں کر!!

ہمارے ملک میں فرنگیت اور فسق و فجور کی رُو بڑھتی چلی جا رہی ہے اور وہ کچھ ہو رہا ہے جو انگریز
 کے غیر اسلامی دورِ حکومت میں بھی نہ ہوتا تھا۔ اسلامی قوانین اور اصول کے خلاف عوام کو چلانے کی
 منظم کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اور اُس کو انگریزی دورِ حکومت سے کہیں زیادہ پامال کیا جا رہا ہے
 سب سے زیادہ افسوسناک اور مرناسناک پہلو یہ ہے کہ فرنگیت کی تبلیغ اور اس کو رواج دینے
 کی اس منظم کوشش کا نشانہ ہماری عورتیں بنائی جا رہی ہیں۔ ہر ممکن زور لگایا جا رہا ہے کہ اسلامی
 تہذیب، اخلاق کے اُس آخری قلعہ کو بھی مسمار و منہدم کر دیا جائے جہاں ہر طرف سے لپٹا ہو کر
 اُس نے پناہ لی تھی۔ طرح طرح سے تدبیریں کی جا رہی ہیں کہ اُس گہوارہ کو بھی گندہ کر کے رکھ دیا جائے
 جہاں ایک مسلمان بچہ سب سے پہلے آنکھ کھولتا ہے اور جہاں اُسے مذہب، اخلاق، آدمیت اور
 اجتماعی برتاؤ کا پہلا سبق ملتا ہے۔ آسمان سے اُلیس سنکھ رچل دشیڈ کی صدائیں اُٹھ رہی
 ہیں۔ میں تو آج تک یہ سمجھتا تھا کہ ”رچل دشیڈ“ بس وہی ایک اس دور میں تھا جو ۲۰۔ اپریل ۱۹۴۷ء

کو ہم سے ناراض ہو کر اسم باسمنی محی الدین عالمگیر کی مسجد شاہی کے قریب میں روپوش ہو گیا تھا، لیکن "فاران" کے مسلسل مطالعہ سے الحمد للہ (علی احسانہ) آپ کی شخصیت میں اس قحط الرجال میں بھی ایک رجل رشید مل ہی گیا۔

پاکستان اس لئے نہیں بنا تھا کہ اس میں دختران ملت کی عصمت کی ہولی کھیلی جائے، میرے محترم! آپ ان تمام رُوح فرسدا واقعات کو ہم سے کہیں زیادہ سمجھتے ہیں۔ لیکن اللہ ان فاسد عناصر کو ہمارے معاشرے میں سے نکلنے کی طرف کچھ تو قدم اٹھائیے، بے حیائی کے طوفان بدتمیزی کا آپ کی حمیت و عزت کب تک چپ چاپ نظارہ کرتی رہے گی، اٹھیے خدا کے لئے منظم طریقہ پر آپ بھی کسی ایسے شجر طییبہ کی بنیاد رکھیے۔ جس کی جادو جہد سے یہ تمام شیطنت پُر امن طریقہ سے ختم ہو سکے۔ میں اپنا فرض کفایہ ادا کر چکا، اب آپ اپنا فرض منصبی ادا فرمائیے۔ قوم کو بے حیائی اور عریانی کے پُر معاصی طوفان سے بچانے کی کچھ عملی کوشش کیجئے۔ اور رجل رشید مرحوم و مقفور کی یہ نصیحت ہر وقت دختر ملت اور ہر سرپرست دختران ملت کو سنا دیجئے اور اس پر انہیں عمل پیرا کر کے دم لیجئے۔

اگر پندے زرد ویشے پذیر ہی
ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتوں سے ہاتھ نہاں شو ازین عصر
کہ در آغوش شہیرے بگیری
اٹھیے! پاکستان اور ملت اسلامیہ کے استحکام کی خاطر اٹھیے!! اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو! ع

بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو!

آپ اگر اس کام کو عملی طور پر انجام دینے کے لئے کوئی جماعت تشکیل دینے کی خدا نخواستہ وسعت نہ رکھتے ہوں تو جماعت اسلامی اور جمعیت العلماء جیسی اسلامی جماعتوں کی خاص توجہ اس طرف مبذول کرانے کی سعی بلیغ فرمائیے۔ انشاء اللہ جماعت اسلامی وغیرہ آپ کی صدا پر ضرور لبیک کہیں گی! جزاکم اللہ تعالیٰ فی دارین خیرا۔ والسلام!
(خادم عباس عفی عنہ)

فاران کا آئندہ شمارہ (جون ۱۹۵۷ء)

توحید نمبر
ہوگا

الجھاد کے!

یہ کیا کر رہے ہو، یہ کیا ہو رہا ہے؟

پاکستان کے وہ "بڑے لوگ" جنہیں ہر طرح کی طاقت و اختیار رکھنے کے باوجود کسی معروف "کو قائم کرنے اور کسی در منکر" کو مٹانے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی، انہی کی سرپرستی میں "ادارہٴ ثقافت اسلامیہ" قائم ہوا ہے۔ اور انہی کے ظلم و عداوت میں یہ ادارہ اب تک چل رہا ہے اور جب تک ارباب اقتدار اس کے وجود کو مفید سمجھیں گے، یہ بدستور کار گزار رہے گا!

کوئی شک نہیں کہ اس ادارہ کے بعض ارکان کی جدتِ خیال اور تنویرِ فکر کرنے علم و تحقیق کی قابلِ لحاظ خدمات انجام دی ہیں اور اس انسٹیٹیوشن نے چھوٹے پیمانہ پر ایک "بیتِ الحکمت" (اکاڈمی) کی سی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ — یہ اس ادارہ کا روشن و تابناک پہلو ہے، جس کا ہم کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں!

اس تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ہمارے ارباب اقتدار پاکستان میں مصطفیٰ اکمال پاشا کے تجدد اور تفریح کو بروئے کار لانے کی تمنا رکھتے ہیں! ان میں بہت کچھ سیاسی اختلافات موجود ہیں۔ حصول اقتدار اور بقا، مناصب کی نزاع بھی ان کے درمیان برپا رہتی ہے مگر دین میں جو رخصتیں اور ابا حمتیں وہ چاہتے ہیں، اس بارے میں ان کے مابین توافق اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ "ادارہٴ ثقافت اسلامیہ" بعض دینی مسائل میں بڑی حد تک اپنے سرپرستیوں اور محسنوں کے افکار و خیالات کی ترجمانی، اشاعت اور پشت پناہی کرتا رہتا ہے۔ اور یہ بات ہم اس بناء پر کہہ رہے ہیں کہ ادارہٴ ثقافت اسلامیہ کے بعض علماء اس ادارہ سے وابستہ ہونے کے بعد جن دینی افکار کی ترجمانی کر رہے ہیں، اس وابستگی سے قبل ان کے سوچنے اور ظاہر کرنے کا یہ طرز نہ تھا۔ اس انقلابِ فکر اور تبدیلیِ مزاج کی ڈوہی صورتیں ہماری سمجھ میں آتی ہیں کہ یا تو ان "بڑے لوگوں" کے افکار و خیالات کی جدت نے واقعی ان علماء کی قدیم فکر کو متاخر اور مغلوب کر دیا ہے یا پھر۔۔۔

آں کہ شیراں را کند رو بہ مزاج

احتیاج است، احتیاج است احتیاج

والا معاملہ ہے، اس لئے۔۔۔

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں، زبان میری ہے بات ان کی!

یہ "بڑے لوگ" علماء حق پر "ملا" کی پھبتیاں چست کرتے رہتے ہیں۔ ان کے اس موقف کو مضبوط و مستحکم

بنانے کے لئے ادارہ ثقافتِ اسلامیہ نے "اقبال اور مٹلا" پیش کر دی۔ یہ "بڑے لوگ" نارج رنگ، لہو و لعب اور گالے بجلنے سے شغف رکھتے ہیں اور ان کی یہ کوشش ہے کہ پاکستان کے عوام بھی اسی رنگ میں پوری طرح رنگ جائیں، اس کے لئے دین و شریعت ہی کے نام پر "اباحتوں" کی کچھ نہ کچھ کمک پہنچنی ضروری تھی۔ سو اس ضرورت کو ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کے ایک عالم نے "اسلام اور موسیقی" لکھ کر پورا کر دیا۔!

نکاح و طلاق، تعدد ازدواج، یتیم پونے کا ورثہ - اور اسی قسم کے دوسرے مسائل میں "ادارہ ثقافتِ اسلامیہ" مغربی منکر کی ترجمانی بلکہ ناستدگی کرتا رہتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ادارہ مذکور کی تمام باتیں ہوائی تبتائی ہوتی ہیں۔ وہ یقیناً اپنے افکار کی پشت پر دیباہیں بھی رکھتا ہے۔ ان میں نکتہ سنجی، ذہانت اور گہرائی بھی ہوتی ہے۔ مگر یہ درخت آخر برگ و بار وہی لاتا ہے، جو مغرب زدہ طبقہ کو بھاتے ہیں۔!

فروری ۱۹۷۷ء کا مجلہ "ثقافت" ہمارے سامنے ہے، اس میں "عجیب، زاویہ نگاہ" کے عنوان سے مولانا محمد جعفر شاہ صاحب پھلواری کا ایک مضمون ہے، جس میں بعض اکابر علماء اور صوفیاء کے ان اقوال کو پیش کیا گیا ہے جو بہت سے پہلوؤں سے محل نظر ہی نہیں بلکہ ان میں سے بعض تو سخت قابل اعتراض ہیں۔ اور ان کا اس طرح ڈنکے کی چوٹ رعلان و اظہار احتیاط اور دینی مصالح کے خلاف ہے!

ان اقوال میں — ندائے غیب و استغاثہ بغیر اللہ - تصور شیخ، صلحاء کی قبروں پر چادر چڑھانا اور قبے بنانا، یہاں تک کہ "صلوۃ غوثیہ" جیسی باتوں کا ذکر ہے۔ فاضل مضمون نگار نے ان اقوال کو پیش کر کے علماء پر یہ طنز کی ہے کہ جب تم فلاں فلاں بزرگ کو قابل احترام سمجھتے ہو اور ان کے اقوال سے سند لاتے ہو۔ تو پھر ان کے ان اقوال و اعمال کو بھی درست مانو اور ان پر عمل کرو۔ یعنی جب ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہما اللہ تعالیٰ کو مانتے ہو اور حضرت شیخ عبدالحق جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کے معترف ہو تو ملا علی قاری اور شیخ محدث دہلوی لے جو حضرت شیخ جیلانی سے صلوۃ غوثیہ کی روایت کی ہے، تو تم بھی سنتِ مغرب کے بعد دو رکعت نفل پڑھ کر بعد اشریف کی طرف رخ کر کے گیارہ قدم چلو اور ہر قدم پر "یا غوث الثقلین اغثنی و امددنی" کہتے جاؤ — (معاذ اللہ)

اس قسم کے اقوال و اعمال پر نقد و نظر اور احتساب و محاکمہ اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے، عرض کرنا یہ ہے کہ مولانا جعفر شاہ پھلواری کے اس مضمون کے کیا اثرات اور نتائج مترتب ہوں گے اور یہ مقالہ کیا پارٹ ادا کرے گا؟ اس سے اصلاح خیال ہوگی، عقائد کی کچھ خرابیاں دُور ہوں گی، تزکیہ نفس کی کوئی سبیل پیدا ہوگی، اسلام، ایمان اور توحید کے تقاضوں کی تکمیل ہو سکے گی؟

مسلمانوں میں ایک تودہ نوجوان تعلیم یافتہ ہیں کہ جو مادہ پرستی اور مغرب زدگی کی طرف ڈھلے ہوئے ہیں اور دین سے بیزاری کی طرف مائل ہیں، دوسرا گروہ ان نوجوانوں کا ہے جو اللہ کے فضل سے اسلام پسند ہیں اور دین سے شغف اور دلچسپی رکھتے ہیں۔ نوجوانوں کا یہ طبیعتہ شرک و بدعت سے متنفر ہے اور "خالفتا ہی تعلیم" سے انس اور لگاؤ نہیں رکھتا۔ ماہنامہ "ثقافت" کا یہ مقالہ ان اسلام پسند نوجوانوں میں انتشار و فکر و خیال پیدا کرنے کا ذمہ انجام دے گا۔ اب یہ انتشار و فکر و خیال جو صورت بھی اختیار کر لے اور جس حد تک بھی پہنچ جائے! اب سے چار سال قبل جب پاکستان میں عوام کتاب و سنت کی بنیاد پر دستور سازی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ تو

”ارباب اقتدار“ نے کچھ کرایہ کے مہمون نگار اور اہل قلم اس کام پر متعین کر رکھے تھے کہ وہ طرح طرح کے شکوے چھوڑ کر اور فقہی اختلافات کو ابھار کر مسلمانوں میں انتشار و فتنہ پیدا کریں۔ وہ دور گزر گیا اور ارباب اقتدار کی تمناؤں اور منصوبوں کے علی الرغم ایک ایسا دستور بن کر رہا، جس میں بہت سی خرابیوں، رخنوں اور چور دروازوں کے باوجود بہر حال اسلامی اسپرٹ موجود ہے، اب اس دور میں ”عجیب زاویہ نگاہ“ جیسے معنایں انتشار و فتنہ کی راہیں کھول رہے ہیں!

دعوتِ فکر

دین کی اصل اساس ”کتاب و سنت“ ہے، ہر کسی کے قول و فعل کو اسی کسوٹی پر جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و عمل سند اور حجت ہے، کتاب و سنت کی بنیاد پر دین کی عمارت قائم و دائم ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حق گو، حق شناس، حق نگر بلکہ سراپا حق ہیں۔ مگر معیارِ حق رسول اللہ ہی کی ذات گرامی ہے، سلف صالحین زرِ خالص تھے مگر ”کسوٹی“ نہ تھے۔ کسوٹی ذاتِ رسالت مآب ہے کہ جو مہبطِ وحی الہی تھی اور جس کی اطاعت منصوص ہے، بلکہ حضور کی اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی نامعتبر قرار پاتی ہے!

تفاسیر، فقہ اور اخلاق و تصوف کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کا حرفِ کتاب و سنت کی طرح حق اور واجبِ طاعت ہو اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کی طرح کسی غیر نبی کی زندگی کو عصمت نصیب ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کی مانند کسی دوسرے کے ہر قول و فعل کی اتباع کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے بعد صحابہ کرام کی پاک زندگیاں ہمارے لئے مثالی زندگیاں ہیں مگر کوئی صحیح فکر انسان یہ مطالبہ نہیں کر سکتا کہ مسلمان جب صحابہ کرام کی عقیدت، محبت بلکہ پیروی کا دم بھرتے ہیں تو ان کو ہر زمانہ میں جنگِ جمل اور جنگِ صفین کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ مسلم خواتین کو جب یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ تم اپنی زندگیوں میں حضرت رابعہ بصری کی سیرت کی جھلک پیدا کرو تو مسلمان عورتوں کو ساری عمر کتھاری رہ کر زندگی بسر کرنی چاہیے۔ جو کوئی ”کشاف“ سے آیاتِ قرآنی کی شرح میں سند لاتا ہے تو اسے علامہ زمخشری کے مسلکِ معتزلی کو بھی قبول کر لینا ضروری ہے۔ جو شخص فلاں صوفی کی بزرگی کا قائل ہے، تو اسے چاہیے کہ ان بزرگ کے اتباع میں ”صلوٰۃ معکوس“ بھی پڑھا کرے۔ حضرت امیر خسرو کے معتقدین کا فرمان ہے کہ وہ ستارہ جیسے کسی باجہ کی ایجاد کی سعادت حاصل نہ کر سکیں تو کم از کم نر امیر ہی کو فروغ دیں۔ حضرت مجددِ ملت ثانی کے ماننے والوں کو ”تصویرِ شیخ“ کا نظریہ کسی چون و چرا کے بغیر قبول کر لینا چاہیے۔ ! وہلم جراً۔

اس نوع کے مطالبے، اس قسم کی باتیں اور اس طرز کی نکتہ آفرینیاں چاہے گرمیِ محفل کے لئے کتنی ہی مناسب و موزوں کیوں نہ ہوں مگر علم و تحقیق اور دین و دانش کی نگاہ میں یہ ایک قہقہہ سے زیادہ وزن نہیں رکھتیں!

مفتدین اور متاخرین علماء اور صلحاء نے اپنے ملفوظات اور تحریروں کے بڑے اچھے نمونے چھوڑے ہیں، مگر یہ نہیں ہے کہ ان کی زبان و قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ تنقید و تحقیق سے بالاتر ہے اور ان کے کسی قول و عمل پر گفتگو ہی نہیں سکتی۔

سمیع و اطاعت کی یہ حیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کو نہیں دی جاسکتی اور نہ کبھی دی گئی ہے!

تفاسیر، فقہ، اخلاق و تصوف، تاریخ و کلام کی کتابوں میں ایسی باتیں بھی ملتی ہیں کہ جو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی۔ اور ان کو بلا دریغ رد کیا جاسکتا ہے۔ اور خود وہ کتابیں اس واقعیت کی شاہد ہیں کہ پچھلوں نے اگلوں کی باتوں پر جرح و تنقید کی ہے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیا ہے، اگر امتِ مسلمہ مسلسل جامد عقیدت کا غلبہ رہتا تو حق کبھی واضح نہ ہونے پاتا۔ !

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علم و انشاء اور فکر و اظہار کی صلاحیتیں دی ہیں۔ انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے۔ دیلیوں، مثالوں، تشبیہوں اور استعاروں کی کمی نہیں ہے۔ ہر بات کہی اور لکھی جاسکتی ہے، وہ پھیل بھی سکتی ہے۔ اس سے کچھ لوگ متاثر بھی ہو سکتے ہیں۔ کوئی ہٹ دھرمی پر ہی اتر آئے تو ہر لغزش کے لئے دیلیوں کا انبار لگا یا جاسکتا ہے۔ مگر خدا سے ڈرنے والے اربابِ فکر، اہلِ قلم اور علماء کی تحریریں اور تقریریں مسائل کو الجھاتی نہیں، سمجھاتی ہیں۔ اس دور انکار و الحاد میں بڑے حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔ قلم کی ذرا سی شوخی اور زبان کی ادنیٰ سی لغزش بعض وقت نہ جانے کتنے فتنوں کا دروازہ کھول دیتی ہے! —

غسل کیلئے بہترین صابن

صنعتِ پاکستان کے بہترین نمونے

پسندیدہ ترین نمونے
صابن خریدنے کے وقت

ذوالفقار انڈسٹریز

کا نام دیکھئے۔

جو اچھے صابنوں کی ضمانت ہے۔ جدید ترین ولایتی مشینری سے تیار کردہ

پاکستان میں ہر قسم کی صابن کی ضروریات کیلئے
ذوالفقار انڈسٹریز کا نام ہمیشہ یاد رکھیں

ذوالفقار انڈسٹریز۔ ڈی ۱۹ منگھوپیر روڈ۔ کراچی

گلفام ٹو ایلٹ سوپ

لیلی کریم سوپ

لیلی سوپ فلیکس پوڈر

لشچی اور اونی کپڑے دھونے کا خاص اجزاء سے مرکب صابن

آل رائٹ میڈیکل کاربالک صابن

کپڑے دھونے کے بہترین صابن

(۱) ہرن برانڈ - (۲) ٹٹری بار

(۳) ۵۵۵ بار

پروفیسر امیر احمد

ادبی مطالعہ

ادب درحقیقت جذبات و احساسات کو موزوں اور دلآویز الفاظ میں بیان کر دینے کا نام ہے۔ ادب تقریر اور خطاب کی صورت اختیار کر سکتا ہے، شعر و شاعری کے لباس میں نمودار ہو سکتا ہے۔ ادب کا سب سے اہم کام ہماری زندگی کی قدروں کا تعین ہے، اس کے علاوہ ادب ہمارے جمالیاتی شعور کو بیدار کرتا ہے۔ اس میں ہم آہنگی اور مہجاری لطافت پیدا کرتا ہے۔ ادب ہمارے شعور اخلاقی کو تازگی اور قوت بخشتا ہے۔

اگر مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو ادب ہماری زندگی کا ایک ہمہ گیر قانون ہے، جو زندگی کے ہر شعبہ پر کم و بیش اثر انداز ہوتا ہے۔ بقول ہنری ہڈسن کے ادب ان کتابوں کے مجموعہ پر مشتمل ہوتا ہے، جو اپنے موضوع اور ابلاغ کے لحاظ سے ہمہ گیر انسانی دل چسپی سے متعلق ہوں اور جن میں مسرت آفرینی اور حسن ادا دونوں کا سامان مہیا کیا گیا ہو۔ اسی مقام سے ایک ادب پارہ اور معلوماتی مقالہ جدا ہو جاتے ہیں۔ معلوماتی مقالہ علم و فضل کا ذخیرہ ہو سکتا ہے۔ اس میں سیاست، فلسفہ، تاریخ و غیرہ کی گراں قدر معلومات مہیا کی جاسکتی ہیں۔ لیکن وہ ہر شخص کی دل چسپی کا مرکز نہیں بن سکتا۔ اس کی علم افزائی مسلم ہے۔ لیکن مسرت آفرینی سے وہ یکسر محروم ہوتا ہے۔ بلاشبہ اس سے وہ لوگ تو مسرت بھی حاصل کر سکتے ہیں جو اپنے آپ کو علمی چیزوں سے مسرت حاصل کرنے کا عادی بنا چکے ہیں۔ لیکن معاشرے میں ایسے آدمیوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ سوسائٹی میں ایسے حضرات خال خال ہی پائے جاتے ہیں!

اس کے برخلاف ایک ادب پارہ عالم اور عامی دونوں کو محفوظ کر سکتا ہے اور ان دونوں کی مسرت میں اضافہ کر سکتا ہے۔ یہ مسرت آفرینی ساری کی ساری اس کی جمالیات پر منحصر ہوتی ہے، گویا ادب جمالیاتی عناصر حیات کو خوبصورت عبارت میں ڈھال دینے کا نام ہے، اپنے جمالیاتی عناصر کی اس اہمیت کے لحاظ سے ہم اس کو نہ تو بالکل بازاری یا عامی بنا سکتے ہیں اور نہ خالص علمی اصول و ضوابط کے بار سے اس کو گرا بنا کر کے مصلوح بنا سکتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ادب کو ہر عامی تک پہنچنا چاہیے۔ اور ایسی زبان میں پہنچنا چاہیے جس کو وہ بلا دقت سمجھ سکے اور لطف اٹھا سکے۔ گویا وہ بجائے اس کے کہ ایک عامی کی ذہنی سطح کو کچھ بلند کرنے کی کوشش کریں، ادب کو اس کے ذہن کی پستی تک اتار لانا چاہیے۔ میرے خیال سے یہ نہ تو عوام دوستی ہے، نہ ادب دوستی، بلکہ دونوں کے ساتھ کھلی دشمنی ہے!

ادب کو بازاری سطح پر لے آنا کسی طرح دانش مندی کا فعل نہیں ہو سکتا۔ خواہ جذبات و احساسات کے لحاظ سے، خواہ زبان و طرز ادا کے لحاظ سے، ادب کو بازاری سطح سے بلند ہی رہنا چاہیے۔ ادب کو اگر ہم بالکل سچی سطح پر لا کر ڈال دیں گے تو اس کی بنیادی خوبی اور اہم ترین اجزائے ترکیبی ختم ہو جائیں گے، جمال آفرینی جو ادب کی بنیاد ہے سرے سے مفقود ہو جائے گی، بہتر صورت یہ ہے کہ عوام کو ذہنی معیار کے لحاظ سے تھوڑا سا بلند اٹھانے کی کوشش کریں۔ تاکہ پستی و ذلت سے عوام بھی نجات

حاصل کر لیں اور ہمارا ادب بھی ذلت و خواری سے محفوظ رہے !

اس گفتگو سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم ادب کو ایک ایسی عالم بالا کی چیز بنا دیں کہ عوام باوجود اپنی پوری کوشش اور ہماری کاوش کے اس قابل نہ ہو سکیں کہ اس کو سمجھ سکیں اور اس سے لطف اٹھا سکیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارا ادب معیار کے لحاظ سے کم سے کم اس سطح پر رہنا چاہیے جہاں تک ہمارے عوام اپنی صلاحیتوں اور اکتساب کے لحاظ سے پہنچ سکیں اور ادبی سرگرمیوں میں پورا پورا حصہ لے سکیں۔ بلاشبہ ہمارا تمام ادب ایک ہی درجہ کا نہیں ہو سکتا، آپس میں کیفیت و کیمت کے لحاظ سے خود بخود درجات قائم ہو جائیں گے، ہم صرف یہ کر سکتے ہیں کہ ادب میں افراط و تفریط کے معیار کی نشان دہی کر دیں اور یہ بتا دیں کہ یہ دونوں چیزیں غیر محمود اور نامعقول ہیں۔ ہمارا ادب بہر صورت ان دونوں چیزوں کے درمیانی درجات میں محدود رہنا چاہیے۔ یعنی نہ تو بالکل بازاری سطح پر اتر آئے اور نہ چند مخصوص حلقوں کی اجارہ داری بن جائے۔ لیکن اس کو اتنی بلندی پر ضرور ہونا چاہیے کہ جو شخص وہاں تک رسائی حاصل کرنا چاہے اس کو پنچوں کے بل کھڑے ہو کر تھوڑا سا اوجھٹنا پڑے۔

ایک قابل قدر تجزیہ ہمیشہ زندگی میں سے اسی طرح پھوٹ کر باہر نکلتی ہے۔ جس طرح کسی پودے میں سے کوئی نئی کونپل پھوٹ کر ظاہر ہو۔ اور اسی طرح کی تحریر میں ہمیں زندگی کے اہم، گہرے اور قریبی مسائل سے دوچار کرنے کی صلاحیت رکھنی ہے۔ ادب انسان کی زندگی کی وہ یادداشت ہے جس میں وہ اپنی زندگی کے سارے اہم تجربات محفوظ کر لیتا ہے، اور پھر جو کچھ اس نے محسوس کیا، تجربہ کیا، عمل کیا، اور عمل سے جو کچھ ذہنی طور پر نتائج نکالے، وہ سب خوبصورت اور دلنکست زبان میں دوسروں کی دل چسپی کے لئے نشانِ راہ کے طور پر ایک کتاب کی صورت میں دنیا میں چھوڑ جاتا ہے۔ گویا یہ ایک مقدس ورثہ ہے جو اُس کے بعد آنے والی نسلیں اس سے حاصل کرتی ہیں !

وہ مختلف داعیات جو ادب آفرینی کا سبب بنتے ہیں، بہت سے ہیں۔ ان میں سے بعض محسوس طور پر کام کرتے ہیں اور کچھ غیر محسوس طور پر۔ جو محسوس طور پر کام کرتے ہیں۔ حسب ذیل ہیں :-

۱۔ ذاتی جذبات و احساسات کے اظہار کی قوی خواہش۔

۲۔ اپنے گرد و پیش کے لوگوں کی حرکات و سکنات میں گہری دل چسپی۔

۳۔ حقیقی دنیا اور تصوراتی دنیا سے ہمارا شغف۔ حقیقی دنیا جیسی کہ ہم دیکھتے ہیں اور تصوراتی دنیا جیسی کہ ہم

دیکھنا چاہتے ہیں اور جس کا نقشہ ہم اپنے ذہن کے ذریعہ سے مرتب کرتے ہیں !

۴۔ طرازِ اظہار میں ہماری قدرتی دل چسپی، بات کو نئے اور اچھوتے ڈھنگ سے کہنے کا شوق۔

جو داعیات کہ غیر محسوس طریقہ سے اپنا کام کرتے رہتے ہیں ان کو احاطہ تحریر میں لانا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ہماری تخت الشعوری قوتیں ساری کی ساری معلوم نہیں ہو جاتیں، اس کے لئے ابھی ہمیں کچھ مدت تک انتظار کرنا پڑے گا، ماہرین نفسیات ان پوشیدہ قوی کا کھوج لگانے میں لگے ہوئے ہیں اور امید ہے کہ جلد ہی یہ حقائق بھی برافگندہ نقاب ہماری جستجو کی زنگیوں کے روبرو جلوہ فرما ہو جائیں گے۔

موضوعات ادب اتنے ہی مختلف النوع ہیں جتنی ہماری زندگی کی نیرنگیاں۔ ان موضوعات کو علیحدہ ادب کے موضوعات | علیحدہ تقسیم کرنا گویا بہت مشکل ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک دوسرے کی حدود میں در آتے ہیں اور

آپس میں گتے ہوئے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے ہمیں سمجھنے سمجھانے کی سہولت کے لئے ان کی تقسیم کرنی پڑتی ہے۔ خواہ وہ کسی قدر ناقص ہی کیوں نہ ہو۔ ایک مغربی نعت ڈسٹر ہڈسن نے ان کی چار اہم قسمیں مقرر کی ہیں۔ یہاں ہم انہی کا اعادہ کرتے ہیں:-

۱۔ انسان کے ذاتی تجربات ایک انسان کی حیثیت سے۔

۲۔ انسان کے تجربات ایک فرد کی حیثیت سے۔

۳۔ افراد کے تعلقات اپنے دوسرے ہم جنسوں سے۔

۴۔ مناظر فطرت کی بیرونی دنیا اور اس سے انسان کی وابستگی اور تعلق۔

۵۔ فنکار کی اپنی ذاتی تخلیقی مساعی اور مخصوص طرز ادا جس کا کہ وہ خود موجد ہوتا ہے۔

متذکرہ بالا موضوعات پر کچھ لکھنے کے لئے مختلف عناصر ترکیبی کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ عناصر اہم اجزائے ترکیبی کا کام دیتے ہیں۔ ان میں پہلا اور اہم ترین عنصر تخیل کا ہوتا ہے۔ دراصل ادب کی بنیاد دو ہی چیزوں پر قائم ہے، تخیل اور بیان۔ یعنی وہ خیالات جو شاعر بیان کر کے دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے اور وہ زبان جس کے ذریعہ سے وہ ابلاغ کا کام لینا چاہتا ہے۔

ادب میں تیسرا اہم عنصر جذبات کا ہے۔ یعنی وہ جذبات جو کسی چیز کو دیکھ کر اس کے دل میں خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں اور جن کو وہ قاری تک پہنچاتا ہے۔ تاکہ اس کی ہمدردی اور محسین کا مستحق ہو سکے۔ فن کار اپنے جذبات کے اظہار سے اسی قسم کے جذبات قاری کے دل میں بھی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ جذبات جس قدر اسکے اپنے شدید اور قوی ہوتے ہیں، اتنی ہی شدت اور قوت سے وہ دوسروں کے دلوں میں نفوذ کر جاتے ہیں۔ کمزور جذبات دوسروں کے دلوں کو متاثر نہیں کر پاتے۔ بغیر شدت جذبات اور خلوص اظہار کے کلام بہت کمزور اور کم تاثیر رہ جاتا ہے اور جتنی تاثیر میں کمی ہوتی ہے اتنی ہی کلام کی زندگی میں کمی واقع ہو جاتی ہے!

ان تمام اجزاء کے علاوہ ایک اور اہم جزو بھی ہے۔ جو اگر موجود نہ ہو تو باوجود تخیل کی بلند پروازی، احساس کی شدت، جذبات کی فراوانی اور تجربات کی کثرت کی تخلیق بالکل بے جان رہتی ہے اور اس کی تکمیل بہرہ و جوہ نہیں ہو پاتی۔ یہ اہم جزو ”حسن ترتیب“ کا ہے۔ اگر مواد کو ترتیبی اصول، توازن و توافق، حسن تاثر کے انداز میں نہ ڈھالا جائے تو حسن صورت پر ایک بڑا داغ نمایاں رہتا ہے۔ اس عنصر کو دوسرے الفاظ میں ”حسن طراز“ کہہ سکتے ہیں۔

ہر ادب کا ادیب کی ذہنیت اور شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے، اسی وجہ سے ہمیں یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کسی ادیب پارے کو پڑھتے وقت ادیب کی انفرادیت اور شخصیت کے متعلق معتد بہ معلومات حاصل کر لیں اور اس کو دوران مطالعہ میں ملحوظ خاطر رکھیں، اس لئے کہ فن کار اپنی پوری شخصیت و انفرادیت کو دوران تخلیق میں اپنے فن پارے میں سمو دیتا ہے، اس کے ہر جزو سے فن کار کی ذات جھانکتی نظر آتی ہے۔ اور درحقیقت وہ تخلیق عظیم پر ہی نہیں سکتی جس میں کہ فن کار کی ذات جذبات و احساسات کے رنگ میں یہ نفس خویش شامل نہ ہو گئی ہو۔ نصیحت اسی قدر عظیم ہوگی جس قدر مصنف کی ذات اس میں سما گئی ہوگی۔

فن میں نابغہ کاری مصنف کی ذاتی ابتکار و فکر اور تازگی اور اک پر ہی منحصر ہوتی ہے۔ ایک نابغہ کار مصنف زندگی کے مختلف نئے نئے زاویوں سے دیکھتا ہے اور جب اپنے تجربات کو بیان کرتا ہے تو بیان میں حسنِ جدت اور لطافتِ ابتکار پیدا کر دیتا ہے اور یہی چیز مصنف اور تصنیف کی عظمت کا باعث بن جاتی ہے۔ اور دونوں کو جانتے جاوے اور بخش دیتی ہے اور یہ چیز اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ ادیب نے جو کچھ کہا ہے خود محسوس کر کے اور ذاتی تجربہ کے بعد لکھا ہے اور یہ کہ اس نے ہر چیز کو شدید تر احساس سے محسوس کیا ہے! زیادہ باریک بینی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ اور اپنی ذہانت و فطانت سے معاملات کو زیادہ بہتر طریقہ سے سمجھ کر زیادہ خوبصورت الفاظ و عبارات میں دوسرے لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اور اپنی غیر معمولی قوتِ جاذبہ کے تحت ہمیں مجبور کر دیا ہے کہ ہم بھی اسی کی طرح دیکھیں اور محسوس کریں۔ ایک عظیم فن کار کی شخصیت اپنے ذہن کے ذہن پر پوری طرح حاوی ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ قاری اپنی شخصیت کو بعض اوقات بالکل فراموش کر دینے پر مجبور ہو جاتا ہے، جیسے قطرہ دریا میں مل کر گم ہو جائے۔

مضمون ختم کرنے سے پہلے ایک اور نہایت اہم چیز کا ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ اہم چیز "خلوص" ہے۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ انسان جو کچھ محسوس کرے اس پر اذیتاً کسی قسم کا رنگ چڑھانے کی کوشش نہ کرے، نہ تو احساس میں کوئی رد و بدل کرے اور نہ اس کی ترجمانی میں۔ بعض اوقات رائے عامہ انسان کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ صحیح طریقہ سے جو کچھ محسوس کرتا ہے اس کو اپنی حسبِ منشاء ادا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح طرزِ ادا میں بھی اس کو رواجِ زمانہ کے مطابق حکم و اصلاح کرنی پڑتی ہے، میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں ادیب کو ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہو جانے کی تلقین کر رہا ہوں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اخلاقی حدود کا پابند رہ کر فن کار کو چاہیے کہ وہ جو کچھ محسوس کرے، یا تجربہ کرے اس کو اپنے مخصوص اور منفرد انداز میں بیان کرے اس کے ذہن پر یہ خیال سوار نہ رہے کہ فلاں عظیم فن کار نے یہ طرز اختیار کیا ہے، اس لئے میں بھی اس کی پیروی کروں۔ پیروی اکثر و بیشتر فن پارے کو کم اصل اور کم قدر بنا دیتی ہے۔ یعنی اگر کسی قدیم چیز کے بغیر کوئی چیز تخلیق کر لینے کا امکان نظر آئے تو مناسب حد تک پیروی اور تتبع کو زنجیر پانہ بنائے رکھنا چاہیے۔ مناسب ضرورت کی حد تک اس روایت سے اگر منہ موڑ لیا جائے تو مفید ہی ثابت ہوگا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اوج اور ابتکار کے شوق میں ذرا ذرا سی بات پر روایات کے تار و پود کو بکھیر دینا کسی طرح جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کسی اچھی چیز کو اس سے بہتر نعم البدل کے لئے ہی ترک کیا جاسکتا ہے۔ بقول ہنری ہڈسن کے۔ "ہم اس طرح سے سمجھ سکتے ہیں کہ وہ لوگ جو آزادانہ اور خلوص کیساتھ اپنے مافی الضمیر کو بے کم و کاست اظہار کرتے ہیں کیوں زیادہ مداح پیدا کر لیتے ہیں جبکہ دوسرے لوگ جو کہ یقیناً زیادہ تعلیم یافتہ، ہندس، ذہین اور کہنہ مستحق ہونے میں لیکن اپنے دل کی بات کو براہِ راست نہیں کہتے۔ اور طرزِ اظہار میں دلالت پیدا نہیں کر سکتے، قدر دانوں سے محروم رہ جاتے ہیں اور بہت جلدی فراموش کر دیے جاتے ہیں" بلکہ موصوف نے اپنی کتاب میں یہ بھی فرمایا ہے کہ جب کسی ادیب میں خلوص اور راست گوئی کی قدر دانی نہ ہو تو یقیناً کر لینا چاہیے کہ اب وہ ادب بڑی تیزی سے تنزل کی طرف جا رہا ہے۔ یہاں اگر جان رسکن کا بھی ایک قتلِ درج کر دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ کہتا ہے۔ "اےج یا ابتکار جس کی اس قدر لوگ کوشش کرتے ہیں کوئی اچھوتا پن یا خالص ایجاد نہیں ہوتی بلکہ خلوص اور حقیقت نگاری کا ہی دوسرا نام ابتکار یا اورجینیلٹی (originality) ہے"۔ غرض کہ ایک فنکار کے تجربات کی دیتا خواہ بہت وسیع ہو یا مختصر اس کو انھیں باتوں کے متعلق لکھنا چاہیے جن کو اس نے تفصیل سے دیکھا، سنا اور برتا ہے۔ جن میں رہ کر اس نے اپنی زندگی گزاری ہے، جن کے متعلق اس نے خود سوچا ہے اور اپنے ذاتی نتائج نکالے ہیں۔

عذرگناہ

یہ

آہ!

قولِ فیصل

”فاران“ پڑھنے والوں کو یاد ہو گا کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی (گویرالوالہ) کی کتاب ”جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث“ پر ”فاران“ میں تنقید کی گئی تھی، اور جو باتیں ہمارے نزدیک سراسر ہتے اور مان لینے کے قابل تھیں، ان کا اعتراف کیا گیا تھا۔ اور جو باتیں اس کتاب میں کھٹکتی تھیں ان کی نشاندہی کر دی گئی تھی۔ اس تنقید پر مولانا موصوف نے ایک خط مدیر ”فاران“ کو بھیجا جسے ”فاران“ میں ہم نے اپنے نوٹ کے ساتھ پورے کا پورا شائع کر دیا۔ جن حضرات کے پاس ”فاران“ کے پچھلے پرچے محفوظ ہوں، وہ ہماری تنقید اور محولہ بالا مکتوب کو ایک بار اور ضرور پڑھ لیں تاکہ یہ فتنیہ بالکل واضح ہو جائے!

حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی نے اپنی کتاب میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ایک مضمون کی عبارت کا اقتباس نقل فرمایا تھا۔ اسی پر ہم نے گرفت کی تھی۔ کہ مولانا مودودی کی اصل تحریر میں کتر بیونت کی گئی ہے، جس نے مودودی صاحب کے مفہوم ہی کو بالکل الٹ دیا ہے۔ ہم نے یہ بالکل دو ٹوک بات کہی تھی، ہر شخص ”جماعت اسلامی کے نظریہ حدیث“ میں دیئے ہوئے اقتباس کا مولانا مودودی کے اصل مضمون سے مقابلہ کر کے فیصلہ کر سکتا ہے کہ فاضل مصنف نے نفسِ عبارت کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے!

انسان سے غلطی یا بھول چوک ہو جائے تو آدمی کی بڑائی اس میں ہے کہ اپنی غلطی کا اعتراف کر لے، یا کم سے کم یہ کرے کہ خاموش ہو جائے، غلطی کرنے والا جب صفائی پیش کرنے کی پوزیشن اختیار کر لیتا ہے تو معاملہ اور بگڑ جاتا ہے۔ وہ جتنی صفائی پیش کرتا اور عذر تراشتا ہے، اتنی ہی اس کی پوزیشن کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ مولانا محمد اسماعیل سلفی مدظلہ نے ”اعتراف و سکوت“ کے بجائے اس تیسری صورت کو اختیار فرمایا۔ مولانا مودودی کی اصل تحریر میں جو کتر بیونت کی، اس کی ایک طرف تو ذمہ داری بیچارے کا تب کے سر ڈالی اور دوسری طرف مدیر ”فاران“ کی ذہانت پر طنز کیا کہ مدیر ”فاران“ کو خود ہی سمجھ لینا چاہیے تھا کہ یہ کاتب کا تسامح ہے۔ فاضل مصنف نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ماہنامہ ”رحیق“ میں ہماری تنقید پر ایک تبصرہ شائع فرمایا۔ جس میں ہم پر اٹا خیانت کا الزام لگایا۔ اس مضمون کو پڑھ کر ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اتنے اونچے لوگ اپنی بات کی پچ کے لئے اتنے نیچے بھی اتر سکتے ہیں۔ یہ سلسلہ ”فاران“ کے دو شماروں میں چل کر ختم ہو گیا۔ بات بڑھانے کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی، مگر قدرت کے اس غیر متوقع ایما اور سلسلہ جنبانی کو کیا کیجئے کہ جس کتاب (جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث) پر یہ سارا ہنگامہ گرم تھا، اس کے کاتب کا خط ہمیں چاہے وصول ہوا، مکتوب نگار کا اصرار ہے کہ ان کا خط ”فاران“ میں شائع کیا جائے تاکہ ان کی پوزیشن صاف ہو جائے!

محمد صدیق صاحب خوش نویس کا یہ خط کسی تبصرہ کے بغیر شائع کیا جا رہا ہے، اس باب میں یہ خط ”قولِ فیصل“ اور ”حرفِ آخر“ ہے! (رم، ق)

محمد صدیق خوش نویس

غضبی محمد لاہور
امجدون شیر نواز دروازہ

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ فاران کراچی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ فاران کی تازہ اشاعت میں "مدیر فاران کے نام" کے عنوان سے محترم مولانا محمد اسماعیل صاحب گجرالوہ کا ایک مکتوب اور آپ کا اُس پر تبصرہ میری نظر سے گزرا ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی کتاب "جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث" میں تفہیمات کے حصہ اول کے ایک اقتباس کی صحت کی ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا ہے اور اسے بڑے معصومانہ انداز سے کاتب کے سر منڈھنے کی کوشش کی ہے۔ غیر ذمہ دار اخبار نویس حضرات کو تو "کاتب کی غلطی" ان کی غیر ذمہ دارانہ تحریروں کی سخت مٹانے میں عام طور پر ڈھال کا کام دے جاتی ہے۔ اور وہ اکثر اس کی آڑ میں پناہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن علمائے کرام کو یہ مشغلہ زیب نہیں دیتا کہ کسی شخص کو بدنام کرنے اور لوگوں کو اس سے متنفر کرنے کے لئے اُس کی تحریروں کو توڑ مروڑ کر، سیاق و سباق سے الگ کر کے، یا اپنے مفید مطلب بنا کر اور من مانیے نتائج اخذ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی غلطی تو خود کریں اور جب کوئی اللہ کا بندہ اس پر گرفت کرے تو اس کی ذمہ داری غریب کاتب پر ڈال دی جائے!

لکھنے والے حضرات شاید از خود یہ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ کاتب کو تو خدا کے حضور میں جواب دہی نہیں کرنا ہے۔ اگر فی الواقع ایسا ہو سکتا تو میں سکوت اختیار کر لیتا۔ لیکن ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں ایمان رکھتا ہوں کہ اللہ کے ہاں کوئی کسی کا ذمہ دار نہیں۔ کائنات و ازرۃ و زر آخری، اور کلہم ایتہ یومہ اقیامتہ فرداً۔ ہر شخص اللہ کے ہاں فرداً فرداً جواب دہ ہوگا۔ اس لئے میں نے اپنے فرض منصبی کو محسوس کرتے ہوئے اصل واقعہ کو بیان کرنا ضروری سمجھا ہے۔ کیونکہ زیر بحث کتاب کی کتابت میں نے کی ہے اور پھر اس حیثیت سے میرا یہ احساس اور بھی زیادہ شدید ہو گیا ہے کہ اس کا تعلق ایک ایسے شخص سے ہے جو اپنی دینی و ملی خدمات کے لحاظ سے نہ صرف یہ کہ بین الاقوامی شہرت رکھتا ہے بلکہ اقامت دین کے لئے جدوجہد کرنے اور پاکستان میں اسے عملاً نافذ کرنے کے لئے سر توڑ کوشش کرنے والی ایک منظم تحریک کا محرک اور قائد بھی ہے۔ اس صورت حال میں اگر میں خاموشی اختیار کروں تو نہ صرف یہ کہ مجھے اندیشہ ہے بلکہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کتمان حق کی سزا کا مستوجب قرار دیا جاؤں گا!

اس کتاب کی کتابت کے لئے مولانا محترم کی خاص طور پر ہدایت تھی کہ کسی اچھے اور صحیح نویس کاتب کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ قرعہ فال "بنام من دیوانہ زندہ"۔ یہ مقالہ اس سے پہلے "الاعتصام" لاہور میں قسط دار شائع ہو چکا تھا۔ جب مجھے اصل مسودہ دیا گیا تو احتیاطاً میں نے "الاعتصام" کے وہ پرچے بھی منگوائے تھے جن میں یہ مضمون چھپا تھا تاکہ اگر کسی جگہ مسودہ پڑھے میں دقت ہو تو ان پرچوں سے مدد لے سکوں، کتابت کے بعد کاپیوں کی تصحیح اس اہتمام سے کی گئی کہ جناب حافظ عبدالرحمن صاحب ناظم مکتبہ سلفیہ، جناب مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی اور خود مولانا محترم نے بھی ان کی تصحیح میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، بلکہ دوبارہ دوبارہ ان پر نظر ثانی کی گئی۔ اس قدر احتیاط و اہتمام کے باوجود محترم مولانا کا یہ ارشاد کہ "میرا دامن اس سے آلودہ نہیں بلکہ وہ کاتب کی غلطی ہے" حد درجہ افسوسناک ہے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ اس چہ بولہجی است!

میں ایک اہل حدیث فاندان سے تعلق رکھتا ہوں اور نہ صرف یہ کہ میں نے خود مولانا محترم سے علم حدیث پڑھا ہے

بلکہ میرے خاندان کے دیگر افراد نے بھی اس سلسلہ میں مولانا محترم کے سامنے نانوائے تلمذتہ کیا ہے، اس لحاظ سے میرے اور میرے خاندان کے نزدیک مولانا کی ذات قابلِ صدا احترام ہے۔ یہ بات بھی قلمِ بل ذکر ہے کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور جماعتِ اسلامی کے دیگر اکاہر کی تصانیف کی کتابت میں متواتر بارہ سال تک کرتا رہا ہوں اور ان کی ایک ایک کتاب کے کئی ایڈیشن میرے قلم سے نکل چکے ہیں اور نہ صرف یہ کہ میں نے مولانا مودودی صاحب کی جملہ تصانیف کے ایک ایک لفظ کی کتابت کی ہے بلکہ ان کا بالاستیعاب مطالعہ بھی کیا ہے اور ان کی تحریک اور نظریات سے بخوبی واقف ہوں، اس لحاظ سے میرے نزدیک دونوں بزرگ واجب الاحترام ہیں۔ ان کے علاوہ میری فنی زندگی کا بیشتر حصہ ان بلند پایہ مصنفین کی علمی و تحقیقی تصانیف کی کتابت میں گزرا ہے جو تلفظِ الفاظ، ان کی ماہیت، اعراب، کلام، فل اسٹاپس وغیرہ تک کا اہتمام ملحوظ رکھتے ہیں۔ اس لئے اگر میں یہ دعویٰ کروں کہ اس فن کے اصول و کوائف سے میں کما حقہ واقف ہوں تو اس میں قطعاً مبالغہ نہ ہوگا۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اقتباسات کی عبارت و ادین کے درمیان دونوں طرف حاشیہ چھوڑ کر لکھی جاتی ہے اور میں نے آج تک کبھی یہ حماقت دانستہ یا نادانستہ طور پر بھی نہیں کی کہ نفسِ مضمون کو اقتباسات کے ساتھ خلط ملط کر دوں۔ مولانا محترم کا یہ ارشاد کہ — ”تفہیمات حصہ اول سے جو اقتباس دیا گیا ہے اس کی اوپر کی سطر اقتباس کا حصہ نہیں، کاتب نے غلطی سے اسے اقتباس کے ساتھ ضم کر دیا ہے۔ اصل اقتباس ”میں سمجھتا ہوں“ سے شروع ہوتا ہے، اسے میری گزارشات کے ساتھ لکھنا چاہیے تھا“ — مجھ غریب کے ساتھ سراسر زیادتی پر مبنی ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے میں تسلیم کر لیتا ہوں کہ مولانا کا ارشاد بجا ہے، لیکن کیا میں یہ پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اگر یہ ”اوپر کی سطر“ اقتباس کا حصہ نہیں تو اس سطر کا صحیح مقام کہاں ہے؟ اگر اس سطر کو من و عن (کما هو بالفاظہ) اسی سیاق و سباق میں مولانا محترم اپنی ”گزارشات“ میں کہیں کھپا سکیں تو میں اپنی اس کوتاہی اور غلطی کو بسر و چشم تسلیم کرنے کو تیار ہوں اور ان سے بصمیم قلب معافی مانگ لوں گا۔!

مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور دیگر اکابر علماء دیوبند نے، جن کے زہد و تقویٰ کے چرچے اس بزرگ عالم ہندوستان کے کونے کونے میں ہیں، مولانا مودودی کی تحریروں کا مثلہ جس بے رحمی سے کیا ہے اور لوگوں کو ان سے متنفر کرنے کے لئے جو جو کاروائے نمایاں انجام دیے ہیں، میں ان کی حقیقت سے بخوبی واقف ہوں اور اکثر سوچتا رہتا ہوں کہ

اذا کان رب البیت بالطہل ضارباً
فلا قلم الا وکاد فیہ علی الرقص

میرا خیال تھا کہ علماء اہل حدیث اس نازک معاملہ میں کافی حد تک محتاط ہیں اور وہ ہمیشہ دھولنس اور دھاندلی کے بجائے دلائل و براہین کے میدان کے سپاہی رہے ہیں۔ لیکن اب شاید انہوں نے حدیث ”الحرب خدعة“ کا استعمال اس معاملہ میں بھی جائز سمجھ لیا ہے۔ اگر واقعہ یہی ہے تو

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

خدا شاہد ہے کہ میں نے اس کتاب کی کتابت میں اپنی طرف سے کوئی تصرف نہیں کیا اور کبھی کیسے سکتا تھا جبکہ تین اکابر علماء دین اس کی تصحیح کے لئے میرے سر پر موجود تھے۔ البتہ ص ۳۷ میں ایک فقرہ ایسا تھا کہ جو میرے نزدیک

بالکل خلاف واقعہ تھا۔ اس پر مولانا محترم کو توجہ دلانا ضروری سمجھنا۔ یہ فقرہ اصل مسودہ میں یوں تھا۔ "کوثر نیازی گوجرانو آئے، جلسہ میں شورش ہوئی، جلسہ نہ ہو سکا۔" چونکہ میں خود اس جلسہ میں شریک تھا، جلسہ متواتر دو گھنٹہ تک جاری رہا۔ کوثر نیازی صاحب کی تقریر کے دوران میں چند آدمیوں نے گڑبڑ کرنے کی کوشش کی، رضا کاروں نے انہیں نکال باہر کیا۔ اور اس کے بعد کوثر نیازی نے باطمینان اپنی تقریر ختم کی۔ اور پھر جلسہ درخواست کیا گیا۔ میں نے اس حقیقت سے مولانا کو آگاہ کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر اس فقرہ میں ترمیم کر دی کہ مجھے تو یہ اطلاع ملی تھی کہ جلسہ نہ ہو سکا۔ بہر حال انہوں نے "جلسہ نہ ہو سکا" کی بجائے "جلسہ ہمشکل ہو سکا" کر دیا۔ اب یہ بات خود مولانا ہی کو معلوم ہے کہ ان کا یہ ظن مجرد جز واحد پر اعتماد کا نتیجہ تھا یا حزبی تعصب کا کرشمہ بھی۔ بہر حال اس ایک فقرہ میں خود مولانا ہی سے ترمیم کرانے کے سوا میں نے پوری کتاب من وعن مطابق اصل نقل کر دی تھی۔!

آخر میں میں مولانا اُستاد محترم سے اس جسارت و جرأت کی معافی چاہتا ہوں اور بعد ادب و احترام عرض کرتا ہوں کہ یہ ایک تلخ فریضہ تھا جسے ادا کرنا میرے لئے ناگزیر ہو گیا تھا۔ ان کی اس گرانقدر تصنیف کا میرے دل میں بہت احترام ہے۔ مولانا اصلاحی صاحب کے مضمون اور "مسک اعتدال" پر آپ نے جو بھر پور تنقید لکھی ہے اور دلائل و براہین سے اجازت و احادیث کی حجیت ثابت کرنے میں جو کارنامہ آپ نے انجام دیا ہے، اس قابل ہے کہ مولانا مودودی صاحب اور مولانا اصلاحی صاحب اس طرف توجہ دیں۔ کیونکہ اس پر تبصرہ کے لئے دراصل یہی دونوں بزرگ موزوں ہیں۔ ہم ان بزرگان ملت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس "سنجیدہ" تنقید پر اپنے خیالات کا اظہار فرما کر تلاش حق میں ہماری مدد فرمائیں۔ اس لئے کہ اہل حدیث حضرات کے نزدیک یہ مسئلہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ مفید بحث ہماری علمی معلومات میں بھی اضافہ کا موجب ہو گی۔

اگر میری یہ گزارشات آپ کے مقررہ جہدہ میں جگہ پانے کے قابل ہوں تو براہ کرم ان کو اپریل کے شمارہ میں شائع فرما کر مشکور فرمائیں۔ اور ساتھ ہی یہ درخواست کروں گا کہ اس کا ایک پرچہ مجھے بھی مندرجہ بالا پتہ پر بھیج دیکھے گا۔ والسلام مع الاحترام۔ (اس خط کی کتابت ہو چکی تھی کہ کاتب صاحب کا دوسرا مکتوب وصول ہوا جو درج ذیل ہے:-)

آداب القاب کے بعد۔ میرا خیال تھا کہ ماہنامہ "رحیق" کے فاضل مدیر مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف اور جماعت اصلاحی کے نظریہ حدیث کے ناشر حافظ عبدالرحمن صاحب گوہر دی میں معاملہ میں مدافعت نہیں فرمائیں گے، کیونکہ کامیوں کی تصبیح میں اور کتاب کی نوک پلک درست کرنے اور اسے ہر لحاظ سے کامیاب بنانے میں مولانا محترم کے علاوہ ان ہر دو حضرات کی مساعی کو بھی کافی دخل ہے، ان دونوں بزرگوں کو اس حقیقت کا بخوبی علم ہے کہ کاتب اس معاملہ میں بالکل بے گناہ ہے، لیکن فاران میں مولانا محترم کے مکتوب پر جو تبصرہ مدیر فاران نے کیا ہے اس کے جواب میں مولانا محمد سمیع صاحب نے ریحق میں پھر اپنی اس لغزش کو "کاتب کی بدحواسی" قرار دے کر بچائے کاتب کو بدحواس کرنے کی کوشش فرمائی ہے، میں حیران ہوں کہ فاضل مدیر ریحق اس معاملہ میں خاموش کیوں ہیں، احتیاق حق و ابطال باطل کیلئے ان کا قلم کیوں حرکت میں نہیں آتا؟ دیگر علما کرام کی طرح شاید انہوں نے بھی یہ فرض کر لیا ہے کہ مولانا مودودی کی مخالفت میں یہ فریضہ بھی ان سے از خود ساقط ہو گیا ہے، یا یہ کہ اس غلطی کو غلطی کہنے کیلئے انہیں بہت بڑی ہمت و جرأت درکار ہے۔ جناب شیخ الحدیث مولانا محمد سمیع صاحب اہل حدیث حضرات کو عموماً اپنے تلامذہ کو خصوصاً "مودودی کے مقلد" "اندھی عقیدت" اور "مدافعت" وغیرہ کے الفاظ سے متہم کیا کرتے ہیں، حالانکہ یہ مرض خود اہل حدیث جماعت میں بدرجہ اتم موجود ہے، اس گناہیت کو در شہر شمانیز کنند!

میں محترم مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف کی خدمت میں مودبانہ گزارش کروں گا کہ وہ اس معاملہ میں محض تاشائی نہ بنے بلکہ اپنے رہو قلم کو ہمیں دے کر اس کی باگ اس طرف موڑ دیں جہاں بچا رہے کاتب اپنے ناکردہ گناہ کی بدولت "گوئے چوگاں" بنا ہوا ہے۔

نعتِ رسول ﷺ

حسرا ماں زندگی کا کارواں ہے
 ردائے صبح صادق گلِ فشاں ہے
 تری عفتہ کشتائی کے تصدق
 ہر اک مشکل کو آساں کر دیا ہے
 زہے رحمت کہ فیضانِ نظر نے
 بہائم کو بھی انساں کر دیا ہے
 جو تھے غارت گر تہذیب اُن کو
 تمدن کا نگہیاں کر دیا ہے
 حیا و شرم کی پاکیزگی سے
 مزینِ حسنِ ایماں کر دیا ہے
 جمالی زندگی بخشا ہے جس کو
 مسیح و خضر دوراں کر دیا ہے
 جو ذرتے پردہِ ظلمت میں گم تھے
 انھیں بہر درخشاں کر دیا ہے
 جنہیں خدام کہتا تھا زمانہ
 انھیں مخدوم دوراں کر دیا ہے
 غرورِ خواجگی کا سر جھکا کر
 غلاموں کو بھی سلطان کر دیا ہے
 بنا کر بے نیاز سا زوساں
 امیر سا زوساں کر دیا ہے
 ہٹا کر جبر اوہام کہن کو
 اندھیرے میں چراغاں کر دیا ہے
 بنا کر محنت و دولت کو یکدل
 بڑی مشکل کو آساں کر دیا ہے

ازل، محرابِ ایوانِ محمد
 ابد، شمعِ شہستانِ محمد
 شکر ہے بہ ہر اندازِ محدود
 ہے لامحدود احسانِ محمد
 وہ عبدیت ہو یا ختمِ نبوت
 ہر اک عظمت ہے شایانِ محمد
 مکان و لامکان روشن ہیں جس سے
 وہ ہے مشکواتِ فیضانِ محمد
 ترجم! مسدِ خلقِ عظیم
 تفضل! فرشتہِ ایوانِ محمد
 جفا کا رانِ مکہ سرنگوں ہیں
 ہے عفو عام فرمانِ محمد
 کوئی بدلہ نہیں ظلم و ستم کا
 مگر لطفِ فراوانِ محمد
 ادھر کانٹے بچھائے جا رہے ہیں
 ادھر گل ریز دامنِ محمد
 پناہیں ڈھونڈتے ہیں دشمنِ جاں
 پناہ گل سے دامنِ محمد
 مساکین ویتاخی کی یہ قسمت
 کہ ہیں خاصانِ خاصانِ محمد
 نشانِ عظمتِ نوری بشر ہیں
 عنایانِ عنایانِ محمد
 بچھائے چشم و دلِ ارض و سماں
 جہاں پہنچا ہے فرمانِ محمد

خزراں بنیاد دیرانوں کو ٹونے
 گلستان درگلستان کر دیا ہے
 وہ شمعیں آندھیوں میں جل رہی ہیں
 جنہیں ٹونے فروداں کر دیا ہے
 بڑھا کر احترام صنف نازک
 نگہبان دل و حباں کر دیا ہے
 سکھا کر شیوہ تہذیب مستور
 ادب آموز ایساں کر دیا ہے
 بشر کو دولتِ اخلاص دے کر
 امینِ حسنِ یزداں کر دیا ہے
 بہشتِ سرمدی کی راحتوں کو
 شریکِ دردِ انساں کر دیا ہے
 بنایا ہے اُسے خیرِ مجسم
 جسے ٹونے مسلمان کر دیا ہے

تجھے دیکھا تو وجدان و یقین نے کلامِ حنا لِقِ اکبر کو سمجھا
 خلوصِ بندگی کی روشنی میں جلالِ مسجد و منبر کو سمجھا
 ہوتے روشن دروہامِ مدینہ تو و الصبح اذا اسفر کو سمجھا
 جمالِ اسوۃ کامل کو دیکھا تو مفہومِ لقا دیشو کو سمجھا
 مسلمانِ جنت و کوثر کا حاصل دلِ بیزار و چشمِ تر کو سمجھا
 سراپا پائین لا محمد وہ ہے تو جیاتِ عشق کا مقصود ہے تو

وہی چشم و چراغِ زندگی ہے
 کہ جس کو روشنی تجھ سے ملی ہے
 مکمل امتِ مزاجِ دین و دنیا
 یہ مشکل تجھ سے آساں ہو گئی ہے
 حقیقت ماورائے خیر و شر ہے
 کہ خیر و شر لباسِ آدمی ہے
 سراپا درد جس کی زندگی ہو
 وہ شایانِ جیاتِ سرمدی ہے
 محبت، حسنِ خاصانِ خدا کا
 محبتِ جلوۂ پیغمبری ہے

محبت، بے غرض سب سے محبت
 تری تعلیم کا حاصل یہی ہے
 جسے پاس حقوقِ آدمی ہو
 وہی رازِ آشتائے بندگی ہے
 جسے تباہی و دستِ دزباں پر
 حضورِ حق مسلمان بھی وہی ہے
 نہیں کچھ اسود و احمر پہ موقوف
 مکرم ہے وہی جو متقی ہے
 جسے آرام کی خو ہو وہ محتاج
 جو ہے دلدادہ محنتِ غنی سے
 جسے کہتے ہیں تقدیرِ الہی
 وہی حسنِ عمل کا نام بھی ہے
 خدا کا آسرا ایساں روشن
 تو کل خلق پر شرکِ جلی ہے
 بہت کھوئے گئے راہِ طلب میں
 کمالِ ترک سے منزلِ ملی ہے
 جسے کوئی تمنا ہو نہ حسرت
 حریمِ ناز کے قابل وہی ہے
 قرارِ جاں ہو ذکروں کو جس کو
 وہی دردِ آشنا مردِ ولی ہے
 بہر صورت زمین کی بادشاہی
 عبادِ حق کے قدموں پہ جھکی ہو
 جسے معروف و منکر کا رہے ہوش
 وہ شایانِ خودی و بے خودی ہے
 محبت بے غرض سب سے محبت
 تری تعلیم کا حاصل یہی ہے
 زمانہ تیرے گن گاتا رہے گا
 ترا احسانِ یاد آتا رہے گا

قرآن

عام عثمانی

رات ہنگام تہجد کسی دیوانے نے
 اسے کہ تو حنا بن کونین ہے بے ہمتا ہے
 کیا یہی تیری مشیت ہے کہ دنیا میں کبھی
 دین و ایمان کے سفینوں کو کنارہ نہ ملے
 ہائے یہ جلوہ گہ ناز، یہ تیری دنیا
 تیری قدرت کا یہ شہکار، یہ باغی انساں
 مشرق و مغرب و قطبین، زمین و گردوں
 ایک پُر ہول اندھیرے فصناؤں پہ محیط
 کچھ تو فرما! کہ زمانہ کے یہ احوال ہیں کیوں؟
 مجسروں کو نظر انداز کرے گی کب تک

گر کے سجدے میں خدا سے یہ کہا رو کر
 ابن آدم کو نہیں تیری مشیت سے مفر
 اب نہ آزاد ہو شیطان کے سنجہ سے بشر
 اور پڑتے ہی رہیں متلزم باطل میں بھنور
 ہر قدم کفر و بغاوت ستم و فتنہ و شر
 کفر آئادہ، خطا کوش، ستمگر، خود سر
 یورش لشکر طاغوت سے ہیں زیر و زیر
 گم ہے ظلمات کے طوفان میں ہر راہگزر
 راز کیا ہے کہ نہیں تیرے تغافل پہ اثر؟
 تیری تقدیر و مشیت کی ہڈ اسرار نظر

کیا اندھیرے میں بھٹکتا ہی رہیگا انساں؟
 کیا کبھی رات کے پہلو سے نہ چھوٹے گی سحر؟

آئی آواز کہ سجدے سے ذرا سر تو اٹھا
 جیت اے عاجر و در ماندہ و نادان انساں
 تیرا یہ جوش تہی مایہ! یہ طرز بیباک!
 جنس ناکارہ ہے جو ناز ہو محروم نیاز
 سن! کہ ہم دیں گے نہیں تیرے سوالوں کے جواب
 جس کو بخشا گیا قرآن سا شہکارِ عظیم
 دے دیا جس کو محمد سا گرانما یہ رسول
 شرم اے بندہ ناشکر! غلام بے حس!
 جا! اٹھا گوشہ نسیاں۔ سے ہماری وہ کتاب
 جس میں ہیں گفتہ و ناگفتہ سوالوں کے جواب
 جس کا ہر لفظ ہے آئینہ راز کونین!

ہم بھی دیکھیں تری فریاد و فغاں کے تیور
 تیرا یہ ترش تکلم! یہ زبان خود سر!
 ہم پہ کچھ بھی نہیں اس نازش بجا کا اثر
 سیپ ہی سیپ ہے تیرا صد جبے گوہر
 کیا کریں دے کے، ترے پاس سماعت بصر!
 جیت اُس کو نہ ہو اسرارِ مشیت کی خبر
 وہ یہ چاہے کہ ملے اور کوئی پیغمبر؟
 لفت ہے لے دیدہ بے غیرت و محروم بصر
 جس کا جُردان ہے غفلت سے تری خاک بسر
 جس میں مرقوم ہے ہر مسئلہ جن و بشر
 جس کے آغوش میں آسودہ ہے ہر شب کی سحر

اُس کے آئینہ میں قسمت کے خدخال کو دیکھ
 دوش و فردا کے قوانین کو پڑھ حال کو دیکھ



غالب کے ایک شعر پر

شعر و سخن کے جہاں بہت سے روشن و تابناک پہلو ہیں، وہاں اس تصویر کا دُھندلا رخ بھی ہے
غیر مسلم شعراء کا تو ذکر ہی کیا ہے، مسلمان شاعروں نے بعض ایسی باتیں کہی ہیں، جو
دینی اور اخلاقی نقطہ نگاہ سے قابلِ اعتراض ہیں، غالب کے اسی قسم کے ایک شعر:-

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو

کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی

پرمولانا حکیم سید سعید احمد اسعد ٹونکی مرحوم نے منظوم طنز کی ہے، اس نظم کے لئے ہم اپنے
مخلص دوست جناب بسمل سعیدی ٹونکی کے شکر گزار ہیں۔ یہ نظم اس حیثیت سے ایک "علمی
یادگار" کہی جاسکتی ہے۔ کہ یہ اب سے تقریباً نتر سال پہلے کی کہی ہوئی ہے:-

دیوان میرزا میں عفی عنہ دبنا - فرصت بہت ملی مجھے فکر و عبور کی
اردو میں بعد مومن اُنھیں پایا فخر فن - پائی نہ بُو کہیں بھی تو سُقم و تصور کی
ہاں اُن کی مستیوں کے گراف ایسے چند شعر - محبت میں اُن کی غفلت و سہو و فتور کی

”واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو

کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی“

ملتے وہ ہم کو تو ہم ادب سے یہ پُو چھتے ! - خفاش کو خبر ہے کب اسرارِ ہور کی
ہے یاد ایک جرم میں ملزم ہوئے تھے آپ - بگڑی تھی شان جیل میں عیش و سرور کی
پی سکتے خود نہ تھے تو پلا سکتے خاک آپ - واں سو جھتی تھی آپ کو کب اتنی دُور کی
واعظ غریب محبس دُنیا میں قید ہے - پائے گامے، رہائی پہ روزِ نشور کی
اُس دن سے خود پیئے گا، پلائے گا بھی مدام - فارغ دلی میں دولتِ حور و تصور کی

ممنوع قید میں ہو شرابِ نجس تو پھر

قدرت ہو کیا کسی کو شرابِ طہور کی

دو غسریں

عبدالحمید حیرت

اخلاص، اکہم ہے، جو سر کر کے کوئی
ایسی بہشت لے کے کوئی کیا کرے جہاں
اس دور میں کہ عشق و ہوس میں نہیں تمیز
پوچھے نہ کوئی بات، تو اس کا نہیں علاج
بیٹھا رہے بلائے شبِ غم لئے ہوئے
یہ عذرِ قحط بادہ حقیقت سہی مگر
بیمارِ غم کو آج بھی امید ہے یہی
حق بات سے جنہیں ہو خدا واسطے کا بیر

کرنے کا ہے یہ کام، اگر کر کے کوئی
دو دن بھی زندگی نہ بسر کر کے کوئی
اے کاش! قدرِ اہلِ نظر کر کے کوئی
موقع ملے، تو عمرِ ہنر کر کے کوئی
جب تک بھی انتظارِ سحر کر کے کوئی
ایسا بھی کیا کہ لب بھی نہ تر کر کے کوئی
شاید علاجِ دردِ جگر کر کے کوئی
کیسے انہیں ادھر سے ادھر کر کے کوئی

اس قرب پر تو اور بھی حیرت کی بات ہے
دل میں اگر کسی کے نہ گھر کر کے کوئی!

شفقت کاظمی

رابطِ باہم کا جو امکان نہ پایا ہم نے
ہم سے ہیں آہ وہی آج گریزاں کہ جنہیں
کیوں تری آنکھ پشیمان ہو مٹا کر ہم کو
اُن سے تجدیدِ محبت کی ضرورت کیا تھی
ایک تسکین کی صورت تھی کہ مفقود رہی

دل سے آخر تجھے اے دو بھلایا ہم نے
دلِ پائی کا ہر انداز سکھا یا ہم نے
اپنی قسمت میں جو لکھا تھا وہ پایا ہم نے
مفت سوئے ہوئے فتنے کو جگایا ہم نے
ورنہ کیا کیا تری الفت میں نہ پایا ہم نے

پھر جلائے نہ کبھی دل میں امیدوں کے چراغ
یوں ترے بعد ترا سوگ منایا ہم نے



روح انتہا

وہ کشتیاں جلا کر اس تحریک میں آئے تھے اور آکر پھر انہوں نے ان راسوں کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھا، جن کو چھوڑا تھا۔ وہ مردِ درویش تھے اور دنیا کی آسودگی سے بے نیاز تھے، اللہ نے انہیں وہی موت دی جس پر ہر وہ شخص رشک کرے جو اس کی قدر جانتا ہے۔ انہوں نے انہی لوگوں کی ستایانِ شان زندگی گزار دی اور موت پائی جو کشتیاں جلا نے والوں کے ستایانِ شان ہوا کرتی ہے۔ جب وہ بیمار ہو کر بستر پر لیٹے تو ان کے سر ہانے کوئی عزیز نہ تھا۔ جب انہوں نے جان دی تو وہ اپنے مقبرہ کے ساتھیوں کے درمیان گھرے ہوئے راہِ حق کی منزلیں لمحہ بہ لمحہ طے کر رہے تھے۔ ان کے ساتھی موٹروں اور ٹرکوں میں سفر کرتے رہ گئے، لیکن چودھری صاحب کا قدم ہمیشہ سب سے آگے رہا۔ وہ فرشتوں کی گود میں آسمانوں کی منزلیں طے کر گئے۔ وہ ہم سب سے آگے نکل گئے۔ ان کی زندگی قابلِ رشک تھی۔ ان کی موت بھی قابلِ رشک ہی ہوئی۔ کون ہے جو اپنی دعا میں یہ نہ کہے کہ ابھی! مجھے چودھری صاحب جیسی موت دے جو تیری ہی راہ میں، تیری ہی منزل میں، تیری ہی مرضی کے مطابق کلمہ بلند کرتے رہے

اب وہ ہمارے درمیان نہیں، ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے، سن نہیں سکتے، لیکن دل کی خوش فہمیوں کا یہ حال ہے کہ وہ محسوس کرتا رہتا ہے گویا اب بھی وہ ہمارے درمیان ہیں۔ کہیں دورے پر گئے ہیں، اور نہ جانے کس وقت اچانک آجائیں۔ کہہ رہے آئندہ ہوں، اور کہیں "اسعد صاحب! خیریت تو ہے، دورہ طویل ہو گیا۔" اب بھی احساس ہوتا ہے کہ وہ کہیں نہ کہیں ہمارے درمیان کام کر رہے ہیں۔ پروفیسر عبدالحمید صاحب سے انہوں نے خواب میں بہت ناراضگی کا اظہار کیا کہ بھائی حمید صاحب! آپ نے سب جگہ مشہور کر دیا کہ چودھری علی احمد خاں کا انتقال ہو گیا۔ دیکھئے! تو میں آپ کے سامنے بیٹھا ہوں۔ کہاں انتقال ہوا ہے؟ آپ نے نسیم میں لہنا چوڑا مضمون لکھ کر میرے بارے میں جگہ جگہ مشہور کر دیا کہ میں مر گیا ہوں، اور یہ واقعہ ہے کہ اب بھی گا ہے گا ہے جب میں دفترِ حلقہ کے ساتھ والے کمرے میں ہوتا ہوں تو میرے دل میں بے نام سا احساس ہوتا ہے کہ ابھی قریبی کمرے سے کوئی آواز آئے گی!

نذرِ اشکِ بے قرار از من پذیر
گریہ بے اختیار از من پذیر

دسیارخ و تاثرات چودھری علی احمد خاں
مرتبہ: - اسعد گیلانی

تماثالی کے قلم سے

پرچھکائیاں

یہ اڑتی سی خبر طیور کی زبانی نہیں، ذوی العقول انسانوں کی زبانی سنی گئی ہے کہ لاہور اور کراچی کے ڈاک خانہ والے بڑے پریشان ہیں کہ ”مسلم لیگ“ کی ڈاک آخر کس کو تقسیم کریں۔ اس لئے کہ اس ایک — مسلم لیگ — نام کی دو دو جماعتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو وہی پُرانی ”مسلم لیگ“ ہے، جس کو ایک شاعر نے دعادیتے ہوئے کہا تھا کہ:-

اے نور نظر سلمک اللہ تعالیٰ

اور دوسری ”مسلم لیگ“ وہ ہے جس کی نام رکھانی کی خدمت علامہ مشرقی نے انجام دی ہے! تقسیم ہند سے پہلے خاکساروں کی جماعت ”چپ و راست“ میں مشہور بلکہ ممتاز تھی۔ قاید اعظم ہوں، گاندھی جی ہوں، ہاسبھلکے پردھان ہوں یا جمعیتہ العلماء کے صدر۔ اس جماعت کو ”سلاخی“ دینے سے کام! پریڈ کرنے اور سلامی دینے میں خاکساروں کو یدِ طولیٰ ہی نہیں ”قد طولیٰ“ بھی حاصل تھا۔ اور اس معاملہ میں کافر و مسلم کی بھی کوئی تخصیص اور تیز نہیں تھی۔ سلامی دینے کے لئے بس کسی کا مشہور ہونا ضروری تھا۔

”جماعت سازی“ کی تاریخ میں یہ مثال بھی اپنا آپ ہی جو اب ہے کہ جس لیڈر نے کسی جماعت کو بنایا ہو، وہی جھنجلا کر یا حالات سے یا بوس ہو کر، اس جماعت کو زندہ دفن کر کے ”آنجنابی“ بلکہ ”مرحوم و مختور“ بنا دے! خیر یہ تو تقسیم ہند سے پہلے کی باتیں ہیں، پاکستان بننے کے بعد اس مردے میں پھر جان ڈالی گئی اور اس جماعت کے عجیب و غریب لیڈر کی ایک ہی پھونک میں:-

یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا! کہ برسوں کا مردہ کھڑا ہو گیا!

اب کی بار اس جماعت نے ”اسلام لیگ“ کا روپ دھار کر اور نیا چولا بدل کر وردیوں کو پہنا اور سیلچوں کو سنبھالا۔ اور ”چپ و راست“ کی صدائیں کانوں میں آئے لگیں! کئی سال تک یہ نام اور کام چلتا رہا۔ مگر چند مہینے ہوئے کہ ”اسلام لیگ“ کے لیڈر کو اتنی دُور کی سوجھی کہ اتنی دُور کی شاید ہی کسی کو سوجھی ہوگی! اس سوجھ بوجھ نے دُبیائے تمام اگلے پھلے ریکارڈ توڑ دیئے۔!

دن دہاڑے، کھلے خزانے، ڈنکے کی چوٹ، ”مسلم لیگ“ کے نام پر چھاپہ مار کر اور اس نام کو ہتھیار کر ”مرکزِ عالی“ سے فرمانِ واجب الاذعان صادر ہوا کہ۔ آج سے ماہِ دولت نے ”اسلام لیگ“ کا نام بدل کر ”مسلم لیگ“ رکھ دیا۔ ”آسمان پر تھگی لگاتا یا آسمان سے تلے توڑ لانا اور ہتھیلی پر برسوں جانا“ یہ ضرب المثل اور کہاوتیں اب تلکستی ہی سنی تھیں مگر ان کو پورا سیتے دیکھ بھی لیا۔ ”مسلم لیگ“ والے بیچارے تاؤ کھاتے ہیں اور بھٹتا رہے ہیں کہ کریں تو کیا کریں۔ ابھی تک تو اس کا توڑ ان کی سمجھ میں آ نہیں سکا۔!

یہ جو کچھ ہوا سو ہوا ہی، علامہ شرقی کے ذہنِ نادرہ کا رکتانہ ترین شاہکار یہ ہے کہ پاکستان کے صدر مسٹر سکندر مرزا (با نقابہ) کو وہ مشورہ دے رہے ہیں بلکہ نصیحت کر رہے ہیں کہ پاکستان میں کسی ایک سیاسی جماعت کو بھی باقی نہ رہنے دو۔ تمام جماعتوں کو توڑنا ڈکرا، اور ان کا تیا پانچہ کر کے ”کوس من الملکی“ بجاؤ اور ”جمہوریت“ کی ارتقی کا پوری طح کر یا کرم کر دو، کتنا صائب مشورہ ہے، اے جزاک اللہ! کیا چچی تلی رائے ہے، اے سبحان اللہ! بلائیں لینے اور واری ہو جلنے کو جی چاہتا ہے اس مشورے کے دینے والے کے۔ اس فکر و نظر اور دل و دماغ کے لوگ صدیوں میں جا کر کہیں پیدا ہوتے ہیں۔ اس سمجھ اور بدھی کا تھوڑا سا حصہ بس ”ماسٹر تارا سنگھ“ کو نہ جلنے کہاں سے ہاتھ آ گیا ہے۔ — ورنہ :-

ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را نہ دہند

علامہ اقبال نے مسلمان عورت کو نصیحت کی تھی کہ :-

بتوے باش و پنہاں شو ازین عصر ! کہ در آغوشِ شبیرے بگیری !

مگر پاکستان کی ”بیگمات“ نے اس نصیحت کو بالکل الٹ کر کے دکھا دیا۔ وہ کہتی ہیں کہ ہمیں تو ”گریٹا گاربو“ بن کر ”پنہاں“ نہیں ”آشکارا“ ہونا ہے۔ پوری جلوہ سامانیوں اور رنگ آبیوں کے ساتھ۔ اور اپنے آغوش میں ان نو پنہالوں کو پرورش کرنا ہے جو منگو کے افسانوں اور بلیبل چودھری کی ”سلیت“ کا موضوع بن سکیں! ہائے ساونت، جیلے اور سورما نوجوان اب میدانِ جہاد میں نہیں کرکٹ کے فیلڈ میں اپنے جوہر دکھا کر دیا سے اپنالو ہا منوائیں گے !

جو مردوان ”بیگمات“ کی تمناؤں کا ساتھ دے رہے ہیں، وہی خیر سے علامہ اقبال کے کلام اور پیام کے سب سے بڑے

آہ! منطلوم اقبال!

شیدائی اور فدائی ہیں!

چھاجوں مینہ پڑ رہا تھا، دھواں دھار بارش ہو رہی تھی۔ یعنی انگریزوں کی زبان میں ”بلی اور کتے برس رہے تھے“ مکان کے کرایہ دار نے مالک مکان سے شکایت کی کہ آپکا مکان بڑی طرح ٹپک رہا ہے اور اب تو مکان کی یہ حالت ہے کہ کمروں میں گھٹنوں گھٹنوں پانی کھڑا ہے، مجھ غریب کی مرغیاں ڈوبی جا رہی ہیں۔

مالک مکان نے اس پر قدرے جھنجھلا کر، مگر پوری سنجیدگی اور ذمہ داری کے ساتھ جواب دیا :-

”تو آپ مرغیاں کیوں نہیں پالتے!“

کالیستھ کا ایک لڑکا اپنے قصبہ سے باہر کسی دوسرے شہر میں فارسی تعلیم حاصل کرنے کیلئے گیا تھا، اس کے چند دن کے بعد

اپنے باپ کو خط لکھا، اس کے باپ کا نام تھا ”چھیدی لال“۔ پتہ کی عبارت تھی :-

”بخدمتِ قبلہ گاہی“ ”سوراخی سُرُخ“ !

ڈاک کیہ کالستھوں کے محلہ میں اس خط کو لئے گھوم رہا تھا۔ آخر ایک بوڑھے کالستھ نے اس معہ کو حل کیا کہ یہ اپنے

”چھیدی لال“ کے لڑکے کا خط ہے۔ !

ایک محفل میں شعر و سخن کا ذکر ہو رہا تھا۔ ایک صاحب نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ دریافت کیا :-

”بھائیو! یہ تو بتاؤ یہ فانی بدایونی کہاں کے رہنے والے تھے!“

ایک دولت مند آدمی کے یہاں قدیم مخطوطات کا ذخیرہ تھا۔ مہانوں کو قلمی کتابیں کھا رہے تھے، مصاحف کی باری آئی تو بولے :-

”یہ دیکھئے! یہ قرآن دو ہزار سال پہلے کا لکھا ہوا ہے۔“

فاران کا عظیم شان توحید نمبر

ماہ جون ۱۹۵۶ء

انٹرنیشنل

- جس سے غلط عقیدوں کی اصلاح ہوگی۔
- جو شرک و بدعت کے بتوں پر ضرب کاری لگائے گا۔
- جس سے علم و تحقیق کی ایمان افروز راہیں کھلیں گی۔
- اردو ادب میں ایک انقلابی اقدام اور مثالی نمونہ۔

لکھنے والے

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - مولانا مفتی محمد شفیع - مولانا قاری محمد طیب - مولانا امین احسن اصلاحی - مولانا ظفر احمد عثمانی -
مولانا ابوالحسن علی ندوی - مولانا محمد سمیع سلفی - مولانا محمد ناظم ندوی - مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی -
مولانا عبدالحمید ارشد - مولانا عامر عثمانی (مدیر تجلی) - مولانا محمد اسحاق سندیلوی - مولانا محمد اویس ندوی -
مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری - مولانا محمد مجیب اللہ ندوی - مولانا ابو منظور شیخ احمد - مولانا ابوالبیان حماد -
مختصرہ عطیہ خلیل عرب -

عربی کے سب سے بڑے انشاء پرداز

علامہ بشیر براہمی الجزائر نے اپنی علالت کے باوجود "توحید نمبر" کے لئے مقالہ تحریر فرمایا ہے۔ جس کے ترجمہ کا کام علامہ موصوف مولانا محمد عادل تندوسی کے سپرد فرمائے گئے ہیں۔
ان گرامر مقالوں کے علاوہ شاعروں کے نادر منظومات بھی ہوں گے اور ماہر القادری مدیر فاران کا "نقشہ ادل" بھی۔

ضخامت تین سو صفحات - سرورق رنگین و دکش - قیمت تین روپے (محصول ڈاک اکٹھا آنے)
مستقل خریداروں کو سالانہ چندہ (چھ روپے اکٹھا آنے) ہی میں یہ محرکہ آراء توحید نمبر دیا جائے گا
(اس میں رجسٹری کی فیس شامل ہے)

ہندوستان میں - منیجر دفتر "الحسنات" رام پور (یو پی)
دفتر "فاران" کیمبل اسٹریٹ، کراچی ۱

غلام علی

ایک اہم مکتوب

۸۔ رمضان المبارک لاہور۔

مکرمی و محترمی جناب ماہر صاحب - ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

مزاج گرامی! جنوری کے فاران "میں مولانا محمد اسماعیل صاحب کی کتاب پر آپ کا تبصرہ اور پھر مارچ میں ان کا مکتوب نگاہ سے گزرا۔ میرا ارادہ اسی وقت ہوا تھا کہ آپ کی خدمت میں ایک عریضہ ذرا مفصل ارسال کروں، مگر میں بیمار ہو کر دیہات چلا گیا اور اب رمضان میں واپس ہوا ہوں، تعجب ہے کہ مولانا مودودی نے ۲۲ سال قبل پرویز صاحب کے اس وقت کے خیالات کو سامنے رکھ کر جو بات کہی تھی، مولانا اسماعیل نے اسے بگاڑ کر اس انداز سے نقل کر دیا ہے، جس سے پڑھنے والا خواہ مخواہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ مولانا مودودی نے یہی بات کہی ہوگی اور آجکل کے پرویز کے متعلق کہی ہوگی۔ پرویز صاحب کے موجودہ مسلک کے بارے میں مولانا مودودی کی رائے ڈھکی چھپی نہیں ہے، زمانہ قریب میں اس کے اظہار کا نہیں بارہا اتفاق ہوا ہے، سمجھ میں نہ آسکا کہ ان تازہ آراء سے صرف نظر کر کے مولانا اسماعیل صاحب نے خاص طور پر ۱۹۵۷ء ہی کی رائے کو نقل کرنا کیوں ضروری خیال فرمایا۔ مزید تعجب اس امر پر ہے کہ جب اس کی جانب مولانا موصوف کو توجہ دلائی گئی تو فرماتے ہیں کہ "۱۹۵۷ء میں پرویز صاحب کے منکر حدیث نہ ہونے کا ثبوت کیا ہے اور جو تجزیہ ان کا مولانا مودودی نے کیا ہے اس کی ذمہ داری پرویز صاحب لیتے بھی ہیں یا نہیں؟"

مولانا اسماعیل صاحب مزید فرماتے ہیں کہ "مولانا مودودی کا یہ تجزیہ اگر درست ہے تو مضحکہ خیز جہالت ہے اور اسے گراہی نہ سمجھنا علم و دیانت کے ساتھ ذلیل ترین مذاق ہے؟ مولانا موصوف نے عالمانہ جلال میں جو انداز گفتگو اختیار فرمایا ہے۔ اس کے بارے میں توجہ جیسا عامی کیا لب کشائی کر سکتا ہے، البتہ نفسِ مسلک کے بارے میں ایک دو امور کی وضاحت میں ضروری خیال کرتا ہوں - !

آج سے ۲۰-۲۵ سال قبل پرویز صاحب ایک منکر حدیث کی حیثیت سے متعارف نہیں ہوئے تھے، اس زمانہ میں وہ دینی زبان اور مخصوص انداز میں متعلمانہ مضامین اور تفسیرانہ مراسلات لکھا کرتے تھے، اور وہ "ترجمان" کے علاوہ "معارف" اور بعض دوسرے دینی اور علمی جرائد میں بھی چھپا کرتے تھے، پرویز صاحب کے جس مسلک پر مولانا مودودی نے اظہار رائے کیا تھا - اس کا پس منظر یہ ہے کہ حافظ محمد اکرم جیرا چوری صاحب کی کتاب "تعلیمات قرآن" ۱۹۳۷ء میں چھپی تھی، جس میں بنیادی نقطہ نظریہ پیش کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کی رہنمائی اور صلاح کے لئے صرف قرآن کافی ہے، مولانا مودودی نے اسی وقت "ترجمان" میں اس پر مفصل تنقید کر کے اس کی خامیوں کو واضح کیا تھا۔ اور منصب رسالت اور اطاعت رسول کی دینی اہمیت کو بیان کیا تھا۔ اس تنقید پر پرویز صاحب نے ایک طویل مراسلہ مدیر "ترجمان" کے نام بھیجا تھا، جس میں انہوں نے بعض امور میں مدیر "ترجمان" سے اور بعض میں صاحب "تعلیمات" سے اختلاف ظاہر کیا تھا اور بعض پہلوؤں کی مزید وضاحت طلب کی تھی۔ اس مراسلہ کے جواب

میں مولانا مودودی نے وہ مضمون لکھا تھا جس کا اقتباس مولانا سمیع صاحب نے نقل کیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مولانا مودودی نے ۲۲ سال قبل جو رائے زنی کی تھی وہ بھی پرویز صاحب کے خاص اس مسلک کو نگاہ میں رکھ کر کی تھی جو انہوں نے اپنے مراسلہ میں ظاہر کیا تھا۔ ”تعلیمات قرآن“ پر تنقیدی مضمون، پرویز صاحب کا مراسلہ اور مدیر ترجمان“ کا جوابی مضمون، یہ سارا مواد آج بھی تقبیحات میں وہیں یکجا موجود ہے، جہاں سے مولانا سمیع نے اقتباس لیا ہے، میں پرویز صاحب کے مراسلہ کے چند جملے یہاں نقل کئے دیتا ہوں:-

”اگرچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حضور کے فیصلے بھی اس ذیل میں رکھے ہیں جو رسالت کی حیثیت لئے ہوئے نہ تھے (غالباً ان کی مراد وقتی فیصلوں سے ہوگی) اور صاحب ”تعلیمات“ نے بھی امارت کو جو رسالت سے الگ کیا ہے تو غالباً اسی بنا پر۔ لیکن میں تو حضور کے قضایا متعلقہ دین کو عین تبلیغ رسالت ہی میں سمجھتا ہوں اور واجب الاتباع..... جہاں تک بنی کریم کا تعلق ہے، امور دین میں حضور کی اطاعت کیا بحیثیت رسول اور کیا بحیثیت امیر قیامت تک کے لئے ہے۔ اس میں نہ اس وقت تک کسی کو نماز عت کا حق تھا، نہ آج ہو سکتا ہے..... پھر یہ بھی واضح رہے کہ ”خلیفہ ان کونسل“ کی حیثیت بھی حاضری قوانین کی نہیں ہوگی، بلکہ جہاں تک اصول قانون کا تعلق ہے وہ تو کتاب و سنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منضبط ہو چکے۔ اب ان اصول کو نافذ کرنا یا ان کی روشنی میں جزئی امور میں قواعد مرتب کرنا یہ اس مجلس کا فریضہ ہوگا..... آخر میں اتنا گزارش کرنا ضروری ہے کہ چونکہ میں نے اس میں آپ کو مخاطب کیا ہے، اس لئے وہی امور پیش کئے گئے ہیں جن میں مجھے آپ کے جواب کے بعد مزید اطمینان کی ضرورت نظر آئی۔ رہے وہ امور جن سے اتفاق ہے یا صاحب ”تعلیمات قرآن“ سے جن امور میں اختلاف ہے، انھیں دہرانا تحصیل حال سمجھا گیا ہے اور یہ گزارشات بھی محض بیطن قلبی ہیں“

دلوں کی حالت تو عظیم بدات الصدور ہی جان سکتا ہے۔ لیکن پرویز صاحب کے اقتباسات بالاکو پڑھ کر کیا آج یہ کہا جاسکتا ہے کہ بیس سال قبل کے پرویز اور آج کے پرویز میں سرے سے کوئی فرق ہی نہیں ہے، کیا اس وقت پرویز صاحب، عاقلاً جیرا چوری صاحب سے اپنے اختلاف کا صاف اظہار نہیں کر رہے تھے، حالانکہ آج پرویز صاحب اور ان کے ہمراہ جیرا چوری صاحب کو اپنا رئیس الطائفہ گردانتے ہیں۔ پرویز صاحب کے اس وقت کے بعض نظریات بھی یقیناً محل نظر تھے (خود مولانا مودودی صاحب نے ان کی غلطیوں کی نشان دہی اسی وقت کر دی تھی) لیکن کیا از روئے انصاف یہ کہا جاسکتا ہے کہ انکا حدیث کا جو شرح رنگ آج پرویز صاحب کی تحریروں میں موجود ہے، وہ اس وقت بھی موجود تھا؟ مولانا مودودی نے جو بات اس وقت پرویز صاحب کے بارے میں کہی تھی اسے تو خیر ”مضحکہ خیز جہالت“ اور ”علم و دیانت کے ساتھ ذلیل ترین مذاق“ قرار دے دیا گیا۔ لیکن علم و دیانت کے اقرار و توقیر کی آخر یہ کونسی اچھوتی قسم ہے کہ جس کی زد سے ہر غلط کار کو پیدائشی ضلالت اور مفصل ہی قرار دیا جائے۔ کیا پرویز صاحب کی موجودہ گمراہی اور بے راہ روی ثابت کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ انھیں مادر زاد منکر حدیث اور معاند سنت ثابت کیا جائے؟ واقعہ یہ ہے کہ پرویز صاحب، اور ان کے متبعین آج جس مقام پر ہیں، کل وہ اس سے کوسوں دور تھے۔ یہ حضرات اٹری چوٹی کا زور لگنا کر دو سرول کے تضادات کو ثابت کرتے پھر رہے ہیں۔ حالانکہ خود ان کے

حال کے آئینہ میں انہیں اپنے ماضی کی بہت سی تصویریں ایسی دکھائی جاسکتی ہیں، جنہیں دیکھ کر وہ دم بخود رہ جائیں مگر اتنا فالو وقت ہر شخص کے پاس کہاں ہے؟

مولانا اسماعیل صاحب نے یہ بات بھی خوب فرمائی ہے کہ جو تجزیہ پر وزیر صاحب کا مودودی صاحب نے کیا ہے معلوم نہیں پر وزیر صاحب اس کی ذمہ داری لیتے بھی ہیں یا نہیں؟ میں مولانا اسماعیل صاحب کے بآداب پوچھتا ہوں کہ شہداء کے تجزیہ کو آپ چھوڑیے، پر وزیر صاحب کے جو تجزیے آپ، مولانا مودودی اور دوسرے علماء کرام کے دن کرتے رہتے ہیں کیا ان کی ذمہ داری پر وزیر صاحب قبول فرماتے ہیں؟ وہ تو آج بھی باصلاح اور بتکرار یہ فرماتے ہیں کہ میں تو کتاب و سنت کا شیدائی ہوں اور انکارِ حدیث کا الزام مجھ پر ناروا بہتان ہے۔ میرے محترم! پر وزیر صاحب کی جانب سے تو وثیق و تسلیم کا سوال نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔ سوال صرف اتنا ہے کہ جو تجزیہ بھی کیا جائے وہ بجائے خود مبنی برانصاف و حقیقت ہے یا نہیں اور ہمارے اور پر وزیر صاحب کے علاوہ ایک تیسرا غیر جانبدار آدمی بھی اُسے صحیح اور منصفانہ قرار دے سکتا ہے یا نہیں؟

مولانا مودودی کے اقتباس کے بارے میں مولانا محمد اسماعیل صاحب نے یہ تو واضح کر دیا کہ کچھ کاتب کی غلطی ہے، کچھ مولانا مودودی کا مفہوم و خیال ہے، جسے اختصار اور ترجمانی کے بعد دوسرا الفاظ کا جامہ پہنایا گیا ہے (گویا کچھ سہو کتابت ہے، کچھ کلام مذبح ہے اور کچھ روایت بالمعنی ہے) لیکن ان سب "علل" کے جمع ہوجانے کے بعد مضمون جس طرح غتر بود اور مدعا جس طرح خط ہوا ہے، اُسے میں صرف ایک مثال سے واضح کئے دیتا ہوں، اور یہ مثال اس عبارت سے متعلق ہے جسے مولانا اسماعیل خود اصل اقتباس "قراردے کر اس کی ذمہ داری لے رہے ہیں۔ مولانا مودودی نے چکر الوبی اور جیرا چوبی گروپ سے پر وزیر صاحب کا تقابل کرنے ہوئے لکھا تھا کہ "ان کا ریعنی پر وزیر صاحب کا) مسلک مقدم الذکر دونوں گروہوں کی بہ نسبت حق سے بہت زیادہ قریب ہے" مولانا اسماعیل صاحب نے مقراضین اختصار کو حرکت میں لاتے ہوئے اس فقرہ کو یوں کر دیا۔ "ان کا مسلک حق سے بہت زیادہ قریب ہے" اور خط کشیدہ حصہ حذف کر دیا۔ کیا کوئی انصاف پسند انسان اس سے انکار کر سکتا ہے کہ دونوں فقروں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے میں کہوں کہ "سکھر کراچی کی بہ نسبت لاہور سے قریب تر ہے" اور کوئی شخص میرے قول کا خلاصہ یوں نقل کرے کہ "سکھر لاہور سے قریب تر ہے" ظاہر ہے کہ میری بات کی ایسی تلخیص سن کر ہر ذی فہم آدمی الجھن اور حیرت میں مبتلا ہو جائے گا۔

میں اپنی گزارشات ختم کرنے سے پہلے اتنا عرض کروں گا کہ اپنے مولانا اسماعیل صاحب کی کتاب کے جو اقتباسات نقل کئے ہیں، ان سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ یہ تالیف لطافت و نوادرسے بھی خالی نہیں۔ مثلاً صرف مولانا سید سلیمان مرحوم سے درگزر فرما کر عام نذولیوں کو در بشمول مصنف سیرت ابنی مولانا اسماعیلی، قریب قریب منکرین حدیث کی صف میں لاکھڑا کرنا ایک سنگین لطیفہ نہیں تو اور کیا ہے؟

ناوکے تیرے صید نہ چھوڑا زلمے میں!

مجھے جماعت اسلامی یا اہل ندادہ کی دکالت نہیں کرنا ہے مگر میں یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ منکرین حدیث یا حدیث کا اپنے انداز فکر سے استخفاف کرنے والوں کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی اور ندادہ والوں کو ایک ہی لکڑی سے ہانک کر "انکار حدیث" کے باڑے میں بند کرنے کی کوشش کا نتیجہ کہیں یہ تو نہ نکلے گا (کہ کچھ اہل حدیث حضرات کو چھوڑ کر) عامۃ المسلمین منکرین حدیث سے متوحش و متنفر ہونے کے بجائے ان سے اور زیادہ قریب اور مانوس ہونے لگیں گے اور منکرین حدیث بھی بجا طور پر یہ کہہ سکیں گے کہ ع

گر کافر است ایس، بخدا سخت کافر!

۱۰ یعنی ان کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ حضرت حدیث کے منکرین ہیں، لیکن ان کے انداز فکر سے حدیث کا استخفاف اور استحقار معلوم

ہماری نظر میں

کتاب الآثار مرتب کردہ ۱۔ حضرت امام محمد ابن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ۔ ترجمہ معہ فوائد :- ابو الفتح محمد صغیر الدین۔ ضخامت ۳۳۶ صفحات (مجلد، رنگین گردپوش کے ساتھ) قیمت آٹھ روپے۔

ملنے کا پتہ :- محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، مقابل مولوی مسافر خانہ - کراچی۔

یہ کتاب ان احادیث و آثار کا مجموعہ ہے جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے ان کے جلیل القادرتناگرد امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کئے ہیں۔ جن کی تعداد نو سو کے قریب ہے۔ یہ کتاب فقہ کے سینکڑوں مسائل پر مشتمل ہے۔ اصل حدیث یا اثر کے عربی متن کے محاذ میں اردو ترجمہ ہے۔ جس سے اردو جاننے والے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔!

فقہ حنفی کی یہ خصوصیت ہے کہ دینی مسائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ”آخری عمل“ کو زیادہ ترجیح بتایا گیا ہے، کوئی شک نہیں فقہ فی الدین میں امام ابو حنیفہؒ اپنی آپ نظیر تھے۔ اور حسن اتفاق سے ان کو شاگرد بھی ایسے ملے جن سے یہ انداز تفتہ اور نکھر گیا!

”کتاب الآثار“ میں کہیں کہیں بعض مسائل میں کھٹک بھی پیدا ہوئی مگر صرف دل کی ”کھٹک“ کی بنا پر ہم ان کو رد کرنے کی جسارت بجا نہیں کر سکتے۔ ہاں! ان کے مقابلہ میں زیادہ قوی حجت اور دلیل (حدیث و اثر سے) مل جائے تو پھر ان کو ترک کرنے میں ہم صرف اس لئے باک نہیں کریں گے کہ ہم فقہ حنفی پر عمل کرتے ہیں۔ ”تقلید“ میں شدت اور غلو مناسب نہیں۔ ہر چیز کو اسی کی حد میں رکھنا چاہیے!

اس کتاب پر ”مقدمہ“ مولانا عبدالرشید نعمانی نے لکھا ہے اور خوب لکھا ہے۔ فقہ حنفی کے موصوف پر خوش مبلغ اور قائل ہیں اور یہ جوہر ان کے اس مقدمہ میں جگہ جگہ جھلکتا ہے!

محمد سعید اینڈ سنز نے ”کتاب الآثار“ کا اردو ترجمہ چھاپ کر، دین کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اب رہے فقہی اختلافات، تو یہ رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، مگر یہ دین کی اصل نہیں ہیں۔ ان پر علمی گفتگو تو ہو سکتی ہے مگر نزاع برپا نہیں کرنی چاہیے۔ اور ”تقلید“ میں ”اطاعت“ کا رنگ پیدا نہ ہونے دینا چاہیے کہ دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی انسان کی اطاعت ”منصوص“ نہیں ہے۔!

از: مصلحت علی خاں۔ ضخامت ۷۷ صفحات ربر اسائن قیمت ایک روپیہ۔
ملنے کا پتہ :- مصنف سے (اسٹینڈرڈ ایکٹرک ہاؤس، مقابل

اسلام اور مسلمان - جلد اول، حصہ اول

میونسپل آفس کراچی -!

نواب صولت علی خاں رام پوری ایک خاموش فونی کارکن اور حق پسند و حق گو مسلمان کی حیثیت سے تو مخصوص حلقہ میں جانے پہچانے جلتے ہیں۔ مگر ان کی اس کتاب کو پڑھ کر پہلی بار اس کا علم ہوا کہ موصوف ایک مفکر اور صاحب نظر انشا پرداز بھی ہیں۔ اپنی اس تصنیف کے مقدمہ میں انہوں نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ اب تک جو تاریخیں لکھی گئی ہیں وہ "تاریخ اسلام" نہیں، بلکہ "تاریخ مسلمین" تھیں، وہ کہتے ہیں کہ "تاریخ اسلام" کا اصلی ماخذ قرآن مجید ہی ہو سکتا ہے! کتاب کے پہلے حصہ میں حقیقت عالم، ذات و صفات خالق، ربوبیت اور ارتقاء جیسے نازک اور بسیط مسائل سے فاضل مصنف نے بحث کی ہے، اور استدلال اور اظہار و بیان میں بڑی دقت نظر اور تعمق و فکر کا ثبوت دیا ہے۔ ڈارون کے نظریہ تنازع للبقا کی تو انہوں نے دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ انہوں نے وزنی دلیلوں کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ نظام کائنات "تنازع" سے نہیں بلکہ "توافق" سے چل رہا ہے!

"وحدت وجود" کے بارے میں ان کی یہ رائے ہے:-

"نظریہ وحدت وجود ذات بے کیفیت و کم کو کیفیت و کم میں تبدیل کر کے ممکن العلم اور قابل تمثیل بنانے کی ناکام کوشش کا دوسرا نام ہے۔ جو عباسی عہد میں عجمی فلسفوں کے ساتھ مسلمانوں میں رائج ہوا۔ اور جو اسلامی توحید بے کیفیت و کم سے بالکل مختلف چیز ہے، دراصل مسلمانوں میں اسلامی زندگی کے زوال کی ابتداء وحدت وجود کی ابتداء سے ہوئی اور اسلامی زندگی کے زوال کی انتہا ان مجلسوں پر ہوئی جن میں مسلمانوں کو اس طرح کے کلام پر وحید آنے لگا۔

خود زدی بانگ انا الحق خود سر دار آدمی -
خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گجل کوزہ -

فارغ از کبر و از حرص و ہوا من خدایم، من خدایم، من خدا (معاذ اللہ)
اس کتاب میں بعض قرآنی آیات کی تشریح سائنٹیفک انداز میں کی گئی ہے، اس لئے کہیں کہیں "تفسیر بالرائے" کا رنگ آ گیا ہے، بعض مقامات میں بھی بہت نازک! تخلیق عالم، ولادت آدم و حوا، جمادات، نباتات اور حیوانات کا تدریجی ارتقاء، یہ مسائل شرح و بیان میں آکر محقق غور ہو رہی جلتے ہیں۔ سلامتی قرآن کے دیئے ہوئے اجمالی علم و خبر ہی پر ایمان لانے میں ہے۔!

یہ بحوالہ "اسلام اور مسلمان" اہل فکر و نظر کو چونکا دینے والی کتاب ہے، فاضل مصنف کو "من صنف فتنہ استہدات" کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

جدید انشاء فارسی | مرتبہ :- پروفیسر اسرار احمد خاں (ایم اے) اور پروفیسر عبدالغفور خاں (ایم اے)
ضمانت ۱۲۸ صفحات قیمت ایک روپیہ چار آنہ - ملنے کا پتہ :- نفیس پبلیکیشن ۳ لوئر مال لاہور
یہ کتاب فارسی کی درمیانی جماعتوں (Intermediate Classes) کے لئے مرتب کی گئی ہے، اس میں رد کی سے لے کر سید محمد جمال زادہ تک کے حالات سلیس فارسی میں ملتے ہیں۔ اس لئے طلباء کے علاوہ فارسی سے ذوق رکھنے والوں کو اس کتاب کا مطالعہ معلومات آفریں ثابت ہوگا۔ اس کے بعد فارسی نثر کے اقتباسات دیئے

گئے ہیں اور آخر میں "ضرب الامثال" درج ہیں - جن کا رنگ یہ ہے :-

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا - عزیقے دست اندازد بہ کا ہے
 دو بلاؤں میں مرغی حرام :- دیگ شراکت بکوش نمی آید
 دھوبی کا کتنا گھر کا نہ گھاٹ کا :- ازیں جا ماندہ و ازاں جا راندہ
 جتنی چادر ہوتے پاؤں پھیلاؤ :- آب بقدر ظرف باید گرفت

مرتبہ :- اسعد گیلانی - ضخامت ۳۰ صفحات، کاغذ، کتاہبت اور طباعت ویدہ زیب -
 چودھری علی احمد خاں | مجلد، خوبصورت رنگین گردپوش کے ساتھ - قیمت چار روپے - ملنے کا پتہ :-

مکتبہ تعمیر انسانیت موجی دروازہ لاہور -

یہ کتاب چودھری علی احمد خاں مرحوم کے سوانح حیات اور ان کے دوستوں، عزیزوں اور قدر دانوں کے تاثرات پر مشتمل ہے، "شکرکت اجاب مرحوم" (لاہور) کی زیر نگرانی یہ کتاب مرتب ہوئی ہے، جس کے ارکان حسب ذیل ہیں :-
 اسعد گیلانی (لاہور) پر و فیصر عبد الحمید ایم اے (گوجرانولہ)، شیخ قمر الدین (لاہور) اور محمد صدیق الحسن گیلانی (راولپنڈی) - کتاب کی ترتیب :-

زکاہ اولیس - مقدمہ - سوانح - الم نامے - تحریریں - تاثرات - زکاہ واپس!

چودھری علی احمد خاں مرحوم بدنام ترین محکمہ پولیس کے ایک افسر تھے - مگر قبول حق کی صلاحیت ان میں موجود تھی، دین سے شغف پیدا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تو اچھی خاصی باعزت ملازمت چھوڑ کر، بہت ہی معمولی سے قصباتی ہوٹل بلکہ یوں کہیے نان بانی کی دکان کو روزگار کا ذریعہ بنالیا - ان کی زندگی میں اسلامی انقلاب سب سے زیادہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی کتابوں نے پیدا کیا، پھر وہ باضابطہ جماعت اسلامی میں شامل ہو گئے اور ایک مثالی کارکن بن کر کام کیا!

چودھری صاحب مرحوم نے جماعت اسلامی میں آنے کے بعد سچ پنج ایک مردِ حجاب کی طرح زندگی بسر کی - انتہائی صلاحیت ان میں تھی، تقریر و تحریر کا ملکہ اپنی ذاتی کوشش سے انہوں نے پیدا کر لیا تھا - مشقت اور سادہ زندگی کے وہ خوگر ہو گئے تھے، خدمتِ خلق کا یہ عالم کہ پنجاب میں جب سیلاب نے تباہی مچائی اور انہوں نے جماعت اسلامی کی زیر ہدایت سیلاب زدگان کی امداد کے لئے کام کرنا شروع کیا تو ان کے گھر سے خط آیا کہ تمہارا بچہ بلال احمد بیمار ہے - چودھری صاحب نے اس پر دل کڑا کر کے کہا :-

"یہاں سینکڑوں اور ہزاروں بلال احمد موت و حیات سے کشمکش کر رہے ہیں،

میں ان کو چھوڑ کر کیسے آؤں -"

اور بالآخر ان کے جگر کا ٹکڑا موت کی نذر ہو گیا!

چودھری علی احمد خاں کی دو بیویاں تھیں، مگر اس پر بھی ان کی حنائی زندگی بہت خوشگوار تھی - بیویوں کے درمیان وہ انصاف برتتے تھے، انہوں نے ذاتی مطالعہ کے ذریعہ اپنی استعداد و قابلیت کو علم کی اونچی سطح تک پہنچا دیا تھا، خدمتِ دین کے بعد ان کو سب سے زیادہ دل چسپی کتابوں سے تھی، اور یہ دل چسپی بھی دین ہی کے لئے تھی -

عذراہ اقبال کی شاعری کے دل و جان سے عاشق تھے۔ مگر ایک بحث میں اظہارِ حق سے بھی نہ چو کے۔ فرمایا:-

” اقبال کے پاس ایک جذبہ نقادہ اُس نے دیا، عمل اُس کے پاس تھا ہی نہیں وہ دیتا کہاں سے!“

جناب اسعد گیلانی نے یہ کتاب ترتیب دے کر دین و اخلاق اور علم و ادب کی بڑی خدمت انجام دی ہے، کتاب کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ کئی مقامات پر ہماری آنکھیں بے اختیار آنسوؤں میں بھیگ گئیں۔

(صفحہ ۲۹) ” وہ اپنی برادری کے دوسرے بچوں کی طرح اگرچہ بہت زیادہ چاک چوبند تھے“ ” چاق چوبند“ لکھتا چاہیے تھا گاؤں میں ”چاک“ آسودہ حال کے معنی میں ضرور بولتے ہیں۔ مثلاً ” فلاں کسان خوب چاک ہے“

(صفحہ ۵۳) ” بے نیل و مرام واپس ہوا“ ” واؤ“ کا استعمال قطعاً نادرست ہے۔ لکھے پڑھے لوگ ” بے نیل مرام“ بولتے اور لکھتے ہیں۔

(صفحہ ۱۷۶) ” کڑکتی دھوپ پڑ رہی تھی“ جاڑوں کی شدت کو ” کڑا کے کے جاڑے کہتے ہیں، تیز دھوپ کو ” چلیلائی دھوپ“ بولتے ہیں۔ (صفحہ ۲۶۸) ” اُس زمانہ میں مجھے یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔“ ” اُس زمانہ میں یہ بات میری سمجھ میں نہ آتی تھی۔“ لکھتا تھا۔!

کتاب اپنے موضوع پر خوب نہیں خوب تر ہے۔ اس کے پڑھنے کے بعد دل بول اٹھتا ہے کہ اس دور کے مسلمان کم سے کم ”چودھری علی احمد ہی بن جائیں تو اللہ کے دین کو غلبہ حاصل ہو سکتا ہے!“

از:- آغا شید اکاشمیری۔ ضخامت ۳۴ صفحات، مجلد رنگین گرد پوش کے ساتھ۔ قیمت تین روپے آٹھ آنہ۔

میزان شعر | ملنے کا پتہ :- عشرت پبلشنگ ہاؤس۔ لاہور

اس کتاب میں :-

نقش فریادی — دستِ صبا :- از - فیض احمد فیض -

تلخیوں — ... - ساحر لدھیانوی -

جلال و جمال ... - احمد ندیم قاسمی -

نشاطِ رفتہ ... - ڈاکٹر عندلیب شادانی -

پر تنقید کی گئی ہے۔ نیاز ستچوری کی ”مالہ و ماعلیہ“ کے بعد غالباً یہ دوسری کتاب ہے جس میں ناقد نے وضاحت سے بتایا ہے کہ فلاں شعر میں زبان، بیان اور معنی کا یہ نقص پایا جاتا ہے۔ مگر نیاز کی کتاب سے ”میزان شعر“ ہر اعتبار سے بلند اور وسیع ہے!

مگر پھر بھی اسے میرے معصوم تامل تمہیں پیار کرتی ہیں میری دعائیں (۲۶)

اس شعر پر صرف یہ اعتراض وارد کیا گیا ہے:-

” دوسرے مصرعہ میں تمہیں کے بجائے ”تجھے چاہیے تھا۔“ ” تجھے“ اس اعتبار سے

غلط تھا کہ ساری نظم میں مجوب کو لفظ ”تم“ سے خطاب کیا ہے۔“

اعتراض بالکل درست ہے، شعر میں واقعی شتر گر بگی پائی جاتی ہے۔ مگر اس طرف فاضل ناقد کی نگاہ نہیں گئی کہ

”دعاؤں کا پیار کرنا“ بھی تو ایک عجیب سی بات ہے!

ناقد نے فیض کے اس شعر کی ۱۔

اپنی نظریں بکھیر دے ساقی مے بہ اندازہ شمار نہیں (ص ۲۸)
تعریف کی ہے کہ ”یہ شعر مجھے بے حد پسند ہے۔“ اُن کی اس پسندیدگی پر حیرت ہے! کیونکہ اس شعر میں مصرعہ ثانی ہی
جاندار ہے۔ اور اس کا سارا کریڈٹ غالب کے اس مشہور مصرعہ :-

نثر بہ اندازہ شمار نہیں ہے!

کو جاتا ہے۔ مصرعہ اولیٰ میں ”نظریں بکھیرنا“ محل غور ہے۔ شعر کے تیور اس قسم کے ہیں کہ ساقی کی زلفوں کی طرح
”نظریں بکھیرنے“ کی التجا کی جا رہی ہے!

موت اپنی نہ عمل اپنا نہ جینا اپنا لکھو گیا سورش گیتی میں قرینہ اپنا (ص ۲۶)
اس شعر پر ناقد نے جو اعتراض وارد کیا ہے کہ ”عمل اپنا“ زبردستی کی ٹھونس ٹھانس ہے۔ درست ہے۔ مگر
مصرعہ اولیٰ میں ”قرینہ کا کھوجانا“ بھی تو مہمل ہے!

چشم میگوں ذرا ادھر کر دے دستِ قدرت کو بے اثر کر دے (ص ۵۷)
”سامنے کی بات ہے، بیان میں کوئی ندرت نہیں۔“ تنقید درست ہے۔ مگر یہ بھی تو کہیے کہ مصرعہ ثانی کو مصرعہ
اولیٰ سے آخر ربط کیا ہے؟ اور محبوب نے یا ساقی نے چشم میگوں کا رخ عاشق یا میخوار کی طرف کر بھی دیا تو اس سے
”دستِ قدرت“ آخر بے اثر کیوں ہو جائے گا؟

فیض کی نظم ”رقیب“ (صفحہ ۵۵-۵۶) کی فاضل ناقد نے بہت تعریف کی ہے۔ اس نظم کے چند مصرعے تو ضرور اچھے
ہیں مگر مجموعی طور پر یہ نظم تخرین کیا تو جسہ کی بھی مستحق نہیں۔

کارواں گزرے ہیں جن سے اسی رعنائی کے جس کی ان آنکھوں نے بے سود عبادت کی ہے

”آنکھوں کی عبادت کرنے کا“ اس شعر میں آخر کیا قرینہ پایا جاتا ہے؟

تجھ پہ اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گزار دی ہم نے

”تجھ پہ اٹھی ہیں“ اس میں کوئی لطف نہیں۔ اور شعر میں سارا کھیل لفظوں کے دردِ لبست اور لطفِ بیان ہی کا ہے!

یاس و حرمان کے دکھ درد کے معنی سیکھے!

”حرمان“ میں ”واؤ عطف“ کے بعد اعلان ”نوں“ وجدان پر یہاں گراں گزرتا ہے!

اس نظم کے یہ دو شعر :-

بیکہی بکتا ہے بازار میں مزدور کا گوشت شاہ راہوں پہ غریبوں کا لہو بہتا ہے!

یا کوئی تو ند کا بڑھتا ہوا سیلاب لئے فاقہ مستوں کو ڈبوں کے لئے کہتا ہے!

تو اتنے گھٹیا درجہ کے ہیں کہ کوئی شاعر سونے میں بھی ایسے پست شعر نہیں کہہ سکتا۔ یہی باتیں شعر میں قرینہ اور
سلیقہ ت کہی جاسکتی تھیں!

خوش ہوں فراقِ قامت و رخسارِ یاسے سرو و گل و سمن سے نظر کو ستائیں ہم (ص ۶)

”سرو و گل و سمن سے نظر کو ستائیں ہم“ یہ آخر بات کیا ہوئی؟ ناقد نے شعر کے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا!

شب کی رگ رگ سے لہو پھوٹ رہا ہو جیسے
دونوں عالم کا نشہ ٹوٹ رہا ہو جیسے (۲۵)

تیرگی ہے کہ اُمنڈتی ہی چلی آتی ہے
چل رہی ہے کچھ اس انداز سے نبض ہستی
جناب شہد اکاشمیری کی اس پر تنقید ملاحظہ ہو:-

”تیرگی کے بعد ہے“ حشو ہے، تیسرے مصرعہ میں ”انداز“ کا الف تقطیع میں گرتا ہے۔ چوتھے مصرعہ میں ”نشہ“
بے تشدید شین باندھا گیا ہے، حالانکہ ”ش“ مشدّد ہے۔
حالانکہ ”اس انداز“ میں ”الف“ تقطیع سے نہیں گرتا ہے ”الف“ کا اس طرح ادغام عروض کی رُو سے بالکل جائز
ہے۔ غالب کا شعر ہے:-

ہر اب اس معمورہ میں قحطِ غمِ الفت آسہ

ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھاؤں گے کیا

”اب اس“ اور ”اس انداز“ دونوں میں ”الف“ ایک ہی طرح استعمال ہوا ہے۔ تقطیع میں ”اب اس“ اور ”سنداز“
آئے گا، جو درست ہے، جائز ہے اور شاعروں کے معمول میں داخل ہے۔ ”نشہ“ کا ”ش“ بے شک مشدّد ہے مگر
اُردو میں ”نشہ“ کو تشدید کے بغیر بولتے ہیں۔ اس لئے جس طرح بولتے ہیں، اسی طرح شعر میں نظم بھی کر سکتے ہیں۔ اقبال کا شعر ہے:-
نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
نرہ نوجب ہے کہ گرتوں کو تمام لے ساقی!
نہ جلنے کس کا شعر ہے مگر بچپن میں سنا تھا، ہے کسی پُرانے استاد کا۔ اس کا ایک مصرعہ یاد رہ گیا ہے:-
یارو! مجھے معاف کرو میں نشہ میں تھا!

”نشہ“ کا بغیر تشدید کے شعر میں استعمال نطق و سماعت اور وجدان کو ذرا بھی ناگوار نہیں گزرتا۔ عربی میں ”مضطر“ کی
”ر“ مشدّد ہے مگر اُردو شاعری میں اور عام بول چال میں بغیر تشدید کے ”س“ کا رواج اور چلن ہے!
فیض کے پہلے شعر میں جو معنوی نقص ہے، اس پر گرفت کرنی بھتی اور وہ ہی رہ گئی۔ ”شب کی رگ رگ سے لہو پھوٹنے“
اور ”تیرگی کے اُمنڈتے چلنے“ میں آخر کیا ربط ہے! اور رات کی رگ رگ سے اگر لہو پھوٹ رہا بھی ہو تو لہو کی سرخی سے
تیرگی میں اضافہ نہیں ہوگا بلکہ کمی واقع ہوگی!

گیت بنتا رہوں، بیٹھا رہوں تیری خاطر!

”جال بنتا، سوئیٹر بنتا، ازار بند بنتا تو سنا تھا۔ گیت بنتا نہیں سنا تھا“

اس قسم کی ”طنزوں“ میں ہے تو مزاح کا رنگ، مگر ان میں واقفیت اور صداقت بھی پائی جاتی ہے! آخر لغو قسم کی تشبیہوں
اور استعاروں پر کوئی کہاں تک سنجیدگی کو باقی رکھے!

وہ دُور بادلوں کے ایوانِ مرمر میں اک ساقی دل آرا سا غزلِ اربابے (۲۰۹)

احمد ندیم قاسمی کے اس شعر پر شیدا صاحب کی تنقید کتنی پر لطف ہے:-

”معلوم ہوتا ہے کہ ساقی کو نامی میں بیٹھانے کا شوق تھا۔ لہذا ساغر جو نہی ہاتھ آیا

وہ سمجھا بیٹھ آیا اور اُس نے لڑانا شروع کر دیا۔ کس سے لڑانا شروع کر دیا؟ یہ

اُلٹ سوال رہنے دیجئے“

کتاب اپنے موضوع پر خوب ہے، نوجوان شاعر اس کتاب کے مطالعہ سے فائدہ اٹھا کر، ناروا جہتوں اور اظہارِ وہی

کی لغزشوں سے بچ سکتے ہیں۔ افسوس ہی کہ صرف پروپیگنڈے نے بعض "شاعروں" کو وہ مقام دے رکھا ہے جس کے وہ کسی طرح مستحق نہیں ہیں مگر اس غبار کو آخر ایک دن چھٹتا ہوگا اور اس غبار کے چھٹتے ہی لوگ دیکھ لیں گے اس منزل میں جن کو "شہسوار" بنا دیا گیا تھا وہ دراصل "پیادے" ہیں۔!

سالگرہ نمبر نئی نسلیں | مرتبہ ۱۔ م، نسیم اور طیب عثمانی۔ صفحات دو سو صفحات (سرورق رنگین) قیمت ایک روپیہ۔ سالانہ چندہ تین روپے۔ ملنے کا پتہ ۱۔ دفتر "نئی نسلیں" کاشانہ، یحییٰ گنج لکھنؤ

ماہنامہ "نئی نسلیں" تین سال سے تعمیری و پاکیزہ ادب پیش کر رہا ہے۔ اور اپنے طرز کا یہ منفرد اور مدت از مجلد ہے۔ اب اس کا سالگرہ نمبر آب و تاب کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے۔ جس کے علمی مقالے، تنقیدی مضامین، افسانے، غزلیں اور نظمیں، سب کی سب با مقصد ہیں۔ جاندار ہیں اور پاکیزہ ہیں۔ اس شمارے کے مرتبین نے پرچہ کی ترتیب و تزئین میں بڑی خوش ذوقی اور پاکیزہ مزاجی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ سالگرہ نمبر عوام کے "فلم زدہ مذاق" کو اعتدال پر لانے کی ایک ایسی مہمت کو شش ہے، جس کے اثرات انشاء اللہ ظاہر ہو کر رہیں گے۔!

"نئی نسلیں" اپنے نام کی خصوصیات کا مظہر ہے۔ اس کے سالگرہ نمبر کے مطالعہ سے نہ جانے کتنے شاعروں، ادیبوں اور افسانہ نگاروں کے فکر نظر اور دل و دماغ کی اصلاح ہوگی۔ ملت اسلامیہ کی نئی پود کے لئے تو یہ "سالگرہ نمبر" تربیت کا فرض انجام دے گا۔!

نظموں میں بعض سطحی نظمیں بھی شامل ہو گئی ہیں۔ "اسلامی ادب" کو دوسری تعمیری خصوصیتوں کے علاوہ، شعریت اور ادبیت کے لحاظ سے بھی جنت نگاہ اور فردوس گوش ہونا چاہیے۔ اسلامی ادیبوں اور شاعروں کو اس طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے!

"سالگرہ نمبر نئی نسلیں" اس کا مستحق ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ پھیلا یا جائے۔ یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوتی ہے کہ نظام حق کے داعی ہر محاذ پر باطل کا مہم تارہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت ان کی رفاقت فرمائے! (آمین)

سالنامہ سائنس | نگران :- پروفیسر محمد سعید الدین پرنسپل، مشیر ڈاکٹر سید محمد حسن محشر عابدی۔ چیف ایڈیٹر احمد علی حنا تنویر، ایڈیٹر مظفر فاروقی۔ جاسٹ ایڈیٹر محمودہ بیگم۔ صفحات ۱۸۰

ملنے کا پتہ :- سائنس کالج عثمانیہ یونیورسٹی۔ چنبر آباد دکن (بھارت) طلباء عثمانیہ یونیورسٹی سائنس کالج کے سائنسی و ادبی میگزین "سائنس" کا سالنامہ بڑی آب و تاب سے منظر عام پر آیا ہے۔ جس میں سائنس پر معلومات آفریں مضامین ہیں، افسانے ہیں۔ غزلیں، نظمیں اور تنقیدی مقالے ہیں۔ یہ رسالہ ترتیب و تنوع کے اعتبار سے مرتبین کی خوش ذوقی کا زندہ ثبوت ہے۔ دل و دماغ اور عقل و عشق کی تفریح و آسودگی کے لئے اس سالنامہ میں کافی ساز و سامان مہیا کیا گیا ہے۔ اہل نظر اور تماشائی دونوں اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے کچھ ہلکی چیزیں بھی اس میں شامل کی گئی ہیں۔

تصاویر متعدد ہیں۔ لکھائی، چھپائی اور کاغذ خوب ہے۔ اس سالنامہ کا ایک ایک صفحہ اردو زبان کی جامعیت، ہمہ گیری اور اس کی مقبولیت کا اعلان کر رہا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان میں جہاں بھی

اُردو زبان کے ساتھ ناصافی کی جارہی ہے، وہ علم و دانش کی بہت بڑی ٹریجڈی ہے! مگر:-

کیا مٹائے گا کوئی اس کو مٹانے والا!!

دل میں آنکھوں میں، خیالوں میں نہاں ہے اُردو

از:- محمد اعظم (عثمانیہ) قیمت آٹھ آنہ۔

بھارت الیکشن اور مسلمان

ملنے کا پتہ:- مکتبہ نشاۃ ثانیہ معظم جاسی مارکیٹ - حیدرآباد دکن -

اس کتابچہ میں وضاحت کے ساتھ اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ بھارت کے مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا دین اور دنیا کسی اعتبار سے بھی مفید نہیں ہے۔ اور مسلمان بھارت کی کسی سیاسی پارٹی کے غاشیہ بردار بن کر فائدے میں نہیں رہ سکتے۔ کہ اس طرح وہ پانی میں نمک کی طرح گھل کر رہ جائیں گے!

اللہ کا خوف جس دل میں ہو، وہ کسی طاقت سے مرعوب نہیں ہوتا۔ اور انتہائی ناسازگار حالات میں بھی حق کا اعلان کرتا ہے کہ - ع

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی!

اور جب دل مصلحت شناس ہو جائے تو پھر کتاب و سنت اور ارشاد و تصرف کے مدعی ایسی کمزوری کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ کہ جیسے یہ سخت مایوسی اور احساس کمتری کا شکار ہیں۔ اور اب غیروں ہی کے سہارے پر زندہ رہنا چاہتے ہیں۔!

یہ کتابچہ جرات مندانہ تنقید کا قابل قدر نمونہ ہے۔ جس پر مصنف اور ناشر مبارکباد کے مستحق ہیں!

مرتبہ:- علی احمد زاہد جبل پوری۔ ضخامت ۲۴ صفحات (مفت مل سکتی ہے)

تحفہ گیارھویں

ملنے کا پتہ:- معرفت ڈاکٹر احسان الہی علوی، ڈینیٹل سرجن، آرام باغ روڈ - کراچی۔

کتاب کے شروع میں حضرت سیدنا شیخ عبد الفتاح درجیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے مختصر حالات ہیں۔ اس کے بعد قرآنی آیتوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی نذر حرام ہے۔ پھر فقہ حنفیہ کی معتبر کتابوں کے حوالے درج ہیں:-

(۱) جو نذریں اموات کے واسطے ہوں اور از روئے تقرب کے وہ باطل اور حرام ہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری - در مختار)

(۲) نذر عبادت ہے اور مخلوق عبادت کے لائق نہیں۔ اگر نذر ماننے والے کا یہ خیال ہو کہ میت کو اختیار

حاصل ہیں تو یہ عقیدہ صریحاً کفر ہے (بحر الرائق)

اس کتابچہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ عبد الفتاح درجیلانی قدس سرہ تو حید و سنت کے مبلغ اعظم اور مشرک و بدعت کے مٹانے والے تھے۔ ان کے ماننے والے جو حضرت شیخ کے نام کی دہائی دیتے اور ان کی گیارھویں کہتے ہیں، یہ کتاب و سنت کے اور خود حضرت شیخ کے مسلک اور تعلیم کے خلاف ہے!

جناب علی احمد زاہد جبل پوری کا دوسرا رسالہ "ماہ صفر المنظر کے آخری بدھ" کے رد میں ہے کہ اس کی کوئی اصل

نہیں ہے! یہ رسالہ بھی مصنف سے مفت مل سکتا ہے۔!

یہ رسالہ شعبہ تبلیغ محمدی مسجد، آرٹیلری میدان ایم اے، کراچی ۱ سے مل سکتا ہے۔ اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ

میلاد محمدی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس حالات کا ذکر اور نعت و مناقب کا بیان کرنا تو بہت بڑی سعادت کا موجب ہے۔ مگر مسلمانوں میں ”میلاد“ کی جو رسم چل پڑی ہے اس کی کوئی اصل اور سند نہیں ہے۔ یہ ”میلاد“ سب سے پہلے ۱۷ھ ہجری میں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ سو سال بعد ایک مجہول شخص عمر بن محمد نے ایجاد کیا تھا۔

یہ رسالہ بھی شعبہ تبلیغ اے ایم اے کراچی نے شائع کیا ہے، جس میں اہل حدیث کے مذہب کے

اہل حدیث کا مذہب

بنیادی عقائد بیان کئے گئے ہیں۔ جن کے پڑھنے سے ان غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا ہے جو عوام میں اہل حدیث (رواہیوں) کے بلے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ بلکہ اہل بدعت کی طرف سے پھیلائی گئی ہیں۔

اس منشور کے بعد جو ”نظم“ درج ہے وہ بالکل بے جوڑ ہے!

مسائل قربانی | مولفہ۔ حکیم شمس الدین احمد قریشی۔ ضخامت ۱۶ صفحات۔ قیمت دو آنے۔

ملنے کا پتہ:- دارالاشاعت والتبلیغ، ٹیکسٹ بک

اس کتابچہ میں قرآنی آیات اور احادیث سے ”قربانی کے جواز کو ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ مسٹر پرویز نے اس مسئلہ میں کیسی کیسی غلط بیانیوں اور فریب کاریوں سے کام لیا ہے۔

۱۰ صفحہ اپر ”والعبث“ کتابت کی غلطی کے سبب ”والبعث“ چھپ گیا!

گرائڈر مقالوں، نظموں، غزلوں، افسانوں۔

اور ڈراموں کے علاوہ

- حضرت شفیق جونپوری اور مولانا عامر عثمانی کے صدارتی خطبات۔
- مولانا عبد الماجد دریا بادی اور پروینر ضیاء احمد بدایونی کے پیغامات۔

• ابن فرید صدیقی صدر ادارہ ادب اسلامی ہند کا لکھنؤ کا نفرنس سے متعلق رپورٹ تاثر۔

• مختلف عنوانات پر تین نشستوں کے مذاکرے اور مباحثوں کا تفصیلی متن۔

• ”اڈین“ میں منعقد ہونے والے خصوصی سیمپوزیم ”اسلامی ادب کیا ہے؟“ کی رپورٹ۔

قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

ملنے کا پتہ :- دفتر ماہنامہ معیار، شاہ پریگیٹ میرٹھ

پاکستانی خریدار اپنی رقم مندرجہ ذیل پتہ پر بھیج کر دفتر معیار کو مطلع فرمائیں:-

احمد نور صاحب - فیملی لائن - جیکب آباد (مغربی پاکستان)

بھارت کے اسلامی ادیبوں کی جدوجہد کا اندازہ کرنے کیلئے

ماہنامہ معیار میرٹھ کے

لکھنؤ کا نفرنس نمبر

کا مطالعہ کیجئے

یہ خاص نمبر اس عظیم الشان ادبی کانفرنس کا مرتب ہوگا جس میں لکھنؤ - دہلی، حیدرآباد - رام پور - اعظم گڑھ -

علی گڑھ - میرٹھ - جونپور - ٹانڈہ - بنارس، الہ آباد -

جھانسی - دیوبند، فیروز آباد اور ہندوستان کے

دیگر مقامات سے آنے والے ادیبوں اور شاعروں نے حصہ لیا۔

ایک وزنی، اہم اور تاریخی لفظ.....

کیوں

ایک سیرپ کے ٹہنی سے گرتے پر نیون (NEWTON) نے اسے استعمال کیا۔

★ تو دنیائے علوم میں تہلکہ مچا دینے والی — کشش اتصال — کی دریافت کا باعث ہوا۔

جب بھاپ نے دیگی کے ڈھکنے کو اٹھایا تو اسٹیفن (STEPHON) نے بھی یہی لفظ استعمال کیا۔

تو دنیائی سب سے بڑی طاقت — اسٹیم (STEAM) بھاپ — کی طاقت کے دریافت کا سبب بنا۔

اور آج ہم بھی یہی لفظ دہرتے ہیں

کیوں

آپ باوقار تنظیم "کراچی کی سیل پرائفٹ شیئرنگ اسکیم میں حصہ لیں۔
اس لئے کہ:-

● یہ اسکیم "شرکت لفع و نقصان" کے معروف کاروباری اصولوں پر مبنی ہے جو عام کیٹیوں کے برعکس "طلوع آزمائی"، "لاٹری" یا "جوئے" سے قطعاً پاک ہے اور اس میں کوئی عنصر غیر اسلامی نہیں ہے!

● اس اسکیم میں آپ پانچ روپے ماہانہ بچاتے ہوئے مقررہ مدت میں پانچ سو روپے کی کثیر آمدنی رقم ایک دفعہ ضرور استعمال کرتے ہیں۔

● اس کے علاوہ آپ کو وہ بونس بھی ملتا ہے جو کمپنی ہذا اپنے منافع سے اس اسکیم میں باقاعدگی سے حصہ لینے والے نمبروں کے درمیان تقسیم کرتی ہے۔

● اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ کا ادا کیا ہوا ادائیگی کسی حالت میں ضبط نہیں ہوتا خواہ آپ نے ایک ہی قسط ادا کی ہو۔

● اشد مجبوری یا ناگزیر حالات میں آپ کا ادا کیا ہوا ادائیگی پورے کا پورا یکمشت واپس بھی کیا جاسکتا ہے۔

● بوقت ضرورت آپ اپنے ادا کئے ہوئے روپے پر قرض حسنہ بھی لے سکتے ہیں۔

● اگر آپ چاہیں تو اپنے حقوق مجبری کسی دوسرے شخص کے نام منتقل کر کے اس سے اپنا ادا کیا ہوا ادائیگی وصول کر سکتے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ — آپ ایک ایسی تنظیم کیساتھ تعاون کرتے ہیں جو اقتصادی اور معاشی میدان میں اسلامی اصولوں کو فروغ دینے

کے لئے باطل کے نظام معیشت سے برسرِ بیکاری، کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ جہاں ہم تمدنی زندگی کے تمام دوسرے شعبوں کو اسلام کے تصورِ حیات کے

مطابق ڈھلنے کی سرٹوٹ کو شمش کر رہے ہیں وہاں اپنے تجارتی، صنعتی اور معاشی نظام کو بھی سودی لین دین، لاٹری، جوئے اور طلوع آزمائی کی مذہم

لعنتوں سے حتیٰ الوسع پاک کرنے کی کوشش کریں — "باوقار تنظیم" — اس سلسلہ میں ہمارا پہلا قدم ہے، آئیے، آپ بھی

اس اسکیم میں شامل ہو کر اور ہمارے ساتھ شانہ بشانہ چل کر اس پاکیزہ جدوجہد اور اس نیک مقصد میں ہمارا ہاتھ بٹائیے۔

تفصیلات مندرجہ ذیل پتے سے حاصل کیجئے:-

باوقار کمپنی لمیٹڈ، بندر روڈ، کراچی۔

ماہنامہ

”تجدیدِ عہد“

لاہور کا

دینِ اسلام کا

مئی ۱۹۵۷ء

میں شائع

کیا جائیگا

قانون ربوبیت نذر

چونکہ ہم کو قرآن عزیز سے یہ برکت اور سعادت نصیب ہوئی ہے کہ ہم بفضلِ خدا ماہنامہ تجدیدِ عہد کا دینِ اسلام کا ”قانونِ ربوبیت نذر“ شائع کر کے دینا کو اور بالخصوص مسلمانوں کو مدت کا ایک بھولا ہوا سبق یاد دلائیں گے آج دینا کے جو ترقی پسند ملک اپنے طور پر جن اقتصادی مسائل سے مسلمانوں کو مرعوب کر رہے ہیں، ہم انہیں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ دینِ اسلام خود اپنے میں ایک جامع اور مکمل اقتصادی نظام رکھتا ہے۔ لیکن مسلمانوں نے اس پر عمل نہ کر کے غیروں کی محتاجی اختیار کی۔ کیونکہ مسلمان اسلام کے اولین دور میں ہی فرستہ بندیوں اور ملکیت اور شہنشاہیت پرستیوں کا شکار ہو گئے۔ قرآن عزیز کے قانونِ ربوبیت پر نہ چل سکے اور نہ چلنے کی کوشش کی۔ جو صاحبِ سالانہ چندہ مبلغ چار روپے بذریعہ سنی آرڈر پیشگی روانہ کر دیں گے، انہیں یہ نمبر بھی خریداری کے حساب میں روانہ کیا جائے گا۔

قیمت فی کاپی ایک روپیہ۔ سالانہ چندہ چار روپے

مینجر ماہنامہ ”تجدیدِ عہد“ وطن بلڈنگ سرکلر روڈ۔ لاہور

”تہذیبِ ادب“

کا

افسانہ نذر

جولائی کے پہلے ہفتے میں شائع ہو رہا ہے

جس میں ہندو پاک کے چوٹی کے افسانہ نگار حصہ لے رہے ہیں۔ یہ نمبر اپنی بعض خصوصیات کی بناء پر مثالی ہوگا اور خریداروں کو مفت دیا جائے گا۔ امید ہے کہ ایجنٹ اور شہرین حضرات بھی اس موقع سے فائدہ اٹھائیں گے

...

انسانہ نمبر کی ایک جھلک

- نقش و نگار - ایم اسلم
- کھٹ بنا - کوثر چاند پوری
- رات کی بات - اختر بلج آبادی
- جو تک - محمد مجید صدیقی
- بیگم گلبدن - نینا کاش
- زوبی - وحید نسیم
- کھیل اور کھیلنے - اختر جہاں
- آگ لگ جائے - شفیق بانو
- نوحہ عم - ظہیر بدر
- رکشنی انڈھیرے - ریاض ثالوی
- دو ماہندی - یونس جاوید
- بھینٹ - نصیر کوٹی

متوقع لکھنے والے

- قیس رام پوری
- احمد ندیم قاسمی
- شوکت کھاناوی
- رئیس احمد جعفری
- رشید اختر ندوی
- ہاجرہ مسرور
- احسان دانش (منظوم افسانہ)
- محمد وارث کمال
- ادریس احمد
- وغیرہ

مینجر تہذیب و ادب - ۱۹ چیمبر لین روڈ - لاہور

حبِ فضلی

کشتہ فولاد۔ سلاجیت اور دیگر مقدوی مفرح اجزاؤں کا مرکب ہے
جسمانی و دماغی کمزوری، پٹھوں کو تقویت، گردہ مثانہ کی کمزوری
احتلام۔ جربان، اخراج فاسفیٹ اور ذیابیطس شکر کی کیلئے اکیسیر

ہر عمر اور ہر موسم میں یکساں مفید ہے
قیمت دو روپے آٹھ آنہ صرف۔ محصول ڈاک ۱۲/۱۲
تیار کردہ :- ہندی دواخانہ یونانی۔ قصور

جو پیدائشی اندھے پن کے سوا آنکھوں کے جملہ امراض دھند،
غبار، جالا، سُرخنی، ضعف بصارت اور پانی کا گرنا وغیرہ
کے لئے اکیسیر مانا گیا ہے۔ آنکھ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت
ہے جس کی حفاظت ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔
قیمت آٹھ آنہ فی شیشی۔ محصول ڈاک ۱۲/۱۲

آنکھوں کی تمام بیماریوں کے لئے مایہ ناز ایجاد
یہ نسخہ خاص حکیم مولوی احمد دین صاحب مرحوم

سرمدہ، اپلہ ممیرا درجہ ۱^ط

تیار کردہ :- ہندی دواخانہ یونانی۔ قصور

البلاغ کاغذ نمبر

ماہنامہ "البلاغ" دینی، تعلیمی اور حج سے متعلق معلوماتی رسالہ ہے۔ تین سال سے یہ رسالہ محض خدمت کے
جذبہ سے مسلسل جاری ہے اور "البلاغ" پہلے سال "تعلیمی نمبر" اور دوسرے سال "ملک سعودی نمبر" شائع کر کے ملک
و قوم سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے۔ اب ادارہ نے آئندہ شوال میں "حج نمبر" شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے
مشروع ہی سے دینی، تعلیمی، علمی اور معلوماتی مضامین کے ساتھ حج کی اہمیت اور حج کے مقاصد کو عام کرنا اس
رسالہ کا مقصد رہا ہے۔ ماہنامہ "البلاغ" تین سال سے ہزاروں حاجیوں کی رہبری کرتا رہا ہے۔ اس شائع
ہونے والے خصوصی نمبر کی افادیت کا صحیح اندازہ تو اسی وقت ہوگا جب یہ رسالہ آپ کے ہاتھ میں پہنچے گا۔ حج کے راستہ
کے ماہرین اس خصوصی نمبر کو بہتر اور مفید تر بنانے کے لئے لگے ہوئے ہیں۔ خریدار حضرات کی خدمت میں یہ رسالہ بلا قیمت
بھیج دیا جائیگا۔ سالانہ چندہ پانچ روپے ہے۔ مسلمان رسالہ کے خریدار بن کر اس دینی رسالہ کی سرپرستی فرمائیں۔

البلاغ کے خصوصی نمبر میں اشتہار دینا تجارت کو فروغ دینے کا بہترین ذریعہ ہے۔
مدیر ماہنامہ "البلاغ" صابو صدیق مسافر خانہ، کرناک روڈ۔ بمبئی

چمکدار لیکن سکون بخش



حئی سنٹر کے لمپس قلیل مدت میں تمام پاکستان میں پھیل گئے
آپ انہیں مکانات، آفس اور فیکٹریوں میں ہر جگہ پائیں گے درحقیقت
ایک اعلیٰ درجہ کی چیمبر عوام کی خدمت کیلئے پیش کی گئی ہے۔ آپ
حئی سنٹر ہی استعمال کیجئے اس لئے کہ یہ بہترین ہیں

جنے ہوئے

پاکستان میں



حئی سنٹر ایکٹرک کمپنی لمیٹڈ

کراچی
قاریان
پاکستان

مفتی

ماہِ اِنْفِتَارِ دَرِی

توحید

قاریان

جلد ۹ نمبر ۳

جون ۱۹۵۷ء

ایڈیٹر

ماہر القادری

مقام اشاعت

دفتر قاریان - کیمیل اسٹریٹ کراچی



چندہ

تین روپے آٹھ آنے

قیمت توحید نمبر

تین روپے آٹھ آنے

نظم و ترتیب

- | | | |
|-----|---|---|
| ۲ | ماہر القادری | نقشِ اول - |
| ۵۹ | ترجمہ مولانا ظفر احمد عثمانی | توحید حوالہ - |
| ۶۳ | علامہ محمد البیشر الابرہمی - | اسلامی توحید کی حقیقت - |
| ۷۲ | مولانا سید ابوالحسن علی ندوی | توحید - |
| ۸۳ | مولانا امین حسن اصلاحی - | عقیدہ توحید اثر ہماری عملی زندگی پر - |
| ۸۶ | ترجمہ مولانا ظفر احمد عثمانی - | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دستیں - |
| ۹۱ | مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی | چار اہم سوالات |
| ۹۶ | ... | عملی شرک |
| ۹۷ | ... | علم غیب |
| ۱۳۰ | ڈاکٹر میر ولی الدین ایم ایس - | توحید الہیت |
| ۱۳۷ | مولانا مفتی محمد شفیع | بدعات و محدثات |
| ۱۵۶ | مولانا محمد اسماعیل سلمی | زیارت قبور |
| ۱۷۳ | محترم عطیہ خلیل عرب | الوسیلہ کا حقیقی مفہوم |
| ۱۸۲ | مولانا محمد نجیب اللہ ندوی | عقیدت کا غلو اور اس کے نتائج |
| ۲۰۶ | مولانا قاضی زین الدین سجاد میرٹھی | اسلام میں توحید |
| ۲۱۱ | مولانا محمد اویس ندوی نگرانی | پیام توحید |
| ۲۲۵ | ابو محمد امام الدین رام نگری | عقیدہ توحید اور انسانیت |
| ۲۲۶ | مولانا عامر عثمانی | بدعت توحید کی ضد - |
| ۲۸۷ | ایصال ٹو ایجنٹ کے قرآن پاک ختم "الصدیق" ملتان | قبر پرستی |
| ۲۸۹ | ابو منظور شیخ احمد | اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کئی نذرینا - |
| ۳۳۲ | مولانا عبد الحمید ارشد | اللہ واحد لا شریک له |
| ۳۵۲ | مولانا محمد ناظم ندوی | شرک کیا ہے؟ |
| ۳۵۶ | مولوی عبد الرحمان حماد | انسانی زندگی پر توحید کے اثرات |
| ۳۶۲ | مولانا مفتی محمد شفیع - | بدعت اور اس کی خرابیاں |
| ۳۷۰ | مولانا محمد اسحاق ندوۃ العلماء | توحید و مسلمانوں کی مروجہ کہیں |
| ۳۸۲ | مختلف شعراء | اذان بت کدہ - |



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نفسِ اول

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اس پر گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سب سے زیادہ اپنی "توحید" کا ذکر فرمایا ہے یہی وہ محور ہے جس کے ارد گرد اسلام، ایمان اور اخلاق کے تمام تقاضے گردش کرتے ہیں۔ "توحید" اسلام اور ایمان کی بنیاد ہے۔ اس بنیاد میں اگر فرق آگیا اور یہ عقیدہ خدا نخواستہ مجروح ہو گیا۔ تو پھر ایمان، اسلام اور عبادت و تقویٰ سب کے سب نامعتبر قرار پاتے ہیں اور یہ وہ خسارہ اور نقصان ہے جسے نہ رسول کی محبت پر کر سکتی ہے اور نہ کھسی ولی کی عقیدت! اور نہ کوئی تنگی اس کا بدل ہو سکتی ہے!

انبیاء کرام کی بعثت کی غرض و غایت یہی تھی انسانوں کے سامنے خالق کائنات کی توحید۔ مہجودیت، اور اس کے "اللہ" ہونے کے عقیدے کو پیش کریں۔ چنانچہ یہی ہے کہ نفسِ اول سے لے کر نفسِ واپس تک "توحید" ہی کا بوسہ دینا کو دینے رہے۔ یہی نقطہ توحید ان کی دعوت کا آغاز بھی تھا، وسط بھی تھا اور نقطہ اختتام بھی تھا!

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ إِنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ -

اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اس کو بھی حکم دیا تھا کہ رہبتگ بات
یولہ ہی ہے، کیونکہ کوئی "اللہ" نہیں سوائے میرے، سو بندگی کرو میری!

سر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں صرف اسی پر بس نہیں کیا کہ "مجھے اللہ مانو اور میری بندگی کرو" بلکہ اس نے بار بار
طرح سے عنوان بدل کر اور مثالیں دے کر، یہ بھی فرمایا کہ محمد جیسا کوئی نہیں۔ میری خدائی میں کوئی شریک نہیں۔ میرے
۔ نہ کوئی کسی کی مشکل کھول سکتا ہے، نہ کسی کو نفع نقصان پہنچا سکتا ہے، میں ہی خالق ہوں۔ رازق ہوں، حاجت روا

مشکل کشا ہوں۔ میں کسی کو کچھ دینا چاہوں تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ میں کسی کو نہ دوں تو کوئی اسے دلو نہیں سکتا۔ ہر جاندار کی پیدائی میرے ہاتھ میں ہے۔ کائنات میں بلا شرکتِ غیرے منصرف میں ہوں۔ میری ربوبیت کے سہارے دونوں جہاں پل رہے ہیں اور میری ہی قدرت کا ملکہ کونین کے نظام کو چلا رہی ہے۔ "سچی" صرف میں ہوں کہ میری ذات کے سوا ہر حق اور ہر شے بالک اور فانی ہے۔ "قیوم" صرف میری ذات ہے! پانی میں برساتا ہوں۔ رزق میں دیتا ہوں۔ کھیتیاں بن اگاتا ہوں۔ دریا میرے حکم سے رواں دواں ہیں۔ ہوا میں میرے حکم سے چلتی ہیں۔ چاند سورج میرے حکم کے تابع ہیں۔ غرض تمام کائنات میں میری اور صرف میری حکومت اور خدائی ہے۔ اور اس میں میرا کوئی شریک، سا جھی اور اتہہ بٹلنے والا بھی نہیں ہے! عزتیں اور ذلتیں سب کو میرے در سے ملتی ہیں۔ عالم الغیب والشہادہ صرف میری ذات ہے کونین کی تمام مخلوق میری محتاج ہے۔ اور ہر کوئی میرے ہی در کا فقیر اور بھکاری ہے! خالق میں ہوں، میرے سوا کوئی انسان ایک مکھی اور ٹھنکے تک کو پیدا نہیں کر سکتا۔!

یہ ہے "توحید" کے اجمال کی تفصیل، جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ اور بار بار پیش فرمائی ہے! اس عقیدہ توحید کا نہ صرف یہ کہ اقرار کرنا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے بلکہ اپنے عمل سے بھی اس اقرار و ایمان کا پورا پورا ثبوت دینا چاہیے! دعا اور عبادت میں، دفعِ بلا اور طلبِ نعمت میں، استمداد و استعانت میں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح کسی بندے سے چاہے وہ نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہو۔ اگر معاملہ کیا جائے گا تو اس سے "توحید" کا عقیدہ مجروح ہو گا۔ اور ظروف و احوال اور کیفیات کے اعتبار سے "شُرک"، "یا" "شِبہ شرک" کا ارتکاب لازم آئے گا!

عرب کے مشرکین خدا کے وجود کے منکر نہ تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو خالق بھی مانتے تھے، مگر وہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں "سفارشی" سمجھ کر ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتے تھے۔ جو اللہ کے ساتھ کرنا چاہیے۔ یعنی بتوں کے روبرو سجدہ رہی، ان کی دعاؤں دینا، ان سے مدد چاہنا، ان کو کائنات میں متصرف اور ذلیل سمجھنا۔ ان مشرکانہ حرکات کے ساتھ ان کا "خدا کو ماننا" اللہ کے یہاں مقبول نہ ہو سکا، اور ان کو مشرک قرار دیا گیا۔

وَلْيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَالَّذِينَ هُمْ يَكْفُرُونَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ۗ
عِنْدَ اللَّهِ قُلُوبٌ رَّاسِمَةٌ ۗ وَالَّذِينَ هُمْ يَكْفُرُونَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ۗ وَالَّذِينَ هُمْ يَكْفُرُونَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ۗ
وَلَعَالَىٰ لَعْنَةُ الشُّرَكَاتِ ۗ

اور پوجتے ہیں جو اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو نہ کچھ فائدہ دیوں ان کو نہ کچھ نقصان۔ اور کہتے ہیں "یہ سفارشی ہیں اللہ کے پاس"۔ کہہ۔ کیا بتاتے ہو تم اللہ کو جو نہیں جانتا وہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، سو وہ پاک ہے ان سب سے جن کو یہ شریک بتاتے ہیں!

دوسری آیت میں کفارِ قریش کی زبان سے کہلوا یا گیا ہے۔

وَمَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ۗ

پوجتے ہیں ہم ان کو صرف اس لئے کہ وہ ہم کو اللہ سے نزدیک کر دیں!

یہ بت جن کی کفارِ قریش پرستش کیا کرتے تھے۔ جن سے مرادیں مانگتے تھے اور جن کے ناموں کی دعاؤں دیتے تھے۔ ان کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایتوں سے ثابت ہو رہا ہے۔

کہ مشرکین نے نیک اور برگزیدہ اشخاص (رجال صالحین) کے ناموں پر جوں (و د سوار، یوث، نسر، اساف، نائلہ) کے نام رکھ لئے تھے۔

ابن ابیہ والنہایہ میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (ص ۱۶۱) پر راویوں کے ناموں کے ساتھ روایت نقل کی ہے:-

وَرَأَى رَجُلًا صَالِحًا وَكَانَ مَجْبُورًا فِي قَوْمِهِ فَقَدَّمَ مَاتَ عَكَفُوا حَوْلَ قَبْرِهِ -

وَدَّ أَنْ يَكُونَ مَرْدًا صَالِحًا تَقًا، وَرَأَى قَوْمًا فِي مَجْرَبٍ مَجْرَبًا، وَجَبَّ وَهِيَ مَرَّغِيهَا تَوَّاسًا كِي قَبْرِ كِي

ارد گرد لوگ گھومنے (طواف کرنے) لگے !

اس روایت میں تفصیل ملتی ہے کہ کس طرح شیطان نے ان لوگوں کو بہکا یا اور ان لوگوں نے آگے چل کر و د کی تمثال کی

پوجا شروع کر دی۔ یہاں تک کہ:-

حَتَّى اتَّخَذُوا إِلَهًا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ !

(یہاں تک کہ لوگوں نے اُسے "الہ" بنا لیا اور اللہ کے سوا اُسے پوجنے لگے)

پھر آگے چل کر علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:-

وَمُقْتَضَى هَذَا السِّيَاقِ أَنَّ كُلَّ صَنَمٍ عِنْدَهُ عِبَادَةٌ طَائِفَةٌ مِنَ النَّاسِ -

(اس سیاق عبارت سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس طرح کے تمام بت انسانوں کے گروہوں سے تھے)

اس نثر سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ کفار قریش جن مشہور بتوں کی پرستش کرتے تھے، ان کے نام شروع شروع

میں اولیاء اور صلحاء کے ناموں پر رکھے گئے تھے۔ اور ان بتوں کی پرستش کے پیچھے صالحین کی ارواح کو پوجا اور ان سے طلب

و استمداد کا تصور بھی کسی نہ کسی حد تک موجود تھا !

اہل بدعت کی طرف سے جو یہ کہا جاتا ہے کہ ہم دُنیا میں جو ایک دوسرے سے امداد طلب کرتے ہیں، ایک شخص دوسرے

کے پاس اپنی حاجت لے جاتا ہے، اُس سے عرض معروض کرتا ہے، جب ایسا کرنا شرک نہیں ہے، تو پھر انبیاء اور اولیاء اور

صلحاء سے طلب امداد شرک کیوں ہونے لگا! اس لئے کہ "شرک" تو یہ ہے کہ کوئی کسی کو "خدایا ہا لذات قادر، مختار اور محلی

سمجھ کر اُس سے امداد چلے۔ بندوں میں بالذات قدرت نہیں ہے، اللہ کی عطا کی ہوئی قدرت ہے۔ تو اللہ کی دی ہوئی قدرت

کی بنا پر انسانوں سے استمداد و استغانت شرک نہیں ہے ! ؟

یہ نہایت فریب آمیز مغالطہ ہے۔ جو اہل بدعت کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ ان کے تمام علم کلام کی بنیاد ہی اسی "ذاتی"

اور "عطائی" کی تقسیم اور تفریق پر ہے۔ یہ وہی استدلال ہے جو نمرود بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں اختیار

کیا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس سے فرمایا:-

"..... رَبِّيَ الْكَرِيمُ وَيُمِينُ"

میرا رب وہ ہے جو مارتا اور چلاتا ہے (یعنی جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے)

تو اس کے جواب میں نمرود نے کہا:-

"..... اَنَا مَحْيٍ وَ اَمِيْتُ !" میں بھی مارتا اور چلاتا ہوں (یعنی زندگی اور موت میرے اختیار میں بھی ہے)

اہل بدعت کی طرح نمرود نے بھی "ذاتی اور "عطائی" قدرت کے لفظی مغالطہ کو اپنے استدلال کی بنیاد بنایا۔ اور یہ اتنی

احمقانہ بات ہے کہ اس کا جواب دینا خود انسانی عقل کی توہین ہے۔ اس لئے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جاہلانہ اور احمقانہ استدلال کی تردید کئے بغیر اپنی گفتگو کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔

قَالَ اِبْرَاهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ اَيُّهَا الَّذِيْنَ يَشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ الْمُسْرِقُوْنَ فَاَتَيْتُهَا مِنَ الْمَغْرِبِ
فَبُهْتَمَ الَّذِيْ كَفَرَ !

ابراہیم نے کہا۔ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا مغرب سے نکال لا۔ یہ سن کر وہ
منکر حق ہکا بکا رہ گیا !

اہل بدعت کے اس مغالطہ کی تردید خود ان آیتوں سے ہوتی ہے، جو اُدھر پیش کی گئی ہیں۔ مشرکین عرب اپنے بتوں کو (اور یہ ذہن میں رکھئے کہ صلحاء و اولیاء کے ناموں پر ان بتوں کے نام رکھے گئے تھے) "خدا" نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ ان بتوں کو اللہ کی بارگاہ میں اپنا "شیفیع" اور ذریعہ تقرب خیال کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل اور عقیدہ کو "شُرک" سے تعبیر کیا۔ اور وہ اس لئے کہ وہ تعظیم میں، دفعِ بلا اور طلبِ رزق و منفعت میں ان بتوں کے ساتھ وہ معاملہ کرتے تھے، جو اللہ کے ساتھ کرنا چاہیے !

کہا جاسکتا ہے کہ لکڑی اور پتھر کی بنی ہوئی سورتوں میں کسی کو کچھ دینے، کسی کی عرض و معروض سننے اور کسی کی امداد کرنے کی طاقت کہاں ہے ؟ بیشک نہیں ہے۔ مگر جب مشرکین عرب ان بتوں کو "الہ" نہیں سمجھتے تھے، تو پھر ان کے اس فعل کو "نادانی" اور "حماقت" کہنا چلیے تھا۔ اہل بدعت کے خود تراشیدہ نظریہ کی بنا پر تو کفار قریش کے اس فعل کو "شُرک" نہیں کہا جاسکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسے "شُرک" فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول ہی حق ہے !

قرآن کریم کی آیتیں واضح طور پر بتاتی ہیں کہ غیر اللہ کو "الہ" نہیں۔ بلکہ مخلوق اور بندہ سمجھتے ہوئے بھی ان کے ساتھ تعظیم، پرستش اور دعا و استمداد کا وہ معاملہ کرنا جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفت کا حق ہے، "شُرک" ہے !
آج بڑے گانہ دین کی قبروں کے ساتھ وہی معاملہ کیا جا رہا ہے، جو مشرکین عرب بتوں کے ساتھ کرتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "الفوز الکبیر" میں لکھتے ہیں :-

"اگر تو مشرکین عرب کے عقائد اور ان کے اعمال اور ان کے حالات کی پوری پوری تصویر سے واقف ہوتا چاہتا ہے تو اس زمانہ کے علم و جہل اور کو دیکھ لے کہ وہ قبروں اور استخوانوں پر جلتے ہیں اور طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ غرض اس زمانہ کی آفتوں میں سے کوئی آفت نہیں جو اس زمانہ کی ایک قوم اس کا ارتکاب نہیں کرتی۔ اور ان کے مثل اعتقاد نہیں رکھتی، خدا ہم کو ایسے عقیدہ دل اور عملوں سے بچائے۔ (اردو ترجمہ)

جس طرح "توحید" ایمان کا جوہر، اسلام کی روح اور احسان و عبادت کی جان اور مغز ہے کہ اس کے بغیر ان میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول اور محترم نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے "شُرک" کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے !

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ - وَ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ افْتَرٰٓءَ اِثْمًا عَظِيْمًا - (النساء)

اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا۔ اس کے ماسواہ جس قدر گناہ ہیں، وہ جس کے لئے چاہتا ہے

معاف کر دیتا ہے۔ اللہ کے ساتھ جس نے کسی اور کو شریک ٹھہرایا۔ اس نے بہت بڑا جھوٹ گھڑا۔ اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔

ایک طرف ”توحید“ کی اہمیت قرآن پاک بتاتا ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے بھی ”غیر اللہ“ کے ساتھ وہ معاملہ کرے جو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ روا رکھنا چاہیے۔ تو وہ ”شُرک“ ہے۔ دوسری طرف ”شُرک“ کی یہ خوفناک مذمت کہ ہر بڑے سے بڑا گناہ معاف ہو سکتا ہے، مگر ”شُرک“ معاف نہیں ہو سکتا۔ یہ ناقابل معافی گناہ ہے!

”توحید“ کی اس عظیم الشان اہمیت اور ”شُرک“ کی اس قدر خوفناک مذمت کے بعد ایک صاحب ہوش انسان اور ایک مسلمان کا رویہ کیا ہونا چاہیے؟ یہی کہ وہ نہ صرف یہ کہ کھٹے ہوئے شرک سے بچے، بلکہ اس کے دواعی، محرکات، ترغیبات اور مشابہت و مثال سے بھی اجتناب کرے!

”زہر“ زندگی کا قاتل ہے۔ تو ہر وہ انسان جس کو اپنی زندگی عزیز ہوتی ہے۔ ہر اس چیز سے جس میں زہر کے چھو جانے کا وہم بھی ہوتا ہے، اجتناب کرے گا۔ چلے وہ چیز دیکھنے میں کتنی ہی خوش رنگ اور ذائقہ میں کتنی ہی مزیدار کیوں نہ ہو۔ بالکل اسی طرح جس کو اپنا ایمان عزیز ہوگا اور وہ یہ جانتا ہوگا کہ ”شُرک“ سے ایمان کی موت واقع ہو جاتی ہے، تو وہ ”شُرک“ کے وہم و مشابہت سے بھی دور رہے گا۔ اور ”شُرک“ کے معاملہ میں کسی تاویل، تلمیح، لطیفہ اور لفظی ہمید پھیر کے پاس بھی نہ پھٹکے گا اور نہ اس کو دلیل بنائے گا!

وَ أَخْرَجَ أَحْمَدُ عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتَ وَ حُرِّمَتْ!

امام احمد نے ذکر کیا کہ معاذ بن جبل نے روایت کی کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاہے تجھے قتل کیا جائے یا جلایا جائے مگر تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔!

پس جس دل میں ”توحید“ گھر کر گئی اور پہ گئی ہوگی، وہ غیر اللہ کی عقیدت و احترام میں ”توحید“ کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھے گا۔ اور اس سے کوئی ایسا قول و فعل صادر نہ ہوگا۔ جس سے ”توحید“ پر ذرہ برابر بھی حرف آتا ہو۔ اور ”شُرک“ سے اتنی بھی مشابہت پیدا ہوتی ہو۔ جتنی آرد پر سفیدی!

اور یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہی تعلیم دی ہے۔ اسی لئے ”غیر اللہ“ کی قسم کھانے کو شرک قرار دیا گیا۔ کہ ”قسم“ میں جس شدتِ عظمت کا احساس مضمحل ہوتا ہے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی مخصوص رہے!

أَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَقُولُ مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ! (مشکوٰۃ، باب الإیمان والنذور)

ترمذی نے ذکر کیا کہ روایت کی ابن عمر نے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا

آپ فرماتے تھے کہ جس نے قسم کھائی غیر اللہ کی سو اس نے شرک کیا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو ”ملک الملک“ (بادشاہوں کا بادشاہ) کہنے سے منع فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی

حاکمیت اور شہنشاہی سے مشابہت کا پہلا نکتہ ہے !
 قرآن جائیے اس موجد اعظم (علیہ السلام) اور "مشرک و بدعت" کے ماحی و قاطع (روح لبہ العذار) کے کہ جس نے
 "جو اللہ چاہے اور جو محمد چاہیں" تک کے کہنے سے روکا ہے !

اخرج فی شرح السنة عن حذیفہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تقولوا
 ما شاء اللہ و ما شاء محمد و قولوا ما شاء اللہ وحدہ - (مشکوٰۃ - باب الاسامی)
 حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - یوں نہ بولا
 کرو "جو چاہے اللہ اور جو چاہے محمد" بلکہ یوں بولا کرو کہ "جو اللہ تعالیٰ تنہا چاہے"
 مشکوٰۃ شریف کی ایک اور حدیث ہے :-

اخرج مسلم عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقولن
 احدکم عبدی و امنتی کلکم عبید اللہ و کل نساءکم اماء اللہ و لا یقل العبد
 السیدہ "مولائی" فانی مولاکم اللہ -

مسلم نے ذکر کیا کہ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 کہ تم میں سے کوئی یوں نہ بولے کہ "میرا بندہ اور میری بندی" تم سب اللہ کے بندے
 ہو اور تمہاری عورتیں سب اللہ کی بندی ہیں - اور غلام بھی اپنے آقاؤں کو "میرا مولا"
 (مالک) نہ کہے - کیونکہ تم سب کا مولا " (مالک) اللہ ہے !

ایک طرف "توحید" کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شدتِ اعتیاط، اور دوسری طرف وہ لوگ جو
 اپنے "عاشقانِ رسول" ہونے کا دم بھرتے ہیں، ان کی "توحید" کے معاملہ میں بے پروائی، تساہل اور ڈھیل کا یہ عالم ہے
 کہ ایسے ایسے ترشتے اور لطیفے اختراع کرتے ہیں جن سے "توحید خالص" غبار آلود بلکہ مجروح ہوتی ہے !

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اسْتَفْرَا عَلٰى انْفُسِهِمْ !

کے ترجمہ میں "ی" کی ضمیر کا مرجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتے ہیں - یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

"تم کہو اے میرے بندو..... (یعنی محمد رسول اللہ کے بندو)

حالانکہ پورا قرآن ان اہل بدعت کی اس "نکتہ شناسی" کی نفی کرتا ہے !
 مَا كَانِ الْبَشَرُ اَنْ يُّرْتِنَهُ اللّٰهُ الْكُتٰبٍ وَّ الْحَكْمِ وَّ الْنُبُوٰةِ ثُمَّ يَقُوْلُ
 لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّىْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَّلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰيْنَ

کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم و نیرت عطا فرمائے
 اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بند بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہیگا کہ تم
 رہا بنو !

جس کے دل میں "توحید" کا مزہ اور اس کی اہمیت کا صحیح احساس ہوگا، کیا وہ اس قسم کے خطرناک نکتے تراش سکتا

ہے۔ ایسے لطیفے شعر و شاعری کی دنیا میں تو زیب دیتے ہیں مگر "قرآن کے ساتھ یہ مدشا عرانہ سلوک" روا نہیں رکھا جاسکتا۔ (معاذ اللہ)

اسی ذہنیت کے لوگوں نے۔ مشکل کشا، عزیز نواز، داتا اور گنج بخش۔ جیسے القاب، جن کے اطلاق کی سزاوار اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہو سکتی ہے۔ صلحاء اور بزرگوں کے لئے تراش لئے ہیں۔ یہی وہ گروہ ہے جو اس قسم کے شعروں پر ہے

اللہ کے پتے میں وحدت کے سوا کیا ہے جو کچھ مجھے لینا ہے لوں گا محمد سے (تو یہ!)

بھرتا ہے، اور ہے

اپنا اللہ میاں نے ہند میں نام رکھ لیا خواجہ غریب نواز (استغفر اللہ)
جیسے مشرکانہ شعروں پر "صدائے احتجاج و نفرت" بلند نہیں کرتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اس نکتہ پر دمج کرتے ہیں کہ
ہم امد میں اور احمد میں فقط ہے "میم" کا پردہ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "احمد بے میم" اور عرب کو "عرب بے ر" کہتے ہیں۔ ان کے شعروں میں، تقریروں اور تحریروں میں، جگہ جگہ ایسی چیزیں ملتی ہیں جو "توحید خالص" کو مشتبہ اور ملتبس بناتی ہیں، اور شرک و بدعت کے لئے گنجائش نکالتی ہیں!

انبیاء کی دعائیں | "وحی" اور "نبوت و رسالت" اتنا بڑا مشرف ہے کہ اس مشرف کے مقابلہ میں دنیا کے تمام اوصاف مل کر بھی اس مشرف کی برابر نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا تمام اُمت، قوم یا پوری انسانی سوسائٹی میں اپنے ایک "بندے" کو نبوت و رسالت کے لئے منتخب فرمانا اور اس پر ایسے محفی طریقہ سے وحی کرنا کہ جس کا "نبی" کے سوا نہ کوئی احساس کر سکتا ہے اور نہ تحمل! اس سے بعض لوگ دھوکا کھا کر "نبی" سے اُلوی صفات منسوب کر سکتے ہیں کہ "عقیدت و احترام" کے دوراہہ پر شیطان کے لئے غالی مغتقمین اور توہم پرست، نیاز مندوں کو گمراہ کر دینا بہت آسان ہے!

اس لئے قرآن پاک کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اس نے انبیاء کے حالات بالکل سادہ الفاظ میں پیش کئے ہیں۔ جس میں سب سے زیادہ زور ان کی "عبدیت" اور "بشریت" پر دیا گیا ہے۔ خود انبیاء کرام کی زبانی اس کی نفی کرائی گئی ہے! کہ وہ کائنات میں کوئی اختیار رکھتے ہیں، یا لوگوں کے نفع و نقصان کے مالک ہیں!
حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے کہتے ہیں:-

لَا سَتَغْفِرُونَ لَكَ وَمَا أَمَلْتُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ -

میں تیرے لئے معافی ضرور چاہوں گا اور مالک نہیں میں تیرے نفع کا اللہ کے یہاں کسی چیز کا!

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے اللہ تعالیٰ نے کہلوا دیا:-

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ -

تو کہ میں مالک نہیں اپنے واسطے بُرے کا نہ بھلے کا بجز جو اللہ چاہے!

یہاں تک کہا گیا:-

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعَ عَامِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ .

تو کہہ میں کچھ نیا رسول نہیں ہوں، اور مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور تمہارے ساتھ (بھی کیا ہونے والا ہے)

اور اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ دیا کہ:

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ

تو کہہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں اللہ کے، اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔

”ذاتی“ اور ”عطائی“ کی جاہلانہ ادراک کن تفریق کے بت کو بھی پاس پاس کر دیا۔ جب نبی کے پاس بھی اللہ کے دیئے ہوئے خزانے نہیں ہیں تو پھر اور کس کے پاس ہو سکتے ہیں!

جب نفع و نقصان کا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مالک نہیں ہے اور انبیاء کرام تک اس معاملہ میں اپنے عجز و عدم اختیار و قدرت کا اظہار کرتے ہیں، تو پھر نبی اور رسول سے بڑھ کر ایسا کون ”اللہ کا پیارا اور چہیتا“ ہے، جسے ہم اللہ کے دیئے ہوئے خزانوں کا مالک، انسانوں کے نفع و نقصان کا محنت ر اور احوال کائنات میں متصرف مان لیں! اگر کوئی انبیاء، اولیاء اور سلحاء امت کے بارے میں ایسے عقائد رکھتا ہے، تو اللہ کی کتاب کی کھلی ہوئی خلاف ورزی کرتا ہے اور قیامت کے دن انبیاء اور اولیاء سے اس کی عقیدت، عشق و محبت اور نیناز مندی کے یہ دعوے اس کے منہ پر مار دیئے جائیں گے!

یہ بھی صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عین تمنا تھی کہ بیت المقدس کے بجائے ”کعبہ“ کو امت مسلمہ کا قبلہ قرار دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس تمنا اور آرزو کو پورا فرما دیا۔ مگر اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالنا ”قیاس مع الذاریق“ کی بدترین مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ”رضا“ کا پابند تھا، یا جو آپ کی رضا ہوتی تھی۔ وہ ضرور بالضرور پوری ہو کر رہتی تھی۔ بندے اللہ تعالیٰ کی مستی کے پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کی ”رضا“ اور تمنا“ کا پابند نہیں ہے!

يُخْلِفُونَ لَكُمْ بِتَرْصُونَا عَنْهُمْ ۗ، فَإِنْ تَرَضُوا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ
عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝ (التوبہ)

یہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ حالانکہ اگر تم

ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ ایسے فاسق لوگوں سے ہرگز راضی نہ ہو گا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب و مقرب، اطاعت گزار بندے تھے۔ حضور نے اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کر دیا تھا۔ حضور کا قدم صراطِ مستقیم سے بال برابر ادھر ادھر نہیں ہوا۔ آپ کی اکثر و بیشتر دعائیں بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا تھا کہ قبولیت و اجابت نو لطف محمدی کی راہ دکھتی رہتی تھیں۔ اس شرف و اجہاد کے باوجود قرآن یہ بھی بتاتا ہے:-

إِسْتَعْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۗ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ
يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۗ (التوبہ)

اے نبی! تم ایسے لوگوں کے لئے معافی کی درخواست کر دیا نہ کرو، اگر تم ستر مرتبہ بھی ان کے معاف کر دینے کی درخواست کرو گے تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا!

یہ آیت "مشرکانہ عقائد" پر ضرب نہیں، شاہ ضرب (Mashrokanah) لگاتی ہے، یہ آیت کسی ذرا سے بھی اشتباہ کے بغیر دو ٹوک انداز میں بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بعض اوقات انبیاء کرام اور ان میں بھی امام الانبیاء اور افضل الرسل تک کی درخواست اور دعا قبول نہیں ہوتی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور درخواست تک کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے نیاز میں یہ عالم ہو، تو پھر دنیائے پر دے پر کون ایسا انسان اور عالم برزخ میں کون ایسی روح ہے۔ جس سے ہم استغاثہ کرتے ہوئے یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا کہا ٹال ہی نہیں سکتا۔ اور یہ جس بات پر اڑ جا میں بس اُسے پورا ہی کر لے کہے! جو کوئی اس قسم کا عقیدہ رکھتا ہے وہ درحقیقت عبد اور معبود کے رابطہ اور تعلق سے نادانقت ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت، کبریائی اور بے نیازی کے بارے میں بڑا سطحی اور پست تصور رکھتا ہے!

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ حضور کی تبلیغ کی بدولت عرب کی پوری آبادی کو ہدایت نصیب ہوئی۔ اور جب سرکارِ دنیا سے رخصت ہوئے ہیں تو عرب کے طول و عرض میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کی پرستش نہ ہوتی تھی! قیامت تک جس کسی کو بھی رشد و ہدایت ملے گی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع اور فرمانبرداری میں ملے گی، جہاں حضور کی اتباع نہیں، وہاں ہدایت کی روشنی نہیں۔ مگر ہدایت کا دنیا اور سیدھی راہ پر لانا اور پہلانا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ اختیار سے باہر تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

إِنكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ - وَهُوَ أَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِينَ -

تو راہ پر نہیں لانا جس کو تو چاہے بلکہ اللہ راہ پر لانا ہے جس کو وہ چاہے! اور وہی (اللہ) خوب جانتا ہے کہ کون راہ پر آئیں گے!

اگر انبیاء اور صلحاء کی ارواح سے استغاثہ جائز ہوتا۔ تو قرآن پاک میں کوئی ایک آیت تو اس کے جواز میں نازل ہوتی، یا کم سے کم کسی قرآنی آیت سے اس کا کوئی اشارہ ہی نکلتا ہوتا۔ انبیاء کرام کی دعائیں قرآن پاک میں مرقوم اور مسطور ہیں۔ ان میں کسی نبی نے اپنے پچھلے گزرے ہوئے نبی اور رسول کو مصیبت کے وقت نہیں پکارا۔ نہ ان سے اللہ کے حضور دعا کرنے کی درخواست کی، نہ اتنا ہے کہ کسی قرآنی دعا میں "بہ حق منلاں" اور "بہ جاہ فلاں" یا یہ کہ "یا اللہ! تو فلاں نبی کے وسیلے سے ہماری دعا قبول فرما" تک نہیں ملتا!

حضرت لوح علیہ السلام براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں:-

رَبُّنَا إِذْ نَادَى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ
اور لوح، جب اس نے پکارا اس سے پہلے! پھر قبول کر لی ہم نے اس کی دعا، سو بچا دیا
اُس کو اور اُس کے گھر والوں کو بڑی گھبراہٹ (پریشانی) سے!

حضرت ایوب علیہ السلام مصیبت میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں:-

رَبِّ أَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ إِنَّهُ مَسَّنِيَ الضَّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

اور ایوب جس وقت پکارا اُس نے اپنے رب کو مجھ پر پڑی ہے تکلیف اور تو ہے سب رحم والوں
سے رحم والا!

حضرت یونس علیہ السلام بھی اپنے رب ہی سے غم کے اندھیروں میں کہا کرتے ہیں :-
 فَتَادِي فِي الظُّلُمَاتِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ !
 پھر پکارا ان اندھیروں میں (یونس نے) کوئی حاکم نہیں سوا کے تیرے تو بے غیب ہے ،
 اور میں تھا خطا کاروں میں سے۔ !

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تتر بھکا مل اور ایسی عصمت جہاں سرے سے بھول چوک اور نیسان و ذہول کا امکان ہی
 نہ ہو، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو سزاوار ہے۔ حضرت یونس سے یہ تقاضائے بشریت تھوڑی سی بھول ہو گئی کہ وحی کا انتظار کے
 بغیر قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اس پر اللہ کے اس فرما نہر دار بندے اور مقدس بنی نے اپنے اللہ سے معافی طلب کی۔

حضرت زکریا علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حضور اپنی تمنا پیش کرتے ہیں :-
 وَ زَكَرِيَّا اِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ -
 اور زکریا کو رک، جب پکارا اُس نے اپنے رب کو، اے رب ! نہ چھوڑ مجھ کو اکیلا
 اور تو ہے سب سے بہتر (والی اور) وارث۔ !

یہ تو چند دعائیں ہیں۔ جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔ ورنہ قرآن میں جہاں بھی کسی نبی کی دعا اور مصیبت کے وقت فریاد و
 استغاثہ کا ذکر آیا ہے، تو ہر نبی نے براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کی ہے۔ اور وہ اس لئے کہ اُن نفوس قدسیہ کو اللہ تعالیٰ
 کا یہی حکم تھا۔ وہ دُنیا کو اسی کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی فریادرس اور مستمل کسنا ہے اور نہ
 مصیبت کو ٹال دینا کسی کے بس میں ہے۔ !

وَ اِنْ يَمْسَسْكَ بَغْيٌ فَهُوَ
 عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ -

اگر اللہ نہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو اُس کے سوا کوئی نہیں جو تمہیں اس نقصان

سے بچا سکے، اور اگر وہ تمہیں کسی بھلائی سے بہرہ مند کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے !

دعا کے لئے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگیں اور اُسی کو پکاریں اور اس طرح پکاریں کہ اس دعا، پکار، فریاد و استغاثہ
 میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی شرکت اور میل نہ ہو:-

فَاذْعُوْا لِلّٰهِ مَخْلَصِيْنَ لَهٗ الدِّيْنَ وَ لَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ -

سو پکارو اللہ کو خالص کر کے واسطے بندگی کے، چاہے منکرین بُرا ہی کیوں نہ مانیں !

خدا چیلنج دیتا ہے کہ میرے سوا بیکس کی پکار کو بھلا اور کون پہنچ سکتا ہے اور میرے سوا اُس کے دکھ درد کو کون دُور

کر سکتا ہے۔ !

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَّرِّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْءَ !

بھلا کون پہنچاتا ہے بیکس کی پکار کو، جب اُس کو پکارنا ہے اور دُور کر دیتا ہے اُس کی مصیبت کو !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔ اس پر ہمارا ایمان ہے۔ مگر اس عقیدہ میں کہیں ایسی شدت اور

بے اعتدالی نہ پیدا ہو جائے کہ جس لئے توحید پر حرف آتا ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمہیں فرمائی :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا صَرَفْتُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا يَنْبَغُ فِيهِ وَلَا خَلَّةٌ
وَلَا شَفَاعَةٌ -

اے ایمان والو! جو کچھ مال متاع تم نے تم کو بخشا ہے اُس میں سے خرچ کرو، قبل اس کے کہ وہ دن

آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی، نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی!

اس آیت میں "..... وَلَا شَفَاعَةٌ" (اور نہ سفارش چلے گی) میں اس قسم کے "عقیدہ شفاعت" کی تردید منظور ہے۔ جیسے

بادشاہوں کے یہاں امیر، وزیر اور اُن کے مصاحب اور مقررین سفارش کیا کرتے ہیں کہ جو اپنی چرب زبانی سے بادشاہ سلامت کو متاثر کر دیتے ہیں، یا کسی دباؤ کی وجہ سے بادشاہ اُن کی سفارش ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اللہ کے دربار میں اُس کی اجازت اور حکم کے بغیر کسی کو لب کشائی کی جرأت ہی نہیں ہو سکتی!

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ -

کون ہے جو اُس کے جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے!

احادیث میں ملتا ہے کہ جب قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ وسلم کو "مقام محمود" اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا فرمائے گا۔ تو

آپؐ سجدے میں گر جائیں گے اور اس کے بعد حضورؐ کو شفاعت کی اجازت ہوگی!

"شفاعت" وزیروں اور امیروں کی "سفارش" شاہان بے خبر کے درباروں جیسی نہیں ہے۔ یہ "شفاعت" ایک مطیع و

فراہم دار اور اللہ کی مرضی پر چلنے والے نیک بندے کی، خدا کے عظیم و خیر کے حضور ہے!

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں | ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب اور جتنا علم مناسب سمجھا۔
وحی کے ذریعہ انبیاء کرام کو عطا فرمایا ہے۔ اور یہ وہ علم ہے جسے قرآن

"انہما ر غیب" اور "اطلاع غیب" کہتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطَّلِعَ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَخْتَصِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ -

مگر اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم کو غیب پر مطلع کرے۔ غیب کی باتوں کی اطلاع دینے کے

لئے تو وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے!

یہ علم جو انبیاء کو عطا کیا گیا ہے "انہما ر غیب" اور "اطلاع غیب" ہے۔ مگر اس "اطلاع و انہما ر" کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کائنات

کی کوئی چیز انبیاء کرام کی نگاہوں سے چھپی نہیں رہتی۔ اور اُن کو ہر بات کا علم حاصل ہو جاتا ہے! اس عقیدہ کی خود قرآن
نفی کرتا ہے:-

فَقَالَ أَحَطُّ بِمَا لَمْ تَحِطْ بِهِ وَجَسْتُكَ مِنْ سَبِيلِ بَنِي إِسْرَائِيلَ - (النمل، ۱۰۱)

کہا میں نے آیا خبر ایک چیز کی کہ جس کی تمہ کو اُس کی خبر نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس

سب سے خبر لے کر!

ہد ہد حضرت سلیمان علیہ السلام سے یہ کہہ رہا ہے کہ "میں ایسی چیز کی خبر لایا ہوں، جس کی آپ کو خبر نہ تھی" اور ملک سبیا

کے حالات کا علم نہ رکھنے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی منزلت میں ذرہ برابر کمی نہیں آ جاتی۔ کہ۔ لے جہان کے حالات کا علم

رکھنا، نبوت کا لازمہ ہرگز نہیں ہے!

فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكَّرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَمَخَضْ
إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ لُّوطٍ -

پھر جب دیکھا کہ اُن کے ہاتھ نہیں آتے کھلنے پر تو کھٹکا اور دل میں اُن سے ڈرا۔ وہ بولے
مت ڈر ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں قوم لوط کی طرف !

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان و منزلت کا کوئی ٹکنا نہیں کہ نبی آخر علیہ الصلوٰۃ والسلام خود "ملت ابراہیمی" پر
تھے، اُن کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو نہیں پہچان سکتے اور دل میں خوف محسوس کرنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ
فرشتے بتاتے ہیں کہ آپ خوف نہ کیجئے، ہمیں تو لوط کی بدکار قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ صحیحین میں بھی ایک واقعہ ملتا
ہے کہ جبریل علیہ السلام آدمی کی شکل میں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال و جواب کرتے رہے۔ اور جب وہ اٹھ کر
چلے گئے تو حضور کو بتایا گیا کہ یہ جبریل تھے۔ !

اگر حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے نافرمان بیٹے کے انجام کی خبر ہوتی تو آپ اُس کے پھلنے کی نمائندہ کرتے، جس پر اللہ تعالیٰ
نے آپ کو تنبیہ فرمائی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے، مگر برسوں تک اپنے پیارے اور چھپتے بیٹے یوسف کی خبر نہ
معلوم کر سکے۔ کہ اُن کا نور نظر کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ یہاں تک کہ اس غم میں پتیلیاں سفید ہو گئیں۔ اور سب سے بڑھ کر
خود سیدنا آدم علیہ السلام کا واقعہ اُن کے "غیب" پر مطلع ہونے کی نفی کرتا ہے۔ اگر آپ کو مستقبل کا علم ہوتا اور شیطان
کے دل کی بات جان لیتے۔ تو شیطان لعین کے دھوکے میں نہ آتے۔ !

"غیب" اللہ تعالیٰ کی صفت خاص ہے۔ اس میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے کو
"عالم الغیب" فرمایا ہے ! اور کسی تشابہ اور ابہام کے بغیر دو ٹوک انداز میں کہا ہے :-

قُلْ لَا يَعْلَمُ مِنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ -

کہ نہیں جانتے وہ جو ہیں آسمانوں اور زمین میں۔ غیب کو، مگر اللہ ! اور نہیں خبر رکھتے کب
اٹھائے جائیں گے !

"غیب" کی عمومی نفی کے بعد، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے خود آپ کے عالم غیب
ہونے کی نفی کرائی :-

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ
لَا مَكْرُوهٍ لَّكَ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنِي السُّعْرُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ -

کہ میں نہیں اختیار رکھتا اپنی جان کے کسی نفع اور نقصان کا مگر جو کچھ اللہ چاہے۔ اور
جو میں جانتا غیب تو بیشک بہت سے لیتا بھلائی اور نہ چھوٹی مجھے کوئی برائی۔ میں تو
فقط ڈرانے والا اور خوشخبری سننے والوں۔ اُن لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بے شمار واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ "عالم الغیب" نہ تھے۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جو تہمت لگائی گئی تھی، تو کتنے دن تک حضور مضطرب رہے ! یہاں تک کہ

وحی الہی نے حضرت صدیق اکبرؓ کی پاکبازی کا اعلان کر کے اس ہمت کا قتل قمع کر دیا۔ اور وحی کے بعد حضور کے قلب مبارک کو چین آیا۔ حضور عالم الغیب ہوتے تو اس افواہ سے مضطرب ہونے کی ضرورت کیا تھی! اور آپ صحابہ سے فرما سکتے تھے کہ میں نبی ہوں اور نبی پر تمام مشرق و مغرب کے احوال و مقامات منکشف ہوتے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ عائشہ اس ہمت سے پاک اور بری ہیں۔ جو صحابہ حضور کی بیان کی ہوئی "وحی" پر ایمان لاتے تھے، وہ آپ کے ذاتی علم یا "عطائی غیب" سے بتائی ہوئی حقیقت پر بھی یقین کر لیتے!

مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر حدیبیہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ سن کر، آپ صحابہ کرام سے بیعت لینا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت عثمان کی شہادت واقع نہیں ہوئی تھی۔ یہ محض افواہ تھی۔ اگر حضور عالم الغیب ہوتے، تو افواہ کے سنتے ہی فرما دیتے کہ یہ خبر غلط ہے۔ عثمانؓ مکہ میں زندہ ہیں۔ صحابہ کرام کی اتنی بڑی جماعت تک کو اصل واقعہ کا کشف نہیں ہوتا اور وہ بھی اصل حقیقت سے بے خبر اور لاعلم رہتے ہیں!

مشکوٰۃ کے باب "اعلان النکاح" میں ہے کہ ایک شادی میں کچھ چھوڑ کر یاں دفن بجاری تھیں اور شہدار بدر کا ذکر کر رہی تھیں۔ ان میں سے ایک کہنے لگی:-

وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي عَدْرِ -

ہم میں ایک نبی ہے جو گل کی بات جانتا ہے!

حضور نے اس پر تنبیہ کے انداز میں فرمایا:-

رَدِي هَذَا وَقَوْلِي بِالَّذِي كُنْتَ تَقُولِينَ -

یہ بات چھوڑو اور وہی کہہ جو کہتی تھی!!

أَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ عَنْ أُمِّ الْعَلَاءِ الْأَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَا أَدْرِي وَاللَّهِ لَا أَدْرِي وَأَمَّا رَسُولُ اللَّهِ مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بَكُمْ -

بخاری نے ذکر کیا کہ نفل کیا أم العلاء انصاریہ نے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ قسم ہے

اللہ کی میں نہیں جانتا، پھر قسم ہے اللہ کی میں نہیں جانتا۔ حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ کہ

کیا معاملہ ہوگا میرے ساتھ اور (کیا معاملہ ہوگا) تمہارے ساتھ!!

اور قرآن پاک میں تو یہاں تک فرمادیا گیا ہے:-

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ، وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَقْفَتٌ، مَرَدُّ عَلَى الْفِتْرِ

رَقْفٌ، لَا تَعْلَمُهُمْ وَلَا نَعْنُؤُهُمْ -

تمہارے آس پاس کے بادیہ نشینوں میں منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق پر لڑے ہوئے

ہیں۔ انہیں تو نہیں جانتا۔ ہم انہیں جانتے ہیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ یہ خطاب فرما کر کہ "ان منافقین" کو تو نہیں جانتا، ہم جانتے ہیں" کیا معانی

رسول کی شان کو گھٹانا چاہتا ہے؟ بات یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کے اعمال کا چانتا اور مستقبل کے تمام واقعات کی خبر رکھنا،

"بیوت ورسالت" کے فرائض میں داخل ہی نہیں ہے! خود قرآن کہتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ

واقعات شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ "عالم الغیب" نہ تھے۔ یہ ایک ایسی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جس میں دُورائیں ہو ہی نہیں سکتیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی "عالم الغیب" نہ ہے، نہ ہو سکتا ہے اور نہ ہونا چاہیے۔ یہ شانِ ذواللہ تعالیٰ کی ہے کہ کائنات کا کوئی ذرہ اُس سے چھپا ہوا نہیں ہے اور ماضی، حال اور مستقبل کی تمام جزئیات کا اُسے علم ہے! اور یہ "زمانوں" کی تقسیم تو ہم حادثِ دفانی انسانوں کے لئے ہے۔ اللہ کے لئے ہر زمانہ "حال" ہی حال ہے!

کیا شانِ ترے جمال میں ہے

ہر وقت زمانہ حال میں ہے

کوئی شک نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشخاص کے متعلق اور بعض آنے والے حالات کے بارے میں خبریں بھی دی ہیں اور پیش گوئیاں بھی فرمائی ہیں اور وہ "حق" ثابت ہوئی ہیں۔ قیامت کے آثار و علامت اور مستقبل میں اُس کے لئے پیش آنے والے بعض فتنوں کی بھی حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم و بصیرت کی بناء پر خبر دی ہے! اور یہ بھی درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کو علم نہیں دیا گیا۔ مگر خود قرآن اور احادیث آپؐ کے "عالم الغیب" ہونے کی نفی کرتی ہیں۔ اور ایسے واقعات بھی بتاتی ہیں جن سے "غیب" کے اثبات کے مقابلہ میں "نفی" ثابت ہوتی ہے!

معجزات و کرامات حق ہیں مگر... | انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے بیشک معجزات عطا فرمائے تھے۔ جو انبیاء کے معجزات میں شگ کرتا ہے، اُس کا ایمان معتبر نہیں!

فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے معجزہ سے جادو گروں کے سحر کو باطل فرمادیتے ہیں۔ مگر اس سے یہ اصول اور کلیہ وضع کرنا کھٹلی ہوئی گمراہی ہے کہ دنیا کے پردے پر جہاں کسی پر کوئی جادو کرتا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس سے واقف ہو جاتے ہیں۔ اور جو کوئی انھیں مدد کے لئے پکارے تو وہ اللہ کے دیئے ہوئے معجزے سے جادو اُتار دیتے ہیں۔ اس کی نہ قرآن میں کوئی دلیل ملتی ہے، نہ احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے! یہاں تک کہ توریت و انجیل میں بھی ایسی بات بیان نہیں کی گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے معجزات عطا فرمائے تھے کہ آپ خدا کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیا کرتے تھے، اور مردوں کو جلا دیتے تھے!

وَ اُبْرِيْ اِلَا كُمَهٗ وَالْاَبْرَصٰى وَ اَمْوٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ !

مگر آپ کے واقعہ "رفع" نے بندے سے لے کر آج تک کسی مسلمان نے اپنے مُرنے کے جلائے جانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے استغاثہ نہیں کیا۔ اور نہ صحابہ نے آنکھیں دکھتے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا کی دی کہ آپ تو مادر زاد اندھوں کو اچھا کر دیا کرتے تھے، دکھتی ہوئی آنکھوں کا اچھا کر دینا آپ کے لئے کیا مشکل ہے! خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ملتا کہ جب صحابہ کو سفر میں اور جنگوں (سرایا) میں کوئی مصیبت پیش آتی ہو، یا جو صحابہ کرام باہر کی بستیوں میں رہتے تھے، وہ کسی پریشانی میں مبتلا رہتے ہوں۔ تو اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لئے پکارنے ہوں۔ اور ان کا یہ عقیدہ رہا ہو کہ ہم جہاں سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکاریں گے، آپ ہماری فریاد کو سن لیں گے!

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر کتنا سخت وقت آن کر پڑا تھا، اُن کا مکان روضہ رسول سے چند قدم کے فاصلہ پر تھا، تاریخ و آثار میں اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا کہ حضرت عثمان نے ان جان لیوا مشکلات میں حضور کے نام کی دہائی دی ہو۔ یادہ صحابہ کرام جو اس کشتکش سے سخت بیزار تھے، انہوں نے ہی قبر رسول پر آ کر حالات کو بدلنے کے لئے حضور سے استغاثہ کیا ہو۔!

کر بلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور اہل بیت کرام پر قیامت گزر گئی، مگر ان نفوس قدسیہ میں سے کسی نے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امداد کے لئے پکارا اور نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دہائی دی! جسے ہم معجزہ کہتے ہیں، قرآن کی اصطلاح میں اُسے ”آیت“ کہا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خود زندگی اپنی جگہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی ”آیت“ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ اور تمام انسانیت کے لئے حضور کے اسودِ حسنہ کو ”آخری معیار قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو معجزات بھی عطا فرمائے! اس معجزہ (تکثیر) کا آپ سے بار بار ظہور ہوا کہ تھوڑی چیز آپ کی معجزنائی سے ”بہت“ ہو جایا کرتی تھی، لیکن اس کی کوئی روایت صحابہ کرام کے زمانہ میں نہیں ملتی کہ صحابہ کو جب رزق، پانی اور دوسری اشیاء کی تنگی ہوتی ہو۔ تو صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا ہو کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ”خیر کثیر“ عطا فرمایا ہے، آپ ہماری قلتِ اشیاء کو کثرت سے بدل دیجئے!

انبیاء کرام کے معجزات کی یہ نوعیت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے، معجزات ظہور میں آتے ہیں۔ اور جب نہیں چاہتا، اُن کا صدور نہیں ہو سکتا۔ ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بار بار پانی میں، دودھ میں، کھانے میں اور پھلوں میں غیر معمولی برکت ہو چکی ہے! اور دوسری طرف یہ عالم ہے کہ آپ کی جگر گوشہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں فلتے ہو رہے ہیں۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر دل متاثر ہوتا ہے۔ مگر ہنا آہی کے آگے سر تسلیم خم ہے! غزوہ خیبر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی آنکھوں میں آشوب تھا۔ حضور لعابِ دہن لگاتے ہیں اور دکھتی آنکھیں اُن کی آن میں اچھی ہو جاتی ہیں۔ ایک طرف یہ ستارِ اختیار اور دوسری طرف یہ مجبوری اور بے اختیاری کی یہ کیفیت کہ خود آپ پر جادو کا اثر ہوتا ہے اور آپ اُسے دور نہیں فرما سکتے!

شبِ اسراء میں ”طے زمان و مکان“ کا یہ عالم کہ ایک رات میں افلاک، سدرہ و عرش اور عالمِ دراد الوراہ اور لامکان تک کی بیر کر آئے، دوسری طرف بعض غزوات میں یہ کیفیت ہے کہ صحابہ کرام کے پاس پوری سواریاں نہیں ہیں۔ گرمی کی شدت ہے، زمین تپ رہی ہے۔ بعض بعض نے تو اپنے پیروں پر چستیرے لپیٹ لئے ہیں۔ حضور ان حالات کو دیکھتے ہیں۔ اور دل دکھتا ہے، مگر راضی بہ رضا ہیں۔ ورنہ اگر آپ کے اختیار میں ہوتا تو ”طے ارمن“ کے معجزہ کے زور سے اسلامی لشکر کو اُن کی آن میں منزلِ مقصود پر پہنچا دیتے۔ اور صحابہ کرام سفر کی صعوبتوں سے بچ جاتے۔!

احادیث میں یہ معجزہ بھی ملتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک خفیہ مشورت ہوتی ہے، جس کا انفاذ مدینہ میں بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو جاتا ہے۔ اور دوسری طرف حدیث کی کتابیں یہ بھی بتاتی ہیں کہ حدیبیہ، مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے، وہاں حضرت عثمان غنی کی شہادت واقع نہیں ہوتی، صرف افواہ سن کر آپ صحابہ سے

بیعت لیا شروع کر دیتے ہیں اور کئی دن تک اصل حقیقت سے رسول اللہ اور صحابہ باخبر نہیں ہو پاتے !
حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام ہی کے واقعہ کو لے لیجئے کہ ایک طرف تو آپ پیر امین یوسف کی خوشبو بہت دور سے
سونگھ لیتے ہیں اور دوسری طرف یہ عالم ہے کہ برسوں تک حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات سے بے خبر رہتے ہیں۔ اور اس غم میں
آپ کی آنکھیں سفید ہو جاتی ہیں !

جو لوگ اولیاء اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہر کلمے کو مان لیتا ہے اور وہ قبر و برزخ سے
لوگوں کی مشکل کشائی کرتے رہتے ہیں۔ اور مخلوق کے درد و مصیبت کو دور کرنا ان کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں ہے، کاش سورہ
یوسف میں تدبر و تفکر کی ان کو توفیق نصیب ہوئی ہوتی !

حضرت یعقوب علیہ السلام برسوں تک شدید حزن و ملال میں مبتلا رہتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور مشیت
و حکمت اپنے مقرب و برگزیدہ نبی کے اس اضطراب، بے چینی، اور غم و اندوہ کی پر فانی نہیں کرتی، یہ حزن و ملال اسی وقت
دور ہوتا ہے جب اللہ کی مشیت کو منظور ہوتا ہے۔ جب انبیاء کرام تک رضائے الہی کے مقابلہ میں استغناء اختیار ہوں۔
تو وہ کون ایسا ولی اور اللہ کا پیارا ہے، جو انبیاء کرام سے زیادہ اللہ کی بارگاہ میں مقرب اور محبوب ہے اور مشیت الہی
جس کے اشاروں پر چلتی ہے ! (معاذ اللہ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر سینکڑوں میل دور کے ایک مقام کو منکشف فرمادیا تھا۔ آپ نے
”ساریہ! الی الجبل“ کا لغزہ مدینہ سے بلند کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ساریہ کو حضرت عمرؓ کی یہ آواز سنا دی۔
یہ کرامت ہے، اور حق ہے ! مگر اس کرامت سے کیا یہ اصول وضع کیا جانا قرین صواب ہے کہ مملکت اسلامیہ کا ایک
ایک گوشہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نگاہوں کے سامنے رہتا تھا ! اور اسلامی فوجوں کو جب اور جہاں کہیں بھی کوئی
خطرہ پیش آتا تھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ میں بیٹھ کر اُسے دیکھ لیا کرتے تھے اور وہیں سے فوج کے کمانڈروں
کو کرامت کے ذریعہ مطلع فرمادیا کرتے تھے ! اور کیا اس واقعہ کے بعد سے صوبوں کے گورنروں اور حضرت عمر فاروق کے
درمیان گفتگو دور دور ہی سے کرامت کے ذریعہ ہو جایا کرتی تھی۔ حالانکہ تاریخ بتاتی ہے اور ٹھیک بتاتی ہے کہ حضرت
عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس جنگ کے میدانوں سے خبر آنے میں دیر ہو جاتی تھی تو آپ انتہائی مضطرب رہتے تھے۔
اور بعض گورنروں کی جب شکایتیں آپ تک پہنچی ہیں، تو آپ تحقیق حال کے لئے سینکڑوں میل کے دشوار گزار سفر کی
صعوبت برداشت فرما کر صوبہ کے صدر مقام پہنچے ہیں۔ !

ایک طرف تو ”برطرا م اعلیٰ نشینم“ کا یہ عالم کہ سینکڑوں میل کا واقعہ فاروق اعظم پر منکشف ہو جاتا ہے اور
دوسری طرف ۔ ع

”گئے، پشت پائے خود نہ بینم“

کی یہ کیفیت کہ لوگوں کو خبر لے کر آپ کے قتل کرنے لگے آتا ہے اور آپ کو اس کے ارادے کی، آمد کی اور اُس کے
خبر کی خبر نہیں ہو پاتی۔ !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ”بشریت“ اور اُس کے لوازم سے جب بحث کی جاتی ہے
تو اہل بدعت بہت چراغ پاہونے ہیں کہ یہ ”ولہی“ اس عنوان سے حضور کی شان گھٹاتے ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل اپنا جیسا بشر سمجھتے ہیں!

اس بحث کے آغاز سے قبل ایک مثال عرض کی جاتی ہے۔ قادیان کرام اس پر ضرور غور فرمائیں۔ کہ بعض سیدھی اور سچی باتیں بھی بعض اوقات آدمی کو بہت کچھ کھٹکتے لگتی ہیں۔ اس مثال سے اسی قسم کے خدشوں اور وسوسوں کا ازالہ مقصود ہے! کسی بادشاہت میں بادشاہ نے اپنے ایک مقرب، ندیم اور پسندیدہ آدمی کو صوبہ کا والی اور حاکم مقرر کر دیا ہے۔ یہ حاکم بادشاہ کا پوری طرح فرما بردار اور نیاز مند ہے، کچھ لوگ جو اس حاکم سے غیر معمولی عقیدت رکھتے ہیں، یہ کہنے لگتے ہیں کہ اس حاکم کو تو بادشاہ نے ملک کے سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا ہے! بس جو کچھ یہ حاکم چاہتا ہے، وہی ہو کر رہتا ہے۔ خود بادشاہ سلامت اس والی کے رضا جو میں۔ حقیقی بادشاہ نے اپنے تمام اختیارات اس حاکم کو عطا کر دیے ہیں، کسی ملکی مسئلہ پر یہ حاکم اڑ بیٹھے اور صند کرنے لگے تو بادشاہ سلامت کو اس کی صند پوری کرنی پڑتی ہے! یہ حاکم بادشاہ کا دراصل انتہائی محبوب ہے اور محب اور محبوب میں اپنا پورا ہا نہیں ہوا کرتا۔ جو محبوب کی مرضی، وہی محب کی مرضی! عشق و محبت میں۔ ع

من تو شدم تو من شدی

کا معاملہ ہوتا ہے!

ملک کے دوہے ارہا پ فکر اور اہل کار جو بادشاہ اور حاکم صوبہ کے فرق مراتب کا لحاظ رکھتے ہیں اور ملکی سیاست اور بادشاہت کے مسائل کی نزاکتوں سے واقف ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ صوبہ کے حاکم کی شان میں اس طرح کا غلو، خود نظام سلطنت میں ابتری پیدا کر دے گا اور بادشاہ اور عمال اس عقیدہ کے بعد قریب قریب ایک ہی سطح پر آ جائیں گے۔ تو اس عقیدت کے غلو کے جواب میں اگر وہ یہ کہیں:-

”بھائیو! ایسا نہ کہو، یہ صوبہ کا حاکم تو بادشاہ سلامت کا نوکر اور چا کر ہے۔ بادشاہ کی ملازمت سے پہلے بھی تو آخر یہ کھانا پیتا انسان تھا۔ اس وقت اس کی یہ حیثیت کہاں تھی؟ بادشاہ کی جو نیوں کے طفیل اس کو یہ عزت اور منصب ملا ہے! اور تم جو عقیدت اس حاکم کے بارے میں رکھتے ہو، اس کا علم اگر اس حاکم کو ہو جائے تو وہ اسے کسی عنوان پسند نہ کرے گا۔ بلکہ اپنے عقیدت مندوں پر اٹھا خفا ہو گا۔ بادشاہ سلامت خود محنت رکھتا ہے۔ پرستیار اور معاملہ فہم ہیں، وہ اس حاکم کی ہر بات کو مان کس طرح سکتے ہیں! ان پر ان کے کسی ماتحت کا زور چل کیسے سکتا ہے؟ اور ان کے دربار میں تو یہ حاکم ہاتھ باندھے کھڑا رہتا ہے۔ بالکل چاکروں اور غلاموں کی طرح! بادشاہ سلامت چاہیں تو اس حاکم کو بھرے دربار سے نکلوا دیں، بادشاہ کو سب کچھ اختیار ہے۔ جس کو عزت دی ہے، اس سے چھین بھی سکتا ہے۔ اور ہاں! فلاں فلاں معاملہ میں تو اس حاکم کی درخواست کو جہاں پناہ لے رو کر دیا۔ آقا پھر آقا ہے، نوکر پھر نوکر ہے!“

یہ الفاظ اگر سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے دیکھے جائیں۔ یعنی کسی کو ان کا پس منظر نہ معلوم ہو کہ کس ”مبالغہ آمیز“ عقیدت کے جواب میں یہ کہے گئے ہیں، تو بعض پڑھنے اور سننے والوں کے دل میں یہ کھٹک پیدا ہو سکتی ہے کہ ”والی صوبہ اور حاکم علاقہ کی شان میں سو ادب ہاکم سے کم خفت کا پہلو اختیار کیا گیا ہے“

مگر جب کسی کے سامنے اس قضیہ کا پس منظر ہو گا کہ بعض لوگوں نے اپنی کم فہمی کے سبب حاکم صوبہ کو بادشاہ کا مد مقابل ٹھہرا دیا تھا اور وہ ایسی ایسی مبالغہ آمیز باتیں حاکم کی شان میں کہتے تھے، اُس کے جواب میں یہ کچھ کہا گیا، تو اس عبارت میں اسے کوئی کھٹک محسوس نہ ہوگی، کہ مقصود "حاکم صوبہ" کی خفت اور اہانت نہیں ہے۔ بلکہ حاکم صوبہ کو بادشاہ سلامت کے مد مقابل جو ٹھہرایا جا رہا تھا، اُس کی تردید مقصود ہے!

شُرک و بدعت کے رد میں بعض موحّدین کو یہی انداز بیان اختیار کرنا پڑا ہے۔ جس کو اہل بدعت "اہانتِ رسول" کے عنوان سے اور اُس پر طرح طرح کے عاشریئے پھینکے جا کر پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بزرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کے فدائی اور جاں نثار تھے اور حضور کی معمولی سے معمولی سنت کو بھی جان و دل سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ان کی پوری زندگی "اچھا سنت" ہی کی جدوجہد میں گزری! اور ان کی یہی تمنا، آرزو اور کوشش رہی کہ مسلمان "سنتِ رسول" کو اپنی زندگی کا نصب العین، محور، اور غایت و مقصود بنالیں۔ — ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض موحّدین علماء سے لفظوں میں بے احتیاطی ضرور ہو گئی ہے! بات فریبہ اور خوبصورتی کے ساتھ محتاط انداز میں کہنی چاہیے تھی۔ ان بزرگوں کی پوری زندگی میں ہم سنتِ رسول کو جلوہ گر ہاتے ہیں۔ اس لئے اُن سے "اہانتِ رسول" جیسا غارت گریمان جرم منسوب نہیں کر سکتے! اُن کے دینی شغف اور دوسرے حالات کو دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان حضرات کی نیت بخیر تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ ملہرہ پر اسی لئے تو عمل کرتے تھے کہ حضور کی محبت اور عقیدت اُن کے دلوں میں رچی اور بسی ہوئی تھی۔ مگر ساتھ ہی اس کا بھی ہمیں اعتراف ہے کہ لفظوں کی بے احتیاطی اور بدسیفگی کے سبب خود اُن کے مشن کو اس لئے نقصان پہنچا، کہ مخالفین نے اس لفظی اونچ نیچ اور اظہارِ دبیان کی بے اعتدالی کو نمک مرچ لگا کر عوامِ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ اور اُن کا یہ حربہ کامیاب رہا۔ تختہ گل پر جو کچھ کے چھینٹے پڑ گئے تھے، فریقِ مخالف نے ان کو اتنا نمایاں کیا کہ چسپے یہ پتھروں کا تختہ نہیں ہے، بلکہ سائے کا سارا گھوڑا اور تمام کا تمام مزبلہ ہے!!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "بشریت" کے مسئلہ پر گفتگو کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ اہل بدعت نے "محمدٌ عبدٌ ورسولہ" کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ اس کی براہِ راست زد "توحید" کے عقیدہ پر جا کر پڑتی ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "مالک کون و مکان"۔ "احمد بلا مہم" اور "عالم الغیب" سے لے کر۔

وہ جو کہ مستوی عرش ہے خدا ہو کر

اُتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر (معاذ اللہ)

تک کہہ دیا ہے! اور اس اپنی عقیدت اور عشقِ رسول پر یہ لوگ تاز بھی فرماتے ہیں! حالانکہ وہ "عشقِ رسول" جس سے عقیدہ توحید مجروح ہوتا ہو، نہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محترم ہے! اسی قسم کی "مجت" قدر و ستائش کی جگہ ناپسندیدگی بلکہ عتاب کا باعث ہوگی!

قرآن پاک ہی نے ہمیں اس کی تعلیم دی ہے، اسی بنا پر ہم اللہ کے نبیوں اور رسولوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ اور اُن سب کی عزت و احترام کرتے ہیں۔ اور ہمارے قلوب تمام اہیاءِ کرام کی عقیدت، احترام اور محبت سے معمور ہیں۔ تمام پیار جن میں نبی آخر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی شامل ہیں۔ اس طرح ہیں، جیسے ایک ہی خاندان کے افراد اور ایک ہی گھر کے بھائی ہوتے ہیں!

قرآن پاک میں انبیاء کرام کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ جن کی چند جھلکیاں اوپر پیش کی جا چکی ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ ترین بندوں کی "بشر" اور "عبد" کی حیثیت ظاہر کی گئی ہے۔ اور "عبد" بھی کیسے؟ اللہ تعالیٰ کے اتہائی فرمانبردار اور اپنے معبود کے آگے اپنا عجز و نیاز پیش کرنے اور اُس سے ڈرنے والے! اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو شرف وحی سے بھی نوازا تھا! اور ان کو معجزات بھی عطا کئے تھے۔ مگر اس تمام اکرام و اعزاز اور تقرب کے باوجود وہ "بشر" اور "بندے" ہی تھے۔

قرآن پاک میں جگہ جگہ انبیاء کرام کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ جن سے ان کی "الوہیت" کی لہنی ہوتی ہے اور ان کی "بشریت" اور "عبدیت" کا ثبوت ملتا ہے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے واپس آئے ہیں، تو آپ نے دیکھا کہ قوم گنوسالہ پرستی کی لعنت میں مبتلا ہے۔ اس پر آپ کو خیال ہوا کہ آپ کے بھائی اور جانشین حضرت ہارون علیہ السلام سے شاید اصلاح حال میں کچھ کوتاہی ہوئی، اس پر آپ نے غضب میں آکر:-

وَاللّٰحٰی الْاَلْوَاخِ وَاخَذَ بِرَاسِ اَخِيْهِ يَجْرُكُهَا اِلَيْهِ هَ قَالَ ابْنُ اُمَّمَ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضَعُّوْنِيْ
وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنِيْ مَعِ فَلَا تَشْمِئْ بِبَنِي الْاَعْدَاءِ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ه
اور ڈال دیں وہ تختیاں اور پکڑا سر اپنے بھائی کا۔ لگا کھینچنے اُس کو اپنی طرف۔ وہ بولا کہ میرے
ماں جلے بھائی لوگوں نے مجھ کو کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو مار ڈالیں۔ سو مت ہنسا
مجھ پر دشمنوں کو اور نہ ملامت مجھ کو گنہگاروں میں۔!

حضرت ہارون علیہ السلام کے اس جواب پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوتا ہے کہ شدت غضب میں جو اپنی ہوائے نفس کے لئے نہیں بلکہ خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے یہ غضب اور غیرت تھی، ان سے پوری نیک نیتی کے باوجود بے اعتدالی ہو گئی ہے، تو آپ نے فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی:-

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِاَخِيْ وَ اَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ه
رہوئی ہلے کہا۔ اے میرے رب مجھے معاف کر اور میرے بھائی کو۔ اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت
میں اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عصا اور یہ بیٹھا کے معجزات عطا فرمائے تھے، ضرب کلیمی کے اثر سے سمندر پھٹ گیا تھا۔ اور فرعون اپنے لاکھ لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی دُنبوی زندگی میں حضرت کلیم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم سے کلام فرمایا۔ یہ تمام شرف و مجد اپنی جگہ درست اور بجا! مگر وہ بہر حال "عبد" اور "بشر" ہی تھے۔ سارے جہان کے احوال و کوائف آپ پر روشن نہیں تھے۔ اسی بنا پر آپ نے اپنے بھائی ہارون کے بائیں میں ایک ایسا خیال قائم کیا تھا۔ جو واقعہ کے مطابق نہ تھا۔ جس کی تفصیل ابھی اوپر گزر چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے تنزیہی عصمت جس میں ذہول و نییان کا مشائبہ تک نہ ہو، صرف اللہ تعالیٰ ہی کو زیب ہے!

عنور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کو قرآن پاک میں بار بار "عبد" کہا گیا ہے۔
الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ! -

(سب تعریف اللہ کو جس نے اتاری اپنے بندہ پر کتاب !)

واقعہ معراج کا ذکر فرمایا تو اس میں بھی :-

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ ۗ - پاک ذات ہے، جو لے گیا اپنے بندہ کو !

فرمایا گیا۔ یعنی حضورؐ کی "عبدیت" کا اظہار اور اعلان !

واقعہ معراج اتنا بڑا شرف تھا کہ کسی بنی آدمی کو یہ شرف اور تقرب عطا نہیں فرمایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دیکھا۔ آپؐ کو کیا دکھایا گیا۔ قرب کی منزلیں کس طرح طے کیں۔ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے ! اس لئے ایسے عظیم الشان اور عجیب العقول واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے "اَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ" کا اعلان کیا کہ لوگ واقعہ معراج سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اور صاحب معراج کی "عبدیت" کا عقیدہ تروتازہ رہے۔ اور کسی مشرک کا نہ تصور سے یہ عقیدہ دبے نہ پائے۔ پھر خود آپؐ کی زبانِ وحی ترجمان سے آپؐ کے "بشر" ہونے کا اعلان کرایا گیا :-

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ

تو کہہ میں بھی آدمی ہوں جیسے تم (جز اس کے کہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے)

اس آیت میں بھی "مِثْلُكُمْ" غور طلب ہے۔ رسول اللہ سے صرف یہی نہیں کہلوایا گیا کہ "أَنَا بَشَرٌ (میں بشر ہوں) بلکہ "بشریت" کے ساتھ اس کا اظہار ضروری سمجھا گیا کہ "مِثْلُكُمْ" (تم جیسا بشر ہوں) تاکہ آپؐ کی "بشریت" میں کسی الوہی صفت کے تشابہ کا بھی امکان نہ رہے !

اس آیت میں ذرا سا بھی ابہام اور تشابہ نہیں۔ یہ ایک محکم آیت ہے۔ جس کے ایک سے زیادہ معنی ہو ہی نہیں سکتے۔ اب کوئی قرآنی تحریف پر ہی سئل جلتے اور "إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کو "إِنَّ مَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" (یعنی میں تم جیسا بشر نہیں ہوں) بنا دے، تو ایسے ظالم گستاخ، اور مخرب قرآن کو ہم لائق خطاب ہی نہیں سمجھتے !

ہمارا ایمان ہے کہ جہاں تک فضیلت کا تعلق ہے کوئی بشر حضورؐ کی برابری نہیں کر سکتا ! آپؐ انبیاء کے سردار اور رسولوں کے پیشوا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد ہر عزت و عظمت کی سردار اور سرکار ہی کی ذات ہے ! حضورؐ کے نعلین مبارک سے جو ذرے چھو جائیں، خدا کی قسم وہ ذرے ہماری روحوں سے زیادہ لطیف اور مبارک ہیں ! مگر ان تمام صفات و کمالات کے باوجود آپؐ میں "بشر" ہی۔ الوہی صفت کے آپؐ حامل نہیں۔ بلکہ بشری صفات کے حامل ہیں ! اور اس پر قرآن اور احادیث گواہ ہیں۔ جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "بشر" نہیں مانتا یا آپؐ کو "بشر" کہتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔ وہ اللہ کے کلام کو جھٹلاتا ہے ! یا کم سے کم اُسے اشتباہ و تشکیک کی نگاہ سے دیکھتا ہے، یا اُسے اس بات کا زعم اور دعویٰ ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں رسول اللہ کی حقیقت کو وہ زیادہ جانتا ہے ! (معاذ اللہ)

حضورؐ کی تمام زندگی قرآن کے اس اعلان "أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کی مشابہت ہے۔ اللہ نے چاہا تو رات کی رات میں لامکان تک کی سیر کرادی ! اور جب نہ چاہا تو تاریخ و سیر میں یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ حضورؐ جب مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرماتے ہیں تو عبد اللہ بن ابی قحطابہ جو مسلمان بھی نہ تھا، اُس کی خدمات مدینہ کے سفر میں راستہ بتانے کے لئے حاصل کی جاتی ہیں۔ اور شب معراج میں فلک الافلاک کی سیر کرنے والا، کئی دن کی مسافت کے بعد قبا پہنچتا ہے اور اس سفر میں ایک غیر مسلم دلیل راہ ہوتا ہے !

اللہ نے چاہا تو یہ بھی ہوا کہ سراقہ بن جحشم نے ہجرت کے وقت راستہ میں حضور کا تعاقب فرمایا۔ اور جب حضور کے قریب پہنچنے کا ارادہ کیا تو گھوڑے کو گھوڑ کر لئی اور سراقہ زمین پر گر پڑا۔ اور ایک بار تو گھوڑے کے سر بھی زمین میں جبری طرح دھنس گئے۔ دوسری طرف یہ واقعہ بھی تاریخ و سیر میں ملتا ہے کہ غزوہ احد میں عبد اللہ بن قتیبہ کی تلوار حضور کے مغز پر پڑی تو دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ گئیں۔ اور چہرہ مبارک سے خون جاری ہو گیا۔ دونوں واقعات اس حقیقت کو سامنے لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو سراقہ کے گھوڑے کو زمین میں دھنسا دیا۔ مگر غزوہ احد میں ابن قتیبہ کی تلوار نے آپ کو زخمی کر دیا اور اس تلوار کی زد کو روکنا اللہ کی مشیت اور حکمت کو منظور نہ تھا۔ حضور یہ تو نہیں چاہتے تھے کہ خود زخمی ہو جائیں اور تیرا انداز صحابہ کی غفلت کی وجہ سے مسلمانوں کی شکست ہو جائے! یہی وہ مقدرات تھے جن کا رد کرنا حضور کے قبضہ اختیار میں نہ تھا۔ اس لئے کہ آپ ”عبد“ اور ”بشر“ تھے!!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کافروں کے جادو اور زہر کا بھی اثر ہو جاتا ہے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم دفات پاتے ہیں تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کے اختیار میں ہوتا تو تخت جگر کو بھلا مرنے دیتے۔ اور پیٹ کے غم میں یہ اشکباری بشری فطرت کا عین تقاضا تھی!

”الآن کما کان“ تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے! کہ وہاں کسی تغیر و حادثہ کا ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا۔ بشر کو اللہ تعالیٰ نے جسم عنایت فرمایا ہے، لہذا اس میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی شباب اور اس کے بعد ادھیڑ عمر اور قدرے بڑھاپے کے آثار نمودار ہوئے، مسلم (جلد اول) کی روایت ہے:-

”ایک بار حضور نے بیماری کی حالت میں نماز عشاء پڑھنے کے لئے مسجد میں جانے کا ارادہ کیا۔ جب چلنے لگے تو غش آ گیا۔ جب افاقہ ہوا تو گھر والوں سے دریافت کیا کہ مسجد میں لوگوں نے کیا نماز پڑھ لی ہے۔ گھر والوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ کئی مرتبہ اسی طرح ہوا اور وہ ہمیشہ کہ آپ ”بشر“ تھے!

”بشر“ اور ”عبد“ ہونے کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور اسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے تھے۔ اور ہم بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے دعا مانگتے ہیں کہ بندوں کی فریاد کو وہی پہنچ سکتا ہے! دلوں کے چھپے ہوئے خطروں کو وہی جان سکتا ہے اور دل کی دھڑکن کو وہی سن سکتا ہے! جو حی و قیوم ہے، جس کی ذات کو فنا نہیں۔ جس کو نہ ادنگھ آتی ہے اور نہ نیند! اور نہ دینا کے کارخانے کے چلانے سے اسے ٹھکن محسوس ہوتی ہے۔ نہ جس پر بیماری کا کوئی اثر ہوتا ہے۔ جو لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ ہے جس سے کوئین کا ایک ذرہ بھی چھپا ہوا نہیں ہے! ہمہ شما کا کیا ذکر، انبیاء اور صلحاء بھی اس کے محکوم، تابع فرمان اور اس کی رضا کے چلنے والے ہیں۔ اور اس کی مشیت کے آگے دم بخود ہیں!

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے ایک مستند واقعہ کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے:-

”مصعب بن عمیر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت میں مشابہ اور علم بردار تھے، ابن قتیبہ نے ان کو شہید کر دیا۔ اور عمل چم گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی۔ اس آواز سے عام بدجوئی چھا گئی، بڑے بڑے دیروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بدجوئی میں اگلی

صفیں پھیلی صفوں پر ٹوٹے پٹریں اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی۔ حضرت حذیفہ کے والد
ریحان، اس کشمکش میں آگے اور اُن پر تلوا رہیں برس پٹریں۔ حضرت حذیفہ چاہتے ہی
رہے کہ میرے باپ ہیں۔ لیکن کون سنتا تھا۔ غرض وہ شہید ہو گئے، اور حضرت
حذیفہ نے ایثار کے لہجہ میں کہا۔ مسلمانو! خلا تم کو بخش دے! (صحیح بخاری غزوة احد)

بحوالہ سیرت النبی جلد اول

یہ صحابہ کرام ہیں! حضور کے تربیت یافتہ! خود حضور موقعہ و احوال پر موجود ہیں۔ مگر صحابہ کی بے خبری
اور لاعلمی کے سبب ایک مسلمان کی شہادت واقع ہو جاتی ہے! حضور بھی صحابہ کرام کو متنبہ نہیں فرماتے کہ یہ کیا کر رہے
ہو؟ اگر حضور کو اس کشمکش کا علم ہوتا تو صحابہ کو روکنا اور ٹوکنا آپ پر فرض ہو جاتا۔ جب صحابہ کرام جو انبیاء کے
بعد امت میں سب سے افضل ہیں۔ اُن کا یہ عالم ہو کہ نظر دل کے سامنے کے آدمی کو کشمکش میں نہ پہچان سکیں! تو
ہم کسی ولی، قطب، غوث اور ابدال کے بارے میں یہ "حسن ظن" قائم کر لیں کہ اُس پر ساری دُنیا کے احوال و
کوائف ہمہ وقت منکشف رہتے ہیں۔ اور اُس کو جہاں سے بھی پکارا جائے وہ پکارنے والے کی پکار سن لیتا ہے۔
اور اُس کی مصیبت کو دور کر دیتا ہے!

اس تفصیل کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پڑھیے:-

اخرج التبخان عن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تطروني
كما اطرت النصارى بن مريم فانها انا عبدك لا فقوموا عبد الله ورسوله
مشكوة کے باب المغازہ میں لکھا ہے کہ بخاری و مسلم نے ذکر کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ
نے روایت کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے حد سے زیادہ نہ بڑھاؤ
جیسا حضرت عیسیٰ بن مریم کو نصاریٰ نے بڑھایا۔ سو میں تو اُس کا بندہ ہوں، (میرے
بارے میں) یہی کہو کہ "اللہ کا بندہ اور اس کا رسول؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ:-

"میرے مرتبہ کو نہ گھٹاتا"

اس لئے کہ پھیلی امتزوں کے احوال آپ کے سامنے تھے۔ کہ انہوں نے بعض انبیاء کے مرتبہ کو گھٹایا نہیں تھا۔
بلکہ حد سے زیادہ بڑھا دیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ جو کوئی کسی نبی کا امتی اپنے نبی کے مرتبہ کو گھٹاتا ہے۔ اُس کا ایمان
ہی کب سلامت رہتا ہے، خوف، الحاد اور بے دینی سے نہیں بچتا۔ وہ تو ظاہر ہو جاتی ہے! محلی خوف وہ "عقیدت"
ہے، جو اُس شخص کو جس سے عقیدت ہوتی ہے، بڑھا کر کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ ایسی عقیدت خوفناک اور
بہر خطر اس لئے ہے کہ عقیدت مند اتنا کچھ کرنے کے بعد اس غلط فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے،
ٹھیک کیا ہے اور جس کی محبت اور عقیدت میں کیا ہے اُس کی خوشنودی مجھے حاصل ہو گی!

نصاری حضرت عیسیٰ کی معجزانہ ولادت، آپ کے معجزات اور آپ کے "کلمتہ اللہ" اور "روح اللہ"
ہونے سے دھوکا کھا گئے، اور عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کے بندے اور بشر ہونے کی حقیقت کو بھلا بیٹھے!

یہاں تک کہ انھیں ابن اللہ بنا دیا۔ اور یہ شرک کرنے کے بعد بھی وہ ”موجد“ ہونے کے دعویدار ہیں۔ اور اس حسن ظن بلکہ غلط فہمی اور جہالت و حماقت کا شکار ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ”ابن اللہ“ کا عقیدہ رکھنا۔ ”توحید“ کے منافی اور مخالف نہیں ہے!

ایک اور حدیث ہے، جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں حضور نے ارشاد فرمایا:-

إِنِّي لَا أُرِيدُ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ نَزَلْتِي أَلْتِي أَنْزَلَنِيهَا اللَّهُ تَعَالَىٰ أَنَا مُحَمَّدٌ

بن عبد اللہ عہد کا ورسولہ - (رواہ زرین)

ریشک میں نہیں چاہتا کہ بڑھاؤ تم مجھ کو زیادہ اس رتبہ سے جو اللہ نے مجھے بخشا

ہے۔ میں تو وہی محمد ہوں بیٹا عبد اللہ۔ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول

جس مسلمان کو حضور کے ارشاد اور فرمان و نصیحت کا پاس ہو گا، اس کے قلم، زبان اور کسی دوسرے عمل سے

ایسی بات ظاہر ہو ہی نہیں سکتی، جو ”محمد بن عبد اللہ“ کو ”ارباب من دون اللہ“ بنا دے!

حضور کا یہ فرمانا کہ:-

”إِنِّي لَا أُرِيدُ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ نَزَلْتِي...“

(بے شک میں نہیں چاہتا کہ تم بڑھاؤ مجھ کو زیادہ میرے رتبہ سے...)

اور یہ ارشاد:-

”لَا تَطْرُونِي“ (مجھ کو میری حد سے زیادہ نہ بڑھاؤ)

کتنی نفسیاتی حکمتوں کا حامل ہے۔ اور اس سے شرک آمیز عقیدت کی جڑ کٹی ہے! اس ”عبد کامل“ کے قربان

جائیے کہ جس نے اُمت کو گمراہی اور ضلالت کے فتنوں سے بچانے کے لیے کیسے کیسے خطروں، ذہن و نفس کی چوریوں

اور شیطان کے فریب سے خیردار فرمادیا ہے!

یہ حدیثیں دو حقیقتوں کو سامنے لاتی ہیں:-

۱- ایک تو یہ کہ حضور کی مدح و منقبت اور توصیف و نعت اس انداز میں کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ جس سے

کسی دوسرے نبی کی منقبت نکلتی ہو۔ کوئی شک نہیں کہ حضور ”سید الانبیاء“ ہیں۔ مگر اس قسم کے اشعار سے

آج یوسف بھی ان کی عنلائی میں ہیں

لو لے دیکھا زینا ہمارا نبیؐ

خدا اور رسول کی خوشنودی کا سبب نہیں ہو سکتے! بلکہ بارگاہ رسالت سے ان کو رد ہی کر دیا جائے گا۔ شاعری

میں اس قسم کے شعروں کی اچھی خاصی تعداد ملتی ہے!

۲- دوسری حقیقت اور حکمت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات میں سب سے افضل ہیں۔ اس لئے دُنیا کے جس بڑے سے بھی بڑے

انسان پر آپ کو فضیلت دی جائے گی۔ تو اس ”فضیلت“ اور انداز نعت و توصیف پر:-

”لَا تَطْرُونِي“ (مجھ سے زیادہ نہ بڑھاؤ)

کے انتباہ اور ممانعت و قدغن کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بعد تمام مجد و شرف حضور ہی کے لئے سزاوار ہے۔ اور ایسی تعریف جس میں حضور کو تمام مخلوقات سے افضل کہا جائے "حد سے زیادہ بڑھی ہوئی ہوئی" دہی نعت رسول اور توصیف ہوگی جس میں حضور کو حد شریعت سے بڑھا کر مرتبہ الوہیت کے برابر پہنچا دیا جائے! اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری صفات اور پیمبرانہ کمالات میں "الوہیت" کا رنگ پیدا کیا جائے! قرآن پاک میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی نرجمان سے یہ کہلوا یا جاتا ہے:-

قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ -

راے بنی! کہہ کہ میں مالک نہیں ہوں اپنے واسطے بڑے کا نہ بھلے کا، مگر جو اللہ چاہے!

اب اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس انداز میں تعریف کرتا ہے کہ ساری مخلوقات آپ کے در سے پل رہی ہے، آپ کا سناتنہ کے مالک و محنت رہیں۔ آپ حاضر و ناظر ہیں، آپ ہر امتی کے حال پر نگاہ رکھتے ہیں۔ آپ پر لیٹان حالوں کی فریاد سننے اور ان کی مشکلوں کو کھولتے ہیں، تو وہ آپ کو "حد سے زیادہ بڑھاتا" ہے۔ اور ایسا کرنے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے! قرآن کریم کی متعدد آیتیں اس کی شہادت دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی "عالم الغیب" نہیں ہے! خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ پاک نے فرمایا:-

"ہم نے بعض رسولوں کا تم سے ذکر کیا اور بعض رسولوں کا ذکر ہی نہیں کیا۔"

وَأَتَيْنَاكَ إِذْ زُلْزِلَتْ أَسْفُلُ سُلْطَانٍ قَدْ قَضَيْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرَسُولًا لَمْ نَقْضُصْ عَلَيْكَ - (النساء)

یعنی ہم نے داؤد کو زبور دی، ہم نے ان رسولوں پر وحی نازل کی، جن کا ذکر اس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا۔ (یعنی تمہیں جن کے احوال کی اطلاع نہیں دی)

قرآن پاک تو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض رسولوں کے حالات تک کی اطلاع نہیں دی مگر اس کے خلاف کوئی اگر حضور کو "عالم الغیب" کہے یا یہ کہ "ما کان وما یکون" کا علم آپ کو دیا گیا ہے اور کائنات کے احوال کی کوئی اگلی پھلی بات آپ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ تو یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو:-

"حد سے زیادہ بڑھانا"

جس کی ممانعت آئی ہے! تو جو لوگ "عشق رسول" کے نام پر حضور سے الوہی صفات منسوب کرتے ہیں۔ ان کا یہ "عشق" خود ان کی ذات کے لئے آخرت میں وبال بن جائے گا۔ اور اس قسم کے فاسد عقائد سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برأت اور بیزاری کا اظہار فرمائیں گے! یہ "عشق" کی عجیب و غریب قسم ہے کہ "محبوب" کچھ کہتا ہے اور عشاق کچھ اور کہتے ہیں بلکہ اس کے کہنے کا الٹ کر کے دکھاتے ہیں۔ محبوب کے حکم کی خلاف ورزی کر کے، اس سے دعویٰ محبت کرنا۔ محبت نہیں نفس کا فریب اور شیطان کا پھونکا ہوا افسوس ہے!

یہ "عطائی" اور "ذاتی" کی بحث و تفریق جس کی طرف چند صفحے پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے، بڑی دھوکے میں ڈالنے والی چیز ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے انبیاء، اولیاء اور شہداء کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ وہ کائنات میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔

قرور نرخ میں ہزاروں میل سے لوگوں کی فریاد سن کر ان کی مصیبتوں کو ٹال دیں۔ کون و مکان کا کوئی ذرہ ان سے پوشیدہ نہ رہے۔ رزق، اولاد، دولت، جاہ و منصب کے وہ بانٹنے اور عطا کرنے والے ہوں۔ تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ”ذاتی خدا“ ہے، بہت سے ”عطائی خدا“ بنا دیئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی غیرتِ لفرید و توجید اس ”شُرک“ کو گناہِ عنوان گوارا نہیں کر سکتی!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا:-

”کہ مجھے میری حد سے زیادہ نہ بڑھاؤ“

”عبودیت“ اور ”بشریت“ کا کتنا واضح اقرار اور کھلا ہوا اعتراف ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ہی صحت ایسی ہیں جن کی کوئی حد و نہایت نہیں۔ ہر بڑے سے بڑے انسان اور اللہ تعالیٰ کے مقرب سے مقرب بندہ کی ذات و صفت اور کمالات کی ایک حد ہے! اور سب سے نمایاں اور روشن حد تو ”بشریت“ اور ”الوہیت“ کی حد ہے کہ اس ”ٹوٹنا“ نہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ”حد شکنی“ سے خوش ہو سکتے ہیں۔ صحابہ کرام سے بڑھ کر عاشقِ رسول اور سرکارِ کائنات کا قدر شناس اور کون ہو سکتا ہے۔ انہوں نے حضور کی مدح و توصیف میں ایسا مبالغہ نہ کیا، جس سے یہ ”حد“ ٹوٹتی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمتیں ہوں کہ انہوں نے انتہائی عقیدت و محبت کے باوجود اس ”حد“ کو چھوئے تک نہیں۔ بلکہ اس ”حد“ کی حفاظت کرتے رہے!

عیسائی، ہندو اور بودھ جتنے مشرکین اور کفار زمین کے پردے پر پائے جاتے ہیں، ان کا فسادِ عقائد اس بارے میں مشترک ہے کہ انہوں نے اپنے نبیوں، پیشواؤں اور رشیوں، مہینوں کو مبالغہ آمیز عقیدت سے ”الہ“ بنا دیا ہے۔ انہوں نے ”بشریت“ اور ”الوہیت“ کی حد کو توڑ دیا ہے۔ وہ ان بڑے لوگوں کو ”خدا“ نہیں کہتے مگر ان کی عقیدت ان سے ”الوہی صفات“ منسوب کر دی ہیں۔ ”کالی مائی“ کو کائنات میں تصرف کرنے کا ذرہ برابر اختیار نہیں۔ مگر ہندو ”کالی کی ہے“ پکارتے ہیں۔ مسلمانوں کا تو بس ایک ہی نعرہ ”اور جیکسا“ (Slogan) ہے، اور وہ ”اللہ اکبر“، مسرت کے وقت، مصیبت کے عالم میں، جنگوں اور محروکیوں میں ان کی زبان سے ”اللہ اکبر“ بلند ہوتا۔ تاریخ میں، سیر میں، احادیث میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ صحابہ کرام نے ”اللہ اکبر“ چھڑ کر یا اس کے ساتھ ساتھ ”یا رسول اللہ“ کا بھی نعرہ بلند کیا ہو! وہ ایسا نعرہ بلند کیسے کر سکتے تھے، جب کہ وہ توجید و رسالت کی حد کو جلتے اور پھٹتے، اور ان کا اس بات پر یقین جازم اور ایمان کامل تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کی فریاد اور پکار کو نہیں سن سکتا۔ تکبیر اسی کے نام کی بلند ہونی چاہیے۔ جو کائنات میں ”سب سے بڑا“ (اکبر) ہے؟ اور جو سمیع و بصیر، علیم و خیر، علیٰ کل شیء قدير ہے!

اہل بدعت نے ”نعرہ تکبیر“ کے توڑ پھڑ ”نعرہ رسالت“ اختراع کیا ہے، کہ وہ اپنے جلسوں اور جلوسوں میں۔ ”یا رسول اللہ“ کا نعرہ بلند کرتے ہیں! — یہ ہے:-

”وہ حد سے بڑھاؤ“

جس کی صورت نے نمازت فرمائی تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور ارشاد کی مخالفت کیے کوئی سعادت حاصل نہیں کر سکتا! اور ایسی ”عقیدت“ ان لوگوں کے عقیدہ پر ماردی جانے کی!

”نعرہ رسالت“ کے مقابلہ میں ”نعرہ حیدری“ (یا علی) حال ہی میں رجماد کیا گیا ہے! ایسا ہونا تعجب چیز نہیں ہے۔
کہ اہل بدعت نے ”توحید“ کے معاملہ میں ہمیشہ ڈھیل اور بے پروائی سے کام لیا ہے اور یہ ذہنیت ”بشر کا نہ عقیدت اور
بدعت و احداث“ کے مسئلہ میں ہر دور میں یکساں رہی ہے!

نصاری نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات، آپ کے ”روح اللہ“ ہونے اور آپ کی معجزانہ ولادت سے
عبدیت | دھوکا کھا کر، حضرت مسیح علیہ السلام کی شان میں اس قدر غلو کیا کہ جناب مسیح کو ”ابن اللہ“ بنا دیا۔ ان کی
اس گمراہی سے آنے والی انسانی نسل کو بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جہاں انبیاء کرام کے معجزات کا
ذکر فرمایا، وہاں انبیاء کے ”عبد“ اور ”بشر“ ہونے کا بار بار ذکر کیا۔ اور نبیوں اور رسولوں کی زندگی کے ایسے واقعات
پیش کئے، جس سے ان کی عبدیت اور بشریت واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی یہ شان تھی کہ انکلی کا اشارہ فرمایا اور چاند ڈوٹ گیا۔ ہڈیاں - دست مبارک
میں کنکریاں کلمہ پڑھنے لگیں۔ درخت کو اشارہ کیا تو وہ چلنے لگا۔ بھوکا پیاسا آدمی رحمت عالم کو دیکھ کر اس طرح
بلبلانے لگا، جیسے وہ اپنی بھوک پیاس کی فریاد کر رہا ہے! طشت میں ہاتھ ڈال دیا تو انگشتان مبارک سے پانی کی
دھاریں نکلنے لگیں، صاحب معراج، رحمتہ اللغلیں، سرارج منیر کائنات میں سب سے افضل و اعلیٰ، دنیا میں بہت بڑے
بڑے آدمی پیدا ہوئے لیکن پوری تاریخ انسانی میں ”انسان کامل“ ایک ہی پیدا ہوا۔ جس عمل پر اطاعت رسول کی چھاپ
نہ ہو، وہ عمل اللہ کے یہاں قبول ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ تمام فضائل و مناقب اپنی جگہ مسلم! مگر ان فضائل و معجزات
کو دیکھ کر لوگ دھوکا نہ کھا جائیں۔ اس لئے خود قرآن میں آپ کی بشریت اور عبدیت کا بہ تکرار اظہار کیا گیا۔ اور آپ کی
ذہانی کہلوایا گیا کہ:-

”میں کسی بھلائی اور برائی پر قدرت نہیں رکھتا“

نمازوں میں ”محمد آ“ کے معابد ”و عہدہ“ پڑھا جاتا ہے! اور پانچوں وقت ایک مسلمان کے یہ ذہن نشین

کرایا جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور بندے اور اللہ میں سب سے زیادہ
نمایاں امتیاز ”احتیاج“ ہے۔ کہ بندہ کسی مہتمم رفعت و تقرب پر بھی پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بے نیاز
نہیں ہو سکتا! بندگی اور احتیاج لازم و ملزوم ہیں! اور جو اللہ تعالیٰ سے خود احتیاج رکھتا ہو، کیا وہ تمام کائنات کے انسانوں کی احتیاج
معاملہ کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ میں (معاذ اللہ) انیس بیس کا فرق ہے۔
اور آپ کی ذات اور صفات اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے بس کچھ ہی نیچی ہیں! ہمارا ایمان ہے کہ حضور کائنات
میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں! مگر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفت کے مقابلہ میں یہ آپ کی علی مرتبت اور افضلیت
کوئی نسبت نہیں رکھتی۔ پس گھٹنگو میں، تقریر و تحریر اور شاعری میں کوئی ایسا رمز و کتابہ، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذات و صفت، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفت کے مماثل یا مشابہ ٹھہرتی ہوں۔ آپ کی صفات میں ”الوہیت“ کا امتزاج
پایا جاتا ہو۔ دینی نقطہ نگاہ سے رد کر دینے کے قابل ہیں۔ اور ایسی باتوں سے نہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو سکتی ہے اور
نہ رسول کی خوشنودی!!

زیارت قبور | قرآن کریم میں ”زیارت قبر“ کا کوئی حکم، اشارہ اور ایما تک نہیں ملتا۔ اور نہ کسی نبی اور صالح

امت کا کوئی ایسا واقعہ مذکور ہے کہ فلاں بنی نے اپنے سے پہلے بنی کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کیا تھا۔ یا بنی کے کسی صحابی نے بنی کے وفات پلنے کے بعد اس کی قبر کی مجاورت کی تھی!

اگر قبروں کی زیارت دین کی کوئی بہت بڑی اور ناگزیر ضرورت ہوتی تو اس کا ذکر قرآن پاک میں ضرور آتا! "زیارتِ قبور" دین کا کوئی ایسا رکن اور شعار کبھی نہیں رہا کہ جس کے ترک کر دینے سے کوئی دینی قباحت یا اعتقادی خرابی لازم آئے۔ ورنہ اس کا کسی نہ کسی عذبان سے قرآن ضرور ذکر کرتا!

کتاب اللہ کے بعد دین کا ماخذ سنتِ رسول اللہ ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت منصوص ہے! کتابِ سنت ہی کی اساس پر دین کی ساری عمارت قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کے "اسوۂ حسنہ" کو دینا کے لئے نود اور مثال (model) قرار دیا ہے۔ حقیقت میں جس منزل میں حضور کے نقش قدم نظر آتے ہیں۔ بس وہی صراطِ مستقیم ہے! حدیث میں ملتا ہے:-

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوا مَا فَاتَهَا تَزْهَدُوا فِي الدُّنْيَا وَتَذَكُرُوا الْآخِرَةَ۔
میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا۔ سو اب قبروں کی زیارت کیا کرو۔ کہ یہ چیز دنیا سے بے رغبت کرتی اور آخرت کو یاد دلاتی ہے!

شروع شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کی ممانعت فرمادی تھی۔ اور اس ممانعت کا سبب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ عرب بت پرستی کے عادی تھے، وہ کفر و شرک سے نکل کر نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ حضور کو اندیشہ تھا کہ ممکن ہے بعض طبیعتیں "قبروں" کی زیارت میں کسی ایسی بے اعتدالی کا ثبوت دیں جو اسلام کے نزدیک ناپسندیدہ اور مبغوض ہو۔ ممانعتِ قبور کی مدت کا تعین مشکل ہے کہ کتنے زمانہ تک یہ ممانعت باقی رہی، پھر حضور نے زیارتِ قبور کی اجازت دے دی۔ اور اس کی غرض کسی رمز و کنایہ کے بغیر بالکل واضح اور کھلے ہوئے لفظوں میں بتا بھی دی۔ یہ کہ قبروں پر اس لئے جاؤ کہ وہاں جانے سے (۱) دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو اور (۲) آخرت کی یاد آئے!

حضور نے یہ نہیں فرمایا کہ قبروں پر پھول اور چپاریں چڑھاؤ۔ اور اہل قبور سے اپنے لئے اللہ کے حضور دعا کرنے کے لئے درخواست کرو۔ یا ان سے استمداد و اعانت چاہو اور وہاں سے فیض حاصل کرو۔ اس قسم کا کوئی حکم، ایماں اور اشارہ تک حضور کے کسی قول اور فعل سے نہیں ملتا!

ایک طرف حضور نے زیارتِ قبور کی غایت بتادی اور دوسری طرف خود اپنی "قبر" کے بارے میں امت کو متنبہ کیا:-

اُخْرَجَ النَّسَائِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا أَوْ صَلَواتًا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَواتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ! حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری قبر کو "عید" مت بناؤ۔ اور درود بھیجو مجھ پر اس لئے کہ تمہارا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے، چاہے تم کہیں بھی ہو!

"عید" کہتے ہیں میلہ لگانے کو، اور اس سے سب لوگ جانتے ہیں کہ میلوں ٹیبلوں میں کیا کیا ہوتا ہے اور میلے کس طرح جیتے اور لگتے ہیں۔!

ایک طرف یہ فرمایا کہ ”میری قبر کو ”عید“ نہ بناؤ“۔ دوسری طرف یہود و نصاریٰ پر لعنت کی گئی کہ ان بد بختوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو ”سجدہ گاہ“ بنا لیا تھا۔

اخرج الشيخان عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في صرضه الذي لم يقم منه لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد !
بخاری اور مسلم نے یہ روایت حضرت عائشہؓ نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیماری میں جس سے اٹھے نہیں، فرمایا کہ لعنت ہو اللہ کی یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے پیغمبروں کی قبروں کو مساجد بنا لیا۔!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے قبل امت کو جس فتنہ سے متنبہ فرمایا، وہ یہ تھا کہ یہود و نصاریٰ نے فرط عقیدت اور غلو احترام کے سبب اپنے نبیوں اور پیغمبروں کی قبروں کو مساجد بنا لیا تھا۔ اور ان کا یہ فعل قابل لعنت ہے! مساجد میں لوگ چراغ جلاتے ہیں۔ فرش اور پردوں کا انتظام کرتے ہیں۔ پھر رکوع و سجدہ کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں۔ یہی باتیں اگر کسی نبی امدولی کی قبر پر کی جائیں، تو ایسا کرنے والوں نے اس قبر کو گویا ”مسجد“ بنا لیا۔ اور اس فعل کے کرنے والے پر حدیث میں لعنت آئی ہے! ایک اور ارشاد نبوی :-

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن الله ذائرات القبور واملتخذين عليها المساجد والسروج - (مشکوٰۃ باب المساجد)
ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لعنت کی اللہ نے ان عورتوں کو جو زیارت کریں قبروں کی اور ان لوگوں پر لعنت خدا کی جو بنائیں قبروں پر مسجدیں اور روشن کریں قبروں پر چراغ!

اس حدیث میں قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں اور قبروں پر چراغ جلانے والوں کے لئے ”لعن اللہ“ (اللہ نے لعنت کی) یا اللہ کی لعنت ہو، کی خوفناک وعید دی گئی ہے!
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”قبر“ کے ساتھ ہر قسم کی مشرکانہ و استغلی اور دل چسپی کی جڑ کاٹ دی ہے۔ فرمایا :-
اخرج مسلم عن جابر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يجصص القبر وان يبنى عليه وان يقعد عليه!
حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ منع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے، قبر پر گچ کیا جائے اور اس پر عمارت بنائی جائے اور اس پر بیٹھا جائے!

اس حدیث میں قبر کو پختہ بنانے اور اس پر عمارت قائم کرنے کی صریحی غفلتوں میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔ اور ان یقعد علیہ کا مہیوم یہ نہیں ہے کہ ”قبروں پر چڑھ کر بیٹھنے سے روکا گیا ہے“ اس لئے کہ قبروں کے اوپر چڑھ کر بیٹھنے کا کبھی رواج نہیں رہا۔ اور یہاں حدیث کا مسباق و سیاق بتا رہا ہے کہ ”ان یقعد علیہ“ کا مطلب یہ ہے کہ قبروں پر مراقب ہو کر اور مجاہد بن کر بیٹھنا ممنوع ہے!

ایک دوسری حدیث میں قبروں پر گچ کرنے، اُن پر کچھ لکھنے اور اُن پر پاؤں رکھ کر چلنے یعنی روندنے سے منع فرمایا گیا ہے۔
 اخرج الترمذی عن جابر قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر
 وان یکتب علیہا وان توطا۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر گچ کرنے سے، اور قبروں پر لکھنے سے اور قبروں کو روندنے سے!

ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ واضح ارشادات ہیں۔ اور دوسری طرف اہل بدعت کا قبروں کے ساتھ سلوک دیکھئے۔ کہ اپنے ایک ایک نفل سے فرمان رسول کی خلاف ورزی کرتے ہیں!
 حضور نے اپنی قبر کو "عید" بنانے سے منع فرمایا تھا۔ اور یہاں اہل بدعت نے حضور کے غلام جو حضور کی خاک پا کے بھی برا بر نہیں ہیں، اُن کی قبروں کو مسجد، عید اور شمع و چراغ سے شہستان بنا دیا ہے!

قبروں پر میٹھے ہیں گانا بجانا اور کھیل تماشے ہیں۔ طواف اور سجدے ہیں۔ مجاورت اور مراقبہ ہیں۔ مزاروں سے حاجت مندوں کی عرضیاں بندھی ہوئی ہیں۔ وہاں آکر مرادیں مانگی جاتی ہیں۔ چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ گاکر، پنکھے اور مندوں کے جلوں نکلتے ہیں، کوئی قبر پر مانتھا ٹیک کر عرض معروض کر رہا ہے۔ کسی نے بارہ دری کے ستون کو تھام رکھا ہے، اور صاحب مزار کی دُائی دے رہا ہے! کوئی دروازہ کے پاس جہاں دھمال صاحب رقص فرما رہے ہیں۔ ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ اور صاحب مزار کے جلال و جبروت کے خوف سے اندر حاضر ہونے کی ہمت نہیں کرتا! مجاور مزار کے چراغوں کی زائچہ کو.... راکھ چٹا چٹا کر نذرانے وصول کر رہے ہیں۔ عقیدت مندوں کے سروں پر مور کے پنکھوں کو گھمایا، گلے میں کلاوا باندھا، چند لالچی دانے ہاتھ پر دھرے، اور مٹھی گرم کر لی۔ سجاد نشین صاحب مندروں کے مہنتوں کی طرح چڑھاؤ وصول کرتے ہیں! اور رادی اُن کے لئے سدا چین ہی چین لکھتا ہے۔

قبر و مزارات کے اس پورے نظام کو کیا اسلام سے کوئی دُور کا بھی واسطہ ہے؟ ان خرافات کے لئے کوئی دلیل کوئی سند، کوئی ثبوت، نقلی، عقلی، روایت سے روایت سے ہے؟ اگر یہ حرکتیں شرک و بدعت نہیں تو پھر شرک و بدعت کسے کہتے ہیں؟

صحیح مسلم کی حدیث ہے:-

ہر بدعت گمراہی ہے! | "ان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الہدیٰ ہدیٰ محمدی
 شرکاً موبہ محمد ثانیہا وکل بدعة ضلالة۔"

(بہترین کلام خدا کی کتاب ہے، اور راستوں میں بہترین راستہ محمد کا راستہ ہے۔ اور بدترین

باتیں (دین میں) نئی نکلی ہوئی باتیں ہیں۔ اور (دین میں) ہر نئی نکلی ہوئی بات گمراہی ہے!

اس حدیث میں ہر "بدعت" کو گمراہی کہا گیا ہے۔ اس میں بدعت کی قسمیں نہیں کی گئیں۔ کہ یہ تو (ا) بدعت سیئہ ہے اور یہ (۲) بدعت حسد ہے۔ حضور نے "کل بدعة" فرما کر ہر "بدعت" کے "ضلالہ" ہونے کی تصدیق فرمادی ہے!

ایک دوسری حدیث میں "اہل بدعت" کے لئے خوفناک "عید" آئی ہے:-

اخرج الشيخان عن سهل بن سعد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
 اتي فرطكم على الحومن من فرأ على شرب ومن شرب لم يظماً ابداً الا يرون
 على اقوام اعرفهم واعرفوني ثم يحال بيني وبينهم فاقول انهم مني فيقال
 انك لا تدري ما احدثوا بعدك فاقول سحفاً سحفاً لمن غير بغدي -
 سهل بن سعد نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حومن کوثر
 پر تم سب سے پہلے جاؤں گا، جو کوئی حومن کوثر کی طرف آنکے گا اور جب (آپ کوثر)
 پیے گا تو اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ البتہ میرے پاس آئیں گے کئی فرقے کیوں ان کو پہچانتا ہوں گا
 اور وہ مجھ کو پہچانتے ہونگے، پھر ایک پردہ حائل ہو جائے گا۔ میرے اور ان کے درمیان
 تو میں کہوں گا یہ تو میرے ہیں۔ اس پر کہا جائے گا کہ تو نہیں جانتا، انہوں نے کیا کیا
 نئی نئی باتیں نکالی تھیں تیرے بعد۔ تب میں کہوں گا کہ دوری ہو، دوری ہو۔ اس کیلئے
 جس نے میرے دین کو متغیر کر دیا!

”بدعت“ دین میں نئی بات نکالنے کو کہتے ہیں، ایسی بات جس کا کتاب و سنت تو کجا آثار صحابہ تک میں
 اس کا پتہ نہ ہو۔ جو لوگ ”بدعتیں“ نکالتے یا ان پر عمل کرتے ہیں، وہ ”ترک بدعت“ سے گھبراتے ہیں۔ اور انہیں
 خوف لگتا ہے کہ فلاں رسم اور طریقہ کو ہم نے چھوڑ دیا۔ تو اس سے نہ صرف یہ کہ ہم بہت بڑی سعادت سے محروم
 ہو جائیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ بھی ہوگا۔ اور جو کوئی ان کی طرح بدعتوں میں مبتلا نہیں ہے، یا ان پر
 نکیر کرتا ہے، وہ بدعت تو ہے ہی، مگر سابقہ ہی بدعت ہے بھی ہے!

بدعت اور اجتہاد میں زمین آسمان کا فرق ہے، بدعت ضلالت ہے اور ”اجتہاد“ دین کی ضرورت ہے۔
 اس لئے مجتہد کو نیک نیتی اور دین کی خیر خواہی کے سبب غلطی پر بھی اجر ملتا ہے!
 ”لاؤڈ اسپیکر“ کے بارے میں علماء کی اکثریت نے اجتہاد کیا کہ نماز اور جمعہ کے خطبہ میں اسے استعمال کیا جاسکتا
 ہے، اس ”اجتہاد“ سے دین کا کوئی اصول نہیں ٹوٹتا اور نہ کوئی ”لاؤڈ اسپیکر“ کے عدم استعمال کو دین کی کسی کوتاہی
 کے مترادف سمجھتا ہے! اس اجتہاد کے مقابلہ میں قبروں پر چادر چڑھانا، ”بدعت“ ہے، کہ قبریں رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں بھی موجود تھیں، چادریں بھی ان کے پاس تھیں۔ اگر یہ کوئی نیک کام یا
 دینی ضرورت ہوتی، تو اس کے بتانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام گریز نہ فرماتے! اسی طرح
 اموات کا تیجا، دسواں اور چالیسواں بھی بدعت ہے۔ کہ کتاب و سنت اور آثار صحابہ اور سیرت اہل بیت میں
 اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا!

”بدعت“ پر یہ جو دلیل لائی جاتی ہے کہ ریڈیو، ٹیلیفون، ریل، ہوائی جہاز، یہ سب بدعتیں ہیں کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کا وجود نہ تھا۔ اس دلیل میں کوئی وزن نہیں۔ بلکہ یہ دلیل کہنے والے کے
 سطح ذہن کا آتا پتا دیتی ہے کہ حضرت اس قدر عقلمند (۹) واقع ہوئے ہیں۔!
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ میرے زمانے کے بعد آلت، اسلحہ اور دوسری چیزیں ایجاد

ہوں تو ان کو استعمال نہ کرنا! پھر ان "ایجادات" سے دین میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا! اس لئے یہ "بدعت" کا ہی کوئی لگن نہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں تمام صحابہ کرام ٹھیک وہی لباس نہیں پہنتے تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنتے تھے، حضور نے زندگی بھر میں شاید ایک بار پاجامہ پہنا ہے، سرکار ہمیشہ تہمت استعمال فرماتے تھے، مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پاجامہ پہننے کے عادی تھے، سنت ستر عورت کا ٹھکانا اور ایسا لباس پہننا ہے، جس سے استکبار و غرور نہ ظاہر ہو، حضور نے کسی خاص لباس کی قید نہیں لگائی!

حجاج بن یوسف ثقفی نے جو مصحف مقدس (قرآن کریم) پر اعراب لگائے تھے، تو اسے جو کوئی "بدعت" کہتا ہے وہ نہایت درجہ بلید الذہن ہے۔ اور اگر وہ "بدعات" کے جواز کے لئے جان کر ایسی نکتہ آفرینی کرتا ہے تو وہ اس طرح دین میں بہت بڑے فتنے کا دروازہ کھولتا ہے! اور جس چیز (بدعت) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ضلالت" کہا ہے، اس کو سب جواز دینے کے لئے وہ تاویلیں کرتا اور چیلے تراشتا ہے! اس ذہنیت اور فکر و مزاج سے اللہ کی پناہ!

حجاج بن یوسف کے زمانہ میں قرآن پاک لکھا لکھایا موجود تھا۔ اس کی تلاوت کرنے والے، تجرید کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، تو حجاج نے بس یہ کیا کہ جو "اعراب" زبان سے ادا ہوتے تھے، اور ان کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی تھی، انہیں قرطاس پر منتقل کر دیا۔ اور یہ اس نے زیادہ تر عجمی مسلمانوں کی سہولت کے لئے کیا، تاکہ تلاوت قرآن میں انہیں زحمت پیش نہ آئے اور وہ غلطیاں کرنے سے بچ جائیں! یہ دین میں ایک سہولت تھی۔!

نماز کے لئے وقت کا پہچانا ضروری ہے، اس سہولت کے لئے گھڑیوں سے استفادہ کیا جاتا ہے! نماز کے لئے وقت کے پہچاننے کا حکم کتاب و سنت سے ثابت ہے! اس حکم کی تعمیل میں ایک ایجاد سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور یہ نہ بدعت ہے نہ احداث فی الدین ہے! اس نخل سے دین و شریعت میں ذرہ برابر کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوتا! تراویح کے سلسلہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول "نعمۃ البدعۃ" کو ایک کلیہ بنا کر بدعت کے حسنہ ہونے کا جو ایک نکتہ پیدا کیا گیا ہے، خود یہ نکتہ آفرینی "بدعت" کی بدترین مثال ہے! تراویح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پڑھی جاتی تھی۔ اور جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی تھی۔ مگر حضور نے باجماعت تراویح پر مداومت نہیں فرمائی۔ یہ پورا سلسلہ مسنون تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طریقہ مسنونہ کو ہمیشہ کے لئے جاری کر دیا۔ یہ لغوی معنی میں "نعمۃ البدعۃ" ہے۔ شرعی اصطلاح دالی وہ "بدعت" نہیں ہے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ضلالت" فرمایا ہے!!

قبروں پر عرس کرنا اور میلہ لگانا "نعمۃ البدعۃ" اس لئے نہیں ہے کہ کتاب و سنت بلکہ آثار صحابہ تک اس کے لئے کوئی سند نہیں ملتی! بلکہ حضور نے اپنی قبر کو "عید" بنانے سے منع فرمایا ہے! لہذا قبروں پر عرس عید و جشن اور نذر دنیا کا یہ پورے کا پورا نظام "بدعت" ہے۔ کہ اس کے لئے سنن و آثار میں کوئی دلیل نہیں بلکہ ایسی باتوں کی مانعت ہی ملتی ہے!

"نعمۃ البدعۃ" کے لغوی معنی کو ایک کلیہ قرار دے کر، دین میں ہر اضافہ، زیادتی اور احداث کو جائز

وز "حسنہ" قرار دینا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے متبع سنت جلیل القدر صحابی پر کتنی بڑی تہمت ہے، جو لگائی جا رہی ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں متعدد صحابہ وفات پاتے ہیں، مگر کسی وفات پائے ہوئے صحابی کا نہ تہمتا ہوتا ہے نہ سوال اور چالیسواں، اور نہ ان کی قبروں پر عرس کیا جاتا ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اس قسم کی سی رسم کا حدیث و سیرت کی کتابوں میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ دین و شریعت میں یہ سب بعد کے لوگوں کے اضافے ہیں۔ یلیتیاں ہیں۔ خرافات و بدعات ہیں۔ قبروں پر عرس اور نذر دینا کی بعض صورتوں اور ہئیتوں میں۔ "شُرک" کی بقدر افرامیزش پائی جاتی ہے۔ جن کو برا سمجھنا اور ان سے دور رہنا تو ایمان و توحید اور اتباع سنت کا تقاضا ہے ہی۔ مگر قوت حاصل ہو تو انھیں روک دینا بھی چاہیے!

"بدعات" پر ہر زمانہ میں نکیر کی گئی ہے۔ متقدمین کی کتابوں میں تو اہل بدعت سے میل جول رکھنے تک کو ناپسند کیا گیا ہے اور وہ اس لئے کہ ان کی عجت میں رد کر "بدعات" کو دیکھتے دیکھتے ان کی "نفرت" دل سے پاتو جاتی رہتی ہے کم ہو جاتی ہے، ایمان و اسلام کا تقاضا ہے کہ بدعت و شرک اور منکرات کو دیکھ کر ولی میں جھنجلاہٹ اور نفرت پیدا ہو اس احساس غیرت کا باقی، زندہ اور فعال رہنا ضروری ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو "اہل بدعت" کی تعظیم و توقیر کی ان لفظوں میں ممانعت فرمائی ہے:-

من وقرأ صاحب بدعة فقد أعان علی ہدم الاسلام -

جس شخص نے کسی صاحب بدعت (بدعتی) کی تعظیم و توقیر کی، وہ دراصل

اسلام کی عمارت کے حائلے میں مددگار ہوا۔!

بدعت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ایک حال پر قائم نہیں رہتی۔ اس میں اضافے ہی ہوتے چلے جاتے ہیں! پچھلی امتوں نے شرک و بدعات اور احداث فی الدین کے ذریعہ دین کو مسخ کر دیا تھا۔ "بدعت کوئی ایسی ہلکی اور معمولی برائی نہیں ہے، جسے طرانداز کر دیا جائے، یہ تو اپنی فطرت اور مزاج سے "ضلالت" ہی "ضلالت" واقع ہوئی ہے!

دین میں نئی بات "بدعت" نکالنا کوئی معمولی برائی اور ہلکی خرابی نہیں ہے! "بدعت" اس بات کی دلیل ہے کہ خاک میں گستاخ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو اس بات کے بتانے سے بخل کیا یا آپ نے جیانت فرمائی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "بدعت" پر اپنی لفظوں میں نکیر کی ہے!

ایصال ثواب جائز ہے! کسی شخص نے کسی بزرگ کے یوم وفات پر ان کے نام سے فقرا اور حاجت مندوں کو پھدے دیا، اور اس دن ان کی قبر پر بھی ہوا یا اور قرط مجت سے قبر پر سے پتے اور کنکریاں وغیرہ صاف کر کے ایک کپڑا ال دیا، چلو چھٹی ہوئی! مگر چھٹی کیسے ہو سکتی ہے اور معاملہ اسی نوبت پر جا کر ختم کیسے ہو سکتا ہے! کہ "بدعت" کا معمولی سا ثبوت بھی بنا کر فاسد علی الفاسد کے اصول پر:-

تاثر یا محوری رود دیوار کج

بن کر رہتا ہے، بعد کے آنے والوں نے ان بزرگ کے "یوم وفات" کو ضروری قرار دے لیا۔ قبر پر نہ صرف یہ کہ چادریں بٹھانے لگیں۔ بلکہ ان کے جلوس نکالنے لگے، پھر اس قبر کے کچھ لوگ متولی، سجادہ نشین اور خدام و مجاور مقرر ہوئے۔ اور حاملہ مزار کے چراغاں اور قبر کے "غسل مبارک" (۹) سے لے کر ناپاک رنگ، سجدہ و طواف اور استمداد و استغاثہ تک پہنچ گیا۔

صحابہ کرام ان معاملات میں اس قدر احتیاط برتتے تھے کہ ایک شخص نے اپنے کسی عزیز بچہ کی خستہ پر کچھ لوگوں کو بلایا، اس پر صحابہ نے اعتراض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ”خستہ“ کے لئے نہ کوئی اعلان ہوتا تھا اور نہ لوگوں کو اکٹھا کیا جاتا تھا!

نفل نماز پڑھنا ایک ثواب کا کام ہے، مگر چونکہ نماز عید سے پہلے نفل پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول نہیں رہا، اس لئے ایک شخص کو نماز عید سے قبل دو گانہ پڑھنے دیکھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسے لڑکا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ نماز کوئی گناہ کی بات نہیں ہے، جس کی وجہ سے محمد پر عذاب ہوگا۔ حضرت علی نے اس پر فرمایا:-

إِنَّ اللَّهَ لَا يَثِيبُ عَلَى فَعَلٍ حَتَّى يَفْعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَحْتِ عَلَيْهِ فَتَكُونَ صَلَوَاتِكَ عَبَثًا وَالْعِبْثُ حَرَامٌ فَلَعَلَّ تَعَالَى يَعْذِبُكَ
بِمُخَالَفَتِكَ لِنَبِيِّهِ -

جب تک کسی کام کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے نہ ملے، اللہ تعالیٰ اس پر ثواب نہیں دیتا۔ تیری نماز (اس لئے) ایک بے معنی اور عبث کام ہوگا اور عبث کام کا کرنا حرام ہے۔ کیا عجب ہے کہ پروردگار عالم اپنے نبی کی مخالفت کرنے کی وجہ سے اس نماز کے سبب تجھے عذاب دے!

”بدعت“ پر شدید وعید اس لئے آئی ہے کہ ”بدعت“ سے یہ احساس ابھرتا ہے کہ اللہ اور رسول سے کچھ ایسی باتیں بیان کرنے سے رہ گئیں، جن کے کرنے سے آخرت میں بڑا ثواب حاصل ہوگا اور روحانیت میں ترقی ہوگی! یہ احساں کس قدر گراہ کن ہے!! — تو بہ!

ابوبکر شیبہ نے اپنی کتاب ”مصنف“ میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ ایک شخص مدینہ منورہ میں روضہ رسول کے قریب کھڑا ہوا کچھ عرصہ معروض کر رہا تھا۔ حضرت امام زین العابدین ابن حسین رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے اسے منع فرمایا۔ اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

”لَا تَتَّخِذُوا قُبُورِي دُشْنًا“

(میرے قبر کو ”بُت“ نہ بنانا)

جہلا کے قول و عمل کا کوئی وزن اور اعتبار نہیں۔ اہل حق نے ”بدعات“ پر ہمیشہ نگیں کی اور سختی کیسا ٹوکا ہے! قرآن کی تلاوت کرنا، باعثِ اجر و ثواب ہے، قبر کے پاس قرآن کی تلاوت کی جائے، تو اس میں بہ ناپا ہر کوئی حرج نظر نہیں آتا۔ مگر اس میں بھی:-

اختلف الفقهاء في حكم قراءة القرآن عند القبر، فذهب إلى استحبابها الشافعي
ومحمد بن الحسن، لتحصل للميت بركة المجاورة ورافقهما عيامن والقراة من المالكية
وبيرى احمد، انه لا بأس بها، وكرههما مالك وابو حنيفة لانها لم تروى بها السنن
فقهاؤنا في قبره पास تلاوت قرآن کے بارے میں اختلاف کیا ہے! شافعی اور محمد بن الحسن اس کے
استحباب کے قائل ہیں تاکہ میت کو مجاورتِ تلاوت کی برکت حاصل ہو اور (قاسمی) عیامن اور قرانی

نے جو مالکیہ میں سے ہیں، ان دونوں کی رائے سے اتفاق کیا ہے، اور امام احمد کا خیال ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے اسے مکروہ سمجھا ہے، کیونکہ اس کے متعلق کوئی سنت موجود نہیں ہے!

”تلاوتِ قرآن“ جیسے بے ضرر، بلکہ باعثِ ثوابِ فعل کے بارے میں امام مالک اور امام ابو حنیفہ کی احتیاط کا یہ عالم ہے کہ وہ قبروں کے پاس تلاوتِ قرآن کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ سنت میں اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی! جن لوگوں کے سامنے ان کے اکابر اور سلفِ صالحین کے یہ امثال و نظائر اور طریقِ منکر ہو، وہ ”بدعات“ میں مبتلا ہو جائیں، تو اس سے زیادہ بے دانشی اور بدتوفیقی اور کیا ہو سکتی ہے؟

”گیارہویں شریف“ جسے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے اور چھٹی شریف“ جسے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کیا جاتا ہے اور ایسی دوسری رسموں، تقریروں اور تیرہاروں پر جو علماء اہل حق، حامیانِ سنت اور ماجبانِ بدعت کی طرف سے نقد و احتساب نیکر اور گرفت کی جاتی ہے، تو اس سے ان بزرگوں کا رتبہ ذرا بھی نہیں گھٹتا۔ بلکہ ان کا موقف اور واضح ہو جاتا ہے! کہ ان سے جن بدعات کی نسبت کی گئی ہے، ان کے نہ کرنے کی نہ انہوں نے تلقین کی اور نہ ایسی خلافِ شرع باتوں کو وہ پسند فرماتے تھے!

اگر بزرگانِ دین کے ولادت و وفات کے ”یوم“ منانے کو اسلام میں پسندیدہ سمجھا جاتا، تو انبیاء سابقین ایک دوسرے کا یومِ ولادت و وفات ضرور مناتے! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کوئی قول اور عمل ضرور ملتا کہ آپ نے اپنی اراجِ مطہرات حضرت خدیجہ، حضرت زینب بنت خزیمہ، اپنے عم محترم حضرت سید الشہداء و حمزہؓ، اپنے چچا زاد بھائی حضرت جعفر طیار اور اپنی صاحبزادیوں (زینب، رقیہ، ام کلثوم) میں سے کسی کا یومِ ولادت و وفات منایا، یا منانے کی ہدایت فرمائی!

خود حضور رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یومِ ولادت و وفات آپ کے بعد صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار نے نہیں منایا۔ خیر الفردن میں ان رسموں اور تقریروں کا رواج ہی نہ تھا۔ یہ ”مولود“ جو مسلمانوں میں مروج ہے، اس کا بانی مہمانی سلطان ملک شاہ سلجوقی ہے، جس نے بغداد میں ۳۸۵ھ ہجری میں پہلی مرتبہ محفل ”مولود“ منعقد کی۔ تو یہ مروجہ ”مولود“ نہ سنتِ رسول ہے، نہ اسوۂ صحابہ اور نہ طریقِ سلفِ صالحین ہے! بلکہ یہ ”سنتِ ملوک“ ہے۔ تو جس کو رسول کی سنتِ مطہرہ اور صحابہ کا اسوہ پسند ہوگا، وہ اس کی پیروی کرے گا۔ اور جس کو بادشاہوں کی سنت محبوب ہوگی، وہ اس کے اجراء و بقاء کو باعثِ سعادت سمجھے گا!

پسند اپنی اپنی نظر اپنی اپنی!

یہاں گفتگو ”مروجہ میلاد“ سے ہے، جہاں تک حضور کی سیرت کے تذکرہ و بیان اور اس کی نشر و اشاعت کا تعلق ہے، اس کو زیادہ سے زیادہ عام ہونا چاہیے۔ ”سیرت النبوی“ کے جلسوں کا انعقاد ہونا ضروری ہے کہ ان سے ایمان تازہ اور اتباعِ رسول کا دلولہ پیدا ہوتا ہے۔ پوری انسانی تاریخ اور کائنات میں ”محمد“ بس ایک ہی پیدا ہوا۔ جس کی تعریف زمین و آسمان میں ہوتی ہے، کروڑوں آدمی اس کا نام نازوں میں لیتے ہیں۔ اذان و تکبیر میں اس انسانِ کامل کا نام بلند ہوتا ہے۔ اور پورے چودہ سو سال کی مدت میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا کہ ”اللہ“ دیکر منہ سے

خالی رہی ہو۔ اس لئے کہ خود اللہ نے آپ کے ذکر کو بلند فرمایا ہے۔

”وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“

اور جس کے ذکر کو اللہ تعالیٰ بلند فرمائے کس کی مجال اور طاقت ہے جو اس کے ذکر کو پست کر دے!

گفتگو اس میں ہے کہ ذکر رسولؐ کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا مناسب نہیں ہے، جس سے بے اعتدالیوں کے لئے راہیں نکلتی ہوں، اور ایسی باتوں کو ضروری ٹھہرایا گیا ہو، جن کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے۔ مثلاً محفل میلاد شریف میں قیام ایک نادر اجادت ہے، جس کا کوئی ثبوت، کتاب و سنت اور آثار صحابہ یا ائمہ فقہانہ کے قول و فعل سے نہیں ملتا۔ بلکہ حدیث کھڑے ہو کر تعظیم دینے کو عجمی لوگوں کے ناپسندیدہ طریقہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اخرج ابوداؤد عن ابی امامہ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متکماً علی عصا فتمنأ له فقال لا تقولوا کما یقوم الا عاجم بعضهم بعضاً۔
ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لکڑی پر ٹیک لگائے ہوئے باہر تشریف لائے، آپ کی تعظیم کے لئے ہم کھڑے ہو گئے (اس پر) آپ نے فرمایا کہ نہ کھڑے ہو اگر وہ، جیسے کھڑے ہو جلتے ہیں عجمی لوگ! ایک دوسرے کو تعظیم دینے کے لئے!

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں اپنی تعظیم کے لئے صحابہ کرام کا کھڑا ہونا پسند نہیں تھا، تو حضور کو یہ بات سوسن پے سکتا ہے اور آپ کی خوشنودی کا سبب بن سکتی ہے کہ آپ کی ولادت کا جب محفلوں میں ذکر آئے تو سامعین کے لئے کھڑے ہو جائیں، محفل سیدہ، ”قیام“ کی رسم عجمیوں سے لی گئی ہے اور یہ عجیب منطوق اور طریق استدلال و تفکر کہ جو لوگ اس ”عجمی بدعت“ کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ناپسندیدہ تھی، برکت و ثواب کا سبب اور موجب سمجھتے ہیں، وہ تو کہلائیں ”عاشقانِ رسولؐ“ اور جو خدا کے نیک بندے اور حضورؐ کی سنت کے متبع ”قیام“ پر جو عجمی بدعت ہے، گرفت کریں، وہ کہلائیں ”بے ادب اور رسولؐ کی شان کو گھٹانے والے“! یہ کس قدر کھلی ہوئی ناانصافی، ظلم اور غلامانہ اندیشی ہے۔!

قرآن پاک میں ”میلادِ آدمؑ کا ذکر آیا ہے۔ اگر ذکر ولادت پر قیام کرنا برکت و ثواب کا باعث ہوتا تو جن آیتوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق و پیدائش کا ذکر ہے، ان کو تلاوت کرتے ہوئے سزا کھڑے ہوتے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت کا ذکر قرآن میں سب سے زیادہ تفصیل سے آیا ہے، اگر انبیاء کرام کے ذکر ولادت کے وقت ”قیام“ کرنے میں کوئی بھلائی ہوتی، تو قرآن کی ان آیتوں کی تلاوت کے وقت جن میں کیم علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جلتے۔!

صحابہ کرام سے زیادہ عاشقِ رسولؐ اور حضورؐ کا فدائی اور جاں نثار اور کون ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کبھی نہیں کیا ”ذکر ولادتِ رسولؐ“ کے وقت تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے ہوں۔ تابعین تبع تابعین اور ائمہ فقہ میں کسی نے ”قیام“ نہیں فرمایا۔!

محفل میلاد کا ”قیام“ بدعت ہے جو یہ بتاتی ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی

بھلائی بتانے سے رہ گئی۔ اور صحابہ کرام بھی اس دیکھی پر مطلع نہ ہو سکے۔ اور تابعین اور ائمہ فقہ پر بھی ”تعمیر رسول“ کے یہ اسرار نہ کھل سکے، صدیوں کے بعد جا کر یہ ”نیکی اور سعادت“ کچھ لوگوں پر ظاہر ہوئی۔ اور اُسے تعمیر رسول اور عشق نبی کی نشانی اور علامت ٹھہرا دیا گیا۔ اے ”عشق رسول“ کی یہ مظلومیت۔ !

عشق و محبت کا صحیح تقاضا! | عشق کا تقاضا کیا ہوتا ہے؟ یہی اور صرف یہی کہ عاشق اپنی مرضی اور خواہشوں کو محبوب کی رضامندی گم کرے، ”عشق“ محبوب کی قدم بہ قدم اور حرف بہ حرف اطاعت کا نام ہے۔ جو بات محبوب کو پسند ہو، وہی محب کو پسند ہو۔ ع

عاشقی چھینت ہے بگو بندہ فرماں بردار !

اگر کوئی شخص ”عشق“ کا تو مدعی ہو، مگر محبوب کے احکام کی پروا نہ کرے! اور اپنے دل اور خواہش سے ایسی باتیں نکال لے، جو محبوب کو پسند نہ ہوں، تو ایسا ”عشق“ کیا مقبیر کہا جاسکتا ہے؟ عشق نا فرمان اور سرکش ہو ہی نہیں سکتا !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم سے اعلان فرمائیں :-

”..... کہ میں اپنی جان کے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا !“

(.... لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا)

اس کے مقابلہ میں ”عاشقان رسول“ (۹) اپنے قول و عمل سے اس کا ثبوت دیں کہ حضور! آپ فرماتے ہیں۔ ”کہ میں اپنی جان کے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا“ مگر ہم تو آپ کو تمام کائنات کے نفع و نقصان کا تخت سمجھتے ہیں، آپ ہی کے در سے ساری دنیا کو رزق، اولاد، صحت اور مال و متاع تقسیم ہوتا ہے، آپ مالک کون و مکان اور دونوں جہاں کے تخت دار اور رکھوالے ہیں ! آپ فرماتے ہیں :-

وَاللّٰهُ لَا اَدْرِى وَاللّٰهُ لَا اَدْرِى وَاَنَا رَسُولُ اللّٰهِ، مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بَكُمْ - (مشکوٰۃ، باب البكاء والخوف)

(قسم ہے اللہ کی میں نہیں جانتا، قسم ہے اللہ کی میں نہیں جانتا، حالانکہ میں اللہ کا

رسول ہوں کہ کیا معاملہ ہو گا میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ)

مگر ہم ”عاشقان رسول“ تو آپ کے اس ارشاد کے ٹوڑے پر آپ کو ”عالم الغیب“ کہتے اور سمجھتے ہیں ! اور آپ کی ذات کے لئے ”علم غیب“ ثابت کرنا، ہمارا سب سے زیادہ دل پسند موضوع ہے ! آپ نے فرمایا :-

”تم میں کوئی یوں نہ ہو لے کہ میرا بندہ (عہدی) یا میری بندی (امتی) تم سب اللہ کے بندے

ہو اور تمہاری عورتیں بھی سب اللہ کی بندی ہیں !“ (مشکوٰۃ - باب الاسامی)

مگر ہم ”عاشقان رسول“ نے آپ کے اس حکم کی تعمیل (۹) اس مخالفت کے ذریعہ کی ہے کہ اپنے نام ”عبدالمصطفیٰ“ اور ”عبد الرسول“ رکھ لئے ہیں۔

حضور نے فرمایا کہ ”میری قبر کو ”عید“ (میلہ) نہ بنانا، وشن ربت) نہ بنانا“ اور :-

حضور نے ”قبروں پر چسراغ جلانے والوں پر لعنت کی ہے“

مگر ہم ”عاشقانِ رسول“ ایک ایک پیر فقیر اور ولی کی قبر کے ساتھ وہ سلوک کرتے ہیں، جس سے آپ کے ایک ایک قول کی نفی ہوتی ہے، قبروں پر میٹھے لگاتے ہیں۔ چراغاں ہم کرتے ہیں۔ کھانے کی دیگیں پکا پکا کر ہم لٹاتے ہیں۔ چاند میں ہم چڑھاتے ہیں۔ مرادیں ہم مانگتے ہیں، مرادوں کا طواف ہم کرتے ہیں۔ صاحبِ قبر کے نام کی دُائی ہم دیتے ہیں۔ قبر میں ہماری تجارت اور آمدنی کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ یہ قبریں ہمارے مشائخ کی جائیدادیں اور دینی ہیں۔ اور — اور —

حضور نے قبروں کو ”پگھ“ کرنے (پختہ بنانے سے) منع فرمایا۔“

اور ہم آپ کے عاشقوں (۹)، اور جاں نثاروں (۹) نے چوند اور اینٹوں پر ہی بس نہیں کیا بلکہ سنگ مرمر اور سنگ رخام تک قبروں پر لگا دیا ہے اور کسی کسی قبر پر تو چاندی اور سونے کے پتر منڈھ دیئے ہیں۔ اور اطلس و محمل کے پردے لگا دیئے ہیں۔ اور ”حضور نے ہر بدعت“ کو ”ضلالت“ فرمایا اور ہر ضلالت کو ”جہنم“ سے نسبت دی۔“

مگر ہم آپ کے حلقہ بگوشوں اور جاں نثاروں نے ”نعمتہ البدعت“ کو ”بنا کر بدعت“ کے انبار لگا دیئے ہیں۔ ہم جیسی دل چسپی ”بدعت“ کے ساتھ ہے، اتنی دل چسپی اور کسی چیز سے نہیں ہے، عرس، تہنہ، مسواں، بیسواں، چالیسواں، مدار کی چھڑیاں، سدا کا بکرا، کسی کا توشہ، کسی کی سہ منی نیاز، کسی کی صحنک، کسی کے کوندے، کسی کے نام کی گاگر، کسی کا پنکھا۔ کسی کی نیاز حلوے ماندے پر، کسی کی فاتحہ شربت اور کھیر پر، اور کسی کی بالائی اور حلیم پر! قبروں کو غسل دے کر ان کا پانی ہم تبرک کے طور پر بیٹے ہیں۔ قبروں پر جلنے والے چراغوں کی، یعنی جس فعل پر آپ نے لعنت بھیجی ہے، ان چراغوں کی راکھ ہم چلتے ہیں!

اور وہ جو حضور نے حضرت معاذ بن جبل سے فرمایا تھا :-

”اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا چاہیے، تجھے قتل کر دیا جائے یا جلایا جائے“

در مشکوٰۃ باب الکبائر

تو حضور آپ کا حکم سر آنکھوں پر، مگر اپنے مزاج اور طبیعت کو کیا کریں کہ ”شُرک“ کے معاملہ میں ہم کچھ بے پروا واقع ہوئے ہیں۔ اور اس میں جتنی بھی ”ڈھیل“ ہو جائے ہمیں نہیں کھلتی، آپ کو ”احمد بلا میم“ کی اصطلاح اور ترکیب ہمارے ہی ذہنِ نادرہ کی تخلیق ہے، ہم آپ کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ جہاں کہیں سے بھی ہم آپ کو پکاریں، آپ ہماری بیکار کوشش لیتے ہیں۔ اور آپ ہی نہیں، ایک ایک وفات پلے ہوئے پیر اور ولی کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ مخلوقات کی دستگیری کرتے ہیں اور اپنے مننے والوں اور عقیدت کیثوں کے احوال کی ان کو خبر دہتی ہے۔ — ان عقائد و اعمال سے اللہ تعالیٰ کی کر دڑ بار پناہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد، حکم اور فرمان کی اس بے دردی کے ساتھ مخالفت اور خلاف ورزی کرنے کے بعد ”عشقِ رسول“ کا دعویٰ! ایک ایسا تضاد ہے کہ جس کی مثال دُنیا کے پردے پر شاید ہی کہیں مل سکے! کتنا بڑا دھوکا ہے جو ”عشق و محبت“ کے نام پر شیطان نے ان لوگوں کو دے رکھا ہے۔ جو ”مشرکانہ اعمال و رسوم اور بدعتات“ سے انتہائی شغفہ رکھتے ہیں اور جن کا مشن ہی یہ ہے کہ یہ خرافات فروغ پائیں۔ اور ان خرافات کے فروغ کو وہ اپنے ”مسلم“ کی بہت بڑی فتنہ سمجھتے ہیں!!

وہابیت اور دیوبندیت! | مکہ میں جب اسلام پہلنا شروع ہوا تو کفار قریش نے مسلمانوں کے لئے ایک طنز آمیز لقب "صابی" تراشا تھا۔ جس کے معنی "بے دین" کتھے۔ یعنی جس کافر کو اللہ ہدایت دیتا اور اور وہ اسلام قبول کر لیتا تو کفار قریش طنزاً غیظ و غضب کے لہجے میں کہتے کہ "فلاں شخص "صابی" ہو گیا!"

اہل بدعت نے بھی خدا کے ان غیرت مند بندوں کے لئے جو شرک و بدعت "کو کسی عنوان برداشت ہی نہیں کر سکتے،" وہابی اور دیوبندی کے لقب تراش لئے ہیں۔ اور جب کوئی ان کی خرافات پر لڑتا ہے تو اسے "وہابی اور دیوبندی" کہہ کر مطعون کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں نے بیچارے علوم کے دلوں میں اپنے پروپیگنڈے کے زور سے یہ بات اتار دی ہے کہ "وہابی اور دیوبندی" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کیا کرتے ہیں۔ اور اولیاء اللہ کے دشمن ہیں!"

اہل بدعت نے ان "وہابیوں اور دیوبندیوں" کی کتابوں کے بعض غیر محتاط جملوں اور غیر معتدل عبارتوں کا اس زور شو سے پروپیگنڈا کیا ہے کہ اس تصویر کے تمام روشن اور تابناک پہلو علوم کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ اور یہ چند "جھانپیاں" پوری تصویر پر چھا گئی ہیں۔ حالانکہ "اہل حدیث (وہابیوں) اور دیوبندیوں" کا مشن اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ دُنیا کو "کتاب و سنت" کی دعوت دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "اسوۂ حسنہ" کی طرف انسانیت کو بلائیں، وہ خود اپنی ذات سے بھی اتباع سنت کی امکانی کوشش کرتے ہیں۔ اور "وہابیوں" کا تو اس معاملہ میں یہ حال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے کی ذات سے "اطاعت" و "اتباع" ہی نہیں۔ بلکہ "تقلید" تک کی نسبت انھیں گوارا نہیں!

مقام حیرت ہے کہ جو ہر بات کے لئے کتاب و سنت سے سند طلب کرتے ہیں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بنا پر :-

مَنْ عَمِلَ مَعْلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرًا فَهُوَ رَدٌّ

۔ (جس نے کوئی کام کیا اور اس کام کرنے کا میرا حکم نہیں ہے، وہ مردود ہے)

ہر اس "بدعت" "احداث" اور "جدت" کو ٹھکرا دیں، جس کے لئے سنت رسول میں دلیل نہ ملتی ہو۔ ان کو تو رسول اللہ کے مرتبہ کو گھٹانے والا "کہا جائے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کے مقابلہ میں دوسروں کی نکالی ہوئی بدعتوں، جدتوں اور نئی نئی باتوں ہی کو دین سمجھتے ہوں، وہ دعویٰ کریں "عشق رسول" کا! ع

ناطفہ سر بگڑیوں کہ اسے کیلہ کیے!

اگر "دیوبندیت اور وہابیت" شرک و بدعت کے رد و مخالفت اور سنت رسول کے بقا و اجراء اور تمسک کا نام ہے، تو پھر یہ بڑی اچھی چیز ہے! اور اسلام میں شروع ہی سے یہی "فکر" کا رفرما اور فعال رہی ہے! حجرِ اسود جس کی پاکیزگی سب کے نزدیک مسلم ہے، جسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لب ہائے مبارک سے چوما ہے اور کروڑوں صالحین اور اولیاء اللہ نے اس کو چھوا اور بوسہ دیا ہے، اُسے مخاطب کر کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

رایت عمر یقبل الحجر و یقول لا علم انک حجر ما تنفع ولا تصر و لولا انی رايت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقبلک ہ ما قبلتک!

(عاصم ربیع نے کہا) میں نے عمرؓ کو حجرِ اسود چومنے دیکھا کہ وہ کہتے جاتے تھے کہ میں جانتا ہوں تو پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومنے نہ دیکھتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس درخت کے نیچے صحابہ کرام سے بیعت لی تھی اور جس کا ذکر خود قرآن کریم میں آیا ہے،

”لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ“

یہ درخت برکت کا کتنا بڑا اثر اور نشان بن سکتا تھا، مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر کہ لوگ اس درخت کے پاس کثرت سے آنے جانے لگے تھے، اور خطرہ ہو گیا تھا کہ عقیدت کا غلو کہیں مسلمانوں کو کسی بے اعتدالی میں مبتلا نہ کر دے اور گنہگار بننے والی نسیمیں اس درخت کو ”نشانِ تعظیم“ نہ بنالیں، حضرت عمرؓ نے اس درخت ہی کو سر سے کٹوا دیا!

کیا حضرت عمرؓ وہابی اور دیوبندی تھے؟ کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبہ کو گھٹانا ناچاہتے تھے؟ کیا فاروق اعظم انبیاء کے آثار و نشان کی برکت سے واقف نہ تھے؟ — فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس قسم کے ریکرک تصورات کا ذہن میں لانا جہالت ہی نہیں معصیت ہے، سنتِ رسول کی اتباع اور حفاظت میں عمر فاروق کا قدم کسی سے پیچھے تو کیا ہوتا بلکہ کچھ آگے ہی تھا۔ عشقِ رسول کے تقاضوں کو ان کی برا بھلا پہچاننے والے صحابہ کرام میں بس ذرا ایک ہی ہونگے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ”شجرِ بیعت الرضوان“ کو کٹوا دینا، اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ بزرگوں کے آثار و نشانات اور ان سے جو مادی چیزیں نسبت رکھتی ہیں، وہ ”توحید“ کے مہم بلکہ میں اصنافی ہیں، کسی بزرگ اور ولی کے ”اثر و نشان“ سے اگر فتنہ اور غلو پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اور ”توحیدِ خالص“ کے تقاضوں پر اس کی زد پڑ رہی ہو۔ تو پھر اس ”اثر و نشان“ کا چھپا دینا ہی اولیٰ اور مناسب ہے!

شُرک و بدعت اور بالذات امیر عقیدت کے رد اور توحید کی حمایت میں یہی فاروق اعظم کی فکر ہے جو ہر دور کے صالحین اور علماء حق کے قول و عمل میں کارفرما رہی ہے! خاص طور سے امام ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ جیسے علماء اور صاحبِ عزیمت اسلامی مفکرین کے افکار و حمایتِ توحید اور ردِ شرک و بدعت کے معاملہ میں ”شکر فاروقی“ ہی کی صدائے بازگشت ہیں! (اللہم کثر امثالہم)

”دیوبند“ کے مدرسہ کو قائم ہونے سے بہت بہت نوے سال ہوئے ہوں گے اور ان کے مشہور اکابر جن سے ”دیوبندیت“ منسوب کی جاتی ہے، ان کو ڈیڑھ سو سال سے نائد عرصہ نہیں ہوا، اسی طرح جسے ”وہابیت“ کہا جاتا ہے اس کی عمر ڈیڑھ سو سال کی ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے نہ دیوبند کے مدرسہ میں تعلیم پائی ہے اور نہ اکابر دیوبند سے بیعت ہیں اور نہ ”اہل حدیث“ (جن کو اہل بدعت ”وہابی“ کہتے ہیں) کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ جب بھی بدعت و شرک کا رد اور توحید کی حمایت کرتے ہیں۔ تو ان کی باتوں کو بے وزن اور ہلکا کرنے کے لئے جہتِ میں کی طرف سے ”وہابی“ اور ”گلابی وہابی“ اور ”دیوبندی“ کی پھبتیاں چست کی جاتی ہیں! حالانکہ توحید و سنت کی حمایت اور شرک و بدعت کا رد ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ اس مضمون میں قرآن کریم کی کئی آیتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں پیش کی جا چکی ہیں، جو شرک و بدعت کے رد میں روشن برہان ہیں!

اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ایسے علماء اور اربابِ فکر ملیں گے، جنہوں نے بتدریج و بدعت کے ان فتوں پر گرفت کی ہے۔
امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ سو سال پہلے کھل کر فرمایا :-

انہم وضعوا هذه الاصنام والوثان على صور انبيائهم واکابرهم وزعموا انهم
يتى استغلو العبادۃ هذه التماثل فان اولئك الاکابر تكون شفعاء هم عند الله
تعالى ونظيره في هذا الزمان اشتغال كثير من الخلق بتعظيم قبور الاکابر على اعتقاد
انهم اذا عظوا قبورهم، فانهم يكونون شفعاء هم عند الله !

یعنی جن بت پرستوں نے اصنام و اوثان اپنے انبیاء و اکابر کی صورتوں پر تراشے تھے اور
یہ خیال کرتے تھے کہ جب ہم ان کی عبادت میں مشغول ہوں گے، تو یہ اکابر اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری
شفاعت کریں گے، اس کی نظیر اکثر لوگوں کی اپنے بزرگوں کی قبروں سے مشغولیت ہے!
اس اعتقاد سے کہ اگر ہم ان قبروں کی تعظیم کریں گے تو یہ اللہ کے نزدیک ہمارے شفیع ہوں گے!

عرس، فاتحہ، نذر دینار، دسواں، بیسواں، چالیسواں، مولود شریف کا قیام، اور قبر کے ساتھ معاملات کے جلتے ہیں۔
دین میں ان کا کوئی درجہ ہوتا تو فقہ کی کتابوں میں ان کا ذکر ضرور آنا چاہیے تھا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ فقہ کی کتابیں ان
تمام باتوں کے ذکر سے خالی ہیں اور اگر کہیں ذکر آیا ہے تو ان باتوں کی مخالفت ہی میں آیا ہے، چند مثالیں :-

● جو نذریں اموات کے واسطے ہوں، از روئے تقرب کے وہ باطل اور حرام ہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری، درختارہ)
● نذر عبادت ہے، اور مخلوق عبادت کے لائق نہیں۔ اگر نذر ماننے والے کا یہ خیال ہے کہ میت کو اختیار
حاصل ہیں تو یہ عقیدہ صریحاً کفر ہے۔ (بحر المرائق)

● غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا یا غیر اللہ کی تدرہ ماننا شرک ہے! (تفسیر عزیزی)

ان معاملات میں صحیح دینی پوزیشن یہ ہے کہ کسی شہر میں رہ کر کسی بزرگ کی قبر پر کوئی ساری عمر میں ایک بار بھی (زیارت کیلئے)
نہ جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی باز پرس نہ کرے گا۔ اور قبر پر نہ جانے سے اس کے دین و ایمان میں کوئی نقص واقع
نہیں ہوگا، اس کے برخلاف اگر کوئی شخص اگلے اٹھ سے پانی پئے گا تو "مخالفت سنت" کا وبال اس کے سرکے گا۔ کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مستحب نہیں، فرض اور منصوص ہے اور کسی فرض کی تعمیل اور تکمیل سنت رسول کی اتباع
کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے احکام و فرائض کی تعمیل کرانے کے لئے انسانوں کے سامنے نہیں آتا۔ اس فرض کو رسول
انجام دیتا ہے اور وہ بتاتا ہے کہ اللہ کے اس حکم کی اس طریقتہ اور اس ہیئت و انداز سے تعمیل ہوگی۔ سنت رسول کوئی
اضافی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اصل دین ہے! دین دنیایا کی تمام سعادتیں کتاب و سنت ہی سے وابستہ ہیں۔ اگر کوئی شخص
رات میں سوئے ہوئے اس انداز اور ہیئت سے سوتا ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرمایا کرتے تھے
تو اس کی یہ شب خوابی نیکی میں گزرے گی!

● مصطفیٰ برسوں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ اوند رسیدی تمام بوہی اوست

"صراطِ مستقیم" نام ہی اس شہزادہ کا ہے، جہاں حضور کے نقش قدم نظر آتے ہیں!

جب کوئی عرصے، نذر دینا اور اپنی قبر سے استغاثہ پر گرفت کرنا ہے تو اہل بدعت کی طرف سے طنز کی جاتی ہے۔
 ”ایسا کہنے والے اولیاء اللہ کو نہیں ملتے۔“ یہ ”اولیاء اللہ کو ماننا“ بھی عجیب مخالط آمیز کلمہ ہے! ”اولیاء اللہ کا ماننا
 کیا خدا اور رسول کے ماننے کی طرح“ کلمہ شہادت کا کوئی جزو ہے۔ کہ جس کے بغیر ایمان ہی مستند نہیں ہوتا۔ اولیاء اللہ
 کا ماننا، اس کے سوا اور کیلئے کہ ان کے اعمالِ صالحہ کے سبب ہم ان سے محبت رکھیں اور ان کی صالح زندگی سے اثر
 قبول کرے اپنے کو بھی صالح، اللہ کا فرمانبردار بندہ اور رضائے الہی کا جو یا بنائیں!

”ملنے“ اور ”نہ ملنے“ میں جو ایمان و کفر ثابت ہوتا ہے، اس کا انساؤں میں تعلق صرف انبیاء کرام کی ذات سے
 ہے، ان میں ہم کسی قسم کی تفریق نہیں کرتے، اور خود انبیاء کرام میں نہ ایک دوسرے پر تنقید ہے نہ مناقشت اور مسابقت
 ان میں کوئی جدال و نزاع ہے! یہی وہ مقام ہے جہاں سے ”نبوت و رسالت“ کا امتیاز، علم و تزکیہ کی ہر بلندی سے
 مقابلہ میں نمایاں نظر آتا ہے!

انبیاء کرام جیسی طہارت و عصمت کسی کو حاصل نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ صحابہ کرام جو عدول تھے۔ ان میں خود نیز
 جنگیں ہوئی ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی دلی تھے اور امام بخاری قدس سرہ بھی دلی تھے، مگر امام بخاری نے امام
 ابوحنیفہ پر خوب کس کر تنقید کی ہے، ایک گروہ امام ابوحنیفہ پر ”قلبت فہم حدیث“ کی طنز کرتا ہے اور دوسری جماعت
 امام بخاری کی ”قلبت لفقہ“ کو موضوع گفتگو بناتی ہے۔ ایک گروہ کے ”قطب العالم“ دوسرے گروہ کے نزدیک
 اور دوسرے گروہ کے ”اعلیٰ حضرت مجدد مآتہ“ پہلے گروہ کے نزدیک انتہائی مبغوض ہیں۔

اولیاء و صلحاء اور علماء حق پر گرفت کوئی اچھی بات نہیں ہے، کہ یہ بڑی محرومی کی دلیل ہے مگر یہ نہیں ہے کہ ایسا کر کے
 سے ایمان جاتا رہتا ہے! اولیاء کرام اور صلحاء سے خوش گمانی اور محبت و عقیدت ہی رکھنی چاہیے کہ انہوں نے اپنی زندگی
 کتاب و سنت کے اتباع اور دین کی خیر خواہی میں گزاری ہیں۔ مگر ظاہر ہے وہ انبیاء کرام کی طرح نہ محصوم تھے اور نہ مطاع
 تھے، اس لئے اگر ان کا کوئی قول و فعل کتاب و سنت سے مطابقت نہ کرتا ہو۔ تو دین کی خیر خواہی اور کتاب و سنت کے اتباع
 کا یہ تقاضا ہے کہ اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ — یہ ہے ”اولیاء امت کو ملنے“ کی صحیح دینی پلغیش!

عیسائیوں نے اپنی ہولے نفس سے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ”ابن اللہ“ بنا دیا۔ یہ عقیدہ ان کے ایمان کی
 نہ صرف یہ کہ جڑ ہے، بلکہ ان کے ایمان کی اساس ہے! تو اس ”خیالی ابن اللہ“ کو جو کوئی ”عبد اللہ“ کہتا ہے۔ اسے
 حضرت عیسیٰ کا ”نہ ماننے والا“ اور ”توہین کرنے والا“ سمجھتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور فاسد
 اعتراض (معاذ اللہ) قرآن پاک ہے کہ جس نے کھل کر مسیح کے ”ابن اللہ“ ہونے کی تردید کی ہے! ان کے اس عقیدے
 کے نہ ملنے کے سبب عیسائی تمام مسلمانوں کو حضرت عیسیٰ کا دشمن، مخالف، اور توہین کرنے والا سمجھتے ہیں!

اسی پر قیاس کر لیجئے کہ اہل بدعت نے بھی اپنے تصورات کے ذور سے رسول اللہ اور اولیاء کرام کے لئے ”مناہد
 و مقالمات“ وضع کر لئے ہیں۔ یعنی یہ کہ وہ مشکل کشا اور حاجت روا ہیں۔ ”حاضر و ناظر ہیں۔ اللہ کے حکم سے رزق دیتے
 ہیں۔ کوئی کہیں سے ان کو پکارے تو وہ ہر پکارنے والے کی پکار سن لیتے ہیں۔! وہلم جراً۔

جب کوئی اہل بدعت کے ان ”مزعمہ تصورات“ اور خود تراشیدہ عقائد کی تردید کرتا ہے، تو وہ شور مچانے لگتا

کہ یہ دیکھو! رسول اللہ کی شان گھٹائی جا رہی ہے! اولیاء اللہ کے ساتھ یہ دشمنی ہو رہی ہے! حالانکہ یہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی تحقیر ہے اور نہ اولیاء کرام کے ساتھ عداوت ہے! بلکہ یہ اہل بدعت کے تراشے ہوئے عقاید کی تردید ہے۔!

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے ان کی کوئی ضریم نہیں بنائی، اور نہ واقعہ کربلا کے بعد حضرت امام زین العابدین نے اور ان کے بعد ان کی اولاد اطہار نے اس واقعہ کی یاد تازہ رکھنے کے لئے کوئی تعزیر نہ نکالا، نہ سطر کوں پر ماتم کیا، نہ ہندی، چھو لے اور دلدل کا گشت کرایا۔ یہ سب بعد کے لوگوں کی نکالی ہوئی بدعات ہیں! مگر جو کوئی اس فرقہ کا ان بدعات میں ان کا ساتھ نہیں دیتا، تو وہ اُسے اہل بیت کا نہ ماننے والا اور ان کے درجہ کو نہ پہچاننے والا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان بدعات اور علمی اختراعات اور کھیل تماشوں سے اہل بیت کرام کی محبت اور عقیدت کا کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے! اسی طرح اہل بدعت عرس، نذر و نیاز اور قبور پر ہونے والی بدعات پر نکیر کرنے والوں کو "اولیاء اللہ کے نہ ماننے والوں" اور "ان کا رتبہ گھٹانے والوں" میں شمار کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان لوگوں کی خام خیالیاں اور غلط اندیشیاں ہیں۔ انہوں نے عقاید و تصورات کے جو بت تراش رکھے ہیں، ان پر کوئی ضرب لگا تا ہے تو اس "بت شکنی" پر وہ واویلا مچانے لگتے ہیں۔ کہ یہ تو کعبہ کی بنیادیں ڈھائی جا رہی ہیں! ع

چوں نہ دید نہ حقیقتِ درہ افسانہ زدند!

"بدعت" سنت کی ضد ہے اور کوئی "اہل سنت" بدعات سے شغف نہیں رکھ سکتا۔ فاسق و فاجر کو تو بہ نصیب ہو سکتی ہے کہ وہ فسق و فجور کو اچھا نہیں سمجھتا اور اپنے لئے پریشیمان ساہی رہتا ہے، یا کم سے کم فخر نہیں کرتا۔ مگر بدعتی کو تو بہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی کہ وہ "بدعت" کو دین کی کھلائی اور خیر خواہی سمجھتا ہے! اُسے بدعات میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی، اور ان خرافات پر وہ الٹا فخر کرتا ہے!

اس باب کو ختم کر دینے سے پہلے اس بات کا اظہار کر دینا ضروری سمجھا گیا کہ ہم نے جگہ جگہ ایک گروہ کو "اہل بدعت" جو کہا ہے، بعض حضرات کو غالباً گراں گزرے کہ یہ "جدال حسن" کی راہ نہیں ہے! اس کے جواب میں گزارش یہ ہے کہ جن لوگوں کا اوڑھنا بچھونا "بدعات" ہیں، ان کو "بدعتی" اور "اہل بدعت" نہ کہیں تو آخر کیا کہیں؟ جس کو جس چیز سے شغف ہوگا اور جس کے لئے وہ جرد و جہد کرے گا، اُس کو اسی سے منسوب بھی کیا جائے گا۔ پھر خود یہ حضرات اپنی مخصوص محفلوں ہی میں نہیں، پبلک جلسوں میں اپنے کو "قبر پرست" اور "اہل بدعت" کہتے ہیں۔ پس جس نام اور لقب کو انہوں نے خود قبول کر لیا ہے، ہم نے اسی لقب سے انھیں یاد کیا ہے!!

اہل بدعت کا خاصہ ہے کہ جب شرک آمیز عقائد اور بدعات پر انھیں ٹوکیے تو وہ چراغ پا ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے "محبوبوں" کو تم اس قدر بے اختیار سمجھتے ہو؟ ان لوگوں نے غالباً "مجازی محبوبوں" اور محبوبوں "deluded" کے انداز پر اللہ اور رسول اور اولیاء اللہ کے رد الباط کو قیاس کیا ہے۔ اس کا اظہار اپنے شعروں میں وہ اس طرح کر بھی چکے ہیں۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہر مالک کے حبیب یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا!!

یہ توحیدی طرز بیان ہے کہ ہم تم دوست دوست! جو تمہارا مال، سونہارا مال، محبوب و محبوب میں عزیزیت اور اپنا ہوا یا نہیں ہوا کرتا، مگر اللہ اور رسول کے بارے میں اس قسم کے مجازی تعلقات اور دوستانہ روابط کا تصور بھی ایمان کو لرزادینے کے لئے کافی ہے! مجازی محبت میں ”محب“ محبوب کی نہ صرف یہ کہ ناز برداری کرتا ہے بلکہ اس سے ڈرتا اور اس کا دباؤ مانتا ہے اور ہر وقت اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ کسی طرح کوئی بات ”محبوب“ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے! کیا اللہ تعالیٰ (رسول کا محب) بھی رسول اللہ (اللہ کے محبوب) سے معاذ اللہ خوف کھاتا ہے اور آپ کی محبوبیت کا دباؤ مانتا ہے؟ حالانکہ قرآن و احادیث بتاتی ہیں کہ حضور اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے اور مغفرت چاہنے والے تھے، اور دن رات اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں لگے رہتے تھے، اور ایک بندہ قانت اور ”عبدشکور“ کی طرح زندگی گزارتے تھے۔

”وَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ“!

سے یہ نکتہ نکالنا کہ اللہ تعالیٰ دنیوی محبوبوں کی طرح اپنے محبوب (رسول) کی رضا کا پابند ہے۔ یا آپ کی رضا جوئی میں لگا رہتا تھا، اللہ تعالیٰ کے حضور میں شدید ترین گستاخی اور بے ادبی ہے! یہ آیت تو صاف بتاتی ہے کہ ”فترضیٰ“ (تو راضی ہو جائے گا) یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے! یہ کوئی ناز برداری یا دباؤ نہیں ہے! حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو ”توحید“ کے معاملہ میں اس قدر بے پروا واقع ہوئے ہیں اور ان کو اسی میں تکلف آتا ہے کہ کوئی نہ کوئی نکتہ پیدا کر کے اللہ اور رسول کو ایک ہی سطح پر لے آئیں۔ اور عبد و معبود کا یہ فرق و امتیاز کسی نہ کسی حیلہ سے مٹے نہیں تو کم سے کم مشتبہ ہو جائے!

”اہل بدعت“ نے ”وسیلہ“ کا جو ایک تصور قائم کر رکھا ہے، اُس کے ثبوت میں وہ قرآن کریم کی یہ آیت ۱-

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ“ (مائدہ)

بے تکلف پڑھ دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کی مختصر ترین تفسیر ”جلالین“ سے لے کر تفسیر کبیر امام رازی تک میں ”الوسیلہ“ کے معنی ”خدا کی اطاعت اور اُس کی مرضی کے اعمال سے اُس کا تقرب حاصل کرنے کے“ بیان لئے گئے ہیں۔ مفسرین کے ذہن میں ”الوسیلہ“ کے یہ معنی نہیں آتے کہ اس لفظ سے اللہ کے حضور میں انسانی شخصیتوں کا وسیلہ، ذریعہ اور وساطت مراد ہے! یہ آیت اعمال صالحہ پر مسلمانوں کو ابھارتی ہے! اور یہی اس آیت کا مقصود، مفہوم اور شرح و تفسیر ہے۔!

..... اغناهم الله ورسوله“ جو قرآن پاک میں آیا ہے، اُس سے ”اہل بدعت“ استناد کرتے ہیں کہ

”دیکھا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو غنی بنا دیا کرتے تھے! خود قرآن اس پر شاہد ہے!“ جہاں تک حضور کی ذات گرامی کا تعلق ہے، اس کا صاف، سیدھا اور واقعات کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے مدینہ میں غلہ کی فراوانی ہوئی، وہاں کے باشندوں کے عام مالی حالات درست ہو گئے۔ اس سے مومنین صادقین کے ساتھ منافقین بھی بہرہ اندوز ہوئے تھے اور عام مسلمانوں میں ملے جلے رہنے کے سبب تمام سے بھی منافقین و نائدہ اٹھاتے تھے، یہ ہے ”اغناهم الله ورسوله“ کی صحیح تفسیر اور واقعہ کے مطابق ترجمانی! اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں دُنیا کے پردے پر

جس کی کو بھی آسودگی، فراغت اور مال و دولت ملتا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرماتے تھے۔ یا قیامت تک کے لئے تمام انسانوں کو غنا و آسودگی دینے کا منصب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سپرد فرمادیا ہے! یہ معہوم نہ اس آیت سے نکلتا ہے نہ مفسرین نے جیسا سمجھا ہے۔!

حضور کی بعثت سے قبل دینا کو غنی اور آسودہ بنانے کی خدمت کس نبی کے سپرد تھی؟ کیا قرآن میں اس کا کوئی اشارہ ملتا ہے؟

تاریخ ویر کے واقعات سے ثابت ہے کہ حضور کے پاس مال ہوتا تھا تو عطا فرماتے تھے اور نہیں ہوتا تھا تو نہیں دیتے تھے۔ ایک بار ایک سائل آیا، حضور سے سوال کیا، آپ نے اجہات المؤمنین کے گھروں میں معلوم کرایا کہ کچھ دینے کے لئے ہو تو سائل کو دے دیا جائے، پتہ لگا کہ پانی کے سوا حیرت میں کچھ نہیں ہے۔ اس لئے آپ نے اس سائل کو دوسرے صحابہ کے پاس بھیج دیا! پھر "..... اغناهم اللہ ورسولہ" کی تفسیر میں کیا یہ بھی کہیں ملتا ہے کہ صحابہ کرام نے فقر و احتیاج کے عالم میں، اپنے گھروں میں بیٹھ کر یا دور بستیوں میں رہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا ہو کہ "یا رسول اللہ! ہماری محتاجی دور فرما کر ہمیں غنی بنا دیجئے" جب صحابہ کرام کو ہم فقر و فاقہ اور دینی مشکلات میں مبتلا پاتے ہیں، تو اولیاء اللہ کے بلے میں یہ عقیدہ ہم کس طرح قائم کر لیں کہ فلاں بزرگ کے پاس اللہ کے دیئے ہوئے خزانے ہیں اور وہ ان میں تصرف فرما کر جس کو جب چاہیں مالا مال کر دیں۔!

اہل بدعت نہ صرف یہ کہ "توحید" کے معاملہ میں بے پروا واقعہ ہوئے ہیں، بلکہ آیتوں اور حدیثوں سے ایسے نکتے نکالنا۔ جن سے "عبد و معبود" کے مابین امتیاز اور فرق مراتب زیادہ سے زیادہ مشتبہ ہو، ان کا سب سے زیادہ محبوب مشغلہ (Hobby) ہے۔!

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى - (الانفال)

کی تفسیر میں یہ لوگ کیا کیا نکتے نکالتے اور کیسے کیسے حاشیے پڑھاتے ہیں!

واقعیہ ہے کہ غزوہ بدر میں جب مسلمانوں سے کافروں کا مقابلہ ہوا۔ تو حضور نے اپنی مٹھی میں ریت لے کر "شاهت الوجہ" پڑھا اور ریت کفار کی طرف پھینک دی، اور وہ کنکریاں اور ذرے کافروں کی آنکھوں میں جا پڑے!

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے فوق العادہ فعل کے بارے میں فرما رہا ہے کہ ہم نے تم میں یہ قوت پیدا کر دی تھی، ورنہ تم اپنے کسب و اختیار سے یہ کام نہ کر سکتے تھے، یہ آیت تو "توحید خالص" پر ایک نہایت روشن دلیل ہے، اللہ نے بدر میں چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ریت کے ذرے پھینک دیا، جس نے کافروں کو بدحواس اور پریشان کرنے میں موثر کام سرانجام دیا۔ دوسری طرف احد میں اللہ نے نہ چاہا تو آپ سے کسی معجزہ اور فوق العادہ فعل کا صدور نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ آپ رحمی ہو گئے! یہ آیت تو اس لئے نازل کی گئی تھی کہ "شاهت الوجہ" پڑھ کر ریت پھینکنے کے اس معجزہ کے سبب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی الٰہی اور خدائی تصرف کہیں منسوب نہ کر دیں۔ اسی آیت کا پہلا جزویہ ہے۔

39141

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ!

رہیں حقیقت یہ ہے کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا!

بدر میں صحابہ کرام کی تعداد کفار کے مقابلہ میں بہت کم تھی، ساز و سامان اور اسلحہ کی قلت تھی، مگر پھر بھی مسلمان اللہ کے فضل سے کفار پر غالب آئے، یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین صحابہ کو مخاطب کر کے اپنا احسان بتایا کہ :-

”تم نے انہیں (یعنی کافروں کو) قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔“

یہاں بھی صحابہ کے اختیارات و قدرت کی نفی کی جا رہی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی حکمت، مشیت اور قدرت کا اظہار فرما رہا ہے! اہل عرب کے درمیان جو شدید مخالفتیں صدیوں سے چلی آ رہی تھیں۔ وہ اجرت نبوی کے بعد دور ہو گئیں، خاص طور سے اوس و خزرج کی دیرینہ عداوتوں کا خاتمہ ہو گیا، اور وہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے۔ اس کا لیت قلوب“ اور ”دلوں کے جوڑ دینے“ کو اللہ تعالیٰ ان لفظوں میں ظاہر فرماتا ہے :-

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ
وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۗ (الأنفال)

اور الفت ڈال دی ان کے دلوں میں، اگر تو خرچ کر دیتا جو کچھ زمین میں ہے سارے کا سارا، تو نہ الفت ڈال سکتا ان کے دلوں میں، لیکن اللہ نے الفت ڈالی ان میں!

اس آیت میں اللہ تعالیٰ دو ٹوک لفظوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہا ہے کہ دلوں کا جوڑ دینا ہمارا کام ہے، اہل عرب کے دل آپ نے نہیں جوڑے، آپ زمین کے تمام خزانے بھی خرچ کر دیتے تو بھی عرب کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتے تھے، ان کے دلوں کو تو ہم نے جوڑا ہے اور ان کے درمیان ہم نے اخوت اور مودت پیدا کی ہے!

حیرت ہے کہ لوگ قرآن کریم میں اس قسم کی محکم آیتوں کو پڑھتے ہیں اور پھر بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ بیوں، ولیوں، پیروں، اور شہیدوں کی کائنات میں متصرف سمجھتے ہیں، اس قسم کی بیسیوں قرآنی آیات صاف طور پر بتاتی ہیں کہ قدرت و اختیار کا سررشتہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس کے حکم کے بغیر کسی نبی اور رسول نے ایک سانس بھی اپنے اختیار سے نہیں لی۔ اسی کو جب منظور ہوتا تھا، انبیاء کرام سے معجزے صادر کر دیتا تھا۔ اور جب منظور نہ ہوتا تھا تو انبیاء کرام کی تمناؤں اور دعاؤں کے باوجود کچھ نہ ہو سکتا تھا۔!

غیر اللہ سے استعانت کے جواز میں ”اہل بدعت“ جب قرآن کریم کی آیت :-

”استعينوا بالصبر والصلوة“

سے استدلال کرتے ہیں، تو ان کے ذہن و فکر کی اس کچی پر بڑا دکھ ہوتا ہے! آپ نے کبھی سنا اور دیکھا ہے کہ کوئی شخص ”صبر اور نماز“ سے اعانت طلب کرتا ہو، کہ یا ایہا الصبر (اے صبر!) اور یا ایہا الصلوة (اے نماز!) تم میری مدد اور دستگیری فرماؤ۔ اگر کوئی ایسا فعل کرتا ہے تو اس سے بڑھ کر کوئی احق نہیں، اور ایسا کرنے کو اس نے اس آیت کے مفہوم کے حکم کی تعمیل سمجھ رکھا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا مذاق اڑاتا ہے! اللہ تعالیٰ ایسے فعلِ عبث کی تعلیم دے کس طرح سکتا ہے۔!

اس آیت کا سیدھا اور صاف مفہوم یہ ہے کہ صبر اختیار کرو گے اور نماز پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرمائے گا۔ اس سے حل مقصد اور کشائش مشکلات ہوگی!

ظاہری لفظوں کے "تشابہ" سے اس قسم کے لطیفے اور نکتے پیدا کرنا، فراست مومن کو رسوا کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔
 "من انصاری الی اللہ" میں "انصاری" کا لفظ آجلنے سے کیا یہ معنی لے جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی واقعی اپنا ہاتھ
 بٹانے کے لئے انصار و اعوان اور مددگاروں کی ضرورت لاحق ہوا کرتی ہے اور "انصار اللہ" اللہ کی مدد کیا کرتے
 ہیں۔! (معاذ اللہ)

یہ تو قرآن کی آیتوں کیساتھ اہل بدعت کا رویہ اور سلوک ہے، اسی طرح احادیث نبوی سے اپنے فرعونہ اور خود تراشیدہ
 عقائد کی تائید کرنا چاہتے ہیں:-

"وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يَعْطِي"

پڑھ کر کس زور شور سے اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے تمام خزانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیے
 ہیں، حقیقی معطی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، رسول اللہ اس عطا کے قاسم (بانٹنے والے) ہیں!
 اصل حدیث کی ابتدائی عبارت نہ جانے کیوں حذف کر دی جاتی ہے، پوری حدیث یہ ہے:-
 "من یرد اللہ بہ خیراً یفقه فی الدین وإنما انا قاسم" واللہ معطی"
 جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اُس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور میں تو
 بانٹنے والا ہوں اور اللہ دینے والا ہے!

حدیث کے الفاظ خود بول رہے ہیں اور عبارت کا سیاق و سباق بتا رہا ہے یہاں "عطا" سے مال اور رزق و دولت
 کی تقسیم ہرگز مراد نہیں ہے! حافظ توربشتی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:-
 قوله "إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ" - قال التوربشتی رحمۃ اللہ علیہ - اشار الی صلی اللہ علیہ وسلم
 بقوله "وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ إِنْ مَآ يَلْقَى إِلَيْهِمْ مِنَ الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ وَيَقُولُ وَاللَّهِ يَعْطِي أَيُّ
 أَنَّهُمْ يَهْتَدِي بِهِ إِلَى خَفِيَّاتِ الْعُلُومِ فِي كَلِمَاتِ الْكِتَابِ وَالسُّنَنِ وَذَلِكَ أَنَّهُ لَهَا
 الْفِقْهُ فِي الدِّينِ وَمَا فِي نِيهِ مِنَ الْخَيْرِ!

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم و حکمت عطا فرماتا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم یہ حکمت صحابہ کو بتاتے (تقسیم فرماتے) تھے۔ اسی کو حدیث میں "تفقہ فی الدین" کہا گیا ہے اور یہی وہ "فہم"
 ہے، جو کتاب و سنت کے نکات و معانی کی طرف ہدایت و رہنمائی کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ
 نے جو حکمت عطا فرمائی تھی، وہ احادیث کی کتابوں میں محفوظ اور مرتوم و مسطور ہے۔ اور کوئی شخص نبوی تعلیم و حکمت
 سے بے نیاز ہو کر دین میں فلاح و سعادت حاصل نہیں کر سکتا۔ اس حدیث سے یہ مفہوم ہرگز ہرگز نہیں نکلتا کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کے خزانے بخش دیے ہیں۔ اور آپ ان کو تقسیم فرمایا کرتے ہیں!
 اہل بدعت "أوتيت بمضايح خزائن الأراض" سے جو دلیل لاتے ہیں، یہ پوری حدیث یہ ہے:-

وعن ابی ہریرہ، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بعثت بجوامع الكلم
 ونصرت بالرعب وبينها انا قائم راتيني اوتيت بمضايح خزائن الأراض
 فوضعت يدي: (متفق عليه)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جو امع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں، اور عرب کیساتھ میری مدد کی گئی ہے اور جب میں سو رہا تھا تو مجھے دکھایا گیا کہ مجھے زمین کے خزانے دیئے گئے اور میرے ہاتھ پر رکھ دیئے گئے!

ایک طرف یہ حدیث، دوسری طرف قرآن کی یہ آیت:-

”قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ“

اے نبی! تم کہہ دو کہ میرے پاس اللہ کے (دیئے ہوئے) خزانے نہیں ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ جو حدیث قرآن کی مخالف ہوگی اسے قبول نہیں کیا جاسکتا، اور وہ بھی کسی فقہی مسئلہ میں نہیں بلکہ بنیادی اعتقاد میں۔ اس آیت میں ”خزائن اللہ“ آیا ہے، صرف ”خزائن“ نہیں کہا گیا۔ یعنی اس آیت میں ”اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے خزانوں“ کی بھی نفی کی گئی ہے۔ ”ذاتی“ اور ”عطائی“ کی تائید کے لئے بھی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے!

مگر حدیث قرآن کی مخالف نہیں ہے، ہاں! قرآن کی مخالف اس وقت ہوگی، جب اس کے وہ معنی لئے جائیں جو ”اہل بدعت“ لیتے ہیں۔ اور عام طور پر اہل بدعت اسی حدیث سے استدلال کیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے خزانوں کی کجیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دی ہیں۔ حالانکہ قرآن جس کی نفی کرتا ہو، حدیث اس کا اثبات کرے، ناممکن ہے! اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمین پر اپنے اُمّتیوں کے قبضہ و تسلط اور حکومت کی طرف اشارہ اور پیشین گوئی ہے! جو عالم مثال میں آپ کو دکھایا گیا تھا۔ خود حضور کے دور مبارک میں بھی عرب پر آپ کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اور مسلمانوں کی تاریخ میں ایسا بھی دور گزرا ہے کہ اس وقت کی دنیائے معلوم کا بہت بڑا رقبہ اُمّتیان نبی آخر کے زیر نگیں تھا، اور تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کی حکومت رہی ہے۔ اور اس دورِ انحطاط میں بھی آج لاکھوں میل کے رقبہ پر مسلمانوں کا تسلط، قبضہ اور حکومت ہے! جن میں کم و بیش تیس کروڑ انسان بستے ہیں۔

مشکوٰۃ کی حدیث کے اس ٹکڑے:-

”و اُحلت لی الغنائم و اُحلت لی الارض مسجداً و طهوراً“

(اور میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں اور زمین میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی)

”اُحلت لی“ (میرے لئے حلال لئے گئے) میں وہ تمام غنائم شامل ہیں، جو آپ کے اُمّتی جہاد کے ذریعہ حاصل کریں گے اور ”زمین میرے لئے مسجد بنائی گئی“ میں وہ تمام رقبہ زمین شامل ہے، جو حضور کے اُمّتی قیامت تک اپنے سجدوں سے معمور کریں گے، اسی طرح ”اور تبت، بمسایح خزائن الارض“ میں عرب کے علاوہ وہ تمام رقبہ زمین شامل ہے، جو آپ کے اُمّتیوں کے قبضہ میں آیا اور قیامت تک آتا رہے گا!

اگر یہ حدیث خواب کا واقعہ نہ ہوتی تو بھی اس کے یہی معنی لئے جاتے کہ کتاب اللہ سے ٹکراؤ نہ ہو۔ مگر حضور کا یہ فرمانا۔ ”و بینہا انا نائم رایتی“ (جب میں سو رہا تھا، تو مجھے یہ دکھایا گیا) اس نے معاملہ کو آسان تر بنا دیا۔ اس پر شایعہ اعتراض وارد کیا جائے کہ انبیاء کرام کے خواب سچے (دیئے) ہوتے ہیں۔ یقیناً ہوتے ہیں۔ مگر یہ بھی ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کو آنے والے واقعات عالم مثال میں دکھائے جاتے ہیں۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو خواب میں دیکھا۔ کہ وہ انہیں سجدہ کر رہے ہیں اور یہ مثالی واقعہ اس طرح سچا ہو کر رہا۔

وَرَفَعَ أَبُوهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا -

شاید کہا جائے کہ یوسف علیہ السلام نے جب خواب دیکھا تھا، تو وہ اُس وقت کس نے تھے؟ نبوت جب تک کہاں ملی تھی۔ اسی کے جواب میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے کہ خواب میں جو شے حضور کو نظر آتی، اس کی خود حضور نے تاویل فرمائی ہے۔

” عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم رايت ذات ليلة بينما يري المنام
كانادار عقبة بن رافع فابتنا برطب من رطب ابن طاب فاولت ان الرفعة
في الدنيا والعاقبة في الآخرة وان ربتنا قد طاب“

میں نے ایک رات اُس حالت میں، جس حالت میں سونے والا دیکھا کرتا ہے، دیکھا کہ گویا میں
عقبہ بن رافع کے گھر میں ہوں، اور ہمارے سامنے رطب (تازہ کھجور) لائے گئے، تو میں نے
اُس کی یہ تاویل کی کہ ہمارے لئے دنیا میں رفعت ہے اور آخرت میں انجام (اچھا) ہے اور
ہمارا دین مکمل اور احسن ہو گیا

حدیث میں آیا تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلنے اور غلہ پر ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور
اللہ تعالیٰ نے اُن اشیاء کی مقدار کو کثیر وافر کر دیا۔ مگر اہل بدعت اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ برگوں کے نام
کی جو فاتحہ دی جاتی ہے اور اُس میں کھانا اور شربت و شیرینی سامنے رکھ کر جو ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھتے اور ایصالِ ثواب
کرتے ہیں، اس کا جو اس حدیث سے نکلتا ہے۔ مگر خدا کے بندو! اس حدیث سے یہ کہاں ثابت ہے کہ حضور نے غلہ،
طعام اور پھلوں پر ہاتھ اٹھا کر کسی کی روح کو ثواب پہنچا یا کھا۔ واقعہ کیا ہے اور اس سے مفہوم کیا پیدا کیا جا رہا ہے؟
اسی طرح یہ حدیث کہ حضور کہیں سے گزر رہے تھے، دو قبروں پر آپ نے ہری شاخیں گاڑ دیں۔ اور فرمایا کہ
ان قبروں پر عذاب ہو رہا تھا، یہ شاخیں جب تک ہری رہیں گی، اہل قبر کے لئے دعائے مغفرت کریں گی! مگر اس حدیث سے
یہ کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ قبروں پر پھول چڑھانا جائز ہے۔ حضور نے ان قبروں پر پھول کب چڑھائے تھے! اور یہ جو برنگان
دین کی قبروں پر عقیدت مند پھول چڑھاتے ہیں، تو ان کی کیا یہ نیت ہوتی ہے کہ ان کے ایسا کرنے سے ان برنگوں کے
عذاب قبر میں تخفیف ہو جائے گی، اس قسم کا داہمہ بھی کسی زائر کے ذہن و قلب میں نہیں گزرتا اور نہ گزرنا چاہیے۔ پھول تو
عقیدت و تکریم کی نیت سے چڑھائے جاتے ہیں۔ جس کی کوئی سند کتاب و سنت، اشارہ صحابہ بلکہ ائمہ فقہ کے کسی قول
تک سے نہیں ملتی، لہذا یہ فعل ”بدعت“ ہے! اور گمراہی ہے!

یہ ہے ان ”عاشقانِ رسول“ (۶) اور ”حامیانِ سنت“ (۶) کا سلوک جو احادیث کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور
یہ ہیں اُن کے استدلال، تفکر و تعمق اور تفتہ فی الدین کے چند نمونے!!
اہل بدعت ”غیر اللہ“ سے استدلال کے جو ازمین حصن حصین کی یہ روایت استدلال میں پیش کرتے ہیں کہ حضور سے
مروی ہے کہ جو کوئی راستہ بھول جائے، وہ یوں پکارے۔

”اعينوني يا عباد الله“

طبرانی کے الفاظ یہ ہیں۔

”ان اراد غونا فليقل يا عباد الله اعينوني، يا عباد الله! اعينوني۔“

(جو کوئی دعویٰ راستہ راہِ حق ہے، تو اُسے یوں کہنا چاہیے کہ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔
اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو)

یہ حدیث اس لئے حجت نہیں بن سکتی کہ اس میں انقطاع و نکارت کی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ اور اس حدیث کا ایک راوی عتبہ بن غزوٰن مجہول الحال ہے! قرآن شریف میں کتنی محکمہ آیتیں ایسی ہیں، جن میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو مصیبت کے وقت پکارنے سے منع کیا گیا ہے! احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ حضور سے جو دعائیں مروی ہیں، ان میں بھی اللہ تعالیٰ ہی سے براہ راست عرض معروض کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام نے بھی کسی پریشانی، اضطراب اور مصیبت میں اللہ کے سوا کسی دوسرے سے مدد نہیں چاہی! ان کا یہ معمول نہیں رہا!
کتاب و سنت کے بے شمار واضح احکام و شواہد کے مفت بلہ میں:-

”یا عباد الله! اعينوني“

والی تمہارا روایت ”حجت“ کس طرح بن سکتی ہے، جبکہ یہ روایت صحت کے درجہ کو بھی نہیں پہنچتی۔ اور اس میں غلطیاں اور کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ پایہ صحت سے گری ہوئی ایک روایت، جس سے قرآن کی متعدد آیتوں اور سینکڑوں حدیثوں کی مخالفت ہوتی ہو، کس طرح قبول کی جاسکتی ہے!

”اپنی بدعت کی طرف سے کبھی کبھار یہ لطیفہ بھی سنتے ہیں کہ قبروں پر جو کچھ ہوتا ہے، اگر بزرگانِ دین کو یہ پسند نہ ہوتا تو وہ ایسا کاہن کو ہونے دیتے؟ یہ ایسی بات ہے کہ اس پر ہنسی بھی اور رویے بھی! اس دلیل کی بنیاد پر سب سے بڑا اعتراض تو حضرت مسیح علیہ السلام پر وارد ہوتا ہے کہ آپ کی امت نے آپ کو ”ابن اللہ“ بنا ڈالا! اسے آپ نے نہیں روکا، اس لئے یہ اس کی دلیل ہوئی کہ نصاریٰ کے اس مشرکانہ فعل سے آپ ناخوش نہ تھے، بلکہ رضامند تھے! (استغفر اللہ)

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دارالامتحان بنایا ہے، اور خیر و شر کا ایک معرکہ اُس کے حکم سے گرم ہے! اس میں بڑی نازک حکمتیں اور باریکیاں چھپی ہوئی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے، عادل ہے، جو کچھ وہ کر رہا ہے، ٹھیک عدل کے مطابق کر رہا ہے، یہ بات تو خود نبیوں، اور ولیوں کی عدم قدرت اور مجبور و بے اختیار ہونے کی دلیل ہے، کہ ان کی تمام جدوجہد، کوششوں اور دعاؤں کے باوجود بعض اوقات انسانوں کے حالات نہ سنبھل سکے، یہاں تک کہ عذابِ الہی بے نافرمان قوموں کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا!!

اس عنوان پر گفتگو کرنے سے قبل ہم اس بات کو واضح کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں کہ وہ ”تصرف“ جو تاریخِ تجزیہ! کتاب و سنت کے مطابق ہے اور ”تزکیہ نفس“ جس کا موضوع ہے، اُس سے ہمیں کوئی اختلاف

نہیں ہے اور صورتِ کرام نے جو کتاب و سنت کے مطابق زندگیاں گزار دی ہیں، دین کی تبلیغ کی ہے اور لوگوں کی اصلاح فرمائی ہے اور ان کے دلوں کے آئینوں کو اُجالا ہے، ان کی عقیدت سے ہمارا دل معمور ہے (اللہ کی ان پر رہنمائی ہوں) اب ہے صوفیاء کرام کے بعض اعمال اور طریقے تو ان کے چاہنے کے لئے اللہ نے جو ”کتاب و سنت“ کی کسوٹی بنا دی ہے! اسی پر ان کو پرکھ کر دیکھا جائے گا۔ اور یہ کسوٹی جو بتائے گی، وہی حق ہوگا۔

کتابوں میں کوئی فرقہ کسی صحابی کے نام سے منسوب نہیں ہے، حالانکہ صحابہ کی تعداد لاکھوں کے لگ بھگ تھی۔



ان میں بڑے رتبہ اور شان و جلالت کے بھی صحابی تھے، جن کے علم و تفتہ اور تقویٰ کا بھی مقام ممتاز اور بلند تھا۔ جب کسی صحابی اور اہل بیت کے کسی فرد نے کوئی فرقہ نہیں بنایا۔ تو ہم اس الزام سے حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو قطعاً بری اور پاک سمجھتے ہیں کہ آپ نے مسلمانوں میں کسی فرقہ کی بنیاد ڈالی ہو! علی کی ذات دین کی جامع تھی، دین کو معاذ اللہ متفرق کرنے والی نہ تھی!

تین خلافتوں کا زمانہ حضرت علی اور اہل بیت کرام نے دیکھا ہے۔ اس عرصہ میں ان کی طرف سے کسی اعتقادی اور دینی اختلاف کا اظہار نہیں ہوا۔ اور ہم فاتح خیبر جیسے صحیح، حق شناس، حق گو اور بلند کردار انسان سے یہ کمزوری ہرگز ہرگز منسوب نہیں کر سکتے کہ آپ اتنی طویل مدت تک مخصوص دینی عقائد، منفرد اسلامی فکر اور کوئی خاص فلسفہ، اخلاق و روحانیت چھپائے بیٹھے رہیں!

”شیعانِ علی“ کسی ایسی جماعت کا نام ہرگز ہرگز نہ تھا، جس کے دینی عقائد عام مسلمانوں سے مختلف تھے۔ جمل و سفین کی جنگوں میں جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جھنڈے کے تلے مخالف گروہوں سے لڑے، ان کو ”شیعانِ علی“ کہتے تھے۔ ہم اگر اس زمانہ میں ہوتے تو ہم بھی علی مرتضیٰ کے پرچم تلے آپ کی مدافعت اور حمایت میں جنگ کرتے، اس لئے ہم بھی اپنے کو ”شیعانِ علی“ میں سمجھتے ہیں!

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ کسی ایسے مسئلہ پر نہیں کی کہ جو توحید، نبوت، معاد و آخرت اور اسلام کے بنیادی عقائد کا کوئی اختلافی مسئلہ ہو۔ حضرت علی تلے اپنے مخالف گروہوں اور ان کے قائدین پر یہ الزام نہیں لگایا کہ تمہارے عقائد فاسد ہیں! اور میں صحیح عقائد پیش کرتا ہوں، یا تمہاری نمازیں اور روزے کتاب و سنت کے مطابق نہیں رہے، میں نے ان غلطیوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے!

حضرت علی نے دین و شریعت اور اخلاق و روحانیت کا کوئی ایسا فلسفہ یا طرز فکر پیش نہیں کیا، جو جمہور صحابہ سے مختلف اور منفرد تھا۔ حضرت علی نے کوئی فرقہ نہیں بنایا اور نہ کوئی ایسا جداگانہ فلسفہ روحانیت و اخلاق پیش فرمایا، جس سے دوسرے صحابہ نادان تھے، صحابہ کرام، اہل بیت اور خود حضرت علی، سب کے سب ایک ہی معلم اخلاق (روحی فداہ) کے شاگرد تھے۔ حضور کی تعلیم سب کے لئے عام تھی، اور کھلی ہوئی تھی۔ تعلیم کے اہل کرنے میں تو ذہنوں کی استعداد و صلاحیت کے اعتبار سے کم اور زیادہ اور ذوق و دقت کا فرق ہو سکتا ہے۔ مگر زبان و وحی ترجمان نے علم و حکمت کے سلسلہ میں کوئی امتیاز نہیں برتا۔ یہ بات تو کیمیا گروں کو ذیبت دینی ہے کہ وہ کچھ چھلکے سینہ پر سینہ دینے دیں۔ بنی کی نہ تو زندگی راز ہوتی ہے اور نہ اس کی تعلیم پر اسرار ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”کتابِ مبین“ کو ”بلاغِ مبین“ کے ساتھ پیش فرمایا!

اسلام میں سب سے پہلا فتنہ جو ظاہر ہوا وہ ”سبائی فتنہ“ تھا۔ عبداللہ بن سبا ایک یہودی، شہر صنعا کا رہنے والا، اس فتنہ کا بانی مبنی تھا۔ اسلام کے عروج کو دیکھ کر اس کے سینہ پر سامپ بڑھتے تھے، یہ شخص مسلمانوں میں شامل ہو کر ان کا شیرازہ بکھیرنے اور جہمی ہوئی بساط کو اُلٹنے کی خصلت تدبیریں کرنے لگا۔ اس نے اپنے آپ کو آلِ رسول کا حامی، خیر خواہ اور ان کا عقیدت مند ظاہر کیا اور اس قسم کے عقیدے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عیسیٰ کی طرح دنیا میں ضرور آئیں گے، مسلمانوں میں پھیلانے شروع کئے!

”سبائی فتنہ“ کے بعد جو پہلا گمراہ فرقہ مسلمانوں میں ظاہر ہوا، وہ خوارج کا فرقہ تھا۔ جن کے بعض عقائد مسلمانوں کے جمہور سے یکسر مختلف تھے، یہ کم بخت حضرت علیؑ اور بعض دوسرے صحابہ کو دین سے خارج سمجھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی اور کئی بار ان کی جمعیت کو تتر بتر کر دیا۔ یہ فرقہ اور اس کے عقائد مسلمانوں میں مستحبول نہ ہو سکے! مسلمانوں کے جمہور نے اس گمراہ فرقہ سے اپنی برأت ظاہر کی، اور آج دنیا میں ان کی تعداد بہت ہی کم پائی جاتی ہے! خوارج میں بھی سب ایک جیسے نہیں ہیں، جو بد نصیب منشد ہیں، وہ تو صرف ایک رکعت نماز صبح اور ایک رکعت شام کے قائل ہیں۔ اور ان میں سے بعض پتھروں، نو اسیوں اور بھتیجے اور بھلے کی بیٹیوں سے نکاح کو حلال سمجھتے ہیں! اور کہتے ہیں کہ سورہ یوسف قرآن کا جزو نہیں ہے (ان گمراہ عقائد سے کر دہ بار اللہ تعالیٰ کی پناہ!)

”سبائی فتنہ“ کو ذہن میں رکھئے، اور آگے بڑھیئے، علوی خلافت کے دور میں بعض لوگوں نے حضرت علیؑ کی وجہ کی الوہیت کا اعلان کیا۔ اور آپ نے ایسا کہنے والوں کو دردناک سزائیں دیں۔ حضرت علیؑ کا قول ہے:-
 يَهْلِكُ فَوْقَ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرَطٌ يَفْرَطُنِي بِأَلَيْسَ نِي وَيُبْغِضُ بِحِمْلِهِ شَتَانِي
 علی ان بیہنتی!

میرے بارے میں دو شخص ہلاک ہوں گے، ایک علیہ محبت سے، ایسی تعریف میری کرے گا، جو بات مجھ میں نہیں ہے اور دوسرا عداوت رکھنے والا کہ اس کو میری عداوت نے آمادہ کیا اس بات پر کہ مجھ پر بہتان باندھے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کسی صحابی اور خلیفہ کے بارے میں کوئی غلو نہیں کیا گیا۔ اسلام میں عفت نہ کے سب سے پہلے فتنہ کا ظہور ”عقیدت“ کے غلو سے ہوا، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات و صفت میں کیا گیا، حضرت علی کا دامن اس سے بالکل پاک ہے، یہی وہ طرز فکر ہے جو باطنیہ، اسماعیلیہ اور قرامطہ کے قابلوں میں ڈھلتی چلی گئی! اور مشرکانہ تصورات و بدعات اور مجھی فلسفہ کے انبار پر انبار لگتے چلے گئے! چند جملے لکھیں:-

- عبد اللہ بن سبا کے ساتھیوں اور معتقدوں نے کہا کہ حضرت علیؑ ”معبود حقیقی“ ہیں اور وہ شہید تھوڑی ہی ہے
- ہیں، ابن ہبیبؒ تو ایک شیطان کو قتل کیا تھا۔ جس نے آپ کی شکل میں روپ دھار لیا تھا۔ حضرت علیؑ بادلوں میں پوشیدہ ہیں، بادل کی گرج آپ کی آواز ہے اور بجلی کی کرک آپ کا کڑا ہے!
- اسی نکتہ فکر کے ایک فرقہ مفضلیہ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت علیؑ کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے وہی نسبت ہے جو مسیح علیہ السلام کو حق تعالیٰ سے ہے، اور جس کسی کا اتحاد ذاتِ لاہوت سے ہوا وہ نبی ہے!
- فرقہ سیرغیہ کا یہ عقیدہ تھا کہ لاہوت کا حلول صرف پانچ ہستیوں میں ہوا ہے، وہ یہ ہیں:-
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عباسؑ، حضرت جعفر اور حضرت عقیل (رضی اللہ عنہم)
- فرقہ سیرغیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت جعفرؑ الہ ہے اور وہ اپنی اصلی صورت میں نظر نہ آتے تھے!

فرقہ بنایا اس کا قائل ہے کہ روح الہی، حضرت آدم و نوح علیہما السلام اور تمام نبیوں کے اجسام سے درجہ بدرجہ منسلک ہوتی ہوئی، حضرت بنو مغیرہ آخر الزماں تک آئی اور پھر حضور سے حضرت علی، حضرت حسین اور محمد بن الحنفیہ تک پہنچی!

فرقہ پانچویں - امام باقر کو "حی لا یموت" مانتے ہیں اور ان کے "امام منتظر" ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں!

یہ ہے وہ مشرکانہ طرز فکر اور "عجمی عقائد" جو مسلمانوں میں عقیدت و محبت کے نام پر داخل ہوئے ہیں۔ اور یہ بہت بڑی بڑی جگہ ہے کہ ان عقائد کا مرکز حضرت علی اور اہل بیت کی ذات کو بنایا گیا ہے۔ حالانکہ علی مرتضیٰ اور ائمہ اہل بیت کا دامن بے غبار ہے۔ اور ان پر کسی مشرکانہ عقیدہ اور بدعت کی ذرہ برابر ذمہ داری عائد نہیں ہوتی! جس طرح نصاریٰ نے "ابن اللہ" کے مرکزی تصور کے ارد گرد، پورا فلسفہ اور مکمل علم کلام کھڑا کر دیا ہے، اسی طرح حضرت علی اور ائمہ اہل بیت اطہار کو مرکز عقیدت قرار دے کر، پورا علم کلام تصنیف کیا گیا۔ جس کی چند جعلییاں اوپر گزر چکی ہیں!

یہ بات بھی ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ تصوف کے تمام سلسلے نقشبندیہ سلسلہ کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی سے منتسب ہیں اور آپ پر ہی منتهی ہوتے ہیں۔ ان سلسلوں میں اکابر صوفیاء گزرے ہیں، جنہوں نے کوئی شک نہیں دین کی اور خاص طور سے تزکیہ نفس کی بہت بڑی خدمات انجام دی ہیں! (رحمہم اللہ تعالیٰ)

اس اعتراف کے بعد ہمیں یہ بھی کہنا ہے کہ طریقت کے سلسلوں کے اس انتساب نے اس تصور کو بھی مسلمانوں میں ابھارا کہ ولایت، طریقت، روحانیت اور تصوف کی مرکزیت، رہنمائی اور قیادت کا منصب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تفویض ہوا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد عہد خلافت میں یہ تصور اور یہ امتیاز نہ پایا جاتا تھا۔ اور جس طرح دوسرے اکابر صحابہ سے لوگ دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے تھے، اسی طرح حضرت علی کے پاس بھی دین حاصل کرنے کی غرض سے آئے تھے۔ یہ تصور سرے سے موجود ہی نہ تھا کہ عمر اور عبداللہ ابن مسعود تو دین کے ظاہری احکام کی تعلیم دیتے ہیں اور علی دین کے اسرار اور باطن کی تعلیم دینے پر مامور ہیں! اور ولایت کے لئے حضرت علی کی ذات سے روحانی انتساب ضروری ہے! اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور اس دور کے دوسرے ائمہ حدیث و فقہ جن کا زمانہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بہت قریب تھا۔ وہ طریقت کے کسی سلسلہ میں منسلک نہیں ہیں۔ اگر ولایت، روحانیت اور تزکیہ نفس کے لئے یہ انتساب اور انسلاک ضروری ہوتا تو ائمہ فقہ و حدیث بھلا اس برکت و سعادت سے محرومی گوارا کر سکتے تھے، عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ظاہر و باطن اور شریعت و طریقت کی یہ تفسیرین لڑن اول میں نہ پائی جاتی تھی!

لیکن اس کو کیا کیجئے کہ اس تفریق کے آثار بعد میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں، عارفان باللہ اور اولیاء کرام کے جن کتابوں اور تذکروں میں نام اور احوال درج ہوتے ہیں، ان میں امام مالک، امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ جیسے اکابر صلحاء امت کے نام نظر نہیں آتے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نقوی و طہارت کی کوئی حد نہایت ہے، پھر آپ کا کتاب و سنت سے شغف بلکہ اس میں مہارت اور تعمق نور علی نور! اور "تفصیح فی الدین" کی استعداد اور صلاحیت میں تو امام بوصف اپنی آپ نظیر تھے! ان تمام دینی اوصاف کے باوجود اگر ابوحنیفہ ولی عارف باللہ اور صاحب روحانیت نہ تھے تو پھر پوری امت میں نہ کوئی ولی گزرا اور نہ کوئی صاحب عرفان و روحانیت پیدا ہوا!

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے احادیث بروی کے صحیح ترین مجموعہ کو مدون کر کے تمام امت اسلامیہ

پراحسان کیا ہے، جو خدا سے ڈرنے والے تھے، سنت رسول کے سب سے بڑے جامع، نامشر، مبلغ اور متبع تھے، جن کے اندر کمال درجہ کا تقویٰ اور صابغیت پائی جاتی تھی، ان تک کا نام "ولایت و عرفان" کی فہرستوں میں نظر نہیں آتا۔ ظاہر و باطن اور شریعت و طریقت کی اس "تفریق" اور امتیاز نے عقائد و اعمال کو اچھوتا نہیں رہنے دیا۔ غضب خدا کا منصور علاج اور سرد جیسے مجہول لوگوں کو تو اسرار باطن کا ماہر اور عرفان و شہود کا نمائندہ سمجھا جائے، مگر امام ابو حنیفہ اور امام بخاری جیسے صلحاء اور اقیانوس دین و شریعت کے محققین کو علماء ظاہر میں شمار کیا جائے! اور نثر و روحانیت کے باب میں انہیں کو ناسمجھا جائے۔ تاریخ کے ان حقائق کو بھی ذہن میں رکھئے کہ فرقہ باطنیہ نے انتہائی عیاری اور چالاکی کے ساتھ ظاہر و باطن کی تقسیم کو ابھارا، قرآنی احکام کے بارے میں یہ کہا کہ اصل عمل ان احکام کے باطن پر ہونا چاہیے۔ اور باطن کی تربیت کے لئے امام معصوم کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کئے جاتے ہیں! پھر اس عقیدہ کو پھیلا یا گیا کہ کچھ نفوس قدسیہ اور معصومہ دُنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو کر عالم غیبیت میں رہتے ہیں۔ اور غاروں اور سردابوں سے احکام نافذ کرتے اور روحانی تربیت فرماتے ہیں۔ اور نماز سے مراد تو امام کو پکارنا ہے، اور "زکوٰۃ" وہ ہے جو امام کو دی جائے اور "حج" امام کی خدمت میں حاضر ہونا ہے!

آپ اُدپر پڑھ چکے ہیں کہ حضرت علیؑ کو "الہ" اور مجبور کہا گیا۔ "پھر امام" سے جو اوصاف منسوب کئے گئے، اُس نے "نبوت" کے مقابل "امامت" کا ایک تصور پیدا کر دیا۔ پھر "باطن و روحانیت" کے مقابلہ میں دین و شریعت کو کمتر اور گھٹیا ٹھہرایا گیا، اس مشن نے، تعلیم نے اور تحریک نے توحید، نبوت اور شریعت پر ضرب لگائی اور ذہن و فکر کو بہت بڑے خلیجان اور فتنہ میں مبتلا کر دیا!

"لاہوت اور ناموت کا اتحاد، روح اور نور کا انسانی قالبوں میں منتقل ہونا، الوہیت کا

باطن پر ظہور تجلی کے لباس میں"

یہ طرز بیان، یہ انداز فکر، کشف و وجدان کا یہ اظہار، یہ اصطلاحیں اور یہ زبان رفتہ رفتہ پھیلتی چلی گئی اور معاملہ چند اقوال اور ملفوظات تک ہی محدود نہیں رہا، مبسوط کتاب میں اس پنج پر تصنیف ہوئی اور لوگوں نے انہیں اسرار کا گنجینہ، معارف کا خزینہ، باطن کا دفتر بے پایاں، کشف و شہود کے نیگنہ اور عرفان و تجلی کے آئینے سمجھ کر ہاتھ لیا۔! حدیث و فقہ میں جس طرح جرح و تعدیل سے کام لیا گیا اور نقد و احتساب کیا گیا جس کے سبب ہر چیز نکھر نکھر کر سلنے آگئی، فقہ میں شاگردوں نے اپنے استادوں اور اماموں سے اختلاف کیا صرف حق کی بنا پر، کہ ان کو اپنے استاد کی رائے یا اجتہاد، باتاویل و استنباط قریب صواب نظر نہ آیا۔ تصوف میں افسوس ہے کہ فقہ و حدیث کی طرح نقد و احتساب کو روا نہیں رکھا گیا، اگر اہل تصوف میں امام ابو یوسف اور امام محمد شیبانی جیسے جری نقد پیدا ہوتے رہتے، تو یہ آئینہ بے غبار ہوتا! اور اس گلگدہ کے خار و خش اور جھاڑ جھنکار چھٹتے رہتے!

"وحدت الوجود" اگر اسلام و ایمان کا کوئی بنیادی عقیدہ ہوتا تو کتاب و سنت میں اس کا ذکر آتا اور اس سے تزکیہ نفس کی ضرورت پوری ہو سکتی تو بھی سنت و آثار صحابہ اس ذکر و بیان سے خالی نہ ہوتے، یہ مسئلہ دراصل دین کا نہیں بلکہ طبیعیات کا مسئلہ ہے، جس طرح یوں کہتے ہیں کہ "کائنات میں ایک توانائی کام کر رہی ہے" تو "وحدت توانائی" دین کا مسئلہ نہیں ہے! مگر اس کو کیا کیجئے کہ "وحدت الوجود" کو اس قدر متنوع اور رنگا رنگ انداز میں پیش کیا گیا کہ "وحدت الوجود"

تصوّف کا ایک اہم مسئلہ بن کر رہ گیا !

بعض صوفی علماء نے کوئی شک نہیں کہ ”وحدت الوجود“ کی قابل قبول شرحیں کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ سورج نکلنے ہی سے نظر نہیں آتے، اگر چہ ستارے غائب نہیں ہوتے، مگر سورج کے سامنے وہ ماند پڑ جاتے ہیں۔ اور لاشے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کے مقابلہ میں کائنات اسی طرح، مہج اور لاشے ہے، جیسے سورج کے آگے ستارے ! اگر ”تصوّف کے مسائل میں تشریح و افہام کا یہی سادہ انداز رہتا تو پھر کوئی الجھن میں نہ آتی۔ مگر دوسرے نازک مسائل اور خاص طور سے —

”وحدت الوجود“ کی تشریح میں جو پیچیدہ اور دقیق و نازک زبان اور انداز اختیار کیا گیا، اُس نے خلصے الجھاوے پیدا کر دیئے اللہ تعالیٰ نے ”متشابہات“ کی چھان بین اور اُن کے پیچھے پڑنے سے روکا تھا۔ مگر بعض صاحبان وجد و حال نے چھانٹ چھانٹ کر اُن نازک ترین اور پیچیدہ و ادق مسائل پر گفتگو کی، جو ”متشابہات“ کا مزاج رکھتے ہیں۔ اسلامی ادب میں یہ انداز بیان حوصلہ افزائی کا مستحق نہ تھا، مگر اُنے داؤں نے اس انداز بیان کے موجدوں کو معارف و حقائق کے بحر بے پایاں کا شتا در بتایا۔ اور کہا کہ یہ وہ اہل کشف و شہود تھے، جن پر باطنی علوم کے تمام پڑے چاک ہو گئے تھے !

زبان و اصطلاح کے بعد بعض اشغال و اوراد اور رسوم میں بھی اس کی جھلک آئی، اگرچہ شیخ نصیر الدین چمران دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے محتاط صوفیوں نے جرأت کے ساتھ یہ فرمایا :-

”مشائخ کا فعل حجت نہیں۔“

مگر عقیدت نے اُس پر عمل کس قدر ہونے دیا ؟

جو لوگ ”بدعت“ اور ”عجیبی فلسفہ الہیات“ سے شغف اور دل چسپی رکھتے تھے، اُن کے لئے تصوّف کے طرز بیان اور بعض مشائخ کی اختیار کی ہوئی رسوم و طریقے سے رخصتوں، اباحتوں اور بے اعتدالیوں کے لئے سبب جواز ہا تھا آگئی !

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جو ”الادمجود“ کہا گیا تھا، کہا اُس کی جھلک اُن کے لقب ”مشکل کٹا“ میں نہیں ملتی ؟ یہ لقب عجیبوں کی اختراع ہے، اسی لقب اور ترکیب کی پیروی میں ”طاما“ اور ”غریب نواز“ جیسے القاب تراشے گئے ! انبیاء و عظام اور صحابہ کرام میں سے کسی کے نام کے ساتھ اس قسم کے القاب و خطابات آپ کو نہیں ملیں گے !

ہا طیبوں کا وہ عقیدہ کہ بعض نفوس قدسیہ دنیا والوں کی نگاہوں سے غائب ہو کر چھپ جاتے ہیں اور اپنے مقامات غیبیت سے دنیا کی باطنی تربیت اور دستگیری فرماتے ہیں — اس عقیدہ نے اہل بدعت میں اس طرح رواج پایا کہ جگہ جگہ شہروں میں ”شاہ ولایت“ ما جان کے فرار بنے ہوئے ہیں، جن کے بارے میں یہ عقیدہ تراسن لیا گیا ہے کہ اس شہر کا انتظام اور نظم و نسق ان ”شاہ ولایت“ صاحب سے متعلق ہے ؟

وہاں ائمہ کی عصمت کا عقیدہ، یہاں مشائخ اور پیروں کے احترام و عقیدت کے آداب اس طرح سکھائے گئے۔

”کسی پیر کو خلاف شریعت اور بُری بات میں مُبتلا دیکھو تو بھی اس سے حُسن ظن رکھو،

اُس سے بد عقیدہ نہ ہو“ اور

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیرمغاں گوید

کہ عارف بے خبر نہ بود ز راہ درسم منزلہا

پھر قیروں کے ساتھ وہ مشرکانہ آداب و رسوم اور بدعات و اہستہ ہوتی چلی گئیں، جو انسانوں کو ”الہ و مجبود“ بنانے والے

”ذہن دسکر“ کا مقصود تھا۔!

اس سکر و عقیدہ نے کیسے کیسے روپ دھارے ہیں، بعض لوگ اپنے خطوں کے شروع میں ”ہوالعلی“ ”ہوالقادر“ اور ”ہوالمعین“ لکھتے ہیں۔ کوئی پوچھے یہ کیا ہے؟ تو اُسے یہ کہہ کر مطمئن کر دیتے ہیں کہ ”علی“۔ ”قادر“ اور ”معین“ تو اللہ کے نام ہیں۔ سکر کیا وہ اللہ سے بھی اپنے دلوں کی چوری چھپا سکتے ہیں کہ ان لفظوں میں اہول نے ”صنعت ایہام“ سے کام لیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ساتھ حضرت علی، شیخ عبد القادر جیلانی اور خواجہ معین الدین اجمیری کے ناموں کی بھی رعایت رکھی گئی ہے۔!

شاعری میں یہ فتنہ اس طرح رونما ہوا کہ کفر کو اسلام پر، صومعہ اور بت کدہ کو کعبہ پر، شراب کو آب زمزم پر۔ برہمن کو شیخ پر، رند کو زاہد پر، زنا کو تسبیح پر ترجیح دی گئی اور ٹنکے کی چوٹ کہا گیا۔

کافر عشقم مسلمان مراد درکار نیست
ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنا نیست

اور یہ ہفتہ کا فرم و بت در آستیں دارم!

بعض ایسے شعرا جن کی شاعری میں رندی و ہوسنا کی رچی ہوئی ہے اور جسے پڑھ کر ذہن میں نیکی کا کوئی داعیہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ طبیعت مستی و ہوس کی طرف مائل ہوتی ہے، انہیں ”لسان الغیب“ اور ”عارف باللہ“ کا خطاب دیا گیا۔ غرض تن ہمہ دارغ دارغ شد، پنہ کجا، کجا ہم!

تک معاملہ پہنچ گیا!

”توجید نمبر“ تمام حجت بن کر منظر عام پر آیا ہے۔ اگر کچھ جنین اسے پڑھ کر شکن آلود اور کچھ چہرے خستہ آلود دعوتِ فکر ہو جائیں تو ہم معذور ہیں، کسی کی ناخوشی اور سرکہ جبینی کے خوف سے ہم حق بات کو چھپا نہیں سکتے!

قبول حق کا معاملہ تو قلوب کی استعداد اور اللہ تعالیٰ کی توفیق پر منحصر ہے، کیا عجب ہے کہ ”توجید نمبر“ کے مضامین کچھ لوگوں کی اصلاح کا سبب بن جائیں!

یہ حضرات تحقیق کا ذوق اور انکشافِ حق کی تڑپ رکھتے ہیں، ان کی خدمت میں ہماری مخلصانہ اور عمدہ روانہ گزارش ہو کر جن مسائل کا ”نقش اول“ میں ذکر آیا ہے اور جو اس شمارہ خاص میں پھیلے ہوئے ہیں، ان میں سے کسی ایک مسئلہ کو وہ تحقیق کرنے کے منتجب فرمائیں۔ مثلاً ”مزاروں کے عرس“ کا مسئلہ ہے، اس کی وہ تحقیق کریں، اور مخالف و موافق جماعتوں میں سے کسی ایک کی بھی کوئی کتاب نہ پڑھیں۔ بلکہ براہ راست کتاب اللہ میں، احادیث میں، سیرت النبی میں، اسوہ صحابہ اور ائمہ فقہ و حدیث کے حالات میں، اس مسئلہ کا پتہ لگائیں کہ کہیں اس کا وجود ملتا ہے؟ کوئی آیت، کوئی حدیث، کوئی اثر اور کسی کا قول، اس کے جوازیں پایا جاتا ہے؟ اس تحقیق میں اگر سال دو سال بھی صرف ہو جائیں، تو اہل تحقیق کو صبر سے کام لینا چاہیے، یہ مسئلہ واضح ہوتے ہی پھر ان کے ہاتھ میں ایسی کتب آجائیں گی۔ جن سے اس قسم کے تمام مسائل کے قفل کھٹ کھٹ کھلتے چلے جائیں گے۔ اور حق واضح ہو جائے گا!

”شُرک و بدعت کا معاملہ کوئی فرقہ وارانہ“ معاملہ نہیں ہے۔ شرک و بدعت کو ہر دور میں اہل حق نے قابلِ رد

و ملامت ہی سمجھا ہے! "شُرک" جسے قرآن "ظلم عظیم" کہتا ہے، اور جس گناہ کی خوفناکی کا یہ عالم ہے کہ اُس کو اللہ کی شانِ عفا رے نے معاف نہ کرنے کا اعلان کیا ہے اور بدعت "جسے اللہ کے آخری نبیؐ نے "ضلالت" کہا ہے۔ اُن کا رد کرنا دین کی سب سے بڑی خدمت اور مسلمانوں کے ساتھ انتہائی خیر خواہی ہے، اگر اس کو شش کو کوئی فتنہ سمجھتا ہے، تو وہ انبیاء کرام پر معاذ اللہ "فتنہ ساز" ہونے کی تہمت لگاتا ہے! جن کا مشن ہی شرک و بدعت کا استیصال، اللہ کی توحید کی تبلیغ اور دینِ خالص کے قیام کی دعوت تھی!

جس طرح نجاست اور طہارت کے درمیان اعتدال کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی، اسی طرح "شرک و بدعت" اور "توحید و سنت" میں کوئی درمیانی راہ نہیں نکالی جاسکتی! "توحید" پر ایمان کا دار و مدار ہے، یہی اسلام کی اولین اساس ہے، اس بنیاد پر بال برابر بھی آنچ آئے تو ایمانی غیرت کا نقا ضا ہے کہ وہ مدافعت کے لئے تیار ہو جائے! "توحید نمبر" میں جو مسائل آئے ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں کہ ایک مفروضہ اور قیاس کے طور پر اُن کا وجود تسلیم کر لیا گیا ہو، یہ مسائل مسلمانوں میں موجود ہیں، ان پر ٹکپ کر لی ہی چاہیے! مشرکانہ رسوم و بدعات میں رواداری یا سکوت شیطان کا بہت بڑا فریب ہے!

یا اللہ! ہم سچے دل سے اقرار کرتے ہیں کہ تو "ایک" (واحد واحد) ہے، تجھ جیسا کوئی نہیں۔ تیری ذات و صفات میں کوئی شریک نہیں، تیری ذات حلول و تجسم سے پاک ہے، حلال مشکلات، کار ساز، بگڑی کا بنانے والا۔ فریاد کا سننے والا، روزی دینے والا، ہر کسی کی مصیبت میں کام آنے والا، تو اور صرف تو ہے! عام و خاص، عزیز و امیر، بادشاہ و گدا، جاہل و عالم، اولیاء اور انبیاء سب تیرے محتاج ہیں! جس کو جو کچھ ملتا ہے تیرے در سے ملتا ہے، تیرے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی نہیں ہل سکتا۔ یہ تیری اور صرف تیری قدرت ہے کہ تو مخلوقات اور کائنات کے رتی رتی بھر حال کی ہر لحظہ خبر رکھتا ہے! عالم الغیب و الشہادہ تو ہے! سمیع و بصیر اور علیم و خیر تو ہے!

رب العالمین! ایسی تو فیق عطا فرما کہ ہمارا جینا اور مرنا خالص تیرے لئے ہو، ہماری ساری تمنائیں، آرزوئیں اور ارادے تیری مرضی کے تابع ہو جائیں! ہمیں غیرت مند بنا، غیرت اس کی کہ شرک کے ادنیٰ سے شائبہ کو بھی ہم گوارا نہ کر سکیں! تیرے نبیؐ کی سنت اور اسوہ حسنہ ہماری زندگیوں کا موضوع فکر ہی نہیں، میچا رہ عمل بھی بن جائے، سنت کے مہت بلہ میں "بدعت" کو دیکھ کر ہمارے اندر اُسے مٹا دینے کا جذبہ پیدا ہو اور ہم سخت کرب و اضطراب محسوس کریں!

یا اللہ! ہم میں اخلاص پیدا فرما کہ ہم کسی نیک کام پر تیرے سوا کسی سے نہ تو قدر شناسی اور اجر و ستائش کی تمنا رکھیں اور نہ کسی سے خوف کریں، تیرے ذکر سے قلوب حلاوت و اطمینان محسوس کریں!

یا اللہ! جب ہم قیامت میں تیرے حضور حاضر ہوں، تو اس پیشانی پر تیری علامی اور بندگی کے سوا اور کسی آستانہ کے غبار کا ایک ذرہ بھی لگا ہوا نہ ہو!

یا رب! اللہ! اسلام کو اور مسلمانوں کو عزت و سربلندی عطا فرما! سازشیوں اور غداروں سے ملتِ اسلامیہ کو نجات دے، اور ملت کا سربراہ کا ر اُن کو بنا جو تیرے دین کو سربلند کرنے کا جذبہ رکھتے ہوں!

یا اللہ! تیری بندگی کو ہم صرف تیرے ہی لئے خالص رہنے دین، اُس میں کسی اور کی علامی اور محکومیت شریک

نہ ہونے پائے! جو تجھ سے بندگی اور ربوبیت کا معاملہ ہے، وہ دنیا میں اور کسی سے نہ ہو! ہم صرف تیری چشمِ کرم کے
 امیدوار، تیرے در کے سوا لی، تیرے آستانہ کے فقیر اور تیرے کوچہ کے بھکاری ہیں! ہم تیرے سوا ہر کسی کی بندگی
 اور معبودیت سے لجاوت کا اعلان کرتے ہیں! پرستش اور بندگی کے لائق صرف تیری ذات ہے! تیری خدائی میں،
 ربوبیت میں، معبودیت اور قدرت و اختیار میں کوئی شریک و سہیم نہیں، تیرے حکم کے آگے کسی کو مجالِ دم زدن
 نہیں! ذلت اور عزت کا دینے والا تو ہے، اور دنیا کا کارخانہ صرف تیرے حکم سے چل رہا ہے!!
 اے وہ کہ تیرے جلال و خشیت سے نبی اور رسول لرزاں اور ترساں رہتے تھے، ہم تجھ سے تیرے عضو و کرم
 اور رحمت کے طالب ہیں، دنیا میں بھی اور دین میں بھی!

یو ما منکر، بر کرم خویش نگر!!!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ!

ما منکر، بر کرم خویش نگر!!!

۲۳ / شوال ۱۳۷۶ھ

۲۵ / مئی ۱۹۵۷ء

ترجمہ مولانا لطف احمد عثمانی

البرہان الموند ملفوظات
حضرت سید احمد کبیر احمد رفاعی

توحید خالص

توحید خالص یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی پر نظر نہ کرے، کیونکہ وہ یکتا ہے (صمد ہے، سب اسی کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں) جب تم نے "یا اللہ!" کہا، تو اللہ کو ہم عظیم سے یاد کیا۔ مگر تم اس کی عظمت و ہیبت سے ہنوز محروم ہو کیونکہ تم نے اپنی شان کے موافق کہا ہے، اس نام کی شان کے موافق نہیں کہا!

اسے عزیز! خدا کی قسم قرب الہی میں نہ وصال ہے نہ جدائی، نہ حلول ہے نہ انتقال، نہ حرکت ہے نہ سکون، نہ چھوٹا ہے نہ پاس ہونا، نہ مقابلہ ہے نہ برابری، نہ سامنا ہے نہ مماثلت، نہ ہم شکل ہونا ہے نہ ہم جنس ہونا۔ نہ کوئی جسم ہے نہ کوئی تصور، نہ تاثر ہے نہ تغیر و تبدل، یہ تو سب کی سب تیری صفات ہیں۔ حق سبحانہ تیری ان صفات و کیفیات سے منزہ ہے، یہ تو اسی کی بنائی ہوئی ہیں۔ پھر وہ ان کے ذریعہ سے یا ان کے اندر کیونکر ظاہر ہو سکتا ہے، یہ تو خود اسی سے ظاہر ہوئی ہیں۔ وہ ان سے ظاہر نہیں ہوا، وہ ان شکلوں، صورتوں، اور معانی سے پاک اور منزہ ہے! نہ وہ ان میں چھپا ہوا ہے نہ ان سے ظاہر ہوا، نہ کسی کا فکر اس تک پہنچا، نہ کسی کی نظر نے اس کا احاطہ کیا!

گفتگو کا دائرہ حقیقت کے بیان سے قاصر ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنی صفات پر قیاس نہ کرو۔ اشارہ کے طور پر صفات الہی کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، یہ محض سمجھانے کے لئے ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان صفات کی جو حقیقت تم سمجھے ہو، اللہ تعالیٰ کی صفات ویسی ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کی جاتی ہیں اور جو کچھ اس کی تعریف کی جاتی ہے وہ صرف اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جن کمالات کا مستحق ہے، ان کو ثابت کیا جائے، اور عیبوں سے اس کو پاک سمجھا جائے۔ مگر درحقیقت وہ جس عظمت کا مستحق ہے، وہ تو علم اور عقل و فہم کے ادراک سے بہت دور ہے! ولایحیطون بہ علماً لوگوں کا علم اس کو محیط نہیں ہو سکتا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

لا احصی ثناء علیک انت کما اثنت علی نفسک

اے اللہ! میں آپ کی پوری تعریف نہیں کر سکتا، بس آپ

ویسے ہی ہیں جیسا آپ نے خود اپنی تعریف کی ہے!

دوستو! کیا کہا جائے، کیا بیان کیا جائے؟ خدا کی قسم! زبانی گوئی، عقلی جبران اور دل سوختہ ہیں، جبریت اور دہشت کے سوا کسی کے پاس کچھ نہیں ہے

دور بینان ہارگاہ است! غیر ازیں پہلے نہ بردہ اندکہ ہست!

در طریقت آنچه می آید بدست • جبریت اندر جبریت است!

(دانی فیک تمجید - اے اللہ! اپنے ہارے میں میری جبریت کو اور زیادہ کیجئے کہ یہ جبریت ہی مطلوب ہے، جس کو میسر

مصلحت نیست مرا سیری اناں آب حیات
نہ ادنی اللہ بد کل زمان عطشا!

دوستو! ہم کو ظاہری توحید پر محض رحمت کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے، تاکہ تم دعوتِ توحید کے جھنڈے تلے آ جاؤ۔ چونکہ نرمی کرنا مقصود ہے، اس لئے تمہاری ظاہری طاعت اور دعویٰ توحید پر اکتفا کیا گیا، تاکہ تم اُلٹے نہ لوٹ جاؤ! اسی لئے ظاہری دعویٰ توحید کی بناء پر تمہارا نام مسلم رکھ دیا گیا، اس کی حقیقت کا مطالبہ نہیں کیا گیا، کیونکہ وہ تو تمہاری طاقت سے باہر ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کو طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتے، پس جس شہادتِ توحید کا تم سے مطالبہ کیا گیا ہے، اسلام سے تمہارا وہی حصہ ہے، اسی سے تم منکرین کے زمرہ سے نکل گئے! اگرچہ ابھی تک حقیقی مومنوں کے زمرہ میں داخل نہیں ہوئے۔

قالت الاعراب - آمنوا ولم تؤمنوا ولكن قولوا اسلمنا!

یہ دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، فرمادیکئے تم ایمان نہیں لائے ہاں یوں کہو کہ تا بعد ابد بگئے! یہ گمان نہ کرنا کہ کسی کو توحید کی حقیقت کا ادراک ہو گیا ہے۔ بس ہر شخص کی توحید اس کے درجہ کے موافق ہے جس کی کشفِ الہی سے جتنا حصہ ملا ہے، وہی توحید سے اس کا حصہ ہے۔ ورنہ حقیقتِ توحید کو کون پاسکتا ہے! امتنا ہی غیر امتنا ہی کا احاطہ نہیں کر سکتا! حادثِ قدیم کا ادراک نہیں کر سکتا۔ بس جو کچھ ہے کشفِ الہی کی عطائیں ہیں، اور اس کی کوئی حد نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں نہ کہا جاتا۔

وقل رب زدنی علما -

یہ دعا کرتے رہو کہ اے رب میرے علم کو بڑھاتا رہ!

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و معرفت میں برابر ترقی ہوتی رہتی تھی، جب حضور جیسی کامل ہستی بھی برابر ترقی میں ہے، تو کسی دوسرے کی کیا مجال ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں نے قربِ الہی کے تمام مراتب اور وصول کے تمام درجات طے کر لئے اور ایسی غایت پر پہنچ گیا ہوں جس کے آگے کوئی درجہ اور مرتبہ نہیں رہا۔ اور یہ تمام گفتگو محض لفظی دلائل اور سمجھانے کے عنوانات ہیں۔ ورنہ جن حقیقت شناسوں کو حقیقت کی کچھ خبر ہے، ان کے پاس تو وہ براہین اور دلائل قطعیہ ہیں جن کے ہوتے ہوئے ان لفظی دلائل اور متکلمانہ عنوانات کی کچھ ضرورت نہیں، وہ اپنی حقیقتِ حال سے جانتے ہیں کہ ان کا سر طرہ عجز ہے اور انتہا یہ ہے کہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ایں مدعیان در طلبش بے خیر اند
آئرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

بندہ کے لئے اپنے پروردگار کو پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو پہچانے۔ جس نے اپنے کو پہچان لیا اس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔ جس نے یہ جان لیا کہ میں خدا کا ہوں (یہ ہے اپنا پہچانتا) وہ اپنا سب کچھ خدا پر قربان کر دے گا (یہ ہے خدا کو پہچانتا) جو اپنے نفس سے تمام اغیار سے الگ ہو گیا جس نے طبیعت کے کردار، ساز و سامان، تکبر و عجب پر لات ماردی، وہ جہل کی قید سے چھوٹ گیا اور عارف ہو گیا، معرفت کی حقیقت یہ نہیں کہ اُدنی جیہ ہو، سر پر کلاہ ہو، اونچے کپڑے ہوں، بلکہ معرفت یہ ہے کہ خشیت و غم کا جیہ ہو۔ سچائی کا تاج ہو۔ توکل کا لباس ہو۔ اگر ایسا ہو تو بس تم عارف ہو گئے! عارف کا ظاہر شریعت کی چمک سے اور باطن محبتِ الہی کی آگ سے خالی نہیں ہوتا۔

کا رمدال روشنی و گرمی است!
کا ردونان جیلہ و بے مفری است!

وہ حکم کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے اور راستے سے ہٹنے نہیں پاتا۔ اس کا دل وجد کی چنگاریوں پر لٹتا رہتا ہے، اس کا وجد بیان ہے، اس کا سکون یقین ہے (جس کے حاصل کرنے کا طریقہ اتباع سنت اور کثرت ذکر ہے) ذکر اللہ کی پابندی کرو، کیونکہ ذکر وصال کا مقناطیس ہے۔ قرب کا ذریعہ ہے (اور قرب ہی سے توحید کا مل ہوتی ہے) جو اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ سے مانوس ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے مانوس ہو گیا وہ اللہ تک پہنچ گیا۔ مگر ذکر اللہ عارفین کی صحبت و برکت سے دل میں جمتا ہے! کیونکہ آدمی اپنے دوست کے طریقہ پر ہوتا ہے (اگر ذاکرین عارفین سے میل جول رکھیں گا ذکر و معرفت سے حصہ پائے گا اور غافلوں کی صحبت میں رہے گا، غفلت میں گرفتار ہوگا) اس علم سے کیا فائدہ جس پر عمل نہیں؟ اور اس عمل سے کیا نفع جس میں اخلاص نہیں؟ اور اخلاص کٹھن راستہ کے کنارہ پر ہے، اب بتاتے عمل کے لئے کون ابھارے گا؟ ریا کے زہر کا جو تیرے اندر بھرا ہوا ہے کون علاج کرے گا؟ اور اخلاص حاصل ہو جانے کے بعد تجھے بے خوف و خطر راستہ کون بتلائے گا؟ جاننے والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔

فاستلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون!

امام شافعی نے ان تمام باتوں کو جو توحید کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں، اپنے اس ارشاد میں جمع کر دیا ہے کہ خالق جل شانہ کے متعلق جس کی معرفت ایسے موجود پر ختم ہو گئی جس تک اس کا ذہن پہنچ سکتا ہے، وہ مشیت ہے، اور جس کی معرفت خالص عدم تک پہنچ کر ساکن ہو گئی وہ معطل ہے اور جس کے دل کو ایسے موجود پر قرار ہوا جس کی معرفت سے عاجز ہونے کا دل نے اقرار کر لیا تو یہ موحّد ہے!

دوستو! اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کے عیوب اور ان کی جیسی صفات سے پاک سمجھو! اس قسم کی باتوں سے اپنے عقائد کو محفوظ رکھو کہ معاذ اللہ وہ عرش پر اس طرح قرار پکڑے ہوئے ہے، جیسا ایک جسم دوسرے جسم پر قرار پکڑتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا عرش میں حلول کرنا لازم آتا ہے اور وہ اس سے بلند و بالا ہے کہ کوئی اس کا احاطہ کر سکے، اور مکان

اسے مشابہہ وہ فرقہ ہی جو اللہ تعالیٰ کیلئے مخلوق جیسی صفات ثابت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھی ہاتھ پیر اور منہ وغیرہ ہیں، ہماری ہی طرح سنتا، دیکھتا، بیٹھتا، کھڑا ہوتا، اترتا، چڑھتا ہے۔ معطل وہ فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کیلئے نہ مخلوق جیسی صفات ثابت کرتا ہے، نہ ان صفات کا اقرار کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لائق ہیں۔ بلکہ جن صفات کمال کا ذکر قرآن میں آیا ہے ان کی تفسیر بھی نفی سے کرتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ عاجز نہیں۔ علیم کا مطلب یہ ہے کہ جاہل نہیں، رحیم کا مطلب یہ ہے کہ ظالم نہیں، یہ نہیں مانتا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفت علم و قدرت و رحمت ثابت ہے۔ موحّد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو موجود مانتا اور اس کے لئے صفات کمال کو ثابت کرتا ہے! مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی حقیقت کو نہ بیان کر سکتا ہوں، نہ سمجھ سکتا ہوں، بس دلائل عقلیہ و نقلیہ سے صلح عالم کے وجود اور وحدت اور صفات کمال کا قائل ہوں، اور دلیل سے دیتا ہوں کہ قائل کر سکتا ہوں۔ مگر ذات و صفات کے تعلق کی حقیقت یا کیفیت نہیں بتلا سکتا، کیونکہ انسان خود اپنی حقیقت اور اپنی ذات و صفات کے تعلق کی کیفیت نہیں بتلا سکتا۔ خدا کی ذات و صفات کی حقیقت تو وہ کیا بتلائے گا؟

مکین کو محیط ہوتا ہی ہے۔ پس خدا مکان سے پاک ہے، خبردار! اللہ تعالیٰ کے لئے جہت اور مکان وغیرہ ثابت نہ کرنا۔ نیز اجسام کی طرح اس کے لئے نزول و عروج کے قائل نہ ہونا۔ کتاب و سنت میں اگر کہیں ایسے الفاظ آئے ہیں، تو اسی کتاب و سنت میں دوسری نصوص بھی موجود ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی طرح نزول و عروج و استقرار وغیرہ سے پاک ہونا بتلاتی ہیں۔ اب اس کے سوا کچھ چارہ نہیں کہ سلف صالحین کی طرح یوں کہا جائے کہ ہم ان متشابہات کے ظاہر پر ایمان لاتے ہیں اور مراد کے علم کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو جہت اور کیفیت اور مخلوقات کے عیب سے پاک سمجھتے ہیں۔ ہمارا کام متشابہات کو پڑھ لینا اور خاموش رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو ان کی تفسیر کا حق نہیں۔ متشابہات کو محکم پر محمول کرنا چاہیے، کیونکہ کتاب اللہ میں اصل وہی آیات ہیں جو محکم ہیں۔ متشابہ محکم کا معارض نہیں ہو سکتا۔ (محکم وہ آیات ہیں جن کا مطلب واضح ہے۔ اغتقت ان ہی کے موافق رکھنا چاہیے۔ اگر متشابہات ظاہر میں ان کے خلاف ہوں تو سمجھنا چاہیے کہ حقیقی مراد ان کی بھی محکم ہی کے موافق ہے۔ گو ہم نہ سمجھے ہوں، کیونکہ متشابہات کے منخلق خود قرآن کا فیصلہ ہے کہ ان کی اصل مراد کو اللہ ہی جانتا ہے!)

استماع اطلاق و الجلس علیہا و ضرب اطرافہ میر و الرقص

(جامع الفنادی)

کلہا حرام!

راہ و لعب سنا، اور ایسی محفل میں بیٹھنا اور منرا میر کا بجانا اور

رقص کرنا، یہ سب باتیں حرام ہیں)



اسلامی توحید کی حقیقت

تمام آسمانی مذاہب میں اسلام کو جو امتیازی درجہ حاصل ہے وہ اس کے توحید خالص کے نظریہ کی بنا پر ہے، بلکہ درحقیقت خاتم الانبیاء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی سب سے بڑی حکمت ہی توحید خالص کا خدائی پیغام تھا۔ کیونکہ پچھلے انبیاء کے مذاہب ان کی زندگی کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتے تھے۔ ان کی اُمتیں ان کے بعد جس طرح چاہتیں اپنی خواہشات کے مطابق نئے نئے عقائد ایجاد کر لیتی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کے انبیاء کی پیش کردہ توحید ان کے من گھڑت عقائد کے ہجوم میں مغلوب ہو جاتی تھی، اور ان کی عقول پر بت پرستی چھا جاتی تھی۔

یہ امر بدیہی ہے کہ توحید و شرک دو متضاد چیزیں ہیں۔ جو کبھی ایک انسان کے قلب میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اگر اس میں توحید داخل ہو جاتی ہے تو شرک بالکل نکل جاتا ہے۔ اور اگر شرک داخل ہو جاتا ہے تو توحید بالکل نکل جاتی ہے! سابقہ اُمتوں کا جنہیں حق تعالیٰ نے آسمانی رسالت و ہدایت سے نوازا تھا، یہی حال رہا! علیٰ ہذا۔

اس دنیا کے بعض حصوں میں اور ہاشند گان عالم کے بعض فرقوں میں یہ سلسلہ جاری رہا ہے! کہ کبھی کبھی توحید کی شمع روشن ہو گئی، پھر بت پرستی کے تقادم سے یہ شمع بجھ گئی ہے! بت پرستی عوام کے ذہنوں کو جلد اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے، اس لئے کہ وہ اس دنیا میں قوت و طاقت کے محسوس مظاہر کی عبادت کا نام ہے! اور انسان کا یہ طبعی خاصہ ہے کہ وہ ہمیشہ محسوس طاقت کے سامنے سر جھکا دیتا ہے! اسی بناء پر شیطان نے آسانی سے انسان کے دماغ میں چاند، سورج، لفع، بخش جانوروں اور درختوں اور عظیم الشان انسانی ہستیوں کی پرستش کا تصور قائم کر دیا۔ اور صدیاں گزر گئیں جب سے انسان برابر اس مسد کے متعلق گھٹا ٹوپ اندھیرے میں سرگردان و حیران چلا آ رہا ہے! کاش وہ اپنی اسی حالت پر مطمئن اور قانع ہو جاتا، مگر ایسا نہیں ہے بلکہ وہ ہمیشہ شکوک و اہام کا شکار رہا ہے! وہ بت پرستی کرتا ہے مگر ساتھ ہی وہ اس کے فائدہ بخش یا ضرر رساں ہونے میں متردد بھی رہتا ہے، کیونکہ انسان کا عقلی شعور بالکل فنا نہیں ہوتا۔ بلکہ خواہشات نفسانی اس پر صرف ایک عارضی پردہ ڈال دیتی ہیں اور کبھی کبھی وہ بیدار اور متنبہ ہوتا ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ بعض قوموں کے بھدار اشخاص نے صرف عقل ہی کے ذریعہ اللہ کی توحید کو سمجھا اور تسلیم کیا ہے!

حق تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو ایک ایسی جامع شریعت عطا فرما کر جو انسانوں کے دینی و دنیوی مفادات اور ان کے جسمانی و روحانی تقاضوں کو باحسن و جوہ پورا کرتی ہو، عالم کے تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ جامع شریعت ہی اسلام ہے۔ جس کے دو خاص وصف ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ایک جامع و عالمگیر مذہب ہے، دوسرے یہ کہ وہ آنے والے ہر زمانے اور ہر ملک کے ساتھ مطابقت و عمل کی پوری صلاحیت رکھتا ہے!

روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن لے کر آئے اور قرآن وہ خدائی کلام ہے، جس کے کسی سمت سے بھی باطل اس کے پاس تک نہیں پھٹک سکتا، یہی وہ مقدس کتاب ہے جو اصول اسلام اور شریعت اسلامیہ کی جامع ہے، یہی کتاب دعوت دینے والوں اور اسے تسلیم کرنے والوں سب کے لئے ایک قطعی حجت ہے اور یہی کتاب تمام فرائض و احکام الہیہ کے اصول بیان کرنے والی ہے!

پس قرآن ہی اسلام کی کتاب ہے، اور جب تک روئے زمین پر کوئی مسلم باقی ہے، وہ بھی باقی رہے گی، حق تعالیٰ نے اسے نصیح عربی زبان میں نازل فرمایا ہے، تاکہ اولاً اسے یاد کیا جائے پھر اسے سمجھا جائے، اور پھر اس پر عمل کیا جائے! قرآن پر ایمان لانے والے ہر شخص پر یہ تینوں چیزیں لازم ہیں۔ ورنہ بے کچھے اور بے عمل کے صرف اس کا یاد کر لینا چنداں مفید نہیں۔ نہ اس سے یاد کرنے والے کا نفس روشن و پاک صاف ہو سکتا ہے، اگرچہ اس کی محض تلاوت بھی داخل عبادت ضرور ہے۔!

علیٰ ہذا، اس پر عمل کئے بغیر صرف اس کا یاد کر لینا اور سمجھ لینا بھی کافی نہیں، بلکہ اس طرح اس شخص پر قرآن پر عمل کرنے کی مزید حجت قائم و ثابت ہو جاتی ہے! الحاصل درجہ کمال یہ ہے کہ یہ ایک وقت ان تینوں حقیقتوں کو جمع کر لیا جائے، یعنی قرآن کریم کی تلاوت، اس میں تدبیر و تفکر اور اس پر عمل!

اسلام پورے کپورہ خاص مقاصد و اغراض کا مجموعہ ہے۔ اس کے جملہ احکام حکمتوں پر مبنی ہیں! قرآن کریم اپنے سمجھنے والے کی تربیت ان ہی حکمتوں پر فرماتا ہے جس کی بناء پر وہ خود بھی ہدایت پاتا ہے اور دوسرے کی بھی ہدایت کرتا ہے! اور اپنے اعمال کی بنیاد اسلام کے عام مقاصد پر رکھتا ہے اور احکام اسلام کو قرآن کریم کی بیان کردہ حکمتوں پر مبنی قرار دیتا ہے۔!

یہ امر واضح ہے کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں، جو پانچ مشہور عبادات و فرائض کا مجموعہ ہیں، لیکن یہ ارکان ذاتی و شخصی ہیں۔ یعنی خدا کی طرف سے صرف مکلف کی ذات سے ان کا مطالبہ کیا جاتا ہے! اگر وہ ان پر عمل نہ کرے تو صرف اسی کی ذات سے ان کا محاسبہ کیا جائے گا، اس کے ساتھ کسی دوسرے سے محاسبہ نہ ہوگا۔ بجز اس سرپرست کے جس نے اس شخص کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی کی ہو یا اسے ترک فرائض سے روکنے میں کمی کی ہو!

باقی وہ ارکان جن پر مسلمانوں کی اجتماعی حیثیت سے اسلام کا مدار ہے۔ وہ چار ہیں:-

عبادات اور احکام سے متعلقہ عقائد - فضائل و آداب اسلام

یہ چاروں ارکان اسی وقت نتیجہ خیز ثابت ہو سکتے ہیں، جب پورا اجتماعی معاشرہ ان پر عمل پیرا ہو۔ اور یہ اس کے تمام افراد میں شائع و منتشر ہو جائیں۔ اور سب باہم مل جل کر انہیں آپس میں نافذ کریں۔ جیسے کہ کسی مکان کی تعمیری بندش کے پتھر اس کی تعمیر و استحکام کا باعث ہوتے ہیں!

ہم اولاً عقائد سے ابتداء کرتے ہیں۔ کیونکہ وہی اصل بنیاد ہیں۔ جس پر تمام مذکورہ ارکان قائم ہیں۔ پس اگر عقائد درست ہیں تو ارکان بھی درست رہیں گے، اور اگر عقائد میں فساد و خلل برپا ہو تو ارکان بھی محتاج رہیں گے! عقیدہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کا فرمان اس کی توجید اس کی ذات میں تمام صفات حسنہ اور کمالات کو مرکوز اور نقائص و عیوب سے اس کے بالکل مبرا سمجھنے کا تصور قلب میں پوری طرح ترسیم و منقش ہو جائے، عقیدہ کے باب میں عقل انسانی

کو کچھ دخل نہیں ہے، بلکہ عقل کا کام صرف یہ ہے کہ وہ قطعی تصریحات قرآنیہ کو سمجھے اور مسئلہ کو اس کی حدود تک محدود رکھے، کیونکہ عقل کا ادراک آنکھ کے ادراک کی طرح محدود ہی ہوتا ہے اگرچہ اس سے کچھ زیادہ وسیع کیوں نہ ہو! عقائد کے باب میں سب سے بہتر اور محقق حقیقت وہ قطعی نصوص ہیں جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اور قرآن کریم نے اللہ کی تمام صفات کمالیہ کو اور عبوب سے اس کی تنزیہ تقدیس کو وضاحت سے بیان فرما دیا ہے! اور اس وضاحت کے بعد پھر ہمیں کسی اور چیز کا مکلف نہیں فرمایا۔ اور نہ کسی ایسی محفی حقیقت کا مکلف فرمایا ہے جو ہماری عقول کی رسائی سے بالاتر ہو۔ بلکہ اپنے وجود کو پہچنانے کے لئے فطری طریقے بتائے ہیں، جن میں سب سے اہم طریقہ یہ ہے کہ موجودات عالم کے وجود سے اس کے موجب اور مخلوقات کے وجود کے اس کے خالق کے وجود پر استدلال کیا گیا ہے، جس نے قرآن کے اس طرز استدلال کو اختیار کیا، وہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت اس کی توحید و تخلص، آفرینش عالم، رزق رسانی، عدم سے وجود میں لانے اور موت کے بعد دوبارہ پیدا کرنے میں اس کی انفرادیت کے عقیدہ میں اعلیٰ ترین درجہ پر پہنچ گیا اور یہی توحید کا کمال ہے!

ایک محتاط مومن کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ کو ایسا ہی ایک مانے جیسا کہ اُس نے خود قرآن کریم میں اپنی توحید بیان فرمائی ہے، اس میں زیادتی کرے نہ کمی، کیونکہ اس باب میں کمی بیستی سب یکساں ہے! اور جتنا قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اُس پر قائم رہنا ہی سیدھا اور صحیح راستہ ہے!

معلوم ہونا چاہیے کہ صرف انسانی عقل توحید کی اصل حقیقت تک اُس کی رسائی کے لئے بالکل ناکافی ہے توحید کے مسئلہ میں اصل بنیاد اور مرجع صرف نقل ہے، اور نقل حق تعالیٰ کا قطعی و یقینی کلام ہے، اس مسئلہ اور تمام عینی امور میں عقل کا کام صرف صحیح فہم اور صحیح نظر ہے اور بس کیونکہ عقل کا ادراک محدود ہے! وہ اپنی قوت ادراک کی اس قوت سے جو خدا نے اسے عطا فرمائی ہے تجاوز نہیں کر سکتی، اسی لئے حق تعالیٰ نے ان نازک امور کو بتانے کے لئے انبیاء کرام کو امتوں کی طرف بھیجا، اگر رسول نہ بھیجے جاتے تو اس ذی عقل بنی نوع انسان پر حجت بھی قائم نہ ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور کتب سماوی کے ہمارے پاس بھیجے جانے سے ہم پر اللہ پر ایمان لانا حجت ہو گیا!

بینک بعض اقوام مثلاً یونان کے حکماء فلاسفے نے امور ما بعد الطبیعہ کی تحقیق کی ہے، جس کے نتیجہ میں وہ اس عجیب و غریب منظم و مرتب عالم کے خالق کے وجود کے قائل ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے جیسا چاہیے تھا اس کی اصل حقیقت کو نہیں سمجھا۔ اور وہ مہستی جس قدر و منزلت کی مستحق تھی، اس کا احساس نہ کر سکے، اور اس خالق کو جن اوصاف کمال سے متصف کرنا اور جن نقائص و عبوب سے مبرا کرنا ضروری تھا وہ اس حد تک نہ جاسکے۔ کیونکہ ان کی عقلیں انتہائی تیزی اور تیز کے باوجود اس درجہ تک نہ پہنچ سکیں۔ بلکہ صرف توحید کے حقائق کے ارد گرد گھومتی رہیں۔ اور تجربے نے ثابت کر دیا کہ وہ توحید الہی جس تک بغیر آسمانی وحی کی ہدایت کے محض عقل کی رسائی ہوتی ہے، وہ منکر کی بعض محفی اقسام سے ملوث رہتی ہے، جسے محض انسانی عقلیں توحیدِ خالص سے جدا نہیں کر سکتیں!

قرآن کریم کی بیان کردہ توحید کی دو قسمیں ہیں۔ توحیدِ اولیٰ و ہمت اور توحیدِ ربوبیت۔ پہلی قسم کا مفہوم یہ ہے کہ

اس امر کو دل سے تسلیم کرنا کہ تخلیق عالم، رزق کائنات، ان کے زندہ کرنے اور فنا کرنے، اور اپنی حکمت، اپنے منشاء اور اپنے علم کے اقتقار کے مطابق اس تمام کائنات میں مطلق و مکمل تصرف کا حق صرف ذات باری تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

دوسری قسم کا منشاء یہ ہے کہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے اور کسی کو واجب و فریض بتانے کے احکام کے قانون بیان کرنے کا حق صرف اسی ذات مطلق کو خلق، امر اور حکم اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو سزاوار ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ اَدَايْتُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَلٰلًا وَّحَرٰمًا۔
 قُلْ اَللّٰهُ اٰذِنٌ لَّكُمْ اَمْ عَلٰى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ !

اے محمد! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تمہیں کچھ معلوم ہے کہ اللہ نے تم پر جو رزق اتارا ہے تم نے خود ہی اسے حلال و حرام بنا لیا۔ انہیں خبردار کر دیجئے کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی تھی یا تم از خود اللہ پر بہتان تراشتے ہو!

توحید کی اس قسم میں اس اُمت میں سے بہتوں کے قدم لگ گئے اور ان کی عقلیں بھٹک گئیں، پس وہ کسی صریح آیت قرآنی یا صحیح حدیث نبوی سے دلیل حاصل کئے بغیر اپنی طرف سے حلت و حرمت میں تساہل برتنے لگے۔ ہم نے حدیث نبوی کا اس لئے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے اس کی اجازت سے شارع قرار پائے، جیسا کہ خود قرآن نے اس کی صراحت فرمائی ہے:-

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَّحٰىٌ بُوْحٰى -

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، بلکہ آپ کا ہر ارشاد وحی الہی ہوتا ہے جو آپ پر الہام کیا جاتا ہے!

ایک دوسری نوعیت سے توحید کی بنیاد نہیں ہے:-

توحید ذات - توحید صفات - توحید افعال -

پس اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے۔ کوئی مخلوق اس کے مشابہ ہے، نہ اس کے شریک ہے، نہ اس کے مانند ہے، وہ بجائے ایک کے دو ہونے سے بھی ایسا ہی پاک ہے جیسا کہ اپنے مثل و شبیہ اور شریک سے منزہ ہے۔ وہ اپنی ان صفات میں بھی یکتا ہے جو اس نے اپنے لئے بیان فرمائی ہیں۔ اور جو اس کی ذات کی قدامت کے ساتھ ساتھ دائمی و ابدی ہیں۔ انہیں ہم بالکل ایسا ہی تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ اس نے خود وضاحت فرمائی ہے! کیونکہ ان کی حیثیت اس کے حد بیان و وضاحت سے تجاوز نہیں کر سکتی اور وہ حقیقت جو ایک حد میں منحصر کر دی گئی ہو، عقل انسانی کی اس میں کمی یا بیشی کے تصرف کا ہرگز اختیار نہیں!

مثلاً حق تعالیٰ فرماتا ہے:-

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغًا

اللہ کا رنگ ہی اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے!

اس میں ہمیں قرآن کریم میں وارد ہونے والے جملوں پر ہی حصر کرنا چاہیے۔ اس میں مزید تصرف کر کے لفظ

”صبغہ“ (رنگ) سے ”صایغ“ اسم فاعل (رنگنے والا) بنا کر اللہ پر اپنی طرف سے اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے! نیز حق تعالیٰ اپنے افعال میں منفرد اور بیکتا ہے، پس کائناتِ ارضی و سماوی میں جو عمل بھی ہوتا ہے جس میں سے بعض ہمارے علم میں ہوتے ہیں بعض نہیں، اس کے متعلق ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ ان تمام حاضر و غائب ہونے والے امور میں بیکتا و منفرد مطلق ہے اس تصرف و عمل میں اسے کسی شریک و مددگار کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی!

مذکورہ تیسری قسم ہی وہ قسم ہے جس میں بہت سے مسلمان گمراہ ہو گئے ہیں، چنانچہ ہم انہیں اللہ کے ساتھ مخصوص افعال کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ مثلاً بارش برساتنا، بعض مخلوقات کو رزق کی بعض خاص اقسام پہنچانا۔ بعض مخلوقات پر بعض خاص مصائب و امراض نازل کرنا۔ یہ تمام امور ایسے ہیں جو کمزور عقیدہ والوں کے دلوں میں شرک کو راہ دیتے ہیں۔ لیکن ان تمام مشتبہ و مشکوک امور سے حق تعالیٰ کو بالکل پاک و منزہ سمجھتے اور کائنات میں ہر ہونے والے امر کو اس کائنات کے صرف مالک حقیقی ہی کی طرف منسوب کرنے سے اللہ کی توحید مکمل، خالص اور پاک صاف ہو سکتی ہے، کہ حق تعالیٰ اس کی طرف انسانوں کی غیر توحیدی نسبتوں سے کہیں بلند و بالاتر اور منزہ ہے! رہا بندوں کے افعال کا ان کی ذات سے منسوب کیا جانا، سو یہ نسبت بندوں کے ان اعمال کے مکلف ہونے کی حیثیت سے ہے!

الغرض توحید کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر مسلمان الوہیت کی خصوصیتوں کو صرف ذات باری تعالیٰ کی ذات کے لئے ثابت اور ثابتاً اسے ہی ان خصائص سے متصف ماننے پر ایسا کٹوس اعتقاد رکھے جس کی ایک صحیح نظر اور خالص غیر تقلیدی ایمان تائید کرے! تمام عبادات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر اللہ، دعا، الوہیت کی خصوصیات میں سے ہیں۔ دعا عبادت خود ایک مستقل عبادت، بایوں کہیے کہ عبادت کا مغز ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں بیان فرمایا گیا ہے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ کسی بھلائی کے حصول یا برائی کے دفعیہ کے لئے جو بھی دعا کی جائے وہ صرف خدا ہی سے کی جائے!

یہی خدا کا دروازہ وہ دروازہ ہے جس سے لوگوں میں غیر شعوری طور پر شرک داخل ہو گیا۔ چنانچہ لوگ زمانہ جاہلیت میں اللہ کے ساتھ دوسروں سے بھی طالب دعا ہوتے تھے، یا اللہ کو ترک کر کے دوسرے نئے معبود کو مانتے تھے، چنانچہ قرآن کریم کی کثیر آیات میں ان ہی پر لعنت ملامت کی گئی ہے، جب اسلام آیا اور قرآن کریم نے بندوں پر خدا کے اس حق کی صراحت کر دی کہ وہ صرف اسی ایک ذات کو واحد مانیں، تو اُس وقت سے شرک کی تمام قسمیں فنا ہو گئیں۔ ان ہی میں شرک فی الدعا بھی شامل ہے۔ اسی وقت سے ایمان والوں کی عقلوں پر خالص توحید کا غلبہ ہو گیا! چنانچہ وہ کسی مضرت کے دفعیہ یا بھلائی کی طلب کے لئے صرف اپنے ایک خدا ہی سے مدد طلب کرنے لگے، اسی طرح آیت ذیل میں حق تعالیٰ کی بتائی ہوئی تہذیب کے مطابق وہ تمام عبادتوں میں توحید کا مل کا احترام ملحوظ رکھنے لگے:-

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ
أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ!

اے محمد! آپ اعلان کر دیجئے کہ میری نماز، میرا حج، میری زندگی اور میری موت سب کچھ صرف جہاں لوں کے پروردگارِ خدا سے واحد ہی کے لئے ہے۔ جس کا کوئی دوسرا شریک نہیں، مجھے خدا کو

طرف سے اسی عقیدہ کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں!

بعد میں جو نبی مسلمان قرآنی ہدایات سے دور ہوتے چلے گئے اور قرآن و حدیث کے سمجھنے سے دوری اور ان پر عمل ترک

کر دینے کی بنا پر اگر اسی کے سٹوشے اُن کے عقائد میں خلط ملط ہونے چلے گئے، اسی دعا کے برواہ سے اُن میں بتدریج شرک بھی داخل ہوتا چلا گیا۔ اور وہ اللہ کے ساتھ اُس کی بعض مخلوق کو بھی پکارنے لگے، جو اپنی ذات کے نفع نقصان تک پر قادر نہ تھے، چہ جائیکہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتے، یا اُن سے دفع ضرر کر سکتے!

حالانکہ دعا کی آیات میں یہیم اس کا ذکر ہے کہ دعا خاص اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے، اس میں اس کی مخلوق میں سے کسی کو بھی اس کا شریک بنا کر کسی طرح جائز نہیں ہے، آیات ذیل اس پر روشنی ڈالتی ہے:

وَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا -

بلاشبہ مسجدیں صرف خدا ہی کو پکارنے کے لئے ہیں، اس لئے اُن میں خدا کے سوا کسی اور کو ہرگز نہ پکارو!

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:-

إِنَّ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَلِكُمْ -

اللہ کو چھوڑ کر جن کو تم پکارتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں -

ایک جگہ ارشاد ہے:-

إِنَّ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْتَلِبُهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ، ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ!

اللہ کو چھوڑ کر جن دوسروں سے لوگ مانگتے ہیں، بلاشبہ وہ سب ملکر بھی صرف ایک مکھی تک کو پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے، اور اگر ان سے کوئی مکھی کوئی چیز لے اڑے تو وہ اس سے اسے چھین بھی نہیں سکتے، ایسے طالب دعا اور ان کے مطلوب و معبود دونوں انتہائی کمزور و بے بس ہیں!

ایک جگہ ارشاد ہے:-

ذَالِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ، لَهُ الْمُلْكُ، وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ

قِطْمِيرٍ - إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ

یہی خدا تمہارا پروردگار ہے، اسی کی تمام حکومت ہے اور اسے چھوڑ کر جن دوسرے معبودوں کو تم پکارتے ہو، وہ کسی ادنیٰ چیز کے بھی مالک نہیں ہیں، اگر تم انہیں پکارتے ہو تو وہ تمہاری پکار تک نہیں سنتے اور بالفرض اگر سن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے، پھر قیامت کے دن یہی معبودان باطل صاف انکار کر دیں گے کہ ہم ان اپنی پرستش والوں کے شرک سے

میری الذمہ ہیں -!

اس باب میں بکثرت آیات قرآنی وارد ہوئی ہیں۔ اور وہ سب یہ بتاتی ہیں کہ دعا خالص عبادت ہی اور جس سے تم نے اپنی مراد مانگی، اس کی پرستش کی اور مومن صرف اپنے خالق ہی کی پرستش کرتا ہے!

اس کی مزید تشریح یہ ہے کہ (اصطلاح اسلام میں) دعا صرف اس بھلائی کی طلب کے لئے ہوتی ہے جسے کوئی مخلوق

تو جہد نمبر

نہ دے سکتی ہو۔ یا کسی ایسے شکر کو دفع کرنے کے لئے ہوتی ہے جسے مخلوق دفع نہ کر سکتی ہو۔ خواہ یہ مخلوق کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ کسی مخلوق کو جس قدر بھی زیادہ سے زیادہ جسمانی طاقت، دافر عقل، کثیر مال و جاہ، کثیر لشکر اور مددگار عطا کئے گئے ہوں، پھر بھی یہ مخلوق اپنی بیماری یا موت کو نہیں ٹال سکتی، نہ کسی ایک بچہ تک کو پیدا کر سکتی ہے! تو بھلا وہ دوسرے کو کیسے فائدہ پہنچا سکتی ہے!

یاقی انسان جو باہم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، وہ عالم اسباب تک محدود رہتی ہے، اور وہ خدا کی طرف سے مال یا اقتدار وغیرہ جیسی جن نعمتوں کے خود مالک بن گئے ہوں، صرف ان میں ایک دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ جیسے کہ دو لٹمنہ فقیر کو مال دے دیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اس مال کا مالک ہوتا اور اس میں تصرف کا حق رکھتا ہے۔ رہے عالم اسباب کی گرفت سے باہر جو نعمتیں ہیں، ان میں صرف خدا کے واحد و یکتا ہی تصرف فرما سکتا ہے، دوسرا کوئی نہیں۔

الوہیت کے خصائص میں سے مطلق علم غیب بھی ہے، پس اس غیب مطلق کو صرف خدا ہی جانتا ہے، جیسے جنت و دوزخ ہماری نسبت سے غیب ہے اور جیسے فرشتگان و شیاطین کے عالم۔ روح کی حقیقت اور بہت سے وہ حقائق، جن کی طرف آیات قرآنی اور احادیث نے اشارہ کیا ہے اور جو موت کے بعد پیش آنے والے ہیں، سب کے سب غیب مطلق ہیں۔ انسانی عقل ان کی پوری حقیقت یا ان کے جزو تک بھی نہیں پہنچ سکتی! کیونکہ یہ حقائق اس جنس سے ہی ہالامیں جن کا عقل ادراک کر سکتی یا انہیں سمجھ سکتی ہے!

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولِهِ
خدا ہی عالم غیب ہے، اس کے غیب پر کوئی دوسرا مطلع نہیں ہو سکتا، بجز ان خاص
رسولوں کے جن سے راضی ہو کر خدا نے انہیں کچھ علم عطا فرمایا ہو!

دوسری جگہ ارشاد ہے:-

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ — خدا ہی مخبیات و موجودات کا جاننے والا ہے!

ایک جگہ ارشاد ہے:-

لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ — غیب پر بجز خدا کے کوئی دوسرا مطلع نہیں!

ایک جگہ ارشاد ہے:-

وَيَعْلَمُ الْغَيْبَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ وَمَا تَدْرِي
نَفْسٌ بِمَا تَأْتِي وَرَاحَتُهَا أَعْلَىٰ عَرْشِ الرَّحْمٰنِ

خدا ہی غیب کو جانتا ہے، وہی واقف ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے، کوئی دوسرا منتفخ ہے

نہیں جانتا کہ وہ خود کل کیا کام کرے گا۔ اور جس جگہ مرے گا!

بیشک بعض قرآنی آیات یہ بتاتی ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے بعض رسولوں کو اپنی بلیغ حکمت و مصلحت کے تحت بعض غیبی باتوں کی اطلاع دے دیتا ہے، لیکن بعض ناواقف لوگ جن کی غفلتیں نور قرآنی سے منور نہیں ہو سکیں، یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام غیبی امور پر مطلع تھے، لیکن وہ قرآن جس کی سمجھ سے وہ محروم کر دیے گئے ہیں۔

علی الاعلان ان کی تزیید کرتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ اپنے نبی کریم کو ادب سکھاتے ہوئے یہ تعلیم فرماتا ہے:-

مَنْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ!

اے محمد! صاف صاف کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں

خدا جو چاہے صرف وہی ہو سکتا ہے!

وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سَتَكُنْتُ مِنَ الْخَبِيرِ وَمَا مَسَّنِي السُّرْعُ، إِنْ أَنَا إِلَّا أَنْذِيرُ -

اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہتر بھلائی ہی بھلائی حاصل کر لیتا، کوئی نقصان رساں بات مجھے

پہن ہی نہ آتی، میں تو صرف (خدا کے عذاب سے) ڈرانے والا ہوں اور بس!

دوسری جگہ یہ تعلیم دی گئی ہے:-

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ، وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ -

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ -

اے محمد! کہہ دیجئے کہ اے اہل قوم! میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور

نہ میں غیب ہی جانتا ہوں۔ اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، میں تو صرف اپنی طرف

نازل ہونے والی وحی کا اتباع کرتا ہوں اور بس!

یہ نادان لوگ جو دین میں نئی بدعتیں ایجاد کرنے کی مصیبت میں مبتلا ہیں، یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ان کا یہ بدعتی باطل عقیدہ

مقام نبوت کی تکمیل ہے، بھلا کبھی باطل بھی حق کی تکمیل ہوا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

لَا تَغْلَوْ فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا

وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ -

حق کو چھڑ کر دین میں غلو مت کرو۔ اور اس قوم والوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو اس سے

قبل گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور انہوں نے دوسرے بہتوں کو بھی گمراہ کر دیا اور اس طرح راہ مستقیم سے

بھٹک گئے۔!

درحقیقت مومن کا ایمان اس وقت تک مکمل ہی نہیں ہوتا، جب تک وہ الوہیت اور نبوت کے مقامات میں امتیاز نہ کرے

اور ہر مقام کو کسی کمی بیشی کے بغیر اس کی جائز و مناسب عظمت و اجلال کا درجہ نہ دے اور ہر دو مقامات کے درمیان حد فاصل

کو متعین کرنے کے لئے جو نصوص شرعی وارد ہیں صرف اپنی پرکتفا کر کے ان سے آگے نہ بڑھے! ذیل کی آیت میں ان ہر دو

مقامات کے فرق کو واضح کیا گیا ہے:-

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ -

اے محمد! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں تم ہی جیسا ایک بشر ہوں صرف میری طرف (خدا کی طرف سے)

وحی بھیجی جاتی ہے!

دوسری آیت وہ ہے کہ جب کفار قریش نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عاجز کرنا چاہا اور اپنے ایمان لانے کو اس شرط

پر محول کر دیا کہ یہ سفینہ لوگ آپ سے جو غیر طبعی معجزات پلہتے ہیں، آپ وہ انہیں دکھادیں، تو حق تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا

کہ انہیں درج ذیل جواب دے کر ان کے اس باطل ارادہ کو ختم کر دیں — !

قُلْ تُسَبِّحَاتُ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا -

اے محمد! معجزہ کا مطالبہ کرنے والے ان کفار سے کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار پاک و منزہ ہے اور میں صرف ایک بشر اور خدا کے قاصد کے سوا اور کچھ نہیں! —

الوہیت کی خصوصیات میں سے ایک "قسم" بھی ہے۔ پس اسلام میں شرعی قسم وہ ہے جو حق تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور اس کی صفات عالیہ پر کھائی جائے، کیونکہ حق تعالیٰ نے اسلام میں قسم کو انسانی حقوق کو متعین کرنے والی اور ان کے باہمی جھگڑوں میں فیصلہ کرنے والی بتایا ہے! اس لئے یہ لازمی ہے کہ قسم صرف خدا ہی کے نام کی ہو، کیونکہ کوئی دُجھکڑے والے خواہ باہم کتنا ہی اختلاف کیوں نہ رکھتے ہوں، بہر حال اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کی قابل احترام حقیقتوں کی تعظیم میں ہرگز اختلاف نہیں رکھتے، اگر ہمیں اسلام انہیں ان کی نظر میں قابل عظمت موجودات کی قسم کھانے کو جائز قرار دے دیتا تو یہ بجائے کسی صلح کے مزید جھگڑوں کا باعث بن جاتا۔ کیونکہ وہ کسی ایک با عظمت چیز پر کبھی متفق نہ ہو سکتے! کیونکہ ہر فرقہ کے نزدیک ایک خدا ہی قابل عظمت ہستی ہوتی جسے وہ فریق تثنائی کی اختیار کردہ ہستی پر ترجیح دیتا۔ اس طرح یہ فتنہ اور اختلاف دائمی شکل اختیار کر لیتا۔ چنانچہ صحیح حدیث میں اپنے بزرگوں کے نام پر قسم کھانے کی ممانعت آئی ہے! ارشاد نبوی ہے:-

مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ كَفَرَ — جس نے اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر قسم کھائی اس نے کفر کا عمل کیا!

ایک دوسری صحیح حدیث میں وارد ہے:-

مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيَصْمُتْ

اگر کسی کو قسم کھانی ہو تو وہ صرف خدا کے نام کی قسم کھائے، ورنہ خاموش رہے!

الوہیت کی خصوصیات میں سے جانوروں کے وہ ذبیحے بھی ہیں، جو بطور عبادت خدا کے لئے ذبح کئے جائیں، جیسا کہ وہ ذبیحے حاجی منیٰ یا مکہ میں تقرب خداوندی کے لئے ذبح کرتے ہیں۔ یا وہ شرعی نظریں جنہیں مسلمان کسی بیمار کی شفا یا بی یا گم شدہ کی واپسی کے لئے مان لیتے ہیں۔ پس یہ سب کی سب صرف خدا کے لئے ہوتی ہیں۔ تاکہ محتاج فقراء ان سے مستفید ہوں۔ عرب زمانہ جاہلیت میں جانوروں کے خون، مذکورہ اغراض کے تحت، اپنے بٹنوں اور دیوتاؤں کے تقرب کی غرض سے ان کے نام پر بہاتے تھے! مگر اسلام نے اسے حرام اور شرک قرار دے دیا۔ حق تعالیٰ کے اس ارشاد:-

فَمَا أُحِلَّ بِهِ لِعِبَادِ اللَّهِ — اور وہ جانور جنہیں غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو!

سے یہی مقصود ہے۔ امتداد زماہ سے بت پرستی کی رسمیں پھر لوٹ آئیں۔ اور بعید تاویلات کے غلافوں میں لپٹی ہوئی پھر مسلمانوں کے معاشرہ میں داخل ہو گئیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے عقیدہ کے مطابق اولیاء اللہ کی قبروں پر جا کر ذبیحے کرنے لگے اور اسے ان اولیاء کے تقرب کا ذریعہ سمجھنے لگے۔ اور انہیں اس کا علم و احساس تک نہ رہا کہ ان کا یہ ذبیحہ بھی غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبیحہ کی قسم میں داخل ہے۔ اور اگرچہ اسے بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا گیا ہو، پھر بھی اس غیر اسلامی نیت کی وجہ سے اس ذبیحہ کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ بسم اللہ کا نمبر اولاً عقیدہ کی درستگی کے بعد آتا ہے اور تقریباً باقی اور عبادتی ذبیحہ صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے! نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:-

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ — حقیقت یہ ہے کہ اعمال کا دار و مدار قلبی نیتوں پر ہوتا ہے!

ذبیحہ کی یتیم خالص اللہ کے لئے نہیں ہے، جیسا کہ ہمیں عوام و جہال کے افعال سے اس کا بخوبی علم ہو چکا ہے، بنی کریم علیہ السلام اپنے رب کی طرف سے فرماتے ہیں:-

أَنَا غَنِي الشُّرَكَاءِ عَنِ الشُّرْكَ — میں الوہیت کے شرکاء سے بہت بے نیاز ہوں!

مسلمانوں میں یہ بلا ان کے دین کے حقائق سے ناواقفیت اور قرآنی ہدایت سے دوری کی بنا پر داخل ہو گئی۔ حالانکہ اسلام پورا کپورا ایک مذہب ہے، اس کے الگ الگ حصے بخرے نہیں ہو سکتے! پس کامل مسلمان وہی ہے جو بیان کردہ وصف کے مطابق ادلاً اللہ کی خالص توحید کو مانتا اور اپنے عقیدے میں ہر گمراہی سے بچتا ہو، پھر مستون و شرعی طریقت پر اپنے رب کی عبادت کرتا ہو اور بدعتوں سے محترز رہتا ہو۔ کیونکہ سب بدعات بالکلیہ گمراہی ہیں۔ صحیح حدیث میں وارد ہے:-

وَكُلُّ مُحَدَّثَةٍ بَدْعَةٌ وَكُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

دین میں ہر نئی بات کا اضافہ بدعت کہلاتا ہے اور ہر بدعت عین گمراہی ہے!

پھر عبادت کے بعد اللہ کے دیگر احکام کی خود بھی پابندی کرے اور حتی الوسع سعی کرے دوسروں سے بھی پابندی کرے۔ پھر تمام اسلامی صفات سے خود کو آراستہ کرے اور دوسروں کو بھی اس طرف بلائے، اور انہیں اس کے خلاف سے روکے۔ حق گوئی میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا مطلق خیال نہ کرے، پھر اس تمام پروگرام میں بھی شرط یہ ہے کہ اس کے یہ تمام افعال خاص خدا ہی کے لئے ہوں!

اب یہ شخص کامل مسلمان اور قرآن کریم کی صراحت کردہ صفات کا جامع مومن صادق کہلائے گا، جیسا کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیات میں مذکور ہے:-

الَّذِينَ آمَنُوا سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَدُؤْنَ الْحَقَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ أَنَّهُ الْحَقُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ أَنَّهُ الْحَقُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

یہ وہ کتاب ہے جس کی صداقت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ یہی متقیوں کی رہنما ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تَوَلَّوْا وَجْوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ!

بھلائی یہ نہیں ہے کہ تم عبادت میں مشرق و مغرب کی طرف اپنا منہ پھراؤ، بلکہ بھلائی یہ ہے کہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاؤ!

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا

بیشک مومن وہ ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل اس کے خوف سے کانپ اٹھیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جائیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جائے!

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا!

اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور اگر جاہل لوگ کبھی انہیں بُری طرح مخاطب کریں تو وہ جواب میں ان کے لئے سلامتی کی دعا کرتے ہیں! اور جو خدا کی عبادت میں راتیں گزارتے ہیں۔!

یہ آیتیں ان ایمانی شعبوں پر مشتمل ہیں جن کے متعلق بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-
 الايمان بضع وسبعون شعبة اعلاها لا اله الا الله وادناها امانة الاذی
 عن الطريق - والجباء شعبة من الايمان -

ایمان کے ستر سے کچھ اوپر شعبے ہیں، جن میں سب سے اعلیٰ لا اله الا اللہ ہے اور سب سے ادنیٰ راستہ سے ہر تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیتا ہے! اور جیسا بھی ایمان کا ایک جزو ہے۔
 صحابہ کرام جو ایمان باللہ اور توحید خالص کے اعتبار سے امت محمدیہ میں کامل مومن تھے، اپنے خدا کو قرآنی توحید کے مطابق ایک مانتے تھے، یہی حال تابعین اور تبع تابعین کا رہا۔ لیکن جب سے ہم میں یونانی فلسفہ اور اس کے عقلی استدلال نے دخل پایا، مسلم علماء بھی اس فلسفہ سے متاثر ہو گئے! اور وجود باری تعالیٰ پر فلسفیانہ طریق سے استدلال کرنے لگے، حتیٰ کہ جمہور یہ سمجھنے لگے کہ اللہ کی معرفت کے لئے صحیح طریق استدلال یہی ہے اور جس قدر مسلمان اس فلسفہ میں منہمک ہوتے چلے گئے، اسی قدر قرآن کی بتائی ہوئی توحید سے دُور ہوتے چلے گئے! مسلمانوں میں آج جو عقائد کی کتابیں رائج ہیں ان میں سے اکثر اسی فلسفہ کے قواعد پر مبنی ہیں۔ اللہ کی اس سادہ فطرت پر مبنی نہیں جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے!

ان کتابوں کے اثر سے توحید ان چند فلسفی اصطلاحات والفاظ کا مجرہ ہو کر رہ گئی ہے، جو اس مقصد کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور جنہیں تین قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے:-

۱- وہ جن کا انتساب اللہ کی طرف واجب ہے!

۲- وہ جن کا انتساب ناممکن ہے!

۳- وہ جن کا انتساب جائز ہے!

اس طرح یہ فلسفی توحید صرف لفظی توحید ہو کر رہ گئی ہے۔ لیکن توحید کی وہ روح اور اس کی وہ بلند حقیقت جسے قرآن کریم نے بیان کیا ہے، ایمان اور عمل صالح کے ثمرات صرف اسی سے مرتب ہوتے ہیں۔

وَالْحَقُّ وَتَوَّاصُوا بِالصَّبْرِ -
 وَالْعَصْرَ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خَسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَّاصُوا

زمانہ کی قسم ہے کہ بلاشبہ انسان گھائٹے میں ہے با مراد و کامران صرف وہی ہوں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور آپس میں ایک دوسرے کو امر حق اور اعلیٰ کلمتہ اللہ میں نکال بیعت پر صبر کرنے کی تلقین کی۔!



مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

توحید

انسان سر یا احتیاج، مجسم صورت سوال اور ہم تن کا سہ گدائی ہے! اس کی ضرورتیں بے پایاں اور گویا غیر محدود ہیں۔ اس کے جسمانی اور روحانی مطالبے اور تقاضے حد سے بڑھے ہوئے، اس کی فطرت حریص اور غیر قانع ہے، اس لئے وہ کسی ایسی ہستی کے سہارے نہیں جی سکتا، جس کی طاقت و اختیار، جس کی بخشش و رزاقی، جس کی اطلاع و واقفیت، خود وہ کتنی وسیع ہو، لیکن محدود ہے!

انسان اپنی فطرت میں شیشہ سے زیادہ نازک اور جناب سے زیادہ کمزور ہے، وہ اپنے وجود و بقا کے لئے عداوت پروردگار کا محتاج ہے اور اس عالم میں ہزاروں موجودات اس کی زندگی کے دشمن ہیں۔ اس کی حفاظت وہی کر سکتا ہے جو کائنات پر فرمان برداری کرتا ہو، عناصر پر جس کا قبضہ ہو، اشیاء کے خواص و اثرات اس کی مٹھی میں ہوں۔ وہ ان کا پیدا کرنے والا بھی ہو۔ اُن کو نظم و ضبط میں رکھنے والا بھی ہو۔ اور اُن کو سلب کر لینے، تبدیل کر دینے کی قدرت بھی رکھتا ہو۔ اُس کے دست قدرت میں کبھی رعشتہ اور اُس کے پایہ حکومت میں کبھی لغزش و اضطراب نہ ہو۔ کمال ایک خفیت ارتعاش اور ایک ادنیٰ لغزش = اضطراب آفاق و انفس کی اس کارگہ شیشہ گری کو برباد اور افساد و منساقفات کے اس کارخانہ کو ٹکرا کر درہم برہم کر سکتا ہے! اس کا علم حاضر اور محیط ہو۔ وہ ہمہ وقت ہوشیار و بیدار ہو۔ سہو و نسیان عقلمند اور نیند کا خمار کبھی کبھی اس کے پاس نہ آسکے! کہ مخلوقات بے شمار اور اُن کی ضرورتیں بے حد و حساب اور ایسی مخفی ہیں کہ اُن کو خود خیر نہیں، وہ طفل شیرخوار سے زیادہ پرورش و نگرانی کا محتاج اور محبت و شفقت کا مستحق ہے۔ اسی کو ایسی ہی ہستی کی ضرورت ہے جو مال باپ سے زیادہ شفیق ہو۔ لیکن اُس کی شفقت میں رحمت و حکمت دونوں ہوں کہ اس کی تربیت کے لئے دونوں ناگزیر ہیں۔!

اگرچہ اس عالم خارجی و داخلی (آفاق و انفس) میں عذر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ہستی سوائے اللہ کے کوئی نہیں۔ اور آفاق و انفس کی بکثرت نشانیاں اور دلائل اس حقیقت کی طرف رہبری کرتے ہیں۔ جیسا کہ خود فرمایا:—

سَدِّبِوہم اَیَاتِنَا فِی الْاَفَاقِ وَ فِی الْاَنْفُسِ حَتّٰی یَتَّبِعِنَا لَہُم اِنَّہُ الْحَقُّ ط اَوْلَم یَکف

بِرَبِّکَ اِنَّہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ (رحم السجدہ ۷۴)

ہم اُن کو اپنے نمونے دکھائیں گے دُنیا میں اور خود اُن کی جانوں میں یہاں تک کہ ان پر یہ حقیقت کھل جائے کہ وہ حق ہے۔ کیا تمہارا رب ہر چیز پر گواہ ہونے کے لئے کافی نہیں۔

اس لئے عبادت و بندگی کی مستحق اسی کی ذات ہے!

لیکن اس عالم میں موبہوم نفع و ضرر کا چشمہ سراب اس طرح متموج ہے کہ انسان کی نظر بار بار دھوکا کھاتی ہے! اور اپنی جیسی ہمد ماجبور و بے اختیار ہستیوں کو نافع و ضار اور قادر و مختار سمجھ کر اپنا اللہ و معبود بنا لینا ہے اور یہ طلسم بعض اوقات زندگی بھر نہیں ٹوٹتا۔!

اس لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ اُن کی اپنی ذات و صفات کا سب سے بڑا اور لہنتی علم بخشا۔ اور اس عالم کی حقیقت اُن پر اس طرح منکشف کی کہ اُن کو اس کے متعلق کبھی دھوکا نہیں ہو سکتا۔

وَكُنَّا لَكَ نُورًا بِنُورِ اِبْرَاهِيمَ صَلَوَاتُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ - (الانعام - ۹)

اور اس طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا جلوہ دکھاتے ہیں اور تاکہ وہ یقین

کرنے والوں میں سے ہو جائیں!

ان انبیاء علیہم السلام کو ہمیشہ ایک ہی پیغام دے کر بھیجا گیا۔

وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحي اليه انه لا اله الا انا فاعبدون - (الانبیاء - ۲)

اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے کوئی رسول مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے

سو میری بندگی کرو۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اس طلسم نظر کو توڑنے کے لئے (جس میں ہر زمانہ کے کوتاہ نظر گرفتار ہو جاتے ہیں) دو طریقے

اختیار کئے۔

۱) اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات کو نہایت وضاحت کے ساتھ بار بار بیان کیا کہ شرک و جہل کے زہر کے لئے اس سے بڑھ کر

تزیاق نہیں۔ شرک، جہل، خدا سے بیگانگی اور غیر اللہ کی گرفتاری و مشغولی کا اصل سبب، خدا شناسی، اس کی

صفات و افعال سے بے خبری، یا غفلت ہے، اسی لئے فرمایا:

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ

بِمِيمِنِهِ سَجْدًا وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ - (الزمر - ۷)

اور وہ نہیں سمجھے اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے اور زمین ساری مٹھی میں ہے اس کی قیامت کے دن اور آسمان

پلے ہوئے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں، وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے کہ اس کا شریک

بتلاتے ہیں!

۲) اللہ کے سوا تمام ہستیوں اور مخلوقات کی اصل حقیقت اور اُن کی صحیح حیثیت بیان کر دی تاکہ نگاہ سے پردہ ہٹ جائے

اور روشنی میں دیکھ لیا جائے کہ وہ دراصل کیا ہیں اور کسی کے لئے اور خود اپنے لئے وہ کس حد تک مفید و کارآمد ہو سکتے

ہیں اور اُن کے ساتھ عبودیت و بندگی کا معاملہ، اُن سے نفع و ضرر و کاربر آری کی توقع، اُن کی حمایت و سرپرستی پر

بھروسہ، اُن کے علم و آگاہی پر اعتماد اور اُن کے سہلے جینا کہاں تک درست اور قرین عقل ہے؟

اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات کے سلسلے میں ان حضرات نے بڑی اصولی اور انقلاب انگیز باتیں کہیں جن سے زندگی کا

رُخ اور ذہن و قلب کی سمت بدل جاتی ہے۔ مثلاً وہ صمد ہے، یعنی تمام کائنات اور عالم کا ہر ذرہ اپنے وجود و متعلقات وجود

میں اس کا محتاج ہے اور وہ قطعاً کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں۔ خلق و پیدائش کے سوا دنیا کا یہ پورا کارخانہ ہی وہی تھا

چلا رہا ہے اور آسمان سے لے کر زمین تک اسی کی حکومت اور اسی کا انتظام ہے۔ **الاله المخلوق والامر۔** (اعراف) سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے پیدا کرنا۔ **یدبر الامر من السماء الی الارض** (الم السجدہ ۱۷) کام کا انتظام کرتا ہے آسمان سے زمین تک۔ اور اس سلطنت میں اس کا کوئی معاون و شریک نہیں۔ **وقل الحمد لله الذی لم ینخذل ولدا ولم یکن له شریک فی الملک ولم یکن له ولی من الذل وکبره تکبیرا** (الاسراء - ۱۲) کہو سب تعریفیں اللہ کو جو نہیں رکھتا اولاد اور نہ اس کا کوئی ساجھی و سلطنت میں اور نہ کوئی مددگار ذلت کے وقت پر اور اس کی بڑائی کرو بڑا جان کر (وصالہم فیہما من مشرک وصالہ منہم من ظہیرہ) (الباقہ ۳۶) اور نہ (مشرکین کے معبودوں کا) آسمانوں اور زمین میں کچھ ساجھا ہے اور نہ ان میں سے (اللہ کا) کوئی مددگار ہے۔ صرف اسی کی سلطنت لامحدود، قدرت غیر متناہی، دریا کرم بے پایاں اور خزانے غیر ختم ہیں۔ **والله خزائن السموات والارض** (المنا فقون ۱۶) اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں اور زمین کے۔ **ید اء صبر طتان ینفقت کیف یشاء** (المائدہ) اس کے دست کرم دراز ہیں خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔ **یرزق من یشاء** بغیر حساب (جس کو چاہتا ہے بغیر حساب دیتا ہے) اس لئے حریص انسان کی بھولی دہی بھر سکتا ہے اور اس کی تشفی دہی فرما سکتا ہے صرف اسی کو ظاہر و پوشیدہ اور راؤ دلی کا علم ہے اور صرف اسی کی ذات ہمہ دان و ہمہ بین ہے، عالم الغیب والشہادہ (پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے) **یعلم خائئۃ الاعین وما تخفی الصدور** (دہ آنکھوں کی چوری اور سینوں کی چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے) اس لئے صرف اس کے علم و آگاہی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور دل کی مخفی خواہشوں اور زندگی کی غیر محسوس ضرورتوں کو دہی جان سکتا ہے اور دہی پورا کر سکتا ہے! دہی انسان کی حفاظت فرماتا ہے اور اس کے بہرہ دار انسان کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں!

لہ معقبۃ من ین یدر یہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ (الرعد - ۲) اس کے پہرے والے ہیں، بندہ کے آگے اور پیچھے اس کی نگہبانی کرتے ہیں اللہ کے حکم سے۔ پھر وہ نزدیکوں سے زیادہ نزدیک اور بگائوں سے زیادہ بگا نہی۔ وہ انسان سے اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ اور مرنے والے سے اس کے تیمار داروں سے زیادہ نزدیک ہے۔ **نحن اقرب الیہ من جبل الوردین** (ق - ۲) **ونحن اقرب الیہ منکم ولنکن لا تبصرون** (الواقعہ ۳) وہ ہر شخص کی دعا و التجا کو ہر وقت اور ہر جگہ سنتا ہے، اس کے اور بندے کے درمیان کوئی دیوار اور آڑ نہیں، نہ اس کے یہاں اظہار مدعا کے لئے کسی ذریعہ اور سفارش کی ضرورت۔ **واذا سالک عبادی عنی فانی قریب۔ اُجیب دعوتہ الذاع اذا دعان** **قلیبستجیبوا لی ولیومنوا لی لعلہم یرشدون** (البقرہ ۲۳) اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں، قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا جب مجھ سے دعا مانگے تو چاہیے کہ وہ حکم مابین میرا اور یقین لاویں مجھ پر تاکہ نیک راہ پر آویں۔ پھر اس کی محبت و شفقت حد سے بڑھی ہوئی، ماں باپ کی محبت محض اس کی ربوبیت اور رحمت کا ایک کرشمہ اور ایک ادنیٰ نمونہ ہے!

پھر وہ ہمیشہ زندہ اور پیدار ہے، کیونکہ وہ زمین اور آسمان کو سمجھ لے ہوئے اور ان کے زمام انتظام و ضبط و نظام کو با تقویٰ لئے ہوئے ہے، اس لئے کسی وقت اس کے یہاں غفلت و نسیان نہیں۔

اللہ لا الہ الا هو الحی القیوم لا تاخذہ سئۃ ولا نوم

اس کے مقابلہ میں انہوں نے اللہ کی تمام مخلوقاقت کے لئے وہ تمام اوصاف ثابت کئے جو ان صفات الہیہ کے

مقابل و عند واقع ہوئے ہیں اور جن کا مجبوراً بندگی و بیچارگی اور ضعف و عجز ہے :-

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٍ كَفِيَّةٍ إِلَى الْمَاءِ يَسْلُغُ فَاةً وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِمْ وَمَا دَعَاءُ الْكٰفِرِينَ إِلَّا فِي ضَلٰلٍ - (الرعد - ۲)

اسی کا پکارنا سب سے اور جن لوگوں کو کہ پکارتے ہیں اس کے سوا وہ نہیں کام آتے ان کے کچھ بھی مگر جیسے کسی نے پھیلائے دونوں ہاتھ پانی کی طرف کہ آپہنچے اُس کے مُنہ تک اور وہ کبھی نہ پہنچے گا اُس تک اور جتنی پکارت ہے کافروں کی سب گمراہی ہے !

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبٌ مِّثْلُ مَا سْتَعْوَالُهُ ۖ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِنْ يَسْتُبْهِمُ الْغَمَّ يَابَسْتَنفِثُوهُ مِنْهُ ۖ ضَعُفَ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ - مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ - (الحج - ۱۰)

اے لوگو ایک مثل کی گئی ہے سو اس پر کان رکھو، جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا، ہرگز نہ بنا سکیں گے ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہو جائیں اور اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی، چھڑا نہیں سکتے وہ اس سے بڑا ہے چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے۔ اللہ کی قدر نہیں سمجھے جن سے ان کی قدر ہے بیشک اللہ زور آور ہے زبردست !

مِثْلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمِثْلِ الْحَنْكَبُوتِ - اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبَيْتِ لَبَيْتٌ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ - (الحنكبت - ۴)

مثال ان لوگوں کی جنہوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر اور حمایتی جیسے مکر کی مثال بنا لیا اُس نے ایک گھر اور سب گھروں میں بڑا سو مکر کی گھر اگر ان کو سمجھ ہوتی !

ذٰلِكُمْ اَللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ۗ اِنَّ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دَعْوٰكُمْ، وَاَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۗ وَاَيُّومَ الْقِيٰمَةِ يُكْفَرُوْنَ بِشْرِكِكُمْ ۗ وَلَا يُنْبِتُكَ مِثْلُ خَيْرِهِ ۗ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ اِلَى اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ - (فاطر - ۲۲)

یہ اللہ ہے تمہارا رب، اسی کے لئے بادشاہی ہے اور جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے بھی مالک نہیں اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سنیں تو تمہارے کام کو نہ پہنچ سکیں اور قیامت کے دن تمہارے شریک ٹھہرانے سے منکر ہوں گے۔ اے لوگو! تم ہو محتاج اللہ کی طرف اور اللہ بے پروا ہے سب تعریفوں والا !

رندہ ہونے پر بھی کوئی قدرت نہیں

وَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اَللّٰهِ اَلِهَةً لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَ هُمْ يُخْلَقُوْنَ وَ لَا يَمْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ صِرًا وَّلَا نَجْوٰ وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نَشُوْرًا - (الفرقان - ۱)

مشرکین نے اللہ کے سوا ایسے معبود ٹھہرائے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے اور خود مخلوق ہیں اور جو اپنے ہی لئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتے اور جن کو موت و زندگی اور دوبارہ

قرآن مجید اس مضمون کی آیات سے لبریز ہے۔ اس کے برخلاف کہیں ان بندگانِ خدا کی قدرت و طاقت ان کے اختیارات و تصرفات، ان کی طاقت یا نفع و ضرر کا ذکر نہیں۔ جس سے قرآن مجید کا رجحان صاف سمجھ میں آتا ہے۔!

جہاں تک اللہ کے آسمان و زمین اور بڑی بڑی استیاء کے خالق و مالک اور پروردگار رہنے، بڑے بڑے واقعات کا ظہور میں لانے، عالم کا فرمانردائے مطلق اور بادشاہ حقیقی ہونے کا تعلق ہے مشرکین عرب اور دنیا کے عام مشرکین کو اس سے قطعی انکار اور اس بارہ میں کبھی کوئی شبہ نہ تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید نے بار بار تصریح کی ہے۔ مشرکین عرب کو اللہ کی بہت سی صفات و افعال خلق و صنعت، قدرت و اختیار، علم و ارادہ، غلبہ و تسخیر، عظمت و کبریائی، طاقت و جبروت، اور رحمت و رافت کا اعتراف و اعتقاد تھا۔ قرآن مجید میں جا بجا اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ اس موقع پر سورہ مومنوں کی مندرجہ ذیل آیات کافی ہوں گی :-

قل لمن الارض ومن فیہا ان کنتم تعلمون۔ سیقولون للہ ما قل افلا تذکرون ہ قل
من رب السموات السبع ورب العرش العظيم۔ سیقولون للہ ما قل افلا تتقون ہ قل
من پیداہ ملکوت کل شیء و هو یجید و لا یجار علیہ ان کنتم تعلمون۔ سیقولون للہ۔
قل فانی تسحرون۔ ر المؤمنون - ۵

کہو کس کی ہے زمین اور جو اس میں ہے، بتاؤ اگر تم جانتے ہو، کہیں گے سب کچھ اللہ کا ہے، کہو پھر تم سوچتے نہیں، کہو کون ہے مالک ساتوں آسمانوں کا اور مالک اس بڑے تخت کا۔ بتائیں گے اللہ کو، کہو پھر تم ڈرتے نہیں، کہو کس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی اور وہ بچا لینا ہے اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ بتائیں گے اللہ کو، کہو پھر کہاں سے تم پر جادو آ پڑتا ہے!

یہ مشرکین نہ صرف نظری و عملی طور پر اللہ تعالیٰ کے ان صفات کے قائل تھے، بلکہ عملاً اپنے ایمان کا ثبوت بھی دیتے تھے۔ مصیبت کے وقت اللہ ہی کو پکارتے تھے اور دعا کرتے تھے۔ قرآن مجید نے ان کی دعا و نضرع کا کئی جگہ ذکر کیا ہے! لیکن اس سب کے باوجود وہ مستند و معیاری مشرک تھے۔ ان سے جہاد کیا گیا اور کہا گیا :-

وقاتلوہم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ!

اس شرک کی حقیقت کیا تھی، اس کا آغاز کس طرح ہوا۔ اور اس کی انتہا کیا ہے؟ اس کی حضرت شاہ ولی اللہ کی زبان

سے سنئے۔ الفوز الکبیر میں فرماتے ہیں :-

خدا تعالیٰ کے اثبات کا عقیدہ اور یہ کہ خدا آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے، بڑے بڑے حوادث کا منتظم و مدیر ہے۔ پیغمبروں کے بے بھجے پر قادر اور بندوں کو ان کے اعمال پر جزا و سزا دینے والا، بڑے بڑے واقعات و حوادث کا اندازہ دان اور ان کا مقرر کرنے والا اور ان کے وقوع سے پہلے ہی قدرت رکھنے والا ہے! اور یہ کہ فرشتے خدا کے مقرب بندے ہیں اور تعظیم کے مستحق ہیں یہ سب ان کے یہاں (مشرکین عرب

عقیدہ اثبات خدا تعالیٰ و آنکہ خدا خالق آسمان و زمین است و مدبر حوادث عظام است و قادر بر ارسال رسل و مجازی عباد بر اعمال ایشاں و مقدر حوادث عظام است و قادر قبل از وقوع آل و آنکہ فرشتگان بندگان مقرب خدا اند و مستحق التعظیم اند نیز در میان ایشاں ثابت بود و شعار ایشاں دلالت می کنند، اما جمہور مشرکین دریں عقائد شہادت بسیار تاشی از استبعاد آل امور و عدم البہت

بادراک آل بہم رسائیدہ بودند و گمراہی ایشان شرک بود و تشبیہ و تحریف و انکار معاد و استبعاد در رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و فاش بودن اعمال قبیحہ و نظام در بیان یکدیگر و ابتداء رسوم فاسدہ و مندرس ساختن عبادات۔

شرک آن است کہ غیر خدا را صفات محققہ خدا اثبات نمایند مثل تصرف در عالم بارادہ کہ تعبیر از ان بکن نیکون میشود۔ یا علم ذاتی از غیر اکتساب بحواس و دلیل عقلی و منام الہام و مانند آن با ایجاد آن گرفتارست یا بیمار و شقی گردد۔ و رحمت فرستادن بر شخصے تا بسبب آن رحمت فراخ معیشت و صحیح بدن و سعید باشد و این مشرکان در خلق جو اہر و تدبیر امور عظام ہیچ یک را شریک نمی دانستند و چون خدائے تعالیٰ بر کارے ابرام فرماید۔ ہیچ یک را قدرت ممانعت اثبات نمی کردند، بلکہ اشراک ایشان در امور خاصہ بہ بعضی بندگان بود گمان می کردند کہ مانند آنکہ بادشاہ عظیم القدر بندگان خاص خود را با طرف ممالک می فرستد و ایشان را در امور جزئیہ تا وقتے کہ حکم صریح بادشاہ صادر نشدہ است محنت رد و متصرف میدارد، و خود بتدبیر امور جزئیہ بندگان نمی بردارد و حالہ سائر بندگان بقہرمان میکنند و شفاعت قہرمان در باب خادمان و متوسلان ایشان قبول می نماید، همچنین ملک علی الاطلاق جد مجرہ بعضی بندگان خود را خلعت الوہیت دادہ است و رضا و سخط ایشان در سائر بندگان اثر می کند، پس واجب می دانستند تقرب بآں بندگان خاص تا سناکتگی قبول ملک مطلق حاصل شود و شفاعت بلسے ایشان در مجازی امور درجہ پذیرائی یابد و بملاحظہ این امور سجدہ بسوے ایشان و ذبح براءے ایشان و خلف بنام ایشان و استغانت امور ضروریہ بقدر کن نیکون ایشان تجویز می نمودند و صورت با ازنگ و سفرو و میں مثل آن تراشیدہ قبلہ توجه بآں اولاح ساختند و جاہلان رفتہ رفتہ آن سنگہارا بادت خود مہبود انکا شتند و خلط عظیم راہ یافت۔!

کے یہاں، ثابت و مسلم تھا اور ان کے اشعار اس پر دلالت کرتے ہیں لیکن جمہور مشرکین کے ان عقائد میں کثرت سے شبہات پیدا ہو گئے تھے، جو ان امور کو مستبعد سمجھتے اور ان کے مفہوم سے بیگانہ ہو جانے کے سبب سے تھے، ان کی گمراہی شرک تھی اور تشبیہ اور تحریف اور قیامت کا انکار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مستبعد سمجھنا۔ اعمال بد اور مظالم کا آپس میں رواج، بری رسوم و عادات کی ایجاد اور عبادات کی تخریب!

شرک یہ ہے کہ غیر اللہ کے لئے ان صفات کو ثابت کیا جائے جو خدا کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً عالم میں اپنے ارادہ سے تصرف کرنا جس کو کن نیکون سے ادا کیا جاتا ہے، یا علم ذاتی جس میں حواس کے ذریعہ سے یا دلیل عقلی اور خواب و الہام و عیون کے ذریعہ حصول علم کو دخل نہیں یا کسی بیمار کی شفا کو وجود میں لے آنا یا کسی شخص پر اس طرح لعنت کرنا اور اس سے ناخوش ہونا کہ اس نفرت و ناراضی کی وجہ سے وہ تنگ دست یا بیمار بد نصیب ہو جائے اور کسی شخص پر اس طرح رحمت بھیجنا کہ اس رحمت کے سبب سے وہ خوشحال تندرست اور خوش قسمت ہو جائے اور یہ مشرکین جو اہر و اجسام کی خلقت میں اور بڑے بڑے امور کی تدبیر و انتظام میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں جانتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ جب خدا کسی کام کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو کسی کو روکنے اور منع کرنے کی قدرت نہیں، ان کا شرک جو کچھ تھا وہ بعض بندوں کے خصوصی معاملات میں تھا۔ ان کا گمان تھا کہ جس طرح ایک بڑا نشان و شوکت کا بادشاہ اپنے مخصوص غلاموں اور نائبداروں کو مختلف اطراف ممالک میں بھیجتا ہے اور ان کے جزئی معاملات میں جب تک کہ بادشاہ کا فرمان صریح صادر نہ ہو مختار اور تصرف کا مجاز قرار دیتا ہے۔ اپنے غلاموں کے چھوٹے چھوٹے معاملات کا انتظام و انصرام خود نہیں کرتا اور اپنے تمام غلاموں کو اس محنت رکے حوالے کر دیتا ہے اور اپنے اس مختار کی

سفارش ان کے خادموں اور متوسلین کے بارے میں قبول کرتا ہے، اسی طرح بادشاہ جل مجدہ نے اپنے بعض بندوں کو خلعتِ الوہیت سے سرفراز فرمایا ہے، ان کی رضامندی و ناراضی ہاتی بندگانِ خدا کے حق میں اثر کرتی ہے، پس انہوں نے اس بناء پر ضروری سمجھا کہ اول ان بندگانِ خاص سے قرب حاصل کیا جائے تاکہ بادشاہ مطلق کی قبولیت کی لیاقت پیدا ہو اور ان کی سفارش ان معمولی بندوں کے کاروبار میں درجہ قبولیت حاصل کرے، ان باتوں کا لحاظ کر کے انہوں نے ان بندگانِ خاص کے سامنے سجدہ کرنا، ان کے لئے جالوزوں کا ذبح کرنا، ان کے نام کی قسم کھانا اور ضروری کاموں میں ان کی قدرت کن فیکون سے مدد چاہنا جائز قرار دیا۔ اور پتھر پتیل اور لوہے کی مورتیں تراش کر ان کو ان ارواح کی طرف کا قبلہ بنایا جاہلوں نے رفتہ رفتہ ان بتوں کو بذات خود معبود سمجھ لیا اور بڑی گڑ بڑ پیدا ہو گئی!

انبیاء علیہم السلام اور ان کے جانشینوں کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اللہ سے بندوں کا قوی ترین اور قریب ترین تعلق اور وابستگی پیدا کریں:-

وَمَا أَمْرٌ إِلَّا لِيُجِبَ وَاللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حَنِيفًا -

ان کو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی خالص کر کے اس کے واسطے بندگی سب سے کٹ کر اور یکسو ہو کر ابراہیم حنیف کی راہ پر۔

اللہ اور اللہ کے بندوں کے درمیان کوئی حجاب اور روک نہ رہے، الفت و انس، محبت و عشق، محویت و مشغل، قصد و عمل، سعی و جہد، رجوع و انابت، اطاعت و عبادت، التجا و تضرع، سرگوشی و مناجات، خوف و طمع، غرض قلب و دماغ سب کا قبلہ اسی کی ذات ہو۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے تابعین برحق کی تمام مساعی کا مرکز اور سب سے بڑا مقصد یہی ہوتا ہے۔ اسی کے لئے ان کا جہاد ہے، ان کی ہجرت ہے، ان کی تبلیغ ہے، اور اسی راہ میں ان کی زندگی اور موت ہے!

قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَنَسْكَيْ وَعِيَّائِي وَهُمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ

أَمْرٌ وَإِنَّا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ - (النعام - ۳)

بیشک میری نماز اور حج و قربانی اور میری زندگی و موت سب اللہ کے لئے ہے جو سارے عالموں کا پروردگار ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا حجھ کو حکم ہے اور میں سب سے پہلے حکم بردار ہوں!

اور اس مقصد میں ہا ذن اللہ تعالیٰ وہ اپنے حلقہ اور متبعین کی جماعت میں پورے طور پر کامیاب ہوتے ہیں۔ وہ دلوں اور دماغوں کو غیر اللہ کی مشغولیت اور گرفتاری سے اور جسموں کو غیر اللہ کی حکومت و قانون سے آزاد کر دیتے ہیں۔ لیکن جاہلی اثرات و فتنہ فوقتاً اس کے خلاف بغاوت کرتے رہتے ہیں اور مشرک انسانوں میں دب دب کر ابھرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ خود ان کے نام لینے والوں اور ان کی امت اور متبعین کہلانے والوں کا حال وہ ہو جاتا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے:-

وَمَا يَأْتِيهِمْ أَكْثَرُهَا بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (يوسف - ۱۲)

بہت لوگ اللہ پر ایمان نہیں لائے مگر یہ کہ ساقف ہی ساقف مشرک بھی کئے جاتے ہیں۔!

رفعتہ اللہ سے بے تعلقی اور غیر اللہ سے تعلق اتنا بڑھ جاتا ہے کہ عملاً کیفیت وہ ہو جاتی ہے جو قرآن نے بیان کی ہے:-

ومن الناس من يتخذ من دون الله انداداً يحبونهم كحب الله - (البقرہ - ۲)
اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بنا لیتے ہیں اللہ کے برابر اور اول کو ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے اللہ سے - !

غیر اللہ سے دل چسپی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ:-

واذا ذكر الله وحده اشعرت قلوب الذين لا يؤمنون بالآخرة واذا
ذكر الذين من دونه اذا هم ليستبشرون -

جب نام لیجئے اللہ کا رک جاتے ہیں ان کے دل جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور
جب نام لیجئے اس کے سوا اور اول کا تو وہ کھل جاتے ہیں اور بہت مسرور ہوتے ہیں !

پھر اس عقیدہ کے ماتحت غیر اللہ کے نام پر وہ تمام اعمال کئے جاتے ہیں جو اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً
سجود، نذر، سجود، دعا و غیرہ اور رفتہ رفتہ زندگی کا رشتہ اللہ سے ٹوٹ کر غیر اللہ سے بندھ جاتا ہے۔ قلب
سجہت بدل جاتی ہے، انبیاء کی بعثت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اسلام پر جاہلیت غالب آجاتی ہے !
ہر زمانہ کے مجددین و مصلحین اور علماء حق نے اس صورت حال کے خلاف جہاد کیا۔ ہندوستان میں جہاں
اسلام کی بنیاد مختلف تاریخی اسباب کی بناء پر ہمیشہ سے کمزور ہے اور جو دھیمیا کے چند بڑے مشرکانہ مذاہب و
قوام کا مرکز و وطن ہے۔ اسلام کا چہنمہ صافی زیادہ مکر ہونے لگا تھا۔ اور اندیشہ تھا کہ یہ چہنمہ جیواں اس
ظلمات میں اس طرح گم ہو جائے کہ کسی حضور پرین کو بھی اس کا نشان نہ ملے۔

انف ثانی مجدد نے جب اپنا سفر تجدید شروع کیا تو انبیاء کے کا رہنوت کی عین ترتیب کے مطابق پہلا قدم یہی
ہے اٹھایا، جہاں نیکر کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار آپ کی تاریخ تجدید کا روشن عنوان ہے۔ اپنے مکاتیب میں
ایت و واضح اور جامع چھٹے الفاظ میں توحید کی تشریح فرمائی، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اس کے تہا مستحق
ادت ہونے کے دلائل بیان کئے جو آپ کے رسوخ فی العلم کا نمونہ ہیں۔ شرک کے مراسم و مظاہر کی تردید فرمائی۔
وہ جاہلیت، اعمال مشرکانہ، تقلید کفار سے اپنے متبعین و معتقدین کو سختی سے منع فرمایا کہ تجدید کا
اس کے بغیر شروع ہی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ مکمل ہو !

بالخصوص طریقت کا حاصل و مقصود اور تصوف کا خلاصہ و مطلوب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ سے ایسا تعلق
تھا ط پیدا ہو جس میں کبھی کوئی فرق ہی نہ ہو۔ ایسی حضور ہی جس میں کبھی غیبت اور ایسی یکسوئی جس میں کوئی کشمکش
ہے، یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک آفاق و انفس کی تمام اشیاء کے متعلق نفع و ضرر، قدرت و اختیارات کا
ذمہ لے نہ ہو جائے، اور قلب و دماغ ان کی محبت و عظمت اور ان سے خوف و طمع رکھنے سے کامل طور پر آزاد نہ
ہو جائے۔ اور وہ کسی معنی میں بھی مقصود و مطلوب، مرغوب و مرئوب، اور معظّم و محبوب اور بالآخر خفا را الہ و مبرور
ہیں۔ یہی مقام اخلاص ہے جس کی طرف انبیاء علیہم السلام اور ان کے جانشین رہنمائی فرماتے ہیں۔ مجدد صاحب

رحمتہ اللہ علیہ نے مکتوبات میں جا بجا اس کی دعوت دی ہے اور اس کی وضاحت فرمائی ہے:-

مخدوم من! سلوک کی منزلوں کھٹے کرنے اور جذبہ
معلوم شد کہ مقصود ازیں سیر و سلوک تحصیل مقام اخلاص است
کہ مربوط بفنائے الہی آفاقی و انفسی است۔
(مکتوبات نمبر ۴ بنا م شیخ محمد خیری)

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:-

راس امراض باطنیہ درئیں عمل معنویہ گرفتاری قلب
امت بما دون حق سبحانہ و تعالیٰ، و تا ازیں گرفتاری بنجام
آزادی بیسرنشود سلامتی محال است چہ شرکت رادر آن
حضرت جل سلطانہ باریست **آلَا لِلّٰهِ الدِّینُ الْخَالِصُ**۔
کیف کہ شریک را غالب ساخته باشد، نہایت بے حیائی
است محبت غیر حق را سبحانہ، برہنجے غالب ساختن کہ
محبت او تعالیٰ در جنب آن معدوم گردد یا مخلوب الحیاء
شعبہ من الایمان۔۔۔۔۔

باطنی بیماریوں کی جڑ اور معنوی امراض کی اصل قلب
ناسوی اللہ کے ساتھ گرفتاری اور مستغولی ہے جب تک اس
گرفتاری سے مکمل طور پر آزادی بیسرنہ آئے سلامتی محال ہے۔
کیونکہ اللہ جل سلطانہ کی بارگاہ اور حضور میں کسی کی شرکت
کی کسی طرح گنہگار نہیں۔ قرآن کی آیت ہے۔ یا در کفو خالص پرستش
و اطاعت اللہ ہی کا حق ہے، چہ جائیکہ شریک کو غالب بنا لیں
بڑی بے حیائی ہے کہ غیر اللہ کی محبت کو اس درجہ غالب بنا لیا جائے
کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے پہلو میں معدوم یا مخلوب ہو جائے!

غرض جس کا دل توحید سے آشنا ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر بھروسہ کرے گا۔ مصیبت میں اسی کو پکارے گا
اور آسودگی و خوشحالی میں اسی کا شکر بھیجے گا۔ اور نیاز و تذلّل اور عبدیت و سرفگندگی کا تعلق اللہ تعالیٰ کے سوا
اور کسی سے نہ رکھے گا!

(خبر)

اے الامن والہم
اے پناہ من و پناہ ہم



مولانا امین حسن صلاحی

عقیدہ توحید کا اثر ہماری عملی زندگی پر

عقیدہ توحید صرف ایک نظریاتی حقیقت ہی نہیں ہے بلکہ یہ نظریاتی سے زیادہ ایک عملی حقیقت بھی ہے۔ اسلام میں صرف خدا کو مان لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ان صفات کے ساتھ اس کو ماننا ضروری ہے جو صفات اس نے خود اپنی گنتائی میں۔ علاوہ بریں ان صفات کو صرف مان لینا ہی مطلوب نہیں ہے بلکہ ان صفات سے بندوں پر خدا کے جو حقوق قائم ہوتے ہیں ان کو تسلیم کرنا اور ادا کرنا بھی ضروری ہے، اگر معاملہ صرف ذات و صفات کے مان لینے ہی تک محدود رہے تب تو عملی زندگی اس سے بہت کچھ زیادہ متاثر نہیں ہوتی، اس سے اگر کوئی عملی گمراہی پیدا ہوتی بھی ہے تو وہ مناظرہ و مجادلہ کی مجلسوں سے آگے نہیں بڑھتی، لیکن جہاں سے خدا کے حقوق اور عملاً ان کو ادا کرنے کا سوال سامنے آتا ہے وہاں سے مسئلہ براہ راست ہماری عملی زندگی سے منعلق ہو جاتا ہے اور پھر اس سے جو مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں وہ صرف انسان کی انفرادی زندگی ہی میں نہیں بلکہ اس کی اجتماعی زندگی میں بھی ایک پھیل سی برپا کر دیتے ہیں۔!

اسلام کے عقائد میں سے کوئی عقیدہ بھی ایسا نہیں ہے جو صرف اقرار کر لئے جانے کے لئے ہو، بلکہ اس سے اصلی مقصود وہ اثر ہے جو اس کے اقرار سے انسان کے سیرت و کردار اور اس کے اعمال و اخلاق پر پڑنا چاہیے، اگر یہ اثر نہ پڑے تو یہ چیز دو حالتوں سے خالی نہیں۔ یا تو آدمی کو اپنے اس عقیدہ کا پورا پورا شعور نہیں ہے، اس نے جو بات مانی ہے اس کے مضمرات اور اس کے لازمی مطالبات سے وہ بالکل ہی بے خبر ہے، یا شعور تو ہے لیکن نفاق اور بردلی کے سبب سے وہ اس کے مضمرات سے انجان ہی بنا رہتا چاہتا ہے!

ایک آدمی کے اندر عقیدہ توحید کا اگر شعور ہو تو اس کی زندگی پر چند اثرات پڑنے لازمی ہیں۔

اس عقیدہ کے شعور کا پہلا اثر جو انسان پر پڑتا ہے وہ اس کائنات کے اندر خود اس کے اپنے مرتبہ و مقام کا انکشاف ہے، انسان جب تک توحید سے آشنا نہیں ہوتا، اس وقت تک اور تو اور خود اپنے منعلق اس کے نظریات و خیالات بالکل الجھے ہوئے رہتے ہیں۔ بہت سے سوالات، جن کا قطعی اور واضح حل زندگی کی رہنمائی کے لئے ضروری ہے اور جن کو حل کئے بغیر نہ تو کوئی قدم صحیح سمت میں اٹھایا جاسکتا ہے اور نہ اولام و اولام سے رہائی حاصل کی جاسکتی ہے، یا تو اس کے لئے وہ سرے سے لاینحل معہ بن کر رہ جاتے ہیں یا وہ ان کا کوئی غلط حل ہی قبول کر لیتا ہے۔ وہ روزی کہاں سے پاتا ہے۔ مگر روزی رساں کسی اور کو سمجھ لیتا ہے، زندگی اور موت کسی کے اختیار میں ہے اور وہ مارنے والا اور زندہ کرنے والا کسی کو بنا لے بیٹھا ہے۔ بچنے والا اور چھیننے والا کونسی ادب ہے اور وہ دست سوال کسی اور کے سامنے پھیلائے ہوئے ہے! معبود کوئی اور ہے اور یہ مانتا کسی اور کے آستانہ پر رگڑ رہا ہے، حد یہ ہے کہ جو چیزیں خود اس کی خدمات اور اس کی حاجت براری کے لئے پیدا

کی گئی ہیں اور جو کسی بھی نفع یا ضرر پر کوئی اختیار نہیں رکھتی ہیں، بسا اوقات وہ ان کے متعلق طرح طرح کے ادھام میں مبتلا ہو کر ان کے آگے نذریں اور چڑھاوے پیش کرتا اور ان سے التجائیں اور خوشامدیں کرتا ہے، یہ مرغوبیت اس پر اس کا سنا کی صرف بڑی بڑی چیزوں ہی سے نہیں طاری ہوتی بلکہ وہ ذمہ پستی کی ایسی حالت میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ بعض اوقات کسی جھڑی کسی درخت اور کسی چکے پتھر کو ایک مقدر ہستی مان کر انہی کے آگے ڈنڈوت کرنے لگ جاتا ہے!

صرف توحید ہے جو آدمی کو ادھام کی ان تالیخوں سے نکالتی ہے۔ وہی آدمی پر یہ ناز کھولتی ہے کہ صرف ایک ہی ذات جس کے اختیار میں تمام خلق و تدبیر ہے اور جس کے دستِ تصرف میں تمام آسمان و زمین ہیں۔ اسی کے ہاتھ میں زندگی اور موت، اور اسی کے قبضہ قدرت میں بختِ ناز و چھیننا ہے۔ جو چیز بھی آتی ہے اسی کے حکم سے آتی ہے، اور جو چیز بھی لوٹتی ہے، اسی کی طرف لوٹتی ہے۔ اس کے سوا سب فانی ہیں۔ باقی رہنے والی صرف اسی کی ذات ہے۔ وہی تمہا اس کائنات کا حکمران ہے، باقی سب اس کے آگے مجبور و محکوم ہیں!

یہ عقیدہ جب پورے شعور کے ساتھ آدمی کے اندر راسخ ہو جاتا ہے تو وہ بہ یک وقت اپنے اندر دو متضاد حالتیں محسوس کرتا ہے، ایک تو عجز و سرنگندگی کی اور دوسری استغنا اور بے نیازی کی۔ وہ اپنے رب کے آگے تو بالکل عاجز اور اپنے آپ کو اس کا یکسر محتاج پاتا ہے، لیکن ساتھ ہی دوسروں سے اپنے آپ کو بالکل ہی بے نیاز اور مستغنی بھی محسوس کرتا ہے۔ ایک کا استغنا اس کو تمام استغناؤں سے بے پروا اور ایک کا ڈر اس کو تمام خطروں اور اندیشوں سے بالکل بے فکر کر دیتا ہے!

اس عقیدہ کا شعور انسان پر جو دوسرا اثر ڈالتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی ماسوا اللہ کے ہر باطل زور و اثر کے مقابل میں باغی بن جاتا ہے، وہ اپنے رب کی مرضی اور اس کے حکم کے مقابل میں کسی کے زور و اختیار اور کسی کے تصرف و استبداد کو بھی گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اس کی غیرت و حمیت اس بات کو برداشت نہیں کرتی کہ کوئی اس کے رب کی راہ میں اس کا مزاحم بن کر کھڑا ہو۔ وہ اپنے عزیز سے عزیز دوست اور کسی عزیز سے عزیز رشتہ دار کے لئے بھی یہ حق تسلیم نہیں کرتا کہ وہ خدا کی عبادت و اطاعت سے اس کو روکے اور اگر کوئی اس کو روکنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اس کو عزیز اور رشتہ دار سمجھنے کے بجائے اس کو اپنی راہ کا ایک پتھر خیال کرتا ہے اور اس کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے اور اگر اس کو ہٹانے میں اس کو کامیابی نہیں ہوتی تو وہ خود کترا کر اپنی راہ بدل لیتا ہے!

انسان سے سب سے زیادہ قریب اس کا اپنا نفس ہے، لیکن اس کی خواہشیں بھی اگر اس کا رخ موڑنا چاہتی ہیں، تو وہ اپنے نفس کو بھی ایک سنگ گراں سمجھتا ہے اور اس کو راہ سے ہٹانے کے لئے چاہتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے درجہ میں اس کا اپنا کنبہ اور خاندان ہے، وہ اگر اس راہ میں روک بنتے ہیں تو وہ ان کو بھی خدا کے لئے چھوڑ دیتا ہے، قوم اور قبیلہ کے بھی وہ حق تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا کہ وہ مالکِ حقیقی کے مقابل میں اس سے اپنی کوئی بات منوائیں۔ وہ کسی بڑے سے بڑے جبار، کسی بڑے سے بڑے سلطان اور کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کو بالِ مگس کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔ اگر وہ دیکھتا ہے کہ یہ اس سے خدا کی اطاعت کے مقابلہ میں اپنی اطاعت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس بے گناہ کی سزا میں اس کو آدوں سے چیر ڈالا جائے، یا آگ کے شعلوں کی نذر کر دیا جائے، وہ حکمرانِ حقیقی کے حکم کے آگے نہ کسی مردہ خدا کی پروا کرتا اور نہ کسی زندہ خدا (۹) کو خاطر میں لاتا ہے۔ اور اگر وہ اپنے آپ کو ان کے مقابلہ میں مجبور دیکھتا ہے تو خود کو ان کے حوالے کر دینے کے بجائے وہ اس بات کو ترجیح دیتا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ نہیں بلکہ اپنی جان اپنے رب کے حوالے کر دے!!

اس عقیدہ کا تیسرا منظر اس وقت ظہور میں آتا ہے جب اس کا شعور رکھنے والے بہت سے افراد ایک جماعت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، اس وقت ان کی سعی اس بات کے لئے ہوتی ہے کہ جس طرح انہوں نے اپنے ایک ہی مالک حقیقی کی حکمرانی اپنے اپنے دلوں اور اپنے اپنے نفوس پر قائم رکھا ہے، اسی طرح وہ اس کی حکمرانی اس زمین کے اوپر بھی قائم کریں، جس پر وہ بس رہے ہیں۔ یہ توجید کا اجتماعی اور سیاسی منظر ہے۔ اور حقیقت میں رہنے اور بسنے کے قابل اس کرۂ ارضی کا وہی قطعہ ہے، جس پر خدا کی حکمرانی اور بادشاہی قائم ہو۔ اگر کسی سرزمین پر توجید کے ماننے والے موجود ہوں۔ وہ با اختیار اور آزاد بھی ہوں اور اپنا ایک سیاسی و اجتماعی نظام بھی رکھتے ہوں۔ لیکن یہ نظام اللہ کی خاکست کی اساس پر قائم نہ ہو تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ یہ توجید کے مدعی تو ہیں۔ لیکن یا تو ان کے اندر توجید کا شعور نہیں ہے یا یہ منافق ہیں۔ کہ جس چیز کے ماننے کا وہ دعویٰ کرتے ہیں اس کے اجتماعی تقاضے کو پورا کرنے کی اپنے امد مہمت نہیں پلتے۔!!

بھلا طریقت کا شریعت سے کیا تقابل؟ ان دونوں میں مسادات کہاں سے آئی! شریعت تو ایسی قطعی وحی سے ثابت ہوتی ہے، جس میں شک و ریب کی بالکل گنجائش نہیں، اس کے احکام میں نسخ و تبدیلی نہیں، تا قیام قیامت یہ احکام باقی رہیں گے۔ شریعت کے تقاضے پر عمل کرتا تمام عوام و خواص کے لئے مزدوری و لایدی ہے۔ طریقت کی یہ مجال نہیں کہ وہ شریعت کے احکام کو اٹھا دے اور اہل طریقت کو نکالیہ شریعی سے آزاد کر دے۔!

(خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ)

الوصایا النبویہ
مولانا سید علوی مکی مالکی
ترجمہ :- مولانا ظفر احمد عثمانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیتیں

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قلت یا رسول اللہ اوصنی قال اوصیک بتقوی اللہ فانہ ازین لامرک کلہ قلت زدنی قال علیک بتلاوة القرآن و ذکر اللہ فانہ ذکرک فی السماء و نورک فی الارض - قلت زدنی قال علیک بطول الصمت فانہ مطردة للشیطان و عون لک علی امر دنیک قلت زدنی قال ایاک و کثرة الضحک فان کثرت الضحک تمیت القلب و تذهب بنور الوجه - قلت زدنی قال قل الحق وان کان مراً، قلت زدنی قال لا تحت فی اللہ لومة لائم - قلت زدنی قال لیجزک عن الناس ما تعلم من نفسك - اخرجه البیهقی و احمد و الطبرانی و ابن جبان فی صحیحہ و المحاکم و اللفظ لہ و قال صحیح الاسناد !

ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا۔ میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ وہ تمہارے ہر کام کو زینت بخشنے والا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا۔ تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کی پابندی رکھو کہ اُس سے عالم ہا لائیں تمہارا تذکرہ ہوتا رہیگا۔ اور زمین میں تم کو (خاص) نور حاصل ہوگا۔ میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا۔ خاموش زیادہ رکرو۔ کیونکہ خاموشی شیطان کو بھگانے والی اور دین کے کاموں میں تمہاری مددگار ہے میں نے عرض کیا۔ کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا۔ زیادہ ہنسنے سے بچو۔ کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مرہ ہو جاتا اور چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے۔ میں نے عرض کیا، کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا، حق بات کہو۔ اگرچہ تلخ ہو۔ میں نے عرض کیا، کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا، اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرو۔ میں نے عرض کیا، کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا، کہ جو کچھ تم اپنے بارے میں جانتے ہو وہ تم کو لوگوں کے درپے (برنے) سے روکے ! (اس حدیث کو حافظ بیہقی اور امام احمد اور طبرانی و ابن جبان نے روایت کیا ہے نیز حاکم نے بھی اور یہ الفاظ حاکم ہی کی (روایت کے) ہیں، انہوں نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

شرح :- تقویٰ کمال ایمان کو کہتے ہیں۔ جو شخص اللہ سے ڈرے گا، دین احکام کو بھی بجالائے گا۔ اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے بچے گا۔ اسی سے ایمان کامل ہوتا ہے۔ اور اسی سے دنیا بھی سمجھتی ہے۔ اور دین بھی۔ آج جو مسلمانوں میں جرائم کی کثرت ہے کہ روزانہ اجلات میں اغوا، قتل، چوری، ڈکیتی، رشوت، ذخیرہ اندوزی، دغا، فریب وغیرہ کے واقعات

چھتے رہتے ہیں۔ اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ دلوں سے خوفِ خدا اور اندیشہٴ آخرت اٹھ گیا ہے۔ مسلمانوں نے آجکل یہ سمجھ لیا ہے کہ بس کلمہ پڑھ لینا کافی ہے، عمل کی کچھ ضرورت نہیں۔ اُن کو یاد رکھنا چاہیے کہ صرف کلمہ پڑھ لیتے سے اللہ تعالیٰ کی مدد اُن کے ساتھ نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ کی مدد صبر و تقویٰ کے بعد نازل ہوا کرتی ہے۔

بلی ان تصبروا و اتقوا و یا تو کم من فورہم ہذا یددکم ربکم بحسبہ آلاف من المملکة
مسموین۔ ولوان اهل القرى آمنوا و اتقوا لفتحنا علیہم برکات من السماء و الارض
ولکن کذبوا فاخذناہم بما کانوا یکسبون۔!

بیشک اگر تم صبر و استقلال اور تقویٰ اختیار کرو اور دشمن دفعتاً تم پر حملہ کر دے تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ جو خاص نشان لگائے ہوں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے اور اگر یہ بستی دے ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو یقیناً ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں نازل کرتے اور رحمت کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا۔ رکہ ایمان اور تقویٰ کی ضرورت نہیں، ہماری محنت اور تدبیر ہی سے سب کام بن جائیں گے) تو ہم نے اُن کے اعمال (بد) کے سبب اُن کو پکڑ لیا۔!

چونکہ تقویٰ پر دنیا و آخرت دونوں کی صلاح موقوف ہے اس لئے قرآن میں بھی اس کی بکثرت تاکید ہے۔ اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی وصیت فرمائی ہے۔ مسلمانوں کو تقویٰ کا اہتمام کرنا چاہیے کہ بغیر اس کے ان کی دنیا درست ہو سکتی ہے نہ دین۔ نہ خدا کی مدد ساتھ ہو سکتی ہے نہ دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو سکتا ہے!

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ جو وصیت میں کرتا ہوں اُس کو غور سے سنو! ہر صبح اور ہر شام یہ دعا کیا کرو۔ یا حی یا قیوم برحمتک استغیث۔ ایک روایت میں اتنا اور بھی ہے۔ اصرح لی مثانی کلہ ولا تلکنی الی نفسی طرفۃ عین۔ اے جی و قیوم! میں تیری رحمت کی دہائی دیتی ہوں میری حالت کو درست کر دیجئے۔ اور مجھے ذرا سی دیر کو بھی میرے نفس کے حوالے نہ کیجئے! اس کو ابن اسنی اور نسائی اور بزار نے صحیح سند سے روایت کیا ہے اور حاکم نے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے)

ہمارے اکابر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے متعلقین و اجاب کو اس دعا کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ جب کوئی مشکل درپیش ہو اس دعا کو صبح و شام کم از کم تین بار پڑھا جائے، زیادہ جتنی ہمت ہو۔!

ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا، جب کوئی گناہ تم سے ہو جائے اس کے پیچھے نیکی بھی کر لیا کرو۔ وہ اس گناہ کو مٹائے گی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! لا الہ الا اللہ بھی نیکیوں میں شمار ہے، فرمایا۔ یہ تو سب نیکیوں میں افضل ہے۔ اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔

یہاں گناہ سے مراد صغیرہ ہے، کبیرہ نہیں۔ کیونکہ کبیرہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا۔ لیکن ہم تو صغائر میں بھی بکثرت مبتلا ہوتے ہیں اس لئے ہر مجلس اور گفتگو کے بعد لا الہ الا اللہ کہہ لےنا چاہیے۔ تاکہ گناہ مٹ جائیں۔

(م-ق) اور اللہ تعالیٰ کی اور رحمت کا اثر کرتے ہوئے اسے شرم بھی آئے گی۔ اسی کا نام توبہ ہے اور یہی احساسِ مذمت اُسے گناہوں کی کثرت پر نہیں کی طرف سے جائیگا۔

لے اور جب مسلمان کسی لغزش اور خطا کے بعد لا الہ الا اللہ کہیگا تو اس کلمہ کے دہراتے وقت اس کے دل میں لامحالہ مذمت کا احساس بھی پیدا ہوگا۔

(۴) حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ اے معاذ! مجھے تم سے محبت ہے میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد اس دعا کو نہ چھوڑنا۔

اللّٰهُمَّ اعْنِي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحَسَنِ عِبَادَتِكَ -

اے اللہ! میری مدد کیجئے اپنی یاد پر اور شکر پر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر۔

اس کو ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

اس دعا کا بہتم ہاں ان ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے اپنی محبت کا اظہار کر کے اس کی وصیت فرمائی ہے، حدیث سے نمازوں کے بعد دعا کا بھی ثبوت ہو گیا۔ جو تمام مسلمانوں میں ہر نماز کے بعد معمول ہے۔!

(۵) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وصیت فرمائی کہ جب سونے کی جگہ میں جاؤ (یعنی سونے کا قصد کرو) تو سورۃ الحشر پڑھ لیا کرو۔ اگر تم (اس رات میں) مر گئے تو شہید مرو گے۔ اس کو ابن اسنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں روایت کیا ہے۔

ایک روایت میں بجائے سورۃ الحشر کے ادا کر سورۃ الحشر هو اللہ الذی لا الہ الا هو عالم الغیب والشہادۃ سے ختم سورۃ تک پڑھنے کا یہی ثواب آیا ہے!

(۶) حضرت برادر بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وصیت فرمائی کہ جب (موتے کے لئے) خواب گاہ کا ارادہ کرو تو یہ دعا پڑھا کرو:-

اللّٰهُمَّ اسَلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ وَفَرَضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَالْجَانَّاتِ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ وَرَغْبَةً وَرَهْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَاءَ مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اَمَنْتُ بِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيَّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ -

اے اللہ! میں اپنی ذات کو آپ کے حوالہ کرتا ہوں اپنے ہر کام کو آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ اپنے چہرہ کا رخ آپ کی طرف پھیرتا ہوں، آپ ہی سے پشت پناہی چاہتا ہوں۔ آپ ہی سے امید رکھتا ہوں اور آپ ہی سے ڈرتا ہوں، آپ سے بھاگنے کی اور پناہ کی جگہ آپ کے سوا کوئی نہیں۔ آپ کی اس کتاب پر ایمان لایا جو آپ نے نازل کی ہے اور آپ کے نبی پر بھی ایمان لایا جن کو آپ نے بھیجا ہے۔!

حضور نے فرمایا کہ اگر تم رات ہی کو مر گئے تو فطرت (اسلام) پر مرو گے اور اگر صبح کو اچھے حال سے اٹھ گئے تو خیر و برکت پاؤ گے۔ اس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور میں القوسین کا مضمون جمع الفوائد سے ماخوذ ہے۔

(۷) ضرغام بن علیہ بن حرملة غنہری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا، اللہ سے ڈرتے رہو، اور جب تم کسی مجلس میں بیٹھو پھر وہاں سے کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو ایسی باتیں کرنے سُنو جو تم کو پسند ہوں، تو اس مجلس میں پھر آؤ۔ اور اگر ان کو ایسی باتیں کرنے سُنو جو تم کو ناگوار ہوں تو اس مجلس کو چھوڑ دو۔ اس کو امام احمد اور ابن سعید نے روایت کیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو اپنے پیچھے بھی اچھی باتوں اور اچھے کاموں میں مشغول پاؤ ان کو اپنا جلس بنائو اور جن لوگوں کو اپنے پیچھے بُری باتوں اور بُرے کاموں میں مشغول پاؤ ان کو اپنا ہم نشین نہ بناؤ ان سے الگ رہنا ہی اچھا ہے!

(۸) حضرت معاذ بن جبل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا اپنے دین میں (اور دین کے کاموں میں) اخلاص پیدا کرو۔ تھوڑا عمل بھی کافی ہو جائے گا۔ (اس کو ابن ابی الدین نے کتاب الاخلاص میں اور ابن ابی حاتم اور بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بتایا ہے)!

یہ حقیقت ہے کہ اخلاص کے بغیر کوئی عمل بارگاہ الہی میں قبول نہیں ہوتا اور اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی وزنی ہو جاتا ہے۔ حضرات صحابہ کو جو اولیاء امت پر فضیلت ہے، وہ زیادہ عمل کی وجہ سے نہیں بلکہ اخلاص کی وجہ سے ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ میرے صحابی کا ایک مد (آدھ سیر) دوسروں کے اُحد پہاڑ کی برابر سونا خیرات کرنے میں افضل ہے۔ اخلاص کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ عمل میں غیر خدا کا قصد نہ کیا جائے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ عمل سے صرف رضا و حق مطلوب ہو اور کچھ مقصود نہ ہو، و بینہما درجات بہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اخلاص اور ریا کا مدار مقصد پر ہے اگر ریا کا قصد نہ ہو تو اخلاص حاصل ہے۔ و سوسہ ریا مفسر نہیں۔ کیونکہ و سوسہ پر بندہ کا اختیار نہیں۔ و لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔ از افادات مولانا کف نوری رحمۃ اللہ علیہ

(۹) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا۔ نماز کو درستی کے ساتھ ادا کرو۔ زکوٰۃ دیا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو۔ حج اور عمرہ کیا کرو، اپنے باپ ماں کی خدمت کرو۔ (قرابت داروں سے) صلہ رحمی کرو۔ مہمان کی خاطر کیا کرو۔ نیک کاموں کا امر کرو۔ بُرے کاموں سے روکتے رہو۔ اور حق کے ساتھ چلتے رہو جدھر وہ جائے۔ (اس کو حاکم نے روایت کیا اور صحیح بتایا)

(۱۰) حضرت ابوہریرہ اور ابی الدرداء دونوں فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کی وصیت فرمائی کہ سفر ہو یا حضر (کسی حال میں) ان کو نہ چھوڑیں۔ (۱) ہر صبیحہ میں تین دن کا روزہ — (۲) چاشت کی دو رکعتیں۔ (۳) اور سونے سے پہلے وتر کی نماز پڑھ لینا۔ (اس کو امام بخاری و مسلم و ابوداؤد اور ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے)

اس حدیث کی شرح رحمۃ اللہ علیہ شرح ترجمہ بہجتہ النفوس میں ملاحظہ ہو، قابل دید ہے!

(۱۱) حضرت ابودرداء سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ مجھے میرے حبیب (سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے چند بہترین خصلتوں کی وصیت فرمائی ہے۔ (۱) دُنیوی امور میں اپنے سے فوق کو نہ دیکھوں، بلکہ اپنے سے کمتر کو دیکھوں، (۲) مساکین سے محبت کروں، ان کے قریب رہا کروں۔ (۳) صلہ رحمی کروں اگرچہ قرابت دار اعراف ہی کرتے ہوں۔ (۴) اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کروں۔ (۵) ہمیشہ حق کہوں، اگرچہ اپنے خلاف ہی ہو۔ اگرچہ کڑوا ہی کیوں نہ ہو۔ (۶) لاحول ولا قوۃ الا باللہ

کی کثرت کیا کروں، کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک (بڑا) خزانہ ہے۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور ابن جہان نے بھی اپنی صحیح میں!

(۱۲) ابو اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ نے کہا یا رسول اللہ مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا۔ اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور اللہ کے لئے اس طرح کام کرو جیسا تم اس کو دیکھ کر کام کر رہے ہو۔ اور اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو اور ہر پتھر ہر درخت کے پاس اللہ کو یاد کرو (تاکہ سب تمہاری واسطے گواہی دیں) اور جب کوئی براکام صادر ہو جائے تو اس کے پہلو میں (ساتھ ساتھ) نیک کام بھی کر لو۔ پرستیدہ گناہ کے ساتھ پرستیدہ طور پر نیکی کرو اور علانیہ کے ساتھ علانیہ طور پر۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اپنے کو مردوں میں شمار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ موت کو یاد رکھو، ہر وقت موت کے لئے تیار رہو اور شاید ہمیں نفس، نفس واپس بود!

(۱۳) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا، اے محمد بن جہدہ! عفتہ نہ کیا کرو، کیونکہ عفتہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسا شہد کو ایذا، اس کو حاکم اور بہتقی نے روایت کیا ہے۔

مراد بیجا عفتہ ہے، جس کی شریعت سے اجازت نہ ہو اور جہاں شریعت نے عفتہ کرنے کی اجازت دی وہاں عفتہ کرنا جائز ہے، مگر وہاں بھی حدود کی رعایت ضروری ہے۔ حد سے تجاوز کرنا جائز نہیں!

(۱۴) حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت کیجئے اور مختصر کیجئے۔ فرمایا، لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے امید قطع کر لو اور طمع و حرص سے بچتے رہو کہ یہ تمہارا احتیاج ہے، (حرصیں آدمی محتاج ہی ہے گو بظاہر دولت مند ہو) اور ایسی بات اور ایسے کام سے بچو جبراً بعد میں معذرت کرنی پڑے (معافی چاہنی پڑے) اس کو حاکم اور بہتقی اور احمد نے روایت کیا ہے!

(۱۵) اسود بن اسرم حارم کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا تمہیں اپنی زبان پر قابو ہے؟ میں نے کہا اگر مجھے اپنی زبان پر بھی قابو نہ ہو تو کس چیز پر قابو ہو گا؟ فرمایا تم کو اپنے ہاتھوں پر قابو ہے؟ میں نے کہا اگر میں اپنے ہاتھوں پر بھی قابو نہ رکھوں تو کس چیز پر قابو رکھوں گا؟ فرمایا۔ تو بس اپنی زبان سے اچھی بات کے سوا کچھ نہ نکالو اور اپنے ہاتھ کو نیکی کے سوا کسی کام کی طرف نہ سوجان اللہ کس خوبی کے ساتھ نصیحت فرمائی ہے کہ پہلے بتا دیا کہ انسان کی زبان اور ہاتھ پیرائیں اختیار میں ہیں، ان سے جو گناہ ہوتے ہیں اختیار سے ہوتے ہیں، بے اختیار نہیں ہوتے، پس انسان اپنے اختیار سے کام لینا اور زبان، ہاتھ اور پیروں کو گناہوں سے بچانا چاہیے۔ اور معلوم ہے کہ زیادہ گناہ ان ہی سے ہوتے ہیں۔ جس نے ان کو بچا لیا اس نے گویا اپنے کو پوری طرح گناہ سے بچا لیا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ وسلم

والحمد لله الذی بعزته و جلالہ تتم الصلوات!

سید ابوالاعلیٰ مودودی

چار اہم سوالات

اور ان کے جوابات

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی خدمت میں "توحید نمبر" کے لئے ہم نے چار سوالات بھیجے تھے،
اپنی شدید مصروفیات اور گرانی صحت کے باوجود مولانا موصوف نے جوابات عنایت فرمائے،
جو ترتیب وار درج کئے جاتے ہیں۔ (م۔ ق۔)

(۱) کیا "بدعت" کی دو قسمیں ہیں (۱) حسنہ اور (۲) سیئہ! بعض صاحبان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول "نعم البدعہ" سے بدعت
کے "حسنہ" ہونے پر دلیل لاتے ہیں۔ حدیث شریف میں کس قسم کی "بدعت" کو ضلالت کہا گیا ہے؟
جواب:- شرعی اصطلاح میں جس چیز کو بدعت کہتے ہیں، اس کی کوئی قسم حسنہ نہیں ہے، بلکہ ہر بدعت سیئہ اور ضلالہ ہی ہے جیسا کہ
حدیث میں ارشاد ہوا ہے۔ کل بدعة ضلالة۔ البتہ لغوی اعتبار سے محض نئی بات کے معنی میں بدعت حسنہ بھی ہو سکتی ہے۔
اور سیئہ بھی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح باجماعت کے بارے میں لغت البدعة ہذا کے الفاظ جو فرمائے تھے۔
ان میں بدعت سے مراد اصطلاحی بدعت نہیں بلکہ لغوی بدعت ہی ہو سکتی ہے۔ اس لئے اسے بدعت کی ایک قسم "حسنہ" قرار
دینے کے لئے دلیل نہیں بنا جا سکتا۔!

اس بات کو سمجھنے کے لئے پہلے بدعت کا شرعی مفہوم سمجھ لینا چاہیے۔ پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا نماز تراویح باجماعت کا طریقہ راجح
کرنا اس مفہوم کے اعتبار سے بدعت کی تعریف میں آتا بھی ہے؟

عربی زبان میں بدعت کا لفظ قریب قریب اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے، جس میں لفظ "جدت" ہم اردو میں استعمال کرتے
ہیں۔ یعنی ایک نئی بات جو پہلے نہ ہوئی ہو۔ یا جس کی کوئی مثال موجود نہ ہو۔ لیکن شریعت میں یہ لفظ اس وسیع مفہوم میں استعمال
نہیں ہوتا، نہ اس مفہوم میں ہر نئی چیز یا ہر نئے کام اور طریقے کو گراہی قرار دیا گیا ہے! شرعی اصطلاح میں بدعت سے مراد یہ
ہے کہ جن مسائل و معاملات کو دین اسلام نے اپنے دائرے میں لیا ہے، ان میں کوئی ایسا طرز فکر یا طرز عمل اختیار کرنا
جس کے لئے دین کے اصلی مآخذ میں کوئی دلیل و حجت موجود نہ ہو۔ اس تعریف کی رو سے وہ مسائل و معاملات، یا مسائل
و معاملات کے وہ پہلو جن میں دین نفیاً یا اثباتاً کوئی نعرہ نہیں کرتا۔ جن کے متعلق صاحب شریعت نے خود فرمادیا
کہ انتم اعلم باصواری دنیاکم۔ بدعت و سنت کی بحث سے خود بخود خارج ہو جاتے ہیں۔ کسی چیز کے بدعت ہونے یا
نہ ہونے کا سوال صرف انہی امور میں پیدا ہوتا ہے، جن میں انسان کی رہنمائی کرنا دین نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ اور جن میں
اللہ اور اس کے رسول نے احکام دیئے ہیں یا اصولی ہدایات عطا فرمائی ہیں! خواہ وہ عقائد اور خیالات و اقوال

کے باب سے تعلق رکھتے ہوں، یا اخلاق سے، یا عبادات اور مذہبی رسوم سے، یا معاشرت، تمدن، سیاست، معیشت اور دوسری اُن چیزوں سے جنہیں عام طور پر دنیوی معاملات سے موسوم کہا جاتا ہے، ان امور میں جب کوئی ایسی بات کی جائے گی جس کے ماخذ کا حوالہ خدا کی کتاب اور اُس کے رسول کی تعلیم و ہدایت میں نہ دیا جاسکتا ہو۔ یا جس کے حق میں دین کے ان ماخذ اِصلیہ سے کوئی معقول دلیل نہ پیش کی جاسکتی ہو، تو وہ بدعت ہوگی، اور اگر وہ کتاب و سنت کی تعلیمات کے خلاف پڑتی ہو تو اس پر بعض بدعت کا نہیں بلکہ فسق اور محصیت کا اطلاق ہوگا !

بدعت کے شرعی مفہوم کی اس تشریح کے بعد یہ بات محتاج کلام نہیں رہتی کہ اس معنی میں جو چیز بدعت ہو اُس کے حسن ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، وہ تو لازماً سیئہ ہی ہوگی اور اس کو سیئہ ہی ہونا چاہیے۔ کیونکہ دین نام ہے اُس نظام کا جو خدا اور اُس کے رسول کی تعلیم و ہدایت پر مبنی ہو۔ اور اس نظام میں بہر حال ایسی کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی جو اس تعلیم و ہدایت پر مبنی نہ ہو۔ ایسی کوئی چیز جب بھی اس میں داخل ہوگی، اس نظام کے مزاج اور اس کی ترکیب کو بگاڑ دے گی۔ پھر کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ کوئی بگاڑنے والی چیز حسن نہ بھی ہو۔ !

اب دیکھئے کہ حضرت عمرؓ نے جس چیز کو ”اچھی بدعت“ کہا تھا۔ کیا وہ واقعی اسی معنی میں بدعت تھی جس میں کوئی شرعی اصطلاح شرع میں بدعت قرار پاسکتی ہے ؟

جہاں تک نفس تراویح کا تعلق ہے، یعنی رمضان میں نماز عشاء کے بعد قیام لیل، وہ تو صرف جائز ہی نہیں، مندوب اور مسنون بھی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دی ہے، اس کو دوسرے دنوں کے قیام لیل سے زیادہ اہمیت دی ہے اور خود اس پر عمل فرمایا ہے۔ جہاں تک اس کے جماعت کے ساتھ پڑھنے کا تعلق ہے، اس پر بھی حضورؐ کے زمانہ میں اور حضورؐ کے علم میں عمل ہوا ہے اور آپؐ نے اسے جائز رکھا ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ مسجد نبویؐ میں مختلف مقامات پر مختلف لوگ رمضان میں رات کے وقت نماز پڑھتے تھے ! جس کو بقنا قرآن یا دہونا وہ اتنا ہی پڑھتا، اور کسی کے ساتھ ایک، کسی کے ساتھ پانچ، کسی کے ساتھ سات، یا کم و بیش مقتدی کھڑے ہو جاتے تھے، پھر جہاں تک ایک جماعت میں سب کو جمع کر کے ایک امام کے پیچھے تراویح پڑھانے کا تعلق ہے، اس پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کئی مرتبہ عمل فرمایا ہے۔ ترمذی۔ ابوداؤد اور دوسری کتب مسنون میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک رمضان کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہبہ ختم ہونے میں سات دن باقی تھے کہ رات کے وقت حضورؐ نے ہم کو نماز پڑھائی، یہاں تک کہ ایک تہائی شب گزر گئی، پھر ایک دن چھوڑ کر ایک روز آدھی رات تک پڑھائی اور اس کے بعد ایک دن چھوڑ کر پھر ایک روز سحری کے وقت تک پڑھاتے رہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اور رمضان کا حال بیان فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے دو یا تین دن مسلسل نماز تراویح پڑھائی، پھر تیسرے یا چوتھے روز جب لوگ جمع ہوئے تو آپؐ نماز پڑھانے کے لئے نکلے، اور بعد میں اس کی وجہ یہ بیان کی کہ کہیں یہ فرض نہ قرار دے دی جائے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ تو مسنون تھا۔ اب جس چیز کو نئی بات کہا جاسکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس طریقہ کو ہمیشہ کے لئے جاری کر دیا۔ اس چیز کو بدعت اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ حضورؐ نے ہمیشہ جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھانے کی وجہ صرف یہ بیان فرمائی تھی کہ کہیں یہ لوگوں پر فرض نہ قرار دے دی جائے، یہ وجہ خود اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ آپؐ کے نزدیک یہ طریقہ راجح ہونا اور تمام حیثیتوں سے

تو پسندیدہ تھا۔ البتہ فرمن قرار پا جانے کا اندیشہ اس میں مانع تھا۔ کہ آپؐ اسے راجح فرمائیں، حضورؐ کی وفات کے بعد اس اندیشہ کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ کیونکہ کسی دوسرے شخص کا عمل کسی چیز کے شرعیعت میں فرمن ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے اس منشاء کو پورا کر دیا جو آپؐ کی اس توجیہ میں مضمر تھا۔ یعنی یہ کہ یہ طریقہ راجح تو ہو مگر مشروع اور سنون طریقہ کی حیثیت سے، نہ کہ فرمن کی حیثیت سے، اس پر بعض لوگوں کو جب بدعت ہونے کا شبہ ہوا تو حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر اسے رد کیا کہ ”یہ اچھی بدعت ہے“ یعنی یہ نئی بات تو ہے، مگر اس نوعیت کی نئی بات نہیں ہے جسے شریعت میں مذموم قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہ نے بالاتفاق اس طریقہ کے رواج کو قبول کیا۔ اور ان کے بعد ساری امت اس پر عمل کرتی رہی۔ ورنہ کون یہ تصور کر سکتا ہے کہ شرعی اصطلاح میں جس چیز کو بدعت کہتے ہیں، اسے راجح کرنے کا ارادہ حضرت عمرؓ کے دل میں پیدا ہوتا! اور صحابہ کی پوری جماعت بھی آنکھیں بند کر کے اسے قبول کر لیتی؟

(۲) مشائخ و عوفیاء کے بعض تذکروں میں یہ ملت ہے کہ فلاں صاحب نے فلاں بزرگ کی قبر پر مراقبہ اور چلہ کیا؟ اور یہ بھی کہ فلاں بزرگ کا یہ قول اور تجربہ ہے کہ فلاں قبر پر اللہ سے دعا مانگتا قبولیت کا سبب ہوتا ہے؟ اس کی دین میں کیا اصل ہے؟

جواب:- ادل تو دین میں اصل چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے، نہ کہ بزرگوں کے اقوال و افعال۔ دوسرے خود بزرگوں کے اقوال و افعال کے متعلق جو مواد تذکروں میں ملتا ہے وہ بھی ایسا مستند نہیں ہے کہ اس کی بنا پر یہ اطمینان کیا جاسکے کہ واقعی ان بزرگوں کے اقوال و افعال وہی تھے، جو ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ ایسی چیزوں کو ماخذ مان کر ان کی پیروی کرنا میرے نزدیک سخت بے احتیاطی ہے۔ محفوظ طریقہ وہی ہے جو ہمیں قرآن و حدیث سے ملتا ہے جس کے دور صحابہ اور دور تابعین میں راجح ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اور جن کو امت کے محدثین اور فقہانے منقح اور رد کر کے رکھ دیا ہے۔ لہذا جو شخص دین کی یقینی اور قابل اعتماد راہ پر چلنا چاہتا ہو۔ اس کو اس محفوظ طریقہ سے تجاوز کا کبھی خیال بھی نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ باہر جو کچھ ہے وہ کم از کم خطرے سے تو خالی نہیں ہے۔ اب اسی معاملہ کو لیجئے جس کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے۔ جو تذکرے ہمیں یہ خبر دیتے ہیں کہ فلاں فلاں بزرگوں نے یہ کام کیا ہے، ان کی روایات کا حدیث کی کسی ضعیف سے ضعیف روایت کے مقابلہ میں بھی آخر کیا پایہ ہے؟ کس سند کی بنا پر یہ اعتماد یا گمان غالب ہو سکتا ہے کہ ان بزرگوں نے واقعی ایسا کیا تھا؟ قرمن کیجئے کہ حقیقت میں انہوں نے ایسا نہ کیا ہو۔ اس صورت میں ان بے سند روایات کی پیروی کر کے ہم آخرت میں کس چیز کا سہارا لے کر جواب دہی کر سکیں گے؟ اگر عاقبت کی ہمیں فکر ہو اور ہم خود اپنی خیر چاہتے ہوں تو یہ کام کرنے سے پہلے ہم کو دین کے محفوظ طریقہ کی طرف رجوع کر کے اطمینان کر لینا چاہیے کہ وہاں کسب فیض یا قبولیت دعل کے لئے یہ راستہ بتایا گیا ہے یا نہیں۔ صحابہ نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر کبھی چلہ کھینچا یا مراقبہ کیا؟ تابعین نے کبھی کسی صحابی کی قبر پر یہ کام کیا؟ فقہاء و محدثین میں سے کسی نے اس کو مشروع طریقہ بتایا؟ سب سے بڑھ کر خود اللہ میاں نے قرآن میں کہیں یہ تعلیم دی کہ قبروں پر حصول فیض یا استجابت دعل کے لئے جاؤ؟ یا اللہ کے رسول نے اس طریق کار کی طرف کوئی اشارہ کیا؟ ان ذرائع سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہو تو اطمینان کے ساتھ یہ کام کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ یہ بالکل غلط

نہ سہی، مشتبہ تو ماننا ہی پڑے گا۔ ایسا مشتبہ کام کر کے کیا میں یہ خطرہ مول نہ لوں گا کہ شاید آخرت میں وہ غلط ثابت ہو اور میں اللہ تعالیٰ کو اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکوں کہ جب دین کی حقیقی راہ معلوم کرنے کے قابل اعتماد ذرائع موجود تھے تو میں مشتبہ ذرائع کی طرف کیوں گیا ؟

(۳) کسی بزرگ کی قبر پر جا کر اس طرح کہنا کہ اے دلی اللہ! آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا کریں ؟ کیا درست ہے ؟
جواب :- کسی بزرگ سے اپنے حق میں دعائے خیر کی درخواست کرنا بجائے خود کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے۔ آدمی خود بھی اللہ سے دعا مانگ سکتا ہے، اور دوسروں سے بھی کہہ سکتا ہے کہ میرے لئے دعا کرو۔ لیکن وفات یافتہ بزرگوں کی قبروں پر جا کر یہ درخواست پیش کرنا، معاملہ کی نوعیت کو بالکل ہی بدل دیتا ہے۔ قبر پر یہ بات کہنے کی دودھی صورتیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ آپ اپنے دل میں، یا چپکے چپکے ایسا کہیں۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ ان بزرگ کی سماعت کی شان وہی کچھ سمجھ رہے ہیں جو اللہ کی ہے کہ :-

أَسْرُوا قَوْلَكُمْ أَوْ أَجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ -

تم اپنی بات آہستہ کہو یا زور سے، وہ تو دلوں کا حال بھی جانتا ہے !

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ زور زور سے ان ولی اللہ کو پکار کر یہ بات کہیں۔ اس صورت میں اعتقاد کی خرابی تو لازم نہ آئے گی، مگر یہ اندھیرے میں تیر چلانا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ پکار رہے ہوں اور وہ نہ سُن رہے ہوں۔ کیونکہ سماع موتی کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا سماع تو ممکن ہو، مگر ان کی روح اس وقت وہاں تشریف نہ رکھتی ہو۔ اور آپ خواہ مخواہ خالی مکان پر آوازیں دے رہے ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی روح تشریف فرما تو ہو مگر وہ اپنے رب کی طرف مشغول ہوں، اور آپ اپنی غرض کے لئے چیخ چیخ کر ان کو اکٹھی اذیت دیں۔ دنیا میں کسی نیک آدمی سے دعا کرانے کے لئے آپ جلتے ہیں تو ہندب طریقہ سے پہلے ملاقات ہوتی ہے، پھر آپ عرض مدعا کرتے ہیں، یہ تو نہیں کرتے کہ مکان کے باہر کھڑے ہو کر بس چیخا شروع کر دیا۔ کچھ پتہ نہیں کہ اندر ہیں یا نہیں ہیں۔ میں تو آرام میں ہیں یا کسی کام میں مشغول ہیں۔ یا آپ کی بات سننے کے لئے خالی بیٹھے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ وفات یافتہ بزرگوں کے معاملہ میں جب ہمارے لئے ان کے احوال معلوم کرنے اور ان سے بالمشافہ ملاقات کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ تو ان کے مکانوں پر جا کر اندھا دھند چیخ پکار شروع کر دینا آخر کس معقول آدمی کا کام ہو سکتا ہے ! دعا کروانے کا یہ طریقہ اگر قرآن و حدیث میں سکھا یا گیا ہوتا، یا اس کا کوئی ثبوت موجود ہوتا کہ صحابہ کے عہد میں یہ راجح تھا۔ تب تو بات صاف تھی۔ بڑے اطمینان کے ساتھ یہ کام کیا جا سکتا تھا۔ لیکن جب وہاں اس کا کوئی پتہ نشان نہیں ملتا تو آخر ایسا طریقہ کیوں اختیار کیا جائے جس کی ایک صورت تو صریحاً صفاتِ الہی کے تصور سے ٹکراتی ہے۔ اور دوسری صورت علانیہ غیر معقول نظر آتی ہے !

(۴) یہ جو دعاؤں میں ”بجاہ فلاں“ اور ”بحرمت فلاں“ کا اضافہ ملتا ہے۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟ سنتِ رسول کیا بتاتی ہے، صحابہ کا کیا معمول رہا ہے ؟ اور اس طرح (بجاہ۔ بحرمت) دعا مانگنے سے کوئی دینی قباحت تو لازم نہیں آتی ؟

جواب :- دعائیں اللہ تعالیٰ کو کسی کے جاہ و حرمت کا واسطہ دینا، وہ طریقہ نہیں ہے جو اللہ اور اس کے رسول پاک کے

ہم کو سکھایا ہو۔ قرآن تو آپ جلتے ہی ہیں کہ اس تحفیل سے بالکل خالی ہے۔ حدیث میں بھی اس کی کوئی بنیاد میرے علم میں نہیں ہے صحابہ کرام میں سے بھی کسی کے متعلق میں نہیں جانتا کہ انہوں نے اس طرح خود دعا مانگی ہو، یا کسی کو اس طرح دعا مانگنے کی تعلیم دی ہو۔ اب میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں میں یہ تحفیل کہاں سے آگیا کہ رب العالمین کے حضور دعا مانگے۔ وقت اُسے کسی بندہ کی جاہ و حرمت کا حوالہ دیں۔ یا اس سے یہ عرض کریں کہ اپنے فلاں بندے کے طفیل میری حاجت پوری کر دے میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا کرنا ممنوع ہے، میں صرف دُعا باقی کہتا ہوں۔ ایک یہ کہ ایسا کرنا اس طریقے کے مطابق نہیں ہے جو رب العالمین نے خود ہمیں دعا مانگنے کے لئے سکھایا ہے۔ اور اُس طریقہ دعا سے بھی مطابقت نہیں رکھتا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے براہ راست شاگردوں کو بتایا تھا۔ اس لئے اس سے اجتناب ہی کرنا چاہیے۔ کیونکہ حضور اور تمام انبیاء علیہم السلام آخری نبی بنانے کے لئے تو آئے تھے کہ خدا اور بندوں کے درمیان ربط و تعلق کی صحیح صورت کیا ہے اور جب انہوں نے اس کی یہ صورت نہ خود اختیار کی، نہ کسی کو سکھائی، تو جو شخص بھی اسے اختیار کرے گا وہ معتبر چیز کو چھوڑ کر غیر معتبر چیز اختیار کرے گا۔ دوسری بات میں یہ کہتا ہوں کہ مجھے تو اس طریقہ دعا میں بڑی کراہیت محسوس ہوتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی دوسرا شخص اُس کے معنی سے صرف نظر کر لے اور اُس میں کراہیت کا وہ پہلو محسوس نہ کرے جو مجھے نظر آتا ہے۔ میں جب اس طرز دعا کے مضمرات پر غور کرتا ہوں تو میرے سامنے کچھ ایسی تصویر آتی ہے کہ جیسے ایک بہت بڑی سخی دانا ہستی ہے، جس کے دروازہ سے ہر کہ دمہ کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ جس کا فیض عام ہے۔ جس کا دربار کھلا ہے، جس سے ہر مانگنے والا مانگ سکتا ہے۔ اور کسی پر اُس کی عطا و بخشش بند نہیں ہے۔ ایسی ہستی کے حضور ایک شخص آتا ہے اور اس سے سیدھی طرح یہ نہیں کہتا کہ اے کریم و رحیم! میری مدد کر۔ بلکہ یہ کہتا ہے کہ اپنے فلاں دوست کی خاطر میری حاجت پوری کر دے، مانگنے کے اس انداز میں یہ بدگمانی پوشیدہ ہے کہ وہ اپنی صفت رحم و کرم کی وجہ سے کسی کی دستگیری کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ اپنے دوستوں اور چہیتوں اور مقربوں کی خاطر احسان کر دیا کرتا ہے! ان کا واسطہ نہ دیا جائے تو گویا آپ اس کے ہاں سے کچھ پالنے کی امید نہیں رکھتے۔ اور بجاہ فلاں کہہ کر مانگنے میں تو معاملہ بدگمانی سے بھی آگے نکل جاتا ہے! اس کے معنی تو یہ ہیں گویا آپ اس پر دباؤ ڈال رہے ہیں۔ کہ میں فلاں بڑے آدمی کا متوسل آیا ہوں، میری درخواست کو کسی بے وسیلہ آدمی کی سی درخواست سمجھ کر نہ ٹال دیجئے گا۔ اگر یہ اس طرز دعا کے مضمرات نہ ہوں تو مجھے سمجھا دیا جائے، بڑی خوشی ہوگی کہ میرے دل کی کھٹک اس معاملہ میں نکل جائے گی۔ لیکن اگر اس کے واقعی مضمرات یہی ہوں تو میں نہیں سمجھتا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا صحیح تصور رکھتا ہو وہ ایسا طرز دعا اختیار کرنے کا خیال بھی کیسے کر سکتا ہے!

(مولانا مودودی نے اپنے دوسرے خط میں تحریر کیا ہے کہ ”پچھلے مضمون میں آپہنیں فلاں اور بجاہ فلاں کے متعلق جو کچھ

میں نے لکھا ہے، اس کے ساتھ ہدایہ کی یہ عبارت بھی شامل کر دیں :-

و یکرہ ان یقول اللہ جل فی دعائہ بحق فلاں و بحق انبیاءک و درسلک لانہ لاحق للمخلوق علی الخالق۔

اور یہ مکروہ ہے کہ آدمی اپنی دعا میں بحق فلاں، بحق انبیاء و رسل کہے، کیونکہ مخلوق کا خالق پر کائنات حق نہیں ہے!

عملی شرک

...إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكُمُونَ مِنْ قَبْلُ - (ابراہیم)

(اس سے پہلے جو تم نے مجھے خدائی میں شریک بنا رکھا تھا، میں اس سے بری الذمہ ہوں)

یہاں پھر شرکِ اعتقادی کے مقابلہ میں شرک کی ایک مستقل نوع، یعنی شرکِ عملی کے وجود کا ایک ثبوت ملتا ہے، ظاہر بات ہے کہ شیطان کو اعتقادی حیثیت سے تو کوئی بھی نہ خدائی میں شریک ٹھہراتا ہے، اور نہ اس کی پرستش کرتا ہے، سب اس پر لعنت ہی بھیجتے ہیں، البتہ اس کی اطاعت اور غلامی، اس کے طریقہ کی اندھی یا آنکھوں کی بھی پیروی ضروری جا رہی ہے، اور اسی کو یہاں شرک کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کوئی صاحبِ جواب میں فرمائیں کہ یہ تو شیطان کا قول ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے! لیکن ہم عرض کریں گے کہ اول تو اس کے قول کی اللہ تعالیٰ خود تردید فرمادیتا۔ اگر وہ غلط ہوتا، دوسرے شرکِ عملی کا صرف یہی ایک ثبوت قرآن میں نہیں ہے بلکہ اس کے متعدد ثبوت پھیل سورتوں میں گزر چکے ہیں اور آگے آ رہے ہیں۔ مثال کے طور پر یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ الزام کہ وہ اپنے اجارہ درمیان کو اربابِ من دون اللہ بنائے ہوئے ہیں (آل عمران - ۷) جاہلیت کی رسمیں ایجاد کرنے والوں کے متعلق یہ کہنا کہ پیروں نے انھیں خدا کا شریک بنا رکھا ہے (الانعام) خواہ مشابہتِ نفس کی بندگی کرنے والوں کے متعلق یہ فرمانا کہ انہوں نے اپنی خواہشِ نفس کو خدا بنا لیا ہے، (الفرقان - رکوع ۱۷) تا فرمان بندوں کے متعلق یہ ارشاد کہ وہ شیطان کی عبادت کر رہے ہیں (یس - رکوع ۱۷) انسانی ساخت کے قوانین پر چلنے والوں کو ان الفاظ میں ملامت کہ اذین خداوندی کے بغیر جن لوگوں نے تمہاری شریعت بنائی ہے، وہ تمہارے "شریک" ہیں۔ (الشوریٰ رکوع ۲۳) یہ سب کیا اس عملی شرک کی نظیر نہیں ہیں، جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے، ان نظیروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی یہی ایک صورت نہیں ہے کہ کوئی شخص غیر اللہ کو عقیدتاً خدائی میں شریک ٹھہرائے، اس کی ایک دوسری صورت یہ بھی ہے کہ وہ خدائی سند کے بغیر یا احکامِ خداوندی کے علی الرغم، اس کی پیروی اور اطاعت کرتا چلا جائے، ایسا پیرو اور مطیع اگر اپنے پیشوا اور مطلع پر لعنت بھیجتے ہوئے بھی عملاً یہ روش اختیار کر رہا ہو، تو قرآن کی رو سے وہ اس کو خدائی میں شریک بنائے ہوئے ہے، چاہے شرع میں اس کا حکم بالکل وہی نہ ہو، جو اعتقادی مشرکین کا ہے!

(تفہیم القرآن - جلد دوم - ابوالاعلیٰ مودودی)

مولانا قاری محمد طیب

علم غیب

کتاب سنت اور عقل و نقل کی روشنی میں

مسئلہ علم غیب کے سلسلہ میں سب سے پہلا مرحلہ اس کی تعریف کا ہے کہ وہ کیا ہے اور اس کے معنی کیا ہیں۔ سو اس سلسلہ میں خاتم المحققین حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ علم غیب کی تعریف کرتے ہوئے فتح الغریب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”زیرا کہ من (بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) عالم غیب نیستم و ادعاء امن علم نمی کنم چنانچہ سابق ازیں موجودان شہما از جنیباں می کردند۔ بلکہ پروردگار من عالم الغیب است و غیر اورا میں علم حاصل نیست زیرا کہ غیب نام چیز نیست کہ از ادراک ہو اس ظاہرہ و باطنہ غائب باشد نہ حاضر۔ تا بمشاہدہ ماہ آں دریا فتنہ شود و اسباب و علامات آں نیز در نظر عقل و فکر اں در نیاید تا بہ ہدایت استدلال دریا فتنہ شود۔ (فتح الغریب پارہ تبارک الذی ص ۱۷۲)

کیونکہ میں (یعنی بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) عالم غیب نہیں ہوں۔ اور اس علم کا ادعا نہیں کرتا جیسا کہ اس سے پہلے تمہارے (فرضی موجود) جنات کیا کرتے تھے۔ بلکہ میرا پروردگار، عالم الغیب ہے، اس کے سوا کسی کو یہ علم حاصل نہیں۔ کیونکہ غیب نام اس چیز کا ہے جو ظاہری اور باطنی حالتوں کی دریافت سے غائب ہو۔ ان سے مستحضر نہ ہو سکے۔ کہ اسے مشاہدہ سے دریافت کر لیا جائے، نیز اس کے اسباب و علامات بھی عقل و فکر کی نظر میں نہیں آسکتے۔ کہ استدلال ہی سے حاصل ہو جائے۔

امام رابع آیت کریمہ یقدر فون بالغیب کے تحت لکھتے ہیں :-

قوله و یقدر فون بالغیب من مکان بعید ائی من حیث لا یدر کونہ ببصرہم
ولا بصیرتہم!

اللہ تعالیٰ کے قول و یقدر فون بالغیب میں غیب کے معنی یہ ہیں کہ نہ اس کو ادراک بصر (حاشہ نگاہ) سے کر سکیں گے نہ بصیرت یعنی کسی اندرونی حالت سے کر سکیں گے۔

ظاہر ہے کہ بصیرت اندرونی وجدان ہے جو عقل و فکر اور سوچ بچار یا کشف و انکشاف سے بنتا ہے اس لئے حاصل یہ نکلا کہ غیب وہ ہے جو انسان کی اپنی کسی بھی ادراکی قوت سے خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی حاصل نہ ہو سکے۔ پھر وہ کیسے حاصل ہو؟ سو اس کے بارے میں خود امام رابع ہی لکھتے ہیں کہ :-

والغیب فی قولہ تعالیٰ یؤمنون بالغیب ما لایقع تحت الحواس ولا تقضیہ
بدراہة العقول واما یعلم بحبر الانبیاء علیہم السلام (مفردات بالغیب ص ۳۷)
اور غیب اللہ تعالیٰ کے قول یؤمنون بالغیب میں وہ ہے کہ جو نہ حواس کی گرفت میں آسکے نہ
عقلی تقاضوں سے دریافت ہو سکے بلکہ وہ صرف انبیاء کی خبر سے جانا جائے !

بہر حال یہاں تک غیب کی تعریف یہ نکلی کہ حواس و عقل اور کشف و انکشاف سے بالاتر ہو۔ صرف پیغمبر کی خبر سے دریافت ہوتا
ہو۔ لیکن غیب کے یہ معنی ظاہر ہے کہ ہمارے اعتبار سے ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ پیغمبر کی اطلاع کا تعلق ہم ہی سے ہے۔ لیکن اگر خود پیغمبر کے
بارے میں سوال ہو کہ انہیں یہ علم کیسے حاصل ہوا تو ظاہر ہے کہ پیغمبر کے لئے خود اسی پیغمبر کی خبر کو ذریعہ علم کہتا تو لایعنی بات ہوگی اسلئے
قدتی طور پر یہی کہا جائے گا کہ علم غیب کے لئے جو وسائل امت کے حق میں منفی ہیں، یعنی عقل و نظر اور فکر و بصیرت وغیرہ کہ
ان سے امت کو علم غیب حاصل نہیں ہو سکتا، وہ نبی کے حق میں بھی بدستور منافی رہیں گے۔ کہ انبیاء کو بھی ان وسائل سے علم غیب
حاصل نہیں ہوگا۔ البتہ خبر پیغمبر کے بجائے پیغمبر میں خدا کی خبر ذریعہ علم غیب بنے گی۔ جس کو وحی کہتے ہیں۔ حاصل یہ نکلا کہ علم غیب کا
ذریعہ مخلوق کے لئے صرف وحی ہے۔ جو پیغمبر پر برادر است ہوتی ہے۔ اور امتی کماں کی نقل و اسطہ پیغمبر پہنچتی ہے اور اس طرح
نبی اور امتی صرف خدا کی اطلاع ہی سے غیب پر مطلع ہو سکتے ہیں۔ خود اپنی کسی اور کی طاقت عقل و نظر یا حس و وجدان سے
مطلع نہیں ہو سکتے۔ !

اب آگے یہ سوال کہ خدائے برحق غیب پر کس طرح مطلع ہے ؟

تو اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ وہ بلا کسی سبب اور بلا کسی وسیلہ کے خود بخود اس پر مطلع ہے، اس کا علم وسائل کا محتاج
نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی خود ہر کمال کا سرچشمہ ہے اور ساتھ ہی محیط الكل بھی ہے، تو وسیلہ آئے تو کہاں سے آئے۔
مثلاً اگر اس کا علم کسی بیرونی ذریعہ سے حاصل شدہ مانا جائے تو اس سے باہر ہے کون، جو اسے علم پہنچائے، وہ خود ہی سبب کا
ماہر کہ اس کا لامحدود احاطہ کے ہوتے ہوئے باہر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب اس کا احاطہ ہر جہت میں لامحدود ہے۔
واللہ بكل شیء حیط۔ نیز اس کے علمی احاطہ سے کوئی چیز باہر رہتی ہی نہیں۔ کہ باہر کسی علمی وسیلہ کی بود نمود ہو۔ و احاطہ بكل شیء علماً
اگر اس سے اول کوئی وسیلہ علم مانا جائے تو اس سے پہلا ہے کون۔ جو اسے علم سکھائے، کہ وہی سبب کا اول ہے، اس کے بعد اگر
کسی کو وسیلہ مانا جائے، تو اس کا بعد ہے کب کہ کوئی اس کے بعد آئے۔ کیونکہ وہی سبب کا بعد اد آخر ہے۔ اس کے اوپر کوئی
وسیلہ علم مانا جائے تو اس سے اوپر کون ہے۔ کہ اس پر علم کا اثر ڈالے کہ وہی سبب سے اوپر ہے اور اس کے اندر ذات سما لگ کوئی
استعداد اور قوت مانی جائے جو علم قبول کرے، تو اس کے اندر غیر ذات ہے کون، جو باہر کا علمی اثر قبول کرے کہ وہی سبب کا
اندرون اور باطن ہے !

ہو الاول لیس قبلہ شیء و هو الاخر لیس بعدہ شیء و هو الظاہر لیس فرقہ شیء
و هو الباطن لیس دونہ شیء۔

وہی اول ہے اس سے قبل کوئی شے نہیں۔ وہی آخر ہے اس کے بعد کوئی شے نہیں۔ وہی ظاہر ہے

اس سے اوپر اور نمایاں کوئی شے نہیں۔ وہی باطن ہے اس کے اندر کوئی شے نہیں !

غرض اللہ تعالیٰ ہی کی وہ ذات ہے جو اول، آخر، ظاہر و باطن ہے ! جس میں صفات کمال بھری ہوئی نہیں ہیں۔ بلکہ اس کی

ذات سے صادر ہو رہی ہیں۔ منبع کمال خود ذات ہے، ذات کو صفات کمال سے عروج نہیں ہے بلکہ صفات کمال کو ذات سے عزت ملی ہے کہ وہ اس سے اسی طرح پھوٹ رہی ہیں جیسے سورج سے شعاعیں پھوٹتی ہیں۔ پس جیسے سورج کی عزت کرنوں سے نہیں بلکہ کرنوں کی عزت ذات سے ہے۔ کہ اس سے وابستہ ہیں۔ ایسے ہی علمی اور عملی کمالات سے اسے عزت نہیں ملی بلکہ ان کمالات کی عزت اس لئے ہے کہ وہ ذات عزت کے آثار ہیں۔ اور اس سے مراد شدہ ہیں!

پس ذات خزل نہیں ہے کہ صفات اس میں پانی کی طرح بھری ہوئی ہیں۔ بلکہ صمد ہے، کھوس ہے کہ ہر کمال ذات کا جو ہر ہے۔ جو ذات سے مراد ہو رہا ہے، اس لئے غیب اس کی ذات کا جو ہر ہے۔ کسی حارجی، داخلی یا اوپر نیچے کے وسیلے یا سبب سے حاصل شدہ نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب ذات خود بذاتہ عالم الغیب ہے تو علم غیب اصل میں ذات حق کی چیز ہوتی کسی غیر کی نہ ہوتی۔ کیونکہ جو غیر بھی غیب پر مطلع ہوگا وہ اس کے واسطہ سے ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ علم کا کسی واسطہ سے آنا ہی اس کی دلیل ہے۔ کہ وہ علم اپنا نہیں۔ جیسے بلا واسطہ از خود ہونا اس کی دلیل ہے کہ وہ علم اپنا ہے، اس سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ علم غیب صرف حق تعالیٰ کی چیز ہے، ہم میں علم غیب کی جامع تعریف بھی نکل آئی کہ:-

علم غیب وہ ہے جو بلا واسطہ اسباب ہو، جب بھی وہ بلا واسطہ آئے گا تو وہ حقیقی معنی میں علم غیب نہ ہوگا۔ بلکہ علم غیب کی ہو ہو حکایت اور من وعن نقل ہوگی۔ اور سب جانتے ہیں کہ علم کے عادی وسائل میں سے وحی الہی بھی ایک وسیلہ ہے، بلکہ اولین وسیلہ ہے، جس کے توسط سے عالم بشریت کے علم کی ابتدا ہوتی ہے!

کشف ہو یا الہام، فراست ہو یا وجدان، سب بعد کے وسائل اور وحی کے دست نگر توابع میں سے ہیں۔ خود اصل نہیں۔ اس لئے عادتاً حصول علم کا سب سے پہلا، سب سے زیادہ، قطعی اور یقینی وسیلہ یہی وحی الہی ہے! جس کے ذریعہ سے انسان علم سے آشنا ہو کر عالم کہلاتا ہے۔ پس جیسے سمع، بصر، عقل و خرد، حدس و تجربہ، کشف و الہام، علم کے کھلنے اور چھپے ذرائع ہیں۔ جن کے راستے سے عالم الغیب والشہادۃ اس علوم و جہول انسان کو علم سے سرفراز فرماتا ہے۔

ایسے ہی وحی بھی ایک رفیع المنزلت اور لطیف ترین وسیلہ علم ہے، جو صرف انبیاء علیہم السلام جیسے لطیف الاجسام، لطیف الارواح، لطیف القلوب اور لطیف الامرار مقدس گروہ کو عطا ہوتا ہے اور وہ اس کے واسطہ سے علوم الہیہ، مرضیات خداوندی اور شرائع ربانی کو جذب کرتے ہیں! یا ان کی پاکیزہ ارواح غیب کے عالم کی طرف رخ کرتی ہیں جو عام نگاہوں سے ادجھل اور تمام علوم و کمالات کا سرچشمہ ہے۔ وہاں انھیں حقائق اور ملکوت کا روحانی مشاہدہ ہوتا ہے اور وہ ان سے علم اخذ کر کے دنیا کو دیتی ہیں۔ جس سے دنیا میں علم کی روشنی پھیلتی ہے اور جن و بشر عالم کہلائے جانے کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ وحی کے سوا دوسرے وسائل کسی ہیں، جنہیں مشق و محنت اور ریاضت و مجاہدہ سے حاصل کر کے حصول علم کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن وحی الہی نبوت کے بغیر نہیں ہوتی اور نبوت محض ایک مہبت الہی ہے جو بہ انتخاب خداوندی منتخب افراد بنی آدم کو دی جاتی ہے۔ اس لئے وحی بھی ایک مہبت ربانی ہے جو بلا کسب و مجاہدہ محض عطا الہی سے مخصوص نفوس قدسیہ کو دی جاتی ہے!

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ

اس لئے وحی کا علم قطعی اور یقینی ہوتا ہے جس میں شک کی ادنیٰ گنجائش نہیں ہوتی کہ ان کی بنیاد انتخاب الہی اور عطا ربانی کی طاقتوں پر ہے۔ جس میں زوال یا اضمحلال کی کوئی صورت نہیں۔ اور وحی کے سوا ہر وسیلہ علم سے حاصل شدہ یقینی اور غیر یقینی دونوں جہتوں میں منقسم ہو سکتا ہے کہ اس کی بنیاد خود بشری قوت پر ہوتی ہے۔ جو کمزور بھی ہے اور ممکن الزوال بھی ہے!

لیکن اس کب اور وہیب کے فرق سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وحی اور غیر وحی دونوں علم کے وسائل ہیں۔ جو عادتاً بنی آدم کو دیئے گئے ہیں۔ جن میں سے بعض وسائل بڑا استثنا ہر انسان کو حسب لیاقت عطا ہوئے، جیسے سمع، بصر اور عقل و خرد و غیرہ اور بعض مخصوص طبقات کو ملے ہیں۔ جیسے کشف و الہام وغیرہ۔ اور بعض اخص خواص طبقہ کو دیئے گئے۔ جیسے وحی خداوندی جو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ہم علم غیب کی تعریف کی روشنی میں عرض کر چکے ہیں۔ کہ اس کے معنی بلا واسطہ سبب علم کے ہیں۔ اس لئے پیغمبروں کی خیر سے ہمیں اگر وہی علم حاصل ہو جو ان کو ہوتا ہے۔ تو وہ علم غیب نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ ایک عادی سبب یا واسطہ پہنچا اس لئے اسے حکایت و بیان علم غیب کہا جائیگا، حقیقی علم غیب نہیں کہا جائیگا۔ کیونکہ علم وحی کے وسیلہ سے پہنچا ہے اور علم غیب وہ ہے جو عادی اسباب کے واسطہ سے سامنے نہ آئے !!

اس سے زبیاں ہو جاتا ہے کہ علم غیب کے معنی لغت میں تو کسی مخفی شے کے جان لینے کے ہیں۔ لیکن شریعت میں علم غیب کا لفظ لغت نہیں بلکہ اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی چھپی ہوئی یا غائب اشیاء کے جان لینے کے نہیں بلکہ اس علم کے ہیں جو عادی وسائل کے واسطہ کے بغیر خود بخود حاصل ہو۔ یعنی وہ اسباب عادیہ سے غائب ہو اور جو ان کے ذریعہ نمایاں نہ ہو۔

مثلاً۔ ہم جو اس قسم کے ذریعہ محسوسات کا علم حاصل کریں تو اسے علم غیب نہیں کہا جائے گا۔ گو علم سے پہلے یہ محسوسات ہم سے غائب اور مخفی تھیں اور بلحاظ لغت ان کے علم کو علم غیب کہنے کی گنجائش ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اصطلاحی علم غیب نہ ہوگا۔ کیونکہ ان محسوسات کا علم ہم نے ان اسباب کے ذریعہ حاصل کیا جو عادتاً اس علم کے حصول کے قدرتی اسباب ہیں۔ یا مثلاً ہم نے سوچ بچار، عقل و تدبیر اور فکر و نظر سے چند نامعلوم نتائج معلوم کر لئے جو بلاشبہ ہمارے لحاظ سے غیب تھے۔ لیکن نہیں کہا جائے گا کہ ہمیں علم غیب حاصل ہو گیا۔ کیونکہ ان نتائج کا ادراک ہمیں فکر و نظر اور سوچ بچار کے وسیلہ سے ہوا۔ جو اس علم کے حاصل کرنے کے طبعی اسباب ملنے جاتے ہیں اور اسباب طبعیہ کے توسط سے جو علم حاصل ہوا اسے اصطلاح میں علم غیب نہیں کہا جاتا !

یا مثلاً تجربہ سے ہمیں بہت سی مخفی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں، جو نا تجربہ کاروں کو معلوم نہیں ہوتیں، مگر پھر بھی ان مخفیات کے علم کو علم غیب نہیں کہیں گے۔ کیونکہ تجربہ خود آ لائے علم میں سے ہے، جو عادتاً تجرباتی علوم کے لئے بطور سبب اور وسیلہ کے استعمال ہوتا ہے۔

یا مثلاً اہل الشاؤر اولیائے کرام کو کشف و الہام کے ذریعہ کسی بات کا علم ہو جائے جو یقیناً ایک مخفی امر تھا تو لغتاً تو اسے علم غیب کہہ سکیں گے کہ غیبی امور کا انکشاف ہوا۔ لیکن شرعاً علم غیب نہ کہیں گے۔ کیونکہ کشف و الہام بھی بہر حال حصول علم کا ایک قدرتی اور عادی وسیلہ ہے۔ جو مخصوص افراد کو دیا جاتا ہے اور وہ اس کے ذریعہ بڑے بڑے امور پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ !

بہر حال علم کے حسی وسائل ہوں یا معنوی، کھلے ہوئے ذرائع ہوں یا چھپے ہوئے، ان سے حاصل شدہ علم کو شرعاً علم غیب نہیں کہا جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ جب اصطلاحاً علم غیب وہی ہوگا جو عادی وسائل سے بالاتر ہو کر بلا توسط اسباب از خود ہو۔ تو حاصل یہ نکل آیا کہ علم غیب بجز ذات بابرکات خداوندی اور کسی کے لئے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ غیر خدا کو جب بھی علم ہوگا اور جیسا بھی ہوگا۔ وہ عطا الہی ہوگا۔ اور مذکورہ وسائل میں سے کسی نہ کسی وسیلہ کے واسطہ سے ہوگا، خواہ

وحی سے ہو یا کشف الہام سے، تجربہ سے ہو یا خواص سے ہو، یا عقل و خرد سے۔ یعنی ظاہری وسائل کے راستہ سے ہر یا باطنی اور معنوی اسباب کے طریق سے۔!

اس لئے علم غیب خاصہ خداوندی نکل آتا ہے اور یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ کسی بھی بشر کو علم غیب حاصل نہیں۔ جبکہ کوئی بھی غیر الہ بلا توسط اسباب خود بذاتہ عالم نہیں ہو سکتا۔ خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء۔ ملائکہ ہوں یا ارواح قدسیہ۔ یہ الگ بات ہے کہ انبیاء اور بالخصوص سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام مخلوقات کے علوم سے بدرجہا زائد اور فائق ہے۔ لیکن پھر بھی وہ حاصل شدہ علم بہر حال وحی سے ہے، جو اسباب عادیہ میں سے علم کا ایک سبب اور اعلیٰ ترین سبب ہے۔ اس لئے کسی پیغمبر کو بھی عالم الغیب کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ قرآن حکیم نے علم غیب کو حصر کے ساتھ جگہ جگہ صرف الہ ہی کی ذات کی طرف منسوب اور اسی کے ساتھ مخصوص بتلایا ہے۔ فرمایا :-

فَلَنْ يَأْتِيَ الْغَيْبَ لِلَّهِ فَإِنَّتَظِرُوا لِي مَا مَلَائِكَةٌ مُنْتَضِرِينَ۔
تو کہہ دے کہ غیب کی بات اللہ ہی جلنے سے منتظر رہو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

لَا يَخْلَعُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبُ إِلَّا اللَّهُ۔
وَاللَّهُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ۔!
اور اللہ کے پاس ہر چھپی بات ہر آسمانوں کی اور زمین کی اور اسی کی طرف رجوع ہے!

وَعِنْدَكَ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ۔
اور اسی کے پاس کھیاں ہیں غیب کی کہ ان کو کوئی نہیں جانتا، اس کے سوا۔!

وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَاسْتَكْتَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ
وَمَا مَسَّنِيَ الشُّوْعُ
اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھ کو بُرائی کبھی نہ پہنچتی۔

پہلی آیت میں مثبت انداز میں انما کے ساتھ علم غیب کا اثبات صرف اللہ کے لئے کیا گیا جو حصر کا کلمہ ہے، دوسری میں نفی عام کے بعد استثنائے کلمہ سے علم غیب کو صرف اللہ کے ساتھ مخصوص فرمایا گیا جو حصر کی ترکیب ہے۔ تیسری آیت میں تقدیم خبر تاخیر مبتدا کے ساتھ مرجع الامر اور عالم الغیب صرف ذات حق کو بتلایا گیا جو حصر کا اسلوب ہے۔ اور چوتھی آیت میں سید الاولین والآخرین نے حکماً اور مامور ہو کر اپنے سے علم غیب کی نفی فرمائی اور جب آپ کو ہی علم غیب نہیں جو کمالات بشری کے منہما اور خاتم ہیں۔ تو مخلوقات میں کون رہ جاتا ہے جس کے لئے یہ کمال ثابت کیا جائے!

اس لئے نتیجاً علم غیب کا استحقاق اور ثبوت حصر کے ساتھ صرف حق تعالیٰ کے لئے ہی رہ جاتا ہے اور حاصل یہ نکل آیا کہ عطائے علم حقیقی علم غیب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ قرآنی تصریحات کے مطابق علم غیب صرف اللہ رب العزت کو ہے اور کسی کو نہیں!

اس سے دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ علم غیب کا لفظ مختصیات اور مغنیات ہی کے ساتھ خاص نہ ہوگا، جبکہ اس کے معنی ہی مخفی شے کے جلنے کے نہیں، بلکہ بلا سبب بالذات جاننے کے ہیں، خواہ وہ چھپی ہوئی ہو یا کھلی ہوئی۔ اس لئے آسمان و زمین کا جانتا، ذروں اور ستاروں کا علم اور ستارے کی محوسات کا علم بھی علم غیب ہو سکتا ہے، اگر بلا توسط اسباب عادیہ ہو یعنی عطا و غیر نہ ہو۔ بلکہ ذاتی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ بالذات ہر شے کا ادراک کما ہی حق تعالیٰ کے سوا دوسرے کو نہیں۔

کیونکہ اس کا علم کسی وسیلہ اور ذریعہ کا محتاج نہیں، بلکہ ذاتی ہے، اس لئے جو اپنے ذاتی علم سے جو چیز بھی جانتا ہے مثلاً اسے علم غیب کہیں گے، خواہ وہ شے معلوم لغوی غیب ہو یعنی مخفی ہو یا لغوی شاہد ہو یعنی مشاہد ہو۔ غرض نہاں و عیان سب کے علم کو علم غیب کہیں گے، جبکہ وہ بالذات ہو، نہ کہ محض مخفی شے کے علم کو علم غیب کہا جائے گا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ علم غیب کا مخفی ہونا ہمارے لحاظ سے ہے نہ کہ حق تعالیٰ کے لحاظ سے کہ اس کے سامنے تو ہر چیز ہمہ وقت حاضر اور عیاں ہے، اگر چھپی ہوئی اور اوجھل شے کے جاننے کا نام علم غیب ہوتا تو حق تعالیٰ کو کسی وقت بھی عالم الغیب نہ کہہ سکتے۔ وہاں کوئی چیز بھی غیب یعنی مخفی اور اوجھل ہے ہی نہیں۔ اس سے واضح ہے کہ ذات حق میں علم غیب کے معنی مخفیات کے علم نہیں بلکہ بالذات علم کے ہیں جو اسباب عادیہ کے واسطے بغیر اور ان سے بالاتر ہو کر محض ذات سے ہو اور ذات ہی علوم کے منشاء انکشاف ہو اور یہ صرف اسی کی ذات بابرکات کے ساتھ مخصوص ہے!

بخلاف بشر کے کہ بہت سی مخفیات اور امور غائبہ کے بعد بھی اُس سے غائب ہی رہتی ہیں، جیسے جنت و نار، عرش و کرسی، نور و قلم وغیرہ کا قطعی علم اور حتمی عقیدہ رکھتے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ استیہار ہم سے غائب ہیں۔ اس لحاظ سے لغوی توسعات اگر عالم الغیب کہلایا جاسکتا تھا تو صرف انسان نہ کہ ذات حق۔ لیکن جبکہ شرعاً علم غیب کے معنی بھی یہ نہیں کہ مخفی کو عیان لیا جائے، بلکہ یہ ہیں کہ استیہار کو بلا واسطہ ذاتی طور پر جانا جائے تو اس لحاظ سے اللہ کے سوا کوئی غیر عالم الغیب نہیں ہو سکتا۔ صرف خدا ہی کو عالم الغیب کہنے کا حق ہوگا۔ اس لئے اس کی عمومی شان فرمائی گئی :-

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ هُوَ مَنْ لَمْ يَلْمَسْهُ عَيْنٌ وَلَا يَمَسُّهُ شَيْءٌ
وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ

جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا۔ سب سے بڑا برتر۔ برابر ہے تم میں جو آہستہ بات کہے اور جو کہے پکار کر اور جو چھپ رہا ہے، رات میں اور جو گلیوں میں پھرتا ہے دن کو۔

بس وہ غیب و شہادۃ کو بطور علم غیب کے جانتا ہے، یعنی بلا واسطہ اسباب بذاتہ اس پر مطلع ہے۔ خواہ اُس یہ معلومات ہماری نظر سے چھپی ہوئی ہوں یا ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں۔ بس غیب و شہود ایک تو معلوم کی صفت ہے۔ وہ لغت ہے یعنی آنکھ، ناک، کان وغیرہ جو اس سے اوجھل چیز تو غیب ہے اور ان مدارکات کے سامنے آئی ہوئی چیز مشہور ہے۔ اور ایک غیب صفت علم کی ہے، وہ اصطلاح شریعت ہے جس سے مراد حسب معروضہ سابق وہ علم ہے جو جو اس ظاہر و باطن اور عادی اسباب علم سے بالاتر ہو کر خود ذات میں موجود ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ ذات بجز اللہ کے دوسری نہیں کیونکہ اُس علم خود اپنا اور اپنی ذات سے ہے، کسی کا دیا ہوا یا کسی کے واسطے سے نہیں۔ کہ اسے وسیلہ اور سبب کی ضرورت پڑے۔ اس کے سوا جسے بھی کچھ علم ہے جو اُس کے دینے سے ہے از خود نہیں اور اس کا دینا ہی بالواسطہ علم کا آنا ہے۔ کیونکہ اس عطا یا اسباب ظاہر سے ہوگی جیسے جو اس ظاہر یا اسباب باطن سے ہوگی، خواہ وہ اسباب خفیہ ہی ہوں جیسے عقل و کشف، الہام اور وحی۔ چنانچہ شق اول کے بارے میں ارشاد ربانی ہے :-

وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ
وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

اور اللہ نے تم کو نکالا، تمہاری ماں کے پیٹ سے۔ نہ جانتے تھے تم کسی چیز کو۔ اور دیکھے تم کو کان، آنکھیں اور دل تاکہ تم احسان مانو۔!

شق ثانی کی نسبت فرمایا۔

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ
وَلَكِن جَعَلْنَا نُورًا نَهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا فَإِنَّكَ لَتَهْدَىٰ إِلَىٰ أُمَّةٍ
صَرِيحَةٍ مِّنْهُنَّ -

اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے، تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور
ایمان۔ ولیکن ہم نے رکھی ہے پر روشنی اس سے راہ بچھا دیتے ہیں جس کو ہم چاہیں اپنے بندوں میں
سے۔ اور بیشک تو سیدھی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ !

دوسری جگہ فرمایا۔

ذَٰلِكَ مِّنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَقُولُونَ أَقْلَامُهُمْ
إِيَّهُمْ يَكْتُبُ صَرِيمًا وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ - !

یہ خبریں غیب کی ہیں جو ہم بھیجتے ہیں تجھ کو۔ اور تو نہ تھا ان کے پاس جب ڈالنے لگے اپنے قلموں
کو کہ کون پرورش میں لے مریم کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب وہ جمع کرنے تھے !

بہر حال ذاتی علم کی نفی جسے عام انسانوں سے کی گئی جو ماؤں کے پیٹ سے نکالے ہوئے ہیں، ایسے ہی سید الاولین والآخرین سے
کی گئی اور عطائی علم کا اثبات جیسے عام بشر کے لئے آیت اولیٰ میں کیا گیا ہے جسے اپنے جعل اور اپنے خلق کی طرف منسوب
کے صرف اپنی عطا فرمایا گیا، ایسے ہی سید الاولین والآخرین کے علم کو بھی اپنی ہی عطا کہا گیا۔ اور اپنے جعل کی طرف منسوب کیا گیا۔
یقیناً اتنا ہی ہے کہ وحی عطا رخص ہے، جو بلا کسب و ریاضت کے ہے، کیونکہ رسالت کے تابع ہے اور رسالت کو حیثیت جعل
بالتہ فرما کر مومنین کو قرار دیا گیا ہے ! اور سمع و بصر یا فوادی حرکت کسی ہے، جس میں سوچ، پکار، تجربہ، حدس، اور سوائے اکتسابی
اصل آجاتے ہیں۔

لیکن قدر مشترک دونوں میں یہ ہے کہ انسان خواہ مشاہدات کا علم حاصل کرے یا مخفیات کا۔ چونکہ وہ اسباب عادیہ کے تابع ہے
وہ حسّی ہوں یا معنوی، اس لئے اس کا علم ذاتی نہ ہوگا، عطائی ہوگا اور عطائی علم چونکہ اسباب عادیہ کے تحت تھے۔ اس لئے
اس کے حامل کو "عالم الغیب" نہ کہیں گے، بل حق تعالیٰ کا علم ان چیزوں کے متعلق خواہ وہ کھل ہوئی ہوں یا لغتاً چھپی ہوئی
علم غیب ہوگا۔ کہ سادے اسباب سے بالاتر محض ذاتی ہے جس میں عطائی ہونے کا شائبہ تک نہیں !

اس لئے عالم غیب صرف اللہ کی ذات با برکات ثابت ہوتی ہے جسے عالم الغیب والشہادۃ کہہ کر علی الاطلاق،
مغیب منوایا گیا ہے، پس جہاں غیب و شہادۃ کو تقابل کے ساتھ لایا گیا ہے، وہاں یہ شہادۃ و غیب علم کی صفت نہیں ہوگی بلکہ
لومات کی صفت ہوں گی، جو علم الہی میں آئی ہوئی ہیں۔ جس کو لغتاً شاہد و غائب کہیں گے۔ لیکن جہاں غیب خدا کے
ت کے علم کی صفت بن کر آیا ہے۔ وہاں وہ لغت نہیں بلکہ اصطلاح ہوگا۔ جس کے معنی وہی بلا توسط اسباب ذاتی علم کے
ہو گے، جو از خود کسی کی عطا سے نہ ہو۔ چنانچہ ایک موقع پر فرمایا گیا:

وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ -

اور کوئی چیز نہیں جو غائب ہو آسمان اور زمین میں مگر موجود ہے کھل کتاب میں۔ !

یہاں غائبہ اشیاء معلومہ کو کہا گیا ہے جو صرف ہمارے اعتبار سے غائب ہیں اور نہ اُس پروردگار کے لحاظ سے کوئی چیز غائب نہیں۔ سب اُس کے سامنے حاضر ہے۔!

لَا يَغْرِبُ عَنْهُ صِغَالٌ ذَرَّةَ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ
وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ

غائب نہیں ہو سکتا اس سے کچھ ذرہ بھر آسمانوں اور زمین میں، اور کوئی چیز نہیں اس سے چھوٹی اور نہ اس سے بڑی جو نہیں کھلی کتاب میں!

قرآن کی اس تصریح کے باوجود کہ کوئی چیز بھی اُس سے کسی وقت بھی غائب نہیں، ہر چیز ہمہ وقت اُس کے سامنے حاضر ہے۔ کہ اس کا علم ہی حضور سے حصولی نہیں، پھر بھی اُسے عالم الغیب کہا جا رہا ہے، تو اس کے معنی بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ عالم الغیب ہونے کے معنی اشیاء غائبہ کے جان لینے کے نہیں بلکہ تمام اشیاء کو ذاتی طور پر جاننے کے ہیں۔ جس میں اسباب و وسائل کا ادنیٰ دخل نہ ہو۔ جس سے واضح ہے کہ یہ غیب کسی غائب کی صفت نہیں جو لغت سے بلکہ اسباب سے بالاتر اور بالذات کے معنی میں ہی جو اصطلاح شریعت ہے۔ اس لئے کوئی بشر یا اصطلاح شریعت اور بمعنی مذکور عالم الغیب بن ہی نہیں سکتا۔ کہ اُس کے لئے علم غیب کئی یا جزئی کا سوال پیدا ہو۔ بلکہ غیب بایں معنی (علم بالذات) خاصہ خداوندی ہو گا کہ اُسے کسی نے معاذ اللہ وحی والہام سے یہ باتیں نہیں بتائیں۔ نہ اُس نے کسی تجربہ یا حدس سے یہ علم فراہم کیا۔ کہ یہ سب صورتیں علم بالوسائل کی ہیں۔ علم بالذات کی نہیں۔ اور ان تمام طرق علم میں علم سے پہلے پہل رہتا ضروری ہے، جس سے ذات حق بری اور منزہ ہے!

بہر حال یہاں تک علم غیب کے معنی اور اس کے شرعی حکم کے بارے میں کتاب و سنت کی تشریحات پیش کی گئیں، جن سے علم غیب کا شرعی نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ اب آگے علم غیب کے اس معنی کی تشریح و توضیح اور اس سلسلہ میں کئے گئے شبہات کی مدافعت کی ضرورت رہ جاتی ہے، جنہیں سطور ذیل میں ملاحظہ کیا جائے۔!

علم غیب کی تشریح اور متعلقہ شہادت کا رد

علم غیب کے مسئلہ میں جامع ترین ہدایت نامہ آیت اظہار غیب ہے، جس میں مختلف پہلوؤں سے علم غیب کا حکم، اُس کے اجزاء ترکیبی اور اُس کے راستے نہ صرف حق تعالیٰ کی وحدانیت ہی کا ثبوت پیش کر دیا گیا ہے، جس سے علم غیب کی تخصیص اُس کی ذات بابرکات کے ساتھ نمایاں ہو جاتی ہے! بلکہ دفاعی طور پر آیت کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک انداز بیان سے غیر اللہ سے علم غیب کی کئی نفی اور اس سے متعلق ہر ہر شبہ کا حل اور ہر ایک ذہنی خلجان کا جواب بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ گو یہ آیت مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے علم غیب کے مسئلہ کا جامع حکم اور معجزانہ بیان ہے۔ جس سے اس دائرہ کے تمام شرک آمیز تصورات کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ ارشاد حق ہے:-

عَالِمِ الْغَيْبِ فَلَا يَظْهَرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْمَعُ
مَنْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَمَنْ خَلْفَهُ لَمْ يَحْصُرْهُ إِلَّا مَنْ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْمَعُ
بِمَا لَدَيْهِمْ وَاحْصِيَ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا!

اور غیب کا جاننے والا وہی ہے جو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ ان مگر اپنے کسی برگزیدہ

پیغمبر کو، تو اس پیغمبر کے آگے پیچھے پہرہ چو کی بٹھلا دیتا ہے، و محافظ فرشتے بھیجتا ہے اور خلقی قوتوں کی
 تاکہ بندی کر دیتا ہے، تاکہ اللہ جان لے (دوا جمع کرے) کہ رسولوں نے (رسول ملکی نے نبی تک اور رسول
 بشری نے امت تک) اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دئے۔ اور اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں کا احاطہ
 کئے ہوئے ہے جو ان (رسول) کے پاس ہے۔ اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے!

ترجمہ سے آیت کا مفہوم ظاہر ہے، غور اس پر کیجئے کہ اس معجزانہ کلام میں حق تعالیٰ کو یکہ و تنہا، بلا شرکت غیرے عالم الغیب
 ثابت کرنے کی بنا اس پر رکھی گئی ہے کہ وہی تنہا بلا شرکت غیرے اطلاع دہندہ غیب ہے۔ اسی کے بتانے اور ظاہر کرنے سے کسی کو
 غیب کی اطلاع ہو سکتی ہے، ورنہ کوئی صورت نہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ کسی شے کا پتہ دینے والا وہی ہو سکتا ہے جس کے علم میں وہ
 شے ہو اور پتہ لینے والا وہی ہو سکتا ہے جو اس شے اور اس کے علم سے خالی ہو۔ ورنہ اگر پتہ دینے والا اس سے بھرپور نہ تھا تو اس نے
 پتہ کس چیز کا دیا؟ اور پتہ لینے والا اگر اس سے خالی نہ تھا تو اسے لینے اور دوسرے کے آگے اپنے اختیلاج ظاہر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟
 اس لئے حق تعالیٰ کا اطلاع دہندہ غیب ہونا اس کے عالم الغیب ہونے کی دلیل نکلتا ہے۔ گویا ابتداء آیت میں کلمہ "عالم الغیب"
 ایک دعویٰ ہے اور "فلا یظہر" اس کی دلیل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب یہ اطلاع وہی اسی کے ساتھ مخصوص ہو نا چاہیے جو آیت کا مد علیہ!
 پس آیت کے مفاد کا حاصل یہ نکلا کہ وہی یکہ و تنہا عالم الغیب ہے اور وہی بلا شرکت غیرے اطلاع دہندہ غیب ہے
 غور کیا جائے تو اس دعوے اور دلیل کو قرآن نے ایسے اعجازی اسلوب بیان سے ادا کیا ہے کہ اس دعوے پر جس قدر بھی
 شبہات و سوالات وارد ہو سکتے تھے، ان سب کا جواب اور دفعیہ بھی اسی آیت کے کلمات میں ہی دیا ہے۔ کہیں باہر سے
 جواب لینے کی ضرورت نہیں!

(۱) مثلاً شبہ یہ ہو سکتا تھا کہ اطلاع دہندہ غیب ہونے کی تخصیص حق تعالیٰ کے ساتھ کس طرح قابل تسلیم ہو سکتی ہے۔
 جبکہ بہت سی ان اشیاء سے بھی ہم عینی علوم پر مطلع ہو سکتے ہیں، جن کا عالم الغیب ہونا تو بجائے خود ہے سرے سے
 باشعور ہونا بھی ضروری نہیں، جیسے کتابوں کے اوراق، رسائل و اخبارات کے پرچے۔ ریڈیو، لاسکی اور گراموفون وغیرہ
 کی مشینوں سے بھی کتنے ہی نغنی معلومات اور شرعی و طبعی حقائق کی ہمیں اطلاع ہوتی رہتی ہے۔ تو کیا ان اشیاء کو عالم الغیب
 کہنے کی اس لئے جرات کی جائے گی کہ وہ عینی علوم کی اطلاع دہی کرتی ہیں اور کیا غیب کی یہ اطلاع وہی خاصہ خداوندی
 بات ہے؟ سو اس شبہ کا مسکت اور قاطع جواب اس آیت کے کلمہ "فلا یظہر" میں دیا گیا ہے۔ جس کا حاصل
 یہ ہے کہ اظہار یا اطلاع غیب اختیاری فعل ہے، جو کسی صاحب اختیار ہی سے سرزد ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ روٹی کے
 کاغذ اور لوہے کی مشینیں با اختیار اشیاء نہیں ہیں کہ ارادہ سے اطلاع دہی کا فعل کر دکھلائیں۔ یعنی یہ اشیاء و وسائل
 اطلاع ہیں، اطلاع کنندہ نہیں۔ کہ ان کی غیر ارادی اور غیر شعوری نشاندہی کو اطلاع غیب کہا جائے۔ چہ جائیکہ ان کے
 بارے میں غیب دانی کا کوئی سوال پیدا ہو۔ اس لئے ان مثالوں سے حق تعالیٰ کی اطلاع دہندگی غیب کی خصوصیت
 پر کوئی حرج نہیں آ سکتا!

(۲) مگر اس پر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اگر اطلاع کنندہ غیب کے لئے با اختیار اور باشعور شخصیت ہونا ہی ضروری ہے
 کہ اس کے بغیر اس پر عالم الغیب کا اطلاق کس طرح نہیں آ سکتا تو اس سے ان با اختیار اشخاص کا عالم الغیب ہونا

لازم آئے گا جو اپنے ارادہ و اختیار سے غیبی باتوں کی اطلاع دیتے ہیں۔ گو وہ اس غیب کا خود کوئی شعور نہیں رکھتے۔ مثلاً حدیث نبوی میں ذمہ لیا گیا ہے کہ:-

رب حامل فقیہ غیر فقیہ - کتنے ہی حاملینِ فتنہ خود فقہ سے نابلد ہوتے ہیں!

اندریں صورت یہ غیبی علوم کی اطلاع و خبر رسانی پھر حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہ رہی، جو اس آیت کا سب سے مقصد اور مفاد تھا۔ سو اس شے کو ذائل کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اس اطلاع غیب کی آیت کو اپنے ذاتی نام (اللہ) سے شروع کرنے کے بجائے اپنی صفت عالم الغیب سے شروع فرمایا۔ تاکہ پہلی ہی نظر میں واضح ہو جائے کہ اطلاع دہندہ غیب وہی ہو سکتا ہے جو خود بھی غیب ذاتی کی صفت سے منصف اور عالم الغیب ہو۔ نہ کہ محض اطلاع کنندہ ذریعہ خبر رسانی ہو۔

القرن وحی الہی میں مہبط وحی یعنی نبی کے ذاتی تفکر اور تجربہ اور سعی و جستجو کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا اور نہ خطر اندوزی کی مخفی قوتیں (شیاطین) ذرہ برابر دراندازی کر سکتی تھیں کہ ان پر پہرہ چوکی بٹھا دیا جاتا تھا۔ قبولِ وحی کے لئے نبی کی فطرت ملکی مہبط بن جاتی تھی جو صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ جو علم کا قطعی اور غیر مشتبہ واسطہ اور وسیلہ ہے۔ لیکن پھر وسیلہ ہی ہے، اس لئے وسائل سے حاصل شدہ علم کے حامل کو "عالم الغیب" نہیں کہہ سکتے کہ "عالم الغیب" اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ جس کا علم عطائی نہیں، ذاتی ہے! علم کا اطلاع دہندہ نہیں کہا جائے گا کہ حق تعالیٰ کی وہی غیب میں کسی قسم کے شرک کا داہمہ پیدا ہو۔ پس علم غیب کی اطلاع وہی کی شان صرف حق تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص جیکہ وہی عالم الغیب بھی رہا۔ اور وہ اطلاع دہندہ غیب بھی!۔

(۳) ہو سکتا تھا کہ اس پر کوئی یوں کہے کہ اگر اطلاع وہی غیب کے لئے خود کا غیب سے باخبر ہونا ضروری ہے تو یہ شان غیر اللہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ منجم، جہاز، رمال، کائنات، طبیب، پائمنٹ وغیرہ بہت سی پیشین گوئیاں کرنے مستقبل کی خبریں اپنے علم و مہارت اور ذہن و تخمین سے دیتے ہیں اور وہ بسا اوقات پوری بھی ہو جاتی ہیں۔ نیز اولیاء اپنے کشف و فراست سے بہت سے غیبی حقائق و اسرار پر مطلع ہو کر دوسروں کو مطلع کر دیتے ہیں۔ اور وہ اکثر و بیشتر صحیح واقعہ کے مطابق ہوتی ہیں۔ جو ان کے غیب داں ہونے کے ساتھ ساتھ اطلاع دہندہ غیب ہونے کی بھی بین دلیل تو پھر اطلاع غیب اور علم غیب کی تخصیص ذات حق کے ساتھ کہاں باقی رہی؟

اس شبہ کا جواب بھی فلا یظہر ہی کے کلمہ میں موجود ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے غیب خدا کی اطلاع کے بغیر ممکن نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان خبر دینے والوں میں سے کسی کو بھی یہ باتیں خدائی اطلاع یعنی سے حاصل نہیں ہوتیں، بلکہ یہ لوگ فنی طور پر قواعدِ مومن سے استدلال کر کے ان معلومات تک پہنچتے ہیں۔ جو ظن و حدود سے آگے نہیں بڑھتیں اور سب جانتے ہیں کہ طبعی امور جیسے اتفاقی طور پر واقعہ کے مطابق ہو سکتے ہیں، ایسے خلاف واقعہ بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ کہ ان میں نہ قطعیت کی شان ہوتی ہے نہ یقینی ہونے کی۔ اس لئے جب تک انھیں کبیران میں تول کر ان کے صحیح و غلط ہونے کا فیصلہ نہ کیا جائے، وہ یقین کے قابل نہیں ہوتے۔

ایسے ہی اولیاء اللہ کا کشف، ان کے ریاضت و مجاہدہ کا ثمرہ ہوتا ہے نہ کہ اطلاع حق کا نتیجہ۔ اس لئے وہ شرعاً نہیں ہوتا، کہ اس سے اشتہاء و النہا میں کلیتہً رفع نہیں ہوتا۔ جس سے وہ کتاب و سنت کی طبعی یقین کے لائق

جب تک وحی الہی پر پرکھ کر اس کا کھرا کھوٹا معلوم نہ کر لیا جائے۔ اس لئے اُن کی پیشین گوئیوں کو بھی وہ اُن کے کسب و محنت کے ثمرہ کے طور پر خود اُن ہی میں سے نکلی ہوئی ہیں۔ ذکر اطلاقِ حق سے ظاہر مشہور ہیں، نہ علمِ غیب کہیں گے نہ اطلاقِ غیب۔ چہ جائیکہ خود اُن پر عالمِ الغیب یا اطلاقِ کنتہ غیب کا اطلاق کیا جائے۔ پس عالمِ الغیب اور اطلاقِ دہندہ غیب ہونا صرف حق تعالیٰ ہی کی ذاتِ بابرکات کی خصوصیت رہ جاتی ہے جس میں کوئی اس کا سہیم و شریک نہیں ہو سکتا! اگر اس پر یہ مشبہ کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کا علم تو بہر حال اطلاقِ خداوندی سے حاصل ہوتا ہے، جس سے وہ غیب پر مطلع ہو کر دوسروں کو اطلاق دیتے ہیں اور ساتھ ہی اُن کا یہ علم ظنی بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ قطعی ہوتا ہے کہ وحی سے زیادہ قطعی اور یقینی اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟

اس لئے وہ تو کم از کم اصولِ مذکورہ پر اطلاقِ دہندہ غیب اور عالمِ الغیب کہلائے جانے کے ضرور مستحق ہو جاتے ہیں اور اس صورت میں یقیناً عالمِ الغیب کی صفت حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص باقی نہیں رہتی، جو اس آیت کا مفاد اور منشاء تھا۔ سو اس مشبہ کا ازالہ حق تعالیٰ نے علیٰ غیبہ کے لفظ سے فرمادیا ہے۔ یعنی علیٰ غیبہ کے کلمہ سے غیب کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرما کر اور بالفناء دیگر غیب کو اپنی ذاتی چیز بتلا کر واضح فرمادیا کہ وہ اطلاقِ دہندہ غیب اور عالمِ الغیب اس لئے ہے کہ اس نے کسی سے اطلاقِ پاکر غیب کی اطلاق نہیں دی اور وہ کسی کے بتائے سکھائے سے غیب دان نہیں ہوا۔ بلکہ غیب اس کی اپنی ذاتی چیز ہے اور وہ ہداتہ عالمِ الغیب ہے۔ بخلاف انبیاء و رسل کے کہ وہ اگر غیب کی باتیں اُمت کو بتاتے ہیں، تو نہ اس لئے کہ یہ غیب اُن کی ذات میں تھا یا وہ از خود اُس پر ازل سے مطلع تھے۔ بلکہ اللہ کے بتانے اور سکھانے پر انہوں نے غیبی حقائق پر اطلاق پائی اور اطلاقِ دی، اس لئے انبیاء کرام کو "عالمِ الغیب" نہیں کہہ سکتے کہ اُن کا یہ علم بالواسطہ ہے، گو قطعی اور یقینی ہے، اس لئے علیٰ غیبہ کے کلمہ سے واضح ہو گیا کہ ذاتِ خداوندی غیب دان اور اطلاقِ دہندہ غیب اس لئے ہے کہ غیب اس کی ذاتی چیز ہے اور وہ غیب پر بذاتہ مطلع ہے۔ جس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں!۔

(۵) لیکن اس پر بھی اگر کوئی خفیف العقل یہ کہے کہ اگر علمِ غیب کے لئے بالذات ہونا ضروری ہے جو بلا کسی واسطہ کے اور بغیر کسی کی اطلاق کے از خود ذات سے ابھرے تو ہمارے محسوسات اور معقولات کا علم بھی علمِ غیب ہونا چاہیے، کیونکہ حواسِ خمسہ، آنکھ، کان، ناک، زبان اور جلد سے دیکھ کر، سُن کر، سونگھ کر، چکھ کر اور چھو کر جو کچھ علم ہمیں ہوتا ہے وہ خود ہماری ہی ذات سے ہم میں ابھرتا ہے۔ جس میں کسی دوسرے کی مدد شامل نہیں ہوتی۔ ہم ہی دیکھتے، سُننے ہیں۔ کوئی دوسرا ہماری آنکھ کان سے نہیں دیکھتا، سُنتا، کہ اس کے دیکھنے سُننے کو ہم اپنا علم بنالیں۔ یا خالص عقلی انکشافات میں خود ہماری ہی عقل و قوتِ فکر یہ یا قوتِ خیالیہ ایک علم کا انکشاف کرتی ہے، جو کسی سے مانگ کر نہیں لایا جاتا۔ نہ کسی دوسرے کی عقل ہم میں گھس آتی ہے۔ جس سے ہمیں یہ علم ہوا ہو۔ بلکہ یہ خود ہماری ہی عقل کی تنگ و دو ہوتی ہے۔ اس لئے یہ علم ہمارا ذاتی علم ہوا، جو از خود ہے از غیر نہیں۔ اس لئے اسے علمِ غیب کہنا چاہیے، اور اس کی اطلاقِ دہی کو اطلاقِ غیب! سو اس دوسرے کا جواب کلمہ فلا یظہر اور کلمہ رَصَد اگے مجموعہ میں موجود ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ عقل و سمع یا سوچ بچار کا علم اطلاقِ خداوندی سے نہیں، بلکہ تخلیقِ خداوندی سے ہے اور خلقی شعور یا خلقی سوچ بچار کو اطلاقِ خداوندی نہیں کہتے کہ علمِ غیب کا سوال پیدا ہو۔ بلکہ سوچ بچار کوئی بات پیدا کر لینا خود اس کی دلیل ہے کہ

وہ ہم میں نہیں تھی، کہیں سے لائی گئی ہے، اگر وہ ہم میں ہوتی تو اس میں اس کا دوش اور دماغ سوزی کی ضرورت نہ پڑتی، بلکہ اُسے ہمارے ذہن میں ہر وقت موجود رہنا چاہیے تھا، جیسے خود ہماری ذات کا علم ہمیں سوچ سوچ کر لانا نہیں پڑتا ہر وقت ہم میں قائم رہنا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہماری ذات ہی چونکہ عارضی ہے۔ اس لئے وہ علم بھی عارضی ہو، دوامی نہ ہو۔ جس پر علم غیب کا شبہ ہو۔!

دوسرے یہ کہ محسوسات اور معقولات کا علم گویا ہر ذات کی قوتوں سے ابھرنے کی وجہ سے ذاتی جیسا نظر آتا ہے مگر یہ قرآن سے ذات جبکہ خود ذات کی اپنی قوتیں نہیں، بلکہ ذات میں ودیعت شدہ ہیں کہ ودیعت رکھنے والا جب چاہے رکھ دے اور جب چاہے نکال لے، اس لئے وہ کھلتی بڑھتی اور آتی جاتی رہتی ہیں، تو ان سے حاصل شدہ علم بھی اپنا یا اپنی ذات کا نہیں کہلایا جائے گا۔ اُسے بھی ودیعت شدہ ہی کہا جائے گا کہ جب چاہے ودیعت کرنے والا ہم میں ڈال دے اور جب چاہے نکال لے۔ چنانچہ اس سمع و بصر اور فواد کے علم کی انسانی عمر کی ابتداء میں بھی اس سے نفی کی گئی ہے۔ کہ لا تعلمون شیئاً۔ اور انتہا میں بھی نفی کی گئی ہے کہ لکیلا یعلم بعد علم شیئاً جس سے واضح ہے کہ اس ابتداء و انتہاء کے درمیان گھری ہوئی محدود مدت کے لئے یہ عقل و حواس کا علم آجاتا ہے اور آخر میں اول کی طرح رخصت ہو جاتا ہے، جو اس کی واضح دلیل ہے کہ یہ علم انسان کا اپنا نہیں جسے ذاتی کہہ کر اس پر علم غیب کا سبب چیکا دیا جائے۔!

پھر اگر یہ حواس و عقل انسان میں دوامی بھی ہوتے تب بھی ان کے واسطہ سے حاصل شدہ علم با واسطہ ہی ہوتا جو علم غیب نہیں کہلایا جاسکتا تھا۔ جیسا کہ ابتداء و مضمون میں اس کے اصطلاحی معنی عرض کئے جا چکے ہیں۔ اور جبکہ یہ وسائل بھی خود ذات اور نفس کے قبضہ کے نہیں جنہیں ہماری ذات نے اپنے اندر خود وضع کر لیا ہو، بلکہ جہاں سے ہماری ذات نے جنم لیا ہے، وہیں سے یہ قوی اور وسائل ادراک و شعور بھی آئے ہیں۔ تو خود وسائل بھی بالذات نہ رہے، بلکہ با واسطہ ہو گئے۔ اس لئے ترتیب یوں ہو گئی کہ ان سے حاصل شدہ علم تو عقل و حواس کے واسطہ سے ہوا اور عقل و حواس وغیرہ ذات کے واسطہ سے ہوئے اور خود ذات خالق کے واسطہ سے نمودار ہوئی۔ تو یہ علم بہ واسطہ ہم میں پہنچا، سو ایسے واسطہ در واسطہ علم کو اپنا علم یا ذاتی علم کہنے کی جرأت دہی کرے گا جسے علم و عقل سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ چہ جائیکہ اس علم پر علم غیب کا عنوان قائم کیا جائے۔!

یہی وجہ ہے کہ وحی کے وقت ان تمام ظاہری وسائل علم فکر و خیال اور حدس و تجربہ وغیرہ نیز تمام قوائے

سے اشارہ ہے آیت کریمہ واللہ اخرجکم من بطون امہاتکم لا تعلمون شیئاً وجعل لکم السمع والابصار والافئدة لعلکم تشکرون، کی طرف جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم ذرہ برابر علم نہیں رکھتے تھے اور اس نے تم میں سننے دیکھنے اور سمجھنے کے آلات رکھے!

سے اشارہ ہے آیت کریمہ ثم یؤتی اذذل العمر لکیلا یعلم بعد علم شیئاً۔ کی طرف جس کا ترجمہ یہ ہے کہ انسان پھر انجام کار، لوٹا دیا جائے گا ایک ذلیل ترین عمر کی طرف، تاکہ جاننے کے بعد کچھ بھی جانکار نہ رہے!

حسیہ، سمع و بصر، ذوق و مذاق وغیرہ، اور پھر تمام جذبات طبیعیہ، مشہوت و غضب اور سرور و حزن وغیرہ پر پرہ چوکی بٹھا دیا جاتا تھا۔ کہ نزولِ وحی کے وقت اُن کی آمیزش سے وحی کا علم قطعی مشتبہ نہ ہونے پائے۔ بلکہ ان طبیعی وسائل سے حاصل شدہ معلومات بھی جو پہلے سے قوتِ حافظہ میں محفوظ ہوتی ہیں، یا عام طبیعی عادات و احلاق جو خلقتاً طبیعت میں بطور جوہر نفس کے پڑے ہوئے ہوتے ہیں، وحی کے وقت سب چھپے ہٹا دیئے جاتے تھے۔ اور انھیں وحی اُترنے کے اوقات میں سبقت کرنے اور آگے بڑھنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ زبان کی حرکت تک کے بارے میں یہ فرمایا گیا:-

لا تَحْرُکْ بِهٖ لِسَانَکَ لَنْتَجِیْلَ بِهٖ اِنْ عَلِیْنَا جَمْعَهُ وَقْرَآْنَهُ ثُمَّ اِنْ عَلِیْنَا بِیَا نَه

(اے پیغمبر! اپنی زبان نہ ہلایئے کہ (وحی کو یاد کرنے میں) جلدی کرنے لگیں، ہمارے ذمہ ہے

اُس کا (آپ کے سینہ میں) جمع کر دینا اور (آپ کی زبان سے) پڑھوادینا، پھر اُس کو

کھول دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ !

(۶) یہاں پہنچ کر ایک خلیجان یہ دامن گیر ہوتا ہے کہ عالم الغیب صرف خدا ہی کی ذاتِ سہی۔ اور یہ بھی مسلم کہ تنہا ہی اطلاع دہندہ غیب بھی ہے، اُس کے سوا نہ کوئی عالم الغیب ہے نہ اطلاع دہندہ غیب، خواہ وہ رسول بشری ہو یا رسول ملکی۔ لیکن جبکہ اللہ نے خود بھی انھیں اپنے غیب پر مطلع کر دیا جیسا کہ یہ آیت اس کا واضح اعلان کر رہی ہے تو نفسِ علم میں تو کم از کم اللہ تعالیٰ سے مماثلت ہوگی۔ جس کا علم ”ما کان وما یكون“ پر حاوی ہے۔ تو اس آیت کی رو سے ”علم ما کان ویکون“ اللہ کی طرح رسولوں کے لئے بھی ثابت ہوا۔ گو یہ فرق بھی مسلم سہی کہ اللہ کا علم ذاتی ہو اور رسولوں کا عطائی یا ایک کا علم اصطلاح میں علم غیب کہلائے اور ایک کا مطلق علم مگر مقدار علم میں تو کم از کم خالق و مخلوق کی مساوات لازم آگئی، حالانکہ مساوات سے بڑھ کر اور کیا مشترک ہو سکتا ہے اور وہ بھی علم میں کہ بقیہ ساری صفات اسی اعلیٰ صفت کے تابع ہیں، اس میں برابری نتیجہ ساری ہی صفات میں برابری ہے۔ پس یہ آیت جس شرک دفع کرنے کے لئے آئی تھی اسی شرک کے اثبات کا اس طرح ذریعہ بھی بنادی گئی۔ بلکہ اوپر سے کئی آیتوں کی تردید بھی اسی سے لازم آگئی۔ ایک طرف افسس یخلو مکن لا یخلو کی تردید ہوگئی اور دوسری طرف یس کملہ شئی کی تکذیب لازم آگئی۔ (العیان باللہ)

تو اس عظیم خلیجان کو اسی آیت کریمہ کے لفظ ”مِنْ رَسُوْلِی“ نے دفع کر دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن نے اس استثنائی ترکیب میں اطلاع غیب کے سلسلہ میں کسی پیغمبر کا نام نہیں لیا کہ فلاں فلاں کو غیب پر مطلع کیا گیا۔ کہ اس سے ان مقدسین کی ذوات مستحق اطلاع غیب سمجھی جاتیں، بلکہ ”مِنْ رَسُوْلِی“ کا لفظ لاکر وصف رسالت کا تذکرہ کیا ہے۔ جس سے واضح ہے کہ اطلاع غیب کی مستحق اور متقاضی کسی رسول کی ذات نہیں بلکہ وصف رسالت ہے۔ بالفاظ دیگر اس اطلاع غیب کا تحمل صرف وصف رسالت ہی کر سکتا ہے، کسی بشر کی ذات یا وصف بشریت حتیٰ کہ بشریت کے دوسرے اُوپنے اُوپنے کمالات لفظی و طہارت، زہد و تقاوت اور صلاح و رشد وغیرہ میں سے

لہ کیا خالق اور مخلوق برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی کبھی نہیں۔
 لہ کوئی چیز اس کی مانند نہیں ہو سکتی۔ (بلکہ تو کیا ہوتی)

بھی کوئی وصف نہیں کر سکتا۔ خلاصہ یہ کہ جیسے علم غیب اللہ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، جس میں کوئی غیر اللہ شریک نہیں، ایسے ہی اللہ کی جانب سے غیب پر مطلع ہونا رسولوں کے ساتھ مخصوص ہے، جس میں کوئی غیر رسول شریک نہیں۔ پس اطلاع غیب کا استحقاق ذات رسول کے ساتھ نہیں، بلکہ وصف رسالت اور عہدہ و منصب نبوت کے ساتھ مخصوص نکلا، جو لفظ "مِن رَّسُولٍ" کا طبعی تقاضا ہے۔ ورنہ اس موقع پر "مِن رَّسُولٍ" کا لفظ لانا عجت اور بے معنی ہو جاتا!

اور ظاہر ہے کہ رسول کی رسالت کا موضوع اور مقصد اصلاح خلق اللہ اور بندگان خدا کی رہنمائی اور تربیت و تکمیل ہے۔ اس لئے وصف رسالت کا فطری تقاضا وہی علوم غیب پر سکتے ہیں جو ہدایت و اصلاح میں کارآمد ہوں۔ جن علوم غیبیہ کا اصلاح و تربیت میں دخل نہ ہو تو خود وصف رسالت ہی ان سے کنارے کنارے رہیگا۔ مثلاً مغیبات میں سے قیامت کے وقت اس کی تاریخ دسنے یا اس کی مدت کے قرب و بعد کی اگر رسولوں کو اطلاع نہ ہو جیسا کہ اسی آیت کی ابتدا میں رسول سے اس علم کی نفی کرائی گئی ہے کہ:-

قُلْ اِنْ اَدْرٰى اَقْرِبَ مَا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّىْ اَمْرًا
تُوْكَهْمِمْ يَنْهٰى عَنْهُم مِّنْ رَّسُوْلٍ اَوْ يَخْتَلِفُ عَلَيْهِمُ الْكَلِمٰتُ
اَوْ يَخْتَلِفُ عَلَيْهِمُ الْاٰيٰتُ ۗ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَلِيِّ الْعَلِيِّ

یا وہ مفاتیح غیب پر مطلع نہ ہوں، یا ان بے شمار کائناتی حادثات و جزئیات کا انھیں علم نہ ہو، جو روزِ مرہ دنیا میں نمایاں ہوتی رہتی ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں بکثرت اس کی تصریحات موجود ہیں۔ تو یہ ان کے حق میں نہ صرف یہ کہ ادنیٰ نقص نہیں بلکہ ان امور کا علم نہ ہونا ہی ان کے وصف رسالت کا ایک طبعی اقتضا ہے، جیسے یوں کہا جائے کہ فلاں دیکھنے والے کو ہم نے سب کچھ بتا دیا ہے، یا فلاں سننے والے کو ہم نے سب کچھ پتہ دے دیا ہے۔ تو اس کا صاف مطلب یہی ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کو دیکھنے کی چیزوں کا اور سننے والے کو سننے کی چیزوں کا پتہ دیا ہے۔ کیونکہ یہ دیکھنے اور سننے کا عنوان اپنے ہی مناسب حال معلومات کا تقاضا کر رہا ہے، پس دیکھنے والے سے اگر سننے کی باتوں کی اور سننے والے سے اگر دیکھنے کی باتوں کی نفی کی جائے تو یہ اس دیکھنے سننے کے وصف ہی کا نقصان ہوگا، نہ کہ اپنی طرف سے کوئی اضافہ۔ ورنہ اس وصف کا لایا جانا ہی عجت اور بے معنی ہو کر رہ جائے گا، جس سے بلغاء کا کلام بری ہوتا ہے۔

اسی طرح کلام الہی کے اعجازی نظم میں جبکہ "مِن رَّسُولٍ" کی قید کے ساتھ وصف رسالت کا عنوان لاکر یہ کہا گیا کہ ہم نے رسول کو غیب پر مطلع کر دیا ہے، تو اس کے معنی اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ اس وصف رسالت اور منصب رسالت سے متعلق امور غیب بتلائیے ہیں۔ خلق کی تکوین و تدبیر امر کی باتیں نہیں بتلائیں، کہ وصف رسالت کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔

حاصل یہ نکلا کہ جیسے اس آیت میں لفظ "مِن رَّسُولٍ" کا تقاضا یہ ہے کہ اطلاع غیب کا متقاضی اور مستحق رسالت کا وصف ہے اور یہ کہ اطلاع غیب منجانب اللہ رسول ہی کو ہونی چاہیے، نہ کہ غیر رسول کو، ایسے ہی لفظ "مِن رَّسُولٍ" ہی اس کا بھی متقاضی ہے کہ وہ اطلاع کردہ غیب وصف رسالت کے حسب حال بھی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ رسالت کے حسب حال غیب وہی ہو سکتا ہے، جو شرعی احکام اور انھیں موثر بنانے والے حوادث سے تعلق رکھتا ہو، نہ کہ اگلے پھلے دنیا کے روزِ مرہ کے تمام حوادث اور جزئی جزئی قصوں سے متعلق ہو۔ پس وصف رسالت ایسے غیر متعلق علوم کا متقاضی نہیں ہے!

اس سے صاف نکل آیا کہ من رسول کے لفظ کا فطری تقاضا اور قواعد فن کا اقتضا یہ ہے کہ رسول جمیع غیب پر مطلع نہ ہوں بلکہ اطلاع خداوندی سے صرف اتنے ہی غیب سے باخبر ہوں جو ہدایت و رہنمائی کے لئے ضروری ہو۔ خواہ وہ حادث کا علم ہو یا احکام کا، تکوین کا ہو یا تشریح کا۔ اس لئے خدا و رسول کے علم کی برابری کا تحیل خواہ وہ کسی بھی نوعیت سے ہو اور خواہ اس پر ذاتی کا عنوان رکھا جائے یا عطائی کا لیبیل چپاں کیا جائے، لفظ "من رسول" کے تقاضوں کے خلاف بلکہ ان تقاضوں کی تردید کرنے کے مرادف ہے، جس کا منصوبہ وہی ہاندھ سکتا ہے جو قرآنی اسلوب بیان اور شریعت خداوندی کے مزاج سے نا آشنا اور وصف رسالت کے فطری تقاضوں سے بے خبر ہو۔ اس لئے خدا و رسول میں یہ علمی مساوات کا تحیل اور رسول کے لئے علم ماکان وما یكون کا منصوبہ اس آیت سے پا در ہوا ہو جاتا ہے جو اسی آیت کو آرٹ بنا کر قائم کیا گیا تھا۔ !

(۶) ہاں اتنی بات باقی رہ جاتی ہے جو دلوں میں کھٹک سکتی ہے کہ یہ مسلم کہ رسول علم غیب کئی پر مطلع نہیں، جس سے علم الہی کے ساتھ ان کے علم کی برابری کا دوسرے دلوں میں گزرتے، لیکن جس قدر بھی علم انہیں دے دیا گیا ہے، کم از کم اتنے حصہ میں تو بیٹی کا علم، خدا کے علم کے مماثل نظر گیا، اور یہ کہہ دیا جانا درست ہو گیا کہ سناں فلاں امور میں جتنا علم خدا کا ہے، اتنا ہی رسول کا بھی ہے۔ حالانکہ اولاً تو اس عنوان ہی سے شرک کی بو آتی ہے اور ساتھ ہی اتنے حصہ علم میں مخلوق کا خالق سے استغنا بھی لازم آتا ہے۔ در حالیکہ مخلوق کو کسی آن اور کسی مرحلہ پر بھی خالق سے برابری یا غنا میسر آنا ممکن نہیں، ورنہ مخلوق کی عبودیت و محنت جگی اور خالق کا غنا و صمدیت ختم ہو جائے، جو محال عقلی بھی ہے، جیسا کہ ظاہر ہے اور محال شرعی بھی ہے، کیونکہ آیت ذیل کھلی تردید ہے:-

یا ایہا الناس انتم لفقراء الی اللہ واللہ هو الغنی الحمید۔

اے لوگو! تم محتاج ہو اللہ کی طرف اور اللہ غنی حمید ہے!

تو قرآن حکیم نے اس کھٹک کو بھی فلا یظہری کے کلمہ سے رفع دفع کر دیا ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ تعلیم غیب کو اظہار غیب اور اطلاع غیب کے عنوان سے تعبیر فرمایا، عطاء غیب سے نہیں جس میں لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ رسولوں کو علم کا یہ حصہ بعینہ سپرد نہیں کر دیا جاتا، صرف اس کی اطلاع دے دی جاتی ہے۔ جس کے معنی یہ نکلے کہ رسولوں کا یہ علم ذاتی تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ علم غیب کہلائے، عطائی بھی نہیں بن سکتا بلکہ صرف اطلاعی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اول تو اظہار کے معنی لغت ہی میں عطاء کے نہیں کہ اظہار غیب کو عطاء غیب کہا جائے اور رسولوں کے علم کو عطائی علم کا عنوان دیا جائے۔ دوسری یہ کہ عطاء علم کے معنی مخلوق میں اس لئے بھی نہیں بن سکتے کہ عطاء دے دینے کو کہتے ہیں اور دے دینے کی حقیقت کسی شے کو اپنے سے جدا کر کے منتقل کر دینے کے ہیں! اپنے پاس رکھ کر اس کی اطلاع کر دینے کو عطاء نہیں کہتے۔ اور ظاہر ہے کہ علم حق تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے، اس کا حق تعالیٰ سے جدا ہو کر منتقل ہو جب نامحال ہے، ورنہ بصورت منتقلی وہ صفت ذات باقی نہیں رہ سکتی۔ جو عقلاً اور شرعاً محال ہے!

پس حق تعالیٰ بلاشبہ معطی اور عطا کنتہ ہیں۔ مگر اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کی حد تک جو ذات کے اندر نہیں ہوتیں، خود اپنی ذات یا ذاتیات کے حق میں معطی نہیں ہیں۔ کہ اپنی ذات دوسرے کو دے کر خدا بنا دیں اور خود معاذ اللہ خدا نہ رہیں۔ یا اپنی صفات سے وہیں اور خود معاذ اللہ معری عن الصفات رہ جائیں، اسے فلاسفہ اور بندگان عقل گوارا کریں تو کریں

بندگان خدا کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ان ذات اور ذاتیات کی اطلاع فرمادینا ان کی شانِ کرمی سے بعید نہیں۔ سو اطلاع کی صورت میں اطلاع کردہ شے ان سے جدا نہیں ہوتی اور دوسرے تک بعینہ نہیں پہنچ جاتی، بلکہ اس شے کی مثال اور تصویر پہنچتی ہے، جس کے معنی یہ نکلے کہ اطلاعی علم حکایت علم ہوتا ہے، عین علم نہیں۔ عین علم اصل عالم کی ذات ہی میں قائم رہتا ہے۔ کیونکہ عین علم یا اصل علم کے معنی یہ ہیں کہ عالم میں اس کی جڑ اور اس کا منشاء قائم ہے۔ اور وہ اس کی ذات کا جوہر اور عین ہے۔ جو بلا وسیلہ اور بلا توسط اسباب خود بخود اس میں موجزن، ہمہ وقت اس کے سامنے حاضر اور اس میں سے اُمنڈتا رہتا ہے!

جس میں نہ نسیان کا دخل ہے، نہ بھول چوک کا خلل، نہ کہیں سے اُسے لانے کی ضرورت ہے، نہ منتقل کرانے کی۔ جیسے کوئی اپنی ذات کو نہیں بھول سکتا، ایسے ہی اپنی خوب اور اپنی صفاتِ نفس کو بھی نہیں بھول سکتا۔ کیونکہ بھول چوک ہمیشہ باہر سے حاصل شدہ چیز میں ہوتی ہے، جو اپنی اور اپنے قبضہ کی نہ ہو۔ خود اپنی اندرونی چیزوں میں نہیں ہوتی، یہی شانِ خالق کے علم کی بھی ہے کہ وہ ذات میں جڑ پکڑے ہوئے ہے۔ یعنی خود ذات ہی منشاء انکشاف ہے! جس سے علم اس کی ذاتیات میں سے ہے!

ظاہر ہے کہ مخلوق کے علم کی پریشان کبھی نہیں ہو سکتی، اگر مخلوق کا علم بھی اُس کا اپنا اور خانہ زاد ہوتا، یعنی اُس کی ذات ہی منشاء انکشاف ہوتی، جس سے یہ علم ہمیشہ اُس کے سامنے حاضر رہا کرتا تو اس میں بھول چوک، نسیان و ذہول اور خطا و فسکری و اجتہاد کی کبھی ممکن نہ ہوتی، حالانکہ وہ نہ صرف مکمل بلکہ واقع ہے اور انبیاء علیہم السلام تک کے حق میں شاذ صورتوں میں وقوعی امکان کے ساتھ مکمل ہے۔ جس سے واضح ہے کہ خالق کی طرف سے مخلوق میں علم اس طرح نہیں آ سکتا کہ اپنے اصل چشمہ سے جدا ہو کر یہاں پہنچ جائے اور مخلوق کا جوہر ذات بن جائے!

اس لئے یہی ایک صورت متعین ہو جاتی ہے کہ رسولوں کو جو علم بھی ہو وہ بعینہ ذاتِ حق سے منتقل ہو کر ان میں نہ آئے بلکہ علم کے مخفی وسائل و اسباب (جیسے وحی و الہام) کے راستہ سے اُس کی حکایت اور شاہدت ان میں ڈال دی جائے۔ جو علم خداوندی کا عکس و ظل اور پرتو ہو اور اس طرح یہ پاکباز بندے اور ان کے مصفاً قلوب نور علم سے متور ہو جائیں۔ بالکل اسی طرح جیسے طلوع آفتاب کے بعد مثلاً شفاف آئینہ متور اور روشن ہو جاتا ہے، لیکن اصل نور آفتاب کی ذات ہی کے ساتھ قائم رہتا ہے، صرف اس کی ضیاء اور چمک یا اس کا عکس آئینہ پر پڑتا ہے۔ جس سے وہ روشن نظر آنے لگتا ہے۔ لیکن اس حالت میں بھی یہ چمک و مک آئینہ کی ذاتی چیز نہیں بن جاتی۔ کہ وہ اُسے سورج سے جدا کر کے اپنے پاس رکھ لے اور کسی حال میں اپنے سے جدا نہ ہونے دے۔!

پس انبیاء علیہم السلام کے آئینہ قلوب میں جس قدر بھی علم آتا ہے وہ ذاتِ حق سے منتقل اور جدا ہو کر نہیں آتا کہ یہ محال ہے، بلکہ اطلاعِ حق سے اس کا پرتو اور ظل ان میں سما جاتا ہے۔ جس سے ان کے قلوب جگمگا اٹھتے ہیں مگر یہ علمی چمک و مک بحالتِ اطلاع بھی ذاتِ حق ہی کے ساتھ قائم رہتی ہے۔ جیسا کہ وہ قبل از اطلاع ذاتِ حق کے ساتھ قائم تھی۔ اس لئے حضور کی ذاتِ بابرکات اس علم خاص کی حد تک بھی خود منشاء انکشاف نہیں کھڑتی کہ وہ کُل کا کُل ہر وقت آپ کے سامنے رہتا ہو اور آپ علم شرایع کی حد تک گویا حاضر و ناظر ہوں۔ اس لئے کبھی کبھی "انسا" یعنی کسی آیت کا ذہن سے فراموش کر دیا جانا، یا کسی ماحول کے باہمی نزاع سے کسی علم کا قلب مبارک سے اٹھا لیا جانا بھی واقع کر دیا گیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ رسولوں کو جتنا علم دیا جاتا ہے، وہ بھی جوہر ذات نہیں ہو جاتا کہ کبھی ذائل نہ ہو سکے، یہ الگ بات ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل سے القافر مودہ علم رسولوں سے کبھی ذائل نہیں ہونے دیتے۔ یہ نسیان طرازی یا رفع علم کی چند مثالیں محض

اس لئے واقع کی جاتی ہیں کہ علم سے نابلد لوگ رسولوں کو اس القاشدہ علم میں بھی خدا کا شریک یا اس سے بے نیاز نہ سمجھ بیٹھیں۔ بلکہ اسی حقیقت کو نمایاں کرنے کے لئے حضور پر شریعت کے مختلف مہمات و مسائل کی وحی الگ الگ اور وقتاً فوقتاً کی گئی ہے۔!

یہ صورت نہ تھی کہ آپ کو نبوت کے مقام رفیع پر پہنچا کر بیکدم اور اچانک ذات پاک نبوی کو منشار علم بنا دیا گیا ہو اور ضرورتوں یا حوادث کے وقت خود بخود آپ کے اندر سے علم ابھر آتا ہو! اگر یہ صورت ہوتی تو تیسری برس تک تدریجی وحی نازل نہ ہوتی اور مسائل پوچھے جانے کے وقت آپ وقتاً فوقتاً ایوں نہ فرمانے کہ مجھ پر ابھی تک اس کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ نیز آپ کبھی بھی کسی حکم کی وحی کے انتظار میں بار بار چہرہ مبارک اٹھا کر آسمان کی طرف نہ دیکھتے، جیسا کہ تحویل قبیلہ کے بارے میں آپ نے کئی بار ایسا ہی کیا!

بہ ہر حال حضور کا یہ علم خاص (علم شرائع و احکام) بھی علم غیب نہیں ہے۔ اس لئے خدا و رسول میں اس علم خاص کی نوعیت کی حد تک بھی مساوات یا شرکت کا خیال باندھ لینا کہ یہ مخصوص علم جو خدا کو ہے وہی رسول کو ہے۔ فرق صرف ذاتی اور عطائی کا ہے۔ محض ایک خیال فاسدہ جاتلہ ہے، جس کی کوئی سند کتاب و سنت سے نہیں نکلتی!

پس قرآنی کلمہ "فلا یظہر" نے اس جزوی مساوات کے شبہ کو بھی رد کر دیا اور واضح ہو گیا کہ مسئلہ علم میں کسی پہنچ سے بھی خدا و رسول میں کوئی مساوات یا شرکت نہیں، علم ہمہ وقت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے!

اس حقیقت کی مزید تائید اس آیت کے جملہ و احاطہ بما لدیہم سے بھی ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ اگر رسول کی طرف اللہ کا یہ علم بعینہ منتقل ہو جاتا تو رسول کا یہ علم خدا کے علمی احاطہ سے نکل جاتا۔ حالانکہ اطلاع غیب کے بعد احاطہ کا لفظ بولا جانا اس کی واضح دلیل ہے کہ رسول جس علم پر مطلع ہیں اور ان کے پاس جو بھی علمی سر یا یہ ہے، وہ اب بھی بدستور خدا ہی کے علمی احاطہ میں ہے، اس سے باہر نہیں، ظاہر ہے کہ کسی چیز کا کسی کے احاطہ میں گھرا ہوا ہونا اس کے اپنے ہاتھ میں ہونے اور اپنے قبضہ میں رہنے کی دلیل ہے، اگر اپنے پاس سے جدا ہو جائے تو اسے اندرون احاطہ نہیں کہہ سکتے!

پس اس اطلاقی علم میں (جس کا شریعیات یا منعلقات شریعیات سے تعلق ہے) یہ محدود مساوات کا باطل تخیل۔

احاطہ بما لدیہم سے بھی رد ہو جاتلہ ہے، پس اس مساوات کے شبہ کا جواب اولاً "فلا یظہر" سے دیا گیا کہ یہ علم سر سے منتقل شدہ ہی نہیں کہ مساوات کا سوال پیدا ہو، بلکہ صرف اطلاعی ہے اور پھر احاطہ بما لدیہم سے دیا گیا۔ کہ اطلاع کے بعد بھی وہ اسی علم و خیر کے احاطہ میں گھرا ہوا اور اسی کے قبضہ میں آیا ہوا ہے۔ لہذا اس علم کو نہ رسول کا ذاتی علم کہہ سکتے ہیں، نہ عطائی۔ بلکہ صرف اطلاعی کہیں گے!

پس کہاں رسول کے لئے مدعیان عشق رسول کی طرف سے علم کلی اور علم ماکان وما یکون کے بلند بانگ دعا دی اور کہاں قرآن کا یہ اعلان کہ وہ علم بہ نسبت علم الہی کے علم جزوی ہے اور وہ بھی صرف اطلاع کی حد تک ہے۔ جو ذات حق سے کسی طرح جدا نہیں کہ مخلوق میں بعینہ چلا آئے!

اس مرحلہ پر پہنچ کر ممکن ہے کہ کوئی خارج از عقل انسان، خدا اور رسول کے علم میں برابری ثابت کرنے کے لئے یہ کہنے کی جرات کرے کہ جتنے علم پر خدا نے رسول کو مطلع فرمایا ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کا سارے کا سارا علم یہی ہو، اس سے زائد کچھ نہ ہو۔ تو اس صورت میں صورت مساوات پھر وہی پیدا ہو جاتی ہے، جس کو رفع دفع کیا گیا تھا۔ سو اس دوسرے کے دفعیہ

کے لئے اسی آیت میں "أَحَاطَ بِمَا لَدِيهِمْ" کے بعد "وَاحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا" کا بھی اضافہ فرما دیا گیا ہے۔ جس کا حاصل ہے کہ جو علم رسول کے پاس ہے، وہ تو اس کے احاطہ میں ہے ہی، اس کے علاوہ بھی ہر ہر چیز اور ہر ہر ذرہ گن گن کر اس کے علم میں ہے۔ اگر خدا کا سارا علم وہی ہوتا جس پر رسول کو مطلع کیا گیا تھا تو مسادات کے تخیل کے دفعیہ کے لئے "أَحَاطَ بِمَا لَدِيهِمْ" ہی کا جملہ کافی تھا۔ احصیٰ کل شیئی کے اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اس کے بعد کل شیئی کے لفظ سے احصاء اور ذرہ کے علمی احاطہ کا اعلان کیا جانا اس کی کھلی دلیل ہے کہ یہ کل شیئی کا علم اس مال دلیہم کے علم کے علاوہ ہے جو رسول کی اطلاع میں آیا ہوا ہے، جسے غیر مال دلیہم کہنا چاہیے۔ پس ایک مال دلیہم کا احاطہ ہے اور ایک کل شیئی کا احاطہ ہے ایک کا دوسرے پر عطف کیا ہوا ہے جو تو اعدا و بیہ کی نو سے باہمی تغائر اور مغائرت کی دلیل ہوتی ہے۔ تو اس سے واضح پر ثابت ہو جاتا ہے کہ مال دلیہم کا علم اور ہے، جس پر رسول مطلع ہیں۔ اور کل شیئی کا علم اس کے علاوہ بھی ہے۔ رسولوں کی اطلاع میں لایا جا چکا ہے اور پھر وہ لامحدود بھی ہے۔ جس میں ذرہ ذرہ شمار اور گنتی کے ساتھ علم ازلی میں آیا ہوا ہے۔ کیونکہ اسے کل شیئی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لئے احاطہ کلی صرف خدا ہی کے علم کا ثابت ہوتا ہے اور علم خدا رسول میں اس جہانی مسادات کا اب کوئی اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ جس کے داخل کرنے کی باطل سعی کی جاتی ہے، بلکہ علم خداوندی مشترک نہ تصور سے بالاتر ثابت ہو جاتا ہے!

اس موقع پر یہ خلیجان ہو سکتا ہے کہ اطلاع غیب جبکہ رسول کے ساتھ مخصوص ہوئی اور رسالت کا مفہوم چاہتا ہے کہ غیب دوسروں کو بھی پہنچے، یعنی رسول اس کی تبلیغ کریں، تو پھر اطلاع غیب محض رسولوں تک کہاں محدود رہی اور اس کی تخصیص کے ساتھ کہاں باقی رہی، جبکہ رسول کی اطلاع سے ہم بھی اس پر مطلع ہو گئے۔ پس اس طرح آیت میں استثناء کی یہ تخصیص ہے رہ گئی، جو رسول کے ساتھ کی گئی تھی۔ سو اس کا جو اب بھی اسی فلا یظہر کے کلمہ ہی سے نکل آتا ہے، اور وہ یہ کہ اظہار غیب اطلاع غیب کو استثناء و ترکیب کے ساتھ رسولوں کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ امت کو اس غیب کی خبر اس یعنی وحی و انفا کے ذریعہ نہیں ہوتی، جس سے رسول کو ہوتی ہے۔ کیونکہ امت اولانی کو ان کی نشانیوں سے بنی مان کر پھر خبر کو تسلیم کرنی ہے، تو امت کا یہ علم استدلالی ہو جاتا ہے اطلاع نہیں رہتا!

پس رسول اور امت رسول اس حد تک تو مشترک ہیں کہ دونوں کو علم غیب نہیں۔ یعنی بالذات دونوں علم نہیں رکھتے کہ خاصہ الوہیت ہے اور رسول و امت رسول ظاہر ہے کہ دونوں از جنس بشر ہیں۔ تو ان میں خاصہ الوہیت آجانا کیسے ہے؟ البتہ اس میں الگ الگ اور باہم ممتاز ہیں کہ یہ علم رسول تک تو اطلاع خداوندی یعنی وحی و الہام سے پہنچتا ہے، حفاظت کے لئے پہرہ چوکی بٹھا دیا جاتا ہے اور امت تک یہ علم استدلال سے آتا ہے کہ فلاں ذات بدلائل قطعہ رسول اور رسول کی خبر واجب التسلیم ہے اور واجب القبول ہے۔ البتہ رسول تک اس غیب کی اطلاع کا سلسلہ چونکہ مخفی اور ہے، اس لئے یہاں پہرہ چوکی بھی علم کے تمام مخفی وسائل پر جو انسان کے اندر ہوں بٹھلایا جاتا ہے۔ تاکہ وحی الہی غیر مشتبہ طریقہ رسول تک پہنچے۔ مگر امت کو یہی خبر چونکہ ظاہری وسائل سے پہنچتی ہے اور پیغمبر سے لے کر ہم تک اطلاع دہندہ سب ہیں، جو خبر کی سند کے سلسلہ میں جڑے ہوئے ہوتے ہیں، اس لئے یہاں پہرہ چوکی استدلالی رنگ کا ان ظاہری وسائل یعنی سند اور طریقہ پر بٹھلایا گیا کہ راوی ثقہ ہوں، معلوم الحال ہوں، عادل ہوں، ثمنقن ہوں، اور پھر ہر دور میں اتنے ہوں کہ عادی عقلاً ان کا بٹھلایا جانا محال اور قدرت کے خلاف ہو۔ پس امت کے اس اجباری غیب کی سند کا کم از کم متواتر ہونا

اگر یہ غیبی حکایت بلا اشتباہ پہنچے اور واجب القبول بن سکے۔ سو اصل اطلاعی غیب جو سارے علوم شرعیہ کی جڑ بنیاد ہے، یعنی قرآن کریم حضور تک تو باطنی تو اتر کے ساتھ انتہائی تحفظ سے پہنچا کہ جس میں بعض بعض آیتوں کے ساتھ علاوہ جبریل علیہ السلام سے ستر ستر ہزار فرشتوں کا شکر ہوتا تھا، جو مل کر اس کی حفاظت کرتے تھے، جس میں تمام غیبی مواعظ یعنی جنات و شباطین وغیرہ ہر پہرہ چوکی بٹھلایا ہوا تھا، اور ہم تک ہی قرآن ظاہری تو اتر کے ساتھ پہنچا کہ ہر ہر قرن میں دس بیس نہیں ہزاروں ہزار مستند حفاظ سینوں میں لے کر اس کی روایت اور کتابت سے اس کی حفاظت کرتے رہے، جن میں تمام ظاہری مواعظ اور انسانی قلبیں کے ممکن سے ممکن پر دے اصول روایت کی رو سے چاک ہوتے رہے اور کسی در انداز کو موقع نہ مل سکا کہ اس کے الفاظ یا معنی میں کوئی ادنیٰ تحریف یا تبلیس کر سکے۔ وہاں رسولوں کو معصوم کیا گیا کہ عصمت ہر در انداز سے حق کو بچاتی رہے، یہاں اُمت کو مجموعی حیثیت سے "محفوظ" رکھا گیا کہ بحیثیت مجموعی اس سے حق منقطع نہ ہو اور یہ حق کا سرشتہ (قرآن حکیم) ہر حال اپنے الفاظ و معانی اور اپنی شئون و کیفیات کیساتھ کلیتہً محفوظ رہے!

یہی قرآن کی اولین شرح اور تفسیر یعنی حدیث رسول جو ناگزیر ہے، اس کا کوئی حصہ تو اتر سے ثابت ہے کوئی شہرت سے کوئی ندرت وغیرہ سے ثابت ہے اور کوئی عزابت سے، سو اس کے درجات ثبوت ہی کی قدر، اس کی قبولیت و رجحیت کے مراتب ہیں۔ جو فن میں محفوظ ہیں اور اس طرح قرآن اور حدیث اپنے اپنے درجہ میں کلیتہً اُمت میں محفوظ ہیں۔ نہ بد ظاہری اور باطنی پرے چرکی لگے ہوئے ہیں کہ کسی در انداز کو ان کی تبدیل و تحریف کا موقع نہیں مل سکتا۔ چنانچہ اُمت کی تیرہ سو سالہ تاریخ شاہد ہے کہ اس قسم کے در انداز برساتی کیڑوں کی طرح بار بار ابھرے اور مختلف روپوں میں نمایاں ہوئے۔ مگر بالآخر موسم نکل جانے پر خود ہی اپنی موت مر گئے، جن کا آج نشان پاتلک نہیں ملتا۔ اور قرآن و حدیث اپنی اسی آب و تاب کے ساتھ زندہ اور درخشاں ہیں اور تا قیامت رہیں گے!

اس پاک و صاف مسئلہ میں بظاہر اب شہادت کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ لیکن پھر بھی اس موقع پر ممکن ہے کہ کسی سبک دماغ اور حیلہ جبر کو جسے زحید سے زیادہ شرک سے لگاؤ ہو، یہ وسوسہ گزرے کہ آیت اظہار غیب کی ان ساری مدافعتوں کے باوجود وہ شرک جسے علمی شرک کہا جا رہا ہے، پھر بھی جوں کا توں موجود ہے۔ کیونکہ آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو علم الہی کے دوام و استمرار اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہو۔ پس ہو سکتا ہے کہ عالم الغیب کا یہ علم غیب دوامی نہ ہو بلکہ وقتاً فوقتاً ذات کو ہوتا ہو اور تدریجی طور پر ذات کے سامنے آتا رہتا ہو (جیسا کہ بعض جہلاء فلاسفہ اس طرف گئے بھی ہیں) اندر میں صورت ذات پر کچھ اوقات ایسے بھی آنے ممکن ہوں گے، جن میں علم کا کوئی حصہ ذات سے اوجھل ہو اور اس کے سامنے نہ آئے۔ مگر یہ حصہ عالم سے تو گم ہو نہیں سکتا، کیونکہ عالم کی عمارت پڑے ہی علم پر کھڑی ہوئی ہے۔ ایک حصہ بھی گم ہو تو ساری کائنات درہم برہم ہو جائے اس لئے سارے کا سارا علم کائنات عالم میں ہمہ وقت رہنا ضروری ہے۔ جس میں یہ حصہ بھی شامل ہے اور یہ حصہ جو معاذ اللہ ذات حق سے اوجھل ہے جیکہ صفت ہے اور صفت ذات سے الگ ہو کر پائی نہیں جاسکتی۔ تو لا محالہ ذات حق کے علاوہ کسی اور ذات کے ضمن میں پائی جائے گی۔ تو علم غیب میں ذات حق کا شریک نکل آیا۔ اگر شریک مستقل نہیں تو کم از کم ہنگامی اور عارضی شریک تو ضرور پیدا ہو گیا۔ معاذ اللہ! اس لئے اس آیت کی رو سے یہ دعویٰ کس طرح قابل تسلیم ہو سکتا ہے کہ اللہ کا علم دوامی ہے اور کسی لمحہ بھی اس کا کوئی علمی شریک نہیں ہو سکتا؟ جیکہ آیت میں کوئی ایک کلمہ بھی اس علم کے دوام و استمرار پر دلالت

کرنے والا موجود نہیں! —

تو اس وسوسہ کو کبھی آیت کے کلمہ "عالم الغیب" نے دفع کر دیا ہے، کیونکہ اس موقع پر آیت نے حق تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کو فعل کے صیغہ سے ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ صفت کے صیغہ سے ذکر کیا ہے، یوں نہیں کہا گیا کہ "لعلہم الغیب" (وہی جانتا ہے عیب کو) بلکہ یوں کہا گیا "عالم الغیب" (وہی جاننے والا ہے عیب کا) کیونکہ فعل زمانی ہوتا ہے جو کسی نہ کسی زمانہ ہی کے ساتھ مقید اور مخصوص ہو کر پایا جاتا ہے، ماضی کا فعل ہے تو وہ مستقبل میں نہیں ہوتا اور مستقبل ہے تو ماضی اس سے حالی ہوتا ہے اور حال ہے تو ماضی مستقبل دونوں اس سے بے تعلق ہوتے ہیں۔ غرض فعل ہمہ وقت نہیں ہوتا، کسی وقت ہوتا ہے اور کسی وقت نہیں۔ یعنی جس وقت کا وہ فعل ہے اسی وقت میں پایا جائے گا دوسرے اوقات میں نہیں۔ اس لئے اگر علم غیب کے اثبات کے لئے فعل ماضی کا صیغہ لاکر یوں کہا جاتا کہ "اُس نے غیب جان لیا" تو مستقبل میں علم غیب ثابت نہ ہوتا اور اگر مستقبل کا عنوان دے کر یوں کہا جاتا کہ "وہ غیب کو جان لے گا" تو ماضی میں اُس کا عالم الغیب ہونا نہ نکلتا اور اگر حال کا عنوان رکھ کر یوں کہتے کہ "وہ جانتا ہے عیب کو" تو فی الحال تو وہ عالم الغیب ثابت ہو جاتا مگر ماضی مستقبل دونوں اس فعل سے حالی ثابت ہوتے اور علم غیب دوامی نہ ثابت ہوتا۔ اس لئے فعل کے بجائے صفت کے صیغہ سے علم غیب کا اثبات کیا گیا جو کسی زمانہ کے ساتھ مقید اور مخصوص نہیں ہوتی، بلکہ ذات کے ساتھ وابستہ اور تا قیام ذات دوامی ہوتی ہے! —

اصطلاحی الفاظ میں اس حقیقت کا خلاصہ یہ ہے کہ علم غیب کے اثبات کے لئے جملہ فعلیہ نہیں لایا گیا جو تحدید اور حدود پر دلالت کرتا ہے بلکہ جملہ اسمیہ استعمال کیا گیا جو استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے اور فرمایا گیا عالم الغیب "وہ جاننے والا ہے عیب کا" یعنی ماضی مستقبل اور حال کی قید سے بالاتر ہو کر وہ ہمہ وقت عیب کا جانکا ہے، جس سے علم غیب کا دوام واضح ہو گیا۔ کہ وہ ازل میں بھی عالم الغیب ہے اور ابد میں بھی ہے اور اس پر کوئی لمحہ ایسا نہیں آسکتا کہ وہ عالم الغیب نہ ہو اور اُس لمحہ میں کسی ہنگامی شریک کی گنجائش نکلے جو اس بوجھ کو اٹھائے۔ اس لئے وہ اپنے علم لا محدود میں دواماً و استمراراً، ازلاً و ابداً عالم الغیب اور اس ذاتی صفت میں ہمہ وقت وحدانہ کا شریک لہذا ہے، نہ اس کا کوئی شریک مستقل ہے نہ شریک عارضی و ہنگامی!

بہر حال قرآن حکیم نے اپنے اعجازی نظم اور معجزانہ اسلوب بیان سے مسئلہ علم غیب کو نکھار کر صاف کر دیا ہے اور اس میں کسی شرک پسند کے لئے مشترکاتہ و اہمہوں کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ بالخصوص آیت اظہار غیب اس بارے میں ایک جامع ترین ہدایت نامہ ہے، جس نے اس مسئلہ کو ہر قسم کے زمانی، مکانی، ذاتی، عرصی، دوامی اور ہنگامی شرکاء سے بری کر کے اور اللہ کی علمی توحید کو ہر شک و شبہ سے پاک کر کے مسئلہ کے ہر مثبت اور منفی پہلو کو کھول دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً اُس نے :-

(۱) لفظ "عالم الغیب" سے ابتداء کر کے اللہ کے عالم الغیب ہونے کا اعلان کیا۔

(۲) پھر اُسے "اطلاع دہندہ" عیب بتا کر علم غیب کو اس کا خاصہ ثابت کیا۔ جس سے ہر غیر اللہ سے علم غیب کی نفی ہو گئی! —

(۳) پھر علیٰ غیب کے لفظ سے علم غیب کو اس کا ذاتی علم ثابت کیا۔ جس سے ہر مخلوق کے حق میں ذاتی علم کی نفی ہو گئی!

- (۴) پھر تلمیحاً غیب کو "اطلاع غیب" کا عنوان دے کر غیر اللہ کے لئے صرف اطلاعی علم ثابت کیا۔ جس سے عطائی علم کی بھی مخلوق سے نفی ہو گئی، تاکہ خالق کی ذات کسی بھی حصہ علم سے خالی نہ سمجھی جائے!
- (۵) پھر حق تعالیٰ کے علم غیب کے اثبات کے لئے فعل کے بجائے صفت کا صیغہ (عالم الغیب) استعمال کر کے علم خداوندی کو ازلی ابدی اور دائمی و استمراری ثابت کیا، جس سے غیر اللہ کے علم دائمی کی نفی ہو گئی اور مخلوق کا علم ہنگامی اور عارضی ثابت ہوا۔
- (۶) پھر اظہاراً غیب کے کلمہ سے اُسے غیب کی اطلاع دینے میں فاعل محنت و ثابت کیا، جس سے تمام وسائل علم غیب کے اطلاع دہندہ غیب ہونے کی نفی ہو گئی۔!
- (۷) پھر ظہوراً غیب کو "اطلاع خداوندی" کے ساتھ مقید اور اُس میں منحصر ثابت کر کے ہر استدلالی علم کو علم غیب ہونے سے خارج کیا، جس سے فتنی طور پر مستقبل کی باتیں بتلانے والوں کے غیب دان ہونے کی نفی ہو گئی!
- (۸) پھر کلمہ "مِن رَسُوْلِی" کے اقتضائے رسول کے لئے علم کلی کی نفی ہو گئی۔ اور بشر کے لئے علم مَآکَانَ و مَایکُونَ کا سوال ختم ہو گیا۔!
- (۹) پھر اسی "مِن رَسُوْلِی" کے کلمہ سے رسول کے لئے علم جزئی ثابت کر کے خدا و رسول کے علم کا فرق واضح کیا کہ خدا کا علم محیط اور کلی ہے اور رسول کا اس کے لحاظ سے جزئی اور محدود جس سے خدا و رسول کے علم میں مساوات کا تخنیل منفی ہو گیا۔!
- (۱۰) پھر اس علم کو پیغمبر کے حق میں اطلاعی کہہ کر "مِن رَسُوْلِی" ہی کے کلمہ سے اُمت کے حق میں اسے رسالاتی "علم ثابت کیا۔ جس سے اُمت کے حق میں اُس کے اطلاعی علم ہونے کی بھی نفی ہو گئی، بلکہ یہی غیبی علم اُس کے حق میں اسناد لائی ہو گیا۔!

(تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ)

غرض آیت کریمہ کے بلیغ بیان اور اس کے ایک ایک لفظ سے علم غیب کا مثبت اور منفی پہلو دونوں ساتھ ساتھ نکھرتے ہوئے ہیں۔ اثباتی پہلو سے تو ذات حق کے لئے اس علم کے تمام مراتب و شئون تخصیص کے ساتھ ثابت ہونے لگے ہیں اور منفی پہلو سے غیر اللہ سے اس علم کے تمام شئون و مراتب منفی ہوتے لگے ہیں۔ اور اس طرح یہ اعجازی آیت مسد علم غیب کے تمام جہات اور اُس کے تمام مالہ و ما علیہ کا جامع ترین بیان ثابت ہوتی ہے، جس سے توحید خداوندی کا یہ اہم ترین رکن (علم غیب) ہر ایک ترک آئینہ تصور اور منافی توحید توہم سے منزہ مقدس اور بے غبار ہو کر نمایاں ہو گیا۔ فَلَئِلْهُمُ الْخُمُودُ أَلْمُتَةُ!

ان قرآنی تصریحات و تلمیحات کے ہوتے ہوئے حضرت سید الادین والآخرین کے لئے علم غیب کا دعویٰ اور وہ بھی علم کلی اور علم مَآکَانَ و مَایکُونَ کی قید کے ساتھ نہ صرف بے دلیل اور بے سند بلکہ مخالف دلیل معارض قرآن اور اس توحیدی شریعت کے مزاج کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات ہے۔!

۵ رسول کا علم جزئی اور محدود اللہ تعالیٰ کے علم کی نسبت سے ہے۔ مگر اُمت کا مجموعی علم بھی رسول کے علم سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔!

مگر اس سے اس حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ تمام کائنات جن و بشر اور روح و ملک میں سب سے زیادہ سب سے وسیع تر اور بے نظیر و بے مثال علم حضرت اعلیٰ علم الاولین والآخرین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے۔ عالم میں نہ اتنا بڑا عالم باللہ اور عارف حق پیدا ہوا، نہ ہو گا۔ اگر کوئی حضور کے اس علم کی عظمت و وسعت و کثرت اور زیادت و جامعیت میں شک کرے اور آپ کے اعلیٰ الخلاق ہونے میں اُسے تامل ہو تو وہ اپنے ایمان کی منکر کرے۔ لیکن اس یقینی اور ناقابل تامل علم عظیم کی وسعت ثابت کرنے کا یہ طریقہ نہیں کہ رسولوں کو خدا کہا جائے۔ مخلوق کو خالق کے برابر کر دیا جائے اور انہیں ذرہ ذرہ کا عالم اور ماکان و مایکون کا جاننے والا کہہ کر ان کے علوم ہدایت و اصلاح میں زید، عمر، بکر کی حنائی جزئیات دیتا بھر کے انسانوں کے تمام ذہنی وساوس و خطرات اور حوادث عالم کے روزمرہ کے تمام افسانے ان کے علم کا جزو قرار دے دیئے جائیں۔ کہ اس سے نہ صرف سلیم طلب الہی انکاری ہیں، بلکہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انکا رد اعراض فرما رہے ہیں اور نہیں چاہتے کہ یہ جزئی جزئی تھتے اور دُور از کار معلومات آپ کے ظرف علم میں بھرے جائیں۔!

چنانچہ حضور نے اپنے پاکباز صحابہ کو ہدایت فرمائی کہ لوگوں کی کمزوریاں میرے سامنے لا کر نہ رکھو۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے سلیم الصدر رخصت ہوں۔ گویا اس قسم کی معلومات سے قلب مبارک خود کتا رہ کشت رہنا چاہتا تھا، جو اصل مقصد نبوت سے تعلق نہ رکھتی ہوں اور اُدھر سے قلب کی یکسوئی اور جمعیتہ میں خلل انداز بھی ہوں۔ بلکہ دُنیا سے سلیم الصدر رخصت ہونے کے جملہ سے اور بھی اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس قسم کی معلومات رخصتی کے آخری لمحات میں بھی حضور کو گوارا نہیں لگتیں۔ کہ وہ ذہن مبارک میں آئیں، جنہیں زبردستی نہ عیان عشق رسول ان آخری لمحات میں حضور کی مرضی کے خلاف حضور کے لئے تجویز کرنے سے نہیں شرماتے۔!

صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن ایک منقش مصلے بچھا دیا تو آپ نے اسے اٹھا دیا اور فرمایا کہ اس کے گل بوٹوں نے مجھے مشغول کر لیا (یعنی نماز کی یکسوئی اور دل جمعی میں فرق آ گیا) جس سے واضح ہے کہ اس قسم کی جزئیاتی معلومات و محسوسات کو جن کا ارشاد و ہدایت سے کوئی تعلق نہ ہو، آپ اپنے خزانہ خیال میں جمع فرمانا بھی پسند نہیں فرماتے تھے، اس لئے کہ شان رسالت کے لئے موزوں اور مناسب ہی یہ تھا اور یہی اس شان اقدس کا فطری تقاضا بھی تھا۔ کہ آپ کو صرف انہی مقاصد و احکام کا علم دیا جائے جو بنی نوع انسان کے لئے حصول سعادت کا ذریعہ اور شقاوت سے بچاؤ کا وسیلہ ہوں اور خود آپ کے نفس طیبہ کے لئے ہمہ وقت ترقی اور قرب خداوندی کی بیشی کا ذریعہ ہوں۔ اب اگر انبیاء علیہم السلام کو علوم شرعیہ کے علاوہ علوم طبیعیہ، علوم ریاضیہ، علوم فلسفہ، علوم منطقیہ، مثل سائنس، فلسفہ ریاضی، ہیئت، ہندسہ، جغرافیہ، شعر و شاعری، سحر و سحری، کہانت، نجوم اور زید، عمر، بکر کے گھریلو تھتے معلوم نہ ہوں تو علم کی یہ تحدید ان کے لئے نفس نہیں بلکہ عین کمال اور ان کی پاک فطرتوں کا عین مقتنا ہے۔!

چنانچہ حدیث نبوی میں خبر دی گئی ہے کہ آپ نے کسی موقع پر ایک نجوم دیکھا جو کسی شخص کے ارد گرد جمع تھا۔ پوچھا یہ کیسا مجموع ہے؟ عرض کیا گیا کہ رَجُلٌ عَلَا مَہ۔ ایک بڑا عالم ہے جس پر لوگ ٹٹے پڑ رہے ہیں اور وہ علم کی باتیں لوگوں کو بتلا رہا ہے۔ فرمایا۔ کیسا علم؟ عرض کیا گیا کہ شعر اور انساب کا علم۔ تو ارشاد فرمایا:۔
علم یا ینفع و جہل لا یفرانما العلمایۃ المحکمۃ اوسنۃ قائمۃ اوفریضۃ عادلۃ!

یہ وہ علم ہے کہ نہ تو اس کا جانتا کچھ نافع ہی ہے اور نہ اُس کا نہ جانتا ہی کچھ مُضر ہے، علم تو (حقیقتاً) آیت محکمہ (قرآن) یا سنت قائمہ (حدیث) یا فریضہ عادلہ (جو ان دو جیسا ہو یعنی اجتهاد، مجتہد یا اجماع) ہے!

اس سے واضح ہے کہ نبوت کی نگاہ میں نہ ہر علم مطلقاً نافع ہی ہے اور نہ ہر علم علی الاطلاق مطلوب۔ ورنہ علم کی تقسیم نافع اور مُضر کی طرف لغو اور فضول ہو جاتی۔ درحالیکہ قرآن حکیم نے بھی اس تقسیم کو قبول فرمایا اور اس پر متنبہ کیا ہے، سحر و ساحری کے بائے میں نہ فرمایا:-

وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ!

شعرو شاعری کو اپنے رسول سے دُور رکھتے ہوئے گویا اس کے مُضر ہونے کی طرف اشارہ فرمایا کہ:-

وَمَا عَلَّمْنَا الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ!

اور ہم نے اُسے شاعری نہیں سکھائی اور وہ اس کے لئے مناسب (یعنی شایان شان) بھی نہیں ہے!

ظاہر ہے کہ جس علم کو حق تعالیٰ اپنے رسول کے لئے غیر موزوں بتلائے اور جس کے مُضر ہونے کی صراحت فرمائے اُس کا شوق رسول پاک کے ذہن مبارک میں کیسے آسکتا تھا اور اُس پاک طرف میں یہ دُور از کار نبوت معلومات کیسے ڈالی جاسکتی تھیں! بہر حال اس قسم کے غیر رسالاتی علوم بلاشبہ طرف نبوت میں پہنچ کر الجھن ہی کا باعث ہوتے کہ مفقود سے بے تعلق تھے اس لئے قابل قبول نہ ٹھہرے، تو اُن سے طرف نبوت کا خالی رہنا ہی نبوت کا کمال ہو سکتا ہے، نہ کہ اُس کا نقص۔ اندر میں نبوت اللہ کے اس عظیم الشان رسول کے لئے علم ماکان وما یكون ثابت کرنے کی لا حاصل سعی کرنا اُن کے وصف رسالت کے تقاضوں کو بے اثر دکھلانا ہے جو وصف رسالت کی توہین ہے نہ کہ تعظیم۔!

اس لئے اگر نبی کریم علیہ افضل الصلوات والتسلیم خود ہی اپنے سے علم غیب کی کئی نفی اور علم کلی کا صاف اور واضح انکار فرمائیں اور مامور من اللہ ہو کر نہ مائیں تو یہ نفی ایک حقیقت ہوگی نہ کہ تو اضع وانکسار۔ چنانچہ قرآن کی زبان میں۔

آپ نے فرمایا اور مامور من اللہ ہو کر نہ فرمایا:-

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ
إِنِّي مَلَكَتُ إِنْ أَتَّبَعِ إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ -

تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس خزانے ہیں اللہ کے، اور نہ میں جانوں غیب کی بات اور نہ میں کہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اُسی پر چلتا ہوں جو میرے پاس اللہ کا حکم آتا ہے!

وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ

اور میں تو صرف (کھلے طور پر) ڈرلنے والا ہوں!

اس میں اپنے سے علم غیب کی علی الاطلاق نفی ہے، جس میں کلی کی قید ہے نہ جزئی کی۔ جس کا حاصل یہی ہے کہ میں کچھ بھی علم غیب نہیں رکھتا۔ جس کی وجہ آگے ذکر فرمائی گئی ہے کہ میرا منصب انذار اور انجام کی ہلاکت اور عذاب خداوندی سے ڈرانا ہے۔ جس کے لئے علم غیب کی ضرورت نہیں، صرف اُن امور کے علم کی ضرورت ہے، جن کو اس ڈرلنے میں دخل ہوا۔

وہ اس انذار و تنبیہ میں مؤثر ثابت ہوں۔

اس لئے اب ان عرض کردہ آیات و روایات یعنی کتاب و سنت کو سامنے رکھ کر علم کی تقسیم یوں نہ ہوگی کہ اللہ کا علم ذاتی اور رسول کا علم عطائی یعنی نوعی فرقی کے ساتھ دونوں کا برابر گویا ایک حقیقی خدا اور ایک مجازی خدا۔ یا بقول عیسائیوں کے ایک الہ مجرد اور ایک الہ مجسم، معاذ اللہ۔ بلکہ یہیں یہ ہوگی کہ ایک علم غیب ہے یعنی علم ذاتی جو بلا وسیلہ و اسباب ذات سے ابھرے اور بالذات ہو بالآخر نہ ہو۔ یہ علم کلیتہً حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ غیر اللہ کو اس علم کا نہ کئی حاصل ہے، نہ جزو، نہ کئی نہ جزوی!

دوسرا علم اطلاعی اور حکائی ہے جو مسائل سے حاصل شدہ ہو یعنی علم غیب نہ ہو، وہ بندوں کو ہو سکتا ہے۔ اب اگر وہ قطعی یقینی اور غیر مشتبہ و مسائل سے ہو۔ جس میں کسی شک و شبہ یا التباس کی گنجائش نہ ہو۔ جیسے وحی خداوندی، جسے آیت اظہار غیب میں اطلاع خداوندی کہا گیا ہے، تو یہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اگر ظنی و مسائل سے ہو، جس سے اشتباہ و التباس کلیتہً مرتفع نہ ہو جیسے کشف و الہام تو یہ اولیاء کو بھی ہو سکتا ہے!

اور اگر طبعی و مسائل سے ہو، جیسے عقل و خرد، ذوق و تجربہ اور فکر و تدبیر وغیرہ تو یہ اذکیاء و عقلاء کو بھی ہو سکتا ہے اور اگر حسی و مسائل سے ملے، جیسے سمع و بصر اور عام حواس، تو یہ عام انسانوں کے لئے بھی ممکن ہے، پس یہ سب قسمیں وہی اطلاعی علم کی ہوں گی۔ فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ وحی کا علم وہی ہے جو محض مہیبت الہی سے ملتا ہے، کسبی و اکتسابی نہیں۔ کہ جس کا جی چاہے محنت کر کے وحی حاصل کر لیا کرے اور نبی پر جایا کرے۔ اور غیر وحی کے تمام علوم کسبی ہیں، جنہیں خود اپنی توجہ اور محنت سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ان سب علوم میں علم اعلیٰ وہی ہوگا۔ جو وحی الہی سے ہوگا۔ اس لئے نبی کے لئے وجہ افضلیت یہی علم ہوگا نہ کہ وہ کسبی اور اکتسابی علوم و فنون جو ہر انسان اپنی محنت سے حاصل کر سکتا ہے۔!

رسول پاک کے لئے اس قسم کے علم کا دعویٰ رکھنے والے اپنے دعوے میں مخلص ہوں اور بزعم خود محبت رسول میں غرق ہو کر خوش اعتقادوں سے ہی وہ یہ دعویٰ کرتے ہوں۔ سو ان کی نیت اور جذبہ پر حملہ مفسود نہیں۔ مگر یہ گذارش ضرور ہے کہ یہ دعویٰ خواہ کتنا ہی جوڑش عقیدت و عظمت اور ولولہ شوق و محبت سے کیا گیا ہو۔ مگر ہم مسلمان صرف عقائد و احکام ہی میں آسمانی ہدایات کے پابند نہیں بنائے گئے، بلکہ عشق و محبت کے جذبات اور اظہار عقیدت و محبت میں بھی شرعی حدود و قیود کے پابند کئے گئے ہیں۔ کیونکہ ہم سے عقلی محبت مطلوب ہے، جس کا نام ایمان ہے۔ اطبعی محبت مطلوب نہیں جو غیر اختیاری اور بے شعور محبت ہے، اول کا تعلق عقل و شعور سے ہے اور ثانی کا جذبات سے۔ بحالت صحت شعور و حواس ہمیں اس کا اختیار نہیں دیا گیا کہ ہم ایک اصولی اور شعوری محبت کو محض جذباتی محبت بنا کر شرعی آداب سے بے نیاز اور بالاتر ہونے لگیں۔ اور اپنے کو عارف باللہ اور علی بصیرت بنانے کی جگہ بے شعور اور جذباتی ثابت کرنے لگیں۔ یا بتکلف جذبات عشق کی آڑ لے کر تمام شرعی حدود و قیود اور تہذیب نفس کی تمام دینی پابندیوں سے آزاد ہو جائیں۔!

یہ حال مدعیان عشق میں تو ممکن ہے کہ مدح رسول کی یہ دفعہ مل جائے کہ علم رسول، علم خدا کے برابر ہے۔ لیکن خود خدا کے کلام میں اس دفعہ کا کوئی وجود نہیں اور کسی ایک آیت میں بھی رسول کریم کے عالم الغیب ہونے یا عالم ماکان

وَمَا يَكُونُ هُوَ لَكُمْ دَعْوَىٰ نَهَىٰ كَيْفَ يَكُونُ - اور کیا گیا ہے تو اس علم کی کئی نفی کا۔ جیسا کہ ان مذکورہ اوراق سے کافی روشنی میں آچکا ہے۔ حتیٰ کہ کسی صریح حدیث میں بھی یہ دفعہ نہیں مل سکتی۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ حدیث کے کسی مترقباہ کلام کی آرٹلی جائے اور محض اپنے دعوے کی لاج رکھنے کی سعی کی جائے۔ چنانچہ اس کے لئے سب سے زیادہ نمایاں کر کے حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو پیش کیا جاتا ہے۔ جو مشکوٰۃ میں روایت کی گئی ہے، شاید اسی کے ایک ذومعنی لفظ سے حضور کے علم کئی کا تخیل قائم کیا گیا ہے۔ مضمون حدیث کا حاصل یہ ہے کہ:-

”ایک دن سرورِ دو عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ دیر سے کھلی۔ قریب تھا کہ آفتاب طلوع ہو جائے اور نماز صبح قضا ہو جائے کہ آپ گھبرائے ہوتے باہر تشریف لائے اور مختصر سی نماز پڑھا کر لوگوں کو بیٹھے رہنے کا حکم دیا اور دیر سے آنے کی وجہ ارشاد فرمائی کہ نماز تہجد میں مجھے اُوٹھ سی آگئی، بدن بوجھل ہو گیا تو اچانک میں نے اپنے رب کو نہایت ہی پاکیزہ صورت میں خواب میں دیکھا اور یہ حق تعالیٰ نے مجھے تین دفعہ خطاب فرما کر پوچھا کہ اے محمد! ملاو اعلیٰ کس چیز میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے تینوں دفعہ کا ادریٰ کہہ کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ آخر جناب باری عزائمہ نے اپنی ہتھیلی (جیسی ہتھیلی اس کی شان کے مناسب ہو) میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان رکھ دی۔ تا آنکہ میں نے ان کے پوروں کی ٹھنڈک سینہ کے درمیان محسوس کی“

فتیحی بی کل شیء عرف

تو ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی اور میں پہچان گیا!

یہی کل شیء کا مبہم کلمہ ہے جو علم غیب کئی کے لئے بطور دلیل کے پیش کیا جاتا ہے!

لیکن ادل تو قرآن حکیم کی اتنی صاف و صریح اور غیر مبہم تصریحات کے ہوتے ہوئے جو پیش کی گئیں ایک خبر واحد کے ایک مبہم جملہ کو ان کے خلاف پیش کرنا اور قطعیات کو ظنی کے تابع بنانا مطلب برآری کے سوا اور کس عنوان کا مستحق ہو سکتا ہے؟ دوسرے عقیدہ کے لئے نفسِ قطعی کی ضرورت ہے، ظنی سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، جو ایمان کا جزو بنایا جائے۔ اور اس کے خلاف کو کفر کہا جائے، پھر یہ کہ ظنی ہی طور پر اگر کسی نفسِ ظنی سے کوئی شرعی نظر یہ قائم کیا جائے تو کم از کم نفس کے الفاظ کو قطعی الدلالت اور تعین المراد ہونے چاہئیں۔ جس کے معنوم اور مراد میں بھی کئی کئی احتمالات ہوں تو اس کی بنیاد پر تو کسی نظر یہ کی بھی عمارت نہیں اٹھائی جاسکتی، چہ جائیکہ عقیدہ کی عمارت کھڑی کی جائے!

(۱) سو اول تو کل شیء سے ذرہ ذرہ اور ماکان و مایکون مراد لئے جانے کی کوئی دلیل نہیں۔ بالخصوص جبکہ اطلاع غیب کی آیت کے کلمہ من رسول سے ابھی واضح ہو چکا ہے کہ شرعیات اور ان کے متعلقات کے علم کے سوا باقی معلومات و صغیر رسالت کا مقتضایہ ہی نہیں ہیں کہ یہاں دور ازکار استیاء کا علم کل شیء کے عموم میں داخل کیا جائے، اس لئے کل شیء سے موضوع رسالت ہی کی کل استیاء مراد لی جائیں گی اور وہ وہی استیاء ہو سکتی ہیں جن کا اس حدیث میں حضور سے سوال کیا گیا۔ (یعنی ملاو اعلیٰ کے جھگڑنے کی چیزیں) اور آپ نے ان سے اپنی لاعلمی ظاہر فرمائی۔ مقام کا تقاضا ہے کہ وہی کل شیء آپ پر منکشف ہو میں

اور آپ کو ان کی کامل معرفت حاصل ہو گئی۔ جس کا سبب حق تعالیٰ کا یہ قدرت آپ کے سینہ مبارک کے درمیان رکھ دینا ہوا، جو تصرف تھا حضور کی روحانیت میں اور وہ بھی انتہائی قرب کے ساتھ۔ کیونکہ ہاتھ رکھ دینا کامل قرب کی انتہا ہے۔!

یہ تصرف ایسا ہی تھا جیسا کہ پہلی وحی میں۔ جبکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے ظاہر ہو کر آپ سے تین مرتبہ اقراء کہا اور آپ نے تینوں دفعہ صاانا بقراءتی فرما کر اپنی لاعلمی کا اظہار فرمایا تو انہوں نے تین مرتبہ حضور کو سینہ سے لگا کر دبا دبا یا اور سخت دبا دبا۔ جس کا تعبیر آپ کو محسوس ہوا۔ یہ درحقیقت ملکیت کے ساتھ آپ کو انتہائی طور پر قریب کر کے بلکہ ملا کر روح پاک میں تصرف کرنا تھا! جس کا اثر علم و انکشاف کی صورت میں ظاہر ہوا اور آپ نے اقراء کے جواب میں قرأت وحی شروع فرمادی۔ اور حقیقت حال کا انکشاف ہو گیا۔ ایسے ہی یہاں بھی حق تعالیٰ نے تین بار اختتام ملا، اعلیٰ کا سوال فرمایا اور آپ نے تینوں بار لاعلمی کا اظہار کیا۔ تو براہ راست یہ قدرت سے انتہائی قرب بخش کر بلکہ اپنے سے ملا کر تصرف فرمایا۔ جس سے وہ لاعلمی ختم ہو گئی۔ علوم مقصدہ کا انکشاف ہو گیا۔ اور اس سوال کے جواب اور جواب کے تمام مضمر علوم کی استعداد آپ میں دفعتاً پیدا ہو گئی۔ جنہیں زبان و بیان سے آپ نے کھولنا شروع فرمادیا۔ گویا جتنی باتوں کا سوال کیا گیا تھا آپ کو انہی کے کل مضمرات کا انکشاف ہوا اور اسی کو کل شئی سے تعبیر فرمایا گیا پس اس کل شئی کے مفہوم کو ذرہ ذرہ پر محیط مان کر علم ماکان وما یكون مرادیا جانا ایک بے دلیل دلیل ہے، جس کی اس روایت میں کوئی سند نہیں۔!

(۲) لیکن اگر مذکورہ شرعی قاعدہ اور قرآنی اصول کو (کہ حضور کے لئے صابن یعنی مناسبتان بنوت ہی علوم مراد لئے جائیں) نظر انداز کر کے محض حدیث کے الفاظ ہی پر جمود کیا جائے، اور کل شئی کو ذرہ ذرہ کے لئے عام ہی مانا جائے۔ تو پھر اس پر بھی غور کر لینا چاہیے۔ کہ تجلی کے معنی علم کے نہیں بلکہ کسی چیز کے پرتی اور عکس و ظل کے سامنے کر دیے کے ہیں جیسے فلما تجلی ربہ للجمیل میں تجلی کے معنی اس کے سوا دوسرے نہیں کہ حق تعالیٰ نے شجرہ مبارکہ پر اپنے نورانی ظل و عکس سے جلوہ گری فرمائی اور اپنی کسی شان نمایاں فرمادیا، ورنہ ظاہر ہے کہ کسی مادی ظرف میں اس کی لطیف و خیر ذات کا لہجہ اتر آنا قطع نظر اس کی بے انتہا لطافت اور پاکیزہ شان کے لائق نہ ہونے کے یہ ممکن بھی کب ہے کہ محدود میں لا محدود سما جائے، جیسے آئینہ میں آفتاب کے اتر آنے کا مطلب یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اس چھوٹے سے ظرف میں یہ زمین سے گیارہ کروڑ گنا بڑا نورانی جسم خود اتر آیا۔ کہ یہ ناممکن ہے۔ بلکہ یہ ہوتا ہے کہ آفتاب کا عکس یا پرتی اس میں آگیا مگر مجازاً کہا یہی جاتا ہے کہ آفتاب آئینہ میں اتر آیا۔!

اسی طرح تجلی اشیا کا مطلب اس کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا کہ اچانک عالم کی کل اشیا مجھ پر منکشف ہوئیں یعنی ان کی صورت مثالی میرے سامنے آگئی، سوا سے کشف کبیر گے، علم نہیں کہیں گے اور اگر علم کا لفظ بھی بولا جائے گا تو مناسب مقام اس کے معنی بھی انکشاف اور کشف ہی کے ہوں گے۔ کیونکہ جس چیز کا کشف ہوا اس کا علم تو پہلے سے تھا، ہم نے اگر سورج کو آئینہ میں دیکھا تو یہ علم نہیں کیونکہ علم تو سورج کا پہلے سے

ایسی ہی موسیٰ علیہ السلام نے اگر شجرہ کے پردہ میں اللہ کو دیکھا تو یہ رویت انکشافی تھی علم نہ تھا کہ علم تو پہلے سے تھا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث کسوت کش میں ہے کہ بحالت نماز حضور نے جنت و دوزخ دونوں کو دیوار قبلہ میں دیکھا تو یہ وہی جنت و دوزخ کی صورت مثالی کا انکشاف تھا۔ علم نہ تھا۔ علم تو ان دونوں کا پہلے ہی سے حضور کو تھا،

پہر حال اس تجلی مثالی کا نام کشف ہے، علم نہیں، اور کشف آنی ہوتا ہے کہ اچانک سارا عالم سامنے آجائے۔ مگر جب وہ کشفی حالت رفع ہو تو وہ بھی ادجھل ہو جائے۔ حضرت معاذ بن جبل کا صغٹہ قبر رقبہ کا آپ کو دباننا حضور پر منکشف ہوا جو وقتی حال تھا۔ بعض اہل قبور کا عذاب آپ پر منکشف ہوا۔ جو ایک ہنگامی حال تھا بعد میں نہیں رہا۔ یہ نہیں کہ آپ اُسے ہر وقت دیکھتے ہی رہے، یا جہان بھر کی تمام قبروں کے حالات حضور پر ہمہ وقت منکشف رہتے تھے!

پہر حال کشف، احوال و مواجید میں سے ہے جو ہمہ وقت نہیں رہتا۔ بخلاف علم کے کہ وہ رنگ نفس بن کر پائدار ہوتا ہے۔ پس حق تعالیٰ کے یہ قدرت قدرت کے تصرف کا یہ قدرتی اثر تھا کہ قلب نبوت اکرم چمک اٹھا اور اُس میں کائنات کی ساری اشیاء اپنی مثالی صورتوں کے ساتھ اچانک زیر نظر آگئیں۔ لیکن یہ تجلی مقصود نہ تھی۔ صرف تصرف حق کی خصوصیت تھی، اس سے مقصد اصلی قلب نبوت کو چمک کر وہ علوم اُس میں پیدا کرنے تھے، جن کا سوال حق تعالیٰ کی طرف سے کیا گیا تھا۔ کہ فیما یختصم الملاء الاعلیٰ (ملائے اعلیٰ والے کس چیز میں جھگڑتے ہیں) چنانچہ وہ روشن ہوئے تو اُسی کو آپ نے فرمایا و عرفت، یعنی میں حقیقت حال پہچان گیا۔ اور اس کے بعد ہی آپ نے اس سوال کے جواب پر اپنے بیان سے روشنی دلانی شروع کر دی۔!

اس کی مثال بعینہ ایسی ہی ہے، جیسے کہ کوئی شخص کتاب کا مطالعہ کرنے کے لئے چراغ جلائے اور سارا گھر روشن ہو جائے۔ اور مقابل کی ہر چیز نظر آنے لگے۔ لیکن یہ انکشاف اشیاء حسانہ چراغ جلنے کی خاصیت ہوتی ہے، خود ان اشیاء کا سامنے لانا اور دیکھنا مقصود نہیں ہوتا۔ مقصود اصلی مطالعہ کتاب ہوتا ہے، تاکہ مسائل کا علم ہو، ٹھیک اسی طرح تصرف خداوندی جو قلب مبارک پر فائز رکھنے کی صورت سے ہوا، چراغ روشن کرنے کے مشابہ ہے۔ جس سے شفاف لطیفہ نبوت اکرم چمک اٹھا۔ اُس چمک میں اشیاء کائنات کا اکدم متجلی اور منعکس ہو جانا گھر کی چیزوں کے روشن ہوجانے کے مشابہ ہے اور اس روشنی میں مطالعہ کتاب جو اصل مقصد ہے۔ سوال خداوندی کا جواب ذہن میں آجانے کے مشابہ ہے۔ اس لئے حدیث میں تجلی اشیاء سے تو کشف مراد ہے، جو خود مقصود نہیں اور معرفت سے علوم مقصودہ کا کھل جانا مراد ہے۔ جو اس تصرف الہی کا اصل مقصود تھا۔ پس کُل اشیاء کائنات کا اچانک آپ کے سامنے کھل جانا کشف تھا، علم نہ تھا۔ اور ظاہر ہے کہ کشف اگر ساری کائنات کا بھی ہو جائے تو وہ آنی اور دفعی ہوتا ہے، جس میں استقرار نہیں ہوتا، گویا وہ ایک حال ہوتا ہے، جو آتا ہے اور چلا جاتا ہے، بسا اوقات اہل حال، اہل اللہ پر ایسے واردات کا ورود دفعہ ہوا ہے کہ کُل کُل عالم فرش سے عرش تک اور اس سے بھی اُدپر کے اُدپر بڑے بڑے جہان اُن پر اچانک منکشف ہو کر سامنے آگئے جیسا کہ فتوحات مکیہ میں رئیس الصوفیاء حضرت شیخ اکبر نے خود اپنے مکاشفات کے سلسلہ میں

مگر انہی شیخ اکبر کے کشفی مسائل لفظ و بیان میں آکر اس قدر نازک، دقیق اور متشابہ ہو گئے ہیں کہ اہل شریعت صوفی اُن پر وارد ہونے والے اعتراضات کو رفع کرتے کرتے ٹھکے جاتے ہیں مگر حالت یہ ہے کہ ایک بیچ کھتا ہے اور دو بیچ اور پڑ جاتے ہیں، اس کے برخلاف "الناحق" والے صوفی فتوحات مکیہ اور خصوصاً حکم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ "ایمان" لرز اٹھتا ہے، اللہ کی رحمت نازل ہو مجدد الف

راہیہ (جس کا مطلب ہے کہ اس کا راستہ نہ کشف ہے)۔

ایسی خبریں دی ہیں کہ ان پر دُعا و ما فیہا اور فرشتے سے تاعرش منکشف ہوا۔ لیکن نہ انھیں عالم الغیب کہا جاتا ہے، نہ عالم ماکان و مایکون کہ یہ علم نہیں بلکہ اجمالی مشاہدہ ہے۔ جس میں کُل کائنات اچانک سامنے آجاتی ہے اور فوراً ہی یہ مشاہدہ ختم ہو جاتا ہے اگر ہم ہوائی جہاز پر سوار ہو کر دلی کے اوپر پرواز کریں اور یہ کہیں کہ اس وقت کُل دلی ہمارے سامنے ہے تو دعویٰ صحیح ہے۔ مگر نہیں کہا جاسکتا کہ ہم نے دلی کی جزئی جزئی تفصیل کے ساتھ دیکھ لی اور ہماری نگاہیں اُس کے ایک ایک گھر میں گھسیں اور اُس کے ذرہ ذرہ کا مشاہدہ کر آئیں۔ اور جتنی بھی مشاہدہ میں آئیں وہ مشاہدہ صفت نفس بن گیا اور مرنے دم تک قائم رہا۔ یہی صورت پورے عالم کے کشف کئی کی ہوتی ہے کہ اس وقت یہ دعویٰ صحیح ہوتا ہے کہ اس کی کُل اشیاء سامنے آگئیں مگر یہ ایک دفعی اور اجمالی مشاہدہ ہوتا ہے، جس میں نہ استقرار ہوتا ہے نہ جزئی، جزئی کی تفصیل اس لئے اسے علم نہیں کہتے چہ جائیکہ علم غیب اور وہ بھی علم غیب کلی، اسی قسم کے انکشاف غیب کے بارے میں روح المعانی میں غیب کے معنی بیان کرتے ہیں لکھا ہے کہ:-

ومن هنا قيل الغيب مشاهدة الكل بعين الحق فقد يمشخ العبد قرب النوافل فيكون الحق سبحانه بصيرة الذي يبصر به وسمعه الذي يسمع به ويرى من ذلك الى قرب الفرائض فيكون نوراً فهناك يكون الغيب له شهود أو لمفقود لذنياً عنده موجوداً ومع هذا لا يسوع لمن وصل الى ذلك المقام ان يقال فيد انه يعلم الغيب. قل لا يعلم من في السموات والارض الغيب الا الله. روح المعانی جلد اول ص ۱۱۱ اور ایسے ہی مواقع پر کہا گیا ہے کہ غیب مشاہدہ کُل کا نام ہے جو عین حق سے ہو، چنانچہ کبھی بندہ پر احسان کیا جاتا ہے کہ اُسے نورِ فل کے ذریعہ قربِ خداوندی عطا کیا جاتا ہے تو حق تعالیٰ ہی اُس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور وہی اُس کا کان بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے، پھر اس سے ترقی کر کے جب وہ فرائض کے ذریعہ قرب الہی پاتا ہے تو اور محبت بن جاتا ہے اور اس وقت یہ غیب اس کے لئے شہود ہو جاتا ہے اور جو چیزیں ہم سے مفقود ہیں۔ اس کے سامنے موجود ہو جاتی ہیں (گو یا اشیاء کائنات اُس کے مشاہدہ میں آجاتی ہیں مگر اس کے باوجود جو بھی اس مقام پر پہنچے، اُس کے لئے یہ گنجائش نہیں ہے کہ اُسے عالم الغیب کہا جاتا ہے اور اس وقت یہ غیب اس کے لئے شہود ہو جاتا ہے اور جو چیزیں ہم سے مفقود ہیں۔

ارشاد حق ہے کہ ”اے پیغمبر! فرما دیجئے کہ کوئی بھی زمین میں ہو یا آسمان میں غیب نہیں جانتا۔ بخرا اللہ کے“

اس سے واضح ہے کہ اس قسم کا مشاہدہ کُل علم ہی نہیں۔ چہ جائیکہ علم کلی ہو اور نہ ایسے صاحب کشف پر عالم الغیب کا اطلاق ہی آسکتا ہے، بلکہ یہ ایک دفعی انکشاف ہے جو غیر بنی کو بھی بطویل انبیاء میسر آسکتا ہے!

یہ حال ”تجلی کُل شئی“ میں تجلی سے کشف مراد ہوگا جو تجلی کی حقیقت ہے۔ اب اگر کُل شئی سے اس خاص دائرہ کی کُل اشیاء کا کشف مراد لیا جائے۔ جن کا حق تعالیٰ نے سوال فرمایا تھا تو یہ مسائل کا کشف ہوگا۔ جسے فقہی اصطلاح میں کشف الہی کہتے ہیں۔ کہ حقائق شرعیہ منکشف ہون جائیں۔ اور اگر کُل شئی سے کائنات کی تمام اشیاء کا کشف مراد لیا جائے تو کشف کوئی ہوگا مگر ان میں افضل ترین کشف مسائل کا ہے جو مفقود ہیں نہ کہ اشیاء کائنات کا جو ہذا ہذا مفقود

ہی نہیں۔ پس اول تو اس حدیث سے کشف کوئی پروردینا اور کشف الہی سے باوجود اس کے ممکن ہونے کے یکسو ہو جانا مرتبہ نبوت کی عظمت اور جلالت قدر سے قلیل المعرفتی کی علامت ہے۔ اور اُدب سے اس تجلی کشفی سے علم غیب پر استدلال کرنا اور وہ بھی علم ماکان و مایکون پر کلمات حدیث کو ان کے مواضع سے ہٹا دینا ہے، جو تحریف کے ہم معنی ہے، کیونکہ تجلی کے معنی نہ لغت میں علم کے آتے ہیں نہ شریعت کی یہ اصطلاح ہے۔!

پھر کشف تو کشف "وہ علم بھی انبیاء کے لئے مدار افضلیت نہیں بن سکتا جو خصائص نبوت میں سے نہ ہو۔ یعنی غیر نبی کو بھی ہو سکتا ہو۔ اور بعض تجریمیاتی اور طبعیاتی قسم کے امور۔ جیسے کھجوروں کے پیوند باندھنے کے بارے میں حضور نے ارشاد فرمایا:-

انتم اعلم بامور دنیاکم (مسلم)

(اپنی دنیا کے امور کے بارے میں تم ہی سے زیادہ جانتے ہو)

ظاہر ہے کہ جس علم میں امتی کو نبی سے زیادہ جاننے والا فرمایا جائے وہ علم یقیناً خصائص نبوت میں سے نہیں ہو سکتا۔ ورنہ نبی کے واسطے بغیر کسی امتی کو کبھی مل ہی نہ سکتا۔ پس ایسے علوم و فنون پر نہ نبوت کی بنیاد ہے اور نہ وہ اس مقدس اور پاکباز طبقے کے لئے سب فضیلت ہیں، ان کے پیغمبرانہ کمالات کی بنیاد علوم شرائع و احکام ہیں۔ تکوینی علوم اس مقصد کی ضرورت کی حد تک بقدر ضرورت دیئے گئے ہیں۔ بنیاد نبوت نہیں ہیں کہ ان کے گھٹے بڑھنے سے نبوت میں کوئی فرق آجائے!

پھر اس حدیث تجلی لی کے ساتھ اگر ان بے شمار روایات و نصوص کو بھی ملا لیا جائے جن میں حضور نے خود ہی اپنے سے بہت سے معلومات کی نفی فرمائی ہے، تو پھر اس حدیث تجلی لی سے حضور کے لئے علم محیط ثابت کرنے کی وہی جرات کریگا جو علم کے حصہ کی بھی جرات ہی رکھتا ہو۔ مثلاً آپ دینہ کے بہت سے منافقین کچھ نہیں جانتے تھے، جیسے قرآن نے فرمایا:-

لا تعلمہم نحن لعلمہم

آپ نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں!

آپ علم شعر نہیں جانتے تھے جیسا کہ قرآن نے فرمایا:-

وَمَا عَلَّمْنَاكَ الشَّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ

ہم نے انہیں (پیغمبر کو) نہ شعر کی تعلیم دی اور نہ یہ ان کے مناسب شان ہی ہے!

حتیٰ کہ آخر عمر شریف تک بھی یہ فن آپ کے علم میں نہیں لایا گیا۔ کیونکہ آیت بالانے صرف اس علم ہی کی آپ سے نفی نہیں کی بلکہ آپ کی شان اقدس کے لئے اس کی ناپسندیدگی کا اظہار بھی فرمایا۔ اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ نامناسب اور خلاف شان باتوں کی آپ کو کسی وقت بھی تعلیم دی جاتی۔

آپ کا کسی میت کے بارے میں سوال فرمانا کہ یہ کب مرا ہے، آپ کا بعض قبروں میں عذاب کا مشاہدہ کو کے یہ فرمانا کہ یہ کن لوگوں کی قبروں میں؟ لا علمی کا اظہار ہے۔ فتح خیر کے موقع پر آپ کے سامنے زہر الود کھا تا پیش کیا گیا اور لا علمی کے سبب آپ نے اسے زبان پر رکھا اور کچھ اثر بھی اندر پہنچا۔ جس نے عمر پھر تکلیف پہنچائی۔ اس قسم کی تمام مسرت زبان چیزوں کے بارے میں آپ کا قرآنی زبان میں فرمانا کہ:-

وَلَوْ كُنْتَ اعْلَمُ الْغَيْبِ لَاسْتَكْتَرْتَ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا صَدَّقَ السُّرَّاءُ اَنَا الْاَنْذِيْرُ وَبَشِيْرُ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ!

اگر میں عالم الغیب ہوتا تو خیر کثیر جمع کر لیتا اور مجھے بُرائی نہ چھو سکتی۔ میں تو صرف ایک ڈرانے والا اور بشارت سنانے والا ہوں ایمان والوں کے لئے!

یہ آیت ظاہر ہے کہ محکم اور دوامی ہے منسوخ شدہ نہیں۔ اور واقعات میں نسخ ہو بھی نہیں سکتا۔ اس لئے یہ آیت باقیامت یہی اعلان کرتی رہے گی کہ آپ کو علم غیب نہ تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت تک آپ کو علم غیب نہیں ہوگا۔ ورنہ اگر اس آیت کے نزل کے بعد قیامت سے قبل اس کے خلاف کوئی بھی واقعہ پیش آتا تو خود قرآن اسے بیان کرتا اور اس آیت کا کوئی محل تلاش کیا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ تو اس کا یہ قطعی ثبوت ہے کہ آپ کا عالم الغیب نہ ہونا قیامت تک کے لئے ہے! اگر یہ کہا جائے کہ علم غیب ذاتی علم کو کہتے ہیں تو اس نفی سے زیادہ ذاتی علم کی نفی نکلی۔ کہ میں بالذات علم نہیں رکھتا۔ مگر اس سے بالآخر علم کی نفی نہیں نکلی۔ تو ہو سکتا ہے کہ آپ ان غیبی امور کو بتلیم الہی جانتے ہوں۔ بالذات نہ جانتے ہوں۔ تو آپ کا عالم الغیب ہونا بھی ثابت ہو گیا اور آیت کے خلاف بھی نہ ہوا۔ اس لئے مستقبل کا یہ علم اس آیت کے خلاف نہیں۔ جواب یہ ہے کہ ۱۔

اولاً تو قرآن نے جب صراحتاً علم غیب کے عنوان ہی کو آپ کے لئے نہیں رکھا اور اس عنوان ہی کی مستقلاً نفی کر دی تو اسی عنوان کا آپ کے لئے ثابت کرنا قرآنی عنوان کا محارضہ ہے جو انتہا درجہ کی گستاخی اور شوخ چٹھی ہے۔

دوسرے یہ کہ اس شبہ کو خود یہ آیت ہی رد کر رہی ہے۔ کیونکہ اس میں غیب سے لاعلمی کا ثمرہ، یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مجھے اذیت و کلفت کبھی نہ چھوتی۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ اذیت و مصائب نے آپ کو چھوا۔ تو نتیجہ ظاہر ہے کہ آپ ان مصائب سے لاعلم رہے۔ ورنہ پیش بندی فرما لیتے۔ اور ظاہر ہے کہ ... مصائب کا چھونا مطلقاً لاعلمی سے ہو سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ اگر آپ بالذات عالم ہوتے تب تو مصائب نہ چھو سکتے۔ مگر جبکہ بالعرض عالم تھے تو مصائب نہ رک سکیں۔ کیونکہ مصائب کا دفعیہ نہ ہو سکتا لاعلمی پر مبنی ہوتا ہے۔ جس میں ذاتی اور عرضی کی کوئی قید نہیں۔ نہ کہ علم کی خاص نوعیت کی نفی پر۔

حاصل یہ نکلا کہ بالذات تو مجھے علم ہے ہی نہیں کہ میں عالم الغیب کہلاؤں۔ اور مصائب کی پیش بندی کر لوں۔ تمام مصائب کے بارے میں یہ علم مجھے بالعرض بھی نہیں کہ تمام مصائب کا پہلے سے کوئی بند و بست سوچ لوں۔ یعنی ہر ہر مصیبت کے بارے میں مجھے پہلے سے کوئی اطلاع نہیں ہوتی۔ کہ میں پہلے سے پیش بندی کر لیا کروں،

حاصل وہی علم کلی اور علم ماکان و مایکون کی نفی نکلا۔ کہ اس قسم کی روزمرہ کی جزئیات اور زمانہ کے حادثہ سب کے سب میرے علم میں نہیں، نہ حال کے نہ مستقبل کے، نہ ذاتی طور پر نہ عرضی طور پر، بجز اس کے کہ حق تعالیٰ جب مناسب جانیں اور جس حد تک مناسب جانیں۔ مجھے اطلاع فرمادیں!

مگر ساتھ ہی ان کوئی جزئیات کی لاعلمی سے کوئی ادنیٰ نقص ہمارا گاہِ نبوت میں لازم نہیں آتا۔ کیونکہ ان امور کا جانتا نبوت کی غرض و غایت نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس قسم کی جزئیات کا علم وفات کے وقت دے دیا گیا تھا، جیسا کہ کہا جاتا ہے، اور اس طرح حضرت کو عالم ماکان و مایکون ثابت کر کے گویا اپنے نزدیک نبوت کی عظمت بیان کی جاتی ہے، تو پہلا سوال تو یہ ہے کہ اس دعوے کی دلیل کتاب و سنت سے کیا ہے؟ اور جب نہیں تو دعویٰ خارج اور ناقابلِ سماعت ہے!

دوسرے یہ کہ یہ ماکان و مایکون کے تمام امور جو عین وفات کے وقت دیئے گئے، اگر ان کا منصب نبوت سے کوئی

تعلق تھا تو ایسے وقت میں ان کا دیا جانا جبکہ کار نبوت اور عمل تسلیم ختم ہو رہا ہے عبث اور بے نتیجہ ہی نہیں بلکہ بعد از وقت ہو جانے کی وجہ سے خلافت حکمت بھی ہے۔ جس سے اللہ و رسول بری ہیں۔ اس لئے نہ یہ عقیدہ ہی بن سکتا ہے کہ اس کے بارے میں کوئی نفس قطعی موجود نہیں، بلکہ ہے تو اس کے مخالف ہے۔ جیسا کہ بکثرت ایسی نصیحتیں پیش کی جا چکی ہیں۔ اور نہ یہ کوئی شرعی نظر یہ ہی ہو سکتا ہے، جبکہ کسی نفس سے وہ ماخوذ اور مستنبط بھی نہیں۔ اور نہ ائمہ اجتہاد ہی میں سے کوئی ادھر گیا ہے کہ اسے اجتہادی نظر یہ مان لیا جائے۔ اور ساتھ ہی جن امور کی لاعلمی سے دنیا میں تکالیف پہنچ جانا ممکن تھا اور وہ پہنچ بھی گئیں، ان کا عین وفات کے وقت دیا جانا جبکہ ان وارد شدہ اور اثر اندازہ مصائب کا وقت بھی گزر چکا تھا اور اب ان سے بچاؤ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا، لا حاصل اور بعد از وقت نہیں تھا تو اور کیا تھا۔ کیا اس قسم کے خلافت عقل و نقل دعوے کرنے والے حق تعالیٰ کے حکیمانہ کاموں کو بھی مشتے از جنگ کا مصداق بنا نا چاہتے ہیں۔ — نعوذ باللہ من ذلک الہفوات! یہ لوگ چلتے ہیں نبوت کی تعظیم کے نام سے اور اتر آتے ہیں حق تعالیٰ کی توہین پر، جس سے نبوت کی توہین پہلے ہو جاتی ہے!

کِبْرَتٌ کَلِمَةٌ تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ كَذِبًا -

لیکن اس کے ساتھ جب ان روایات کو بھی سامنے رکھ لیا جائے، جن میں صراحتاً بہت سے امور کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ نہ وفات سے قبل آپ کے علم میں تھے اور نہ وفات کے بعد آپ کے علم میں آئے، نہ قیامت کے دن تک بھی آپ کے علم میں آئے اور بعض قیامت کے میدانوں میں بھی علم میں نہ آسکے، تو پھر یہ دعویٰ کہ حضور کو علم محیط وفات کے وقت دے دیا گیا تھا، محض افتراء علی اللہ اور افتراء علی الرسول ہی ہو گا۔

مثلاً آپ نے فرمایا کہ:-

”میں شفاعت کبریٰ کے وقت مقام محمود دیکھ رہا تھا کہ اللہ کے اتنے مجاہد اور محاسن بیان کروں گا جو نہ کسی نے اب تک بیان کئے ہوں گے اور نہ آئندہ کوئی کرے گا۔ اور وہ اس وقت بھی میرے علم میں نہیں، اسی وقت میرے قلب پر القاء کئے جائیں گے“

جس سے واضح ہے کہ ان مجاہد اہلبیہ کا علم آپ کو وفات کے وقت بھی نہیں دیا گیا۔ کیا یہ مایکون میں داخل نہیں ہے؟ جس کے علم کی آپ خود اپنے سے نفی فرما رہے ہیں۔

یا مثلاً آپ نے فرمایا کہ:-

”حوض کوثر سے ملائکہ بعض لوگوں کو کوٹے مار مار کر مٹائیں گے، اور میں کہوں گا اصبغابی، اصبغابی“ یہ تو میرے لوگ ہیں میرے ہیں، تو جواباً ملائکہ کہیں گے انک لا تدری ما احد تو احدک (آپ کو پتہ نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی بدعتیں ایجاد کی تھیں)“

اس سے واضح ہے کہ ان مبتدعین کے کرتوت کا علم آپ کو وفات کے وقت تک نہ تھا جو یقیناً مایکون میں شامل ہے۔ اسی طرح مثلاً آپ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور آپ اپنی دانست میں ان تک کو جہنم سے نکال لائیں گے جن کے دلوں میں ادنیٰ، ادنیٰ مشقال ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو گا۔ اور یہ سمجھ کر مقام شفاعت سے واپس ہوں گے کہ اب ایمان والا جہنم میں کوئی باقی نہیں رہا۔ جس کی شفاعت کی جائے۔ تپ حق تعالیٰ پڑھیں (درد مٹھیاں) بھر کر ان گنت انسانوں کو جہنم سے

نکالیں گے۔ ان کے گلوں میں تختیاں ڈال دی جائیں گی۔ جن پر عتقاً اللہ لکھا ہوا ہوگا۔ یعنی اللہ کے آزاد کردہ لوگ۔ اس سے واضح ہے کہ ان لوگوں کا ایمان اس درجہ مضعی ہوگا کہ اللہ کے سوا اسے کوئی بھی حتیٰ کہ سید الاولین و الآخین بھی نہ جان سکیں گے۔ اس سے نمایاں ہو گیا کہ بعض ایسے امور بھی ہیں کہ وقت و فوات تو بجائے خود ہے عرصات قیامت میں بھی آپ انھیں نہ جان سکیں گے، بلکہ اس مخلوق کے جہنم سے نکال لئے جانے کے بعد آپ کو علم ہوگا کہ ان میں بھی ایمان کی کوئی رمق موجود تھی۔ اسی طرح آپ کا یہ ارشاد کہ:-

”لوگوں کی کمزوریاں میرے سامنے لا کر مت رکھو، میں چاہتا ہوں کہ تم سب سے ٹھنڈے

سینے سے رخصت ہوں“

جس پر صحابہ جیسے حقیقی عشاق نے عمل کیا۔ اور حضور کی مجلس مبارک اور صحابہ کی زبان مبارک ہر غیبت سے پاک رہی، تو کیا عین وفات کے وقت ایسی کمزوریوں کا علم طرف نبوت میں ڈال دیا گیا ہوگا کہ معاذ اللہ آپ عین رخصت کے وقت صحابہ سے ٹھنڈے سینے رخصت نہ ہوں اور دل تنگی یا عجم و الم اور ضیق لے کر جائیں، جس سے بچنے کا پوری عمر شریف میں اہتمام فرمایا۔ بلاشبہ یہ ایک فاسد تخیل ہے جو نادان دوست ہی باندھ سکتا ہے، جسے نہ قرآن کی پروا ہو، نہ حدیث کی، نہ رسول پاک کے مزاج پاک کی۔ ورنہ اس حدیث کا سیدھا معہوم یہ ہے اور یہی ہو بھی سکتا ہے کہ اس قسم کے امور وفات کے وقت بھی سامنے نہیں لائے گئے۔ حتیٰ کہ جو جن کو شر پر پہنچ کر بھی سامنے نہیں آئے، بعض امور کا علم ملائکہ کے فرمانے سے اور وہ بھی لوگوں کی ذاتیات کے بارے میں نہیں، بلکہ عقائد کے بارے میں، جو بدعات کی صورت سے لوگوں نے دین میں ایجاد کرنی تھیں۔

پہر حال عقل و نقل دونوں اس پر کھلے بندوں اپنی پوری عدالت کے ساتھ شاہد ہیں کہ سید البشر کو اگرچہ ساری مخلوقات سے زیادہ علم تھا مگر علم محیط نہ تھا۔ جو خاصہ خداوندی ہے، نہ وفات سے قبل نہ وفات کے بعد۔ نہ برزخ میں نہ عرصات قیامت میں۔ ہاں آپ کو علم تھا امور دین کے بارے میں، یعنی اصلاح بشر کے سلسلہ کا کوئی قانون اور کوئی اصول ایسا نہ تھا جو آپ کو عطا نہ کر دیا گیا ہو۔ کیونکہ آپ خاتم النبیین اور عالی رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ دنیا کی ہر قوم کے لئے آپ مصلح اور مرتبی تھے۔ اسلئے اصولاً اقوام عالم کی جتنی ذہنیتیں ہو سکتی تھیں اتنی ہی رنگ کے قوانین اصلاح بھی ہو سکتے تھے اور آپ جبکہ ان ساری رنگ برنگ ذہنیتوں اور صد الوان مزاجوں کی قوموں کے لئے مصلح بنا کر بھیجے گئے تھے، تو ان کے حسب حال الوان ہدایت کا بھی آپ کو جامع ہونا چاہیے تھا۔ اس لئے ہدایت و ارشاد کے سلسلہ کا کوئی اصولی قانون اور کلی ضابطہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ جس کے آپ جامع نہ ہوں۔ پس علم محیط اگر مانا جائے، گا تو انواع ہدایت و ارشاد کا اور قوانین شریعت کا۔ نہ کہ انواع کائنات، اقسام تجربیات، اصناف طبیعیات و ریاضیات اور عالم کے حوادث و جزئیات و غیرہ کا۔ کیونکہ انبیاء کی بعثت محسوسات کے دکھانے یا ان میں صنعت گری کا عمل جاری کرانے کے لئے نہیں ہوتی کہ یہ سب معلومات طبعی اور تجرباتی ہیں۔ جو یہ تقاضائے وقت خود ہی طبائع میں ابھرتی ہیں اور طبائع کو ان کی طرف مائل کر دیتی ہیں۔ نبوت کے آنے یا اس کے تبلیغ کرنے پر موقوف نہیں۔!

آج اور آج سے پہلے دنیا کی اقوام نے مادیات میں ترقی کر کے بڑے بڑے تمدن پیدا کئے اور آج کی مغربی اقوام نے تو تمدن کو مشینی بنا کر انتہائی عروج پہنچا دیا ہے۔ لیکن ان کی ایجادات کا استناد کون سی نبوت کی طرف ہے۔ اور کس نبی کے حکم سے انہوں نے برق و بخار کی مشینیں تیار کی ہیں؟ اگر نبوت کا کوئی فیضان ان مادہ پرستوں کے قلوب پر ہوتا تو ان کے تمدن کی صورت ہی کچھ اور ہوتی اور وہ اس طرح دنیا کے حق میں کھلے مفسد اور نمایاں فاسد ثابت نہ ہوتے!

بہر حال ان چند کلمات سے علم غیب کے معنی اس کا شرعی حکم، اس کے موضوع کی پوری وضاحت اور اس پر کئے گئے خدشات و شبہات کا کافی و کافی رد کتاب و سنت سے واضح ہو گیا، اور نمایاں ہو گیا کہ علم غیب یعنی علم ذاتی اور علم کلی یعنی علم ماکان و مایکون، خاصہ خداوندی ہے۔ جس میں کوئی بھی غیر اللہ اس کا شریک نہیں ہو سکتا۔ حضرت سید الاولین و الآخین صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام عالم بشریت عالم ملکیت اور عالم ارواح سے فائق اور بدرجہا بڑھ چڑھ کر ہے۔ مگر علم الہی سے آپ کے علم کو کیا نسبت! یہی نصوص شرعیہ کا مقصد اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ ہے! پس ہر مداح اور ہر عاشق رسول کو اس علمی توحید کا اقرار اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے! اس لئے مسئلہ علم غیب کے بارے میں اس قسم کے مبالغہ آمیز دعوؤں کو بہ نام عشق رسول اتنا سہل اور غیر اہم نہ سمجھ لینا چاہیے۔ جیسا کہ سمجھا جا رہا ہے۔ بلکہ اس مسئلہ کا تعلق چونکہ عقیدہ سے ہے، اس لئے کلینتہ رائے، ذوق، جذبات اور طبعی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر صرف کتاب و سنت کی تصریحات اور اہل سنت و الجماعت کی تشریحات میں محدود ہو جانا چاہیے۔ واللہ الموفق!

و بوسہ دادن قبر را و سجدہ کردن آنرا و کلمہ نہادن حرام و ممنوع است
و در بوسہ دادن قبر والدین روایت فقہی نقل می کنند و صحیح آنست کہ
لا يجوز -

(قبر کو بوسہ دینا اور سجدہ کرنا، رخصت رکھنا حرام و ممنوع ہے اور والدین
کی قبر کو بوسہ دینے کے بارے میں فقہی روایت نقل کرتے ہیں۔ مگر ٹھیک
بات یہ ہے کہ (یہ بھی) جائز نہیں ہے!

(معارض النبوة - شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ)



ڈاکٹر میرزا الدین المہر ہے۔ پی ایچ ڈی۔

توحید الوہیت

جن دالس کی تخلیق کی غایت صاف و سلیس الفاظ میں یوں بیان کی گئی ہے۔
مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِي!

عبادت کے معنی ہیں "توحید"۔ چنانچہ امام المفسرین حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ قرآن کریم میں جس جگہ بھی عبادت کا ذکر آیا اس کے معنی "توحید" کے ہیں گویا محاورہ قرآن میں عبادت ہر جگہ توحید کے معنی میں آئی ہے۔ "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" کے معنی ہوں گے نوحہ ک و نطیعک اور "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" کا مفہوم ہو گا کہ میری ہی توحید تمہارے سببوں میں بس جائے۔ عبادت کی تعبیر توحید کے لفظ سے کرنے میں خوبی یہ ہے کہ اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ عبادت صرف حق تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے جو وحدہ لا شریک ہے۔ اس سے شرک کی قطعی نفی ہو جاتی ہے۔ جس کو کسی دوسری جگہ کھول کر اس طرح بیان کیا گیا ہے:-

وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا (پارہ ۵، ۳۴)

تمام پیغمبروں کے پیغام کا یہی نچوڑ تھا کہ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ۔ یعنی اے قوم تم اللہ ہی کی عبادت کرو کہ اُس کے سوا اے تمہارا کوئی معبود اور رب نہیں۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے خطاب فرمایا اِنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا أَمْرًا مِّنْهُ۔ اور یہ عبادت اسی توحید و تقویٰ و اطاعت پر مشتمل ہے!

حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ اور حضرت شعیبؑ نے بھی اپنی الفاظ سے کہ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ سے اپنی قوم کو توحید کی طرف بلایا!

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو یوں مخاطب کیا اَعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ اور مشرکین سے اپنی برأت اس طرح ظاہر فرمادی۔ اِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ! انہوں نے اور حضرت یعقوبؑ علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہ وصیت فرمادی تھی کہ اِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمْ الْبَنِيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔

۱۔ تم اللہ ہی کی عبادت اختیار کرو اور اس کے سوا کسی اور چیز کو شریک مت کرو۔

۲۔ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو مگر میں نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو رہنمائی کرتا ہے!

۳۔ اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ نے اس دین کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے سو نہم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا!

حضرت لوٹنے اپنی قوم کو اور حضرت موسیٰ نے فرعون اور اہل فرعون کو یہی بات پہنچائی تھی کہ:-
 ”تم صرف اللہ ہی کو پوجو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں!“

اسی تعلیم، اسی دعوت توحید کے ساتھ ہمارے نبی النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور حق تعالیٰ نے آپ کی ذات پر اس دعوت الی التوحید کو ختم فرمادیا۔ آپ کو ارشاد ہوا:-

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ
 السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ رَبِّ ۙ ۱۹

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی
 ہے تمام آسمانوں اور زمین میں اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے
 اور وہی موت دیتا ہے، سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر!

غرض توحید الوہیت پر سارے انبیاء اولین و آخرین کا اجماع ہے۔ جو بھی رسول آیا وہ توحید کی دعوت لے کر آیا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوْحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا
 أَنَا فَاعْبُدُون - (پ ۱۷-۲۷)

ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہیں بھیجی کہ
 میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری عبادت کیا کرو!

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے کہا تھا کہ:-

”اگر تم ایک کلمہ کا اقرار کر لو تو تمام عرب تمہارا مطیع ہو جائے اور تمام عجم تمہاری خدمت
 گزاری کرنے لگے“

ابو جہل نے خوش ہو کر کہا کہ بتلائیے وہ کلمہ کیا ہے۔ ہم ایسے دن کلمے ملنے کے لئے تیار ہیں۔
 فرمایا:- ”دن نہیں بس ایک ہی کلمہ ہے گا اِلَٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔“

یہ سنتے ہی ان سب کو طیش آیا کہنے لگے:- ”أَجْعَلُ اِلَٰهَةَ اِلٰهًا وَاَجْزَا اِنَّ هٰذَا الشَّيْءُ عَجَابٌ۔ یعنی اس نے

تو اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا۔ واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے“ (ترمذی شریف کتاب التفسیر)

توحید فی العبادت کی ضد تشریک فی العبادت! موجد اللہ ہی کو الہ مانتا ہے۔ یعنی اللہ ہی کی عبادت کرتا ہے۔

اور مشرک غیر اللہ کو بھی الہ مانتا ہے اور اس کی بھی عبادت کرتا ہے۔ سورہ انعام میں اٹھارہ پیغمبروں کے نام لے کر یعنی

ابراہیم، اسحق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، اسمعیل،

یسع، یونس علیہم السلام کا ذکر کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ نفوس قدسیہ حق تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک کرتے

تو ان کی ساری طاعتیں باطل ہو جاتیں، کیونکہ شرک کے ساتھ کوئی عمل معتبر نہیں!

وَلَوْ اَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ - (پ ۱۵۶)

خوب سمجھ لو کہ شرک واقع ہوتا ہے عبادت کے ان ہی افعال اور عقائد میں، بنی نوع انسان کے اکثر افراد عبادت ہی کے

معاملہ میں مشرک میں گرفتار ہوتے رہے۔ انہوں نے غیر اللہ کو اپنا الہ یا معبود قرار دیا۔ اپنے نفع کے لئے ان کی مرضی کا

اتباع کیا یعنی اپنا نافع و ضار سمجھا۔ باعتماد نفع و ضرر ان کی تعظیم کی۔ وقت حاجت ان سے فریاد رسی چاہی۔ ان سے استعانت کی، ان کو پکارا، ان سے التجا کی۔ استغاثہ کیا۔ رجا و خوف کا تعلق ان سے رکھا۔ ان کی نذر و نیاز میں اپنے مال کا ایک حصہ صرف کیا اور ذبح و نحر سے ان کا تقرب چاہا۔ غرض فقر و ذلت کی نسبت ان سے جوڑی۔ ان کے سامنے خضوع کیا اور جب انبیاء کرام نے انھیں افراد عبادت اللہ کی دعوت دی، توحید فی العبادت کی تلقین کی انھیں لکھا کہ

تا چند گہ از چوب گہ از سنگ تراشی بگزر ز خدائے کہ بصد رنگ تراشی!
تو ان مشرکین نے از راہ تکبر و عناد پلٹ کر پوچھا:-

أَجِئْتَنَا لِنُعْبِدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَدْرِمَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا؟ (پ ۱۶۶)
کیا تم اس لئے آئے ہو کہ ہم سے یہ کہو کہ ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور اپنے اور اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں؟

أَجْعَلُ الْآلِهَةَ الْهَاءَ وَاحِدًا، إِنَّ هَذَا الشَّيْءُ عَجَابٌ (پ ۱۰۶)
یعنی بڑے تعجب کی بات ہے کہ سب معبودوں کو اس شخص نے تو ایک معبود کر ڈالا!

دیکھو ان مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار نہیں کیا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے قائل تھے، مقرر تھے، اس پر ایمان رکھتے تھے، ان کو اس بات کا بھی اقرار تھا کہ اللہ ہی ہمارا خالق ہے۔ لَيْسَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لِيَقُولَنَّ اللَّهُ (پ ۱۳۶۲۵)
زمین و آسمان کو بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ لَيْسَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لِيَقُولُونَ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ - رزاق بھی وہی ہے، مٹی و مہیت بھی وہی اور مدبر امر بھی وہی۔ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ مَنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ (پ ۱۹۶) اسی کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہی ہر شے کی پناہ گاہ ہے! قُلْ مَنْ بَدَأَ مَلَائِكَةً كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ، سَيَقُولُونَ اللَّهُ قُلْ قَاتِلِ تَسْحَرُونَ (پ ۵۶) وہی آسمانوں کا اور عرش عظیم کا مالک اور رب ہے۔ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ - سَيَقُولُونَ لِلَّهِ، قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ (پ ۵۶) زندگی گزارنے کے قانون میں اپنے کو آزاد سمجھتے تھے ہدایت رب کا محتاج نہ جانتے تھے!

فرعون جس کو کفر میں اتنا غلو تھا اس کے متعلق بھی حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی زبانی کہلوا یا ہے:-

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنْزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِصَافِرٍ (پ ۱۲۶)

تو یہ خوب جانتے تھے کہ یہ عجائبات خام آسمان و زمین کے پروردگار نے بھیجے ہیں جو کہ بصیرت کے لئے ذرائع ہیں۔ اور تمام مشرکین کے ہاں ابلیس لعین تک نے کہا۔ انی اخاف اللہ رب العالمین۔ نیز رب انظرنی اور رب بما اغویبتنی؟

صاف ظاہر ہے کہ ان مشرکین کا جرم "اشراک فی الذات" نہیں تھا۔ یعنی یہ اللہ کی ذات کے برابر کسی غیر کو واجب الوجود یا ازلی وابدی نہیں مانتے تھے۔ اور نہ ان کو اللہ تعالیٰ کی اولیہیت سے انکار تھا۔ سوائے توحید کے دنیا میں

کوئی فرقت اس کا قائل ہی نہیں ملتا۔ مشرکین مکہ توحید ربوبیت تک کے مقرر تھے، وہ حق تعالیٰ کی خالقیت اور رزاقیت، مالکیت و حاکمیت و ربوبیت کو مانتے تھے اور غیر اللہ کو حق تعالیٰ ہی کا مہلوب، مرزوق، مخلوق، مملوک و محکوم جانتے تھے، چنانچہ وہ اپنے تلبیہ میں کہتے تھے:-

لبيك لا شريك لك الا شريك هولك تملكه وما ملک -

اے اللہ! میں تیری خدمت میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر

وہ شریک کہ تو اس کا مالک ہے اور وہ کسی شے کا مالک نہیں!

اس طرح وہ نہ صرف حق تعالیٰ کے وجود کا اقرار کر رہے ہیں بلکہ اسی کو مالک و حاکم قرار دے رہے ہیں۔ اور اسی کی ربوبیت کے قائل پہلے ہیں۔ لیکن باوجود اس اعتراف و وجود باری اور اس کی الوہیت و ربوبیت کے انہیں کافر و مشرک کیوں ٹھہرایا گیا؟ ان کے تمام نیک اعمال کیوں ضبط اور برباد قرار دیئے گئے؟ خلود فی النار کی وعید ان کو کیوں سنائی گئی؟ ان کا یہ "ایمان باللہ" کیوں ان کی جان و مال کو مسلمانوں کے ہاتھ سے محفوظ نہ کر سکا؟ اس ایمان کے باوجود اعداء اللہ کیوں قرار پائے؟ ان کو کذاب، مسحور، ظالم کیوں کہا گیا؟ ان کا شمار "مہلکین" میں کیوں ہوا؟ ان کو بے عقل حیوان بلکہ ان سے بدتر کیوں ثابت کیا گیا؟ انہم اِلاّ کالانعام بل هم اضلّ سبیلًا؟ کا فیصلہ ان کے متعلق کیوں فرمایا؟

اس کا جواب تم اُوپر پڑھ چکے ہو، وہ ایک لفظ میں صرف یہ ہے۔ اشراک فی العبادۃ! ہر قوم اور ہر امت کے لئے ایک نبی مبعوث ہوا، اور اُس نے "توحید فی العبادت" ہی کی طرف اپنی قوم کو دعوت دی:-

ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا اللہ -!

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لوگوں کو افراد عبادت الہی کی طرف بلا یا کہ جس طرح تم افراد ربوبیت کے مقرر ہو، اللہ ہی کو رب جانتے ہو، اسی طرح اللہ ہی کو معبود دھانوا! لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جاؤ! اس کے معنی و مقصد ہی پر عمل کرو، اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو، تمہاری ساری عبادت سرّاً و علانیۃ قلبی و قالی طور پر خالص اللہ کے واسطے ہو۔ یا استغاثہ، ذبح ہو یا نذر، دعا ہو یا عکوف، طواف ہو یا کوئی عبادت، یا پرستش کی کوئی سی شکل، صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص ہو۔ اس وقت غیر کا تصور بھی تمہارے ذہن میں نہ آئے، تم اللہ ہی کے فقیر ہو۔ ذل و افتقار کی نسبت اللہ ہی سے جوڑ لو! جھوٹے معبودوں سے اپنی بندگی کی نسبت قطعاً توڑ لو۔ ان سے نفع و ضرر کی توقع مطلقاً چھوڑ دو۔ اللہ تمہارے لئے بہر حال کافی ہے! الیس اللہ بکافٍ عبداً؟ تمہیں صرف اللہ ہی کا ہو کر رہنا چاہیے!

ان صلاتی و نسکی و محیای و مما تجی للہ رب العالمین!

با خلق آشنا نہ شود مبتلائے تو بیگانہ باشد از ہمہ کس آشنائے تو

میخواہم از خدا بد عاصد ہزار جان تا صد ہزار بار بمیرم برائے تو

مشرکین نے اس پیغام کو سن کر کہا:-

"دیکھو ہم اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں۔ اس کا انکار نہیں کرتے۔ اپنے بڑوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں جانتے، بلکہ ان کو اللہ ہی کا مخلوق اور بندہ مانتے ہیں۔ اللہ ہی کو مالک

و حاکم و رب سمجھتے ہیں مستقل معبود بھی اللہ ہی کو جانتے ہیں اور اپنے بتوں کو اللہ ہی کی ملک سمجھتے ہیں ہم ان کو محض اپنا "شفیع" (دکیل اور سفارشچی) جانتے ہیں، ہم ان کی عبادت اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ اپنی وجاہت کی وجہ سے ہماری سفارش یا شفاعت اللہ تعالیٰ کے پاس کر سکتے ہیں۔ هُوَ لَا يَشْفَعُ عِنْدَ اللَّهِ (پ ۵ء) اُن کی عبادت ہمیں اللہ تعالیٰ کی ناراضی و خفگی سے چھڑا کر اس کا قرب عطا کر سکتی ہے۔

مَا لِعِبَادِهِمْ إِلَّا لِيُقْرَبُوا نَا إِلَى اللَّهِ زَلْفَىٰ (پ ۱۵ء)

یہی اُن کا کذب، کفر اور شرک تھا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كُفَّارٌ (پ ۶ء) سُبْحٰنَكَ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (پ ۶ء)

اب ذرا اسی موقع پر تحقیق کر لو کہ ان مشرکین کے یہ معبود کون تھے، جن کو وہ شفیع اور مقرب سمجھ رہے تھے؟ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے، اُن کی تحقیق کی رو سے بت پرستوں (عابدانِ اوثان) کے دین سے کوئی دین قدیم نہیں، کیونکہ انبیاء میں سب سے پہلے نبی جن کی تاریخ ہم تک پہنچی ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ اور جب انہوں نے ان بت پرستوں کو توحیدِ معبودیت کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيعُوْنَ (پ ۱۹ء) تو ان بت پرستوں نے ان کی دعوتِ شب و روز کے جواب میں اپنے ساتھیوں سے کہا کہ :-

لَا تَذَرُنَّ آلِهَتِكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وُدًّا وَلَا سُوعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا -
 "تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ود کو اور سواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو چھوڑنا۔"

اب ان کے یہ معبودانِ باطل و ود و سواع وغیرہ کون تھے؟ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نشانِ دہی کی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے چند نیک بخت اور بزرگ لوگ تھے، اُن کی موت کے بعد اُن کے بیٹھنے کی جگہ پر اُن کے نشان قائم کئے گئے، اُن کا بھی وہی نام رکھا گیا اور پھر کچھ عرصہ بعد ان نشانوں کی پرستش شروع کر دی گئی۔ اعتقاد یہ تھا کہ جس طرح یہ بزرگ زندگی میں مجاب الدعاء رہے ہیں، روزِ حشر بھی مقبول الشفاعت رہیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لہاں ہماری شفاعت کریں گے۔ ان ہی کے حال کی خبر ہمیں اس آیت میں دی گئی ہے :-

يَجِدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَنْصُرُهُمْ وَلَا يَنْقُذُهُمْ هُوَ لَا يَشْفَعُ عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتَنْبِئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ - (پ ۱۱ء)

یعنی لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشچی ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم خدا کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو خدا کو نہیں معلوم! نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں! پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے!

اس تحقیق سے صاف ظاہر ہے کہ بت پرست اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بالائستقلال بتوں کو معبود نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی بت پرستی کا منشا اولیاء، انبیاء وغیرہ کی تعظیم تھی۔ انہوں نے اپنے بتوں کو انہی کی صورت پر تراشا۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے بل اپنا شفیع سمجھ کر اپنا سرینا زان کے سامنے جھکاتے تھے، اس طرح وہ اصل میں ولی پرست، صالح پرست، اور نبی پرست تھے۔ اب ذرا فخر رازی کی عبارت بھی سن لو، جو اوپر کی آیت کی توجیہ و تفسیر میں انہوں نے لکھی ہے:-

انهم وصنعوا هذه الاصنام والاوثان على صور انبيائهم واکابرهم وزعموا انهم متى اشتغلوا بالعبادة هذا التماثل فان اولئك الاکابر تكون شفعاءهم عند الله تعالى ونظيره في هذا الزمان اشتغال كثير من الخلق بتعظيم قبور الاکابر على اعتقاد انهم اذا عظموا قبورهم فانهم يكونون شفعاء لهم عند الله - له

یعنی بت پرستوں نے یہ اصنام و اوثان اپنے انبیاء و اکابر کی صورتوں پر تراشے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ جب ہم ان کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو یہ اکابر اللہ کے پاس ہماری شفاعت کریں گے، اس کی نظیر اس زمانے میں اکثر لوگوں کی اپنے بزرگوں کی قبروں سے مشغولیت ہے، اس اعتقاد سے کہ اگر ہم ان قبروں کی تعظیم کریں گے تو یہ اللہ کے نزدیک ہمارے شفیع ہوں گے۔

اوپر کی توضیحات سے مندرجہ ذیل چار امور صاف طور سے لازم آتے ہیں۔ انہیں خوب ذہن نشین کر لو۔
(۱) زمانہ قدیم کے بت پرست حقیقت میں انبیاء پرست اور اولیاء پرست تھے، جن تعالیٰ نے انہیں "مشرک" قرار دیا۔!

(۲) وہ خدا اس امر کے قائل تھے کہ بت ہمارے بالائستقلال معبود نہیں بلکہ بالائستقلال ہمارا معبود اللہ ہی ہے اور یہ صرف ہمارے سفارشی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو شفیع یا سفارشی جان کر بھی اس کی عبادت کرنا موجب مشرک ہے (یعنی کسی کو سفارشی یا شفیع سمجھنا یہ مشرک نہیں ہے، بلکہ ان کی عبادت اس لئے کرنا کہ ہماری سفارشی کریں گے، یہ مشرک ہے)

(۳) جو افعال عبادت ان مشرکین سے صادر ہوئے اگر کسی کلمہ گو سے بھی صادر ہوں تو اس پر بھی مشرک کا اطلاق کیا جائے گا۔ اور اس کا دعویٰ اسلام اور اس کی کلمہ گوئی اطلاق مشرک سے مانع نہ ہوگی۔ چنانچہ اسی وجہ سے امام رازی نے لوہ پرستوں کو بت پرستوں کی نظیر قرار دیا۔!

(۴) جب غیر اللہ کو شفیع جان کر ان کی عبادت کرنا مشرک ہوا تو پھر ان کو بالائستقلال عالم میں متصرف جان کر پوجنا تو بدوجہ ادنیٰ مشرک ہوگا۔ مثلاً اولیاء و انبیاء سے اولاد مانگنا، رزق کی کشادگی چاہنا۔

تصاوت حاجات کو دعا کرنا وغیرہ -

مشرکین کی عبادت بس یہی تھی کہ وہ اپنے اصنام و اوثان (غیر اللہ) کو "مقرب" و "شفیع" اور نافع و ضار جان کر ان کے

سامنے ذلیل و خوار بن کر کھڑے ہوتے اور -

۱۱) اُن سے وقت حاجت فریادرسی چاہتے تھے، یعنی اُن کو پکارتے یا استغاثہ کرتے تھے!

۱۲) اپنے مال کا ایک حصہ اُن کی نذر و نیاز کے لئے صرف کرتے تھے، اُن سے منتیں مانگتے تھے، اُن کے لئے جاؤر ذبح کرتے

اور اُن کے ارد گرد پھرتے یا طواف کرتے تھے، گو وہ حق کی ربوبیت کے قائل تھے اور اس کو خالق و رازق، محی و

میت، مدبر زمین و آسمان مانتے تھے۔ مایومن اکثر ہم باللہ اکا و ہم مشرکون!

اب قرآن کریم کی طرف رجوع کرو اور دیکھو کہ ندا، دعا، استغاثہ، استغانت، نذر، طواف وغیرہ سب افعال

عبادت ہیں، جب حق تعالیٰ ہی معبود و رب، واحد و احد ہے تو پھر ان افعال کا تعلق صرف اسی سے ہونا چاہیے اور

کسی غیر سے نہیں۔ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا (پ ۳۶) یہی ہے افراد عبادت للہ فَاَعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ

الدِّیْنَ الْحَالِصَ (پ ۱۵۶۲۳) مشرکین نے ان کا تعلق غیر اللہ سے روا رکھا تھا اور اسی لئے انھیں تہدید کی گئی تھی۔ کہ

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ یعنی تم جانتے ہو کہ حق تعالیٰ کا کوئی بندہ، ہمسر نہیں، پھر تم کیوں غیر اللہ کی عبادت

کر کے اُن کو معبود قرار دے کر انھیں حق تعالیٰ کا ہمسر بنا رہے ہو، تمہارا یہ عقیدہ کہ اگر تم ان کا تقرب، ندا و دعا، نذر و نیاز،

ذبح و نحر، طواف و تکوین کے ذریعہ حاصل کرو گے تو یہ تمہیں حق تعالیٰ کے "قریب" کر دیں گے اور تمہارے شفیع بن

جائیں گے، قطعاً باطل ہے!

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذَا مَنَّ

النَّظَّالِیْنَ ط (پ ۱۶۶۱۱)

مت پکارا اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا اور نہ نقصان، پھر اگر تو ایسا کرے تو تو بھی

اُسی وقت ظالموں میں ہو جائے گا!

جلب منفعت و دفع مضرت کے لئے غیر اللہ کو زور زور سے پکارنا، اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو اُن سے عرض کرنا اور

اس طرح اُن کی پرستش کرنا، بڑے ظلم و ستم کی بات ہے، کیونکہ جس اللہ کی قدرت میں بندہ کا نیک و بد، نفع و نقصان سب کچھ

ہے، اُس پروردگار کو چھوڑ کر، اُس سے منہ موڑ کر ایسی ہستیوں کی طرف متوجہ ہونا اور ذلت و فقر کی نسبت اُن سے جوڑنا جو

نہ کسی کے نفع پرست اور نہ نقصان پر۔ اس سے بڑھ کر دنیا میں ظلم و ستم کیا ہو سکتا ہے، شرک ہی سب سے بڑا ظلم ہے۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (پ ۱۱۶)

یہاں ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے۔ بعض مفسرین نے "دُونِ اللّٰهِ" اور "غیر اللّٰهِ" کی توجیہ میں اصنام و اوثان

کا ذکر کر دیا ہے، اس لئے بعض شرک پسندوں نے یہ سمجھ لیا کہ شرک اُس وقت ہو گا جب جنوں سے دعا کی جائے۔ انبیاء

و اولیاء سے دعا کرنا، مرادیں مانگنا شرک نہیں، یہ صریحاً غلط ہے۔ اور اس کی دُور وجہیں ہیں:-

۱) سو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہیے۔ یا در کھو عبادت جو کہ خالص ہو اللہ ہی کے لئے سزاوا ہے!

۱۱) علم اصول کا یہ ایک مسئلہ امر ہے کہ "العبرت بعموم الالفاظ لا بخصوص الموارد" یعنی اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہوتا ہے نہ کہ خصوص موارد کا، غیر اللہ اور دون اللہ دونوں عام الفاظ ہیں۔ اللہ کے سوا جنہی مخلوقات ہیں۔ سب ان میں داخل ہیں، خواہ ولی، بنی ہو، یا جن اور پری۔ چنانچہ بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں کہ قُلْ اَدْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِہِ لَکُمْ ہِیَ کہ قُلْ اَدْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اِنَّہُمْ اِلٰہٰتٌ مِنْ دُونِہِ کَا مَلَکُةٌ وَا مَلِیْحٌ وَا عَزِیْزٌ یعنی ان لوگوں کو پکارو جن کو تم نے معبود سمجھ رکھا ہے اللہ کے سوا جیسے ملائکہ، مسیح و عزیز۔ اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ جو ملائکہ اور انبیاء کو پکارے وہ بھی مشرک ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی ویسی ہی زجر و توبیح کی ہے، جیسی کہ بت پرستوں کی کی ہے۔ اس عموم الفاظ کے اعتبار سے صاحب جلالین نے اکثر مقامات پر دون اللہ کا ترجمہ غیر اللہ سے کیا ہے!

۱۲) جیسا کہ ہم نے اوپر تصریح کی ہے، کفار نے اپنے بت اپنے اکابر (انبیاء و اولیاء) ہی کے نام پر تراشے تھے اور ان کی بت پرستی کا منشاء ان ہی اکابر کی تعظیم تھی۔ لہذا وہ دراصل پتھروں اور درختوں کی عبادت نہیں کر رہے تھے بلکہ انبیاء و اولیاء اور صلحاء کو پوج رہے تھے!

عزمن غیر اللہ و دون اللہ سے مراد نہ صرف بت ہیں بلکہ انبیاء و اولیاء سب اس میں شامل ہیں۔ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص موارد کا۔ اور عتلاً غور کر دو کہ انبیاء و اولیاء غیر اللہ ہیں کہ عین اللہ؟ جب غیر اللہ کی عبادت مشرک ہے تو صنم و دوشن، بنی و ولی، پیر، شہید، جن، پرسی، سب حرمت عبادت میں مساوی ہیں اور ان میں تفریق باطل ہے۔ اگر ہم تفریق کے قابل ہو جائیں، کہیں کہ عبادت من دون اللہ کی حرام و شرک ہے، بخلاف عبادت اولیاء و انبیاء کے تو لازم آتا ہے کہ انبیاء اور اولیاء عین اللہ ہیں اللہ لازم باطل فالملزوم مثله!

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادًاۙ اَمْثَلًا لِّکُمْۚ فَاذْعُوْهُمْ فَلَیْسَ تَجِدُوْا لَکُمْ اَنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ (پ ۱۲۶)

واقعی تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں، سو تم ان کو پکارو! پھر ان کو چاہیے کہ تمہارا کہنا کر دیں اگر تم سچے ہو!

اس آیت میں اس امر کی صاف طور پر تصریح ہے کہ مشرکین اللہ کے سوا بعض اولیاء، انبیاء اور ملائکہ کو دفع مضر و جلب منفعت کے لئے پکارا کرتے تھے۔ اس لئے ان سے کہا گیا کہ جن کو تم امداد کے لئے پکارتے ہو وہ بھی تمہارے مانند بندے ہیں۔ محض اصنام و اوثان پر عباد کا اطلاق نہایت بعید معلوم ہوتا ہے اور اگر مجازاً اصنام بھی مراد لیں تو امثالکم کا لفظ اس سے ایسا کرتا ہے، اسی لئے مقاتل نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ:-

"مراد ان عباد سے ملائکہ ہیں اور اس آیت کے محالطہ ہیں جو ملائکہ کو پوجتے تھے"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مہتبول بندوں سے دعا کرنے والا بھی مشرک ہے اور مردود! اس لئے کہ وہ "من دون اللہ" سے دعا کرتا ہے اور "دون اللہ" عام ہے اور اس میں تمام مخلوقات شامل ہیں، مہتبول ہوں یا مردود!

قُلْ اَدْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِہِ فَلَا یَمْلِكُوْنَ کَشْفِ الضَّرْعِ عَنْکُمْ وَلَا حُوْبِیْلًا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَذْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّہُمْ الْوَسِیْلَةَ اِنَّہُمْ اَقْرَبُ وَاَیْرَجُوْنَ

رَحْمَتُهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا -

جن کو تم خدا کے سوا قرار دے رہے ہو ذرا ان کو پکارو تو سہی، سو وہ تم سے نہ تکلیف کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ ان کے بدل ڈالنے کا۔ یہ لوگ جن کو مشرکین پکار رہے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف ذریعہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے اور وہ اُس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں!

اس آیت میں اس امر کی خوب تصریح کی گئی ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت نہیں کہ کسی کی مصیبت اور تکلیف کو دور کر سکے یا اس کو راحت و نعمت میں بدل دے۔ کوئی نبی، ولی، فرشتہ وغیرہ کسی کی مصیبت و ضرر کو دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، اور یہ احمق مشرک جن ہستیوں کو اچھے بُرے کا محنت رجان کھیلکارتے ہیں، ان کا خود یہ حال ہے کہ وہ حق تعالیٰ ہی سے امید رکھتے ہیں اور اسی کے عذاب سے لرزاں و ترساں ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان سے مراد خدا کے مقبول بندے ہیں نہ کہ اصنام و اشرارِ عباد۔ کیونکہ حق تعالیٰ سے امید و رجا رکھنا اُس کے قرب کا طالب ہونا اشرار سے ممکن نہیں اور اصنام سے تو اور زیادہ غیر ممکن ہے، پھر جب مقبول بندوں کو پکارنے اور ان سے اپنے مصائب کا دفعیہ چاہنے والوں پر یہ عتاب ہو رہا ہے تو مردودین کے ماننے والوں کا کیا حال ہو گا! تفسیر بیضاوی میں اس آیت کی تفسیر یوں کی گئی ہے:-

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ اِنَّهُمْ اِلهَةٌ مِنْ دُونِہٖ كَالْمَلَائِكَةِ وَالْمَسِيحِ وَغَيْرِہٖمْ
فَلَا يَمْلِكُونَ فَلَائِسْتُمْ بِمُكْشَفِ الضَّرِّ عَنْكُمْ كَالْمَرْمَنِ وَالْفَقْرِ وَلَا تَحْوِيلًا
وَلَا تَحْوِيلَ ذَلِكُمْ اِلٰی غَيْرِكُمْ۔

دیکھو بیضاوی نے صراحت کر دی ہے کہ ملائکہ اور مسیح اور عزیز تک "کشف ضرر" یعنی مرمین و فقر و قحط یا مصائب و آفات کے رفع کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ اس کو بطور خود پھیر سکتے ہیں۔ جب ان ابرار کبار کا یہ حال ہو تو ان سے کم درجہ کے لوگوں کا کیا پوچھنا!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبٌ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَا يُنْفِخُوا لَهُمْ سَائِبَاتٍ وَلَا يُسَلِّمُهُمُ الذُّبَابُ وَلَا يَسْتَنْقِذُوهُمْ مِنْهُ
ضَعْفًا الْعَائِبُ وَالْمَطْلُوبُ۔ مَا تَدْرُوا اللَّهَ حَتَّىٰ قَدِرْتُمْ - إِنَّ اللَّهَ لَقَرِيبٌ عَزِيزٌ۔

اے لوگو! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے، اس کو کان دگا کر سنو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کو تم لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو، وہ ایک مکھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے۔ گو سب کے سب بھی جمع ہو جائیں اور اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ ایسا عابد بھی لچر اور ایسا معبود بھی لچر۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی، جیسی تعظیم کرنا چاہیے تھی وہ نہ کی، اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا، سب پر غالب ہے!

لَا دَعْوَةَ الْخَيْرِ إِلَّا إِلَىٰ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَا يُنْفِخُوا لَهُمْ سَائِبَاتٍ وَلَا يُسَلِّمُهُمُ الذُّبَابُ وَلَا يَسْتَنْقِذُوهُمْ مِنْهُ
كَبَّ سَيْطَرُ كَفَيْهِ إِلَىٰ الْمَاءِ لِيَبْلُغَ قَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دَعَاءُ الْكَافِرِينَ

سچا پکارنا اسی کے لئے خاص ہے، اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے جتنا کہ پانی اس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلے ہوئے ہے کہ وہ اس کے منہ تک آجاتے اور وہ اس کے منہ تک آنے والا نہیں اور کافروں کی جتنی پکاریا درخواست ہے سب گمراہی ہے!

یعنی پکارنا اسی کو چاہیے، درد و مصیبت میں دعا اسی سے کرنی چاہیے۔ جو ہر قسم کے نفع و ضرر کا مالک ہو۔ عاجز و فقیر کو پکارنے اور اس کے سامنے گڑا گڑا کرنے سے کیا حاصل ہے حق تعالیٰ کے سوا کون ہے جس کے قبضہ میں اپنا یا دوسروں کا نفع و ضرر ہے۔ غیر اللہ کو اپنی مدد کے لئے بلانا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا کتوں کے منہ پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ میرے منہ میں پہنچ جا۔ ظاہر ہے کہ قیامت تک پانی اس کی ضرورت کو پہنچنے والا نہیں۔ بلکہ اگر پانی اس کی مٹھی میں ہوتا بھی خود چل کر منہ تک نہیں جاسکتا۔!

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندگی پر غور کرو۔ جب ان پر مصائب کا نزول ہوتا (اور لفظ لیسے امتد، الناس بلاء) الانبیاء مصائب ان ہی پر زیادہ نازل ہوتی ہیں۔ تو ان کا رخ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پلٹتا۔ ان کے ہاتھ حق تعالیٰ ہی کے سامنے پھیلتے۔ ان کا سر حق تعالیٰ ہی کے قدموں پر جھکتا تھا۔ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام اپنی لغزش سے واقف ہو کر انتہائی حزن و الم کی حالت میں حق تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں:-

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔

اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائے گا۔

اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی سرکش قوم کو جو روستم سے عاجز اور تنگ آکر حق تعالیٰ ہی سے فریاد کی کہ:-

اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانصُرْ (پہلے ۸) میں در ماندہ ہوں میرے پروردگار آپ انعام لیجئے!

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ٹھکن، عجز و در ماندگی کی حالت میں حق تعالیٰ ہی کی طرف توجہ کی اور پکارا:-

رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرِ فَخِیْرٍ (پہلے ۶)

اے میرے پروردگار جو نعمت بھی آپ مجھے بھیجیں میں اس کا حاجت مند ہوں!

عزم ناکہ و از در تو با عزم نہ روم جز شاد و امید دار و خرم نہ روم

از درگہ بچو تو کریے ہرگز نوید کسے نہ رفت و من ہم نہ روم

اور حضرت ایوب علیہ السلام نے بچوم عزم و الم کے وقت حق تعالیٰ ہی کو اپنی پناہ گاہ سمجھا اور التجا کی:-

اِنِّیْ مَسْتَشِیْرٌ اَلضَّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ (پہلے ۶)

مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں!

یارب کرم تو گر نباشد مدم خون جگر از دیدہ رود تا ابدم!

اور حضرت یونس علیہ السلام نے عزم و ماندہ کی تاریکیوں میں حق تعالیٰ ہی کو پکارا کہ:-

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ بَخَّخْتُكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (پہلے ۶)

رحمِ تعالیٰ، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ پاک ہیں، میں بیشک قصور وار ہوں!

اور حضرت یونسؑ ہی کے متعلق ارشاد ہے:-

فَلَوْلَا إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ لَلِیْتَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ (پہلے ۹)

اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اسی گھلی کے پیٹ میں رہتے!

دیکھو "لبث" کو لام تا کیسے سے موکد فرمایا گیا ہے اور سنا و نجات تسبیح الہی کو قرار دیا گیا ہے، مگر کسی نبی، ولی کے

نام کا ختم پڑھنے، ان کو پکارتے اور اپنا درد و غم ان کے سامنے رکھنے کو!

حصنہ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب بھی کسی قسم کی پریشانی لاحق ہوتی تو ناز پڑھتے۔ چنانچہ مروی ہے:-

اذا حزنته امر فرزع الی الصلوٰۃ (راہ احمد) اور ظاہر ہے کہ ناز میں سوائے تسبیح و تہلیل، تحمید و تقدیس کے اور کیا ہوتا ہے۔

ترمذی میں ہے کہ آپ کو جب کوئی سخت کام پیش آتا تو فرماتے:-

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ

اور دوسری حدیث میں ترمذی کی مذکور ہے کہ جب کسی امر کے متعلق فکر ہوتی تو آسمان کی طرف نظر کرتے اور کہتے:-

سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ!

جب دعائیں کو سنش کرتے تو فرماتے یا حئی یا قیوم - آپ نے فرمایا کہ تم گنہگار کی دعا یہ ہے:-

اللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْا فَلَائِكُنِيْ اِلَى نَفْسِيْ طَرَفَتَيْنِ وَاَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ!

اے اللہ مجھے بس تیری رحمت ہی کا آسرا ہے، تو مجھے پل بھر کے لئے بھی میرے نفس کے

حوالے نہ کر اور میرے سب کام درست کرنے! تیرے سوا کوئی الہ نہیں!

عمیس کی صاحبزادی اسماء (جو حضرت عائشہ صدیقہ کی بہن تھیں) کو فرمایا۔ کیا تجھے چند ایسی باتیں بتلا دوں جو غم کے

وقت کہا کرے، کہ اللہ اللہ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ بِهٖ شَيْئًا (سات بار) آپ نے ایک انصاری کو جن کا نام ابو امامہ تھا۔

غیر وقت نماز مسجد میں دیکھ کر پوچھا کہ اس وقت تم کہا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ قرص کے بار کے نیچے دبا جا رہا ہوں،

متفکر اور پریشان ہوں، فرمایا، صبح و شام اس دعا کو پڑھا کرو:-

اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُ بِكَ

مِنَ الْجَبِيْنِ وَالْبَخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلْبَةِ الدِّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ!

ایک مرتبہ فرمایا:-

مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ حَزَنٍ رِّجًا وَمِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا و

رِزْقًا مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ!

یعنی جو ہمیشہ استغفار پڑھا کرے تو اللہ اس کی ہر مصیبت کو دفع کر دیتا ہے اور ہر تنگی سے اس کو نکال لیتا ہے۔

اور ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے گمان نہ ہو (رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ عن ابن عباس) ایک اور موقع

پر فرمایا کہ جب کسی پر غم و مشکل ٹوٹ پڑے تو کہا کرے:-

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ (کذافی المشکوٰۃ)

دیکھو حضور الزہلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ ما اودى بنى ما اودى بنى - یعنی جتنی اذیت مجھے پہنچی اتنی کسی بنی کو نہیں پہنچی مگر کیا کسی اذیت یا تکلیف کے وقت آپ نے کسی بنی کو یاد کیا کہ یا آدم ابونا، یا لوح نبینا، یا ابراہیم خلیل اللہ؟ یا ہر وقت اسی ذات پاک سے فریاد کی جو تمام مشکلات کو رفع کرتی ہے۔ جو "سارنج تم" ہے، "کا شیف عم" ہے جو "محبیب دعوت المسلمین" ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کو آپ نے تعلیم فرمائی تھی کہ:-

"يا علامہ حفظہ اللہ یحفظک احفظ اللہ تجددہ تجاہک، و اذا سألک فاسأل اللہ و اذا استصنت فاستعن باللہ و اعلم ان الامۃ لو اجتمعت علی ان ینفکوک بشئ لم ینفکوک الا بشئ کتب اللہ لک ولو اجتمعوا علی ان یضروک بشئ لم یضروک الا بشئ قد کتبہ اللہ علیک رفعت الا قلام و حفت بصحیف (اخرجه الترمذی عن ابن عباس)

اے لڑکے اللہ کو یاد رکھو وہ تجھ کو یاد رکھے گا۔ اللہ کو یاد رکھو کہ تو اس کو اپنے سامنے پائے گا اور جب تو کچھ مانگے تو اللہ ہی سے مانگ اور جب تو مدد چاہے تو اللہ ہی سے چاہ (ایک نعبد وایاک نستعین) اور یہ یقین کر لے کہ اگر سب بندے مل کر کوشش کریں کہ تجھے اس چیز سے فائدہ پہنچائیں جو اللہ نے تیرے لئے مقدر نہیں کی تو وہ ایسا کرنے کی قدرت نہ پائیں گے مگر جتنا کہ اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا۔ اور اگر سب بندے مل کر تجھے کسی چیز سے ضرر پہنچانے کی کوشش کریں جو اللہ نے تیرے لئے مقدر نہیں کی تو اس پر قدرت نہ پائیں گے، قلم اٹھائے گئے اور خشک ہو گئیں کتابیں۔"

دیکھو اس حدیث میں کس وضاحت و صراحت کے ساتھ استعانت عن غیر اللہ سے منع کیا گیا ہے اور کس طرح سمجھوں سے توڑ کر صرف حق تعالیٰ ہی سے جوڑا گیا ہے! کفی باللہ وکیلاً!

از خدا خواہم و ز غیر نخواہم بخدا!!

کہ نیم بندہ دیگر نہ خدائے دگر است!

کیا یہ آزادی، بے خوفی یا استقلال ان شرک پسند بت پرستوں یا گورہستوں کو حاصل ہو سکتا ہے جو ہر پیر اور شہید کو نافع و ضار سمجھ کر ان سے اپنے فقر و احتیاج کی نسبت کو جوڑتے ہیں۔ ان ہی کے آگے سر نیا زخم کرتے ہیں اور ان ہی کے سامنے دست سوال پھیلاتے ہیں اور اپنے رسول کی اس نصیحت کو بھول جاتے ہیں کہ:-

یسأل احدکم ربه حاجته کلها حتی یسأل الملمح و حتی یسألہ شسع

لغله اذا انقطع۔ (اخرجه الترمذی عن انس)

ہر کسی کو چاہیے کہ اپنی ساری حاجتیں اپنے پروردگار ہی سے مانگے یہاں تک کہ تک بھی اسی سے مانگے اور جوئی کا تسمہ بھی اگر ٹوٹ جائے!

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جنہیں افسوس ہے کہ قادر یہ کی ایک بڑی تعداد نے اپنا مجہول مقرر کر رکھا ہے، مصائب میں اللہ ہی کو پکارتی ہے، آفات کے دور کرنے کے لئے ان ہی کے نام کا جھنڈا اپنے گھروں میں کھڑا کرتی ہے) حدیث ابن عباسؓ کو جو اُدھر مذکور ہوئی اپنی فتوح الغیب میں نقل فرماتے ہیں اور اس کے بعد نصیحت کرتے ہیں کہ:-

تنبیہی لكل مؤمن ان يجعل هذا الحديث مرآة لقلبه وشعاره ودر تارة
وحد يشه فيعمل به في جميع حركاته وسكناته حتى يسلمه في الدنيا والاخرة
ويجد العزة فيهما برحمة الله تعالى.

یعنی ہر مؤمن کو چاہیے کہ اس حدیث نبویؐ کو اپنے قلب کے لئے آئینہ بنا لے تاکہ اس کے
مضمون میں اپنے دل کا حال دیکھے اور اس کی خوبی و زشتی، راستی و کجی کو معلوم کرے، بلکہ
اس حدیث کو اپنے اندر اور باہر کا جامہ بنا لے اور ہر وقت کے لئے اس کو ایک سخن و حکایت
ٹھہرائے کہ اپنے دل سے اس کی تکرار کرتا رہے اور اپنے تمام حرکات و سکنات میں اس پر
عمل کرے تاکہ دنیا و آخرت میں تمام آفات نفسی و آفاقی سے محفوظ رہے اور اللہ
کی رحمت سے دونوں جہاں میں عزت پائے!

درد و مصیبت کے وقت اولیاء اللہ کو اس عقیدے سے پکارنا کہ یہ ہر جگہ سے ہماری مدد سے درد کو من لیتے ہیں اور ہماری اعانت
کر سکتے ہیں۔ یہ قطعاً اشراک فی العلم و اشراک فی التصرف ہے، تمام فقہاء نے اس کی تکفیر کی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث
نبوی سے اس کا تفصیلی ثبوت اُدھر دیا جا چکا ہے!

اولیاء اللہ کی قبروں پر جا کر ان کو پکارنا، اس کی دو صورتیں ہیں:-

(۱) قبر کے نزدیک جا کر ان سے یہ کہنا کہ ”آپ میری فریاد کو سُنئے، میری بلا کو ٹال دیجئے۔ میری حاجت کو رو کیجئے“ یہ
استغاثہ و استعانت، دعا اور طلب حاجت ہے، خواہ قریب سے کی جائے یا دُور سے اور یہ سراسر مشرک اور کفر ہے۔
دعا کی تفصیل میں اُدھر اس کا ثبوت دیا جا چکا ہے!

(۲) قبر کے نزدیک جا کر ان سے یہ کہنا کہ ”آپ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ میری بلا کو ٹال دے اور میری حاجت کو
روا کرے“ یہ قطعاً بدعت ہے، قرون مشہور لہا بالخیر میں کسی نے ایسا نہیں کیا!
امام ابو حنیفہؒ نے ایک شخص کو دیکھا کہ صالحین کی قبروں پر آکر کہہ رہا ہے کہ:-

”هل لكم من خبر وهل عندكم من اثر اني اتيتكم وناديتكم من شهور وليس
سواني منكم الا الدعاء، فهل درسيتم ام غفلتم“

اے اہل قبور! کچھ تم کو خبر بھی ہے اور کیا تم پر کچھ اثر بھی ہوتا ہے کہ کئی ماہ سے میں تمہارا
پاس آتا ہوں اور تم کو پکارتا ہوں،؟ میرا سوال تم سے صرف اتنا ہے کہ تم میرے لئے دعا کرو۔
کیا تم کو میرے حال کی خبر بھی ہے یا تم غافل ہو میرے حال سے۔

یہ سن کر امام اعظمؒ نے اس شخص سے پوچھا ”هل اجابوا لك؟“ کیا انہوں نے تجھ کو کوئی جواب دیا۔ اس نے کہا

”نہیں۔“ آپ نے عتاب آمیز لہجہ میں فرمایا:-

”سحقاً لک وتربت یداک! کیف تکلم اجساداً لا یستطیعون جواباً ولا یملکون شیئاً ولا یسمعون صوتاً“

پھٹکار ہو تجھ پر! خاک آلود ہوں تیرے دلوں ہاتھ! ایسے جسم کیسے بات کر سکتے ہیں جو جواب کی طاقت ہی نہیں رکھتے، جو کسی شے کے مالک نہیں، جو کوئی آواز بھی نہیں سن سکتے!

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:- ”وَمَا أَنْتَ بِمُسْتَهْجٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ“ یعنی حق تعالیٰ حضور الوز صلعم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:- ”آپ ان لوگوں کو جو قبر میں ہیں کچھ نہیں سنا سکتے“

امام اعظم کے اس عتاب سے مندرجہ ذیل امور کی وضاحت ہو رہی ہے:-

(۱) اولیاء و صالحین کی قبروں پر آکر ان سے خطاب کسی طرح جائز نہیں۔ آپ نے ایسے لوگوں کو بددعا دی ہے جو اہل قبور سے دعا کے طالب ہوتے ہیں۔

(۲) مردے نہ سن سکتے ہیں اور نہ جواب دے سکتے ہیں۔ پھر بلاؤں کا ٹالنا، مصیبتوں کا دور کرنا، ان سے کیا ہو سکتا ہے اور جب یہ نزدیک سے سن نہیں سکتے تو دور کی کب سنیں گے؟ محققین حنفیہ سماع موتی کے قائل نہیں۔ حضور الوز صلی اللہ علیہ وسلم نے کشتگان بدر سے جو خطاب فرمایا تھا اس کی توجیہ مختلف طریقوں سے کی گئی، بہترین توجیہ یہ ہے کہ:- یہ آپ کا معجزہ تھا، حق تعالیٰ نے آپ کی بات کفار موتی کو سنا دی تھی۔ چنانچہ کفایہ میں ہے:-

”من اجوبتہم انہ لوصح نذاک معجزۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“

کافی شرح وافی میں صراحت کی گئی ہے کہ:-

”والمقصود من الکلام الافہام وذا بالاسماع وذا لا یتحقق بعد الموت! یعنی مقصود کلام سے افہام ہے اور یہ سماع کے ذریعہ ہوتا ہے اور سماع موتی کے بعد محقق نہیں۔“

اسی طرح عینی شرح ہدایہ میں:-

”قوله لان المقصود من الکلام الافہام ای افہامہ فلا نا و الموت ینافیہ ای ینافی الکلام الاسماع و الامیت لیس باهل السماع الا تری الی قوله تعالیٰ انک لا تسمع الموتی و الی قوله تعالیٰ و ما انت بمسمع من فی القبور!“

شرح مواقف میں تشریح کی گئی ہے کہ علم و قدرت و ارادہ، سمع بصر میت کے لئے ثابت کرنا فرقہ صالحیہ کا عقیدہ ہے جو معتزلہ کا ایک گروہ ہے:-

”الصالحیہ اصحاب الصالحی و مذہبہم انہم جوزوا قیام العلم و القدرۃ و الارادۃ و السمع و البصر بال میت و یلز مہم جوازان یکون الناس مع اتصافہم بھذہ الصفات امواتا وان لا یکون الباری تعالیٰ حیاً“

یعنی صالحیہ گروہ ہے صالحی کا اور مذہب ان کا یہ ہے کہ انہوں نے میت کے لئے علم و قدرت و ارادہ و سمع و بصر کو جائز قرار دیا ہے، ان کے مذہب کی رو سے تو یہ لازم آتا

ہے کہ جو لوگ ان صفات سے متصف ہیں، وہ سب مردہ ہیں اور حق تعالیٰ بھی زندہ نہیں۔

اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر گورپرست مشائخ اسی فرقہ ضالہ کے عقیدہ پر قائم ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک! یہاں غلط فہمی دور کرنے کے لئے اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ جو شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر دُور سے درود بھیجتا ہے اُس کو آپ تک فرشتے پہنچاتے ہیں، آپ اس کو نہیں سنتے، البتہ بزرگانِ دین اور محققینِ شرع متین نے اس امر کی تصریح کی ہے اور روایات مرفوعہ میں بھی یہ امر مذکور ہے کہ جو شخص آپ کے مزار مبارک کے قریب درود بھیجتا ہے اس کو آپ بخوبی سنتے ہیں۔ چنانچہ ابو بکر احمد بن حنین یہی نے شعب الایمان میں ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ:-

” قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي

نايئاً بلغته -“

یعنی جو درود بھیجتا ہے میری قبر کے نزدیک اُس کو میں خود سنتا ہوں، اور جو درود بھیجتا ہے مجھ پر دُور سے وہ مجھ تک پہنچا یا جاتا ہے۔ یعنی بذریعہ ملائکہ اور میں خود براہِ راست نہیں سنتا، ورنہ پہنچانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ جیسا کہ قبر کے پاس کے درود کے متعلق پہنچانے کا ذکر نہیں کیا۔

اسی طرح ابن حجر مکی نے شرح ہمزہ میں ذکر فرمایا ہے:-

اذا صلى وسلم عليه عند قبره سمعته سماً حقيقياً ويرد عليه من غير واسطة وان صلى وسلم عليه من بعيد لا يسمعه الا بواسطة يدل عليه احاديث كثيرة! یعنی جب کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس سے آپ پر درود و سلام بھیجتا ہے۔ تو آپ اس کو حقیقت میں سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اس کا بلا واسطہ۔ اور اگر کوئی دُور سے آپ پر درود و سلام بھیجتا ہے تو آپ اس کو نہیں سنتے مگر بواسطہ (یعنی فرشتے آپ تک پہنچاتے ہیں) بہت سی حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔

جن لوگوں کے قلوب میں غیر اللہ سے مدد سما گئی ہے اور یہ ان کی طبیعتوں میں رچ گئی ہے وہ ایک حدیث اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ ”حسن حصین میں حضرت سے مروی ہے کہ آپ نے اُس شخص کے متعلق جو راہ گم گشتہ ہو فرمایا کہ پکارا عینونی یا عباد اللہ۔“ اے بزرگانِ خدا تم میری مدد کرو! اس حدیث سے استناد کر کے کہا جاتا ہے کہ ”ہم راہ گم گشتہ ہیں، ہم پکارتے ہیں۔ عینونی یا عباد اللہ! یا غوث! یا خواجہ، یا نقشبند! یا بدوی! یا شاذلی ہماری مدد کرو!“

حسن حصین کے الفاظ یہ ہیں:-

ان اراد عوناً فليقل يا عباد الله اعيتوني يا عباد الله اعيتوني (رداہ طبرانی)

ان الله ملائكة سياحين في الارض يبلغون عن امتي اسلام (سفيان ثوري) کی حدیث عبد اللہ بن مسعود سے، رواہ النسائی و ابو حاتم فی صحیحہ

اس حدیث سے جو استدلال کیا گیا ہے اُس پر علماء حق نے جو تنقید کی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے :-
 (۱) اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابن حسان ہے جو محدثین کے نزدیک منکر الحدیث ہے اور ہمیشگی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے !

(۲) اس کی سند منقطع بھی ہے، بیچ میں ایک راوی (ابن بکر بن یزید اور ابن مسعود کے درمیان) چھوٹ گیا ہے اور منقطع کا حکم مثل مرسل ہے اور محدثین اور اہل اثر کی جماعت کے نزدیک یہ حجت نہیں !

(۳) اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی عتبہ بن غزو ان ہے وہ مجہول الحال ہے، یعنی اس کا تقویٰ اور عدل معلوم نہیں۔ چنانچہ تقریب ابن حجر میں اسی بنا پر استدلال کیا گیا ہے کہ جب اس حدیث کا ایک راوی ضعیف اور مجہول الحال ہو تو یہ نہ قابل اعتماد ہے اور نہ لائق استدلال !

(۴) جرح سے قطع نظر کہ اگر ہم اس حدیث کو تسلیم بھی کر لیں، تو ہم عقل سلیم کا واسطے کر پوچھتے ہیں کہ کیا یہ اموات سے استعانت پر دلیل ہو سکتی ہے؟ عباد اللہ سے مراد تو فرشتے ہیں جو حفاظت کے لئے معین و مقرر ہیں۔ !

اس حدیث کے مخالف و معارض دوسری حدیث بھی اسی کتاب حصن حصین میں ملتی ہے، جس کو طبرانی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے :-

اذا اصناع له شيئاً او ابى فليقل - اللهم ردا الصالة و هادي الضلالة انت
 تفدي من الضلالة اردد علي ضالتي بقدرتك وسلطانك فانها من عطاك
 وفضلك - !

یعنی جب آدمی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا اُس کا غلام بھاگ جائے تو یوں دعا کرے -
 "اے خدا جو پھیر لاتا ہے گم ہوئی چیز کو، اے بھولے بھٹکے کی راہ بتلانے والے تو ہی راہ
 بتلاتا ہے بھول اور گمراہی سے - واپس دلا دے مجھ کو میری گم ہوئی چیز اپنی قدرت اور
 غلبہ سے کہ وہ چیز تیری بخشش اور احسان سے ملتی -"

علاء بریں ابن عباسؓ سے جو حدیث مروی ہے اور جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے، اُس میں صاف طور پر حکم دیا ہے
 فلا استعنت فاستعن بالله یہ معارض و مخالف ہے، حدیث اعیونی کے اور ظاہر ہے کہ حدیث ابن عباسؓ
 موافق ہے نوحے کلام مجید کے لہذا اس کو دوسری حدیث پر ترجیح ہونی چاہیے !

نما اور استعانت کی تائید میں اہل استدلال ایک اور حدیث پیش کرتے ہیں - سوال خود پیش کر کے جواب دینے
 کی کوشش کی گئی ہے - "یا رسول اللہ! یا غوث! پکارنا بھی کیا ناجائز نہیں؟ شرک نہیں؟ ترمذی، نسائی، طبرانی،
 ابن خزیمہ، حاکم، بیہقی نے یہ روایت کی ہے :-"

اللهم اني اسألك واتوجه اليك المصطفى عندك يا جبرئيل يا محمد
 انا نتوسل بك الي ربك فاشفع لنا عند المولى العظيم يا نعم الرسول الطاهر
 اللهم شجعه فينا مجاهد عندك - !

اس دعای میں یا محمد! کی نذر ہے اور حضرت عثمان کے زمانہ میں بھی اس دعا کو صحابہ نے خود پڑھا اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دی۔ تو سوال کا جواب یہ ہوا کہ یا رسول! یا غوث! پکارنا شرک نہیں، جائز ہے اور ادھر بھی دو حدیثوں سے استدلال کر کے اہل استدلال نے اپنی دانست میں ثابت کر دیا ہے کہ یا خواجہ! یا بدوی! یا شاذلی! یا نقش بند پکارنا جائز ہے!

اس حدیث کی تحقیق یہ ہے:-

۱) مروی ہے کہ ایک اندھے نے حضور الوزصلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ میرے لئے حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے اس مرض سے شفا دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو میں دعا کروں اور چاہے تو نابینائی پر صبر کر، کہ تیرے حق میں یہی بہتر ہے! اس نے عرض کیا کہ میرے لئے دعا ہی کیجئے۔ آپ نے خود دعا پڑھ کر فرمائی۔ بلکہ حکم دیا کہ دمنو کرے اور پھر ارشاد فرمایا کہ یہ دعا پڑھے:-

اللهم انى اسئلك واتوجه اليك بنبي الرحمة يا محمد انى اتوجه بك الى ربى فى حاجتى هذا التقضى لى فشفعه لى يا (ترمذى)

یا اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اپنی حاجت اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں بذریعہ تیرے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ نبی رحمت ہیں۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں متوجہ ہوتا ہوں اپنے پروردگار کی طرف آپ کے ذریعہ سے اپنی اس حاجت میں تاکہ میرے حق میں حاجت روائی کی جائے، اہی! تو ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔!

نسائی، ابن ماجہ، حاکم نے روایت کی کہ اس نے یہ دعا پڑھی اور بیا ہو گیا۔ (کذا فى المشکوٰۃ)

۲) یہ حدیث اعتقاد کے بارے میں قابل استدلال نہیں۔ کیونکہ اس کا ایک راوی عثمان بن خالد متروک الحدیث ہے۔ فقہاء و محدثین کے نزدیک ایسے راوی کی نقل قابل حجت نہیں۔ چنانچہ نووی کی تقریب اور اس کی شرح تدریب الراوی میں یہ مسئلہ مہرح ہے۔! (قرآن اور تعمیر سیرت)

ترجمہ و ترتیب:-

مولانا مفتی محمد شفیع

بدعات و محدثات

حضرات صوفیائے کرام کی نظر میں

بدعات و محدثات کے ایجاد کرنے والے اور ان پر عمل کرنے والے عموماً حضرات صوفیائے کرام اور مشائخ طریقت کی پناہ لیتے ہیں۔ اور انہی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے عوام اس خیال میں ہیں کہ طریقت و شریعت دو متضاد چیزیں ہیں۔ بہت سے احکام جو شریعت میں ناجائز ہیں، اہل طریقت ان کو جائز قرار دیتے ہیں اور یہ ایک خطرناک غلطی ہے۔ کہ اس میں مبتلا ہونے کے بعد دین و ایمان کی خیر نہیں۔ کیونکہ انسان کو تمام گمراہیوں سے بچانے والی صرف شریعت ہے۔ جب اس کی مخالفت کو جائز سمجھ لیا گیا۔ تو پھر ہر گمراہی کا شکار ہو جانا سہل ہے!

اسی لئے مناسب معلوم ہوا کہ حضرات صوفیائے کرام اور مشائخ کے ارشادات بدعات کی مذمت اور اتباع سنت کی تاکید میں بقدر کفایت جمع کر دیئے جائیں تاکہ عوام اس دھوکے سے بچ جائیں کہ مشائخ طریقت بدعات کو مذہبوم نہیں سمجھتے۔ یا اتباع سنت میں متساہل ہیں۔

اس سلسلے کے لئے علامہ شاطبیؒ اپنی کتاب الاعتصام جلد اول میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے جس میں صوفیائے منتقدین کے ارشادات دربارہ مذمت بدعات جمع کئے ہیں۔ ہمارے لئے ان کا ترجمہ کر دینا کافی ہے۔!

امام طریقت حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں:-

”جو شخص کسی بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے، اس کو حکمت نصیب نہیں ہوتی“

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ

آپ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں دعا قبول فرماتے کا وعدہ کیا ہے۔ فرمایا:-

أَدْعُوْنِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ مگر ہم بعض اہم کاموں کے لئے زمانہ دراز سے دعا کر رہے ہیں۔ قبول نہیں ہوتی اس کا کیا سبب ہے، آپ نے فرمایا۔ تمہارے قلوب مرچکے ہیں۔ اور مردوں کی دعا قبول نہیں ہوتی اور موت قلوب کی دشمنی سبب ہے:-

اول یہ کہ تم نے حق تعالیٰ کو پہچانا۔ مگر اس کا حق ادا نہیں کیا۔!

دوسرے تم نے کتاب اللہ کو پڑھا اور اس پر عمل نہیں کیا۔!

تیسرے تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ تو کیا۔ مگر آپ کی سنت کو چھوڑ بیٹھے۔

چوتھے۔ شیطان کی دشمنی کا دعویٰ کیا۔ مگر اعمال میں اس کی موافقت کی۔!

پانچویں۔ تم کہتے ہو کہ ہم جنت کے طالب ہیں۔ مگر اس کے لئے عمل نہیں کرتے !
اسی طرح پانچ چیزیں اور شمار کرائیں۔ غرض اس حکایت کی نقل سے یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ابن ادھم ترک سنت
کو موتِ قلب کا سبب قرار دیتے ہیں !

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :-

حق تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ اخلاق و اعمال اور تمام امور اور سنن میں حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع
کیا جائے اور فرمایا کہ لوگوں کے فساد کا سبب چھ چیزیں ہیں :-

اول یہ کہ عملِ آخرت کے متعلق اُن کی ہمتیں اور نیتیں پست اور ضعیف ہو گئیں۔

دوسرے یہ کہ اُن کے لئے غموس اُن کی خواہشات کا گوارا نہ بن گئے !

تیسرے یہ کہ اُن پر طولِ اہل غالب آ گیا، یعنی دنیوی سامان میں قرونوں اور برسوں کا انتظام کرنے کی فکر میں رہتے ہیں
حالانکہ عمر اُن کی تھلیل ہے !

چوتھے یہ کہ انہوں نے مخلوق کی رضا کو حق تعالیٰ کی رضا پر ترجیح دے رکھی ہے !

پانچویں یہ کہ وہ اپنی ایجاد کردہ چیزوں کے تابع ہو گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ بیٹھے !

چھٹے یہ کہ مشائخِ سلف اور بزرگانِ متقدمین میں سے اگر کسی سے کوئی لغزش صادر ہو گئی، تو اُن لوگوں نے اسی کو

وہنا مذہب بنا لیا اور اُن کے فعل کو اپنے لئے محبت سمجھا۔ اور اُن کے باقی تمام فضائل و مناقب کو دفن کر دیا !

ایک شخص کو آپ نے نصیحت فرمائی کہ تمہیں چاہیے کہ سب سے زیادہ اہتمام اللہ تعالیٰ کے فرائض و واجبات

کے سیکھنے اور اُس پر عمل کرنے کا کرو۔ اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع کیا ہے، اُس کے پاس نہ جاؤ۔ کیونکہ

حق تعالیٰ کی عبادت کا وہ طریقہ جو اُس نے خود تعلیم فرمایا ہے، اُس طریقے سے بہتر ہے، جو تم خود اپنے

لئے بناتے ہو۔ اور یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے لئے اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔ جیسے بعض لوگ، خلاف سنت رہبانیت

کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں !

بندہ کا فرض یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے آقا کے حکم پر نظر رکھے، اور اسی کو اپنے تمام معاملات میں حکم بنائے۔

اور جس چیز سے اُس نے روک دیا ہے، اُس سے بچے !

آج کل لوگوں کو حلاوتِ ایمان اور طہارتِ باطن سے صرف اس چیز نے روک رکھا ہے کہ وہ فرائض و واجبات

کو معمولی باتیں سمجھ کر اُن کا اتنا اہتمام نہیں کرتے، جتنا کرنا چاہیے !

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :-

میں ایک مرتبہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ

اے بشر ! تم جانتے ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے سب اقران پر فوقیت و فضیلت کس سبب سے دی ہے۔

میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ! میں واقف نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ تم میری

سنت کا اتباع کرتے ہو۔ اور نیک لوگوں کی عزت کرنے ہو اور اپنے بھائیوں کی خیر خواہی کرتے ہو۔ اور میرے

صحابہ اور اہلبیت سے محبت رکھتے ہو۔ !

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :-

لوگوں کے تمام اختلافات کی اصل تین چیزیں ہیں۔ اور ان تینوں کی تین صدیں ہیں۔ جو شخص ایک اصل سے علیحدہ ہے، اُس کی صد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

وہ تین اصل یہ ہیں :-

ایک توحید اور اُس کی ضد ترک ہے۔

دوسرے سنت اور اس کی ضد بدعت ہے۔

تیسرے طاعت، اُس کی ضد معصیت ہے۔ !

حضرت ابو بکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ :-

حضرت ابو بکر دقاق قدس سرہ جو حضرت جنید کے اقران میں سے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اُس میدان میں گزر رہا تھا، جہاں چالیس سال تک اسرائیل قدرتی طور پر محصور رہے۔ اور نکل نہ سکتے تھے۔ جس کو وادی کہا جاتا ہے، اس وقت میرے دل میں یہ خطر گذرا کہ علم حقیقت علم شریعت سے مخالف ہے۔ اچانک مجھے عینی آواز آئی :-

کل حقیقہ لا تتبع الشریعة فرہی کفر !

جس حقیقت کی موافقت شریعت نہ کرے وہ کفر ہے !

حضرت ابو علی جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :-

بندہ کی نیک بختی کی علامت یہ ہے کہ اُس پر خدا اور رسول کی اطاعت آسان ہو جائے ! اور اُس کے افعال مطابق سنت ہو جائیں۔ اور اس کو نیک لوگوں کی صحبت نصیب ہو جائے۔ اور اپنے اجاب و اخوان کے ساتھ اُس کو حسن احسان کی توفیق ہو اور خلق اللہ کے لئے اُس کا نیک سلوک عام ہو۔ اور مسلمانوں کی غمخواری اس کا شیوہ ہو ! اور اپنے اوقات کی نگہداشت کرے، یعنی ضائع ہونے سے بچائے !

کسی نے آپ سے سوال کیا کہ اتباع سنت کا کیا طریقہ ہے ؟ فرمایا کہ بدعات سے اجتناب اور اُن عقائد اور احکام کا اتباع، جس پر علمائے اسلام کے صدر اول کا اجماع ہے اور اُن کی اقدار کو لازم سمجھنا !

حضرت ابو بکر ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :-

کمال ہمت اس کے تمام اوصاف کے ساتھ سوائے اہل محبت کے کسی کو حاصل نہیں ہوتی اور یہ درجہ اُن کو محض اتباع سنت اور ترک بدعت کی وجہ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ صاحب ہمت اور سب سے زیادہ ساعی الی اللہ تھے !

ہمت اصطلاح صوفیہ میں توجہ اور تصرف کہتے ہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی تخیل کی قوت کسی کام کے ہوتے یا نہ ہونے کی طرف جمع کرے، اس جگہ ممکن ہے کہ یہی مراد ہو مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعریف اور ہمت اصطلاح کے استعمال کا صدور کہیں صراحتاً ثابت نہیں۔ اس لئے غالباً اس جگہ ہمت کے لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی دین کے کاموں میں چستی اور مضبوطی جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم !

حضرت ابو الحسن وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

بندہ اللہ تک صرف اللہ ہی کی مدد اور اُس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء فی الاحکام کے ذریعے پہنچ سکتا ہے اور جو شخص وصول الی اللہ کے لئے موائے اقتداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے تو ہدایت حاصل کرنے کی خاطر گمراہ ہو گیا۔!

حضرت ابو محمد عبد الوہاب ثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

اللہ تعالیٰ صرف وہی اعمال قبول فرماتے ہیں۔ جو صواب و درست ہوں۔ اور صواب و درست میں بھی صرف وہی اعمال مقبول ہیں جو خالص اسی کے لئے ہوں اور حائل میں بھی صرف وہی مقبول ہیں جو سنت کے مطابق ہوں۔!

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ۔

یہ بزرگ حضرت ابو عبد اللہ مغربی اور حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہما کے اصحاب ہیں تھے، بدعات سے سخت متنفر اور مبتدعین پر سخت رد کرنے والے کتاب و سنت کے طریقہ پر مضبوطی سے قائم اور مستأخِ ائمہ، متقدمین کے طرز کا التزام کرنے والے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ بن منازل ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن شیبان تمام فقراء اور اہل آداب و معاملات پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک محبت ہے!

حضرت ابو عمر زجاجی رحمۃ اللہ علیہ

یہ عماد و زبَاد کے مشہور امام حضرت جنید اور سفیان ثوری کے اصحاب میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:-
زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا دستور یہ تھا کہ ان چیزوں کا اتباع کرتے تھے جن کو ان کی عقلیں مستحسن سمجھتی تھیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو آپ نے ان کو اتباع شریعت کا ارشاد فرمایا۔ پس عقل صحیح و سلیم وہی ہے جو مستحسنات شرعیہ کو اچھا اور مکروہات شرعیہ کو ناپسند سمجھے۔!

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

میں نے تین سال مجاہدات کئے مگر مجھے کوئی مجاہدہ علم اور اتباع علم سے زیادہ شدید نہیں معلوم ہوا۔ اور اگر علماء کا اختلاف نہ ہوتا تو میں مصیبت میں پڑ جاتا۔ بلاشبہ علماء کا اختلاف رحمت ہے (مگر وہ اختلاف جو تجرید و توحید میں ہو کہ وہ رحمت نہیں) اور اتباع صرف اتباع سنت کا نام ہے۔ کیونکہ علم سنت کے علاوہ دوسری چیز علم کہلانے کی مستحق نہیں۔!

ایک مرتبہ ایک بزرگ ان کے وطن تشریف لائے۔ شہر میں ان کی ولایت و بزرگی کا چرچا ہوا۔ حضرت ابو یزید نے بھی زیارت کا قصد کیا۔ اور اپنے ایک رفیق سے کہا کہ چلو ان بزرگ کی زیارت کر آئیں۔ ابو یزید اپنے رفیق کے ساتھ ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ یہ بزرگ گھر سے نماز کے لئے نکلے، جب مسجد میں داخل ہوئے تو جانب قبلہ میں تھوک دیا۔ ابو یزید یہ حالت دیکھتے ہی واپس ہو گئے اور ان کو سلام بھی نہ کیا۔ اور فرمایا۔ یہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں سے ایک ادب پر مامون نہیں کہ اس کو ادا کر سکے، اس سے کیا توقع رکھی جائے کہ یہ کوئی ولی اللہ ہو!

امام مشاطی اس واقعہ کو کتاب الاعتصام میں نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت ابو یزید کا یہ ارشاد ایک

اصل عظیم ہے، جس سے معلوم ہوا کہ تارک سنت کو درجہ ولایت حاصل نہیں ہوتا۔ اگرچہ ترک سنت بوجہ نادانانہ وقت ہونے کے ہوا ہو۔!

اب آپ اندازہ کریں کہ جو علانیہ ترک سنت اور احداث بدعت پر مہر ہوں، ان کو بزرگی اور ولایت سے کوئی دور کا واسطہ بھی ہو سکتا ہے؟

نیز ابو زبیر کا ارشاد ہے کہ اگر تم کسی شخص کی کھلی کھلی کرامات دیکھو۔ یہاں تک کہ وہ ہوا میں اڑنے لگے، تو اس سے ہرگز دھوکا نہ کھاؤ۔ اور اس کی بزرگی و ولایت کے اس وقت تک معقود نہ ہو، جب تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ امر وہی اور جائز و ناجائز اور حفاظت حدود اور آداب شریعت کے معاملہ میں اس کا کیا حال ہے۔!

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

بندہ جو فعل بغیر اقتدار (رسول) کے کرتا ہے، خواہ وہ (بصورت) طاعت ہو یا معصیت، وہ عیب نفس ہے۔ اور جو فعل اقتدار و اتباع سے کرتا ہے۔ وہ نفس پر عتاب اور مشقت ہے۔ کیونکہ نفس کی خواہش کبھی اقتدار و اتباع میں نہیں ہو سکتی۔ اور اصل مقصود ہمارے طریق (یعنی سلوک) کا یہی ہے کہ اتباع ہو اسے بچیں!

نیز فرمایا کہ ہمارے (یعنی صوفیائے کرام کے) اصول سات ہیں:-

۱- کتاب اللہ کے ساتھ تمسک۔

۲- سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار

۳- اکل حلال (یعنی کھانے پینے اور استعمال کرنے میں اس کا لحاظ کہ کوئی چیز حرام و ناجائز نہ ہو)

۴- لوگوں کو تکلیف سے بچانا۔

۵- گناہوں سے بچنا۔

۶- توبہ۔!

۷- ادائے حقوق۔!

نیز ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں سے مخلوق مایوس ہو گئی:-

۱- توبہ کا التزام!

۲- سنت رسول کا اتباع!

۳- مخلوق کو اپنی ایدہ سے بچانا!

نیز کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ فتوت (عالی ظرفی) کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ اتباع سنت۔!

حضرت ابوسلیمان داناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

بسا اوقات میرے قلب میں معارف و حقائق اور علوم صوفیاء میں سے کوئی خاص نکتہ عجیبہ وارد ہوتا ہے اور ایک

زمانہ دراز تک وارد ہوتا رہتا ہے۔ مگر میں اس کو دُعا عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ اور وہ عادل گواہ

کتاب و سنت ہیں۔!

حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

جو شخص کوئی عمل بلا اتباع سنت کے کرتا ہے، اُس کا عمل باطل ہے!

حضرت ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :-

جو شخص ہر وقت اپنے احوال و افعال کو کتاب و سنت کی میزان میں وزن نہیں کرتا اور اپنے خواطر (واردات قلبیہ) کو مہتمم (ناقابلِ اطمینان) نہیں سمجھتا۔ اس کو مردانِ راہ تصوف میں شمار نہ کرو۔ نیز آپ سے بدعت کی حقیقت دریافت کی گئی، تو فرمایا۔ کہ احکام میں تعدی، یعنی شرعی حدود سے تجاوز کرنا۔ اور تھاون فی السنن یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے اتباع میں سستی کرنا۔ اور اتباع الآراء والافہار یعنی اپنی خواہشات اور رذائل (اور رذائل کی پیروی اور ترکِ اتباع و اقتداء یعنی سلف صالح کے اتباع و اقتداء کو چھوڑنا اور کبھی کسی صوفی کو کوئی حالتِ رفیعہ بغیر امرِ صحیح کے اتباع کے حاصل نہیں ہوتی!

حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ :-

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ لوگوں کے اعمال پر احتساب اور دار و گیر کسی شخص کے لئے کس وقت جائز ہوتی ہے؟ فرمایا۔ جب وہ سمجھے کہ یہ احتساب اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی صورت یہ ہے کہ جس کو امر بالمعروف کہا جائے، وہ اس کا ماتحت اور تحت القدرت ہو، یا یہ لہتیں ہو کہ وہ ہماری بات مان لے گا۔ وغیر ذالک۔ یا یہ خوف ہو کہ کوئی انسان بدعت میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔ اور اس کو یہ گمان ہے کہ ہمارے کہنے سننے سے اُس کو نجات ہو جائے گی!

نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص سلف صالح کے احوال پر نظر ڈالتا ہے۔ اُس کو اپنا قصیدہ اور مردانِ راہِ خدا کے درجات سے اپنا پیچھے رہنا معلوم ہو جاتا ہے!

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ غرض اس کلام کی (واللہ اعلم) یہ ہے کہ لوگوں کو سلف صالح کی اقتداء کی ترغیب دیں کیونکہ یہی حضرات اہل سنت ہیں۔!

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ :-

آپ کے سامنے کسی نے ذکر کیا کہ عارفین پر ایک حالت ایسی آتی ہے کہ وہ تمام حرکات و اعمال چھوڑ کر تقرب الی اللہ حاصل کرتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ اُن لوگوں کا قول ہے، جو اسقاطِ اعمال کے قائل ہیں۔ اور فرمایا کہ میں تو اگر ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں، تو اپنے اختیار سے اعمال (طاعات و عبادات) میں سے ایک ذرہ بھی کم نہ کروں۔ ہاں معنوب و مجبور ہو جاؤں تو وہ دوسری بات ہے!

اور فرمایا کہ وصول الی اللہ کے جتنے راستے عقلاً ہو سکتے ہیں۔ وہ سب کے سب بجز اتباعِ آثارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مخلوق پر بند کر دیئے گئے ہیں۔ (یعنی بغیر اقتداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی شخص ہرگز تقرب الی اللہ حاصل نہیں کر سکتا اور جو دعویٰ کرے وہ کاذب ہے)

اور فرمایا کہ ہمارا یہ مذہب (یعنی سلوک و تصوف) کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے۔

نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کو حفظ نہ کرے اور حدیثِ رسول کو نہ لکھے۔ اس معاملہ (یعنی تصوف) میں اُس کی اقتداء نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ ہمارا علم کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے۔ اور فرمایا کہ حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت ابو عثمان جلیسری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

اللہ تعالیٰ کے ساتھ معیت و صحبت تین چیزوں سے ہوتی ہے، ایک حسنِ ادب۔ دوسرے دوامِ ہیبت، تیسرے مراقبہ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحبت و معیت اتباع و سنت اور ظاہر شریعت کے التزام سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اولیاء اللہ کی صحبت ادب و احترام اور خدمت سے حاصل ہوتی ہے۔ آپ کی وفات کے وقت آپ کا حال متغیر ہوا۔ تو صاحبزادہ نے بوجہ شدتِ غم و الم کے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، ابو عثمان نے آنکھ کھولی۔ اور فرمایا۔ بیٹا! ظاہر اعمال میں خلاف سنت کرنا یہ باطن میں ریا ہونے کی علامت ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے نفس پر قول و فعل میں سنت کو حاکم بنائے گا، وہ حکمت کے ساتھ گویا ہوگا۔ اور جو قول و فعل میں خواہ مشابہت ہو، حاکم بنائے گا، وہ بدعت کے ساتھ گویا ہوگا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وان تطيعوا تهتدوا۔** یعنی اگر تم بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔!

حضرت ابو الحسن نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

جس کو تم یہ دیکھو کہ تقرب الی اللہ میں وہ کسی ایسی حالت کا مدعی ہے جو اس کو علم شرعی کے حد سے نکال دے تو تم اس کے پاس نہ جاؤ۔

حضرت بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

اسلام کا زوال چار چیزوں سے ہے:-

۱۔ لوگ علم پر عمل نہ کریں۔

۲۔ علم کے خلاف عمل کریں۔

۳۔ جن چیز کا علم ہو، اس کو حاصل نہ کریں۔

۴۔ لوگوں کو علم حاصل کرنے سے روکیں۔

علامہ شاطبی فرماتے ہیں کہ یہ تو ان کا ارشاد ہے اور ہمارے زمانہ کے موفیوں کا عام طور سے یہی حال ہو گیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ معرفت رکھنے والا وہ شخص ہے، جو اس کے اوامر کے اتباع میں سب سے زیادہ مجاہدہ کرتا ہو۔ اور اس کے رسول کا سب سے زیادہ متبع ہو!

حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

جو شخص اپنی نظر کو محارم سے محفوظ رکھے۔ اور اپنے نفس کو شبہات سے بچائے اور اپنے باطن کو دوامِ مراقبہ کے ساتھ معمور کرے اور ظاہر کو اتباعِ سنت سے آراستہ کرے اور اپنے نفس کو اکلِ حلال کی عادت ڈالے۔ تو اس کی فراست میں کبھی خطا نہیں ہو سکتی۔

ابو سعید خرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:- ظاہر شریعت جس باطنی حالت کا مخالف ہو، وہ باطل ہے۔

ابو الجاس ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ: جو سید الطائفہ حضرت جنید کے اقران میں سے ہیں، فرماتے ہیں:-

جو شخص اپنے نفس پر آدابِ الہیہ کو لازم کرے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو نور معرفت سے منور فرما دیتا ہے۔ اور کوئی

مقام اُس سے اعلیٰ و اشرف نہیں ہے، کہ بندہ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر اور اعمال و اخلاق میں اُن کا متبع ہو۔
نیز فرمایا کہ سب سے بڑی غفلت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے غافل ہو۔ اور یہ کہ اُس کے اوامر و احکام سے غافل ہو۔ اور یہ
کہ اُس کے آداب معاملہ سے غافل ہو!

ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔
علم کثرت روایت کا نام نہیں۔ بلکہ عالم صرف وہی شخص ہے جو اپنے علم کا متبع ہو اور اس پر عمل کرے۔ اور سنت نبوی
کی اقتدار کرے۔ اگرچہ اس کا علم تھوڑا ہو۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ عافیت کیا چیز ہے۔ فرمایا:-
”دین بلا بدعت و عمل بلا آفت و قلب بلا شغل و نفس بلا شہوت!“

دین بخر بدعت کے اور عمل بغیر آفت کے یعنی بدعات و محترعات کی آفتیں اُس میں شامل نہ ہوں

اور قلب فارغ جس کو (غیر اللہ کا) شغل نہ ہو۔ اور نفس جس میں شہوت کا (غلیہ) نہ ہو۔!

اور فرمایا کہ حقیقی صبر یہ ہے کہ احکام کتاب و سنت پر مضبوطی سے قائم رہو!

حضرت بنان حمال رحمۃ اللہ علیہ:-

آپ سے دریافت کیا گیا کہ احوال صوفیہ کی اصل کیا ہے۔ فرمایا۔ چار چیزیں:-

اول۔ جس چیز کا حق تعالیٰ نے خود ذمہ لے لیا ہے۔ اُس میں اُس پر اعتماد و توکل کرنا (یعنی رزق)

دوم۔ احکام الہیہ پر مضبوطی سے قائم رہنا۔

سوم۔ قلب کی حفاظت (لا یعنی تفکرات سے)

چہارم۔ کوفین سے فارغ ہو کر توجہ محض ذات حق کی طرف رکھنا!

حضرت ابو حمزہ بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:-

جس شخص کو حق کا صحیح راستہ معلوم ہو جاتا ہے اُس کو اُس پر چلنا بھی سہل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے

راستے کے لئے کوئی رہبر و رہنما بجز سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احوال و افعال و اقوال میں متابعت کے نہیں ہے!

ابو اسحاق رقاشی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:-

اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ میں حق تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہوں، یا نہیں۔ تو علامت اللہ تعالیٰ کی محبت کی یہ ہے

کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مطابعت کو سب کاموں پر ترجیح دے۔ اور دلیل اس کا

حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:-

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ!

حضرت ممشاد دینوری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:-

آداب مرید کا خلاصہ یہ ہے کہ مشائخ کے احترام و عظمت کا التزام کرے اور اخوان طریقت کی حرمت کا خیال رکھے

اور اسباب کی فکر میں (زیادہ) نہ پڑے اور آداب شریعت کی اپنے نفس پر پوری حفاظت کرے!

ابو علی روزباری قدس سرہ:-

ما آپ سے کسی نے ذکر کیا۔ بعض صوفیاء، غنا و فرا میر سنتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ میرے لئے حلال ہے، کیونکہ میں

ایسے درجہ پر پہنچ چکا ہوں کہ مجھ پر اختلاف احوال کا اثر نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے یہ تو سچ کہا کہ وہ پہنچ گیا ہے مگر اللہ تعالیٰ تک نہیں، بلکہ جہنم تک!

ابو محمد عبد اللہ بن منازل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

جو شخص فرائض شرعیہ میں سے کسی فریضہ کو منائع کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ سنن کی رضاعت میں مبتلا فرمادیتا ہے۔ اور جو شخص سنن کی اصاعت میں مبتلا ہوتا ہے وہ بہت جلد بدعات میں مبتلا ہو جاتا ہے!

ابو یعقوب نہر جوڑی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:-

صوفی کا افضل ترین حال وہ ہے، جو علم شریعت سے زیادہ قریب ہو!

ابو عمرو بن نجید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

جو حال علم کا نتیجہ نہ ہو، اس کا ضرر نفع سے زیادہ ہے!

حضرت بندار بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

اہل بدعت کی صحبت حق سے اعراض پیدا کر دیتی ہے!

ابو بکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-

طریق تصوف کھلا ہوا ہے۔ اور کتاب و سنت ہمارے درمیان قائم ہے۔ اور فضیلت صحابہ کرام کی بوجہ سبقت

فی الہجرت اور صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معلوم ہے۔ پس ہم میں سے جو شخص کتاب و سنت کا ساتھ دے۔ اور اپنے

نفس اور مخلوق سے جدا ہو جائے اور اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرے، صرف وہی شخص صادق اور مصیب ہے

ابوالقاسم نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

تصوف کی اصل صرف کتاب و سنت کا التزام اور بدعات و ہوا سے اجتناب اور مشائخ طریقت کی عظمت و احترام

اور خلق اللہ کے اعذار پر نظر، اور اہل بدعت اور تاویلات اور خفتوں کا ترک ہے!

احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ یہ چالیس سے زائد مشائخ صوفیہ کے اقوال اس بارہ میں نقل کئے گئے ہیں۔ جو سمجھدار

لئے کافی سے زائد ہیں۔ اس لئے انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ورنہ اس مقدس جماعت کے اکثر افراد سے اسی قسم کے اقوال منقول

ہیں۔ جن کے جمع کرنے کے لئے ایک دفتر چلیے۔ حق تعالیٰ ان حضرات کی برکت سے اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائیں اور

بدعات و مخترعات سے بچائے اور اس ناکارہ کو بھی ان حضرات کے زمرہ میں محسور فرمائے۔ (آمین!)

مولانا محمد امین سمیع سلفی (گوجرانوالہ)

زیارت قبور

قبر کے متعلق جاہلی اور اسلامی تصورات

”قبور“ گہری زمین کو کہتے ہیں۔ دفن میت کے لئے جو گڑھا کھودا جاتا ہے اس لئے اُسے بھی قبر کہتے ہیں۔ قرآن عزیز میں قبر کا ذکر مختلف مقاصد کے لئے آیا ہے۔ تم امانتہ فاقبرہ (۸۰-۲۱) انسان کو اللہ تعالیٰ نے موت دی اور قبر بنانے کی تعلیم دی، یہاں تحدیث بالنعیم مقصود ہے، انسان کی لاش ذلت سے بچ گئی!

کہیں دوسرے واقعہ میں صنمنا ذکر آگیا ولا تقم علی قبرہ (۹-۸۵) منافق کی قبر پر بھی آپ مت جائیں حتیٰ ذرتم المصابو (۱۰۲-۲) بیعت من فی القبور (۲۲-۷) اذ القبور لبعثت (۸۲-۴) ان مقامات میں قبر کا ذکر تذکر تاً حادثہ کے طور پر آیا ہے، اس میں نہ اعزاز ہے نہ استحقاق!

ابتداء آفرینش میں سب سے پہلا ناحق قتل ہابیل کا ہوا۔ قاتل حیران تھا کہ لاش کس طرح ٹھکانے لگائے، ایک کوسے کی رہنمائی سے علم ہوا کہ لاشیں اس طرح سنبھالی جاتی ہیں۔ اس واقعہ سے انسان کی عجلت پسندی اور کم علمی کا پتہ چلتا ہے۔ ہابیل ایک نیک آدمی تھا، نہ اُس کا قبہ بنانے کا حکم فرمایا نہ کسی دوسرے اعزاز کا اس کے ساتھ۔ وہ مظلوم بھی تھا!

اصحاب کہف

اس کے قریب قریب اصحاب کہف کا واقعہ ہے۔ یہ نوجوان اللہ کی راہ میں ہجرت کے لئے نکلے، ظالم حکومت سے بچ بچا کر ایک غار میں پناہ لی، اُن پر غنودگی کی کیفیت طاری ہوگئی تجسّسہم ایقاظا و ہم رُقود۔ وہ سو گئے، غار خطرناک تھا، لوگوں نے نشان کے لئے وہاں مسجد بنادی، اہل بدعت نے اسے کھینچ تان کر قبروں پر مسجد بنانے کے لئے جواز کی دلیل قرار دیا ہے۔ لیکن یہ استدلال قطعاً بے محسوس ہے۔ جب نص قرآن کے مطابق اصحاب کہف پر متعارف موت طاری ہی نہیں ہوئی، زندہ آدمی سورہ ہے، قبر ہے نہ موت، اس لئے اسے اعزازی قبر سے تعبیر کرنا قطعاً غلط اور بے معنی ہے!

سابق انبیاء علیہ السلام

قرآن حکیم میں انبیاء کے نقص کا تذکرہ ضروری تفصیل سے فرمایا گیا، ان میں اکثر کا انتقال زمین پر ہوا۔ اور یہیں دفن ہوئے، وَمَا جَعَلْنَاہُمْ جَسَدًا اِلَّا بَاطِلًا وَّ مَا کَانُوا اِخْلَافًا لِّمَیْمَنٍ! وہ کھانا بھی کھاتے اور ہمیشہ زندہ بھی نہیں رہے۔ دُنیا کا قانون یہی بنایا گیا۔ صنہا خلقتنا کم و فیہا نعیدکم و فیما نخرجکم تارداۃ اُخری۔ اسی زمین میں ہم نے تمہیں زندگی عطا کی، اسی میں تم دفن ہو گے، اسی سے تمہارا حشر ہوگا!

ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں اس لئے باوجود کسی کی صحیح قبر کا علم نہیں، کبھی اُن پر میللا

نہیں لگا، کسی نبی سے منقول نہیں کہ وہ دوسرے نبی کی قبر پر زیارت کے لئے گیا ہو۔ یا اپنے امتیوں کو حکم دیا ہو۔ کہ اس کی قبر سے یہ معاملہ کیا جائے یا کسی دوسرے نبی کی قبر پر اس قسم کی نذر تیار کی جائے، انبیاء علیہم السلام کی تحلیم اس باب میں واضح ہے کہ کسی قبر کو وہ کوئی غیر معمولی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ شرائع میں بھی انبیاء علیہم السلام سے یہ رسم منقول نہیں!

قبل اسلام کی رسوم!

صحیح دین میں تو قبور کو کوئی غیر معمولی مقام نہیں دیا گیا۔ مگر علوم اور حقائق انبیاء نے اس معاملہ میں جو غلطیاں کیں۔ اس کی تفصیل احادیث سے معلوم ہوتی ہے اور ان چور دروازوں کا پتہ چلتا ہے جو شیطان اور اس کے رفقاء نے ایجاد کئے مشرکین کی ہمیشہ یہ عادت رہی کہ زندگی میں انبیاء علیہم السلام اور اہل حق کی مخالفت کرتے رہے، جب یہ لوگ دنیا سے رخصت ہو گئے تو ان کے بت بنانے شروع کر دیئے، ان کی تصویریں بنائیں، ان کی قبروں کو کعبہ معاشق کا ذریعہ بنا لیا۔ احادیث قیام سے قبور کے متعلق مندرجہ ذیل خرابیاں معلوم ہوتی ہیں۔ اگر اسے جاہلی زیارت سے تعبیر کیا جائے تو بیجا نہ ہو گا :-

۱- قبروں کو پختہ بنانا اور ان پر بلا ضرورت مال صرف کرنا!

۲- ان پر سجدہ کرنا، ان سے حاجات طلب کرنا!

۳- قبروں کے پاس مساجد اور عبادت گاہیں تعمیر کرنا، مجادرت کے طریق سے دینا کمانا۔

۴- قبروں پر میلے لگانا، عرس کرنا اور ان پر اجتماعات منعقد کرنا اور اسے "عید" اور مسرت تصور کرنا!

احادیث سے جہاں ان بیماریوں کا علم ہوتا ہے، وہاں ان سے گراہت اور نفرت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پرانی خرابیوں کو نظر میں رکھتے ہوئے پہلی قوموں پر ان کا جو اثر ہوا اپنی امت کو اس سے بچانا چاہتے ہیں۔ امت کو ان غلط اثرات سے محفوظ فرمانا چاہتے ہیں۔ جو ان رسوم اور عادات کی وجہ سے پہلی قوموں پر ہوا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قبور کے ساتھ اس طرح والبتنگی مشرکانہ عقائد کا موجب ہے!

آنحضرت کے ارشادات کا انداز ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو اہل کتاب پر کتنا رنج تھا، اسی وجہ سے آپ نے لعنت فرمائی۔ ان میں ایک سبب قبور کی زیارت کا موجب طریقہ بھی ہے۔

آنحضرت کے ارشادات!

(۱) عن جابر قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یخص القبر وان ینبئ علیہ وان یقتل علیہ وروی۔ ان یکتب علیہا (احمد مسلم)

حضرت جابر نے فرمایا۔ آنحضرت نے قبر پر چوڑ لگانے اس پر بنا کرنے قبر پر بیٹھنے اور اس پر بکھنے سے منع فرمایا۔

(۲) عن عائشة ان ام سلمة ذکرت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کینة وانہا بارض الحبشة و ذکر لہ ما رات فیہا من الصور فقال رسول اللہ صلعم اولئک قوم اذا مات فہم العبد الصالح او الرجل الصالح ہوا علی قبرہ مسجد و صور وافیہ تلک الصور اولئک شرار الخلق عند اللہ (متفق علیہ)

ام سلمہؓ نے آنحضرتؐ کے پاس حبشہ کے ایک معبد کا ذکر فرمایا۔ جس میں بڑی خوبصورت تصویریں تھیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا، ان لوگوں میں جب کوئی ٹیگ آدمی فوت ہو جاتا، اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس میں اس کی تصویریں بنا دیتے یہ لوگ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ آنحضرتؐ کی آخری علالت میں ہوا۔ اور ان احادیث سے ظاہر ہے کہ قبر کو پختہ نہیں بنانا چاہیے۔ اس کے قریب کوئی عبادت گاہ نہیں بنانا چاہیے۔ قبر پر کوئی عمارت قبر کے احترام کے لئے نہیں بنانی چاہیے!

آنحضرتؐ کی نظر میں یہ فعل شرارت آمیز ہے۔ حضور کے ارشاد کے مطابق ایسے لوگ شرار المخلوق (تمام مخلوق سے بدتر) ہیں!

عن عطاء يسار قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم - اللهم لا تجعل قبوري وثنا يعبد
استند غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبياءهم مساجد (رواه مالك من سلاسل رواه
البزار عن زبيد عن عطاء عن ابي سعيد الخدري مرفوعاً)
آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے اللہ! میری قبر کو وثن نہ بنانا۔ ان لوگوں پر خدا تعالیٰ از بس ناراض ہے جن لوگوں
نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ مالک نے اسے مرسل روایت فرمایا ہے۔ اور بزار نے ابو سعید
خدري سے مرفوعاً ذکر کیا ہے!

تواتر

اس مضمون کی احادیث آنحضرتؐ سے بتواتر مروی ہیں۔ بعض احادیث میں آنحضرتؐ نے ایسے لوگوں پر لعنت

ہے:-

فقد تواترت النصوص عن النبي صلعم بالنهي عن ذالك والقشدين يدينه -

(اقتناء الصراط المستقيم ص ۵۶۹ مطبوعہ انصاری دہلی)

یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، ابوحاتم، ترمذی، نسائی، ہنفتی وغیرہ کتب حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ
بن مسعود، حضرت عائشہؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، جندب بن عبد اللہ البجلی اور بعض دوسرے صحابہ سے مروی ہے!
حدیث کا مطلب صاف ہے کہ قبر کی طرف رخ کر کے سجدہ کرنا، قبر کو قبیلہ کی طرح سلنے رکھنا شرعاً حرام ہے۔ جند
عبد اللہ کی روایت میں ہے:-

الاوان من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور انبيائهم وصالحيهم مساجد، الا

فلا تتخذوا القبور مساجد فاني انهاكم عن ذالك (مسلم)

تم سے پہلے لوگ انبیاء اور صالحین کی قبروں کو سجدے کرتے تھے، تم قبروں کو ہرگز سجدہ گاہ

نہ بنانا۔ میں تم کو اسی سے منع کرتا ہوں۔

اس حدیث میں انبیاء کے ساتھ صالحین کا ذکر بھی آیا ہے اور سختی سے منع فرمایا کہ قبر کو سجدہ گاہ نہ بنایا جائے

اسی قبور جن کی اس طرح پرستش کی جائے، آنحضرتؐ کی نظر میں وثن کے حکم میں ہیں۔

عن ابی ہرشد الغنوی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجلسوا علی القبور
ولا تصلوا ایہا مسلم

قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو!
اگر قبر کا نشان مل جائے، زمین صاف ہو جائے تو نماز درست ہوگی، چنانچہ مسجد حنیف، حرم مکہ اور مسجد نبوی کے متعلق مروی ہے کہ ان میں سے بعض میں مسٹرکین کی قبریں تھیں اور بعض میں انبیاء علیہم السلام کی۔ لیکن اب وہ سب ناپید ہیں۔ اس لئے متک کا شائبہ نہیں، ان مساجد میں نماز جائز ہے!

شریعت کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبادت گاہ قبروں سے بالکل الگ رہے، نہ مسجد میں قبر ہو، نہ قبروں پر مسجد۔ قبر اور مسجد دونوں کے احترام کی نوعیت الگ الگ ہے۔ ان دونوں کو جمع نہیں کرنا چاہیے!
قبروں کے پاس مسجد

عام طور پر مشہور مزاروں اور استھانوں کے پاس لوگ مسجد بناتے ہیں۔ ان سے یہ ذہن پیدا ہوتا ہے کہ اس مسجد میں نماز افضل ہے، گویا قبر کی وجہ سے مسجد کو فضیلت حاصل ہوئی، خدا کے گھر کو فضیلت کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خالق کی طرف نسبت سے وہ فضیلت نہ حاصل ہو سکی جو مخلوق کی وجہ سے حاصل ہوتی۔ دراصل مسجد اپنے مقام کے لحاظ سے اتنی ہی بے نیاز ہے، جس طرح خدا تعالیٰ مخلوق سے بے نیاز ہے اس لئے آنحضرت نے قبروں کے پاس مسجد کی تعمیر کو بھی ناپسند فرمایا۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت جابرؓ کی روایت میں اس کی تصریح فرمائی۔ اذامات فیہم المرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجداً۔ حضرت جابر کے الفاظ یہ ہیں۔ نہی ان یخصص القبور ان ینبی علیہ۔ قبر پر مسجد بنانا، قبر پر بنا کرنا، یہ فعل ممنوع ہیں۔ ایسی مساجد میں نماز مکروہ ہے، بلکہ اگر خیال ہو کہ اس مسجد میں قبولیت زیادہ ہوتی ہے یا اسی میں نماز دوسری مساجد سے افضل ہے، تو اس میں نماز نادرست ہوگی!

قبروں پر عرس اور میلے

قبر سے شارع کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ دہاں دیوانی ہو، اس کے دیکھنے سے موت کا تصور آنکھوں میں پھر جائے۔ دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا یقین ہو۔ دنیا کی زیب و زینت سے بے رغبتی پیدا ہو۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہاں شہری انداز کی عمارتیں نہ ہوں، خوبصورتی اور شان و شوکت نہ ہو۔ سنگ مرمر اور سنگ رخام کی گلکاریاں نہ ہوں! تاج محل ایسی عمارتیں دیکھنے سے تو یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، دہاں تو دنیا اور اہل دنیا کی ثروت اور اسراف ہی کا خیال ذہن پر غالب ہوگا!

قبروں پر شور و شغف، میلے اور ہنگامے بھی اس مقصد کے منافی ہیں، اس لئے آنحضرت نے فرمایا:-

عن ابی ہریرہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تجعلوا بیوتکم قبوراً ولا

تجعلوا قبوری عیداً وصلوا علی فان صلاتکم تبلیغنی حیث کنتم (نسائی، ابوداؤد)

آنحضرت نے فرمایا، گھروں کو قبرستان نہ بناؤ (نوافل گھر میں پڑھو) میری قبر پر میلہ مت لگاؤ۔ تمہارا درود تم

کہیں بھی پڑھو، مجھے پہنچ جاتا ہے!!

بیت پرستوں کی زیارت

اہل کتاب آسمانی تعلیمات کے پابند تھے، ان میں قبر پرستی کا رواج کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے اور توحید کا مسئلہ تمام شرائع میں مشترک ہے، قبر پرستی اور مشرک کا نہ زیارت آسمانی تعلیمات اور توحید انبیاء کے منافی ہے! مگر سابقہ احادیث سے ظاہر ہے کہ اہل کتاب آسمانی تعلیم سے انحراف کر چکے تھے اور اہام پرستی کی بدولت ان میں قبر پرستی، مشرک پرستی، استخوانوں پر عرس اور اجتماعات ان میں رواج پا چکے تھے!

بیت پرست قوموں میں قبر پرستی کا رجحان اتنا زیادہ معلوم نہیں ہوتا، جس قدر ہونا چاہیے۔ اس کا سبب غالباً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بتوں پر تقناعت کی وجہ سے قبروں پر زیادہ اعتماد نہیں رکھتے تھے، جو لوگ کھڑے بزرگوں کے پوجنے کے عادی ہوں وہ لیٹے ہوئے بزرگوں کی پرستش کیوں کریں۔ جب کھلے اور ظاہر بزرگوں کی عبادت ممکن ہو تو قبروں میں غائب اور مستور خداؤں سے کیوں ربط پیدا کیا جائے!

اصل مرض!

بیت پرستی اور قبر پرستی میں اصل مرض یہ ہے کہ مشرک غائب خدا پر عقیدہ نہیں رکھتا۔ اسے یقین نہیں آتا کہ غیر مرنی اور نہ دیکھنے والا معبود اس کی ضرورت میں کیوں نگر پوری کر سکیگا۔ وہ بڑے خلوص اور دل سوزی سے محسوس کرتا ہے کہ کائنات کا اتنا بڑا نظام نظروں سے غائب اور اکیلا خدا کیسے چلائے گا۔!

اجعل آلا لہ الاہا واحداً ان ہذا لشی عجائب (سورہ ق)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمام لہ کو ایک بنا دیا، یہ بڑے تعجب کی بات ہے!

ما سمعنا بهذا فی اہلنا الاخرہ ان ہذا الاختلاف!

ہم نے تو یہ توحید کسی پہلے مذہب میں نہیں سنی، یہ تو قطعاً جھوٹ ہے!

اسی لئے زندوں کا تو تسل، مردوں کا تو تسل، قبروں کی بیڑھیاں بچوں کے واسطے گھڑے گئے۔ تاکہ نظر کے سامنے کوئی تو سہا رہے، کچھ تو نظر آئے، مستقل نہ سہی غیر مستقل ہی سہی۔ اس قسم کے عطائی الہ کچھ زیادہ ہو جائیں تو بلا سے۔ خدا کی حکومت میکر ٹریٹ سے کیوں بے نیاز ہو؟

ساری یہ مصیبت علم بالغیب سے پیدا ہوئی۔ انبیاء غائب خدا کی دعوت دیتے ہیں، ارباب تو تسل کی تسکین ظاہری

شفاء اور عطائی بزرگوں کے سوا ہوتی نظر نہیں آتی۔ اس لئے پشتنگی کبھی قبروں سے پوری کی جاتی ہے کبھی بتوں سے!

بیت پرستوں نے ان کھڑے کھلے مرنی بتوں سے ایک تسکین حاصل کی، اس لئے ان کو قبروں کی کچھ زیادہ ضرورت

محسوس نہ ہوئی۔ مگر مشرک کی ذہنیت میں ایک گونہ مساوات پائی جاتی ہے، اس لئے قبر پرستی کے تھوڑے بہت آثار

ان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ سورہ بجم کی تفسیر میں ابن جریر فرماتے ہیں ابن عباسؓ مجاہد اور ابو صالح کات کی تا کو

مشدد پڑھتے تھے اور فرماتے:-

فان رجلا یلت السویق للمحاج فمات فعکفوا علی قبرہ فعبدوا (ابن جریرؓ ص ۳۵)

یہ بزرگ حاجیوں کو ستر بھگو کر پلایا کرتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی قبر پر لوگوں نے اعتکاف کیا

اور اس کی پرستش کی!

حافظ ابن کثیر نے یہی قول ربیع بن انس سے نقل فرمایا ہے۔ ابن کثیر ص ۲۵۳ جلد ۴ - علامہ بدرالاسلام عینی شرح صحیح بخاری ص ۱۷۱ جلد ۹، تفسیر مظہری ص ۱۱۶ جلد ۹ - صاحب روح المعانی نے بروایت ابن المنذر ابن جریر سے نقل فرمایا ہے۔
انہ کانہ جل بن ثقیف بلبت السویق بالزیت قلماً لونی جعلوا قبوراً وثناً (روح المعانی ص ۵۵)
اور جب یہ پرستو شاہ فوت ہو گئے تو عمرو بن لُحی نے کہا کہ یہ ولی پتھر میں سما گئے ہیں، مرنے نہیں۔ لوگوں نے پتھر کی عبادت شروع کر دی۔ اور اس پر ایک مکان بنا دیا۔ (روح المعانی ص ۵۵ الاصل نام کلبی)

ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں بھی بُت پرست تھوڑا بہت قبر پرستی کا شوق فرمایا کرتے تھے! اسلام نے ایمان بالغیب کی برکت سے ان ساری پرستشوں کا قلع قمع فرما دیا اور خدا تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کو اس طرح ذہن نشین فرمایا کہ اہل ایمان کو نہ کسی بُت کی ضرورت محسوس ہوئی، نہ قیر کی، وہ اپنے اعمال یا اپنی بے بصاعتی کا واسطہ لے کر براہ راست بارگاہ الہی میں پیش ہوئے اور کامیاب ہوئے۔!

اذ استلک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان (بقرہ)
جب میرے بندے میری بابت دریاغت کریں تو کہہ دو میں قریب ہوں جب کوئی مجھے بلائے
میں سنتا ہوں ادعونی استجب لکم۔ مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا!
مومن اس غائب خدا پر ایمان لانے کے بعد ان تمام بناوٹی وسیلوں سے بے نیاز ہو گئے، جن میں ظاہر میں بُت پرست
اور قبر پرست مبتلا ہو چکے تھے!

پختہ قبر

آج کی طرح قدیم قبر پرستی میں بھی عقیدت مندی کے ساتھ دکانداری کو بھی دخل تھا، نیک اور صالح حضرات کی جبکہ
استخوان فروشوں نے لی اور چند ہفتوں یا مہینوں میں ایک خانقاہ نے اچھی خاصی دکان کی صورت اختیار کر لی۔ اور
بیوپاریوں نے از میں فائدہ بخش بزنس شروع کر لیا۔

شارع حکیم نے پختہ قبروں کو ممنوع قرار دے دیا۔ جیسا کہ حضرت جابر کی حدیث میں گزر چکا، بلکہ اگر قبر پر تعمیر ہو چکی
ہو تو اسے گرانے کا حکم فرمایا۔ صحیح مسلم میں حضرت علیؑ سے مروی ہے۔ آنحضرتؐ نے ان کو حکم فرمایا:-

ان لا تدع تمثالا الا طمستہ ولا قبورا مشرفا لاسدیة -

تمام بُت مٹا دو اور تمام اُدنی قبریں برابر کر دو!

حضرت علیؑ نے اپنی حکومت میں اس عہد کو قائم رکھا اور ابوالہب باج رسی کو اس پر مقرر فرمایا۔
قبر کے متعلق اس بے اعتدالی کا یہی اثر ہے کہ بعض مقامات پر بدکردار عورتوں تک کی قبریں معبد بنی ہوئی ہیں، ان پر
چراغ جلائے جلتے ہیں، مجاور وہیں سے روٹی کھا لیتے ہیں۔ اعاذنا اللہ من ذالک!
امام شافعی فرماتے ہیں:-

واحب ان کا یبئ ولا یخص فان ذالک للزینة والخیلاء ولیس الموت موضع واحد
منہما ولم ارقبر المہاجرین ولا نصار مجصدة (قال الردی) من طائفت ان
رسول اللہ صلعم نہی ان تبئ القبور او تجصص (قال الشافعی) وقد راہیت

من الولاية من يهدم بمكة ما تبني فيها فلم ارا لفقهاء يعبرون - (الام للشافعي ص ۳۴۶ جلد ۱)

مجھے پسند ہے کہ قبر پر نہ بنا کر کی جائے، نہ چونہ لگایا جائے، عمارت، زمینت، یہ تکبر کا نشان ہے اور موت کے لئے ان میں سے کوئی بھی مناسب نہیں اور انصار اور ہاجرین کی قبروں کی میں نے پختہ نہیں دیکھا، طاؤس فرماتے ہیں آنحضرت نے قبر پر بنا کر اور تجھ سے منع کیا۔ شافعی فرماتے ہیں۔ میں نے امرار کو دیکھا وہ قبروں کو گراتے تھے اور اہل علم اسے میسر نہیں سمجھتے تھے۔ !

امام مالک فرماتے ہیں:-

اكره تجصيص القبور والبناء عليها وهذا الحجارة اللتي يبنى عليها -

میں قبر کو گچ کرنا پسند کرتا ہوں اور اس پر عمارت بنانا اور پتھر وغیرہ لگانا بھی!

چند آثار مزید اس معنی میں ذکر فرمائے:-

قال سخون فهذه آثار في تسويتها فليكن بمن يريد ان يبنى عليها رثاء

سخون فرماتے ہیں، ان آثار کا مطلب یہ ہے کہ قبر اس کے برابر ہونی چاہیے، جو اس پر

عمارت بنانا چاہے ان کا کیا حال ہو گا!

علامہ شافعی ارشاد فرماتے ہیں:-

واما البناء عليه فلم او من اختار جوازه - (شافعی ص ۹۳۷ جلد ۱)

میری نظر میں کوئی ایسا آدمی نہیں، جس نے قبر پر عمارت کو جائز کہا ہو!

اس کے بعد حضرت امام ابو حنیفہ سے نقل فرماتے ہیں:-

وعن ابی حنیفة یکره ان یبني عليه بنا ومن بيت اوقبة ونحو ذلك

لما روی جابر نہی رسول اللہ صلعم - (ص ۹۳۷ جلد ۱)

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ قبر پر قبہ یا مکان بنانا منع ہے۔ جیسے صحیح مسلم

میں حضرت جابر سے مروی ہے۔

علامہ کاسانی البدایع والسنایع میں فرماتے ہیں:-

وكره ابو حنیفة البناء على القبور وان يعلم بعلامة وكثر ابو يوسف الكتابة رثاء

امام صاحب نے قبر بنا کر منع فرمایا۔ اور ابو یوسف نے کتابت کو!

مسنون زیارت

جاہلی زیارت اور اس کے متعلق آنحضرت کے ارشادات آپ ملاحظہ فرما چکے، اب مسنون زیارت اور اس کے

مقاصد پر غور فرمائیے:-

عن ابن مسعود ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كنت نهيتكم عن

زیارت القبور فزوروها فانها تزهدني الدنيا وتذكر الاخرة - (ابن ماجہ،

مسلم، ابوداؤد، ابن حبان حاکم، ترمذی!)

آنحضرت نے فرمایا میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے روکا تھا، اب ان کی زیارت کرو۔ اس سے دنیا کی رغبت کم ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے!

علامہ کاسانی حضرت جابر کی روایت بیان فرماتے ہیں:-

کان ذالک من باب الزینہ ولا حاجة بالیہا ولا نہ ترضیع المال
بلا فائدۃ فکان مکسر دھا البدائع والصنائع - (ص ۳۲ ج ۱)

قبر پر عمارت اور چوہہ وغیرہ لگانا زینہ ہے اور میت کو اس کی ضرورت نہیں، اس سے بے فائدہ مال بریاد ہوتا ہے، اس لئے یہ مکروہ ہے۔ شامی کی عبارت میں یہ صراحتاً موجود ہے!

اس لئے قبرستان میں کوئی ایسی چیز بنانا جس سے دنیا کی زیب و زینت ظاہر ہو بالفاق ائمہ ناجائز ہے، قبرستان ویران ہونا چاہیے۔ جن قبور پر عمارت بنائی گئی ہیں، فقہاء کے نزدیک ان سے زیارت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ مسنون زیارت کے لئے ضروری ہے کہ اس سے زہد نمایاں ہو اور آخرت یاد آئے۔ علماء اور اہل اللہ کی قبروں پر جو یہ قبے اور عمارتیں بنائی گئی ہیں، شریعت کی رو سے یہ قطعاً پسندیدہ کام نہیں ہے، بلکہ بالفاق ائمہ نادرست ہے!

مسنون دعا

جب قبر کی زیارت کرے تو قبر پر سلام کہے اور جنازہ کی طرح میت کے لئے دعا کرے:-

السلاہ علیکم اهل دیار قوم مؤمنین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون!

اس کے سوا اور ادعیہ کے جملے آنحضرت سے مروی ہیں، جو اہل سنت سے مخفی نہیں!

قبر پرستی کب شروع ہوئی؟

آنحضرت کی بعثت سے پہلے قبر پرستی کا زیادہ رواج یہود اور نصاریٰ میں تھا۔ مشرکین میں بھی شرک کی یہ قسم موجود تھی لیکن کم۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ آنحضرت کے ارشاد گرامی کے مطابق لتتبعن سنن من کان قبلكم حدوا لتحل بالنعل را الحدیث، تم پہلے لوگوں کے قدم بقدیم چلو گے جس طرح جوڑتے کے تلے باہم برابر ہوتے ہیں۔ قبر پرستی کا رجحان تیسری صدی میں شروع ہوا۔

امام شافعی ۳۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے انصاری اور ہجرین کی قبروں کو دیکھا ان پر کوئی عمارت نہیں تھی، وہ بالکل سادہ تھیں۔ امام کا انتقال ۲۰۰ھ میں ہوا، اس وقت جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کے متاہد سادہ تھے۔ اہل علم کی کثرت تھی، اس جہالت کا رواج ممکن ہی نہ تھا!

اسلام کی فتوحات جب دور تک پہنچیں، فارس اور روم کے علاقے فتح ہوئے، اسلامی تعلیمات نے مفتوحہ اقوام کو متاثر کیا، مفتوحہ اقوام کی عادات اور رسوم نے بھی مسلمانوں کو متاثر کیا۔ اسلام میں تصوف، دنیا سے بے رغبتی، اللہ تعالیٰ پر توکل، اس کے قانون، اسباب کی پابندی کا نام تھا، مسلمان پوری گوشش اور محنت کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل فرماتے وہاں مخالفت ہی نظام تھا۔ اور نہ عقیدہ ہندی کا: غلو!

یہود نصاریٰ، مصری اقوام اور ہندوستان کے اثرات جب اسلامی تعلیمات سے آمیز ہوئے تو اس لئے مخالفتیں نظام کی صورت پیدا ہو گئی، کم کھانا، دم کشی، چلے کرنا، مرید اور شیخ کے آداب کا ایک معیار، اس لئے تصوف کے

اجزائے ترکیبی قرار پائے۔ شیخ کا تصور، وظائف کے مخصوص شرائط، جھوکے رہنا، نفس کشی، بعض قوی کو معطل کر دینا اور بعض اعضاء کو ضائع کر دینا، یہ سب اسی خانقاہی تصوف کے کوشش تھے۔ جو یہودی فقرا اور ہندوستان کے سادھوؤں سے اخذ کئے گئے۔ معمولی تبدیلیوں سے انہیں اسلام کا ہرنگ بنا دیا گیا، ان مشقوں میں کچھ فائدے بھی تھے، کچھ نفسیاتی اثرات بھی۔ جس نے ایک فن کی شکل اختیار کر لی، قبر پرستی کی موجودہ صورت اسی خانقاہی نظام، اسی پس منظر کی پیداوار معلوم ہوتا ہے!

شیخ اور پیر کے ساتھ بے پناہ عقیدت نے شیخ کو خدا اور رسول کا نائب بنا دیا گیا، اس پر عقیدہ ناجائز قرار دی گئی سے

ہے نئے سجادہ رنگیں کُن گرت پیر معناں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزل ما

خانقاہی نظام میں یہ خوبی تھی کہ اس میں اطاعت کلبے پناہ جذبہ پیدا ہوتا تھا، حسن بن صباح کی ساری باطنی تحریک کا مداری جذبہ اطاعت پر تھا۔ اسی جذبہ اطاعت کا یہ عند تھا کہ شیخ اور پیر کی کسی خلاف شریعت قول و فعل پر بھی لب کشائی کی اجازت نہ تھی، بس سزا، دیکھو اور اطاعت کرو!

یہ عیب آج بھی خانقاہی نظام کا لازمی جزو ہے، قبر پرستی اور انسان پرستی کے خلاف آپ کتنے ہی دلائل دیں کتاب و سنت سے شراہد و براہین لائیں مگر یہ لوگ کتاب و سنت کے معنی بلکہ میں اپنے مشائخ اور اصحاب سلسلہ کے اقوال و اعمال کو ترجیح دیتے ہیں اور طرح طرح کے نکتے پیدا کرتے ہیں!

وقت کا تعین تو مشکل ہے، کیونکہ مرصن بتدریج آیا ہے، لیکن چھٹی ساتویں صدی ہجری میں یہ بیماری زوروں پر تھی۔ نام نہاد صوفیوں کے کئی گروہ اپنی دکان میں سجائے ہوئے تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مقابلہ رفاہی فرقہ کے ایک فقیر سے ہوا۔ جس نے حکومت اور اس کے عمال کو متاثر کر رکھا تھا۔ اس سے شیخ الاسلام نے کہا کہ آپ بھی آگ میں کود جائیں، میں بھی کودتا ہوں جس کو آگ نہ جلائے، وہ سچا ہوگا، شیخ نے فرمایا کہ آگ میں کودنے سے پہلے میں اور تم دونوں نمک اور سرکہ سے غسل کریں گے۔ اس شرط پر وہ فقیر صاحب رہ گئے اور شیخ الاسلام کا میاب رہے۔ شیخ نے یہ پورا مکالمہ اپنے رسالہ الصوفیہ والفقرا میں لکھا ہے۔

چراغ جلاانا

قبر پر عمارت جس طرح شرک کے دواعی سے ہے، اسی طرح چراغ جلاانا بھی ممنوع اور شرک کے دواعی سے ہے۔ آنحضرت نے فرمایا:-

لعن الله زوارات القبور و المتخذين عليه السراج!

اس سے ظاہر ہے عرب قبروں پر چراغ جلانے تھے، اس سے آنحضرت کو روکنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اسے ناپسند فرمایا۔ اور جس فعل پر حضور "لعنت" فرمائیں، اس کی دینی حضرت اور آخری خیران کی بھلا کوئی انتہا ہے!

قبر پر کھپول چڑھانا

ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ حضرات کی ذہنی کیفیت عجیب ہے، جو چیز یورپ سے آئے اسے تو آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں اور اسلام کے مسائل سامنے آجائیں تو از مرنا پابش بن جاتے ہیں!

یورپ میں رواج ہے کہ قبروں پر کھپول چڑھاتے ہیں۔ ان حضرات میں دینی شعور تو کم ہے، مگر یہ حضرات اہل مغرب کی

تقلید سوچے سمجھے بغیر کر رہے ہیں۔ جہاں جاؤ قبروں پر پھول چڑھ رہے ہیں، حالانکہ معلوم ہے کہ اس سے میت کو کوئی فائدہ نہیں۔ جیسے چراغ کی روشنی سے میت کو روشنی نہیں مل سکتی، پھول کی خوشبو سے میت کو کوئی فائدہ نہیں لیکن چونکہ یورپ سے یہ سنت (بے) آئی ہے، اس لئے ہابو لوگ اس پر ضرور عمل کریں گے۔ عقل و دانش کا تقاضا ہے کہ ان رسوم کو جذبات سے بالاتر ہو کر دانشمندی سے ان پر غور کیا جائے، اب بڑھتے بڑھتے یہ رسم یہاں تک عام ہو گئی ہے کہ بادشاہوں اور وزراء کے دوروں میں مرنے والوں کی قبروں پر پھول چڑھانا خیر سگالی کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے۔ اب یہ رسم ان حلقوں میں حائل دینا داری بن چکی ہے۔ لیکن خانقاہی حلقوں میں اسے دین اور شریعت سمجھا جاتا ہے!

علوم جن کی نظر سنت کے ذخائر اور تاریخ پر نہیں ہے، وہ کربلا، نجف، اور بغداد وغیرہ شہروں میں مزارات پر قبے دیکھ کر یہی محسوس کرتے ہیں کہ یہ قبے یقیناً شرعی احکام کے ماتحت بنے ہوں گے۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے! اپنی مزارات کو دیکھ کر امام حاکم صاحب مستدرک نے فرمایا:-

هذه الاسانيذ صحيحة وليس العمل عليها فان ائمة المسلمين من الشرق
والمغرب مكتوب على قبورهم وهو عمل اخذ به المتخلف عن السلف!

(مستدرک حاکم ص ۳۱۷ ج ۱)

قبر پر لکھنے کے خلاف تمام اسانید صحیح ہیں، مگر ان پر عمل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ مشرق سے مغرب تک ائمہ کی قبروں پر لکھا گیا ہے اور یہ خلف نے سلف سے لیا ہے!

حقیقت یہ ہے کہ یہ عمل نہ آنحضرت سے ثابت ہے، نہ صحابہ سے، بلکہ بعد کے لوگوں نے ایسا کیا، جن کا قول و فعل حجت نہیں، حدیث کا ناسخ ہونا تو بڑی بات ہے، آنحضرت کا شاذ ذوالاخصر کے ارشاد ہی سے منسوخ ہو سکتا ہے۔ (امام ذہبی تلمیحیں مستدرک میں فرماتے ہیں:-

قلت ما قلت طائلا ولا نعلم صحابيا فعل ذلك وانما شيئا اسدثه

بعض التابعين فمن بعدهم ولم يبلغهم النهي - (ص ۳۱۷ ج ۱)

امام حاکم نے کوئی کام کی بات نہیں فرمائی۔ یہ فعل کسی صحابی نے نہیں کیا، یہ بعض تابعین اور ان کے بعد والوں کی ایجاد ہے۔ جن کو آنحضرت کی نہی کا علم نہیں ہوا۔!

روضہ نبویہ علی صاحبہا الف صلوة و تحیہ

آنحضرت کے انتقال کے بعد جسم اطہر کو حجرہ مقدسہ میں دفن کیا گیا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی یہیں دفن ہوئے حضرت عمر کی تدفین کے بعد حضرت عائشہ نے حجرہ میں ایک دیوار بنا کر قبور کا حصہ الگ کر دیا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے حجرہ مبارکہ کی مرمت کرائی، اس وقت قبریں اپنی حالت پر کچی تھیں۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں مغربی دیوار گر گئی۔ خلیفہ نے ابن مزہم کو حکم دیا۔ حجرہ صاف کرایا گیا اور دیوار بنا دی گئی۔ اس وقت حجرہ شریفہ برقع تھا۔ خلیفہ عبدالملک نے حکم دیا کہ حجرہ مسجد میں شامل کرایا جائے۔ مدینہ منورہ کے علماء اسے ناپسند کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ قبور مسجد میں نہ آئیں۔ بلکہ الگ رہیں۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے شمال کی طرف ایک زاویہ بڑھا کر حجرہ کی درجہ عمارت کو پچیس

کر دیا۔ قبلہ جنوب کی طرف ہے۔ خیال تھا کہ ناویہ شمال کی طرف ہونے سے قبر شریف کو سجدہ نہیں ہو سکیگا۔ ابن قیم اس کے متعلق فرماتے ہیں سے

فاجاب رب العالمین دعاءہ

و احاطہ بثلاثة المجددات

حقی غدت ارجاءہ بدعاءہ

فی عزۃ و حمایۃ و صیان

آنحضرت کی دعا کا اثر اس طرح ظہور پذیر ہوا کہ حجرہ مقدسہ میں تین دیواریں بنادی گئیں اور اس کے اطراف اہل شرک کے سجدوں سے محفوظ ہو گئے۔ شمال کی طرف صرف کو نہ ہے جسے سجدہ کرنا ممکن نہیں!

اس کے بعد حجرہ کی ہمیشہ ترمیم ہوتی رہی۔ آنحضرت کے آثار کو قائم رکھنے کے جذبہ کی وجہ سے اکثر مرمت پر کفایت کی گئی۔ علامہ علی بن عبداللہ مہودوی نے وفاء الوفاء بالخبار واداء المصطفیٰ میں اسے تفصیل سے ذکر فرمایا ہے!

حجرہ مسجد میں شامل ہونے کے بعد حجرہ پر پختہ اینٹوں کی حسابی لگادی گئی۔ حجرہ کی چھت مسجد کی چھت سے مل گئی۔ اس کے منصور بن قلاوون صالحی نے جانی کی جبکہ لکڑی لگادی، لکڑی کا جنگلہ نیچے سے مریح نکالا اور سے مٹمن (آکھ کو نہ)

کر دیا گیا۔ اسے قبہ رزاق کہتے تھے۔ یہ کمال الدین بن احمد بن برہان عبدالقوی کے مشورہ سے کیا گیا۔ مگر اس وقت کے اہل علم نے اسے ناپسند کیا۔ چنانچہ جب کمال الدین کو معزول کیا گیا تو عوام نے اسے قبہ سازی کی پاداش سمجھا!

جب یہ خستہ ہو گیا تو ملک ناصر حسن بن محمد قلاوون نے اس کی مرمت کی۔ پھر ۷۶۵ھ میں ملک اشرف بن حسین شعبان نے اس کی اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ موجودہ گنبد خضراء کی تعمیر عمل میں آئی۔ ان ترمیمات کا مفصل تذکرہ علامہ

مہودوی نے قریب ایک سو صفحات میں کیا ہے!

یہ تعمیرات ملکی اور تعمیری مصالح کی بنا پر ہوتے رہے، ان کی بنیاد حضور کے کسی ارشاد یا وصیت کی بنا پر نہیں تھی اور نہ صحابہ کرام کے آثار میں کوئی اثر اس کے ثبوت میں پایا جاتا ہے۔ گنبد خضریٰ کی عمارت کو دوسری قبروں کے گنبدوں اور قبوں کے لئے دلیل بنا کر پیش کرنا عقل و نقل کسی اعتبار سے درست نہیں۔ قبہ مبارک کے یہ آثار

کوئی شرعی سند نہیں ہیں!

محققین علماء احناف نے قبروں کے ساتھ اس معاملہ کو صراحتہً ناجائز فرمایا ہے، چنانچہ قاضی شمس اللہ صاحب پانی پتی نے فرمایا:

”مسند قبور اولیاء بلند کردن و گنبد برآں ساختن و عرس و امثال آن و چراغان کردن ہمہ بدعت است بعضی اذان مکروہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہر ستم افروزان نزد قبر و سجدہ کتنہ گان و العنت گفت و فرمودہ قبر مرا عید و مسجد نکیند و درون مسجد سجدہ نکیند و روز عید بلے مجمع

در سال مقرر کردہ مشدہ و رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم را فرستاد کہ قبور مشرفہ را برابر کند ہر جا کہ تصویر بنید محو کند۔“ (ارشاد الطالین ص ۲)

انبیاء کی قبروں کو اونچا کرنا، ان پر گنبد بنانا، عرس کرنا، چراغ جلاتا، بدعت ہے۔ ان میں بعض بدعات مکروہ (مخبری) ہیں۔ آنحضرت نے قبر پر چراغ جلاتے والے اور سجدہ کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ اور فرمایا۔ نہ میری قبر پر میسید لگے۔ نہ اس پر مسجد بنائی جائے، نہ ایسی مساجد میں نماز ادا کی جائے۔ نہ کسی مقررہ تاریخ میں وہاں اجتماع کیا جائے!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ اونچی قبروں کو برابر کر دیں اور جہاں تصویر دیکھیں اُسے مٹادیں!

زیارت کے آداب

عام قبروں کی زیارت مسنون ہے، قبر پر جائے تو دعا مسنون پڑھے۔ دعا مسنون کے جس نذر الفاظ آنحضرت سے منقول ہیں، اختلاف کے باوجود ان میں ایک چیز قدر مشترک ہے۔ ان میں صاحب قبر کے لئے دعا کی گئی ہے، صاحب قبر سے کچھ نہیں مانگا گیا۔ اس ادب کا ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے اپنے یا کسی دوسرے کے لئے دعا کرنا عبادت ہے، جب یہ دعا کسی دوسرے سے کی جائے گی تو یہ اُس کی عبادت ہوگی، آنحضرت کا ارشاد گرامی ہے "الدعاء مخرج العبادۃ" دعا عبادت کا مغز ہے، ایک حدیث میں آیا ہے "الدعاء هو العبادۃ" دعا ہی عبادت ہے۔ اللہ کے سوا غیر کی عبادت کرنا بھی حقیقتاً شرک ہے۔!

عبادت اللہ تعالیٰ کا خاص حق ہے۔ اس میں اُس کے ساتھ نہ کوئی ولی شریک پر سکتا ہے نہ کوئی نبی۔ جس نے کسی نبی سے دعا کی یا ولی سے، اُس نے اُسے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا۔ اس لئے قبر کی زیارت کے وقت صاحب قبر کیلئے اگر اللہ سے دعا کی تو یہ عبادت ہوگی، ایسا کرنے والا ثواب کا مستحق ہوگا۔ اور اگر اس نے خود صاحب قبر سے دعا کی اُس سے کچھ طلب کیا، یہ شرک ہوگا، اُس کے تمام اعمال منقطع ہوں گے!

بلکہ صحیح مذہب یہ ہے کہ قبر کو مقام تقرب بھی نہ سمجھے۔ وہاں یہ سمجھ کر دعا کرنا کہ یہاں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے یا جلدی قبول ہوتی ہے، یہ بھی غلط ہے۔ ایک اثر مشہور ہے۔ کہ امام شافعیؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی قبر کو قبولیت کا مقام سمجھتے تھے۔ یہ اثر غلط ہے، اس کی کوئی سند حضرت امام شافعیؒ تک نہیں پہنچتی!

زیارت کا ایک ہی صحیح طریقہ ہے کہ مسنون دعا پڑھے اور مقبرہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرے۔ جس طرح جنازہ میں دعا کی جاتی ہے۔ اصحابِ قبور نہ کچھ دے سکتے ہیں، نہ لے سکتے ہیں۔ ان سے کچھ مانگنا عبث بھی ہے اور گناہ بھی!

غلط بیانیوں

قبر پرستوں سے عام طور پر سنا گیا ہے:-

اذا تخيرونى الامور فاستجيبوا يا اهل القبور!

جب تمہیں کسی کام میں حیرانی ہو تو اہل قبور سے مدد مانگو۔

اسے حدیث کہہ کر ذکر کیا جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں، محدثین نے صراحتاً فرمایا ہے یہ جھوٹی بات ہے

ہو کلام موضوع مکذوب باتفاق العلماء۔ (اقتناء الصراط مستقیم ص ۵۸۵) اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ جھوٹی بات ہے!

شاہ ولی اللہ صاحب اس روایت کے بعد فرماتے ہیں کہ:-

"اس حدیث قول مجاوران است برائے اخذ نذر وینا زہر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

افتراء کردہ اند۔" (بلوغ المبین ص ۵۳)

یہ حدیث نذرینا زہر جمع کرنے کے لئے مجاوروں نے آنحضرت پر اختراع کیا ہے!

احادیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں! محدثین اور محققین سو فیہ نے اسے موضوع

قرار دیا ہے۔ اعتقاد کے مسائل میں بناوٹی روایات سے استدلال کرنا لاعلمی کی دلیل ہے!

اسی طرح کی ایک روایت اہل بدعت نے اور گھڑی ہے۔ فاعینونی یا عبان اللہ (اللہ کے بند و میری مدد کرو) یہ الفاظ بھی کسی صحیح حدیث میں نہیں ملے، ابو اعلیٰ بجران وغیرہ میں الفاظ قریب قریب اس طرح مرقوم ہیں:-
اذا نقلت دابة احدکم ہار من فلاة فليناديا عباد اللہ احبسوا علی فان اللہ
فی الارض حاضرًا یحبسہ!

جب مہتا رے جانور جنگل میں گم ہو جائیں تو آواز دو کہ اللہ کے بندو! اسے روک لیتا، اللہ
کا کوئی نہ کوئی بندہ حاضر ہو گا جو انہیں روک لے گا۔

اگر تھڑی دیر کے لئے اس حدیث کو مان بھی لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ناداقت آواز دے، اللہ کا کوئی نہ کوئی بندہ
وہاں موجود ہو گا جو اس جانور وغیرہ کو روک لے گا!
اس میں تصور اولیاء سے استعانت کا کوئی ذکر نہیں!

امام شافعیؒ سے منقول ہے اصحاب بنی ضیق فد عوت عند قبر ابی حنیفہ (اقتضار ص ۵۹۶)

یہ بھی امام شافعیؒ پر انتہائی اولاً امام شافعیؒ جب بغداد آئے تو حضرت امام کی قبر چنداں مشہور ہی نہ تھی۔ دوم
شافعیؒ حجاز سے آئے تھے وہاں ایسے لوگوں کی قبریں موجود تھیں جو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بدرجہا افضل
تھے۔ وہاں صحابہ کرام کی قبریں موجود تھیں، امام شافعیؒ نے تنگ دستی کا یہ علاج وہاں کیوں نہ کیا۔ سوم یہ نسخہ حضرت امام
ابو حنیفہؒ کے تلامذہ حضرت ابو یوسف امام محمد امام آخر وغیرہم رحمہم اللہ کو کیوں نہ ملا، ان لوگوں نے اپنے استاد کی قبر پر
کیوں دعائیں نہ لیں۔ امام شافعیؒ کو حجاز میں یہ نسخہ مل گیا۔ اور قریب ترین تلامذہ شب و روز کے خادم اس سے محروم!

اصحاب بدر کا عرس

عام قبر پر دست حضرات اپنی تقریروں میں فرمایا کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ بدر کے شہداء کے مزاروں پر ہر سال جایا
کرتے تھے!

مجھے یہ روایت نہ صحاح میں ملی ہے نہ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں اس کا تذکرہ آیا ہے، معلوم ہوتا ہے حضرات
اصحاب القبور نے اس میں کچھ جعل سازی سے کام لیا ہے!

بدر کی جنگ میں قریباً ستر آدمی صنائدید قریش سے تلوار کے گھاٹ اترے، جنہیں امیہ کے سوار ہر ایک کو گنوں میں
ڈال دیا گیا۔ چوڑا کے قریب صحابہؓ اس معرکہ میں کام آئے۔ لیکن ان کو کہاں اور کیسے دفن کیا گیا، اس کی حقیقت
صحیح طور پر معلوم نہیں!

اگر آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم سال کے سال پابندی کے ساتھ شہداء بدر کی قبور پر تشریف لے جاتے تو
احادیث و آثار میں اس کی تفصیل ہونی ضروری تھی۔ اور سب سے بڑی بات قابل غور و توجہ تو یہ ہے کہ صحابہ کرام میں
اس معمول کا پایا جانا ضروری تھا کہ یہ نفوس قدسیہ حضورؐ کی ایک ایک سنت پر عمل کرتے تھے اور حرز جان بناتے تھے!
بدریوں بھی مدینہ سے کافی دور ہے۔ ایسے سفر نہ حضورؐ کی عادت تھی اور نہ دینی مصروفیات اس کی اجازت دیتی تھیں!

شہداء سے احد

شہداء سے احد کے متعلق ثابت ہے کہ آنحضرتؐ احد تشریف لے گئے اور یہ درست ہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ احد

مدینہ منورہ کا ایک حصہ ہے، اس کی راہِ جنت البقیع کی طرح ہوگی، یہ کوئی سفر نہیں ہے اور یہ زیارت بھی ہر سال نہیں فرمائی۔
بلکہ صرف شہِ ہجری میں آنحضرت تشریف لے گئے، ان شہیدوں کے لئے دعا فرمائی۔ صحیح بخاری میں ہے:-

عن عقبہ بن عامر قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على قتل احد بعد

ثمان سنين كما لودع للاحياء والاموات - سنہ ۵

عقبہ بن عامر فرماتے ہیں آنحضرت نے شہداء پر شہِ ہجری میں ناز پڑھی، ایسا سماں

تھا جیسے حضرت زندوں اور مردوں کو وداع فرما رہے ہوں۔

یہ حدیث صحیح بخاری میں تین جگہ مرقوم ہے، کتاب الجنائز میں ایک دفعہ اور کتاب المغازی میں دو دفعہ، الفاظ
میں بھی معمول سا اختلاف ہے۔!

اس حدیث سے چند امور ظاہر ہیں:-

- ۱- حضورؐ یہ زیارت ہر سال نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ یہ واقعہ صرف شہِ ہجری میں ہوا۔
 - ۲- اس کی حیثیت وداعی حادثہ کی سی تھی، یعنی اس کے بعد آنحضرتؐ زیارت شہداء کے احد کیلئے تشریف نہیں لے گئے۔
 - ۳- آنحضرتؐ نے وہاں خطبہ دیا۔ ایسے خطبے حضورؐ غیر معتاد اور بہرہی خطبہ دیا کرتے تھے!
- یہاں صلوٰۃ کے معنی صرف دعا سمجھے جائیں تو زیادہ مناسب ہے، پانچ سال کے طویل عرصہ کے بعد قبر پر ناز پڑھنا
اخلاف ناپسند فرماتے ہیں، کیونکہ اسی عرصہ میں میت کا تفسیح یقینی ہے، شہیدِ معرکہ پر شوانع نماز جنازہ کو ناپسند فرماتے
ہیں۔ صحیح احادیث کا تقاضا بھی یہی ہے، قرین قیاس بھی ہے کہ آنحضرتؐ نے شہِ ہجری میں وداعی دعا فرمائی!
قبروں کی حضرات نے ممکن ہی اسی واقعہ کو عرس سمجھ لیا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ان روایات میں عرس کی گنجائش نہیں۔
اور خیال ہے کہ اسی واقعہ کو بد پر چسپاں کر دیا ہو، ہمارے قبوری حضرات کے دلائل کا یہی حال ہے
چہ وہ گزر گیا لاجہ وہ گزیر پیر!

خواب اور کہانیاں

قبوری حلقوں میں سب سے زیادہ اعتماد غیر مستند قصوں اور خوابوں پر کیا جاتا ہے، یہی تار عنکبوت ہے۔ جس پر
ان حضرات کو ہمیشہ اعتماد رہا معلوم ہے نہ خواب شرعی حجت ہے نہ قصے اور کہانیاں! ائمہ سنت کا یہ حال ہے کہ وہ
احادیث کے ذخیرہ میں سنہ کے بغیر کسی چیز کو قبول نہیں فرماتے۔ پھر احادیث میں عقائد کے لئے متواتر اور یقینی ذخائر
سے استدلال فرماتے ہیں۔ اعمال میں بھی ضعاف، شوائب اور منکرات پر توجہ نہیں دیتے، اور نہ ان حضرات کا یہ حال ہے
کہ عقائد کے مقابلہ میں جوئے طے قصوں اور مزخرف خوابوں سے دل کو تسکین دیتے ہیں۔ ائمہ اصول نے صراحت فرمائی
ہے کہ امت کے خواب شرعاً حجت نہیں اور ان سے کوئی حکم ثابت ہو سکتا ہے!

پھر اس قسم کے قصے اور کہانیاں اور خوابِ یہود، نصاریٰ، ہنود اور ان کے علاوہ مشرک قوموں کے پاس یہ ذخیرہ
بکثرت موجود ہے، اگر استدلال کی یہ راہ کھول دی گئی تو بت پرستی، آتش پرستی کا ثابت کرنا بھی چنداں مشکل نہ ہوگا۔
قادین کی نبوت اور خلافت کا انحصار بھی خوابوں پر ہے!

وانیال کی نعش - امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں ایشیخ الاسلام نے اقتنار الصراط میں ذکر فرمایا کہ

حضرت عمر کی خلافت میں جب نسترن فتح ہوا تو ہرمز کے خزانہ میں ایک نعلین تھی۔ جسے قحط کے ایام میں ہا ہرنکا لاجاتا تھا۔ تو بارش ہو جاتی تھی۔ حضرت عمر کے حکم سے ہم نے دن کے وقت تیرہ قبریں نکالیں، رات کے وقت انہیں دفن کر کے سب قبریں برابر کر دیں تاکہ کوئی ان قبروں کو پہچان نہ سکے اور پرستش شروع نہ ہو جائے!

جہاں تک اہل حق پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تعلق ہے وہ زندوں پر بھی ہوتی ہے، مردوں پر بھی۔ دانیال پر بھی ہو سکتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی۔ تمام انبیاء اور صلحاء اس کی رحمت سے مستفیع ہوتے ہیں۔ بلکہ ہم ایسے گنہگار بھی اس کی رحمت کے سہارے پر جی رہے ہیں۔ جہاں تک قبر پرستی کے لئے استدلال کا تعلق ہے، دانیال سے نہ اس وقت کسی نے استغاثہ کیا، نہ اب درست ہے، بلکہ حضرت عمر نے اس قبر کو اس قدر ٹھنی فرما دیا کہ نہ وقت کوئی اسے معلوم کر سکا، نہ آج ہی کسی کو معلوم ہے، اسے گم کر دینا دلیل ہے کہ صحابہ قبر کے مسافقہ استغاثت و استغاثہ کے تعلق کو ناجائز سمجھتے تھے۔

حضرت عمر کے حکم سے ایسا ہوا، ایک صحابی نے بھی اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی، اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے مشرکانہ افعال کے خلاف صحابہ کا اجماع ہے ورنہ جب وہ کسی چیز کو ناپسند فرماتے تھے تو حضرت عمر سے بھی کھٹے طور پر کہہ دیتے تھے۔

اس موضوع پر ایک آیت کو بھی مسح کرنے کی کوشش فرمائی گئی ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا مَا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَكْسُوا مِنَ الْآخِرَةِ
مَا يَكْفُرُونَ مِنَ الْقُبُورِ۔

اے ایمان والو! ان لوگوں سے مت دیستی کرو جن پر خدا تعالیٰ ناراض ہوا، وہ اللہ کی رحمت سے اسی طرح بے امید ہیں جس طرح قبروں والے کا فر (موت کے بعد) اللہ کی رحمت سے بے امید ہیں۔!

آیت کا مطلب صاف ہے: "من؟" بیان ہے، صحابہ القبور اللہ کا بیان ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں تو ایمان کی امید ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اور بھی اسباب ہیں جن سے امید ہو سکتی ہے، موت کے بعد اہل کفر کے لئے کوئی امید گاہ نہیں، جو لوگ مسلمان کہلا کر کفار سے وابستہ رہیں انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بے امید ہو جانا چاہیے۔ اس میں قبر پرستی کے لئے کوئی گنجائش نہیں، تمام مفسرین نے آیت کا مفہوم اسی انداز سے بیان فرمایا ہے۔ قرآن عزیز تو ان اہل کفر کے لئے بھیجا گیا ہے، وہ مشرک کی کیوں اجازت دے گا، آیت فلا تجعلوا لله انداداً وانتم تعلمون (لقمہ) کی تفسیر میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے انداد کی مختلف اقسام ذکر فرمائی ہیں۔ ان میں چوتھی قسم میں قبر پرست حضرات کا تذکرہ ہے۔ فرماتے ہیں!

چہارم میں یہ کہتا ہے کہ بسبب کمال ریاضت و مجاہدہ مستجاب الدعوات و مقبول الشفاعت عند اللہ شدہ بودا رہیں جہاں میبگہ زرد روح اور اقوت عظیم و وسیعے بن فحیم بہم میرسد۔ ہر کہ صلوة اور ابرو بخ سازد یا در مرکان نشست و پرخاست او یا بر گور او سجود و تذلل تمام نماید روح او بسبب وسعت و اطلاق بر آں مطلع شود

و در دنیا و آخرت در حق اور شفاعت نماید - (ص ۱۵۱ جلد ۱ - تفسیر عزیزی)

پیرہست کہتے ہیں گمراہی کی کثرت ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے اس کی دعائیں اور سفارش اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مقبول ہوتی ہیں۔ اس دنیا سے رخصت کے بعد اس کی روح میں بے حد قوت اور وسعت پیدا ہو جاتی ہے، جب اس کی صورت کو برزخ بنایا جائے یا اس کی نشست گاہ اور قبر پر عجز و انقیاد سے سجدہ کیا جائے، اس کی روح کو وسعت علم کی بنا پر اطلال ہو جاتی ہے۔ اور دنیا اور آخرت میں اس کے حق میں سفارش کرتی ہے، اس قسم کی استمداد اور رعایت کو شاہ صاحب "نذر" سمجھتے ہیں اور اسے شرک تصور فرماتے ہیں۔!

اللہ اور مخلوق کے درمیان اس قسم کے وسائل اور سفارش ضروری سمجھنا خدا تعالیٰ پر بدگمانی کے مراد ہے۔
ابن قیمؒ فرماتے ہیں:-

من ظن ان له ولداً او شريكاً او ان احد اليتفع عنده بدون اذنہ او ان بينه وبين خلقه وساطة يرفعون عوايجهم اليه وانه نصب العبادہ اولياء من دونه يتقربون بهم اليه ويتوسلون بهم اليه ويجعلونهم وساطة بينهم وبينه فيدعونهم ويخافونهم ويرجونهم فقد ظن به اقبح الظن واسوء الآلة - (الهدى ص ۲۰۷)

جو یہ خیال کرے کہ اللہ کی اولاد ہے یا اس کا کوئی شریک ہے یا اس کے پاس کوئی بلا اجازت شفاعت کر سکتا ہے یا مخلوق اور خالق کے درمیان ایسے واسطے ہیں جو مخلوق کی ضرورتوں کو اللہ تک لے جاتے ہیں، یا اللہ کے سوا کچھ اولیاء ہیں جو اللہ تعالیٰ اور ان لوگوں کے درمیان وسیلہ اور قرب کا کام دیتے ہیں اور خالق اور مخلوق میں واسطے بنتے ہیں، ان سے دعا کرتے ہیں، ڈرتے ہیں اور ان سے امید کرتے ہیں، جس کا یہ خیال ہو اس نے اللہ تعالیٰ پر بدگمانی کی!

قاضی شہداء اللہ صاحب پانی پتی

قاضی شہداء اللہ صاحب پانی پتی مسلک حنفی ہیں، مشرکاً معونی ہیں۔ حدیث پر ان کی نظر بہت وسیع ہے۔ اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی، تمام طبقوں میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے انہیں گہری عقیدت ہے، علم و فضل، زہد و تقویٰ، اثابست الی اللہ کے لحاظ سے ان کا مقام اپنے اقربان میں بہت اونچا ہے (رحم اللہ ورضی عنہ در فتح درجہ، ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں:-

الركونى كعبه كعبه خدا و رسول اس عمل پر گواہ ہیں، کافر ہو جائے گا، اولیاء معدوم کو موجود نہیں کر سکتے، موجود کو معدوم نہیں کر سکتے، ان کی طرف ایجاد یا اعدام، رزق دینے، اولاد دینے، مصیبت اور بیماری دور کرنے کی نسبت کرنا کفر ہے، ارشاد ربانی ہے، اے محمد! کہہ دو میں اپنے لئے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے۔ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں، نہ اس کے سوا کسی سے مدد طلب کرے۔ ایک نذر و ایک استغیث میں اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے کہ اسے اللہ ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ ایک میں حصر ہے، اولیاء اللہ کے لئے کوئی نذر درست نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے، اگر کوئی ایسی نذر پالنے تو اسے پورا نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ معصیت سے جہاں تک ممکن ہو بچنا چاہیے۔ اور قبروں کا طواف درست نہیں، کیونکہ طواف نماز کے حکم میں ہے اور یہ بیت اللہ کا حق ہے۔ زندہ اور مردہ ولیوں اور نبیوں

سے دعا کرنا درست نہیں۔ آنحضرت کا ارشاد ہے۔ دعا ہی عبادت ہے، پھر ارشاد خداوندی ہے، مجھ سے دعا کرو، میں قبول کروں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں جائیں گے! اور جو لوگ یہ وظیفہ کرتے ہیں۔ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیخاً للہ یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیخاً للہ، یہ کہتا جائز نہیں شرک اور کفر ہے!

اس کے بعد فرماتے ہیں۔ ان الذین تدعون من دون اللہ عباداً مثلاً کم (جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ وہ تمہاری طرح بندے ہیں) یہ آیت صرف بت پرستوں کے لئے نہیں، کیونکہ من دون اللہ میں عموم ہے، احکام میں الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے۔!

اس کے بعد فرماتے ہیں۔ اگر کوئی کلمہ توحید کے ساتھ علی ولی اللہ، ابو بکر ولی اللہ کو ملائے تو اسے تعزیر لگائی جائے گی اسی طرح ذکر اور وظیفہ کے طور پر یا محمد یا محمد کہنا ناجائز ہے۔ (ص ۱۹) ارشاد الطالبین "فارسی میں ہے، اختصار کے لئے اردو میں ترجمہ کر دیا۔ اور ملخص بھی کر دیا گیا ہے۔!

قرآن مجید سے شرک اور دعوت بغیر اللہ کے لئے استدلال عجیب ہے۔ لیکن جب قوموں کے ذہن بگڑتے ہیں تو اس سے بھی زیادہ عجائبات کا ظہور ان سے ممکن ہوتا ہے۔ یہی حال ہمارے قبوری حضرات کا ہے، وہ قرآن عزیز سے شرک اور کفر کے لئے دلائل تلاش کرتے ہیں۔!

کتاب و سنت کا کام تو کفر و شرک اور بدعات کو مٹانا ہے، نہ کہ ان کو قائم کرنا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی "شرک" کے خلاف اعلان جہاد تھی۔ حضور ہی کی محبت اور اتباع کا یہ تقاضا ہے کہ ہم فیروز کے ساتھ وہی سلوک کریں، جس کی اجازت دی گئی ہے۔ اور جن باتوں کی نہی فرمائی ہے، ان سے باز رہیں!

جن کو ہم اولیاء اللہ سمجھتے ہیں، وہ اللہ اور رسول کی اطاعت کے سبب "اولیاء اللہ" بنے ہیں۔ پس کتاب و سنت سے جس کام کی مخالفت ہوتی ہو، اس کا کیا جانا اولیاء اللہ کی محبت کے منافی ہے! کتاب و سنت کی جس دینی فعل و عمل پر چھاپ نہ لگی ہو، وہ معتبر نہیں۔ اور اس قسم کے تمام افعال، عشق و محبت کے تمام زبانی وعدوں کے باوجود، آخرت کے خسران اور رسوائی کا باعث ہوں گے! اللہ تعالیٰ ہم سے بکو کتاب و سنت پر عامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین

محترمہ عطیہ خلیل عرب

”الوسیلہ کا حقیقی مفہوم“

بَلْ لَقَدْ فُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدُ مَعَهُ فَاذَاهُ زَاهِقٌ !

یہ انتہائی غمناک و المناک و افسوسناک حقیقت ہے کہ وہ مسلمان جو توحید و رسالت پر یقین رکھتے ہیں، اپنی اس لیے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو مشرک و کافر اور بدعتوں کے اتنے خیر ہو گئے ہیں کہ اپنی اس جہالت و ضلالت ہی کو ”دین“ سمجھتے ہوئے ہیں۔ اس لئے نہ تو وہ حق کی جستجو کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اور نہ انہیں توحید کی توفیق نصیب ہوتی ہے !
عوام کی اس جہالت اور گمراہی کے بہت کچھ ذمہ دار وہ مدعیان علم و خیر ہیں، جو ”کتاب اللہ“ کی آیات میں من گھڑت تاویلیں کرنے اور من بھاتا مطالبہ نکالنے تک سے نہیں چوکتے !
عوام کو سب سے زیادہ فریب :-

”..... وابتغوا الیہ الوسیلہ“

کے نام پر دیا جاتا ہے۔ کہ یہ دیکھو ! اللہ تعالیٰ قرآن میں حکم دیتا ہے کہ ”وسیلہ تلاش کرو“۔ پس انبیاء، شہداء اور اولیاء کے ”وسیلہ“ کے بغیر خدا تک رسائی ہی نہیں ہو سکتی۔ اور یہی ”وسیلہ“ کا عقیدہ پھیل کر، قبروں پر جا کر مرادیں مانگنے، اُن پر چادر چڑھانے، طواف کرنے، اولیاء اللہ کو حاضر و ناظر جاننے، اُن کے ناموں کی دعاؤں دینے اور انہیں مصیبت کے وقت استمداد کے لئے پکارتے ”کی مشرک نہ صورتیں اختیار کر لیتا ہے !

اس معنوں میں اسی آیت کی شرح و تفسیر مقصود ہے، تاکہ اہل بدعت نے جس آیت کو سب سے زیادہ اپنی ہوائے نفس کی کہیں گاہ بنا رکھا ہے، اُس کی معنوی تحریف اور غلط استدلال کا تار پود بکھر جائے۔ اور لوگ سمجھ لیں کہ اس آیت کریمہ کا اصل منشا اور مقصود و مدلول کیا ہے !

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا للہ وابتغوا الیہ الوسیلہ — (المائدہ)

خط کشیدہ جتر و آیت سے اہل بدعت و بدعتیہ لوگ پیر پرستی اور غیر اللہ کو خدا تک رسائی کا ذریعہ بنانے کے لئے ہر نام خود وجہ جواز پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم میں یہاں اور جہاں بھی ”الوسیلہ“ استعمال ہوا ہے، اس سے مراد یہ نہیں ہے جو یہ لوگ لیتے ہیں۔ !

پہلے یہ دیکھنا ہے کہ ”الوسیلہ“ کے لغوی معنی کیا ہیں ؟ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ معتبر اور مستند کتاب امام راعب اصفہانی کی لغت ہے۔ ”مفردات راعب اصفہانی“ میں اس لفظ ”الوسیلہ“ کی لغوی تشریح ملاحظہ ہو :-
(وسل، الوسیلۃ التوصل الی الشیء برغبۃ وہی اخص من الوسیلۃ لتضمنہا المعنی المرغبۃ

قال تعالیٰ ابتغوا الیہ الوسیلہ و حقیقۃ الوسیلۃ الی اللہ تعالیٰ، مراعات سبیلہ
بالعلم والعبادۃ و تحری مکارم الشریعۃ و ہی کالقربۃ والو اسل الی اللہ الراجب الیہ
یعنی کسی شے تک رغبت سے پہنچنا اور یہ وسیلہ و سبیلہ (بالصاف) سے صرف بمعنی رغبت کے خصیصیت
رکھتا ہے ارشاد باری تعالیٰ و ابتغوا الیہ الوسیلہ سے مراد صراط مستقیم پر علم، عبادت اور
مکارم شریعت (اعمال صالحہ) کے باوصف گامزن رہنا ہے۔ اس لئے قربت کے معنی صحیح میں
ادُرُّ الواسل کے معنی اللہ سے رغبت و قرب رکھنے والا ہیں۔ !

مفسر گرامی علامہ محمد بن جریر الطبری فرماتے ہیں :-

(و ابتغوا الیہ الوسیلہ) بقولہ "اطلبوا القربۃ الیہ" بالعمل بما یرضیہ والوسیلۃ الفعیلۃ
عن قول قائل تو سلت الیہ بکذا بمعنی تقربت الیہ

یعنی اللہ سے ایسے اعمال کے ساتھ تقرب چاہو جو اس کی خوشنودی کا باعث ہوں "الوسیلہ" علی وزن "فیصلہ"
سے مثلاً کوئی کہے میں اس سے قریب ہوا تو وہ تو سلت تقرب ہی کے معنی میں استعمال ہوگا، اس کی دلیل میں
عشرہ کا شعر ہے

ان المر جائی لہم الیک وسیلۃ ان یاخذن و کرب تکلی و تخصی !

(لوگ تیرا قرب حاصل کرنے کے لئے تجھے لینا چاہتے ہیں، اس لئے تو سرمہ اور ہندی سے بناؤ سنگھار کر لے)
اس کی تائید میں دوسرا شعر ہے :-

اذا غفل الواشون قد نالوصلنا فعاد التصافی بیننا والوسائل

چغخزروں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ہم ملنے کا سامان کر لیں گے اور پھر ہم سے درمیان تقرب اخلاص لوٹا آئیگا !

آگے کہتے ہیں :-

و بمعنی الذی قلنا قال بعض اهل التاویل ذکر من قال ذالک - حدیثنا بشار، سفیان
عن ابی وائل ابتغوا الیہ الوسیلہ القربۃ فی الاعمال، و حدیثی سفیان، ابی طلحۃ ،
عطاء الآیۃ - فی المسئلۃ القربۃ و عن قتادۃ اُمی تقرّبوا الیہ بطاعۃ و العمل بما یرضیہ
عمرانی حدیثنا سفیل عن ابن ابی نجیح عن مجاہد و ابتغوا الیہ الوسیلۃ
قال القویۃ -

یعنی ہماری طرح بعض اہل تاویل نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں۔ چنانچہ بشار، سفیان سے اور سفیان
ابو دائل سے راوی ہیں کہ "الوسیلہ" سے مراد قربت ہے (اعمال صالحہ سے) اور اسی طرح سفیان
ابو طلحہ سے اور وہ عطا سے راوی ہیں کہ اس آیت میں "وسیلہ" کے معنی قربت کے ہیں !

اور قتادۃ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت
اور اس کی خوشنودی کے کام کو اس سے تقرب حاصل کرو، اور ابو حذیفہ، سفیل سے اور وہ ابن ابی نجیح
سے اور حضرت مجاہد سے "وسیلہ" کے معنی "القربت" ہی روایت کی ہے۔ (تفسیر ابن جریر الطبری ص ۵۵)

تفسیرین کثیر رحمة اللہ علیہ ۱۔

ربا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ (ای خافوا اللہ بتوکل المنہیات) روا بتقوالیہ (ای لا الی غیرہ) (الوسیلۃ) الوسیلۃ الفعیلۃ من تو سلت الیہ اذا تقربت الیہ والوسیلۃ القربۃ اللتی ینبغی ان تطلب وہی قال ابو وائل، الحسن، مجاہد قتادۃ السدی ومن زید وروی عن بن عباس وعطاء وعبد اللہ بن کثیر قال فی تفسیرہ ہذا اللذی قالہ ہادوا لاء الائمة لاخلات بین المفسرین فیہ۔ والوسیلۃ ایضاً درجۃ فی الجنة مختصۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (البخاری)

یعنی نعمتوں و مکروہات کو چھوڑ کر خدا سے ڈرو، خدا کے سوا اور کسی سے نہیں۔ الوسیلہ علی وزن فعیلہ ہے۔ گویا تو سلت الیہ میں اس سے قریب ہوا بمعنی تقرب۔ اس لئے کہ "الوسیلہ" کے معنی "القربۃ" ہیں اور اللہ سے قربت ایسی نعمت ہے جسے ضرور مانگنا چاہیے۔ اور اسی طرح حضرت ابو وائل، حضرت حسن، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ سے مروی ہے۔ اور السدی اور ابن زید، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عطاء روایت کرتے ہیں کہ الوسیلہ سے مراد اعمال صالحہ سے قرب خداوندی حاصل کرنا ہے۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ الوسیلہ کے اس معنی میں ان ائمہ مفسرین کو اتفاق ہے کسی ایک کو بھی اس تفسیر میں اختلاف نہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ ورضی عنہم (اس کے ساتھ ساتھ الوسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ منزل بھی ہے جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے، اذان کے بعد جو دعا پڑھنے کا حکم ہے، اس دعا میں آت محمدن الوسیلۃ سے مراد جنت کا یہی درجہ ہے)

تفسیر کبیر علامہ فخر الدین رازی میں ہے۔ وابتقوالیہ الوسیلہ۔ ای القربۃ بالعمل۔ یعنی الوسیلہ سے مراد عمل سے قربت حاصل کرنا ہے!

علامہ ابن جریر الطبری اور علامہ ابن کثیر و علامہ رازی کی طرح سلف و خلف کے تمام مفسرین الوسیلہ کے اس معنی پر اتفاق رکھتے ہیں کہ الوسیلہ سے اعمال صالحہ کے ذریعہ تقرب خداوندی حاصل کرنا ہے! ائمہ سلف میں امام ابن تیمیہ نے خاص طور پر مقالہ (الواسطۃ بین المخلوق والحق) اپنے دیگر رسائل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ اس مقالہ کے تحریر کرنے کا سبب یہی تھا کہ دو شخص آپس میں بحث کر رہے تھے۔ ایک کہتا تھا، خدا اور بندہ کے درمیان کوئی وسیلہ یا واسطہ ضروری ہے اور دوسرا اس کے خلاف تھا۔ چنانچہ یہ مسئلہ امام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ امام ابن تیمیہ کے جواب کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے :-

"اگر اس شخص کی مراد یہ ہے کہ خدا اور بندہ کے درمیان کوئی واسطہ ضرور ہونا چاہیے، جس سے بندوں کو یہ معلوم ہو کہ خدا کن اعمال سے خوش ہوتا ہے اور کن اعمال کو پسند فرما کر اپنے فرمانبردار بندوں پر انعام و رحمت کی بارش کرتا ہے اور کن نافرمانیوں اور بد اعمالیوں سے بندے عذاب الہی میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ نیز اللہ کی ذات والا صفات کو کیا کیا نام زبیا اور شایان بیان بیان ہیں۔ ان تمام امور کی معرفت ادراک سے عقل انسانی عاجز و در ماندہ ہے، اس لئے کسی ذریعہ یا واسطہ کی ضرورت پیش آتی ہے، چنانچہ اس

قاد مطلق نے ہر دور میں اپنے رسول یعنی فرستادہ بندے دنیا میں بھیجے اور اس کے رسولوں پر ایمان لا کر عمل کرنے والے بلاشبہ راہ ہدایت پر ہیں۔

واما سؤال السائل عن القطب او الفوت والفرء فهدا قد يقوله طوائف من الناس ويفسرونه بامور باطلة في دين الاسلام مثل تفسير بعضهم ان الفوت هو الذي يكون مرد الخلائق بواسطة في سفرهم وزيارتهم فهدا اجنس قول النصارى في المسيح بن مريم عليها السلام والغالية في علي رضي الله تعالى عنه فهدا كفر صريح.....

دوسرے سائل کا یہ سوال کہ آیا کسی غوث، قطب اور فرد کے بغیر بھی خدا تک رسائی ممکن ہے، تو یہ چیز اب عام ہو گئی ہے، بعض لوگ اس طرح بے بنیاد اور باطل امور کو اسلام کا جزو بنا رہے ہیں بعض لوگ غوث کو ایسی طاقت مانتے ہیں جس کی وساطت سے امداد خلائق ہوتی ہے اور یہی غلو ہے جس نے ابن مریم کو ابن اللہ بنا دیا۔ اور اس غلو سے حضرت علیؑ کو بھی نصیریوں نے یزدانی طاقتیں دے رکھی ہیں۔ لہذا باللہ! یہ سراسر کفر ہے۔

ومن انكر كنه بن فهو مرتد كافر - اور جس نے توسل کے ان دو معانی سے انکار کیا وہ کافر ہے! (ترجمہ میں تفصیل کر دی گئی ہے)

من جعل بينه وبين الله الوسائط يتوكل عليهم ويدعوهم ويسألهم كفرا جماعاً - یعنی جس نے اپنے اور خدا کے درمیان کسی کو ذریعہ بنا کر اس پر کبر و سہ کیا، اس کو پکارا اور اس سے حاجت طلب کی تو اس نے بالاجماع کفر کیا۔ (الجواب الکافی)

حضرت قتادہ نے فرمایا کہ خدا کی اطاعت اور اس کی مرضی کے مطابق اعمال سے اس کا قرب حاصل کرو۔ ابن زید نے یہی آیت تلاوت فرمائی تھی! (بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

فيطلبون القرب من الله بالاخلاص وطاعة فيما يرضيه، وترك ما نهاهم عنه واعظم القرب التوحيد الذي بعث الله به انبيائه ورسوله وواجب عليهم العمل به والدعوة اليه - وه الذي يقربهم الى الله - ومن التوسل اليه باسمائهم وصفاته كما قال تعالى والله الا سماء الحسنى فادعوه بها وكساوردني الا ذكرا المأثورا ، من التوسل اسماء الدعوات اللهم اني استئلك بان لك الحمد وغير ذلك من الاعمال الصالحة الخالصه التي لا يشبه الشرك فالترسل الى الله بما يحب به ويرضاه لا بما يكرهه وياباه من الشرك الذي نزه به نفسه عنه بقوله (سبحن الله عما يشركون)

قرب خداوندی اخلاص، طاعت اور ایسے اعمال سے مانگتے ہیں جن سے وہ راضی اور خوش ہو نہ کہ ایسے اعمال جن سے اس نے منع فرمایا ہے۔ اور خدا سے قرب کا سب سے بڑا ذریعہ اس کی وحدانیت کا اقرار ہے کہ اس نے

اس پیغام کے ساتھ اپنے انبیاء اور رسولوں کو بھیجا، اس کا اُن کو حکم دیا اور یہی وہ ذریعہ ہے جو اُن کو خدا سے قریب کرتا ہے۔ توسل کی ایک شکل یہ ہے کہ اُس کو اُس کے ناموں اور صفات کے وسیلہ سے پکارو۔ یہی اس نے حکم دیا ہے اور جیسا کہ بعض ادغیہ ماثورہ میں ہے کہ اللہم انی استغثک بان تک الحمد لاس دعائیں خدا کے سامنے اس کی تحریف کا وسیلہ لیا گیا ہے، اس کے علاوہ خدا سے قرب کا ذریعہ وہ نیک اعمال ہیں جو خالص اللہ کے لئے کئے گئے ہوں اور جن میں شرک کا شائبہ نہ ہو!

خدا کا قرب ان ہی اعمال سے حاصل کیا جاسکتا ہے، جس سے وہ راضی اور خوش ہونے لگے جن سے اللہ تعالیٰ منن فرماتا ہو۔ خاص طور پر شرک، جس سے اُس نے اپنی ذات کو پاک رکھا ہے (سبحان اللہ عما یشرکون) نہ صرف مفسرین و ائمہ کرام بلکہ مزاج شناس رسول حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی قرآن کریم کے معانی میں انتہائی احتیاط اور باریک بینی سے کام لیتے تھے۔ اس کے باوجود فرماتے ہیں۔ اِنِّی سَمِعْتُ تَظْلَمَی وَاِی اِمْرَاضٍ تَقْلُبُ اِذَا قَلَعْتَ فِی کِتَابِ اللّٰهِ صَلا اَعْلَمُ۔ ”کو نسا آسمان مجھے سایہ دے گا اور کون سی زمین مجھے پناہ دے گی اگر میں کتاب اللہ سے وہ مننی بیان کروں جو میں نہیں جانتا“ اور ان اہل بدعت کی یہ جرات کہ کتاب اللہ کو اپنی خواہشات کا تابع بنانا چاہتے ہیں! تفاسیر اور اقوال ائمہ سے یہ بات آفتاب کی طرح روشن اور ثابت ہے کہ الوسیلہ کا جو لفظ قرآن پاک میں آیا ہے، اُس سے مراد ”اعمال صالحہ“ کے ذریعہ قرب خداوندی حاصل کر کے اُس کی رحمتوں کا سزاوار بننا ہے۔ اہل بدعت الوسیلہ سے جو یہ مراد لیتے ہیں کہ کسی ولی، قطب اور پیر کو قرب خداوندی کا ذریعہ بنایا جائے یا مشکل کشا اور حاجت روا مانا جائے تو یہ اُن کی اختراع نفس اور بدترین قسم کی ”تفسیر بالرائے“ ہے۔ جس سے ایک طرف تو اس آیت کی معنوی تحریف ہوتی ہے اور دوسری طرف شرک و بدعت کے لئے میدان ہموار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان فتنوں سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے (آمین)

”الوسیلہ“ قرآن کی روشنی میں

اہل بدعت ایک طرف اگر صرف اس ایک آیت وابتغوا الیہ الوسیلہ کا بزرگم خود سہارا لے کر اور قرآن کریم میں معنوی تحریف کرنے کے بعد کسی ولی، قطب یا شہید کی ذات مراد لیتے ہیں، جس سے لانا حالہ شرک فی الذات و الصفا (باری تعالیٰ) قبر پرستی و پیر پرستی کی راہیں کھلتی ہیں اور غیر اللہ کی نذر و نیا بڑ، عرس، نما میر اور مشرکانہ اشعار سے مختلف سماع کا موقع ملتا ہے تو دوسری طرف سارے کا سارا قرآن کریم ہے، جس کی شان نزول ہی شرک و بدعات کا قلع قمع کرنا اور بندوں کا صرف خدا سے عابد و معبود کی حیثیت سے رشتہ قائم کرنا ہے۔ بعثت نبوی ہے کہ آپ کی ساری زندگی شرک و بدعات کے خلاف دعوت و تبلیغ سے اقوال و اعمال سے، سیرت و کردار سے، جہاد میں گزری۔

ولقد ارسلنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا اللہ و اجتنبوا الطاغوت۔ اس ”طاغوت“ سے مراد صرف پتھر کے صنم ہی نہیں بلکہ ہر وہ شے یا ذات ہے جس کو رب العالمین کے سوا معبود مان لیا گیا ہو!

کیا ”الوسیلہ“ سے اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ نہیں ہوا کہ توحید کے پرستار ایک بار پھر ہزاروں ”پرستیوں“ میں مبتلا ہو گئے تیسرے و کسریٰ کی حکومتوں سے خراج وصول کرنے والے بزرگوں کی قبروں کی آمدنی پر جی رہے ہیں، لات و منات کی جگہ مقبروں اور تعزیروں نے لے لی ہے اور ان عقائد کے حاملوں کے اعمال و کردار میں، اقوال و گفتار میں زمانہ جاہلیت کے

مشرکین سے کس درجہ شرمناک مشابہت پائی جاتی ہے!

زمانہ جاہلیت کے مشرکین بھی ذات باری تعالیٰ کے منکر نہ تھے، لکن سالتہم من خلق السموات والارض لیس اور وہ جنوں کو قرب خداوندی کا وسیلہ بنا کر ان کی پرستش کرتے تھے۔ ما تعبدہم الا لیقدرونا الی اللہ عزوجل۔ میں قبر پرستی اور پیر پرستی کے لئے اہل بدعت بھی یہی غرض بتاتے ہیں۔

اہل بدعت کی اس غلط فہمی کا ازالہ تو خود قرآن کریم ہی کی آیات سے ہو جاتا ہے:-

(الف) وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ كُنُ لَّا يُسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ

عَنْ دُعَائِهِمْ غَائِقُونَ وَإِذَا حُسِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كُفْرِينَ! (الاحزاب)

اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہو جو پکارے اللہ کے سوا کسی ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار کو روز قیامت تک۔ اور ان کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی۔ اور جب لوگ جمع ہوں گے، تو ان کے پوجنے کے سبب، ان کے وہ دشمن ہوں گے!

(الف)

(ب)

(ج)

(د)

قُلْ أَفَأَتَّخِذُكُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا (الرعد)

کہہ، پھر کیا تم نے بنا رکھے ہیں اس (یعنی اللہ تعالیٰ) کے سوا ایسے حمایتی جو مالک نہیں اپنے بھلے بڑے کے!

لَهُ، دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٍ كَفِيدٍ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ غَاةً وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ (الرعد)

اسی کو پکارنا سچ ہے، اور جن لوگوں کو پکارتے ہیں اس کے سوا، وہ کام نہیں آتے ان کے کچھ بھی! مگر جیسے کسی نے اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلے کہ اس کے مُتے تک پہنچے اور وہ کبھی نہ پہنچے گا اُس تک۔ جتنا پکارتا ہے کافروں کا وہ سب گمراہی ہے!

ذَلِكَمُ اللَّهُ سُبْحَانَ اللَّهِ لَمَّا يَمْلِكُ مِنَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَئَلَّا يَمْلِكُونَ كَشَفِ الضَّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَةً وَيَخَافُونَ عَذَابًا إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا۔

الوسیلہ کے اس غلط مفہوم کے خلاف سارا قرآن کریم موجود ہے!

بقرہ محال اگر "الوسیلہ" کا یہی مفہوم جائز، روا اور حقیقی ہوتا تو کوئی معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی ولی، قطب، غوث کی ذات کو افضل و ارفع قرار نہیں دے گا۔ اور نہ کوئی اہل نزدیک آپ سے بڑھ کر معزز و مقرب ہو سکتا ہے۔ لہذا ایسی یہ مرتبہ بلند اگر کسی کو ملتا تو وہ صرف عبد اللہ علیہ السلام ہی کی ذات گرامی ہوتی۔ لیکن ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

- ۱- قل لا املك لكم ضرراً ولا نفعاً قل انى لن يجيرنى من الله احدٌ ولن احدٌ من دونه ملحقاً۔
- ۲- قل لا اقول لكم عندى خزائن الغيب ولا اقول لكم انى ملك ان اتبع الا ما يوحى الىّ۔
- ۳- لو كنت اعلم الغيب لا ستكثر من الخير وما مستنى السوء۔
- ۴- قل انما انا بشر مثلكم يوحى الىّ انما اظنكم الله واحد فمن كان يرجو لقاء ربّه فليعمل عملاً صالحاً ولا يشرك بعبادة ربّه احداً۔

(۱) تو کہہ پیرا نیتار میں نہیں تمہارا برا اور نہ راہ پر لانا، تو کہہ مجھ کو نہ بچا بیگا اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور نہ پاؤں گا اس کے سوا کہیں میرے کہنے کو جگہ!

(۲) میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرا سر غیب کے خزانے پر اور زمین تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں یا میں تم سے اسکی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے!

(۳) اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ ہلاکتیں حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی برائی نہ پہنچتی!

(۴) کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم۔ حکم آتا ہے مجھ کو کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے۔ تو پھر جس کو امید ہو اپنے رب سے ملنے کی، سو وہ کرے نیک کام اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو۔ (کہتے، آخری رکوع)

ان آیات کی روشنی میں سرور کائنات و فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلامات و محبوب رب العالمین کو لفع و نقصان لے کر قدرت نہیں (آخری آیت میں آپ کی بشریت، توحید باری تعالیٰ کی دعوت اور اعمال صالحہ کی تلقین و شرک عبادت سے پرہیز کا اظہار ہے) تو پھر کس پیر، قطب اور ولی کی کیا مستی ہے جو کسی کی مشکل کشائی یا حاجت روائی

۹۹

تقرب و مجربیت، افضلیت و اعلیٰت کے باوصف آپ کے عمل و خوف کا یہ عالم احتیاط و فروتنی کی یہ حالت کہ میں کسی صفت پر بھی ربوبیت سے رسالت کی حدود کا ٹکراؤ دیکھ پائیں تو خشیت الہی سے لرز کر فرمائیں۔

اجعلنى لله نداً ۹ لا تقولوا ما شاء الله و شاء محمد بل قولوا ما شاء الله وحده!

یعنی ایک شخص کے یہ کہنے پر کہ "اللہ چاہیں اور آپ چاہیں" حضور نے عتاب کا اظہار فرمایا اور کہا کہ کیا تم نے مجھ کو شریک بنا دیا؟ یوں مت کہو کہ "جو اللہ اور محمد چاہے" بلکہ یوں کہو کہ "جو اللہ تعالیٰ تمہارا چاہے!"

ایک متوازن سے متوازن انسان بھی اپنی تعریف سن کر خوش ضرور ہوتا ہے۔ خواہ زبان سے اظہار نہ کرے۔ لیکن اللعالمین کا یہ تقویٰ کہ اگر آپ کو جان نثاران توحید انت سیدنا کہیں تو فرمائیں بل السید هو اللہ۔ گویا ت کی حد تک تو اپنی عظمت و تعریف برداشت ہے۔ ورنہ شرک فی الصفات کے خوف سے اتنا غلو بھی گوارا نہیں!

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تطروني كما اطرت النصارى المسيح بن عليها السلام انما انا عبدة ورسوله!

قال النبي صلى الله عليه وسلم اذا سالت فاسئلي الله واذا استعنت فاستعن بالله. (المشکوٰۃ)

تم کو کچھ بھی مانگنا ہو خدا سے مانگو اور جب بھی مدد چاہنا ہو تو خدا ہی سے مدد چاہو!

اس لئے کہ خدا کے سوا کسی کو بھی مشکل کشا یا حاجت روا سمجھنا خدا کی خدائی میں اس کو شریک کرنا ہے۔ اور شرک لظلم عظیم کے ساتھ ساتھ ان الله لا يعجز ان يشرك به و يعجز ما دون ذالك، ایک اٹل فیصلہ ہے۔ اس "ذنب لا يعجز" سے بچنے کے لئے شرک کی بعید تر مشابہت سے بھی اجتناب کرنا چاہیے کہ یہی

ایمان اور توحید کا تقاضا ہے !

اس طرح اگر کسی کے مزار پر عرس منانے، چراغاں کرنے اور نذر و نیاز کی اجازت ہوتی، تو اس کے لئے بھی صرف حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روضہ اقدس ہو سکتا تھا۔ لیکن چونکہ فتنہ فتور کی خطرناکی اور غلوئی لانا بیار و الصالحین کے نتائج حضور کے پیش نظر تھے اس لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آپ نے تاکید فرمائی کہ لا تجعلوا قبری عیداً "میری قبر کو عید (میلہ) نہ بنا لینا !

اپنی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے آپ نے یہ دعا فرمائی۔ اللہم لا تجعل قبری وثناً یعبد۔ اہی میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اُس کی پرستش کی جائے۔ "وثن" کا معنوی اطلاق ہر اُس شے پر ہو سکتا ہے جسے خدا کے سوا معبود بنا لیا جائے۔ حضور نے صحابہ کرام سے فرمایا:-

ایاکم والغلو فانما اهلك من كان قبلكم الغلو۔ (المحدث)
خیردار! غلو سے ہمیشہ بچنا اس لئے کہ تم سے قبل جو لوگ تھے وہ اس غلو سے
بتاہ کئے گئے !

آج نافرمانی کا یہ عالم ہے کہ ہماری نظروں سے ایسے اشعار بھی گزرتے ہیں جن کی نقل سے بھی ہاتھ لرزتے ہیں۔

ہمارے سردار عالم کا رتبہ کوئی کیا جانے خدا سے ملنا جو چاہے محمد کو خدا جانے
وہی جو مستوی عرش تھا خدا پر کر اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

لعوذ باللہ من ذالک ! اس مشرکانہ ذہنیت کے لوگوں کی اس مبالغہ آمیزی سے خود سردار کائنات کی روح پاک کو

کس قدر اذیت ہو گی۔ "ومن بعض اللہ ورسولہ فقد ضلّ ضللاً لا یبیدنا۔۔۔ لا تطرونی كما طرت النصارى این صریح
المسیح" کی نافرمانی کے لئے اس سے بڑی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ اس غلوئی الانبیاء نے عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ
اور عزیر علیہ السلام کو بیٹا بنا کر نصاریٰ اور یہود کو قہرا کہی کی نذر کیا اور یہی غلو مسلمانوں کو بھی بتا ہی کے گرٹھے
کی طرف لے جا رہا ہے !

"اوسیلہ" کا یہی مفہوم اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی لیا کرتے تو وہ بھی تقویٰ، صالحیت، عبادات، سب
چھوڑ کر حضور اقدس ہی کی ذات گرامی کو قرب خدا دہنی کا ذریعہ بنا لیتے۔ اور روضہ اقدس کی مجاہدی اُن کا ہمیشہ ہوتا۔
لیکن آثار صحابہ میں بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ ان مقدس ہستیوں کے اتقاء اور اتہار سنت پر سختی کا یہ عالم
تھا کہ حضرت عمرؓ نے وہ درخت ہی کٹوا دیا جس کے سایہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت صلح حدیبیہ لی تھی۔
اس میں محض شرک کا خوف کا رہا تھا۔ اس لئے کہ بعض لوگ قصراً اس درخت کے سایہ میں نماز پڑھنے جاتے
تھے۔ !

معدن سوید فرماتے ہیں۔ میں نے ایک بار حضرت عمرؓ کے ساتھ مکہ کے راستہ میں صبح کی نماز پڑھی۔ آپ نے دیکھا کہ
کچھ لوگ ایک طرف جا رہے ہیں۔ دریافت فرمایا۔ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ عرض کیا گیا۔ یا امیر المؤمنین! یہاں ایک
مسجد ہے، جہاں رسول اللہ نے نماز پڑھی تھی۔ یہ لوگ بھی وہاں نماز پڑھنے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا:-

وانما اهلك من كان قبلكم بمثل هذا يتبعون آثار انبيائهم ويتخذونها كناساً وبيعاً۔ !

تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ اپنے انبیاء کے آثار کی بھی اتباع کرنے لگے حتیٰ کہ ان کو عبادت گاہ (کلیسا اور مسجد
بہود) بنا کر چھوڑا۔!

ایک بار حضرت عمرؓ نے بھرے مجمع میں دعا فرمائی:-

اللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا اِذَا جَدْنَا بِنَا تَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَقْرُسُ لِنَعْمَ نَبِيْنَا فَاَسْقِنَا قَيْسُقْنَ (بخاری)

اے اللہ! پہلے جب قحط پڑتا تھا تو ہم اپنے نبی کے توسل سے پانی مانگتے تھے اور تو ہمیں سیراب کر دیا کرتا تھا۔

اب ہم اپنے نبی کے علم محترم (عباس بن عبدالمطلب) کے توسل سے پانی مانگتے ہیں تو انہیں سیراب کر!
چنانچہ بارش ہو گئی۔ (بخاری)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ بنی کریم کی حیات طیبہ میں تو صحابہ کرام نے آپؐ کا وسیلہ لیا، مگر بعد وفات نہیں لیا۔
اس کی تائید میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

”اللہ سے کسی کا وسیلہ لینا جائز نہیں۔ اس کو اس کے نام و صفات سے پکارو۔ بلکہ یہ بھی

درست نہیں کہ الہی بحق فلاں بنی یا فلاں فرشتہ میری حاجت روائی کر۔“ (درمختار)

خانوادہ بنوی کے چشم و چراغ سیدنا زین العابدین (حسن بن حسینؑ) نے ایک شخص کو دعا و سلام کی عرض سے
قبر اقدس کے پاس جلنے سے منع فرمایا۔ رکھا:-

الا احدکم حدیثنا سمعتمہ عن ابی عن جدی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم لا تجعلوا قبری عیدا۔ ولا تجعلوا بیوتکم قبورا۔ فصلاتکم تبغی حیث کنتم!

کہ مجھ سے میرے پیر بزرگوار نے جد محترم سے روایت کی ہوئی حدیث بیان کی ہے۔ کیا میں

متہیں نہ بتا دوں کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ میری قبر کو میلہ نہ بناؤ۔ اور اپنے گھروں کو

قبرستان نہ بنا لو۔ تمہارا درود و سلام تم جہاں بھی رہو، مجھے پہنچتا رہے گا!

در اصل زمانہ جاہلیت میں غلوفی الانبیاء و الصالحین نے بت پرستی اور قبر پرستی عام کی تھی اور یہی غلوفی الاولیاء
والصالحین آج بھی بعض مسلمانوں کو گمراہی کی طرف لے جا رہا ہے۔!

”الوسیلہ کا مفہوم اور اولیاء اللہ!“

ہم نے جن اولیاء کرام کے نام سنے اور تصانیف دیکھی ہیں، ان میں سے کسی ایک نے بھی ”الوسیلہ“ کا یہ مفہوم لے کر
شُرک و بدعت کا دروازہ نہیں کھولا اور نہ وہ مقدس بزرگ ان اہل بدعت کے ذمہ دار ہیں۔ فتح الغیب میں شیخ عبدالقادر
جیلانی فرماتے ہیں:-

”اپنی تمام حاجتیں اللہ کے حضور پیش کرو اور تمام خلقت سے منہ موڑ کر اس کے آگے

جھک جاؤ۔ اپنے دلوں کو غیر اللہ سے پاک رکھو اور اس کے سوا کسی سے نفع نقصان

کی امید نہ رکھو۔“ (فتح البرہانی)

اس کے علاوہ غنیۃ الطالبین شیخ جیلانی کی مشہور کتاب ہے، اس میں بھی بدعتوں سے احتراز کی سخت تاکید
پائی جاتی ہے۔!

شاہ ولی اللہ دہلوی کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کے یہاں بھی ولایت و بیعت کا سلسلہ جاری تھا۔ آپ فرماتے ہیں:-

”مشرکین مکہ بتوں کو روجوں کی توجہ کا مرکز قرار دیتے تھے اور آج مسلمان قبروں کو سمجھتے ہیں۔ (نور البکیر)
 ”انبیاء اولیاء ہمہ بندگان خدا اندوخلے و تصرفے در کارخانہ جات الہی نہ دارند نہ درجیات

تبعہ مہمات“ (الہندغ المبین)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

”رفع شر یا دفع بلا کے لئے غیر اللہ کو پکارنا اور ان کو صاحب اختیار سمجھنا شرک ہے (تفسیر عزیزی)
 ”استغاثۃ المخلوق بالمخلوق کا استغاثۃ المسجون بالمسجون“ (بایزید بسطامی)
 ”استعداد و استغانت از اہل قلوب بہر پنج کہ باشد جائز نیست“ (فتاویٰ)
 ”انبیاء اولیاء کی قبروں کی سجدہ کرنا، طواف کرنا، ان سے مراد مانگنا، نذر و نیاز کرنا،
 یہ سب ناجائز حرام و ناجائز ہے“ (مالاہرہ)

منہم الذین یدعون الالہاء والاولیاء عند الحوائج و المصائب باعتقاد ان ارواحہم حاضرتہ تسمع النداء و تعلم الحوائج و ذالک شرک قبیح و جہل صریح
 قال اللہ تعالیٰ و من اضل ممن یدعو من دون اللہ! (توسیح بحوالہ فاران)
 خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد سلطان العارفین قاضی حمید الدین ناگوری فرماتے ہیں
 ”وہ لوگ جو انبیاء اور اولیاء کو حاجتوں اور مصائب میں اس اعتقاد کے ساتھ
 پکارتے ہیں کہ ان کی روحیں حاضر ہوتی ہیں اور پکارنے والوں کی ندا سنتی ہیں، ان کی
 حاجتیں جانتی ہیں تو یہ شرک قبیح اور جہل صریح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جو لوگ
 غیر اللہ کو پکارتے ہیں، ان سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا؟“

اسی طرح دیگر اولیاء اللہ نے شرک فی الذات و الصفات باری تعالیٰ کو حرام قرار دیا ہے اور ان کے اقوال و اعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے ہمیشہ قرآن و سنت کو اپنا لائحہ عمل بنایا اور رد شرک و بدعت کے ساتھ توجید کی علمبرداری کرتے ہوئے ان کی ساری زندگیاں عبادت، تقویٰ، اور ریاضت سے تزکیہ نفس میں گزر گئیں۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین)

معلوم یہ ہوا کہ ”الوسیلہ“ کا غلط مفہوم لے کر ان مشرکانہ رسوم کی اولیاء اللہ کی خوشنودی کے لئے ادا کرنا ان مقدس ہستیوں پر سراسر تمہت جوڑنا ہے، بلاشبہ ان صالحین کی ارواح کو بھی اس نحو سرائی سے اذیت ہوتی ہوگی کہ:-

بہ گرداپ بلا افتاد کشتی مددکن یا معین الدین چشتی
 حقیقت میں دیکھو تو خواجه ہذا ہے ہمیں درپہ خواجه کے سجدہ دعا ہے
 شیئا للہ چون گدائے مستمند المدد خواہم ز خواجه نقش بند!

نعوذ باللہ من هذا و الصفوات و نستغفرہ!

قرآن پاک کی یہ آیت کس طرح دو ٹوک فیصلہ کرتی ہے۔

وإذا سئلك عبادي عني فإني قريب أجيب دعوة الداع إذا دعان۔!

یعنی اے پیغمبر! جب میرا کوئی بندہ تم سے میرے متعلق دریافت کرے کہ (وہ کیونکر مجھ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے) تو تم اس کو بتا دو کہ میں تو اس کے پاس ہی ہوں (دور نہیں کہ رسائی کے لئے کسی ذریعہ اور شفقت کی ضرورت ہو) اور میں اس کی پکار سن کر قبول کرتا ہوں۔

اس آیت کے بعد غیر اللہ سے استمداد، استعانت اور استغاثہ کے لئے کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ یہ وہ اقرار ہے جو خدا اور بندے کے درمیان خالق و مخلوق اور حاکم و محکوم کا رشتہ قائم کر دیتا ہے۔ یہ وہ تعلق ہے جو آیات کثرت و آیات کسنتین" کہتے ہیں صرف ایک ذات کو استعانت و استجداء کا مستحق اعلیٰ تسلیم کرتے ہوئے غیر اللہ کے خوف اور بندگی کا طوق انسانیت کی گردن سے اتار دیتا ہے۔ اور اس حقیقت کے ادراک کے بعد ہی ان مملاتی و نسکی و مجاہی و ممانی للشر رب العالمین کا صحیح لطف آتا ہے۔!

اس سے بڑھ کر ناشکری اور غلم کیا ہوگا کہ اس قادر مطلق کے ساتھ اس کے بندوں کو بھی خدائی میں شریک ٹھہرایا جلتے۔ مالک کیف تکلمون بہ قرآن کریم موجود ہی اور انسان عقل سے بھی محروم نہیں ہوا ہے۔ اگر متاع ہوش و خرد بھی غیر اللہ کی نذر نہ کی گئی ہو تو آجیب دعوة الداع إذا دعان" کی تمثیل قرآن کریم میں نظر آتی ہے۔

وفوحاً إذا نادى من قبلنا فجئنا، واهلك من الكراب العظيم۔ ایوب إذا نادى ربّه انى مسنى الضر وانت ارحم الراحمین فاستجنا له فكشفنا ما به من ضر۔ الخ
وذا الذين اذ ذهب مغانباً۔ الخ

ان انبیاء کی مثالوں سے اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کو پکارتے والوں پر حجت تمام کر دی ہے۔
الار ان لله من فى السموات ومن فى الارض وما يتبع اللذین یدعون من دون الله
فرض کاء، ان یتبعون الا الظن وان هم الا یخبر صوف

یاد رکھنا چاہیے کہ وہ تمام ہستیاں جو زمین و آسمان میں ہیں، سب اللہ ہی کی تابعہ اور فرمانبردار ہیں اور جو لوگ اللہ کے سوا (اپنے بنائے ہوئے) معبودوں کو پکارتے ہیں، تم جانتے ہو وہ کس کی پیروی کرتے ہیں (یقین و بصیرت کی نہیں) وہ تو محض دہم و گمان کے پیچھے چلتے ہیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں، کہہ دو (ہر بات میں) اپنی انگلیں دوڑاتے پھرتے ہیں!
وما بعد الحق الا الضلال۔ حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟

عالم اسلامی میں آج کتنے "لمان ایسے ہیں جو کلمہ حق لا الہ الا اللہ کے عملی تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہوں، کوئی پیر پرستی میں مبتلا ہے، تو کوئی نجومیوں اور اشہباری پامسٹوں کے ہاتھوں توہم پرستی سے ایمان فروشی کر رہا ہے، کسی کو مفاد پرستی سے فرصت نہیں، تو کوئی اقتدار کے نشے میں لٹس پرستی کر رہا ہے اور موجودہ دور کا سب سے بڑا فتنہ یہی ہے!

ربنا لاتنغ قلبنا بعد اذ هدیتنا!

مولوی محمد مجیب اللہ ندوی

عقیدت کا غلو اور اس کے نتائج

ماہر صاحب نے میرے لئے جو موضوع منتخب کیا ہے، وہ بہت نازک بھی ہے اور وسیع بھی۔ اس پر لکھنے کے لئے وسعتِ علم اور وقتِ فکر کے ساتھ پختہ اور مستحقِ قلم کی بھی ضرورت تھی اور ان میں سے کوئی چیز راقم کو معیارِ مطلوب کے مطابق حاصل نہیں ہے، مگر اپنی کم بھنائی کے باوجود دو درجے سے اس پر لکھنے کے لئے تیار ہو گیا۔ ایک تو اس لئے کہ شاید اس کے ذریعہ کچھ بندگانِ خدا کی ذہنی اور عملی اصلاح ہو جائے اور یہ چیز قیامت میں میرے لئے کچھ اجر و ثواب کا سبب بن جائے دوسرے اس موضوع سے کچھ طبعی مناسبت بھی ہے۔

اس مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ راقم کی تعلیم و تربیت جن بزرگوں کے ہاتھوں میں رہی، ان میں سے کسی نے بھی اس بات کی کوشش نہیں کی کہ دین کا کوئی مسئلہ میں ان کی شخصیت کے گرد سمجھوں۔ یا محض ان کی تقلید کی بنا پر اُسے مان لوں۔ بلکہ انہوں نے ہمیشہ اصل ماخذ کی طرف رہنمائی کی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن، سنت، اور اسوہ صحابہ میں جن باتوں کا سراغ نہیں ملتا، ان کی طرفنا طبیعت مائل نہیں ہوتی اور ان سے نفرت ہوتی ہے، خواہ ظاہری طور پر ان کے اوپر دین کے کتے موٹے پردے کیوں نہ ڈال دیئے گئے ہوں۔ اور وہ باتیں کتنے ہی بڑے شخص کی طرف کیوں نہ منسوب ہوں۔!

اردو زبان میں عقیدت اس غیر معمولی محبت اور دل کے لگاؤ اور جھکاؤ کو کہتے ہیں جو کسی چیز یا کسی انسان کی عظمت و محبت کے نتیجے میں پیدا ہو جاتی ہے۔ عربی زبان میں اس لفظ کی اصل ”عقد“ ہے۔ جس کے معنی کسی کو چیز کو کسی کے ساتھ باندھ دینے یا وابستہ کر دینے کے ہیں۔

اسلامی شریعت میں خریدار اور دکاندار آپس میں خرید و فروخت کا جو معاملہ کرتے ہیں، اس کو عقد بیع کہا جاتا ہے۔ یعنی دونوں اس کے ذریعہ ایک دوسرے سے بندھ جاتے ہیں۔

اسی طرح ایک مرد اور ایک عورت نکاح کے ذریعہ باہم زندگی گزارنے کا جو عہد کرتے ہیں، اس کو عقد نکاح کہا جاتا ہے۔ گویا دونوں اس بات کا اعلان کر رہے ہیں کہ ہم آپس میں بندھے ہوئے اور ایک دوسرے کے پابند رہیں گے!

اسی سے عقیدہ کا لفظ نکلا ہے جو آدمی کے دل کو کسی خیال یا کسی حقیقت پر باندھ دیتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ اردو میں یہ لفظ عربی کے اصل معنی میں کچھ مزید اضافہ کے ساتھ بولا جاتا ہے!

مذہبی تاریخ کی یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جب بھی انسان کو کسی ممتاز انسان یا کسی دوسری مخلوق کے ساتھ عقیدت پیدا ہوئی ہے تو اس نے انسان کو انسان یا اس مخلوق کو مخلوق نہیں رہنے دیا ہے، بلکہ اس نے خالق کے مناسبت

میں سے کسی نہ کسی صفت میں اُسے ضرور شریک کر لیا ہے۔ الوہیت میں تو شرک کسی زمانہ میں نہیں رہا۔ مگر صفات الہی یا ربوبیت کا جامہ ہمیشہ اُس نے ممتاز مخلوقات کو پہنانے کی کوشش کی ہے۔ عرب کی بُت پرستی، عجم کی ثنویت، عیدائیوں کی تثلیث اور ہندوؤں کی اجرام و اصنام پرستی، سب میں آپ کو یہی عظمت و عقیدت اور محبت کا غلو کا رفرمانظر آئے گا۔ یہی عظمت کا مفرط احساس ہے جو آنحضرت کو (معاذ اللہ) سے

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

کہتی ہے۔ اور یہی عقیدت کا غلو ہے جو رسول اللہ کو اللہ تعالیٰ سے بھی آگے بڑھا دیتی ہے۔

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمد سے (تو بہ!)

یہ عقیدت کیوں اور کیسے پیدا ہوتی ہے اور پھر یہ کیسے گرا ہی اور اس کے بعد شرک کی صورت اختیار کر لیتی ہے؟ یوں تو اس کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔ مگر اس کے دو خاص سبب کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے:-

۱۔ ایک محبت میں غلو۔!

۲۔ دوسرے عظمت میں غلو!

محبت آدمی کو شرک فی العین میں مبتلا کرتی ہے اور عظمت شرک فی الربوبیت کی طرف لے جاتی ہے۔ غیر اللہ کی محبت و عظمت ابتداء میں شرک نہیں ہوتی مگر اس کے غلو کا نتیجہ ہمیشہ شرک ہی کی صورت میں ظاہر ہوا ہے!

ابتداء میں جب انسان کے دل میں اجرام سماوی کی عظمت پیدا ہوتی تو وہ یک بیک اُن کے آگے سر بسجود نہیں ہو گیا۔ بلکہ ایسا آہستہ آہستہ اور بتدریج ہوا۔ اسی طرح انسان جب کسی ممتاز انسان سے محبت کرتا ہے اور اس کی عظمت اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے، تو ابتداء میں اُس سے اپنی نیاز مندی کا اظہار کرتا ہے، پھر دل میں اُس کے خدا کا مقرب اور محبوب ہونے کا یقین پیدا ہوتا ہے، اب وہ اُس کی مرضی کو خدا کی مرضی اور اُس کے حکم کو خدا کا حکم سمجھنے لگتا ہے۔ اس کے بعد اُس میں مزید غلو پیدا ہوتا ہے اور اب اس کو وہ مظہر الہی تصور کرنے لگتا ہے۔ اب اس مرحلہ پر اگر خدا کا یقین اُس کے دل سے یا تو نکل جاتا ہے یا اگر ہوتا ہے تو وہ یقین اس کے لئے محرک عمل نہیں بنتا۔ عملاً وہ خدا کو انگلستان کے بادشاہ سے زیادہ با اختیار نہیں سمجھتا۔ وہ اُس کی مرضی چاہتا تو ہے مگر وہ سمجھتا ہے کہ اس بارگاہ میں ہم بغیر ان واسطوں اور ذریعوں اور مظاہر کے نہیں پہنچ سکتے۔!

چنانچہ اب وہ اپنی ساری نیاز مندیاں اپنی بے دست دپا واسطوں اور بے قوت ذریعوں کی خوشنودی کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ اس کے دل میں اب اپنی کا خوف ہوتا ہے اور اُن ہی سے ساری امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ وہ ان کو نفع و نقصان کا مالک سمجھتا ہے، اس لئے اُن سے دعائیں کرتا ہے، اُن کے آستانوں اور قبروں پر نذر و نیاز پیش کرتا ہے، اس لئے کہ اُن کے ذریعہ وہ خدا کی مرضی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ غرض یہ کہ تعبد و تدلل اور دعا و طمع کا جو حق صرف خالق کے ساتھ مخصوص ہے، اس کا مظاہرہ مخلوق کے ساتھ کیا جاتا ہے!

آج ہندو قوم اپنے دیوتاؤں رام اور کرشن جی کی تصویروں اور شبیہوں کے ساتھ جو معاملہ کر رہی ہے، وہ عظمت پرستی اور غیر معمولی محبت کے نتائج ہیں۔

اہل فارس میں ثنویت اس لئے رواج پا گئی کہ انہوں نے اسباب کو سبب کا درجہ دے دیا۔

عیسائیوں کی تثلیث، عظمت پرستی اور محبت میں غلو کا نہایت روشن ثبوت ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی شعیہوں کے ساتھ جس نیاز مندی کا اظہار کرتے ہیں، اس میں عقیدت کے غلو کا پورا پورا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ خدا نے ان کو پیار محبت سے روح اللہ کہا تھا۔ انہوں نے ان کو خدا بنا دیا۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے غیر اللہ کی ایسی محبت کو جو خدا کی محبت کے تابع نہ ہو، کسی محبت از مخلوق کی ایسی عظمت اور تکریم کے جس کے ذریعہ اس کے بارے میں ماورائی تصور پیدا ہو، بالکل ناجائز قرار دیا ہے۔ بلکہ اس نے اس سلسلہ میں ان منافقوں کو بھی بند کر دیا ہے جس کے ذریعہ محبت اور عظمت گمراہی کی راستہ نکال لیا کرتی ہے!

عیسائیوں کے غلو فی المحبت اور غلو فی العظمت کا تذکرہ کر کے قرآن نے بارہا یہ تہنیت کی ہے:-

”کاتخلو فی دینکم“ دین میں غلو نہ کرو!

مگر اس کے باوجود آج مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ بزرگوں، پیروں، اور ان کی فیروں کے بارے میں جو تصور رکھتا ہے اور ان کے معائنے جن اعمال کا مظاہرہ کرتا ہے، یہ سب اسی محبت و عظمت کے نتائج اور عقیدت میں غلو کا براہ راست سبب ہیں۔!

مسلمانوں میں یہ چیز کس طرح گھس آئی، اس کی تفصیل کا یہ موقع تو ہے۔ مگر اس کے لئے ایک لمبی فرصت درکار ہے جو حاصل نہیں ہے، اس لئے چند باتیں عرض کر دی جاتی ہیں:-

مسلمانوں میں اجرام سماوی کی عظمت تو کسی زمانہ میں پیدا نہیں ہوئی اور نہ کبھی وہ ان کے آگے سر بسجود ہوئے۔ مگر انسانوں کی عظمت و عقیدت نے ان میں بے شمار گمراہیاں اور ضلالتیں پھیلانی ہیں اور جو مسلمان ان گمراہیوں میں مبتلا ہیں ان کی اکثریت قرآنِ اسلامی سے غافل اور ان کی ادائیگی میں کوتاہ ہوتی ہے۔ مگر ان مراسم کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی کوتاہی اور غفلت نہیں برتنے، جو اس نے ان پر گزیدہ ہستیوں کے لئے مخصوص کر لی ہیں۔ شبِ برات، گیارہویں، رجب کے مراسم وہ ضرور پورے کریں گے، خواہ انھیں قرض ہی کیوں نہ لینا پڑے۔ وہ عرس اور زیارت کے لئے دہلی، اجمیر، کلیر، ردولی اور پھلواری کے سفر میں سینکڑوں روپے صرف کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔ مگر اداے زکوٰۃ اور سفر حج کا خیال ان کو بہت کم آئے گا۔ حتیٰ کہ بعض تو عرس و زیارت کی شرکت کو سفر حج سے بھی زیادہ ضروری سمجھتے ہیں۔ مثال کے لئے ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے:-

میرے ایک عزیز ایک کارخانہ کے منیجر اور برٹے صاحب دولت ہیں۔ چشتی فریدی سلسلہ میں بیعت ہیں، ہر سال وہ اجمیر تشریف لے جاتے ہیں اور وہاں کی چھوٹی اور کبھی بڑی دیگ کا خرچ برداشت کرتے ہیں۔ میرے والد مرحوم نے ان سے ایک دن کہا، آپ پر تو حج فرض ہے۔ آپ ایک سال اجمیر جانے کے بجائے حج ہی کراتے، انہوں نے ایک آہ سرد بھری اور کہا کہ بات تو ٹھیک ہے۔ مگر آپ کو ایک واقعہ سنالوں، انہوں نے اس کے بعد والد کو یہ واقعہ سنایا:-

ایک بزرگ فقہ جنہوں نے اپنی حلال کمائی سے بچا بچا کر سفر حج کے لئے کچھ روپیہ جمع کیا۔ جب سفر خرچ کے لئے روپیہ جمع ہو گیا اور انہوں نے سفر کی تیاری شروع کی تو اتفاق

سے روپیہ چوری ہو گیا۔ اُن کو پھانسی ہو گیا۔ مگر چارہ ہی کیا تھا۔ جب حج کا زمانہ ختم ہو گیا تو کسی دوسرے بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ اس سال کس حج مقبول ہوا ہے، آپ نے ان صاحبان کا نام لیا جو روپے چوری ہو جانے کی وجہ سے زیارتِ حرمین کے لئے نہ جاسکے تھے!

یہ واقعہ بیان کر کے انہوں نے کہا کہ میں ہزاروں روپے اجیر وغیرہ جا کر خرچ کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ بخیر سفر کے ہوئے ہی اُن کے طفیل میں میرا حج قبول فرمائے!

یہ محض ایک واقعہ نہیں ہے، بلکہ یہ واقعہ مسلمانوں کے اس پورے طبقہ کی ذہنیت کا آئینہ دار ہے۔ جن کے دل بزرگوں کی عظمت اور اُن کی عقیدت بطور عقیدہ گھر کر چکی ہے، وہ اُن کی خوشنودی کے آگے خدا کی ناراضگی مول لیتے ہیں اور فراموش کو ترک کر کے مباحات ہی نہیں بلکہ مکروہات تک پر عمل کرتے ہیں۔ اور اس کو ثواب سمجھتے ہیں!

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ عیسائیوں کے غلو کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک جگہ صوفیاء کی اولاد کے بارے میں لکھتے ہیں:-
 "اگر خواہی نمونه ازین فریق ملاحظہ کنی امروز اولاد مشائخ و اولیاء تماشاکن کہ در حق آباء خود چہ نظون دارند و تا کجا کشیدہ بردہ اند و سب علم الذین ظلموا ای منقلب یتقلبون"۔! (تفہیمات اہلبیت ص ۲۲)

اگر اس حلقہ کا نمونہ دیکھنا ہو تو اولیاء و مشائخ کی اولاد کو دیکھو کہ وہ اپنے آبا و اجداد کے بارے میں کیا کیا خیالات فاسد رکھتے ہیں اور اُن کو کس مرتبہ تک پہنچاتے ہیں۔ عنقریب یہ ظالم مائیں گے کہ کس کس کو ٹٹ دے لوٹائے جاتے ہیں!

شاہ صاحب نے محض مشائخ و صوفیاء کی اولاد کا تذکرہ کیا ہے۔ ممکن ہے کہ اُن کے زمانہ میں یہ چیز زیادہ عام ہو۔ موجودہ زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کی اولاد کے ساتھ اُن کے خلفاء متوسلین بھی اس عقیدت کے غلو میں شریک ہیں۔ اہل تقویٰ اور متبع سنت مشائخ و صلحا کی عزت و تکریم یقیناً موجبِ ثواب اور اُن کی صحبت باعثِ خیر و برکت۔ مگر ان صلحا کے متوسلین جس انداز سے ان کی عظمت اور محبت کا اظہار کرتے ہیں، وہ دین میں ایک فتنہ ہے، اس پہلے بھی یہ ذہنیت فتنہ بنی ہے اور آج بھی بن رہی ہے!

عام متوسلین کا حال یہ ہوتا ہے کہ مشائخ سے آزادانہ طور پر وہ کوئی سوال نہیں کرتے، یا نہیں کر سکتے۔ حالانکہ صحابہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تکلف سوال کرتے اور آپ جو اب عنایت فرماتے تھے! اُن کا تذکرہ کریں گے تو اُن نام کے بجائے القاب و آداب سے خطاب کریں گے، حالانکہ آنحضرت کا تذکرہ بھی ہمیں اُن کے نام کے ساتھ بتایا گیا ہے نہیں بلکہ آپ کی عبدیت کا دن میں کئی بار عادی بھی کرایا جاتا ہے!

أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

اس میں آپ کی عبدیت کو رسالت پر مقدم رکھا گیا ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مخلوق کا اصل مقام عبدیت ہے!

خدا کا شکر ہے کہ وہ اس حج کر کے ہیں اور اپنے اعمال میں بہت کچھ تبدیلی کرنی ہے!

یہ حضرات صحابہ کا ذکر، اسلاف کا تذکرہ، اپنے حلقہ کے علاوہ دوسرے حلقہ کے بزرگوں کا ذکر بے تکلف نام لے کر کریں گے، مگر یہ کبھی نہ ہوگا کہ وہ اپنے شیخ کو شیخ، یا مولانا کہہ کر ان کا نام بھی لے لیں۔ حضرت شیخ، چھوٹے حضرت، بڑے حضرت، اعلیٰ حضرت، یا دلم کی نسبت سے ان کو یاد کریں گے۔ بسا اوقات سننے والے کو اس تبلیغ کے سمجھنے میں کئی منٹ لگ جاتے ہیں۔ اور کتے پیارے، تو سمجھ بھی نہیں پاتے ہوں گے!

ان بزرگوں کے اقوال کو، خواہ وہ کتاب و سنت کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں، بطور سنت و حجت پیش کریں گے۔ اس موقع پر ان کا اسلامی احساس نہ جانے کیوں گم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اپنے مشائخ کی عقیدت میں ان کا احساس انتہائی تیز اور نازک ہوتا ہے۔ رسالہ اور مضمین نگار کا نام یاد نہیں، مگر کچھ دن ہوئے ایک عالم دین نے وطن کی محبت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ایک بزرگ کا یہ کشف نقل کیا تھا۔

”ایک بزرگ نے..... اپنا کشف بیان فرمایا کہ گنگا کے پانی میں نورانیت

محسوس ہوتی ہے۔“

مقصود یہ تھا کہ گنگا کی جو عظمت ہندوؤں کے دل میں ہے، اس کا ثبوت بزرگوں کے اقوال سے بھی ملتا ہے، ان بزرگ نے نہ جانے کس موقع پر اور کن حالات میں یہ بات کہی تھی، یا کہی بھی تھی کہ نہیں۔ اس پر انہوں نے غور نہیں کیا۔ بہر حال اس سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے، کیا وہ گراہی کا پیش خیمہ نہیں ہے۔ اگر وہ بزرگ موجود ہوتے تو شاید وہ مضمون نگار کو اس بات پر ضرور ٹوکتے!

اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ایک واقعہ سن لیجئے :-

اعظم گڑھ میں کچھ لوگوں نے اردو کی تردید و امتناع کا کام شروع کیا اور وہ لوگ مولانا تھانوی کے ایک متوسل جو ریٹائرڈ جج ہیں، ان کے پاس بھی گئے۔ اور ان سے اس میں مدد کی درخواست کی، انہوں نے پہلے تو خاموشی اختیار کی، اس کے بعد ایک صاحب کو الگ بلا کر لے گئے اور فرمایا :-

”بھائی میری رائے میں اردو کا کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ زبان کبھی

مٹ نہیں سکتی۔ اس لئے کہ اس زبان میں حضرت (یعنی مولانا تھانوی) کی کتابیں ہیں۔“

قرآن کی زبان کے بارے میں تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ مٹ نہیں سکتی، مگر دوسری کسی زبان کے بارے میں یہ بات کہتی یقیناً ذمہ کی ہی کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ آج اگر مولانا تھانوی موجود ہوتے تو وہ اس مبالغہ آمیز توجیہ کا سنتا پسند نہ فرماتے۔!

استاذ الاستاذ جناب سید سلیمان ندوی فرماتے تھے کہ ایک بار ان کی یہ خواہش ہوئی کہ مولانا تھانوی کی تفسیر کو آسان زبان میں منتقل کر دیں، تاکہ عام لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ ان کے اس ارادہ کی اطلاع جب مولانا کے ایک ممت زلیفہ کو ہوئی تو انہوں نے یہ کہہ کر اس سے سید صاحب کو بازرگھنے کی کوشش کی کہ ”مولانا کے یہ الفاظ الہامی ہیں، اس لئے اس میں تبدیلی نہ ہونی چاہیے۔“

سے سید صاحب نے یہ واقعہ علامہ کے ایک مجمع میں بیان کیا تھا۔ اور خود بھی اظہار احساس کیا تھا!

حاشا و کلام میں نے یہ واقعات بزرگوں کی توہین کے لئے نہیں بلکہ یہ دکھانے کے لئے پیش کئے ہیں کہ عظمت کا غلط تصور آدمی کو کتنی ذہنی گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، اُن کا دامن شرک کی چھینٹوں سے یقیناً پاک ہے۔ مگر اُن کی اس طرح کی بے اعتدالی نہ جانے گئے اللہ کے بندوں کو شرک تک پہنچا دے گی۔ میراجیال ہے کہ آج اگر مولانا اشرف علی تھانوی زندہ ہوتے تو وہ ضرور ان باتوں پر ٹوکتے۔ جس نے زندگی بھر شرک و بدعت کے مٹانے کی سعی کی ہو، آج اس کے بعض متوسلین اس کی عظمت و عقیدت کے ذریعہ خطرناک بے اعتدالی کا دروازہ کھول رہے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے علماء جنہوں نے شرک ہی نہیں، بلکہ چھوٹی چھوٹی بدعتوں کے مٹانے کی کوشش کی، ان خرافات کے رد میں مناظرے کئے، آج وہاں کا یہ حال ہے کہ لوگ دعا کے لئے روپے بھیجتے ہیں۔ اور بخاری کا ختم کر کے دعا کی جاتی ہے، مصر کے لئے بھی ختم بخاری کے بعد دعا کی گئی تھی۔ جس ادارہ کے بزرگوں نے مقررہ وقت پر قرآن خوانی کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ اب وہاں ختم بخاری کی بدعت جاری کی جائے، کس قدر تعجب کی بات ہے۔ مگر آج اس کے خلاف کوئی آواز اس لئے نہیں اٹھ سکتی کہ بعض بزرگوں کے زیر پرستی یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ جن کی عظمت نے زبانوں پر مہر سکوت لگا دی ہے۔!

مجھے اچھی طرح علم ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح کے بہت سے مسائل میں اپنے شیخ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا تھا۔ اور اس پر وہ آخر وقت تک قائم رہے۔ مگر آج میکولر حکومت جس نے مسلمانوں کے پرسنل لاء کی بھی جان نہ بخشی ہو، اس کا لائق مضبوط کرنے کے لئے اس ادارہ کے بعض ذمہ دار اکابر وعظ و پند ہی نہیں، بلکہ مسلسل جدوجہد کے ذریعہ مسلمانوں کو روک رہے ہیں۔ اُن کے وابستگان میں کتنے لوگ ہیں جو اس بے اعتدالی کو سمجھتے ہیں، مگر اس کے خلاف نہ تو آواز اٹھا سکتے ہیں، نہ ان کو ٹوک سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اُن کی عظمت مانع ہے، مگر اسلامی ملکوں میں اقامت دین اور اعلاء کلمتہ اللہ کی جو مختلف تحریکیں چل رہی ہیں، اُس کی مخالفت میں سب سے پیش پیش یہی اہل عقیدت کا گروہ ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔!

اس عقیدت اور عظمت پرستی نے دنیا کی دوسری قوموں کے ذہن و دماغ پر جو اثرات ڈالے ہیں اور جس طرح اُن کو گمراہ کیا ہے، اس کا ذکر چھوڑیے۔ اس نے مسلمانوں کو صراطِ مستقیم سے ہٹا کر علم و عمل کی ایسی پُرچیج دادی میں چھوڑ دیا ہے، بظاہر اس سے ان کا نکلنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔!

یہ گمراہ کن عظمت و عقیدت مسلمانوں میں جس راہ سے سب سے زیادہ آئی، وہ تصوف کی راہ ہے۔ آپ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین اور محدثین کے حالات پر پڑھیے، مفسرین کی زندگی کا مطالعہ کیجئے۔ ممتاز فقہاء کے تراجم دیکھئے ان کی زندگی آئینہ کی طرح صاف و شفاف اُن کے اقوال و افعال واضح اور روشن ہیں، اُن کی حکیمانہ باتیں قرآن و

۱۔ فاضل مضمون نگار کا "تصوف" سے مطلب یقیناً "عمر زہد تصوف" ہے، یعنی وہ تصوف جس میں عجیبیت شامل ہو گئی ہے، در نہ وہ تصوف خالص جو "تزکیہ نفس" کی ضرورت پر زور دیتا ہے اور جو کتاب و سنت سے متجاوز نہیں ہو اُس سے متوحش ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔! (م۔ ق)

سنت سے تعلق پیدا کرنے دل ہوں گی، اُن کی کتابیں ازیداد ایمان کا سبب ہوں گی۔ اُن کی باتوں سے اُن کی بڑائی ضرور معلوم ہوگی اُن کی سیرت کے پڑھنے سے دل میں اُن کی تکریم ضرور پیدا ہوگی۔ مگر ذہن میں اُن کے بارے میں کوئی مادی تصور یا خرق عادت عقیدہ نہیں بیٹھے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی ذات کو کبھی بدعت و شرک کے لئے استعمال نہیں کیا گیا۔ اور اگر استعمال کیا گیا تو اُن کو بھی اسی راہ میں لاکر۔

مگر تصوف میں جب سے فلسفہ کی آمیزش ہوئی ہے، اُس وقت سے آج تک اس موضوع پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یا بزرگوں کے جو ملفوظات اور مکتوبات جمع کئے گئے۔ جن میں اکثر فرضی ہیں، اُن میں مستحبات کو چھوڑ کر اکثر میں ایک طرف اگر کتاب و سنت کی تعلیم کی وضاحت اور اس کے اخلاقی و روحانی پہلوؤں کی صراحت ملے گی تو اسی کے ساتھ کچھ ایسی ذومعنی خرق عادت اور امتیاز پیدا کرنے والی باتیں بھی ملیں گی، جن سے آدمی غلط راہ اختیار کر سکتا ہے۔ اور ایسا ہوا ہے! ان بزرگوں کی نیت و عمل دونوں بخیر تھے۔ مگر تزکیہ نفس کے سلسلہ میں فلسفہ یونان، یوگ اور اشراقیات کی آمیزش سے جو فلسفہ تصوف تیار ہوا۔ اس میں ساری توجہ بے بیادای اعمال پر کم، کیفیات و واردات پر زیادہ رکھی گئی۔ اس لئے فرضی ملفوظات، مکتوبات اور کتابوں کے ذریعہ بھی عقیدت مندوں نے گمراہی پھیلانی اور اُن کے مولفین و مصنفین کی ذات کو بھی کیفیات و واردات کا ایک مجموعہ طلسم بنا دیا۔ اُن کی زندگی کا عملی پہلو تو آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اور صرف وہ پہلو سامنے رہ گیا جو خرق عادت اور عظمت و جلالت کے واقعات سے پُر تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدعت و گمراہی اور شرکِ جلی و خفی کے بے شمار مظاہر و مناظر پیدا ہو گئے۔!

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات جن کا علم و عمل اور ع و تقویٰ، جن کا جذبہ اتباع سنت، جن کے وعظ کا اثر ضرب المثل ہے، جن کا قول ہے کہ گھر کے باہر اگر توحید ہو اور اندر شرک، تو یہ لفظ ہے! مگر کیا آج اُن کی عظمت محض چند کرامات، خرق عادت و واقعات اور گیا رہوں کے فاتحہ تک محدود ہو کر نہیں رہ گئی ہو! کیا اُن کی طرف مواظف و ملفوظات کا ایک طومار نہیں منسوب کر دیا گیا ہے، جن میں اُن کو بنی سے بھی بڑھایا گیا ہے۔

اسی طرح شیخ معین الدین چشتی، نظام الدین اولیاء، بختیار کاکی، زکریا ملتانی رحمہم اللہ تعالیٰ کے تقدس و بزرگی میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ مگر کیا یہ ایک واقعہ نہیں ہے کہ عقیدتِ فاسد اور عظمت پرستی نے اُن کے مزارات کو خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کی عظمت عطا کر دی ہے؟

امام غزالی کی کتاب و سنت سے شغف اور زہد و تقویٰ پر کون شبہ کر سکتا ہے۔ مگر اس کے باوجود فلسفہ یونان اور فلسفہ تصوف کے جو اثرات اُن کی خالص دینی کتابوں تک میں ہیں، اُن پر امام ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی۔ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی وغیرمے حوف گیری کی ہے۔ امام ابن تیمیہ تو اُن کے بارے میں بسا اوقات بہت سخت رائے دیتے ہیں! انہوں نے نبوت کی حقیقت اور استدلال کی نوعیت پر جو کچھ لکھا ہے، اس پر امام ابن تیمیہ نے سخت تنقید کی ہے۔ شرح صدر کی تشریح میں بعض اہل تصوف جو موثر گائی کرتے ہیں اور جس کا کچھ اثر امام غزالی کی کتابوں میں جھلکتا ہے اُس کے بارے میں شاہ ولی صاحب لکھتے ہیں:-

لہذا رقم نے معارف میں کتاب الرد علی المنطقین پر جو تبصرہ لکھا تھا اُس میں متعدد مثالیں دی گئی ہیں!

”خدا سے قربت حاصل کرنے کا صحیح راستہ وہ ہے جس پر انبیاء علیہم السلام چلے ہیں۔ لیکن دورہ شرح صدقہ میں عام تعمقات اور طاعات شائستہ مثلاً صوم وصال، صوم دہر، ہر رات ایک قرآن ختم کرنا، اس قسم کے اور بھی دقیق مسائل جو اچھا علوم اور کیمائے سعادت میں مذکور ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔“

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی عظمت و جلالت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے، ان کے تذکرہ میں صاحب تذکرۃ الاولیاء جن کی علمی و عملی فضیلت بھی مسلم ہے لکھتے ہیں:-

”ایک دن کتے کے بھونکنے پر آپ نے لبیک لبیک کہی، جب مرید نے وجہ دریافت کی تو فرمایا:-
”گفت قوت و مدد سگ از قہر حق تعالیٰ دیدم و آواز قدرت حق تعالیٰ شنیدم و سگ را در میان مذہبم لاجرم لبیک لبیک جو اب دادم؟
دکے کی آواز اور اس کی قوت میں میں نے حق تعالیٰ کا قہر دیکھا اور خدا تعالیٰ کی آواز سنی اس دید و شنید میں میں نے کتے کو در میان میں نہیں پایا اس لئے لاچار لبیک لبیک سے جواب دیا۔“

ایک بار آپ نے فرمایا:- ”تیس سال تک جماعت میں اس طرح شرکت کی ہے کہ تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوتی اور اگر کبھی نماز میں دُتیا کا خیال آگیا تو نماز فضا کر دی ہے! اور اگر دوزخ و بہشت کا خیال آگیا ہے تو سجدہ سہو کیا ہے۔“
ایک بار فرمایا کہ ”قرآن سے فاتحہ اور قل ہو اللہ کے علاوہ کچھ اور نہ سیکھنا چاہیے!“
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے رونے کی آواز سنتے تھے تو نماز ہلکی کر دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ نماز میں بسا اوقات اُن کا خیال فوج کی ترتیب کی طرف چلا جاتا تھا۔ اور پھر ساری ناز اسی حالت میں ختم ہو جاتی تھی۔ مگر نہ آنحضرت نے کبھی نماز فضا کی اور نہ حضرت عمرؓ نے کبھی سجدہ سہو کیا۔ غور کیجئے، جنت و دوزخ کا خیال عین خدا کی مرضی اور ناسا منگی کا خیال ہے۔ مگر ان کے خیال سے سجدہ سہو کیا جاتا ہے۔!

ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کی ایک ایک آیت کو سیکھنا اور پڑھنا چاہیے، اس لئے کہ اس کے نزول کا مقصد ہی یہ ہے! آنحضرت، صحابہؓ اور پوری امت کا اس پر تعامل ہے۔ مگر وہاں صرف سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کے سیکھنے اور پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔!

مکن ہے کہ کچھ لوگ ان اقوال کی تاویل کریں مگر جو تاویل بھی کی جائے گی وہ مزید ایک غلطی اور گمراہی کا سبب بنے گی۔ میرا یقین ہے کہ یہ باتیں جنیدؒ بغدادی کی طرف غلط منسوب کی گئی ہیں۔ اس لئے کہ وہ پابند شریعت اور متبع سنت تھے۔ اور اگر واقعی ان باتوں کی نسبت اُن کی طرف صحیح ہو تو بغیر کسی تاویل کے اُن کو غلط کہنا چاہیے۔ مگر تصوف کا مزاج ہی ایسا بنا ہے کہ اُلٹی سے اُلٹی بات بھی وہاں حقائق و دقائق کا سرچشمہ بن جاتی ہے۔ حضرت بایزید بسطامی کے قول سبحانی ما اعظم ثانی کی کیا تاویل کی جاسکتی ہے؟ شیخ منصور کے انا الحق کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے۔ مگر آج تک تاویل پر تاویل اور اُن کا جواب دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔!

آج شیخ ابن عربی کی جو کتابیں خصوصاً فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ جو تصوف کی جان ہیں۔ ان میں جو باتیں

صراحتہ شریعت کے بلاکل خلاف نظر آتی ہیں، اُن کی طرف کیوں نظر نہیں اٹھتی۔ اگر اٹھتی ہیں تو پھر اُن کی عظمت عقیدت اُن پر تنقید کرنے سے کیوں مانع ہوتی ہے، کیا وہ کتاب و سنت سے زیادہ قابلِ اعتماد اور قابلِ احترام ہیں؟

امام ابن تیمیہؒ ان کو بڑے سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور وہ اپنی دینی غیرت و حمیت کے سبب معذور تھے اس بارے میں امام ابن تیمیہؒ کی رائے سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ مگر ان باتوں کی کیا تاویل ہو سکتی ہے۔ اگر ان کی تاویل بھی ہو سکتی ہے تو پھر دنیا میں ہر غلطی کی تاویل ہو سکتی ہے!

خالق و مخلوق کے درمیان امتیاز و فرق کو دور کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”وجود تو ایک ہی حقیقت ہے، اس میں کثرت کہاں۔ اور شے تو اپنی ضد آپ نہیں

ہوتی، پس مرتبہ وجود میں عین ذات ہے۔ نہ رب ہے نہ عبد ہے؟“

انہوں نے الوکایة اعلیٰ من النبوة کے تحت جو کچھ لکھا ہے اس کی نقل تفصیل سے تو نہیں کی جاسکتی۔ دو تین باتیں

ملاحظہ ہوں۔ اپنی ولایت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”جب ۵۸۶ھ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء و رسل کی ذوات مجھ دکھائے تو میں ایک مقام و

مشہد میں قائم کیا گیا۔ اس جماعت انبیاء میں سے کسی نے مجھ سے گفتگو نہیں کی

مگر پیور علیہ السلام نے تمام انبیاء کے جمع ہونے کی وجہ بیان کی کہ شیخ ابن عربی

کو قطبیت کی مبارک باد دیں اور یہ کہ شیخ قائم ولایت خاصہ مقیدہ ہیں۔“

ولایت کی اس افضلیت پر غور کیجئے کہ نبی ولی کو بشارت تھی رہا ہے اور اسی کے ساتھ واقعہ معراج میں نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی بیت المقدس کی امامت کو سامنے رکھئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام خلیل کیوں ہوا۔ اس کی توجیہ یوں

فرماتے ہیں:-

”حق تعالیٰ وجود ابراہیمؑ میں داخل ہو گیا ہے۔ خواہ یہ صورت روحانی یا جسمانی،

دنیوی ہو یا اخروی۔“

کیا ان تصورات میں اور ہندوؤں کے عقیدہ میں کوئی فرق ہے کہ بشری کرشن، بھگوان کے اوتار ہیں۔ یہ تو میں نے

چند اقتباسات بطور نمونہ دے دیے ہیں۔ ورنہ اس طرح کی باتیں تصوف کی کتابوں سے جمع کی جائیں تو ایک کتاب تیار

ہو سکتی ہے۔!

اوپر ذکر آچکا ہے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین، متاز محدثین، مفسرین اور فقہاء میں ایک سے ایک متفق و

برگزیدہ لوگ گزرے ہیں۔ مگر اُن کی ذات دو وجہ سے فتنہ نہیں بن سکی:-

۱۔ ایک تویہ کہ انہوں نے رموز و اشارات کے بجائے واضح گفتگو کی!

۲۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے جرح و تعدیل کا جو معیار مقرر کیا تھا، اس پر وہ ہر شخص کے اقوال و افعال ہی کو نہیں بلکہ اُس

ایک ایک نقل و حرکت کو جانچتے تھے۔!

مشہور ہے کہ ایک محدث نے ایک محدث کی حدیث اس لئے قبول نہیں کی کہ وہ اپنے ٹھوڑے کو خالی برتن دکھا

پکڑ رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ جب ہمارے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں تو پھر ان کی بات کا کیا اعتبار۔ کسی نے کسی کو بازار میں کھلتے دیکھ لیا اور حدیث کی روایت اُن سے ترک کر دی۔ باپ نے بیٹے کو غیر ثقہ اور بیٹے نے باپ کو غیر ثقہ کہا۔ ابو داؤد نے اپنے لڑکے سے روایت کرنے کو روک دیا تھا۔ اور یہ سختی صرف سماع حدیث تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ اس معیار پر اُن کی پوری زندگی بھی پرکھی جاتی تھی۔ اور جہاں جو خوبی یا خانی نظر آتی تھی اُس کی نشاں دہی کر دی جاتی تھی۔ رجال کی کتاب میں اس طرح کے واقعات سے بھری پڑی ہیں!

ان کی اسی وضاحت اور معیار جرح و تعدیل کی وجہ سے نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب ہونے پائی اور نہ اُن کی طرف، اور اگر ہوئی تو انہوں نے اُس کی نشاں دہی کر دی!

مگر اہل تصوف کے اردگرد جو ماحول پنپتا ہے، وہ محض عظمت و عقیدت کی بنیاد پر پنپتا ہے، وہاں نقد و جرح کا گزر نہیں ہے، وہاں محض تعدیل و توثیق ہونی چاہیے۔ جرح و تنقید سے وہاں ایمان سلب ہو جاتا ہے، وہاں صرف بات مانی اور منوائی جاتی ہے۔ چون و چرا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہاں ظواہر اور کیفیات پر کم، اور کیفیات اور واردات پر زیادہ زور دیا جاتا ہے! اس لئے مجموعی طور پر اس سلسلہ میں داخل ہونے کے بعد آدمی عظمت و عقیدت کے ایک ایسے رشتہ میں بندھ جاتا ہے کہ اس کے بعد اس کو یہ معلوم کرنے کی قطعی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ کعبہ کی طرف جا رہا ہے یا ترکستان کی طرف! —

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر معناں گوید

کہ سالک بے خبر نہ بودز راہ و رسم منزلہا

یہ شعر ساتویں آٹھویں صدی کے سلسلہ تصوف کی نہیں بلکہ اس صدی کے سلسلہ تصوف کی بھی تصویر کشی کرتا ہے! جب تک تصوف کا یہ مزاج اور تصور نہ بدلے گا۔ جس طرح وہ آج سے پہلے ذہنی گمراہی اور عملی بدعت و خرافات کا سبب بنا ہے، آئندہ بھی بنتا رہیگا۔ چنانچہ اکبر کی گمراہی اور اُس کے دین الہی کی ایجاد کا ایک بڑا سبب علوم تصوف اور اہل تصوف کی دقیقہ سنجیاں بھی ہیں، خاص طور پر شیخ ابن عربی کی تشریحات :-

” ایک بار اکبر پر ”حالت عجیب“ اور ”جذبہ عظیم“ طاری ہوا۔ وہ اس وقت شکار میں تھا، شکار موقوف کر کے آجمیر پہنچا، وہاں سے فتچور سیکری آیا۔ شیخ تاج الدین کو بلایا، اور ملا عبد القادر کے بیان کے مطابق رات پر شطیحات و ترہات صوفیہ کے سننے میں مشغول رہا، شیخ تاج الدین نے فصوص الحکم سے فرعون کے ایمان کا مسئلہ پیش کیا اور نہ جانے کیا کیا سمجھایا! —

اپنی تاج الدین کا لغت تلج العارفین ہے۔ ان کے بارے میں ملا عبد القادر نے یہ لکھا ہے کہ ”چند اہل عقیدہ شرعیات نہ بود۔“ مگر اپنی شدت کے باوجود ملا صاحب نے یہ بھی لکھا کہ :-

” رائق و دقائق در علم تصوف و در علم توحید ثانی شیخ ابن عربی “ (جلد ۲ صفحہ ۲۵۸)

اسی طرح اگر داراشکوہ کی گمراہی پر غور کیا جائے تو سرد سمرست کی آوارہ مزاجی کو اس میں بڑا دخل نظر آئے گا۔ جن کے ساتھ وہ رات رات بھر غلوت نشین رہتا تھا! —

یہ تفصیلات میں نے اس لئے پیش کی ہیں اور اس کے لئے قدیم و جدید مثالیں اس لئے دی ہیں تاکہ اس بات کی وضاحت ہو جائے کہ مسلمانوں میں جو مبتدعہ و مشرکانہ باتیں رواج پا گئی ہیں، وہ زیادہ تر عظمت و محبت کی غلط کاری اور عقیدت میں غلو کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں اور اس ذہنیت کے پیدا کرنے میں تصوف کو بڑا دخل ہے! گو کہ اس میں بعض دوسرے عوامل نے بھی حصہ لیا ہے، خاص طور پر ہندوستان اور پاکستان میں تصوف کے ساتھ ایرانی شیعیت اور ہندو اثرات نے بھی کام کیا ہے اور ان دونوں عناصر کو زیادہ تر تیموری بادشاہوں کے جذبہ احسان شناسی اور اسلامی علوم سے ان کی ناواقفیت کی بنا پر عام مسلمانوں کے قلب و دماغ پر چھاپا مارنے کا موقع مل گیا۔ وہ مسلمانوں کو ان کے بنیادی عقیدے سے تو نہیں پھیر سکے، مگر ان کے اندر مذہبی عقیدت کی راہ سے بہت سی ایسی بدعتیں اور گراہیاں پیدا کر دیں۔ جن سے مسلمان آج تک دوچار ہیں! —

ہندوؤں کا مذہبی تصور تو بنیادی طور پر غیر اللہ کی عقیدت کا ایک مرقع ہے، اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ عقیدت پیدا ہی ہوئی ہے۔ ان کے ساتھ کچھ ماورائے طبعی خیالات کے منسوب کرنے کی وجہ سے۔ اسی طرح سے شیعیت کا سارا دار و مدار ہی عقیدت پر ہے۔ ان کی عقیدت نے حضرت علیؑ کو نبوت کے مرتبہ سے آگے بڑھایا۔ ائمہ معصومین کو نبوت کا مرتبہ دیا۔ چنانچہ ائمہ معصومین کی روایت کی ان کے نزدیک وہی حیثیت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت و حدیث کی ہے! ان دونوں عناصر کا سنگم یہاں تیموری شہزادے تھے۔ ایرانی شیعیت کا تختہ تو سب سے پہلے ہمایوں اپنے محسنوں کا بدلہ چکانے کے لئے آیا اور اُس نے یہاں ایسا اثر جمایا کہ تیموریوں کا اثر اس کے آگے کم ہو گیا اور ہندو اثرات کا تو کچھ کہتا ہی نہیں، ان سے تو ان کو دن رات سابقہ ہی رہتا ہو گا۔!

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ تیموری بادشاہوں نے اپنی تمام دینی کوتاہیوں کے ساتھ بزرگوں کی عقیدت اور بے راہ و صوفیوں سے اپنا رشتہ کبھی نہیں توڑا۔ اکبر ایک طرف دین اکہی وضع کرنا اور پوجا پاٹ بھی کرتا ہے، دوسری طرف پاپیادہ اجمیر بھی جاتا ہے۔ شہزادہ سلیم کا نام سلیم اسی لئے پڑتا ہے کہ شیخ سلیم چشتی کی دعا سے یہ پیدا ہوا تھا۔

اس طرح کی سینکڑوں مثالیں ملیں گی۔ غرض یہ چیز شیعیت اور ہندو ازم کے ذریعہ ان میں آئی اور ان کے اثر سے عام مسلمانوں میں پھیلی! الناس علی دین ملوکھم!

اب ایک نظر قرآن دست پر ڈال لیجئے کہ ان میں غیر اللہ کی الوہی عظمت و عقیدت کو کن کن گوشوں سے مٹا یا گیا ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلے اسلام کے تصور عبادت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ لغت میں عبادت رونڈنے اور پامال کرنے کو کہتے ہیں۔ عرب اس راستہ کو بار بار روندنا گیا ہو طریق "معبود" کہتے ہیں۔ اسلام نے اس مفہوم کو ذرا اور وسعت دی ہے گو اس میں لفظ کا اصل مفہوم شامل ہے!

اسلام میں عبادت، اطاعت کے ساتھ اُس اظہار تذلّل، فروتنی اور دل کے جھکاؤ کو کہتے ہیں، جو غایت محبت میں پیدا ہو۔ امام راغبؒ کہتے ہیں:-

۱۔ ایرانی شیعیت کی قید میں نے قصداً لگائی۔ اس سے میری مراد صوفیوں اور ان کے بعد کی شیعیت ہے!

۲۔ باستانائے عالمگیر۔

العبودية اظہار التذلل والعبادة ابلغ منها غاية التذلل
عبودیت اپنی پامالی اور عاجزی کے اظہار کا نام ہے اور عبادت میں اس سے بھی زیادہ
بہ جذبہ پیدا ہونا چاہیے۔ یعنی غایت فروتنی!

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ شرع میں عبادت کمال محبت کو کہتے ہیں۔ امام بغوی کہتے ہیں کہ "عبادت اطاعت کے ساتھ
جھکاؤ اور جھکاؤ کے ساتھ خوف" کو کہتے ہیں۔

اب اگر کوئی شخص دل کی پسندیدگی اور اس کے جھکاؤ کے بغیر عبادت کرتا ہے تو وہ عبادت نہیں کہی جائے گی۔
اسی طرح اگر محبت کے بغیر اس کی اطاعت کرتا ہے تو وہ عبادت نہیں ہوگی۔ بالکل اسی طرح اگر اس کے دل میں
خدا کی عظمت کے مساوی کوئی عظمت پیدا ہو جائے یا کسی غیر اللہ کا خوف اس کے دل میں بیٹھ جائے تو بھی اس کی عبادت
نافع ہوگی۔ امام ابن تیمیہ عبادت کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب عظمت و محبت کے ساتھ تذلل نہ پایا جائے،
عبادت مکمل نہیں ہوتی :-

بل يحب ان يكون الله احب الي العبد من كل شئ وان يكون الله عنده
اعظم من كل شئ بل لا يستحق المحبة والذل التام الا الله تعالى فكل
ما احب بغير الله فحسته فاسدة وما عظم بغير الله كان تعظيها
باطلا۔! (رسالہ عبودیت ص ۶)

ضروری ہے کہ بندہ کے نزدیک خدا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو۔ اور اسی طرح ہر چیز سے
زیادہ اس کی عظمت اس کے دل میں ہو۔ بلکہ محبت اور مکمل عاجزی اور پوری در ماندگی
کا مستحق صرف خدا ہی ہے۔ پس جو محبت خدا کی محبت کے بغیر ہو وہ فاسد محبت ہے
اور جو عظمت خدا کے حکم کے بغیر ہو وہ باطل ہے۔!

اس مفہوم کے ساتھ قرآن نے عبادت کو خدا کے لئے خاص کیا ہے اور ہر مسلمان سے پہنچ وقت نماز میں اسی کا اقرار
کرایا جاتا ہے۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین!

اسی بنا پر ابن عباس سے مروی ہے کہ قرآن میں جہاں عبادت کا حکم آیا ہے، وہاں عبادت سے مراد توحید
باری ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ خدا کی عبادت پوری عظمت، محبت اور اظہار تذلل کے ساتھ ہونی چاہیے۔ عزت و
توقیر اور محبت دوسروں کی بھی کی جاسکتی ہے، مگر اسی قدر جتنی کہ شریعت نے اجازت دی ہے۔ خدا کے سوا کسی ذات کو
بے مرتبہ نہیں دیا جاسکتا کہ اس کی مرضی خدا کی مرضی ہو۔ اس کی سفارش توفیق دے جب نجا اس کا تقرب و واسطہ خدا

لہ توحید کے معنی صرف خدا کو خالق سمجھنے یا ایک ملنخ کے نہیں ہیں بلکہ اس کو اس تصور کیساتھ ماننے کا نام توحید ہے کہ وہ اپنے
پورے اختیارات اور قوت و قدرت کیساتھ اس کائنات کو چلا رہا ہے۔ الا له المخلوق والاکاھ!
اللہ رسول کی مرضی، ان کی محبت اور ان کی شفاعت سے یہاں بخت نہیں ہو بلکہ یہاں توحید کا مفہوم بیان کرنا مقصود ہے!

کا تقرب و واسطہ بن جائے۔ مشرکین عرب جو بتوں کی نیاز مندی اور ان کے استھانوں پر نذر و نیاز کرتے تھے، ان سے جب کہا گیا کہ وہ تمہارا کون سا واسطہ ہے تو پھر خالص اسی کی عبادت اور طاعت بھی کرو، تو وہ کہتے تھے کہ ہم عبادت تو خدا ہی کی کرتے ہیں، ان دیوی دیوتاؤں کو تو صرف تقرب الہی کا ذریعہ بنا یا ہے!

ما نعبدہم الا لیقربون الی اللہ زلفی!

ہم ان کی عبادت محض تقرب الہی کے لئے کرتے ہیں!

ان کا یہ جواب بظاہر کتنا معصوم اور صحیح معلوم ہوتا ہے کہ واسطہ کے بغیر تو دینا کا کوئی معمولی سے معمولی کام بھی نہیں ہوتا، خدا کی اس بلند بارگاہ تک ہم ان واسطوں کے بغیر کیسے پہنچ سکتے ہیں۔ اگر آپ جائزہ لیں تو اس پر صغیر میں لاکھوں مسلمان ایسے ملیں گے کہ جب ان کو ان کی گمراہیوں اور بدعتوں پر ٹوکیں گے تو وہ یہی جواب دیں گے کہ ہم تو خدا تک ان کے ذریعہ اپنی درخواست بھیجتے ہیں۔ مگر ان کا یہ جواب محض اپنی بدعتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے ہوتا ہے۔ عملاً ان کی ساری نیاز مندی اپنی واسطوں کے ساتھ ہوتی ہے، وہ جس ذوق و شوق اور خشوع و خضوع کے ساتھ ان ذریعوں اور واسطوں کے سامنے جلتے ہیں، اُس خضوع و خشوع اور ذوق و شوق کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں ایک دن بھی نہ جاتے ہوں گے!

اگر ان کا یہ جواب تسلیم بھی کر لیا جائے تو کیا اسلام میں اس تصور کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ خدا کی بارگاہ میں ہم ان واسطوں کے بغیر نہیں پہنچ سکتے، یا ہر اچھا شخص وہاں سفارتی ہو سکتا ہے۔ قرآن نے اس کی بار بار وضاحت کی ہے :-

واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان -

جب میرے بندے میرے بارے میں تم سے پوچھیں تو ان کو بتا دو کہ میں ان سے قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔ جب بھی وہ پکارے!

وتنحن اقرب الیہ من جبل الوریذ من یحیب المضطر اذا دعاه ولا تنفع الشفاعة عندہ الا باذنه!

میں رگ گلبے سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ پریشان حال کی دعا کو سنتا ہے جب وہ خدا کو پکارتا ہے۔ اس کی بارگاہ میں اجازت کے بغیر کسی کی سفارش فائدہ نہیں پہنچا سکتی!

اسی کے ساتھ یہ اعلان بھی کر دیا کہ :-

قل ادعوا الذین نزلنا من دونہ فلا یملکون کشف الضر عنکم ولا تحویلا
اولئک الذین یدعون فیبتغون الی ربہم الوسیلة ایہم اقرب
ویرجون رحمة وینحون عذابہ!

لہ قرآن نے متعدد جگہ ان کے اقوال نقل کئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذات خداوندی کے منکر نہیں تھے!

کہہ دو کہ جن کو تم خدا کے سوا کچھ سمجھتے ہو ان کو بلا دو تو سہی، سو وہ نہ تو تمہاری تکلیف کو دور کر سکیں گے اور نہ ان کو اس کے بدلنے کا کچھ اختیار ہے۔ یہ جن کو پکارنے میں وہ خود ہی اپنے رب کی خوشنودی کی تلاش میں ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب بارگاہ بنتا ہے اور وہ خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں!

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے بارے میں کہا تھا کہ:-

لاستغفرون وما املك من الله من شيء!

میں آپ کی مغفرت خدا سے چاہوں گا مگر میں آپ کے بارے میں خدا کے یہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا!

تاکہ یہ تصور مٹ جائے کہ خدا کا مقرب ترین خدا کی حسدائی میں دخیل ہے!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ اعلان کر لیا گیا کہ:-

قل لا املك لنفسی نقلاً عنراً

میں اپنے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں!

یہ موضوع کچھ ایسا ہے کہ قلم اس کے جس پہلو پر چل پڑتا ہے تو چلتا ہی جاتا ہے، اس لئے اس احساس کے باوجود کہ قلم اصل موضوع سے ہٹنے نہ پائے کہیں کہیں ہٹ ہی گیا ہے۔ اس کے لئے میں ناظرین سے معذرت خواہ ہوں۔ بات یہاں تک پہنچی تھی کہ ایسی عظمت و محبت جو کسی مخلوق کی عقیدت کے غلو میں مبتلا کر دے جو کسی درجہ میں بھی خدا کی عظمت و محبت کی جگہ لے لے، اسلام اس سے روکتا ہے!

محبت پہلے محبت کو لیجئے۔ قرآن و حدیث میں بے شمار آیات جن میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ محبت صرف خدا کی ہونی چاہیے۔ دوسروں سے محبت کی جاسکتی ہے مگر وہ محبت خدا کی محبت کے تابع ہونی چاہیے۔ مشرکین عرب خدا سے محبت رکھتے تھے، مگر ان کی محبت دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک طرف وہ خدا سے بھی محبت کرتے تھے، دوسری طرف بتوں کی محبت بھی ان کے دلوں میں اسی طرح سرایت کئے ہوئے تھی۔ ان کی اس روش کے خلاف مومنین کی روش کو سراہا گیا:-

ومن الناس من يتخذ من دون الله انداداً يحبونهم كحب الله والذين

آمنوا أشد حباً لله - (بقرہ - ۱۹)

بعض لوگ جو خدا کے علاوہ کسی کو شریک خدا ٹھہرا لیتے ہیں، وہ ان سے ایسی محبت کرتے

ہیں جیسی خدا سے کرنی چاہیے۔ اور جو لوگ مومن ہیں وہ قوی محبت صرف خدا سے رکھتے ہیں!

اس میں لفظ "انداداً" قابل غور ہے۔ "زند" کے معنی کسی کو کسی کے برابر قرار دینے کے ہیں، یعنی محبت یا کسی امر میں خدا کے مثل کسی کو قرار نہیں دینا چاہیے۔ مگر مشرک اس کے مثل قرار دیتے ہیں۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:-

"خدا اور غیر خدا کو محبت میں برابر کر دینا، خواہ وہ کوئی ہو، یہ مشرکین کا کام ہے۔"

علامہ رشید رضا اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"انداد کے معنی جمہور مفسرین کے یہاں اصنام اور اوثان سے زیادہ عام ہیں۔ اس میں

وہ ممتاز لوگ بھی شامل ہیں جن کے احکام کے آگے لوگ بچھڑ جاتے ہیں اور اس پر آگے کی آیت دلالت کرتی ہے اذ تعبراً الذین ابتغوا ان الذین ابتغوا
تو مراد یہ ہے کہ انسان اپنے انداز سے وہ طلب کرے جو خدا سے طلب کرنا چاہیے یا اس
سے وہ احکام قبول کرے جو خدا کی طرف قبول کرنا چاہیے۔

حدیث میں آتا ہے کہ تین باتیں جس میں ہوں، اس نے ایمان کی لذت پائی۔ ان میں ایک یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول کی
محبت ماسوا اللہ کی محبت پر غالب ہو۔ دوسرے یہ کہ کسی سے محض خدا کے لئے محبت کرے۔ تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر
میں لوٹنا پسند نہ کرے!

آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کام ایسا نہ کرے جو اسے کفر کے راستہ پر ڈال دے۔ اسی لئے حدیث میں بار بار —
”الحب فی اللہ والبیغض للہ“ کی تاکید آتی ہے۔ یعنی غیر اللہ سے جو محبت بھی کی جائے وہ خدا کی محبت کا طفیل اور صدقہ
ہو، وہ محبت بالذات اس مخلوق سے نہ ہو کہ وہ محبت خدا کی محبت کی مقابل نہ بن جائے یا اس کی محبت خدا کی محبت کی
جگہ لے لے، اس لئے قرآن نے محبت کے سلسلہ میں یہ اعلان کر دیا ہے کہ —

قل ان کان آباءکم و ابناءکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموالکم اقترفتموھا
و تجارۃ تخشون کسادھا و معاکن ترضون احب الیکم من اللہ و رسوله و جہد فی
سبیلہ فتزویجوا حتی یاتی اللہ باہرہ ! (توبہ - ۲)

کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہاری بھائی اور تمہاری بیویاں اور
تمہارا خاندان اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے منہ سے ہونے کا تمہیں خوف
ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد
کرنے سے زیادہ محبوب ہو جائیں تو خدا کے حکم کا انتظار کرو!

یہ حقیقت بھی ذہن میں رہے کہ یہ بات صحابہ کرام کو مخاطب کر کے کہی گئی ہے!

سیفان بن عیینہ سے کسی نے پوچھا کہ ان لوگوں کا حال کیا ہو گا جو اپنی خواہشوں سے شدید محبت رکھتے ہیں ؟
انہوں نے کہا تم کو قرآن کی یہ آیت بھول گئی۔

واشربو فی قلوبہم العجول - ان کے دل میں پھڑے کی محبت پلا دی گئی۔

ابن عیینہ نے اپنے اس مختصر سے جواب میں غیر اللہ کی محبت کی ایک پوری تاریخ بیان کر دی ہے۔ مصریوں کے
دل میں گزرا سالہ پرستی گھر کر چکی تھی۔ بنی اسرائیل جو دنیا میں توحید کے علمبردار تھے، مصر میں رہتے تھے۔ ان کے دل میں بھی
گائے کی محبت سراپت کر گئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پھر توحید خالص کا سبق ہی یاد نہیں دلایا۔ بلکہ ان کو
مصر کی فضا سے نکال کر شام کی طرف لے گئے۔ لیکن بنی اسرائیل نے راستہ میں کچھ لوگوں کو بت پرستی کرتے دیکھا۔ گائے
کی محبت پھر ان کے دل میں عود کر آئی اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا ”اجعل لنا الہا کما الہم“!

لہ رسول کی محبت کو اس آیت کی روشنی میں دیکھنا چاہیے ان کنتم تحبون اللہ فابتعونی۔ یعنی رسول کی محبت خدا کی محبت کے تحت ہے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس پر بڑی سخت تہنیت کی۔ فرمایا:-

قال هؤلاء متبرما هم فيه وياطل ما كانوا يعملون قالوا غير الله ابغىكم وهو فضلکم
على العالمين۔ (اعراف)

یہ جس کام میں لگے ہوئے ہیں یہ برباد کر دیا جائے گا اور یہ بے بنیاد یا اطل کام کر رہے ہیں۔
اور کہا کہ کیا میں اللہ کے علاوہ کسی کو معبود تجویز کر دوں؟

اس اثنا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر شرف تکلم کے لئے بلائے گئے۔ بنی اسرائیل کو موقع ملا۔ انہوں نے فوراً
ایک گائے کا بچھڑا بنا کر اس کی نیاز مندی شروع کر دی۔ ان کی اس گٹرمانتا کو قرآن نے :-
وانشرلونی قلوبہم العجل۔ ان کے دل میں گٹرمانتا پرستی پلا دی گئی ہے!
سے تعبیر کیا ہے!

غرض یہ ہے کہ غیر اللہ کی محبت جو خدا کی محبت کے مقابل بن جائے، اسلام میں وہ ناپسندیدہ ہے۔ یہ محبت دو
طرح کی ہوتی ہے۔ ایک محبت طبعی، دوسرے محبت اختیاری۔ مثلاً بیوی بچوں کی محبت، ماں باپ کی محبت، ذوق و
خواہشات کی محبت۔ ان سب چیزوں سے محبت کی جاسکتی ہے۔ مگر اس میں غلو کا نتیجہ بے عملی، پھر بد عملی اور اس کے بعد
شُرک فی العمل کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے! یعنی یہ محبت شرعی اعمال میں پہلے غفلت اور غفلت کے بعد اس کے خلاف
کرنے کی جرأت پیدا کرتی ہے۔ اور آخر میں وہ خدائی احکام کی جگہ لے لیتی ہے!
اختیاری محبت سے مراد یہ ہے کہ آدمی کسی خارجی سبب یا عظمت کی بناء پر کسی سے محبت کرنے لگتا ہے۔ مثلاً استاد
کی محبت، بزرگوں اور صلحاء کی محبت، انبیاء کی محبت، ان میں سے ہر ایک سے محبت کا حکم دیا گیا ہے، مگر ان سب کیلئے
حدود مقرر ہیں، اگر ان حدود سے ذرا بھی تجاوز کیا گیا تو دل میں ان کی طرف سے وہی عقیدت پیدا ہوتی ہے جو گمراہی اور
فتنہ کا سبب بن جاتی ہے اور جس سے آہستہ آہستہ تصور توحید میں رخنہ پڑتا ہے!

عقیدت کا دوسرا سبب کسی انسان کی غیر معمولی عظمت ہے، عظمت و کبریائی خدا کی مخصوص صفت ہے، اس
میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ ولہذا لکبریا فی السموات والارض۔ حدیث میں آتا ہے:-

العظمة ازای والكبرياء ردائی فمن تازعنی واحداً منهما عذبتہ

عظمت میرا جامہ اور کبریائی میری چادر ہے، ان میں سے ایک کو بھی کوئی ہاتھ

لگائے گا تو میں اس کو عذاب دوں گا!

قرآن و سنت میں جہاں کبر و غرور کی ممانعت آئی ہے کہ یہ خدائی میں شرک ہے۔ وہیں غیر خدا کی ایسی تعظیم
و عقیدت سے بھی روکا گیا ہے۔ جس کا ڈانٹا خدا کی عظمت و عقیدت سے مل جاتا ہے!

قرآن و سنت میں ادب و لحاظ کی ترغیب دی گئی ہے۔ مگر جس ادب و لحاظ اور عزت و توقیر میں ادنیٰ شائبہ
بھی عظمت پرستی یا یادگار پرستی کا تھا، اس نے اس کو ختم کر دیا ہے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ دنیا کی بیشتر قوموں کی گمراہی کا

طبعی محبت سے مراد یہ ہے کہ فطری طور پر آدمی میں ان چیزوں کی محبت ہوتی ہے!

سب عظمت و محبت ہی میں افراط و تفریط ہے۔ خاص طور پر عیسائیوں نے اس میں سب سے زیادہ غلو سے کام لیا تھا۔ اس لئے قرآن نے بار بار ان کو تنبیہ کی کہ۔

لَا تَغْلُو فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ الْاِحْقَاقَ اِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَةٌ -

اپنے دین میں غلو سے کام نہ لو اور خدا کی شان میں غلط بات مت کہو۔ عیسیٰ بن مریم محض خدا کے رسول اور اس کے کلمہ میں۔

دین میں غلو کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی عظمت میں اتنا غلو نہ کرو کہ ان کو خدا کا شریک ٹھہرا دو۔ حضرت عیسیٰ کی عظمت اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ خدائی میں شریک ہیں، بلکہ ان کی عظمت اس وجہ سے ہے کہ خدا کے رسول اور اس کا حکم لے کر آئے ہیں۔ دینی تاریخ کا یہ ایک افسوسناک واقعہ ہے کہ اہل دین نے ہمیشہ انبیاء و صلحاء اور برترگوں کی مفرط تعظیم کی ہے اور ان کی عقیدت میں غلو کیا ہے تو ان کے بارے میں ماورائے بشریت خیالات پیدا ہوئے ہیں۔ اور ان خیالات کی وجہ سے شرک و بدعت کے بے شمار مظاہر وجود میں آگئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت محمدیہ کو ہمیشہ تنبیہ کی کہ وہ مدح و ستائش اور تعظیم و تکریم کے سلسلہ میں کوئی ایسا رویہ اختیار نہ کریں جس سے یہ مترشح ہو کہ آپ خدا کی مشیت اور مرضی میں کچھ دخل ہیں۔ آپ نے فرمایا:-

لَا تَطْرُقُنِي كَمَا اطْرُقَتِ اَنْصَارِي عِيسَى بِنَ مَرْيَمَ وَاِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ لِقَوْلِ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولُهُ -
مجھے اتنا نہ بڑھاؤ جتنا عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا۔ میں خدا کا بندہ ہوں تو مجھے خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:-

لَا تَطْرُقُنِي كَمَا اطْرُقَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى

میرے بلے میں اتنا مبالغہ نہ کرو جتنا یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کے بلے میں کیا ہے!

قرآن نے عظمت کے اسی غلط تصور کو مٹانے کے لئے ان مواقع پر جہاں آپ کی عظمت و تکریم کا اظہار ہوتا ہے ہمیشہ آپ کو عبد اور رسول کے لفظ سے خطاب کیا ہے۔ جس سے یہ ذہن نشین کرانا مقصود ہوتا ہے کہ کوئی بندہ کتنا ہی بلند مرتبہ اور خدا کا مقرب کیوں نہ ہو، وہ بہر حال عبد ہی رہتا ہے، معبود نہیں ہو سکتا۔ اس کی بلندی اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ دائرہ عبدیت سے نکل کر معبودیت تک پہنچ گیا ہے، بلکہ اس کی بلندی اس وجہ سے ہے کہ اس کا رشتہ عبودیت مضبوط سے مضبوط تر ہے!

واقعہ معراج آپ کی بلندی مرتبت کا ایک روشن ثبوت ہے۔ مگر اس موقع پر آپ کو خدا نے اشرفیٰ بعبادہ کے لفظ سے کیا۔ شرح صدر خدا کی ایک مخصوص نعمت ہے، جو آپ کے لئے خاص ہے، رفع ذکر آپ کی رفعت کا ایک خاص نشان ہے، جس کا ذکر خدا نے ورفعتاً لک ڈکوک کے لفظ سے کیا ہے، مگر اسی کے ساتھ یہ تصور بھی بٹھا دیا کہ یہ بلندی مرتبت خدا کا عطیہ ہے، اس لئے عطیہ خداوندی کا شکر بجالاؤ۔ فاذا فرغت فانصب وانى ذبک فارغب آپ کی نماز اور قرأت قرآن کا ذکر قرآن میں بطور رفعت شان ہے، مگر الفاظ ملاحظہ ہوں:-

لما قام عبد الله يدعوه - جب خدا کا بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کو پکارنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے! آپ کی زبان سے خدا تعالیٰ کا بار بار اعلان کرا ہوا۔

قل انا بشر مثلكم يوحى الی - کہہ دو کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں مگر میری طرف وحی آتی ہے (اور تم اس فضل سے محروم ہو)

ایک مسلمان کے ذہن میں دن میں کئی بار یہ تصور بٹھایا جاتا ہے۔ ان محمد، آج عبدہ ورسولہ۔ محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

بنو عامر کا وفد خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ تو ان میں سے بعض نے کہا کہ آپ ہمارے سید و آقا ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ سید تو خدا ہے۔ ان لوگوں نے پھر کہا۔ آپ ہم سب سے افضل و برتر ہیں۔ فرمایا کہ۔

قولوا لکم ولا یستجربکم الشیطان !

یہ کہو مگر کہیں شیطان تم کو اپنا وکیل نہ بنا لے!

ایک دفعہ آپ کو کسی نے ان الفاظ سے مخاطب کیا:-

”اے ہمارے آقا اور ہمارے آقا کے فرزند اور اے ہم میں سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے فرزند!“

آپ نے سنا تو فرمایا۔ ”لوگو! تقویٰ اختیار کرو۔ شیطان تم کو گمراہی میں نہ ڈال دے!“

انا محمد بن عبد اللہ ورسولہ واللہ ما احدث ان ترفعونی فوق منزلتی التي انزل علی اللہ

عزوجل۔!

میں محمد بن عبد اللہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں پسند نہیں کرتا کہ مجھے تم میرے اس مرتبہ سے

زیادہ بڑھاؤ جو خدا نے میرے لئے مقرر کیا ہے!

اکثر نیک لوگوں کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کی مشیت عین خدا کی مشیت ہوتی ہے۔ ان کی دعا سے نظام

کائنات میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ اس میں نہ صرف یہ عقیدہ تو ہیں بلکہ بعض اہل توحید مسلمان بھی مبتلا ہیں۔ آنحضرت

نے اس غلطی پر بار بار متنبہ کیا اور بتایا کہ اس کائنات میں مشیت صرف خدا کی ہے۔ کوئی انسان خواہ کتنا ہی ممتاز کیوں

ہو، اس کی مرضی اور مشیت کو اس کا رخا نہ رنگ و بو میں کوئی دخل نہیں ہے۔ قرآن نے اس بارے میں بار بار وضاحت

کی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی۔ آپ کے ارشادات ملاحظہ ہوں:-

ایک شخص نے ایک بار کہا کہ ”ما شاء اللہ و ما شاء محمد“ یعنی خدا جو چاہے اور آپ جو چاہیں۔ آپ نے سنا تو فرمایا۔

”لو ما شاء اللہ ثم شاء محمد“ (یہ کہو کہ خدا جو چاہے اور اس کے بعد محمد جو چاہیں)

اس میں آپ نے حرف عطف یعنی واؤ کے ساتھ و شاء محمد کہنے سے منع فرمایا کہ اس میں مساوات پائی جاتی ہے۔

اس کے بجائے آپ نے ”ثم“ کہنے کی ہدایت فرمائی۔ جس سے فرق مراتب کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت ایک

دوسری روایت سے ہوتی ہے۔

ایک شخص نے کہا کہ ”ما شاء اللہ و ما شئت“ آپ نے سنا تو فرمایا:-

أجعلني لله نداً قل ما شاء الله وحده -

کیا تم مجھے خدا کا مثل ٹھہراتے ہو۔ صرف خدا کی مشیت کا اظہار کرو!

اسی ہمارے آپ نے غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع فرمایا۔ خواہ قرآن اور رسول ہی کی قسم کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس سے غیر اللہ کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی قسم کھائے تو خدا کی قسم کھائے۔ در نہ خاموش رہے۔ آپ نے غیر اللہ کی قسم کو شرک قرار دیا۔
من حلف بغير الله اشرك!

ایک بار آپ گزر رہے تھے، ایک شخص آپ کو دیکھ کر اس قدر مرعوب ہوا کہ کانپنے لگا۔ آپ نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا کہ:-

”ڈرو نہیں، میں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں۔ جو گوشت خنک کر کے کھایا کرتی تھی!“

اس معمولی سے وصف کی نسبت اپنی طرف اس لئے کی کہ یہ واضح ہو جائے کہ خوف و رعب خدا سے ہونا چاہیے، اپنے جیسے انسان سے نہیں۔

یہ ہدایات اس ذات کے ہاں میں دی گئی ہیں۔ جس کی محبت ایمان کا جزو اور جس کی عزت و تکریم نجات کا ذریعہ ہے۔ لیکن آپ نے ایسا اس لئے کیا کہ اس سے پہلے انبیاء کی مفروضہ محبت، غالی عظمت اور عقیدت نے شرک کی راہیں پیدا کر لی تھیں۔ بڑے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان ہدایات کے باوجود نبوت محمدی اور صلحاء و اخیار کی عقیدت و عظمت کے سلسلہ میں وہ گمراہیاں مسلمانوں میں رواج پا گئیں جن کے مٹانے ہی کے لئے وہ ہدایات دی گئی تھیں!

یادگار پرستی | اسی عظمت پرستی اور عقیدت کیشی کا ایک نتیجہ یادگار پرستی ہے، آدمی جب کسی انسان کو بڑا ممتاز سمجھ لیتا ہے اور اس کی عقیدت اس کے دل میں گھر کر جاتی ہے تو وہ اس کی یادگار قائم کرتا ہے۔ ابتدا میں یہ

چیزیں محض ایک یادگار ہوتی ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ یادگار، یادگار پرستی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اگلی قوموں نے اپنے پیشواؤں کی وفات کے بعد یادگار قائم رکھنے کے لئے ان کی شبیہیں اور تصویریں بنائیں۔ ان کی یادگاریں دکھیں

ان کی قبروں پر نذر و نیاز کی رسمیں ایجاد کیں۔ پھر آہستہ آہستہ ان کو عبادت گاہ اور سجدہ گاہ بنا دیا۔ اور اب ان کی ساری نیاز مندی اور سجدہ پرستی اپنی کے گرد ہونے لگیں۔ یہ یادگار پرستی، قبر پرستی اور تصویر پرستی ہی تک محدود

نہیں ہے، بلکہ اس کی اور بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، خاص کر مسلمانوں میں۔ کہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جامہ مبارک اور موئے مبارک کی یادگار قائم ہے، کہیں نعلین مبارک سر پر رکھ کر ان کے سامنے عقیدت کیشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

یہ یادگاریں صرف آنحضرت کے متروکات ہی تک محدود نہیں ہیں۔ بلکہ اس میں بزرگوں اور صالحان کے آثار و متروکات رکھ رہے ہیں۔ ان میں بیشتر فرسٹی ہیں۔ اگر واقعی ان متروکات کی نسبت آپ کی طرف صحیح ہو تو وہ قابل احترام ہیں

مگر بہر حال ان کا احترام آپ کے حقیقی متروکات کتاب و سنت سے زیادہ یا ان کے حدود سے باہر تو نہ ہونا چاہیے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تمام یادگاروں سے روک دیا ہے، جس سے آدمی اپنی توجہ خدا کی عظمت کے

بجائے یا اس کے ساتھ کسی دوسری مخلوق کی عظمت کی طرف مبذول ہو جائے۔ اس دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے باعظمت کون انسان ہو سکتا ہے۔ مگر آپ نے اپنی بھی اس طرح کی یادگار قائم کرنے کی سخت ممانعت فرمائی ہے!

اسی بنا پر آپ نے تصویروں اور شبیہوں کے رکھنے ہی سے نہیں قبروں کے پختہ کرنے سے منع فرمایا۔ آپ نے اپنے تمام تزویرات کو صدقہ قرار دیا۔ تاکہ لوگ اس کو پرستش کے لئے یادگار نہ بنالیں۔ اور یہ چیز دنیا میں فتنہ بن جائے۔ اگلی امتوی نے اپنے انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ اور عید گاہ بنا لیا تھا۔ اس لئے آپ نے بار بار تاکید فرمائی :-

لا تتخذوا قبوری مسجداً - میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔

دوسری روایت میں ہے کہ :-

لا تتخذوا عیداً - میری قبر کو عید نہ بنانا۔

آپ کو اس کا اس قدر خیال تھا کہ وفات سے پانچ دن پہلے آپ نے فرمایا :-

”تم سے پہلے لوگ قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے۔ دیکھو میں تم کو منع کرتا ہوں

کہ قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنا لینا۔“

وفات سے چند گھنٹے پہلے آپ نے فرمایا کہ :-

”خدا یہ دو نصاریٰ پر لعنت کرے۔ ان لوگوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو

سجدہ گاہ بنا لیا!

آپ نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبر نہ بنا لینا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے گھر قبروں کی طرح نہ ہوں۔ جہاں ذکر،

عبادت اور دعا ممنوع ہے۔ آپ نے قبروں کے سلسلہ میں دو لفظ فرمائے ہیں۔ ایک ”مسجد“ دوسرے ”عید“۔

مسجد کا مطلب یہ ہے کہ وہ افعال جو مسجدوں کے لئے مخصوص ہیں، ان کا مظاہرہ قبروں پر نہ ہونے لگے۔ اور عید کے لفظی

معنی بار بار لوٹنے کے ہیں۔ پس ہر وہ مقام عید ہے، جہاں لوگ بار بار جاتے ہیں۔ ہر وہ زمانہ عید ہے جس میں بار بار

کوئی خاص کام کیا جاتا ہے۔ ہر وہ اجتماع عید ہے جو بار بار پیش آتا ہے۔

گویا آپ نے قبروں پر مکانی، زمانی اور صورتی ہر طرح کی عید سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے اسی وجہ سے ان چیزوں

سے بھی روک دیا ہے جو قبروں کے عید یادگار بن جانے کا سبب بن جاتی ہیں۔ مثلاً قبروں پر چسراغ جلانا۔ منبتیں مانگنا۔

دعا کرنا۔ کسی قبر کو سامنے کر کے نماز پڑھنے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ کہ قبر کی عظمت کا کوئی تصور نماز پڑھنے والے یا

دیکھنے والے کے ذہن میں نہ بیٹھ جائے!

چنانچہ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں بڑے بڑے حادثات پیش آئے، قحط پڑے، وبا میں پھوٹس، مکر ایک

صحابی نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے قریب جا کر نہ دعا مانگی اور نہ آپ کو واسطہ بنایا!

بیشتر ائمہ اسلام قبر نبویؐ کے پاس بھی درود و سلام کے علاوہ دعا مانگنے کی اجازت نہیں دیتے۔ جو ائمہ اسکی

اجازت بھی دیتے ہیں، وہ یہ شرط لگا دیتے ہیں کہ قبر شریف سامنے نہ ہو۔ اس یادگار پرستی کو کس کس طرح مٹایا گیا ہے

اس کے سلسلہ میں چند واقعات اور ملاحظہ ہوں :-

مشرکین عرب ایک درخت کی تعظیم کرتے تھے۔ اور اس پر اپنے ہتھیار لٹکانے لگے۔ مسلمانوں نے دیکھا تو

ان کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ اگر ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی درخت ہوتا تو اچھا تھا۔ آپ کو اس کا علم ہوا تو فرمایا :-

”اللہ اکبر! تم نے تو وہی بات کہہ دی جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہی تھی :-

اجعل لنا الھما کما لھم الھة . ہمارے لئے بھی ایک بت بنا دیجئے جیسے کہ کفار کے لئے بت ہیں !

ظاہر ہے کہ صحابہ کرام نے درخت کی کسی تعظیم کی بنا پر ایسا نہیں کہا تھا۔ مگر آپ نے اس خیال پر بھی سخت ناراضگی کا اظہار کیا، اس لئے کہ آنے والوں کے لئے یہ یادگار بن جاتی۔ اور ان کے دلوں میں اس کی وہ عظمت و عقیدت قائم ہو جاتی جو بدعت اور گمراہی بلکہ شرک کا سبب بنتی ہے۔

اپنی ارشادات کی بنا پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس طرح کی کسی یادگار کے قائم کرنے سے منع کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے کچھ شاگردوں نے ذکر و عبادت کے لئے کوئی جگہ مقرر کرنی اور وہاں جمع ہوئے لگے۔ ابن مسعود کو علم ہوا تو بہت برہم ہوئے اور فرمایا کہ:-

”کیا تم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہدایت پر استوار ہو۔ یا تم گمراہی کی راہ پر جا رہے ہو۔“

مقصود یہ تھا کہ اصحاب بنی نے تو ایسا کیا نہیں۔ حالانکہ وہ تم سے زیادہ ہدایت یافتہ، دین سے واقف اور اس کے شہدائی تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے اس طرح سے ذکر و عبادت نہیں کی، پھر تم کو کیا حق ہے؟ غور کیجئے کہ اس میں بظاہر کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی۔ ذکر و عبادت کے لئے کسی مقام کا تعین کوئی معصیت نہیں ہے۔ لیکن اگر صحابہ کے زمانہ میں یہ چیز قائم ہو جاتی تو پھر یہ مقام ایک مستقل فتنہ بن جاتا۔ اس وجہ سے حضرت ابن مسعود نے روک دیا۔

جس درخت کے سایہ میں آنحضرت صلعم نے صلح حدیبیہ میں بیعت لی تھی۔ اس لوگ متبرک سمجھ کر اس کی زیارت کو آنے لگے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو اس کو کٹوا دیا۔ اسی طرح لوگوں نے ان مقامات پر جا جا کر عبادت کرنی شروع کر دی، جہاں جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ تو حضرت عمرؓ نے اس سے لوگوں کو روکا اور فرمایا:

”کیا تم اپنے بنی کے آثار کو مسجدیں بنا لینا چاہتے ہو؟“

صحابہ کے زمانہ میں جو لوگ ان مقامات پر عبادت کے لئے جلتے تھے، یقیناً ان کا مقصود جذبہ ابتلاغ سنت اور برکت اندوزی ہی رہا ہوگا۔ لیکن کتاب و سنت کی تعلیم کی روشنی میں حضرات صحابہ کی دور میں لگا میں ان گمراہیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ جو ان یادگاروں کے ذریعہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس لئے انہوں نے بالکل ہی اس سے روک دیا۔

حدیث میں ان باتوں سے بھی روک دیا گیا ہے، جن میں غیر اللہ کی عظمت کا ایک ادنیٰ شاہد بھی پایا جاتا تھا۔ عرب میں عام طور پر غلاموں کو ان کے مالک ”عبدی“ ”میرا بندہ“ اور غلام اپنے مالکوں کو ”ربتی“ کہا کرتے تھے۔ چونکہ انسان کسی انسان کا عبد اور کوئی انسان کسی انسان کا رب نہیں ہے۔ اس لئے آپ نے ایسے لفظ کے استعمال سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ لوگ اپنے غلاموں کو عبدی کے بجائے ”فتائی“ ”میرے بچے یا میرے جوان، اور غلام اپنے آقاؤں کو ربتی کے بجائے مالک کہیں۔

ایک صحابی کی کثیت ابوالمحکم تھی۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ خدمت نبوی میں آئے تو آپ نے ان سے پوچھا حکم (فیصلہ کرنے والا) تو خدا ہے اور خدا ہی حکم دینا والا ہے۔ پھر تم کو کیوں ابوالمحکم کہا جاتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ

میرے قبیلہ میں جب کوئی نزع ہوتی ہے تو لوگ مجھی کو ثالث بناتے ہیں اور میں جو فیصلہ کرتا ہوں وہ قبول کرتے ہیں۔ اسی مناسبت سے لوگوں نے مجھے یہ لقب دے دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے بچوں کے نام کیا ہیں؟ بولے شریح، مسلم، عبداللہ۔ آپ نے فرمایا تمہاری کنیت آج سے ابو شریح رہے گی۔ ان تفصیلات کی روشنی میں آپ ان عقیدتوں اور عقلمتوں کو دیکھیں۔ جن کا اظہار صلحاء اور اخیار کے متوسلین ان کی زندگی میں اپنی مجلسوں اور غائبانہ تذکروں میں کرتے ہیں۔ اور ان کی وفات کے بعد ان کی قبروں، فراروں، خانقاہوں اور ان کے متردکات، ملفوظات اور ان کی یادگاروں کے سلسلہ میں روار کھتے ہیں۔

حالی نے بہت صحیح کہا ہے:-

کیے غیر گت کی پوجا تو کافر جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
 جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر کو اکب میں مانے کر ستمہ تو کافر
 مگر مومنوں پر کشتہ وہ ہیں راہیں
 پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
 نبی کو جو چاہیں خدا کرد کھائیں اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں!
 فراروں پہ دن رات چادر چڑھائیں شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
 تو جید میں کچھ خلل اس سے آئے
 نہ اسلام بگڑنے نہ ایمان جائے

فاران کا عظیم الشان "سیرت نمبر"

ہر طبقہ میں مقبول ہوا

اس کا ایک ایک مقالہ حریر جان بنانے کے لائق ہے!
 اردو فارسی کی لغت شاعری کا سدا بہار گلدستہ

سیرت نمبر

کے محدود نسخے رہ گئے ہیں۔ جلد منگائیے ورنہ اسٹاک ختم ہونے پر کسی قیمت پر

یہ دولت بے بہا دستیاب نہ ہوگی!

قیمت دو روپے آٹھ آنے

دفتر "فاران" کیمبل اسٹریٹ کراچی۔

مولینا قاضی مزین لعابدین سجاد میرٹھی

اسلام میں توحید

(اور)

مذہبیان اسلام کی توحید

عقیدہ توحید شرف انسانیت کی بنیاد ہے۔ انسان کو کائنات میں اپنا صحیح مقام حاصل کرنے کیلئے اور ان فرائض و واجبات سے جو اس خلیفۃ اللہ ہونے کی حیثیت سے عائد ہیں، عہدہ برہانہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ عقیدہ توحید پر یقین رکھتا ہو۔ ایک مسلم کی زندگی کا محور یہی ہے۔ اور یہی وہ سرچشمہ ہے جہاں سے اخلاق و اعمال کی وہ تمام نہریں پھوٹتی ہیں جو انسان کی زندگی کو پر بہار بناتی اور مرنے کے بعد اسے نعیم جنہ ہمنار کرتی ہیں۔

جو مرد مومن توحید کا صحیح و کامل اعتقاد رکھتا ہو، وہ یقین رکھتا ہے کہ زندگی اور موت کا سررشتہ خدائے واحد کے ہاتھ میں ہے۔ رزق خزانوں کی کنجی کا مالک وہی ہے، نفع و ضرر اس کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں۔ لہذا اگر دن صرف اسی کے سامنے جھکانی جاسکتی ہے، اور حکم اسی کا مانا جاسکتا ہے اور دنیا و آخرت کی سعادت اسی کی فرمانبرداری میں مضمر ہے۔ اور یہی معنی ہیں "اسلام" کے۔ گویا اسلام اور عقیدہ توحید دو طرز دم ہیں۔

عقیدہ توحید انسان کو صرف اس کی انفرادی زندگی ہی میں کامیاب و کامران نہیں بناتا بلکہ وہ ایک ایسی مثالی سوسائٹی کی تشکیل کرتا ہے جہاں سب انسان برابر ہوں، سب کو حقوق انسانیت یکساں حاصل ہوں۔ سب ایک کنبہ بن کر محبت و یگانگت کے ساتھ رہتے سمجھتے ہوئے ایک ہی قانون کے آگے سر جھکاتے ہوں، سب کا مطمح نظر ایک ہی ذات و الا صفات کی رضا ہو، اور سب کی زندگی کا محور اسی خدائے واحد کا قیام ہی وہ حقیقت ہے جس کا خدا کے ایک مقدس پیغمبر نے مصر کے قید خانہ میں ان الفاظ میں اعلان کیا:

أَذْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خِينُوا أَمِ اللَّهُمَّ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ
کیا متفرق بہت سے خدا اچھے یا ایک برتر و غالب خدا؟

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی عظیم در فیع عمارت کا سنگ بنیاد اسی عقیدہ توحید کو قرار دیا اور فرمایا:

بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ
اسلام کی عمارت کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (پہلی) یہ کہ تو اسی دیکھنے کے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی "الہ" نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول بھی ہیں۔

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ کلہ شہادت میں اللہ کی وحدانیت اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کے ساتھ ساتھ آپ کی عبدیت کی تصریح ہے۔ اس کی ایک خاص ضرورت تھی۔ توحید باری کے عقیدہ میں دنیا کی تمام اقوام نے بھٹو کر کھائی ہی تھی، اہل کتاب بھی اس گمراہی سے بڑبڑ رہے، انبیاء کرام کے مافوق العادت فضائل و کمالات اور خوارق و معجزات کو دیکھ کر، اور ان کی عقیدت و محبت میں سرشار ہو کر وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ اگر

تو خدا کے بیٹے یا خدا کے اوتار، یا خدائی اوصاف میں شریک ضرور ہیں۔ لہذا ضروری تھا کہ اسلام گمراہی کے اس دردازہ اور فتنہ کے سرچشمہ کو بند کرتا۔ چنانچہ "رسولہما" کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے پہلے "عبدہما" کی و مناحت فرما کر یہ حقیقت آشکارا کر دی گئی کہ خدا کا یہ آخری پیغمبر سب پیغمبوں کا سرور اپنے تمام اعلیٰ کمالات رسالت کے باوجود بہر حال خدا کا بندہ ہی ہے۔ اس کی خدائی میں کسی درجہ میں بھی شریک نہیں۔ گو یا کلمہ شہادت کا دوسرا جز پہلے جز کی تاکید و توثیق ہے۔

قرآن کریم نے جس قدر زور و قوت، جس قدر وضاحت و صراحت اور جس قدر اعادہ و تکرار کے ساتھ اس عقیدہ توحید کو بیان فرمایا ہے کسی دوسرے کو بیان نہیں فرمایا۔ اگر ان تمام آیات کو جمع کیا جائے جو توحید باری سے متعلق ہیں تو ثلث قرآن سے کم نہ ہوں۔

قرآن کریم نے صرف عقیدہ توحید کے بیان ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے مختلف قسم کے دلائل و براہین بھی بیان فرمادیئے ہیں اور انسانوں کی مختلف النوع طبیعتوں کا لحاظ فرماتے ہوئے ہر طرح اس عقیدہ کو ان کے دماغ میں مرسم اور دلوں میں پیوست کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے

دلیل نقل :-

ہر قوم دلت کا طریقہ ہے کہ اپنے بزرگوں کی روایات کی قدر کرتی ہے، ان کی تقلید کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتی ہے۔ خصوصاً وہ بزرگ جنہوں نے سوسائٹی میں انقلاب برپا کر دیا ہو، جنہوں نے قوم کو اخلاقی پستی کے غار سے نکال کر بلندی کی معراج پر پہنچا دیا ہو، اور غلامی کا طوق ان کی گردنوں سے نکال کر جہاں بانی کی باگ ان کے ہاتھ میں دیدی ہو۔ جن کو وہ قوم خدا کا پیغمبر، بلکہ اس سے بھی زیادہ سمجھتی ہو۔ قرآن کریم نے پہلے مجھلا فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنْتَ كَالْإِلَهِ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ

ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کی طرف ہی وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہذا صرف میری ہی عبادت کرو

پھر تاریخ عالم کی ان تمام قوموں کے جن کے شاندار یا ناکام ماضی کی داستانیں لوح تاریخ پر ثبت ہیں نام لے کر بتایا کہ ان سب اقوام کے مصلحوں اور بادبوں نے بھی اپنے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی قوم کو خدا کی وحدانیت کا پیغام سنایا اور اسی کی عبادت کی طرف بلایا۔ اس سلسلہ میں پوری تفصیل کے ساتھ حضرت آدمؑ نے حضرت عیسیٰؑ تک سب ہی ممتاز پیغمبروں کا ذکر فرمایا۔ پھر فرمایا کہ جب توحید باری کی دعوت تمام پیغمبروں کی مشترک دلات ہے تو آدمؑ کو بنیاد اتحاد بناؤ۔ اگر توحید کو قطعیت و جامعیت کے ساتھ قبول کر لو گے تو انشاء اللہ تعالیٰ اسلام کے دوسرے اصول و احکام بھی تسلیم کرنے ہی پڑیں گے کیونکہ وہ سب توحید کامل کے لازم میں سے ہیں اور توحید کی ان کو مانے بغیر تکمیل نہیں ہو سکتی۔

تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا

اڈوہ بات مان لو جو ہمارا اور تمہارا درمیان متفق و عظیم اور وہ یہ کہ ہم خدا کے کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ سمجھیں۔

دلیل عقل :-

قرآن کریم نے بتایا کہ عقیدہ توحید روایت سے ہی نہیں درایت سے بھی ثابت ہے، نقل صحیح ہی کا نہیں عقل سلیم کا بھی یہی تقاضہ ہے۔ اس سلسلہ میں فلسفہ زدہ دماغوں کو مطمئن کرنے کیلئے قرآن کریم نے یہ دلیل پیش فرمائی :-

أَمْ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِنْ دُونِ اللَّهِ لَوْ كَانَ نِيهَا إِلَهًا إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ

کیا انہوں نے زمین میں اللہ کے سوا اور مجبور و بھی ٹھہرائے ہیں جو ان کو موت کے بعد دوبارہ زندگی دیں۔ اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا دوسرے معبود بھی ہوتے تو زمین و آسمان ٹوٹ پھوٹ جاتے لہذا اللہ عرش کا مالک ان الزامات شرک سے جو یا اس پر لگاتے ہیں پاک ہے۔

اس دلیل کی تشریح یہ ہے کہ عبادتِ ذلت و بے چارگی کے کامل طور پر اظہار کا نام ہے اور کمالِ ذلت و بے چارگی کا اظہار اسی ذات کے سامنے مناسب ہے جو کمالِ عزت و قدرت سے متعصم ہو اور ہر قسم کے نقص و عیب سے مبری ہو۔ اب اگر بالفرض زمین و آسمان میں دو خدا تسلیم کر لئے جائیں تو پوچھا جائے گا کہ عالم کے تصرف و تدبیر میں دونوں میں رائے کا اتفاق رہتا ہے یا کبھی کبھی اختلاف بھی ہو جاتا ہے، اگر کہا جائے کہ ہمیشہ اتفاق ہی رہتا ہے۔ تو یا تو ایک تنہا کام نہیں چلا سکتا بلکہ بل جمل کر دونوں چلاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ دونوں ناقص ہیں، اور اگر ایک بھی تنہا کام چلا سکتا تھا تو دوسرا زائد ٹھہرا اور ایک زائد دے گا خدا کو خدا ماننا ہی بیکار ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ دونوں مفرد خداؤں میں کبھی کبھی اختلاف بھی ہو جاتا ہے تو یا تو ایک مغلوب ہو کر خاموش ہو جاتا ہوگا۔ اس صورت میں یہ مغلوب ناقص ہوا اور خدائی کمال نہ رہا یا دونوں برابر کی قوت سے ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے اور ہر ایک اپنی رائے اور ارادہ کو بردے کار لانے کی کوشش کرے گا۔ اس صورت میں تمام کارخانہ عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ لہذا ثابت ہوا کہ خدا جو کمالِ عزت و قدرت کا مالک ہے ایک ہی ہے اور اسی کی بارگاہِ عظمت و جلال میں انسان جو اثراتِ المخلوقات ہے سر تسلیم و تعظیم خم کر سکتا ہے

دلیل وجدان :-

مگر چونکہ اہل عقل دنیا میں کم ہیں اور عقلا ر دقت کی عقل میں باہم تصادم بھی ہوتا رہتا ہے اس لئے قرآن حکیم نے انسان کے وجدان کو پکارا اور فطرتِ انسانی کے مطالعہ کی دعوت دی۔ چنانچہ فرمایا گیا :-

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا
كُنْتُمْ فِي الْفُلِّ وَجَعَلْنَاهُمْ لِيَمْرِجَ طَيِّبَةً
وَفَرِحُوا بِمَجَاءِ تِهَارِيجٍ عَاصِفٌ وَجَاءَتْهُمْ
الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ
دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُمُ الدِّينَ لَكِنِ الْإِنْسَانُ
هَذِهِ لَتَكْفُرًا مِنَ الشَّاكِرِينَ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ
إِذَا هُمْ يَنْجُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

(یونس-۳)

وہی خدا ہے جس نے تمہارے لئے خشکی اور تری میں چلنے پھرنے کا سامان کیا پھر جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور وہ موافق ہو ایسے چلنے شروع ہوتی ہیں اور تم اس سے خوش ہوتے ہو تو اچانک تیز و تند ہوا کے جھکڑ چلنے شروع ہو جاتے ہیں اور سمندر کی موجیں تمہیں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں اور تم کو یقین ہو جاتا ہے کہ اب گھر گئے تو ایسے نازک وقت تم مخلصانہ فرماؤ اور اس کے جذبہ کے ساتھ اللہ ہی کو پکارتے ہو اور کہتے ہو کہ اے اللہ اگر تو نے ہم کو اس مصیبت سے نجات دیدی تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہونگے لیکن جب تم کو اللہ نجات دیدیتا ہے تو پھر اچانک دنیا میں ناحق خوریزی شروع کر دیتے ہو۔

یعنی انسان کی فطرت یہ ہے کہ جب تک وہ آرام و اطمینان اور عیش و راحت کی حالت میں رہتا ہے اسے خدا یاد نہیں آتا۔ وہ اپنی فارع البالی اور خوشحالی کو اپنی کوششوں کا نتیجہ سمجھتا ہے اور اسباب سے اُسے بڑھ کر مسبب الاسباب تک اس کی نظر نہیں پہنچتی اور اگر خدا کی طرف دھیان بھی کرتا ہے تو بہت سے شرکار و شفعار و دستکار کی فوج کو بھی اس کے ساتھ شامل کر لیتا ہے۔ لیکن اگر کبھی کسی سخت مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کی تمام کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں ظاہری اسباب کے سہارے ایک ایک کر کے ٹوٹ جاتے ہیں اور موت کا فرشتہ سامنے کھڑا نظر آنے لگتا ہے تو اس کا وجدان خفتہ یکایک بیدار ہو جاتا ہے اس کی فطرت کا رنگ آلود آئینہ یکایک چمک اٹھتا ہے اور وہ جذبہ اطاعتِ خداوندی کے کامل اخلاص و دل کی پوری توجہ اور زبان کی پوری طاقت سے پکار اٹھتا ہے۔

”اے خدا! اے بے سہاروں کے سہارے سپری کشتی کو بھی ساحلِ مراد پر لگا اور مجھ ہلاکت کے اس طوفان

اور مصائب کے اس بھورے سے نجات دے۔ اگر تو نے مجھے اس مصیبت سے بچالیا اور اپنے دامنِ امن

دعا فیت میں پناہ دی تو میں باقی عمر تیری شکر گزاری میں صرف کر دوں گا اور تیرے دروازہ

کو چھوڑ کر کسی دوسرے دروازہ پر قدم بھی نہ رکھوں گا۔

خداوند علام الغیوب تو ماضی مستقبل پر بیک وقت نظر رکھتا ہے۔ اسے کوئی دھوکا نہیں دے سکتا۔ مگر یہ اس کی ایک سنت ہے کہ وہ منطرب دل سے نکلی ہوئی صدا کو رد نہیں کرتا خواہ وہ کافر ہی کے دل سے نکلے۔ مگر موت آیا ہے، موت کی گرفت سے نکلنے ہی ظالم انسان پھر اپنے گناہوں میں سرشار ہو جاتا ہے، شر و فساد کا بازار گرم کر دیتا ہے، فتنہ و بغاوت کے ہنگامے اٹھا کھڑے کرتا ہے۔ سچے خدا سے منہ موڑ کر بھولے معبودوں سے رشتہ جوڑتا ہے اور اپنے تمام عہدوں کو ایک ایک کر کے توڑ ڈالتا ہے۔

فطرت انسانی کی یہ ایک ایسی صحیح تحقیق ہے جو فاطر السموات والارض کے سوا کسی اور سے ممکن نہ تھی۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ "توحید الہی" فطرت انسانی کا اصل تقاضہ ہے اور ضمیر و وجدان کی پہلی اور آخری پکار۔ اور یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ کفار عرب جو ہر صبح کو ایک نئے معبود کے آگے سر جھکاتے تھے اور جنہوں نے کعبہ میں بتوں کی ایک دوکان سجا رکھی تھی وہ بھی اصل معبود اور "الہ الا للہ" خدا کے واحد ہی کو مانتے تھے۔ دوسرے معبودوں کو وہ اس کے دربار کا شفیق اور اس کی بارگاہ کا مقرب قرار دیتے تھے، اور دنیوی بادشاہوں پر تیس کرتے ہوئے یہ سمجھتے تھے کہ خدا پر ان کا اثر ہے اور وہ ان کی بات ماننے پر مجبور ہے۔ چنانچہ کہتے تھے:

هُوَ الَّذِي شَفَعْنَا عِنْدَ اللَّهِ

یہ تو خدا کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

نیز ان کا یہ بھی خیال تھا کہ خدا نے کارخانہ عالم کے مختلف کام ان چھوٹے معبودوں کے سپرد کر دیئے ہیں۔ یہ اگرچہ اس کے ملوک ہیں مگر کارخانہ عالم کے انتظامات میں اس کے شریک ہیں اور اپنی محدود خدائی قوتوں کے ساتھ خداوند اعلیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کی حاجت روائی و مشکل کشائی کرتے ہیں۔ چنانچہ حج کے موقع پر ان کا تلبیہ یہ ہوتا تھا:-

لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، اَلَا شَهِيدًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهَا

حاضر ہوں اے خدا تیرا کوئی مستقل بالذات شریک نہیں لیکن ایسا شریک

ہے جو تیرا اپنا ہی ہے اور تو اس کا مالک ہے اور اسکے اختیارات کا مالک ہے۔

دَمَا مَلِكٌ

مگر جب کسی سخت ترین مصیبت میں گھر جاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ بات ان ماتحت خداؤں کے حدود اختیار سے باہر ہے، خدا کے اعلیٰ داعی کے سوا کوئی ہماری مشکل کو حل نہیں کر سکتا تو آخر کار اسی کی طرف رجوع ہو جاتے تھے اور سب وسطا و شفعا نظر انداز کر کے اس کو پکارتے تھے مذکورہ بالا آیات کے شان نزول میں مفسرین نے ابو داؤد وغیرہ کی ایک روایت نقل کی ہے جس سے اس حقیقت کی اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے۔ اس روایت کا خلاصہ یہ ہے:-

فتح مکہ کے موقع پر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہ کرام کی فوج ظفر موج کے ساتھ

مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو ابو جہل کا بیٹا عکریمہ جس نے اپنے باپ کے دوش بدوش حضور کی مخالفت

میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا مکہ سے فرار ہو کر ساحل سمندر پر پہنچا اور ایک کشتی میں بیٹھ کر دوسرے

ملک کی راہ لی۔ تھوڑی دیر میں کشتی کو طوفانی ہواؤں نے گھیر لیا ملاحوں نے کہا، مسافر! سخت

نازک وقت ہے اس وقت تمہارے معبود کسی کام نہ آئیں گے۔ اس مصیبت سے چھٹکارا چاہتے

ہو تو صرف خدا سے دعا کو پکارو۔ یہ سن کر عکریمہ نے کہا یہ تو وہی بات ہے جو محمدؐ کہتے ہیں۔ اگر سمندر میں

نجات کا انحصار اسی پر ہے تو بے شک خشک مٹی میں بھی وہی نجات دے سکتا ہے۔ پھر کہا اے اللہ!

میرا تجھ سے عہد ہے اگر تو نے مجھے اس مصیبت سے نجات دیدی تو میں محمدؐ کی خدمت میں

حاضر ہو کر اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دوں گا اور پھر میں انھیں معاف کرنے والا اور
کرم کرنے والا پاؤں گا۔ چنانچہ عکرمہ کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اس نے
نجات پا کر اپنے عہد کو پورا کیا۔“

کفار مکہ کے شرک کی نوعیت تو یہ تھی۔ اب آئیے ہم مدعیان اسلام اور علمبرداران توحید کی توحید پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔ ممتاز فقہی مفسر
علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ اپنی مشہور تفسیر ”روح المعانی“ میں ان آیات کے تحت لکھتے ہیں:-

آیت دلالت کرتی ہے کہ اس حالت میں مشرکین سوائے اللہ تعالیٰ
کے کسی اور کو نہیں پکارتے اور تمہیں معلوم ہے کہ آج (اسلام کے مدعی)
لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب انھیں کوئی سخت حادثہ یا بڑی مصیبت
پیش آتی ہے اختی میں یا تری میں تو وہ ان کو پکارتے ہیں جن کے
ہاتھ میں نہ ضرر ہے نہ نفع نہ وہ ان کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ ان کی بات
سن سکتے ہیں۔ کوئی حضرت خضر دالیاس (علیہ السلام) کو پکارتا ہو
کوئی جناب ابولہیس دعباس کو آواز دیتا ہے کوئی کسی امام سے
فریاد کرتا ہے کوئی کسی شیخ کے سامنے آہ دزاری کرتا ہے۔ ان میں تم کسی
کو نہ پاؤ گے جو اپنی فریاد دعا اللہ کے ہی حضور میں پیش کرتا ہو اور کسی
کے دل میں یہ خیال بھی نہیں گذرتا کہ اگر وہ صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے
ہاتھ پھیلا تو ان مصیبتوں سے نجات پائے۔ تو تمہیں قسم ہے خدا کی
بتاؤ ان دونوں فریقوں میں سے کون اس حیثیت سے ہدایت سے
زیادہ قریب ہے اور کس کی پکار زیادہ درست ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی
سے شکایت ہے ایسے زمانہ کی جس میں ہر طرف جہالت کے جھکڑ چل
رہے ہوں اور ضلالت کی موجیں اٹھ رہی ہیں شریعت کی کشتی
ٹوٹ چھوٹ گئی ہے اور عزیز اللہ سے فریاد کو نجات کا ذریعہ قرار دے
لیا گیا ہے اور حالت اس قدر نازک ہو گئی ہے کہ جاننے والوں
کے لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے راستہ
میں ہلاکتوں کے غار حائل ہیں۔

فالآیة ۱۰۱ اللہ علیٰ ان المشرکین لا یدعون
غیر اللہ تعالیٰ فی تلك الحال و انت خبیرون
الناس الیوم اذا اعتدوا ہما خطیر و
خطب جسم فی برد الہی دعوا من لا یضر ولا
ینفع و لا یزنی و لا یسمع فمنہم من یدعو
الخضر و الیاس و منہم من ینادی ابوالخیس
و العباس و منہم من یضرع الی شیخ من
مشائخ الامة و لا تری فیہم احدا یخص
مولاه بتضرع و دعا و لا یکاد یراہ
ببال انہ یوہی اللہ تعالیٰ و حدیث یجوز
من ہایتک الہو ال فباللہ تعالیٰ علیک
قل لی ای الفریقین من لفظہ الحیثیتہ
اھدی سبیلا راحی الداعین اقوم قیلا
دالی اللہ تعالیٰ المشتکی من زمان عصفت
فی ریح الجہالۃ و تلاطمت امواج الضلالہ
و حرقت سفینۃ الشریعۃ و اتخذت ال
ستغاثۃ بغير اللہ تعالیٰ للنجاة ذر یعد و تعدنا
علی العارفین الہم بالمعروف و حالت
دون النہی عن المنکر صنوف المحتون

علامہ آلوسی بغدادیؒ نے مندرجہ بالا سطور میں مدعیان اسلام کی جس کفر شناسی کا رد کیا ہے اس کی دہا تمام بلاد اسلامیہ میں عام ہے
اللہ کی مساجد غیر آباد اور بے رونق ہیں اور مقابر اولیاء و صلحاء موحشین (۹) کے سجدوں سے مہمور، تمام مگر سفر حج کی توفیق نہیں ہوتی مگر بزرگان دین
کے حرموں میں شرکت کے لئے ہر سال شہر حال ضروری۔ خدا کے سامنے التجار کے لئے ہاتھ نہیں اٹھتے مگر قبور اولیاء کے سرہانے درخواسنوں اور عیون
کے انبار موجود۔ عقل کی خلعت، قلب کی غفلت اور وجدان کی موت کی انتہا ہے کہ سخت ترین احوال میں مصائب دہوا کے ہجوم میں گھر کر اور
حوادث ذنوب کے طوفان میں بھنس کر جب مشرکین مکہ جیسے کافر بھی خدا کے واحد کی طرف رجوع ہو جاتے تھے آج ان مدعیان توحید کو خدا یاد
(باقی صفحہ ۲۱۱ پر)

پیام توحید

اکابر امت کی تشریحات!

خدا کی توحید کا اقرار و اعتراف اور اسی رنگ میں اپنی زندگی کو رنگ لینا ہر مسلمان کا اساسی اور بنیادی فریضہ ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام نے ہر دور میں مسلمانوں کو اس فرض سے ہشیار کیا، ان کو توحید الہی کی بات بولایا اور شرک سے نفرت دلایا۔ اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے رسالہ "الواسطۃ بین الحق والخلق" میں، علامہ امیر بخاری نے رسالہ "تظہیر الایمان" میں اور علامہ مقرر نوری نے رسالہ "تجید التوحید" میں بہت ہی مفید اور موثر انداز سے گفتگو فرمائی ہے۔ ذیل کے سطروں میں انہی تینوں رسالوں کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے نفع پہنچائیں، ہم کو توحید کی لذت سے آشنا فرمائیں اور توحید کو صرف قال نہیں بلکہ ہمارا حال بھی بنا لیں۔ آمین۔ م۔ ق۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ خدا اور اس کے بندہ کے درمیان کسی واسطہ کا ہونا ضروری ہے، کہ اس کے بغیر ہم اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے ہیں (یہ بات صحیح ہے کہ نہیں؟) شیخ الاسلام نے فرمایا۔ اگر کہنے والے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایسا واسطہ ہونا چاہیے جو ہم تک اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائے تو یہ صحیح ہے، اس لئے کہ مخلوق کو اس بات کا کیا علم کہ اللہ کس چیز سے خوش ہوتا ہے؟ اس کو کیا چیز پسند ہے؟ اس کا کیا حکم ہے؟ اور نہ یہ معلوم کہ اس نے اپنی اطاعت کرنے والوں کے لئے کیا کیا نعمتیں تیار کر رکھی ہیں؟ اور نہ اس کی خبر کہ نافرمانوں کے لئے اس کے یہاں کیسا عذاب مقرر ہے؟ اسی قسم کی بہت سی چیزیں ہیں جنکو انسان خدا کے رسولوں اور نبیوں کے بغیر نہیں جان سکتا۔ پس یہ عقیدہ صحیح ہے اور پیغمبروں پر ایمان لانے والے ان کی پیروی کرنے والے ہی ہدایت پر ہیں، انہی اللہ کے مقرب ہیں، اللہ انہی کے درجات بلند فرمائے گا، اور دنیا و آخرت میں سرفراز فرمائے گا۔ اور جو لوگ پیغمبروں کے مخالف ہیں وہ رحمت پروردگار سے دور ہیں۔ اپنے رب سے گمراہ ہیں، ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا آدَمُ مَا يٰۤاَتَيْتَکُمْ رُّسُلٌ مِّنْکُمْ لِيَقْتُوْنَ
عَلَيْکُمْ آيٰتِيْ فَعَمِيَ الْقَوْمُ ۗ وَاصْلَحْ لِّاَلْحٰوِثِ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَّهْتَدُوْنَ ۗ وَالَّذِيْنَ کَذَّبُوْا
بِآيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (سورہ اعراف)

اے ادا د آدم اگر تمہارے پاس پیغمبران دینا جو تم ہی میں سے ہونگے جو میرے احکام تم سے بیان کریں گے۔ جو شخص تقویٰ رکھے اور درستی کر لے تو ان لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ سے اندوہ ٹھہریں ہونگے۔ اور جو ہمارے احکام کو جھوٹا بتائیں گے ان سے بچ کر گریں گے وہ لوگ دوزخ والے ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

سورہ کہ میں ارشاد ہوا:

فَاٰمٰنًا يٰۤاَتَيْتَکُمْ مِّنِّيْ هٰذِيْ الْقَوْمِ اتَّبِعُوْهُمُ

پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی بہت چھوٹا شخص

فَلَا يُضِلُّ وَلَا يَغْتَبِ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَصْحَابًا قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنسى (سورہ طہ)

میری اس ہدایت کا اتباع کریگا تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مشقی اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا۔ اور قیامت کے روز اسکو اندھا کر کے اٹھائیں گے وہ کہے گا کہ اے میرے رب اپنے مجھکو اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں آنکھوں والا تھا۔ ارشاد ہوگا ایسا ہی تیرے پاس میرے احکام پہنچے تھے پھر تو نے اس کا کچھ خیال نہ کیا اور ایسے ہی آج تیرا کچھ خیال نہ کیا جا دے گا۔

اہل دوزخ کے متعلق فرمایا :-

كَلِمَاتٍ لَّتُبَدِّلَنَّهُنَّ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ أَوْ خَلْفَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَرَسَوْا وَأَعِزَّنَا لِلْكَافِرِينَ فِي أَسْوَاقِهِمْ لِيُكْفَرُوا مَا تَزُولُ السَّمَوَاتُ مِنَ الثُّمَالِ إِنَّ السَّمْعَانَ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (سورہ ملک)

جب اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظان لوگوں سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا وہ کافر کہیں گے واپسی ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا سو تم نے جھٹلایا اور کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا تم بڑی غلطی پر ہو۔

سورہ زمر میں ارشاد ہوا :-

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ ذُرِّيَّتِهِمْ وَإِذَا جَاءُوهَا فَخَبَّتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خِرَانُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ (سورہ زمر)

اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکے جائیں گے یہ ہانکے کہ جب دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو ان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان سے دوزخ کے محافظ کہیں گے کیا تمہارا اس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہ آئے تھے جو تم کو تمہارا رب کی آیات پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تم کو اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے۔ کافر کہیں گے ہاں۔ لیکن عذاب کا وعدہ کافروں پر پورا ہو کر رہا۔

قرآن پاک میں اس طرح کی بہت سی آیتیں ہیں، مسلمان یہود انصاری، ان کے سوا اور تمام مذہب و ملت والوں نے عذاب در بندہ کے درمیان رسولوں کو واسطہ تسلیم کیا ہے اور ان کے منکر کو کافر سمجھا ہے۔ قرآن پاک میں یہ حقیقت بار بار واضح کی گئی ہے کہ پیغمبروں کے جھٹلانے والے ہلاک ہوئے اور ان کی پیردی کرنے والے کامیاب و شاد کام ہوئے۔ فرمایا:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِجِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ اَللَّهُمَّ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (سورہ القنقن)

اور ہمارے خاص بندوں یعنی پیغمبروں کے لئے یہ قول ہمارا پہلے ہی سے مقرر ہو چکا ہے۔ بیشک وہی غالب کئے جائیں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے۔

ارشاد ہوا :-

إِنَّا لَنَنْصُرُ وَرُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الشَّهَادَةُ (سورہ القنقن)

بیشک ہم ضرور مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں اور اس دن مدد کریں گے جب کہ گواہ کھڑے ہوں گے۔

قرآن کہتا ہے کہ عباد اور مہجود کا واسطہ یعنی پیغمبر اس لئے ہے کہ اس کی پیردی کی جائے۔ فرمایا :-

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رُّسُلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (سورہ القنقن)

اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اس واسطے مبعوث فرمایا کہ حکم خدا کی اطاعت کی جائے۔

لیکن اگر واسطے مقصد یہ ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان کوئی ایسی ہستی ہو جس سے نفع و نقصان کے وقت مدد چاہی جائے (رزق، اولاد، بیماری، شفا، قرض وغیرہ کے معاملات میں اس سے بالذات مدد چاہی جائے) تو یہ شرک ہے۔ مشرکین کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس لئے کافر قرار دیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے نفع و نقصان کا معاملہ ٹھہرایا تھا اور ان کو اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنا شفیع و دلی جانا تھا۔ ارشاد فرمایا :-

مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ

بدون اُس کے نہ تو تمہارا کوئی مددگار ہے اور نہ سفارش کرنے والا۔ کیا تم سمجھتے نہیں۔

فرمایا :-

وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُجْشِرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ

اور ایسے لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جھنکے جائیں گے کہ جتنے غیر اللہ ہیں نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفیع۔

ارشاد ہوا :-

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَتَحْوِيلًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ يَرْجُونَ رَحْمَةً يَخَافُونَ عَذَابَ رَبِّهِمْ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا (سورہ نبی السوریل)

آپ فرمادیجئے کہ جنکو تم خدا کے سوا قرار دے رہے ہو ان کو پکار دو تو وہی وہ نہ تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا یہ لوگ جنکو مشرکین پکار رہے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کا ذریعہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے وہ اسکی رحمت کے امیدوار ہیں اور اسکے عذاب سے ڈرتے ہیں واقعی آپ کے رب کا عذاب ہے بھی ڈرنے کے قابل۔

فرمایا :-

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهَا مِنْ مِثْقَالَ حَبِّ خَبثٍ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ غَنِيًا (سورہ سبأ)

آپ فرمائیے کہ جن کو تم خدا کے سوا سمجھ رہے ہو ان کو پکار دو وہ برابر اختیار نہیں رکھتے ہیں نہ آسمانوں میں نہ زمین میں نہ انکی ان دونوں میں شکر ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے اور خدا کے سامنے سفارش کسی کے لئے نہیں آتی مگر اسکے لئے جتنی نسبت اجازت دی جائے۔

(سورہ سبأ)

سلف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ ایک گمراہ حضرت سید حضرت عزیر اور فرشتوں کی پرستش کرتا تھا تو اللہ نے ان کے لئے فرمایا کہ فرشتے اور پیغمبر مصیبتوں کو دور نہیں کر سکتے ہیں، وہ لوگ خود اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا :-

کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور نعم اور نبوت عطا فرمائیں پھر لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ خدا نے تعالیٰ کو چھوڑ کر لیکن کہے گا تم لوگ اللہ دے بن جاؤ جو ہر اسکے کہ تم کتاب سکھاتے ہو جو اس کے کہ پڑھتے ہو اور یہ نہ بتلائے گا

مَا كَانَ لِلْبَشَرِ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي أُعْطِيَنَّكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَكْبِرُ عَلَيْكُمْ فَعَلَّمُونَ الْقِلَابَ رَبِّمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ

تَتَّخِذُ وَالْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ أَوْلِيَاءُ أَيَاكُمْ كَرِهْتُمْ
بِالْكَفْرِ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (ال عمران)

کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب قرار دے لو کیا وہ تم کو کفر کی بات
بتلائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔

اللہ تعالیٰ نے کھول کر بیان فرمایا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنانا کفر ہے پس جس نے نبیوں اور فرشتوں کو ایسا واسطہ تسلیم کیا کہ ان کی عبادت
کی جائے، انہیں پر توکل کیا جائے۔ نفع اور نقصان کے اوقات میں انہی کی طرف رجوع کیا جائے تو ایسا آدمی اجماعی طور پر کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے ارشاد فرمایا :-

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَ اللَّهِ بَلْ عِبَادٌ
مُكْرَمُونَ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَهْوِي
يَعْلَمُونَ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا
خَافَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى وَ
هُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ
إِنِّي إِلَهٌ مِّنْ دُونِهِ فَذَلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ
كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ (سورة انبياء)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد بنا رکھی ہے وہ پاک ہے
بلکہ بندے ہیں معزز وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور
اسی کے موافق عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اچھے کچھلے اعمال جانتا ہے
اور بجز اسکے جس کیلئے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے
اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور ان میں سے جو
شخص کہے کہ میں علاوہ خدا کے معبود ہوں تو ہم اس کو سزائے جہنم دینگے
ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

فرمایا :-

لَنْ تَسْتَنكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ
وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنكِفْ عَنْ
عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا
(سورة نسا)

مسیح ہرگز اللہ تعالیٰ کے بندے بننے سے عار نہیں کریں گے اور مقرب
فرشتے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا
تو خدا تعالیٰ ضرور سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔

ارشاد ہوا :-

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ
لَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا
عِنْدَ اللَّهِ قُلْ اتَّبِعُوا اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي
السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى عَمَّا
يُشْرِكُونَ (سورة يونس)

اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انکو
ضرر پہنچا سکے اور نہ ان کو نفع پہنچا سکے اور کہتے ہیں کہ اللہ کے
پاس یہ ہمارے سفارشی ہیں آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم خدا تعالیٰ کو
ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں نہ آسمانوں میں اور
نہ زمین میں وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کی شرکت سے۔

فرمایا :-

وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ
شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ
وَيُرْضَى (سورة نجم)

اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں ان کی سفارش
ذرا بھی کام نہیں آسکتی۔ مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جب حکم
دے اور جس کے واسطے چاہے اور پسند کرے۔

ارشاد ہوا :-

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ (سورة بقرہ)

ایسا کون شخص ہو جو اسکے پاس سفارش کر سکے بدون اسکی اجازت کے۔

فرمایا:-

مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلذَّائِرِينَ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا تُمَسِّكُ
لَهَا وَهِيَ تُمَسِّكُ فَلَا هُمْ مِمَّنْ يَلْعَدُونَ

(سورۃ فاطر)

اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے تو اس کا بند کرنے والا نہیں
اور جس کو بند کر دے تو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے
والا نہیں۔

ارشاد ہوا:-

قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّيهِ
أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِي
قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ

(سورۃ زمر)

آپ کہیے پھر بھلا یہ تو بتلاؤ کہ خدا کے سوا تم جن معبودوں کو پوجتے
ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ معبود اس کی
دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اللہ تعالیٰ مجھ پر عنایت کرنا چاہے تو
کیا یہ معبود اس کی عنایت کو دور کر سکتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے خدا
کافی ہے توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔

انبیائے کرام کے سوا علماء اور مشائخ دین کا بھی یہی حال ہے۔ کہ جس نے ان کو رسول اور رسولوں کی امت کے درمیان ایسا واسطہ تسلیم کیا
کہ یہ امت تک رسول کے احکام پہنچاتے ہیں۔ امت کو تعلیم دیتے ہیں اور اس کی رہنمائی کرتے ہیں، پس اس نے بالکل درست عقیدہ قائم کیا۔ اور جس
نے یہ سمجھا کہ یہ فقیر اور درویش اور مشائخ خدا اور بندے کے درمیان اس طور سے واسطہ ہے کہ مخلوق اپنی ضروریات کو ان کے سامنے پیش کرتی ہے
اور یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ انہی کے توسط سے رزق وغیرہ دیتا ہے (یعنی جس طرح بادشاہ رعایا کے درمیان ایک جماعت
ایسی ہوتی ہے کہ رعایا اپنی ضروریات کو اس امید پر کہ یہ جماعت بادشاہ سے زیادہ قریب ہے اس لئے اس کا ذریعہ اختیار کرنے میں نفع کی توقع ہے
اس جماعت کے سامنے پیش کرتی ہے اور یہ بادشاہ سے عرض کرتے ہیں) پس جس نے علماء اور مشائخ کو ایسا واسطہ قرار دیا وہ گمراہ ہے اس کو تو یہ
کرنا چاہیے۔ بادشاہ اور رعایا کے درمیان جو جماعت واسطہ ہوتی ہے اس کے عین اسباب ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ یہ جماعت بادشاہ کو لوگوں کے
ان احوال کی خبر کرتی رہے جن سے وہ ناواقف ہے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کو اس جماعت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ وہ عالم الغیب ہے کھلی
اور پوشیدہ ہر چیز کو جانتا ہے زمین اور آسمان کی کوئی شے اس سے چھپی نہیں ہے۔ لوگ مختلف آوازوں میں، مختلف زبانوں میں، مختلف ضرورتوں کو
اس کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں اور وہ سب کو سنتا ہے۔ اس لئے جس شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال سے اس وقت تک ناواقف
رہتا ہے جب تک کہ بعض فرشتے یا انبیاء (یا بزرگان دین) اسے خبر نہ دیں، تو وہ بالاجماع کافر ہے۔

دوسرے یہ کہ بادشاہ کو نظام سلطنت کے سلسلہ میں مددگار کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے وہ تنہا بادشاہت کے سارے فرائض ادا کرنے
سے قاصر رہتا ہے۔ لہذا وہ مجبور ہے کہ اپنے لئے رفقاء کار کو تلاش کرے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ان امور سے اعلیٰ و اشرف ہے اسے کسی مددگار
کی ضرورت نہیں ہے۔ ارشاد ہوا:-

قُلْ دَعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا
يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي
الْأَرْضِ وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ شَرِكٍ وَمَالٌ مِنْهُمْ
مِنْ ظَهِيرٍ

(سورۃ سبار)

آپ فرمائیے کہ جن کو تم خدا کے سوا سمجھ رہے ہو ان کو پکارو، وہ ذرہ
بڑا اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں اور نہ زمین اور نہ ان دونوں میں
ان کی کوئی شرکت ہے اور نہ اس میں سے کوئی مددگار اللہ کا ہے۔

فرمایا:-

وَقُلْ لِحَمْدِ اللَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَدًا لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ مِنَ الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وِثْرًا مِمَّنْ الذَّلِيلُ وَكَتَبْنَا نُوحًا نَكَبًا مِّنْ أَمْرِئِلَ (سورہ بنی اسرائیل)

اور کہہ دیجئے تمام خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ کوئی اس کی سلطنت میں شریک اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیا کیجئے۔

دنیا میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اس کا مالک پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے۔ وہ ہر چیز سے بے پروا ہے اور سب چیزیں اس کی محتاج ہیں دنیاوی بلکہ مادیوں کا معاملہ اس سے بالکل جداگانہ ہے۔ وہ اپنے مددگاروں کے محتاج ہیں ان کے مددگار ان کی بادشاہی میں شریک ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں وہ اکیلا ہے۔ بادشاہی اس کی ہے، تعریف اس کی ہے، ادھی ہر چیز پر قادر ہے۔

تیسرے یہ کہ بادشاہ خود اپنی رعایا کے ساتھ سلوک نہیں کرنا چاہتا لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جن سے بادشاہ کو کچھ خوف ہے یا ان سے کچھ اغراض وابستہ ہیں ان کی تحریک پر بادشاہ رعایا کے ساتھ رحم و کرم کے برتاؤ پر اپنے کو مجبور پاتا ہے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ ہر چیز کا مالک اور رب ہے۔ جس قدر ایک ماں کو اپنے بچے سے محبت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ان سے کہیں زائد رحیم ہے۔ ہر چیز اسی کی مشیت سے ہوتی ہے۔ جو کچھ اس کی مرضی ہوئی وہ پوری ہوئی اور جو کچھ چاہے گا وہ ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو نفع پہنچانا چاہتا ہے تو کسی کے دل میں ڈال دیتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ بھلائی کرے اس کے لئے دعائیں کرے اور اس کے لئے شفاعت کرے۔ دیکھو ہر چیز اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوئی، یہ ناممکن ہے کہ کوئی ہستی بھی جو جو خدائے برتر کو اس کی مرضی کے سوا کسی چیز پر مجبور کرے یا اس قدر علم رکھتا ہو کہ اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ کو بتلانے کی ضرورت پڑے یا جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ کو خوف ہو یا کچھ توقعات وابستہ ہوں، شفاعت بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بغیر اس کی اجازت کے نہ ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (سورہ بقرہ)

ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس سفارش کر سکے بدون اس کی اجازت کے۔

یہ چیز اچھی طرح واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارا جاتا ہے وہ نہ تو بادشاہ ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کے شریک ہیں اور نہ اس کے مددگار ہیں۔ اور ان کی شفاعت ہرگز نفع نہ دیگی۔ ہاں ان لوگوں کے حق میں ضرور نفع بخش ہوگی جن کی شفاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہو صاف صاف ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہو وہ نفع اور نقصان کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، بلکہ وہ خود اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ فرمایا:-

قُلْ دَعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ كَشْفِ الضَّرِّ عَنْكُمْ وَلَا خَوْفِ الْأُولِيَاءِ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَتَّبِعُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمْ السَّبِيلَ أَيُّهَا أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَ اللَّهِ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْدُورًا (سورہ بنی اسرائیل)

آپ فرمادیجئے کہ جن کو تم خدا کے علاوہ قرار دیتے ہو ذرا ان کو پکارو تو وہ نہ تم سے تکلیف کے دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا۔ یہ لوگ جن کو مشرکین پکارتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کا ذریعہ دھونڈ رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ قریب رہتا ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں واقعی آپ کے رب کا عذاب ہے بھی ڈرنے کے قابل۔

اور شفاعت کو ایک قسم کی دُعا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ مخلوق کی دُعا ایک دوسرے کے لئے نفع بخش ہوتی ہے، لیکن شفاعت کرنے والے کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کے حق میں شفاعت کرے، اور نہ ان لوگوں کی شفاعت کر سکتا ہے جن کے لئے صریحاً ممانعت ہے۔ مثلاً مشرکین کی شفاعت یا ان کے حق میں دعائے مغفرت کہ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا:-

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا
لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا
تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ وَمَا
كَانَ اسْتِغْفَارُ ابْنِ إِهِيْمَ لَا يَنْفَعُ الْكَافِرِينَ
مَنْ عَدَاكَ وَوَعَدَ اللَّهُ لَمَّا تَبَيَّنَ لَكَ أَنْتَ
عَدُوٌّ لِلَّذِينَ تَبَوَّأُوا آمِنَهُمْ (سورہ توبہ)

پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے دعا
مغفرت مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہو اس امر کے ظاہر ہو جانے کے
بعد یہ لوگ دوزخی ہیں اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے دعا مغفرت
مانگنا وہ صرف وعدہ کے سبب سے تھا جو اس نے اس سے کر لیا
تھا پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو وہ اس
سے محض بے تعلق ہو گئے۔

منافقین کے حق میں فرمایا۔

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ
تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ

ان کے حق میں جو نوبتیں برابر ہیں خواہ آپ ان کے حق میں استغفار کریں
یا نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کو سزا نہیں بخشنے گا۔

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو مشرکین اور منافقین کے لئے استغفار سے منع فرمادیا ہے اور آگاہ کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں معاف نہیں فرمائے گا۔
ارشاد فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ
مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ

بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشنے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو
شریک کرے اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کو چاہے گا بخش دینگا۔

مقصود یہ ہے کہ جس نے اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان ایسا واسطہ تسلیم کیا جیسے بادشاہ اور اس کی رعایا کے درمیان ہوتا ہے تو وہ مشرک
ہے، مشرکین کہا کرتے تھے کہ یہ بت انبیاء اور صالحین کے مجسمہ ہیں ان کے ذریعہ سے ہم اللہ کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔ یہی وہ مشرک ہے جس کے متعلق
اللہ تبارک و تعالیٰ نے نصاریٰ پر رد کیا ہے۔ فرمایا:-

اتَّخَذُوا الْأَنْجَارَ هُومًا وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ
دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُرْسِلُوا إِلَّا
لِيُعْبَدُوا وَاللَّهُ وَاحِدٌ أَلَّا يَكْفُرَ الْإِنْسَانُ
بِئْسَ كُفْرًا

بنالیا اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا، اللہ کو چھوڑ کر اور
مسیح مریم کے بیٹے کو بھی! اور ان کو حکم بھی ہوا تھا کہ بندگی
کریں ایک معبود کی، کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا وہ
پاک ہے ان کے شریک بنانے سے۔

اللہ تعالیٰ نے توحید کو قرآن پاک میں خوب واضح فرمایا ہے اور شرک کے مواد کو اس طرح متناہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں باقی رہتا اور اس
کے سوا کسی سے توقع نہیں قائم ہوتی اور اس کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ اطاعت تو اللہ اور رسول دونوں کی ہے۔ لیکن خشیت صرف اللہ کی
ہونا چاہیے۔ ارشاد ہوا:-

مَنْ يَطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَخْشِ اللَّهَ مَا دَيَّقْنَا
قُلُوبَنَا هُمْ الْفَائِزُونَ

جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے
اور اس کی مخالفت سے بچے پس ایسے ہی لوگ با مرد ہوں گے۔

بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی توحید کی تشریح امت کے لئے فرمایا کرتے تھے اور ان کے دلوں سے شرک دور فرماتے تھے۔ کیونکہ یہی کلمہ لا الہ الا اللہ کا
صحیح مطلب ہے۔

(۲)

علامہ امیر مبنی فرماتے ہیں:-

جب میں نے دیکھا کہ مین شام بخارا اور تھامر نیز دیگر بلاد اسلام کے دیہی اور شہری حلقوں میں لوگوں نے مخلوق خدا کو مسبود اور معبود بنا رکھا ہے۔

قبروں کے متعلق عجیب و غریب عقائد قائم ہیں۔ اکثر فاسق و فاجر جو نہ کتاب و سنت سے واقف نہ حشر و نشر سے خائف کبھی ان کو اللہ کے سامنے رکوع و سجدہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ وہ علم غیب اور کشف و کرامات کے مدعی ہیں تو میں نے ضروری سمجھا کہ ان امور پر انکار کروں جن پر اللہ تعالیٰ نے انکار کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ اور اس چیز کو پوشیدہ نہ کروں جن کا اظہار خدا نے برترنے واجب فرمایا ہے۔ چند اصول ہیں انہیں سمجھ لینا چاہیے کیونکہ درحقیقت وہ دین کی بنیاد ہیں۔

اصل اول

جو کچھ قرآن پاک میں ہے وہ حق ہے، باطل نہیں ہے۔ سچ ہے، جھوٹ نہیں ہے۔ ہدایت ہے، گمراہی نہیں ہے۔ علم ہے، اجالت نہیں ہے۔ یقین ہے، اس میں شک نہیں ہے۔ یہ وہ اصل ہے جسے مدار اسلام کہا جاسکتا ہے۔ اس کے بغیر اسلام کی تکمیل نہیں ہوتی ہے۔

اصل دوم

تمام انبیاء علیہم السلام نے اللہ کے بندوں کو صرف اللہ ہی کی عبادت اور صرف اسی کی پرستش کی دعوت دی اور سب سے پہلے جو پیغام انھوں نے اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا وہ یہی تھا کہ:

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ دَالٍ غَيْرِهِ
(سورہ ہود)

اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

فرمایا:-

ان اَلَّا تَعْبُدُوا اِلَّا اللَّهَ (حقیقات)
ان عِبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَاطِيعُونَ

یہی مفہوم ہے کلمہ لا الہ الا اللہ کا پیغمبروں نے اسی کلمہ کی دعوت دی اور صرف زبان سے اس کا اقرار نہیں چاہا بلکہ انھوں نے اس کے معانی و مفہوم پر صحیح اعتقاد رکھنے کا مطالبہ فرمایا۔

اصل سوم

توحید کی دو قسمیں ہیں اول توحید ربوبیت، توحید خالقیت، توحید رزاقیت وغیرہ۔ یعنی صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کو دنیا کا خالق، پالنے والا اور رزق دینے والا جاننا۔ مشرکین بھی اس چیز کا انکار نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ان امور کے معترف تھے اور اللہ کے ساتھ کسی کو اس میں شریک نہ کرتے تھے۔ قرآن پاک میں ہے:

وَلَيُنْ سَأَلْتَهُمْ مِّنْ خَلْقِهِمْ يَقُولُنَّ اللَّهُ

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے کہ اللہ نے۔

فرمایا:-

وَلَيُنْ سَأَلْتَهُمْ مِّنْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
يَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ان کو زبردست جاننے والے نے پیدا کیا ہے۔

ارشاد ہوا:-

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ
بِمَلِكِ السَّمْعِ وَالْأَبْصَارِ مَنْ يَخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ
الْمَيْتِ وَيَخْرِجُ الْمَيْتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدْبِرُ

آپ کہے کہ وہ کون ہے جو تم آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو جانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے

الْاٰمِرَاتُ سَيَقُولُوْنَ لِلّٰهِ قُلُّ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے تو ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ۔ تو اس سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں پرہیز کرتے۔

فرمایا :-

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
سَيَقُولُوْنَ لِلّٰهِ قُلُّ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ
مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ
الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُولُوْنَ لِلّٰهِ قُلُّ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝
قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ
يُخْرِجُ وَايْحٰرُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
سَيَقُولُوْنَ لِلّٰهِ قُلُّ فَاَنْتِ لَسْعٰوُن ۝

آپ کہہ دیجئے کہ یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں یہ کس کی ہیں؟ اگر تم کو خبر ہے؟ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کی ہے ان سے کہئے کہ پھر کیوں غور نہیں کرتے؟ آپ یہ بھی کہئے کہ ان سات آسمان کا مالک اور عالیشان عرش کا مالک کون ہے وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے؟ آپ کہئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے؟ آپ یہ بھی کہئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو کچھ خبر ہے؟ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب صفیں بھی اللہ ہی کی ہیں آپ کہئے کہ پھر تم کو کیوں خبط ہو گیا ہے؟

(المومنون)

دیکھو فرعون اپنے کفر میں کس قدر سخت تھا۔ اس کے باوجود اللہ تبارک و تعالیٰ کی پروردگاری کا کس انداز میں اعتراف کرتا ہے۔ تو خوب جانتا ہے کہ یہ عجائبات خاص اور زمین کے پروردگار نے بھیجے ہیں جو بصیرت کے لئے ذرائع ہیں۔

لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا نَزَّلْنَا لَهُوَا لَا يَرٰ اِلَّا رِبَّ السَّمٰوٰتِ
وَ الْاَرْضِ بَصٰٓئِرٌ . (بنی اسرائیل)

ابلیس کہتا ہے :-

اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (سورہ مائدہ)

میں تو خدا پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں۔

توحید کی دوسری قسم عبادت ہے یعنی عبادت کی جس قدر قسمیں ہیں وہ صرف ذات خداوندی کے لئے مخصوص کر لی جائیں۔ یہی وہ مقام ہے

جہاں لوگوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی اس کا شریک سمجھا ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو اسی مسئلہ پر تہنید فرمائی ہے۔ فرمایا

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنْ اَعْبُدُوْا

اللّٰهَ - (النمل)

اور ہم ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر بھیجتے رہتے ہیں کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔

ارشاد ہوا :-

اَعْبُدُوْا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنَ الْاِلٰهٰ غَيْرِهٖ . (الاعوان)

عبادت کرو اللہ کی اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔

فرمایا :-

كَلَّا تَجْعَلُوْا اللّٰهَ اَنْدَادًا وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرہ)

اب تو تم ٹھہراؤ اللہ کے مقابل اور تم جانتے بوجھتے ہو

عبادت خداوندی کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سے جو بہت ہی اہم اور ضروری ہیں ان کو ہم ذکر کرتے ہیں :

عبادت اعتقادی

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے قلوب کی گہرائیوں میں اس امر کا یقین موجود ہو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی رب ہے، اکیلا ہے خلق دامر اسی کے لئے ہے، نفع اور نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ وہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکتا ہے۔ اور اسی قسم کی جو چیزیں لازم الوہیت ہیں ان کا دل سے یقین کرنا یہ عبادت اعتقادی ہے۔

عبادت لفظی | اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی زبان سے کلمہ توحید کا اظہار کریں۔

عبادت بدنی | مثلاً نمازیں اٹھنا بیٹھنا رکوع سجود روزہ رکھنا حج کرنا وغیرہ۔

عبادت مالی | مثلاً اللہ کی راہ میں اس مقررہ رقم کو نکالنا جو شریعت کی جانب سے متعین ہے۔ یہ عبادتیں اور اسی قسم کی جو عبادتیں ہیں ان کو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص کر لینا یہی ہے توحید عبادت۔ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر سردر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمامی انبیاء علیہم السلام نے اسی امر کی دعوت دی ہے۔

مشرکین کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے بعض تو فرشتوں کی پرستش کرتے تھے، دیکھ در دیں انہیں کو پکارتے تھے۔ بعض پتھروں کی پرستش کرتے تھے۔ (یہ پتھر حقیقت میں صلحا کی یاد میں بنی ہوئی موتیں تھیں) اور اپنی مصیبتوں کو دور کرانے کے لئے انہیں کی جانب رجوع کرتے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اور آپ کی زبان سے اعلان فرمایا کہ رب ذوالجلال جس طرح اپنی ربوبیت میں فریاد اور وحید ہے اسی طرح اپنی معبودیت میں بھی وہ کسی اپنا شریک اور ہمسر نہیں رکھتا ہے۔ فرمایا:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَذَّبُوا عَنْ آلِهَتِهِمْ كَمَا كَذَّبُوا عَنْ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ (الرعد)

سچا پکارنا اسی کے لئے خاص ہے اور خدا کے سوا جنکو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ انکی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے۔

توحید عبادت اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی۔ جب تک یہ نہ ہو جو دُعا میں مانگی جائیں وہ صرف اللہ سے مانگی جائیں۔ عجم ہو یا مسرت ہو مانگی ہو یا ذرا غمی ہو، تمام حالتوں میں صرف اللہ ہی کو پکارا جائے۔ مدد صرف اللہ ہی سے مانگی جائے۔ ایتلاف نجد و ایتلاف نسطعین (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) پر صحیح معنوں میں عمل کیا جائے۔ التجا اور آرزو تو اللہ کی بارگاہ میں ہو، نذر و قربانی ہو تو صرف اسی کے نام پر ہو، رکوع سجود، طواف جو کچھ ہو سب اسی ذات وحدہ لا شریک لہ کی خاطر ہو۔ اگر کسی نے ان امور کو خالق کے سوا مخلوق کے ساتھ برتا، وہ مخلوق زندہ ہو یا مردہ پس اس نے اس مخلوق کو اپنا معبود بنالیا۔ اب اگر وہ اللہ کا اقرار بھی کرتا ہے اور اس کی عبادت کا دم بھی بھرتا ہے پھر بھی اس نے مشرکانہ عمل کیا تو اس کا یہ اقرار اس کے اس مشرکانہ فعل کی مکافات نہیں کر سکتا۔

اگر تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بندوں سے امداد چاہنا تو احادیث سے ثابت ہے۔ دیکھو حدیثوں میں آتا ہے کہ قیامت کے روز پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے خواستگار ہوں گے پھر حضرت نوح علیہ السلام سے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے۔ سب امداد سے عذر کریں گے۔ تب سردر کو نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور مدد چاہیں گے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ بندوں سے امداد طلب کرنا بُرا نہیں ہے۔

ہم کہیں گے کہ تمہارا یہ شبہہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں کس کو کلام ہے کہ اگر خدا کی ایک مخلوق کسی چیز پر قادر ہے تو اس میں اس سے امداد کی درخواست نہ کی جائے، اس قسم کی اعانت طلبی تو عالم اسباب کے لوازم میں سے ہے۔ دعا طلبی ہو یا دعا طلبی اس میں حرج نہیں۔ حرج تو اس عقائد میں ہے کہ دُعا اور دُدا کا لازمی نتیجہ کار سازی اور کار براری ہے۔ حرج تو اس عقیدہ میں ہے کہ فلاں شخص کو یہ قدرت اور یہ مرتبہ حاصل ہے کہ وہ چاہے تو ہمارا کام سرور ہی بن جائے گا۔ اور اگر ہم فلاں شخص کا دامن تھام لیں تو نفوذ باللہ ہم اللہ سے بے نیاز ہو گئے۔ یا اللہ ہمارے حسب منشا کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اعانت طلبی کی مثال ایسی ہے کہ ایک بوجھ ہم اکیلے نہ اٹھا دیں۔ دوسرے بھی ہمارا ہاتھ بنا دیں۔ خود قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں قبلی اور اسرائیلی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے:

فَاَسْتَغْفِرُكَ الَّذِي مِنْ شَيْعَتِهَا عَلَى الَّذِينَ

سو وہ جو ان کی برادری میں تھا اس نے موسیٰ سے اس کے مقابلہ میں جو ان کے مخالفین میں سے تھا مدد چاہی۔

مِنْ عَذْوَةٍ - (التقصیر)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عمرہ کی غرض سے تشریف لے جانے لگے تو دیکھو ردھی فداہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کن الفاظ میں حضرت عمر فاروق سے دعا کرنے کے لئے فرماتے ہیں۔

لَا تَنْسَنَا يَا اِخِي مِنْ دُعَائِكَ - اے بھائی مجھ کو اپنی دعا میں نہ بھولنا

اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ مومنین کے لئے استغفار کریں۔ اور ان کے لئے دعائے خیر کریں۔ ارشاد ہوا:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِي سَبَقُونَا

اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔

يَا اٰلِ اِيْمَانٍ - (المحشرہ)

حضرت ام سلیم فرماتی ہیں۔

يَا رَسُولَ اللّٰهِ خَادِمِكَ - اے رسول اللہ!

اے رسول اللہ اپنے خادم انس کے حق میں دعا فرمائیے۔

یہ امر تو متفق علیہ ہے۔ اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ گفتگو تو اس میں ہے کہ لوگ اہل قبر کے سامنے درخواست کرتے ہیں یا زندوں کے سامنے ان امور کے لئے دست سوال دراز کرتے ہیں جس پر وہ قطعی قادر نہیں ہیں! وہ تو خود اپنی ذات کے نفع نقصان کے مالک نہیں، موت و زندگی کے معاملات سے واقف نہیں۔ پھر بھی لوگ ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ بیماروں کو شفا دیں، مردوں کو زندہ کر دیں، کھیتوں کو سرسبز و شاداب کر دیں، لوگوں کو نظر بسے محفوظ رکھیں۔ یہ لوگ درحقیقت وہی ہیں جن کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَسْتَجِيبُوْنَ

اور تم جن لوگوں کی خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ

نَصْرًا كُمْ وَلَا اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ

مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ تم خدا کو چھوڑ کر جن کی

تَدْعُوْنَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ عِبَادَةٌ اَمْثَلِكُمْ ۗ (اعراف)

عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں۔

پس یہ قبروں کے سامنے سر جھکانے والے اور گمراہوں سے اچھا اعتقاد رکھنے والے، انھوں نے درحقیقت وہ راستہ اختیار کیا ہے جو اہل شرک کا ہے۔ انھوں نے ان جاہلوں کے متعلق، اور قبروں کے متعلق وہ اعتقادات قائم کئے ہیں جن کا اللہ کے سوا اور کسی ساتھ قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ قبروں کا طواف کرتے ہیں، ان سے منتیں چاہتے ہیں، ان کے نام پر قربانی کرتے ہیں، اور کیا موجب ہے کہ سجدہ بھی کرتے ہوں، حالانکہ یہ تمام چیزیں صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص ہیں۔ یہ کھلا ہوا شرک ہے اور اللہ تعالیٰ ہرگز شرک سے راضی نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ

بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشے گا کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے۔

(۳)

علامہ نقی الدین احمد بن علی المقریزی فوفی صدی ہجری کے ایک مشہور عالم ہیں۔ اپنی کتاب تجرید التوحید میں فرماتے ہیں:

دنیا کی وہ قومیں جو شرک کی لعنت میں گرفتار ہیں۔ عموماً شرک عبادۃ اور شرک ربوبیت میں مبتلا ہیں۔ شرک عبادۃ کا ان لوگوں پر غلبہ ہے جو بت پرست ہیں، فرشتوں اور جنوں کو اپنا معبود جاننے میں۔ زندہ اور مردہ مشائخ اور صالحین کے ساتھ پرستش کا معاملہ کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی پرستش اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا مقرب بنا دے۔ مانند ہم کلا یقر، جو نالی اللہ زلیخا۔ یعنی ہم ان کے سامنے عقیدت اور نیاز مندی کا اظہار صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں ہماری شفاعت کریں گے۔ اگر ان کے یہاں ہم کو تقرب حاصل ہو گیا تو بارگاہ ایزدی میں بھی نزدیکی نصیب ہوگی۔ جس طرح دنیا میں بادشاہوں اور رئیسوں کے یہاں وہی لوگ مقرب ہوتے ہیں جو ان کے دست

اجاب اعزاز اور ملازمین سے زیادہ ربط منبسط رکھتے ہیں۔

حالانکہ یہ وہ عقیدہ ہے جس کی تردید ازل سے آخر تک تمام پیغمبروں نے اور تمام آسمانی کتابوں نے کی ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے کو یہ اور اللہ کا دشمن بتایا گیا ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ اسی شرک کی وجہ سے برباد ہوئی ہیں اس عقیدے کی خرابی کا اصلی سبب یہ ہے کہ اللہ کی محبت کے ساتھ ساتھ دوسروں کی محبت بھی دلوں میں گھر کر گئی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے :-

يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آٰمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ

ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہر فردی ہے اور جو مومن ہیں ان کو اللہ کے ساتھ قوی محبت ہے۔

دوزخ میں مشرکین اپنے بتوں سے کہیں گے کہ :

تَا اللّٰه اِنْ كُنَّا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اِذْ نَسُوْكُمْ يٰرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (شورہ)

بیشک ہم صریحی گمراہی میں تھے جبکہ تم کو رب العالمین کے برابر کرتے تھے۔

یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور بتوں کے درمیان برابری اس میں نہیں تھی کہ انھوں نے بتوں کو خالق اور پروردگار سمجھا ہو۔ اس لئے کہ مشرکین کو تو اللہ تعالیٰ کا رب اور خالق اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے۔ ہاں یہ مساوات محبت اور عبادت کی تھی۔ ان کے دلوں میں مبود باطل کی جانب سے محبت اور پرستش وہی جذبہ تھا جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہونا چاہیے۔ پس جس نے اللہ کے سوا کسی دوسرے سے محبت اخوت اور امیدوں کا وہ تعلق پیدا کیا جو ہی کے لئے مخصوص ہے تو یقیناً اس شرک کا مجرم ہو جس کو اللہ معاف نہ فرمائے گا۔ ذرا غور کر دو کہ جب اللہ اور غیر اللہ میں برابری کرنے والوں کے ساتھ یہ معاملہ ہو گا، تو ان لوگوں کا حشر کیا ہو گا جنھوں نے غیر اللہ کو اپنے اوپر پورا قبضہ دے رکھا ہے۔ اللہ سے زیادہ ان کی محبت میں مست و سرشار ہیں۔ سے زیادہ ان سے ڈرتے ہیں اور اللہ سے زیادہ ان کے احکام کی تعمیل میں مصروف ہیں۔ ستم یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کے باوجود وہ اپنے کو موجد اور بھی جانتے ہیں۔ نہ صرف قرآن پاک نے بلکہ تمام آسمانی صحیفوں نے ان تمام لغویات کا انکار کیا ہے۔ ارشاد ہوا :

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

دیکھو اس آیت قرآنی نے شرک کی گندگیوں سے علیحدہ کر کے انسان کو صرف ایک مبود حقیقی کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ اب پرستش کرنے کی امداد کی درخواست ہے تو اسی سے 'اب اس بارگاہ عالی میں نہ شرک عملی ہو نہ شرک لفظی اور نہ شرک ارادی !

شرک عملی

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سے کوئی فعل ایسا سرزد نہ ہو جو شرک کا نہ ہو مثلاً اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کیا جائے۔ حضور پر نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرماتے ہیں :-

لا يَنْبَغِيْ لِاحِدٍ اَنْ يَّسْجُدَ لِاحِدٍ اِلَّا لِلّٰهِ

اللہ کے سوا کسی کا سجدہ جائز نہیں

اسی طرح خانہ کعبہ کے سوا کسی اور چیز کا (مثلاً مقابر اور مزارات) کا طواف کرنا، قبروں کو بوسہ دینا اور ان کا سجدہ کرنا، یہ سب امور شرک کا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

لَعْنُ اللّٰهِ اِلَيْهِوْدِ النَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُوْرَ

یہود اور نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہے کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی

انبيائهم مساجد

قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

فرمایا :-

لَعْنُ اللّٰهِ زَوَارَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمَجْزِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدِ

قبروں پر جانے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے اور ان لوگوں پر لعنت ہے جنھوں نے

والسراج

قبروں پر چراغ جلا یا اور قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

شُرکِ عملی کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کے سامنے اظہارِ عجز و بندگی کی عرض سے سر کے بال منڈائے جائیں۔

شُرکِ لفظی

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری زبان سے کوئی لفظ نہ نکلے جو اپنے اندر مشرکانہ بول رکھتا ہو۔ مثلاً حلف! کہ اللہ کے سوا اور کسی کی قسم کھانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

من حلف بغير الله فقد اشرك (ابوداؤد)

جس نے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ اسی طرح اپنے بزرگوں اور مرشدوں کے سامنے کہتے ہیں، جو مرضی اللہ کی اور آپ کی، میرے لئے آسمان پر اللہ ہے اور زمین پر آپ، سب برکتیں اللہ کی جانب سے ہیں اور آپ کی جانب سے ہیں۔ مجھے اللہ پر اور آپ کی ذات پر بھروسہ ہے۔ ذرا غور تو کر دو۔ یہ الفاظ عموماً ہماری زبان سے نکلے ہیں اپنے اندر اعتقادی حیثیت سے کس قدر فساد رکھتے ہیں۔

حضور کے سامنے کسی نے کہا۔ جو کچھ آپ چاہیں اور اللہ چاہے۔ حضور نے فوراً رد کیا اور ارشاد فرمایا کہ کیا تم مجھ کو اللہ کا شریک بناتے ہو یہ کہو کہ جو کچھ اللہ چاہے۔

شُرکِ ارادی

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کوئی کام کریں لیکن اس کام سے ہمارا مقصود بجائے اللہ کی خوشنودی کے کچھ اور ہو (مثلاً نمود، شہرت، وجاہت طلبی وغیرہ) مختصراً یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی کار خیر میں بجائے اللہ کی مرضی تلاش کرنے کے، ہماری نیت دنیا طلبی ہو تو یہ شرک کی دو قسم ہے جس کا مرتکب درحقیقت مقام (ایک نعبدا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) سے قطعی ناداتف ہے۔

اس بات کو قطعی سمجھ لو کہ بندہ کی بندگی اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی ہے جب تک کہ اس کے اعمال اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کے لئے خالص نہ ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ ان اعمال کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع بھی نصیب ہو۔

وہ لوگ جن کے اعمال اللہ تعالیٰ کے لئے خالص اور سنت رسول کے موافق ہیں، درحقیقت ان کا کردار ان کی گفتار، ان کی بخشش، انکا لفظ ان کی محبت، سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے وہ اپنے کسی عمل پر بندوں سے بدلہ کے خواہش مند نہیں ہیں اور نہ شکر یہ کے خواستگار۔ انہوں نے اہل دنیا کو بالکل اہل قبر کی مانند سمجھ رکھا ہے جو نفع و نقصان، موت زندگی کسی کی بھی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

اس مسئلہ کے متعلق شیخ الاسلام عارت باللہ حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں ایک واضح تقریر فرمائی ہے، اس کو ہم اختصار کے ساتھ یہاں نقل کرتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا :- سر کے بال عموماً تین مقاصد کے ماتحت مونڈے جاتے ہیں (۱) حج میں یا عمرہ میں (۲) عام انسانی ضروریات کی بنا پر (۳) شرک و بدعت کی وجہ سے، جیسے کہ بعض مریدین اپنے پیروں کے نام پر سر منڈاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں (پیر فقیر شہید) کے لئے سر منڈایا ہے۔ ان الفاظ کا مفہوم وہی ہے جیسے کوئی کہے کہ ہم نے فلاں کا سجدہ کیا۔ اس موقع پر سر کے بال کا منڈانا عجز و انکساری و خاکساری و فردستی کا اظہار کرنا ہے۔ ائمہ شرک و کفر ہی نے اس چیز کو اپنے لئے بھی ضروری قرار دیا کہ ان کے سامنے بھی اظہارِ بندگی کی جائے۔ ان جاہل نفوس نے اللہ تعالیٰ کی بندگی کا درجہ بالکل گرا دیا۔ طرح طرح کے مشرکانہ اعمال جاری ہوئے، غیر اللہ کے سجدے ہوئے ان کے نام کی قسمیں کھائی گئیں، ان کے لئے نذریں مانی گئیں، ان کے لئے سر کے بال منڈائے گئے، ان کے نام پر قربانیاں کی گئیں، ان کے سامنے اس طرح کھڑے ہو گیا جیسے نماز میں خشوع و خضوع کیساتھ کھڑے ہوتے ہیں، ان سے خوف اور امید کا رشتہ مضبوط کیا گیا جو صرف اللہ کے لئے جائز ہے۔ حالانکہ یہ سب مشرکانہ اعمال ہیں اللہ ان سے پناہ میں رکھے! آمین

لَنْبَلُوهُمْ مَا تَىٰ هُمْ أَحْسَنَ عَمَلًا

ہم لوگوں کی آزمائش کریں گے کہ ان میں سے زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے۔

احسن عمل سے مراد خالص اور درست عمل ہے جو صرف اللہ کے لئے ہو اور درست وہ ہے جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو۔ جو عمل سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نہیں ہے وہ بچائے تقرب کے اللہ سے دوری کا باعث ہوگا۔ وہ لوگ جن کے اعمال میں نہ اخلاص ہے اور نہ وہ رسول اللہ کی سنت کے موافق ہیں اور حقیقت وہ لوگ خدا کی بدترین مخلوق ہیں۔ انہی کے حق میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

تَحْسِبُونَ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ

جو لوگ اپنے کروار سے خوش ہوتے ہیں اور جو کام نہیں کیا اس پر

أَنْ يُعْجِبُوا وَبِمَا لَمْ يُفْعَلُوا أَفَلَا تَحْسِبْتَهُمْ بِمَقَلَّةٍ

چاہتے ہیں کہ انکی تعریف کی جائے سو ایسے شخصوں کے متعلق خیال کرو کہ وہ

مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

عذاب سے محفوظ نہیں گئے ان کو دردناک عذاب ہوگا۔

جن لوگوں کے اعمال تو مخلصانہ ہیں لیکن وہ سنت مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پابند نہیں ہیں وہ بڑی غلطی میں گرفتار ہیں۔ اس مرض میں زیادہ تر جاہل صوفیاء اور فقراء مبتلا ہیں ان کو سمجھنا چاہیے کہ اللہ کی عبادت اسی طریقہ سے مطلوب و مقصود ہے جو طریقہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے۔ (اور وہ اتباع سنت ہے)

وہ لوگ جن کے اعمال سنت کے مطابق تو نظر آتے ہیں، مگر درحقیقت اللہ کے لئے خالص نہیں ہیں وہ بڑے گھائے میں ہیں۔ وہ جہاد اس لئے کرتے ہیں کہ بہادر کہلائیں حج اس لئے کرتے ہیں کہ ان کی شہرت ہو، تعلیم و تصنیف کا کام اس لئے کرتے ہیں کہ مولف اور مدرس کہلائیں۔ پس فی نفسہ یہ اعمال تو درست ہیں۔ مگر اللہ کے نزدیک مقبول نہیں ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ

ان کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو

الدِّينَ -

اسی کے لئے خالص رکھیں۔

عبادت تو وہی مطلوب ہے جو صرف اللہ کے لئے ہو اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو۔ اور اس حق کو وہی لوگ ادا کرتے ہیں جو

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کی حقیقت سے آشنا ہیں ۝

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "الفوز البکیر" میں لکھتے ہیں :-

اگر تو مشرکین عرب کے عقائد اور ان کے اعمال اور ان کے حالات کی پوری پوری تصویر سے واقف ہو نا چاہتا ہے تو اس زمانہ کے عوام اور جہلا کو دیکھ لو کہ وہ قبروں اور استخوانوں پر جانے ہیں اور طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ غرض اس زمانہ کی آفتوں میں سے کوئی آفت نہیں جس میں اس زمانہ کی ایک قوم اس کا ارتکاب نہیں کرتی۔ اور ان کے مثل اعتقاد نہیں رکھتی۔ خدا ہم کو ایسے عقیدوں اور عملوں سے بچائے۔

(ملفوظاً - اردو ترجمہ)

ابو محمد امام الدین رام نگری

عقیدہ توحید اور انسانیت

خدا کی ہستی اور اس کی توحید کے عقیدے کو انسانی زندگی میں کس قدر اہمیت حاصل ہے، دین کے اسے سمجھنے کی بہت کم کوشش کی ہے۔ اور اب مسلمان بھی بڑی حد تک اس حقیقت کی طرف سے غفلت اور جہول میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ خدا کی ہستی سے انکار انسان کو انسانیت سے دور کر دیتا ہے اور یہی نتیجہ شرک کا ہوتا ہے۔ سچی انسانیت خدا کی ہستی اور اس کی توحید کے عقیدے پر موقوف ہے۔

انکار خدا کے مفاسد انکار خدا کے مفاسد کا شمار نہیں ہے، خدا کا انکار انسان کو آوارہ مزاج بنا دیتا ہے، خدا کے منکر کے لئے سراج میں کوئی مرکزیت باقی نہیں رہ جاتی۔ ہر انسان خدا اور ہر انسان بندہ بن جاتا ہے۔ جس انسان کے ہاتھ میں بھی طاقت اور اقتدار کی لالچی آ جاتی ہے، وہ انسانوں پر جانوروں کی طرح حکومت کرنے لگتا ہے۔ اور مرکز دور اور بے بس انسان جانوروں کی طرح اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، یہ اقتدار و اختیار ایک انسان سے دوسرے انسان کے ہاتھ میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ کبھی ایک با اقتدار انسان کے مرنے کے بعد دوسرا انسان اس کے اقتدار پر قبضہ پا جاتا ہے یا قبضہ کر لیتا ہے۔ اور وہ انسانوں کو اپنے پسندیدہ راستہ پر ہانکنا شروع کر دیتا ہے۔ اور کبھی کوئی طاقتور اٹھتا ہے اور صاحب اقتدار کے ہاتھ سے زبردستی عمان اقتدار چھین لیتا ہے اور انسانی گروہ پر حسبِ لخواہ خدائی کرنے لگتا ہے۔

خداؤں کے تبادلے کے ساتھ ساتھ انسانوں کی بندگی کے طریقے بھی بدلتے رہتے ہیں اور انسانیت اسی طرح کھلتی، لپکتی اور پامال ہوتی رہتی ہے۔ اس کو نہ کبھی سچی شرافت و عزت نصیب ہوتی ہے اور نہ سچا امن و اطمینان میسر آتا ہے۔ کبھی کوئی شہریر انسان نمود و فرعون کی صورت میں نمودار ہوتا ہے، کبھی ہلا کو اور چنگیز کے روپ میں اور کبھی مسولینی، ہٹلر اور اسٹالن کی شکل میں، اور ان کے ہاتھوں ملکوں اور قوموں میں ہمیشہ تباہی و بربادی اور ہلاکت و خونریزی کا بازار گرم رہتا ہے!

انسان پر انسان کی خدائی کی ایک پُر فریب صورت پارلیمنٹری اور مغرب زدہ جمہوری حکومت ہے۔ اس صورت میں بادشاہ اور ڈکٹیٹر کی بجائے انسانوں کا ایک منتخب گروہ خدائی کرتا ہے۔ اور اس خدائی کے اثرات و نتائج بھی کم و بیش وہی ہوتے ہیں جو پہلی قسم کی خدائی کے۔ ہر نئے آنے والے گروہ کو یہ حق و اختیار حاصل ہوتا ہے کہ اپنے سے پہلے گروہ کے راستے کو غلط قرار دے دے اور انسانیت کو ایک بالکل ہی نئی راہ پر ہانکنا شروع کرے۔ اس طرح راستوں کا الٹ پھیر ہوتا رہتا ہے اور انسانیت کو کبھی پریشانی اور سرگردانی سے نجات نہیں ملتی۔ زہر کے اس شجر خبیثہ سے برابر نئی نئی شاخیں اور کونپلیں پھوٹی رہتی ہیں جو نئے نئے زہریلے پھول اور پھل دیتی رہتی ہیں۔

شراب ایک روز انسانیت کے لئے زہر قرار دی جاتی ہے اور دوسرے روز تریاق بنا دی جاتی ہے۔ جوئے کی ایک قسم۔ نئے نئے پھر جاتا ہے تو دوسری صورتیں وضع کرنی جاتی ہیں۔ ایک قسم ممنوع ہوتی ہے تو دوسری قسمیں جائز بن جاتی ہیں۔ سود کی ایک صورت

کی مذمت کی جاتی ہے اور اُس کی جگہ بہت سی نئی صورتیں نکالی جاتی ہیں۔ شادی ایک سے زیادہ خلاف قانون قرار دے دی جاتی ہے اور حرام کاری کی ساری راہیں کھلی چھوڑ دی جاتی ہیں۔ کسی دن ازدواجی زندگی ہر قید سے آزاد کر دی جاتی ہے، پھر اس کی غلطی تسلیم کی جاتی ہے اور سماج کو مقید ازدواجی زندگی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ عورتوں کی آزادی و مساوات کے نام پر اُن کو گھروں سے باہر لاکر کھیتوں اور کارخانوں میں مردوں کے ساتھ کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ بازاروں اور پارکوں میں پھرایا جاتا ہے۔ ہوٹلوں اور کلبوں میں اُن سے پھرایا اور گویا جاتا ہے۔ لڑکیوں کو اسکولوں اور کالجوں میں نوجوانوں کے دوش بدوش بٹھایا جاتا ہے۔ اُن کو عسقیہ ادب کا سبق پڑھایا جاتا ہے اور اُن کے سامنے انتہائی رنگین رومانی اشعار کی نشر و ترویج کی جاتی ہے اور اُن کے اندر وہ جنسی آگ بھڑکائی جاتی ہے کہ کمزاریاں بیوی بننے سے پہلے ہی عملاً جنسی زندگی کے اسرار و رموز سے آشنا ہو کر درگاہوں سے نکلتی ہیں۔ اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا جاتا۔ اُن کو جنگی قواعد پریڈ کی تعلیم دی جاتی ہے اور اسلحہ دے کر محاذ جنگ پر بھیجا دیا جاتا ہے۔ اور فوجی کیمپوں اور خندقوں میں بھی حُسن و عشق کے رزم و بزم کا سلسلہ جاری رہتا ہے!

ان چیزوں کا نام رکھا جاتا ہے آزادی نسواں، ترقی نسواں، مساوات، خود کفیلی، پھر جب جنسی آوارگی حد سے زیادہ زور پکڑ جاتی ہے، نوجوان دن دہاڑے دو میٹراؤں کی عصمتوں پر ڈاکے ڈالنے شروع کر دیتے ہیں۔ لڑکیاں شادی سے پہلے ہی مائیں بننے لگتی ہیں۔ بیویاں شوہروں کو چھوڑ کر عاشقوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے لگتی ہیں۔ عدالتوں میں دھڑا دھڑا طلاقوں کے دعوے دائر ہونے لگتے ہیں اور عائلی نظام پر اگندہ ہونے لگتا ہے تو اصلاح و احساق کے وعظ شروع کر دیے جاتے ہیں اور کہا جانے لگتا ہے کہ انسانیت کے قیام و بقا کے لئے مردوں اور عورتوں کی زندگی کے درمیان ایک حد فاصل ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔!

اس طرح کے واعظ سماج میں مقدس خیال کئے جانے لگتے ہیں۔ ان کو معنکر اور مصلح کا لقب دیا جاتا ہے اور اُن کی آواز بڑے عقیدت و احترام کے ساتھ سنی جاتی ہے۔ لیکن ترقی پسند گروہ ان مقدس واعظین پر مسکراتا ہے اور یہ فقرہ چُپت کرتا ہے۔

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ رُبا کہتے ہیں

جہاں خدا ہی کا اقرار نہ ہو، وہاں خدا کی باز پرس اور اُس کے عذاب و عتاب کے خوف کا کیا ذکر۔ پوری انسانی زندگی یہی مادہ زندگی بن کر رہ جاتی ہے۔ دینا پرستی، نفس پرستی، خواہش پرستی اور فادیت پرستی زندگی کا نصب العین بن جاتی ہے۔ اور اس نصب العین کے حصول کے لئے ظلم و فساد، بے ایمانی و بے انصافی، غداری و بدعہدی، جنگ و پیکار اور اس طرح کی تمام ناکردگیوں کو کر دنی بنا دیا جاتا ہے!

شُرک کے مفاسد | شرک یہ ہے کہ خدا کا اقرار کیا جائے، لیکن اس کے ساتھ اور بھی کم و بیش خداؤں کو مانا جائے۔ اُن کے متعلق بھی خدا کی طرح نفع و ضرر کا عقیدہ رکھا جائے اور خدا کی طرح ان کی بھی عبادت و بندگی کی جائے!

شرک کفر سے بھی زیادہ منافی انسانیت ہے۔ وہ انسان کو انسانیت کے مجد و شرف سے بالکل محروم کر دیتا ہے، مُشرک انسانیت کے مقام سے اتنا گر جاتا اور اتنا پست و ذلیل ہو جاتا ہے کہ ہر طاقت اور اقتدار کے سامنے جھکنا اس کا مسلک و شعار بلکہ مذہب بن جاتا ہے۔ وہ ہر ہستی اور ہر شے میں خدا کی نمود اور اس کی صفت دیکھنے لگتا ہے! وہ سورج کو دیکھتا ہے کہ زمین سے کتنا بلند اور روشن ہے۔ (اور اس کی تابانی اور تپش کا یہ عالم ہے کہ کوئی آنکھ اُسے نگاہ بھر کر دیکھ نہیں سکتی!)

چاند اور ستارے رات کی تاریکی میں ضیا بار اور روشن ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ ان میں نفع و ضرر کے بہت سے خواص اثرات ہیں۔ اس لئے انسان نے ان کو معبود بنا لیا۔ آگ اور پانی کو دیکھا کہ ان میں بھی بڑی طاقت موجود ہے اور ان سے بھی انسان کے بہت سے منافع اور نفع آتا رہتا ہے۔ آگ لوہے تک کو پگھلا کر پانی بنا دیتی ہے اور پانی کا میلاب بڑی بڑی چٹانوں کو بھی اپنی رو کے ساتھ بہا لے جاتا ہے اس لئے ان کی بھی پوجا شروع کر دی۔ اس نظریہ نے پھیل کر جانور، درخت، دریا، انسان، غرض ہر چیز کو دائرہ عبودیت میں داخل کر لیا۔!

شُرک کی یہ پیاس بڑھتی ہی گئی، خدا کو مجسم بنا کر سامنے لایا نہیں جاسکتا تھا۔ سورج، چاند، ستارے دسترس سے باہر تھے۔ ان کو زمین پر اتار لانا ممکن نہ تھا۔ فرشتے اور جن اور ان دیکھی روہیں مرنی نہیں بنائی جاسکتی تھیں، اس لئے ان کی خیالی صورتیں تجویز کی گئیں۔ ان صورتوں کے بُت اور مجسمے بنائے گئے۔ قوموں کے ممتاز انسانوں کو خدا کا اوتار اور مظہر کہا گیا اور اس طرح ان کے ذریعہ جذبہ پرستش کی تکمیل کی گئی۔!

اس عقیدے نے انسانیت کو خوب خوب ذلیل اور بے عزت کیا ہے۔ انسانوں نے انسانوں ہی کو نہیں پوجا ہے، انسانوں کے قدموں کے نقوش ہی نہیں پوجے ہیں، مرد اور عورت کی شرمگاہوں کی شکلیں بنا کر بھی پوج ڈالی ہیں۔ یہ اس تصور کے ماتحت کہ یہی تخلیق انسانیت کے مخرج ہیں۔ شیطان نے انسان کو کیسے کیسے فلسفے سکھائے ہیں اور کیسی کیسی پٹی پڑھائی ہے!

شُرک اور کفر میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ دونوں کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ ایک خدا کے سوا جب دوسری ہستیوں اور دوسری چیزوں کو بھی خدا مان لیا جائے تو خدا کے اقرار اور انکار میں کچھ زیادہ فرق نہیں رہ جاتا۔ جہاں سے غیر خدا کی خدائی کا اقرار شروع ہوتا ہے، ٹھیک اسی جگہ سے خدا کی خدائی کا انکار شروع ہو جاتا ہے۔ موجودہ زمانہ عقل و سائنس کا زمانہ ہے، عقل اور سائنس خدا کے انکار کو ضروری نہیں ٹھہراتیں۔ لیکن انسان نے اپنے جہل اور حماقت سے خود عقل اور سائنس کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور طے کر دیا ہے کہ عقل و سائنس کی رو سے خدا کا عقیدہ محض وہم اور جاہلی زمانہ کا بقیہ ہے۔ ایسے زمانہ میں سورج، چاند، ستاروں، جانوروں، درختوں اور غیر مرنی ہستیوں کو کون خدا مانتا ہے۔ لیکن انسانی خدائی نے کامل ہمہ گیری کے ساتھ انسانیت پر اقتدار و تسلط قائم کر لیا ہے۔ اب نمرود و شداد، فرعون وغیرہ جیسے انسان خدا نہیں ہوتے۔ اب ان کی جگہ ملکوں اور قوموں کے لیڈروں، پارلیمنٹوں، صدروں، وزیراعظموں اور ڈکٹیٹروں نے لے لی ہے۔ جو خدا کی طرح انسانوں پر اپنے احکام و قوانین جاری کرتے ہیں۔

انسان خوشی اور ناخوشی سے، لالچ اور فریب سے، عقیدت و محبت سے اپنے لئے خدا بناتے ہیں اور ان کی اطاعت و بندگی کرتے ہیں۔ یہ خدائی بھی بڑی عجیب ہوتی ہے۔ ملکوں اور قوموں کے منتخب علماء و عقلمدار۔ مدبرین و مقننین اپنی انتہائی قابلیتیں صرف کر کے انسانوں کے لئے ایک دستور زندگی بناتے ہیں۔ لیکن آئے دن ان میں تیسخ و ترمیم اور رد و بدل ہوتا رہتا ہے۔ ایک برسرِ اقتدار پارٹی کے بعد دوسری پارٹی برسرِ اقتدار آتی ہے اور ملک و قوم کی زندگی کو بالکل دوسرے رخ پر پھیر دیتی ہے۔ یہ چکر چلتا رہتا ہے ایک ڈکٹیٹر کے بعد دوسرا ڈکٹیٹر انسانی زندگی کا نظام اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ اور کل تک جس ڈکٹیٹر کے محاسن و محامد کے کلھے پڑے جاتے تھے اس کی نسبت کہتا ہے کہ وہ بڑا ہی ظالم، سفاک اور انسانیت کش تھا۔ ہماری پالیسی کو اس کی پالیسی سے کوئی تعلق نہیں۔ اس طرح جو احکام و قوانین کل تک "حرفِ آخر" سمجھے جاتے تھے ان پر خط تیسخ پھیر دیا جاتا ہے۔ جو پارٹی کسی ملک میں انقلاب برپا کرتی ہے ان میں سے ایک شخص کچھ لوگوں سے ساز باز کر کے تختِ اقتدار پر قبضہ کر لیتا ہے اور اپنے رفقاء کے انقلاب

میں سے جن لوگوں کو اپنے مفاد کے خلاف دیکھتا ہے ان کو ملک و قوم کا دشمن قرار دے کر گولیوں کا نشانہ بنا دیتا ہے، پھانسی پر چڑھا دیتا ہے۔ جیلوں میں ٹھونس دیتا ہے، ملک کے کسی دور دراز ارضی جہنم میں ڈال دیتا ہے اور ان بیچاروں کا حال یہ ہوتا ہے کہ

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خیر نہیں آتی

اس شرک اور انسانی خدائی میں خود خدا کا یہ حال ہوتا ہے کہ اُسے مندروں، مسجدوں، خانقاہوں، گرجاؤں اور معبدوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ اور خدا کے ماننے والے انسانوں پر یہ پابندی لگا دی جاتی ہے کہ تمہارا اور تمہارے خدا کا معاملہ تمہاری ذات تک محدود ہے۔ تم جس طرح چاہو اپنے دل میں خدا کو مانو۔ اور اپنے گھر میں جیسے چاہو خدا کو پوجو۔ لیکن گھر سے باہر نکلو تو خدا کو ساتھ لے کر نکلنے کی اجازت نہیں۔ اس لئے کہ

یہ تو ہے اک معاملہ دل کا خدا کے ساتھ!

خدا کو انسان کی اجتماعیت کے معاملہ میں کوئی حصہ اور دخل حاصل نہیں۔ خدا کو اس طرح ماننا اس کے انکار کی کھلی ہوئی صورت ہے۔ جو لوگ اس طرح خدا کے ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ خدا کا علانیہ انکار اور اُس سے بغاوت کرتے ہیں۔ و ما قدر و اللہ حق قدرہ
سچی انسانیت اور عقیدہ توحید
اوپر کی تفصیلات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انکارِ خدا کا عقیدہ ہو یا شرک کا، دونوں انسانیت کے لئے نہایت ذلیل کن اور متک آمیز ہیں۔ ان عقیدوں میں انسانی عزت و شرافت کے لئے کوئی مقام نہیں ہے۔ سچی انسانیت کا دار و مدار عقیدتِ الہ اور عقیدہ توحیدِ الہ پر ہے۔ صرف خدا کو خدا ماننا اور اُس کی عبادت و بندگی کرنا سچی انسانیت کی راہ ہے۔ سچی انسانیت یہ نہیں ہے کہ کچھ انسان خدا ہوں اور باقی ان کے بندے۔ کچھ حاکم و فرمانروا ہوں اور باقی محکوم و فرمانبردار۔ کچھ انسان اپنے احکام و قوانین جاری کریں اور باقی انسان بندوں کی طرح ان کے جاری کئے ہوئے احکام و قوانین کی پابندی پر مجبور ہوں۔!

سچی انسانیت یہ ہے کہ ایک خدا حاکم و فرمانروا ہو۔ اسی کے احکام و قوانین چلیں اور تمام انسان ان احکام و قوانین کے پابند ہوں۔ کسی انسان کو کسی انسان پر فوقیت و برتری حاصل نہ ہو۔ فوقیت و برتری اور عزت و شرافت کا ایک ہی معیار ہو۔ وہ معیار ہو خدا کے ساتھ و قناداری، خدا کی اطاعت و بندگی اور اس کے احکام و قوانین کی پابندی، خدا ترسی اور اس کی رضا جوئی۔ جو ان چیزوں میں جتنا پیش قدمی اور سرگرمی ہو، وہ اتنا ہی شریف و معزز اور اعلیٰ انسان سمجھا جائے اور اس اعتبار سے اسے ملک و قوم اور حکومت میں مرتبہ، درجہ اور منصب حاصل ہو۔

اسی کا نام ہے حقیقی انسانیت، باقی سب صورتیں انسانیت کشتی کی ہیں!

سچی آزادی اور عقیدہ توحید
آج کل آزادی، آزادی کا بڑا شور ہے۔ لیکن سچی آزادی عنقا ہے۔ شاید اس طرح انسانی آزادی کا خون انسانی تاریخ میں اب سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ پابندیوں میں جکڑی ہوئی انسانیت مفلوج اور بے بس ہو کر دم توڑ رہی ہے!

انسان کو سچی آزادی اسی صورت میں نصیب ہو سکتی ہے، جب صرف خدا کو خدا مانا جائے۔ انسانوں پر انسانوں کی خدائی نہ ہو۔ انسانوں پر انسانی اقتدار قائم نہ ہو۔ انسانوں پر انسانوں کو اپنا حکم چلانے کا اختیار نہ ہو۔ تمام انسان بالاتفاق یہ اصول تسلیم کر لیں کہ انسانوں پر انسانوں کے نہیں خدا ہی کے احکام و قوانین جاری ہونے چاہئیں!

جب تک یہ اصول تسلیم نہ کیا جائے گا، زمین پر سچی انسانیت قائم نہیں ہو سکتی۔ انسانوں پر انسانی آئین و قوانین کی حکومت اور سچی آزادی دونوں متضاد چیزیں ہیں، جو ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔!

طاقت و حکومت اور اقتدار کے زور سے عام پروپیگنڈا کر کے مساواتِ انسانی کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ حالانکہ سچی آزادی کی طرح سچی مساوات کا کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ سچی مساوات سے تو انسانیت

اسی صورت میں بہرہ ور ہو سکتی ہے کہ اس تصویر ہی کو ممنوع اور خلافِ قانون قرار دے دیا جائے کہ انسانوں کا کوئی فرد یا گروہ انسانوں پر اپنے احکام و قوانین کے ذریعہ حکومت و فرمانروائی کر سکتا ہے۔ اور سے انسانی زندگی کا بنیادی عقیدہ قرار دے دیا جائے کہ پوری انسانیت پر خدا ہی کے احکام و قوانین چلنے چاہئیں۔!

سچی حریت و مساوات کی واحد راہ خدا کے واحد کی اطاعت و حکم برداری ہے۔ یہ صرف عقیدہ کی بات نہیں ہے۔ ایک عقلی اور تجربی حقیقت بھی ہے۔ انسان جب خود انسانوں کے لئے دستور و قوانین بنائے گا تو مساواتِ عامہ کی رعایت کے احساس کے باوجود عدم مساوات سے کامل طور پر دستور و قوانین کو پاک رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ وہ عوام کے مقابلہ میں حکومت کے کارفرما اور اہل مناصب طبقے کے لئے کچھ نہ کچھ ترجیحی قوانین ضرور بنائے گا۔ جن میں اس طبقہ کے حقوق و اختیار کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہوگی۔ چنانچہ کسی ملک، کسی قوم اور کسی اصول و نظریہ کے دستور و آئین کو اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ اس میں صدر جمہوریہ، ڈاکٹریٹر، بادشاہ، صوبہ کے گورنر وغیرہ کے لئے استثنائی اور ترجیحی قوانین ضرور ملیں گے۔ ان کی تنخواہوں، اور بھتوں (Allowances) میں بھی ان کی واقعی اور حقیقی ضروریات پر نظر نہ ہوگی۔ بلکہ ان کے اس مصنوعی عہدہ و منصب کے اعتبار سے ان کا مشاہرہ اور بھتہ مقرر ہوگا۔ خواہ اس کے لئے دوسرے ملازمین کے جائز حقوق ہی دبائے پڑیں یا عوام پر ٹھیکس ہی لگانے پڑیں۔ اسی طرح ان کے رہنے کے قصر و ایوان، شان و شوکت اور عیش و آرام کے سامان میں غیر معمولی اہتمام سے کام لیا جائے گا۔ خواہ عوام کو ضرورت کے مطابق رہنے کے لئے مکان، پیٹ بھرنے کے لئے روٹی اور تیل پونجی کے لئے کپڑے نصیب نہ ہوں۔ غرض مشاہرہ، بھتہ، مکان، خوراک، لباس، سواری، ہر چیز میں حکومت کے کارفرما اور سرکردہ طبقہ کو خصوصی حقوق حاصل ہوں گے۔!

عدم مساوات کا یہ وہ پودا ہے، جس کی جڑ اوپر ہوتی ہے اور شاخیں نیچے کی جانب بڑھتی پھیلتی چلی آتی ہیں۔ چنانچہ یہ عدم مساوات بالائی اہل مناصب سے زیرین حکام میں۔ اور ان سے پورے سلج میں پھیل جاتی ہے اور یہ تو مساوات کا نام ہی نام رہ جاتا ہے یا کوئی اس کا نام بھی نہیں لیتا۔!

دُنیا میں آئین و قوانین کے بڑے بڑے دفاتر موجود ہیں۔ بڑی بڑی عدالتیں قائم ہیں۔ جن میں آئین سچا انصاف اور عقیدہ توحید

اس لئے کہ انصاف کی بنیاد ہی نا انصافی پر قائم ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی نا انصافی نہیں ہو سکتی کہ انسان انسانوں کے خدا بن جائیں اور خدا کی تفویض کی ہوئی امانت اختیار کر لیں اور اس کے ناسند بن کر استعمال کرنے کی بجائے نجاتِ مطلق بن کر اس کا استعمال کریں۔ انسان خدا ہی کے معاملہ میں نا منصف بن جائے تو وہ انسانوں کے معاملہ میں کیسے منصف ہو سکتا ہے؟

جب کوئی برسرِ اقتدار انسان یا انسانوں کا کوئی برسرِ اقتدار گروہ انسانوں کے قوانین بناتا ہے تو ان قوانین کی تشکیل و تخلیق ہی میں بے انصافی موجود ہوتی ہے۔ اور بابتِ اقتدار کے لئے کچھ قوانین ہوتے ہیں اور باقی انسانوں کے لئے کچھ۔ اور جب یہ گھٹیا اور ناقص قسم کے غیر منصفانہ قوانین انصاف نام آشنا انسانوں کے ذریعہ استعمال میں آتے ہیں تو یہ اور بھی انصاف کش بن جلتے ہیں۔!

انصاف کے نام سے ایوانِ حکومت سے لے کر گلی و کوچہ و دفتر کچہری اور عدالت تک میں بے انصافی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ بے انصافی کے قاتل تڑپتے، کراہتے اور نالہ و فغاں کرتے رہتے ہیں، لیکن کوئی شنوا نہیں ہوتا۔!

انسانیت کے ساتھ سچا انصاف خدائی آئین و قوانین ہی کے ذریعہ ممکن ہے، جن میں انسانی خود غرضی، افادیت پسندی اور اقتدار پرستی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ اور وہی حاکم اور منصف سچا انصاف کر سکتے ہیں جو خدا اور خدا کی باز پرس پر ایمان رکھتے ہوں۔!

سچا امن اور عقیدہ توحید | آج ہر ظالم، ہر مفسد اور ہر امن شکن ملک اور قوم کا دعویٰ ہے کہ دنیا میں وہی امن کی واحد علمبردار ہے۔ لیکن حقیقت کیا ہے؟ امن و انصاف کی سب سے بڑی دشمن وہی قومیں ہیں جو امن و انصاف

کا پروپیگنڈا کر رہی ہیں۔ ان بد امن قوموں کے ہاتھوں ساری دنیا کا امن تباہ ہے۔ کمزور قومیں جو آزادی چاہتی ہیں اور جو امن و سکون کی زندگی کے لئے تڑپ رہی ہیں، امن و امان کی چھوٹی مدعی قوموں نے ان کی عافیت تنگ کر رکھی ہے۔ غریبوں کو چین نہیں لینے دے رہی ہیں۔ انہوں نے اپنے ملک سے زیادہ دنیا کے امن و امان کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ کمزور قومیں اپنے ملک میں بھی آزاد نہیں رہ سکتیں۔ اچھے نہیں سکتیں، ترقی نہیں کر سکتیں۔ اگر وہ ادھر ادھر سے اپنی حفاظت و بقا کا کوئی سامان کرتی ہیں تو طاقتور قوموں کی طرف سے توازن بگڑنے کا شور برپا کیا جاتا ہے، کوئی طاقتور قوم مغرب کے کسی جزیرہ میں بستی ہے۔ اور کوئی شمال کے کسی دور دراز کے خطہ زمین میں، اور کوئی جنوب کے کسی دور کے ملک میں۔ لیکن دنیا کے کسی خطہ میں کوئی کمزور اور چھوٹی سی قوم بھی اپنی صلح و سہبود کے لئے اپنے ہاتھ پاؤں کو حرکت دیتی ہے تو طاقت کا توازن ڈالنا ڈول ہونے لگتا ہے اور بڑی بڑی اقتدار پرست قوموں کی فوجیں امن و امان کے قیام کے نام سے نقل و حرکت میں آ جاتی ہیں۔ بگڑتا ہے ان استعمار پسند قوموں کے اقتدار و قوت کا توازن اور شور مچ جاتا ہے دنیا کی قوت کے توازن کے بگڑنے کا۔ دنیا نام ہے دنیا کے مفسد اور امن شکن قوموں اور ملکوں کا۔ اور امن نام ہے ان کے و تار و تمکن کا۔!

امن عالم کے بقا و تحفظ کے لئے دنیا کی قوموں کی ایک مجلس بنائی گئی ہے۔ اس کی ایک جنرل کونسل یا مجلسِ عظمیٰ ہے۔ اور ان میں جو بڑی بڑی طاقتور اور بااقتدار قومیں ہیں، انہوں نے اپنی ایک بالادست مجلس بنائی ہے، اس کا نام سلامتی کونسل ہے، جسے حفاظتی کونسل بھی کہتے ہیں۔ اس کونسل کا ایک قانون یہ ہے کہ کسی اہم مسئلے میں متعلقہ قومیں ایک رائے ہوں۔ صرف ایک قوم کو اس سے اختلاف ہو۔ اور وہ ان کے فیصلے کے ماننے سے انکار کرے تو وہ فیصلہ رد ہو جائے۔ کیا غیر منہذب اور جاہل دنیا نے بھی کبھی حق و انصاف کا ایسا قانون وضع کیا تھا؟

یہی قومیں ہیں امن عالم کی علمبردار۔ اور محافظ امن، یہ مجلس بھی دراصل ان مفسد قوموں نے دنیا کے امن و امان کے تحفظ و بقا کے لئے نہیں بنائی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کو جنگ سے خود اپنے اقتدار و تمکن اور اپنے امن و امان کے لئے خطر ہے۔ ان کو یہ ڈر ہے کہ دنیا کی چھوٹی چھوٹی قومیں کہیں ان کے اقتدار سے نکل نہ جائیں اور ان کے اقتدار کی فلک بوس عمارتیں منہدم نہ ہو جائیں۔ لیکن جب انہی قوموں کے مفاد و مصالح کا تقاضا ہوتا ہے کہ کسی اُبھرتی ہوئی قوم کو کچل دیں تو وہ خود اپنی ہی بنائی ہوئی مجلس کے قوانین و ضوابط کو پوری بے رحمی اور بے حیائی کے ساتھ توڑ کر رکھ دیتی ہیں اور ان کی ہمنوا قومیں پوری بے شرمی اور بیباکی کے ساتھ ان کے بس قانون شکن اور دشمن امن اقدام کے روکنے میں ڈھیل اور جیلے حوائے سے کام لینے لگتی ہیں۔!

ان خرابیوں کی تہ میں جو فساد کام کرتا رہتا ہے ان پر بے خدا اندھی قوموں کی نگاہ نہیں پڑتی۔ یہ فساد دراصل خدا کے انکار یا خدا کے ساتھ شرک کا نتیجہ ہے، خدا کی اطاعت و بندگی سے آزاد قومیں اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہیں کہ وہ انسانیت، انسانی شرافت اور حق و انصاف ہی سے آزاد ہو جائیں۔!

دُنیا میں حقیقی امن اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب دُنیا کی قومیں خدا کو مانیں اور اسی کے آئین و احکام کو انسانی زندگی کا دستور اور ضابطہ تسلیم کر لیں۔ جب دُنیا کی تمام قومیں ایک ہی خدا کو مانیں گی۔ ایک ہی اقتدار کو تسلیم کریں گی۔ ایک ہی دستور و آئین کی پابند ہوں گی اور خدا کی باز پرس اور اس کی جزا و سزا کے عقیدے کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیں گی تو کوئی قوم کسی قوم کے ساتھ زیادتی اور بے انصافی نہ کرے گی اور دُنیا میں سچے امن و انصاف کی بنیاد قائم ہو جائے گی۔!

مجلس اقوام کو ایک بے لاگ اور منصفانہ دستور و آئین کی ضرورت ہے۔ جس میں نہ کسی قوم کو غیر منصفانہ فوقیت دی گئی ہو، نہ کسی قوم کو غیر منصفانہ طور پر دبانے کی گنجائش ہو۔ ایسا دستور اور آئین صرف خدائی دستور و آئین ہو سکتا ہے جو خدا کے اقتدار و حاکمیت پر مبنی ہو۔

اگر دُنیا کی دوسری قومیں خدائی دستور و آئین پر رضامند نہ ہوں تو صرف وہ قومیں جو اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں اور جو خدا کی توحید اور اس کے دستور و آئین کے ماننے ہی کی بنا پر اپنے کو مسلمان کہتی ہیں، اپنی حکومت اور اپنی پوری زندگی خدائی دستور و آئین کو نافذ کریں۔ اور خدائی حکومت اور اسلامی زندگی کا دُنیا کے سامنے نمونہ پیش کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ دیکھ لیں گے کہ دُنیا کی دوسری قومیں کس طرح خدائی آئین و ضوابط اور اسلامی زندگی اختیار کرنے کے لئے بہ رضا و رغبت آمادہ ہو جاتی ہیں۔ اگر وہ اعتراضِ حق کے ساتھ خدائی دستور و آئین کو قبول نہ کریں گی جب بھی وہ اس کی نقل کرنے پر مجبور ہو جائیں گی۔ اور اس صورت سے دُنیا کے فساد اور انسانیت کے بگاڑ میں بڑی حد تک کمی ہو جائے گی اور انسانیت روز بروز کے فساد اور بد امنی کے گرداب سے نکل کر امن و امان کا ٹوٹا پھوٹا ساحل صبح پالے گی۔!

اسلام انسانیت کا عالمگیر نظام ہے۔ اس کا مقصد ہی دُنیا میں انسانیت پیدا کرنا۔ انسانیت کا فروغ دینا اور اسے پروان چڑھانا ہے۔ اس کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ اس نے ہمیشہ یہی کیا ہے۔ اور جہاں اور جب اسلامی قوانین و ضوابط پر عمل ہوا ہے انسانیت سائے دکھوں اور دردوں سے نجات پا گئی ہے۔ اور سچی انسانیت کا نمونہ وجود میں آ گیا ہے۔ انسانیت کو جو کچھ مطلوب ہے۔ یعنی سچی آزادی، سچی مساوات، سچا انصاف، سچا امن۔ وہ سب اسلام کے دامن میں انسانیت کو بدرجہ اتم یکجا فراہم کر سکتا ہے!

دُعوتِ محمدیؐ کے نام کے زمانے میں دُنیا کی حالت میں وہ سب موجود تھے اور دُنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں موجود تھے۔ کسی ملک اور کسی قوم میں سچی انسانیت موجود نہ تھی۔ مثلاً :-

(۱) دُنیا میں کوئی قوم ایسی نہ تھی جو صرف ایک خدا کو ماننے والی ہو۔ پوری دُنیا میں شرک کا دور دورہ تھا۔ انسان بندہ تھا اور ہر مخلوق معبود تھی۔ سورج، چاند، ستاروں، فرشتوں، جنوں، رُوحوں سے لے کر جانوروں اور درختوں تک کی پوجا ہوتی تھی۔ اور مختلف ملکوں میں انسان خدا کا منظر اور اس کا نمائندہ بن کر انسانوں سے خدا کی عبادت و بندگی نہیں بلکہ اپنی پوجا بھگتی کرتا تھا۔ یونانیوں کے

تین خدا تھے۔ پیٹر، مزو اور یکسش۔ مصریوں کے بھی تین خدا تھے۔ اور سیس، ایس اور ہورس۔ ایرانی دو خدا مانتے تھے۔ یزدان نیکی کا خالق تھا اور اہرن بدی کا۔ عیسائیوں نے خدا کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کو خدا ٹھہرا لیا تھا۔ ہندوستان میں خدا کا توحیدی تصور موجود تھا۔ لیکن خدائی تین خداؤں کی مانی جاتی تھی۔ برہما، دشنو اور ہمیش کی۔ پھر انہی تین خداؤں تک پوجا اور پرستش موقوف نہ تھی بلکہ شمار دیوی دیوتاؤں کے ساتھ ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق کی پوجا ہوتی تھی۔ انہی معبودوں میں مرد اور عورت کے جنسی اعضاء کی شکلیں بھی تھیں۔ اور آج بھی ہندوستان کے ہر شہر و دیار میں ان کے منظر ہر عام ہیں۔!

(۲) جب دنیا میں کہیں توحید کا وجود ہی نہ ہو۔ ایک سے زائد خدا کی عبادت و بندگی ہو رہی ہو تو ایک خدا کے آئین و قوانین کا کیا ذکر؟ اس زمانہ میں تو دنیا جمہوریت اور حقوق عامہ کے تصور سے بھی نا آشنا تھی۔ انسانوں پر انسانوں کے احکام و قوانین چل رہے تھے۔!

(۳) انسانیت کو دنیا کے کسی ملک اور کسی خطہ میں بھی حریت و آزادی نصیب نہ تھی۔ تمام دنیا میں شخصی اور خاندانی حکومتیں قائم تھیں۔ ایک انسان کہیں بادشاہ اور راجہ بن کر اور کہیں شہنشاہ اور مہاراجہ بن کر ملک اور قوم پر حکومت کر رہا تھا۔ اس کی زبان اور مرضی ہی قانون تھی۔ اس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات کو وہی تقدس کا درجہ حاصل تھا۔ کوئی اس کی نافرمانی کا تصور تک دل میں نہ لاسکتا تھا۔ بادشاہ اور راجہ کے سامنے مودب کھڑا ہوا جاتا تھا۔ اس کے سامنے گھٹنے ٹیکے جاتے تھے۔ اور اسے سجدہ کیا جاتا تھا۔ گویا وہ بادشاہ اور راجہ ہی نہیں معبود بھی تھا۔

(۴) جہاں حریت و آزادی ہی کا فقدان ہو، وہاں مساوات کا وجود کیونکر ممکن ہے؟ دولت و ثروت، عزت و شرافت، عیش و راحت، اختیار و اقتدار، غرض ایسی تمام چیزیں مٹھی بھر انسانوں کا درشہ تھیں۔ یہ مٹھی بھر انسان تھے بادشاہ، راجہ، اُن کے اہل خاندان اور عمائد اور زیادہ سے زیادہ اُن کے قبیلہ و خاندان کے لوگ۔!

ہندوستان میں ایک انسانیت چار ٹکڑوں میں بانٹ دی گئی تھی۔ جن کو برہمن، چھتری، ویش اور شودر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اس ملک میں جانور مقدس اور قابل پرستش تھے، مگر شودر کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل تھے۔ کتے اور سور اچھوت نہ تھے۔ مگر ان انسانوں سے کوئی چھو جاتا تو وہ ناپاک ہو جاتا تھا۔ ہندوستان کے ایک وسیع تر فرقہ کو آج بھی اس غیر مساواتی تقسیم پر اصرار ہے! اس کا عقیدہ یہ ہے کہ انسانیت کی بعلانی اور ملک کی فلاح و بہبود اسی میں ہے کہ گنگا اُلٹی بہتی رہے۔ انسان انسان برابر نہ ہوں، کچھ انسان پاک سمجھے جائیں اور کچھ پیدائشی ناپاک، پٹے ہے کہ ناپاکوں کے لئے انسانیت و پاکیزگی کا دروازہ قدرتی طور پر بند ہے۔ وہ کسی طرح انسانیت اور پاکیزگی کا درجہ حاصل ہی نہیں کر سکتے۔!

نوع انسانی کے اندر یہ تفریق و تقسیم اور طبعتہ بندی ہندوستان کے ساتھ خاص نہ تھی۔ روم، مصر، یونان، فارس، غرض دنیا کے جتنے مانے ہوئے مہذب اور تمدن یافتہ ملک تھے، سب میں یہ تقسیم اور طبقہ بندی موجود تھی۔

(۵) جس دنیا میں ایک خدا کے بجائے بہت سے خداؤں کو مانا جاتا ہو۔ انسان خدا بن کر انسانوں پر خدائی کر رہا ہو۔ ہر بادشاہ، راجہ اور فرمانروا کی زبان قانون کا سرچشمہ ہو۔ عوام کی کوئی آواز نہ ہو۔ انسانی مساوات مفقود ہو۔ تفریق اور طبعتہ بندی قانون قدرت کا حکم رکھتی ہو۔ اس دنیا کے متعلق قانونی مساوات یا قانونی انصاف کا تصور ایسا ہی ہو گا جیسے یہ سوچنا کہ قمری مہینہ کے آسنری عشرہ میں بھی پوری رات چاندنی ہوگی یا رات میں بھی آفتاب شعا عین بکھیرا ہوگا۔

اوپر کچھ طبقہ کا کوئی آدمی نیچے کے طبقہ کے کسی شخص کو ننگی کر دیتا تو اس کی سزا معمولی تھی۔ لیکن اگر نیچے طبقہ کا آدمی، اونچے طبقہ کے

کسی شخص کے ساتھ گستاخی بھی کرتا تو وہ کشتنی قرار دیا جاتا۔ اور نیچے کے طبقہ کا کوئی شخص اُوپچے طبقہ کے ایک آدمی کو مار ڈالتا تو اس جرم میں اس طبقہ کے متعدد آدمی قتل کر دینے جلتے۔ یہ تھا قانون انصاف!

تاریخ کے اُس جاہلی اور تاریک دور میں:-
بعثتِ محمدی - دعوتِ اسلام کا آغاز (۱) جب دُنیا خدا کی توجید کو فراموش کر چکی تھی۔

(۲) جب انسان خود انسانی عظمت و شرافت کو بھلا چکا تھا۔

(۳) جب دُنیا میں انسانی آزادی کا نام باقی نہ تھا۔

(۴) جب انسانیت مساوات کے نام سے نا آشنا ہو چکی تھی۔

(۵) جب دُنیا میں انصاف ناپید تھا۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ آپ نے دُنیا کو اسلام کی دعوت دی۔ اسلام کا بنیادی کلمہ سر تھا۔
لا الہ الا اللہ۔ خدا کے سوا کوئی معبود اور حاکم نہیں۔ کتب مختصر اور سادہ پیغام تھا۔ لیکن یہ انسانیت کا شاہ کلید تھا۔ یہی چند لفظوں کا ایک چھوٹا سا کلمہ انسانیت کے سلسلے دکھوں اور دردوں کا نسخہ شفا تھا۔ خدا کی وحدانیت ہی کا اعلان تھا۔ یہ اعلان تھا۔

۱۔ کائنات کی سب سے بڑی سچائی کا۔

۲۔ انسانیت کی حقیقی عظمت و شرافت کا۔

۳۔ انسانی حریت و آزادی کا۔

۴۔ اخوت و مساوات کا۔

۵۔ حقیقی عدل و انصاف کا۔

۶۔ عالمگیر اصولِ امن کا۔

دُنیا کے ہر ملک، ہر قوم اور ہر زمانہ میں خدا کی طرف سے پیغامبر اور ہادی آئے تھے۔ اور ہر پیغامبر اور ہر ہدایتی پکار تھی
لا الہ الا اللہ۔ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔ **انہم اللہم اللہ** و احد۔ تم سب کا خدا خدائے واحد ہے۔ یہ دعوت مغرب و مشرق
 شمال و جنوب، ہر خطہ اور ہر ملک میں بسنے والی قوموں کی مشترکہ میراث تھی۔ لیکن تمام قومیں اس مشترکہ میراث کو گم کر چکی تھیں۔
 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچھم والوں کے لئے بھی آئے تھے اور پورب والوں کے لئے بھی۔ اتر والوں کے لئے بھی اور دکھن والوں کے
 لئے بھی۔ گروں کے لئے بھی اور کالوں کے لئے بھی۔ آپ نے خدا کی طرف سے ہر ملک اور ہر قوم میں آئے والوں کے اس پیغام کو زندہ کیا۔
 دُنیا کے تمام انسانوں کی گم شدہ میراث اُن کے سلسلے رکھ دی۔ محمد رسول اللہ کا یہ تمام دُنیا پہر اور دُنیا کی ساری قوموں پر ایک
 احسانِ عظیم تھا۔!

محمد رسول اللہ کے اس بنیادی پیغام نے انسانیت کی کایا پلٹ کر دی۔ اس کا لٹا ہوا سہاگ اسے واپس مل گیا۔ اس کا
 تاریک چہرہ چمک اٹھا۔ انسانیت کے سارے دکھ درد دور ہو گئے۔ انسانیت نکھر گئی۔ اس کی رگوں میں صحت و توانائی کا نیا خون
 گردش کرنے لگا۔ انسانیت کی۔!

۱۰۔ غلامی کی زنجیریں کٹ گئیں۔ اب انسان خدا کے سوا کسی کا غلام نہ تھا۔ انسان پر خدا کے سوا کسی کی حاکمیت نہ تھی۔ انسان
 خدا کے سوا کسی کا محکوم نہ تھا۔!

۲۔ انسانوں میں نہ کوئی بڑا۔ نہ کوئی چھوٹا۔ اونچے رہا نہ نیچے۔ چھوٹے۔ ہانہ اچھوت، پوتر۔ ہانہ چاندال۔ قوموں قوموں کا جھوٹا امتیاز۔ مٹ گیا۔ مغرب و مشرق کا امتیاز مٹ گیا۔ گورے کالے، رنگ و نسل، وزن اور طبقہ کی تفریق و تقسیم باقی نہ رہی۔ ہر انسان انسان تھا۔ ایک دوسرے کے برابر کا انسان۔ سب کی حیثیت برابر تھی۔ سب کی عزت برابر تھی۔ سب کے حقوق برابر تھے۔ سب کے لئے ایک قانون تھا۔ اگر بڑائی اور چھوٹائی تھی تو صرف اس اعتبار سے کہ کون دل کی زیادہ سچائی کے ساتھ خدا کے قانون کی پابندی کرتا ہے۔ گون خدا سے زیادہ ڈرتا ہے۔ کون خدا کی رضا و خوشنودی کی طلب کی زیادہ منکر رکھتا ہے۔ کس کی زندگی بلحاظ اخلاق و عمل، بلحاظ سلوک اور برتاؤ، بلحاظ لین دین زیادہ پاکیزہ اور صاف ستھرا ہے۔ ان تمام چیزوں میں جو بڑھ کر تھادہ زیادہ اونچا اور زیادہ قابل عزت تھا اور جو کم تھا وہ کم اونچا اور کم عزت کے لائق تھا۔ اور جس میں سرے سے یہ باتیں نہ تھیں وہ بالکل حقیر و ذلیل تھا۔!

۳۔ انصاف سب کے لئے عام تھا، قانون کی پابندی میں کسی کے لئے کوئی رعایت نہ تھی۔ حاکمیت خدا کی تھی۔ باقی سب محکوم اور رعایا تھے۔ خدائی حکومت کے بڑے سے بڑے سربراہ کا وہ کو بھی جو خلیفہ اور امیر المؤمنین کہلاتا تھا، قانون کی نظر میں کوئی امتیاز حاصل نہ تھا، اسے کسی قسم کی استثنائی اور ترجیحی حقوق حاصل نہ تھے۔

- ۱۔ نماز سب پر فرض تھی۔
- ۲۔ زکوٰۃ سب پر فرض تھی اگر صاحب نصاب ہو۔
- ۳۔ روزہ سب پر فرض تھا اگر معذور نہ ہو۔
- ۴۔ حج ہر صاحب نصاب پر فرض تھا اگر کوئی شرعی امر مانع نہ ہو۔
- ۵۔ حلال و حرام کی پابندی سب پر فرض تھی۔
- ۶۔ شراب سب کے لئے حرام تھی۔
- ۷۔ زنا سب کے لئے حرام تھا۔
- ۸۔ جو اسب کے لئے حرام تھا۔
- ۹۔ چوری سب کے لئے حرام تھی۔
- ۱۰۔ مودب کے لئے حرام تھا۔
- ۱۱۔ خون ناحق سب کے لئے جرم تھا۔

۱۲۔ ہر جرم کی سزا جو بڑے کے لئے تھی وہی چھوٹے کے لئے تھی۔ حکومت کا سب سے بڑا سربراہ کا اور سب سے بڑا سرکردہ بھی کسی جرم کی سزا سے مستثنیٰ نہ تھا۔ اور نہ اس کے لئے قانون میں کوئی رعایت تھی۔!

اسوہ محمدیؐ
 اور، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا پرستی اور نیک کرداری کا نمونہ تھے۔ آپ کی ذات قدسی صفات ہر گناہ اور
 معصیت سے پاک تھی۔ وہ معصوم اور سراپا خیر ہی خیر اور نیکی ہی نیکی تھے۔ آپ میں کوئی بُرائی اور بدی نہ تھی۔ آپ سے
 جو کچھ صادر ہوتا تھا یہ خیر ہی ہوتا تھا۔ لیکن خود ان کا سان بیگنا کہ وہ جس نیکی اور خیر کا دوسروں کو حکم دیتے، اُس کی سب سے زیادہ
 خود پابندی کرتے، انہوں نے دنیا کو کالہ اللہ والہ کی دعوت دی تو ان کی زندگی توحید پرستی کا سب سے زیادہ روشن اور تابناک نمونہ
 تھی۔ دنیا کی تمام قوموں نے اپنے ہادی و پیشرو کو خدا بنا کر پوج ڈالا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کارنامے سب سے

زیادہ بڑھ چڑھ کر تھے۔ پھر انسان اُن کو سب سے بڑا خدا بنا کر اور زیادہ جوش و خروش کے ساتھ کیوں نہ پوجے؟ لہذا ہمیں آپ نے اس ضلالت کے ہر دروازہ اور ہر رخسہ کو پوری سختی سے بند کر دیا۔ آپ نے دنیا کو اپنے منعلق جو تعلیم دی اُس کا بنیادی کلمہ ہے: "اشھد ان لا اله الا محمد"۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندے اور رسول ہیں۔ یعنی خدا کی خدائی میں محمد کا کوئی حصہ اور سا جھا نہیں ہے۔ اُن کی اولین حیثیت خدا کے بندے کی ہے۔ وہ پہلے خدا کے بندے ہیں، اس کے بعد خدا کے رسول۔ اور یہی اُن کی حیثیت کی آخری حد ہے۔ "قل انما انا بشر مثلكم انما یوحی الی"۔ اے محمد! تم کہہ دو کہ میں تمہارے جیسا ایک بشر ہوں البتہ مجھ پر خدا کی طرف سے وحی بھیجی جاتی ہے۔ یعنی میں خدا کا رسول ہوں۔

آپ نے اپنی ہر ہر ادا سے خدا کے حضور اپنے عجز و بندگی کا اظہار کیا۔ آپ رات کو اس کثرت سے نماز پڑھنے کہ آپ کے پاس مبارک درم کراتے۔ نماز میں خوب خدا سے اس طرح روتے کہ آپ کے اندر سے آگ پر جوش مارتی ہوئی دیگ کی سی آواز آتی۔ آپ کھٹے بیٹھے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے اور ہر نام خدا کا نام لے کر شروع کرتے۔ آپ مختلف وقتوں میں خصوصاً رات کی تنہائیوں میں خدا سے کس عاجزی اور بے چارگی کے ساتھ دعائیں مانگا کرتے تھے۔ آپ کی ایک دعا کے کچھ لفظوں کا ترجمہ یہ ہے:-

"میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں۔ پریشان ہوں، ہر اسال ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال کرتا ہوں۔ جیسے بیکس سوال کہتے ہیں۔ تیرے آگے گر گڑا تا ہوں، جیسے گنہگار۔ ذلیل و خوار گرد گڑا تا ہوں۔ تجھ سے مانگتا ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ مانگتا ہے۔ اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو اور اس کے آنسو بہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے سامنے فروتنی کئے ہوئے ہواؤ اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو" (کنز العمال)

جب آپ رات کی نماز میں اتنی مشقت کرتے کہ پاؤں درم کراتے اور آپ سے کہا جاتا کہ خدا نے تو آپ کو کسی گناہ کے بغیر ہی یہ بشارت دے دی ہے کہ آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے گئے پھر آپ عبادت میں اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ تو فرماتے:- "کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟" غرض ہر طرح آپ نے دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ خدا خدا ہے اور بندہ بندہ! میں بھی خدا کا بندہ ہوں، اُس کی خدائی کا شریک نہیں ہوں۔

۱۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو خدا کی حکم برداری کی تعلیم دی تو سب سے زیادہ سختی کے ساتھ خود خدا کے احکام کی پابندی کا نمونہ پیش کیا۔ آپ کی ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت بھی خدا کے حکم کے خلاف نہ ہوتی تھی۔ آپ بولنے اور دیکھنے اور سُننے کی خدا کے حکم کی پابندی کرتے تھے، آپ کی پوری زندگی خدا پرستی اور خدا کی حکم برداری کا نمونہ تھی۔ کسی نے آپ کی بیوی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی سیرت و کردار کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب دیا: "کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟" مطلب یہ تھا کہ آپ کی پوری زندگی خدا کی بھیجی ہوئی کتاب قرآن مجید کی تعلیمات کے سانچے میں گھسی ہوئی تھی۔

۱۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو مساوات کی تعلیم دی۔ تو خود اس کا نمونہ اس طرح پیش کیا کہ اپنے آنا د گردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا سُنہ بولا بیٹا بنا لیا۔ اور اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اُن کے عقد میں دے دیا۔ حضرت بلال اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہما بھی آزاد کردہ غلام تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کو اپنے گھروالوں میں شامل کر لیا تھا۔ یہ دونوں بزرگ آپ کے خاندان اور آپ کی قوم کے بڑے بڑے سانی مرتبہ صحابہ کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ آپ حضرت زید بن حارثہ کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے نواسے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرح پیارا اور محبت کرتے تھے۔ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے اور وہ جو روکھا سو کھا کھانا پیش کرتے اُسے خوشی سے کھا لیتے۔ لونڈیوں کی درخواست پر ان کے ساتھ جاتے اور ان کے مالکوں سے ان کی طرف سے سفارش فرماتے۔ اپنے صحابہ کے ساتھ چلتے تو ان میں اس طرح بل جمل کر چلتے کہ جو آپ سے نا آشنا ہوتا اُسے پتہ نہ چلتا کہ ان میں خدا کے رسول کون ہیں۔ صحابہ کی مجلسوں میں تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ صدر و پائیں کا خیال نہ فرماتے۔ حالانکہ جہاں تک عقیدت و احترام کا تعلق تھا جس عقیدت و احترام کا ثبوت آپ کے صحابہ نے دیا کسی پیغمبر اور کسی رہنما کے پیروں نے نہ دیا ہوگا۔ لوگ آپ کو سجدہ کرنا چاہتے تھے لیکن سجدہ خدا کے سوا کسی کے لئے جائز نہ تھا۔ آپ نے مسئلہ سمجھا کر صحابہ کو اس سے منع فرما دیا۔!

صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہر جانا اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔ لیکن جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی بننے لگی تو آپ بھی صحابہ کے ساتھ مٹی اور پتھر ڈھوتے تھے۔ اور جب جنگ خندق کے موقع پر مدینہ کی حفاظت کے لئے خندق کھودی جانے لگی تو صحابہ کے ساتھ آپ نے بھی خندق کھودنے میں حصہ لیا۔ ایک سفر میں جب ایک جگہ پڑاؤ ہوا اور کھانا پکے لگا تو لکڑیاں لانے کا کام آپ نے اپنے ذمہ لے لیا۔ اور صحابہ کے باصرار روکنے پر بھی لکڑیاں آپ جمع کر لائے۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عفو و درگزر اور امن پسندی کی تعلیم دی تو آپ نے اپنے بڑے بڑے جانی دشمنوں کو بھی قابو پانے کے بعد معاف فرما دیا۔ ایک دفعہ آپ صحابہ کے ساتھ کہیں باہر تشریف لے گئے تھے۔ دھوپ کے موسم میں ایک باغ کے سایہ میں مقام ہوا۔ آپ صحابہ سے الگ کسی درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے۔ ایک دشمن موقع پا کر آپ کے پاس پہنچ گیا۔ آپ کی تلوار درخت سے لٹک رہی تھی۔ اُس نے تلوار درخت سے اتار لی۔ آپ کو بیدار کر کے پوچھا۔ "بتاؤ اب تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟" آپ نے کامل اعتماد علی اللہ کے ساتھ جواب دیا۔ "اللہ" اس جواب میں ایسا اثر تھا کہ دشمن نے تلوار نیام میں کرنی۔ اتنے میں صحابہ بھی آگئے۔ لیکن دشمن بعافیت واپس چلا گیا اور حضور نے اُس سے کچھ تعرض نہ فرمایا۔ حضور کی موجودگی کے باعث جاں نثار صحابہ کی پیشانی تک شکن آلود نہ ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عفو و درگزر اور امن پسندی کا ایک بے مثال نمونہ فتح مکہ کے موقع پر پیش کیا۔ قریش مکہ میں ایس برس تک آپ کی مسلسل مخالفت کرتے رہے۔ اور دشمنی کا کوئی دقیقہ اٹھانا نہ دکھا۔ انہوں نے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو تین برس تک مکہ کی ایک گھاٹی شعب ابی طالب میں نظر بند رکھا تھا۔ آپ کے قتل کی کوشش کی تھی۔ آپ کو اور آپ کے صحابہ کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا۔ مدینہ منورہ پر بار بار فوجی حملے کر کے چاہا تھا کہ اسلام کو اور آپ کو نیست و نابود کر دیں۔ لیکن جب آپ ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے اور اہل مکہ میں تاب مزاحمت باقی نہ تھی تو آپ نے اعلان کر دیا کہ:-

۱۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے، اُس کے لئے امن ہے۔

۲۔ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ رہے اس کے لئے امن ہے۔

۳۔ جو شخص ابوسفیان کے مکان میں چلا جائے اس کے لئے امن ہے۔ حالانکہ ابوسفیان دشمنوں کے سردار تھے اور شکست

کھانے کے بعد بھی ایک روز پہلے مسلمان ہوتے تھے۔

داخلہ تک کے بعد خدا کے رسول کا فاتحانہ دربار منعقد ہوا۔ بین برس تک مسلسل عداوت و دشمنی سے پیش آنے والے جنگی مجرم کی طرح حاضر دربار تھے۔ آپ نے ان سے سوال کیا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ لوگوں نے جواب دیا۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ اچھے بھائی اور اچھے بھائی کے بیٹے ہیں۔ ہم آپ سے اچھے ہی سلوک کی امید رکھتے ہیں۔

دشمن تھے، لیکن آپ کی فطرت کریمانہ سے نا آشنا نہ تھے۔ آپ نے دشمنوں کی توقع سے بھی کہیں بڑھ کر جواب دیا۔ فرمایا: "جاؤ تم آزاد ہو۔ آج تم پر کسی قسم کی ملامت و سرزنش نہیں۔ لا تثریب علیکم الیوم! جن لوگوں نے بین برس تک آپ کی رسالت و نبوت کا انکار کیا تھا اور اسلام کے مٹانے میں اپنی ایٹری سے چوٹی تک کا زور صرف کر دیا تھا، وہ آپ کے اس اخلاق کریمانہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی اکثریت اسی وقت اسلام قبول کر کے آپ کے خادموں اور اطاعت گزاروں کے حلقہ میں داخل ہو گئی۔ پھر ان کی ایسی کایا پلٹ ہوئی کہ وہ اسلام کے جتنے سخت دشمن تھے، اس سے کہیں زیادہ اسلام کے مخلص جاں نثار اور فداکار بن گئے۔ لا الہ الا اللہ کی کجی سے ان کے دلوں کے قفل کھل گئے۔ اور سینے نور سے معمور ہو گئے۔"

(۵)۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل و انصاف کا یہ حال تھا کہ اپنے خاندان اور اپنے صحابہ کا تو کیا ذکر ہے، آپ نے اپنی ذات کے ساتھ بھی انصاف کے معاملہ میں کسی رعایت کو روا نہیں رکھا۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے ساتھ جو آپ کے نافع اور بدترین دشمن تھے، جب کبھی کوئی معاملہ پیش آیا اور غنیمتوں کے ساتھ تھا تو آپ نے یہودیوں کے موافق فیصلہ فرمایا۔ آپ کی اسی انصاف پسندی کا نتیجہ تھا کہ یہودی اپنے ججوں سے زیادہ آپ پر بھروسہ کرتے تھے۔ اور اپنے مقدمے آپ کی خدمت میں لایا کرتے تھے۔ اور کبھی کسی فریق کو آپ کے فیصلے کے خلاف شکایت پیدا نہیں ہوئی۔

انسان نے جب سے اس زمین پر قدم رکھا، ایسا زمانہ کبھی نہیں آیا جب انسانوں میں خدا کا تصور اور عقیدہ موجود نہ رہا ہو۔ اور ہر دور میں اکثریت و اہمیت اسی گروہ کو حاصل تھی جو خدا کا عقیدہ رکھتا تھا۔ اگر کسی زمانہ میں کوئی شخص اور ایسا فرستہ پیدا بھی ہوا جو خدا کا منکر تھا تو اسے کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوتی اور نہ اس نے انسانیت کے لئے کوئی اصلاحی کارنامہ انجام دیا۔ جن لوگوں نے انسان کو انسانیت کی تعلیم دی، انسان کو انسان بنایا۔ دنیا میں نیکی پھیلائی اور انسانی اخلاق و کردار کو بلند کیا، وہ سب خدا کے ماننے والے تھے۔ قرآن مجید کا یہ عام دعویٰ ہے کہ خدا کی طرف سے جتنے معلم و رہنما آئے، ان سب نے انسانوں کو خدا کی ہستی کے عقیدے اور اسی کی عبادت و بندگی کی تعلیم دی۔ موجودہ اقوام عالم میں بھی زیادہ تعداد انھیں تو مودا کی ہے جو خدا کے ماننے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ لیکن خدا کو ماننے والی دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جو کسی نہ کسی درجہ میں شرک میں مبتلا نہ ہو۔ ہندوستان کا آریہ فرستہ ایک خدا کے ماننے کا دعویٰ کرتا ہے۔ مگر وہ بھی خدا کی طرح روح اور مادہ کو ازلی اور غیر مخلوق مانتا ہے۔ جب وہ ان دو صفتوں میں خدا کے ساتھ روح اور مادہ کو بھی شریک ٹھہراتا ہے تو اس کا عقیدہ توحید بھی شرک کی الصفات سے ملوث ہونے بغیر نہیں رہتا۔ لیکن اسلام کا عقیدہ توحید بالکل خالص اور بے آمیز ہے۔ اسلام کہتا ہے لا ابتداء اور لا انتہا اور غیر مخلوق صرف خدا کی ذات ہے، وہ تمام چیزوں کا خالق ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق ہے۔ قرآن مجید نے لا الہ الا اللہ کی کس طرح تفسیر و تشریح کی ہے۔ اور عقیدہ توحید کو کس طرح نکھارا اور اُجاگر کیا ہے، اسے قرآن ہی کے لفظوں میں دیکھئے۔

- ۱ - اللہ خالق کل شیء - اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔
- ۲ - اللہ علیٰ کل شیء قدير - اللہ ہر چیز پر اقدار رکھتا ہے۔
- ۳ - بدیع السموات والارض - آسمانوں اور زمین سب کا ماویٰ پیدا کرنے والا ہے۔
- ۴ - له ملک السموات والارض - آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت خدا ہی کے لئے ہے۔
- ۵ - له مقالید السموات والارض - آسمانوں کی اور زمین (کے اختیار) کی کجیاں اللہ کے قبضہ میں ہیں۔
- ۶ - ليس كمثله شیء - خدا کے جیسی کوئی چیز نہیں۔
- ۷ - لا قدر له اکا بصار وهو یدرک اکا بصار - اُس تک نگاہیں نہیں پہنچتیں اور وہ نگاہوں تک پہنچ جاتا ہے۔
- ۸ - ان اللہ اعلم غیب السموات والارض انه علیم بذرعات الصدور - اللہ آسمانوں اور زمین کی چھپی باتوں کا بھی جاننے والا ہے، نیز وہ دلوں کے پھیدوں کو بھی جانتا ہے۔
- ۹ - اللہ اعلم خائفة الا عین وما تخفی الصدور - اللہ تمہاری آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جو تم اپنے سینوں میں چھپائے رکھتے ہو۔
- ۱۰ - ستج لله ما فی السموات وما فی الارض - آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں سب اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ یعنی زبان حال سے اس کی پاکی بیان کرتی ہیں۔
- ۱۱ - عیسانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ نزول قرآن کے زمانے میں یہودیوں کا ایک فرستہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتا تھا۔ مشرکین میں بہت سی قومیں فرشتوں کے متعلق عقیدہ رکھتی تھیں کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں، اس لئے قابل پرستش ہیں۔ قرآن نے جا بجا ان عقائد باطلہ کی تردید کی ہے:-
 "انما اللہ المسیح عیسیٰ ابن مریم رسواللہ۔"
 مسیح عیسیٰ (نہ خدا تھے، نہ خدا کے بیٹے) وہ مریم کے بیٹے اور خدا کے رسول تھے۔
 "انما اللہ الہ واحد سبحانه ان یكون له ولد۔"
 ایک خدا ہی موجود ہے، وہ اس بات سے پاک ہے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔
 "لن یستکف المسیح ان یكون عبد اللہ ولا الملئکة المقربون۔"
 مسیح اور مقرب فرشتے اس بات میں کسی قسم کا عار محسوس نہیں کرتے کہ وہ خدا کے بندگی گزار ہوں۔
- ۱۲ - بعض قوموں کا عقیدہ ہے کہ خدا انسانوں کی شکل میں جنم لیتا ہے۔ قرآن مجید نے اس کی تردید کی:-
 "لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفراً احد۔"
 خدا نہ کسی کا باپ پر اور نہ کسی کا بیٹا۔ اور نہ کوئی اس کے جوڑ کا ہے۔
- یعنی یہ خدا کی شان کے قطعی منافی ہے کہ وہ کسی مرد کے لٹافہ میں منتقل ہو کر کسی عورت کے رحم میں آئے اور انسانوں کی طرح جنم لے۔ وہ اس گندگی سے بالکل پاک ہے۔
- ۱۳ - بہت سی قومیں سورج، چاند اور ستاروں کی پوجتی تھیں۔ قرآن نے کہا۔

الم تر ان اللہ لیبدل لہ من فی السموات والارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والنہر والارباب

وکتید من الناس - !

”کیا تم نے غور نہیں کیا کہ آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوق ہیں۔ سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور بکثرت انسان خدا کو سجدہ کرتے ہیں؟“

یعنی اپنی اپنی خلقت کے مطابق سب خدا کے سامنے جھکے ہوئے اور اس کی بندگی بجا لارہے ہیں۔ لیکن سب کی جنس اور خلقت جدا جدا ہے، اس لئے ان کی بندگی کی صورتیں بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں۔

(۱۳) سورج اور چاند کے متعلق جن کی پرستش زیادہ عام تھی، یہاں تک فرمایا۔
”وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاثِبِينَ“

سورج اور چاند کو تمہارے لئے کام میں لگا دیا کہ دونوں (دن رات) ایک طریقے پر چل رہے ہیں۔
اس بات کو اور عام کیا۔

”وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ“۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے خدا نے سب کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔

یعنی آسمان و زمین کی ساری ہی چیزیں انسان کی خادم ہیں۔ اس کے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ خدائی مخلوق میں کوئی شے اس لائق نہیں کہ وہ انسان کی معبود ہوں اور انسان ان کی پوجا پرستش کرے!

اے تماشگاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشای روی

خدائی حکومت | حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو سارے عرب میں اسلام پھیل چکا تھا۔ دوسرے لفظوں میں پورے ملک عرب پر خدا کے رسول کے ذریعہ خدائی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ ہم اسے خدائی حکومت اس لئے نہیں کہتے کہ عرب میں کہیں حکومت کا پائے تخت تھا، وہاں کوئی قلعہ تھا جس میں کوئی شاہی تخت رکھا ہوا تھا۔ جہاں خدا کا دربار آراستہ ہوتا تھا اور خدا تحت سلطنت پر رونق افروز ہو کر فرمان سلطانی کا نفاذ کیا کرتا تھا۔ نہیں کہیں کوئی قلعہ نہ تھا۔ شاہی قصر و ایوان بھی نہ تھے۔ تخت و تاج بھی نہ تھے، وہی مدینہ کا شہر تھا۔ وہی مسجد نبوی تھی جس کا فرش کچی زمین کا تھا اور چھپر کھجور کی پتلیوں کا۔ یہی خدائی حکومت کا دربار خانہ تھا۔ حکومت کرنے والا ہاتھ بھی انسانی ہی ہاتھ تھا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ اور جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ یہی خدائی حکومت کے صدر یا سربراہ کا رتھے۔ جن کو خلیفہ رسول کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ پیوند لگے ہوئے پھٹے پڑنے کپڑے پہن کر مسجد نبوی میں کھجور کی چٹائی پر بیٹھا کرتے تھے۔ یہیں سے ایرانی اور رومی شاہنشاہیوں کے مقابلے کے لئے مجاہدین کی فوجیں روانہ ہوتی تھیں۔ یہیں سے تمام عرب کے لئے احکام صادر ہوتے تھے۔ یہی مسجد عدالت کا کام بھی دیتی تھی۔ اسی میں بیٹھ کر خلیفہ رسول مقدمے فیصل کیا کرتے تھے۔ آپ کی شان حکومت و خلافت یہ تھی کہ جس طرح خلیفہ ہونے سے پہلے اپنے عزیز پڑوسی کی بکریوں کا دودھ دودھ دیا کرتے تھے اسی طرح اب بھی یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ مدینہ کے ضعیفوں اور معذوروں کے گھروں پر جا کر ان کی ضرورتیں پوری کیا کرتے تھے۔ مسکینوں کی سی زندگی گزارتے تھے۔ غرض خدائی حکومت کے حاکمانہ فرائض انجام دینے والے انسان ہی تھے۔ لیکن ہم اس حکومت کو خدائی حکومت کیوں کہتے ہیں؟ ہاں بلاشبہ وہ خدائی حکومت تھی، اس لئے کہ اگر وہ انسانی حکومت ہوتی تو اس کے پایہ تخت کے لئے اس زمانہ کے موافق قلعہ

تعمیر ہوتا۔ اس کا حکمران ایران و روم اور دوسری سلطنتوں کے فرمانرواؤں کی طرح شان و شوکت کے ساتھ ایوان و محل میں رہتا۔ تاج شاہی زیب مکر تھا۔ تخت زرین پر جلوہ فرم ہوتا۔ اس کے چشم و خدم ہوتے۔ نقیب اور چوب بردار ہوتے۔ اس کا دربار آراستہ ہوتا۔ درباری ہاتھ باندھے، زچا ہیں سچی گئے اس کے سامنے حاضر ہوتے، اس کا قانون قانون ہوتا۔ اس کی مرضی فرمان واجب العین ہوتی۔ اس کا ہر حکم واجب العمل ہوتا۔ اس کے منہ سے نکلے ہوئے ہر نفل کی طرف بے حرف تعمیل ہوتی۔ کسی کو مجال دم زدن نہ ہوتی۔ لیکن خلیفہ کو قانون بنانے، اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق حکم دینے اور اپنا قانون چلانے کا مطلق اختیار نہ تھا۔ اس کی ایسی بات کے سننے، ماننے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے لئے ایک شخص بھی تیار نہ تھا۔ زبان خلیفہ کی اتنی اوردماغ بھی خلیفہ کا تھا۔ لیکن قانون خلیفہ کا نہ تھا۔ مرضی خلیفہ کی نہ تھی۔ قانون تھا خدا کا۔ اس کی تشریح و توضیح تھی خدا کے رسول کی۔ خلیفہ صرف خدائی دستور و قوانین کے نافذ اور جاری کرنے والے تھے۔ خلیفہ بھی پورے خدائی دستور و آئین اور اس کے ایک ایک قانون کے اسی طور پر پابند تھے جس طرح عرب کا ایک غریب دیہاتی۔ خلیفہ کو کسی پر کوئی ترجیح و فوقیت حاصل نہ تھی۔

حضرت ابو بکر کا خود یہ حال تھا کہ جب ان کو خلیفہ منتخب کیا گیا اور انہوں نے بحیثیت خلیفہ کے مسجد نبوی کے منبر سے پہلی تقریر کی تو خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا :-

”لوگو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں۔ حالانکہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا

کام کروں تو میری امانت کرو۔ اور برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو۔“

تقریر کے آخر میں فرمایا :-

”میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو۔ لیکن جب خدا اور اس کے

رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت نہیں ہے۔“

ہم اسی کو خدا کی حکومت کہتے ہیں۔ کہا ایسی حکومت و واقعی خدائی ارضی حکومت نہیں ہے؟

حضرت ابو بکر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، خلیفہ کے بدلنے سے حکومت کا دستور و آئین نہیں بدلا۔ اس لئے کہ

دستور و آئین انسانی نہ تھا۔ خدائی تھا۔ وہ نہیں بدل سکتا تھا۔ حکومت کی پالیسی بھی نہیں بدلی۔ دوسرے خلیفہ کی زندگی بھی وہی تھی جو

پہلے خلیفہ کی تھی۔ وہی پھٹے پیر نے پیوند لگے ہوئے کپڑے، وہی مسجد نبوی۔ وہی کھجور کے پتوں کی چٹائی کا فرش۔ حکومتوں کے سرفراز آتے

تھے اور خدائی حکومت کا صدر اور سربراہ کا۔ اسی شان سے ان سے ملتا تھا۔ وہی خدا ترسی اور وہی خدمتِ خلق جو اس کے

پیش رو کا نعرہ امتیاز تھی۔!

وہ روم و فارس کے محاذ جنگ پر فوجیں روانہ کرتے۔ میدان جنگ میں قیادت کرنے والوں کو ہدایتیں بھیجتے۔ یتیموں، یتیموں، یتیموں،

بڑھڑھوں، معذوروں کے گروں پر جا کر ان کی ضرورتیں پوری کرتے۔ راتوں کو جاگ کر نمازیں پڑھتے تھے اور خدا کے سامنے روتے

اور گڑ گڑاتے تھے!

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ سب کی خلافت و حکومت کا قانون

وہی خدائی قانون تھا۔ وہ بھی خدائی قانون کی پابندی میں عوام سے پیش پیش تھے۔ ان کو بھی ہر شے سے زیادہ خدا کی رضا و خوشنودی

کی طلب تھی۔ وہ حکومت کو اپنی ملک نہیں خدا کی امانت سمجھتے تھے۔ سرکاری خزانے سے صرف اتنا لیتے تھے جتنے میں ان کا اور

متعلقین کا پیٹ بھر سکے۔ اور تن پھٹی ہو سکے۔ وہ بھی غریب انسانوں کی طرح۔ اس سے زیادہ ایک پانی سی اپنی اور اپنے متعلقین پر

خرچ کرنا ناجائز سمجھتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس طرح بھی ایک کوڑی سرکاری خزانے سے نہ لی۔ کھایا پہنا اپنا اور بائیس برس تک خدائی حکومت کی خدمت انجام دی۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس تنگ حالی کے ساتھ بسر کرنے کے لئے سرکاری خزانے سے جو ذمہ لیا۔ اس کے متعلق بھی مرتے وقت وصیت کر گئے کہ میری جائیداد سے وہ رقم ادا کر دی جائے۔ یہ خدائی حکومت نہ تھی تو کیا تھی؟ تاریخ میں ایسی انسانی حکومت انسان نے کب دیکھی؟ اگر کسی تاریخ سے ایسی حکومت کا سراغ مل سکے تو ہمیں بھی اس کا نام بتاؤ۔

عقیدہ توحید کے ثمرات | انسان فرشتوں کی طرح معصوم نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے باوجود عقیدہ توحید نے انسانوں کی کس قدر کامیابیوں کو پیدا کیا ہے؟ ایک بار دو شخص ایک زمین کا جھگڑا لے کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ ہر شخص کا دعویٰ تھا کہ زمین اس کی ہے!

خدا کے رسول نے دونوں کو تنبیہ فرمائی کہ دیکھو تم میں جو شخص اپنے دعوے کو ثابت کرے گا، میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں گا۔ لیکن اگر زمین واقعی اس کی نہیں ہے اور اس نے اپنی چرب زبانی سے اپنا حق ثابت کر دیا تو قیامت کے روز میرا فیصلہ اسے خدا کی گرفت سے نہیں بچا سکتا۔ یہ سن کر دونوں فریق خوب خدا سے رو پڑے اور دونوں کہنے لگے۔ اے خدا کے رسول! زمین فریقین ثانی کو دے دی جائے۔

ایک عورت سے بدکاری ہو جاتی ہے۔ وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود حاضر ہو کر درخواست کرتی ہے کہ مجھے بدکاری کی سزا دی جائے۔ نہ کوئی مدعی ہے اور نہ کوئی گواہ۔ اسے موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اس صورت حال سے قادمہ اٹھالے جائے مگر خدا کی باز پرس کی سن کر اسے چین نہیں لینے دیتی۔ اور بالآخر اسے سزا دے دی جاتی ہے۔

یہ اپنی نوعیت کا تنہا واقعہ نہیں ہے، کئی عورتوں اور مردوں کے ایسے واقعات احادیث میں موجود ہیں۔ اول تو ایسے واقعات پیش ہی شاذ و نادر آتے تھے۔ لیکن معاشرے میں ان دیکھے خدا کی ہستی کا ایسا شدید یقین پیدا ہو گیا تھا کہ لوگ آخرت کی باز پرس سے بچنے کے لئے وہ خوشی خوشی دنیا کی جانی سزا تک قبول کر لیتے تھے۔

ایک شخص قتل کا مجرم ہے۔ مدعی اسے پکڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے لاتا ہے۔ مجرم کو خود اعتراف جرم ہے۔ مگر اس کے چھوٹے بھائی کے نام اس کے باپ کی ایک وصیت ہے۔ وہ جہنت کی درخواست کرتا ہے کہ باپ کی وصیت پوری کر آئے۔ ایک صحابی اس کے ضمانت کرتے ہیں۔ وہ گھر جاتا ہے اور وقت منقرہ پر واپس آکر حاضر ہو جاتا ہے۔ مدعی اس کی سچائی سے اتنا متاثر ہوتا ہے کہ خون معاف کر دیتا ہے۔ خدا اور اس کی توحید کا عقیدہ خدائی حکومت کے تناؤں کا کتنا اعتراف عوام کے دلوں میں پیدا کر دیتا ہے؟

(۲) ایک ایسا معاشرہ اور ایسا نظام حکومت وجود میں آ گیا تھا کہ عوام میں یا حکومت کا اعلیٰ سربراہ کا۔ سب کی زندگی کی بنا پر ایک خدا کے عقیدے پر تھی۔ جو زمین و آسمان اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور ساری کائنات کا مالک ہے۔ اور اس کے علم اور رسائی کا حال یہ ہے کہ وہ آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے بھید تک کو جانتا ہے۔ اس لئے اب زندگی کی کوئی کئی نہیں جو سبھی نہ ہو گئی ہو۔ اب کسی کا جو صلہ نہیں ہے کہ کوئی کسی کو دباؤ۔ کسی پر زیادتی کرے۔ یا کسی کی آزادی کو کچل سکے۔ اب سب کی حیثیت ایک ہے۔ سب آزاد ہیں۔ سب کے حقوق برابر ہیں۔ اب خود خلیفہ اور امیر جو نظام حکومت اور معاشرہ میں سب سے اونچی پوزیشن کا مالک ہے، عوام کی آزادی کا احترام کرتا ہے۔ اور جہاں دیکھتا ہے کہ کوئی صاحب اقتدار عوام کی آزادی کی بے حرمتی کر رہا ہے، صاحب اقتدار کی سرزنش کرنے میں زور نہیں جھکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عرب، شام، عراق، فارس اور مصر پر حکومت کر رہے تھے۔ شام کے دورہ سے مدینہ واپس آ رہے ہیں، راستہ میں بھی جا بجا رک رک کر پتہ لگا رہے ہیں کہ حکومت اور حکام سے کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی؟ ایک چھوٹا سا خیمہ نظر آتا ہے۔ اس کے پاس جاتے ہیں۔ وہاں ایک بڑا عیبی مٹی ہے۔ پوچھتے ہیں:-

”تمہیں کچھ معلوم ہے عمر کا کیا حال ہے؟“

بڑھیا کہتی ہے:- ”ہاں شام سے چل چکا ہے۔ خدا اُسے غارت کرے، آج تک مجھ کو اُس سے ایک حبتہ نہیں ملا۔“

حضرت عمر بے اختیار رو پڑتے ہیں کہتے ہیں:-

”بڑی بی! عمر کو اتنی دُور کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟“

بڑھیا کہتی ہے:- ”پھر اس نے اتنی بڑی مملکت اور اتنے بندگانِ خدا کی ذمہ داری اپنے سر کیوں لے رکھی ہے؟“

حضرت عمر اُس سے معافی مانگتے ہیں اور اس کے گزارے کا معقول انتظام کر دیتے ہیں۔

قانونِ خلیفہ اور امیر کا نہیں، خدا کا چل رہا ہے۔ اس کے متعلق خلیفہ اور امیر سے کیوں نہ بھول چوک ہو۔ ہر شخص کو آزادی حاصل ہے کہ خلیفہ کو ٹوک دے۔ حضرت عمر ایک تقریر میں عورتوں کے زیادہ مہرباند ہونے کی ممانعت کرتے ہیں۔ ایک بڑھیا قرآنِ شریف کی ایک آیت کا حوالہ دیتی ہے۔ جس میں زیادہ سے زیادہ مہرباند ہونے کی آزادی دی گئی ہے۔ حضرت عمر فوراً اپنی غلطی تسلیم کر لیتے ہیں۔ کہتے ہیں:- ”بیٹیک ایک بڑھیا کا علم عمر سے زیادہ ہے۔“

ایک بار مالِ غنیمت میں کچھ کپڑا آتا ہے۔ وہ مسلمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر کو بھی اُس میں سے اتنا ہی حصہ ملتا ہے جتنا دوسرے مسلمانوں کو۔ آپ اس کپڑے کا کرتا پہن کر مسجد میں خطبہ دینے کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک معمولی شخص اٹھتا ہے۔ کہتا ہے:-

”عمر جب تک میرے سوال کا جواب نہ دے دو۔ میں تمہاری بات نہیں سن سکتا۔“

آپ فرماتے ہیں:- ”پوچھو، کیا پوچھتے ہو؟“

کہتا ہے:- ”تم جس کپڑے کا کرتا پہنے ہوئے ہو، وہ ملا تو تمہیں بھی ہم سب کے برابر۔ اس سے ہمارا کرتا تو نہیں بنا تمہارا کیسے بن گیا؟“

حضرت عمر اپنے بیٹے حضرت عبداللہ سے فرماتے ہیں:- ”اٹھو۔ معتر من کو جواب دو۔“

حضرت عبداللہ ابن عمر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں:-

”اس کرتے میں میرے حصہ کا کپڑا بھی شامل ہے۔“

سائل کہتا ہے:- ”ہاں اب میں تمہاری بات سنوں گا۔“

ایک دفعہ ایک شخص نے کسی معاملہ میں حضرت عمر سے کہا:- ”عمر! خدا سے ڈرو۔“

وہ شخص بڑی بیباکی کے ساتھ بار بار اس جملہ کو دہراتا رہا۔

دوسرے شخص نے اسے ٹوکا، کہا:- ”بہت ہو چکا۔ اب بس بھی کرو۔“

حضرت عمر نے فرمایا:- ”ان کو کہتے دو۔ اگر یہ مجھے نصیحت نہ کریں تو ان میں کوئی خوبی نہیں۔ اور اگر میں ان کی نصیحت قبول نہ

کروں۔ تو مجھ میں کوئی اچھائی نہیں۔“

یہ خدا اور اس کی وحدانیت کے عقیدہ کا ثمرہ نہ تھا تو اور کیا تھا؟ کسی اور نظامِ زندگی نے بھی ایسے حکمران پیدا کئے؟

ایک بار حضرت عمرؓ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا۔ "لوگو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم کیا کرو گے؟"
ایک شخص فوراً کھڑا ہو گیا۔ اور دنیا سے تلوار کھینچ کر بولا۔ "تمہارا سر اڑا دوں گا۔"
حضرت عمرؓ نے امتحاناً سوال کیا۔ "میری شان میں ایسے الفاظ کہتا ہے؟"
اُس نے کہا۔ "ہاں تمہاری شان میں۔"

حضرت عمرؓ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ فرمایا۔ "خدا کا شکر ہے۔ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو عمرؓ کو بھی سیدھا کر سکتے ہیں۔"

خدائی حکومت کا سربراہ کار لوگوں کے جذبہ آزادی کو کچلتا نہیں، بلکہ اسے اس طرح ابھارتا اور اُسے جلا دیتا ہے۔
(۳) جہاں سچی آزادی ہوگی وہاں خود بخود سچی مساوات پیدا ہو جائے گی۔ جبکہ بن ایہم غسانی شام کے سرحدی علاقہ کا بادشاہ تھا۔ وہ عیسائی سے مسلمان ہو گیا تھا۔ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے اس کی چادر کا گوشہ ایک معمولی آدمی کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔ جبکہ نے اُسے طمانچہ مارا۔ اُس نے بھی طمانچہ کا جواب طمانچہ سے دیا۔ جبکہ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی آپ نے فرمایا۔ "تم نے جو کچھ کیا اس کا یہی جواب تھا۔"

جبکہ کو حضرت عمرؓ سے ایسے جواب کی توقع نہ تھی۔ اس نے کہا۔ "ہم وہ ہیں کہ ہمارے ساتھ گستاخی کی سزا قتل ہے۔"
حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "ہاں اسلام سے پہلے ایسا ہی تھا۔ مگر اسلام میں امیر اور غریب کا کوئی فرق نہیں ہے۔"
جبکہ غیر اسلامی ماحول کا پروردہ اور پروان پڑھا ہوا تھا۔ وہ چپکے سے بھاگا اور پھر عیسائی ہو گیا۔ ایسے ہزار جبکہ عیسائی ہو جائیں، کسی کی خاطر سے خدائی قانون نہیں بدل سکتا۔ کبھی نہیں بدل سکتا!

حضرت عمرو بن العاص بڑے خاندانی آدمی تھے۔ مسلمانوں میں بھی ان کو بڑا مرتبہ حاصل تھا۔ مصر کے فاتح اور گورنر تھے۔ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بھی بڑے مرتبہ کے صحابی تھے۔ انہوں نے ایک بار ایک شخص کو ناحق کوڑوں سے پیٹ دیا۔ حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں حضرت عمرو بن العاص کے سامنے حضرت عبداللہ کو اسی شخص کے ہاتھ سے کوڑے لگوائے۔ جس کو انہوں نے مارا تھا۔ باپ بیٹے اُن نہ کر سکے۔!

ایک بار ایک شخص نے خود حضرت عمرو بن العاص پر دعویٰ کیا کہ انہوں نے مجھے ناحق سزا کوڑے مارے ہیں۔ حکومت کے بڑے بڑے عہدہ دار اور عوام موجود تھے۔

حضرت عمرؓ نے مدعی سے کہا۔ "اٹھو، اور تم بھی ان کو سو کوڑے مارو۔"
حضرت عمرو بن العاص نے کہا۔ "اگر ایسا کیا گیا تو حکومت کے عمال بددل ہو جائیں گے۔"
حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "نتیجہ جو بھی ہو، لیکن کہا یہی جائے گا۔"
حضرت عمرو بن العاص نے دو سو اشرافیوں پر مدعی سے معاملہ طے کیا۔

انسانی تاریخ میں اس طرح پہلی بار دنیا مساوات انسانی سے روشناس ہوئی۔ اور یہ عقیدہ توحید کا اثر تھا۔
لکھو نظر ہے کہ یہ بیسویں صدی کا واقعہ نہیں ہے۔ واقعہ ہے ساتویں صدی عیسوی کا، جسے آج کی نام نہاد انسانیت پسند دنیا دورِ ظلمت دیکھتی کہتی ہے!

۴) مساوات اور عدل ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ سورج ہو گا تو اُس کے ساتھ لازماً دھوپ بھی ہوگی۔ سورج کے بغیر

دھوپ نہیں ہو سکتی۔ مساوات نہ ہو اور عدل و انصاف کا وجود ہو جائے۔ یہ ناممکن ہے۔ ایک خدا کے عقیدے کی بنیاد پر وجود میں آئی حکومت عرب۔ شام، فارس اور مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔ انصاف اتنا سستا اور عام تھا، جس کا آج کی دنیا میں تصور نہیں کیا جاسکتا۔ عدالت کی عمارتیں اتنی عالی شان اور بارعب نہ تھیں کہ غریب مدعی ان کو دیکھ کر ہی دہل جائے۔ نماز پڑھنے کی مسجدیں ہی عدالت کا کام دیتی تھیں، جن سے غریب سے غریب انسان مانوس ہوتا تھا۔ عدالت کے دروازہ پر کسی قسم کی چوکی نہ چہرہ تھا۔ وکیلوں کا سرے سے سسٹم نہ تھا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بے تکلف منصف اور جج کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ ججوں کو حکومت کی طرف سے ہدایت تھی کہ وہ غریبوں کے ساتھ خاص طور پر نرمی سے پیش آئیں، تاکہ وہ بغیر رعب و داب کے اپنا معاملہ پیش کر سکیں۔ !

جن مقدمات پر آج کی ہند ب دنیا میں ہفتوں، مہینوں اور برسوں صرف ہو جاتے ہیں، اور سینکڑوں، ہزاروں اور لاکھوں روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ کتنے لوگ ان مصارف کے نہ ہونے سے انصاف ہی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ اُس زمانے میں گھنٹوں اور دنوں میں بغیر کسی صرف کے لوگ انصاف پا جاتے تھے۔ پبلک میں بھی آج کی طرح بددیانتی، بے ایمانی اور جعل ساز نہ تھی۔ گواہ بھی عموماً سچے ہوتے تھے۔ سیدھے سادے طور پر مقدمات پیش ہوتے تھے۔ ثبوت اور صفائی کی عموماً سچی شہادتیں گزرتی لگتی تھیں۔ اور آسانی سے مقدموں کے فیصلے ہو جاتے تھے۔ !

مساوات کا یہ حال تھا کہ امیر المؤمنین کو بھی جو حکومت کے سب سے بڑے سربراہ کا ر اور آج کے صدر مملکت کے برابر منصب رکھتے تھے مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔ اور وہاں بھی ان کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک جائز نہ تھا۔ !

ایک دفعہ حضرت ابی بن کعب نے حضرت عمرؓ پر دعویٰ دائر کیا۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ جو اب دہی کے لئے گئے۔ حضرت زید بن ثابتؓ ثابت حاکم عدالت تھے۔ انہوں نے ازراہ احترام حضرت عمرؓ کے لئے جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "زید! یہ تمہاری پہلی بے انصافی ہے۔" یہ کہہ کر مدعی کے برابر بیٹھ گئے۔ حضرت ابی بن کعب کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ اور حضرت عمرؓ کو مدعی کے دعوے سے انکار تھا۔ ایسی صورت میں قانون تھا کہ مدعی، مدعا علیہ سے قسم لے۔ چنانچہ حضرت ابی نے حضرت عمرؓ سے قسم کا مطالبہ کیا۔ حضرت زید نے حضرت عمرؓ کے مرتبہ کا لحاظ کر کے کہا: "امیر المؤمنین کو قسم سے معاف رکھو!" حضرت عمرؓ بہت رنجیدہ ہوئے۔ کہا:۔

"جب تک تمہاری نظروں میں عمرؓ اور ایک عام آدمی برابر نہ ہوں، تم ججی کے منصب کے لائق نہیں سمجھے جاسکتے۔"

اسلام میں شراب نوشی کی سزا انٹی کوڑے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے بیٹے ابوسلمہ نے شراب پی۔ حضرت عمرؓ نے ان کو اپنے ہاتھ سے اسٹی کوڑے مارے۔ وہ اس مار کو برداشت نہ کر سکے۔ اسی کے صدمہ سے مر گئے۔

جس حکومت کے سب سے بڑے سربراہ کا یہ رویہ ہو اُس حکومت میں بھلا کسی کے ساتھ بے انصافی کیسے ہو سکتی ہے؟ حق و انصاف کی یہ روح پورے معاشرے میں پیدا ہو گئی تھی۔ ایک بار اسلامی حکومت کی ایک غیر مسلم رعایا نے حضرت عمرؓ کی عدالت میں حضرت علیؓ کو مدعا علیہ پر مقدمہ دائر کیا۔ حضرت علیؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے لڑکے حضور کے داماد تھے۔ لوگ عموماً ان کا نام لینے کے بجائے عزت کے خیال سے ان کو ابوالحسن کہہ کر پکارا کرتے

تھے۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے کہا۔
 ”ابو الحسن! اپنے مدعی کے برابر بیٹھ جاؤ۔“

یہ سن کر حضرت علیؓ کے چہرہ پر ناگواری کا اثر رونما ہوا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ”شاید آپ کو میری ہدایت ناگوار گزری۔
 حالانکہ اسلام کا قانون مسادات یہی ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ کو ایک نگاہ سے دیکھا جائے۔“
 حضرت علیؓ نے کہا۔ ”میری ناگواری کا سبب یہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ نے میرے مدعی کے مقابلہ میں میرے
 احترام کا اظہار کیوں کیا؟ آپ کو چاہیے تھا کہ ابو الحسن ”کہنے کی بجائے مجھے“ علیؓ کہہ کر مخاطب فرماتے۔“
 سچی انسانیت کے یہ جتنے نمونے اُدھر گزرے ہیں، یہ سب ایک خدا اور اس کی بازپرسی اور جزاء و سزا پر سچے یقین کے
 ثمرات و نتائج تھے۔

ایک ایسے زمانہ میں جب ساری دُنیا میں انسانیت کے جوہر ناپید تھے۔ اور ایک ملک میں جس کی حالت تمام دُنیا سے زیادہ بگڑی
 ہوئی تھی۔ اِسا پاکیزہ اور ہمہ گیر انقلاب اسی عقیدہ توحید کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ آج کی بگڑی ہوئی دُنیا کو اسی عقیدہ توحیدِ الہ
 کی ضرورت ہے۔ اسی عقیدے کی بنیاد پر سچی انسانیت قائم ہو سکتی ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

ماہر الفتاوری مدیر قاران

نے

مکہ اور مدینہ میں کیا دیکھا؟ اور کیا محسوس کیا!

کاروانِ حجاز

میں

ان تمام مشاہدات اور تاثرات کی ایسی دلکش تفصیل آپ کو ملے گی کہ آپ گویا خود زائرِ حرم کے ساتھ ساتھ ہیں۔
 ایک ایک سطر خدا اور رسول کی محبت سے معمور، یہ کتاب آپ کی آنکھوں کو محبتِ رسول کے آنسوؤں سے
 دھو کر لے گی۔!

ادب و انشاء کا پاکیزہ ترین نمونہ

قیمت چار روپے

مکتبہ ”قاران“ کیمبل اسٹریٹ - کراچی

مولانا عامر عثمانی (مدیر تجلی)

بدعت توحید کی ضد ہے

توحید ایک سادہ سا لفظ ہے، جس کے مفہوم و مراد کو ہر عام و خاص جانتے ہیں۔ لیکن اگر علم و عقل کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہی سادہ سا لفظ اپنی حقیقت اور ثمرات و مقتضیات کے اعتبار سے تمام دنیائے انسانیت کے لئے اتنا عظیم، ایسا اہم اور اس قدر گرانمایہ ہے کہ اسی پر اس کی دنیا اور عقبی، آغاز اور انجام، حیات اور معاد، حتیٰ کہ تمدن و معاشرت کی اصلاح و فساد اور زندگی کے تمام شعبوں کی بھلائی برائی کا دار و مدار ہے۔ علم و اعتقاد کا اگر یہ سرچشمہ خشک ہو جائے تو انسان کے پاس خیر و صلاح اور ہدایت و حقیقت تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا۔ شاید اسی لئے رب العزت نے انزل کے دن اپنے بندوں سے سوال کیا تھا کہ **الست بربکم**؟ اور بندوں نے کہا تھا کہ **بلیٰ**! ہاں تو بیشک ہمارا رب ہے۔ یہ عہد حافظوں سے اگر چہ محو ہو گیا۔ لیکن انسان کے تحت الشعور اور فطرت میں ایک پیاس، ایک تحریک، ایک داعیہ بن کر سما گیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ کے ہر دور میں، ہر قوم اور ہر مذہب نے، کسی نہ کسی نوعیت سے توحید کی شان و عظمت کو تسلیم کیا۔ اور عملاً بے شمار خداؤں کو پوجنے کے باوجود بنیادی اور نظری طور پر یہی مانا کہ بڑا خدا ایک ہی ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے خدا اسی کے قائم مقام ہیں۔ یا اس کی مختلف صفات کے نام سے ہیں۔ یا انھیں امور عالم حصہ وار سپرد کر کے بڑا خدا آرام کر رہا ہے۔ وغیر ذالک!

ممکن ہے بہت پرانے زمانہ میں بعض قومیں کسی قبیلہ مدت تک معبود کے تصور سے عاری رہی ہوں۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی انسانی شعور نے ذرا آنکھیں کھولیں اور فطرت کے تشریحی داعیوں اور نفاذوں کو ابھرنے اور پُر پُر زے نکالنے کا موقع ملا۔ اسی وقت یہ قومیں آپ سے آپ بلا کسی خارجی تحریک کے انسان سے مافوق کسی طاقت کی تلاش میں سرگرداں نظر آئیں اور اپنی اپنی سمجھ کے مطابق ہر فرد نے کسی اقتدار اعلیٰ اور قوی تر ہستی کا تصور قائم کر کے اس کی پرستش کے کچھ طریقے مقرر کر لیے!

تاریخ سے کتانی اور سطحی واقفیت رکھنے والے حضرات تو شاید میرے اس دعوے پر حیرت کریں۔ کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ پچھلے زمانوں میں تقریباً تمام ہی قومیں پتھر کے بتوں، گوشت پوست کے انسانوں اور سورج، دریا، آگ اور اسی طرح کی دیگر اشیاء کو معبود مانتی رہی ہیں۔ اور آج دور ترقی میں بھی مسلمانوں کے سوا کم و بیش ہر قابل ذکر قوم توحید کے برعکس عقائد رکھتی ہے۔ اور عملاً متعدد خداؤں کی قائل ہے۔ لیکن جو لوگ تاریخ کا گہرا علم رکھتے ہیں اور ظاہری افعال کا علمی و نفسیاتی تجزیہ کر کے ان کے پیچھے کام کرنے والے عوامل و داعیات کا پتہ چلانے کی اہلیت سے بہرہ ور ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ فطرت اور عقل کے بنیادی تقاضہ کے تحت تمام ہی قومیں اپنی حقیقت کو محسوس کرتی رہی ہیں کہ مالک، المکل اور مقتدر اعلیٰ اور حاکم مطلق کسی ایک ہی ہستی کو ہونا چاہیے۔ یہ الگ بات ہے کہ عقل و علم کی کچی، شعور و وجدان کی طفولیت اور آسمانی ہدایت و تنویر سے محرومی کے باعث وہ نہ تو اس فطری رجحان کو کسی واضح عقیدہ کی شکل میں ظاہر کر سکیں نہ وہ یہ جان سکیں کہ صرف ایک معبود کو تسلیم کرنے کی صورت میں وہ کونسا طریقہ عبادت ہو سکتا ہے جو اس تسلیم اور خیال و عقیدے کی صحیح ترجمانی کر سکے۔ ان کی عقل اور علم کی حد تک ایک واحد مرکزی ہستی کے لئے جن صفات کا پایا جا

ضروری تھا۔ ان صفات کے لئے انہوں نے الگ الگ مظاہر اور نشانات مقرر کر لئے اور علیحدہ علیحدہ ان مظاہر اور نشانات کو پوجا۔ ہر مظہر اور نشان کو پوجتے ہوئے وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر یہی گمان کرتی رہیں کہ ہم اصل معبود کو پوج رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انسان اگر کسی عقیدے اور تخیل کی ترجمانی کے لئے ایسے افعال و اطوار اختیار کرے جو حقیقتاً اس عقیدہ و تخیل کی ضد اور نقیض ہوں تو یہ عقیدہ و تخیل دھندلا پڑتے پڑتے بالکل معدوم ہو جاتا ہے۔ اور جو اس کے قلب و دماغ میں اس کا مہموم سائق باقی رہے تو کم سے کم عوام کے دل و دماغ میں یہ برائے نام بھی باقی نہیں رہتا۔ عوام اپنے اعمال میں عموماً رسم و روایت اور بے مغز تقلید و اتباع کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ فطرت کے تقاضے اور انبیاء کرام کی تعلیمات کے باوجود غلط اور باطل طرز عبادت نے توحید کے نقش کو اس طرح مٹا دیا کہ جب رسول نے ان سے کہا کہ ایک ہی خدا کو مانو تو اظہار حیرت کرتے ہوئے بولے کہ یہ تو ہمارے سائے معبودوں کو ذلیل کر کے ایک ہی خدا کو سارے حقوق دیئے دیتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ حیرت اور اعراض توحید کے عقلی و جبلی انکار اور شعور کی نزہت پر مبنی نہ تھا۔ بلکہ عملاً متعدد معبودوں کو پوجتے رہنے اور رسم و رواج کے رنگ میں رنگے جانے کا سطحی نتیجہ تھا۔ جہالت و بے شعوری کا ثمرہ تھا۔

آج کی دنیا کو دیکھئے، جو قومیں بے شمار بتوں کو پوجتی ہیں اور کہتے ہی انسانوں کو معبود بنائے ہوئے ہیں اور کہتے ہی خیالی دیوتاؤں کی پجاری ہیں، ان کے رہنماؤں اور عالموں سے آپ کلام کریں تو وہ ہرگز ہرگز یہ نہیں کہیں گے کہ کارخانہ عالم پر ڈیوڈ سے زیادہ برابر کی طاقت والے دیوتاؤں کی خدائی ہے، بلکہ وہ اصل اور حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی امر مطلق تسلیم کریں گے۔ لیکن چونکہ سب بڑا خدا اور اس کی متعدد طاقتیں اور صفات آنکھوں سے نظر آنے والی چیز نہیں۔ اس لئے اس خدا اور اس کی صفات پر اچھی طرح دھیان جمانے اور جس صفت سے مدد لینے کی ضرورت پڑے، اسی صفت پر اپنی توجہ مرکز کرنے کے لئے ہم نے بتوں کو ظاہری نشان اور مظہر بنا لیا ہے۔ بعض انسانوں اور خیالی دیوتاؤں کے بارے میں وہ یہ کہیں گے کہ بجائے خود بھگو ان تو ہم کسی کو نہیں مانتے۔ ان فلاں بزرگ میں بھگو ان نے اپنی فلاں صفت ڈال دی اور فلاں دیوتا کو فلاں طاقت سپرد کر دی۔ گویا اصل کے اعتبار سے تو معبود ایک ہی ہے، مگر واسطے اور انتظامی آسانیوں کے اعتبار سے یہ لوگ دسیوں معبود بنائے ہوئے ہیں۔!

جو قومیں خوش فہمی سے اپنے کو عیسائی کہتی ہیں "خوش فہمی" اس لئے کہ درحقیقت نہ یہ اس تحلیم کو مانتی ہیں جو حضرت عیسیٰ کی تعلیم تھی، نہ تعلیم اپنی صحیح شکل میں آج موجود ہے، ان کا بھی یہی حال ہے کہ علمی و منطقی اعتبار سے قائل تو وہ تثلیث کی ہیں۔ لیکن کسی بھی عیسائی عالم سے گفتگو کیجئے، وہ شرک کا اقرار اور توحید کا انکار ہرگز نہیں کرے گا۔ بلکہ اپنی تثلیث کا سرا کھینچ تان کر توحید ہی سے ملائے گا۔ اور باوجود مشرکانہ عقائد و اعمال کے بنیادی ذہن اس کا یہی ہو گا کہ مستقل بالذات نختا مطلق اور تمام اقتدار و قوت کا مرکز تو صرف ایک ہی ہستی ہو سکتی ہے۔!

ایسا کیوں ہے؟ انسان کی عقل و شعور اور فطرت کس لئے توحید کا میلان رکھتے ہیں؟ کھلی مشرک تو میں کس لئے توحید کا انکار نہیں کرتیں؟ ان سوالوں کا واحد جواب یہ ہے کہ اس کارخانہ عالم کے لئے کسی ایک ہی ہستی کو خالق و مالک ماننا اور تمام قوت و قدرت کو اسی سے منسوب کرنا عین فطرت اور عین شعور اور عین عقل و فہم ہے۔ عقل چاہے کیسی ہی نکتہ سنجیاں کو لے، منطوق چاہے کتنی ہی پلٹیاں کھالے، فلسفہ چاہے کیسے ہی گوشے نکال لے۔ لیکن ناچار اس پہاڑ کی طرح اٹل حقیقت کو ماننا پڑتا ہے کہ معبود حقیقی اور تمام اختیار و اقتدار کا مالک اور پروردگار ایک ہی ہوتا ہے۔ اسلام کے اپنی مکمل اور آخری شکل میں آنے سے پہلے تو یہ ممکن بھی تھا کہ خود رجماء معبودوں کے پجاری اور خود تراشیدہ طریق عبادت کے متوالے توحید سے ہر ملا انکا ر کردیں۔ لیکن اسلام نے اگر انسان کو اس کی فطری مانگ کا ٹھیک ٹھیک احساس دلایا۔ نہ نشیں داعیہ کو ایک حسین و جمیل نظریہ اور اصول کی شکل میں پیش کیا۔ ٹھوس علمی و عقلی

دلائل فراہم کئے۔ اور قرآن کی تہنہ ایک ہی دلیل اتنی اثر انگیز، قوی اور آہن و فولاد سے زیادہ مستحکم ثابت ہوئی کہ انسانی عقل و علم اور مشاہدہ و تجربہ کے لئے اس کی تردید ناممکن ہو گئی۔ خدا نے سادہ لفظوں میں کہا کہ اگر ایک سے زیادہ رب ہوتے تو کارخانہ عالم زیر و زبر ہو جاتا۔ یہ سادی سی مختصر دلیل انسانی عقل و علم کی تمام بساط پر آسمان کی طرح چھا گئی۔ تجربہ نے قدم قدم پر بتایا کہ ہلکے عالم کے لئے ایک ہی شہنشاہ اور مالک الملک کا وجود ناگزیر ہے۔ اس کے علاوہ اسلام نے اور بھی مضبوط دلیلیں دینے کے سامنے رکھیں اور دینا کو ماننا پڑا کہ توحید کی صداقت و حقانیت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔

دوسرا جواب ایک اور بھی ہے جو اگرچہ عقلی و قیاسی قسم کا نہیں بلکہ اس کو سمجھنے اور ماننے کا مدار انسانی قلب و روح کی صفت پر ہے۔ لیکن چونکہ ہمارا خطاب اہل ایمان ہی سے ہے اس لئے اس کا ذکر یہاں بے محل نہ ہوگا۔

سورہ اعراف رکوع ۲۲ میں ہے:-

وَإِنَّا خَلَقْنَا بَنِي آدَمَ مِنْ طُفُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَن تَقُولُوا إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ۝
اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھ سے ان کی اولادیں نکالیں اور خود انہی کو ان کا گواہ بنا دیا (ان سے پوچھا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا۔ بیشک! (یہ کام اللہ نے اس لئے کیا کہ تم حشر کے روز یہ نہ کہہ سکو کہ ہم اس سے (تیرے رب ہونے سے) بے خبر تھے۔

یہ واقعہ عالم مثال کا ہے۔ ابن عباس کی روایت کے مطابق اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روز اول سے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام ہی انسانوں سے یہ عہد لیا گیا۔ اور الفاظ قرآنی کو کسی خاص تعداد انسانی پر بھی بقول بعض محمول کیا جا سکتا ہے۔ دونوں ہی صورتوں میں یہ بات مستحق ہو جاتی ہے کہ توحید کا اعتراف و اقرار فطرت انسانی کا جزو ہے۔ پہلی صورت میں تو کسی توجیہ کی ضرورت ہی نہیں کہ ہر انسان اس میں شامل ہے، البتہ دوسری صورت میں یہ توجیہ کرنی پڑے گی کہ جس طرح بھوک، پیاس، نیند، عقل اور صورت توجیہ وغیرہ انسان کے اندر ایک دوسرے میں متواتر ہوتی چلی جاتی ہیں، اسی طرح اس عہد الست کا اثر بھی قیامت تک متواتر ہونا چلا جائے گا۔ یہ توجیہ محض تاویل کا درجہ نہیں رکھتی، بلکہ انسان کی تاریخ اس پر ناقابل تردید شہادت بتی کرتی ہے۔ قدیم سے قدیم تر جس زمانہ کا حال ہمیں تاریخ بتاتی ہے اس میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ غیر ہند، پس ماندہ بے علم اور ترقی سے ناواقف انسان بھی آپ سے آپ کسی نہ کسی معبود کی پوجا میں لگے ہوئے ہیں۔ مانا کہ عقل کی نارسائی اور نفس کی فریب انگیزی کے باعث یہ پوجا توحید کی ضد اور شرک پر مشتمل تھی۔ لیکن اس حقیقت سے انکار کی کیا گنجائش ہے کہ ان کے جذبہ عبودیت فطرت ہی کی پکار تھی۔ فطرت نہ ابھارتی تو آخر کون سی طاقت انہیں مجبور کر رہی تھی کہ تلاش رزق، جستجو سے آرام و راحت اور دیگر مشاغل دنیاوی کے ساتھ ساتھ وہ خواہ مخواہ پوجا پاٹ میں وقت ضائع کریں۔ اور بے وجہ خود کو کسی ایک یا چند معبودوں کے آگے پست و ذلیل بنائیں۔ آخر کس نے ان سے کہا تھا کہ سورج با دریا یا پتھر کے مجسموں کو پوجنا شروع کر دو۔ ظاہر ہے کہ یہ محض اور محض اسی بنا پر ہو سکتا ہے کہ جس طرح بھوک، پیاس، ظلت آرام، نیند اور

اسی روایت کی تصدیق و تائید امام احمد کی اس روایت سے ہوتی ہے جو مشکوٰۃ باب الایمان بالفقر میں درج ہوئی ہے مجھے ذاتی طور پر ہی تشریح محقق معلوم ہوتی ہے اور اگلی تشریح کی کوئی دلیل مجھے معلوم نہ ہو سکی۔ سوائے اس کے کہ تمام انسانوں کو بیک وقت عالم مثال میں حاضر کر لینا عقول کے سے متعدد سا ہے، حالانکہ اس طرح کے معاملات میں عقل انسانی کی استعداد پر توجہ نہیں کرنی چاہیے۔ (ع۔ع۔)

جنسی میلان فطرت کے ایسے داعیے ہیں کہ ان کے لئے کسی خارجی محرک اور محکم کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح جذبہ عبودیت، اور خواہش نیاز مندی بھی فطرت ہی میں داخل ہے، جس کے لئے کسی بیرونی محرک و معلم کی احتیاج نہیں۔ احتیاج ہے تو صرف اس بات کی کہ اس جذبہ کو صحیح راہ پر ڈالنے کے لئے اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء کی تعلیم و تفہیم کو قبول کیا جائے۔

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد وہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے جو کہ ہم اعداد سطح میں لوگ عہد الست کے بارے میں کرتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ کہتے ہیں کہ جب یہ ازلی عہد انسان کے حافظہ میں محفوظ نہ رہا تو اس سے کیا حاصل ہوا؟ اور کیوں اللہ نے یہ عہد کا کام کیا؟ یہ اعتراض اس لئے ختم ہو جاتا ہے کہ یہ عہد حافظوں میں ترسیم کرنے کے لئے کہا ہی نہیں گیا تھا۔ اور نہ اللہ تعالیٰ نے تواریخ و تنازل میں یہ قاعدہ رکھا ہے کہ جو واقعات باپ کے حافظہ میں محفوظ ہوں وہ گل یا بعض اولاد کے حافظوں میں بھی منتقل ہو جائیں بلکہ اس عہد کا منشاء توحید اور جذبہ پرستش کو انسان کی فطرت کا جزو بنا دینا تھا۔ اور اس کے اندر پروردگار کی تلاش و تحسس کا رجحان، استعداد اور داعیہ پیدا کر دینا تھا۔ کسی واقعہ کا حافظہ سے محو ہو جانا ہی اس کی بے اثری پر کافی دلیل نہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کی جوانی میں یہ بالکل یاد نہیں رہتا کہ آج ہم جس زبان کی ہر کتاب کو فر فر پڑھ ڈالتے ہیں، اس زبان کی الف بے ہمیں بچپن میں کس نے، کب اور کس طرح سکھائی۔ انھیں نہ وہ ماحول یاد ہوتا ہے، جس میں انھیں حرف شناسی کے ابتدائی سبق ملے۔ نہ اس سے متعلق کوئی اور تفصیل حافظہ میں محفوظ ہوتی ہے۔ حالانکہ ان کی موجودہ حرف شناسی اور زبان دانی اور علم و فن کی بنیاد اولین چھٹپنے کی یہی تعلیم تھی اور اسی تعلیم نے ان میں یہ بلکہ پیدا کیا کہ ضخیم کتابیں بلا تکلف پڑھ ڈالیں۔ اب کیا کوئی نادان یہ احمقانہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ حافظہ سے محو شدہ ابتدائی تعلیم بیکار اور عبث رہی۔ یا کوئی پڑھا لکھا آدمی محض اس لئے اپنے پڑھے لکھے ہونے سے انکار کر سکتا ہے کہ اسے اپنے بچپن کے معلم کا نام اور حرف شناسی کا زمانہ اور کیفیت اور ماحول اور کچھ بھی یاد نہیں رہا ہے۔ یاد رہے نہ ہے لیکن حرف شناسی کا جو ملکہ اور شعور پیدا ہو چکا ہے وہ بالکل کافی ہے۔

اس سے کس نہ کسی حد تک ملتی جلتی ہوتی مثال عہد الست کی ہے۔ وہ حافظوں میں ثبت کرنے کے لئے نہیں لیا گیا تھا۔ بلکہ وہ اس لئے تھا کہ انسان کی جبلت و فطرت میں ایک ملکہ، ایک استعداد اور ایک متقل پیاس، ایک طلب، ایک داعیہ، ایک تحریک ہمیشہ کے لئے جاگرمیں کر دے اور دیگر عناصر فطرت اور اجزائے جبلت کی طرح یہ بھی قیامت تک فطرت کا جزو بنا رہے۔

اس کو اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ یوں بیان فرمایا ہے:-

فَطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ -

اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اس کی تخلیق میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کو بایں الفاظ بیان فرمایا:-

ما من مولود الا يولد على الفطرة فابواه يهودونه او ينصرونه او يمجسانه -

ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی (دیگر) بنا دیتے ہیں۔

اصل فطرت یہی ہے کہ انسان ایک خدا کو ماننے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ عقل و علم کی نارسائی کے باعث انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ماننے کے صحیح طریقے اور آداب اور تقضیات کو آپ سے آپ سمجھ سکے۔ اس لئے اللہ کے بھیجے ہوئے نبیوں کی ضرورت پڑتی ہے اور اس ضرورت کو اللہ تعالیٰ برابر پورا کرتے رہے اور آخر کار ایک آخری نبی کو مکمل شریعت اور دین لے کر بھیج دیا۔ کہ قیامت تک کے لئے تمام عالم انسانی اس دین کے بتائے ہوئے طریقوں پر چل کر زندگی کا صحیح حق ادا کر سکے۔

توحید خالص ان تمہیدی معرکے بعد اب ہمیں دیکھنا ہے کہ جب تمام ہی قومیں کسی نہ کسی نوعیت میں توحید کی صداقت و حقانیت کی صراحتاً یا اشارتاً قائل ہیں تو کیا ان کی اور مسلمانوں کی توحید ایک ہی ہے یا الگ الگ؟ کیا توحید کی حد تک سب کو ایک ہی صف میں سمجھا جائے گا یا کچھ منسوق کیا جائے گا۔

تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ توحید اپنی حقیقت کے اعتبار سے تو فرق و اختلاف اور تقسیم کی گنجائش ہی نہیں رکھتی۔ لیکن لفظی مفہوم کے لحاظ سے اس کی دو قسمیں ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ نے تو ان دو قسموں کا نام توحید ربوبیت اور توحید الوہیت رکھا ہے لیکن میں بات کو زیادہ عام فہم بنانے کے لئے ان کا نام توحید لفظی اور توحید حقیقی رکھتا ہوں۔

توحید لفظی تو یہ ہے کہ آدمی خدا کو ایک مانے اور بس۔ یعنی وہ یوں کہے کہ تمام اقتدار و قوت کا مالک ایک ہی ہے اور اس کے مثل اور برابر کوئی نہیں۔ بس بات اتنے پر ختم کرے یا زیادہ سے زیادہ یہ مان لے کہ وہی رزق دینے والا ہے، مارنے والا ہے، پھلانے والا ہے۔ اس طرح کی چند صفات مان کر خاموش ہو جائے اور نہ تو جملہ صفات الہیہ کا اقرار کرے نہ ان مفہومات اور ثمرات پر توجہ دے جو خدا کو مالک و خالق اور رزاق و رب ماننے کا لازمی نتیجہ ہیں۔ یہ ہے توحید لفظی۔ یہی توحید ہے جس کے غیر مسلمین قائل ہیں۔ اور یہی وہ توحید ہے جو اگرچہ لفظاً توحید کہی جاتی ہے۔ لیکن نتائج اور ثمرات کے اعتبار سے کفر و شرک پر مشتمل ہوتی ہے اور اس توحید کے قائلین عموماً وہ کچھ کرتے اور کہتے ہیں جو توحید حقیقی و اصلی کے فوائد و منافع کو پامال کرنے والا اور شرک و کفر کے مضرات و فسادات کو نشوونما دینے والا ہوتا ہے!

قرآن و حدیث میں لفظی توحید کی پوری صراحت ہے اور بہت صفائی سے بتا دیا گیا ہے کہ اس طرح کی توحید نہ خدا کو مطلوب ہے نہ اس سے توحید حقیقی کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔ توحید لفظی کے قائلین کا حال اللہ نے ایک جگہ یوں بیان کیا:-

قُلْ بَيْنَ الْأَرْضِ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۖ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ مَا قُلْنَا تَدَّكُرُونَ ۗ
قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۗ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ مَا قُلْنَا أَفَلَا تَتَّقُونَ ۗ
قُلْ مَنْ بِيَدِ مَلَكُوتِ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۗ سَيَقُولُونَ
لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُشْكِرُونَ ۗ

اے خدا! اگر تم ان سے پوچھو کہ بتاؤ زمین و آسمان اور ساری چیزیں کس کی ہیں۔ اگر تمہیں معلوم ہو۔ تو کہیں گے اللہ کی!۔ تو ان سے کہو تم پر نصیحت کیوں کر نہیں ہوتی؟ پوچھو سات آسمانوں اور عرشِ اعظم کا مالک کون ہے؟ کہیں گے اللہ! کہہ دو پھر تم کس لئے نہیں ڈرتے۔ پوچھو تمام کائنات کی ملکیت و حکومت کس کے دستِ قدرت میں ہے۔ وہ کون ہے جو دوسروں کو پناہ دیتا ہے لیکن اس کے باہمقابل کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ کہیں گے اللہ! تو کہہ دو پھر آخر تم پر کیا جادو پھیل گیا ہے (کہ گمراہ ہوئے جلتے ہو)۔

دوسری جگہ فرمایا:-

وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ لِلَّهِ ۗ

اگر ان سے پوچھو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے کہ خدا نے۔

گویا وہ لوگ اللہ کی ملکیت اور حاکمیت اور خالقیت وغیرہ کے تو قائل تھے لیکن پھر بھی وہ راہِ راست سے اس درجہ پہنچے

ہوئے تھے کہ گویا سحر زدہ ہوں۔ جو صاف اور سیدھی راہ پر چلنے کی بجائے غلط اور پیڑھی راہ چلے جا رہے ہوں۔ چنانچہ فرمایا:-

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا هُمْ مُشْرِكُونَ ه

ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود اکثر لوگ مشرک ہوتے ہیں۔

دوسری قسم توحید حقیقی ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ انسان خدا کو باہم معنی ایک ماننے کہ تمام صفات کمالیہ کا وہی متصف ہے اور اسی کی علمداری نہ صرف مادی کائنات کے ہر گوشے پر ہے بلکہ انسان کے جذبات و خیالات، روح، شعور اور لطیف سے لطیف تر عناصر پر ہے اور اس کے اقتدارِ مطلق اور حاکمیتِ جہانمہ کے جو بھی تقاضے اور مطالبے ہیں وہ سب کے سب نہ صرف دل و زبان سے واجب القبول ہیں بلکہ انھیں عملی زندگی میں رہنا ماننا اور افعال و اعمال سے ان پر یقین کامل کا ثبوت پیش کرنا ضروری ہے، وہی ہر چیز سے بڑے معاملہ کا منصف، ہر مسئلہ کا حل کرنے والا، ہر کھلی چھپی بات سے باخبر، ہر عیب و صواب کا واقف کامل اور ہر مقام پر ہر وقت ہر زمانے میں حکمران ہے!

توحید کی یہی قسم ہے جو اللہ کو مطلوب ہے اور اسی کے ماننے والے اس کے نزدیک مومن ہیں۔ جیسا کہ قرآن و حدیث میں اسے باوضاحت بیان کر دیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن و حدیث میں ایسی لفظی تقسیم نہیں ملتی جیسی ہم نے یا بعض علمائے سلف نے کی ہے۔ کیونکہ توحید تو فی الاصل ایک ہی ہے۔ اور جس نامکمل، ناقص اور بے نتیجہ تجزیل کو انسانوں نے توحید کا نام سے لیا ہے، وہ توحید نہیں مشرک ہے۔ لیکن ہم نے تقسیم محض سمجھنے اور بات کو واضح کرنے کے لئے کی ہے تاکہ اللہ کو جو توحید مطلوب ہے اس کی وضاحت ہو اور جو توحید مطلوب نہیں ہے اس کی تردید ہو جائے۔

توحید حقیقی کی وضاحت کے لئے اللہ نے قرآن میں بہت سی صریح و واضح آیات نازل فرمائیں اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کی تشریح و توضیح اتنے تکرار اور کثرت سے کی کہ شاید ہی کسی اور آیت کی کی ہو۔ آپ نے شرکِ جلی ہی کو واضح نہیں فرمایا بلکہ شرکِ خفی کو بھی موقع بہ موقع بیان کرتے رہے اور زندگی کے کسی بھی گوشہ میں مشرکانہ خیالات و عفتاؤں کی گنجائش نہیں چھوٹی۔ یہاں تک کہ فرمایا:-

يَسْأَلُ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا حَتَّىٰ يَشْتَعِ نَعْلَهُ إِذَا انْقَطَعَ فَإِنَّهُ إِن لَّمْ يُبَيِّنْهَا لَكُمْ يَبَيِّنْهَا -

چاہئے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی ہر حاجت خدا ہی سے مانگے، یہاں تک کہ چوتے کا تسمہ بھی، جب وہ ٹوٹ جائے۔ کیونکہ اللہ اگر میسر نہ فرمائے تو چوتے کا ایک تسمہ بھی میسر نہیں آسکتا۔

غور کیجئے، کتنی پاکیزہ اور بے میل توحید کا سبق رسول اللہ سے رہے ہیں۔ انہوں نے امت کو ایک حقیر سی شے سے جوڑنے کے تسمہ کی مثال دے کر یہ تعلیم دی کہ خزانے، جائدادیں اور ہمتہم بالشان چیزیں ہی خدا کی عطا کردہ نہیں ہیں بلکہ دنیا کی حقیر سے حقیر تر چیز بھی اسی کی مرضی سے میسر آسکتی ہے ورنہ اس کی مرضی نہ ہو تو جوڑتے کا تسمہ جیسی حقیر چیز بھی میسر نہیں آسکتی۔ اس کی ہزاروں مثالیں آپ کو اپنے چاروں طرف بکھری نظر آسکتی ہیں۔ ایک شخص ہے جو دونوں وقت قیمتی اور لذیذ غذا میں کھاتا ہے۔ اس کی ناکہ میں گیہوں کی ایک روٹی کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ لیکن وہ مشرانفخ ہے جو گیہوں کی ایک روٹی ہی کے لئے خون پسینہ ایک کرتا ہے اور پھر بھی بعض اوقات اسے بھوکا سو جانا پڑتا ہے۔ آدمی غور کرے تو اللہ کے انعامات اور جو دوسخا کی انتہا نہیں۔ کبھی جس کو نمونہ ہو اس سے پوچھئے

کہ ایک سالس لینے میں وہ کس درجہ اذیت برداشت کرتا ہے۔ اور ہوا کی ایک معمولی سی مقدار کو اپنے پھیپھڑوں تک پہنچانے کے لئے اسے کتنی عظیم تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔ حالانکہ یہی وہ ہوا ہے جسے تمام انسان و ملاو فی مشقت کے ہر لحظہ اپنی زندگی کے کام میں لاتے ہیں۔ اور محسوس بھی نہیں کرتے کہ ان کا ہر سالس اللہ جل شانہ کی عطا اور انعام ہے۔ وہ جب چاہے اسی سالس کو انسان پر بارِ عظیم بنا سکتا ہے لہذا انصاف اور علم و عقل کا تقاضا یہ ہے کہ بڑی سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی چیز تک اسی کے تصرف و اختیار میں ہو اور اس کے حصول میں دنیاوی ذرائع اور اسباب محض بہانے کا درجہ رکھتے ہیں، اصلی معطلی اور بخشنہ وہی ہے، مالک الملک ذوالجلال والاکرام۔

توحید کی نزاکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے واضح ہوتی ہے:-

مَنْ صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ.

جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا جس نے دکھاوے کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک

کیا۔ جس نے دکھاوے کے لئے صدقہ کیا اس نے شرک کیا۔

جانتے ہیں آپ یہ کس کے الفاظ ہیں۔؟ اس صادق و مصدوق کے جس کے لئے اللہ جل شانہ نے ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ﴾
رَأَيْتُكَ الْآخِرَةَ يُوْحَىٰ- فرمایا۔ جس کا ہر فرمودہ ربیب و شک سے بالاتر اور عین صداقت ہے۔ غور کیجئے فکر و نظر کی کن گہرائیوں تک توحید کی جڑیں پھیلی ہوئی ہیں اور کس آخری درجہ تک اجتناب عن الشکر مطلوب ہے۔ براہ راست کسی مخلوق کو صفات الہیہ میں سے کسی صفت کے ساتھ متصف کرنا تو درکنار صرف اتنی سی بات بھی شرک قرار دی گئی کہ آدمی عبادت کرتے ہوئے دکھاوے کی نیت رکھے۔ گو بارہ اپنی عبادت کا سہلہ مقبولیت و شہرت اور عقیدت و نیاز مندی کی شکل میں مخلوق سے طلب کر رہا ہے۔ حالانکہ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ مگر دل میں دکھاوے کا خیال پایا جاتا ہی حکم شرک کے لئے کافی سمجھا گیا اور کیوں نہ سمجھا جاتا جب کہ اللہ نے شروع ہی میں یہ تعلیم بندوں کو پہنچائی کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ حصر جلی و سزہ پر مشتمل یہ الفاظ یقیناً اس کے طالب تھے کہ شرک کے ثابہ تک کو مٹا دیا جائے اور توحید خالص و حقیقی کی بنیاد پر امت اسلام کی تعمیر ہو۔
..... کہ عربی میں عبد غلام کے معنی میں آتا ہے۔ اور آئمتہ لونڈی کے معنی میں۔ یہ دونوں لفظ اسلام سے پہلے اور اس کی آمد پر اہل عرب میں عموماً مستعمل تھے۔ لیکن رسول اللہ فرماتے ہیں:-

كَا يَقُولُونَ اِحْدَكُمْ عَبْدِي وَاَحْتَى كَلِكُمْ عَمِيدُ اللّٰهِ وَكَلَّ نَسَائِكُمْ اِمَاءُ اللّٰهِ وَلٰكِنْ لِيَقْل غَلَاہِ

و جارتی و فتای و فتاتی۔

تم میں سے کوئی بھی ہرگز کسی کو عبدی اور آئمتی نہ کہے کیونکہ تم سب اللہ کے عبد ہو اور سب نور میں اللہ کی

باندیاں ہیں۔ ان تمہیں کہنا چاہیے غلامی (میری غلام) اور جارتی (میری گیز) اور جوان مرد اور جوان عورت

ظاہر ہے کہ اپنے معروف معنی کی وجہ سے کوئی بھی عرب عبدی اور آئمتی ان معنی میں نہیں بولتا تھا، بنی میں انسان کو اللہ کا عبد اور آئمتہ کہا جاتا ہے۔ لیکن صدقہ اس شان توحید اور تمیز بہ مکمل کے کہ لفظی تشابہ بھی پسند نہیں نہر مایا اور فساد و تخریب کی جڑیں کاٹ دیں۔

توحید خالص کے اثبات اور شرک کے ابطال پر قرآن و حدیث سے صد ہا دلیلیں لانی جاسکتی ہیں۔ لیکن چونکہ ہمارے روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے جو توحید کے قائل اور شرک کو برا سمجھنے والے ہیں۔ اس لئے اور کچھ کہنے کی بجائے ایک حدیث پر کلام کے اس پہلو کو ختم کرتے ہیں۔ یہ حدیث ابن حبان اور حاکم اور ترمذی و غیر مٹے روایت کی ہے۔ اس سے ہر مسلمان اندازہ کر سکتا ہے

کہ اسلام کو صرف اتنا ہی مطلوب نہیں کہ آپ اللہ کو ایک اور خالق و مالک اور رازق و رب مان کر امور دنیائیں غرق ہو جائیں۔ بلکہ وہاں تو اس کی تمام صفات کاملہ کا اعتراف و ايقان مطلوب ہے۔ تاکہ آپ کو زندگی کے کسی بھی گوشہ سے اس کے اقتدار و تصرف کو خارج کر دینے کی گنجائش نہ ملے۔ اور کسی بھی عنوان سے آپ اس کے سوا کسی کو با اختیار و حکمران تصور نہ فرما سکیں۔ اہل توفیق اگر اس حدیث میں بیان کردہ اسمائے حسنہ کو حفظ کر لیں گے تو ان کے پڑھتے رہنے کی بڑی منفعت اور برکت علماء و اقیانے لکھی ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ لِلَّهِ تَعَالَى تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ - هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّبُ الْحَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْقَهَّارُ الْقَهَّارُ الْقَوَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُنْزِلُ السَّيِّدُ الْبَصِيرُ الْحَكِيمُ الْعَدْلُ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ الْعَلِيمُ الْعَظِيمُ الْعَفُورُ الشَّكُورُ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ الْخَفِيظُ الْمُقَيَّبُ الْخَسِيبُ الْجَمِيلُ الْكَرِيمُ الرَّحِيمُ الْمُجِيبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيمُ الْوَدُودُ الْحَمِيدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيدُ الْحَقُّ الْوَكِيلُ الْقَوِيُّ الْمَتِينُ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ الْمُحْصِي الْمُبْدِي الْمُعِيدُ الْمُجِيبُ الْمُنِيبُ الْحَيُّ الْقَيُّومُ الْوَاحِدُ السَّاجِدُ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الْقَمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمَوْجِدُ الْخَرُّ الْأَوَّلُ الْآخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَلِيُّ الْمَتَعَالَى الْبَرُّ النَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفْوُ الرَّحِيمُ الْمَلِكُ الْمَلِكُ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْحَاجِمُ الْعَفِيُّ الْمَعْنَى الْمَانِعُ الْمُنَارُ السَّافِعُ النَّوَّارُ الْهَادِي الْبَدِيعُ الْبَاقِي الْوَارِثُ الرَّشِيدُ الصَّبُورُ -

روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے تینوں نام ہیں جو انھیں یاد کرے گا جنت میں جائیگا۔ وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی لائق بندگی نہیں، وہ نہایت مہربان بہت رحم والا۔ وہ شہنشاہ ہے پاک ہے۔ ہر نقصان و زیاں سے بری ہے۔ امان دینے والا پناہ میں لینے والا ہے، زبردست ہو دباؤ والا ہے، صاحب عظمت بنانے والا، نکال کھڑا کرنے والا۔ صورت بنا لینے والے حد بخشش والا۔ بہت غلیہ والا، بہت دینے والا روزی عطا کرنے والا۔ فیصلہ کرنے والا، بانٹنے والی اور فراخی کرنے والا، پست و بلند کرنے والا عزت و ذلت بخشنے والا۔ سننے والا دیکھنے والا۔ اٹل فیصلہ والا، انصاف کرنے والا۔ بھید جلنے والا، خردوار، بردبار، عظمت والا۔ مغفرت کرنے والا۔ تھوڑے عمل پر بہت دینے والا۔ بلند مرتبہ، بڑائی والا۔ حفاظت کرنے والا۔ حصہ بانٹ کر دینے والا حساب کرنے والا، بزرگی والا، بے مانگے عطا کرنے والا، نگران، جواب دینے والا۔ وسعت والا، حکمت والا بڑی محبت والا، مجد و شرف والا۔ اٹھانے والا۔ گواہ، ثابت، کارساز، زور آور، مضبوط، دوست اور مددگار، تعریف کا مستحق، ہر چیز کا شمار رکھنے والا، عدم سے وجود میں لانے والا۔ معدوم کو پھر موجود کرنے والا، زندہ کرنے والا، ماسنے والا، سدا زندہ، مخلوق کی ہستی کو منضبط رکھنے والا، ہر کمال بافضل رکھنے والا۔ شرف والا، یگانہ، یگانہ بے نیاز قدرت والا، ہر شے پر قابض، آگے اور پیچھے کرنے والا، سب سے مقدم اور سب سے بعد باقی رہنے والا۔ سب پر خیاں اور نگاہوں سے اوجھل۔

ہر شے کا ذمہ دار، بہت بلند، بڑا محسن، تو بہ کی توفیق بخشنے والا اور قبول کرنے والا۔ بدل لینے والا معاف کرنے والا، بڑی رحمت والا، ساری کائنات کا مالک جلال و بخشش والا، انصاف کرنے والا جمع کرنے والا سب سے بے نیاز، دوسروں کو غنی بنانے والا۔ روکنے والا، نقصان پہنچانے والا، نفع پہنچانے والا۔ خود بخود ظاہر، ہدایت دینے والا، بغیر نمونہ کے بنانے والا۔ ہمیشہ رہنے والا، تمام مخلوقات کی فنا کے بعد ان کے مال کا مالک، درست راہ بتانے والا، ضبط کرنے والا۔

غور فرمائیے کہ کیا یہ کثیر اسمائے صفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ یونہی عبث بیان فرمائے؟ کیا ان کا یہ منشاء نہیں ہے کہ کائنات میں جو بھی اسباب و نتائج اور وسائل و ثمرات نظر آتے ہیں ان سب میں اللہ ہی کی کار سازی اور قدرت کا فرما ہے۔ یہ نہیں کہ وہ مالک الملک کائنات کو تخلیق کر کے ایک طرف ہو گیا اور مخلوق کو من مانی کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔ نہ یہ کہ رزق حیات و موت اور اسی پہنچ کے چند مہتمم بالشان امور تو اس نے اپنے ہاتھ میں رکھے باقی جملہ قوتیں مخلوق میں تقسیم کر دیں۔ بلکہ وہ ہر زمانہ اور ہر مقام پر انسان کے چھوٹے سے چھوٹے معاملات میں، رنج و راحت میں، کامیابی و خسران میں، ذلت و عزت میں، غربت و امارت میں پوری طرح متصرف اور کارپرداز ہے!

بدعت! توحید کی ضد اگرچہ شرک ہے لیکن انسان کی عقل اور علم کو اتنی رسائی نہیں کہ وہ نبی صادق کی توضیح و تفسیر کے بغیر پوری طرح یہ سمجھ سکے کہ کون سے امور میں جو شرک تحت آنے ہیں اور کون سے معتقدات باوجود مشرکانہ نظر نہ آنے کے فی الحقیقت مشرکانہ ہوتے ہیں۔ "ریا" ہی کو دیکھ لیجئے۔ یہ اپنی ظاہری شکل میں زیادہ سے زیادہ ایک ناقص اور عیب دار فعل نظر آتا ہے جس کا مرکب اکثر حالات میں ازکا ر توحید کا وہم بھی نہیں کرتا اور یہ تصور تک نہیں کرتا کہ وہ شرک کی غلاظت سے آلودہ ہو رہا ہے۔ لیکن زبان صادق و مصدوق نے اسے متعدد بار شرک سے تعبیر کیا۔

یہی معاملہ بدعت کا بھی ہے۔ بدعت کسے کہتے ہیں، پہلے اسے سمجھ لیجئے۔ اللہ نے اپنے آخری پیغمبر کے ذریعہ انسان کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات اور نظام زندگی نازل فرمایا۔ اور زندگی کی کار فرمائی کے لئے جتنے گوشے ممکن ہو سکتے ہیں ان سب کے لئے کچھ اصول، کچھ طریقے اور کچھ قوانین مقرر فرما کر اعلان کر دیا کہ **الیوم احکمت لکم دینکم**۔ آج ہم نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا۔ گویا مملکت عالم کے لئے جس دستور جاودانی کی ضرورت تھی اسے تمام و کمال اللہ جل شانہ نے انسان کو عطا کر دیا اور اسکی گنجائش نہیں چھوڑی کہ قیامت تک اس پر کوئی اضافہ یا اس میں کچھ کمی کی جاسکے! رسول اللہ نے با"سناط صریح بار بار اسکی تصدیق کی۔

مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا (وہی روایت فی دیننا) هَذَا مَا لَيْسَ مِنَّا فَهُوَ كَرِهٌ!
جس شخص نے ہمارے اس امر میں (اور ایک روایت میں "فی دیننا" کے الفاظ ہیں) کوئی نئی چیز نکالی وہ ناقابل قبول ہے!

دوسری جگہ کہا:۔

وَمَا يَأْتِيكُمْ وَنَحْنُ نَأْتِي الْقَوْمَ بِدِينِهِمْ ضَلَالَةٌ!

خبردار! بدعت سے بچتے رہنا پس ایتنا ہر بدعت گراہی ہے!

ایک اور جگہ بتایا کہ دین میں اپنی اہمیت سے کوئی اضافہ نہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے اتہانی غضب کا مستحق ہو گا۔ ایک اور جگہ

بتایا کہ جب کسی جگہ ایک بدعت اختیار کی جاتی ہے تو اس کے عوض وہاں سے ایک سنت اللہ تعالیٰ اٹھاتا ہے، گو یاد دہری محرومی، ایک تو بدعت کا گناہ دوسرے سنت کی برکت سے محرومی!

کسی کو اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی شی عبادت، کوئی جدید طریق پرستش، کوئی خود ایجاد اصل و فرع دین میں بڑھا سکے۔ صرف اتنا اختیار دیا گیا ہے کہ جن امور و مسائل کے لئے وضاحت و صراحت کے ساتھ کھٹے احکام بیان نہیں کئے گئے ان میں دین کے دیگر اصول و احکام کی روشنی میں اجتہاد غور و فکر اور استنباط کرو۔ احکام کے اسباب و علل پر نظر رکھو۔ قیاس صحیح سے کام لو اور جو عبادات و وظائف کسی خاص شکل میں متعین کر دیئے گئے ہیں ان میں ہرگز تبدیلی مت کرو۔ چنانچہ اجتہاد و استنباط کی مثال تو وہ فقہ ہے جو امت کے علماء و ماہرین نے قرآن و حدیث کی روشنی میں مدون کی اور عبادات و وظائف کی مثال نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ میں کہ ان کے لئے جو تعداد جو تفصیل جو اوقات جو شرح مقرر کر دی گئی ہے اس میں تبدیلی کی ہر موگنجائش نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ فجر میں دو کی بجائے چار یا ظہر میں چار کی جگہ چھ فرانس پڑھے جائیں۔ روزہ کو مغرب کی بجائے عشاء کے وقت افطار کیا جائے۔ حج میں افعال کی ترتیب و کیفیت بدل وی جائے، یا زکوٰۃ کی شرح میں من مانے تغیر کر دیئے جائیں۔ اب رہے وہ امور جو بجائے خود ممنوع و مکروہ نہ ہوں مگر انہیں قرآن مبارکہ میں اختیار کیا گیا ہو، تو کسی خاص سبب اور تقاضے کے پیش آجانے پر ان میں بطور ذریعہ و وسیلہ اختیار تو کیا جاسکتا ہے لیکن انہیں عبادت مستقلہ کی شکل دینا اور ان پر اصرار و شدت جاتر نہیں ہے!

بدعت کی حقیقت کو سمجھنے میں سطلی فہم رکھنے والوں کو ایک اور دشواری پیش آتی ہے اور وہ یہ کہ اگر ہر نئی بات بدعت ہے تو بے شمار امور ایسے ہیں جو آنحضرت کے دور مبارک میں نہیں تھے، نہ قرآن و حدیث میں ان کی وضاحت ہے، لیکن بعد کے مسلمان انہیں اختیار کئے ہوئے ہیں اور تمام علماء اسلام ان کی حالت بلکہ ضرورت و اہمیت پر متفق ہیں۔ مثلاً دینی کتب میں لکھ کر چھاپنا اور فروخت کرنا۔ مدرسے بنا کر ان میں ہنتم اور تنخواہ دار مبلغین رکھنا۔ انجمنیں بنانا، دفاتر کھولنا، وغیرہ ذالک!

یہ اشتباہ فی الحقیقت دین اور احکام اسلام کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے، ایسا دستور کوئی ہو ہی نہیں سکتا جس میں نام ممکن جزئیات بیان کر دی گئی ہوں، دستور تو اصول و کلیات سے بحث کرتا ہے اور مطلوب و غیر مطلوب افعال و عقائد کی تشریح بیان کر دیتا ہے۔ اب یہ عوام الناس کا کام ہے کہ اپنے افعال و عقائد کو اس کی روشنی میں جانچیں اور ان مقاصد کو پورا کریں جن کا دستور طالب ہے۔ قرآن و حدیث نے علم کی اشاعت کا حکم جاری کیا۔ اب یہ انسانوں کا کام ہے کہ ہر دور کے وسائل و ذرائع کے مطابق اس حکم کی تعمیل کریں اور بہتر سے بہتر انتظام کے ذریعہ مقصد اشاعت کو پورا کئے جائیں۔ کتب میں چھاپنا تو ایک طرف اگر ریڈیو یا کسی اور ایجاد کو اس مقصد کا ذریعہ بنائیں گے تب بھی کوئی خرابی واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ ان وسائل و اسباب کی حیثیت نہ ایجاد دینی الہی کی ہے نہ بجائے خود یہ عبادت ہیں۔ بلکہ ان کو اختیار کرنا ایک مقصد نیک کے حصول کی خاطر ہے۔ جس کی پاکیزگی و خوبی قرآن و حدیث نے صراحتاً بیان کی ہے۔ حضور نے فرمایا **بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً** دوسروں تک پہنچاؤ خواہ میری ذرا سی بات ہی ہو۔ اب ایک شخص کو اختیار ہے کہ لوگوں کو حدیث سنانے اونٹ پر بیٹھ کر جائے یا ریل پر۔ فرسٹ کلاس پر بیٹھ کر سنائے یا تخت پر۔ کوئی بھی ایسا طریقہ جس میں دین کے کسی اور حکم کی نافرمانی نہ ہوتی ہو اس کے لئے جائز ہوگا اور بدعت نہ کہلائے گا۔

ان ہتھیدی مسطور کے بعد اسے سمجھنے کہ بدعت تو جیسا کہ سند کیسے ہے۔ بہت سیدھی سی بات ہے کہ قانون بنانا ہر کس و نا کس کا کام نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ اہل ملک کچھ متعین لوگوں کو اس کام پر لگاتے ہیں۔ یا غیر جمہوری نظاموں میں تنہا بادشاہ یا بادشاہ اور وزیر وغیرہ قارن بنتے اور نافذ کرتے ہیں۔ ملک بھر میں ہرگز کوئی اس کا مجاز نہیں ہوتا کہ اپنی طرف سے کوئی قانون نکالے۔

دین کے بارے میں جب ہم نے یہاں لیا کہ وہ اللہ کا ایک مکمل دستور ہے اور کائنات کا خالق و مالک اور مختار رکھ ہونے کے باعث اللہ ہی اس کا مستحق بھی ہے کہ دستور بنائے اور حدود مقرر کرے تو یہ بات آپ سے آپ ملے ہو جاتی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو قانون کی ایک بھی نئی دفعہ تراشتے کا اختیار نہیں ملے اور جو شخص ایسا کرے گا وہ گویا خود کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں خدائی قوت و اقتدار کا شریک سمجھے گا۔ اسی کا نام شرک ہے !

دوسرے پہلو سے یہ شرک کفر تک بھی پہنچتا ہے اور وہ یوں کہ دین میں دو ہی طرح کی چیزیں ہیں۔ ایک تو وہ جو اللہ سے قربت حاصل کرنے اور اس کی رضا اور انعام پانے کا ذریعہ ہیں۔ دوسری وہ جو اس سے دور ہونے اور اس کا قہر و عقاب حاصل کرنے کا سبب ہیں۔ انسان کے پاس تو ایسی عقل و بصیرت تھی نہیں کہ وہ ہزار پردے میں نہاں ذوالجلال والا کرام کی مرضیات کو پاسکتا۔ وہ ہرگز نہیں جان سکتا تھا کہ رب اکبر کن اعمال و عفت اند اور کن طریقوں سے خوش یا ناراض ہو سکتا ہے اور کن افعال پر انعام اور کن افعال پر عذاب دے سکتا ہے۔ اس علم و خبر کا واحد ذریعہ وہی دین ہے جسے اللہ جل شانہ نے اپنے نبی صادق کے ذریعہ انسانوں تک پہنچایا۔ اس دین میں وہ تمام طریقے اور اصول کھول کر بیان کر دیئے گئے جن سے اللہ خوش یا ناراض ہوتا ہے۔ کوئی کسر اس میں نہیں چھوڑی گئی۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کے کام میں کسر کا کیا امکان۔ تب کوئی شخص اگر بالکل نیا کام نکالتا ہے۔ جس کے لئے دین میں کوئی حکم نہیں دیا گیا اور سمجھتا ہے کہ اس سے اللہ کا تقرب اور ثواب آخرت حاصل ہو گا تو گویا وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ کا دین ناقص ہے جس میں حصول تقرب کا یہ طریقہ بیان نہیں کیا گیا۔ نیز وہ یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ نعوذ باللہ خود اللہ کو وہ طریقہ معلوم نہ تھے جو اسے خوش کرنے کے ہو سکتے ہیں۔ جبھی تو اس نے میرے اس نو ایجاد طریقہ کو بیان نہیں کیا وہ اس کا بھی مدعی ہے کہ خدا کا آخری اور سب سے افضل رسول بھی حصول تقرب اور وصول ثواب کا وہ طریقہ نہیں پاسکتا جسے میں نے پایا ہے، و نعوذ باللہ من ذالک !

حق یہ ہے کہ اعمال خیر سے ثواب کا حاصل ہونا کوئی حسابی یا سائنسی فارمولا نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ جس طرح دو اور دو لازماً چار ہوں گے یا جس طرح پانی آئینہ پا کر لازماً بھاپ بن جائے گا اسی طرح انسان عمل خیر کر کے لازماً ثواب حاصل کرے گا۔ بلکہ قرآن و حدیث اس پر شاہد اور اصحاب و ائمتہ کا قول و عمل اس کا گواہ ہے کہ اعمال خیر تو صرف تعمیل حکم الہی کے درجہ میں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان کی حیثیت ان الطاف کے شکر ہے کی سی ہے جو اللہ جل شانہ نے انسان پر بطور احسان کر رکھے ہیں۔ جن اخروی انعامات کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اعمال خیر پر فرمایا ہے وہ انسان کو تبھی ملیں گے جب اس کے اعمال خیر اللہ کے یہاں مقبول بھی ہو جائیں۔ نہ مقبول ہوں تو ہزار سال کی عبادتیں بھی بے کار اور فضول ہیں !

اب غور یہ کرنا چاہیے کہ کونسا طریقہ ہے جسے اختیار کر کے یہ امید ہو سکتی ہے کہ اللہ ہمارے اعمال مقبول فرمائے گا۔ واحد جو اب یہی ملے گا کہ خود کو سراپا بندہ حکم بنا لینا اور اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں کو مضبوطی سے پکڑنا اور اس کے فرامین کو بغیر کسی بیش کے قولاً اور عملاً تسلیم کر لینا مقبولیت کی امید دلا سکتا ہے۔ اپنا کوئی نیا طرز عبادت نکال کر یہ ثابت کرنا کہ اللہ کی بتائی ہوئی عبادتیں کافی نہیں ہیں، اللہ کے قہر و غضب کو بھڑکانے کا باعث ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ غلوئی الدین خواد وہ دین میں افراط کے ذریعہ ہو یا تفریط کے ذریعہ بے حد ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے !

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ - اے کتاب والو! اپنے دین میں غلومت کرو۔

رسول اللہ نے تین بار فرمایا:-

هَلَكَ الْمُتَنَطِعُونَ - حد سے بڑھنے اور غلو کرنے والے ہلاک ہوئے۔

ایک اور موقع پر فرمایا:-

إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فَإِنَّهَا هَلَكٌ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ الْغُلُوَّ - خبردار! غلو سے بچے رہنا۔ تم سے پہلے بہت سوں کو غلو نے بہاؤ

بدعت خواہ اس معنی میں ہو کہ حصولِ ثواب کے نئے طریقے ایجاد کئے جائیں جنہیں نہ اللہ اور رسول نے بتایا نہ اصحاب نے اختیار کیا۔ یا اس معنی میں ہو کہ اللہ اور رسول نے اعمال و اعتقاد کی جو حدیں اور صورتیں متعین کر دی ہیں ان میں آدمی خواہ مخواہ باریکیاں اور نکتے نکالے، یا جن احکام، اشیاء اور ہند گان ذی مرتبہ کے جو مراتب، جو اقسام، جو درجات متعین فرمائے ہیں ان میں اضافے کرتا چلا جائے۔ دونوں ہی صورتیں بربادی و خسار کی ہیں!

اب میں آگے بڑھنے سے پہلے ناظرین کی خدمت میں چند محرومات پیش کروں گا۔ اگر آپ بعض ایسے اعمال و عقائد کے حامل ہیں جو میرے سابقہ اور آنے والے بیان کی روشنی میں بدعت ٹھہرتے ہیں تو آپ مکرر اور ناراض نہ ہوں بلکہ انصاف کے ساتھ یہ غور فرمائیں کہ دینِ نبوی جہاد ہے نہ آپ کی۔ دین میں کسی اضافے یا کمی کا نہ مجھے اختیار ہے نہ آپ کو۔ یہ بھول جلیسے کہ میں اس دیوبند کا رہنے والا ہوں جہاں کے علماء بہت سی رسوم رائجہ کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ یہ بھی نظر انداز کر دیجئے کہ وہ ہانی یا اہل حدیث یا غیر متقلد وغیرہ کے کیا جھگڑے ہیں۔ صرف یہ دیکھئے کہ دین تو قرآن و سنت کا نام ہے اور قرآن و سنت سے علم و عقل کی روشنی میں جو احکام و اصول نکلے ہیں وہی ایک مسلمان کے لئے واجب القبول ہیں اور جو طریقے اور رسمیں رائج ہیں وہ جس حد تک قرآن و سنت کے خلاف ہوں اسی حد تک نکر و احتراز کے لائق ہیں۔ محض یہ بات کہ بعض طریقے نہ صرف عوام بلکہ بعض خواص میں بھی رائج و مقبول ہو گئے ہیں اور ان کی ابتداء کرنے والوں میں بعض بڑے بڑے نیک عمل لوگ شامل ہیں، اس بات کے لئے کافی نہیں ہے کہ اسے دین سمجھ لیا جائے۔ بلکہ دین وہی ہے جس کی تائید قرآن و سنت سے ہو اور کوئی دینی اصول اس سے ٹوٹتا نہ ہو۔ میں مناظرے کے طور پر نہیں بلکہ خالص افہام و تفہیم کے طور پر بعض خلاف دین امور کا ذکر کروں گا۔ جنہیں کچھ مسلمانوں نے جزو دین بنا لیا ہے۔ اور یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ میری بات کو رد کر دینا اور اپنے عقیدے پر اڑے رہنا میری دنیا و آخرت کے لئے کچھ نقصان دہ نہیں، بلکہ اگر میری بات فی الواقع صحیح ہے تو نقصان نہ کرنے والے ہی کو ہوگا۔ میں تو بڑے ادب اور عجز کے ساتھ اس اللہ کی آیات اور اس صادق و مصدق سرور کو منجانب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جنہیں آپ واجب الاعتقاد تسلیم کرتے ہیں۔ آپ خالی اللہ ہی پر توکل فرمائیے، ایا نذاری اور برد باری کے ساتھ غور و فکر کریں اور دیکھیں کہ جن اعمال و عفت تدبیر آپ والہ و شیدا ہیں، ان میں کسی طرح کا سقم و نقص تو نہیں ہے۔ وہ رضائے الہی کی بجائے عقاب الہی کے تو سزاوار نہیں ہیں۔ پھر یہ بھی لہتین فرمائیے کہ یہ گزارش میں اپنی طرف سے نہیں کر رہا۔ بلکہ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے:-

فَاتَهُ مِنْ يَعْشُ مِنْكُمْ فَمَسِيرِي اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بَسَنَتِي وَسُنَّةَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ
الْمُهَلِّدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ بَدْعَةٍ
ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ -

تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ کثیر اختلاف دیکھے گا پس ایسی حالت میں تمہیں چاہیے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کا سہارا لو اور اُسے دانتوں سے پکڑ لو اور خبردار

نئے کاموں سے بچنا کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔

کیا آج کے دور میں اختلافات کا کچھ شمارہ کیا گیا ہے؟ کیا ٹھیک یہی دور نہیں جب حضور کے اس فرمان کی تعمیل کی جائے؟ یہ بات ایک موٹی سی عقل کا آدنی بھی سمجھ سکتا ہے کہ جن بدعتوں سے اللہ اور اس کے رسول نے روکا ہے وہ ایسی نہیں ہوں گی جن پر احکام ظاہری کے لحاظ سے ہر شخص ممنوع و منکر ہونے کا فتویٰ لگا سکے۔ ممنوعات و منکرات کی توضیح تو اللہ اور اس کے رسول نے متعدد مقامات پر کر دی۔ بلکہ بدعت سے مراد وہی امور ہو سکتے ہیں جو بظاہر باعتبار شکل و شائبہ دینی امور معلوم ہوں لیکن دین میں ان کا حکم نہ دیا گیا ہو۔ ایسے ہی امور انسان داخل دین کرنے کی کوشش کر سکتا ہے اور ایسے ہی امور سے حصول ثواب کی غلط توقع وابستہ کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس حقیقت کو خوب سمجھا اور ایسی احتیاط برتی کہ حق ادا کر دیا۔ نئے ملاحظہ ہوں:-

صحابہ کا طرز عمل

ناز فجر و عصر کے بعد امام کے داہنے یا بائیں طرف کچھ دیر بیٹھنا امر معروف ہے۔ رسول اللہ سے بروایات صحیحہ اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اب عبد اللہ ابن مسعود جیسے صحابی جلیل کو دیکھئے۔ فرماتے ہیں:-

لا يجعل احدكم للشيطان شيداً من صلواته يري ان حقاً عليه ان لا ينصرف الا عن يمينه لقد سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم كثيراً ينصرف عن يساره - (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

تم میں سے کوئی شخص شیطان کو اپنی نماز میں حصہ دار نہ بنالے بائیں طرف کہ وہ صرف واپس ہوتی طرف مڑنے کی پابندی کرے۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ کو بار بار بائیں طرف مڑتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ مشہور عالم دین ملا علی قاری اپنی شرح میں اس کے تحت لکھتے ہیں:-

من امر علي امر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من امر علي بدعة ومنكرية -

جس نے کسی امر مستحب پر اصرار کیا اور مضبوطی سے اس پر جما اور رخصت پر عمل نہیں کیا پس یقیناً اس ذریعہ سے شیطان اسے گمراہ کرنے پہنچ گیا۔ (پس جب امر مستحب کا یہ معاملہ ہوتا اس شخص کا کیا حال ہوگا جو بدعت یا منکر پر اصرار کرے۔

آپ اگر یہ نہیں کہ ملا علی قاری کی بات ہم نہیں مانتے تو آپ یہ کہہ سکتے ہیں مگر ابن مسعود کے بارے میں تو آپ ایسا نہیں کہہ سکتے۔ خود ان کا یہ قول تیار ہے کہ جو فعل بجائے خود مستحب ہو لیکن رسول اللہ نے اس کی پابندی نہ کی ہو۔ اُسے بھی پابندی کے ساتھ کرنا گویا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس فعل کو ضروری سمجھ لیا گیا۔ حالانکہ دین میں جو چیز کو درجہ دیا گیا ہے اُسے اس سے زیادہ درجہ دینا بھی اسی طرح برا ہے جس طرح کہ درجہ دینا۔ پھر اس میں یہ بھی غور کیجئے کہ نیت اور عقیدے کا ذکر ابن مسعود نے نہیں کیا۔ یعنی یہ نہیں کہا کہ داہنی طرف مڑنے کو عقیدہ یا ضروری سمجھنے والا اور دوسروں کو اس عقیدے کی تعلیم دینے والا گمراہ ہے۔ ایسے شخص کو تو کافر کہا جاتا کیونکہ وہ گویا بائیں طرف مڑنے کو گناہ ٹھہرا رہا ہے اور بائیں طرف مڑنا آنحضرت سے ثابت ہے۔ لہذا نعوذ باللہ اُس نے حضور کو بھی گتہا گتہا ٹھہرایا۔ ایسا نہیں بلکہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے مجرد اس طرز عمل ہی کو شیطنت ٹھہرایا ہے کہ امام مہتمم داہنی طرف مڑا کرے۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ کوئی بھی ایسا کام نکالنا جو

عوام کے نزدیک تقرب الی اللہ اور ثواب کا ذریعہ ٹھہرے۔ حالانکہ قرآن و سنت سے اس کا اشارہ بھی حکم نہ ملا ہو قطعاً بدعت ہو خواہ نکالنے والے کی نیت سے ضروری قرار دینے کی نہ ہو۔

یہی ابن مسعودؓ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک بار اپنے بعض شاگردوں کو دیکھا کہ ذکر و عبادت کے لئے ایک جگہ مقرر کر کے جمع ہوتے ہیں تو غصتہ فرمایا اور تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ اے لوگو! کیا تم رسول اللہ کے اصحاب سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ ہو؟ یا گمراہی کی طرف دوڑ رہے ہو! دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ کے زمانہ میں تو میں نے اس طرح کا ذکر نہیں دیکھا پھر تم لوگ کیوں یہ نیا طریقہ نکال رہے ہو؟۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلسلہ رک گیا۔ عذر کا مقام ہے۔ ذکر الہی جیسا مقدس فعل لیکن ابن مسعودؓ جیسا عظیم الشان صحابی اس پر خفا ہے۔ صرف اس لئے کہ دین کے رنگ میں رنگی ہوئی مصفا ترین بصیرت خوب دیکھتی ہے کہ جو طریقے ابتداء میں نہایت خلوص و للہیت سے نکلے جاتے ہیں۔ وہی کچھ عرصہ بعد کیا سے کیا بن جاتے ہیں۔ اور وہ یہ بھی دیکھتی ہے کہ شیطان اللہ کے مومن بندوں کو نبی کی سنت اور اللہ کے فرائض سے دور لے جانے کے لئے کیسے کیسے فوہرے استعمال کرتا ہے۔ وہ جن لوگوں کے بارے میں جانتا ہے کہ یہ دنیاوی متاع کی چمک دمک پر مائل ہونے والے نہیں، ان کے لئے دین ہی کی نوعیت اور رنگ کے حال بنتا ہے۔ دام ہر رنگ زمین بچھاتا ہے اور بہت کم اللہ کے بندے اس کے کید سے بچ پاتے ہیں۔ ابن مسعودؓ کو یہ بات بالکل پسند نہیں آتی کہ ذکر اللہ کے لئے ایسی اجتماعی شکلیں اختیار کی جائیں جن کی تعلیم عملاً یا قولاً رسول اللہ نے نہیں دی! ترمذی میں حضرت نافع سے روایت ہے کہ:-

ان رجلاً عطس اثنیٰ جنب ابن عمر قال الحمد لله والصلوة على رسول الله قال ابن عمر انا اقول الحمد لله والصلوة على رسول الله وليس هكذا علمنا من رسول الله صلى الله عليه وسلم علمنا ان نقول الحمد لله على كل حال (مشکوٰۃ)

ایک شخص عبد اللہ ابن عمر کے پہلو میں کھڑے ہوئے چھینکا اور کہنے لگا الحمد للہ والصلوة على رسول اللہ۔ ابن عمر نے فرمایا یہ بات تو میں بھی کہتا ہوں۔ لیکن رسول اللہ نے ہمیں اس طرح نہیں سکھایا ہے بلکہ یوں سکھایا کہ ہر حال میں الحمد للہ کہیں۔

اندازہ کیجئے۔ والسلام على رسول الله جیسا پاکیزہ جملہ لیکن ابن عمر نے اسے بھی پسند نہیں کیا۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ چھینک کے بعد صرف "الحمد للہ" کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور اسی پر اکتفا کرنا دین کا تقاضا ہے۔ اس تقاضے کو آپ نے رسول اللہ ہی سے سمجھا تھا اور یہ بات ان کی نظر میں تھی کہ جس جگہ رسول اللہ نے لفظ "نبی" استعمال فرمایا تو وہاں کسی کو "رسول" کہنے کا بھی اختیار نہیں!

ہو سکتا ہے کوئی یوں کہے کہ اس حدیث کے بعد صاحب مشکوٰۃ نے "هذا احدیث غریب" لکھا ہے اور صاحب مشکوٰۃ جب ایسا لکھتے ہیں تو بقول شیخ محدث دہلوی تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس حدیث میں کسی طرح کا طعن ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ الفاظ فی الحقیقت صاحب مشکوٰۃ کے نہیں ہیں بلکہ خود ترمذی کے ہیں۔ اور ہر صاحب علم کو معلوم ہے کہ ترمذی ان الفاظ کو صاحب مشکوٰۃ کے معنی میں استعمال نہیں کرتے بلکہ بارہا صحیح حدیث کے بارے میں بھی وہ فنی نقطہ نظر سے ایسا کہہ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث کو غریب اس وجہ سے کہا کہ اس کے رواۃ میں ایک راوی زیاد بن ربیع منفرد ہیں، لہذا

اصطلاحاً اس پر غزوات کا اطلاق ہوا۔ ورنہ یہ راوی ہر لحاظ سے معتبر اور بخاری کے رواۃ میں سے ہیں اور حدیث صحیح ہے۔
حضرت عمرؓ کا یہ عمل کسے معلوم نہیں کہ آپ نے اس درخت کو کٹا ڈالا تھا، جس کیچے رسول اللہ نے بیعت لی تھی اور جس کی زیارت کرنے لوگ گئے لگتے تھے، کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس درخت کا وجود عوام الناس میں بدعت و شرک پیدا کرے گا۔ پھر یہ بھی حضرت عمرؓ ہی کا واقعہ ہے کہ سفر حج سے لوٹتے ہوئے جب راہ میں ایک ایسی مسجد پڑی جس میں رسول اللہ نے نماز ادا فرمائی تھی تو لوگ اس کی طرف دوڑے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ — "اے لوگو! اہل کتاب اپنی باتوں کی وجہ سے برباد ہوئے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنا ڈالا۔"

اللہ اکبر! نگاہ عمر کتنی دور دیکھ رہی تھی —! آپ آج اپنی آنکھوں سے بصیرتِ عمرؓ کا نظارہ فرمائیں۔ نبی تو بڑی چیز ہے۔ نبی کی خاک پا جیسے بزرگوں کی قبروں اور درگاہوں کا حال دیکھئے۔ جہلا ہی نہیں پڑھے لکھے بھی آپ کو ملیں گے کہ خاک کے ٹوکوں پر سرنیاز خمکے ہوئے ہیں اور جس فرق مقدس کے آگے کبھی فرشتوں نے سجدہ گزرا تھا وہی فرق مقدس مٹی کے ڈھیروں کے آگے جھکے ہوئے ہے۔ صحابہؓ جیسے عظیم مومن و مسلم اور رسول اللہ جیسے رسول اکرم کی محبت و عقیدت، — لیکن پھر بھی حضرت عمرؓ نے ایک تہہ نشین خطرے اور فتنے کو اس فعلِ حسن کی گہرائیوں میں دیکھ لیا۔ وہ فاروق تھے۔ فاروق حق و باطل — انہی کے لئے زبانِ صادق و صدوق نے کہا تھا کہ لو کان بعدی نبی لکان عمرؓ (اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمرؓ ہوتا) ورضی اللہ عنہ!
بدعت اور ایجاد فی الدین جلیل القدر صحابہؓ کو کتنا گریز تھا اس کے لئے اور بیسیوں آثارِ پریش کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن مجھے چونکہ ابھی بہت کچھ عرض کرنا ہے اس لئے اتنے ہی پراکتفا کر کے آگے چلتا ہوں۔

قبر پرستی | قرآن و سنت کے صریح احکام کے بالکل برعکس رواج پاجانے والی بدعات میں غالباً سب سے بدتر لیکن سب سے عام بدعت قبر پرستی ہے جو کافی مقبول ہو چکی ہے اور جس کی بہت سی صورتیں شرکِ جلی میں داخل ہیں۔
ہمارے سامنے آج تک ایک بھی دلیل ایسی نہیں آئی جس سے معلوم ہو سکتا کہ مروجہ قبر پرستی قرآن یا حدیث کے کس حکم یا اصول کے تحت اختیار کی گئی ہے۔ ہمیں تو غور و فکر اور مطالعہ کے بعد یہی اندازہ ہوا کہ قبر پرستی کی تمام تر عمارت محسنِ جہل، نادانی، نفس پرستی اور اندھی تقلید پر کھڑی ہوئی ہے۔ آپ کے غور و فکر کے لئے چند نصوص پیش خدمت ہیں:-
مسلم اور ترمذی میں ہے:-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیہا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قبروں پر مت بیٹھو اور ان کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھو۔

اگر کسی کو اس سے یہ غلط فہمی ہو کہ یہاں تو قبر پر چڑھ کے بیٹھنے کو منع کیا گیا ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ کبھی اور کہیں بھی ایسا نہیں دیکھا یا سنا گیا کہ لوگ قبروں پر چڑھ کے بیٹھتے ہوں۔ لہذا حضور کے حکم کو اس معنی میں لینا گویا رسول اللہ پر یہ الزام رکھنا ہے کہ آپؐ نبیؐ باتیں بھی فرمایا کرتے تھے۔ (نعوذ باللہ) ظاہر ہے کہ منع اسی چیز کو کیا جاتا ہے جو زیر عمل آتی ہو۔ زیر عمل یہی چیز آتی رہی ہے کہ لوگ قبروں کے پاس بیٹھتے اور اس بیٹھنے کو متبرک سمجھتے رہے ہیں۔ باقاعدہ درگاہیں بنی اور وہاں بناؤ مندیوں کے مختلف پیرائے اختیار کئے گئے ہیں۔ اسی سے حضور نے منع فرمایا ہے!

حیرت کی بات ہے کہ لوگ حضرت آدمؑ در حضرت یوسفؑ کو سجدے کئے جانے کی دلیل سے قبروں کو اور غیر اللہ کو سجدہ

کرنے کی دلیل لاتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ نے سجدہ کرنا تو درکنار قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے تک کو منع فرمادیا کہ اس میں اشتباہ کا اندیشہ ہے اور قبر کو سجدہ کرنے کا ایہام ہو سکتا ہے۔ پھر یہ بھی نہ کہا جائے کہ نماز تو چونکہ قبلہ رخ ہو کر پڑھی چاہیے، اس لئے قبر کی طرف نماز پڑھنے کو منع فرمایا۔ یہ حکم رسول بلاشبہ اسی صورت میں ہے جبکہ قبر قبلہ کی طرف واقع ہو رہی ہو۔ ورنہ کون دیوانہ مسلمان ہوگا جو قبلہ کے سوا کسی طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا۔

مسلم اور ترمذی میں ہے۔

قال علی رضی اللہ عنہ الا ابغضک علی ما ابغضنی علیہ رسول اللہ علیہ وسلم ان لا قدح
تمثالاً الا طمسۃ ولا قبراً مشرفاً الا سوتہ۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کیا میں تمہیں اس مہم پر نہ بھیجوں جس پر رسول اللہ نے مجھے بھیجا تھا۔ یہ کہ تم کسی مجسمہ کو
مٹائے بغیر نہ رہو اور کسی اونچی قبر کو برابر کئے بغیر نہ چھوڑو!

یہ میں نہیں کہہ رہا امام الاتقیاء خلیفہ چہارم رسول اللہ کے داماد حضرت علیؑ فرما رہے ہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:-

لما نزل برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طفق یطرح خمیعة علی وجہہ واذا عتم
کشفہا عن وجہہ، فقال وهو کذا الک۔ لعنة اللہ علی الیہود والنصارى
اتخذوا قبور انبیائہم مساجد۔ یحذروا ما صنعوا، ولولا ذالک ابرئ قبرہ
غیر انہ یحشئ ان یتخذ مسجداً۔

جب جانکنی کا عالم رسول اللہ پر طاری ہوا تو آپ نے چہرے پر چادر کھینچ لی۔ جب سانس گھٹتا چادر
ہٹا دیتے۔ اسی عالم میں فرمایا: یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں
کو عبادت گاہ بنا لیا۔ ایسا کہہ کر آپ امت کو اس طرح کی حرکتوں سے ڈرا رہے تھے۔ اگر یہ بات
نہ ہوتی تو خود رسول اللہ کی قبر شریف بھی کھلی رکھی جاتی۔ لیکن اسی خوف سے کہ اسے عبادت گاہ
بنا لیا جائے گا، بند رکھا گیا!

اندازہ کیجئے۔ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے رسول اللہ کو کتنی نفرت و کراہت تھی۔ بہت ہی کم آپ کسی کے لئے لعنت اللہ کہا کرتے
تھے۔ لیکن اس فعل کے کرنے والوں پر حضور عالم جانکنی میں کس دلسوزی سے لعنت بیج رہے ہیں۔ پھر انبیاء کی قبروں کا جب یہ معاملہ ہوتا
ان لوگوں پر کس تند لعنت بر سے گی جو انبیاء سے بہت کم درجہ بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنائے ہوئے ہیں!
ذرا ملاحظہ کیجئے۔ غیر انبیاء کی قبروں کا ذکر بھی حدیث رسول میں ملتا ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ حضرت ام حبیبہ اور
ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے حبش کے دو ایسے گرجاؤں کا ذکر رسول اللہ کے حضور کیا جس میں انہوں نے تصاویر دیکھی تھیں۔ اس
پر حضور نے فرمایا:-

ان اولئک ان کان فیہم المرجل الصالح فمات بنوا علی قبرہ مسجداً وصوروا
فیہ تیک الصور اولئک شرار الخلق عند اللہ یوم القیامہ۔

ان لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب ان میں کوئی مرد صالح مرجاتا ہے تو اس کی قبر کو سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں

اور صالحین کی تصویریں نقش کر لیتے ہیں۔ یہی لوگ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔

دیکھا آپسے۔ آج کی درگاہ سازی و قبرنوازی سے کتنی مطابقت رکھتی ہے یہ حدیث ہے اور سنیٹے۔ موطا امام مالک کی روایت ہے:-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انہم لا تجعل قبری وثناً یعبدا اشتد غضب اللہ

علی قوم اتخذوا قبور انبیائہم مساجد۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا دینا جسے پوجا جائے۔ اللہ کا

سخت غضب اُس قوم پر جو اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالے!

مسلم کی ایک اور روایت ملاحظہ کیجئے۔ قول رسول ہے:-

اکوان من کان من قبلكم کانوا یتخذون قبور انبیائہم وصالحہم مساجد۔ الا

فلا تتخذوا القبور مساجد انی انھا کمد عن ذالک!

خبردار رہو۔ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو بت بنا لیا تھا۔ خبردار

تم ہرگز قبروں کو عبادت گاہ نہ بنانا۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں!

روکنے اور منع کرنے کا وہ کونسا صریح اسلوب ہے جو اس سلسلہ میں سرور کونین نے اختیار نہیں فرمایا۔ تنبیہ و تنذیر کے جو واضح

ترین الفاظ تھے بار بار استعمال کئے۔ پھر بھی اگر مسلمان اس پر توجہ نہ کرے تو سوچئے ریح پاک پر کیا گزرے گی اور آخرت میں اُس کے

ساتھ کیا معاملہ رہے گا۔ اور لیجئے۔ مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، موطا امام احمد سبھی میں یہ روایت ہے کہ:-

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یخصن القبور ان یفعد علیہ وان ینبئ علیہ!

منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو گچ کرنے (چونے لکڑیٹ وغیرہ سے پختہ کرنے) سے

اور اُس پر بیٹھنے سے اور اُس پر عمارت بنانے سے!

اور دیکھئے۔ امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن جبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے:-

ان من شئ انسان من تدرکھم الساعة وھم احیاء والذین یتخذون القبور مساجد۔

بدترین ہیں وہ لوگ جن کی زندگی میں قیامت برپا ہوگی اور بدترین ہیں وہ لوگ جو قبروں کو مسجدیں بنالیں گے!

اور ملاحظہ کیجئے۔ ابن ماجہ، ترمذی، نسائی اور ابوداؤد کی روایت ہے:-

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اثار القبور

و اطلتخذین علیھا اطل مساجد والسرج!

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لعنت بھیجی رسول اللہ نے قبروں کی زیارت کرنے والی

عورتوں پر اور ان پر بھی جو قبروں کو مسجدیں بنا لیتے ہیں اور ان پر چراغ جلاتے ہیں۔

گویا عورتوں کے لئے نفس زیارت ہی قابل لعنت ہے خواہ وہ دہاں کوئی مشرک نہ فعل کریں یا نہ کریں۔ یہ غلط فہمی نہ ہوتی

چاہئے کہ محولہ بالا روایتوں میں ”مسجد“ سے مراد گنبدوں اور میناروں والی اصطلاحی مسجد ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ قبروں کو ایسی جگہ نہ

بنا لو جہاں عبادت کی قسم سے کوئی عمل کیا جائے۔ یا میلہ لگایا جائے وچنانچہ یہ تشریح مضمور ہی کے قول سے ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا:-

جعلت لی اکار من مسجد او طہورا۔ میرے لئے تمام ردے زمین مسجد اور پاک بنا دی گئی!

ظاہر ہے کہ مسجد سے مراد یہی ہے کہ جہاں چاہوں اللہ کی عبادت کر لوں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ مسجد نام کی خاص عمارت ہی میں عبادت ہو سکے۔ گھر، جنگل، ریگستان۔ ہر جگہ نماز اور ہر عبادت ادا ہو سکتی ہے۔ اور فرمایا:۔
لا تجعلوا قبوری عیدا۔ میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا۔

کفار عرب کے کئی بتوں مثلاً ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کے بارے میں تو بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ تشریح منقول ہے کہ یہ سب قوم نوح کے نیک لوگ تھے جنہیں بعد میں بت بنا کر پوجا گیا۔ مشہور بت لات کے بارے میں ابن جریر نے مجاہد جیسے جلیل القدر عالم و فقیہ کی روایت بیان کی ہے کہ یہ ایک شخص تھا جو لوگوں کو ستو گھول کر پلا یا کرتا تھا۔ گویا پہلے ہی سے اہل کفر میں نیک لوگوں کو ان کی موت کے بعد پوجنے کی بیماری چلی آرہی ہے۔ اور یہی بیماری آج کثیر مسلمانوں میں پائی جاتی ہے، اتنی جرأت تو ان سے نہ ہو سکی کہ بافتا عہد بت تراش لیتے۔ لیکن بزرگوں کی قبروں، بعض حالتوں میں جعلی قبروں تک کے ساتھ معاملہ پرستش اور بندگی ہی کا ہے!!

ایک طرف تو اس حدیث کو دیکھئے جس میں تین مسجدوں کے سوا کسی بھی مسجد یا مزار یا درگاہ کی طرف بافتا عہد سفر کرنے کو منع کیا گیا ہے۔ اس حدیث کا یہ مطلب تو یقیناً نہیں ہے کہ ہر طرح کے سفر ہی کو رسول اللہ نے منع فرمادیا۔ بلکہ بالفاق علماء اس کا یہ مطلب ہے کہ تقرب الی اللہ اور ثواب کی نیت سے صرف تین مساجد ہیں جن کی طرف سفر کرنا جائز ہے۔ مسجد اقصیٰ، مسجد حرام، مسجد نبوی۔ ان کے علاوہ تقرب الی اللہ کی نیت سے سفر ناجائز ہے!
دوسری طرف وہ قول رسول اللہ دیکھئے، جسے ابھی نقل کر آیا ہوں۔ یعنی۔ "میری قبر کو عید نہ بنا لینا"

"عید" کے معنی ہیں بار بار لوٹ کر آنا۔ ہر وہ جگہ عید ہے جہاں لوگ بار بار جاتے ہیں۔ ہر وہ زمانہ اور وقت عید ہے جس میں کوئی کام بار بار کیا جاتا ہے۔ ہر وہ مجمع عید ہے جو بار بار اکٹھا ہوتا ہے۔ روایات صحیحہ گواہ ہیں کہ صحابہ اور تابعین اور ائمہ و اقیانہ نے رسول اللہ کے حکم کی تعمیل کی اور قبر رسول کو عید نہیں بنایا۔ وہاں کے لئے اوقات متعینہ میں جمع ہونا یا تہا جانا جائز نہیں سمجھا۔ صحابہ میں سے بعض بغیر تعیین وقت اور بغیر پابندی کے جاتے تو قبر پر کھڑے ہو کر صرف سلام کہتے۔ کیونکہ سلام کا حکم رسول اللہ نے دیا تھا اور بعض صحابہ بہت دور ہی سے سلام کہہ لیتے!

یہ تو تھا تعلیم رسول اور تعلیم صحابہ کا حال۔ اب ذرا ہمارے زمانہ کے عرسوں اور سالانہ میلوں کا حال دیکھئے اور اندازہ کیجئے کہ کثیر مسلمان کس ذوق و شوق سے سال بسال قبروں کے مہلوں میں جلتے ہیں اور لا تعداد خرافات و منکرات میں مبتلا ہوتے ہیں۔

قبروں پر جا کر اہل قبر سے کچھ مانگنا تو کھلا شرک ہے ہی لیکن قبروں پر جا کر براہ راست اللہ سے مانگنے کی فضیلت و خصوصیت بھی قرآن و سنت میں کہیں نہیں ملتی۔ یعنی ایسا کہیں نہیں ملتا کہ قبروں کے پاس دعا مانگنا نسبتاً بہتر اور وجہ برکت ہو۔ جتنی بھی روایات ہیں ان میں صرف مردوں کے لئے دعا ہے یا بعض ایسے الفاظ ہیں جو عبرت کا فائدہ دیتے ہیں۔ مثلاً:-

اسلام علی اہل الدیار من المؤمنین و المسلمین وانا ان شاء اللہ بکملہ لاحقون
نسأل لکما العافیة مسلم،

سلام پیچھے ان بستیوں کے مومن اور مسلم بسنے والوں کو ہم انشاء اللہ تم سے مل جانے والے ہیں۔ ہم اپنے اور تمہارے لئے عافیت کے طالب ہیں۔

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَائِرًا قَوْمٍ مَوْمِنِينَ انْتُمْ لَنَا فَرَطٌ وَنَحْنُ بِكُمْ لَاحِقُونَ - اَلِهَمَّ لَانْحَرِ مَنَا اَجْرَهُمْ
وَلَا تَقْتِنَا بَعْدَهُمْ - (ابن باد)

اے مومنو! تم پر سلامتی ہو۔ تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔ خدایا ہمیں ان کے
ثواب سے محروم نہ کر اور ہمیں ان کے بعد فتنہ میں نہ ڈال!

ان دعائیوں میں مقصد اصلی مرحومین کے لئے دعا ہے اور اپنے لئے خیر و منلح کی طلب ضمناً ہے۔ ہمارے زمانہ میں مرحومین کے لئے
دعا کا طریقہ تو ختم ہوا اور اُلٹی گنگا سی کہ بزرگوں کی قبروں پر جلتے ہیں اور ان کے لئے دعا تو اس لئے نہیں کرتے کہ ان کی بنات و مغفرت
پر ہم ایمان لے چکے ہیں۔ خود اپنے لئے دعا کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب کی برکت و فضیلت سے دعا پر اثر ہو جائے گی۔ ایسا سمجھنا
غلط اور خلاف شرع ہے۔ کیونکہ قرآن و سنت میں اس کے لئے کوئی تعلیم نہیں۔ معلوم نہیں کن لوگوں نے یہ گھڑ دیا کہ امام شافعی
رحمۃ اللہ علیہ یہ کہا کرتے تھے کہ جب کبھی مجھ پر کوئی سختی آن پڑتی ہے تو میں امام ابوحنیفہ کی قبر پر آکر دعا کرتا ہوں۔ اور سختی دور
ہوجاتی ہے۔ یہ محض جھوٹی روایت ہے جو نہ تو روایت کے مسلمہ اصولوں پر صحیح اُترتی ہے نہ عقل و قیاس کے مطابق ہے۔ امام
شافعیؒ تو اپنی تحریروں میں قبروں کی تعظیم و تکریم بکروہ قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے حجاز، دین، عراق و شام اور مصر وغیرہ میں کتنے ہی صحابہ
اور تابعین کی قبریں دیکھیں لیکن کبھی کسی قبر کی طرف رجوع نہیں فرمایا۔ حالانکہ صحابہ تو ظاہر ہے امام ابوحنیفہ سے بدرجہا افضل و برتر
تھے۔ حتیٰ کہ امام شافعیؒ جب بغداد میں تشریف لائے تو نہ وہاں کسی قبر پر لوگ دعا کے لئے آتے تھے نہ یہ طریقہ ناقص
اُس دور میں مروج تھا۔!

بعض لوگ مشہور بزرگ معروف کرخی کی قبر کے متعلق کسی بزرگ کا یہ ارشاد بیان کرتے ہیں کہ وہ قبول دعا کے لئے نریاق اور
مخرب ہے اور خود معروف کرخی نے اپنے بھتیجے کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر پر آکر دعا کیا کرے۔ نیز بعض نیک لوگوں کے ہاں
میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ صلحاء اور انبیاء کی قبروں پر آکر دعا مانگتے تھے۔ اور دعائیں قبول ہوجاتی تھیں۔ نیز بعض فقہوں
نے قبر پر قرآن خوانی کا جواز لکھا ہے۔ یا بعض لوگوں نے اپنے تجزیے بیان کئے کہ فلاں شیخ کے مزار پر ہم نے دعا کی اور مقبول ہوئی
یا بعض علماء اور زاہدین قبروں پر دعائیں کرتے اور جھکتے دیکھے گئے۔ لہذا یہ لوگ جاہل اور تارک شریعت نہیں ہو سکتے۔!

اس طرح کی جھٹتیں لانا دین و شریعت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ جہاں تک دعا کے مقبول ہونے کا تعلق ہے تو کوئی بھی
فیصلہ کن طور پر یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ کس لئے مقبول یا رد ہوئی۔ دعا گھر کے کونے میں بھی مقبول ہوتی ہے اور قبر رسول تک پر
نا مقبول ہوجاتی ہے۔ دعا کا فرد اور مشرکوں اور سخت گناہ گاروں کی بھی قبول ہوتی ہے اور کھتا رہی یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے
فلاں عمل کی وجہ سے یا فلاں گرجا کی برکت سے دعا مقبول ہوئی۔ ہندوؤں میں بھی عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں مندر یا فلاں
استھان یا فلاں گھاٹ پر دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا کا فرد اور مسلمانوں سب کی قبول و رد کرتا
ہے۔ وہ رب العالین ہے اور اگر کسی قبر پر دعا کرنے سے ذریقی قبولیت حاصل ہو جائے تو یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ قبولیت
اس قبر یا صاحب قبر کی برکت سے ہے بلکہ سمجھنا چاہیے کہ یہ وقت ہی اللہ تعالیٰ نے دعا کی قبولیت کا رکھا تھا اور اس وقت کسی
بھی جگہ یہ دعا مانگی جاتی قبول ہوتی۔

بعض بزرگوں کا قول۔ تو اول تو اس قول کی روایتیں ہی مستند نہیں ہیں۔ دوسرے کسی شخص کا بزرگ ہونا اس بات کے لئے
کافی نہیں ہے کہ اس کا ہر اجتہاد درست ہی مان لیا جائے۔ اگر وہ مجتہد کا درجہ رکھتا ہے تو یوں تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اسے اس

اجتہاد پر کوئی گناہ نہیں ہوا۔ بلکہ ایک درجہ میں اجتہاد کا ثواب ہی ملا۔ لیکن جو لوگ محض تقلید میں اسے اختیار کرتے ہیں، وہ یقیناً غلطی پر ہیں۔ کیونکہ مقلد کے لئے یہ مسئلہ اجتہاد ہی نہیں بلکہ غلط اجتہاد کی پیروی ہے! قول کے بعد فعل کا نمبر ہے تو اس کا بھی یہی حال ہے کہ کسی بزرگ کا خصوصاً فعل شریعت کی دلیل نہیں بن سکتا۔ ہر دور میں قبروں کی تعظیم اور اس پر دعا کی مخالفت کرنے والے بہت علماء رہے ہیں۔ لہذا اگر کچھ علماء و صلحاء تعظیم و دعا کو درست بھی کہیں تو یہ مسئلہ اختلافی ہوا اور اختلافی مسائل میں اللہ تعالیٰ کا گھلا حکم ہے کہ:-

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ -
جب تم کسی مسئلہ میں باہم اختلاف کرنے لگو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کی روشنی میں فیصلہ کرو۔

اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ دعا کا قبول کیا جانا الگ بات ہے اور فعل ممنوع کی سزا الگ۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک کافر بہت یا مہربان کے سامنے گڑ گڑا تلے ہے اور اللہ اس کی دعا قبول کر لیتے ہیں۔ تو کیا اس قبولیت کے باوجود اس کے یہ کافر ان افعال مستحق سزا نہ ہوں گے۔ ہوں گے اور ضرور ہوں گے۔ اسی طرح قبر پر جا کر اگر کوئی مسلمان دعا کرتا ہے اور وہ قبول ہو جاتی ہے تو غلط اعتقاد ہی اور ممنوع طرز عمل اختیار کرنے کا عذاب تو بہر حال ملے گا۔!

پھر بعض دعاؤں کا قبول ہونا بھی عذاب الہی کی ایک شکل ہوتا ہے۔ آدمی اپنے نزدیک جو چیز مفید سمجھتا ہے وہ مانگتا ہے۔ لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہی چیز اس کے لئے مصیبت و ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔ جیسے مثلاً ایک شخص ثعلب نے آنحضرت سے درخواست کی کہ میرے لئے کثرت مال و اولاد کی دعا فرمائیں۔ آنحضرت نے فرمایا۔ ایسی خواہش مت کر تجھے نقصان رہیگا۔ لیکن اس نے صند کی اور آپ نے دعا فرمادی جو مقبول ہوئی۔ مگر وہی چیز اس کے لئے تباہی کا باعث بن گئی۔ چنانچہ جب مال ملا تو اس نے زکوٰۃ تک سے انکار کر دیا۔ ایسی ہی مثالیں آپ اپنے ارد گرد دیکھ سکتے ہیں۔ اولاد کی دعا مقبول ہوتی ہے تو بعض حالتوں میں یہی اولاد ماں باپ کے لئے ہزاروں پریشانیوں کا سبب بن جاتی ہے۔ وعلیٰ ہذا۔

زیارت قبور | قبروں کی زیارت کا بیشک حضور نے اذن دیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کی وجہ بھی بیان کر دی ہے کہ موت کو یاد رکھو، موت کو یاد رکھنا ظاہر ہے کہ بجائے خود مقصد نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی موت کو یاد رکھے گا تو اچھے اعمال کی طرف راغب ہوگا، برائیوں سے بچے گا اور دنیا کی زندگی میں نحو نہیں ہوگا۔ مسلم میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:-

”میں نے اللہ سے اپنی والدہ کی مغفرت کی اجازت چاہی تو منع فرمادیا گیا۔ مگر ان کی قبر کی زیارت کا اذن مانگا تو مل گیا۔“

دوسری روایت مسلم ہی میں ہے کہ حضور نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اور اس قدر روتے کہ جو اصحاب ساتھ تھے وہ بھی رونے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے اپنی والدہ کے لئے مغفرت طلب کی تو انکار فرمادیا۔ لیکن قبر پر آنے کی اجازت دے دی۔ لہذا قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔!

حضور کے طرز عمل پر غور کیجئے۔ پھر یہ دیکھئے کہ آج کتنے لوگ موت کو یاد کرنے قبروں پر جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ لوگوں نے اس عادت حکم پر کو فراموش کر دیا اور محض صالحین کی قبروں پر تقرب الی اللہ اور برکت و سعادت کے لئے میلا لگانے لگے۔ اور موت کی عبرت انگیز ویرانی و خموشی کو ناگ رنگ، شور و شر اور فسق و فجور میں بدل دیا۔ جو باحسب تارا زیادہ سے زیادہ مذکورہ فعل رسول سے یہ نظریہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اپنے کسی عزیز و قریب یا دوست کی قبر پر بطور محبت جانا جائز ہے تو اس میں بھی کچھ اعتراض نہیں۔ لیکن

یہ محض رکھی چیز بن جانی چاہیے۔ نہ اسے اجتماعی شکلیں دینا درست ہے!

راگ رنگ قوالی

”سماع“ کے نام سے جو خرافات و منہیات رواج پا گئی ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ قرآن و حدیث اور تعامل صحابہؓ اور قیاس صحیحہ سے تو ان کے جواز پر کوئی دلیل ملتی ہی نہیں۔ بس بعین بعد کے صلحا کے عمل کو بنیاد بنا کر لوگوں نے یہ مزہبتہ اختیار کیا اور اس میں اتنے بڑھ گئے کہ صریح محرمات و منکرات کا ارتکاب کیا جانے لگا۔ اول تو پچھلے بعض بزرگوں نے جو ”سماع“ اختیار کیا یہ ان کا ذاتی فعل تھا جو ہرگز حجت نہیں ہو سکتا۔ پھر انہوں نے بہت سخت شرائط اس کے لئے رکھیں، جن کی تفصیل ان کے قول و عمل میں ملتی ہے۔ آج یہ شرائط قطعاً نظر انداز کر دی گئیں۔ اور محض لغویت و منخرفات اختیار کر لی گئیں۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ کون صحیح العقل مسلمان ہو سکتا ہے جو غلوں کے ساتھ قرآن و سنت کا مطالعہ کرے اور پھر آج کل کے عرسوں، قوالیوں اور ناچ گانوں کی اہمیت و تقدس کا وہم بھی کر سکے!

بدعت کی کسوٹی

میرا ارادہ تھا کہ مروجہ بدعات میں جو زیادہ مشہور و مقبول ہیں ان میں سے ایک ایک پر مفصل گفتگو کروں گا۔ لیکن ایک تو یہ کہ فاضل مدیر فاران کے اصرار کے باوجود میں عدیم الفرستی کے باعث مناسب وقت پر مضمون شروع نہ کر سکے۔ اور آغاز اُن وقت کیا جب ان کا یہ خط آیا کہ مضمون فرداً بھیجو۔ دوسرے میرا قلم اس چیز نے روکا کہ یہ صرف مضمون ہے، کتاب نہیں۔ فاران میں آخر اوروں کے بھی تو مضامین آنے ہیں۔ اگر میں نے الگ الگ بدعتوں کو لیا تو پوری کتاب بن جائیگی۔ صرف قیروں ہی کے معاملہ پر آپ دیکھتے کتنے صفحے صرف ہو گئے۔ حالانکہ اس میں میں نے سب گوشے اور بیسٹ مطالب بیان نہیں کئے۔ پھر بدعتیں اتنی کثیر ہیں کہ سب کو ایک ہی مضمون میں جمع کرنا اور ہر ایک کی خرابی الگ الگ بیان کرنا دفتر چاہتا ہے۔ لہذا جدا جدا بیان کرنے کے عوض میں مناسب سمجھتا ہوں کہ قرآن و سنت کی روشنی میں ایسی کسوٹی آپ کے سامنے رکھ دوں جس پر آپ کسی بھی قول و فعل کو پرکھ کر یہ فیصلہ کر سکیں کہ یہ بدعت ہے یا امر جائز۔ مردود ہے یا مقبول۔ و ما للہ التوفیق!

لغت میں لفظ ”بدعت“ کے معنی ہر اس کام کے ہیں جو نیا نیا کیا گیا ہو۔ اور اس سے پہلے اس پر عمل نہ ہو اہو۔ لیکن شریعت میں یہ لغوی مفہوم مراد نہیں بلکہ مراد صرف وہی کام ہیں جنہیں دین کا جزو بنایا جا رہا ہو۔ یہ اتنی سیدھی اور صاف بات ہے کہ معاند یا احمق کے سوا کوئی اس سے اعراض نہیں کر سکتا۔

آدمی جو بھی کام کرتا ہے، اس کا کچھ نہ کچھ مقصد اور منشاء ضرور ہوتا ہے۔ اب دیکھنا یہ چاہیے کہ وہ مقصد دنیا کی کوئی منفعت و مصلحت ہے یا آخرت کی۔ اگر دنیا کی ہے تو شریعت کو اس سے کوئی دہمتی نہیں۔ بس وہ تو اتنا کہتی ہے کہ حلال و حرام کی جو حدیں اللہ و رسول نے متعین فرمادی ہیں وہ نہ ٹوٹیں اور آپ ان حدوں میں رہتے ہوئے جس طرح چاہیں انعام دُنیاوی اور راحت و عزت حاصل کریں۔ مثلاً آپ نے ریل کا سفر کیا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ کے دور میں ریل نہیں تھی۔ لہذا اگر ریل کا سفر بدعت ہوا۔ مگر اس کا مقصد خانی دُنیاوی ہوتا ہے اور قرآن و سنت کے کسی لفظ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ریل کدڑی کی زیادت سے دُنیاوی فائدہ نہ اٹھاؤ۔ بلکہ اس کے برعکس اہل کفر کی مصنوعات کا استعمال خود فعل رسول ﷺ ثابت ہے۔ لہذا شریعت کے نزدیک یہ بدعت نہ ہوگی۔ اسی طرح دیگر امور ہیں جو کسی حکم شرعی کے خلاف نہ ہوں اور باعتبار دُور مبادی کے لغتاً بدعت ہوں۔ ان پر شریعت کو کچھ اعتراض نہیں۔ ہاں اگر ان سے کوئی حکم شرعی ٹوٹتا ہو تو بے شک شریعت ان پر معتزلہ ہوتی ہے۔ مثلاً بینک کا کاروبار ہے۔ اسے حضور کے دور میں یہ کاروبار اپنی موجودہ شکل میں نہیں تھا۔ اور آج یہ دُنیاوی مصلحت کے لئے رائج کر لیا گیا ہے۔ لیکن شریعت نے سود کے لئے جو احکام بیان کئے یہ کاروبار جو کہ ان کو جھٹلاتا ہے۔

اس لئے شریعت کے خلاف ٹھہرا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کام کا مقصد دنیاوی نہ ہو بلکہ اخروی ہو۔ اس کے متعلق یہ دیکھا جائے گا کہ اس کا حکم قرآن و سنت میں موجود ہے یا نہیں اور صحابہ و ائمہ نے اسے قرآن و سنت کے کسی لفظ یا جملہ سے اخذ کیا ہے یا نہیں۔ اگر دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت موجود ہے۔ تو اس کام کے شرعی ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ اور اگر کوئی صورت موجود نہیں ہے تو دیکھا جائے گا کہ جس مقصد اور سبب کی خاطر یہ کام کیا جا رہا ہے وہ مقصد اور سبب رسول اللہ کے دور میں بھی موجود تھا یا نہیں۔ نیز اگر موجود تھا تو رسول اللہ اور ان کے اصحاب کے لئے عملاً اس کام کو کر لینے میں کوئی رکاوٹ حائل تھی یا نہیں۔ اگر وہ مقصد و سبب اس دور میں بھی موجود تھا اور اس کے حصول کے لئے راجح جو کام کیا جا رہا ہے، اس زمانہ میں بھی کر لینا ممکن تھا تو یقیناً کہا جائے گا کہ یہ کام بدعت شرعی میں داخل ہے۔ مثال کے طور پر بعض بدعت پسندوں کے اس طرز عمل کو لیجئے کہ وہ کسی ایک یا چند نازوں کے بعد سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص وغیرہ پڑھنے کو نہ صرف اچھا سمجھتے ہیں بلکہ اس کی پابندی کرتے ہیں اور جو ان کی تقلید نہ کرے اسے واپسی وغیرہ کہتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کا یہ عمل دنیاوی مقاصد کے لئے ہے یا دینی مقاصد کے لئے۔ ظاہر ہے کہ دنیاوی فائدہ تو اس میں ذرہ برابر نہیں۔ یہ لوگ تو اب اور برکت ہی کے مقصد سے یہ فعل کرتے ہیں۔ جو اخروی فائدہ میں داخل ہے اور تقرب الی اللہ کے سوا اس کا کوئی نفع متصور ہی نہیں ہو سکتا۔ پس یہ مقصد تو دُور مبارک میں نہ صرف موجود تھا۔ بلکہ اسی مقصد اور سبب کیلئے آنحضرت مبعوث ہوئے تھے اور یہی دین کا مقصد و حاصل ہے۔ علاوہ ازیں کوئی مانع بھی ایسا موجود نہ تھا کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے حضور اور آپ کے اصحاب بعد نماز فاتحہ اور سورہ اخلاص کی پابندی نہ کر سکتے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کسی قول و فعل سے نہ تو حضور نے اس کی تعلیم دی نہ صحابہ نے اس پر عمل کیا۔ لہذا لازماً یہ بدعت ہے اور اس کو افضل و مقدس سمجھنے والا یہ دعویٰ کہ اللہ ہے کہ اللہ کے تقرب اور حصولِ ثواب کے جن ذرائع سے میں واقف ہوں ان کا علم رسول اللہ کو بھی نہ تھا۔ لہذا باللہ۔ اندازہ کیجئے رسول اللہ تو جمعہ کو متعین کر کے روزہ رکھنے کو بھی منع فرماتے ہیں کہ اس طرح لوگوں میں بومِ جمعہ کے لئے ایسے فضائل متصور کر لئے جائیں گے جو اس میں نہیں ہیں اور مدعیان اسلام نئی نئی عبادتیں گھڑ کے ان پر خود چمتے اور لوگوں کو جاتے ہیں۔ حالانکہ سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص وغیرہ کی جو تعریفیں رسول اللہ سے منقول ہیں ان کا اقتضا صرف یہ ہے کہ مسلمان وقتاً فوقتاً انھیں پڑھتا ہے اور دوسروں کو بتائے کہ ان سورتوں کو پڑھا کریں مگر کسی وقت کے ساتھ انھیں خاص اور پابند کر دینا ایجاد و بدعت شمار ہوگا۔ کیونکہ جن مواقع پر ان کی پابندی اور دوام منقول نہیں ان مواقع پر پابندی کرنا گویا آزادی اور رخصت کا وہ حق سلب کرنا ہے جو اللہ و رسول نے مومنین کو دیا ہے۔ اس حق کو سلب کرنے کا کسی کو کیا حق ہے!

دوسری مثال مولود کی ہے جو یومِ پیدائش پر سال بہ سال نہایت اہتمام اور پابندی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ مثال اس لحاظ سے بگڑی نازک ہے کہ جب اس کے بدعت ہونے پر کلام کیا جائے تو بدعت پسند حضرات علوم کو خد باقی باتوں میں پھنسا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو صاحب یہ ذکر رسول کو بھی منع کرنے لگے۔ حالانکہ ذکر رسول سے تو منع کافر ہی کر سکتا ہے۔ ذکر رسول اپنی جگہ مسلم۔ لیکن یہ یومِ پیدائش پابندی سے منانے کا طریقہ اور منکرات و مکروہات سے آلودہ ناشی محفلیں منعقد کرنے کا رواج کسی طرح شریعت کی میسران میں پورا نہیں اترتا۔ بزرگوں کا یومِ ولادت منانا اگر برکت اور ثواب کا کام ہو تا تو ضرور آنحضرت انبیائے سابق کا یومِ پیدائش منایا کرتے۔ خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تو ضرور مناتے!

حدیث ہے :-

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدم المدینة فوجد اليهود صیاماً یوم عاشوراء فقال لهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما هذا الیوم الذی تصومونہ فقالوا هذا یوم عظیم انجی اللہ موسیٰ وقومہ وغرق فرعون وقومہ فصامہ موسیٰ شکرًا ففتح نصورہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ففتح الحق بموسیٰ منکم فصامہ وامر الناس بصیامہ - ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی یوم عاشوراء کو روزہ رکھتے ہیں۔ پس آپ نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ ان لوگوں نے بتایا کہ یہ عظمت والادن ہے اس میں اللہ نے موسیٰ کو اور اس کی قوم کو نجات دی تھی اور فرعون کو غرق کیا تھا۔ پس موسیٰ نے بطور شکر کے روزہ رکھا تھا۔ پس ہم بھی روزہ رکھتے ہیں۔ تو کہا رسول اللہ نے ہم موسیٰ کے معاملہ میں تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ پس آپ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور لوگوں کو رکھنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ دوسری حدیث دیکھئے :-

عن ابی موسیٰ قال کان یوم عاشوراء یوماً یعظمہ الیہود وتختذہ عیداً مثالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صومواہ انتم !

ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ یہودیوں کے نزدیک یوم عاشوراء ایک معظم دن تھا اور وہ اس دن عید منایا کرتے تھے۔ پس رسول اللہ نے کہا مسلمانوں سے کہ تم روزہ رکھو !

ان حدیثوں کے ذکر کا مطلب یہ ہے کہ دیکھئے روزہ بطور شکر ایک دینی فعل تھا۔ لہذا آنحضرت نے اسے قبول کر لیا۔ لیکن بطور شکر سال بہ سال عید منانا قبول نہیں کیا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس طریقہ میں کوئی بھلائی نہیں۔ حالانکہ حضرت موسیٰ کا یوم نجات اور غرقابی فرعون بدامتہ خوشی منانے کے لئے بہت کافی وجہ ہے۔ کم سے کم نفس ولادت سے تو اس کا مرتبہ زیادہ ہے اس کے برخلاف حضرت موسیٰ کا فرعون جیسے جبار و قہار پر فتح پانا اور فرعون کا غرق ہو جانا صراحتہ خاص اور اہم واقعہ ہے جس پر خوشی منانی جانی عقلاً نامناسب نہیں۔ مگر جس چیز کے بارے میں رسول خدا کو معلوم ہو کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں وجہ قربت نہیں بن سکتی اور عوام کے لئے اس میں فتنہ کے جراثیم پوشیدہ ہیں۔ اسے آپ کیسے اختیار کر سکتے تھے۔ آپ جانتے تھے کہ میں نے اختیار کیا تو یہ امت کے لئے سنت بن جائے گا۔ اور دین کے اعتبار سے بے نتیجہ بلکہ فتنہ پرور باتوں کو سنت بنانا ایک سچے بچی کے لئے ممکن نہیں ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ تو چونکہ خود ہر نبی سے بلند مرتبہ تھے۔ اس لئے آپ نے کسی نبی کا یوم ولادت نہیں منایا۔ چلئے مان لیا۔ لیکن کیا صحابہ بھی انبیاء سے افضل تھے؟ کیا حضور کے نزدیک اگر یوم پیدائش منانا برکت و سعادت کا ذریعہ ہوتا تو آپ صحابہ کو اس کا حکم نہ دے سکتے تھے؟ پھر آنحضرت کے بعد خود صحابہ کو بھی اتنی دینی فہم نہ ہوئی کہ آنحضرت کا یوم ولادت منایا کریں !

ایک یہ گوشہ نکالا جاتا ہے کہ ہم تو میلاد بطور وسیلہ خیر کرتے ہیں، تاکہ لوگ دین کی طرف متوجہ ہوں، اس خیال و نیت کا ثبوت اگر عمل سے ملتا تو خیر بات دینی بنتی۔ مگر حال تو یہ ہے کہ میلاد کی محفلوں میں آیت قرآنی ان الابدان کا نورا اخوان الشیاطین کی بھی دل کھول کر نافرمانی کی جاتی ہے۔ کتابیں بھی غیر مستند پڑھی جاتی ہیں۔ قیام بھی کیا جاتا ہے، جو خلاف شرع اعتقاد کا نتیجہ ہے۔

اور دن، تاریخ کی ایسی پابندی کی جاتی ہے کہ روزہ، نماز، فقنا ہو مگر یہ فقنا نہ ہو۔ حالانکہ رسول اللہ اگر اس خاص مہینہ میں پیدا ہوئے تو وہ سال بھی آپ کا اسی مہینہ میں ہوا ہے، تو یہ مہینہ مسرت کے ساتھ شدید ترین عبرت کے اسباب بھی اپنے اندر رکھتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر شے ہلک اور قانی ہے!

پھر حال یہ ثابت ہو گیا کہ یوم ولادت منانے کا مقصد جو کچھ سمجھا جاتا ہے وہ آنحضرت اور صحابہ اور تابعین سب کے دور میں موجود رہا ہے اور کوئی رکاوٹ بھی ایسی نہیں رہی کہ یہ حضرات اس عمل کو نہ کر سکتے۔ جب انہوں نے نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ یہ فعل بدعت ہے!

ہاں کسی بڑے شاعر یا ادیب یا لیڈر کا یوم پیدائش منانا چونکہ خالص دنیاوی معاملہ ہے اور تقرب الی اللہ اور ثواب و برکت سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے شریعت کی اصطلاح میں اسے بدعت نہیں کہیں گے۔ البتہ جو اسراف اور تضييع اوقات اور ممنوع افعال اس میں کئے جائیں انہیں شریعت ممنوع قرار دے گی!

دوسری صورت لیجئے کہ سبب تو موجود تھا، مگر عمل میں رکاوٹ تھی۔ اس کی مثال قرآن اور دینی کتابوں کو چھاپنا ہی ظاہر ہے کہ قرآن کی اشاعت و نشر کا مقصد دُردِ مبارک میں بھی موجود تھا اور آج بھی موجود ہے۔ اسی طرح علوم دینیہ کو پھیلانے کا مقصد جب بھی تھا اور اب بھی ہے۔ لیکن اس زمانے میں پریس ایجاد نہیں ہوا تھا، لہذا چھپائی نہیں ہو سکتی اب پریس ہے لہذا چھپائی ہو گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم قرآن کو محض تجارتی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ برکت و ثواب اور نشر و اشاعت کی خاطر چھاپیں تب بھی باوجود دینی ہونے کے یہ فعل بدعت شرعی شمار نہ ہوگا۔ کیونکہ اگرچہ یہ عمل دُردِ مبارک میں نہ ہوا اور مقصد عمل اس وقت بھی موجود تھا۔ لیکن اس عمل پر اس وقت قدرت ہی نہ تھی۔ اور چھپائی کا عمل بجائے خود کسی حکم شرعی کے خلاف نہیں ہے۔ یہ معاً ملکہ ثواب کی خاطر کتابیں چھاپنے اور پوسٹر وغیرہ شائع کرنے کا ہے!

تیسری صورت یہ ہے کہ ایک نیا کام ہم نے جس مقصد کے لئے شروع کیا ہے، وہ اگرچہ آخرت سے تعلق رکھتا ہے لیکن وہ جس سبب کے لئے کیا جا رہا ہے وہ سبب ہی دُردِ مبارک میں موجود نہ تھا۔ مثلاً آنحضرت کے بعد صحابہ کا قرآن جمع کرنا اور صحابہ و تابعین کا حدیث کی کتابیں ترتیب دینا۔ ظاہر ہے کہ ان کاموں سے حفاظتِ دین اور تحفظِ مذہب مقصود ہے۔ یہ مقصود اپنی جگہ بلاشبہ حق اور دینی ہے۔ لیکن قرآن و حدیث کے جمع و تدوین کے اسباب آنحضرت کی زناہ گی میں موجود نہیں تھے۔ آپ کے بعد حالات ایسے پیدا ہوئے کہ جمع و تدوین ضروری معلوم ہوئی۔ لہذا یہ وہ شرعی بدعت نہیں ہے جسے حدیث میں "ضلالت" کہا گیا ہے!

ایک صورت یہ بھی ہے کہ جو سبب دُردِ مبارک میں نہیں تھا بلکہ بعد میں پیدا ہوا وہ سبب بجائے خود مسلمانوں ہی کی کسی غلطی کا نتیجہ ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ مثلاً خطبہ عید بعد نماز عید منسوخ ہے۔ اب بعد میں اگر مسلمانوں کا یہ حال ہو گیا کہ نماز ختم ہوتے ہی بھاگتے نکتے ہیں اور خطبہ نہیں سنتے تو یہ سبب اس بات کے لئے کافی نہیں سمجھا جائیگا کہ خطبہ نماز سے پہلے دے دیا جائے۔ کیونکہ یہ سبب قدرتی نہیں بلکہ مسلمانوں کی بے حسی اور بد عملی سے پیدا ہوا ہے۔

بدعت کو پھیلنے کی یہ کوئی اگرچہ اس وقت ہم کے الفاظ کی شکل میں آپ کے سامنے آئی ہے، لیکن فی الحقیقت

یہ ہماری ایجاد کردہ نہیں بلکہ قرآن و سنت کے بخشے ہوئے دین نے اسے بنایا ہے۔ آخر آپ بھی تو یہ جانتے اور مانتے ہیں کہ اللہ کے معاملہ میں رسول اللہ کا علم ہم لوگوں سے ہزاروں گنا زیادہ اور یقینی تھا۔ وہ آخری نبی تھے جسے دیکھنے کے سامنے اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کر کے تمام ممکنہ ذرائع کھول کر رکھ دیئے تھے۔ اور وہ اس نے رکھ دیئے۔ ہماری عقلوں کو اتنی دسترس کہاں کہ ہم اللہ کی رضا یا ناراضی کے بارے میں رسول اللہ کی تعلیم سے قطع نظر کر کے کوئی یقینی فیصلہ کر سکیں۔ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیے۔ ہم تو اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ فجر کی نماز صرف دو رکعت اور مغرب کی تین کیوں ہے۔ باقی وقتوں میں چار رکعت کس لئے ہیں۔ عشاء کے بعد کس غرض سے دو رکعت رکھے گئے ہیں۔ زکوٰۃ کی شرح ڈھائی فیصد کیوں ہے دو یا تین فیصد کیوں نہیں۔ ہمارا کام صرف اس قدر ہے کہ قرآن اور رسول اللہ نے جو حکم فرمایا اسے پورا کریں۔ ایک غلام کو یہ زیب نہیں دیتا کہ آقل کے احکام میں حذف و اضافہ کرے۔ بدعت کو صریح طور پر بالکلیہ منع کیا گیا۔ اور ہم ہیں کہ اس منع کرنے والے کی صداقت و رسالت پر ایمان کا دعویٰ رکھنے کے باوجود اپنی طرف سے نئے اعمال نکالتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ ان سے رسول اللہ خوش ہوں گے۔ اللہ کی رضا ملے گی۔ برکت حاصل ہوگی۔ جب رسول اللہ کے رسول اور خدا شناس ہونے پر ہم ایمان لے آئے تو خود بخود یہ بات لازم آجاتی ہے کہ خدا کا قرب اور ثواب و برکت حاصل کرنے کے لئے جو اعمال ہو سکتے تھے وہ حضورؐ نے قول و عمل سے واضح فرمادیئے اور جن اعمال کو اختیار نہیں فرمایا۔ حالانکہ اختیار کرنے میں کوئی امر مائع نہ تھا۔ وہ یقیناً مفید ثواب و برکت نہ ہوں گے!

خیال آتا ہے کہ بدعت پسند حضرات حضرت عمرؓ اور روق کے ایک جملہ کو اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ وہ جملہ نماز تراویح کی باقاعدہ جماعت کے بارے میں ہے۔ الفاظ یہ ہیں: "نعمت البدعتہ ہذہ!" (کیسی اچھی ہے یہ بدعت) یہ الفاظ آپؐ نے ان لوگوں کے جواب میں فرمائے تھے جنہوں نے کہا تھا کہ یہ جو آپ نے پورے رمضان میں پابندی سے تراویح باجماعت کا سلسلہ مسجد میں شروع کر دیا ہے، یہ تو بدعت معلوم ہوتا ہے کہ یہ شکل حضورؐ کی زندگی میں نہیں تھی۔

اس جملہ سے یہ دلیل پکڑی جاتی ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ سیئہ اور حسنہ۔ حدیثوں کا موجد بدعات سیئہ ہیں اور بدعات حسنہ پسندیدہ و محبوب ہیں۔ جیسا کہ خود حضرت عمرؓ کے قول سے معلوم ہوا۔ بظاہر بات بڑی ظاہر فریب ہے لیکن جب تجزیہ کیجئے تو تلبیس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ حدیث کی ایک ایک کتاب اٹھا کر دیکھئے۔ کسی جگہ آپ کو نہیں ملیگا کہ شریعت نے بدعت کی دو قسمیں کی ہوں۔ جتنی بھی حدیثیں آپ نے بدعت کے بارے میں ابھی پڑھیں اور جتنی ان کے علاوہ ہیں سب میں "بدعت" بغیر کسی اضافت کے مطلقاً بولا گیا ہے اور مطلقاً کو مقید یا عام کو خاص کرنے کے لئے جب تک مضبوط قرینہ نہ ہو، کسی کو تقید یا تخصیص کی اجازت نہیں۔ بدعت کی تقسیم بعد کے لوگوں نے کی ہے اور اس لئے کی ہے کہ بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں بدعت کا پہلو تو معمولی سا ہوتا ہے اور دینی نفع کا پہلو ذرا زیادہ ہوتا ہے۔ ایسے امور کو بعض لوگوں نے بدعت حسنہ کا نام دے لیا۔ مثلاً بعض بزرگوں نے اپنی خاص طبیعت اور مزاج کے تحت یہ محسوس کیا کہ معرفت و تصوف کے اشعار ان پر بہت اثر کرتے ہیں، لہذا انہوں نے خوش آواز لوگوں سے انھیں سُننا شروع کیا اور اگرچہ وہ جانتے تھے کہ یہ "سملع" بدعت ہے۔ لیکن اس سے ان کی رغبت الی اللہ زیادہ بڑھی اور تزکیہ نفس کے لئے اسے اپنے حق میں زیادہ مؤثر پایا۔ لہذا "بدعت حسنہ" قرار دے لیا۔ ہو سکتا ہے خاص ان کے حق میں

یہ بدعت باہر ممنوع ہونے کے عقابِ الہی کا سبب نہ بنے۔ کیونکہ انہوں نے پورے اخلاص سے اسے اختیار کیا تھا۔ اور کسی طرح کی خرافات کو اس میں داخل نہیں کیا تھا۔ نہ نفسانی لذت حاصل کرنا ان کے پیش نظر تھا۔ نیز ان کی زندگی چونکہ اعمال خیر اور عبادت و زہد سے لبریز تھی اس لئے ہو سکتا ہے کہ ان کے عقاب سے قرآن ان کی نیکیاں اس بدعت کو اللہ کی بارگاہ میں قابل نظر اندازی بنا دیں۔ لیکن ہمہ شما کو یہ ہرگز جائز نہیں کہ ان کی تقلید کرے اور سماع کی بدعت کو جو ہر حال میں بدعتِ حسنہ تصور کیے۔ یہ ہر حال بدعتِ حسنہ شرعی اصطلاح میں کوئی چیز نہیں ہے اور حضرت عمرؓ نے جو بدعت کا لفظ فرمایا وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی کام کو پوری طرح مفید اور نفع بخش اور بہتر جان کر اختیار کر لے ہوں اور اس پر کچھ لوگ آپ سے کہیں کہ یہ کام مفید نہیں ہے بلکہ نقصان دہ ہے۔ تب آپ ان لوگوں کو جواب دیں کہ اچھا نقصان دہ ہی سہی مگر اس کا نقصان بڑا مفید ہے۔!

ظاہر ہے یہ متضاد قسم کا جملہ آپ نے اپنے اس یقین کی بنا پر کہا ہے جو آپ کو اس کام کے مفید و بہتر ہونے پر ہے!

اس دلیل کو اگر کوئی نہ مانے تو دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ لفظ "بدعت" شرعی معنی میں نہیں لغوی معنی میں استعمال کیا تھا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ایک ہی لفظ ہم بعض دفعہ لغوی معنی میں بولتے ہیں اور بعض دفعہ اصطلاحی معنی میں۔ موقع محل خود بتا دیتا ہے کہ لفظ کس معنی میں بولا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بلکہ میں آپ کو خوب معلوم ہے کہ رسول اللہ کے حد درجہ کے تابع فرمان ان کی سنت کے شیدا۔ ان کی ادا ادا کے متوالے، ان کے دین پر ثابت قدم نہایت عظیم صحابی تھے۔ جن کی تعریف میں نہ صرف یہ کہ رسول اللہ کی زبان صداقت نظام نے بہت کچھ کہا ہے بلکہ متعدد بار وحی بھی ان کی رائے کے موافق نازل ہوئی ہے۔ ان کی زبان سے اگر کبھی کوئی ایسا جملہ نکلے جس کے دو معنی ہو سکیں تو عقل اور انصاف کا تقاضا کیا یہ ہے کہ وہ معنی مراد لئے جائیں جو رسول اللہ کے صریح اقوال کے مخالفت محسوس ہوتے ہوں، یا وہ معنی مراد لئے جائیں جن سے مخالفت نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جس کے دل میں ذرا بھی خوب خدا اور ایمان ہوگا وہ یہی مفہوم مراد لے گا جو رسول اللہ کے اقوال کی تردید نہ کرتا ہو۔ چنانچہ اس قولِ عمرؓ میں لفظ "بدعت" اگر شرعی معنی میں لیا جائے تو اقوالِ رسولؐ کی تکذیب مندرج ہوگی۔ کیونکہ رسول اللہ نے تو بدعت کو مطلقاً بالکلیہ مردود ٹھہرایا اور حضرت عمرؓ کو بایوں کہہ رہے ہیں کہ نہیں تمام بدعتیں مردود نہیں ہیں بلکہ بعض بدعتیں محمود و مقبول بھی ہیں!

کیا حضرت عمرؓ جیسے جلیل صحابی کی طرف اسے معافی کا گمان منسوب کرنا اہل علم و عقل کو ارا کر سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ نہیں کر سکتے۔ تب قرینہ خود بخود پیدا ہو گیا کہ بدعت کو لغوی معنی میں لو۔ یعنی اپنی مجموعی شکل و ہیئت کے اعتبار سے تو بے شک جماعت تراویح کی باقاعدگی اور پابندی اور اس سے متعلق روشنی و عینہ کا اہتمام ایک ایسا کام تھا جو نیا تھا لیکن شرعی اعتبار سے یہ نیا نہ تھا۔ بلکہ شریعت ہی کا اقتضا اور منشاء تھا اور شریعت ہی اس کے لئے دلیل و شہادت مہیا کر رہی تھی!

صحابہ جن کے ہاں یہ روایت ملتی ہے کہ تراویح کا باجماعت پڑھنا، تنہا پڑھنے سے افضل ہے۔ یہ بھی روایت ملتی ہے کہ آنحضرتؐ نے شروع رمضان میں دو یا تین راتوں کو تراویح جماعت سے پڑھی تھی۔ اور رمضان کے آخری حصہ میں بھی متعدد بار پڑھی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ جب آدمی امام کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے اور آخر تک تمہارا ہتھلے تو اسے ساری رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔ پورے مہینہ باجماعت تراویح نہ پڑھنے کا سبب بھی خود حضورؐ ہی نے بیان فرمادیا کیا کہ۔ میں اس خیال سے نماز کے لئے برآمد نہیں ہوا کہ کہیں وہ تم پر فرض نہ ہو جائے! گویا اللہ تعالیٰ نے لانا اور باجماعت پابندی سے نہ پڑھنا اس لئے نہیں تھا کہ اس میں کوئی قباحت تھی۔ بلکہ اس لئے تھا کہ کہیں میرے دوام و استقلال سے لوگ اسے فرض و واجب کا درجہ

دے مٹھیں!

اب اندازہ فرمائیے کہ حضرت عمرؓ نے اگر رسول اللہ کے وصال کے بعد تراویح باجماعت کو مہینہ بھر پڑھنے کا طریقہ اختیار کیا تو شرعاً یہ کیوں مکروہ بدعت ہو سکتا ہے۔ اس میں کسی بھی حیثیت سے شرعی مفہوم میں نیا پن نہیں ہے۔ ہاں لغتاً یہ نیا ہے! اس کے علاوہ خود رسول اللہ نے فرمایا: "علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدين المہدیین"۔ اس لئے خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کا کوئی طریقہ کوئی اجتہاد، کوئی عمل بدعت شرعی ہو ہی نہیں سکتا کہ ان کے طریقہ پر چلنا تو حکیم رسول کا اتباع و انقیاد ہے۔ ان کی جو رائے دیگر اصحاب نے درست مان لی وہ تمام امت پر لازم ہوئی اور جس سے کسی ایک یا چند اصحاب نے اختلاف کیا۔ اس میں اگرچہ ہمیں ان کی رائے ترک کر کے دوسرے صحابی کی رائے مان لینے کا اختیار ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی رائے باطل یا بدعت پر محمول تھی! و رضی اللہ عنہ۔

اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت عمرؓ کا یہ جملہ اہل بدعت کے لئے واقعاً بھی کوئی حجت اپنے اندہ کھتا ہے تو کیا وہ حضرت عمرؓ کے دیگر اقوال و افعال کو بھی حجت مانیں گے؟ اگر مان لیں تو ہمارا اور ان کا اختلاف ہی ختم ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ ہی تو وہ ہیں جنہوں نے شجرۃ الرضوان کو کٹوایا اور کسی بھی چور دروازہ سے چیتے جی بدعت کو داخلہ کی اجازت نہیں دی۔ لیکن یہ حضرات دیگر اقوال عمرؓ اور اسوۃ فاروقی کو لاجرم حجت نہیں سمجھتے۔ تب انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ان کے ایک بے ساختہ اور متبادر جملہ کو بطور سند لائیں!

پھر یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو تو بیشک یہ حق تھا کہ رسول اللہ کے کسی حکم عام میں کسی خاص دلیل سے کوئی استثنا نکال لیں۔ ان کی دین شناسی، اصابت رائے اور تفقہ پر محض ان کا اسوہ ہی نہیں بلکہ سب سے مضبوط شہادت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ علاوہ ازیں ان کی "بدعت" کو تمام صحابہ کا بخوشی قبول کر لینا بھی اس بات کی شافی دلیل ہے کہ یہ بدعت شرعی بدعت تھی ہی نہیں۔ آخر صحابہ کے کردار اور کمال ایمان سے کون واقف نہیں۔ وہ دین کے معاملہ میں کیا حضرت عمرؓ سے دب کر خلاف حق کوئی فیصلہ قبول کر سکتے تھے۔ ایسا کوئی بے سواد ہی سوچ سکتا ہے۔ ہمارا تو ایمان ہے کہ صحابہ کے لئے جان دے دینا آسان تھا مگر خلاف شریعت فیصلہ کو بخوشی قبول کر لینا ممکن نہ تھا!

بتائیے صحابہ کے بعد ایسا کون ہے جسے یہ اختیار دیا جاسکتا ہو کہ رسول اللہ کے کسی حکم عام میں بغیر دلیل شرعی کے اپنی رائے سے تخصیص کرے یا مستثنیات نکلے۔ کون ہے جس کی بصیرت، نفقہ، بالغ نظری، دینداری، تقویٰ، اصابت رائے اور حب رسول پر خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر تصدیق ثبت ہو۔ کوئی نہیں۔ ہرگز کوئی نہیں۔ لیس علیہم بسلاطان پھر کیسے بلا سند کے نئے طریقوں کو جزو دین سمجھا جائے۔ کہ کوئی صالح و عابد امتی خدا کے آخری رسول سے دیکھ دین کا علم اور مرضیات الہی کا وجدان و ادراک رکھ سکتا ہے!

دین میں نئی باتیں نکلنے سے ممانعت کی دلیلوں کا کوئی ٹوڑ نہ پا کر بعض حضرات اپنی بعض بدعات کے لئے روایات اجتہاد و بدعت | دین میں نئی باتیں نکلنے سے ممانعت کی دلیلوں کا کوئی ٹوڑ نہ پا کر بعض حضرات اپنی بعض بدعات کے لئے روایات اجتہاد و بدعت کے لئے تلاش کر کے لائے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان روایات سے ہم نے فلاں کام نکالا اور اس کی حیثیت ویسی ہی ہے جیسے فقہی جزئیات کی۔ گویا اجتہادی مسائل جس طرح بدعت نہیں جزو دین ہیں اسی طرح ہمارا استنباط بھی بدعت نہیں جزو دین ہے!

بات قدرے جی لگتی ہے۔ لیکن ہم ان کی خدمت میں گزارش کریں گے کہ کیا ان کے نزدیک اجتہاد کی تعریف یہ ہے کہ

ہر عام و خاص اعادة و آیات سے اپنے علم و عقل کے مطابق مفہوم اور مطالب نکال لیا کرے۔ خواہ اس کے نکالے ہوئے مطالب ماہرین علم و فن کے فیصلوں کے خلاف پڑتے ہو اور یا دین کے متفقہ احکام سے ٹکراتے ہوں۔ اگر اسی کا نام انہوں نے اجتہاد سمجھا تو انہیں اپنی عقل کا علاج کرانا چاہیے۔ اجتہاد کچھ مذاق نہیں ہے۔ ساری دنیا مانتی ہے کہ کسی بھی علم و فن کے اصولوں سے فروعات کا نکالنا اور ایک جزئی کو دوسری جزئی پر قیاس کرنا انہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو اس علم و فن پر پورا عبور اور دسترس رکھتے ہوں۔ اور یہی عقل و انصاف کا نہ صرف تقاضا ہے بلکہ اس کے ماننے پر انسان مجبور بھی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر ہر علم و فن فاسد و باطل ہو جائے گا۔ تب دین و شریعت جیسے مہتمم یا شان علم کے باب میں یہ کون سمجھا رہا کہہ سکتا ہے کہ اس میں اجتہاد و قیاس کے لئے شرائط و قیود نہیں ہیں۔ شرائط ہیں اور ضرور ہیں۔ چنانچہ اہل علم نے جانچ تول کر صرف انہی حضرات کو مجتہد مانا جن میں شرائط اجتہاد پائی جاتی تھیں اور یہی مجتہدین تھے جنہوں نے زندگیوں لکھا کر قرآن و سنت کے اصول و کلیات سے فروعات کا استنباط کر کے اسلام کا عظیم الشان قانون و دستور مدقن کیا۔ ان کے بعد اگرچہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا اور ہونا بھی نہیں چاہئے جبکہ زندگی کے بدلتے ہوئے حالات میں اس کی لازماً ضرورت باقی رہتی ہے۔ لیکن انہی لوگوں کو اس کا حق دیا جا سکتا ہے جو اپنے کارناموں اور قول و فعل سے یہ ثابت کر دیں کہ ان میں شرائط اجتہاد پائی جاتی ہیں۔

جب یہ طے ہو گیا تو سمجھنا چاہیے کہ کسی شخص کا خواہ مخواہ یہ دعویٰ کرنا معتبر نہیں ہے کہ اس نے اجتہاد کے ذریعہ کوئی نیا نظریہ یا اصول یا عمل قرآن و سنت سے نکالا ہے۔ جب تک وہ اپنا شرائط اجتہاد سے متصف ہونا عملاً ثابت کرنے در نہ جس چیز کو وہ اجتہاد کہہ رہا ہے اسے تک بندی اور ہوائی قلعہ اور ثمرہ ہوائی نفس کہا جائے گا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قبر پرستی اور راگ رنگ اور عرس و توالی اور فاتحہ خوانی اور نذر وغیر اللہ اور اسی طرح کے امور رائجہ پر اجتہاد و قیاس کا دعویٰ کرنے والے شرائط اجتہاد سے تو کیا ان شرائط سے بھی پوری طرح متصف نہیں ہیں جو ایک اچھے مسلمان کے لئے قرآن و سنت نے بیان کئے ہیں۔ یا بعض اگر ان میں عملاً اچھے مسلمان ہیں بھی تو علم و فن میں اپنی جہارت و دسترس کا کوئی ثبوت انہوں نے دنیا کے آگے پیش نہیں کیا۔ ایسی صورت میں ان کے ایسے اجتہادات کیونکر قبول کر لئے جائیں۔ جو نہ تو قرآن و سنت کی میزان میں پورے اترتے ہیں نہ مجتہدین سلف نے ان کی تائید کی ہے نہ عقل سلیم انہیں مانتی ہے!

یہ تو ایک خرابی ہوئی۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ یہ لوگ یا تو بالکل بوجس روایتیں لاتے ہیں جو حدیث کی معتبر کتابوں میں نہیں ہیں۔ یا معتبر کتاب میں ہیں بھی تو ماہرین فن روایت نے ان کی کمزوری اور خطا واضح کر دی ہے۔ یا پھر صحیح روایت سے ایسے مطالب و معانی پیدا کرتے ہیں کہ جو قطعاً من گھڑت ہوتے ہیں اور دوسری صحیح روایتیں ان کے خلاف ہوتی ہیں!

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

ایک کتاب میں ہم نے دیکھا کہ جواز قبر پرستی کے سلسلہ میں روایت بیان کی گئی کہ:-

”بعض علماء نے کہا ہے کہ جو کوئی رسول اللہ کے مزار پر یہ آیت پڑھے ان اللہ و ملائکتہ یصلون

علی البنی اور پھر ۷ مرتبہ صلی اللہ علیک یا محمد کہے تو ایک فرشتہ پکار کر اس سے کہتا ہے

کہ اے شخص تجھ پر خدا کا درود ہو۔ اس کے بعد اس شخص کی جو مراد ہوگی پوری ہوگی۔“

یہ روایت ہی اول تو ناقابل اعتبار ہے، باعتبار سند بھی اور باعتبار نقل و قیاس بھی۔ سند کا تو یہ حال ہے کہ اس کے ربوی

ایک شخص ابن ابی فدیک ہیں۔ جو تابعی تک نہیں۔ اور انہوں نے جس سے روایت لی ہے وہ مجہول احاد سس ہے۔ اور عقلاً یوں کہ

اول توخیر القرون کے علماء سے اس طرح کی کوئی بات منقول نہیں ہے۔ دوسرے یہ روایات اس حدیث صحیح کے بالکل خلاف ہے جس میں حضور نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اس پر اللہ دس دفعہ درود بھیجتا ہے۔ اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ ستر مرتبہ درود بھیجنے والے کے لئے اللہ کی طرف سے سات سو درود ہوں لیکن ابی فدیک کی روایت بتاتی ہے کہ ستر مرتبہ درود کے بدلے اللہ سے صرف ایک درود دلا۔!

ایک جگہ یہ روایت دیکھی کہ:-

” فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی معاملہ کسی طرح تمہاری سمجھ میں نہ آئے

تو اہل بتوں سے مدد حاصل کرو۔“

تو فیصدی جھوٹی روایت ہے۔ علماء جس کے کذب پر متفق ہیں۔

ایک یہ روایت دیکھی کہ:-

” فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا میں قیامت کے

دن اس کا شفعہ و شہید ہوں گا۔“

یہ روایت ابن ابی الدینا کی کتاب القبور میں ملتی ہے جسے ابن ابی فدیک سے نقل کیا گیا ہے۔ ہم ابھی کہہ چکے کہ یہ شخص تابعی تک نہیں اور انہوں نے یہ حدیث حضرت انس کے حوالے سے بیان کی ہے۔ حالانکہ جب تک ابن ابی فدیک اور حضرت انس کے درمیان سلسلہ روایت کا پتہ نہ چلے ہرگز روایت معتبر نہیں ہو سکتی۔ کسی مستند کتاب حدیث میں اس روایت کو نہیں لیا گیا اور لوگ ہیں کہ اس سے قبر پرستی کی ترکیب نکال رہے ہیں۔

ایک یہ روایت سنی کہ:-

” فرمایا رسول اللہ نے جس شخص نے میری اور میرے پدراپراہیم خلیل اللہ کی زیارت ایک

ہی سال کے اندر اندر کی۔ میں اس کے لئے جنت کا ذمہ دار ہوں۔“

یہ بھی ایجاد بندہ۔ قطعاً بے بنیاد!

یہ ناقابل اعتماد روایتوں کی مثالیں ہیں۔ ایک دو معتبر روایات سے قیاس و اجتہاد بھی دیکھئے۔ بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ:-

” ام سلیم نے رسول اللہ کی گرسنگی (بھوکا ہونا) کی خبر پا کر دو روٹیاں دوپٹے کے پلو میں

باندھیں۔ یہ قصہ لہا ہے۔ خاتمہ یہ ہے کہ حضور نے ان روٹیوں کو بلیدے کی طرح

تڑوایا اور برتن میں جو کچھ گھی لگا ہوا تھا وہ اس میں چپکا دیا۔ پھر حضور نے از قسم دعا کچھ

الفاظ اس پد پڑھے اور دس دس آدمیوں کو بلا کر کھانا شروع کیا۔ انہی آدمیوں نے

پیٹ بھر کھایا اور ام سلیم کے گھر بھرنے کھایا اور پھر بھی پنج رہا۔“

اس روایت سے ایک سلیم احقل اور انصاف پسند مسلمان اس کے سوا کیا مطلب اخذ کر سکتا ہے کہ یہ منجملہ معجزات ہے

جو رسول اللہ سے صادر ہوتے رہے ہیں۔ آمنا و صدقنا۔ جو پل بھر میں آسمانوں کی سیر کر آیا۔ اس کے لئے ایسے معجزے اللہ نے

بہت سے دیئے۔ مگر بدعت پسند حضرات کو دیکھئے کہ وہ اس سے کھانے پر فاتحہ پڑھنے کا اجتہاد فرماتے ہیں! ویاللہ لعوب!

غور کا مقام ہے کہ آنحضور نے کھانے پر فاتحہ نہیں پڑھی۔ بلکہ دعائیہ الفاظ ادا کئے اور آپ کو امید تھی کہ اللہ تعالیٰ

دعا کو قبول فرما کر کھانے میں معجزانہ برکت عطا کر دے گا۔ یہ امید پوری ہوئی اور کتنے ہی بھوکوں کے پیٹ بھر گئے۔ ہمارے فاتحہ خواں حضرات کھانے پر فاتحہ پڑھتے ہیں نہ کہ کوئی دعا۔ پھر مقصد ایصالِ ثواب ہوتا ہے نہ کہ کھانے میں اضافہ۔ قیاس و اجتہاد کی آخر کوئی تنگ بھی ہو۔ سوچنے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ مساکین و غریبوں کو رسول اللہ بھی کھانا کھلاتے تھے اور اتنا کھلاتے تھے کہ کوئی کیا کھلائے گا۔ صحابہ بھی غریبوں پروری میں کم نہ تھے۔ اور سورہ فاتحہ رسول اللہ اور ان کے اصحاب کو یاد بھی تھی۔ اور اس کے فضائل بھی وہ ہم سے زیادہ جانتے تھے۔ مگر کبھی نہیں ہوا کہ انہوں نے کھانوں پر اسے پڑھا ہو اور اس کا ثواب مردوں کی روحوں کو پہنچایا ہو۔ ایک اور روایت جو ارفاق تاحہ کی سننے۔

”مشکوٰۃ میں غزوة تبوک کے ہمارے میں مروی ہے کہ جب لوگ بھوکے ہو گئے تو حضرت عمر نے رسول اللہ سے دعا کرانی چاہی۔ تب حضور نے دسترخوان بچھوایا اور کہا کہ آجاؤ جس کے پاس جو کچھ ہے لے آؤ۔ اس پر کوئی مٹھی بھر جواری، کوئی مٹھی بھر کھجور، کوئی روٹی کا ٹکڑا۔ غرض جس کے پاس کھانے کی قسم سے جو کچھ تھا لے آیا۔ معمولی سا ذخیرہ جمع ہوا۔ حضور نے اس پر دعا فرمائی اور کہا بھر لو اپنے برتن۔ تمام لشکر نے اپنے برتن بھر لیے اور خوب کھایا اور پھر بھی بیخ رہا۔“

اس حدیث کے متن میں دعا بالبرکۃ کے الفاظ ہیں۔ یعنی حضور نے فاتحہ نہیں برکت کی دعا پڑھی۔ اب عقل و قیاس کی کوئی قسم سے یہ فاتحہ کے لئے دلیل بن سکتی ہے۔ فی الحقیقت یہ روایت تو دعا یا کسی بھی سورۃ قرآنیہ کے پڑھنے پر دلیل نہیں کیونکہ یہ فعل رسول از قسم احکام و عبادات نہیں بلکہ قبیل معجزات میں سے ہے۔ معجزہ انبیاء کی خاص چیز ہے۔ اسی لئے تمام کتب معتبرہ اٹھا کر دیکھ لیجئے کسی مشہور صحابی کو آپ نہیں دیکھیں گے کہ اس نے حضور کے اس فعل کو حجت بنا کر کھانوں پر دعا یا فاتحہ یا کوئی سورۃ قرآنی پڑھنی شروع کر دی ہو۔ ایک اور نمونہ دیکھئے۔

”بخاری و مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے کہ میری والدہ نے ایک برتن میں کھجور، کھانا اور گھی اور دہی کا مرکب بنا کر حضور کی خدمت میں بیجا۔ حضور نے اس پر کچھ پڑھا جو کچھ اللہ کو منظور تھا۔ پھر حضرت دثن دثن آدمیوں کو بلاتے گئے۔ تین سو کے قریب آدمیوں کو کھلایا یا پھر حجھ سے کہا کہ لے انس! اپنا بادیہ اٹھالے۔ میں نے اٹھایا تو حیران ہو گیا کہ اب بھی اس میں کھانا اس سے زیادہ موجود تھا جتنا پہلے تھا۔“

اس حدیث سے بھی مروجہ فاتحہ کا ذرہ برابر تعلق نہیں۔ معجزات کے باب میں جو شخص حضور کی اُلٰہی سُلٰطی نقل کرتا ہے اسے صاحبِ علم تو کیا ہوسکتا بھی کہتا مشکل ہے۔

ایسے ہی ایک حدیث قبروں پر پھول وغیرہ چڑھانے کے سلسلہ میں بلور دلیل لائی جاتی ہے کہ حضور ایک مرتبہ کسی قبر سے گزر رہے تھے تو آپ نے کسی درخت کی ایک ٹہنی توڑ کر قبر پر پھیری یا گاڑ دی۔ جب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اس قبر کی میت پر عذاب ہو رہا تھا۔ یہ ٹہنی مردے کے لئے دعائے مغفرت کرے گی!

مجھے مستحضر نہیں کہ یہ روایت کس کتاب میں ہے۔ نہ لکھنے والے کوئی حوالہ دیا ہے۔ میں اس روایت کو جوں کا توں

صحیح مان کر بھی اہل عقل سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس سے کسی بھی پہلو قبور اولیاء پر پھول چڑھانے کا جواز نکلتا ہے۔ یہ روایت تو بتاتی ہے کہ حضور نے پھول نہیں ٹھنی چھپائی تھی۔ آپ ٹھنی کی بجائے پھولوں کی بات کرتے ہیں۔ حضور نے عذاب سے نجات دلانے کے لئے یہ عمل کیا تھا۔ آپ ان بزرگوں کی قبر پر بطور عقیدت و نیاز مندی پھول چڑھا رہے ہیں۔ جن کے متعلق آپ عذاب کا وہم بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ اور فرض کیجئے آپ اپنے عزیز و اقربا ہی کی قبروں پر ان کے عذاب کو ہلکا کرنے کے لئے پھول چڑھانے لگیں تو اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ آپ بھی خود کو رسول اللہ کی طرح مقبول بارگاہِ الہی سمجھتے ہیں۔ آپ بھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ آپ کے دست مبارک کے ڈالے ہوئے پھول عذاب کو ہلکا کر دیں گے۔ آپ کے نزدیک گویا میت کے عذاب کو ہلکا کرنے کی تاثیر دستِ رسول میں اور دعائے رسول میں نہیں تھی۔ بلکہ خود ٹھنی میں تھی۔ اور آپ ٹھنی نہ ملنے کی وجہ سے پھول چڑھا رہے ہیں۔ کہ پھولوں میں بھی عذاب کم کرنے کی خاصیت ہے! — اللہم حفظنا۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ سزاروں پر پھول چڑھانا۔ منتیں ماننا۔ چادریں چڑھانا۔ کھانوں پر فاتحہ پڑھنا سب عجیب تہذیب و تمدن کے انعامات ہیں۔ جنہیں آپ نے اپنے دین کے سناپنے میں ڈھال لیا ہے اور خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر آپ کو انعامِ آخرت دے گا۔ زہے خیرین خیالی!

اجتہاد کا ذکر چھڑا ہے تو ایک اور مفید بات بیان کر دوں۔ اہل برعت ویسے تو درمختار اور اس پہنچ کی دیگر کتب فقہ کے احکامات و روایات کو خاطر خواہ لائق اعتنا نہیں سمجھتے۔ مگر کوئی بات اپنے مطلب کی مل جائے تو انہی کتابوں سے حجت پکڑنے لگتے ہیں۔ مثلاً درمختار وغیرہ میں انھیں یہ روایت نظر آئی کہ حضرت علیؑ نے ایک شخص کو دیکھا کہ عید کی ناپ کے بعد عین عید گاہ میں نماز پڑھ رہا ہے۔ آپ نے اسے نہ روکا۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ آپ کیوں نہیں منع کرتے۔ حضرت علیؑ نے کہا مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں نہ شمار کر لیا جاؤں جنہیں اللہ تعالیٰ نے جہنم کا ہے۔ اس آیت الذی ینہی عبداً اذا صلیٰ رکباً دیکھتے ہوئے جو بندہ کو نماز سے روکتا ہے۔ اہل بدعت کے لئے یہ روایت تو وحی آسمانی بن گئی۔ اور عمل اور عبادت حجت ٹھہر گیا۔ لیکن انھیں اگر مجمع البحرین کی وہ عبارت دکھائی جائے جس سے حضرت علیؑ کا نقطہ نظر اور عقیدہ اس مذکورہ طریقہ عمل کے برعکس معلوم ہوتا ہے تو ہرگز نہ مانیں گے۔ عبارت دیکھئے۔

ان ماجلایوم العید ان اذان یصلیٰ قبل صلوٰۃ العید نسھاہ علیٰ فقال الرجل یا امیرا المؤمنین انی اعلم ان اللہ لا یجذب علی الصلوٰۃ فقال علی وانی اعلم ان اللہ لا یشبہ علی فعل حتی یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او بحث علیہ فیکون صلوٰۃ تک عبثاً وعبث حراماً۔

ایک شخص نے عید کے دن ارادہ کیا کہ نماز عید سے پہلے کچھ نماز پڑھے۔ اسے حضرت علیؑ نے روکا اس نے کہا یا امیر المؤمنین! میں جانتا ہوں کہ اللہ نماز پڑھنے پر عذاب نہیں دے گا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا اور میں جانتا ہوں کہ اللہ کسی ایسے فعل پر عذاب نہیں دیتا کہ جسے نہ تو رسول اللہ نے خود

کیا ہے نہ اس کا ایما فرمایا ہو۔ پس تیری نماز فعلِ عبث ہوگی۔ اور فعلِ عبث حرام ہے!

اہل بدعت کچھ کہیں لیکن طالبانِ حق ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ اعمال کے مستحقِ اجر و ثواب ہونے کے متعلق اس جلیل القدر صحابی کا کیا زاویہ نظر تھا۔ جس سے اہل طریقت تمام رشتہ ہائے ولایت جوڑتے ہیں اور جسے رسول اللہ نے باب العلم کہا ہے

اور جس کا زہد و اتقا مشہور زمانہ ہے۔ ہم بدعت کے مردود اور ناقابلِ اجر ہونے پر متعدد صفحات میں جو بات سلیقہ سے نہ کہہ سکے اسے امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب نے چند لفظوں میں کس قدر سلیقہ، صفائی اور قطعیت کے ساتھ بیان فرمادیا۔ کرم اللہ وجہہ!

قرآن میں ایک دو جگہ نہیں بہت آیتوں میں خدا کے سوا کسی کو "اربا بامن دون اللہ" بنانے پر تنبیہ اور وعید آئی ہے۔ پیرایہ بدل بدل کر اللہ کے مترک سے منع فرمایا ہے۔

مَثَلًا: - وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مَنَّ الظَّالِمِينَ ۝ (سورہ یونس)

اور مت پکارو! اللہ کے سوا کسی کو کہ نہ کوئی تجھے نفع دے سکتا ہے نہ نقصان پس اگر تُو نے پکارا تو یقیناً تو ظالموں میں سے ہے!

یَا مَثَلًا: - قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ نَزَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ (سورہ سبأ)

کہہ دے اے محمد بھلا پکارو تو اللہ کے سوا ان کو جن کے بلے میں تمہیں خوش فہمیاں ہیں۔ نہیں قدرت ہے انھیں آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر۔

اب اگر اس طرح کی آیتیں سنا کر اہل بدعت سے گزارش کی جاتی ہے کہ مرحوم یا زندہ بزرگوں سے دعا کرنا ظلم و ترک ہے، اس سے باز آئیے۔ یہ لاجہا صل ہی نہیں دوزخ میں پہنچانے والا فعل ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں تو ان کے لئے نازل ہوئی ہیں جو بتوں کو پوجتے تھے، کافر تھے، مشرک تھے، ہم نعوذ باللہ بتوں کو کہاں پوجتے ہیں۔ اس کے جواب میں اگر کہا جائے کہ آیات میں آخر بتوں کا ذکر کہاں ہے وہاں تو من دون اللہ فرمایا گیا ہے۔ یعنی اللہ کے سوا۔ تو کیا اللہ کے سوا صرف بت ہیں۔ مرحوم یا زندہ بزرگ اللہ میں داخل ہیں (نعوذ باللہ) وہ کہتے ہیں ہم پوجتے کب ہیں۔ گویا ان کے نزدیک پوجنا بس یہ ہے کہ ان کے آگے سجدہ کیا جائے، ان کی ناز پر ٹھی جلائے۔ حالانکہ میں آپ کو قول رسول ہی سے بتاؤں کہ پوجنا صرف یہی نہیں ہے بلکہ پوجنا یہ بھی ہے کہ جس چیز کو آپ کے بزرگ حلال یا حرام کہیں اُسے آپ قرآن و سنت کی طرف سے آنکھیں بند کر کے حلال یا حرام مان لیں۔ دیکھئے قرآن میں آتا ہے:-

اتَّخَذُوا حِبَارَتَهُمْ وَرُؤَسَاءَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمِنْهُمْ أُولُو الْأَرْحَامِ وَالْأَوْلَادُ وَالْأَقْرَابُ وَمَنْ يَبْتَغِ الْوَعْدَ مِنَ اللَّهِ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ يَتَّبِعْ آيَاتِ اللَّهِ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَكْبَرُ مِنْ مَا يَدْعُونَ بِهِمُ الْغَايِبَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْبَاطِلِينَ ۝

انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور فقراء کو اور مسیح ابن مریم کو خدا ٹھہرا لیا ہے۔ حالانکہ انھیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ ایک ہی خدا کی عبادت کریں۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پاک ہے ان کے شرک سے!

حضرت عدی بن حاتم جو ایک عیسائی تھے اور بعد میں ایمان لائے۔ انہوں نے جب یہ آیت سنی تو رسول اللہ سے عرض کیا کہ اہل کتاب نے اپنے علماء اور رویشیوں کی عبادت تو کبھی نہیں کی۔ حضور نے جواب دیا عبادت تو نہیں کی۔ مگر ان علماء و فقراء نے بعض حرام چیزوں کو حلال کر دیا اور اہل کتاب نے ان کی بات مان لی۔ اسی طرح انہوں نے بعض

حلال چیزوں کو حرام کر دیا اور اہل کتاب نے اسے قبول کر لیا۔

کیا یہ روایت صراحتاً نہیں بتاتی کہ "ارباباً من دون اللہ" بنانے کا مطلب صرف پوجنا نہیں بلکہ حرام و حلال کے معاملہ میں خدا کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر کسی کی بات کو حق اور قابل تسلیم سمجھنا بھی پو۔ جنے ہی میں داخل ہے۔ عقل کا واضح تقاضا بھی یہی ہے کہ جب حلت و حرمت کا مکمل اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے تو جسے بھی اس اختیار کا حامل سمجھ لیا جائے وہ اس سمجھنے والے کے نزدیک گویا خدا ہی ہوگا۔ چاہے وہ الفاظ کی حد تک اسے خدا نہ مانتا ہو۔ آج آپ عام طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ لوگ اپنے مشیوخ اور مرشدین کی ہر بات کو بلا چون و چرا حق مان لیتے ہیں۔ خواہ قرآن و سنت کے صریح خلاف ہو۔ پیر تو الیٰٰ منسے، طلبہ، ارمونیم بجانے اور عرس کرنے کو تو لا اور عملاً کا رخیہ کھڑے گا۔ اور مریدین آنا و صدقنا کہہ دیں گے۔ حالانکہ یہ چیزیں قرآن و سنت سے حرام ثابت ہوتی ہیں۔ اسی طرح وہ نذر و نیاز، ٹوٹکا ٹوٹنا سکھائیگا۔ باطل عقائد کا سبق دے گا، یہ مان لیں گے۔ زبان ہی سے نہیں دل سے۔ کوئی لاکھ انجین سمجھائے، آیات و احادیث سنائے، ائمہ و فقہاء کے ارشادات پیش کرے۔ مگر تو بہ، یہ سب کو اس دلیل سے ٹھکرادیں گے کہ ہمارے اتنے بڑے پیر بھلا کیسے گناہ کا کام کر سکتے ہیں؟ یہ "ارباباً من دون اللہ" بنالینا نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ شرک نہیں تو شرک کس چڑیا کا نام ہے۔ یہ گمراہی نہیں تو گمراہی کسے کہتے ہیں؟

حق فرمایا صادق و مصدوق فداہ امی و ابی لے د۔

اِنَّ لِقَلْبِ ابْنِ آدَمَ لِكَلِّ وَ اِدِّ شَعْبَةً فَمَنْ اتَّبَعَ قَلْبَهُ الشَّعْبُ كَلَّهَا لَمْ يَبَالِ اللّٰهُ
بَاتِي وَ اِدِّ اَهْلِكَ وَ مَنْ تَوَكَّلَ عَلٰى اللّٰهِ كَفَا تَمَّ الشَّعْبُ - (مشکوٰۃ)

یعنی آدمی کے دل کی ہر سمت راہ ہے۔ پس جو شخص اپنے دل کو سب راہوں پر چلاتا ہے تو اللہ کو اس کی کچھ پروا نہیں ہوتی۔ جس راہ میں چاہے ہلاک کرے اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس کے لئے سب راہوں کی کفایت کرنے والا ہے۔

یعنی دنیا میں فکر و نظر اور حرکت و عمل کی بے شمار راہیں ہیں۔ خواہ اہمیت کی تکمیل کے گونا گوں وسائل ہیں۔ مطلب برکاری اور حصول مقصد کے ان گنت اسباب و ذرائع ہیں۔ آدمی اگر ہوائے نفس اور عقل کے تابع ہو کر ہر طرف دوڑے، ہر قسم کے وسیلے اختیار کرے، ہر طریقہ کو حصول مقصد کے کام میں لائے۔ حلال و حرام، درست و نادرست اور ثواب و عذاب کی کچھ پروا نہ کرے، تو اللہ بھی اس سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اور گمراہی اُسے آگھیرتی ہے۔ پھر وہ راہ گمراہی پر ہی جہاں تہاں برباد و ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ مناسب و جائز حد تک جد و جہد کرتے ہوئے اللہ پر بھروسہ رکھے، اس سے امید باندھے اور اس کی طرف رجوع ہو تو اللہ یہ آسانی اُسے کامیاب کر دیتا ہے اور وہ رنگ برنگی راہوں میں ٹھوکریں کھانے سے بچ جاتا ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر قبروں اور پیروں سے امید کا رسا زمی رکھنے والوں کا حال یہ ہے کہ مرادیں حاصل کرنے کے لئے وہ جائز و ناجائز کی ذرا پروا نہیں کرتے اور جس قبر کے بارے میں شہرت سن لی کہ وہاں مرادیں ملتی ہیں، پس اسی کی طرف دوڑے۔ خدا کے ذوالجلال مومنین کا حال یہ بتلاتا ہے کہ:-

اِنَّمَا يَوَدُّ مِنَ الْاٰيَاتِ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرُوا بِهَا حَرُّوا سُجَّدًا اَوْ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (سجہ ۱۱)

ہماری آیات پر ایمان وہ لاتے ہیں جنہیں اگر سمجھایا جائے اور ہماری آیات یا عدلانی جائیں تو سجدے میں گر پڑیں اور اپنے لائق تعریف رب کو یاد کرنے لگیں!

لیکن بدعت پسند حضرات — خواہ وہ کسی ملک، کسی شہر، کسی قریہ کے ہوں، خواہ میرے ہی شہر کے ہوں، خواہ پردہ دار ہوں یا فاحش، خواہ صوفیت کے جامہ میں ہوں یا علم و تہمتہ کے لباس میں — اُن کا حال یہ ہے کہ آیاتِ الہیٰ من کرب العزت کے جلال و کبریائی کے احساس سے اثر پذیر اور متاثر ہوتا تو کجا وہ بر ملا اپنے پیروں، مرشدوں اور بزرگوں کی "آیات" مقابلہ میں لاتے ہیں اور زبانِ دعل و زور سے اُن کا یہ اعتقاد مترشح ہوتا ہے کہ اللہ کی آیات ہمارے فلک رسا بزرگوں کی "آیات" سے کچھ زیادہ ضروری نہیں ہیں!

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ آيَاتِ النَّاسِ رُوم ۲
آدمیوں کی اپنی کارگزاریوں اور کرتوتوں سے خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا!

جی بے اختیار چند اور آیات قرآنیہ نقل کرنے کو چاہتا ہے:-

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَل نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَتِ الشَّيَاطِينُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ - (سورہ لقمان)

اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے باب میں جھگڑتے ہیں۔ حالانکہ نہ اُن کے پاس علم ہے نہ ہدایت نہ کتابِ روشن۔ اور جب اُن سے کہا جائے کہ جو کچھ اللہ نے نازل فرمایا ہے اُسے مانو تو کہہ دیتے ہیں۔ نہیں ہم تو وہی مانیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو جھے ہوئے پایا ہے۔ بھلا اور اگر شیطان انہیں دوزخ کے عذاب کی طرف بلارہا ہو پھر بھی!

اسی سورہ میں ذرا آگے ہے:-

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةَ
أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۵

اگر روئے زمین کے تمام درختوں کو قلم اور سمندر کو روشنائی بنا لیا جائے اور سات سمندر اور بھی روشنائی کے طور پر موجود ہوں، نہیں تمام ہو سکتیں اللہ کی باتیں۔ بے شبہ اللہ ہے بڑی قوت والا۔ زبردست حکمت والا!

ذوالجلال والاکرام - اللَّهُمَّ لَا أَحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا اثْنَيْتَ عَلَيَّ نَفْسِيكَ - اللَّهُمَّ لَكَ الْمُلْكُ
وَلَكَ الْحَمْدُ - اللَّهُمَّ حَفِظْنَا مِنْ كُلِّ بَلَاءٍ وَمِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ
النَّاسِ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ -

یہ آیات قرآنیہ زبیب سخن کے لئے نہیں اس غرض سے نقل کی گئی ہیں کہ برادرانِ اسلام ان پر خلوص نیت سے غور کریں۔ جو لوگ کار سازی و عطا کے لئے نعوذ باللہ اللہ رب العزت کو ناکافی سمجھ کر مردہ یا زندہ بزرگوں کو پکارتے ہیں۔ قبروں اور استخوانوں سے اُس رگارتے ہیں۔ لڑائیوں، گندوں اور نجوم و سحر کے چکر میں پھرتے ہیں۔ کیا انہیں اللہ قدیر و توانا کی اُن لامتناہی قوتوں کا شعور و یقین ہو سکتا ہے۔ جن کو اگر لکھا جائے تو تمام ردے زمین کے درخت قلم بن کر سات سمندروں کی روشنائی سے انہیں نورا نہیں لکھ سکتے۔ یہ حضرات تو یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ نے یہ باتیں حاکمِ بدہن محض تفریحاً فرمادی ہیں اور بندوں کیلئے

ان میں کوئی سبق، کوئی نصیحت، کوئی تعلیم نہیں!

غلو کا جنوں | توحید حقیقی کی حقیقت و لذت سے بے خیر اور اسلام کی روح سے ناواقف لوگ کسی طرح ان حدود میں رہنا گوارا نہیں کرتے جو اللہ نے اپنے رسول کے واسطے سے صریح و جلی طور پر متعین فرمادی ہیں۔ وہ صالحین و اتقیا

کو انسانیت کے مراتب و خصوصیات سے بڑھا کر الوہی صفات سے متصف کرتے ہیں اور جب صالحین کے ساتھ یہ معاملہ ہر تو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سب کے سردار اور افضل البشر ہیں۔ انہیں تو یہ حضرات بالکل خدا ہی بنا ڈالتے ہیں۔ سراپا الوہی عقیدے، کھلم کھلا مشرکانہ عقائد، لغو و مکروہ واسطے۔ مہتد عین کی کتابیں دیکھے اور صوفیوں کی محفلوں کے اشعار ملاحظہ کیجئے اور عرس و توالی کی فقہیں سنئے۔ کیا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو بڑھایا ہوگا جو مہتد عین نے رسول اللہ کو بڑھایا۔ اور لطف یہ کہ یہ بڑھانا اور غلو کرنا اس مقصد سے نہیں کہ حضور کی پیروی اور فرمانبرداری میں بھی شدت و غلو کیا جائے۔ بلکہ عمل میں تو یہ حضرات اکثر و بیشتر منساہل اور تارک ملیں گے۔ غلو اور افراط صرف ہوائے نفس کے تحت کرتے ہیں۔ لذت سخن اور گری گفتار کے لئے کرتے ہیں۔ دل پسند افعال کے جواز کے لئے کرتے ہیں۔ رسول اللہ ان کے نزدیک عالم الغیب بھی تھے۔ قادر بالذات بھی تھے۔ حاضر و ناظر بھی تھے۔ بلکہ آج بھی یہ سب کچھ ہیں۔ سبحانہ تعالیٰ عما یشرکون۔ ان کے گونا گوں مشرکانہ عفت و تقصیل میں جاننے کے بجائے آئیے چند نصوص میں آپ کو دکھاؤں؟

سب سے پہلے کلمہ شہادت ہی کو دیکھئے کہ جس پر مدار ایمان ہے:-

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہی ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بند اور رسول ہیں۔

اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت عبد کو یعنی بندہ ہونے کو پہلے بیان کیا گیا، رسول ہونے کو بعد میں۔ گویا ہر مسلمان رسول اللہ کی عظمت و فضیلت جاننے سے پہلے یہ حقیقت اچھی طرح سے سمجھ لے کہ محمد صرف ایک بندہ ہی ہیں۔ اللہ کے عبد۔ الوہی قوت و عظمت میں ان کی کوئی شرکت نہیں۔

پھر قرآن میں متعدد بار صراحت و وضاحت کی انتہائی ممکنہ حدود تک حضور کی عبدیت و بشریت کو بیان کیا گیا:-

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنَّمَا أَنَا كَمَا كُنتُمْ وَاحِدٌ رَّكِبٌ
کہہ دے (اے محمد) میں تو ایک بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمہیں بتاؤں
تمہارا معبود خدا ہے واحد ہے۔

یہی تنبیہ و توثیق سورہ فصلت میں کی گئی۔ سورہ آل عمران میں فرمایا:-

مَا كَانَتْ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ
كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ!

یہ انہنی بات ہے کہ ایک بشر کو اللہ کتاب اور قوت فیصلہ اور نبوت دے پھر یہ بشر لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے اللہ کے سوا۔

گویا پہلی ایک قاعدہ کلیہ بیان کر دیا گیا کہ جس کے بعد کسی بھی نبی کے لئے مافوق البشر سمجھے جانے کی گنجائش ہی نہیں۔ اور

سورہ نبرا، عیم میں جملہ انبیاء کے سابق کے قول کو بھی اسی حقیقت کی وضاحت کے لئے بیان فرمایا گیا:-

قَالَتْ لَهُمْ مَسْئَلُهُمْ إِنْ مَخَّنَ بِأَذْبَشْرٍ صَدَّائِكُمْ وَنَكْرًا اللَّهُ يَمُنُّ عَلَى مَنْ يَشَاءُ
مِنْ عِبَادِهِ -

رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم تو صرف بشر ہیں تمہاری طرح، ہاں اللہ اپنے جس بندے پر
چاہے احسان فرماتا ہے (یعنی اللہ نے احسان فرما کر ہمیں نبوت عطا کی)۔

آخر ان آیات سے زیادہ صریح اور کن الفاظ میں اللہ تعالیٰ یہ بتاتا کہ ہر نبی اور رسول فقط بشر ہوتا ہے۔ مافوق البشر
اس میں کوئی قوت نہیں ہوتی۔ اور جو معجزہ اس سے ظہور میں آتا ہے وہ اللہ ہی کی عطا اور احسان ہے نہ کہ بجائے خود ہر نبی کے اقتدار
و قوت کی دلیل۔ کن واضح اور بے ریب لفظوں میں اللہ ہی سے کہہواتا ہے:-

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ
لَا سَتَكُنْتُ مِنَ الْخَائِرِ وَمَا سَخَّرَ اللَّهُ لَنَا إِلَّا مَا نَزَّلْنَا إِلَّا بِنُورٍ يُوقِنُ يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَعْرَافُ
(اے محمد) کہہ دے میں اپنی جان کے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں لیکن جو کچھ اللہ چاہے
اور اگر میں غیب کا حال جانتا تو بہت کچھ ٹھہلا سکتا تھا حاصل کر لیتا اور مجھے برائی کبھی نہ
پہنچتی۔ میں تو بس ڈرانے والا ہوں اور خوشخبری دینے والا ہوں۔ ایسا نثار لوگوں کو۔

بعینہ یہی شروع کے الفاظ سورہ یونس میں وارد ہوئے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں پہلے ضرر ہے اور پھر نفع۔
سورہ جن میں فرمایا گیا:-

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ه قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَ
لَا نَفْعًا -

کہہ دے میں تو ہی اپنے رب کو پکارتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں کرتا۔ کہہ دے
میرے قبضہ میں نہیں تمہارا نقصان اور تمہیں راہ پر لانا۔
یہ تو چند آیات قرآنیہ ہوں۔ ذرا خود ارشادات رسول کو بھی دیکھئے۔ نسائی میں حضرت انس کی روایت ہے کہ:-
”کچھ لوگ رسول اللہ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ اے رسول اللہ! اے وہ کہ ہم میں سے
بہتر اور سب سے بہتر کے بیٹے ہو! اور سوار اور سردار کے بیٹے ہو.....!“
بات پوری ہونے سے پہلے ہی حضور نے قطع کلام کرتے ہوئے فرمایا:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا بَقَوْلِكُمْ وَلَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمْ الشَّيْطَانُ إِنَّمَا عَمَلٌ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ
مَا حَبَّبَ أَنْ تَرْفَعُوهُ نَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي أَنْزَلَنِي اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ -

اے لوگو اپنی معمولی باتیں کرو اور تمہیں شیطان بہکا نہ دے۔ میں محمد ہوں اللہ کا بندہ اور
اس کا رسول مجھے یہ پسند نہیں کہ تم لوگ مجھے اس درجہ سے بڑھا دو جو درجہ اللہ نے مجھے دیا!

دیکھ لیجئے۔ کہنے والوں نے کوئی خلاف واقعہ بات نہیں کہی تھی۔ کوئی شرک نہیں کیا تھا۔ لیکن حضور نے اس سے بھی روکا
اسے بھی شیطان کی دراندازی خیال فرمایا کیونکہ کپ جلتے تھے کہ غلو پسندی آدمی کو کہاں تک لے جاتی ہے اور بے قیود بے عمل تصدیق
پڑھنے والا مزاج و ذہن کی کس افراط و تفریط میں مبتلا ہو جاتا ہے!

بخاری و مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
لا تطردنی کما اطرت النصارى بن مریم انما عبدت فقولوا عبدوا اللہ ورسولہ
دیکھو مجھے حد سے نہ بڑھانا جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو حد سے بڑھا دیا۔ میں صرف
اللہ کا بندہ ہوں لہذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

مشکوٰۃ میں بخاری سے ایک حدیث منقول ہے کہ :-

”کچھ چھوکر یاں حضور کے سامنے آپس میں کہنے لگیں کہ ہمارے بڑے بڑے بد میں مارے گئے
ایک چھوکر نے کہا ہم میں ایک ایسا نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔“ اس پر رسول اللہ نے فرمایا :-
دعی ہذا وقولی باللذی کنت تقولین!

یہ بات چھوڑو بلکہ وہی باتیں کرو جو تم پہلے کر رہی تھیں۔

یعنی اور باتیں کہنے سے جاویں ”کل کی بات جانتے“ والا کلام چھوڑو۔ حالانکہ ہو سکتا تھا ان چھوکر یوں نے یہ
جملہں مضموم میں بولا ہو کہ نبی چونکہ مرنے کے بعد کا حال بتا رہے ہیں اس لئے گویا وہ آئندہ کی بات بتا رہے ہیں۔ لیکن چونکہ ان
کے الفاظ علم غیب کے موہم تھے اس لئے حضور نے روک دیا۔
اور دیکھئے۔ مشکوٰۃ ہی میں بخاری سے نقل کیا ہے :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ کا ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اللہ کی میں اللہ کا رسول ہونے کے باوجود نہیں جانتا
کہ میرے ساتھ اللہ کا کیا معاملہ ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا۔

حدیث اس وضاحت و تصریح کی کوئی ؟ ممکن رہا مومن کے لئے رسول اللہ کو عالم غیب یا حاضر و ناظر یا اور کسی
حیثیت میں مافوق البشر ماننا ؟

قال اللہ تعلق وعندها ما تخرج الغیب لا یعلمہا الا هو۔ (الانعام)

اللہ نے فرمایا کہ اسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی، نہیں جانتا انھیں کوئی بھی اس کے سوا۔

یہ تو چند آیات و احادیث ہیں۔ قرآن و احادیث دونوں ہی سے ناقابل انکار طور پر معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ نہ
عالم غیب تھے نہ خدا کی طرح حاضر و ناظر۔ نہ معجزات میں آپ کی ذاتی قدرت کو دخل تھا۔ نہ آپ اپنے طور پر کسی کو ہدایت نصیب
کرتے یا نفع و نقصان پہنچانے یا بخشے پر قادر تھے۔ سب کچھ اللہ کی طرف سے تھا۔ اور جو شخص انھیں عالم غیب کہتا ہے۔ وہ
بقول حضرت عائشہ صدیقہ بڑا بھاری بہتان باندھتا ہے (بخاری)۔ حدیث کی سب سے مستند اور مقبول کتابیں بخاری
اور مسلم انکا کر دیکھئے۔ ملیگا کہ آنحضرتؐ انساؤں کی ماج کبھی بھولتے بھی تھے۔ بعض خبروں کے منتظر بھی رہتے تھے۔ اصحاب سے
مشورہ بھی کرتے تھے۔ دنیاوی امور میں آپ کے خیال کا کبھی کبھار وہ نتیجہ نہیں نکلا جو حضورؐ سمجھتے تھے۔ جس پر آپ نے فرمایا۔
”انتم اعمون باموری نیا کم!“

مبتدعین کی جسارت کی انتہا ہے کہ صریح آیات و احادیث پر تو توجہ نہیں کرتے اور دوردراز باتیں ڈھونڈ کر لاتے
ہیں۔ مثلاً وہ روایت انھیں نظر پڑ گئی جس میں حضورؐ نے ایک مٹھی کہا کہ لست کا حد کہہ فرمایا ہے۔ یعنی تم میں سے

کون میری مانند ہے۔ میں تم جیسا نہیں ہوں۔ بس پھر کیا تھا، ساری آیات قرآنیہ اور احادیث صریحہ و صحیحہ پس پشت ڈال دی گئیں اور کہا گیا کہ دیکھا حضور خود فرما رہے ہیں کہ میں تم جیسا نہیں۔ اور اس تم جیسا نہ ہونے کا "مطلب ان کی نگاہ میں یہ ہوا کہ اب جتنی چاہے صفات الوہیہ اور ما فوق البشر قدرتیں حضور کے لئے فرض کرتے چلے جائیں۔ اگر عرض کیا جائے کہ اس کا یہ مشترک نہ مطلب نہیں ہے بلکہ آنحضرت کا فضیلتِ آخری کے علاوہ تو اسے الہامیہ میں نسبتاً ممتاز ہونا سب پر ظاہر و باہر ہے، اسی امتیاز و فرق کی طرف حضور نے ارشاد فرمایا ہے اور خدا کے رسولِ خاص ہونے کی بنا پر ان کے ساتھ اللہ کا معاملہ سب سے جداگانہ ہونا بھی چاہیے۔ تب یہ کہیں گے کہ نہیں صاحب آپ غلط کہتے ہیں!

خیر ہماری بات چھوڑیے۔ آیت قرآنی دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ احزاب میں اہمات المؤمنین سے خطاب فرماتے ہیں:-

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ -

اے نبی کی عورتو! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

اگر آنحضرت کے "لست باحد احد" کا مطلب یہی ہے کہ حضور کے لئے اب ہر فوق البشر قوت و قدرت کے اثبات کا دروازہ کھل گیا تو اہمات المؤمنین، ازواجِ مطہرات کے لئے بھی اس کا دروازہ کھول دیجئے۔ ان کو بھی عالم الغیب اور حاضر و ناظر مینے۔ وہ تو حدیث ہی تھی یہ قرآن ہے۔ (و نعوذ باللہ من ذالک) میں ابھی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن وقت کی کمی اور طوالت کے خوف سے رک جاتا ہوں۔ تاہم جو کچھ میں نے کہا ہے۔ وہی اتنا کافی ہے کہ اگر اس پر خلوص اور دیانت سے توجہ کی جائے تو کتنی ہی برائیوں اور غلط عقیدہ تگیوں سے بچا جا سکتی ہے۔ اچھ کم حیثیت اور بے بضاعت کی نہیں اس آمر مطلق اور حاکم حقیقی اور مالک و خالق کی سُنئے جو فرماتا ہے کہ:-

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَدِيمِ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمَ لَا صَدْرَ لَهُ مِنَ اللَّهِ - (روم)

سیدنا رکھ اپنا منہ سیدھی راہ پر۔ اس سے پہلے کہ وہ دن اپنے جسے ملنا اللہ کی طرف سے مقرر نہیں ہے۔

نام ناک؟ کا قول ہے کہ اس وقت کا آغاز جس چیز سے سنورا ہے اسی سے اس کا آخر بھی سنورے گا۔ آج کے ہمہ گیر بگاڑ کو سنوارنا ہے تو اپنے اپنے گروہی معتقدات اور عصبیتوں کو چھوڑ کر قرآن مبارک کی طرح قرآن و سنت کی طرف آئیے اور قرآن و سنت ہی کو عقیدہ و عمل کا منہ بنائیے!

بدعتِ عظیمہ نقصانات

آپ اسلام کی تاریخ پر غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کو اگرچہ غیر مسلم قوموں سے بار بار عظیم نقصان پہنچا ہے لیکن خود "اسلام" کو ان سے ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچا۔ یہ حقیقت ہے آپ اس وقت ٹھیک طرح سمجھیں گے جب غلط خیال اپنے دماغ سے نکال دیں کہ اسلام اور مسلمان ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ یا یہ الگ ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے نایندے اور ترجمان ہیں۔ اس غلط خیال کو ہر انتہا تو کوئی بھی کھجدار ظاہر نہیں کر سکتا۔ لیکن عملاً دیکھا جا رہا ہے کہ مدت سے عوام میں ان دونوں کے مقام و منصب اور حقیقی فرق کا صحیح شعور نہیں ہے اور بعض پڑھے لکھے تک اپنی تحریروں میں ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں کہ گویا اسلام قرآن و سنت اور باطن و قیاس تک محدود نہیں ہے، بلکہ بعض اولیاء اور اقیانوں کے ذاتی رجحانات و عادات بھی اس کا جزو لازم ہے۔ یا یہ کہ کوئی عابد و زاہد شخص اگر بعض اعمال کر گیا ہے تو ان اعمال کو قرآن و سنت پر پیش کے بغیر بھی اسلام کی توجہ جانی اور نماندگی

کے لئے پیش کیا جا سکتا ہے۔ یا اگر کسی مسلمان بادشاہ نے کچھ اسلامی قوانین رائج کئے تو اس کے تمام ہی رائج کردہ قوانین اور طریقوں کو قرآن و سنت کی مطابقت کے بغیر اسلامی کہا جا سکتا ہے۔ اس غلط خیال کو عام کرنے میں اس سیاسی اصطلاح کو بھی دخل ہے جو مسلمانوں کی ہر سلطنت کو "اسلامی سلطنت" کہہ دینے کی شکل میں رائج ہوئی۔ بہر حال یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اسلام الگ چیز ہے اور مسلمان الگ۔ اسلام ایک نظام حیات اور دستور زندگی ہے جو قرآن و حدیث اور اس سے مستنبط کی ہوئی مستند کتابوں میں تحریر ہے اور مسلمان وہ ہے جن نے اس نظام و دستور پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ مدعی اگر اس ایمان کے عملی تقاضے پورا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے اور جو امور اس دستور میں جرم و گناہ کے خانہ میں درج ہیں۔ انہیں اختیار کر لیتا ہے تو یہ قصور خود اس کا ہے اور محض اس بنیاد پر کہ وہ اسلام قبول کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اس کے جرم و گناہ کو نیکی اور بھلائی کے خانہ میں نہیں لکھا جائے گا۔

یہ سیدھی سی بات سمجھ لینے کے بعد یہ جاننا بالکل آسان ہے کہ اہل کفر نے مختلف زمانوں میں مسلمانوں پر جو تاخت کی اور ان کی سلطنتیں چھینیں اور جان و مال برباد کیا اور ان پر طرح طرح کے ظلم توڑے تو بے شک وہ مسلمانوں کا نقصان تھا۔ لیکن نفس اسلام پر اس کی زد نہیں پڑی۔ نفس اسلام کا نقصان تو یہ تھا کہ اہل کفر اس کے اصولوں یا جزئیات و فروعات میں کچھ غیر اسلامی نظریات و فروعات اس طرح جملہ ملط کر دیتے کہ انہیں اسلامی دستور سے الگ ہی نہ کیا جا سکتا۔ اور جس طرح دیگر اہل کتاب کے دین غلط و صحیح کا ایسا جوہر بن گئے کہ ان کی ترویج ممکن ہی نہیں رہی ایسا ہی یا اس سے کچھ کم حال اسلام کا بھی ہو جاتا۔ لیکن اہل کفر ایسی کوئی خرابی پیدا نہ کر سکے۔ اور اس کی وجہ جہاں یہ تھی کہ اسلامی مزاج براہ راست اہل کفر سے کوئی نظریہ و اصول قبول کرنے کو تیار نہ تھا وہیں یہ بھی تھی کہ اسلامی ماہرین و مجاہدین نے دستور اصلاہی کی تدوین اور منتظر کے انتہائی مضبوط اور محکم طریقے اختیار فرمانے تھے کہ کسی غیر مسلم قوم کے لئے ان میں رخنہ اندازی اور فساد انگیزی ممکن ہی نہ تھی۔

اہل نقصان اگر اسلام کو پہنچا ہے تو یا تو ان مسلمانوں سے جنہوں نے میدان تکلم کی شہسواروں کے شوق میں علمی فلسفے، طرز فکر، رجحان و مزاج، اسٹائل آئیڈیالوجی اور افراط و غلو کو اسلام میں لاگے لگایا۔ یہ حضرات چونکہ نہ صرف مسلمان تھے بلکہ بہت سے ان میں عبادت گزار اور عالم اور صاحبِ جبہ و دستار بھی تھے اور حق یہ ہے کہ ان کی تنکمانہ زور آزمائیوں سے اسلام کو کتنے ہی محاذوں پر تباہی پہنچا اور مسلمان ان کی وجہ سے باطن پرستوں کے مقابل میں سرخرو و بھی ہوئے۔ لیکن ساتھ ہی کچھ غیر اسلامی نظریات اور نکات اور طریقے ان کے ذریعہ اسلام میں اس طرح گھس آئے کہ وہ کثیر مسلمانوں کی نگاہ میں اسلامی ہی ٹھہرے اور ان کے اثرات دین کی جڑوں میں پھیلنے چلے گئے۔

باپردین خالص کو نقصان ان لوگوں سے پہنچا ہے جو علم و عمل کے اعتبار سے خالص اچھے تھے۔ مگر انہوں نے اپنے مزاج اور اشتہادِ طبع اور علمی اعتبار سے ناقص رجحان کے تحت کچھ نئی عبادتیں رکھ لیں۔ کچھ نئے طریقے رائج بنائے۔ کچھ نئے معمولات بشکل دین اختیار کئے۔ یہ لوگ چونکہ عملاً نیکو کار اور عابد و زاہد تھے۔ اس لئے عوام نے ان کی نکالی ہوئی بدعتوں کو دین سمجھ کر قبول کر لیا اور بہت سے ان خواص نے بھی انہیں قبول کیا جو یا تو قرآن و سنت کا گہرا علم نہ رکھتے تھے۔ یا ان حضرات سے خصوصی عقیدت ان کے دل میں تھی۔ بہر حال بدعتیں چلیں اور جیسا کہ نفسیات کا تقاضا ہے لوگوں نے ان میں سے نئے نئے سوت اور گرتے اور گرتے نئے نکالے۔ بدعت جو اسلام کا نگاہ میں قانون شکنی اور

بغاوت کے انداز کی تھے ہے اپنا مزاج بھی جبروں ہی جیسا رکھتی ہے۔ ایک جرم کرنے کے بعد دوسرا جرم بھی نسبتاً آسانی سے اور تیسرا پورا ڈھٹائی سے کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک بدعت اختیار کرنے کے بعد دوسری اور تیسری اور چوتھی کی طرف پیش قدمی کرنا عوام اور بعض خواص کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ شیطان کی شیعہ گری ایک طرف ہے عملی بلکہ بد عملی کے قبیح اثرات دوسری طرف۔ کم علمی مستزاد اور غبی ماحول و تمدن کے عوامل نور علی نور۔ نتیجہ وہی ہوا ہے آج سب کے سامنے ہے۔ مسلمانوں نے اسلام ہی کے نام پر گمراہی کو سینوں سے لگایا۔ اندھیرے کو اجالا سمجھا، سانپ کو مچھلی جانا۔

اصل یہ ہے کہ جن محکمین کا میں نے اشارۃً ذکر کیا۔ ان کا پہنچایا ہوا نقصان نسبتاً کم اور مبتدعین کا اس سے بہت زیادہ تھا۔ بلکہ گہرائی میں جاییے تو متکلمین کے غیر اسلامی نظریات و مباحث بھی بدعت ہی کی قسم سے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان کیساتھ ”علمی“ کا لفظ بڑھا دیکئے۔ یعنی ”بدعت علمی“۔ حاصل یہ کہ بدعت علمی کے علمبرداروں کا نقصان تو پھیلاؤ میں کم رہا۔ کیونکہ دقیق اور عالمانہ مسائل سے اس کا تعلق تھا اور علماء کے طبقہ میں ایسے لوگوں کا نقصان نہ تھا جو تجزیہ و تنقید کے ذریعہ غلط اور صحیح، اسلامی اور غیر اسلامی کو الگ الگ کر کے نہ دکھا سکیں۔ لیکن مبتدعین کا نقصان چڑھتے ہوئے دریا کی طرح پھیلا۔ کیونکہ عوام بیٹریچال کے عادی ہوتے ہیں اور عقیدت دینا زندگی ان کے معمولی شعور و فہم پر پوری طرح چھا جاتی ہے۔ جس کے بعد دلیل اور علم کی قوت بہت مشکل سے بہت دیر میں ان پر کارگر ہوتی ہے!

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ علماء بدعت کی کثرت اور بدعت کی تعلیم دینے والی کتابوں کی اشاعت نے اسلامی قوانین میں اس طرح بدعت کو آئینہ کر دیا کہ صحیح اور غلط کا جدا کرنا محال ہو گیا۔ یہ اس لئے نہیں ہوا کہ قرآن و حدیث کو مسخ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ اور سلف صالحین نے علم و فن اور اجتہاد و تفسیر کا جو آئینہ خلف کو دیا ہے وہ بے غبار اور بہت مضبوط تھا۔ مگر اس آئینہ سے فائدہ اٹھانا اور قرآن و سنت کو معیار و مستدل بنانا گئے چنے خواص ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ باقی امت بدعت کا ہدف بن گئی۔ جنہیں دین کی کچھ فہم تھی وہ کم بگڑے جو نا فہم تھے وہ زیادہ بگڑ گئے۔ اس بگاڑ کا ایک نقصان عظیم تو یہ ہوا کہ اسلام کی تحریک اور دعوت اقامت دین انبیاء و صحابہ کی راہ عزیمت پر چلنے کے بجائے ان غلط راہوں پر مڑ گئی جن میں رہبانیت تعسف، اور لاعاصل شور و غوغا اور بے روح دعوت رسوم و رواج کی بہتات ہے۔ بدعتوں نے سنتوں کو نکل دیا۔ ریلے نے احسن کو کھایا۔ دین میدان عزیمت و جہاد سے سمٹ کر مارگا ہوں، خالق ہوں، قبروں اور محفلوں میں آ گیا!

دوسرا عظیم نقصان یہ ہوا کہ غیر مسلم اقوام کی رائے اسلام کے بارے میں بگڑتی چلی گئی۔ اور جو کشش اس کے اصول و احکام میں تھی اور جس کی وجہ سے یہ حیرت انگیز رفتار سے پھیلا تھا، وہ نہ صرف محفل ہو گئی، بلکہ اس کی جگہ بدنامی اور کٹا فتنے لے لی۔ ظاہر ہے کہ دیگر اقوام کے عوام کو اس کی فرصت اور اہمیت کہاں کہ وہ براہ راست قرآن و سنت اور دین کی مستند کتابوں سے صحیح اسلام کو سمجھنے کی کوشش کریں، اور کیوں کریں؟ دنیا کا ہمیشہ یہ قاعدہ رہا ہے کہ کسی قوم کے دینی اعتقادات و اصول کا اندازہ اس کے ان اعمال و افعال سے لگاتی ہے، جو اس میں بطور مراسم مذہبی رواج پائے ہوئے ہوں۔ اور اعتقادات و اصول ہوتے بھی حقیقت میں اسی لئے ہیں کہ اعمال و افعال میں ان کا ظہور ہو۔ دینیانے جب عرسوں، قوالیوں، قبر پرستیوں، درگاہ سانیوں اور اسی نوع کی متعدد چیزوں کو مسلمانوں میں دینی حیثیت سے رائج پایا تو گمان کر لیا کہ یہ سب اسلام ہی کے احکام و اصول کا ظہور ہے۔ اور اس غلط گمان کو تہمیت اس نے دی کہ جو لوگ ان اعمال میں مبتلا تھے وہ زبان و بیان سے نمائندگی اسلام کے مدعی بھی تھے اور ان میں سے بہتوں کا ظاہر بلی ایسا تھا کہ سطح میں نگاہیں انھیں ترجمان اسلام سمجھنے پر قدرتا مجبور تھیں۔ چنانچہ

نفسِ اسلام کے بارے میں دنیا کو غلط فہمیاں ہوئیں۔ اور وہ توحیدِ خالص اور تعلیمِ مصفا جو اسلام میں وجہ کشش تھی، شرک و بدعت کی بدنامی اور کٹافنت میں دب گئی۔ اسلام کا شکوہ، وقار، تقدس اور جاذبیت مجروح ہو گئی۔

میں مانتا ہوں کہ اسلام کے پھیلاؤ اور اشاعت کے رک جمانے میں بڑا ہاتھ خود مسلمانوں کی بد اعمالیوں اور غلط کوششوں کا ہے۔ لیکن جو بد اعمالیاں مسلمانوں نے دین کی آڑ لے کر نہیں بلکہ خالص دُسیا دارانہ طور پر کیں، اُن سے دیگر اقوام کی رائے خود مسلمانوں کے حق میں چاہے کتنی ہی خراب ہو گئی ہو، مگر نفسِ اسلام کے متعلق نظری طور پر انھیں بد گمانیاں نہیں ہوئیں۔ کیونکہ وہ سمجھتی تھیں کہ یہ مذہب کی برائیاں نہیں اہل مذہب کے اپنے کثوت میں۔ ان برائیوں کا سہرا مذہب کے سر نہیں اہل مذہب کے سر ہے۔ اس کے برخلاف دین کے نام پر عبادت و طاعت کے رنگ میں کی جانے والی برائیوں نے انھیں نفسِ اسلام ہی سے بد گمان کیا اور اسلام سے اُن کی دُوری صرف تعصب اور جذباتی عناد کے تحت نہیں رہ گئی بلکہ اسے عقلی و شعوری دلائل بھی مل گئے۔!

دیگر اقوام کے علاوہ خود مسلمانوں ہی کے عقائد و نظریات کو بدعت نے بایں طور فاسد کیا کہ بیچارے کم تلم عوام کے مخلص افراد اگر خلوص اور ایمان داری کے ساتھ احکامِ اسلامی کو جائزہ عمل پہنچانے کی طرف مائل ہوئے تو اُن کی استعداد کے مطابق جو دینی لٹریچر اُن کے ہاتھ آیا اس میں پہلے ہی سے صبح کے ساتھ غلط اور اسلام کے ساتھ بدعت کی آمیزش تھی۔ اور جو غلط محراب و منبر سے انھیں سنتے گئے اُن میں بھی بدعت کی تعلیم کسی کسی درجہ میں موجود تھی۔ اب اُن بیچاروں کے پاس یہ قابلیت کہاں کہ تجزیہ و تنقیح کر کے اسلام و غیر اسلام کو جدا کر سکیں۔ معصومیت و خلوص کیساتھ رطب و یابس کو قبول کرتے چلے گئے۔ اور بدعت کا زہر اُن کے ذہن و قلب، مزاج اور اعمال و افعال میں پھیلتا چلا گیا۔!

ریا کے بارے میں آپ جان چکے کہ رسول اللہ نے اس کا اندراج شرک کے خانہ میں کیا ہے۔ بدعت اپنی فطرت اور مزاج کے اعتبار سے دکھاوے اور نمود اور گرمی محفل کو پسند کرتی ہے۔ یہ چیزیں ریاہی کی مختلفہ شکلیں ہیں۔ گویا بدعت کے خمیر ہی میں شرک ہے اور ابتداء میں شرک خفی ہوتے ہوئے یہ بہت جلد شرک جلی کی منزل میں پہنچ جیتی ہے۔ شجر بدعت کے برگ و بار دیکھئے۔ صورت اور سیرت دونوں اعتبار سے ان پر شرک کی تعریف صادق نظر آئے گی۔!

منکرات و محرّاتِ شرعیہ کا ترکیب مسلمان تو ممکن ہے کہ کسی وقت توبہ و استفسار کی طرف مائل ہو جائے۔ کیونکہ وہ بہر حال گناہ کو گناہ ہی سمجھ رہا ہے۔ اور اس کے اعتقادات مسخ و فاسد نہیں ہوئے ہیں۔ مگر بدعت پسندوں کے لئے توبہ کا امکان بھی کم ہے۔ کیونکہ وہ جس گمراہی میں مبتلا ہیں وہ تو اُن کی نظر میں عین ہدایت ہے اور اُن کے اعتقادات مسخ و فاسد ہو چکے ہیں۔!

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَشْكُرَهُ
عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخْرَجَ عَوَانَا مِنَ الْخُرْدِ عَوَانَا إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ!

ایصالِ ثوابِ کھلے قرآنِ پاک کا ختم

صدقِ جدید مورخہ ۱۱ جمادی الاول کے آخری صفحہ پر کسی صاحب نے دریافت کیا ہے کہ میت کیلئے ختم قرآن کا دستور معمول کیسے اور کب سے قائم ہوا ہے؟ اس کی نسبت گزارش ہے کہ اس رواج کی تاریخ قیام کا پتہ لگانا تو نظر میں مشکل ہے البتہ اتنا معلوم ہے کہ یہ چیز خیر القرون کے بعد کسی زمانہ میں رواج پذیر ہوئی، اسی بنا پر ہلکے علماء کرام نے اس کو بدعت قرار دیا ہے، بدعت وہ عقیدہ یا عمل ہے جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ یا عمل صحابہ میں سے کسی کے خلاف ہو، اور اسے حکم شریعت یا داخل شریعت سمجھا جائے، بشرطیکہ وہ احکام شریعت کے تحفظ کا لازمی ذریعہ یا ارکان دین یا واجبات دین میں سے کسی کا موقوفہ علیہ اور ذریعہ حصول نہ ہو اور شبہ و تاویل کی حیثیت سے ہو، انکار اور تکذیب کے طور پر نہ ہو کیونکہ امور دین کا انکار و تکذیب کفر ہے، بدعت نہیں!

امام شافعی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بدعت کی یہ تعریف نقل کی ہے کہ محدث کی بدعتیں ہیں، جو نئی چیزیں کتاب یا سنت یا اثر یا اجل کے خلاف ہوں بدعت منلال ہے اور جو نئی چیز ان میں سے کسی کے خلاف نہ ہو وہ بدعت غیر مذموم ہے (فتح الباری) اور امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ سنت لغت میں طریقہ کو کہتے ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ اہل نقل و اثر جو آثار سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہ کے متبع ہیں، نہ ہی اہل سنت ہیں۔ کیونکہ یہی لوگ اس طریق کے پیرو ہیں جس میں کوئی نئی بات داخل نہیں ہوتی اور نئی باتیں اور نئے نئے طریقے حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے بعد نکلے ہیں اور بدعت اس فعل کو کہتے ہیں جو پہلے نہیں تھا بعد میں نکلا، اور بدعات زیادہ تر شریعت سے منقاد م ہوتی ہیں یا جب بدعت پر عام عمل درآمد ہو تو شریعت میں کمی بیشی ہو جاتی ہے اور اگر کوئی ایسی بات ہو جو شریعت سے مخالف نہیں ہے اور نہ اس پر عمل درآمد کرنے سے شریعت میں کوئی نقص یا زیادہ لازم آتی ہے تو ایسی بدعت سے بھی بزرگانِ سلف کراہت کرتے اور عموماً ہر قسم کے بدعتی سے نفرت کرتے تھے (تلہیس اہلسنی) اب میت کے لئے ختم قرآن کی غرض سے جمع ہونے کے باب میں علماء حق کے چند اقوال ملاحظہ ہوں:-

امام بزاز نے المتوفی ۸۲۷ھ فتاویٰ بزازیہ جلد ۱۱ مطبوعہ مصر کتاب المحضر والاباحت میں فرماتے ہیں:-
 (لا ترجمہ) اہل میت کا تین دن تک لوگوں کی ضیانت کرنا اور لوگوں کا اسے کھانا مکروہ ہے، کیونکہ ضیانت خوشی کے لئے مشروع ہے۔ اسی طرح میت کیلئے پہلے دن یا تیس دن یا ایک ہفتہ کے بعد کئی دن تک اور عیدوں کے دن کھانا پکانا یا خاص مومنوں میں قبر پر کھانے جانا اور قرآن پڑھنے کے لئے خواہ ختم کے لئے ہو یا سورہ انعام یا سورہ اخلاص پڑھنے کے لئے صالحین اور قارئین کو جمع کرنا اور دعوتِ طعام کرنا یہ سب مکروہ ہے، ظاہر ہے کہ یہ کراہت اسی بنا پر ہے کہ دین میں ایک نئی چیز داخل کر لی گئی ہے!

اسی فتاویٰ بزازیہ کی کتاب الوصیۃ جلد ۱۱ ص ۷۳۹ میں ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ میرے بعد میری قبر پر کوئی قاری قرآن پڑھے یا یہ کہ میری قبر کو کھنگل کیا جائے یا اس پر قبہ بنایا جائے تو یہ وصیت باطل ہے!

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۲۵۲ھ مدارج النبوت کتاب الجمائر طبع ڈاکٹر مطبوعہ ۱۹۱۳ء کی جلد اول
ص ۱۲۲ اور مطبوعہ ناصری دہلی کے ص ۴۶۶ میں فرماتے ہیں :-

”وَعَادَتُ بَنِي مُرَادٍ كَمَا يَكُونُ مِثْلَ مَجْمَعِ شَوْنِدٍ وَقِرَآنِ فِرَاقِ نِسَاءٍ فِرَاقِ نِسَاءٍ فِرَاقِ نِسَاءٍ فِرَاقِ نِسَاءٍ
لَعَمْرِي لَعَزِيَّتِ ابْنِ مَيْتٍ وَجَمْعِ تَسْلِيَةٍ وَصَبْرِ فَرْمُودِ ابْنِ إِسْمَاعِيلَ رَأْسُ اسْتِ وَتَحْبِ اسْتِ، أَمَا ابْنِ إِجْمَاعٍ مَخْصُوفٍ رُوزِ سَوْمٍ وَارْتِكَابِ
تَكْلِيفَاتٍ وَيَكْرُوهُ فِرَاقِ أَمْوَالٍ بِلَا وَصِيَّةٍ أَوْ حَقِّ تَيْمَانِي بَدْعَتِ اسْتِ وَحَرَامٍ !“

ابھی شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ نے شرح سفر السعادت میں قریباً ایسی عبارت ذیپ رقم فرمائی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ نماز
جوازہ پڑھنے کے بعد لوگ (یعنی صحابہ کرامؓ) ختم قرآن وغیرہ کے لئے جمع نہیں ہوتے تھے (شرح سفر السعادت ص ۲۴۳)
اور امام ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ کتاب المدخل میں رقم فرماتے ہیں کہ صرف اسی پر اکتفا نہیں بلکہ لوگ اپنی رسم کے
مطابق خاص لحن سے قرآن پڑھتے ہیں اور قاریوں کو جمع کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں :-

وَتِلْكَ الْقَبَائِحُ وَالْمَنَاسِدُ مَوْجُودَةٌ فِي إِجْمَاعِ الثَّلَاثِ وَالسَّابِعِ وَتَمَامِ الشَّهْرِ وَتَمَامِ السَّنَةِ وَفِي أَسَى
مَوْضِعٍ فَعَلَ ذَاكَ فَبِهِ مِنْ بَيْتٍ أَوْ قَبْرِ أَوْ غَيْرِهَا كُلِّ ذَاكَ يَمْنَعُ وَكَذَلِكَ يَحْذَرُهَا أَحَدُنَا
بَعْضُهُمْ مِنْ فَعْلِ التَّهْلِيلَاتِ طَوْتَاهُمْ وَجَمْعِ الْجَمْعِ الْكَثِيرِ لِذَلِكَ ! (المدخل مطبوعہ مصر جلد ثالث ص ۲۴۴)
اور یہ تمام مفاسد و قبائح ہر اس اجتماع میں پائے جاتے ہیں جو میت کی رحلت کے تیسرے یا ساتویں دن یا ہینہ
یا سال بھر کے بعد منعقد کرنا رواج ہے، یہ افعال کسی جگہ بھی کئے جائیں، مگر ہر یا قبر یا ان دونوں کے سوا کوئی اور
مقام، ہر جگہ ممنوع ہیں، اسی طرح اس بدعت سے بھی بچنا چاہیے جو بعض لوگوں نے احداث کر لی ہے کہ اپنے اموات کے
لئے کالہ الا اللہ پڑھواتے ہیں اور اس کے لئے کثیر اجتماع ہوتا ہے !

امام ابن الحاج دوسری جگہ مسلمانوں کو سلف صالح کا طریقہ اختیار کرنے کی ان الفاظ میں ہدایت فرماتے ہیں :-

أَنَّ لَهُمْ بَيْنَ مَنْ فَعَلَ مِنْ مَضَى وَهُمْ السَّابِقُونَ وَالْقَدْوَةَ الْمُتَّبِعُونَ وَنَحْنُ التَّالِعُونَ
فَيَسَعَتَا مَا دَسَعَهُمْ وَالْخَيْرُ وَالْبِرَّةُ وَالرَّحْمَةُ فِي اتِّبَاعِهِمْ وَفَقْنَا اللَّهَ لِذَلِكَ بِمَنْدِهِ
ہمارے اسلاف کرام کا یہ طریقہ نہ تھا، حالانکہ وہی سبقت کرنے والے پیشوا ہیں جن کی پیروی
کی جاتی ہے، ہم تو محض ان کی متابعت کر رہے ہیں، ہمارے لئے اسی حد تک کسی فعل کی گنجائش ہے
جہاں تک ان کے لئے تھی اور خیر برکت اور رحمت انہی کے اتباع میں ہے، حق تعالیٰ ہمیں اپنے
فصل احسان سے ان حضرات کے اتباع کی توفیق ارزانی فرمائے !

یاد رہے کہ امام ابن الحاج نے آگے چل کر یہ بھی فرمادیا ہے کہ اگر کوئی مجمع کے بغیر اپنے طور پر کلمہ توحید وغیرہ
پڑھ کر میت کو اس کا ثواب پہنچائے تو ممنوع نہیں بلکہ کار خیر ہے !

(الصدیق - لبنان)

ابو منظور شیخ احمد
(نائید ڈکن)

قبر پرستی

”قبر“ سب جانتے ہیں کہ یہ لفظ عام طور پر اس دہ گز زمین کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں مردہ دفن کیا جاتا ہے۔ چونکہ ہر منتفس کو موت کا مزہ چکھنا ہوتا ہے اور یہ ایک ایسی بدیہی و یقینی بات ہے کہ دیس میں ہمیشہ توجید و رسالت اور آخرت ہی کا نہیں بلکہ وجود باری تک کا انکار کیا گیا ہے اور آج بھی بہت سے لوگ اس کے منکر ہیں۔ مگر موت کا انکار نہ پہلے کسی نے کیا اور نہ قیامت تک اس کا انکار کرنے والا کوئی پیدا ہوگا۔ اس لئے ضروری ہے کہ جہاں چار گھر بھی زندہ انسانوں کے بنے ہوئے ہوں وہاں مردوں کے مکانات بھی بنیں۔ چنانچہ ہر خورد و کلاں، ہر غریب و امیر، ہر عالم و عامی اور ہر ولی و نبی کی قبریں زندہ انسانوں کے مسکنہ مکانات کے برابر پہلو بنی چلی گئی ہیں اور کوئی بستی ان دونوں قسم کے مکانات سے خالی نہیں پائی جاتی۔ مگر ہر طبقہ اور ہر مرتبہ و مقام کے مردہ انسانوں میں سے خصوصیت کے ساتھ صوفیاء و اولیاء کی قبریں زیادہ اعلیٰ کے لائق قرار پاتی رہی ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ تمام انسانوں کی طرح صوفیاء و اولیاء بھی موت کا مزہ چکھتے ہیں اور زمین میں دفن ہوتے ہیں اور ان پر دوسروں کی طرح مٹی ڈال دی جاتی ہے۔ اور دوسروں ہی کی طرح قبر بھی بنادی جاتی ہے۔ مگر اس جماعت کے بھی چند خاص خاص افراد کی قبروں پر عمامتہ انسان کی توجہ زیادہ سے زیادہ مرکوز ہونی شروع ہوتی ہے اور چند ہی دنوں میں کہیں محض اینٹ پتھر اور چونہ گچ اور کہیں نہایت قیمتی پتھروں سے قہر پختہ کر دی جاتی ہے۔ اور دوسری قبروں کے مقابلہ میں دیکھتے دیکھتے یہ قبریں نمایاں اور مستاز ہو جاتی ہیں۔

پھر قبر کے اطراف ایک کھڑا تیار ہوتا ہے اور اس کے بعد آہستہ آہستہ کہیں معمولی عمارت اور کہیں نہایت مضبوط قلعے تعمیر ہو جاتے ہیں۔ یہ قلعے کہیں کہیں تو اتنے بلند و بالا اور ایسے عظیم الشان ہوتے ہیں کہ باقاعدہ آنا رقد میر میں داخل کر لے جاتے ہیں پھر ان میں فن تعمیر کی ایسی ایسی نادرہ کاری پائی جاتی ہے کہ محض آثار و تدمیر و فن تعمیرات سے دل چسپی لینے والوں ہی کیلئے نہیں بلکہ ہر آئندہ و رند کی توجہات کا مرکز بن کر رہ جاتے ہیں۔

اس طرح ایک ایک قبر کئی کئی ایکڑ زمین کو مستقل طور پر تعمیر لیتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ گنبد کے آس پاس دوسری عمارتیں بننے لگتی ہیں اور چھوٹی موٹی سی نوآبادی بس جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ قبریں عوام کی توجہات کا ایسا بڑا مرکز و مرجع بنتی ہیں کہ جو ق درجہ لوگ وہاں کھینچے چلے جاتے ہیں۔ توجہات کی اس درجہ مرکزیت و مرجعیت کے بعد ناممکن ہے کوئی طبقہ ایسا پیدا نہ ہو جو ان توجہات کو کہڑول کرے اور اس مرجعیت و مرکزیت سے فائدہ اٹھائے۔ چنانچہ بہت سے لوگ قبروں کی خدمت کا منصب سنبھال بیٹھتے ہیں اور ”خادم“، ”جاریہ پاکش“، ”مجاور“ اور ”بجاء نشین“ وغیرہ مختلف انقباط سے پکائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو ایسے ایسے اعزازات حاصل ہوتے ہیں کہ کسی کو ان کی عملی زندگی اور ان کے عام متناغل پر نظر کر لے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ محض قبر کی نسبت یا اس کی خدمت ہی انھیں سب کچھ بنا دیتی ہے۔ انھیں ہر زائر و سیلح سے بھی کچھ کچھ نذرانہ لینے کا حق ہوتا ہے۔ اور قبر کی نسبت یا خدمت کا نام لے کر لوگوں سے چندہ مانگت بھی جائز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بہا اوقات

ان کی مالی حالت پوری بستی کے لوگوں سے بہتر ہوتی ہے اور نہایت عیش و آرام سے گزرنے لگتی ہے۔ مگر ان لوگوں کے لئے اتنی ہی پر اکتفا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے وہ قبر کی نسبت کے ساتھ ساتھ صاحب قبر سے بھی کوئی نہ کوئی نسبت پیدا کر لیتے ہیں، یا کسی نہ کسی سلسلہ تصوف سے وابستہ ہو جاتے ہیں تاکہ دنیوی اعزاز و اکرام کے ساتھ ساتھ روحانی و دینی پیشوائی کا مقام بھی حاصل ہو جائے اور روحانیت کے پردہ میں اتنا کچھ مل جائے جتنا عام دنیا داروں کو بھی بمشکل ملا کرتا ہے۔!

چنانچہ عوام الناس ہی کے ذریعہ معزز و مکرم نہیں بنے ہیں بلکہ کسٹم حکومتیں بھی ان پر اتنی نظر عنایت فرماتی رہی ہیں کہ انہیں بڑی بڑی جاگیریں اور جائدادیں ملی ہیں۔ اور ان میں سے کتنے ایسے ہیں کہ مذہبی دروہانی مشیخت کو تیرا ان کی دنیوی ریاست اور مادی منفعت کو دیکھ کر پکے دنیا دار بھی حرص و طمع کی نگاہ سے دیکھتے ہیں! اور بڑے بڑے سرمایہ دار اور کارخانہ دار بھی ان سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتے!

اچھا اب قبر کے پاس تشریف لے چلیں۔ مگر کتنی ہی قبریں ایسی ہیں کہ اصل قبر سے فرلانگ دو فرلانگ اُدھر ہی آپ کو اپنی جوتیاں چھوڑنی پڑیں گی۔ آپ چاہے عام قبروں پر سے جوتیوں سمیت ہی کیوں نہ گزر جائیں۔ مگر یہاں آپ اپنی جوتیاں قبر کے پاس بھی نہیں لے جاسکتے۔ ارے! یہاں تو چاروں طرف جھنڈے ہی جھنڈے اور نشان ہی نشان نظر آتے ہیں۔! جی ہاں! چاہے سینکڑوں غریب غریب کے بدن جاڑے کے دہن میں لباس کی کمی کے باعث ٹھٹھڑ رہے ہوں اور ان میں کوئی اکڑ کر اپنی جان ہی دے دے۔ بہر حال سینکڑوں گز کپڑا یہاں نشانوں میں صرف ہوتا رہتا ہے!

آپ احاطہ گنبد کے صدر دروازہ سے لے کر مزار شریف تک نہ بٹے گا اس در سے کوئی بھی خالی اور نیست کعبہ درد کن جز در گہ بندہ نواز“ وغیرہ کی قسم کے سینکڑوں فقرے اور اشعار بھی پڑھتے جاتے۔ اندر چلے۔ سبحان اللہ! یہاں کی پوری فضا عود، یوبان اور دوسری خوشبوؤں سے کس درجہ معطر ہے اور مزار شریف پر کتنے قیمتی غلاف چڑھے ہوئے ہیں اخوہ! اس درجہ قیمتی کپڑے تو صرف شاہان سلطنت نے پہنے ہوں گے یا پھر موجودہ دور میں امیر امراء کے گھرانوں میں پہنے جاتے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ غریب و مساکین نے تو انہیں خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا۔ خیر! وہ خواب میں دیکھیں یا نہ دیکھیں۔ وہ یہاں بیداری میں تو دیکھ سکتے ہیں۔

اور مزار پر پھول بھی کس کثرت سے چڑھائے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ گلستانوں اور پھلداروں کو لاکر یہاں الٹا دیا گیا ہے اور اسے! یہ ڈاکٹر صاحب تو چوکھٹا ہی کیوں نہ دے رہے ہیں اور یہ کیا ہے یہ صاحب تو قبر کے گرد بھی گھوم رہے ہیں۔ اسے! یہ تو قبر کو بھی چوم رہے ہیں۔ کبھی سر رکھے دیتے ہیں اور کبھی آنکھیں۔ ارے! یہ تو عجیب عجیب بے معنی حرکات بھی کر رہے ہیں۔ خدا نخواستہ انہیں کچھ جنون تو لاحق نہیں ہو گیا ہے؟ خیر! یہ حرکات بے معنی ہیں یا بامعنی اور یہ صاحب مجنون ہیں یا عقلمند۔ اس کا فیصلہ تو بعد میں ہونا پڑے گا۔ آپ نے قبر کے اوپر کا غدو کے لٹکتے ہوئے پلندے نہیں دیکھے۔ اب اسے! یہ تو باقاعدہ درخواستیں اور التجائیں ہیں۔ کسی میں لکھا ہے کہ روزگار دلوائیے۔ کسی میں تحریر ہے کہ اولاد دیکھئے۔ کسی میں مقدمہ جتو ایسے اور مرض کو دور کر دینے کی فرمائش ہے۔ کسی میں آفات و بیات کو ٹال دینے اور بد قسمتی کو خوش قسمتی سے بدل دینے کا مطالبہ ہے۔ یہ صاحب تو اٹلے پاؤں دردرازہ کی طرف جا رہے ہیں۔ جی ہاں! جاتے ہوئے مزار کی طرف پشت ہوتی ہے نا! اور ادھر دیکھئے یہ بیچاری اللہ کی ہندی قبر کی طرف رخ کئے سجدہ ہی میں پڑی ہوئی ہے۔ اب چلئے یہاں عورتوں کی گزر بھی ہے!

اور یہ تو آپ چلتے ہی میں کہ ان مزاروں پر کبھی کبھی حضرت داری اور ماہانہ اور بالعموم سالانہ ایک میلہ لگتا ہے، ان میلوں

کی شان صاحب قبر کے شایان شان مذہبی جلسوں اور سیاسی تقریبات سے بھی کچھ اونچی ہوتی ہے۔ آرائش و زیبائش اور تمام دستخط نام، شان و شوکت اور وسعت و کثرت کے لحاظ سے یہ اپنی آپ نظیر میں۔ ان موقعوں پر ہزاروں لاکھوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ جو نہ معلوم کن کن جیبوں سے نکل کر کن کن طریقوں سے آتا اور چلا جاتا ہے۔ عام بولی میں ان جیبوں کو "عرس" کہا جاتا ہے۔ جس کے معنی عربی زبان میں "شادی" کے ہیں۔ ایک شخص اس خوشی کے موقع پر انفرادی طریقہ سے جتنا کچھ خرچ کر سکتا ہے اور کرتا ہے، وہ ظاہر ہے۔ پھر جیب سینکڑوں ہزاروں لاکھوں افراد اجتماعی طور پر عرس کریں تو جو کچھ بھی خرچ ہو جائے وہ کم ہی ہے۔ یہ اعزاز کہیں کہیں ایک دن کے لئے اوکھیں کہیں آکھ آکھ دن دن دن کے لئے منعقد ہوتے ہیں۔ اور ان کے لئے اشتہارات اور پوسٹروں سے لے کر دعوت ناموں تک تمام وسائل نشر و اشاعت استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور یوں بھی ان کی تمہیر کی اتنی ضرورت نہیں ہے۔ لوگ خود ہی ان تاریخوں کو جانتے ہیں۔ جن میں انھیں کسی مزار پر حاضر ہونا ہے!

اس کے لئے وہ سال سال بھر سے پیسہ پیسہ جمع کرتے رہتے ہیں۔ پیسہ نہ ہو تو قرض وام کرتے ہیں اور بسا اوقات تن کے کپڑے اور برتنے کی چیزیں تک گرو رکھ دیتے ہیں۔ اپنے ضروری سے ضروری کاموں کا ہرج کرتے ہیں۔ کیونکہ انھیں سب سے زیادہ ضروری کام کے لئے جانا ہوتا ہے۔ اپنے مصارف سفر کا بندوبست کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر اس مصروف کا بندوبست نہ ہو تو پھر آمدنی کے سارے راستے ہی بند ہو جائیں گے۔ اور ٹھیک وقت پر مزار شریف کی طرف کھینچے چلے آتے ہیں۔

اس جم غفیر میں آپ ہر خورد و کلاں کو دیکھ سکتے ہیں۔ ان میں سمجھ دار بھی ہیں اور بے سمجھ بھی۔ آوارہ و بد معاش بھی ہیں اور سیدھے سادے بھولے بھالے بھی۔ جوان بھی ہیں اور بوڑھے بھی۔ معذور بھی ہیں اور بیمار بھی۔ ڈاڑھی داغے بھی ہیں اور ڈڑھ منڈے بھی۔ نمازی بھی ہیں اور بے نمازی بھی۔ غریب بھی ہیں اور امیر بھی۔ خوش حال بھی ہیں اور بد حال بھی۔ کوئی تو چھتھرے لگائے ہوئے آگیا ہے اور منہ سے پھونک پھونک کر آگ جلا رہا ہے، تاکہ روٹی کی ٹکیہ پکائے اور پیٹ کی آگ بجھالے۔ یہاں کی رنگارنگی تو بس دیکھنے ہی کے لائق ہے!

ارے! اس جم غفیر میں عورتیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ یہ کتنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنے ساتھ لاتی ہیں۔ اور نہ معلوم کہاں کہاں سے آئی ہیں۔ ارے! یہ تو اچھی خاصی برقع پوش معلوم ہوتی ہیں۔ مگر انھیں یہاں برقع کا ہوش نہیں۔۔۔ جی! یہاں عقیدت کا جوش ہے! برقع کا کسے ہوش ہے!۔۔۔ لیجئے! یہ بی بیوں تو خوب بے پردہ ہو کر پھر رہی ہیں۔ جی! یہاں سارے زائرین قبر ہی کے زائرین نہیں ہیں۔ زائرین حسن بھی ہیں۔ خورقین یہاں مردوں کے دوش بدوش ہیں۔ کندھے سے کندھا ہی نہیں ملتا۔ نظروں سے نظریں بھی ملتی ہیں اور دل سے دل بھی ملتے ہیں۔ آپ کو یہاں اگر چہ سب کچھ ملے گا مگر قیر اور صاحب قبر کی نسبت کے باعث آپ اس کا تصور آسانی کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ تاہم یہ سب کچھ قبر کے اندر نہیں ہو رہا ہے جسے آپ دیکھ نہ سکیں۔ یہ تو باہر ہی باہر ہے۔ اس لئے اگر واقعات و حقائق کی شہادت ایک مسلمہ شہادت ہے تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ کھلم کھلا نظر بازی بکہ عشق بازی بھی ہو رہی ہے۔ مگر چونکہ اس پر "روحانیت" اور "مذہبیت" کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس لئے یہ باتیں مغلوتیان راز ہی تک عام طور پر محدود رہتی ہیں۔!

مگر چھوٹی سے مکروہ باتوں کا ذکر بھی مکروہ معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے عرس کا نظام نامر ملاحظہ نہیں فرمایا۔ یہ دیکھئے!۔۔۔ ارے! اس میں یہ صندل، مالیدہ، چڑھاوا، نشان، فاتحہ، نیاز اور اسی قبیل کی جیبوں عجیب باتیں موجود ہیں۔ جی! یہ عجیب ہوں تب بھی رن پر تعجب نہ کیجئے اور عجیب و غیر عجیب کا فیصلہ ابھی سے کیوں کیجئے گا۔ کچھ نیچے دیکھئے۔۔۔ ان! اس میں جلیں سارے کا

ذکر ہے۔ مشہور قوالوں کے نام ہیں۔ مگر اور بھی کچھ ہے۔ جی! کچھ گانے اور ناچنے والیوں کے نام بھی لکھے ہیں۔ یہاں ناچ گانا صاحب مزار کی روح کو خوش کرنے کے لئے ہوگا، یہ طریقت، جذب و سوز اور کیف و عرفان کی دینا ہے۔ یہاں "شریعت" کے قانون نہیں چل سکتے!

اچھا! ادھر دیکھئے۔ ہزاروں جانور ذبح کئے جا رہے ہیں۔ ان جانوروں کا نقتہ س بھی واقعی کہا چیز ہے؛ کتنے ہی جانور صاحب قبر کے نام پر پٹن کر کے چھوڑ دیئے گئے ہیں، جنہیں ہاتھ تک نہیں لگایا جا سکتا۔ وہ جس کھیت میں جا پڑیں، کھیت والے کے نصیب جاگ اٹھیں گے۔ وہ جہاں سے پانی پی لیں وہاں برکت ہی برکت ہوگی۔ کتنے ہی جانور اس لئے ذبح کئے جا رہے ہیں کہ ان کو ذبح کرنے کی سنت مانی گئی تھی۔ ان کو ذبح کرتے ہوئے چاہے جس کا نام لیا جائے مگر وہ ذبح ہو رہے ہیں ایک خاص طریقہ پر۔ خاص جگہ، خاص وقت میں، یہاں تک کہ اس طریقہ سے ہٹ کر، اس جگہ کو چھوڑ کر، اس وقت کو طاق کر کے قیامتیں انہیں ذبح کرنے پر آمادہ نہیں۔ پھر جانوروں کی خریداری سے لے کر ان کے گوشت کی تقسیم اور کھانا پکھانا اور خرچ ہو جانے تک کے آداب اور بے ادبیوں کی اقسام حد و شمار سے باہر ہیں!

مزار شریف پر چلئے۔ اہ! وہاں تو بڑی بھیڑ لگی ہے۔ کھوسے سے کھوا چھلتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کی الگ الگ صفوں کا امتیاز مفقود ہے۔ خیر! جو کچھ اندر ہوا ہے، اسے آپ نہ دیکھ سکیں تو یہی بہتر ہے! دروازہ سے لگ کر کھڑے ہو جائیے، کم از کم ہر آئندہ دروند کی حرکات و سکنات ہی دیکھ لیجئے۔ اور اگر اس نظارے سے آپ تھک گئے ہیں تو عجیب و غیر عجیب اور جائز و ناجائز کی بحث کو چھوڑ لیجئے۔ اور چپ چاپ لوٹ آئیے مگر ان قبروں کو ضرور دیکھ لیجئے، جن میں کوئی جسم دفن نہیں ہے۔ محض قبروں کی شکل دے کر انہیں کسی بزرگ کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔

زائرین بھی خوب جانتے ہیں کہ یہ مصنوعی قبریں ہیں۔ مگر انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان قبروں پر بزرگان دین کا نام لینے سے انہیں دین میں بزرگی کا مقام حاصل ہو گیا ہے، اس لئے وہ ان کے بھی گرویدہ ہیں اور یہاں آپ وہ سب چیزیں پائیں گے جنہیں آپ "عجیب" قرار دے رہے تھے، تاہم اگر ان عجائبات سے آپ کے بدن میں جھڑ جھڑی سی محسوس ہونے لگی ہے تو اب اپنے گدے آ جائیے!

سوال یہ ہے کہ آج مسلمانوں میں یہ سب کچھ جو ہوا ہے، کیا یہ سب یونہی ہے؟ کیا اس کے کوئی وجہ و اسباب نہیں؟ کیا جینا میں کوئی ایسا عمل بھی پایا جاتا ہے جو کسی نہ کسی عقیدہ و ایمان کا مظہر نہ ہو؟ کیا آپ کسی ایسی سرگرمی کا پتہ دے سکتے ہیں جس کا کوئی داعیہ، جس کا کوئی نظریہ، جس کا کوئی محرک سرے سے موجود ہی نہ ہو؟ کیا آپ کسی ایسی حرکت کے قائل ہیں جو مقصد و ارادہ اور نیت کے بغیر ہی ہو جا یا کرتی ہے؟ ظاہر ہے کہ انسان کا ہر عمل اس کے قلبی عقیدہ و ایمان کا مظہر ہوتا ہے، انسان کی سرگرمیاں، اپنے دائمیات، نظریات اور محرکات کا آپ پتہ دیتی ہیں۔ انسان کی حرکات و سکنات اس کے مقصد و ارادے اور نیت ہی پر محمول کی جاتی ہیں۔ بلا مقصد و ارادہ سرزد ہونے والی حرکات و سکنات میں نہ تو اہتمام ہوتا ہے نہ اصرار نہ استقلال ہوتا ہے نہ دوام۔ بھئی اے حدیث نبوی انسان کے تمام اعمال کا دار و مدار اس کی نیت ہی پر

۱۰ دکن میں ان مصنوعی قبروں کو عامۃ الناس چھلکے بولتے ہیں۔

ہوتا ہے۔ پس چند مخصوص اولیاء و صوفیاء کی قبروں کے ساتھ یہ غیر معمولی برتاؤ جن اعتقادات و ایمانیات پر مبنی ہے ان کا خلاصہ یہ ہے:-

اللہ تعالیٰ پوری کائنات اور کائنات کی ہر جاندار و بے جان چیز کا خالق ضرور ہے۔ مگر اس نے اتنی بڑی کائنات کے لئے تدبیر امر، تقسیم رزق، مالکیت، حاکم و اقتدار اور انسانی ضروریات کی بہرسانی کے انتظام میں دوسری بہت سی ہستیوں کو اپنا شریک بنا رکھا ہے۔ وہ حاکم ہے لیکن اتنا بڑا حاکم کہ اسے کبھی یہ زبیب نہیں دیتا کہ اپنی حکومت و سلطنت کے ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں خود دخل دے اور دوسروں کو بالکل بے دخل کر دے۔ اس نے اپنے پیغمبر بھیجے ہیں لیکن وہ اس کا پیغام پہنچا دیتے اور اپنی تعلیم کے مطابق خود عمل کر کے دکھا دینے کے بعد دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ لیکن انھیں یہ اختیارات نہیں دیئے جاتے کہ وہ خدا کی سلطنت میں کسی درجہ میں بھی مداخلت کریں۔ یا از خود ذخیل ہو جائیں۔ رہ گئے پیغمبروں کے ساتھ تو یہ حال وہ پیغمبروں کو دیکھنے دے اور ان کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے والے ہوتے ہیں۔ انھیں بھی یہ منصب نہیں ملتا کہ خدائی سلطنت کا کوئی کام اپنے ہاتھ میں لیں۔ البتہ بعض صوفیاء و اولیاء کو جو اللہ کے خاص چہیتے اور اس کے نظر کردہ ہوتے ہیں، یہ منصب سونپا جاتا ہے کہ وہ اللہ کی سلطنت کا کام چلا لیں اور اس کی صفات میں جزاء یا کلاً شریک ہو جائیں۔ بادشاہ کائنات کی سلطنت میں ان کا وہی مقام ہوتا ہے جو دنیا کی سلطنت میں وزیروں، گورنروں اور چھوٹے بڑے حاکموں کا ہوا کرتا ہے۔ انھیں بہت سے اختیارات دیئے جاتے ہیں اور تصرفات پر انھیں قدرت بخشی جاتی ہے۔ خدا کی سلطنت کا ایک ایک عملاتہ اور ایک ایک صوبہ ان کے سپرد کیا جاتا ہے۔ سارے معاملات انہی کے دربار سے طے پاتے اور سارے قضیے انہی کے ہاں فیصلہ ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ خدا کے اذن یافتہ ہیں اس لئے انھیں بہت ہی کم معاملات اوپر پہنچانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ شاید کسی معاملہ کو اوپر لے جانے کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی۔ یہ جو کچھ کرنے ہیں خود اللہ تعالیٰ اس سے راضی و خوش رہتا ہے۔ اگر کبھی ناراض بھی ہو جاتا ہے تو محبوب و معشوق کی بات تو ہر طرح گوارا ہی کرنی پڑتی ہے۔ پھر اتنی عظیم الشان سلطنت کا تنہا انتظام از خود سنبھالنے کی زحمت سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مجربوں اور پیاروں کو بھی اختیارات سونپ دیئے ہیں۔ یہ حضرات اللہ تعالیٰ سے اکثر بگڑ بھی جاتے ہیں مگر عشق کے میدان میں اس قسم کی باتیں تو پیش آیا ہی کرتی ہیں۔ یہ انداز معشوقانہ ہوتا ہے اس لئے عاشق نہیں بگڑتا۔ بلکہ اس کے دل میں عشق کی آگ اور بھڑک اٹھتی ہے جب دنیا میں ان کے تعلقات اتنے مضبوط اور گہرے ہوتے ہیں تو آخرت تو دنیا کی کھیتی کا حاصل ہی ہے اس لئے دماغ ان کا ہر عقیدت مند بن جاتا ہے۔ اور محض ان کے دامن سے وابستہ ہو جانا ہی بخشش کے لئے کافی ہے۔ عاشق و معشوق کے اصل تعلقات کی شان تو دنیا سے کہیں زیادہ آخرت ہی میں ظاہر ہو سکے گی۔ یہ حضرات اگرچہ دوسروں کی طرح وقت مقررہ پر مر جاتے

ہیں۔ مگر دراصل یہ مرتے نہیں ہیں بلکہ دُنیا سے بترار ہو کر صرف پردہ کر جانے ہیں یا خدا سے مل کر بہت سی خدائی طاقتوں کا مظہر بن جاتے ہیں۔ اگر چہ بظاہر ان کا جسم دوسروں کی طرح زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے مگر چونکہ وہ دُنیا میں سخت سے سخت ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعہ اپنی روح کو خوب طاقتور بنا لیتے ہیں، اس لئے انتقالِ مکانی کے بعد اس کے تصرف کا دائرہ زنتا وسیع ہو جاتا ہے کہ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ جب دُنیا میں ان لوگوں کی روح اتنی ہلکی اور لیلیدہ نہ ہوتی تھی کہ اس پر جسم کا دباؤ باقی نہ رہا تھا یہاں تک کہ ہوا پھاڑنا، پانی پر چلنا اور چند ثانیوں میں فاصلہ طویل طے کر جانا اس کے لئے ایک معمولی بات تھی تو پھر بعد وفات اس کے کرتھوں کا کیا ٹھکانا ہے؟

روح تو امرِ رب ہے، پھر ایک ولی اللہ کی روح، جس کی صفائی و بہارت اور قوت و شہامت ناقابلِ تصور ہے، جب جسم سے الگ ہو جاتی ہے تو پھر وہ کرامات دکھاتی ہے کہ دنیا دنگ ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ خدا کا حکم بن کر اپنے زیر اثر علاقہ میں نافذ ہوتی ہے تو اس کے سارے معاملات اسی روح سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ وہ ہر دور و نزدیک کی بات سمجھتی ہے، قریب و بعید ہر معاملہ دیکھتی ہے۔ حاجتیں پوری کرتی ہے، فرادیں بر لاتی ہے، تقسیمِ رزق، عطاء و اولاد، شفاء، ارمان، وقع بلیات، دُنیوی امارتوں اور ریاستوں کی اکھیڑ بچھاڑ۔ غرض کوئی معاملہ اس کے دائرہ تصرفات سے باہر نہیں رہ جاتا۔ وہ بگڑتی ہے تو بستیوں کو ویران کر دیتی ہے اور خوش ہوتی ہے تو خوشحالی کا دور آ جاتا ہے۔ اس کی رضا و نارضا مندی ہی سب سے اہم، اقدم اور فیصلہ کن مسئلہ ہے۔ اس لئے اس کی طرف رجوع بہر حال ضروری ہے۔

یوں تو سال کے بارہ مہینے اور مہینے کے تیس دن اور دن کا ہر لمحہ وہ اپنے کام سے عنان نہیں رہتی مگر خاص طور پر اس تاریخ سے دو چار دن پہلے اور بعد، جس میں وہ جسمِ اقدس سے نکل کر حقیقی معنی میں امیر ربی بن گئی تھی، پوری جلالی و جمالی صفات کے ساتھ قبر پر جلوہ فرما ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ خصوصیت کے ساتھ اپنی دنوں میں قبروں پر بڑے بڑے اجتماعات ہوتے ہیں اور لوگ اپنی حاجتیں پوری کرتے اور اپنی بد قسمتی، خوش قسمتی کے فیصلے لے کر پلٹتے ہیں۔

ان خاص مواقع پر جو کچھ معتقدین سے ظہور میں آتا ہے وہ تو اس لئے ہے کہ آبا و اجداد سے یہ طریقے اور رواج منقول ہیں جو چیز اُد پر سے آتی ہے اس کے تقدس میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟ آخر قرآن و حدیث آج کچھ نئے نہیں ہو گئے ہیں۔ وہی قرآن کی باتیں اور وہی حدیث کی روایتیں پہلے زمانے کے لوگوں کے سامنے بھی تھیں جو آج ہمارے سامنے ہیں اور وہ لوگ ہم سے کہیں زیادہ ان چیزوں کو جاننے اور ماننے والے تھے، لہذا یہ سب کچھ تو بہر حال ہونا ہی چاہیے۔ جو ہوتا آیا ہے اور آج ہو رہا ہے!

اگر ان مزاروں کے سامنے آداب و بجالائے جائیں تو پھر دُنیا میں کوئی چیز راقب اور رہ جاتی ہے۔ اگر یہاں بھی بے ادبیاں ہوں تو پھر دُنیا میں کس چیز کا ادب کیا جائے! اگر یہاں وہ چیزیں بھی ہوتی ہیں جو قبروں کی دُنیاستی سے باہر عام پر نامناسب اور بربک کبھی جاتی ہیں تو بہر حال یہ بھی انہی حضرات کا فیض ہے کہ ان تکلفات بارود سے چٹکا مارا لویا۔ یہاں جو کچھ ہوتا ہے اس کو گنہ گری

نام سے یاد نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ دراصل یہ ان درباروں کی توہین ہے۔ ان درباروں سے جو چیز وابستہ ہو جاتی ہے اس کو بُرا کہنا صرف بُروں کا کام ہے، ورنہ جو چیز کا بن نیک میں پہنچتی ہے، نیک بن جایا کرتی ہے اس نیک کا ذائقہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ ذوقِ ایں سے نشناسی بخدا اتنا نہ چستی۔ ان بزرگوں کی شان تو یہ ہے کہ جن قبروں میں وہ دفن ہیں وہ تو خیر رحمتِ الہی کا مہبط ہی ہوتی ہیں۔ مگر کسی پتھر کے ڈھیر پر بھی ان کا نام لے دیا جائے تو وہاں سے بھی فوائد و برکات کا بحرِ ذخار اہلِ پڑتا ہے۔ خدا نے جو شریعت اپنے بندوں کے لئے اتاری ہے، وہ ہے تو لائقِ اتباع مگر خصوصیت و عمومیت میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے۔ پیغمبروں کو اس کا اتباع اس لئے ضروری ہے کہ وہ پیغامِ پسپانے والے ہیں۔ وہ خود اس کی خلاف ورزی کیسے کر سکتے ہیں۔ مگر اولیاء و صوفیاء کی ایک خاص جماعت کو وہ امتیازِ خصوصی بخشا جاتا ہے کہ شریعت کا اتباع و غیر اتباع ان کے لئے بالکل یکساں ہے۔ ان میں سے اگر کچھ لوگ متبعِ شریعت ہوتے بھی ہیں تو وہ اپنے ابتدائے سلوک کے مرحلہ میں ہوا کرتے ہیں! مگر بعد میں وہ فرعونِ قلم ہو جاتے ہیں اور بعض تو یومِ پیدائش ہی سے مرفوعِ القلم ہوتے ہیں!

چنانچہ وہ اگر عورتوں کے دلچ گانے سے دل چسپی لیتے ہیں تو یہ ایک پردہ ہوتا ہے جو دیکھنے والوں کی آنکھوں پر پڑا ہوتا ہے ورنہ حوروں کے تصور سے ان کا کوئی لمحہ خالی نہیں جاتا۔ اور سازوں کی آوازوں میں وہ ہمیشہ مولا کی آواز سنا کرتے ہیں۔ وہ دُنیا ہی میں جنت کے مزے ٹوٹنے لگتے ہیں۔ اس لئے دُنیا و آخرت کی تقسیم کرنے والے اُن کی کسی بات کو پا نہیں سکتے۔ اور یہی سبب ہے کہ جو لوگ ان کے مزاراتِ مقدسہ پر حاضر ہوتے ہیں انہیں بھی اتباعِ شریعت کی پروا نہیں ہوتی۔ وہ اگر نماز روزہ سے دل چسپی بھی رکھتے ہیں تو محض اس لئے کہ خدا سے بھی کچھ نہ کچھ تعلق باقی رہے ورنہ اہل اللہ سے تعلق قائم رکھنا خود اللہ سے تعلق قائم رکھنے کے مترادف ہے!

اس تعلق کے بعد اگر کوئی شخص پوری شریعت سے بھی منحرف ہو جائے تب بھی ڈرنے کی بات نہیں۔ یہ حضرات نہ صرف اللہ کے ہاں سفارشی بن کر کھڑے ہوں گے بلکہ ان کی بات رکھنا اللہ پر واجب ہو گا، کہیں دُنیا میں ایسے عاشق بھی پائے جاتے ہیں جو خاص اپنے ہی معشوقوں کی ناصحی مول لے لیں۔ اہل اللہ نے تو پہلے اللہ سے عشق کیا مگر بالآخر وہ خود معشوق بن کر رہ گئے!

ایسے محبوبانِ ربّانی کے مزارات کیا دوسروں کی طرح کچے اور کھلے ہونے چاہئیں؟ اُن کی عظیم المرتبت ہستیوں کے شایانِ شان تو یہی بات ہے کہ نہایت عالیشان قبے اُن کے مزارات پر بنیں۔ تاکہ ان کی عظمتِ شان بھی باقی رہے اور زائرین و معتقدین کو بھی اُن کے سایہ میں آرام لینے اور راحت پلنے کا موقع مل جائے۔ پھر جب یہ مزارات اس قدر مرجعِ خلالت بن جائیں تو اُن کے سجادہ نشینوں کا وجود بھی آپ سے آپ ضروری ہو جاتا ہے اور کسے چیز ہے کہ وہ بڑے میں یا نہیں۔ مگر بڑوں کی نسبت تو انہیں یقیناً بڑا بنادیتی ہے۔ اور مسلم حکومتوں کی یہ انتہائی قدر شناسی اور عقیدت مندی تھی کہ انہوں نے ان مزاراتِ مقدسہ کے لئے بڑی بڑی جاگیریں اور جائدادیں وقف فرمائیں۔ ان تمام

چیزوں کو جو لوگ برا کہتے ہیں وہ "وہابی" ہیں۔ اس بات کی تحقیق کون کرے کہ ان کو وہاب سے نسبت ہے یا عبد الوہاب سے یا عبد الوہاب کے بیٹے سے۔ یہ حال ہیں یہ بے ایمان۔ بھلا اہل اللہ سے کٹ کر اللہ سے جڑنا بھی کوئی معنی رکھتا ہے؟" (ان تصورات اور معتقدات سے لاکھ بار اللہ تعالیٰ کی پناہ)

یہ ہیں وہ خیالات و اعتقادات جو قبر پرستی کا اصل سبب ہیں۔ یہ آپس میں اس طرح مربوط ہیں کہ اگر آپ اس کے کسی جزئیہ کو بھی الگ کر دیں تو شاید اس عمارت کی پوری اینٹیں ہی کھوکھلی ہو کر رہ جائیں اور پھر یہ عمارت بھی ایک خاص بنیاد پر قائم ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ سارے اصول و فروع درست ہیں؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے پہلے حق و باطل کا ایک معیار منضج کرنا چاہیے۔ جہاں تک غیر مسلم قوموں کا تعلق ہے ان میں یہ معیار کبھی متفق علیہ نہیں رہا ہے۔ کیونکہ خدائی ہدایت پر ایمان نہ لانے کے سبب ان کا ہر وادی میں بھٹکتا قدرتی بات ہے۔ برخلاف اس کے مسلمان، مسلمان ہونے کی حیثیت سے معیار حق و باطل کے تعین میں کبھی مختلف الخیال نہیں ہو سکتے۔ وہ چاہے دنیا کے کتنے ہی گوشوں میں بکھرے ہوئے ہوں اور علم و ایمان کے کسی درجہ پر ہوں ان کے نزدیک حق و باطل کا معیار صرف قرآن ہے۔ اور اس کے بعد رسول کی سنت۔ ان دونوں بھاری چیزوں کے بعد اگر کوئی چیز ان کے نزدیک لائق توجہ یا لائق پذیرائی ہو سکتی ہے تو صلحاء و علماء اہل سنت کے صرف وہ اقوال و افعال جو کتاب و سنت کے عین مطابق یا روح اسلامی سے قریب تر ہوں۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو چاہے کسی بات کو ساری دنیا کہتی ہو اور کوئی کام ساری دنیا میں کیا جاتا ہو مسلمان کے نزدیک اس کی قدر و قیمت اتنی بھی نہیں ہے جتنی مٹی کے ایک ذرہ یا گھاس کے ایک تنکے کی ہوتی ہے بلکہ وہ تو اپنے مشن کے لحاظ سے مامور ہی اس بات پر ہے کہ ہر خلافت کتاب و سنت چیز کی تردید کرے اور غملاً ہر منکر کو مٹائے اور ہر معروف کو قائم کرنے کی جدوجہد کرتا رہے، یہاں تک کہ اس راہ میں اپنی جان دے دے!

اس نقطہ نظر سے دیکھئے تو یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ جن اعتقادات و نظریات کی بناء پر مسلمان قبر پرستی میں مبتلا ہیں وہ سب سے باطل ہیں اور ان کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس قسم کے خیالات و اعتقادات صرف اس شخص کے دل و دماغ میں راہ پاسکتے ہیں جس نے کبھی قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش نہیں کی، یا کی تو اپنے مزعومات و مفروضات کی تائید و سند کے لئے، ورنہ قرآن نے اتنی وضاحت و صراحت کے ساتھ حق و باطل کو میتر کر کے رکھ دیا ہے اور دنیا میں پائی جانے والی بہت سی غلط فہمیوں اور فحش فہمیوں کو اتنی خوبی اور حکمت کے ساتھ صاف کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص پورا قرآن نہ سہی اس کا کوئی ایک حصہ بھی طلب ہدایت کے لئے پڑھ لے تو اس کے دل و دماغ میں اس قسم کے خیالات و اعتقادات کے در آنے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ اب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ہم قرآن کی کون کون سی آیات اور کون کون سی سورتیں اپنے مدعا کی توجیح میں پیش کریں۔ قرآن کی تعلیم اتنی صاف اور آسان ہے کہ ہر مرتبہ عقل کا انسان بخوبی اسے جذب کر سکتا ہے۔ پھر کیوں نہ پورا قرآن ہی سامنے رکھ دیں اور یہ نخلصا نہ گزارش کر دیں کہ حالی الذہن ہو کر چشمہ ہدایت سے سیرابی حاصل کرنے کی نیت سے قرآن پڑھیے ورنہ پیشگی قائم کئے ہوئے نظریات و اعتقادات لئے ہوئے (خصوصیتاً سے جبکہ ان کے ساتھ انتہائی تعصب موجود ہو) اگر قرآن پڑھا جائے گا تو دراصل قرآن کی آیتیں نہیں پڑھی جائیں گی۔ بلکہ اپنے ہی خیالات و نظریات کی تلاوت ہوگی۔ تاہم چند آیات بطور مثال ملاحظہ ہوں۔

سورہ فاطر رکوع ۲ میں ہے:-

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْعِهِ إِنَّ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا
دُعَاءَكُمْ وَلَا يَسْمَعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بَشْرِكُمْ
وَلَا يَنْبَغُ مِثْلُ خَيْرِهِ

اس کے سوا تم جن کو پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم
ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سن لیں تو تمہارا کہنا نہ کر سکیں۔ قیامت کے دن
وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے اور تجھ کو ایک باخبر شخص کی طرح کوئی نہیں بتلائے گا!

اس آیت کے الفاظ بتاتے ہیں کہ یہاں بے جان مجبودوں کا ذکر نہیں ہو رہا ہے بلکہ جاندار اور ذی شعور ہستیوں کا ذکر ہے۔
کیونکہ پکارنا نہ سنتا، سن لیں تو جواب دینے یا کام نہ دینے کا اختیار نہ رکھتا اور شرک سے انکا رک دینا لکڑی پتھر کی مورنیوں کے افعال
نہیں ہیں۔ انھیں کے متعلق اللہ نے صاف خبر دی ہے کہ انھیں کسی قسم کا اختیار نہیں دیا گیا ہے۔ انھیں جو لوگ طلب حاجات کیلئے
پکارتے ہیں اللہ نے ان کے اس فعل کو "شرک" قرار دیا ہے اور خبر دی ہے کہ قیامت میں وہ اس شرک کا انکار کریں گے۔ شرک
کے انکار کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اس فعل کے شرک ہونے کا انکار کریں گے۔ کیونکہ خدا خود جس فعل کو شرک ٹھہرائے اس کا انکار
کسی کے بس میں نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ زبردستی کے بنائے ہوئے مجبود اس فعل سے اپنی برأت ظاہر کریں گے۔ وہ کہیں گے
نہ ہم نے انھیں یہ فعل کرنے کا حکم دیا تھا اور نہ ہمیں یہ اطلاع تھی کہ ہمارے پیچھے کس نے ہمیں کیا کچھ بنا رکھا ہے۔ اللہ نے یہ خیر اس لئے
دی ہے کہ جو لوگ غلط امیدوں کے سہلے اپنی زندگی گزار رہے ہیں ان کو پیشگی متنبہ کر دیا جائے تاکہ قیامت کے دن وہ اپنی
امیدوں کے طلسم کو ٹوٹتا ہوا دیکھ کر پچھتائے کی بجائے ابھی سے اپنی غلط فہمیوں کو دُور کر لیں۔ اور صحیح رویہ پر قائم ہو جائیں۔
چنانچہ آیت کا آخری فقرہ خاص طور پر لائق توجہ ہے۔ مقصود بیان یہ ہے کہ خدا سے خیر سے بڑھ کر صحیح خیریں تمہیں کون بتا سکتا
ہے۔ پس جو کچھ اللہ نے بتا دیا ہے اس سے کم یا زیادہ پر ایمان لانا پہلے درجہ کی حماقت ہے۔ علم و خبر کا سرچشمہ تو وہی ہے۔ جب
وہیں سے تم کو وہ خیریں نہیں مل سکتیں جنہیں تم مان رہے ہو تو بے خبری کے اندھیرے میں جو کچھ تم کرو گے، اس کا نقصان
تمہیں کو اٹھانا پڑے گا۔

اسی سورہ فاطر میں آگے ارشاد ہوتا ہے:-

قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَ كُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَا ذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ
أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا بِأَفْهَمَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْهُ بَلْ إِنْ يَحِدُ الْعُقَلُوبُ
بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِيَّاهُ وَرَاءَهُ (رکوع ۵)

کہہ دو کہ ذرا اپنے شریکوں کو تو دیکھو جنہیں اللہ کو چھوڑ کر تم پکارا کرتے ہو۔ مجھے دکھاؤ کہ آسمانوں نے زمین
کا کونسا حصہ پیدا کیا ہے یا آسمانوں میں ان کا کوئی سا جہا ہے یا پھر تم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے
کہ یہ اس کی سند پر قائم ہیں۔ بات یہ ہے کہ ظالم ایک دوسرے سے جو کچھ وعدہ کر رہے ہیں وہ محض دھوکا ہے۔
یعنی یہ اپنے رویے کے حق میں عقلی و لغتی کسی قسم کی دلیل نہیں رکھتے۔ اگر رکھتے ہیں تو بتاتے ہیں کہ زمین و آسمان
کی تخلیق میں ان کے اپنے مجبودوں کا کیا حصہ ہے یا پھر یہی بتادیں کہ ہم نے آخر کہاں کس جگہ اور کب یہ حکم دیا ہے کہ چونکہ ہماری

سلطنت چند ہا اختیار ہستیوں کے درمیان بٹی ہوئی ہے، جن میں سے ہر ایک تمہاری پکار کا مستحق ہے لہذا انہیں پکارا کرو۔ جو لوگ عقلی و نقلی دلائل سے بے نیاز ہو کر بے بنیاد عقیدے اور طریقے اختیار کرتے ہیں وہ ظالم ہیں اور آپس میں یہ جو کچھ وعدے دیکھتے ہیں وہ صرف دھوکا ہے۔!

یہی مضمون سورہ احقاف کے پہلے رکوع میں ارشاد ہوا ہے۔ فرمایا:-

تَلْ أَرْعَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَمْ قُلْتُمْ إِنَّا لَنَكْتُبُ مَا نَشَاءُ أَفْئَاتٍ لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ لَمْ يَرْجِعُوا إِلَى اللَّهِ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَهُم يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَشْجَارُ وَأَبْجَادُهَا فَهُمْ فِي أَسْنَانٍ
 تَلْ أَرْعَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَمْ قُلْتُمْ إِنَّا لَنَكْتُبُ مَا نَشَاءُ أَفْئَاتٍ لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ لَمْ يَرْجِعُوا إِلَى اللَّهِ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَهُم يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَشْجَارُ وَأَبْجَادُهَا فَهُمْ فِي أَسْنَانٍ
 کہہ دو درادیکھو کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن ہستیوں کو پکارا کرتے ہو۔ مجھے بتاؤ کہ انہوں نے آخر زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے یا آسمانوں میں ان کی کوئی شرکت ہے۔ اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا کوئی علمی روایت پیش کرو۔ اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہو گا جو اللہ کو چھوڑ کر ان ہستیوں کو پکارے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہیں کر سکتیں۔ بلکہ ان کی دعا سے بھی مدد بے خبر ہی جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔

ان آیات سے حسب ذیل حقائق بدراستہ ثابت ہیں:-

(۱) "عبادت" محض نماز روزہ کا نام نہیں ہے بلکہ دعا بھی عین عبادت ہے۔ جو شخص نماز روزہ خدا کے لئے کرے۔ لیکن مشکل کشائی، فریاد رسی اور فضاں حاجات کے لئے اسے چھوڑ کر کسی اور کو پکارے، وہ خدا کے ساتھ دوسروں کو عبادت میں شریک کرنے کا مجرم ہے۔

(۲) یہ پرلے درجہ کی گمراہی ہے کہ خدا کو چھوڑ کر دوسری ہستیوں کو پکارا جائے کیونکہ کوئی اور ہستی کسی کی پکار کا جواب دینے پر قادر نہیں ہے، اور جواب دینا تو ایک طرف کسی کو کسی کی پکار کی خبر تک نہیں ہوتی۔ حدیث ہے کہ یہاں جن جن ہستیوں کو لوگوں نے معبود بنا ڈالا انہیں جب قیامت کے دن اس کی اطلاع ہوگی تو اس پر ان کا خوش ہونا تو درکنار اُلٹے وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں لوگوں کا یہ طرز عمل انہی شدید ضلالت ہے جس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا!

(۳) عقائد و اعمال کی بنیاد ہمیشہ عقلی و نقلی دلائل پر قائم ہونی چاہیے۔ نظمیات و توہمات یا خالی خولی جذباتی باتیں کبھی توجہ تک نہیں ہیں، چہ جائیکہ انہی پر مستقلاً اپنے عقائد و اعمال کی عمارت کھڑی کر لی جائے۔ پس جب یہ معلوم و مسلم ہے کہ تخلیق کائنات میں اللہ نے کسی اور کو شریک نہیں کیا ہے اور نہ اس نے قرآن میں یا اس سے پہلے کسی کتاب میں شرک فی الدنیا یا شرک فی العبادت کا حکم دیا ہے تو پھر لوگوں کو خود سوچنا چاہیے کہ ان کی ضلالت کا انجام کیا ہوگا۔

یہ اولیاء پرستی دراصل اس عقیدہ کا نتیجہ ہے کہ انہیں نفع و نقصان پر قدرت حاصل ہے اور ان کے یہ اختیار کچھ ایسے عالم گیر و ہمہ گیر ہیں کہ وہ اپنی کارروائیوں میں خود خدا کے اذن کے بھی پابند نہیں ہیں حتیٰ کہ اگر خدا

کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو یہ اڑے آتے اور بندوں کو اس سے بچا لیتے ہیں۔ اور فائدہ پہنچانا چاہے تو ان کی رضا مندی کے بغیر وہ بندوں کی موت منتقل نہیں ہو سکتا۔ یہی عقیدہ ان کی رضا مندی و ناراضی کو اصل میاں قرار دیتا ہے اور کچھ بدوا نہیں کی جاتی کہ خدا کس عمل سے خیر اور کس سے ناخوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بگ بگ اس عقیدہ کی پُروردہ تردید کی ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے:-

قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِعَذَابٍ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ عَذَابِهِ أَوْ إِنْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ (۲۲) (رکوع ۱۲)

کہہ دو ذرا دیکھو تو سہی کہ اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانی چاہے تو تم اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو پکارتے ہو کیا وہ اس کی دی ہوئی تکلیف کو روکتے ہیں؟ یا اگر وہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ تم کہہ دو کہ میرے لئے تو اللہ کافی ہے، بھروسہ کرتے دے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

سورہ جن میں فرمایا ہے:-

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۱۲) (رکوع ۱۲)

کہہ دو کہ میں تمہارے کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ تمہاری کسی بھلائی کا۔ تم کہہ دو کہ مجھ کو خدا سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اور نہ میں اس بگ سے کوئی پناہ کی جا سکتا ہوں!

جو لوگ اولیاء کو اس درجہ نفع و نقصان پر قادر نہیں مانتے کہ خدا کے اذن کے وہ پابند ہی نہ ہوں، انہیں شجاعت عصبیہ ایک اور رخ سے گراہی کی طرف لے جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ان حضرات کو نفع و نقصان کے اختیار دینے گئے ہوں یا نہ دینے گئے ہوں۔ یہ حال یہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں اور جیسا کہ دیوبند سلطنتوں میں ہوا کرتا ہے۔ بسا اوقات ان سفارشیوں کو اصل حاکم سے زیادہ قدر و منزلت اور تعظیم و عبودیت کا مستحق ٹھہرایا جاتا ہے۔ کیونکہ انہی کی اچھی بُری سفارشیوں پر حاکم اعلیٰ کے سارے فیصلوں اور اس کی ساری کارروائیوں کا تدارک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کی بھی جگہ جگہ تردید کی ہے:-

لَيْسَ لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَكَاشَفِعَ (۱۶) (انعام رکوع ۶)

اُس کے سوائے نہ اُن کا کوئی مددگار ہے۔ نہ کوئی سفارشی!

لَيْسَ لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَكَاشَفِعَ (۱۸) (انعام رکوع ۸)

اللہ کے سوائے نہ اُس کا کوئی مددگار ہے اور نہ سفارشی!

مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَكَاشَفِعَ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ (۱۱) (جدہ رکوع ۱۱)

اس کے سوائے نہ تمہارا کوئی مددگار ہے اور نہ سفارشی۔ کیا تم نہیں سمجھتے؟

مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُهَيِّعُ - (سورہ زمر ۲۷)

ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارشی جس کا کہا جانا جائے!

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً أُولِيَاءَ مَا يَنْشُرُهُمْ إِلَّا اللَّهُ لِيَقْرِئُونَنَا إِلَى اللَّهِ نَرْفَعُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِحُكْمِهِ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ - (زمر رکوع ۱)

جن لوگوں نے اس کے سوا دوسرے کارساز تجویز کر رکھے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہم ان کی عبادت محض اس لئے کرتے ہیں کہ وہ مرتبہ میں ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔ اللہ ان کے درمیان تمام مختلف فیہ معاملہ کا فیصلہ کر دے گا۔ اللہ کسی ایسے شخص کو راہ راست نہیں دکھاتا جو جھوٹا اور ناشکر ہو!

أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلُوبَهُمْ قُلُوبُهُمْ لَا تَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ - (زمر رکوع ۵)

کیا ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو سفارشی بنا رکھا ہے۔ کہہ کہ اگرچہ یہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ نہ سمجھتے ہوں، تم کہہ دو کہ سفارشی کا اختیار تو تمام اللہ ہی کو حاصل ہے!

وَيُعْبَدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ - (سورہ زمر ۲۷)

یہ اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کر رہے ہیں وہ نہ ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے بل ہمارے سفارشی ہیں۔ اے محمد! ان سے کہہ کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جیسے وہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں۔ اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں اللہ پاک اور بالادبر تر ہے!

”شُفَعَاءُ“ کا عقیدہ رکھنے والے جمہور کا آخری حسرت ناک انجام دیکھیے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَنَا فَرَادَى مَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَى مَعَكُمْ شُفَعَاءَ كُفْرِكُمُ الَّذِينَ تَرَعُمْتُمْ إِنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَكْرَهُونَ - (الانعام رکوع ۱۱)

میں نے تم کو دنیا میں دیا تھا وہ سب پیچھے چھوڑ گئے۔ اور اب ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم سمجھتے تھے کہ تمہارے کام بنائے ہیں ان کا بھی کچھ حصہ ہے۔ تمہارے آپس کے سب رابطے ٹوٹ گئے اور وہ سب آپس سے گم ہو گئے جن کا تم زعم رکھتے تھے!

يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلَهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوا مِنْ شُفَعَاءِ قُلُوبِهِمْ أَوْ تَرَدُّ نَفْعُ عَمَلِكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ قَدْ خَسِرْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ - (اعراف رکوع ۶)

جس روز وہ انہما م سامنے آجائے گا تو وہی لوگ جو اس کو بھولے ہوئے تھے کہنے لگیں گے کہ واقعی ہمارے
 لب کے رسول حق لے کر آئے تھے پھر کیا اب ہیں کچھ سفارشی ملیں گے جو ہمارے من میں سفارش کریں! ایسے
 دوبارہ واپس ہی بیچیدیا جائے تاکہ جو کچھ پہلے کرتے تھے اس کے بجائے اب دوسرے طریقہ پر کام کر کے
 دکھائیں۔ بیشک ان لوگوں نے اپنا نقصان خود کیا اور ان کی ساری اقرار بندیاں آج گئی گزری ہوئیں۔
 وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ۝ وَ لَوْ كُنْ تَهُمْ مِنْ شُرَكَاءِ هِمَّ شَفَعَاءِ
 وَ كَانُوا لِشُرَكَاءِ هِمَّ كَافِرِينَ ۝ (روم رکوع ۲)

جس روز قیامت برپا ہوگی تو مجرم سخت نا امید ہو جائیں گے سُن کے شریکوں میں کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا
 اور یہ لوگ اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے۔

”شفاعت“ کا یہ عقیدہ چونکہ دوسروں کیلئے علم غیب کے حاصل ہونے کے عقیدہ کو مستلزم ہے اس لئے قرآن نے اس کی بھی نفی

کر دی ہے۔

وَ عِنْدَهُ صَفَاتُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۝ (انعام رکوع ۷)
 اسی کے پاس غیب کی گنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
 قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۝ (نمل رکوع ۵)
 کہہ دو کہ سوائے خدا کے زمین و آسمان کی کوئی ہستی غیب کا علم نہیں رکھتی۔
 قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۝ وَ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ
 لَا سَتَكُنْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۝ (اعراف رکوع ۲۳)
 اے محمد! تم کہہ دو کہ مشیت خدا کے بغیر میں اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا
 اگر میں عالم الغیب ہوتا تو یقیناً بہتیرا نفع اپنے لئے حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا!
 قُلْ مَا كُنْتُ بِذِي عَاقِبَتٍ مِنَ الرُّسُلِ ۝ وَ مَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي ۝ وَ لَا بِيكُمُ ۝ (احقاف رکوع ۱)
 اے محمد! تم کہہ دو کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں اور نہ میں یہ جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا
 اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ یہ کہہ دیں۔ چنانچہ حضور نے بھی اپنی زبان مبارک سے یہی کچھ ارشاد فرمایا ہے

ایک حدیث میں ہے۔

وَاللَّهِ لَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي ۝ وَ لَا بِيكُمُ ۝ (مشکوٰۃ باب البکا والنحوت۔ بحوالہ بخاری برایت امم علا)

خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ خود میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا درآغا ایک مین اللہ کا رسول ہوں۔

یہ اولیاء پرستی بالعموم و تشکوک میں ظہور کرتی رہی ہے، ایک یہ کہ خدا پرستی کو بالکل ترک کر کے اولیاء پرستی ہی کو عین خدا پرستی

تصور کر لیا جاتا ہے اور دوسری یہ کہ خدا پرستی کے ساتھ ساتھ اولیاء پرستی بھی چلتی رہتی ہے، چنانچہ ان دونوں تصورات کو رد کرنے کے لئے کہیں

اللہ تعالیٰ نے تَدْمَعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ (تم پکارتے ہو اللہ کو چھوڑ کر فرمایا ہے اور کہیں مِنْ دُونِ اللَّهِ کے بجائے مع اللہ (اللہ کے

ساتھ) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سورہ مومنوں کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ
إِنَّهُ لَا يَفْضَحُ السُّكْرَانَ ۝

جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکالے۔ جس کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے کا فر کبھی منسلح نہیں پاسکتے!
سورہ نمل کے پانچویں رکوع میں توحید کے دلائل دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بار بار اس سوال کو دہرایا ہے کہ:-
عِٰلَهُ مَعِ اللّٰهِ . کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الہ ہے۔

چنانچہ ان آیات کے منجملہ ایک آیت یہ ہے:-

أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَاَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا
عِٰلَهُ مَعِ اللّٰهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝

وہ کون ہے جو مجبور اور بے قرار آدمی کی دعا قبول کر لیتا ہے جبکہ وہ اسے پکارنے لگتا ہے اور پھر اسکی مصیبت دور کر دیتا ہے۔ اور تمہیں زمین میں نیابت کا خرفن بخشتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الہ ہے؟ مگر تم لوگ بہت کم نصیحت مانتے اور اسے بہت کم یاد رکھتے ہو!

یہی غلط ذہنیت ہے جو زندہ اور مردہ بزرگوں کی تعظیم و تکریم میں غلو اور بالآخر ان کی پرستش و عبودیت تک لے جا کر چھوڑ دیتی ہے۔ یہاں تک کہ زندوں سے کہیں زیادہ مردوں کی پرستش کی جاتی ہے اور یہ عقیدہ قائم کر لیا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد تصرفات میں اور اُدبے ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اسی عقیدہ سے اہل تہذیب کے ساتھ وہ کچھ کیا جاتا ہے جو زندہ بزرگوں کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اہل تہذیب کی پرستش کی بھی تردید فرمائی ہے۔ چنانچہ سورہ تھاک کے دوسرے رکوع میں ارشاد ہوتا ہے:-

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ اَمْ وَاتَّ
غَيْرِ اَحْيَاءٍ فَمَا يَشْعُرُونَ اٰيَاتٍ يُبْعَثُونَ ۝

اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں ہیں۔ بلکہ خود مخلوق ہیں۔ مرزہ ہیں۔ زندہ نہیں ہیں اور ان کو کچھ معلوم نہیں کہ انھیں کب اٹھایا جائیگا!

ان دونوں آیتوں میں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی گئی ہے وہ نہ تو فرشتے اور شیاطین ہیں اور نہ لکڑی پتھر کی بوجیاں بلکہ صرف اصحاب قبور ہیں کیونکہ فرشتے اور شیاطین تو زندہ ہیں ان پر اموات غیر احیاء کے الفاظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا لکڑی پتھر کی سورتیاں، تو ان کے لئے شعور و عدم شعور کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ بعث بعد الموت ہی ان سے متعلق ہے۔ لہٰذا الذین يدعون من دون اللہ سے صرف وہ غیر معمولی انسان مراد ہیں جن کی وفات کے بعد غالی معتقدین انھیں لاتا، مشکل گشا، فریاد رس، بندہ نواز، گنج بخش، دستگیر اور نہ معلوم کن کن نقاب سے ملقب کر کے ان سے اپنی جملہ ضروریات و اہتہ کوٹتے ہیں اور پھر انھیں اپنی ہر چھوٹی بڑی ضرورت یا مصیبت کے وقت پکارنے لگتے ہیں۔ نزدیکی قرآن کے زمانہ میں بھی مردہ بزرگوں کی پرستش کا من بہت عام تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ آسمان، نائکہ، لات، منات اور غزنی وغیرہ دراصل انسان تھے۔ جنہیں بعد کے جہان نے بت بنا ڈالا اور خدائی کی صفات سے متصف کر دیا۔ آیت کریمہ۔ وَقَالُوا لَا تَنْزُلُنَا اِلٰهَتِكُمْ وَلَا تَنْزِلُنَا سُرًا وَلَا يَعْثُونَ وَيَعْثُونَ وَنَسُوا ۝ (یعنی انہوں نے کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑ بیٹھا اور نہ وہ درمواج اور بیخوش اور بوجیاں اور

تسركو چھوڑنا۔ سورہ نوح رکوع ۲ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کے جو الفاظ بخاری میں مروی ہیں وہ یہ ہیں:-
 كلها اسماء رجال صالحين من قوم نوح عليه السلام فلما هلكوا ادعى الشيطان الى قومهم
 ان انصبوا الى مجالسهم التي كانوا يجلسون فيها انصابا وسموها باسمائهم ففعلوا مثل
 تعبد حتى اذا هلك اولئك ونسخ العلم عبداً -

یہ سب نوح علیہ السلام کی قوم کے بزرگوں کے نام تھے۔ جب وہ لوگ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو یہ بات
 بٹھائی کہ جہاں یہ لوگ بیٹھتے تھے وہاں کچھ نشان کھڑے کر لو اور ان کے نام ان بزرگوں کے نام پر رکھ لو۔
 چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس وقت تو ان کی عبادت نہیں ہوئی مگر جب یہ لوگ مر گئے اور علم جاتا رہا
 تو ان کی عبادت ہونے لگی!

اس روایت سے حسب ذیل امور بلا کسی تاویل و ابہام کے خود بخود ثابت ہوتے ہیں:-

۱۔ رجال صالحین ہمیشہ پوجے جاتے رہے ہیں۔

۲۔ صالحین کو معبود بنانا قطعی طور پر "وحی شیطانی" کا نتیجہ ہے۔ اس کو وحی الہی یا مریضیات الہی سے ذرہ برابر تعلق نہیں ہے!

۳۔ صالحین کی نشست گاہوں، عبادت گاہوں اور راسخ گاہوں پر یادگاری نشان کھڑے کر دینا بھی صحیحاً لغو فعل ہے!

۴۔ استھانوں اور انصاب و نشانات کو بزرگوں کے نام سے موسوم کرنا بھی "وحی شیطانی" ہی کا نتیجہ ہے!

۵۔ صالحین کی عبادت ان کی زندگی سے زیادہ ان کی وفات کے بعد ہوتی رہی ہے!

۶۔ مردہ بزرگوں کی پرستش محض جنائت کا کرشمہ ہے۔ اس کو علم سے کوئی لگاؤ نہیں ہے!

مگر اگر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی بخشی ہوئی اعلیٰ درجہ کی بصیرت سے خوب جانتے تھے کہ رجال صالحین تو دراصل اپنے
 پورے وجود کے ساتھ دوسرے لوگوں کو صالحیت کا سبق دیتے ہیں۔ مگر کمزور ذہن ان کی صالحیت کا اسٹاڈنٹ قبول کیا کرتے ہیں۔ اور ان کی
 صالحیت رفتہ رفتہ الوہیت و معبودیت سے متصف ہو جاتی ہے، اس لئے آپ نے مختلف موقعوں پر مختلف الفاظ اور عبارتوں میں اپنی
 امت کو قبروں کے ساتھ غیر معمولی اعتنا و اہتمام برتنے سے بار بار فرمایا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کے باب دفن المیت میں بحوالہ مسلم حضرت
 جابر سے روایت ہے کہ:-

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجَيِّضَ الْقَبْرَ وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ
 وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ -

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو گچ سے پختہ کرنے، اس پر عمارت بنانے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

مشکوٰۃ کے اسی باب میں بحوالہ ترمذی حضرت جابر ہی سے منقول ہے کہ:-

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجَيِّضَ الْقَبْرَ وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهِ
 وَأَنْ تَوْعَطَاءُ -

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو گچ سے پختہ کرنے، ان پر لکھنے اور ان کو روندنے سے منع فرمایا۔

ان دونوں حدیثوں پر غور کیجئے۔ بنظر ظاہر قبروں کو پختہ کرنے اور ان پر قبرے ادا کنندہ تعمیر کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں
 ہوتی۔ بلکہ بعض لوگوں نے تو اس کے فوائد و مصالح بیان کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ مگر حضورؐ خوب سمجھتے تھے کہ اگر اس اہتمام کا

آغاز ہو گیا۔ تو یہ اہتمام احترام تک، اور احترام و سجدہ و طواف اور عبادت تک پہنچ کر ہے گا۔ اس لئے آپ نے پانچ دُعا صریح اس سے منع کر دیا تاکہ ان ماہوں کا سید باب ہی ہو جائے جہاں سے شرک بے پاؤں داخل ہوتا ہے اور آگے چل کر خرافات و بدعات کا ایک طوفان اٹھا دیتا ہے۔ رہ گیا قبروں پر بیٹھنا اور ان پر لکھنا تو ظاہر ہے کہ خالی خولی بیٹھتا یا صرف صاحب قبر کا نام اور تاریخ وفات وغیرہ لکھنا مراد نہیں ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ طلب حاجات کے لئے یا مراقبہ و مجاہدہ کی خاطر یا مجاہد و خادم بن کر وہاں نہ بیٹھنا چاہیے۔ اور آیات و احادیث یا ایسے اشعار اور فقرے، جن میں صاحب قبر کی حمد و ستائش نہایت مبالغہ کے ساتھ کی گئی ہو۔ لکھنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ سارے افعال باسنی شرک و بدعت تک منجر ہوتے ہیں۔ اور مقصود دراصل وہی راہ کو بند کرنا ہے۔ چنانچہ قبروں کو پختہ کرنا تو ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اونچی قبر میں تک دیکھنا گوارا نہ تھا۔

ابو الہیلاج اسدی کا بیان ہے کہ حضرت علی نے مجھ سے فرمایا:-

”کیا میں تم کو ایسے کام کے لئے نہ بھیجوں جن کے لئے خود مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

بھیجا تھا اور وہ یہ ہے کہ تم کسی مورت کو مٹائے بغیر اور کسی اونچی قبر پر برسکے بغیر نہ چھوڑو۔“

(مشکوٰۃ باب دفن المیت بحوالہ مسلم)

یہی تعلیم تھی جس کی بنا پر قبے اور عالی شان عمارتیں بنانا تو درکنار صحابہ کرام کسی قبر پر معمولی سا مٹا میا نہ یا سا بنان تک دیکھنا

پسند نہ کرتے تھے۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے عبدالرحمن کی قبر پر ایک شامیانہ لگا ہوا دیکھا تو فرمایا

کہ ”یا غلام انزعہ انما یظلمہ عملہ“ (اسے لڑکے! اس کو الگ کر دے، ان پر تو ان کا عمل سایہ کر رہا ہے)

ان شروعات کا راستہ جن جن مفاسد و قبائح تک پہنچتا ہے، ان کی نسبت بھی حضور کے احکام نہایت صاف و صریح ہیں۔

مثلاً فرمایا:-

لَا تَجْعَلُوا قَبْرِی عِیْدًا - میری قبر کو ”عید“ نہ بناؤ۔ (مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی بحوالہ نسائی، بروایت ابو ہریرہ۔

ایک اور جگہ ہے:-

اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِی وَتَنَآئِبِی - اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنا نا کہ پوچی جائے۔

(مشکوٰۃ۔ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ۔ بحوالہ مالک بروایت عطاء)

قبروں کا بت بنا کر پوجا جانا تو ایک صحت و صریح بات ہے جس کی تشریح کی حاجت نہیں۔ البتہ لفظ ”عید“ کچھ تشریح طلب

ہے۔ عید عربی لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو عود کرے یعنی بار بار آئے۔ چونکہ خوشی اور جشن کا روز سال بہ سال آتا رہتا ہے اس لئے

اسے بھی عید کہا جاتا ہے۔ عید بلا تعین روز و تاریخ نہیں آتی بلکہ اس کی ایک تاریخ معین ہوتی ہے، جس میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور

خوشی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ قرآن میں حضرت موسیٰ کی دعا منقول ہے کہ انہوں نے کہا تھا:-

اللّٰهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدًا مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا -

اے اللہ! ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرما تاکہ وہ ہمارے لئے، ہمارے

انگے پھلے سب لوگوں کے لئے ایک خوشی کا دن قرار پائے۔

یہود و نصاریٰ اپنے بزرگوں کی قبروں پر سال بہ سال جمع ہوتے اور میلے لگا لگا کرتے تھے۔ سرکار رسالت کا بتلے اپنی امت کو حکم

دیا کہ اس طرح روز و تاریخ معین کر کے میری قبر پر اجتماع نہ کرو جیسا کہ خوشی اور جشن کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ پھر دوسری حدیث میں وہ

غرض بھی واضح فرمائی ہے، جس کے لئے یہ میلے ٹھیلے اور اجتماعات منعقد ہوتے ہیں، یعنی قبر کو بت بنا کر پوجنا۔

اب سوچنے کی بات ہے کہ جب حضور ہی نے اپنی قبر پر میلوں اور اجتماعات کو پسند نہ فرمایا اور نہ یہ پسند کیا کہ قبر مبارک ایک بت بن کر رہ جائے، جس کی پرستش ہوتی رہے، یہاں تک کہ اس کے لئے خدا سے دعا بھی مانگی، تو پھر دوسروں کو یہ حق کہاں سے پہنچ سکتا ہے کہ ان کی قبریں بت بنا کر پوجی جائیں اور سال بہ سال نہایت شان و اہتمام کے ساتھ وہاں میلے لگتے رہیں۔

اس امر واقعی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ حضور افضل المرسلین و خاتم النبیین ہیں اور پوری کائنات میں خداوند قدوس کے بعد آپ ہی کی ہستی بزرگ ترین ہستی ہے۔ اگر خدا کے سوا کسی اور چیز کی عبادت جائز ہوتی اور مزاروں پر سالانہ اجتماعات کسی درجہ میں بھی محمود و مقصود یا کم از کم جائز ہوتے تو حضور کی قبر مبارک اس کی اولین مستحق تھی۔ مگر جب حضور نے خود اپنی ذات کے لئے بھی اس کی ہنسی فرمادی تو پھر کسی دوسری قبر کے لئے اس کا تصور تک کرنا ایمان کو متزلزل کرنے کے لئے ہے! رہ گئے اس کے لئے جو ازواجِ شہداء کی کوشتش کرنے والے یا اسے ضروری اور لازم قرار دینے والے۔ سو حضور کے صریح ارشادات کی روشنی میں ان کو اپنے ایمان کی خیر مساننا چاہیے!

حضور کے بعد پوری امت میں سب سے افضل صحابہ کرام کی جماعت ہے۔ لیکن کسی صحابی کے متعلق یہ سننے میں نہیں آیا کہ ان کی قبر کو بھی بت بنا کر پوجا گیا ہے اور عرس کے نام سے وہاں سالانہ اجتماع منعقد ہوتا رہا ہے۔ پس پوری امت میں سے چند مخصوص اولیاء و صوفیاء کی قبروں کے ساتھ یہ سارا معاملہ بین طور پر انتہائی فسادِ عقیدہ کا مظہر ہے۔ جس سے ہر متبعِ شریعت مسلمان کو توبہ کرنی چاہیے۔!

قبروں کی عبادت کا ایک جزو اور نہایت اہم جزو یہ ہے کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنایا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بھی حضور کے ارشادات نہایت واضح ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضور نے اپنے مرنے کے وقت فرمایا تھا:۔
لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔
اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ (مشکوٰۃ۔ باب مساجد و مواضع الصلوٰۃ بحوالہ صحیحین)

یہی ارشاد حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطے سے بھی منقول ہے، جسے بخاری و مسلم کے علاوہ ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ مشکوٰۃ کے مذکورہ بالا باب میں مسلم کے واسطے سے ایک اور حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور نے فرمایا:۔
أَكْفَرَانٌ مَنْ كَانَتْ قَبْلَكُمْ كَالْوَأَيْتِجِذِ وَنَقَبُورِ أَنْبِيَائِهِمْ وَمَسَاجِدِهِمْ مَسَاجِدَ فَلَا تَسْجُدُوا لِقُبُورِ مَنْ سَجَدَ لَهَا قَبْلُكَ!
خبردار رہو۔ تم سے پہلے کے لوگ اپنے انبیاء و صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے۔ پس تم کہیں قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنا لینا، میں تمہیں اس فعل سے منع کرتا ہوں!

یہاں یہ امر بھی لائق ذکر ہے کہ انبیاء و صالحین کی قبروں کو سجدہ کرنا تو ایک طرف خود امامِ الانبیاء نے اپنی زندگی میں اپنی ذاتِ بابرکات کے لئے بھی سجدہ کو جائز نہیں رکھا۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ہاجرین اور انصار کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک اونٹ آیا اور اُس نے حضور کو سجدہ کیا۔ اس پر صحابہ نے کہا کہ:۔

يَسْجُدُ لَكَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ وَالْحِجَارُ فَخَرَّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَسْجُدَ لَكَ۔

جانور اور دھت آپ کو سجدہ کرتے ہیں، پس ہم تو آپ کو سجدہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔

آپ نے فرمایا :-

اعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَارْكَبُوا أَسْبَابَ كُرْسِيِّ رَجُلٍ

عبادت صرف اپنے رب کی کرو رہ گیا تمہارا بھائی تو اس کا صرف اکرام کیا کرو۔

ملاحظہ کیجئے مشکوٰۃ باب عشرت النساء بحوالہ امام احمد بروایت حضرت عائشہؓ - اس حدیث میں عبادت اور اکرام کا فرق بھی بتا دیا گیا ہے اور رب کے مقابلہ میں دوسرے سارے انسانوں کو "بھائی" کہہ کر یہ امر بھی ذہن نشین کر دیا گیا ہے کہ ان میں باہمی کتنا ہی تسوق و مراتب ہو بہر حال وہ عبادت کے رشتہ سے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس ان کا اکرام تو جائز ہے لیکن اس میں غلبہ کو کے عبادت تک نوبت پہنچا دینا فی الجملہ حرام ہے!

جو قبریں سجدہ گاہ تک کا مرتبہ حاصل کر چکی ہوں۔ ناممکن ہے کہ لوگ ان پر دُور دراز سے سفر کر کے، سفر کا ساز و سامان ساتھ لئے نہایت اہتمام کے ساتھ حاضری نہ دیں۔ چنانچہ اسفار زیارت کا رواج عہد جاہلیت میں بھی تھا اور آج بھی اس کا مشاہدہ ہر جگہ کیا جا سکتا ہے۔ حضورؐ نے اسے ممنوع قرار دیتے ہوئے صاف فرمایا کہ :-

لَا تُسَدُّ التَّرِجَالَ إِلَّا لِثَلَاثَةِ صَنَائِعٍ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى

و مسجدی ھذا۔ (مشکوٰۃ - باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ بحوالہ صحیحین بروایت ابو سعید خدی)

مطلب یہ ہے کہ زیارت کے واسطے کسی استھان یا مکان متبرک کو سفر کر کے جانا درست نہیں ہے۔ اس قسم کا سفر صرف تین مسجدوں کے لئے جائز ہے۔ ایک مسجد حرام یعنی کعبہ شریفہ - دوسری مسجد اقصیٰ - تیسری مسجد نبویؐ۔ اس حدیث سے اسفار زیارت کی نوعیت خود بخود متعین ہو جاتی ہے!

جو لوگ ان تمام تنبیہات کے باوجود "زیارت قبر" کے نام سے "عبادت قبر" کرتے ہیں وہ دیدہ و دانستہ خدا کی لعنت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ اس معاملہ میں مرد و عورت دونوں یکساں ہیں لیکن زائریں کے مقابلہ میں زائرات کے لئے اعتقادی و اخلاقی فتنوں میں مبتلا ہونے کا زیادہ اندیشہ ہے، اس لئے خصوصیت کیساتھ ان پر حضورؐ نے لعنت فرمائی ہے۔ ابو داؤد، ترمذی اور نسائی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: لعن اللہ من زارت القبور۔ احمد، ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: لعن اللہ من زارت القبور!۔

اوپر کی توضیحات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ قبر پرستی اور اولیاء پرستی بالیقین "شُرک" کی تعریف میں داخل ہے۔ لہذا اب شرک کی اہمیت بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے :-

سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی جو نصیحتیں نقل فرمائی ہیں، ان میں ایک فقرہ یہ ہے :-

يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ - بیٹا! اللہ کا شریک نہ کرنا۔ بلاشبہ شرک بڑا ظلم ہے۔

حضرت لقمانؑ جو مکہ میں کو نصیحت کر رہے تھے اس لئے اس کی فہم و ذکا کے مطابق انہوں نے شرک کو صرف ظلمِ عظیم کہہ کر چھوڑ دیا مگر رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے ایک ایک فرد کو بلا لحاظ مذہب و وطن و بلا لحاظ عام و خاص جو نصیحت فرمائی ہے وہ سننے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں :- لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ فَإِنَّ قَتْلَكَ وَحَرْقَكَ (مشکوٰۃ باب الکبائر بحوالہ امام احمد بروایت معاذ بن جبل) یعنی اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تو قتل کر دیا جائے یا جلا ڈالا جائے!

قرآن میں "علم" یا عموم گناہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پس شرک اس لحاظ سے ایک بڑا گناہ قرار پاتا ہے۔ لیکن قرآن ہی بتاتا ہے کہ اس گناہ کی حیثیت دوسرے گناہوں سے بالکل مختلف ہے۔ دوسرے گناہ چاہے وہ بجائے خود کتنے ہی بڑے ہوں لائق معافی ہیں۔ لیکن شرک بالکل ناقابل معافی جرم ہے۔ سورہ نسا میں ارشاد ہوتا ہے :-

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۝

یقیناً اللہ اس امر کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے۔ ہاں اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں انہیں وہ جس کے لئے چاہے گا معاف کر دے گا۔ کیونکہ جس نے اللہ کا شریک قرار دیا اس نے ایک بڑا گناہ افترا کیا۔ !

حضرت لقمان کی نصیحت میں شرک کو ظلمِ عظیم کہا گیا ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے اسے ظلمِ عظیم فرمایا ہے اور اس پر لفظ "افترا" بڑا زیادہ ہے۔ جو چھوٹا تصنیف کرنے کا ہم معنی ہے۔ اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ دوسرے گناہ تو کسی نہ کسی عارضی سبب سے سرزد ہوا کرتے ہیں لیکن شرک کی سرے سے کوئی علت ہی نہیں۔ یہ محض انسان کے توہم پرستانہ ذہن کی منشاقتی ہے۔ آیت شریفہ میں صَادُونَ ذِٰلِكَ گناہوں کی معافی کا جو اعلان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی بس شرک سے بچا رہے۔ باقی دوسرے گناہ خوب دل کھول کر کئے جائیں۔ بلکہ دراصل اس سے یہ بات ذہن نشین کرانی مقصود ہے کہ شرک کو ایک بہت معمولی گناہ نہ سمجھا جائے۔ یہ تو تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے یہاں تک کہ اور گناہوں کی معافی تو ممکن ہے مگر یہ گناہ قطعی طور پر ناقابل معافی ہے۔ اس سے ان لوگوں کا بوسر غلط ہونا پوری طرح واضح ہوتا ہے جو شریعت کے چھوٹے چھوٹے احکام کا تو بڑا اہتمام کرتے ہیں بلکہ ان کا سارا وقت فقیرانہ جزئیات کی تاپ تول ہی میں صرف ہوتا رہتا ہے۔ لیکن شرک ان کی نگاہ میں اتنا ہلکا فعل ہے کہ نہ خود اس سے بچنے کی فکر کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بلکہ طرح طرح کی تاویلوں اور تحریفوں سے شرک کو توحید کا لباس پہنانے میں بھی تامل نہیں کرتے اور تحریف کا کمال یہ ہے کہ شرکِ خفی کو شرکِ خفی تک بنا ڈالتے ہیں۔

اسی سورہ نسا میں چند رکوع آگے ارشاد ہوتا ہے :-

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ ضَلَّٰ صُلَاكًا بَعِيدًا ۝ (رکوع ۱۸)

یقیناً اللہ شرک کو معاف نہیں کرے گا۔ البتہ اس کو چھوڑ کر دوسرے گناہ جس کے لئے چاہے گا معاف کر دے گا۔ جو شخص اللہ کا شریک قرار دیتا ہے وہ گراہی میں بہت دور نکل گیا۔ !

۱۷ ایک حدیث قدسی میں یہی مضمون بدین الفاظ نقل کیا گیا ہے :-

يَا بَنِي آدَمَ إِنَّمَا كُنْتُمْ لِقَيْتِي بِقَرَابَةِ الْآرَمِ مِنْ خَطَايَاكُمْ لَا تُشْرِكُوا بِي سَيِّئًا إِلَّا آتَيْتُكُمْ لِقَاءَ الْهَامِ مَخْفِيًّا ۝ (مشکوٰۃ باب الاستغفار بحوالہ ترمذی بروایت حضرت انسؓ)

یعنی اے ابن آدم! جب تو مجھ سے ملے تو چاہے زمین بھر گناہوں کا بوجھ لے ہوئے ہو مگر مجھ سے ملے اس حالت میں کہ میں ساتھ کسی چیز کو شریک نہ قرار دے تو یقیناً میں تیرے پاس زمین بھر بخشش لے آؤں۔ !

یعنی دوسرے گناہوں کے ارتکاب میں بھی آدمی وقتی طور پر راہ ہدایت سے منحرف کر جاتا ہے۔ لیکن اس کی نوعیت کچھ طے سے بھری ہوئی چکنی زمین پر چلنے والے کی لغزش کی سی ہوتی ہے، بر خلاف اس کے ایک مشرک راہ ہدایت سے ہٹ کر اتنی دور نکل جاتا ہے کہ ضلالت کے چنگل ہی میں سرگشتہ و حیران ہو کر رہ جاتا ہے اور راہ ہدایت اس کی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو جاتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں اس کی سرگشتگی اس کی تباہی پر ختم ہوتی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو نہایت بلیغ الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔ سورہ حج میں ہے:-

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ نَقَاطٌ مِّنَ الطَّيْرِ أَوْ تَهْوَىٰ بِدِرِّ السَّيْفِ
فِي مَكَانٍ سَحَابِيٍّ ۝ (رکوع ۱۲)

جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرے وہ گویا آسمان سے گر گیا۔ اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اس کو ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اس کی ہڈیاں پس کر رہ جائیں گی! یہ تو مشرک کا دُخیر ہی انجام ہے۔ یہ گویا خودی انجام تو سورہ مائدہ میں فرمایا کہ:-

إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ
وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ (رکوع ۱۰)

جو شخص اللہ کا شریک قرار دیتا ہے، اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا آگ ہے، ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں!

یہی مشرک ہے جس کے متعلق سورہ النعام میں اللہ تعالیٰ نے کم و بیش اگھارہ پیغمبروں کا نام بنا کر ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ وَكَوَفِّرْ مَا كَبَّرُوا عَنْهُمْ صَاعًا أَوْ بِرَأْسِ غَنَاقَةٍ ۝ (ملاحظہ فرمائیے رکوع ۱۰) یعنی اگر ان لوگوں نے مشرک کیا ہوا تو ان کا کیا کرایا سب غارندہ ہو جاتا۔!

ہم کہہ چکے ہیں کہ مشرکیت سے متعلق اس سے زیادہ تشریحات اور کیا پر سکتی ہیں؟ جب انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ جماعت کے اعمال بھی مشرک کی دہشت سے قابلِ جنٹ نہ رہ سکتے ہیں۔ تو وہ دوسرے کون ہیں جنہیں "مشرک" کے بعد اپنے اعمال کی کوئی جزا ملنے یا مشرک کی سزا سے بچ رہنے کا اطمینان حاصل ہے۔ مشرک تو ظلمِ عظیم ہے۔ اور ایسے تمام ظالموں کے لئے اللہ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ ان کا کوئی مددگار نہیں۔ اب نہیں معلوم اللہ کے ارشاد کے مہتمم بلکہ میں کس کے "ارشادات" ظالموں کو کہیں سے مدد پہنچنے کا یقین دلاتا ہے؟

(۲)

سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر قبر پرستی، ادبیا پرستی اور اس کے سائلے لوازم و مقتضیات مشرک یا قریب بہ مشرک یا مشرک کی طرف سے جلسے والے وسائل و ذرائع ہیں تو پھر قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات کی موجودگی میں خود مسلمانوں کے اندر اس کا کثرتِ شیعہ اس حد تک کیسے پہنچ گیا کہ آج سنا بد کوئی مشہور اور کوئی گاؤں ایسا نہیں جو اس کی پرچھائیں سے محظوظ نہ ہو۔ سو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ کالیگتویٰ الخبیثہ والطیبہ و لَوِ اَعْجَبْتَ كَثْرَةَ الخبیثہ۔ یعنی پاک اور ناپاک پر حال یکساں نہیں ہیں۔ اگرچہ ناپاک کی کثرت تمہارے لئے کتنی ہی تعجب انگیز کیوں نہ ہو۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ علم دین کی کمی اور انتہائی کمی کا وجہ سے ہے۔ مگر اصل یہ ہے کہ اس معاملہ کے بہت سے تاریخی

۱

نفسیاتی اور داخلی و خارجی اسباب بھی ہیں۔ جن کی طرف ہم یہاں مختصراً اشارہ کئے دیتے ہیں۔

مسلمانان ہند کی پچھلی تاریخ پر جن لوگوں کی نظر ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام کسی منظم کوشش کے نتیجے میں نہیں پھیلے۔ چند مستثنیات کو چھوڑ کر عمومی حالت یہ رہی ہے کہ بالکل ایک غیر منظم طریقے سے کہیں کوئی صاحب علم آگئے، جن کے اثر سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے۔ کہیں کوئی تاجر پہنچ گیا، جس کے ساتھ ربط ضبط رکھنے کی وجہ سے کچھ لوگوں نے کلمہ پڑھ لیا اور کہیں کوئی نیک نفس اور خدا رسیدہ بزرگ شریف لے آئے، جن کے بلند اخلاق اور پاکیزہ زندگی کو دیکھ کر بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ بلکہ بہت سے تاریخی تذکرے تو اس امر کی شہادت بھی دیتے ہیں کہ بہت سے غیر مسلم، اسلام کے ابتدائی مقننات تک کو جانے بوجھے بغیر محض خوارق و کرامات کے مشاہدہ سے مسلمانوں میں شامل ہوتے رہے۔ اس حالت میں ضروری تھا کہ جو لوگ مسلمان ہوتے چلے گئے ان کے منکر و عمل میں وہ پورا انقلاب لایا جاتا جو اسلام میں مطلوب ہے۔ کیونکہ تاریخ و نفسیات پر اور بالخصوص اسلام و جاہلیت کی کشمکش پر جن لوگوں کی نظر ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ کسی دوسرے مذہب سے نکل کر اسلام میں آ جانا جتنا آسان ہے۔ اعتقادات و خیالات سے لے کر رسوم و اعمال تک کے ایک ایک گوشہ میں پوری طرح اسلامی روح کو جذب کرنا اتنا آسان نہیں ہے!

اس کے لئے باقاعدہ تعلیم و تربیت اور ایک مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے اور خود حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ دین اور سعی اصلاح اس پر شاہد ہے کہ جاہلیت سے نکل کر آنے والے لوگوں کو اسلام کے معیار مطلوب تک پہنچانے کے لئے آپ نے مستقل اور مسلسل کتنی توجہ فرمائی اور اس کے باوجود عرب کے ابتدائی معاشرے میں کبھی کبھار جاہلی فکر ابھرتی تھی۔ یہ منظم اور انتھک جدوجہد کی ضرورت اس ملک اور اس معاشرہ میں اور بھی زیادہ اہم ہو جاتی ہے، جہاں مشرکانہ عفت اند اور مشرکانہ خیالات و توہمات دل و دماغ میں خوب گہرے اترے ہوئے ہوں۔ اور مشرکانہ اعمال و رسوم انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر چھوٹے بڑے شعبہ کو پوری طرح اپنے گہرے میں لئے ہوئے ہوں۔ اس لحاظ سے سرزمین ہند جو حیثیت رکھتی ہے اس سے کون واقف نہیں!

پس یہ نہایت ضروری تھا کہ اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اس کے استحکام کا اتنا ہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ اہتمام کیا جاتا۔ اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ علماء نے اپنے مدرسوں اور تعلیمی خدمات کے ذریعہ اور صلہ نیانے اپنی خانقاہوں اور اپنے سلسلہ بیعت و ارشاد کے ذریعہ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کی اپنی سی کوششیں جاری رکھیں۔ مگر ایک طرف تو ان کے پاس ایسے ذرائع نہ تھے کہ نہایت وسیع پیمانہ پر دائرہ اسلام میں آنے والے لاکھوں کروڑوں افراد کی مکمل اصلاح کر دیتے۔ دوسری طرف ان کی کوششوں اور کاموں کے اثرات فطرتاً اُونچے اور متوسط طبقہ پر ہی پڑ سکتے تھے۔ اور انہی طبقوں نے کم و بیش فائدہ بھی اٹھایا۔ لیکن عوام الناس توجید کے تقاضوں سے بے خیر اور آبائی عفت اند و اولاد میں مبتلا رہے!

اسلام پھیلانے والے بزرگوں کی مساعی جمیدہ کو پوری طرح کامیاب بنانے کے لئے عین ضروری تھا کہ وقت کی حکومتیں ان کے ساتھ اتحاد و ن کرتیں، اور دوسرے مذاہب سے نکل کر آنے والے تمام مسلمان فرداً فرداً سہی، کم از کم اپنی ایک مستند بہ اکثریت کے ساتھ انفرادی و اجتماعی حیثیت سے اسلام میں پوری طرح جذب ہو جاتے۔ اسلامی حکومت تو غیر مسلموں کے لئے نہایت اسلام کا ایک بہترین عملی منظر اور مسلمانوں کے لئے بہتر و معروض اور نہی عن المنکر کا ایک منظم ادارہ ہوا کرتی ہے۔ اس لئے مسلم حکمرانوں کا کام یہ تھا کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ اسلام کی توسیع کی اور نظام تعلیم و نظام قانون و سیاست

یہ اور مسلمانوں کے فکر و عمل میں جتنی بھی کمی پیدا ہو سکے اور ترقی اور ترقی کرانی گئی، وہ اپنی بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔

کے ذریعہ اسلام کے استحکام کی کوشش کرتے مگر یہاں جو لوگ فسق و فحش کے جھنڈے اٹاتے وہ خیر سے آگے بڑھے اور اندرون ملک چاروں طرف پھیل گئے، وہ خود نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، اہل اسلام بھی اُس وقت لائے تھے جب خود اس کے تہذیبی مرکزوں (حجاز، عراق، اور شام وغیرہ) میں انحطاط رونما ہو چکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے ملک گیری اور کشور کشائی ہی کو زیادہ تر اپنا نصب العین بنا لیا اور دنیوی عیش و تنعم ہی کو بہت کچھ سمجھ بیٹھے۔ اس صورت حال میں ان کی حکومتیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا معیاری ادارہ نہیں بن سکتی تھیں اور نہ بنیں!

یہ حکومتیں اسلامی دعوت و تبلیغ کا کام تو کیا انجام دیتیں۔ جن اللہ کے بندوں نے یہ کام شروع کر رکھا تھا اور جس کے لئے انہوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔ اُن کے ساتھ تعاون تک نہ کیا بلکہ کتے ہی وقتوں اور موقعوں پر وہ اپنے سارے وسائل و ذرائع اور اپنے سائے حاکمانہ اختیارات کے ساتھ اُن کی راہ میں حائل ہوئیں اور ان سچا رول کو درباری اثر و رسوخ اور شاہی اقتدار کا سخت مقابلہ کر کے اپنا کام جاری رکھنا پڑا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں وہ سخت سے سخت مظالم کا تختہ مشق بنے اور طرح طرح کی سختیاں جھیلتے رہے، اگرچہ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہونے والے سارے ہی مسلمان بادشاہ تاہل و ناکارہ اور فاسق و فاجر نہیں تھے۔ ان میں شمس الدین التمش، ناصر الدین محمود، محمد تغلق، فیروز تغلق، سکندر لودی اور ایسے ہی بعض دوسرے فرمانروا بھی گزرے ہیں۔ جنہوں نے نیکی اور پاکیزگی کے لحاظ سے تاریخ میں ایک خاص مقام پیدا کیا ہے۔ لیکن ان کی دینداری اول تو شخصی دینداری تھی، دوسرے انہوں نے شرک کو مٹانے اور توحید کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لئے تعلیم و تربیت اور ترقی یافتہ قرآن الہیہ کی جو کوششیں کیں وہ مسلمانوں کی روز افزوں آبادی میں اُن کے ایک فرد کے اندر شرک کے جراثیم کو پوری طرح ہلاک کر دینے کے لئے کافی نہیں تھیں۔ پھر موروثی شاہی نظام اس کے پوری طرح کا میاب ہونے میں بھی مانع تھا۔ کیونکہ آئے دن اچھے اور برے افراد کا ادل بدل ہوا اصلاحی کوشش پر اثر انداز ہوتا اور یہ کوششیں اپنے پورے نتائج تک پہنچنے بھی نہ پاتیں کہ اس طرح ختم کر دی جاتیں گے یا یہاں دین کی خدمت اور اصلاح حال کا کوئی کام کہا ہی نہیں گیا، اس لئے شرک اپنے پُر پُر زے نکالتا ہی رہا اور اس کی سمیت سے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کا ذہن متاثر ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ ایک وہ دور بھی آ گیا کہ ”شرک کو باقاعدہ سرکاری سرپرستی حاصل ہو گئی!

یہ مملکت خاندان کے مشہور بادشاہ اکبر کا دور تھا جس میں اگر کائناتی قیامت نہ آئی نہ ہوتی، لیکن حقیقت کے اعتبار سے دین اسلام پر قیامت آ گئی۔ یہ شخص اُن پڑھ تھا اور اس کے درباری و مصاحب سخت گم کردہ ماہ۔ اس کے منحوس دور میں نہ صرف یہ کہ اسلام کے دائرہ میں شرک اپنے عالم شریب ناز و انداز کے ساتھ پورے کبر و اقتدار کا مظاہرہ کرتے ہوئے داخل ہوا بلکہ سرے سے دین اسلام ہی پر خط تہ تیغ پھر گیا۔ اور بادشاہ کی خدمت میں ایک محضر نامہ پیش کیا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ۔

”بادشاہ ظل اللہ ہے، جہدی ہے، صاحب زماں ہے، امام عادل ہے، مجتہد العصر ہے،

کسی کا پابند نہیں، اس کا حکم سب پر بالابے“

چنانچہ اسے معصومیت کی سند دے دی گئی۔ اور وہ اپنی عقل کو بھی معصوم سمجھنے لگا۔ ایک صاحب تو یہاں تک بڑھے کہ اکبر کو خیرا کا عکس ہی ٹھہرا دیا۔ بس پھر کیا تھا ایک نئے دین کی نیو پڑ گئی۔ اس نئے دین کا نام برعکس نہند نام زنگی کا نور کے مصداق ”دین الہی“ رکھا گیا۔ اور اس کا کلمہ لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ تجویز کیا گیا۔ جو لوگ اس دین میں داخل ہوتے ان کو ”دین اسلام مجازی و تقلیدی“ کہ از پداں دیدہ و شنیدہ ام سے تو بہ کرنی پڑتی اور ان کو لفظ ”چیدہ“ سے تعبیر کیا جاتا۔

بادشاہ پرستی اس دین کے ارکان میں سے ایک رکن تھی۔ چیلوں کو بادشاہ کی تصویر دی جاتی جسے وہ پگڑی میں لگاتے۔ ہر روز صبح کو بادشاہ کا درشن کیا جاتا اور بادشاہ کے سامنے جب حاضری دی جاتی تو اس کے سامنے سجدہ بجا لایا جاتا۔ درباری علماء و موفیاء بے لطف سجدہ فرماتے اور اس صریح شرک کو "سجدہ تختیہ" اور "زمین پوسی" جیسے الفاظ کے پردہ میں چھپاتے، اکبری محل میں دائمی آگ کا الاؤ درشن کیا گیا اور چراغ روشن کرنے کے وقت قیامِ تعظیمی کیا جانے لگا۔ حضرت مرثیم کو بھی معبود بنا یا گیا۔ اور ستاروں کی پرستش بھی کی گئی۔ خود اکبر نے مشرک عورتوں سے شادیاں کیں، جن کی وجہ سے قصر شاہی میں ہندو تہذیب و معاشرت کا سکہ چلنے لگا۔ ان کے لئے قصر میں خاص عبادت خانے بنائے گئے، اور بتوں کی پوجا کا باقاعدہ انتظام ہوا۔ ہندو تہوار دیوالی، دسہرہ، راکھی پونم، شیوراتری وغیرہ پوری ہندوانہ رسوم کے ساتھ منائے جانے لگے۔ شاہی محل میں ہوت کی رسم ادا کی جانے لگی۔ دن میں چار وقت آفتاب کی عبادت کی جاتی۔ اور آفتاب کے ایک ہزار ایک ناموں کا جاپ کیا جاتا۔ آفتاب کا نام زبان پر آتا تو "جلت قدرتہ" کے الفاظ کہے جاتے۔ پیشانی پر قشقہ لگا یا جاتا۔ دوش و کمر پر جینو ڈالا جاتا اور گلے کی تعظیم کی جاتی۔!

اب آپ ایک طرف اکبری حدودِ سلطنت اور حکومت کی اسلام دشمنی پر نظر کیجئے اور دوسری طرف ان کروڑوں مسلمانوں کا تصور کیجئے جو لاکھوں مربع میل زمین میں پھیلے ہوئے اپنے غیر مسلم ہمسایوں کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ اور پھر اندازہ لگائیے کہ جب ایک عظیم الشان شاہی حکومت کفر و شرک کی علمبردار ہو تو لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کی باقاعدہ دینی تعلیم و تربیت اور ان کی منقل ذہنی اصلاح کے لئے ان چند علماء و موفیاء حق کی کوششیں کس حد تک مفید ہو سکتی ہیں جو حکومت کے ذرائع و وسائل سے نہ صرف محروم ہو کر بلکہ ان کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے متفرق طور پر اپنا کام کر رہے ہوں!

کم و بیش ربع صدی تک "دین الہی" کی فتا ہرانہ سرپرستی کر کے جب اکبر دُنیا سے رخصت ہوا تو جہاں تک تخت پر بیٹھا۔ تضریر و بیباست میں اس کا عدل عام طور پر مشہور ہے۔ لیکن خود دین اسلام پر اس نے اتنا بڑا ظلم کیا کہ محض سجدہ تختیہ نہ کرنے کے جرم میں خدا کے ایک صالح و مصلح بندہ کو اس نے جیل میں بھیجا۔

جہاں تک اقامتِ توحید، ازالہ شرک، احیاء سنت اور اہل بدعت کا تعلق ہے، نہ صرف شخصی زندگی میں بلکہ حکومت کے تمام ممکنہ وسائل و ذرائع کے ساتھ پوری اجتماعی زندگی میں اس کی مکمل جدوجہد کرنے والی مغل حکمرانوں میں صرف ایک ہی شخصیت تھی اور وہ ہے حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت۔ عالمگیر نے مشرکانہ خیالات و نظریات کی اصلاح کرنے اور مشرکانہ رسوم و رواجات کو دلیں نکال دینے کے لئے نصف صدی تک جہاد کیا۔ مگر ظاہر ہے کہ ان کی حکومت بھی موروثی حکومت تھی۔ اس لئے ان کی آنکھ بند ہوتے ہی ان کے نااہل اور بدکار جانشینوں نے ان کے کئے کئے پر پانی پھیر دیا۔

آپ اس وقت سے لے کر مسلم حکومت کے خاتمہ تک تختِ دہلی پر بیٹھنے والے بادشاہوں کے حالات و خیالات کا مطالعہ کریں۔ تو کپ کو اندازہ ہو گا کہ اس وقت ہندوستان پر ایک قیامت کی سی تاریکی مسلط تھی۔ اس زمانہ میں نہ صرف اعتقادی خرابیاں پرورش باقی رہیں بلکہ اخلاقی بے جابیوں اور بے راہ رویوں کا بھی وہ طوفان اٹھا کہ اس نے مسلمانوں کے پورے نظامِ اجتماعی کو تہ و بالا کر ڈالا۔ اس زمانہ میں فرج و شکم کی جس طرح پوجا کی گئی اور سلاطین و امرا نے بدکاریوں اور بد اخلاقیوں کے جس جس طرح مظاہرے کئے اس کے تذکرے تاریخ کے اوراق میں پڑھ کر ایک مسلمان کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے دُنیوی فوائد و لذائذ ہی کو معبود بنا کر پوجا کیا، انہیں شرک و توحید کی بحث سے کیا تعلق رہ سکتا ہے۔

اگر قبریں مٹی ہی ہوں تو کیا معنائفہ ہے، اگر اولیا پڑھے جا رہے ہوں تو کیا بُرائی ہے۔ اگر مشرکانہ بدعات کا زور ہے تو ان کا کیا بگڑتا ہے۔ اگر شرک نے پھیل کر پھر ہی زندگی کو لپیٹ دیا ہے تو اس سے ان کا کیا نقصان ہے۔ چنانچہ یہی صورت حال تھی جس میں ستونوں آہنی کے مطابق مسلمانوں کو تخت و تاج سے محروم کر دیا گیا تھا ایک غیر مسلم تو ہونے چہرہ دست ہو کر اپنی حکومت کے لادینی ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس نے نہ صرف مذہب کے دائرہ کو سیاست سے الگ کر لیا۔ بلکہ اپنے نظام تعلیم و تربیت، اپنے نظام تہذیب و تمدن اور اپنے نظام معیشت و معاشرت کے لحاظ سے کر ڈھا کر وٹھ مسلمانوں کو دین سے بیگانہ بنا ڈالا۔

پھر جب اس قوم کا تسلط ختم ہوا اور یہ ملک دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تو جس حصہ ملک پر ہندو حکمران ہو گئے وہ تو بہر حال شرک سے پاک نہیں ہو سکتا۔ مگر جس حصہ پر مسلمانوں کی حکمرانی قائم ہوئی، وہاں بھی انتہائی منظم اور باقاعدہ اصلاحی کوششوں اور ہر طرح کی قربانیوں کے باوجود، نو دہائیوں میں سال ہو گئے ابھی وہ اصلاح مکمل نہیں ہو سکی۔ جس کے نتیجے میں شرک اور اس کے لوازمات کو پوری طرح ملک بدر کر دیا جائے، کیونکہ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جو گراہیاں صدیوں تک چلتی اور بڑھتی چلی جاتی ہیں انہیں قدامت کی وجہ سے خواہ مخواہ تقدس اور نیرنگی کا مقام حاصل ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور ان کی اصلاح کا کام بھی اسی مناسبت سے نہایت مشکل اور دیر طلب ہوتا ہے۔!

ان گراہیوں کی شراب کو جس چیز نے دو آتشہ بنا دیا وہ بندہ زر علماء اور دنیا پرست صوفیاء کا وجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ لوگ ان گراہیوں کی حمایت کرنے، شرک پر توحید کا پردہ ڈالنے، بدعت کو سنت بنانے اور مشرکانہ طور پر بقول کو سید جواز دینے کے لئے موجود نہ رہتے تو مسلمانوں کو غلط کار حکمرانوں اور غیر اسلامی حکومتوں سے جتنا نقصان پہنچا اُس کا آدھا حصہ بھی نہ پہنچتا۔ انہوں نے عوام کو بھی گمراہ کیا اور حکومتوں کو بھی غلط راستہ پر ڈالا۔ آپ تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ جہاں چند علماء و صوفیاء حق دین اسلام کی اقامت و حمایت میں جاہیں لڑا رہے ہیں وہیں ایسے مولوی اور صوفی بھی موجود ہیں جو "جی حضوری" بن کر اہل جاہ و منصب اور ارباب اقتدار و حکومت کی غلط مین و غلط کاری میں ان کے ساتھ ہیں۔ انہی کی سازشوں سے اہل حق پر بڑی بڑی آفتیں آئیں اور وہ سخت سے سخت مسیبتوں میں گرفتار ہوئے، اگر یہ ظالم ضلالتوں سے صرف رواداری برتتے یا گمراہوں اور غلط کاروں کا صرف ساتھ دینے پر اکتفا کرتے تو یہ بھی کسی بڑے مفسدہ کا موجب نہ تھا۔ مگر انہوں نے عوام اور اہل حکومت دونوں کے اندر اپنا تقدس قائم کرنے اور ان کو ان کی ضلالتوں پر مطمئن کر دینے کے لئے قرآن و حدیث کو بھی خوب خوب استعمال کیا۔ اور چونکہ یہ عوام اور اہل حکومت کے رہنما نہیں رہے ہیں بلکہ ان کا کام صرف ان کی چشم دابرو کی طرف دیکھنا اور ان کی شہوات و مرضیات کا اتباع کرنا ہی رہا ہے اس لئے جو جو کچھ وہ کہتے اور کرتے رہے۔ یہ قرآن و حدیث کی رو سے اُسے جائز بتاتے رہے۔ اور آیات و حدیث کو توڑنے مروڑنے اور انہیں اپنے مطلب کے سانچے میں ڈھلنے کے لئے بڑی دبدبہ ریزی سے کام لیا اور جہاں اس کی بھی گنجائش نظر آئی، وہاں منہ پھینک کر موضوع روایات اور من گھڑت کہانیوں کا سہارا ڈھونڈا اور اس کا بھی ایسا اتنا رنگا رنگا کہن کا علم ہی اس کے نیچے دب کر رہ گیا۔ کہیں باطل کو حق کا رنگ دیا گیا اور کہیں حق و باطل کو ایسا گڈ بٹ کر دیا گیا کہ لوگوں کے لئے حق کی صورت پہچانتا مشکل ہو گیا۔!

اس فحاشی کے لوگوں کے تمام کارناموں کو چھوڑ کر اگر صرف ان کی تحریری و تصنیفی کاوشوں پر نظر کی جائے۔ تو معلوم ہو گا کہ چھوٹے چھوٹے رسالوں سے لے کر بڑی بڑی کتابوں بلکہ قرآن کی تفسیروں تک انہوں نے اتنا زبردست طریقہ پھریا کر دیا ہے کہ آج جو بات کسی جاہل کے منہ سے نکلتی ہے، چاہے وہ کتنی ہی غیر معقول اور بیہودہ ہو اور جو کام جاہل لوگ کرتے ہیں، چاہے وہ کتنا ہی غلط

اور بے ڈھنگا ہو، اس کی تائید و تصویب میں باسانی پچاسوں تحریریں پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہی تحریریں لوگوں کا مرجع ہیں اور چونکہ ان تحریروں میں قرآن و حدیث کا نام بھی بار بار آتا ہے، اس لئے لوگوں کو اس بات کا پورا اطمینان حاصل ہے کہ جو کچھ وہ کہہ اور کر رہے ہیں وہ ہرگز قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

یہ بڑی ہی ذہن سناک صورت حال ہے۔ عامۃ الناس میں یہ صلاحیت کہاں سے آسکتی ہے کہ وہ عربی ادب کی ایک خاص حد تک تحصیل و تکمیل کریں، قرآن و حدیث کے وسیع ذخیرہ پر خوب گہری نظر رکھیں۔ اس ذخیرہ میں جہاں جہاں معنوی تحریفیں اور تاویلیں کی گئی ہیں ان کی تہ تک پہنچیں، اختلافات میں محاکمہ کر کے جانبِ راجح کو اختیار کریں۔ شرعی احکام کی حکمتوں اور باریکیوں کو سمجھیں اور حدودِ شرعیہ کے نکتوں کو پائیں۔ پھر ان لوگوں کی تاریخ پر بھی وسیع نظر ڈالیں اور ان کے تمام اقوال و افعال میں حق و ناحق اور مناسب و نامناسب کو بھی ممیز کرتے چلے جائیں۔

یہ سب کچھ اہل علم کا کام ہے اور جب انہیں میں سے ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی نکلتی چلی جائے جو با زمانہ بسازہ کے نظر پر فعال ہوں اور دنیا پرستانہ اور مطلب جو یا نہ ذہنیت لے کر میدان میں اتر آئیں تو عوام کو امن کہاں ملے گا۔ ان کی گراہیوں کا دائرہ پھیلے گا اور خوب پھیلے گا۔ اس کے سکرٹنے اور کم ہونے کی آخر صورت کیا ہے؟

ان مولیوں اور کتابوں اور رسالوں کا جو ڈھیر لگا دیا ہے اور اس میں کتاب و سنت کی کھلی کھلی معنوی تحریفات سے عوام کے مطلب کی جو باتیں چھانچی ہیں، وہ تو بے شمار ہیں۔ مگر ہم محض ناظرین کی سرسری واقفیت کیلئے اپنے موضوع کی حد تک چند باتوں کا ذکر کرتے ہیں تاکہ ایک ہی چاول سے اندازہ کیا جاسکے کہ پوری دیگ میں کیا ہے؟

موجودہ زمانہ میں ایک صاحب نے قرآن کی تفسیر لکھی ہے۔ جب انہوں نے قرآن کھولا تو اس کی ابتدائی آیتوں ہی میں آیاتِ نستعین پر پہنچ کر وہ رک گئے۔ انہیں یہاں یہ مشکل پیش آئی کہ یہ لفظ تو دس پورے معتقدات کی جڑ ہی پر ایک کاری ضرب لگا رہا ہے جو عامۃ الناس میں شائع و ذائع ہیں اور جن کی بنیاد پر انہوں نے مشرکانہ اعمال و رسوم کی ایک نئی شریعت ایجاد کر رکھی ہے۔ چنانچہ مفسر صاحب نے اس کا نطق کو راہ سے نکلنے یا کم از کم اسے بے ضرر بنادینے کے لئے قرآن میں عذر و حوض کرنا شروع کیا۔ اور چند عقلی و تجربی دلائل کی کمک بھی ساتھ ساتھ لے لے۔ پھر اس سے بھی کام نہ چلا تو مغلطے دینے اور جذباتی انداز میں گفتگو کر کے لوگوں کو عقلی و نقلی دلائل سے بے پروا کرنے کی کوشش کی۔

آیاتِ نستعین میں حصر موجود ہے اور عربی کا ہر مہتمدی اس کا ترجمہ اردو زبان میں یہی کر سکتا ہے کہ ”اے اللہ! ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں“ اگرچہ ”ہی“ کے حصر کو اڑا دینے کے بعد راستہ کچھ آسان ہو جاتا ہے۔ مگر ترجمہ کی تخریف کے باوجود متن تو جوں کا توں رہتا ہے، اور اس میں تحریف ممکن نہیں، اس لئے مفسر صاحب نے تفسیر کا ایک اور راستہ اختیار کیا اور وہ یہ ہے کہ اہل اللہ سے مدد مانگنا دراصل اللہ ہی سے مدد مانگنا ہے۔ اہل اللہ غیر اللہ نہیں ہوتے فنا فی اللہ ہوتے ہیں۔ لہذا اپنی حاجات میں ان سے مدد مانگنا آیاتِ نستعین کے خلاف نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھے اور فرمایا کہ دیکھو! قرآن میں ذَا عَيْنُونِي بِقُوَّتِي - (یعنی تو تیرے سے میری مدد کرو) آیا ہے۔ یہ ذوالقرنین کا قول ہے۔ جب اس جیسے زبردست اور طاقتور بادشاہ کو بھی دوسروں کی مدد ضروری ہوتی تو ہم جیسے کمزوروں کو اللہ و لوگوں کی مدد کیوں ضروری نہیں؟

اس کے بعد وہ ”عقلی و تجربی دلائل“ پیش کر کے اور کہا کہ کوئی شخص اگر جنگ میں بھگ جاتے تو کیا وہ لوگوں کو نہیں پکارے گا۔ کہ بھائیو! میری مدد کرو۔ بس اسی طرح ہم بھی بھگے ہوئے ہیں، اس لئے پکارتے ہیں کہ ”باغوث! یا خواجه! ہماری مدد کرنا“۔

جب ان "قیمتی دلائل" پر بھی دل مطمئن نہ ہو تو مغالطہ دینے کی سوجھی اور ارشاد فرمایا کہ تم جس طرح پانی لانے کے لئے ملازم کو پکارتے ہو اور ملازم کی یہ مدد جائز ہے تو اولیاء اللہ کو پکارنا اور ان سے مدد مانگنا کیوں ناجائز ہوا۔ یہ سب کچھ کہہ جانے کے باوجود مفسر صاحب کی تسلی نہیں۔ وہ خوب جانتے تھے کہ عوام کو نقلی و عقلی باتوں سے زیادہ سروکار نہیں ہوتا۔ وہ تو صرف جذباتی باتوں سے متاثر ہوا کرتے ہیں اس لئے انہوں نے کہا کہ جو لوگ اولیاء اللہ کو نہیں ملتے وہ ایسے اور ایسے ہیں۔ اولیاء کا درجہ اتنا اتنا بلند ہے اور خدا تک براہ راست رسائی تم جیسے کمینوں کا کام نہیں ہے، اس لئے ان کے واسطے سے پہنچو اور ان تک پہنچ جانا خدا ہی تک پہنچ جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔!

حالانکہ ان نام باتوں میں ایک بات بھی صحیح نہیں ہے۔ جہاں تک اسباب طبعی کا تعلق ہے ان سے کام لینا اور اس کام کے دوران میں ایک دوسرے کی مدد کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے اور اسی پر سائنس لینے اور زندہ رہنے کا دار و مدار ہے۔ لیکن فوق الطبعی اسباب کو پیدا کرنا اور اس سے کام لینا بالکل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اور اس کے لئے اسی سے مدد مانگنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص پیاس کی حالت میں اپنے خادم کو پانی لانے کے لئے پکارتا ہے تو وہ اسی لئے پکارتا ہے کہ خادم اس کی آواز سننے اور پکارتے والے کو یقین ہے کہ اس کا خادم پانی لانے پر قادر ہے۔ لہذا اس کا پکارنا اور یقین کرنا بالکل درست ہے کیونکہ یہ سب سلسلہ اسباب کے تحت ہے جس پر سائنس نظام عالم قائم ہے۔ لیکن اگر وہ پانی کے لئے کسی دلی کو پکارے جو اس سے سینکڑوں ہزاروں میل دور کسی قبر میں دفن ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ وہ ان دلی صاحب کو سمیع و علیم سمجھتا ہے۔ اور اس کا اعتقاد یہ ہے کہ عالم اسباب پر ان کی فرمانروائی قائم ہے، جس کی وجہ سے وہ مافوق الطبعی طور پر سلسلہ اسباب کو پیدا کرنے اور اسے حرکت دینے پر قادر ہیں اور یہی شرک فی الصفات ہے، جو کسی طرح جائز نہیں۔!

اور ایک پانی ہی کیا۔ زمین و آسمان اور ان کی درمیانی اشیاء میں سے کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کے طبعی و مافوق الطبعی اسباب کا سررشتہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں نہ ہو۔ مگر طبعی اسباب سے کام لینا اور اس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی اللہ تعالیٰ نے خود اجازت دی ہے اور اسی کا نام زندگی یا حیات ہے، اس لئے وہ تو بالکل جائز ہے، مگر اس سے ہٹ کر مافوق الطبعی طور پر اللہ تعالیٰ کے سوا یا اس کے ساتھ کسی جاندار یا بے جان چیز کو متصرف فی الخلق سمجھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ناجائز ہے۔ ایسا کونستعین میں حصر اسی دوسری چیز کے لئے ہے نہ کہ پہلی چیز کے لئے یہی پہلی چیز ہے جس کو عمل میں لانے کا ہر انسان محتاج ہے، چاہے وہ اپنی فطرت میں کتنا ہی طاقتور اور اپنی صفات میں کتنا ہی برگزیدہ ہو۔

یہی چیز تھی جس کے لئے ذوالقرنین نے قَائِلِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ کہا تھا۔ اس نے اپنے ارد گرد کے زندہ لوگوں سے اپنے زیر تعمیر بند کے استحکام کے لئے جسمانی محنت و مشقت کی مدد مانگی تھی۔ اس لئے یہ نہیں کیا تھا کہ بند کی ضرورت محسوس ہوئی تو گزر رہے ہوئے زمانے کے لوگوں کو قبروں سے بلانا شروع کر دیا۔ یا ان کو اس لئے پکارنے لگا کہ وہ مافوق الطبعی اسباب کو حرکت دے کر ایک کرشمہ یا کرامت کے ذریعہ اس کے لئے ایک عظیم الشان بند بنا کر دے دیں۔

وہ گیا عبد و موجود کا تعلق تو عبد خواہ کتنے ہی اونچے مقام پر پہنچ جائے اور اس سے معبود کا اور معبود سے اس کا تعلق کتنا ہی گہرا اور مضبوط ہو وہ عبد ہی رہتا ہے، اس کے اندر معبودیت یا الوہیت کا کوئی شائبہ تک نہیں آنے پاتا۔ اس عقیدہ پر خود وہ کلمہ شہادت ہی دال ہے جسے ادا کر کے ایک شخص مسلمان ہوتا ہے۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبداً و رسولہ۔ اس میں اللہ کے سوا کسی کے الہ ہونے کی قطعی نفی کی گئی ہے۔ آپ لفظ اللہ کے لغوی معانی کی تحقیق کریں تو آپ کو

معلوم ہوگا کہ اس میں حاجت روائی، مشکل کشائی، پناہ دہندگی اور رفع نقمان سپینانے کے تمام مافوق الطبعی تصورات موجود ہیں۔ پھر حضور پر جس حیثیت سے ایمان لانا اور اس کی بار بار گواہی دینے رہنا فرض ہے وہ یہی ہے کہ آپ اللہ کے رسول تو ہیں لیکن آپ سب سے پہلے اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے ساتھ انتہائی برگزیدگی کا تعلق رکھنے کے باوجود آپ میں الٰہیت کی ایک صفت بھی نہیں پائی جاتی۔!

اب فرمائیے کہ کلمہ کی دُوسے ایک مسلمان کا جو عقیدہ ہونا چاہیے اس کے برخلاف عقائد رکھتے ہوئے کلمہ پڑھتے رہنا آخر کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر آپ بھٹکے ہوئے ہیں تو خدا نے ہدایت کا راستہ روشن کر کے رکھ دیا ہے، اُس پر چلئے۔ اسے چھوڑ کر اور ہدایت یافتہ اسلاف کو پکار کر تو آپ اور زیادہ بھٹکے جا رہے ہیں۔!

لطف یہ ہے کہ مفسر مذکور نے ایاک نستعین کی تفسیر میں محض استعانت بغیر اللہ ہی کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ لگے ہاتھوں فاتحہ وغیرہ قسم کی بہت سی چیزوں کا بھی اسی شان کے ساتھ ذکر فرمادیا۔ اب اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جہاں قرآن کی بسم اللہ ہی ایسی ایسی ”نکتہ آفرینیں“ سے کی گئی ہو، وہاں پورے قرآن کی تفسیر کا کیا رنگ ہوگا۔!

ایک اور مثال لیجئے :-

عامۃ الناس میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ مرنے کے بعد بڑی زبردست قوت کے مالک بن جاتے ہیں۔ وہ ساری دنیا کی باتوں کو جانتے، ساری آوازدوں اور دعاؤں کو سنتے، تمام حرکات و سکنات کو دیکھتے، اُن کے حضور پیش کی جانے والی تمام درخواستوں کو پڑھتے اور ہر کار روائی کا فیصلہ فرماتے ہیں۔ وہ نذر دینے والوں سے خوش اور منت پوری نہ کرنے والوں سے ناخوش ہوتے ہیں اور دفع مضرات و دفع بلیات اور عطاء و بخشش کے بڑے وسیع اختیارات رکھتے ہیں۔ اس خیال کی تائید و تصویب کے لئے جب قرآن پر نظر ڈالی گئی تو وہ اس آیت پر جا کر کٹھری :-

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۗ

بس کہہ دیا گیا کہ دیکھو! یہ جیات بعد مردن کا کتنا کھلا اثبات ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ہی نے ان بزرگوں کو أَحْيَاءُ (زندہ لوگ) فرمایا ہے۔ اور وہ بھی اتنی تاکید کے ساتھ کہ ”انہیں مردہ نہ کہو“۔ پس معلوم ہوا کہ زندہ نہ سمجھنا تو ایک طرف انہیں زبان سے مردہ تک کہنا جائز نہیں۔ جو شخص ”مردہ“ کا لفظ زبان سے نکالتا ہے وہ سخت گستاخ اور بے دین ہے۔ پھر یہ جیات، انتقالی مکانی کے بعد کی ہے اس لئے وہ جیات دُنوی کے مفاہم میں اتنی اعلیٰ و اشرف ہے کہ اس دُنیا کا کوئی شخص اُس کا تصور نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اسی لئے آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لَا تَشْعُرُونَ (تم سمجھ نہیں سکتے)۔ رہ گئی یہ بات کہ اس آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے۔ جو فی سبیل اللہ قتل کئے جائیں۔ تمام اولیاء و بزرگان دین کا عموم اس سے نہیں نکلتا تو اس شبہ کا ازالہ اس طرح کیا گیا کہ کافر کے ہاتھ سے قتل ہونے والا انسان جب یہ مرتبہ حاصل کرتا ہے تو بھلا عشقِ الہی کی تلوار سے قتل ہونے والا یہ مرتبہ کیوں نہیں حاصل کر سکتا۔ بلکہ عوز کیجئے تو اس قسم کے لوگ ہی عام شہداء سے بہت بلند و بالا ہیں۔

۱۵ اس آیت مقدسہ کی شرح و تفسیر کے لئے اسی شمارہ کا ”نقش اول“ ضرور ملاحظہ فرمایا جائے (ایڈیٹر)

۱۶ غازی زپے شہادت اندر رنگ دہوست غافل کہ شہید عشق فاضل تر از دست

در روز قیامت این باو کے ماند این کشتہ دشمن است و آن کشتہ دوست

اگرچہ آیت کی یہ تفسیر ہی عامۃ الناس کے عقیدہ کو خوب مضبوط کر دیتی ہے۔ مگر پھر بھی یہ کچھ ڈھیلی ڈھالی اور ناکافی سی ہے۔ کیونکہ بزرگانِ دین کی جہالت برزخ سے جس جس طرح الوہیت کی صفات کو وابستہ کہا گیا ہے اس کے لئے مزید تائید کی ضرورت ہے۔ اس لئے یہ کسر بھی پوری کر دی گئی۔ کہا گیا کہ بزرگانِ دین طرح طرح کے سخت مجاہدوں سے اپنی روح کو دنیا میں اذنا مستور بنا لیتے ہیں کہ انتقال مکانی کے بعد ان کی روح بلند ہی میں پرواز کرتے۔ بتت امیر رب ہی بن جاتی ہے۔ پھر وہ جو کچھ کرتی ہے، خدا کا فیصلہ ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں آیا ہے:-

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي -

یعنی لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ روح تو امر رب ہے! نیز آدم کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے چند مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں:-

إِذْ نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي -

یعنی جب میں اس میں اپنی روح پھونک دوں!

حالانکہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے، اس میں سب سے اولین قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ بَلْ أَخْيَاغُ کی تفسیر میں شہداء و اولیاء کی جہالت سے متعلق جتنی باتیں چاہے کہہ لیجئے۔ لیکن اس کو الوہیت کی صفات سے منصف نہ کیجئے۔ یہی تو شرک ہے، جس کی تردید سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے۔ قرآن کی پوری دعوت ہی توحیدِ الہ کی بنیاد پر ہے۔ اس لئے اس کی کسی آیت کی ایسی تفسیر ہرگز جائز نہیں جو اس کی پوری تعلیم اور اس کے سارے اصول و کلیات کے خلاف ہو بلکہ اس قسم کی تفسیری کوشش دراصل محضی نخر لیں ہیں۔ رہ گئیں آیات قل الروح اور إِذْ نَفَخْتُ۔ تو جہاں تک پہلی آیت کا تعلق ہے، اس میں لفظ ”روح“ ہی کے متعلق، اہل تفسیر کا اختلاف ہے کہ اس سے مراد جان ہے یا کچھ اور؟

ابن عباس، قتادہ، حسن بصری وغیرہم نے روح کے معنی وحی یا وحی لانے والا فرشتہ بیان کئے ہیں۔ تاہم اس سے مراد جان ہی پرتب بھی اس کے لئے مِنْ أَمْرِ رَبِّي کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ یعنی وہ میرے رب کے حکم سے ہے نہ کہ خود امر رب ہے۔ لفظ مِنْ کو نظر انداز کر دینے سے مفہوم کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے۔ یہی حال دوسری آیت کا ہے۔ اس میں اَدْل تو یہ نہیں فرمایا کہ ”میں اپنی روح پھونک دوں“ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ”اس میں اپنی روح سے کچھ پھونک دوں“ دوسرے اس کا مفہوم محض یہ ہے کہ انسانی روح صفاتِ الہی کا ایک عکس یا پرتو ہے اور اسی عکس یا پرتو کی وجہ سے انسان زمین پر خدا کا خلیعہ اور ملائک سمیت تمام موجوداتِ ارضی کا مسجد قرار پایا ہے۔ اس سے یہ مطلب نکال بیٹھنا کہ صفاتِ الہی میں سے ایک حصہ پانا الوہیت کا کوئی جزو پالینے کا ہم معنی ہے۔ اتنی بڑی غلط فہمی سے کہ قرآن کی پوری تعلیم ہی پر خطِ نسخ پھیر دیتی ہے۔ قرآن نے اپنی تعلیم مہم و مغلط بنا کر پیش نہیں کی ہے۔ اگر کہیں اختلاف سے کام لیا ہے تو دوسری جگہ توضیح و تفصیل بھی کر دی ہے۔ اور اس کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جو اس کے پیش کردہ تصورِ الہ پر غلط طبع سے اثر انداز ہوتی ہو۔ یہ تو خود لوگوں کی اپنی ہی شرک پرستانہ ذہنیت اور اس ذہنیت کو تقویت دینے والی فتنہ جو یا نہ نیت ہے۔ جس کے زیر اثر توحید کی تعلیم دینے والی کتاب میں شرک کے جراثیم کھلبلائے نظر آتے ہیں۔!

فرید ایک مثال سنئے :-

عوام کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ دوسری تمام بخششوں کی طرح عطاءِ اولاد کے لئے بھی اولیاء اللہ نہ صرف خدا سے دعا کرتے ہیں بلکہ خود بھی اسے بختنے پرتا دہیں۔ چنانچہ اس کا اظہار ان کی زبانوں ہی سے نہیں بلکہ باقاعدہ ان کی تحریروں سے بھی ہوتا ہے۔ جو وہ

درخواستوں کی شکل میں مزادات اولیاء پر لٹکتے ہیں۔ ان میں صاف صاف اہل قبور سے خطاب کیا جاتا ہے کہ ”ہمیں اولاد دیکھئے۔“ اب کیسے ممکن تھا کہ جن مولویوں کا سارا مفاد ہی عوام کے عقائد و اعمال سے وابستہ ہے، وہ اسے بھی سنبھالنا نہ دیں۔ چنانچہ اس غرض کے لئے انہوں نے قرآن میں لڑھکی اور تلامش و نفخس کا کوئی دقیقہ اٹھانا رکھا۔ اگر وہ طلب ہدایت کے لئے قرآن پڑھتے تو کسی مقام کی دو چار آیتیں ہی ان کی ہدایت کے لئے کافی تھیں۔ مگر وہاں سر سے طلب ہدایت ہی مقصود نہ تھی۔ وہاں تو مقصود صرف یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح کہیں سے کوئی اسٹارہ ہی ایسا نکل آئے جس سے ان کے ”پیاسے عوام“ کے عقائد کی صحت پر ٹہرنا تصدیق ثابت ہو سکے۔ چنانچہ وہ بیسیوں ایسی آیات پر سے گزرے جن میں نہایت صاف و صریح الفاظ کے ساتھ ان کے عقائد کا ابطال اور صحیح عقائد کا اثبات موجود ہے۔ اللہ نے پھیر پھیر کر حقائق و اقدیہ کو بیان فرمایا ہے۔ مگر ان کے پھرے ہوئے ذہن میں کوئی بات اتر نہ سکی۔ جب قرآن کے مجموعی مضامین و مطالب میں اپنے مفید مطلب بات کے پالنے سے وہ باہوس ہو گئے تو پھر لفظ لفظ اور حرف حرف کو دیکھنا شروع کیا۔ تاکہ اگر کوئی رائی بھی کہیں مل سکے تو وہ اپنے نحوی اور صرفی علم کی مدد سے اسے پہاڑ بنا دیں۔ بالآخر ان کی نگاہ سورہ مریم کے دوسرے رکوع میں آیت :-

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۝

پہر جا کر ٹھہر گیا اور جب انہوں نے غز کیا تو لفظ لَآ هَبَ پر پہنچ کر وہ خوشی کے ماسے اچھل پڑے۔ انہوں نے کہا دیکھو! یہ ہی دلیل اس بات کی کہ اولیاء اللہ کو عطا اولاد پر پوری قدرت حاصل ہے۔ یہاں فرشتہ نے اولاد کی بخشش کو اپنی طرف منسوب کیا ہے لہذا مسجود ملائک انسان اور انسانوں میں بھی نہایت بزرگ و برتر ہستیوں کے لئے بھلائیہ کیسے ناممکن ہے کہ وہ اولاد جیسی چیز نہ دے سکیں۔

حالانکہ اس معاملہ کی اصلیت صرف اتنی ہے کہ فرشتہ نے ”بخشنے“ کا فعل محض مجازی طور پر استعمال کیا ہے۔ وہ خود کہتا ہے کہ :-

”میں آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں“

آیت مذکورہ کا سیاق و سباق دیکھئے! اللہ تعالیٰ خود اس فرشتہ کے متعلق فرماتا ہے کہ قَاۤسِ سَلٰمًا اِلَيْهَاۤمُ فَرِحٰنًا (مریم کے پاس فرشتہ کو ہم نے بھیجا) مریم علیہا السلام بے شوہر بچہ پیدا ہونے پر تعجب کا اظہار کرتی ہیں تو فرشتہ کہتا ہے :-

قَالَ رَبِّكِ هُوَ عَلٰیٰ هٰٓؤُنِ ۙ (آپ کا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لئے بہت آسان ہے)

فرشتہ کا یہ قول اس کے زیر بحث قول کو قطعی طور پر مجاز کا رنگ دے رہا ہے۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو کیا اللہ تعالیٰ نے کار تخلیق میں فرشتوں یا کسی اور مخلوق کو اپنا شریک بنا رکھا ہے؟

خدا کے ملنے والوں میں نہ کوئی انسان ایسا پایا گیا ہے اور نہ کبھی پایا جائے گا جو خدا کے خالق واحد ہونے اور کائنات کی ہر جاندار و بے جان چیز کے مخلوق ہونے کا انکار کرتا ہو۔ جب انسان اور فرشتے اس کے مخلوق ہیں تو مخلوق ہی کو کار تخلیق میں شریک کر دینے کا کیا مطلب ہے؟ پھر حق تعالیٰ جل شانہ خود فرماتے ہیں :-

وَلِيَجْعَلَهُۥٓ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۝

دہم یہ اس لئے کریں گے کہ اس طرح کے لوگوں کے لئے ایک نشانی اور اپنی طرف ایک رحمت بنا دیں

یہی واقعہ سورہ آل عمران کے پانچویں رکوع میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ ایک فرشتہ نہیں بلکہ فرشتوں کی ایک جماعت حضرت مریم کے پاس آئی تھی اور اس نے آئی تھی کہ مریم کو لڑکے کی بشارت دے۔ سرگرد کی حیثیت سے

جب ایک فرشتہ حضرت مریم سے مخاطب ہوا تو کہا کہ:-

كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝

ایسا ہی ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس یہ

کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔

کیا یہ کُنْ فَيَكُونُ کی شان بھی اللہ کے سوا کسی اور کے لئے مختص ہے؟ کیا اس میں بھی اُس نے فرشتوں اور انسانوں کو شریک ٹھہرایا ہے؟ اگر بات یہ نہیں ہے تو ماننا چاہیے کہ فرشتہ لڑکا دینے کے لئے نہیں بلکہ صرف بشارت دینے کے لئے آیا تھا۔ مگر جب انسانی شکل میں متمثل ہو کر حضرت مریم کے سامنے آگیا تو اُس نے بشارت کی تقویت کے لئے لڑکا بچنے کا فعل مجازی طور پر اپنی طرف منسوب کر لیا۔ پورا قرآن تو خیر خود اس لفظ لَّا هَبَّ كَاسِيَاقٍ وَسَبَاقٍ ہی اس در سے مجاز کو حقیقت کی طرف لے جانے کے سارے راستے بند کر دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں سورہ اعراف کے آخری رکوع کی ابتدائی آیات کا مطالعہ نہایت بعصیرت افروز ہوگا۔ فرمایا ہے:-

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَرَاحِدَةٍ وَجَعَلَ صِغْتَهَا نَرْوَجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّهَا حَمَلٌ خَفِيضًا فَهَمَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِن آتَيْتُنَا صَالِحًا لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلْنَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيهَا إِنَّا هُمَا تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اُس کا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔ پھر جب مرد و عورت کو ڈھانک لیا تو اسے ایک خفیفت ساحل رہ گیا جسے لئے لئے وہ چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بو بھل ہو گئی تو دونوں نے مل کر اپنے رب اللہ سے دعا کی کہ اگر تو نے ہم کو اچھا سا بچہ دیا تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے مگر جب اللہ نے اُن کو ایک صحیح و سالم بچہ دے دیا تو وہ اس کی اس بخشش و عنایت میں دوسروں کو اس کا شریک ٹھہرانے لگے۔ اللہ بہت بلند و برتر ہے اُس شرک سے جو لوگ کرتے ہیں!

ان آیات پر تفہیم القرآن میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ نے جو حاشیہ لکھا ہے اُس کا حسب ذیل پیرا گراف بار بار

پڑھنے اور عبرت حاصل کرنے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں:-

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کی مذمت کی ہے وہ عرب کے مشرکین تھے اور اُن کا فخر یہ تھا کہ وہ صحیح و سالم اولاد پیدا ہونے کے لئے تو خدا ہی سے دعا مانگتے تھے مگر جب بچہ پیدا ہو جاتا تھا تو اللہ کے اس عطیہ میں دوسروں کو شکر یہ کا حصہ دار ٹھہرا لیتے تھے۔ بلاشبہ یہ حالت بھی نہایت بری تھی لیکن اب جو شرک ہم توحید کے مدعیوں میں پار ہے میں وہ اس سے بھی بدتر ہے۔ یہ ظالم تو اولاد بھی غیروں ہی سے مانگتے ہیں۔ کھج کے زمانہ میں سنتیں بھی غیروں کے نام ہی کی مانتے ہیں اور بچہ پیدا ہونے کے بعد نیاز بھی انہی کے آستانوں پر چڑھاتے ہیں۔ اس پر بھی زمانہ جاہلیت کے عرب مشرک تھے اور یہ موحد ہیں۔ اُن کے لئے جہنم واجب حق اور ان کے لئے نجات کی گارنٹی ہے۔ اُن کی گراہیوں

پر تنقید کی زبانیں تیز ہیں مگر ان کی گمراہیوں پر کوئی تنقید کر بیٹھے تو مذہبی درباروں میں بے چینی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اسی حالت کا ماتم حالی مرحوم نے اپنی مسدس میں کیا ہے:-

کرے غیر گریب کی پو جا تو کافر جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر کو اکٹ میں مانے کر ستمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں ماہیں

پرستش کریں شوق سے جسکی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں اماموں کا رتہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ جا جا کے تدریں پڑھائیں شہیدوں سے جا جا کے مانگیں عا میں

نہ توحید میں کچھ خصل اس سے آئے

نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جھائے!

یہ نمونہ تو فقہ قرآن کی تفسیر کا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے ہاں قیروں اور قبر والوں کے تعلق سے جو رکیم راجح ہیں ان کے کوئی اصطلاحی نام تو قرآن و حدیث میں نہیں ملتے۔ اس لئے ضروری ہو کہ ان کے ایسے نام تجویز کر دیے جائیں جو فی نفسہ متاہل اعتراض بھی نہ ہوں اور شرک جلی کی تعریف میں بھی نہ آسکیں۔ چنانچہ مولویوں نے یہ فنی خدمت بھی خوب انجام دی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:-

آپ ان تمام کھانوں سے واقف ہی ہوں گے جو خاص خاص تاریخوں میں، بڑے اہتمام و احترام کے ساتھ، مخصوص آداب و قواعد کے تحت مسلمانوں کے ہاں پکائے جاتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ ایک باقاعدہ نظام فکر و عمل ہے۔ اس کے الگ الگ اجزاء کو لیجئے تو خواہ مخواہ ان کے تعین و عدم تعین اور جواز و عدم جواز کی بحث پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس مجموعہ کا ایک مختصر اور مفید نام فاتحہ رکھا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ لفظ کوئی برا اور بے معنی ہے۔ ایک اچھا اور بامعنی لفظ ہے اور قرآن کی ایک سورۃ کا نام بھی ہے اور سورۃ بھی وہ جو جسے خود قرآن نے سبباً الملتانی کہا ہے۔ یعنی سات ایسی آیتیں جو بار بار دہرائی جانے کے لائق ہیں۔ اس کی فضیلت اسی سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ!

یعنی سورۃ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہ ہر نماز میں اور نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ بھلا اس پر اعتراض کی گنجائش ہی کیا ہے۔ لیکن آپ کو صاف محسوس ہو گا کہ لفظ "فاتحہ" کے معنی اور خود سورۃ فاتحہ سے عقیدہ و عمل کے اس پورے نظام کو کوئی دور و قریب کا تعلق نہیں ہے جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ اب آپ اگر "فاتحہ" کے قائلین سے یہ فرمائیں کہ تم جو نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھتے ہو یا غیر از نماز کہیں بیٹھے بیٹھے پڑھ لیتے ہو، اسی کو کافی سمجھو اور اس کے سوا "فاتحہ" کے نام سے کچھ نہ کرو تو ان میں سے کوئی شخص اس کے لئے آمادہ نہ ہو گا۔ مگر اس کے باوجود "فاتحہ" کے نام سے جو کچھ کہا جاتا ہے، اس کو یہ ایک لفظ اعتراض کی زد سے نکال لیتا ہے۔

یہ گئی فاتحہ کی غرض تو اس کے لئے بھی کوئی ایسا ہی بامعنی بلکہ شرعی تصورات سے قریب تر کوئی لفظ چاہیے تاکہ مقصد کی پاکیزگی ثابت ہو جانے کے بعد عمل کی پاکیزگی خود بخود ثابت ہو جائے۔ چنانچہ فاتحہ کی غرض کو "ایصال ثواب" کا نام دیا گیا۔

جس کے معنی ہیں "ثواب پہنچانا" جہاں تک مردوں کو ثواب پہنچانے کا تعلق ہے، اس کی تو بعض شکلیں خود حدیث نبوی میں موجود ہیں اور ائمہ فقہ بھی قائل ہیں کہ بدنی اور مالی عبادت کا ثواب پہنچ سکتا ہے، پس عقیدہ و عمل کی بہت سی خرابیاں اس لفظ کے پیچھے جا چھپیں اور کسی فقیہ کے لئے یہ مشکل ہو گیا کہ وہ "ایصالِ ثواب" کو ناجائز کہے۔ مگر اس سلسلہ میں جو بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں ان کو چھوڑ کر صرف دو باتیں قابلِ توجہ ہیں :-

۱۔ ایک تو یہ کہ قرآن و حدیث نبوی میں ایصالِ ثواب کی بہترین صورت یہ تجویز کی گئی ہے کہ آدمی اپنے ساتھ اپنے اسلاف کو بھی دعواتِ خیر میں شریک رکھے۔ دعا خیر سے زیادہ بہتر تحفہ اور کوئی نہیں ہے اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایصالِ ثواب کے لئے بدنی یا مالی عبادت کی اجازت دی بھی ہے تو وہ بھی کبھی کبھار۔ یہ کہیں نہیں پایا جاتا کہ آدمی اسے معمول ہی بنالے اور فرائض تک سے بے پروا ہو کر اس کام میں اپنی قوت اور دولت کا ایک بڑا حصہ خرچ کرے پھر یہ "ایصالِ ثواب" کے نام سے کئے جانے والے لمبے چوڑے کاموں کی اصل علت کیا ہے ؟

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایصالِ ثواب کے اصل مستحق ہمارے وہ اعزاء و اقربا یا دوست اجاب ہیں جن کی وفات ہمارے سلسلے ہوئی ہے اور جن کے حالات سے ہم واقف رہے ہیں، یا پھر وہ لوگ ہیں جن کے متعلق کم از کم ہمارا گمان یہ ہو کہ وہ ثواب کے محتاج یا مستحق ہیں۔ مگر جن بزرگوں نے خود اپنی نیکی اور پرمیزگاری سے اپنے لئے ثواب کا بہت کچھ سر بایہ اکٹھا کر لیا ہو بلکہ ان کی بزرگی یہاں تک تسلیم کر لی گئی ہو کہ وہ "ایصالِ ثواب" کرنے والوں کے نزدیک اہمیت تک میں شریک ہو گئے ہوں۔ جس کی بنا پر وہ انھیں لپکا رتے اور اپنی حاجات میں مدد مانگتے ہیں تو انھیں "ثواب" پہنچانے کا کیا مطلب ہے ؟ آخر کوئی یہ بھی تو سوچے کہ ثواب کس قسم کے لوگوں کی طرف سے کس قسم کے لوگوں کو پہنچایا جا رہا ہے ؟ کیا آپ کے خزانہ میں ثواب اتنی بڑی مقدار میں جمع ہے کہ آپ کو اس کا سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے اور آپ بجز رہ گئے ہیں کہ اپنا زائد از ضرورت ثواب دوسروں کو پہنچا دیا جائے ؟ اور پہنچے بھی وہ آپ کی طرف سے حضرت پیران پیر اور خواجہ اجیمیری وغیرہ جیسے بزرگوں کو ؟

بہی حال قبر پرستی اور اس کے سارے لوازم و مقنیات کا بھی ہے۔ "قبر پرستی" کو "زیارتِ قبر" کا شرعی نام دیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ "زیارتِ قبر" نہیں "عبادتِ قبر" ہے۔ قبروں پر حاضری دینے کی اصل غرض تو غسل اور اکتسابِ فیض وغیرہ جیسے الفاظ کے خوستنا پردوں میں چھپایا گیا ہے۔ حالانکہ کسی دلی کی قبر پر حاضری دے کر یہ سمجھنا کہ چھوٹے صاحب تک رسائی ہو چکی ہے۔ اب وہ ہمیں بڑے صاحب کے ہاں پہنچانے، ان کے ہاں ہماری سفارتن کرنے اور ہمیں ان کا مقرب بنانے کا اختیار رکھتے ہیں یا اس قبر کو فیض کا ایک بحرِ خاں سمجھ بیٹھنا۔ جہاں سے ہر حاجت مند کو اپنی ہر چھوٹی بڑی مادی و روحانی ضرورتیں پوری کرنے کا سامان مل جایا کرتا ہے۔ بے ریب و شک ایک شرکاً نہ عقیدہ ہے نام کی تبدیلی سے حقیقت نہیں بدل جایا کرتی اور نہ حقیقت کی تبدیلی کو نام کی تبدیلی کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ تو غسل کی حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے ذواتِ صالحہ کو وسیلہ بناتے ہوئے دعا کی جائے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی دعا میں کہا تھا کہ

۵۔ واضح رہے کہ اس مسئلہ میں جواز، عدم جواز اور سکوت کے لحاظ سے علماء و محققین کے تین مسلک ہیں اور تینوں کے دلائل ہیں۔ حسب مراتب کچھ نہ کچھ وزن پایا جاتا ہے۔ جو لوگ اس مسئلہ کے تمام اطراف سے پوری آگاہی حاصل کرنا چاہیں انھیں خود مطالعہ و تحقیق سے کام لینا چاہیے۔ ہم نے محض بر سبیل ذکر یہاں جواز کے پہلو کو پیش نظر رکھا ہے۔

اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمْرِ بَنِيْنَا اِلَه اللہ! ہم اپنے نبی کے چچا سے تیرے دربار میں توسل کرتے ہیں یا ہم اپنے نبی کے چچا کو تیرے پاس وسیلہ بناتے ہیں، مگر اس کا التزام کر لینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یا تو خدا وسیلہ کے بغیر کسی دعا کو قبول ہی نہیں کرتا۔ یا اس پر مخلوق کا کوئی حق ہے کہ جس کا واسطہ بار بار دلایا جا رہا ہے اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔

رہا اکتساب فیض کا معاملہ تو اس کی حقیقت اُن تصورات سے خود بخود نکھر کر سامنے آجاتی ہے جو شریعت نے اپنے پیروؤں کو دیئے ہیں۔ ہر مسلمان کو سلف صالحین کے حالات و خیالات اور اُن کی باقیات سے پوری واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اس کے مطابق خود اہتمام شریعت اور ارتقاء روحانیت میں سرگرم رہنا چاہیے۔ اس حال میں اگر وہ کسی مرد صالح کی قبر پر جائے تو اسے یقیناً روحانی بالیدگی اور قلبی نورانیت حاصل ہوگی اور یہی آخری حد ہے جہاں تک ایک مسلمان حدود شریعت میں رہ کر جا سکتا ہے! (قلبی نورانیت اور روحانی بالیدگی کا سبب یہ ہوگا کہ نافر اگر یہی چیز "اکتساب فیض" ہے تو اس کے جائز ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا۔ مگر جائز ہونے اور دوسری رشیاء کے ساتھ جن سنتوں، مرادوں اور قربانیوں وغیرہ کا ہنگامہ قبروں پر جاری ہے، اُس پر تو اکتساب فیض کا اطلاق نہ لفظی حیثیت سے ہو سکتا ہے نہ معنوی اعتبار سے۔ تاہم اس خاص فعل کے لئے بھی مولویوں نے چند اصطلاحات عوام کو بسے رکھی ہیں۔

"بھینٹ" کا لفظ چونکہ ایک ہندی لفظ ہے اور مندردوں اور استھانوں کے لئے مخصوص ہے۔ اس لئے آپ کسی مسلمان کی زبان سے یہ لفظ نہ سن سکیں گے، البتہ اسی چیز کے لئے جو الفاظ انھیں علماء کے دربار سے مل گئے ہیں وہ ہیں نذر، نیاز وغیرہ۔ دیکھئے! کس قدر بے ضرر اور معصوم الفاظ ہیں۔ اگرچہ لغوی و معنوی اعتبار سے اُن کا استعمال غیر اللہ کے لئے بہت کچھ محل نظر ہے مگر نذر تو نذرانہ اور تحفہ کے معنی میں مستعمل ہی ہے اور نذرانہ کے لفظ کو بھی لوگ ایک دوسرے کے لئے بے تکلفانہ استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے اس میں کراہت، نفرت اور حرمت کی وہ شدت نہیں ہے، جو بھینٹ، چڑھاوا اور نذر غیر اللہ وغیرہ الفاظ میں پائی جاتی ہے!

مگر یہ تو محض ایک فعل ہے، ایسے کتنے ہی مختلف افعال کا ارتکاب سال بہ سال قبروں پر ہوتا رہتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس پورے بکھیرے میں دولت، قوت اور محنت کا صرف کہاں تک جا پہنچتا ہے اور گلے بجانے اور ناچ رنگ تک کی رنگینیاں اس میں کس طرح جلوہ دکھاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنے بڑے ہنگامہ کا، جو کہیں کہیں اور کبھی کبھی نہیں ہوتا بلکہ ہر جگہ اور ہر وقت اس کی پیار دیکھی جاسکتی ہے، کوئی ایسا مختصر اور جامع نام ہونا چاہیے جس کے پس پردہ احکام شریعت کی دل کھول کر توہین و تذلیل کی جاسکے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ نام کیا ہے؟ جاترا نہیں بلکہ "عرس"۔ کیونکہ "جاترا" اس

۱۔ قرآن پاک میں جتنی دعائیں ملتی ہیں اُن میں "توسل" کہیں نہیں آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ماثورہ دعائیں امت تک پہنچی ہیں اُن میں بھی براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے دعا اور التجا کی گئی ہے کسی کا تو توسل اس میں نہیں ہو اور صحابہ کرام بھی اپنی دعاؤں میں "توسل" کا التزام نہیں کرتے تھے۔ ان درجوں قرآنی دعاؤں اور سینکڑوں احادیث و آثار سے ثابت شدہ دعاؤں کے مقابلہ میں ایک دو حدیث و آثار میں "توسل" بھی اگر ملتا ہے تو ایک محتاط مسلمان کا رجحان "شدوڈ" کے مقابلہ میں "کثرت" کی طرف ہی ہوگا اور ہونا چاہیے۔ "الوسیلہ" کے موضوع پر مختصرہ عطیہ خلیل عرب کا مقابلہ اسی "توحید نمبر" میں ضرور پڑھ لینا چاہیے! (راہبیل)

(راہبیل) — اکتساب فیض اور روحانی بالیدگی کا — اس سے خشیت ابھی پیدا ہوگی اور یہ سب ہوگی دل کی نورانیت اور روح کی بالیدگی کا —

وقت تک کرتے تھے جب تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ اب اس کی جگہ ”عرس“ کہتے ہیں۔ یہ لفظ اپنی معنویت کے اعتبار سے فی الواقع لائق تہاد ہے۔ ”عرس“ عربی میں شادی بیاہ کو کہتے ہیں اور شادی بیاہ لازماً ایک خوشی کا کام ہے لہذا خوشی اور جشن کے موقع پر جو کچھ انسان کر سکتا ہے اور کرتا رہے وہ سب قبروں کے عرس میں از خود حلال ہو گیا۔ رہ گیا یہ مشابہ کہ بزرگوں کے یوم وفات کو شادی کا دن کس معنی میں قرار دیا گیا ہے تو ہمارے علماء کرام کی باریک میں اور نکتہ چیں نگاہوں نے اسے بھی دور کر دیا۔ جب ان کے سامنے وہ حدیث آئی جس میں فرمایا گیا ہے کہ اگر میت صالح ہوتی ہے تو فرشتے سوال و جواب کے بعد اس سے کہتے ہیں **نَمَدُ كَنُوزَةَ الْعَرْسِ** (سو جا، جس طرح دلہن سوتی ہے) پس انہوں نے فرمادیا کہ **لَوْ دَكِحُوا بِمِثْلِ عَرْسِ**۔ چہ نکہ اولیاء اللہ اُس دن عروس کی طرح سوجلتے ہیں۔ اس لئے اُس دن یا اُس سے آگے چھپے جو کچھ ان کی قبروں پر ہوتا ہے، وہ عرس ہے! اس تحقیق اہل حق پر بہت سی باتیں پڑ چھنے کو جی چاہتا ہے مگر اس سے کلام بہت طویل ہو جائے گا۔ اس لئے ہم اشارۃً دو ہی باتیں عرض کئے دیتے ہیں:-

ایک یہ کہ صالحین کو دُھن کی سی میٹھی، پیاری اور گہری نیند محض اس لئے نصیب ہوئی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کو عمل صالح سے دلہن کی طرح آراستہ کیا تھا، آخر ان کی خوشی میں آپ کے شریک ہونے کا کیا موقع ہے؟ آپ بھی جائیے اور ویسی ہی زندگی اختیار کرنے کی کوشش کیجئے۔ قبروں پر ہنگامے پا کر لے اور میلے لگانے سے تو صالحیت نہیں پیدا ہو سکتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر صالحین اپنے یوم وفات ہی میں گہری نیند سو گئے ہیں تو ان سے اپنی حاجات طلب کرنے اور انہیں اپنا معبود بنانے کا کیا موقع باقی رہا؟ کیا معبود بھی سو جایا کرتے ہیں؟ اگر معبود سو جائیں اور دُھن کی سی نیند سو جائیں تو وہ اپنے عابدوں اور نیاز مندوں کا کیا بنا سکیں گے؟ اور اگر ان کی نیند بیداری ہی کی مترادف ہے تو پھر سونے کا کیا مطلب ہے؟

مگر کسی مسلمان کی زبان پر اللہ کے سوا کسی ہستی کے لئے معبود، خدا اور الہ وغیرہ کے الفاظ نہیں آسکتے، اس لئے ان صالحین امت کے ساتھ وہ سب کچھ معاملات رکھنے کے باوجود جو صرف اللہ ہی کے ساتھ رکھے جاسکتے ہیں، نہیں معبود، خدا اور الہ نہیں کہا جاتا۔ معبود بھی اور معبود نہ کہہ سکتے، الہ بھی ہو اور الہ نہ ٹھہرے یہ ایسا مشکل مسئلہ ہے جسے کوئی بے علم اور نادان شخص حل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپ خود اس کا تجربہ کر سکتے ہیں۔ آپ کسی شخص سے یہ کہہ دیجئے کہ تو اولیاء اللہ کو اپنا معبود سمجھتا ہے یا انہیں اپنا خدا بنا رہا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک جاہل کلمہ ماتریش، دیہاتی آن پڑھ آدمی بھی اس کا انکار کر دے گا۔ اور آپ کا منہ تو چھنے اور آپ کو پتھر مارنے کے لئے دوڑے گا۔ اس لئے حسب دستور موبایلوں ہی نے اس مشکل کو حل کر دیا اور وہ یہ ہے کہ اولیاء و صالحین کو خدا اور معبود بتانا کیا ضرور، ان کے ساتھ معاملہ تو وہی رکھو جو خدا کے ساتھ ہونا چاہیے۔ مگر انہیں عورت، قطب، دستگیر، گنج بخش، بندہ دواز، مشکل آسان، اولیاء اللہ، الہ اللہ وغیرہ سے اوپر نہ لے جاؤ۔ ان الفاظ کی تاویل آسان بھی ہے اور اس سے تمہاری مسلمانی پر حرفہ بھی نہیں آتا اور نہ ذرا تجاوز کر جاؤ تو ہر فقیہ تمہیں مشرک ٹھہرائے گا اور خواہ مخواہ کی پریشانی مول لینی پڑے گی!

تاثرین اندازہ فرمائیں کہ عقائد باطلہ و فاسدہ کی تائید و حمایت کے لئے اگر علماء و سواد اس طرح کربستہ رہتے تو بھلا اسلام میں شرک بھارا کہاں بار پائے اور مسلمانوں میں اس کے اثرات اتنی کثرت و وسعت کے ساتھ کیوں زود نما ہوتے! یہ تو نمونہ ہے ان علماء کی کاوش و شوق کا جو کسی نہ کسی طرح شریعت کے دائرہ میں رہنا چاہتے ہیں۔ مگر ان سے کہیں زیادہ نقصان جس طبقے پہنچا ہے وہ ایسے جاہل اور خبیث سرسرفیروں کا طبقہ ہے جنہوں نے شریعت اور طریقت کو ایک دوسرے سے بلکہ سخت اور قرار دے لیا ہے۔ ان کے نزدیک ظاہر و باطن کے کچھ ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں اور دونوں کو چوں

کے قانون بھی جدا جدا ہیں۔ حتیٰ کہ ایک قانون میں جو چیز حلال ہے وہ دوسرے میں بالکل حرام۔ اور ایک میں جو چیز قطعی حرام ہے وہ دوسرے میں بالکل حلال بلکہ فرض اور کارِ ثواب۔ چونکہ طبیعتہ مسلمانوں ہی میں شامل رہنا چاہتا ہے، اس لئے وہ شریعت کا نام لینے اور قرآن و حدیث کی باتیں کرنے پر بھی مجبور ہے مگر راہ فرار اتنی کشادہ ہے کہ جب اور جس طرف سے چاہے نکل بھاگے۔ شریعت کی پابندیوں کا ذکر کیجئے تو وہ طریقت میں جا پناہ لے گا۔ مگر طریقت بھی بہر حال ایک قانون ہے اور قانون کی بندش بہر حال اس کے ہوائے نفس پر سخت گراں ہے، اس لئے وہ وہاں سے بھی نکل بھاگے گا اور حقیقت تک جا پہنچے گا۔ پھر چونکہ مسلمانوں کا وہی کلمہ لا الہ الا اللہ ہے اور اس کلمہ سے فرار اسلام ہی سے فرار ہے۔ اس لئے وہ مقام حقیقت پر کھڑا ہو کر پکارے گا کہ لا الہ الا اللہ کے معنی میں "کچھ نہیں سوائے اللہ کے"۔ جب اس کے سامنے قرآن کھول کر آئیے اور اس کے نزوح معنی کی تری دید کرنے بیٹھے تو وہ سینہ اور سینہ کی بحث چھیڑ دے گا۔ کہے گا کہ یہ اوراق کیا لئے بیٹھے ہو۔ جو کچھ ہمارے لوحِ دل پر نقش ہے اور جو ہم تک سینہ بہ سینہ منتقل ہو کر پہنچا ہے وہ تو کچھ اور ہی ہے!

اس گروہ کی تحریریں اور تقریریں دراصل ہفوات و ہزلیات کی ایک پوٹے بلکہ ایک بجران زدہ بیمار کے ہذیانات ہیں۔ قبر پرستی اور اولیاء پرستی کے لئے ان لوگوں نے وہ طوفان اٹھائے ہیں کہ زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین بنا ڈالا۔ وہ قبر پر پیشانی رکھ دیں گے مگر کہیں گے کہ تم اندھے ہو! تم کیا جانو کہ ہم کس کو سجدہ کرتے ہیں۔ دراصل کعبہ سامنے آگیا تھا اس لئے ہم نے فوراً خدا کے آگے اپنی جیبیں رکھ دی۔ وہ عرسوں میں عورتوں کا ناچ دیکھیں گے اور نظارہ بازی سے لطف اندوز ہوں گے۔ مگر کہیں گے کہ "الْحَجَّانِ قَنْطَرَةَ الْحَقِيقَةِ" (مجاز حقیقت کا پل ہے) تم کو کیا خبر کہ ہم اس حُسن میں کون سے حُسن کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ وہ رات دن سازوں کے مشغلہ میں مگن ہوں گے۔ مگر کہیں گے کہ ان سازوں میں ہم خدا کی آواز سن رہے ہیں۔ وہ شراب تک پی جائیں گے مگر کہیں گے کہ یہ دراصل شرابِ طہور کی یاد ہے، بلکہ خود شرابِ طہور ہے! رجبی! کیوں نہیں؟ دوسروں کو تو شرابِ طہور آخرت میں ملے گی مگر ان خدا رسیدہ بزرگوں کو دنیا ہی میں دی جا چکی ہے، وہ یہ کاری تک کر گزریں گے۔ مگر کہیں گے کہ خدا کی مشیت کے بغیر دنیا میں پتہ تک حرکت نہیں کر سکتا۔!

ظاہر ہے کہ اس طرز کے لوگوں کی بگو اس کا جواب کسی ہوشمند انسان کے بس کی بات نہیں ہے، اس لئے ہم اسے یہیں ختم کئے دیتے ہیں مگر ناظرین سے ضرور عرض کریں گے کہ جب گراہی کے آنے اور پھیلنے کے اتنے بے شمار راستے ہیں تو آپ کو تعجب نہ ہونا چاہیے۔ اگر آپ دیکھیں کہ مسلمانوں میں مشرکانہ اعمال و رسوم کا خوب چرچا ہے اور یہ کہاں سے ہوتا آیا ہے!

(۳)

ہماری اوپر کی ساری بحث صرف "قبر پرستی" کے رد میں ہے۔ اسی لئے ہم نے اپنے مضمون کا عنوان "قبر پرستی" قرار دیا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم قبور اور اہل قبور کے ساتھ کسی قسم کا معاملہ کرنے ہی کو ناجائز ٹھہرا رہے ہیں۔ دوسرے تمام مسئلوں کی طرح شائع نے اس مسئلہ میں بھی واضح حدود مقرر فرماتے ہیں اور خود بھی اس پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ہم اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈال دیں۔ اچھا۔ اب آئیے دربار رسالت میں چلیں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ ایک مسلمان کو قبروں اور قبور والوں سے کس قسم کا اور کتنا تعلق رکھنا چاہیے۔

فرمایا ہے:-

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَتُورِذُوا بِهَا فَانْهَيْتُمْ فِي الدُّنْيَا وَتَذَكَّرُوا بِالْآخِرَةِ!

میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کیا تھا سو اب قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ چیز دنیا سے بے رغبت کرتی اور آخرت کی یاد دلاتی ہے!

(مشکوٰۃ باب زیارة القبور بحوالہ ابن ماجہ بروایت ابن مسعود)

اس حدیث سے تین باتیں معلوم ہوئیں:-

۱- حضور نے ابتداء میں زیارتِ قبور سے منع فرمایا تھا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ حکمتِ تشریح اسی کی مقتضی تھی ایک کام خواہ وہ بجائے خود صحیح اور مفید ہی کیوں نہ ہو۔ اگر اس کے ساتھ غلط اعتقادات اور غلط رسوم و رواجات کا جوڑ لگ گیا ہے تو جب تک اعتقادات کی بخوبی اصلاح نہ ہو جائے، اس سے منع کرنا چاہیے۔ یہ ممنوعیت عارضی ہوتی ہے۔ مگر ضروری بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس روک کے بغیر یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی کہیں فریبِ مفسدوں کا شکار نہ ہو جائے اور اگر یہ بات نہ بھی ہوتی بھی فسادِ عقیدہ کے باعث دوسرے طریقوں سے اس کی اصلاح دیر طلب ہو جایا کرتی ہے، چونکہ عہدِ جاہلیت کے عرب قبر پرستی میں مبتلا تھے اس لئے ان کے عقائد کی مکمل اصلاح تک حضور نے قبروں کے پاس جانے سے انہیں روک دیا۔!

۲- جب حضور نے یہ محسوس فرمایا کہ لوگوں کے ذہن دن کر کے اس حد تک اصلاح ہو چکی ہے جہاں تک انہیں اسلام پہنچانا چاہتا ہے تو پھر آپ نے یہ عارضی روک ہٹالی اور فرمایا کہ زیارتِ قبور کیا کرو۔ یہ اجازت بھی ہے اور حکم بھی۔ کیونکہ اس سے دینی شکر و قوت اور دینی ہدایات کی حرکت ملتی ہے لہذا جو چیزیں معینِ مقصد و مفید مقصد ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے باز نہ رہنا چاہیے۔!

۳- دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی یاد مسلمان کی اعلیٰ صفات ہیں اور چونکہ زیارتِ قبور ان میں اس کی مددگار ہے اس لئے مسلمان کو اسے اختیار کرنا چاہیے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زیارتِ قبور میں لازماً یہی مقصد پیش نظر رہنا چاہیے۔ جن زیارتوں میں یہ مقصد سرے سے پیش نظر ہی نہیں ہوتا وہ حدودِ شرع سے صریحاً متجاوز ہیں اور حسبِ مراتب شرک، قریب بہ شرک یا بدعت وغیرہ کی موجب ہیں۔!

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم اپنی والدہ عا حبہ کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو آپ پر گریہ طاری ہو گیا۔ حضور کی یہ حالت دیکھ کر صحابہ بھی رو پڑے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ کی مغفرت کے لئے دعا کرنے کی اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے منع فرمایا۔ پھر میں نے زیارتِ قبر کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت دے دی گئی لہذا تم لوگ قبروں پر جایا کرو کیونکہ اس سے موت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:-

۱- یہ کہ بھوائے آیت کریمہ:-

مَا كَانُ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ
مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ

ذہبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں چاہے وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔ سورہ توبہ رکوع ۱۲۴)

کسی مشرک کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں۔ اگرچہ اس بات کا امکان بھی موجود ہے کہ بی بی آمنہ کے لئے شرک کے سوا کسی اور سبب سے دعائے مغفرت کی اجازت نہ دی گئی ہو۔ مثلاً یہ ان کا انتقال حضور کی بعثت سے پہلے ہو چکا تھا، ان کے لئے دعائے مغفرت کی اجازت دی جاتی تو عہد جاہلیت میں مرنے والے تمام لوگوں کے لئے اس کی اجازت کا دروازہ کھل جاتا۔ درآنحالیکہ ان تمام لوگوں کے کفر و ایمان کا صحیح فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ تاہم اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مشرکوں اور جھیل الحمال لوگوں کے لئے خصوصیت کیساتھ نام لے کر دعائے مغفرت کرنا مسلمان کو زیب نہیں دیتا!

۲۔ یہ کہ مسلمان غیر مسلموں کی قبروں کو دیکھ کر بھی موت کو یاد کر سکتا ہے اور اسے عبرت حاصل کر سکتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ ایک مرتبہ مدینہ کے قبرستان سے گزرے تو فرمایا کہ السلام علیکم یا اهل القبور
 یغفر اللہ لنا و لکم انتم سلفنا و نحن باکثر ط

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! زیارتِ قبر کے وقت میں کیا پڑھا کروں، آپ نے جواب دیا کہ یہ پڑھا کرو۔ السلام علی اهل الدیار من المؤمنین و المسلمین و یرحم اللہ المستقرین منا و المستأخرین و انا انشاء اللہ بکم لاحقون ط۔

حضرت بریدہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ اقدس لوگوں کو قبرستان میں جا کر پڑھنے کے لئے یہ دعا تعلیم فرمایا کرتے تھے:-
 السلام علیکم اهل الدیار من المؤمنین و المسلمین و انا انشاء اللہ بکم لاحقون نسئل اللہ لنا و لکم العاقبة
 ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ زیارتِ قبر کے موقع پر پڑھنے کے لئے ایک خاص دعا خاص الفاظ کے ساتھ خود حضورؐ نے سکھائی ہے اس لئے یہ سنو ہے اور ہر زائر کو پڑھنی چاہیے۔ اگرچہ دعا کے الفاظ میں تھوڑی سی رد و بدل موجود ہے۔ لیکن سب سے زیارتِ قبر کے مقصد کی اصل روح جاری و ساری ہے اور اس کے پڑھنے سے زیارت کا اصل مقصد بدرجہ کمال حاصل ہو جاتا ہے!

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ والا جس رات میرے بل رہتے، آدھی رات کے وقت جنت البقیع تشریف لے جاتے اور یہ دعا فرمایا کرتے:-

السلام علیکم من قوم موہبین و اتاکم ما توعدون عندا مؤجلون و انا انشاء اللہ
 بکم لاحقون اللہم اغفر لاهل البقیع ط

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:-

- ۱۔ یہ کہ حضورؐ زیارتِ قبر کی کثرت فرماتے اور کم و بیش ہر ہفتہ قصداً زیارت کے لئے جاتے۔
 - ۲۔ یہ کہ زیارتِ قبر کے لئے رات کا وقت اور خصوصاً وہ وقت جبکہ تمام لوگ سو چکے ہوں اور بیتوں پر سناٹا چھا گیا ہو۔ ایک موزوں ترین وقت ہے۔ کیونکہ اس وقت زیارت کا مقصد بدرجہ زہم پورا ہوتا ہے اور قلب بہت زیادہ اثر قبول کرتا ہے!
- حضرت محمد بن نعمان کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جس شخص نے ہر جمعہ کو والدین کی زیارت کی، اس کو بخش دیا جائے گا اور

یہ بات ذہن کر لینی چاہیے کہ حضورؐ کا زیارتِ قبر کیلئے تشریف لے جانا، استدعا اور طلبِ برکت کیلئے ہرگز نہ تھا اور نہ حضورؐ نے یہ فرمایا ہے کہ قبروں پر طلبِ برکت، اکتسابِ فیض اور استدعا کیلئے جایا کرو۔ حضورؐ کا قبروں پر جانا اہل قبور کیلئے دعا و مغفرت کیلئے تھا اور اس لئے بھی کہ موت "ہا داسے" اور اپنے فانی و ہالک اور اللہ تعالیٰ کے حقیقی و قیوم ہونے کا یقین بختم تر ہو بلکہ تازہ ہوتا ہے (ایڈیٹر)

اس کو نیکوں کے زمرہ میں لکھا جائے گا۔!

اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ آدمی پر اس کے متوفی عزیزوں اور دوستوں کا زیادہ حق ہے کہ وہ ان کی زیارت کیا کرے۔ خصوصاً وہ لوگ جو تعلقات میں قریب تر رہے ہوں۔

۲۔ زیارت کے لئے کسی دن کو مخصوص کر لینا برا نہیں ہے۔ اس کے لئے جمعہ کا دن اپنی افضلیت کی وجہ سے بہت موزوں ہے!

۳۔ زیارتِ قبر ایک ایسی نیکی ہے جس سے خود نافر کی مغفرت متوقع ہے۔ کیونکہ بار بار موت کو یاد کرنے سے اس کے اندر دُنیائے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ صفت اُسے بد راہ اور بے عمل نہیں بننے دیتی!

اب ہم زیارت کے لئے چار قسم کے لوگوں کی قبروں کا الگ الگ ذکر کرتے ہیں:-

۱۔ عوام کی قبریں | اگرچہ زیارتِ قبور کی جو غرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے اس کی رُو سے عوام و خورم اور مسلم و غیر مسلم کی قبریں یکساں ہیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ غریبوں اور عام لوگوں کی قبروں کی زیارت کر کے جو فائدہ اٹھا

یا سکتا ہے وہ دوسروں کی قبروں سے کم ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہاں بے کسی و بے بسی، خستہ حالی و پریشانیوں کی حالت اور فنا

کی ایک مکمل تصویر بھی نگاہوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ اور اُس پاس کوئی ایسی چیز بھی موجود نہیں ہوتی جو خیالات کو مرکوز کرنے اور توجہ

کو قائم کرنے میں مانع ہوتی ہو۔ اور اگر یہ زیارت حضورِ انور کے اپنے عمل کے مطابق رات کے منائے میں کی جاتی رہے تو آخرت

فکر کرنے اور حالات بعد الموت پر توجہ دینے کی اچھی خاصی تربیت بھی ہوتی چلی جاتی ہے!

اگر آپ کو ابھی تک اس کا تجربہ نہیں ہوا ہے تو ایک مرتبہ تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔ رات کو سوتے سے اٹھیے اور چھپکے سے قریب

کے کسی قبرستان میں چلے جائیے۔ آپ کو پہلا خیال یہی آئے گا کہ یہ تو شہرِ خموشاں ہے ہی لیکن زندہ انسانوں کی بستی بھی تھوڑی دیر کے

قبرستان ہی بنی ہوئی ہے اور اسی لئے نیند کو موت کی بہن کہا بھی جاتا ہے۔ مگر یہ گھروں میں سونے والے صبح جاگیں گے اور پھر وہی زندہ

ہنگامہ جاری ہو جائے گا۔ جو روزانہ دن میں جاری رہتا ہے۔ لیکن قبروں کے سونے والے اس لیل و نہال کے ہنگامہ سے گزر چکے

اور اپنی مدتِ حیات ختم کر کے اس طرح ہمیشہ کے لئے سو گئے ہیں کہ بس انہیں اسرافیل کا صور ہی بجائے گا۔

اُس وقت آپ کے ذہن پر موت کی یاد اور آخرت کی فکر کے سوا کوئی اور چیز غالب نہ آسکے گی۔ آپ مختلف قبروں کو دیکھ

تو پتہ چلے گا کہ کچھ تو کچی ہیں اور کچھ بوسیدہ۔ بہت سی قبروں کا تو نام و نشان بھی باقی نہیں رہا ہے بلکہ اور کتنی قبریں ہیں جو دوسرے

قبروں پر بنتی چلی گئی ہیں۔ کچھ قبریں پختہ بھی ہیں تو ان میں تزک و احتشام اور شان و اہتمام موجود نہیں ہے۔ یہ مشاہدہ آپ

قلب میں بڑی رقت پیدا کرے گا اور اگر دہاں آپ کے دوست احباب اور اعزاء و اقربا بھی دفن ہیں تو ان میں سے ایک ایک

یاد آپ کو تڑپائے گی اور دُنیائے بیزاری پیدا کرے گی۔

پھر آپ حضور کی سکھائی ہوئی دعا پڑھیں گے تو یہ محسوس ہوگا کہ گویا آپ دُنیائے چلنے کے لئے بالکل تیار بیٹھے ہیں۔

اسی طرح زیارت کی کثرت ہو تو یہ قلب کی کیفیات زیادہ سے زیادہ بڑھتی چلی جائیں گی۔ آپ قبروں کے پاس حضور کی بتائی ہوئی

سے امیر مینائی مرحوم نے خوب کہا ہے

پھر اس قدر بھی ہمارا نشان ہے نہ رہے!

ابھی مزار پہ اجاب و سنا تھر پڑھیں

کے ساتھ دوسری دعائیں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ مگر ان میں وہ روح زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیے جو حضور کے بتائے ہوئے الفاظ میں موجود ہے۔!

۲۔ سلاطین و امراء کی قبریں | سلاطین و امراء کی قبروں کی زیارت بھی کچھ کم مفید نہیں ہے۔ اگرچہ ان لوگوں کی قبریں بہت ہی کم کھیں کچی اور سادہ حالت میں ملتی ہیں۔ ورنہ تقریباً تمام تر قبریں نہایت پختہ ہیں۔

اور ان پر نہایت عالی شان قبے بنے نظر آتے ہیں۔ جن میں فن تعمیر کی خوبیاں اور نادرہ کاریاں نمایاں ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین و امراء کی شان و شوکت مرنے کے بعد قائم ہے مگر اس کے باوجود ان کی دنیوی شان و شوکت کے مقابلہ میں یہ شان و شوکت بالکل مختلف نظر آتی ہے اور اس لئے دلوں پر اس کا اثر بھی بہت مختلف ہوتا ہے!

مثلاً ایک طرف مقبروں کی عظمت و بلندی آپ کو محو حیرت کرے گی مگر دوسری طرف خود صاحب قبر کی بے بسی اور خاموشی پر آپ کو حسرت بھی ہوگی، ان کے مقبروں کی عظمت و شوکت چاہے جیسی کچھ ہو مگر قبر والوں کی عظمت و شوکت تو ختم ہو چکی ہے اور ان کا نام صرف تاریخوں میں باقی رہ گیا ہے۔ اب نہ ان کا حکم و اقتدار چلتا ہے نہ کوئی اپنے کو ان کی رعایا تسلیم کرنے پر آمادہ ہے۔ نہ ان کی دربار دایاں ہیں نہ عیش کو شیاں۔ اگر وہ نیک اور عادل تھے تو ان کی یہی صفت اس بات کے لئے کافی ہے کہ ان کا نام ادب سے لیا جائے۔ اور دل میں ان کی عزت و محبت پیدا ہو اور اگر وہ فاسق اور ظالم تھے تو خواہ ان کے مقبرے کتنے ہی عالی شان ہوں ان کو کوئی شخص اچھے الفاظ میں یاد نہیں کر سکتا۔

بادشاہوں اور امیروں کے مزارات پر پہلا خیال ان کے دنیوی ٹھاٹھ باٹھ ہی کا آتا ہے۔ مگر یہ دیکھ کر دنیا کے متاع غرور پر لے کا کتنا شدید احساس پیدا ہوتا ہے کہ آج ان کے مزاروں پر کہیں کوئی حاجب و دربان نہیں پایا جاتا جو نائزین کو ادب قاعدے سکھاتا ہو۔ مثال کے طور پر اگر آپ لاہور میں جہانگیر کے مقبرہ پر حاضر ہوں تو کیا آپ کو اس کا خیال نہ آئے گا کہ دنیوی جاہ و جلال کے زمانہ میں اس کے ہاں ادب قاعدہ کی انتہا یہ تھی کہ حاضرین کو اس کے سامنے سجدہ کرنا پڑتا تھا۔ حتیٰ کہ اس میں ذراسی کوتاہی بھی آدمی پر مصیبت کے پہاڑ لاگاتی تھی۔

یہی جہانگیر تھا جس نے حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مجدد و مصلح بزرگ کو اپنے ہاں طلب کیا تھا اور انہیں نے اپنے عقیدہ کی رو سے اسے سجدہ نہ کیا تھا تو ان پر برقی غضب چمک گئی تھی۔ اور ان جیسا گوشہ نشین فقیر دیکھتے دیکھتے جیل کی چار دیواری میں پہنچا دیا گیا تھا۔

آج یہی زبردستی کے مسجود ہیں کہ زمین بوس اور خاموش ہیں۔ اور انہیں کوئی نہیں پوچھتا کہ آپ کا دربار کہاں ہے اور آپ کس حال میں ہیں؟

۳۔ سلاطین و امراء کی قبروں پر اس نیت سے جانا کہ ان کے لئے دعائے مغفرت کی جائے اور ان کی قبروں کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا سماں آنکھوں کے سامنے پھر جائے، یقیناً فائدہ سے خالی نہیں۔ مگر امیروں اور بادشاہوں کی قبروں پر جو اونچے گنبد، شاندار قبے اور دیدہ زیب بھر تعمیر کئے گئے ہیں، انہیں دیکھ کر زائر کو موت سناؤ دنا در ہی یاد آتی ہے، وہ نو گنبد کی شان و شوکت، دیداروں کی مینا کاری اور تابوت کے نقش و نگار ہی میں کھو کر رہ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تلخ نخل اور جہانگیر کے مقبرہ پر جا کر لوگ "پک ٹک" منباتے ہیں اور بجائے اس کے کہ موت کی یاد دہانی کی خرافات سے بے رغبتی پیدا ہو، دنیا کی تفریح جانتے کے مجسمٹ وہاں

آپ اگر تشریف لے جائیں اور شاہجہاں کی قبر پر جاٹا ہو۔ تو تاج محل کی خوبی و خوبصورتی کو دیکھ کر آپ چاہے جتنی حیرت اور مسترت کا اظہار کریں مگر خاک میں سولے والے کے لئے تو یہ حال حسرت کے چار آنسو ہی بہا سکیں گے۔ آپ کو مگر یہ خیال آئے گا کہ شاہجہاں نے اپنی بیوی کی محبت میں چاہے لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچہ کر کے دنیا کی ایک بے نظیر عمارت ہی کیوں نہ بنا دی ہو اور خود بھی اپنی بیوی کے پہلو میں کیوں نہ سو رہا ہو۔ مگر دنیا کے جملہ عیش سے اس کو آخر کیا اور کس قسم کی مناسبت ہو سکتی ہے؟ کیا اس وقت آپ کی دیدہ عبرت سے دو آنسو بھی نہ ٹپک سکیں گے؟

اگر آپ خلد آباد (ضلع اورنگ آباد دکن) میں حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر جائیں تو شاید سب سے زیادہ سبق آپ یہیں حاصل کر سکتے ہیں۔ جن لوگوں کو دنیا میں کچھ نہ ملا ہو۔ اگر وہ فقیر و درویش بن کر رہیں تو یہ بڑا کمال نہیں ہے۔ مگر جن کو دنیا کی ہر چھوٹی بڑی نعمت ملی ہوئی ہو اور دنیا کے سارے فوائد و لذائذ ان کے قدموں میں ٹوٹ رہے ہوں۔ مگر وہ ان سے بے رغبت ہوں اور فکر آخرت انھیں فقر کی دولت سے نواز دے تو وہ بڑے صاحب کمال ہیں۔

بادہ ما خوردن و ہیشا رشتن سہل است

گر بد دولت برسی مست نگر دی مردی!

حضرت موصوف کے مزار پر ان کی پاکیزہ زندگی کے اوراق آپ کے ذہن میں نیزی سے پلٹتے چلے جائیں گے اور آپ محسوس کریں گے کہ جس شخص کو اکبر و جہانگیر کی سلطنت سے بھی کہیں زیادہ وسیع اور بڑی سلطنت ملی ہوئی تھی اور جس کے سامنے اس کے آبا و اجداد کے خدائی ٹھاٹھ باٹھ کے نمونے بھی موجود تھے، وہ عمر بھر فقر کے لشکر میں ایسا سرشار رہا کہ ”فقیر اور از تربتش پیدا ستے“ اس نے یہ بھی نہ چاہا کہ اس کی قبر کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو بادشاہوں اور امیروں کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے بلکہ

اگر آپ رنگین جائیں اور بہادر شاہ ظفر کے مزار پر جانا ہو جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کی قبر کا صحیح نشان تک موجود نہیں ہے۔ اس وقت اگر آپ ذوق مرحوم اور دوسرے شعراء کے ان قصیدوں کو ذہن میں رکھ لیں جو اس کی نشان میں کہے گئے ہیں اور خود اس کے دلی سے نکل کر رنگون پہنچے اور مرنے تک کی تاریخ بھی سائنس دانوں کو یاد کر لیں تو دنیا کی بے ثباتی کا ہی نہیں، دوسرے متعدد سبق آپ حاصل کر سکتے ہیں بلکہ

علامہ اقبال جب کابل میں بایر کے مزار پر گئے تو فرمایا

خوش نصیب کے خاک تو آرمید این جا کہ این زمین ز طلسم فرنگ آزاد است!

۱۷۱۷ء میں عثمان علی خان سابق فرمانروا دکن نے عالمگیر کے مزار کو سنگ مرمر سے پختہ کروا دیا ہے، مگر قبر کا درمیانی حصہ کھلا چھوڑا گیا ہے اور قبر بھی اونچی نہیں بنائی گئی۔ قبر کی چار دیواری اتنی مختصر اور محدود ہے کہ پانچ سات آدمی ہی داخل ہو سکتے ہیں۔ اور اس چار دیواری پر چھت بھی نہیں ہے!

۱۷۱۷ء نے کہا تھا۔ شاہور کے مقبروں سے الگ دفن کیجئے ہم ہیکسوں کو گور غریباں پسند ہے!

اتفاق دیکھیے کہ اس کی مونت بھی اسی کی پسند کے مطابق واقع ہوئی۔ دلی میں تو سات پشت خاندان نیر زمین آباد ہے۔ کابل میں بایر، سکندرہ میں اکبر، لاہور میں جہانگیر۔ اگر وہ شاہجہاں، دکن میں عالمگیر، یہ عزیز مرا تو کہاں؟ رنگون میں۔

جل شانہ و جلالہ!

چونکہ بابر ہندوستان پر چڑھائی کرنے کے باوجود ہندوستان میں نہیں مرا اور اس وقت ہندوستان "طلسم فرنگ" میں گرفتار اور افغانستان آزاد تھا۔ اس لئے معاً انھیں بابر کی خوش نصیبی کا خیال آگیا۔ مگر یہ ایک ضمنی بات تھی اور بادشاہت کے تصور سے فخر کا تصور پیدا ہونا لازمی تھا۔ اور خود علامہ اقبال فقیر اور فقیر دوست تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی ذات کی نسبت فرمایا:-

درون دیدہ نگہ دارم اشکب خوین را کہ من فقیرم و این دولت خدا داد است!
 سلطان محمود غزنوی کے فرار پر گئے تو سلطان کا ذکر ان الفاظ میں کیا۔

برق سوناں تیغ بے زہنہ راد دشت و در لرزندہ از یلعبار او
 زہر گردوں آیت اللہ را یتمش قدسیاں قرآن سرا بر تڑتیش
 پھر اپنے ذاتی تاثرات ان الفاظ میں بیان فرمائے:-

شوخی و کرم مرا از من رلود تا بردم در جہان دیر و زود
 رخ نمود از سینہ ام آن آفتاب پر دگیہا از فروغش بے حجاب
 ہر گردوں از جلالش در رکوع از شعاعش دوش می گردد طلوع!
 وار ہمیدم از جہان چشم و گوش فاس چوں امروز دیدم صبح دوش
 پھر شہر غزنی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

قصر اے او قطار اندر قطار آسماں ہا قتبہ ہائش ہمکنار
 نمکتہ سنج طوس را دیدم بہ نرم لشکر محمود را دیدم بہ رزم
 روح سیر عالم اسرار کرد تا مرا شوریدہ بیدار کرد

یعنی غزنی کے قطار در قطار قصروں اور آسمان سے ہمکنار ہونے والے قتبوں کو دیکھنے کے باوجود ان کی نظر انہی چیزوں میں ایک کر نہیں رہ گئی بلکہ ان کی چشم تصور نے فردوسی کو بزم میں اور محمود کو رزم میں بھی دیکھا اور روح نے عالم اسرار کی ایسی سیر کی کہ انھیں بیدار کر دیا۔ پھر غزنی کے ویرانے میں پہنچے تو پہلے "مکرایام" سے پناہ مانگی اور پھر خدا سے خطاب کرتے ہوئے کہا:-

مرد حق آں بندہ روشن نفس نائب تو در جہاں او بود پس
 او بہ بند فقرہ و فرزند وزن گر توانی سو منات او شکن
 ایسماں از پرستاران کیست؟ در گریبانش یکے ہنگام نیست!
 سینہ اش بے سوز و جانش بے خروش او سرانیل است و صور او خموش!

احمد شاہ ابدالی کی قبر پر گئے تو فرمایا:-

ملتے راداد ذوق جستجو قدسیاں تسبیح خوال بر خاک او
 از دل و دست گہر زہے کرداشت سلطنت ابرد و بے پروا گزاشت

سزنگا پٹم میں سلطان کمپوشید کے مقبرہ پر تشریف لے گئے تو شہادت کے تصور کو تازہ کیا اور دوسروں کے اندر بھی اس کا صحیح تصور پیدا کرنے کے لئے روبرو کا وبری کے نام سلطان شہید کا ایک پیغام نظم کیا۔ جس میں حیات، موت اور شہادت کی حقیقت سمجھائی۔ یہ نظم طویل ہے اور پوری کی پوری پڑھنے اور سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے (ملاحظہ کیجئے جاوید نامہ، آں سو افلاک) اس کے چند شعر یہ ہیں:-

سینہ داری اگر در خورد تیر
 زانکہ در عرض حیات آند ثبات
 زندگی را چیست رسم و دین و کیش
 بندہ آزاد راستا نے دگر
 او خود اندیش است مرگ اندیش نیست
 بگزر از مرگے کس از دبا لحد
 مرد مومن خواہد از یردان پاک
 گر چہ ہر مرگ است ہر مومن شکر
 جنگ شاہان جہاں غارتگری است
 آنکہ حرف شوق با اقوام گفت
 در جہاں شاہین بنری شاہین بمیر
 از خدا کم خواستم طولی حیات
 یک دم شیری بہ از صد سال میش
 مرگ اورا می دہد جانے دگر
 مرگ آزاداں زانے بیش نیست
 زانکہ این مرگ است مرگ دام و دذ
 آل دگر مرگے کہ بر گیرد ز خاک
 مرگ پر مر تفضلی چیز سے دگر
 جنگ مومن سنت پیغمبری است
 جنگ را رہبانی اسلام گفت

کس نہ اند جز شہید این نکتہ را
 کو بخون خود خرید این نکتہ را

عرض بے شمار مزاروں پر بے شمار کیفیات پیدا ہو سکتی ہیں اور آپ ان سب سے سبق لے کر وہی کچھ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جس سے
 آپ کی زندگی ایک مسافرانہ زندگی بن کر رہے اور دنیا میں رہ کر ہی دنیا سے دل نہ لگے!

۳۔ علماء و صلحاء کی قبریں | علماء و صلحاء در اصل قوم کے رہنما ہوتے ہیں اور انہی کی علمی و دینی خدمات سے دنیا میں اسلام کا چراغ
 روشن رہا ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ رہیگا۔ ان کی قبروں کی زیارت تذکرہ آخرت اور تصور موت کے

ساتھ یہ سبق بھی دیتی ہے کہ آدمی کو آخرت کا سامان کرنے کے لئے اس دنیا میں کیا کچھ کرنا چاہیے۔ اور سلف صالحین نے اس سلسلہ میں
 کیا کچھ نمونہ چھوڑا ہے۔ اگر وہ نامعلوم الائم ہوں تو اجمالی سبق بہر حال حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ان کے نام معلوم ہوں اور نام کے
 ساتھ ساتھ ان کے کام سے بھی آدمی کو ضروری واقفیت حاصل ہو تو یہ بہت زیادہ مفید ہے۔ اور اگر زائر کو ان کے ساتھ اعتقادی
 احسناتی اور روحانی نسبت بھی حاصل ہے تو اس نسبت میں جتنی زیادہ مضبوطی اور گہرائی ہوگی اتنا ہی زیادہ یہ زیارتیں زائر کو متاثر
 کریں گی۔ علامہ اقبال کو حکیم سنائی غزنوی سے گہری عقیدت تھی کیونکہ علامہ اقبال مولانا روم کو اپنا پیر سمجھتے تھے۔ اور حکیم
 صاحب موصوف خود مولانا کے اکابر میں سے تھے جن کا ذکر مولانا نے اپنی مثنوی میں ادب و احترام کے ساتھ کیا ہے۔ علاوہ ازیں

سہ پہلے مصرعہ میں حضور سرور کائنات مراد میں اور دوسرے مصرعہ میں حدیث الجہاد رہبانیۃ الاسلام کی طرف اشارہ ہے!
 لگہ فاضل فقہانہ لگا رکی رے صاحب ہے اور قرین عق و صواب ہے۔ مدیر فاران کو اس سلسلہ میں صرف ایک ضروری بات کی طرف متوجہ
 کر دینا ہے۔ وہ یہ کہ آجکل اولیاء اور صلحاء کی قبروں پر عام طور پر لوگ تدر و نیاز گزارنے اور استمداد کی نیت ہی سے حاضر ہوتے ہیں
 اس کے علاوہ بعض قبروں پر دن رات میلہ منانگا رہتا ہے، ان حالات میں جناب شیخ احمد صاحب جیسے صحیح عقیدے کے لوگ قبروں
 پر جاتے ہیں تو انہیں وہاں "حائتر" دیکھ کر اہل کبر عتیبی سمجھتے ہیں کہ جن معتقدات اور مرادوں کو لے کر ہم "مزار اقدس" پر
 آئے ہیں اسی کام کے لئے یہ صاحب بھی گئے ہیں۔ ان دلوں اولیاء و صلحاء کی قبروں کی زیارت اگر اس "فتنہ" میں اضافہ کر رہی ہو، تو
 کیا کیا جائے! افہم فتنہ ہر! (ایڈیٹر)

علامہ اقبال نے حکیم صاحب کی کتابوں کا بھی بہت گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اس لئے جب انھیں سنہ ۱۹۳۲ء میں حکیم سنائی کے مزار کی زیارت کا موقع ملا تو وہ مزار کے پاس جاتے ہی بے اختیار ہر گتے اور سر ہانے کھڑے ہو کر دیر تک زور زور سے روتے رہے۔ خود علامہ نے اپنی مثنوی "مسافر" میں اس روحانی نسبت کو خوبی سے نظم کیا ہے۔ شہر غزنی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

خفتہ در خاکش حکیم غزنوی از نوائے او دل مرداں قوی
 آن حکیم غیب، آن صاحب مقام ترک جوشِ روحی از ذکرش تمام
 من ز پیدا، او ز پنہاں، در سرور ہر دور اسرا یہ از ذوقِ حنونہ
 اد نقاب از چہرہ ایماں کشود فکر من لغت دیر مومن و انمود
 ہر دور از حکمت قرآن سبق او ز حق گوید من از مردان حق

در فضاے مرقہ او سو ختم
 تا متاع نالہ اندو ختم

جہاں تک اسفار زیارت کا تعلق ہے، آپ زیارت ہی کے لئے بالقصد سفر نہ کریں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ سیر و سیاحت یا اپنی دیگر ضروریات سے آدمی جہاں جہاں جا سکے وہاں چاہے تو قبروں پر بھی کبھی، جو اسے یا کبھی کبھار قرب و جوار میں چلا جائے۔ جہاں التزام و اہتمام یا وقت و دولت کا بڑا صرف موجود ہو وہاں چاہے ابتداءً مقصد صحیح اور نیت نیک ہی رہے مگر اس میں اندیشہ ہے کہ آہستہ آہستہ کہیں فساد عقیدہ یا فساد عمل میں مبتلا نہ ہو جائے، اس لئے ایک محتاط و متقی انسان کو احتیاط و تقویٰ ہی کے مقتضی پر عمل کرنا اور شدتِ رحال والی حدیث کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔!

مزاروں کے پاس آپ دعائے سنونہ کے ساتھ کوئی اور دعا خدا سے مانگ سکتے ہیں، کیونکہ اس وقت تاثر کے باعث قبولیت دعا کا زیادہ امکان ہوتا ہے مگر صاحب مزار سے یہ نہ کہیے کہ آپ میرے لئے خدا سے دعا مانگیں۔ اگرچہ بعض علماء کرام نے اس فعل کو حد جواز میں لانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن مجھے اس میں سخت کلام ہے اور میں ان علماء کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں جنہوں نے اس فعل کو بدعت قرار دیا ہے۔ کیونکہ اول تو اموات پر سلام بھیجنے کی اجازت سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ وہ ہر قسم کی آرزوں اور دعاؤں کو سنتے بھی ہیں۔ اور اگر سنتے بھی ہیں تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے مطابق انھیں کچھ کرنے کی آزادی بھی دی گئی ہے۔ عالم برزخ

علامہ اقبال مرحوم نے اپنی شاعری کے ذریعہ دین کی بلاشبہ بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اور وہ عقائد کے اعتبار سے بھی بہت صحیح الیال تھے۔ مگر ان کے ہر قول و فعل کو فقیہ یا محدث کے قول و فعل کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ اقبال نے اپنے کلام میں موعظہ حدیثوں تک کو نظم کر دیا ہے۔ حضرت شیخ نظام الدین ادایا ربجوب الہی رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت میں انہوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے۔

سج و خضر سے ادبچا مقام ہے تیرا!

حالانکہ کوئی ولی کسی نبی سے بلند نہیں ہو سکتا۔ یہ اقبال کے "مزلات" میں ان پر نگاہ رہنی چاہیے۔ (ایڈیٹر)

علامہ آلوسی بغدادی، شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی، مولانا شرف علی صاحب نقانوی، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمہم اللہ اور بہت سے علماء سلف و خلف کی یہی رائے ہے!

ہمارے لئے غیب کا حکم رکھتا ہے اور ہم وہیں تک جاسکتے ہیں جہاں تک حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات ہمیں لے جاتے ہیں۔ اس کے آگے استنباط و اجتہاد یا استنتاج و استدلال سے کسی چیز کا تعین ہمارے علم و یقین کے دائرہ سے باہر ہے پس جبکہ حضور سے اس کی اجازت منقول نہیں ہے اور نہ صحابہ، تابعین اور ائمہ اسلام نے کبھی ایسا کیا تو ہمیں بھی اس کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ یہ سوا ائمہ بہر حال مشتبہ ہے اور بندہ مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ایمان کو ہر قسم کے استنباطات سے پاک رکھے، دوسرے یہ کہ اموات قبر کے عذاب و ثواب سے دوچار ہیں۔ اگرچہ ہمیں ہر ولی و صالح کے ساتھ بلکہ ہر ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کے ساتھ بھی حسن ظن رکھنا چاہیے۔ لیکن اگر ہم ان کے کاموں اور حالات کو پیش نظر رکھیں تب بھی ہم ظن غالب سے آگے نہیں جاسکتے یقینی علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے کہ ان کی معالحت و ولایت کیا درجہ و مقام رکھتی ہے، کیونکہ وہی نیتوں کا جاننے والا اور غیب و شہادت کا عالم ہے!

حدیث میں آتا ہے کہ نبی حضرت سعد بن معاذ کی تدفین عمل میں آئی تو حضور نے تسبیح و تکبیر کہی۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو حضور نے فرمایا کہ اس نیک بندے پر فیر تنگ ہو گئی تھی۔ اس کے ذریعہ اللہ نے کثادہ فرمادی۔ انہی سعد بن معاذ کے متعلق حضور نے فرمایا ہے کہ ان کی وفات پر عرش حرکت میں آ گیا تھا۔ ان کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیے گئے تھے۔ اور ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک تھے۔ مگر ان کی قبر پہلے تو تنگ ہو گئی، اس کے بعد کثادہ کر دی گئی!

اس سے اندازہ فرمائیے کہ کون یہ جان سکتا ہے کہ کون کس حال میں اپنی قبر کے اندر پڑا ہے۔ ہمیں بلا شک و شبہ اولیاء و صالحین سے حسن ظن رکھنا چاہیے۔ مگر بہر حال ہر ایک کی صحیح حالت صرف خدا کے علیم و خیر بری کے علم پر ہے اس لئے ہمیں اپنی حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔!

اگر آپ اولیاء و صالحین کی ذات کو وسیلہ بناتے ہوئے خدا سے دعا کریں تو اس کے جواز و عدم جواز میں بھی اختلاف ہے اور جہاں تک میں نے غور کیا ہے، دونوں گروہوں کے دلائل میں خاصہ وزن پایا جاتا ہے، اس لئے صحیح مسلک یہ ہے کہ کبھی کبھار ایسا کر لیا جائے تو ناجائز نہیں ہے۔ مگر اس کا التزام نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ بغیر توسل کے خدا کسی کی دعا سنتا ہی نہیں اور یہ خیال بالبداعت غلط ہے۔ خدا فرماتا ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أٰجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ !

اے نبی! میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انھیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہی

ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارے گا تو میں اس کی پکار سننا اور جواب دیتا ہوں!

تذرات کے پاس خواہ وہ عوام کے ہوں یا سلاطین، امراء کے یا اولیاء و صالحین کے، تلاوت قرآن کرنا میرے نزدیک جائز بلکہ مستحب ہے۔ چاہے صرف حصول ثواب کی خاطر کی جائے یا صاحب مزار کے ایصال ثواب کے لئے۔ مگر تلاوت قرآن یا کسی دینی عبادت کے ایصال ثواب میں ائمہ اسلام کا اختلاف ہے۔ امام اعظم اور امام احمد بن حنبل سے درست بتاتے ہیں اور امام مالک و امام شافعی نادرست! تاہم نفس تلاوت قرآن خود ایک ایسا فعل ہے جو نزول رحمت کا موجب ہے۔

اس لئے خواہ کوئی شخص قصداً ایصال ثواب نہ کرے مگر اہل قبور اللہ کی رحمت سے محروم نہیں رہ سکتے!

۴۷۔ غیر مسلموں کی قبریں | اگر غیر مسلموں کی قبروں کو دیکھنے کا اتفاق موقع ملے تو وہ دعا نہ پڑھی جائے جو مسلمانوں کے قبرستان میں پڑھی جاتی ہے۔ کیونکہ سلام و دعا کا یہ طریقہ صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے۔ وہاں صرف

اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کیلئے نذر و نیاز

نذر بغیر اللہ

مشرکین کی عبادت کا ایک اور عمل جس پر ہمارے مقالہ کے آخر میں بحث کرنی باقی ہے، وہ ”نذر بغیر اللہ“ ہے۔ مشرکین اپنے مال کا ایک حصہ غیر اللہ کی نذر و نیاز کے لئے صرف کرتے تھے، ان کے لئے جانور ذبح کرتے تھے، اس طرح ان کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْإِنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا
بِشْرِكائِنَا (پہلے ۳)

”اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور بولیشی پیدا کئے ہیں، ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا۔“ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَخْلُقُونَ نَصِيبًا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ وَاللَّهُ لَسَّالِمٌ مِمَّا كَانْتُمْ تَعْتَرُونَ (پہلے ۱۳)

یہ لوگ ہماری دی ہوئی چیزوں میں ان کا حصہ لگاتے ہیں جن کے متعلق ان کو کچھ علم نہیں۔، قسم ہے خدا کی تم سے تمہاری اس افترا پر دازیوں کی ضرور باز پرس ہوگی!

حضرت شاہ عبدالقادرؒ ان آیات کی تفسیر میں صراحت فرماتے ہیں کہ کافر اپنی کھیتی اور مویشی کے بچوں میں اور تجارت میں سے اللہ کی نیاز نکالتے اور بچوں کی بھی نیاز نکالتے تھے، جنہیں وہ اپنی جہالت اور بے خبری سے معبود، یا مالکِ نفع و ضرر سمجھتے تھے حق تعالیٰ ان کے اس ظلم اور بے انصافی اور افترا پر دازی کی مذمت فرماتے ہیں!

نذر و نیاز کا رواج اسلام کی ”عزبت“ کے اس زمانہ میں اس کثرت سے ہو گیا ہے کہ ہمیں یہاں اس کی تحقیق ضرور نظر آتی ہے۔ ہر زمانہ کے مشرکین کے قلوب میں ایک نمایاں تشابہ ہوتا ہے۔ وہ وہی بات کہتے ہیں اور وہی عمل کرتے ہیں جو ان سے پہلے گزرنے والے مشرکین نے ہی تھی اور اس پر عمل کیا تھا۔

كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ (پہلے ۱۴)

نذر و نیاز لغت میں وعدہ کرنا ہے، خیالی کا ہو یا بدی کا اور شرع میں کسی عبادت کا لازم کر لینا ہے، جو لازم نہیں تھی، نذرت نذرًا اذا وجبت على نفسك شيئا يتبرعاً من عبادت او صدقة او غير ذلك (نہایہ) تمام فقہانے اس امر کی تصریح کی ہے کہ نذر اللہ کی قربت اور عبادت ہے، چنانچہ قاضی حین اور متولی اور رافعی اور سوا ان کے دوسرے علماء شافعیہ اور زین الدین بن نجیم اور علامہ قاسم وغیرہ علماء حنفیہ نے اپنی تصانیف میں اسی کی صراحت کی ہے اور۔

وَمَا أَفْقَقْتُمْ نَفَقَةً أَوْ فَنَدَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ رُبَّ عَاهٍ

اور تم لوگ جو کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو تو حق تعالیٰ کو سب کی یقیناً اطلاع ہے! سے بھی یہی بات مترشح ہوتی ہے۔ چنانچہ تفسیر ابوالسعود میں وضاحت کی گئی ہے کہ ”او نذرتم، النذیر عقد الضمیر علی شیء والتزامہ“ یعنی نذر دل میں کسی چیز کا ارادہ کرنا اور اس کو لازم کر لینا ہے!

جب نذر عبادت ہوئی تو غیر اللہ کے لئے اس عبادت کا بجالاتا شرعاً صریح شرک ہے، عوام الناس بزرگوں کی جو نذر دنیا کرتے ہیں، وہ حاجت برآری کے خیال ہی سے کرتے ہیں۔ یا تو کسی مقصد کا حصول پیش نظر ہوتا ہے یا پھر کسی بلا کا ٹالنا۔ گویا اس طرح وہ ان بزرگوں کو رشوت دینا چاہتے ہیں۔ اس خیال سے تو حق تعالیٰ کی نذر بھی روا نہیں کہ وہ ذات مقدس بھی اخذ رشوت سے پاک ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

كان نذرا وافان النذر لا يغني من القدر شيئا وإنما يستخرج به من البخيل (متفق عليه)

یعنی نذر نہ مانو اس لئے کہ نذر تقدیر کے نوشتے کو نہیں مٹا سکتی۔ اس کے ذریعہ تو فقط بخیل کا مال نکالا جاتا ہے۔

طیبی نے اس حدیث کی شرح میں وضاحت کر دی ہے کہ ”جس نذر سے روکا گیا ہے وہ نذر مقید ہے، جس کا ملنے والا یہ خیال کرتا ہے کہ وہ تقدیر کے لکھے سے بچا لیتی ہے، جیسا کہ بہت لوگوں نے سمجھ رکھا ہے اور ہم اپنے زمانہ کی کتنی جماعتوں کو اسی اعتقاد پر پالتے ہیں“

غرض عوام جو بزرگوں کی نذر کرتے ہیں، ان سے پوچھنا چاہیے کہ تمہاری اس نذر کا مقصد کیا ہے؟

۱۔ تقرب اور عبادت؟ یہ تو صریحاً شرک ہے۔

۲۔ مفسود یا بی اور حاجت برآری؟ یہ بھی شرک و حرمت دونوں پر مشتمل ہے۔

۳۔ ایصالِ ثواب؟ ہاں یہ جائز ہے، لیکن یہاں نیت کی تصحیح سخت ضروری ہے۔ غور کرو، تمہیں خود اپنی نجات کی فکر کرنی چاہیے، خود ثواب کمانے پر مائل ہونا چاہیے۔ اس کو چھوڑ کر تمہیں دوسروں کو ثواب پہنچانے کی فکر زیادہ دامنگیر معلوم ہوتی ہے اور پھر تمہارے آباء و اجداد اس امر کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم انھیں ثواب پہنچاؤ۔ اس کا تم کو زیادہ خیال نہیں ہوتا۔ پیروں اور شہیدوں کی نیاز اور فاتحہ التزام کے ساتھ کرتے ہو۔ ذرا اپنے قلب کی طرف ایمان کی روشنی میں دیکھو۔ کیا تمہاری غرض یہ تو نہیں کہ ایسا کرنے سے تمہارے مال میں برکت ہوگی، ہاں بچے تندرست اور عافیت سے رہیں گے، تجارت میں خسارہ نہ ہوگا۔ زمانہ کے لگد کو ب سے نجات ملے گی۔ اگر تم اس غرض سے نذر دنیا بزرگوں کی کیا کرتے ہو (مثلاً حضرت تہیر کی گیارھویں۔ یا کتہہ بری دسترخوان یا سمرنی) تو مشرکین کی طرح تم ان بزرگوں کو اپنا معبود بنا رہے ہو۔ ان کو نفع و ضرر کا مالک سمجھ رہے ہو۔ اور یہ کھلا شرک ہے، اس کی تشریح قرآن و حدیث سے اوپر تفصیل کے ساتھ کی گئی ہے۔ علامہ قاسم شارح درر کے اس بیان پر غور کرو:

النذر الذي يندره اكثر العوام كان يقول يا سيدي فلاں يعني به وليا او نبيا ان رو غابى

او عوفى من بعضى او قضيت حاجتى فلک من الذهب والفضة او الطعام والشراب

او الزیت کذا فہذا باطل بالاجماع لانہ نذر مخلوق و هو لا یجوز، لان النذر عبادۃ و الجادۃ
لا یكون لمخلوق و المنذر لہ میت و المیت لا یمتک و انہ ان ظن ان المیت یتصرف فی الامر
کفر الا ان قال یا اللہ انی نذرت لک ان فعلت معی کذا ان اطعم الفقراء الذین بیاب السدۃ
النفیسة او الامام الشافعی و نحوہ فیجوز حیث یمکن فیہ لفعلاً للفقراء و النذر اللہ !

یعنی وہ نذر جو عوام الناس کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ اے میرے بزرگ کسی ولی یا بنی کو مخاطب کر کے، اگر میرا غائب
واپس آجائے، یا بیمار اچھا ہو جائے، یا میری حاجت برائے تو آپ کے لئے اتنا سونا یا چاندی یا طعام و شربت یا
تیل بطور نذر پیش کر دوں گا۔ سو یہ باطل ہے بالاجماع۔ اس لئے کہ یہ مخلوق کی نذر ہے اور یہ جائز نہیں۔ کیونکہ
نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی روا نہیں۔ جس کے لئے نذر مانی ہو وہ میت ہے اور میت کسی چیز کی
مالک نہیں۔ اور اگر اس کے ساتھ ساتھ وہ نذر ملنے والا یہ بھی خیال کرے کہ میت کو کاموں میں اختیار حاصل ہو
تو وہ کافر ہو جائے، ہاں اگر وہ یہ کہے کہ یا اللہ! میں نے تیری نذر کی کہ اگر تو میرے ساتھ یہ معاملہ کرے تو میں
سدہ نفیسة فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا، یا امام شافعی کے دروازہ والوں کو کھانا دوں گا۔ تو یہ جائز ہے
کیوں کہ اس میں لقمہ فقیروں کا اور نذر ہے اللہ عزوجل کی۔

دیکھو اس بیان کا تجزیہ کرنے سے مندرجہ ذیل امور واضح طور پر پیش ہو جاتے ہیں:-

- ۱۔ عوام کا لانعام جو نذر اپنے پیروں، بزرگوں کی حاجت براری کی خاطر کرتے ہیں وہ بالاجماع باطل ہے اور قطعاً شرک ہے، کیونکہ
- ۲۔ مخلوق کی نذر کسی معنی میں جائز نہیں، اس لئے کہ وہ عبادت ہے اور سوائے خالق کے کسی کے لئے روا نہیں۔
- ۳۔ عوام کی غرض بزرگوں کی نذر و نیاز سے یہی ہوتی ہے کہ آفات و بلیات سے وہ محفوظ رہیں۔ مال و دولت میں
اضافہ ہو، صحت و عافیت حاصل ہو، اگر وہ زبان سے اس امر کا اقرار بھی کریں کہ ہمیں صرف ایصالِ ثواب ہی منظور
ہے تو بھی وہ اپنے نفس کو دھوکا دے رہے ہیں، انھیں ایمانداری کے ساتھ اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہیے۔
- ۴۔ یہ بھی کہنا درست نہیں کہ یہ فلاں ولی یا بنی کی نذر ہے۔ بلکہ انھیں یہ کہنا چاہیے کہ یہ اللہ کی ہے اور ثواب اس کا
فلاں کو پہنچے۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ کسی ولی یا بنی کی نذر مانی بھی جائے تو وہ منعت نہیں ہوتی۔ کیونکہ
لاوفاء لنذر فی معصیۃ۔ یعنی نذر معصیت کی وفا ضروری نہیں، اور ظاہر ہے کہ عبادت غیر اللہ معصیت ہے اور نذر
مبطلہ عبادت ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ:-

من نذر ان یطیع اللہ فلیطعه و من نذر ان یعصیہ فلا یعصیہ !

” جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر کی اس کو چاہیے کہ اطاعت کر کے اپنی نذر پوری کرے اور جو اللہ کی نافرمانی کی نذر
کرے وہ نافرمانی نہ کرے۔“

(نفران اور تعمیر سیرت، از ڈاکٹر میر ولی الدین)

اللہ مگر یہ سدہ نفیسة اور شافعی کے دروازہ کے فقیر کیا چیز ہیں؟ قبروں اور استخوانوں کے دروازوں پر فقراء کا جمع ہونا ہی کھپک نہیں۔ (۲-۳)

۱۔ یہ حدیث مسلم بن عمران بن حصین سے مرفوعاً مروی ہے!

اللَّهُ وَاحِدٌ لَا شَرِيكَ لَهُ !

اسلام کیوں آیا؟

دُنیا عقیدہ توحید "إله" سے بیگانہ ہو کر، بد کرداری اور بد اخلاقی کی عمیق ذلت و پستی میں جا گری تھی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے بروقت دستگیری فرمائی، اسلام آیا تاکہ پھر سے اس سچے عقیدے توحیدِ الہ کی بنیاد پر اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ کی تعمیر مکمل کرے۔ دُنیا دُور فریقوں میں بٹ گئی۔ اسلام ملنے والے اور نہ ملنے والے۔ نہ ملنے والوں نے اس بنا پر نہیں مانا کہ آباؤی تقلید اور شیوخ ضلال کی پیروی میں اس بڑی طرح سے مُبتلا تھے کہ عقل و ہوش کے جملہ تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنے خود ساختہ معبودوں کی عنامی کی بنجاستوں کے وہ اس حد تک خوگر ہو گئے تھے کہ "توحیدِ الہ" کے بے نظیر شرف و فضیلت کو نہ پاسکے۔ اور ماننے والوں نے اسلام کو اس بنا پر مانا کہ فی الحقیقت کفر و شرک انسانیت کے لئے ایک شرمناک ذلت ہے۔ اور عقیدہ توحیدِ الہ جلّ شاکہ نسب سے بڑی صداقت ہے جو انسان کی سعادت و نجات کی ضامن ہے!

اسلام نے اپنے ماننے والوں کے سامنے یہ مطالبہ پیش کیا کہ اسی عقیدہ و حدانیتِ الہ پر قائم رہ کر اپنی سیرت و کردار کو اسی کے سلچھے میں ڈھال کر دُنیا کے سامنے اخلاق و اعمال کا بلند نمونہ پیش کریں۔ اور اسلام کے نظامِ حق کو دُنیا میں غالب و برتر رکھنے کے لئے اپنے جملہ امکانی وسائل و مساعی کو بروئے کار لائیں۔ مخلصوں نے اپنے وقت میں اس فریضہ کو بوجہ احسن انجام دیا۔ جزا ہم اللہ احسن الجزاء۔! لیکن نہایت تاسف سے کہنا پڑتا ہے کہ برے نام ملنے والوں کا ایک گروہ اٹھا اور اس نے اسلام کے بنیادی عقیدہ "توحیدِ الہ" پر ضرب لگانے کی کوشش کی۔ اور اپنے آباء و شیوخ کی قبروں کی پرستش شروع کر دی، اور بدعات و رسومات کا شکار ہو گئی۔ اور مخلوق کی پوجا میں لگ گئی۔ ایک دوسرے گروہ نے اسلام کے "نظامِ عدل و انصاف" کی وفاداری میں تذبذب کا ثبوت دیا۔ اور عملی اسلام سے روگرداں ہو گئے۔

اس مضمون میں پھر سے سب دُنیا والوں کو اَعْبُدُوا لِلَّهِ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرُهُ (ایک اللہ کی بندگی کرو۔ دیکھو، تمہارے لئے اس کے سوا کوئی دوسرا الہ۔ لائق پرستش و بندگی۔ ہے نہیں) کی مومنانہ دعوت عقل و بران اور دلیل سے دی گئی ہے۔ کوئی 5 ججز اس پر غور کرے!! اللہ ہدایت دے، آمین!!

ارشاد ربّانی ہے:-

اللہ ایک (واحد) ہے اس کا کوئی شریک نہیں

روگو! تم سب کا معبود برحق، حاجت روا اور کارساز، حاکم و بادشاہ حقیقی ایک اللہ،
اللہ، فقط اللہ ہے۔ جس کے سوا کوئی بھی دوسرا الہ نہیں۔ وہ بڑا مہربان بے حد رحم
فرمانے والا ہے! (سورہ بقرہ آیت ۱۶۳)

”الہ“ کا لفظ اذہتیت و خدائی کے تمام صفات کا ملکہ کو شامل و حاوی ہے۔ ”الہ برحق“ صرف وہی ہوگا جو اقتہ اروا عقیالہ
کے بلند ترین درجہ پر فائز ہوگا۔ اور تخلیق و تکوین کی بے مثال طاقت و قوت کا سرچشمہ اور مصدر فیوض و برکات اور سرچشمہ
کمالات و نعمات اور جامع محاسن ہوگا اور جملہ عیوب، قبائح اور زائل سے مبرا اور منترہ ہوگا۔ وہ ہر حال میں جملہ مخلوقات کی
حالت سے باخبر اور ان کے دکھ درد اور راحت و آرام اور ان کی ضرورتوں اور حاجتوں سے واقف اور ان کے پورا کرنے پر
قادر ہوگا اور ان کمالات علمی و عملی (عملی) کے باعث استحقاق عبادت و بندگی اور طاعت و فرمانبرداری اور اہلیت
فرماندائی و شہنشاہی بھی رکھتا ہوگا۔ سو ہم ڈنکے کی چوٹ کہے دیتے ہیں کہ ایسی ذات برتر بجز اللہ رحمن و رحیم کے اور
کوئی نہیں۔ وہی اکیلا ان صفات کا ملکہ اور کمالات فاضلہ سے متصف ہے اور جملہ عیوب و نقائص سے مبرا اور تمام
نعمات و محاسن کا جامع ہے!

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ ، سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ
سُبْحَانَ الْعَلِيِّ الْأَعْلَى ، سُبْحَانَ تَعَالَى

اللہ ایک ہے | عقلی صحیح اور شرعاً الہی اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ذات و صفات اور افعال الہیہ میں ایک
ہے، بے مثل و بے مثال اور بے چون و بے چگڑوں، نرالا اور واحد و لا شریک لہ۔ یگانہ و یکتا اور سب سے
اعلیٰ و برتر ہے۔ نہ ذات میں اس جیسا کوئی دوسرا ہے نہ صفتوں میں اس کا کوئی ہمسر اور مماثل اور نہ اپنے خدائی کاموں میں
کوئی اس کا معاون و شریک ہے۔ لہذا استحقاق عبادت و بندگی میں بھی وہ یگانہ و تنہا مستحق عبادت و پرستش اور
ستارہ تعظیم و اجلال کا حقدار ہے! فرماں دہائی اور شہنشاہی اور کارسازی و حاجت روائی اور بندہ پروردی
اس کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان الہی خصوصیات میں کسی بڑی سے بڑی مخلوق حتیٰ کہ فرشتہ، نبی یا ولی کو بھی ادنیٰ شائبہ
اشتراک نہیں ہے۔ ذرہ ذرہ اس کی وحدانیت و وحدیت پر گواہ اور اس کے تفرّد و یگانگت پر شاہد عدل ہے۔ ہم
بھی اس سچی گواہی میں باقی فرمانبردار مخلوق کے ساتھ پوری ایمان داری اور یقین و طمانینت کے ساتھ شامل ہیں اور
ڈنکے کی چوٹ کا، الہ الا اللہ کا اعلان حق کرتے ہوئے پوری خوشی اور شادمانی محسوس کرتے ہیں۔ اور جس رسول
برحق کے ذریعہ ہمیں یہ بے بہا دولت — دولت توحید نصیب ہوئی ہے، اس کی رسالت و نبوت کا اقرار بھی
پوری شرح صدق اور کمال فخر و انبساط کے ساتھ کرتے ہوئے مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادتِ حقتہ کا واضح
اعلان کرتے ہیں! —

اسلام جس کی بدولت یہ دونوں صدائیں، یہ بیش بہا نعمتیں — نعمت توحید و رسالت ہمارے حصّے میں
آئی ہیں واقعی اللہ تعالیٰ کا واحد و تنہا دین حق ہے اور اس قابل ہے کہ وہی دنیا بھر میں سر بلند و سرفراز ہے۔ ہمیں

اُس کی سر بلندی اور برتری کے لئے ہر امکانی جدوجہد کے لئے ہر وقت تیار و مستعد رہنا چاہیے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید ہمارے شامل حال رہے اور ہم دنیا و آخرت کی کامیابیوں اور سعادت مندیوں سے سرفراز و کامگار ہوں:-

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَ تَبَّتْ أَعْيُنُنَا عَنْ مَنَازِلِهَا فَهِيَ كَلِمَاتُ الْكَافِرِينَ ه

اے ہمارے پروردگار! صبر و شہادت سے ہمیں مالا مال کر دے اور ہمارے قدم (دین حق پر اور عمارتِ اعدائے اسلام کے وقت) جھٹھے اور ہمیں قوم منکرین حق پر فتحیاب فرما! (آمین)

(سورہ بقرہ - آیت ۲۵۰)

سب سے بڑی صداقت

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ وہ سب سے بڑی صداقت ہے جو تمام صداقتوں، نیکیوں اور سعادت مندیوں کا واحد سرچشمہ اور منبع خیر و برکت اور مصدر فیض و انعامات الہیہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کے سچے متبعین، صدیقین، شہداء، صالحین، اولیاء، اصحاب، علماء، فقہاء، مجاہد اور زہاد نے جو کچھ پایا ہے اسی سچی توحید کی بدولت پایا ہے۔ اور کفار و منکرین، منافقین، ملحدین اور اہل بدعت جو حقیقی خیر و برکت سے محروم ہیں، وہ بھی اسی وجہ سے کہ حقیقی اور مخلصانہ عقیدہ توحید الہی شانہ سے خالی اور اس سعادت کبریٰ سے تہی دامن ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور جملہ اہل ایمان کو اس صداقت کبریٰ اور نعمتِ عظمیٰ پر ابد الابد تک ثابت قدم، قائم و دائم رکھے۔ آمین!

جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کا متفقہ دعوتِ حق ہے:-

أَعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ

لوگو! ایک اللہ جل شانہ کی بندگی کرو، تمہارے لئے اس کے سوا کوئی دوسرا معبود، کارساز و حاجت رواقطعا نہیں۔ (سورہ ہود، آیت ۵۰ و دیگر مقامات)

ہست اللہ رب ما واحد	ذوالمنن، ذوالجلال و الماجد
ہست توحید او شہادت حق	ہم محمد رسول او برحق
ذات پاکش : مستعد فنا است	ہر کجا جلوہ از و پیدا است
حسن زولیش چو پر توے افگند	زود و عالم شد است ہرہ مند
ذات او مجمع کمالات است	خالق الارض و السموات است
حضرت حق یگانہ و یکتا است	مالک ملک، داویر اعلا است
نعمتس را چو نیست پایا نے	کے تو زینم مدح شایا نے
بیچ کارے ز غیر او ناید	جہ سانی ہ پیشا او شاید

دلائل توحید

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و یگانگی کے دلائل بے شمار ہیں۔ جن کا ضبط کرنا مخلوق کی طاقت و وسعت سے بالاتر ہے۔ یہاں ہم نونہ کے طور پر، اپنے فہم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تائید و امداد سے چند ایک دلائل کا مختصر ذکر کرتے دیتے ہیں۔

دلیل اول :- خالق و پروردگار عالم ایک ہے۔ کیونکہ اگر ایک سے زائد ہوں تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ان میں سے ہر ایک مستقلاً تخلیق و ربوبیت عالم پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو بس ایک ہی ان میں سے خالق ٹھہرے گا اور دوسرا بیچارہ محض۔ کیونکہ سارا کام وہی اکیلا سرانجام دے گا، دوسرے کے لئے نہ کوئی کام رہے گا اور نہ اُس کی ضرورت رہے گی۔ یعنی عالمیں مکالم اور ضرورتاً

تو ایک ہی سے پوری ہو جائیں گی۔ دوسرے کے لئے جب کام نہیں ہوگا تو اس کی ضرورت نہیں ہوگی، اور مخلوق اس سے مستغنی ہوگی۔ لہذا وہ بیکار محض ہوگا۔ ظاہر ہے کہ خالق پروردگار عالم تو بے کار محض نہیں ہو سکتا۔ اور مخلوق اس سے کسی وقت مستغنی نہیں ہو سکتی۔ اور جو بیکار محض ہوگا اور مخلوق اس سے مستغنی ہوگی وہ خالق پروردگار عالم یا اللہ کا سنات نہیں ہو سکتا۔

پس اللہ ہی واحد موجود برحق ہوگا جو سارے عالم کا بالفعل مستقلاً خالق پروردگار ہے اور یہی مقصود ہے۔ عرف عام اور لسان شرع میں اس "اللہ واحد و برحق" کا اسم ذات "اللہ" ہے۔ اس کے صفاتی نام۔ رحمن و رحیم اور سمیع و بصیر اور علیم و خبیر وغیرہ ہیں۔!

اور اگر مشقِ دوم اختیار کی جائے کہ ان میں سے ہر ایک عالم کی تخلیق و ربوبیت پر مستقلاً اور تنہا قادر نہیں ہے، بلکہ ایک دوسرے کے اشتراک سے یہ کارروائی انجام دیتے ہیں۔ یا اپنے سے بالاتر کسی اور ہستی کی امداد سے عالم کا کاروبار چلاتے ہیں۔ جو بھی صورت فرض کی جائے، تو ان میں سے کوئی بھی اللہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ عاجز اور محتاج ہے اور اللہ عاجز و محتاج نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ جس چیز کا وہ محتاج ہوگا وہ اس سے بالاتر اور فائق تر ہوگی۔ یعنی محتاج، کمتر اور محتاج الیہ فائق تر ہوگا۔ اور جس صورت میں وہ "مفروضہ دوم" ایک دوسرے کے محتاج ہوں گے تو دونوں ایک دوسرے سے (بہر ذہن و چہر) کمتر اور رحمن و رحیم فائق تر ہوں گے۔ محتاج ہونے کی حیثیت سے کمتر اور محتاج الیہ ہونے کی حیثیت سے فائق تر ہوں گے اور چونکہ یہ دونوں حیثیتیں ہمہ گیر اور مستقل ہوں گی (کہ کوئی کام بھی ایک دوسرے کے اشتراک کے بغیر انجام پذیر نہیں ہوگا) لہذا ہر ایک کا عجز اور احتیاج بھی مستقل ہوگا۔ پس ہر دو وجہ ان میں سے کوئی بھی "اللہ" یعنی محتاج و مخلوق اور مستقل فی الخلق والربوبیت نہیں ہوگا۔ ساقی ہی لازم آئیگا کہ ایک ہی چیز دوسری چیز سے (بصورت تعدد آہستہ) ایک ہی وقت میں، ہر لحاظ سے مستقلاً کمتر بھی ہو اور فائق تر بھی۔ اور محتاج ہونے کی حیثیت سے موخر ہو اور محتاج الیہ ہونے کی حیثیت سے مقدم اور ان دونوں حیثیتوں کے بیک وقت اجتماع سے اجتماع منہین بلکہ اجتماع نقیضین (یعنی تقدم شے بر شے و عدم تقدم شے بر آں شے) لازم آئے گا۔ جو عقلاً و شرعاً صریحاً البطلان ہے۔ نیز فوقیت و تقدم شے بر ذات و نفس خود لازم آئے گا۔ جو بداہتہ باطل ہے!

اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ دونوں اپنے کاروبار میں اپنے سے بالاتر ایک تیسری ہستی کے محتاج ہیں جو مفرد و لیگانہ ہے تو لازم آئے گا کہ "اللہ" وہی بالاتر واحد و لیگانہ ہستی ہے۔ نہ کہ اس کے ماتحت وہ محتاج ہستیاں۔ اور الوہیت میں نائب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ وہ بالاتر واحد ہستی ہر لحاظ سے خلق و ربوبیت میں کامل و مستقل ہے۔ اس کا کوئی کام نائبوں کے لئے ادھورا اور نامکمل نہیں چھوڑا گیا۔ ورنہ اس کا احتیاج لازم آئے گا اور فرض یہ کیا گیا کہ وہ کسی لحاظ سے بھی محتاج

۱۷۔ یعنی ایک مفروضہ اللہ "دوسرے مفروضہ اللہ" سے کمتر بھی ہو اور بالاتر بھی۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً۔

۱۸۔ ایک سے زائد ایسے اللہ فرض کر لینے سے جو ایک دوسرے کے محتاج ہوں اور باہم اشتراک و تعاون سے خلق و ربوبیت کا کاروبار چلا رہے ہوں لازم آئے گا کہ ان میں سے ہر ایک محتاج بھی ہو اور محتاج الیہ بھی اور محتاج ہونے کی حیثیت سے متاخر ہو اور محتاج الیہ ہونے کی حیثیت سے متقدم (خواہ یہ تقدم و تاخر رتبہ ہو) پس ان میں سے ہر ایک اپنے مقدم سے بھی متقدم ہوگا جس سے تقدم الشیء علی نفسہ لازم آتا ہے۔ جو ظاہراً بطلان ہے!

نہیں رکھیں کہ اگر وہ موجود بالآخر بھی نائیوں کا محتاج ہو تو پھر وہی محتاج و محتاج الیہ والا چکر چل رہا ہے گا۔ جس کا باطل ہونا ابھی ابھی بیان کیا گیا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ وہ واحد و بالآخر موجود ہی اپنے سارے کاروبارہ خلق و ربوبیت میں مستقل اور منفرد ہے۔ نہ شریکوں کی اسے حاجت ہے اور نہ نائیوں کا وہ محتاج۔ اور نہ اس شرکت و نیابت کی وہ اجازت دیتا ہے۔ اور نہ اسے برداشت کرتا ہے بلکہ سرے سے اس کا امکان ہی نہیں۔ اور وہ ذات متفرد شریح انبیاء کرام علیہم السلام میں "اللہ" کے مبارک اور معزز و گرامی اسم پاک سے موسوم و متعارف ہے۔ (اور دوسرے نام بھی لوگوں نے اپنی اپنی زبان میں اس ذات متفرد و یگانہ کے لئے اطلاق کئے ہیں۔ لیکن اہل علم اس کے لئے وہی اسمائے حسنہ استعمال کرتے ہیں جو اس نے انبیاء کرام کے ذریعہ بتائے ہیں)

خلاصہ :- اگر ایک سے زائد "الہ" (یا خدا) فرض کئے جائیں تو اگر ان میں سے کوئی ایک بھی خلق و ربوبیت عالم میں مستقل ہوگا تو "الہ" بس وہی ہوگا، باقی فالتو اور محض بے کار رہوں گے اور اگر ان میں سے کوئی بھی مستقل و متفرد نہیں ہوگا تو ہر ایک محتاج و عاجز ہوگا۔ اور ان میں سے کوئی بھی صورت ہو رہے گا رہو یا عاجز (تو وہ الہ نہیں ہوگا۔ لہذا "الہ" وہی متفرد ذات اقدس ہے جو نہ محتاج و عاجز ہے اور نہ بیکار۔ بلکہ خلق و ربوبیت میں واحد و مستقل ہے اور سب اس کے محتاج ہیں اور وہ اللہ جل شانہ ہے۔ الحمد للہ۔

اس دلیل کو ہم "برہان استقلال" کہتے ہیں۔

ارشاد الہی ہے :-

ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ
 وہی (مغفلاً، متعین ذات برحق اللہ ہے جو تم سب کا (مستقلاً) پروردگار ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی دوسرا "الہ" (یا پروردگار) نہیں ہے۔ وہی ہر ایک چیز کا (مستقلاً اور تنہا، بلا شرکت غیرے) پیدا کرنے والا ہے۔ پس تمہیں بندگی و غلامی بھی اسی ایک کی کرنی چاہیے اور وہی ہر ایک چیز کی دیکھ بھال اور حفاظت کرنے والا ہے۔ (سورۃ الانعام، ۱۰۲)

دلیل دوم :- اگر دو یا زیادہ الہ فرض کئے جائیں تو زمین و آسمان اور باقی سب مخلوقات کا سرے سے وجود ہی نہ ہوتا اور یہ ساری دنیا فساد و بربادی کا پتھر پتھر پر منتظر میں مکتی۔ اس لئے کہ "الہ" وہ ہوتا ہے جو سب مقدمات پر کامل قدرت رکھتا ہو۔ اب دنیا کا ہر کام جب ایک "الہ" سے متعلق ہو گیا اور اس کے دائرہ اختیار و قدرت کے تحت آ گیا تو واجب الموقوع ہو گیا اب دوسرے "الہ" کی طرف اس کی نسبت مستحیل ہو گئی۔ کیونکہ تحصیل حاصل کوئی معنی نہیں رکھتی۔ لیکن ہر ایک "الہ" چونکہ ہر لحاظ سے دوسرے "الہ" کے ساتھ قوت و قدرت اور ارادہ وغیرہ امور میں برابر ہے کہ اگر کم ہو تو پھر وہ الہ نہیں ہوگا) لہذا (بصورت تعذر و آہستہ) ہر ایک الہ لازماً یہ نکتہ صاف کرتا ہے کہ دنیا کے سب خدائی کام اس کی قدرت و ارادہ سے متعلق ہوں اور اس طرح وہ اپنی خدائی کا مظاہرہ کر سکے، اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کوئی چیز بھی موجود نہ ہو سکے۔ کیونکہ جب دو یا زیادہ "الہ" اس کے ایجاد و تخلیق کی طرف بیک وقت متوجہ ہوں گے تو ایک کی مراد و مطلوب ہونے کی وجہ سے اس چیز کا دوسرے کی مراد ہونا محال ہو جائے گا۔

اس لئے کہ امکان ہی کے باعث اس سے ارادہ موجب مستقل ہو رہا تھا اب جبکہ کسی ایک موجد یعنی الہ کا ارادہ و قدرت

اس سے متعلق ہو رہا ہے تو اس کا وجود ضروری (اور واجب لِعَبْرَتِکُمْ) ہو گیا۔ اور یہاں چونکہ اس چیز سے دو یا زائد اِلاہ کا ارادہ و قدرت متعلق ہو رہا ہے تو ضروری ہے کہ وہ بیک وقت ان سب کی مراد ہو۔ لیکن ایک کی مراد اور مقدر ہونے کی وجہ سے وہ دوسرے کی مراد و معتد و رہنیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایک ہی معتد و پرہیک وقت دو مستقل قدرتی و ارادہ نہیں ہو سکتیں۔ (اور نہ تحصیل حاصل لازم آئے گا جو عبث بلکہ محال ہے)

اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ وہ چیز بیک وقت ایک سے زائد اِلاہ کی مراد ہو اور مراد نہ بھی ہو، اُن کی محتاج ہو اور اُن سے مستغنی بھی ہو۔ موجود ہو اور غیر موجود بھی۔ بدیں جبکہ ایک اِلاہ کے ارادہ و بجا سے مانع ہے اور وہ دوسرا پہلے کے تعلق ارادہ سے مانع ہے، ایک دوسرے کے راستہ میں مستقل حائل ہیں۔ پس لازم آئے گا کہ کوئی چیز بھی اس مستقل کشمکش کے باعث موجود نہ ہو۔ کسی کو ترجیح حاصل نہیں ہے کہ اس کی مراد پوری ہو اور دوسرے کی پوری نہ ہو۔ کیونکہ "اِلاہ" ہونے کی وجہ سے وہ ہر دو (یا وہ سب) طاقت و قوت اور ارادہ و اختیار میں برابر فرض کئے گئے ہیں اور ترجیح کی صورت میں راجح و غالب اِلاہ ہوگا، مرجوح و مغلوب اِلاہ نہیں ہوگا۔ لہذا ایک سے زیادہ اِلاہ کی صورت میں اجتماع نقیضین (وجود اشیا و عدم اشیا بیک وقت) لازم آئے گا اور اجتماع نقیضین کو ارتقاع نقیضین لازم ہے، جو سراسر باطل ہے اور یہی وہ فساد ہے جو اللہ جل شانہ کے سوا کوئی بھی دوسرا اِلاہ فرض کر لینے سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ آسمان و زمین اور کائنات عالم پوری خوبی و حکمت کے ساتھ موجود ہیں تو لامحالہ یہ سب ایک اللہ جل شانہ کی قدرت و حکیمانہ صنعت ہے۔ کسی دوسرے کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے اور نہ کسی کے لئے اس مداخلت کا امکان ہے۔ تعالیٰ اللہ عما یشرکون!۔

اس دلیل کا نام "بُرْهَانُ تَمَانَعِ شَيْءٍ" ہے!

اس دلیل کو اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ کائنات عالم کی تدبیر اگر ایک سے نائد تدبیر (یعنی اِلاہ) سے متعلق ہوتی تو لازم آتا کہ کوئی بھی تدبیر اور کوئی بھی کام پورا نہ ہوتا۔ کیونکہ اُن میں سے ہر ایک دوسرے کی تدبیر میں حائل ہوتا۔ جب ایک کی تدبیر ہوتی تو دوسرے کی تدبیر کی نہ ضرورت ہوتی اور نہ اس کا ایمان ہوتا۔ اس لئے کہ "اِلاہ" کی تدبیر کامل ہوتی ہے۔ اس میں کسی لحاظ سے کمی نہیں ہوتی، تاکہ دوسرے کی امداد و تعاون سے اُس نقصان کی تلافی کی جاتی۔ کسی کو ترجیح بھی نہیں کہ وہ تدبیر کرتا اور دوسرا رُخ رہتا۔ نیز ترجیح کی صورت میں راجح اِلاہ ہوتا نہ مرجوح۔ لہذا یہ دونوں مستقل تدبیریں (بصورت تعدد اِلاہ) ایک دوسرے کے تعلق سے (کائنات عالم کے ساتھ) مانع ہوتیں۔ اور اس طرح کوئی بھی تدبیر متعلق نہ ہو سکتی اور دنیا میں کوئی چیز بھی موجود نہ ہوتی کہ تدبیر خالق کے بغیر مخلوق کے وجود کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ عالم اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ موجود و مشاہد ہے۔ جس میں ایک زبردست علیم و خبیر اور صنّاع و مدبّر کی حکیمانہ تدبیر اس کے ذرہ ذرہ سے نمایاں طور پر تاباں و درخشاں ہے۔ وہی مدبّر و حکیم اللہ جل شانہ ہے اور بس۔ ارشاد ہوتا ہے:-

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ
يَدْبِرُ الْأَمْرَ عِنْدَ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْ بَعَثَهُ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبَّكُمَا عَبْدًا ذُرَّةً ۖ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝

یعنی ایسی چیز جو تخلیق خالق اور ایجاد و توحید کی وجہ سے اُس کی ہستی ضروری ہو گئی ہے۔ خواہ فی نفسہ احد اپنی جگہ وہ ممکن الوجود ہے کہ اس کی ہستی و نیستی قبل از ایجاد موجود برابر ہے۔

یقیناً تم سب کا پروردگار ایک اللہ ہے۔ جس نے یہ سب آسمان و زمین (اپنی حکمت سے) چمچے دونوں میں پیدا کئے ہیں۔ پھر تدبیر و انتظام جملہ امور فرماتے ہوئے (شہنشاہ نزاری شان کے ساتھ) ”عرش عظیم“ پر انوار و تجلیات الوہیت کی خصوصی پر تو ڈالی۔ (سبحان اللہ) اس شانِ جلال و کبریائی کے ساتھ، کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی بھی اس کے حضور میں کسی کی سفارش کی جرات نہیں کر سکتا۔ ان خصوصی صفاتِ جلیلہ سے متصف بس ایک اللہ ہے۔ تمہارا پروردگار۔ پس خاص اسی کی بندگی کرو (ان حقائق کے سمجھنے کے بعد) سو کیا اب بھی عبرت و نصیحت نہیں حاصل کر دے گے۔ (سورہ یونس - ۳)

کیا اب بھی کفر و شرک سے باز آ کر ایک اللہ جل شانہ کی وحدانیت و ربوبیتِ محققہ کا تہ دل سے اعتراف نہیں کر دے گے؟ لازماً ایسا اعتراف ڈنکے کی چوٹ کر دینا چاہیے۔ اللہ توفیق دے

ایک شبہ | اس موقع پر اگر یہ کہا جائے کہ ”الہ“ میں چونکہ فہم و تدبیر اور رواداری لازماً ہوگی تو عین ممکن ہے کہ دو یا دو سے زیادہ ”الہ“ تخلیقِ عالم پر اتفاق کر لیں اور اس کی تفصیل بھی باہم اتفاق، مصالحت اور سالمیت سے طے کر لیں یا پھر تقسیم کار کے طور پر اپنا اپنا دائرہ عمل اور دائرہ تخلیق و تکوین متعین کر لیں اور اس طرح تصادم کی کوئی صورت نہ ہونے دیں اور کاروبارِ عالم درہم برہم اور اُس میں فساد برپا نہ ہو!

اس کا جواب | یہ ہے کہ یہ امکان بوجہ ذیل باطل ہے:-

اولاً۔ یہ کہ اس میں ”خالق اور الہ“ کا مخلوق اور عہد پر قیاس کیا گیا ہے۔ جو سراسر غلط ہے۔ کیونکہ مخلوق اور عباد کا سارا کاروبار ہی تعاونِ باہمی اور اتفاق و اتحاد سے چلتا ہے۔ لیکن ”خالق و الہ“ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ بندہ ضعیف اور محتاج ہے اور ”الہ“ مستغنی اور بے نیاز، قادر و توانا ہوتا ہے۔ جو محتاج ہوگا وہ ”الہ“ نہیں ہوگا۔ بلکہ جس کا محتاج ہوگا وہ (محتاج الیہ) اس سے فائق و برتر ہونے کی وجہ سے الہ ہوگا۔ اور اس صورت میں چونکہ ہر ایک انتظام و تخلیق میں دوسرے کے تعاون کا بصورتِ اتفاق یا تقسیم کار محتاج ہے کہ اس کے بغیر یہ کارخانہ عالم موجود ہی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی نہ کسی طرح سے موجود ہو بھی جائے (جس کا امکان کم ہے) تو پھر قائم نہیں رہ سکتا۔ تو ہر ایک ان آلہ میں سے محتاج ٹھہرا اور محتاج الیہ بھی۔ جس سے لازم آتا ہے کہ ہر ایک الہ ہو بھی اور الہ نہ بھی ہو جس سے اجتماعِ ضدین بلکہ اجتماعِ نقیضین لازم آتا ہے!

ثانیاً:- اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے اتفاق یا تقسیم کار کے بغیر تخلیق و تکوینِ اشیاء اور تدبیر امور عالم سے عاجز ہے اور عاجز ”الہ“ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عجز کو احتیاج لازم ہے اور بصورتِ احتیاج محتاج الیہ فائق و مقدم ہوگا۔ پس ہر ایک فائق و مقدم بھی ہوگا اور متاخر و کمتر بھی۔ اور یہ قطعاً باطل ہے!

ثالثاً:- اس لئے باطل ہے کہ ایسا اتفاق یا ایسی تقسیم کار ذات و صفات ”الہ“ سے خارج ایک چیز ہے، اور تصادم سے بچنے کے لئے تخلیقِ عالم کے وقت، بنا بر ضرورت، ارادہ کو اس سے متعلق کر کے اس کو اختیار کیا گیا ہے۔ پس لازم آئے گا کہ ”الہ“ کاروبارِ الوہیت میں اپنی ذات و صفات کے سوا غیر کا اور اپنے افعال کے سوا انجام دینے میں ایک خارجی چیز کا ضرورت مند ہو۔ اور اپنی ذات میں کامل نہ ہو۔ ناقص ہو۔ اور یہ ظاہراً بطلان ہے۔ کیونکہ الہ ہوتا ہی وہ ہے جو

اپنی ذات و صفات میں کامل اور اپنے افعال حکیمانہ میں کسی خارجی چیز کا قطعاً محتاج نہیں ہوتا۔

اسی اساس پر آپ اور معقول دلائل بھی استخراج کر سکتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ مفروضہ اتفاق یا تقسیم کا "إِلٰہ" کے حق میں قطعاً غلط اور باطل ہے۔ نیز اس سے یہ لازم آئے گا کہ جب تک اتفاق کرنے والے "إِلٰہ" اور مدبر عالم بن ہی نہ سکے حالانکہ "إِلٰہ" اور اس کی صفات الوہیت و تدبیر اور ربوبیت ازلی و ابدی ہوتی ہیں۔ اشیاء خارجہ یا شرائط کے ساتھ وابستہ اور ان پر موقوف نہیں ہوتیں!

سابقہ ہی تقسیم کار کی صورت میں لازم آئے گا کہ پھر سے عالم کا ان میں سے کوئی بھی "إِلٰہ" و مدبر نہ ہو۔ بلکہ مقرر حصہ "إِلٰہ" ہو۔ گریہ یا خدائی بھی تقسیم پر جائے گی، اور پوری خدائی کسی کے حصے میں نہیں آئے گی۔ اور یہ "ناقص" اور ادھر "إِلٰہ" نہیں ہوگا۔ کیونکہ "إِلٰہ" کو کامل ہونا چاہیے۔ نیز ہر ایک کے دوسرے حصے میں تصرف کرنے سے عاجز ہوگا اور عاجز "إِلٰہ" نہیں ہو سکتا۔ اس کی تفصیل ہم پہلے بتا چکے ہیں)

ان سب دلائل قاطعہ سے ثابت ہے کہ "إِلٰہ" کائنات ایک اور فقط ایک — واحد و لا شریک اور یگانہ دیکھتا اور وہ اللہ جن شانہ ہے کہ اُس نے خود اپنا ہی نام بتایا ہے اور انبیاء و مرسلین نے بھی اس کو اسی مقدس ذاتی نام سے یاد فرمایا ہے۔ یا بہ اختلاف لغات، وحی کے ذریعہ بعض دوسرے مقدس ناموں سے بھی اس کا ذکر فرمایا ہے اور اس کے صفاتی ناموں سمیع و بصیر، رحمن و رحیم اور علیم و خیر و غیرہ سے بھی لوگوں کو واقف کرایا ہے! حقیقت یہ ہے کہ "إِلٰہ" کے مفہوم و مدلول ہی میں جملہ صفات کمال مثلاً وحدت و یکتائی، اعلیٰ ترین علمی و عملی کمال، قدرت کا ملکہ، وجود و سخا اور استغناء و غیرہ شامل ہیں۔ لہذا "إِلٰہ" بحق ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اور وہ ہے "اللہ سبحانہ و تعالیٰ"!

دلیل دوم میں ہم نے جس قدر تفصیلات بتلائی ہیں وہ سب دوسرے معنایں کثیرہ سمیت ذیل کی آیت کریمہ میں اعجازی حکمت کے ساتھ سمودی گئی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:-

فَوَكَانَ فِيهِمَا آيَةٌ إِذِ اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۗ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ
عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (سورۃ الانبیاء - ۲۲)

اگر آسمان و زمین میں کہیں بھی اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے "إِلٰہ" (ایک یا زیادہ) ہوتے تو یہ ارض و سما جمعاً سب کائنات، تباہ و برباد ہو چکے ہوتے۔ (لیکن چونکہ ایسا نہیں ہوا تو ثابت ہوا کہ "إِلٰہ" ایک ہے یعنی اللہ جل شانہ) سو عرش کا مالک اللہ تعالیٰ ان الزامات سے پاک ہے جو یہ مشرک لوگ اُن سے اُسے متصف کرتے ہیں!

دلیل سوم:- اگر ایک سے زائد "إِلٰہ" ہوں تو لامحالہ اُن کی اپنی اپنی مخلوق اور اپنا اپنا عالم امر و تدبیر ہوگا۔ اس لئے کہ بادشاہ بغیر رعیت کے لے "إِلٰہ" و خالق "بغیر محکوم و مخلوق کے تصور نہیں۔ اب اس صورت میں تصادم سے بچنا محال ہے۔ کیونکہ ہر ایک "إِلٰہ" اپنی الوہیت کی وسعت و قدرت کے پیش نظر لازماً اس بات کا متقاضی ہوگا کہ دوسرے کے امور خلق و تدبیر میں مداخلت کرے اور سب مخلوق و جملہ عوالم کو بلا طرکیت غیرے اپنے تصرف کے تحت لائے اور اپنے قبضہ اقتدار میں رکھے۔ ترجیح و غلبہ کسی کو نہیں کیونکہ دونوں ہم مرتبہ "إِلٰہ" فرما گئے ہیں، اتفاق

و اتحاد اور تقسیم کا رکی بات بھی نہیں چلی سکتی، کیونکہ ایسی کوئی بھی مغالبت محض ضرورت اور خوف تضادم کی بنا پر ہی کی جاتی ہے اور "الا" کو نہ ضرورت لاحق ہو سکتی ہے اور نہ خوف و استغیر ہو سکتا ہے۔ لہذا ان میں ایسی ٹکر کا ہونا ضروری ہے۔ جس سے کائنات کا ذرہ ذرہ پامش پامش ہو جائے اور پھر کبھی نہ بچ سکے، لیکن ایسے فساد سے عالم بظنہ تعالیٰ محفوظ ہے جس سے ثابت ہوا کہ اللہ کائنات اور مدبر و خالق جملہ عوالم اللہ وحدہ لا شریک لہ ہے۔ دہا ہوا مستود!

مدت دراز تک زمین و آسمان اور باقی کائنات کو عہد تدبیر سے قائم رکھنا اور پوری کائنات سے نظام عالم کو چلاتے رہنا اور پھر قیامت کے وقت اس موجودہ سلسلہ کو درہم برہم کر کے ایک نیا عالم (عالمِ آخرت) قائم کرنا اور بحرین و مومنین کا امتیاز فرما کر سب کو ان کے عفت و اعمال کے مطابق سزا و جزا دینا خود اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ یہ سب تصرف اور یہ سب حکم ایک ہی اقتدار اعلیٰ کی طرف سے ہے اور وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے!

ارشاد ہوتا ہے:-

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُودَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِأَرْبَعَةِ سَائِمَاتٍ ۚ وَإِذَا دَعَاكُمْ فِي شَأْنٍ مِّنَ الْأَرْضِ فَأَنزَلْنَا مِنْ فِي السَّمَاوَاتِ مَاءً ثَمَّ حَبَّتْ وَجُودًا ۚ وَوَلَّيْنَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَاءً كَلًّا لَّهُمَا تَبَاتُوتَ ۚ وَهُوَ الَّذِي يَبْرِئُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُمْ لَعَلَّ هُمْ يَرْجِعُونَ ۚ عَلَيْهِ ۚ وَوَلَّيْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَاءً كَلًّا لَّهُمَا تَبَاتُوتَ ۚ وَهُوَ الَّذِي يَبْرِئُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُمْ لَعَلَّ هُمْ يَرْجِعُونَ ۚ

اللہ تعالیٰ کی وحدت اور اس کی قدرت کاملہ کی زبردست نشانیوں میں سے ایک نشانی آسمان اور زمین کا اس کے حکم سے قائم رہنا ہے۔ پھر جب وہ رب تعالیٰ تم کو زمین کے اندر سے باہر آنے کے لئے ایک ہی بار پکار دیں گے تو تم جھٹھکی نکل کھڑے ہو گے۔ آسمانوں اور زمینوں میں جو مخلوقات ہے وہ سب اس کی ملکیت ہے اور وہ سب کے سب (چار و ناچار) اس کے فرمانبردار ہیں۔ (نا فرما ہوا بندے بھی اس کے تکوینی حکموں کے سامنے بے بس ہیں) اور وہی ہے وہ قادر و توانا و پہلی مرتبہ ساری مخلوق کو پیدا فرماتا ہے، پھر وہی ان کو قیامت کے دن (دوبارہ) پیدا فرمائے گا۔ اور آسمان و زمین میں اس کی شان بہت بلند ہے۔ اور وہ بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا ہے! (زبحان اللہ سورۃ الروم ۲۵ سے ۲۷)

قیامت اور اس کا ہر بادلوں کو دو بولہ کے تضادم کا نتیجہ کسی طرح بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ جب قیامت کو ٹانا جلتے گا تو اس کا وہ سب مزدی تفصیلات بھی مانتی پڑیں گی جو کتبِ اہیہ اور شراہع انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بیان کی گئی ہیں۔ اور ان تفصیلات پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ قیامت میں صرف تخریبی پہلو نہیں۔ بلکہ تعمیری پہلو بھی نمایاں طور پر، ساتھ ہی ساتھ ملوث ہے۔ ایک عارضی نظام کو ختم کر کے ایک مستقر اور پائیدار نظام قائم کیا جائے گا۔ اور استحقاق کے مطابق ہر شخص کو اپنے اعمال کی جزا اور سزا ملے گی۔ جنہیں کو سزا ملے گی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو نہیں مانا تھا اور اس کے دین حق — اسلام — کی پیروی نہیں کی تھی۔ اور اہل ایمان کو جو عقیدہ توحید اور جہلِ ستانہ پر قائم رہ کر تعلیماتِ اہیہ کے پیروکار تھے ایسے بڑے بڑے انعامات اور صلے ملیں گے جن کا تصور بھی اس دنیا اور اس زندگی میں نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ جزا اور وہ سزا دونوں

مستقل، پائیدار اور ایک مکمل عادلانہ اور حکیمانہ نظم و نسق کے ساتھ جاری رہیں گی۔ پس بد نظمی، بے انصافی، جو روک تھام، ظلم و استبدادیت یا تخریب و فساد کا وہاں گزر بھی نہیں ہوگا۔ ہر ایک چیز پوری حکمت و عدالت کے معیار پر پوری اترے گی، ہدائی عمارت کی جگہ جو مفسدوں اور مجرموں کی پیہم بد کرداریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے گرائے جانے اور بدل دینے کی متمنی ہوگی، ایک نئی عمارت (بنیاد آخرت) قائم کر دی جائے گی۔ لہذا یہ تخریب برائے تخریب و زور آزمائی نہیں اور نہ اقتدار کی کشمکش ہے۔ بلکہ اس دینے فانی کے اندر ہر شخص نے جو بھی نیک و بد اعمال کئے ہیں، ان کے ٹھوس نتائج بھگتنے کے لئے یہ فانی بساط لپیٹ دی جائے گی اور اس کی جگہ آخرت کی دوامی بساط رکھ دی جائے گی۔ لہذا یہ تخریب "تعمیر نو" کی ابتداء اور اس کا سنگ بنیاد ہے، سو یہ قیامت اور اس کے مختلف مراحل و منازل خود اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی فتا ہر اہ قوت و جبروت، اور اس کی رحمت و رافت اور بطش و قدرت کے بہت سے قوی دلائل پر مشتمل ہیں۔

ارشاد الہی ہے۔

مَا اخَذَ اللَّهُ مِنْ قَوْلِي وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ - وَإِنَّا لَنَدَاهِبَ كُلُّ
إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَتَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ۝
عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ (سورۃ المؤمن - ۹۱-۹۲)

اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی اپنی اولاد نہیں بتایا (کہ اس کا امکان ہی نہیں) اور اس کے ساتھ کوئی بھی دوسرا "إلہ" یعنی خدا نہیں ہے (اگر کوئی دُعا "إلہ" ہوتا) تب تو ہر ایک "إلہ" اپنی اپنی مخلوق کو لے کر (دوسرے کے مقابلہ کے لئے) میدان میں چاہتا اور ایک دوسرے پر غلبہ پانے کے لئے چڑھ آتا۔ ایسی باتوں سے جو کفار و مشرکین بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد یا شریک ٹھہراتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات اظہر ہے پاک اور میرا ہے۔ اللہ تعالیٰ چھپی اور ظاہر باتوں کو یکساں طور پر جاننے والا ہے۔ وہ مشرکوں کے شرک اور گھڑے ہوئے شریکوں سے بہت ہی بلند اور بالاتر ہے۔ (سبحان اللہ)

اس دلیل کے لئے "برہان وحدت اقتدار اعلیٰ" کا نام موزوں ہے۔

دلیل چہارم :- "إلہ" واجب الوجود ہے، اور واجب الوجود ایک ہے، ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا "إلہ" ایک ہے۔ ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔

صغریٰ اس طرح ثابت ہے کہ اگر "إلہ" واجب الوجود، یعنی خود بخود موجود، قدیم اور ازلی وابدی نہ ہو تو پھر ممکن الوجود ہوگا کہ اس کی ہستی کسی دوسرے کی عطا کردہ ہوگی۔ تو اس صورت میں وہ اس چیز کا محتاج ہوگا اور اس سے کمتر۔ پس "إلہ" وہی ہوگا جس نے اسے ہستی عطا کی ہے اور اس سے فائق ہے۔ یہ کمتر "إلہ" نہیں ہو سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ "إلہ" کے لئے ضروری ہے کہ واجب الوجود ہو۔

کبریٰ اس طرح ثابت ہے کہ اگر "واجب الوجود" ایک سے زیادہ فرم کیا جائے تو لازم آئے گا کہ ان کے اندر "وجود" میں اشتراک کے علاوہ کوئی ایسی چیز بھی موجود ہو جو ان دونوں کی شخصیتوں کو علیحدہ علیحدہ متمیز کرتی ہو تاکہ ان کی دوئی اور کثرت (برخلاف وحدت) ثابت ہو۔ اب یہ "ماہ الامتیاز" ان کے "ماہ الاشتراک" سے بالکل ایک علیحدہ چیز ہوگی اور

اصل حقیقت میں داخل ہوگی۔ پس لازم آئے گا کہ الہ مختلف اجزاء (یعنی مشترکہ اور میسر) سے مرکب ہو اور اپنی ترکیب میں ان اجزاء کا محتاج ہو۔ اور چونکہ جزو میں کُل نہیں بلکہ غیر ہوتا ہے لہذا غیر کا محتاج ہوا۔ اور اپنی اسی ترکیب میں اسے کسی ترکیب دہندہ کی بھی ضرورت ہوگی جو درحقیقت اس کا خالق ہوگا۔ بلکہ ممکن الوجود اور حادث ہوگا۔ لہذا ثابت ہوا کہ "واجب الوجود" ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا!

جب یہ دونوں مقدمات (صغریٰ و کبریٰ) ثابت ہو گئے تو ان سے بدیہی نتیجہ بھی ثابت ہو گیا کہ "الہ" ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اور وہ الہ برحق بس اللہ جل شانہ ہی ہے۔ وہ المراد۔ الحمد للہ!

اس دلیل کو ہم "برہان حکمت" یا "برہان فلسفہ حقیقہ" کہتے ہیں۔

دلیل ششم: مشرکین کے مختلف طبقات حسب ذیل چیزوں کو پوجتے ہیں۔

اشجار و احمجار، اصنام، کواکب، دیوی، دیوتا، جن، شیطان، امراء و خواہشات، جاہ و اقتدار، سیم و زر، مورتیوں، پہاڑوں، ندیوں، دریاؤں، سمندروں، آبشاروں، تیرتھوں، سورج، چاند، ستاروں، نور و ظلمت، آگ، فرشتوں، نبیوں، ولیوں، قبروں، شہیدوں، زندہ اور مردہ پیروں، پیتھ آؤں، حاکموں اور بادشاہوں، فیشن، ملک، وطن، حکومت، قوم، اپنا امن اور اپنا نفس، نظریات و افکار، نفسیاتی لذتوں اور خواہشوں، بھوت یا پری، زر، زن، زمین، رواج و دستور۔ رسومات و توہمات، اولاد اور کنبہ وغیرہ وغیرہ!

ان کے علاوہ بعض لوگ اور بعض قومیں گائے، بیل، ریچھ، بندر اور شیر، بھیڑیا وغیرہ۔ بعض دوسرے درندوں،

پرندوں اور چرندوں اور بعض خاص مقامات اور استھانوں وغیرہ کی پوجا کر کے شرک و کفر کا ارتکاب کرتی ہیں!

بعض نا اہل قبروں، گدیوں، گدی نشینوں، روضوں، تحریوں، جھنڈوں وغیرہ کی پرستش کرتے ہیں۔ نذر و نیاز طواف، قربانی وغیرہ مراسم عبودیت ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان سے حاجتیں مانگتے ہیں۔ اور بعض اہل قبور کو پکارتے اور عالم الغیب مانتے ہیں۔ بعض مخلوق کو کار ساز اور حاجت روا گردانتے ہیں۔ بعض مشرک جمادات، نباتات اور حیوانات میں سے پسند کے مطابق باپ دادا اور اگلوں کی تقلید میں بعض خاص خاص چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ ان کے سامنے سجدے کرتے ہیں۔ ہاتھ جوڑتے ہیں۔ قربانیاں کرتے ہیں۔ ان کی نذریں مانتے ہیں۔ ان سے شفا کے طالب ہوتے ہیں۔ یا ان سے مرادیں طلب کرتے ہیں۔ بعض مشرک اوثان و اصنام کے علاوہ تائیل و نقادیر کی پوجا کرتے ہیں!!

ان سب سے زیادہ عجیب حالت ان گورہ پستیوں کی ہے جو باوجود ادعائے ایمان و اسلام اور کلمہ توحید و شہادت بعض زبانی پڑھنے کے گورہ پستی اور بدعت و شرک میں مبتلا ہیں۔ قریب و بعید سے ان کو پکارتے ہیں۔ ان کو سجدے کرتے ہیں یا جھک کر چوکھٹ جومتے ہیں۔ ان کو حاضر و ناظر یا عجیب الدعوات بیان کرتے ہیں۔ (خواہ زبان سے نہیں، ان کا عمل ہی یہ ظاہر کر رہا ہو کہ حاجت روائی کے لئے اُسے پکارتے ہیں) حاجتیں ان سے مانگتے ہیں۔ ان کی نذریں ادا کرتے ہیں۔ پڑھاؤں سے پڑھاتے ہیں اور دوسری بدعات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ گویا ان کو ایک حد تک عالم الغیب اور حاجت روا اور لائق پرستش سمجھتے ہیں۔ (اللہ محفوظ رکھے)

ذیارتِ قبور اہل صلاح برائے استغفار و تذکرہ سرفہ بشریٰ کلمہ پابندی سنت و اجتناب از شرک و بدعت مستحب و ممنون ہے۔ لیکن مشورہ حال، میلہ یا عرس مرد جسہ کی کوئی بھی صورت نہ ہو کہ یہ خلاف سنت ہے! ایک اور گروہ بھی ان سے کمتر تباہ حال نہیں ہے اور وہ وہ ہے جو سیاسی تذبذب اور پولیٹیکل شرک میں مبتلا ہے۔ یہ لوگ فرنگی نظام، فرنگی تمدن، اور فرنگی سیاست کو باوجود اذیتِ مسلمانی، قرآنی نظامِ حق و انصاف، اسلامی تمدن اور اہلی سیاست کے بجائے، برضا و رغبت اختیار و پسند کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی ذہنی پستی سے ہم کو محفوظ فرمائے (آمین) بد بختوں کا ایک وہ گروہ بھی مشرکوں میں شامل ہے، جو عدسے پاک کا منکر ہو کر مادہ، نیچر، طبیعت، دہر، زمانہ اور سائنس کی آڑ میں مختلف مظاہر قدرت اور مناظرِ فطرت کا پرستار ہے۔ ان میں نیچری اور دہری، فلاسفہ اور سائنس دانوں کا روپ دھار کر مادہ پرستی کے لئے راستہ ہموار کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ مشرکوں کا عیار ترین گروہ ہے جو علم و فلسفہ کا بھاد اور دھڑکڑ ماسے آتا ہے اور اپنی ہفوات و کفریات کی ترویج میں لگا ہوا ہے!

مبتدعین کے بعض انتہا پسند طبقات بھی بتہ سیرج کفر و شرک کی سرحد تک جا پہنچتے ہیں۔ ان میں گورپرستوں اور اپنے آباؤ اجداد کے نام و نسبت سے دنیا کا دھندہ کرنے والوں اور دین کے نام پر سیم و زندہ میٹھے والوں کو اس طبیعت کی صفِ اول میں رکھا جا سکتا ہے!

بعض مشرکین خیالی اور وہی چیزوں کے پجاری اور توہمات و خرافات کا شکار ہوتے ہیں۔ بعض مفرد و فرد، محض اراج اور پویشیدہ خیالی قوتوں کے پرستار ہوتے ہیں!

یہ سب طبقاتِ شرک و ضلال ہیں۔ ان سب کے مقابلہ میں بس ایک طبقہ اہل ایمان کا ہے، جو ایک اللہ کو اپنا مولا و آقا یقین کرتا ہے اور جملہ عبودیت و پرستاری اور اس کے لوازمات و مبادیات کو اسی کے لئے مخصوص گردانتا ہے۔ جو کچھ مانگتا ہے اسی سے مانگتا ہے۔ خوشی اور غم، کس اور کس پر حالت میں صرف اُسے پکا تا ہے اور اسی سے استغاثہ کرتا ہے۔ اور بس اسی سے استمداد و استغاثہ کرتا ہے اور اس کے نظامِ حق کا اعتراف و قولاً و عملاً و قیادار ہوتا ہے!

مخلص مومن کا مل موحد ہوتا ہے اور وہ بس اللہ جل شانہ کا ہی پرستار ہوتا ہے، ذات و صفات، کار و بارِ خدائی، کار سازی و حاجت روائی، علم غیب اور استحقاقِ عبادت و شہنشاہی میں اُسے واحد و یگانہ اور متفرد و یکتا یقین کرتا ہے۔ اور قوتِ ایمانی اور توفیقِ الہی کی بدولت وہ طاقت و عبودیت میں سرگرم عمل ہوتا ہے۔ ایسا مرد مومن نظامِ دینِ حق۔ اسلام۔ کا سچا و فادار اور اس کے نفاذ کی خاطر بجا ہدایت کا رناموں کے لئے ہر وقت تیار اور باطل سے ٹکرانے کے لئے بے تاب ہوتا ہے۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ کا دین سر بلند ہو اور چار دانگ عالم میں اس کا نور جگمگائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی نفل و کرم سے ہمیں بھی ایمان و عرفان کا یہی بلند مقام مرحمت فرمائے۔ آمین!

اب ہم دلیل کی ترتیب کی طرف آنے ہیں۔ مذکورہ بالا طبقات اہل شرک و ضلال جن جن چیزوں کی پوجا کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک سدا پرستش و بندگی کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی بھی "الہ" رب، خالق، کار ساز و حاجت روا نہیں۔ بلکہ ہر ایک دوسری محسوس کی طرح سادہ (موجود بعد عدم) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا محتاج اور عوارضات مختلفہ سے گزر کر بالآخر فنا سے دوچار ہونے والا ہے۔ لہذا اللہ جل شانہ اکیلا ہی ہمارا اور سب مخلوقات کی بندگی کا مستحق ہے۔ چونکہ وہی اکیلا "الہ" "رب" "خالق و رازق" "کار ساز و حاجت روا" "منعم و مفضل" اور "دائم و باقی" ہے!

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا قَانٍ ۚ وَرَبِّي قِيٌّ وَرَبِّي كَرِيمٌ ۝ (سورہ الرحمن - ۲۶ - ۲۷)

دُنیا پر اپنے ولے سب فنا ہونے والے ہیں۔ اور بس تیرا بزرگ اور صاحبِ عزت و عظمت پروردگار۔

اللہ جل شانہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے!

ان خود ساختہ معبودوں نے کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کوئی کتاب نازل کی ہے اور نہ کوئی اپنا رسول بھیجا ہے۔ اور نہ کوئی دلیلِ عقل و نقل اُن کی خدائی پر آج تک قائم ہو سکی ہے۔ بلکہ قدم قدم پر اُن کا معجز و نیاز اور اپنے خالق و مالک۔ اللہ جل شانہ کی طرف احتیاج بالکل واضح اور نمایاں ہے۔ پس مشرکوں کا اُن کو "خدائی مسند" پر بٹھلانا۔ مدعی سست گواہ چُست کے مصداق جھوٹ اور افتراءِ بردازی کے مواجہہ نہیں۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے سچے شاہد اور عادل و گواہ ہیں!

جن گئے چُنے فرعون منس مشکیرین نے نشہ اقتدار میں اپنی خدائی کا خرافہ کھڑا کیا۔ جلد ہی اُن کی خدائی کا بھانپنا چور ہے پر پھوٹا اور دُنیائے اُن کی تباہی اور ملعونیت کا عبرت ناک منظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ آج کے فراعنہ کا حشر بھی اپنے پیشروؤں سے کچھ مختلف نہیں ہوگا!

جملہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اُن کے سچے متبعین۔ مومنین صالحین۔ ہمیشہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی عبدیت کا اعلان فرماتے رہے اور اس "مقصدِ عظیم" کے لئے ہر تکلیف، دکھ اور مصیبت کو خندہ پیشانی سے سہتے رہے، اور ہر مخالفت کا پامروی سے مقابلہ کرتے ہوئے علمِ حق کو بلند کئے رکھا اور دین توحید۔ دین اسلام۔ پر کوئی آسج نہیں آنے دی۔ انہوں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی سچی شہادت دی ہے! بدیں وجہ وہ مکرم ہستیاں انتہائی توقیر و احترام کی مستحق ہیں۔

جزاهم اللہ عنّا وعن سائر المسلمین جزاءً لا ینقطع ابداً۔

ہم اُن کی سچی اطاعت و پیروی میں "دین حق" تو عیسٰی، الہ، بل شانہ" پر قائم اور ثابت قدم رہ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان داعیانِ حق کے اتباع اور اُن کے "شُرک" کی پیروی پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین!

ان "دعا توحید" کو "الہ" یا "ولد اللہ" (ابن اللہ) کہنا یا "عالم الغیب" قرار دینا یا کارساز و حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا اور کار و بار الوہیت میں اُن کے حصّے بخرے مقرر کرنا یا ان کو دائرہ عبدیت و بشریت سے نکالنا اور نور ذاتِ الہ کا حصّہ قرار دینا وغیرہ وغیرہ ہزلیات و خرافات، یہ سب عقیدہ توحید اللہ جل شانہ کے سراسر منافی، کفر و شرک کی باتیں ہیں۔ اور خود اُن کی اپنی تعلیمات اور ہدایت کے بالکل خلاف اور ان کی لائی ہوئی خدائی کتابوں کے سراسر برعکس و منافی ہیں!

لہذا ان مشرکین و مبتدعین اور ملحدین کی کوئی بات بھی عقل و نقل، روایت و درایت سے ادنیٰ مطابقت نہیں رکھتی۔

اسے ان عقیدہ بشریت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ کو "نورانی بشر" یا "سرانی نیر" کہنے میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بات ذہن نشین رہے کہ نبی صلعم کا یہ نور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اطہر کا وہ نور ازلی وابدی نہیں جو وحدتِ غیر منقسمہ ہے۔ بلکہ یہ مخلوق نور ہے، نور ایمان، نور نبوت و حکمت، نور علم و عرفان، نور اخلاق و عینو!

اور جن کی طرف یہ خدائی کی نسبت کرتے ہیں وہ خود اس سے دست بردار ہیں اور اس سے برابر اور مسلسل اپنی برأت کا اظہار کرتے چلے آئے ہیں۔ اور آئندہ بروز قیامت بھی علی رؤس الاشہاد وہ ان سے بیزاری کا اظہار فرمائیں گے۔ پس حقیقت میں یہ مشرکین و مبتدعین و غیرہ اپنی خواہشات کے پرستار اور شیطان کے پجاری ہیں۔ نہ انھیں اللہ کی حرمت و تعظیم کا کچھ خیال ہے اور نہ نبیؐ اور ولی کا احترام و توقیر ملحوظ خاطر ہے۔ نہ یہ اللہ تعالیٰ کا ادب کرتے ہیں اور نہ نبی اور ولی کا۔ بس ان کے سامنے اپنے باطل مزعوہات اور من گھڑت توہمات کی ترویج کا ایک ہی مقصد ہے۔ جس کے لئے وہ ان محترم ہستیوں کے نام اور ایک خاص ”خانہ ساز میخارا ادب“ کو محض اڑ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ تاکہ اس طرح وہ اپنے لئے امن باباً من دون اللہ (خدایا تعالیٰ سے دے دے وہ خانہ ساز خدا) بننے کا راستہ ہموار کر سکیں۔ اور پھر اس دنیا میں مزے لوٹیں۔ اور داد و ستد اور تندر و نیاز کے ذریعہ دولت کے اعتبار اکلٹھے کریں اور اپنی خواہشات کی پوجا کریں۔ اور کرائیں!

مبتدعین کا ایک بہت بڑا گروہ خانہ ساز پیری، مریدی، نیابت و خلافت، ملائیت و رہبانیت (ورگڈی نشینی کی چالوں سے اس کا رد بار میں لگا ہوا ہے۔ اہل ایمان و تقویٰ کو ان کی عیاریوں سے پوری طرح واقف ہو کر عامتہ مسلمین کو آگاہ کرنا وقت کا اہم ترین فریضہ ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عقائد و اعمالِ سلف صالحین کی زیادہ سے زیادہ اشاعت اور تعلیم و تعلم کا انتظام کرنا چاہیے۔!

اس سلسلہ میں متبعین کتاب و سنت علماء اور صلحاء اپنے علم و صلاحیت کو ظاہر فرمائیں۔ اور بے دینی کے اس سیلاب کے بروقت سدباب کا انتظام کریں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے!

اللہ تعالیٰ مشرکین، مبتدعین، ملحدین، منافقین، جملہ کفار و اشرار اور فساق و فجار کے شر سے اسلام اور مسلمانوں کو محفوظ و مصون رکھے۔ آمین۔!

ایک اور گروہ متفرجین (فرنگ زدہ) لوگوں کا ہے۔ جو یورپ کی اندھی تقلید میں اس پستی تک جا پہنچا ہے کہ اسلام کا نام لیتے ہوئے بھی اسلام کا وفادار نہیں۔ اور بعض ”اسلامی مسلمات“ تک میں شک و شبہ اور تذبذب کا شکار ہے۔ ان لوگوں کی خواہش اور کوشش یہ ہے کہ ”نظام اسلام“ کے قیام و نفاذ میں جہاں تک ممکن ہو، روطے الٹائے جائیں۔ تاکہ جس سیرت و کردار کے وہ یورپ کی تقلید میں خوگر ہو چکے ہیں۔ اس کے بدلنے کے لئے کسی طرف سے بھی کوئی دباؤ نہ پڑنے پائے۔ اہل ایمان کو مردانہ دارمیدان میں آکر مومنانہ کردار اور عزائم سے انھیں شکست دینے کے لئے بروقت اقدام کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت ان کے ساتھ ہوگی۔!

ان سب تفصیلات کی اساس پر ہم جملہ طبقاتِ شرک و ضلال کے علی الرغم، علی رؤس الاشہاد اعلان کرتے ہیں اور شہادت دیتے کہ اللہ جل مجدہ و عزہ قدساً واحداً و یگانہ، لا شریک لہ ہے۔ اُس کا دین، اُس کی نصرت و تائید سے ہم انشاء اللہ تعالیٰ قائم کر کے رہیں گے۔ مومنو! مبارکباد، مبارکباد۔ یہ بیرون شہادت کائنات ہے۔!

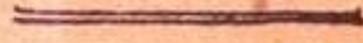
دلیل ہفتم: - بالاختصار یہ ہے کہ فطرت کائنات میں یہ چیز ودیعت ہے کہ وہ ایک اللہ کا اقرار کرے بشیوخ و آباد اور ماحول اور سوسائٹی اگر بد ہوں تو ان کے بڑے اثرات سے یہ فطری خوبی (عقیدہ توحید) غیر فطری بدی (کفر و شرک و ضلالت) سے بدل جاتی ہے۔ اگر ہر شخص اپنی اصل فطرت پر قائم رہے تو خدا داد عقل و فہم اور بصیرت سے

اُسے یقین حاصل ہو جائے کہ اللہ جل شانہ واحد ولا شریک لہ ہے۔ یہ برہان فطرت ہے!
 ”زالہ“ کا مفہوم و مصداق ہی وہ ذاتِ احد و یگانہ ہے جس کی کوئی مثال اور نظیر نہ ہو اور جو علم و قدرت اور ربوبیت کے جملہ کمالات سے متصف ہو، اور ایسی ذاتِ اقدس داخلہ اللہ جل شانہ ہی ہے۔ دوسرا کوئی بھی نہیں۔ ذرہ ذرہ اُس کی وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے۔ دنیا بھر کے قلم اور سات سمندر دل کی سیاہی بھی اس کے دلائل و شواہد و حدائیت کی تحریر و ضبط کے لئے کافی نہیں۔ دلائل کی فراوانی اور پختگی کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ سبحان اللہ!!

ذَرَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهُ آيَةٌ

تَدَالُّ عَلَىٰ أَنَّهُ وَاحِدٌ

ہر گیا ہے کہ از زمین روید _____ وَحْدَهُ كَالشَّرِيكَ لَهُ كَوِيد
 برگ درختان سبز در نظر پوشیدار ہر درختے دفترے است معرفت کردگار



پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرض الموت کے وقت جب آپ کے بڑے صاحبزادے
 شیخ سیف الدین عبدالوہاب قدس سرہ نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرمائیے، تو آپ نے فرمایا۔
 علیک تقوی اللہ عزوجل ولا تخف احداً سوی اللہ ولا ترج احداً سوی اللہ
 وکل المحارب الخ الی اللہ عزوجل ولا تعتمد الا علیہ واطلبها جميعاً منه ولا تتق
 باحد غیر اللہ عزوجل، التوحید، التوحید، التوحید۔ (فتوح الغیب)
 (اللہ سے ڈر اور اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہ کر، اور اللہ کے سوا کسی اور سے کوئی
 امید نہ رکھ۔ اور اپنے سب کام اللہ تعالیٰ ہی کو سونپ! اپنی تمام حاجتیں اُس سے
 طلب کر، جو کچھ مانگنا ہو، اسی سے مانگ! اُس کے سوا کسی اور کی مدد پر بھروسہ نہ رکھ،
 وہ بڑی عزت والا اور بڑے جلال والا ہے۔ توحید کو لازم طور پر اختیار کر۔ توحید کو۔)



مولانا محمد ناظم ندوی
(پرنسپل جامعہ عباسیہ بھادپور)

شُرک کیا ہے؟

شُرک کیا ہے، جس سے تمام سچے اور غیر محرت سماوی ادیان نے منع کیا ہے اور جس کے خلاف انبیاء علیہم السلام نے جہاد کیا اور ہر نبی نے اپنے اپنے زمانہ میں اسے لوگوں کو متنبہ کر کے باز رکھنے کی سعی کی، اور اللہ تعالیٰ اپنی تمام وسیع رحمتوں، عفو و درگزر دے پائیاں مغفرت بے باوجود جرم شرک کو معاف نہ کرنے کا اعلان فرمایا، ہر گناہ کو اگر اللہ چاہے گا تو معاف فرمادے گا مگر شرک کو معاف نہیں کرے گا۔

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر دون ذلک لمن یشاء

شُرک عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی لغت میں شریک اور شریکت کرنا ہیں، لیکن شریعت سماوی کی اصطلاح میں شرک نام ہے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں غیر کو شریک کرنے کا، کوئی مخلوق خواہ وہ بنی ہو یا ولی، بزرگ ہو یا شیخ طریقت، فرشتہ ہو یا جن یا اجرام سماویا جیسے دکن آفتاب، چمکتا ہوا چاند یا ٹمٹماتا ہوا ستارہ یا زمین کے عظیم الشان مظاہر قدرت، جیسے موجیں مارتا ہوا سمندر، آبادیوں کو برباد کرنے والا رُخ بدلتا ہوا دریا، خوفناک سر بفلک پہاڑ، مینیاک غار، نق دوق میدان، بڑے بڑے سایہ دار درخت، زہر پلا اژدھا، دودھ دینے والی گائیں یا کوئی دوسری عظیم الشان مخلوق؛ ان میں سے کسی کو تدبیر عالم میں موخر حقیقی سمجھنا یا انسانوں کی موت و حیات، بیماری و شفا، رزق و افلاس میں براہ راست دخل ماننا شرک ہے۔ اللہ کے سوا کسی کے متعلق یہ عقیدہ کہ وہ "خلق" پیدا کرنا، "تکوین" بنانا، رزق دینا، احوال (زندہ کرنا) امانت (مارنا) ابداع تندرستوں کو شفا دینا یا مرادیں پوری کرنا، یا حاجت ردائی کرنا وغیرہ صفات کمال پر تو اسے طبعی و اسباب مادی کے توسط کے بغیر براہ راست متصرف و قادر ہے، اور تدبیر عالم کے باب میں عالم کی مخفی قوتیں اس کے دست تصرف میں ہیں۔ اور وہ محض اپنے ارادہ و عزم سے جو چاہے کر سکتا ہے یہ سب شرک ہے۔

شُرک کا آغاز کس طرح ہوتا ہے

شُرک کی باتیں نیک اور پاکوں کی باتیں پاک ہوتی ہیں۔ صلح اور عبادت گداز بندے بلاشبہ اللہ کے مقرب ہوتے ہیں، ان میں سب سے بلند و ارفع مقام انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے اور پیام الہی و دعوت در رسالت کی تبلیغ میں ان کی تائید الہی ہوتی ہے، ان سے خوارق عادات اور معجزے ظاہر ہوتے ہیں، ان کی زندگی ممتاز، ان کا طریق عمل پاک، ان کی سیرت بے داء اور دوسروں کے لئے نمونہ ہوتی ہے۔ اسی طرح اولیاء کرام و بزرگان دین کا حال ہے۔ عبادت و ریاضت سے ان کے قلوب مصفی، زہد و تقویٰ سے ان کے نفوس مزکی ہوتے ہیں، ان کی دعائیں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ ان کی بہت سی پیشین گوئیاں سچی ہوتی ہیں۔ اور ان کے بہت سے کشف صحیح ہوتے ہیں۔ جب لوگ انبیاء علیہم السلام کے معجزات، اولیاء کے کشف و کرامات وغیرہ دیکھتے ہیں تو لوگوں پر حیرانی و ذہول کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اور انھیں ایسے بر گزیدہ افراد سے حُسن نطن پیدا ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد رفتہ رفتہ یہ عقیدت و محبت اپنے جلو میں احترام و تقدیس کے ہزاروں مراسم و آداب ساتھ لاتی ہے اور کچھ لوگ ایسی بر گزیدہ و پاک ہستیوں کو انسان سمجھنا اور عام انسان کی طرح انھیں مخاطب کرنا گستاخی اور سوء ادب سمجھتے ہیں۔ یہ جذبہ احترام و تقدیس و عبادت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ان کے معجزات یا کشف و کرامات کی حکایات حُسن کرا انھیں یقین ہو جاتا ہے کہ عالم کی تمام مخفی طاقتیں براہ راست ان کے دست

تصرف میں ہیں۔ وہ چاہیں تو اپنے عزم و ارادہ کی بے پناہ طاقت سے عزیز کو امیر اور گدا کو شاہ بنا سکتے ہیں، وہ مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں اور بیماروں کو شفا دے سکتے ہیں اور بے اولادوں کی خالی گودوں کو اولاد سے ہری بھری کر سکتے ہیں اور ان کی ہر مراد پوری کر سکتے ہیں وہ تو اسے طبعی اور اسباب مادی کے توسط کے بغیر اپنی مرضی سے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ چونکہ ایسے افراد کو تدبیر عالم میں دخیل و مؤثر سمجھا جاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس سے تقرب کا ذریعہ ان بندگانِ خدا یا مخلوقاتِ خدا کی پرستش میں مضمر سمجھا جاتا ہے۔ مشرک اللہ کی عبادت کے منکر نہیں ہوتے بلکہ ان کا عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات اس قدر ارفع اور بلند ہے کہ ان کی عبادت ان کی نیاز مندی اور ان کی عبدیت کا اعلان اس کی بارگاہ تک نہیں پہنچ سکتا لہذا ان برگزیدہ ہستیوں ہی کے ذریعہ اس کا تقرب حاصل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے مشرکین کے قول کو اس عقیدہ باطل کی تردید کے لئے نقل کیا ہے۔

وما نعبدہم الا لیقر بونا الی اللہ ذلھن
ہم ان کی (معبودانِ باطل) اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ وہ
ہمیں اللہ سے بہت قریب کر دیں۔

ایسے لوگوں کے دلوں میں یہ یقین جاگزیں ہوتا ہے کہ ان برگزیدہ ہستیوں کو بغیر رضی کئے ہوئے ان کے اعمال قبول نہیں ہو سکتے۔ نہ ان کی دعائیں قبول ہو سکتی ہیں نہ ان کی عبادتیں، نہ ان کی مرادیں پوری ہو سکتی ہیں نہ ان کی نذریں، کیونکہ یہ کارگاہِ عالم ان کے نزدیک ایسی شہنشاہیت ہے جس میں ہزاروں چھوٹے چھوٹے بادشاہ ہیں اور ان سب کا ایک شہنشاہ ہے۔ اس شہنشاہ نے اپنے ماتحت بادشاہوں کو خلعتِ ملوکیت سے سرفراز کیا ہے اور انھیں بہت سے اختیارات دیدیئے ہیں، اب یہ شہنشاہ کسی فرد کی کوئی درخواست بغیر اپنے ماتحت کی سفارش کے نہیں سنتا۔ لہذا ان کو راضی رکھنا اور ان کی انتہائی تعظیم سبباً لانا ضروری ہے۔ ٹھیک اسی طرح مشرکین کا عقیدہ باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے اپنی ریاضت و عبادت ازہد و تقویٰ سے اللہ کو راضی کر لیا ہے اور اس نے انھیں خلعتِ الوہیت سے سرفراز کیا ہے اور تدبیر عالم میں وہ براہِ راست دخیل ہیں، عالم کی مخفی قوتیں ان کے دست تصرف میں ہیں اور نفع و نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتے ہیں تدبیر عالم کے ساتھ عبادت کا تصور لازم و ملزوم ہے، کیونکہ جس ہستی کو مدبر عالم مانا جائے گا جس کے ہاتھ میں نفع و ضرر کی کلید ہوگی اس کی عبادت ناگزیر طور پر کی جائے گی۔ شرک کا سرچشمہ ہی باطل عقیدہ ہے۔ اس باطل عقیدہ سے شرک کے تمام مظاہر پیدا ہوئے اور زمانہ قبل اسلام میں شرک و کفر عام ہوا یہود و نصاریٰ نے حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کو اسی تقرب و محبوبیت کی بنا پر اللہ کا بیٹا کہا اور خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰ کو ان کے معجزات اور بن باپ کی پیدائش کی وجہ سے اللہ کا درجہ دیا بلکہ عین اللہ قرار دیا۔ مسلمانوں میں اولیاء اور مؤمنین اکرام کے متعلق بعض نام نہاد مسلمانوں میں اسی قسم کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ اور ان کی قبروں پر اسی عقیدہ باطل اور غلو محبت کی وجہ سے سجدہ تک کیا جاتا ہے۔ اور ان سے مرادیں مانگی جاتی ہیں۔ نود رسول کریم قائم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ لوگ بشر نہیں سمجھتے اور بشر کہنے والوں کو گستاخ بے ادب اور آداب رسالت سے بے خبر کہتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ کے ہاتھ میں عالم کی تمام مخفی طاقتیں ہیں۔ اور ایک من چلے شاعر نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ

اللہ کے پہلے میں وحدت کے سوا کیا ہے

جو کچھ ہمیں بسنا ہے لے لیں گے محمد سے (معاذ اللہ)

انسانوں کو اللہ کے برابر سمجھنے والوں کے علاوہ دنیا میں بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اجرامِ سماوی کو ذی شعور، ذی عقل اور ذی فہم سمجھتے ہیں۔ ان کی عبادت کرنے والوں کو معاصب سے بچا سکتے ہیں اور دوزخ کی زندگی میں نفع دے سکتے ہیں۔ یہ ستارہ پرست اب بھی پائے جاتے ہیں، افریقہ اور ہندوستان و پاکستان میں بڑی تعداد میں ایسے لوگ موجود ہیں جو آفتاب و ماہتاب اور دوسرے ستاروں کی

عبادت کرتے ہیں۔

اجرام سماوی میں سب سے بڑا سیارہ آفتاب ہے۔ آفتاب کو اللہ تعالیٰ نے حرارت و نور کا سرچشمہ بنایا ہے۔ اس کی گردش سے لیل و نہار، صبح و شام بنتے ہیں، اس کے قرب و بعد سے موسمی تغیرات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ گرمائے ماہوار و خزاں کی فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی حرارت سے کھیتیاں اگتی اور پکتی ہیں، پودوں میں پھول، درختوں میں پھل آتے ہیں، غرض کہ زمین پر اس کے بیشمار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ انسان نے جب ان امور کو محسوس کیا تو وہ خالق آفتاب کے بجائے خود آفتاب کو قابل تعظیم و تقدیس سمجھ بیٹھا، اس کا عقیدہ ہو گیا کہ جو عالم میں تغیرات و انقلابات کا اتنا بڑا سرچشمہ ہے وہ یقیناً اپنے پجاریوں کی مصیبت کے وقت کام آئے گا اور اس کی مرادیں پوری کرے گا۔ چنانچہ ستارہ پرستوں نے اس کی عبادت کو مذہب کا جز و قرار دیا اور طلوع و غروب کے وقت اس کے سامنے رکوع کر کے اور ہاتھ جوڑ کر اس کی عبادت کی جاتی ہے۔

اسی طرح ماہتاب کو بھی دیوتا سمجھا گیا۔ کیونکہ یہ دلکش و دلفریب سیارہ نہ صرف اندھیری راتوں میں اپنے نور سے اجالا کرتا ہے بلکہ اس کے بھی ہمہ گیر اثرات محسوس کئے گئے ہیں۔ سمندر میں مد و جزر کا ماہتاب کے گھٹنے اور بڑھنے سے تعلق ہے۔ خاص خاص قمری تاریکوں میں سمندر میں مد و جزر ہوتا ہے۔ ساحل سمندر اور جزیروں کے باشندوں کو مد و جزر کا ہر ماہ مشاہدہ ہوتا ہے۔ ابتداً جب انسان نے چاند کی مخصوص تاریکوں میں بار بار ہر ماہ ایک ہی قسم کا عمل دیکھا اور سمندر کی طغیانی سے اسے جانی و مالی نقصان ہوا تو اس نے ایک طرف سمندر کو اور دوسری طرف چاند کو راہنی کرنے اور اس کے شر سے بچنے کے لئے چاند کی پرستش شروع کر دی اور چاند کے نام پر بڑے بڑے مجسمے اور مہیکل تعمیر کئے۔ سو مناتھ کا مندر اسی عقیدہ ماہتاب پرستی کا مظہر تھا۔ یہ کاٹھیاواڑ کے ساحل پر چاند کی پرستش کے لئے بنایا گیا تھا۔ جس میں چاند کے نام پر ایک عظیم الشان بت تھا۔ سنسکرت میں سوم "چاند کو کہتے ہیں۔ اور سوم دار" کا دن بھی اسی چاند کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہے جیسا کہ ہفتہ کے دوسرے نام بھی سات ستاروں کی طرف منسوب ہیں۔ اتوار جو سنسکرت میں ایدت دار ہے "ایدت" آفتاب کو کہتے ہیں اور یہ دن آفتاب کی طرف منسوب ہے۔ اور اسی طرح سینچر و غیرہ۔ انگریزی میں MONDAY, SUNDAY بھی آفتاب و ماہتاب کی طرف منسوب ہیں۔

اسی طرح پہاڑ کی بلند چوٹی کو دیوتا کا درجہ دیا گیا، بڑے بڑے دریاں کی عظمت کا راگ الاپا گیا۔ پہاڑوں، دریاؤں، درختوں اور جانوروں کے منفعت بخش ہونے کا کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن حضرت انسان نے ان سب کو رفتہ رفتہ مقدس بنا لیا اور ان کی عبادت کی جانے لگی

قرآن حکیم نے سب سے پہلے توحید کی دعوت دی لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ کا اعلان کیا اور تیرہ برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مکی زندگی میں اسی توحید کی تبلیغ فرمائی۔ اس ساری مدت میں نماز کے سوا کسی دوسرے حکم پر اس تفصیل کے ساتھ قرآن حکیم نے اور رسول اللہ نے زور نہیں دیا، آیاتِ نعبہ و آیاتِ نستعین "ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں" کو ہر نماز میں دہرا کر اس عملاً مسلمانوں کی زندگی کا جز بنا لیا گیا۔ اور غیر اللہ سے ہر قسم کا غیر مرئی رشتہ توڑ دیا گیا۔ ماسوا اللہ کے ہر ایک کے سحر و صنعت اور اللہ کے قابلہ میں اس کی بے چارگی اور در ماندگی کی تلقین کی گئی۔ لا ارفع لمن وضع اللہ ولا اضع لمن دفع اللہ۔ اللہ جس کو پست کرے اس کو کوئی بلند کرنے والا نہیں اور اللہ جس کو بلند کرے اسے پست کرنے والا نہیں۔ نفع و نقصان، راحت و تکلیف، امارت و مذہبت، خوش حالی و تنگدستی، صحت و بیماری، زندگی و موت کا تعلق صرف قضا و قدر سے وابستہ کر کے تمام معبودان باطل اور غیر اللہ کے متعلق اس غلط عقیدہ کو متا دیا کہ وہ کسی کو بطور خود کسی قسم کا نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ یا ان کے ہاتھ میں تدبیر عالم کی مخفی طاقتیں ہیں۔

لذم مقالید السموت والارض" اسی کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں۔ بغیر اللہ کی اجازت اور اذن کے کسی کو اللہ کے سامنے گفتگو کرنے کی مجال تک نہیں ہوگی لا یتکلمون الا من اذن لنا الرحمن وقال صواباً " یہاں تک کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت و سفارش کرنے کی جرات بھی نہیں کر سکے گا۔ ومن ذا الذی یشفع عندنا الا باذننا۔ اور کس کی مجال ہے کہ اللہ کے حضور میں شفاعت کر سکے مگر اس کے اذن و اجازت سے؟ انبیاء علیہم السلام بلکہ صلحاء و اتقیاء بھی شفاعت کریں گے لیکن بطور خود نہیں بلکہ اللہ کی اجازت کے بعد۔ قرآن حکیم نے شرک کی تمام اساس کو کھود کر گرا دیا۔ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کی ابنیت کو کفر قرار دیا، تثنیت کو کفر و شرک کہا۔ آفتاب و ماہتاب کو انسانوں کا چاکر بنا کر اس کی بیچارگی اور اس کے مخلوق ہونے کا اعلان کیا۔ ولا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للذی الواحد القہار" نہ آفتاب کو سجدہ کر دے نہ ماہتاب کو بلکہ صرف ایک اللہ کو سجدہ کر دو جو بڑی قوت والا ہے۔ کسی انسان کی ایسی تعظیم سے جو عبادت کے حدود میں داخل ہو جائے رسول اللہ نے منع فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام کی مجلس میں تشریف لاتے تو صحابہ کرام تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔ آپ نے فوراً تعلق امتزاج اور عبادت انگیز تعظیم کے درمیان فرق پر متنبہ فرمایا۔ اور فرمایا کہ میرے لئے تم اس طرح کھڑے نہ ہو جس طرح عجمی اپنے بادشاہوں کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ یعنی وہ جس طرح خشوع و خضوع اور عبدیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بادشاہوں کی تعظیم کرتے ہیں تمہیں ایسے مظاہرے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ! عجمی اپنے بادشاہوں کو سجدہ کرتے ہیں ہم بھی آپ کو کیوں نہ سجدہ کریں؟ آپ نے فرمایا۔ نہیں ایسا نہ کرو۔ اگر کسی انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ! ہم ملنے کے وقت کیوں نہ جھک کر آپ سے ملیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، تم صرف مصافحہ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے تمام رخنہ کو بند فرما دیا کہ مبادا یہی احترام و اکرام کا جذبہ رفتہ رفتہ امت محمدیہ میں سجدہ تعظیمی کی شکل اختیار کر لے اور تدریجاً غیر اللہ کی عبادت کی جانے لگے۔

عبادت در ریاضت، تقویٰ و دلہاری، شرافت و مردانگی، علم و خوارگی و داد و اتحاد و تنظیم، اخوت و برادری، اور عدل و عمرانی و مسادا انسانی اور دوسرے تمام صفات حمیدہ اسی توحید کی تفصیلی تعلیمات کے نتائج ہیں اور اسی شجر کے ثمرات ہیں۔ جب تک مسلمان صحیح توحید کے حامل رہے۔ دنیا کی عظیم الشان قوت بنے رہے اور جب سے اسلامی توحید کو پس پشت ڈال کر عجمی اور غیر اسلامی فلسفہ الہیات میں الجھ گئے، توحید کا چہرہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور بہت سے مشرکانہ اعمال میں مبتلا ہو گئے۔

فردوں پر مسلمان قوانین کا بھروسہ
اور ان پر مجاور کی وہ دزدیدہ نگاہی
(ماہی)

مولوی عبدالرحمن حماد
(استاذ جامعہ دارالسلام عمر آباد)

انسانی زندگی پر توحید کے اثرات

حیات و کائنات کے بارے میں مختلف نظریات اور تصورات ہیں جن کے اثرات بھی نوع انسانی پر مختلف انداز سے مرتب ہوتے ہیں۔ اور سب نظریات میں ایک ہی نظریہ ایسا ہے جس کی صداقت و حقیقت پر کائنات و پروردگار کائنات، ملائکہ مقدسہ، ارباب دانش و پیشہ اور عالم آب و گل کا ذرہ ذرہ گواہی دے رہا ہے۔ **شَهِدَ اللَّهُ أَنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ إِلَّا هُوَ الْمَلَأَ سَمَاوَاتِهِ وَ الْأَرْضَ بِمَنَّا وَالْعِلْمُ قَائِمًا بِالنَّقِصِطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** خود اللہ تعالیٰ نے نہ نفس نفیس اس حقیقت نفس الامری کی گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور اس گواہی میں اللہ کے فرشتوں کے ساتھ وہ بندگان الہی بھی شامل ہیں جن کو علم و عرفان اور عقل و وجدان کی نعمت اللہ نے ودیعت فرمائی ہے۔ اور ان تمام کی شہادت اس امر واقعہ پر ہر تصدیق مثبت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کے درمیان کچھ اس طرح عدل و انصاف اور اعتدال و توازن کو برقرار رکھے ہوئے ہے کہ ہر مخلوق کی فطرت کے ساز سے بے ساختہ یہ نغمہ جانفزا بھوٹ نکلتا ہے کہ اللہ رب العزت کے سوا کائنات کا پروردگار اور معبود و سجد کوئی دوسرا نہیں ہے، نہ صرف اتنی ہی بات کہ عبودیت و پرستش کی مستحق تنہا خدا ہے واحد کی ذات بزرگ و برتر ہے، بلکہ یہ بھی حقیقت ثابت ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہی مملکت عالم پر بلا شرکت غیرے سلطانی و فرمانرانی کر رہی ہے، کائنات پر غلبہ و قبضہ اللہ ہی کا ہے عزت و قدرت اسی کو سزاوار ہے، اور تخلیق عالم اللہ تعالیٰ کی حکمت و دانائی کی مرہون منت ہے۔ یہ ہے وہ نظریہ حق جسے نظریہ توحید کہا جاتا ہے۔ اور اس نظریہ کے علاوہ باقی تمام نظریات باطل، غلط اور خود ساختہ ہیں اور ان کی پشت پر نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ ثبوت نقلی۔ اور اس کے مقابلہ میں تصور توحید پر آفاق و انفس میں اس قدر دلائل واضح اور براہین ساطعہ موجود ہیں کہ ان کا انکار صرف وہ کور باطن ہی کر سکتا ہے جسے روزِ روشن پر بھی شبِ دیجور کا وہم و گمان ہونے لگتا ہے۔

آنکھ والا تری قدرت کا تماشا دیکھے

دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

یہ عقل باختگی اور دانش فروشی نہیں تو اور کیا ہے کہ آدمی اپنے وجود فانی کا قائل ہو جائے اور اس ذاتِ باقی کا صاف انکار کر دے جس نے اسے خلقت وجود سے سرفراز کیا ہے۔ مدعا پوری طرح واضح نہیں ہو گا اگر ان تصورات کی جانب بھی مختصراً اشارہ نہ کر دیا جائے جو خالق کائنات کے بارے میں نوع انسانی کے گمراہ طبقوں نے گھڑ لئے ہیں۔

ایک خیال تو یہ ہے کہ یہ کائنات بے خدا ہے کسی نے اسے بنایا نہیں، خود ہی بن گئی ہے، خود ہی چل رہی ہے اور ایک دن خود ہی ختم بھی ہو جائے گی۔ کچھ لگ بندھے قوانین ہیں جن سے ہنگامہ کون و فساد کی گرم بازاری ہے۔ مخلوقات پیدا ہوتے رہتے ہیں، مرتے رہتے ہیں، آغاز حیات کا انجام مرگ و مفاجات ہے اور موت کے بعد کسی کے سامنے اعمال کی جواب دہی کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اس سے زیادہ پہلے باطل اور خیال باطل آخر کیا ہو سکتا ہے کہ مشاہدہ صنعت کے باوجود صنایع کا انکار کر دیا جائے۔ دنیا کا ہر انسان یہ بخوبی جانتا ہے کہ جو انی جہاز سے لے کر ایک معمولی سوئی تک کسی بنانے والے کے بغیر نہیں بن سکتی پھر دنیا کا یہ عظیم الشان کارخانہ کیسے بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر سنہیرے وجود

باری تعالیٰ کے انکار پر حیرت و تعجب کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ یہ ایسی ظاہر و باہر حقیقت ہے جس کا انکار کو شخص نہ قائم ہو جس و جو اس نہیں کر سکتا۔ کائنات کی خارجی شہادت کے علاوہ ہر آدمی کا ضمیر و وجدان بھی ہر آن بہت سے داخلی براہین فراہم کرتا رہتا ہے کہ باری تعالیٰ کے وجود کو ایک بدیہی واقعہ کی طرح تسلیم کیا جائے۔ انبیاء کرام کو انکار خداوندی کے نظریہ باطل پر کس قدر حیرت ہوتی رہی ہے اس کا اندازہ اس آیت کریمہ سے کیا جاسکتا ہے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ إِنِّي لَأَنبِئُكُمْ بِشَيْءٍ قَاتِلٍ لِّلسَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ يَدْعُوكُم لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّن ذُنُوبِكُمْ
إِنِّي أَنجِلُّ مَن يَشَاءُ

ان کے پیغمبروں نے کہا کیا اس اللہ کے بار میں بھی کوئی شک شبہ ہو سکتا ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے وہ تمہیں اسلئے (اپنے رسولوں) کی معرفت حق کی دعوت دے رہا ہے کہ تمہارے گناہوں کی مغفرت کرے اور ایک قرآنی مدت تک مہلت عطا فرمائے۔

جو بر خود غلط لوگ اپنے خالق کے وجود کا انکار کرنے کی حماقت میں مبتلا ہوتے ہیں انہی کو مادہ پرست، دہریے اور ملحدین کہا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ اسی قسم کے منکرین خدا سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا دلچسپ لطیفہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ چند ملحدین امام اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو وجود باری کے مسئلہ پر مناظرہ کرنے کی دعوت دے ڈالی۔ حضرت امام نے ملحدین کا چیلنج قبول تو کر لیا مگر تین دن بعد مناظرہ کی تاریخ مقرر فرمائی۔ چنانچہ وقت مقررہ پر منکرین خدا حضرت امام کے پاس پہنچ گئے۔ مناظرہ شروع کرنے سے قبل امام موصوف نے ان ملحدوں سے دوران گفتگو میں یہ فرمایا کہ دستو! مناظرہ کے آغاز سے پہلے میں ایک دلچسپ واقعہ تمہارے گوش گزار کر دینا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ میں کل شام کو تفریح کے لئے ساحل سمندر پر گیا ہوا تھا وہاں میں نے ایک عجیب و غریب ماجرا دیکھا، اور یہ اپنی نوعیت کا ایک نرالہ واقعہ تھا، ساحل پر میں ٹہل رہا تھا کہ سمندر میں کچھ شور ہوا میں نے نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا سا درخت سمندر کی سطح پر نمودار ہو رہا ہے، پھر وہ خود ہی کٹتا اور مختلف ٹکڑوں میں بٹتا جا رہا ہے، اس کے بعد وہ کشادہ تختوں میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے۔ پھر وہ تختے ایک خاص تناسب کے ساتھ باہم جڑتے جا رہے ہیں، میں دیکھ ہی رہا تھا کہ اچھا خاصا جہاز میرے سامنے تیار کھڑا ہے۔ جہاز کو مکمل ہوئے کچھ زیادہ عرصہ گزرا بھی نہیں تھا کہ ساحل پر مختلف قسم کے ساز و سامان اور اسباب کا ڈھیر لگ گیا۔ پورا سامان خود ہی جہاز میں منتقل ہو گیا اور وہ جہاز بغیر کسی ملاح کے خود بخود چل پڑا اور پھر میری نگاہوں سے اوجھل بھی ہو گیا۔

یہ واقعہ سن کر تمام منکرین خدا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مضحکہ اڑاتے ہوئے بول پڑے۔ امام صاحب آپ کی عقل و دانش کا بڑا شہرہ ہم سن رہے تھے۔ لیکن آج آپ ایسی ہلکی ہلکی باتیں کر رہے ہیں کہ اگر ایک بچہ بھی انہیں سن پائے تو بے ساختہ ہنس دے۔ کیا آج تک کبھی ایسا ہوا ہے یا ہو سکتا ہے کہ جہاز خود ہی تیار ہو جائے۔ اپنی بناوٹ کی ابتداء سے آخر تک سارے مراحل خود ہی طے کر لے اور ساز و سامان لاد کر خود ہی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جائے؟ یا تو آپ کا دماغ چل گیا ہے یا آپ ہمیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔ حضرت امام نے سنجیدگی سے ارشاد فرمایا۔ میرے بھولے دستو! تمہاری عقل جب یہ بات تسلیم نہیں کر سکتی ہے کہ ایک جہاز آپ سے آپ تیار ہو سکتا ہے تو پھر وہی تمہاری عقل یہ عظیم جھوٹ کیسے تمہاری زبان سے کہلاتی ہے کہ اس عالم کا کوئی خدا نہیں ہے اور یہ زمین، آسمان، ہر دو ماہ، انجم و کہکشاں اور عالم کا پورا کارخانہ بغیر کسی خدا کے نہ صرف یہ کہ وجود میں آ گیا ہے بلکہ باقاعدگی اور باضابطگی کے ساتھ چل رہا ہے، اپنے خالق و معبود کا انکار کر کے کیا تم افلاس فکر و نظر اور اپنی عقل کے دیوالیہ پن کا مظاہرہ نہیں کر رہے ہو؟

حضرت امام کے اس انداز استدلال سے ملحدین کے حجابات نظر اٹھ گئے اور ان سمجھوں نے امام موصوف کے دست حق پرست پر الحاد و زندقہ سے توبہ کر لی اور پرستاران توحید کے رمرہ میں شامل ہو گئے۔

ہر انسان کی فطرت میں حقیقت توحید کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح سمودیا ہے کہ وہی اس امر واقعہ سے روگردانی کر سکتا ہے جس نے اپنی فطرت ہی کو براہ مہوس اور چھوڑ دینا دے سے مستح کر لیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جس وقت پیدا کیا تھا اسی وقت عالم مثال میں قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی ارواح کو جمع کر کے اللہ نے ان کے سامنے بر ملا اس حقیقت کا اعلان فرمادیا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور سب بندوں سے توحید پر قائم رہنے کا وعدہ اور اقرار بھی لیا تھا۔ اس طرح گویا سلطان کائنات نے اپنے خلیفہ ارضی سے حلفت و وفاداری انھوایا تھا۔ مشہور مفسر قرآن حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک آیت کریمہ کی تشریح کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے :-

وَعَنْ أَبِي ابْنِ كَعْبٍ فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ قَالِ جَمَعَهُمْ جَعَلَهُمْ آرَؤًا وَاجَابَاتُهُ صَوْرَهُمْ فَمَا سَنَطَقَهُمْ نَتَكَمُّوا ثُمَّ أَخَذَ عَلَيْهِمُ الْعَهْدَ وَالْمِيثَاقَ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ قَالِ فَإِنِ اسْتَشْهَدُ عَلَيْكُمْ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ خَلْقُ السَّبْعِ وَ اسْتَشْهَدُ عَلَيْكُمْ آبَاكُمْ آدَمُ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهْمُ نَعَلَمُوا بِهَذَا عَلَّمُوا أَنَّا كَالِ الْغَيْرِ وَلَا رَبَّ غَيْرِي وَلَا تَشْرِكُوا إِنِّي سَأَدُّسِلُ إِلَيْكُمْ رُسُلِي يَذُكُرُكُمْ عَهْدِي وَمِيثَاقِي وَأُنزِلُ عَلَيْكُمْ كِتَابِي تَأْوَأُ شَهْدَانَا بِأَنَّكَ رَبُّنَا وَاللَّهُنَا لَا رَبَّ لَنَا غَيْرُكَ وَلَا إِلَهَ لَنَا غَيْرُكَ فَاقْرَأْ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ ظُهُورِهِمْ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ فَرَأَى الْغَنَى وَالْفَقِيرَ وَحَسَنَ الصَّوْرَةَ وَدُونَ ذَلِكَ فَقَالَ رَبُّنَا كَأَنَّ سَوِيَّتَ بَيْنَ عِبَادِكَ قَالِ إِنِّي أَحْبَبْتُ أَنْ أُشْكِرَ رَأَى الْآبِيَاءَ فِيهِمْ مَثَلُ الشَّرْحِ عَلَيْهِمُ التَّوَلَّى خُصَّوْا بِمِيثَاقِ أَخَذَ فِي الرِّسَالَةِ وَالنَّبُوءَةِ وَهُوَ قَوْلُنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ إِلَى قَوْلِهِ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ كَانَ فِي تِلْكَ الْأَرْوَاحِ فَأَرْسَلْنَا إِلَى مَرْيَمَ عَلَيْهَا السَّلَامَ فَحَدَّثَتْ عَنْ أَبِي آدَمَ دَخَلَ مِنْ فِيهَا سَوَادًا أَحْمَدُ -

(ترجمہ) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے آیت کریمہ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (اور جب تیرے پردردگار نے.....) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے روزِ ازل، ابتدائے آفرینش سے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کو جمع کیا پھر ان کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا پھر انھیں مثالی صورتیں دے کر ان سے کہلوا دیا، چنانچہ وہ بول پڑے، پھر ان سے اللہ نے اپنی کبریائی و یکتائی کا قول دہرایا اور اولاد آدم کو خود ان کی اپنی جانوں پر گواہ بنایا، گواہ بناتے ہوئے ان سے پوچھا۔ کیا میں تم سب کا پردردگار نہیں ہوں۔ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا ہاں کیوں نہیں، تو ہی ہمارا پالنے والا ہے۔ اس پر اللہ نے فرمایا دیکھو میں تمہارے اس اعتراف حق پر ساتوں آسمانوں، ساتوں زمینوں اور خود تمہارے باپ آدم کو گواہ بنا رہا ہوں۔ مبادا تم روز قیامت یہ کہہ کر مگر جادو کہہیں اس واقعہ کا کوئی علم نہیں ہے۔ تم اچھی طرح جان لو کہ نہ میرے سوا کوئی تمہارا معبود ہے اور نہ میرے علاوہ کوئی تمہارا پردردگار ہے۔ لہذا تم کسی کو میرا شریک نہ ٹھہراؤ۔ تمہارے دنیا میں بھیجے جانے کے بعد مختلف اوقات میں تمہاری ہدایت کے لئے میں اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو بھیجا کروں گا اور وہ تمہیں یہ قول و قرار جو اب تم نے مجھ سے کیا ہے یاد دلائے رہیں گے اور تمہاری رہنمائی کے لئے میں اپنی کتاب بھی نازل کروں گا۔ یہ سن کر سمجھوں نے فوراً یہ جواب دیا۔ اے اللہ! ہم اس امر پر گواہ ہیں کہ تو ہمارا پردردگار ہے اور تو ہی ہمارا معبود ہے۔ تیرے سوا نہ کوئی ہمارا رب ہے اور نہ کوئی ہمارا معبود ہے۔ چنانچہ پوری فوج انسانی نے اللہ کی توحید کا اقرار کر لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مختلف درجات و طبقات کے لوگ نظر آئے، مالدار بھی تھے، نادار بھی تھے، حسین و جمیل افراد بھی تھے اور معمولی شکل و صورت والے انسان بھی تھے، حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں جو یہ فرق و تفاوت دیکھا تو باری تعالیٰ سے گزارش کی۔ مالک! تو نے اپنے تمام

بندوں کو یکساں کیوں نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے اسی لئے میں نے بندوں کے درمیان فطری طور پر امتیاز پیدا کر دیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انسانوں کے اس ہجوم میں انبیاء کرام کو بھی دیکھا جو دشمن چراغوں کی مانند جگمگا رہتے تھے۔ اور ان سے نبوت و رسالت کے ضمن میں ایک خصوصی عہد بھی الگ سے لیا گیا تھا اور اسی کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے **وَإِذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ أَلَّا يَدْعُوا إِلَيْهَا**۔ اور گروہ انبیاء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی موجود تھے ان کی روح کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہ السلام کی طرف بھیجا اور وہ ان کے منہ کی طرف سے داخل ہو گئی تھی۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔

الحاد و دہریت کا نتیجہ اس شکل میں برآمد ہوتا ہے کہ انسان خدا کا بندہ بننے کے بجائے بندوں کا خدا بن جاتا ہے اور زندگی گزارنے کے لئے خود ہی دستور و قانون بنانے لگتا ہے یہ خالص جاہلیت کا نظریہ ہے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ کائنات آپ سے آپ تو نہیں چل رہی ہے اس انجن کا چلانے والا ہے تو ضرور مگر ایک نہیں بلکہ ان گنت الہ اور ہتھیار خداوندگان تعظیم کار کے اصول بر نظام عالم کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ اس خیالی باطل کی بنا پر انسان کی زندگی ادھام و خرافات کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور وہ جس کسی میں بھی نفع و نقصان محسوس کرتا ہے اس کی پرستش شروع کر دیتا ہے۔ چاہے وہ اجرام سماوی ہوں یا اعیانہ خاکی۔ اور یہ مشرکانہ نظریہ ہے جسے قبول کر لینے کے بعد مسجود ملائک، لکڑی، کاغذ اور پتھر کے بتوں سے لے کر سانپ بچھو، قبور و مزارات اور اپنے ہی جیسے انسانوں کی بندگی میں اپنی قیمتی زندگی تباہ کر لیتا ہے اور وہ مراسم و بدعات کے ذریعے میں کچھ اس طرح گھبرائے رہ جاتا ہے کہ پھر اسے عمر بھر الجہنوں سے نجات نہیں ملتی اور اس کا سکون و اطمینان رخصت ہو جاتا ہے۔ نظام کائنات میں جو ربط و ضبط، نظم و جزم اور ہم آہنگی و یکسانی نظر آتی ہے وہ خود عقیدہ توحید کی تائید اور شرک کی تردید میں ایک مستقل دلیل ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مشرکانہ تصور پر تنقید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں یہ دلیل پیش فرمائی ہے۔ **وَلَوْ كَانَفِيهِمَا إِلَهًا آخَرًا لَفَسَدَتَا**۔ اگر ان دونوں یعنی زمین و آسمان میں ایک معبود کے بجائے کئی معبود ہوتے تو وہ دونوں کبھی ختم ہو چکے ہوتے۔ وجہ ظاہر ہے کہ ایک درس گاہ کے دو ناظم، ایک کارخانے کے دو منتظم اور ایک جہاز کے دو کپتان جب نہیں ہو سکتے تو سلطنت کائنات کے دو فرمانروا کیسے ہو سکتے ہیں۔ دو بالفرض ایک خدا کے بجائے کئی خدا ہوتے تو ان کی تداویر و آراء میں تضاد ہوتا ایک چاہتا کہ سورج پورے طلوع ہو، اور دوسرا اسے چھم کی طرف سے نکلنے کا حکم دیتا۔ اس طرح وہ دونوں آپس ہی میں ٹکرائے خود بھی ختم ہوتے اور عالم کو بھی فنا کر دیتے۔ جو ذات زوال آمادہ ہو وہ خدا نہیں اور جو خدا ہے اسے کبھی فنا نہیں۔ زندگی کا دھارا ازل سے ایک ہی رخ پر اور ایک ہی انداز سے بہ رہا ہے اور وہ خود اس حقیقت کبریٰ کا ترجمان ہے کہ یہ عالم بے خدا نہیں، پروردگار اپنی ذات و صفات کے ساتھ موجود ہے اور وہ صرف ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایک اور غلط خیال یہ ہے کہ وہ موجود بھی ہے اور معبود بھی ہے، لیکن اسے دنیا اور دنیا داروں کے کاموں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ایک بار اس نے کارخانہ عالم چلا دیا ہے اور خود گوشہ نشین ہو گیا ہے۔ نظام عالم خود بخود چلتا رہے گا اور کبھی رکے گا نہیں۔ آخرت اور جنت و دوزخ کا الگ سے کوئی وجود نہیں۔ انسان اپنے اعمال کی جزا اور کرموں کا پھل پانے کے لئے مختلف جنم لیتا رہتا ہے اور مختلف روپے جان کر رہتا ہے۔ یہ عقیدہ تناسخ ہے جس کا بطلان بادی تامل واضح ہو جاتا ہے۔ عقل سلیم اس امر کو کیسے باور کر سکتی ہے کہ ایک ہی وجود کبھی انسان کبھی حیوان، کبھی دوخت اور کبھی پتھر بن جائے۔ اور ایک جنم میں ماں بیٹے کا رشتہ جن کے درمیان قائم رہا ہو وہ دونوں اگلے جنم میں میاں بیوی ان جائیں اس سے زیادہ لچر اور بے ہودہ عقیدہ شاید ہی کسی کے گھر آہو۔

ایک تصور یہ ہے کہ باپ بیٹا اور روح القدس تینوں بل کر ایک خدا کے پیکر بن گئے ہیں۔ یہ عقیدہ تثلیث ہے جو اتانیم غلامہ کے محور کے گرد گھومتا رہتا ہے، ایک میں تین اور تین میں ایک دلی ہل بات دہی نادان کہہ سکتا ہے جس کی عقل و دانش بھی ایک تہائی سے زیادہ باقی نہ رہ گئی ہو۔

ایک اور رائے خدا کے بارے میں یہ ہے کہ وہ ہے تو صرف ایک ہی لیکن اس نے بہت سے چھوٹے چھوٹے خدا دیوتاؤں اور دیویوں کی شکل میں پیدا کر لئے ہیں تاکہ اس کا بارگراں ہلکا ہو جائے۔ اور اس نے دنیا کے امور اپنے ماتحت خداؤں کے حوالے کر دیئے ہیں۔ چنانچہ یہ سارے خدا بیگان کوچک، خدائے خدائے گان کی ہدایت کے مطابق کائنات کا انتظام چلا رہے ہیں۔ اس عقیدہ سے اللہ کی بے بسی اے چارگی اور فقر و احتیاج کا تصور جنم لینا ہے۔ اور جو ہستی بے کس و محتاج ہے وہ آخر کیسے خدائی کا دعویٰ کر سکتی ہے؟ (معاذ اللہ)

ایک اور غلط فہمی جس میں بعض مسلمان تک مبتلا ہیں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہی اور وہ بالکل اکیلا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اپنے بندوں سے اللہ تعالیٰ کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ وہ صرف نماز، روزہ، پوجا پاٹ اور نذر دینا زکی حد تک اللہ سے وابستگی رکھیں، باقی زندگی کے دوسرے معاملات میں انھیں آزادی ہے کہ وہ اپنے لئے جو طریقہ پسند کریں اختیار کر لیں۔ اُن کا طرز عمل گویا اس فکر و خیال کا نمایاں نظریہ ہے کہ جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دے اور جو خدا کا ہے وہ خدا کے حوالے کر دے۔ ایسے لوگ بیک وقت رحمان اور شیطان دونوں کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ حلال و حرام، جائز و ناجائز اور خوف و ناخوف کی تمیز کئے بغیر اپنی خواہشات نفسانی کے مطابق من چاہی زندگی گزارتے ہیں اور عبادات کے علاوہ کسی اور معاملہ میں اللہ اور رسول کی ہدایات کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ نظام باطل کے زیر سایہ بڑے اطمینان کے ساتھ نہ صرف نماز روزہ اور دوسرے ارکان عبادت کی پابندی کرتے ہیں بلکہ بیس و تہلیل، دل و سجادہ اور وظائف و اذکار کے مشاغل میں بھی کوئی فرق دیکھتا ہی نہیں ہونے دیتے۔ بایں ہمہ اُن کو کسی وقت بھی اس امر کا احساس نہیں ہوتا کہ ان پر سلطان کائنات کی فرمانبرداری کے بجائے عین اللہ کی حکمرانی ہے۔ اسی غلط فہمی کے باعث آج دنیا کی بہت سی مسلمان حکومتیں اسلام کے اصول سلطنت سے آزاد ہو کر کاروبار مملکت چلا رہی ہیں اور ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھانے کے باوجود اللہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم نہیں کر رہی ہیں۔ دین و سیاست کی جدائی اور مذہب و حکومت کی دونوں کا تصور نتیجہ ہے اسی غلط عقیدہ کا کہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے صرف عبادات کافی ہیں زندگی کے دیگر امور میں اسے دخل لینے کی کیا ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق مذکورہ آراء و تصورات کے علاوہ اور جس قدر بھی نظریات ہیں وہ سب انہی خیالات سے ملتے جلتے ہیں۔ اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کا نظریہ توحید کیا ہے؟ اور اسے انبیاء کرام کس شکل میں پیش کرتے رہے ہیں؟ اسلام کا نظریہ توحید مختصر الفاظ میں یہ ہے

اے بنی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نوع انسانی سے فرما دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے اللہ بالکل بے نیاز اس نے کسی کو جنم بھی نہیں اور نہ وہ کسی سے جنم لیا اور کوئی بھی اسکی ذات و صفات اور حقوق و اختیارات میں شریک و شہیم نہیں ہے۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ
لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ لَمْ يَكُنْ لَنَا
كُفُوًا أَحَدٌ

تمام انبیاء کرام اس نظریہ توحید پر ہر تصدیق ثابت کرتے ہیں یہ کہہ کر کہ یہ ساری کائنات جو بنی آدم کے گرد و پیش پھیلی ہوئی ہے وہ اور خود ذات بشری بے خدا نہیں ہے۔ اللہ ہی نے سب کو جو د بخشا ہے، سر و سامان عطا کیا ہے، زندگی کی ضروریات بخشی ہیں، مادی وسائل و اسباب بھی دیئے ہیں اور روحانی ہدایت و اخروی سعادت کا انتظام بھی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے اکیلا اور تنہا ہے۔ اپنے کاموں میں وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہی سب کا پروردگار ہے اور متصرف و مختار ہے، چلاتا وہی ہے اور موت بھی اسی کے حکم سے آتی ہے، نفع و نقصان کا اختیار اس کے سوا کسی کو نہیں۔ رزق کے خزانے اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ زندگی کے نشیب و فراز، انقلاب عالم اور حالات کا اتار چڑھاؤ اسی کی مشیت کا مرحوم منت ہے۔ یہ کائنات ایک منظم سلطنت ہے، صرف اللہ تعالیٰ ہی اس کا حاکم و فرمانروا ہے، تمام اختیارات کا منبع اسی کی ذات و اصناف ہے۔ انسان فطری اور پیدائشی اعتبار سے ہی اللہ کی رعیت ہے۔ جس قدر اختیار اللہ نے انسان کو بخشا ہے وہ بغیر من آزمائش ہے۔ عقیدہ توحید سے انسانی زندگی پر خوش آمد خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ عقیدہ توحید کو قبول کرنے اور زندگی کو اس کے

ساپنے میں ڈھالنے سے انسان کو طمانیت قلب کی وہ دولت نصیب ہو جاتی ہے جس کا تصور بھی کسی دوسرے عقیدہ میں نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی بدولت زندگی کی الجھنیں ختم ہو جاتی ہیں اور دل کی بے چنیاں ختم جاتی ہیں۔ ہر انسان کے اندر ایک مرکز محبت کا ذوق طلب و دہشت کر دیا گیا ہے۔ صرف عقیدہ توحید ہی سے اس ذوق کو مکمل آسودگی ہوتی ہے۔ عقیدہ توحید کا قائل کبھی تنگ نظر نہیں ہو سکتا۔ نسل در نسل خاندان و قبیلہ، فرقہ و قوم اور وطن و مرزبوم کی سنگنائیوں میں وہ کبھی محصور نہیں ہوتا بلکہ ساری دنیا کو اپنا وطن اور تمام انسانوں کو ایک ہی برادری کے افراد تصور کرتا ہے۔ یہ عقیدہ انسان میں جرأت، عزت، خودداری اور عزت نفس کا جو سر پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی میں بھی نفع و نقصان پہنچانے کی ذرا بھی قدرت نہیں ہے۔ خودداری کے ساتھ تو اسے دانکسار کا پیوند بظاہر ہے جو معلوم ہوتا ہے لیکن عقیدہ توحید کا کمال ہے کہ شخص واحد میں یہ دونوں خوبیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ موحد اپنے ہر کمال کو خدا کی دین سمجھتا ہے اور اس پر سچوتا نہیں عقیدہ توحید فلاح و نجات کے لئے چونکہ نیک عملی، پاکیزگی، نفس اور رفعت کردار کو ضروری سمجھتا ہے اس لئے موحد صرف گفتار کا غازی نہیں ہوتا بلکہ جو کہتا ہے وہ کرتا ہے۔ فسق، عوام اور ناکامیوں سے موحد کبھی مایوس و دل برداشتہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایک ان دیکھی بالاتر قوت موجود ہے جو اس کے ارادوں کو توڑ کر رکھ دیتی ہے۔ عقیدہ توحید کا قائل حوصلہ مند، اول العزم اور صبر و توکل کا پیکر ہوتا ہے۔ اور اس کے ضمیر دایمان کو نہ کچلا جاسکتا ہے اور نہ خرید جاسکتا ہے۔

موحد چہ بر پائے ریزی زرشں : چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش

امید دہراستش نہ باشد ز کس : ہمین است بنیاد توحید بس

موحد کے پاؤں پر چاہے اشرفیوں کے انبار لگا دیں یا اس کے سر پر تلوار چلا دیں لیکن خدا کے سوا کسی سے اس کو نہ خوف ہوتا

ہے نہ امید۔ الغرض توحید اسلام کا سرچشمہ اور طغرائے امتیاز ہے :

بقیہ اسلام میں توحید

نہیں آتا، ایسے اضطراب و اضطراب کے وقت بھی ان کے دل کی صدا ہے اختیار، یا شیخ فلاں المداد! "ہی ہوتی ہے۔ کوئی علامہ آؤسی کے اس سوال کا جواب دے کہ آئی اللہ یقین اهدی سبیلہ! دونوں گروہوں میں سے کون راہ ہدایت سے زیادہ قریب ہے؟

علامہ سید رشید رضا نے تفسیر المنار میں ایک حکایت لکھی ہے کہ مصر کے کچھ لوگ سمندر کے سفر کیلئے روانہ ہوئے راستہ میں طوفانی ہوا میں چلنے لگیں اور جہاز جھونٹے کھانے لگا۔ چاروں طرف سے فریاد و زاری کی آوازیں بلند ہونے لگیں، کوئی پکارتا یا سید بدوی، کوئی چیخا یا سید س قاسمی کسی کی زبان سے نکلتا، یا شیخ عبد القادر جیلانی! ایک صاحب ایمان اہل دل بھی اتفاق سے جہاز میں موجود تھے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ بھی دعا کیجئے۔ اس درخواست کے جواب میں انھوں نے ہاتھ اٹھا کر چیخا شروع کیا:

یارب اعرق اعراق ما بقی احد بعدک

اے خدا ان سب کو غرق کر دے کیونکہ ان میں کوئی تیرا پہچاننے والا باقی نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو گمراہی سے بچائے اور راہ ہدایت پر چلائے! (آمین)

مولانا مفتی محمد شفیع

(مؤسس و شیخ الجامعہ دارالعلوم کراچی)

بدعت اور اسکی خرابیاں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق آخر زمانہ میں فتنوں کی کثرت ہونے والی تھی، وہ ہوئی اور ہم جیسے ضعیف القوت، ضعیف الہمت، ضعیف الایمان لوگوں کی نوبت اس دور میں آئی جبکہ دنیا کو فتنوں نے گھیر لیا ہے، روز و شب نئے نئے فتنوں کی بارش ہے۔

لیکن جیسے فتنوں کا زمانہ مشکلات کا خازن ہے ویسے ہی اس زمانہ میں صحیح طریق سنت پر قائم رہنے اور دوسروں کو قائم رکھنے کے فضائل بھی بے حد

بے قیاس ہیں۔ حدیث میں ہے:

العبادة في الهرجاء كالحجارة (إلى) رواه مسلم (مشکوٰۃ)

فتنہ کے زمانہ میں عبادت کرنا ایسا ہے جیسے کوئی ہجرت کمرے کے میرے پاس آجائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص فساد امت کے زمانہ میں میری سنت کو زندہ کرے اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے:

ایک حدیث میں ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں سنت کے مطابق نیک عمل کرنے والے کا ثواب پچاس آدمیوں کے عمل کے برابر ثواب رکھتا ہے، اور وہ

پچاس آدمی آج کے نہیں بلکہ صحابہ کرام میں سے پچاس آدمی۔ اور جس وقت بدعات و منکرات دنیا میں پھیل جائیں اس وقت اہل علم کے لئے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ان کو اس وقت اپنے علم کا اظہار کرنا چاہیے اور جو ایسا نہ کرے اس پر سخت وعید فرمائی ہے (کما اخرجنا لآجرہ فی کتاب السنۃ

عن معاذ بن جبل)۔ چنانچہ ہر زمانہ ہر دور کے علماء نے اپنے اپنے زمانہ فتنوں کے طوفان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے

صحیح طریقہ کو رد نہیں کیا اور بدعات و محدثات کی تلبیس کو رد کیا۔ لیکن آج کل جن فتنوں کا طوفان ہے ان میں ایک طرف لادینی، انکار خدا، انکار رسالت

انکار حدیث، انکار ختم نبوت کے وہ فتنے ہیں کہ جن کی ضرب براہ راست اسلام کی بنیادوں پر پڑتی ہے۔ راقم الحرد نے موش سنبھالنے کے بعد سے دینی تعمیر و تبلیغ

اور فتویٰ و تصنیف و تالیف کے مثبت کام کے ساتھ جو کچھ بھی ہو سکا وہ اپنی فتنوں کا مقابلہ کیا جو اعتقادی بدعات ہیں۔ علمی بدعات و محدثات کے سلسلہ میں اب تک

کوئی خاص کام نہ ہو سکا۔

حال میں ایک محترم دوست نے اپنے ماہنامہ کے لئے بدعت کی تعریف اور اس کی خرابیوں پر مشتمل ایک مقالہ لکھنے کے لئے مجھے فرمایا اور غلاف عادت

کچھ ایسے اصرار سے فرمایا کہ اپنی بے شمار ذمہ داریوں، مصروفیتوں اور اس پر طبی صفت کے باوجود وعدہ کر لینے کے سوا چارہ نہ رہا، کچھ لکھنا بھی شروع کیا لیکن

صبح سے رات کے بارہ بجے تک تمام اوقات مشغول، وقت کہاں سے لاؤں؟ مگر ان حالات میں جو کچھ بھی ہو سکا، حاضر ہے۔

بدعت کی تعریف اور اس کی خرابیاں از روئے قرآن و سنت آگے آتی ہیں لیکن اس جگہ ایک بات ہر وقت پیش

نظر رکھنے کے قابل ہے کہ جو شخص سنت کے اتباع اور بدعت کی مخالفت کی دعوت دیتا ہے اظہار ہے کہ اس کا

منشأ بجز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور اس کے دین کی حفاظت اور کچھ نہیں۔ اسی

بدعت و سنت کی جنگ میں

ایک لمحہ فکریہ

طرح جو شخص کسی بدعت میں مبتلا ہے، منشأ اس کا بھی اللہ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کی رضا حاصل کرنا ہی ہے اور رسول

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بدعت کو وہ بھی گمراہی کہتا اور بڑا سمجھتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ علم صحیح نہ ہونے کی وجہ سے، وہ کسی بدعت کو بدعت

نہیں کہتا بلکہ اس کو عبادت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا ذریعہ سمجھا کر اختیار کئے ہوئے ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہر مسلمان کی خیر خواہی کو اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے ہمدردی و خیر خواہی کے بیچ میں مسلمانوں کو حقیقت الامر سے واقف کیا جائے۔ تشدد طعنہ زنی، الزام تراشی کے طریقوں سے کلی اجتناب کیا جائے کہ ان سے کبھی کسی اصلاح نہیں ہوتی۔ بدعتی اور وہابی کے طعن آمیز خطابات سے پرہیز کیا جائے۔ اور کسی کے کلام کو توڑ مروڑ کر اس کے منشاء و مقصد کے خلاف اس پر الزام لگانا کھلا ہتھان ہے جس کے حرام ہونے میں کسی کو تردد کی گنجائش نہیں۔ آخرت کے حساب کو سامنے رکھتے ہوئے ان حرکات سے باز رہا جائے۔

اس مختصر سی گزارش کے بعد اصل مقصد پر آتا ہوں اور چونکہ اصل خرابی نادانانہ بدعت اور بدعت کو بدعت نہ سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے اس لئے پہلے بدعت کی تعریف اور پھر اس کی حقیقت لکھتا ہوں۔ ان اسرار الالاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

بدعت کی تعریف

اصل لغت میں بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں خواہ عبادات سے متعلق ہو یا عادات سے۔ اور اصطلاح شرع میں ہر ایسے نواجداد طریقہ عبادت کو بدعت کہتے ہیں جو زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین کے بعد اختیار کیا گیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہد مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہونے کے باوجود نہ قولاً ثابت ہے نہ فعلاً نہ صراحۃً نہ اشارۃً۔ بدعت کی یہ تعریف علامہ برکوی کی کتاب "الطریقۃ المجدیہ" اور علامہ شاطبی کی کتاب "الاعتصام" سے لی گئی ہے۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ عبادت اور دینی ضروریات کے لئے جو نئے نئے آلات اور طریقے روزمرہ ایجاد ہوتے رہتے ہیں ان کا شرعی بدعت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ وہ بطور عبادت اور بہ نیت ثواب نہیں کئے جاتے بشرطیکہ وہ کسی شرعی حکم کے خلاف نہ ہوں، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے قولاً ثابت ہو یا فعلاً صراحۃً یا اشارۃً وہ بھی بدعت نہیں ہو سکتی۔

نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس کام کی ضرورت عہد رسالت میں موجود نہ تھی، بعد میں کسی دینی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پیدا ہو گئی وہ بھی بدعت میں داخل نہیں جیسے مردہ مدارس اسلامیہ اور تعلیمی تبلیغی انجمنیں اور دینی نشر و اشاعت کے ادارے اور قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے صرف و نحو اور ادب عربی، فصاحت و بلاغت کے فنون یا مخالف اسلام فرقوں کا رد کرنے کے لئے متعلقہ فلسفہ کی کتابیں، یا جہاد کے لئے جدید اسلحہ اور جدید طریق جنگ کی تعلیم وغیرہ کہ یہ سب چیزیں ایک حیثیت سے عبادت بھی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہد میں بھی موجود تھیں۔ مگر پھر بھی ان کو بدعت اس لئے نہیں کہتے کہ ان کا سبب داخلی اور ضرورت اس عہد مبارک میں موجود نہ تھی، بعد میں جیسے جیسے ضرورت پیدا ہوتی گئی علماء امت نے اس کو پورا کرنے کے لئے مناسب تدبیریں اور صورتیں اختیار کر لیں۔

اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب چیزیں نہ اپنی ذات میں عبادت ہیں نہ کوئی ان کو اس خیال سے کرتے ہیں کہ ان میں زیادہ ثواب ملے گا۔ بلکہ یہ چیزیں عبادت کا ذریعہ اور مقدمہ سمجھنے کی حیثیت سے عبادت کہلاتی ہیں گویا یہ اجداث فی الدین نہیں بلکہ اجداث للدین ہے اور احادیث میں ممانعت اجداث فی الدین کی آئی ہے اجداث للدین کی نہیں۔ یعنی کسی منصوص دینی مقصد کو پورا کرنے کے لئے اگر ضرورت زمان و مکان کوئی نئی صورت اختیار کر لینا ممنوع نہیں۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن کاموں کی ضرورت عہد رسالت میں زمان مابعد میں پیدا ہے ان میں کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں اس کو بدعت کہا جائے گا۔ اور یہ اذرع حدیث ممنوعہ دنا جائز ہوگا۔

مثلاً دود و سلام کے وقت کھڑے ہو کر پڑھنے کی پابندی، فقراہ کو کھانا کھلا کر ایصال ثواب کرنے کیلئے کھانے پر مختلف صورتیں پڑھنے کی پابندی۔ نماز جماعت کے بعد پوری جماعت کے ساتھ کئی کئی بار دعا مانگنے کی پابندی، ایصال ثواب کے لئے تیمم، چہلم وغیرہ کی پابندی، رجب و

شعبان وغیرہ کی متبرک راتوں میں خود ایجاد قسم کی نمازیں اور ان کے لئے چراغاں وغیرہ اور پھر ان خود ایجاد چیزوں کو فرض و واجب کی طرح سمجھنا، ان میں شریک نہ ہونے والوں پر ملامت اور لعن طعن کرنا وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ درود و سلام، صدقہ و خیرات، اموات کو ایصالِ ثواب، تبرک راتوں میں نماز و عبادت، نماز کے بعد دعا، یہ سب چیزیں عبادات ہیں، ان کی ضرورت جیسے آج ہے ایسے ہی عہد صحابہ میں بھی تھی۔ ان کے ذریعہ ثوابِ آخرت اور رضائے الہی حاصل کرنے کا ذوق و شوق جیسے آج کسی نیک بندے کو ہو سکتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو ان سب سے زیادہ تھا۔ کون دعویٰ کرے کہ اس کو صحابہ کرام سے زیادہ ذوقِ عبادت اور شوقِ رضائے الہی حاصل ہے۔ حضرت حذیفہ ابن یمان فرماتے ہیں:

یعنی جو عبادت صحابہ کرام نے نہیں کی وہ عبادت نہ کرو
کیونکہ پہلے لوگوں نے پھلوں کے لئے کوئی کسر نہیں چھوڑی
جس کو بے پورا کریں، اے علماء خدا سے ڈرو اور پہلے لوگوں کے
طریقہ کو اختیار کر دو۔ اور اسی مضمون کی روایت حضرت ابو اللہ
بن مسعود سے بھی منقول ہے۔ (اعتصام الشاطبی ص ۳۱۰)

کل عبادۃ لم یعیدها اصحاب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعیدوها، فان
الاول لم یدع للآخر مقالاً فاتقوا اللہ
یا معشر المسلمین وخذوا الطریق من کان
قبلكم۔

بدعت کے ناجائز و ممنوع ہونے کی عقلی وجوہ! اب دیکھنا یہ ہے کہ جب یہ سب کام عہد صحابہ کرام میں عبادت کی حیثیت سے جاری تھے تو ان کے ایسے طریقے اختیار کرنا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے اختیار نہیں کئے ان کا فلسفہ اور حکمت کیا ہے، کیا یہ مقصد ہے کہ ان عبادات کے یہ نئے طریقے معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو معلوم نہ تھے، آج ان دعویداروں پر انکشاف ہوا ہے اس لئے انھوں نے اختیار نہیں کئے، یہ لوگ کر رہے ہیں۔

دین میں کوئی بدعت نکالنا رسول اللہ پر خیانت کی تہمت لگانا ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ ان کو معلوم تھے مگر لوگوں کو نہیں بتلایا، تو کیا یہ معاذ اللہ ان حضرات پر دین میں بغل و خیانت اور تبلیغ رسالت میں کوتاہی کا الزام نہیں ہے، اسی لئے حضرت امام مالک نے فرمایا ہے کہ جو شخص بدعت ایجاد کرتا ہے وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ رسالت میں خیانت کی کہ پوری بات نہیں بتلائی۔

بدعت نکالنا یہ دعویٰ کرنا ہے کہ دین عہد رسالت میں مکمل نہیں ہوا۔ ایک طرف تو قرآن کا یہ اعلان الیوم اکملت لکم دینکم یعنی میں نے آج تم پر مپنا دین مکمل کر لیا۔ دوسری طرف عبادات کے نئے نئے طریقے نکال کر عملاً یہ دعویٰ کہ شریعت اسلام کی تکمیل آج ہو رہی ہے۔ کیا کوئی مسلمان جان بوجھ کر اس کو قبول کر سکتا ہے، اس لئے یقین کیجئے کہ عبادات کا جو طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اختیار نہیں کیا وہ دیکھنے میں کتنا ہی بہترین اور دلکش نظر آئے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک اچھا نہیں، اسی کو حضرت امام مالک نے فرمایا ہے کہ لم یکن یومئذ دیناً لایکون الیوم دیناً۔ جو کام اُس زمانہ میں دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں کہا جاسکتا۔ انھوں نے ان طریقوں کو معاذ اللہ نہ تو نادانیت کی بنا پر چھوڑا تھا، نہ سستی اور غفلت کی بنا پر، بلکہ ان کو غلط اور معترضہ کر چھوڑا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز جو ثانی فاروق اعظم سمجھے جاتے تھے انھوں نے یہی مضمون اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔

آج اگر کوئی شخص مغرب کی نمازیں عین کے بجائے چار اکوت اور صبح کی دو کی بجائے تین یا چار پڑھنے لگے، یا روزہ مغرب تک رکھنے کے

بجائے عشاء کے بعد تک رکھے تو ہر مجاہد اور مسلمان اسکو بڑا غلط اور ناجائز کہے گا، حالانکہ اس غریب نے بظاہر کوئی گناہ کا کام نہیں کیا کچھ نیکیاں زیادہ پڑھیں کچھ اللہ کا نام زیادہ لیا۔ پھر اس کو بالاتفاق بڑا اور ناجائز سمجھنا کیا صرف اس لئے نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے اور سکھائے ہوئے طریقہ عبادت پر زیادتی کر کے عبادت کی صورت بدل ڈالی اور ایک طرح سے اس کا دعویٰ کیا کہ شریعت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل نہیں کیا تھا اس نے کیا ہے۔ یا معاذ اللہ آپ نے ادائے امانت میں کوتاہی اور خیانت برقی ہے کہ یہ سب اور مفید طریقہ عبادت لوگوں کو نہیں بتلائے۔

اب حوزہ کیجئے کہ نماز کی رکعات میں کے بجائے چار پڑھنے میں اور نمازوں اور عبادوں اور دوسلام کے ساتھ ایسی شریعتیں اور طریقے اضافہ کرنے میں کیا فرق ہے؟ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے منقول نہیں حقیقت یہ ہے کہ عبادات شرعیہ میں اپنی طرف سے قیدوں شرطوں کا اضافہ شریعت محمدیہ کی ترمیم اور تحریف ہے۔ اس لئے اس کو شدت کے ساتھ روکا گیا ہے۔

بدعت تحریف دین کا راستہ ہے! بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر عبادات میں اپنی طرف سے قیدیں شریعتیں اور نئے نئے طریقے ایجاد کرنے کی اجازت دیدی جائے تو دین کی تحریف ہو جائے گی۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ بھی پتہ نہ لگے گا کہ اصل عبادت جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی تھی کیا اور کیسی تھی۔ پچھلی امتوں میں تحریف دین کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ انھوں نے اپنی کتاب اور اپنے پیغمبر کی بتلائی ہوئی عبادات میں اپنی طرف سے عبادات کے نئے نئے طریقے نکالے اور ان کی رسم چل پڑی کچھ عرصہ کے بعد اصل دین اور ایجاد اشیا میں کوئی امتیاز نہ رہا۔

شریعت اسلام میں نفل فرض کی جدا کرنے کا اہتمام! شریعت اسلام نے چونکہ ہر فتنہ کے دروازہ کو بند اور فساد دین کے راستے کو روکا ہے اسی لئے اس کا بھی خاص اہتمام فرمایا کہ فرائض اور نوافل میں پورا امتیاز رہے۔ حقیقت کے اعتبار سے سے بھی اور صورت کے اعتبار سے بھی نمازوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تو یہ معمول رہا کہ مسجد میں صرف فرض نماز جماعت سے ادا فرمائے، باقی نوافل اور سنتیں بھی گھر جا کر پڑھتے تھے۔ اور جن نمازوں کے بعد سنت یا نفل نہیں ہے ان میں اگر نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنا اور کوئی ذلیفہ پڑھنا ہے تو بصورت نماز قبلہ رخ نہیں بیٹھتے بلکہ داہنی یا بائیں جانب پھر کر بیٹھتے ہیں تاکہ دور ہی سے ہر شخص یہ سمجھ لے کہ نماز فرض ختم ہو چکی ہے اب امام جو کچھ پڑھ رہا ہے وہ اختیاری چیز ہے۔ اصل سنت تو یہی ہے کہ نوافل اور نفل عبادات سب تنہائی میں اپنے گھر میں ادا کی جائیں۔ اور اگر مسجد میں ہی سنتیں پڑھنی ہوں تو بھی مسنون طریقہ یہ ہے کہ جماعت فرض کی ہیئت کو ختم کر دیا جائے۔ صفیں تو رڈی جائیں۔ لوگ آگے پیچھے ہو کر سنتیں پڑھیں۔ اسی طرح روزہ شرعاً صبح صادق سے عذوب آفتاب تک ہے۔ لیکن چونکہ رات کو سب لوگ عادتاً سوتے ہیں اور سونے کی حالت میں بھی کھانے پینے سے آدمی ایسا ہی رکارتہا ہے جیسا روزہ میں اس لئے سحری کھانا مسنون قرار دیا گیا تاکہ سونے کے وقت جو صورت روزہ کی ہوگی تھی اس سے امتیاز ہو جائے اور روزہ ٹھیک صبح صادق کے بعد سے شروع ہو۔ اسی لئے سحری کھانا بھی بالکل آخر وقت میں مستحب ہے، اسی طرح عذوب آفتاب یقیناً ہو جاتے ہی روزہ فوراً انکار کرنا چاہیے، دیر کرنا مکروہ ہے تاکہ روزہ کی عبادت کے ساتھ زیاد وقت کا روزہ میں اضافہ نہ ہو جائے۔

آج بھی یہ سب چیزیں بحمد اللہ مسلمانوں میں جاری ہیں مگر جمہالت دنا دنائفت سے ان چیزوں کی حقیقت سے بے خبری ہے صبح اور عصر کی نماز کے بعد عام طور پر ائمہ مساجد قبلہ کی جانب سے مرد کو تو بیٹھ جلنے میں مگر وہی پر نظر نہیں کہ یہ مرد ناکس غرض سے تھا کہ عملاً اس کا اعلان کر دیں

کہ اب فرض ختم ہو چکے، ہر شخص کو اختیار ہے جو چاہے کرے، جہاں چاہے جائے، مگر یہاں پوری جماعت کو پابند کر لیا ہے کہ جب تک تین مرتبہ دعا جماعت کے ساتھ نہ کر لیں اس وقت تک سب منتظر ہیں۔ پھر ان دعاؤں میں بھی خاص خاص چیزوں کی ایسی پابندی ہے جیسے کوئی فرض ہو، جب تک وہ خاص دعائیں نہ پڑھی جائیں عوام یوں سمجھتے ہیں کہ نماز کا کوئی جزوہ گیا۔

یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور شریعت اسلامیہ کی اعتیاد کی صریح مخالفت ہے، دعاؤں اور وظیفوں کو نماز فرض کے ساتھ اس طرح جوڑ دیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ یہ وظیفے اور دعائیں بھی گویا نماز کا جزوہ ہیں جو امام یہ دعائیں اور وظائف تمام مقتدیوں کو ساتھ لے کر نہ پڑھے اس کی نماز کو مکمل نہیں سمجھا جاتا، بلکہ اس پر طرح طرح کے الزام لگائے جاتے ہیں۔

بدعت حسنہ اور سنیہ

صحیح حدیث میں ہے کہ کل بدعتا ضلالتہ وکل ضلالتہ فی الناس یعنی ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔ اس سے علوم ہوا کہ اصطلاح شرع میں ہر بدعت سنیہ اور گمراہی ہے، کسی بدعت اصطلاحی کو بدعت حسنہ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ لغوی معنی میں نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں اس اعتبار سے ایسی چیزوں کو بدعت حسنہ کہتے ہیں جو صریح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہد مبارک میں نہیں تھی بعد میں کسی ضرورت کی بنا پر ان کو اختیار کیا گیا جیسے آج کل کے مدارس اسلامیہ میں اور ان میں پڑھائے جانے والے علوم و فنون، کراصل بنیاد تعلیم و تدریس اور مدرسہ کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اپنے خود فرمایا: انما بعثت معلما یعنی میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، لیکن جس طرح کے مدارس کا قیام اور ان میں جس طرح کی تعلیم آج کل ضرورت زمانہ ضروری ہو گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہد میں اس کی ضرورت نہ تھی آج ضرورت پیش آئی تو احیائے سنت کے لئے اس کو اختیار کیا گیا۔ جو تعریف بدعت کی ادھر لکھی جا چکی ہے اس کی رد سے ایسے اعمال بدعت میں داخل نہیں، لیکن لغوی معنی کے اعتبار سے کوئی ان کو بدعت کہہ دے تو بدعت حسنہ ہی کہا جائے گا۔ حضرت فاروق اعظم نے تراویح کی یکجا جماعت کو دیکھ کر اسی معنی کے اعتبار سے فرمایا: نعمت البعۃ ہذا یعنی یہ بدعت تو اچھی ہے۔ کیونکہ ان کو اور سب کو معلوم تھا کہ تراویح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھی اور پڑھائی اور زبانی اس کی تاکید کی اس لئے حقیقۃً اور شریعتاً تو اس میں بدعت کا کوئی احتمال نہ تھا البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک خاص عذر کی وجہ سے تراویح کی جماعت کا ایسا خاص اہتمام نہیں کیا گیا تھا جو بعد میں حضورؐ کی تعلیم کے مطابق کیا گیا۔ اس لئے ظاہری اور لغوی طور پر یہ کام بھی نیا تھا اس کو نعمت البدعتا خرما دیا۔ بدعت حسنہ کا اس سے زائد کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ من ابتداء بدعتی راھا حسنتا فقد زعم ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم خان السالۃ لان اللہ تعالیٰ بقول "الیوم املت لکم دینکم" فیما لکم یومئذ دینا لایکون الیوم دینا۔ (اعتقاد صفحہ ۱۷۱)

فاروق اعظمؓ کے ارشاد یا بعض بزرگوں کے ایسے کلمات کی اڑے کر طرح طرح کی بدعتیں بدعت حسنہ کے نام سے ایجاد کرنے والوں کے لئے اس میں کوئی وجہ جو از نہیں ہے۔ بلکہ جو چیز اصطلاح شرع میں بدعت ہے وہ مطلقاً ممنوع اور ناجائز ہے۔ البتہ بدعات میں پھر کچھ درجہ جاتا ہے۔ بعض سخت حرام قریب شرک کے ہیں، بعض مکروہ تحریمی، بعض تنزیہی۔

قرآن و حدیث اور آثار صحابہ و تابعین و ائمہ دین میں بدعات و محدثات کی خرابی اور ان سے اجتناب کی تاکید پر بیشمار آیات دروایا ہیں، ان میں سے بعض اس جگہ نقل کی جاتی ہیں۔

عصہ صرت لغوی اعتبار سے، در نہ حدیث میں ایسی کوئی تعظیم نہیں ہے، وہاں "ہر بدعت" کو گمراہی کہا گیا ہے (ایڈیٹر)

بدعت کی مذمت قرآن و حدیث میں | علامہ شاطبی نے کتاب "الاعتصام" میں آیات قرآنیہ کا کافی تعداد میں اس موضوع پر جمع فرمائی ہیں۔ ان میں سے دو آیتیں اس جگہ لکھی جاتی ہیں۔

(۱) وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا كُلٌّ حِزْبٌ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ۔

مت ہو مشرکین میں سے، جنہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کیا اپنے دین کو اور ہو گئے فرقے اور پارٹیاں۔ ہر ایک پارٹی اپنے طرز پر خوش ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا کہ اس سے مراد اہل بدعت کی پارٹیاں ہیں۔ (اعتصام ص ۶۵)

(۲) قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِبُونَ صَنْعًا

آپ فرمائیے کہ کیا میں تمہیں بتلاؤں کہ کون لوگ اپنے اعمال میں سبکے زیادہ خسارہ دکھیں، وہ لوگ جن کی سعی و عمل دنیا کی زندگی میں ضائع اور بیکار ہو گئی اور وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھا عمل کر رہے ہیں۔

حضرت علی کریم اللہ وجہ اور سفیان ثوری وغیرہ نے تفسیر اخسریں اعمالاً اہل بدعت سے کی ہے اور بلاشبہ اس آیت میں اہل بدعت کی حالت کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے خود تراشیدہ اعمال کو نیکی سمجھ کر خوش ہیں کہ ہم ذخیرہ آخرت حاصل کر رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک ان کے اعمال کا نہ کوئی وزن ہے نہ ثواب بلکہ الٹا گناہ ہے۔

ردایات حدیث بدعت کی خرابی اور اس سے رد کرنے کے بارہ میں بے شمار ہیں ان میں سے بھی چند ردایات لکھی جاتی ہیں۔

(۱) صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا لَيْسَ مِنَّا
فہورد (اعتصام بحوالہ بخاری)

جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی چیز داخل کرے جو دین میں داخل نہیں وہ مردود ہے!

(۲) اور مسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے۔

أَمَا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْأُمُورِ مَحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بَدْعٍ ضَلَالَةٌ أَخْرَجَ جَدًّا مُسْلِمًا وَفِي سُرُودِ النَّسَائِيِّ كُلُّ مَحْدَثٍ بَدْعٌ وَكُلُّ بَدْعٍ فِي النَّارِ (اعتصام ص ۶۶)

حمد و صلوات کے بعد مجموعہ بہترین کلام اللہ کی کتاب اور بہترین طریقہ اور طرز عمل محمد (صلعم) کا طریقہ اور طرز عمل ہے۔ اور بدترین چیز نو ایجاد بدعتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور نسائی کی روایت میں ہے کہ ہر نو ایجاد عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت جہنم ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ بھی یہی خطبہ دیا کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے خطبہ میں الفاظ مذکورہ کے بعد یہ بھی فرماتے تھے۔
انکم مستحدثون و محذات لکم فکل محذات ضلالت و کل ضلالت فی النار۔

تم بھی نئے نئے کام نکالو گے اور لوگ تمہارے لئے نئی نئی صورتیں عبادت کی نکالیں گے خوب سمجھ لو کہ ہر نیا طریقہ گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔

(اعتصام ص ۶۶)

(۳) صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص لوگوں کو میری ہدایت کی طرف بلائے تو ان تمام لوگوں کے

من دعا الی الہدی کان لذم من ابجر

مثل اجور من يتبعه لا ينقص ذالك
من اجور هم شيئا ومن دعالي ضلالت
كان عليه من الاثم مثل اثم من يتبعه
لا ينقص ذالك من اثمهم شيئا -

مثل کا ثواب کھٹے گا جو اس کا اتباع کریں بغیر اس کے کہ ان کے
ثواب میں کچھ کمی کی جائے۔ اور جو شخص کسی گمراہی کی طرف لوگوں
کو دعوت دے تو اس پر ان سب لوگوں کا گناہ لکھا جائے گا جو اس کا
اتباع کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کچھ کمی کی جائے۔

بدعات کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے والے اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والے اس کے انجام بد پر غور کریں کہ اس کا وبال تنہا اپنے
عمل ہی کا نہیں بلکہ جتنے مسلمان اس سے متاثر ہوں گے ان سب کا وبال بھی ان پر ہے۔

(۴) ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت عراب بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے باسناد صحیح روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ہمیں
خطبہ دیا جس میں نہایت مؤثر اور بلیغ وعظ فرمایا جس سے آنکھیں بہنے لگیں اور دل ڈر گئے۔ بعض حاضرین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آج کا وعظ تو ایسا
ہے جیسے رخصتی وصیت ہوتی ہے تو آپ ہمیں بتلائیں کہ ہم آئندہ کس طرح زندگی بسر کریں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

او صيكم بتقوى الله والسمع والطاعة
لولاة الامراء وان كان عبد حبشيا فان
يعيش منكم بعدى فسيري اختلافا كثيرا
فعلدكم بسنتي وسنته الخلفاء الراشدين
المهديين، تمسكوا بهما وعصوا عليهما
بالنواجذ، واياكم ومحدثات الامور فان
كل محدثة بدعتا وكل بدعتة ضلالة -

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور حکام
اسلام کی اطاعت کرنے کی۔ اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام
ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ
رہیں گے وہ بڑا اختلاف دیکھیں گے! اسلئے تم میری سنت اور
میرے بعد خلفاء راشدین ہدیہ سن کی سنت کو اختیار کرو اور اسکو
مضبوط پکڑو۔ اور دین میں نواجذ طریقوں سے بچو کیونکہ ہر نواجذ
طرز عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔

(المقام)

(۵) اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ۔

”جو شخص کسی بدعتی کے پاس گیا اور اس کی تعظیم کی تو گویا اس نے اسلام کو ڈھلنے میں اس کی مدد کی“ (المقام الشاطبی ص ۱۷۴)

(۶) اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

”اگر تم چاہتے ہو کہ پل صراط پر تمہیں دیر نہ لگے اور سیدھے جنت میں جاؤ تو اللہ کے دین میں اپنی رائے سے کوئی نیا طریقہ نہ پیدا کرو“ (المقام)

(۷) آجری کی کتاب السنہ میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذ احدث في امتي البدع، وشتم اصحابي
فليظهم لعالم علمه فمن لم يفعل فعليه
لعنة الله والملائكة والناس اجمعين -

جب میری امت میں بدعت پیدا ہو جائیں اور میرے
اصحاب کو برا کہا جائے تو اس وقت کے عالم پر لازم ہے کہ اپنے
علم کو ظاہر کرے اور جو ایسا نہ کرے گا تو اس پر لعنت ہے اللہ کی فرشتوں
کی اور سب انسانوں کی۔

(المقام ص ۱۷۴)

عبد اللہ بن حسن نے فرمایا کہ میں نے ولید بن مسلم سے دریافت کیا کہ حدیث میں اظہار علم سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ”اظہار سنت“

(۸) حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

”مسلمانوں کے لئے جن چیزوں کا مجھے خطرہ ہے ان میں سب سے زیادہ خطرناک دو چیزیں ہیں، ایک یہ کہ جو چیز وہ دیکھیں اس پر

ترجیح دینے لگیں جو ان کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ غیر شعوری طور پر گمراہ ہو جائیں۔ سنیل ٹوی نے فرمایا کہ یہ لوگ اہل بدعت ہیں۔

(۹) اور حضرت خدیفہ نے فرمایا کہ:

” خدا کی قسم آئندہ زمانہ میں بدعتیں اس طرح پھیل جائیں گی کہ اگر کوئی شخص اس بدعت کو ترک کرے گا تو لوگ کہیں گے

کہ تم نے سنت چھوڑ دی“ (اعتصام ص ۱۹ ج ۱)

(۱۰) حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ:

” اے لوگو! بدعت اختیار نہ کرو اور عبادت میں مبالغہ اور تہمتی نہ کرو، پرانے طریقوں کو لازم پکڑے رہو اس چیز کو

اختیار کرو جو از روئے سنت تم جانے ہو اور جس کو اس طرح نہیں جانتے اس کو چھوڑ دو۔“

(۱۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:

” آئندہ لوگوں پر کوئی نیا سال نہ آئے گا جس میں وہ کوئی بدعت ایجاد نہ کریں گے اور کسی سنت کو مردہ نہ کر دیں گے

یہاں تک کہ بدعتیں زندہ اور سنتیں برباد ہو جائیں گی۔“ (اعتصام ص ۹۵ ج ۱)

(۱۲) حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ:

” بدعت والا آدمی جتنا زیادہ روزہ نماز میں مجاہدہ کرتا جائے اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جاتا ہے۔“

نیز حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ ” صاحب بدعت کے پاس نہ بیٹھو کہ وہ تمہارے دل کو بیمار کر دے گا۔“

(۱۳) حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ:

” کوئی قول بغیر عل کے مستقیم نہیں اور کوئی قول دعل بغیر نیت کے مستقیم نہیں جب تک کہ وہ سنت کے مطابق نہ ہو۔“

(۱۴) ابو عمرو شیبانی فرماتے ہیں کہ

” صاحب بدعت کو توبہ نصیب نہیں ہوتی (کیونکہ وہ توبہ اپنے گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتا توبہ کیسے کرے)۔“

(۱۵) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ کلام حضرت امام مالکؒ اور تمام علماء رقت کے نزدیک ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے!

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سنتیں جاری فرمائیں اور آپ کے بعد خلفاء راشدین

نے کچھ سنتیں جاری فرمائیں ان کو اختیار کرنا کتاب اللہ کی تصدیق اور اطاعت

الہی کی تکمیل اور اللہ کے دین میں قوت حاصل کرنا ہے نہ ان میں تغیر

کرنا کسی کے لئے جائز ہے، نہ بدلنا اور نہ اس کے خلاف کسی چیز پر نظر

کرنا جو ان پر عمل کرے گا ہدایت پائیگا جو ان سنتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ

کی مدد حاصل کرنا چاہے گا اس کی مدد ہوگی اور ان کے خلاف کرے انہیں

کے راستے سے مخالف راستہ اختیار کیا اللہ تعالیٰ اس کو اسکی تجویز و اختیار

پر چھوڑ دے گا اور پھر جہنم میں چلا جائے گا اور جہنم بڑا ٹھکانا ہے۔

سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنا و دولة الابرار

من بعد لا سنا الاخذ بها تصديق للكتاب اللہ

واستكمال لطاعة اللہ وقوة على دين اللہ ليس

لاحد تغييرها ولا تبدلها ولا النظر في شيئا

خالفها من عمل بها مهتدا ومن انتصرا بها منصوبا

ومن خالفها اتبع غير سبيل المؤمنين ودولة اللہ

قوتی واصلو جہنم و ساءت مصير

مولانا محمد اسحاق بلندوۃ العلماء

توحید اور مسلمانوں کی مروجہ رسمیں

اسلام کا جو ہر اور جزو اعظم کیا ہے؟ اس سوال کا جواب صرف لفظ توحید سے دیا جاسکتا ہے۔ توحید کا مل اسلام اور صرف اسلام کا حصہ ہے۔ اور یہی وہ شے ہے جس پر اللہ نے ہر نبی اور اللہ کی ہر کتاب نے سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ کو دیکھو۔ کیا تعلیمات الہیہ اور دعوت نبویہ میں یہ سب سے زیادہ اہم نہیں معلوم ہوتی؟ حتیٰ کہ پورے دین کا حاصل "توحید" ہے۔ اور نوع انسانی کا کمال اسی پر موقوف ہے۔

ہمیں بجا طور پر فخر ہے کہ ہم محمد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نلام اور خزانہ توحید کے امین ہیں۔ آئیے اپنے نفوس کا جائزہ لیں کہ ہم نے اس امانت میں خیانت تو نہیں کی ہے؟

اقسام توحید لیکن اس تفتیش سے پہلے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ اسلام ہم سے جس توحید کا مطالبہ کرتا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس مسئلہ کو چھیڑنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ علم دین کی کمی اور ماحول کے اثرات نے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے بلکہ ان کی اکثریت کو اس سے بے خبر بنا دیا ہے۔ وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ لفظ توحید کا اسلامی مفہوم بس اتنا ہی ہے جتنا با اعتبار لغت اس سے سمجھ میں آتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے جو طرح طرح کی گرامیوں میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔

توحید کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کو ایک سمجھنا۔ اگر صرف اتنا ہی مفہوم توحید کی حقیقت قرار دیا جائے تو اس بارے میں اسلام کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہتی۔ میرے علم میں دنیا کے موجودہ مذاہب میں کوئی مذہب بھی ایسا نہیں ہے جو اس قدر توحید کا مدعی نہ ہو۔ قرآن مجید کا مطالبہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ مشرکین عرب بھی اتنی توحید کے قائل تھے۔ وہ بھی اللہ العالمین صرف ایک ہی ذات کو سمجھتے تھے اور اس کی ذات میں کسی کو شریک نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے معبودوں کو بھی اس سے فرد تتراد اس کا بندہ جانتے تھے۔ لیکن باوجود اس کے قرآن حکیم نے انہیں مشرک فرمایا ہے۔ اور آج ہم بھی اسلام کے علاوہ کسی مذہب کو بھی دین توحید نہیں سمجھتے۔ اگر توحید کا اسلامی مفہوم اتنا ہی ہوتا جتنا اپنی نادانانہ قضیت کی وجہ سے آج ہم سمجھ رہے ہیں تو ان اہل عرب کو قرآن مجید مشرک کیوں فرماتا اور آج کے بہت سے مدعیان توحید کو ہم اہل شرک میں کیوں شمار کرتے؟

ان واقعات کی روشنی میں یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلامی توحید لغوی توحید سے بالاتر ہے۔ اس کا مفہوم لغوی توحید سے جداگانہ وسیع تر اور اعلیٰ ہے۔

فطری توحید رب العالمین کو یگانہ نہ دیکھتا تسلیم کرنا فطرت انسانی کا تقاضا ہے۔ انسان فطرتاً اس کا خواہشمند ہوتا ہے

کہ اس کی سب احتیاجات کا تعلق صرف ایک ہی ذات سے ہے اسی تعلق کا ظہور ہماری روزمرہ کی زندگی میں ہوتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ شاید سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ معمولی سی بات ہے کہ ہم بازار کے قریب رہنا پسند کرنے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ہماری ضروریات ایک ہی جگہ سے پوری ہوں۔ ایک اذکر کی مانتھی کو ہر ملازم بہت سے اندروں کی مانتھی پر ترجیح دیتا ہے کسی معاملہ میں اگر ایک شخص کی خوشامد کافی ہو جاتی ہے تو متعدد آدمیوں کی خوشامد سے آدمی احتراز کرتا ہے۔ اسی قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جن کا مشاہدہ روزمرہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ اس نفسی حقیقت کی نقاب کشائی کرتے ہیں کہ انسان کا فطری میلان یہ ہے کہ اس کی احتیاجات کا تعلق صرف ایک ہی محتاج الیہ سے ہو۔

احتیاج عبادت کا سب سے قوی محرک ہے۔ انسان معبود اسی ہستی کو بنا لے جسے اپنا حاجت روا سمجھتا ہے۔ وہ فطرتاً چاہتا ہے کہ وہ ایک ہی ہو۔ فطرت اسے یہاں تک پہنچا دیتی ہے لیکن اس سے آگے لے جانے سے قاصر ہوتی ہے۔ اگر خارجی اثرات اسے کمزور نہ کر دیں تو ہر فرد انسان اس حد تک ضرورتاً قائل ہوگا کہ معبود برحق ایک ہی ہے۔ لیکن نبوی تفسیر سے محرومی اور خارجی اثرات فطرت کو مسح کر دیتے ہیں اور آدمی شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ آیہ کریمہ اور حدیث نبوی میں اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے:۔۔۔

فطرة الله التي فطر الناس عليها ما كل ولد على الفطرة فابواه يهودانه

او ينصرانه او يمجسانه

(اللہ کی فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے ہر بچہ دین فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔

مگر اس کے والدین (خارجی اثرات) اسے یہودی نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں)

فطرت باوجود کمزور و مغلوب ہو جانے کے بالکل مردہ نہیں ہو جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی زبان سے بھی

توحید کا دعویٰ سنتے ہیں جن کی پوری زندگی شرک و بت پرستی کی گندگی میں آلودہ ہے۔

گھانا اور پینا، سنا اور جاگنا بالکل طبعی چیزیں ہیں لیکن انبیاء کرام نے بتایا کہ کیا چیز کھانا چاہئے۔ **اسلامی توحید** اور یہاں نہیں، کس چیز کا پینا جائز ہے اور کس کا ناجائز۔ اور سونا کب مباح ہے اور کب حرام۔

اس طرح انبیاء و مرسلین نے اس فطری توحید کی تفصیل فرمائی۔ حیات انسانی پر اسے منطبق کیا اور ہمیں بتایا کہ اس اجمالی عقیدے کے اندر ایک عالم پوشیدہ ہے۔ اس کی سب سے زیادہ تفصیل معلم اعظم سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ جو شخص محض فطری توحید کو رضائے الہی کے لئے کافی سمجھتا ہے وہ گویا بعثت انبیاء کو بے مقصد قرار دیتا ہے

فطری توحید ستم ہے اور اسلامی توحید وہ شجرہ طیبہ ہے جو صرف تعلیمات محمدیہ (علیہ آلائہ نجات) کی آبیاری سے پیدا ہو سکتا ہے۔ کیا کسی نے شربے شجرہ دیکھا ہے؟ محض فطری توحید کو اختیار کر کے ان بہترین ثمرات کی توقع کرنا جو اسلامی توحید کے شجرہ طیبہ کے ساتھ مخصوص ہیں کیسی شدید غلطی ہے۔

اسلامی توحید کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اتنا وسیع کہ زندگی کا کوئی گوشہ اس کے باہر نہیں رہتا۔ اسلام اس شخص کو موجد کہتا ہے جس کی پوری زندگی اور اس کے ہر شعبہ میں توحید کا اثر ظاہر ہو۔ اور اس کی زندگی کا ہر حصہ شرک سے پاک ہو اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لئے ایک مختصر تمہید کی حاجت ہے۔

عبادت کا مفہوم کیا ہے؟ ہر وہ شخص جو عبادت کرتا ہے خواہ اللہ تعالیٰ کی یا غیر اللہ کی۔ وہ تھوڑا سا غرر کر کے اس سوال کا جواب دے سکتا ہے جب آپ عبادت کرتے ہیں تو درحقیقت آپ کے ذہن پر طاری ہوتی ہیں۔

(۱) آپ معبود کے سامنے اپنی انتہائی ولستی و ذلت کا اظہار کرتے ہیں۔ لفظ "انتہائی" میں کوئی مبالغہ نہیں ہے بلکہ یہ لفظ باب عبادت کی کنجی ہے۔ آدمی اپنے باپ کے سامنے بھی اپنی پستی کا اظہار کرتا ہے۔ حکومت اور دوسری قوتوں کے مقابلے میں بھی تذلل اختیار کرتا ہے۔ لیکن ذلت و پستی کے اس اظہار اور معبود کے سامنے اس کے اظہار میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اپنی انتہائی پستی و ذلت کا اظہار انسان معبود کے سوا کسی کے سامنے نہیں کرتا۔ یہ ایک وجدانی چیز ہے۔ جسے ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جس نے ایک مرتبہ بھی عبادت کی ہو۔

(۲) یہاں ایک دوسرا سوال ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ انسان ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس کا جواب بھی ہر شخص اپنے وجدان سے معلوم کر سکتا ہے بشرطیکہ اس نے ایک مرتبہ بھی عبادت کی ہو۔

ہم حکام کی تعظیم کرتے ہیں کیونکہ ان میں ہمارے لئے نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت و طاقت ہے۔ ہم علماء و مشائخ کی تکریم کرتے ہیں کیونکہ ان میں علم و پاکیزگی کے اوصاف پائے جلتے ہیں۔ اپنے والدین کا احترام بھی ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں اس لئے کہ انھیں اپنے وجود کا سبب اور اپنا بہت بڑا محسن جانتے ہیں۔ اسی قسم کی مثالیں تلاش کرنے پر بکثرت مل جاتی ہیں جو اس حقیقت پر روشنی ڈال رہی ہیں کہ انسان کسی کی تعظیم اسی وقت کرتا ہے جب وہ اسے اپنے سے قوی تر سمجھتا ہے یا وہ اپنا حاجتوں کا پورا کرنے والا جانتا ہے یا وہ (۳) اپنا محسن خیال کرتا ہے۔

ابھی مثال کی طرف سے توجہ نہ مٹائیے۔ غور کیجئے کہ حکومت یا علماء و مشائخ یا والدین کی جتنی تعظیم ایک سمجھدار اور صحیح العقیدہ شخص کرتا ہے کیا وہ عبادت کے حدود میں داخل ہے؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ ان اشخاص میں مندرجہ بالا تینوں اوصاف کا قائل تو ہے مگر اس درجہ میں نہیں جس درجہ میں وہ ان اوصاف کو معبود میں تسلیم کرتا ہے۔ یہ مثال ہمارے وجدان کی آنکھیں کھول دیتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان اوصاف کمال کے دو درجے ہیں ایک درجہ ادنیٰ ہے جسے ہم مخلوق کے لئے بھی ثابت کرتے ہیں اور ایک درجہ اعلیٰ ہے جسے ہم صرف خالق و معبود کے لئے مخصوص سمجھتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ حکومت کو بھی ایک قسم کی قدرت و طاقت حاصل ہے لیکن اسے قادر مطلق کی قدرت و عظیمہ سے کوئی نسبت و مشابہت بھی نہیں ہے۔ زید عمر و بکر سے بھی ہماری احتیاجات پوری ہوتی ہیں لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ اس حاجت روائی کو حق تعالیٰ کی شان باجت روائی سے وہ نسبت بھی نہیں جو ذرہ کو آفتاب سے ہوتی ہے۔ انسان کے احسان کا انکار ناشکری ہے مگر ایسے محسن حقیقی کے احسانات سے کیا نسبت؟ دونوں میں مقدار اور کمیت کا ہی فرق نہیں ہے بلکہ نوعیت کے لحاظ سے بھی کوئی مشابہت و نسبت نہیں ہے۔ علم اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے اس کا انکار کیسے کریں لیکن مخلوق کے علم کو ملک غلام کے علم کے ساتھ نہ کیفیت میں کوئی مشابہت نہ کمیت میں ہے۔ عہد و معبود کا یہ فرق اس قدر روشن اور جلی ہے کہ جاہل سے جاہل آدمی بھی وجدانی طور پر اسے محسوس کرتا اور اپنے اعتقاد کے مطابق اس پر عمل کرتا ہے

تمہید قدرے طویل ہو گئی مگر اسلامی توحید کے منور چہرے سے نقاب کشائی میں یہ اعانت کرے گی۔ اسلام جس توحید کا داعی ہے وہ صرف ذات حق تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اس کی دعوت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو ذات اور صفات

دونوں کے اعتبار سے یگانہ دیکھنا سمجھو۔ دوسرے مذاہب کی توحید صرف ذات یا زیادہ سے زیادہ بعض صفات تک محدود ہے۔ ان کی توحید ناقص بلکہ درحقیقت توحید کے لقب کی مستحق ہی نہیں ہے۔ کتاب میں کارشاد ہے۔

لیس کمثلہ شئی

راس کے (اللہ کے) مثل کوئی بھی نہیں ہے)

نہ اس کی ذات کے مثل کسی کی ذات ہے نہ اس کی کسی صفت کے مثل کسی میں کوئی صفت پائی جاسکتی ہے۔ وہ جس طرح اپنی عظیم الشان ذات کے لحاظ سے بے لظیر و بے مثال ہے۔ اسی طرح ہر صفت کے لحاظ سے بھی یکتا و یگانہ بے لظیر و بے مثال ہے۔

یہ ہے مفہوم اس توحید کا جس کی طرف اسلام دعوت دیتا ہے۔ اس حقیقت کا مستحکم یقین اور اعتقاد راسخ مسلمان ہونے کے لئے لازم و ضروری ہے۔ لیکن اسلام کا مطالبہ صرف اس عقیدے پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے بعد اس کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے۔ اس حصہ کا سرچشمہ درحقیقت یہی عقیدہ توحید ہوتا ہے۔ حیات موت کو پسند کرتی ہے۔ ذر کو ظلمت ناگوار ہے صلح فساد کے خلاف ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ توحید شریک کو گوارا کرے؟ توحید الہ العالمین کا یقین مستحکم فطرتاً اس کا طالب ہوتا ہے کہ مسلم کی زندگی کا کوئی گوشہ بھی اس کے حدود و حکومت سے خارج نہ ہو۔ حیات مسلم کے ہر حصہ پر اس کا سکہ رواں ہو اور اس کے کسی چھوٹے سے چھوٹے اور مخفی سے مخفی گوشہ میں بھی اشراک باللہ کا منہجوں سایہ نظر نہ آئے۔ اسلام کے اس وسیع مطالبہ کا مختصر عنوان یہ ہے کہ وہ توحید اعتقادی توحید عملی اور توحید حالی کا طالب ہے۔ یہ جامع تقسیم پوری انسانی زندگی کو اپنے احاطہ میں لے لیتی ہے۔ رب العالمین کا مطالبہ ہے:-

وما کان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکمۃ والنبوۃ ثم یقول للناس کو نعباد
الی فلاکن کو نو ربانیسین بماکنتم تعلمون الکتاب و بماکنتم قد رسولون
رکسی انسان کی یہ مجال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب حکمت و نبوت عطا فرمائیں
پھر وہ لوگوں سے کہے کہ میرے بندے بن جاؤ۔ لیکن ان حضرات کی یہ دعوت ہوتی ہے
کہ اللہ والے بن جاؤ۔ کتاب الہی پڑھنے پڑھانے کا یہی اقتضا ہے)

یہاں اس واقعہ کا اظہار بہت مفید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس میں کسی کو شریک ماننے
توحید اعتقادی والے دنیا میں تسلیم ہیں۔ لیکن انھیں مغفور نہیں سمجھا جاسکتا۔ ہاں یہ صحیح ہے۔ جو لوگ شریک
میں مبتلا ہیں۔ ان کی غالب اکثریت حق تعالیٰ کی کسی صفت میں کسی دوسرے کو شریک کرتی ہے۔ اس لئے اسلامی
توحید اعتقادی کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس بات کا پختہ اور غیر متزلزل یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی کسی
صفت میں بھی کوئی شریک نہیں ہے۔ اور جس طرح اس کی ایسی کوئی دوسری ذات نہیں پائی جاسکتی۔ اسی طرح
اس کی کوئی صفت بھی کسی دوسری ذات میں نہیں ہو سکتی۔ قرآن حکیم اور سنت سید المرسلین کا بھی یہی مطالبہ ہے
لیکن مقام حیرت و عبرت ہے کہ آج حقیقت ان لوگوں سے بھی مخفی ہو گئی ہے جو توحید کامل کے تنہا علمبردار ہیں
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلِكُمْ

(تم پہلے لوگوں (یہود و نصاریٰ) کی پیروی کرو گے)

یہ پیشین گوئی اس زمانہ میں پوری ہو رہی ہے۔ مندرجہ ذیل واقعات میں سے بکثرت میرے ذاتی مشاہدات ہیں۔ سنئے اور عبرت حاصل کیجئے:-

اسلام کے نام لیواؤں کا ایک اچھا خاصہ گروہ ایسا بھی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان "عبداللہ" نہیں سمجھتا بلکہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ (معاذ اللہ) خود حق تعالیٰ نے صورت محمدی میں ظہور فرمایا تھا۔ یہ باطل اور لغو عقیدہ کھلا ہوا شرک اور کفر ہے۔ لیکن لطیفہ یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام اور سنت کے سب سے بڑے وعیدار ہیں۔ اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر اور اللہ تعالیٰ کا بندہ کہے اسے خارج از اسلام ورنہ کم از کم المہینت والجماعۃ سے خارج سمجھتے ہیں۔

اس عقیدے کا باطل اور ضلالت اسلام ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ قرآن حکیم نے بار بار سید عباد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت و عبدیت کا صاف و سریخ اعلان فرمایا ہے۔ ارشاد حق ہے:-

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ

و آپ فرمادیجئے) کہ بے شک میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ میرے اوپر وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے)

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا

و آپ فرمائیے) کہ میرا پروردگار پاک ہے اور میں تو صرف ایک انسان اور اللہ کا رسول ہوں)

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَىٰ

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کو رات کے

وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف بھیجا)

چند آیات بطور نمونہ نقل کر دی گئیں ورنہ کتاب مہین میں یہ مضمون کثرت و تکرار اور صراحت و وضاحت کے

ساتھ وارد ہوا ہے۔ یہ اسلام کا ایک بدیہی مسئلہ ہے جس پر دلیل قائم کرنے کا مطالبہ ایسا ہی ہے۔ جیسے روز روشن میں آفتاب کے وجود کی دلیل طلب کی جائے۔

مندرجہ بالا مشرکانہ عقیدہ باطلہ غالباً ہندوانہ ماحول اور ویدانت فلسفہ کا اثر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ زیادہ تر

ان لوگوں میں پایا جاتا ہے جو حقیقی تصوف سے نا آشنا و محض ہیں۔ لیکن صرفیائے کرام کی شکل بنا کر ہندوانہ یوگ،

کو تصوف قرار دیتے ہیں۔ ان لوگوں نے مشائخ یہود و نصاریٰ کی طرح دوسرے مذاہب کے بہت سے باطل عقائد و

خیالات کو اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ یہ باطل عقیدہ بھی ہندوانہ عقیدہ اوتار کا دوسرا

جنم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ سب سے بلند و برتر ہے۔ شہنشاہ حقیقی کی بارگاہ

عالی میں جو مرتبہ قرب و رفعت سید کونین کو حاصل ہے۔ وہ نہ کسی فرشتہ کو حاصل ہے نہ کسی نبی کو۔ معلم اعظم اور افاضیہ

کہ ملک عالم نے اپنے خزانہ علم سے اس قدر اور حصہ عطا فرمایا ہے کہ سید العالمین کے مرتبہ غلطے پر بھی فائز ہو گئے۔ مخلوقات الہیہ میں دولت علم کا سب سے بڑا خزانہ خانم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ہے۔ لیکن باوجود اس کے سید الاولین و الآخین حق تعالیٰ کے بندے ہی ہیں۔ ان کے علم کو عالم الغیب و الشہادہ کے علم سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ مخلوق اور خالق عبد اور معبود کسی چیز میں بھی شریک نہیں ہو سکتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا اور آنحضرت کے علم شریف کو ہی کل معلومات پر محیط و لامحدود سمجھنا حق تعالیٰ کی صفت علم میں آنحضرت کو شریک بنانا ہے۔ لیکن آپ کریم کریم ہو گئے کہ مسلمانوں میں ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی بھی موجود ہے جو اس باطل کو حق کے ساتھ آمیز کرتے رہتے ہیں اور اسلام میں اس مشرکانہ عقیدے کی گنجائش نکالتے ہیں۔ بعض تو یہ غصب کرتے ہیں کہ بہت سے اولیاء اللہ بھی اسی طرح عالم الغیب سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم نے خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض تر جہان سے اس باطل عقیدے کی تردید کرائی ہے:-

ولو كنت اعلم الغيب لاستكثرت من الخير وما ماستي السوء

راگر میں عالم الغیب ہوتا تو بہت فائدہ اٹھالیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔

یہ آیت ایک مثال ہے۔ ورنہ اس مضمون کی آیتیں بکثرت ہیں۔

اعتیاضت کا پورا کرنا، نفع یا نقصان پہنچانا، ان سب امور کا حقیقی قلعہ حق تعالیٰ جل شانہ کی صفت ربوبیت سے ہے۔ اسلام تعلیم دیتا ہے کہ ہمارا رب اللہ ہے وہی رب العالمین ہے اور اس کے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ بطور نمونہ دو ایک آیتیں درج ذیل ہیں:-

ان هذه ائمتكم امة واحدة وانار بكمنا عبدون

یہ تمہارا دین ہے جو ایک ہی ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس میری ہی عبادت کرو۔

ان اللذین قالو ربنا اللہ ثم استقاموا تنزل علیہم الملائکۃ (الآیۃ)

وہ لوگ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب تو اللہ ہے۔ پھر اس بات پر جم گئے۔ ان کے

پاس (مرتے وقت) فرشتے آتے ہیں، (الآیۃ)

سلطان دارین داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کو دعوت توحید دیتے ہیں۔ اس کا حصہ قرآن کی زبان

میں یہ ہے:-

ولا یفخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ

اور اسی بات کو اخصیٰ رکھو کہ، اللہ کو چھوڑ کر ہم میں سے بعض بعض کو رب نہ بنائیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نبی، ولی، شہید، فرشتہ، جن وغیرہ کسی مخلوق کو نفع نقصان کا مالک و مختار کارساز

رہا جت رو سمجھنا اسے رب قرار دینا ہے جو کھلا ہوا شرک ہے۔ لیکن مقام رنج و الم ہے کہ سلطان المومنین کی

غلامی پر فخر کرنے والوں میں ایسے افراد اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں جو اولیاء اللہ اور بزرگان دین کو کارساز حاجت و

اور نفع و نقصان کا مالک و مختار سمجھتے ہیں۔ اپنے اسلام کی لاج رکھنے کے لئے عقیدہ معبود میں یہ فرق بیان کرتے

ہیں کہ حق تعالیٰ کی قدرت ذاتی ہے اور اولیاء اللہ کی عطائی۔ یعنی رب العالمین نے فلاں فلاں اولیاء اللہ یا انبیاء

کو فلاں فلاں احتیاجات پوری کرنے کا یا فلاں قسم کے نفع و نقصان کا مکمل اختیار عطا فرما دیا ہے۔ اب وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ یہ بعینہ وہی عقیدہ ہے جو اکثر مشرکین عرب رکھتے تھے اور جس کی تردید قرآن مجید نے بار بار فرمائی ہے۔ سلطان کو من صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ہر مخلوق سے بلند ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ آنحضرت کو اعلان کا حکم دیتا ہے :-

قل لا املك لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا اَلَا مَا شَاءَ اللّٰهُ

آپ فرما دیجئے کہ مجھے اپنے نقصان و نفع کا کوئی اختیار نہیں ہے مگر جو اللہ چاہے

قل انی لا املك لکم نفعًا ولا رِسْدًا

آپ فرما دیجئے کہ مجھے تمہیں نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں ہے

اس ارشاد حق کے بعد کسی دوسرے کے متعلق خواہ وہ ولی ہو یا نبی یا اور کوئی اس باطل عقیدے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟

یہ مشرکانہ عقیدہ باطل بھی غالباً ہندوانہ ماحول اور شیعوں سے اختلاط کا نتیجہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق اس قسم کے عقائد رکھتے ہیں۔

سعدی علیہ الرحمۃ کا مشہور شعر ہے :-

شَیْمٌ کَمِیْنٌ رَرِ رُوْزِ اُمَیْمِیْنِ

ہداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

شیخ نے اس شعر میں اہلسنت والجماعت کے عقیدہ شفاعت کی ترجمانی کی ہے۔ شفاعت برحق اور اس کا عقیدہ بھی حق۔ لیکن اس کے بارے میں بھی مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ میں شدید غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے جو شرک تک پہنچ گئی ہے۔

ان لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض اولیاء اللہ کا ایسا دباؤ ہے کہ وہ ان کی شفاعت قبول کرنے پر معاذ اللہ مجبور ہے۔ عام طور پر اسے محبت کا دباؤ سمجھا جاتا ہے۔ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ یہ حضرات شفاعت کے بارے میں مختار مطلق ہیں۔ بلکہ جنت انہیں دے دی گئی ہے جسے چاہیں اس میں بھیج دیں۔ یہ عقیدہ سراسر باطل اور خلاف اسلام ہے۔ جزا و سزا و آخرت کا کامل اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لئے ثابت کرنا حق تعالیٰ کی صفت

مالک یوم الدین

اللہ تعالیٰ مالک یوم جزا

میں اسے شریک کرنا ہے۔

مندرجہ بالا مفہوم میں عقیدہ شفاعت و حقیقت یہود و نصاریٰ کے عقیدہ شفاعت کا نقش ثانی ہے۔ اسلامی عقیدہ شفاعت کو اس سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ قرآن مجید نے اس باطل عقیدے کی بار بار تردید کی ہے۔ ادویصح عقیدہ شفاعت کی تعلیم دی ہے۔ ایک دو آیتیں سن لیجئے

ومن یشفع عندہ الا باذنہ

و بغیر اس کی (اللہ کی) اجازت کے اس کے سامنے کون شفاعت کر سکتا ہے،

لا یملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمن عهدا

رکوعی شفاعت کا اختیار نہ رکھے گا۔ مگر صرف وہ جس نے رحمن سے اجازت لی ہوگی،

بے شک شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم، دوسرے انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ و التسلیم اور ان کے طفیل میں اولیاء اللہ اور بزرگان یہ سب روز قیامت شفاعت فرمائیں گے۔ لیکن ان کی شفاعت حق تعالیٰ کی اجازت کی محتاج ہوگی اور اسی کے بعد ہوگی۔ شہنشاہ حقیقی ان کی شفاعت قبول کرنے پر مجبور نہیں ہے۔ اس سے ایسی شفاعت کو قبول کرنے نہ کرنے کا کامل اختیار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو حق شفاعت اس لئے عطا فرمائینگے کہ اپنی بارگاہ میں ان کا مقرب ہونا مخلوق پر ظاہر فرمائیں اور ان کے درجات و مراتب میں ترقی عطا فرمائیں یہ نہیں لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے جن کے متعلق مالک حقیقی کی اجازت ہوگی۔ بغیر اذن الہی یہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکیں گے۔ ضمناً شفاعت کے متعلق ایک اور باطل عقیدے کی تردید یہاں ضروری معلوم ہوتی ہے جو غالباً شیعوں کی صحبت کا اثر ہے۔

کولبا کے ہنود ہناک واقعہ کو عوام اہل سنت نے دوسروں سے متاثر ہو کر اسے ایک دوسرا ہی رنگ دے دیا ہے مشہور یہ ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے امت کی مغفرت کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آنحضرت کے دونوں نواسوں کی قربانی پیش کرنے کی شرط رکھی تھی۔ رحمۃ للعالمین اس سے انکار کیسے فرما سکتے تھے۔ حضرت حنین رضی اللہ عنہما کی قربانی باب جنت کی کنجی ہے۔ جس نے امت محمدیہ کے لئے اسے کھول دیا اور جہنم کا دروازہ اس کے لئے بند کر دیا۔ اس کے لئے محضر کی ایک من گھڑت روایت بھی شہادت ناموں میں لکھ دی گئی۔ اس باطل عقیدہ کفارہ کی جڑیں مسیحیت میں ملیں گی۔

شفاعت کے متعلق مندرجہ بالا تفصیل کے بعد اس عقیدہ کا بھل، باطل اور گمراہ کن ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔

یہ عقیدہ اگرچہ شرک میں داخل نہیں ہے لیکن انتہائی گمراہ کن ہے۔ اس لئے ضمناً اس کا تذکرہ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ حاضر و ناظر ہے اور اس کے احاطہ علم سے کوئی شے بھی باہر نہیں ہے۔ مسلمانوں میں اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اولیاء اللہ اور بزرگان دین کو بھی ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھتے ہیں۔ بعض عرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ اعتقاد کھلا ہوا شرک ہے جس کی وضاحت غیر ضروری ہے۔

آئندہ صفحات میں جن مشرکانہ رسوم و اعمال کا تذکرہ کرنا ہے۔ ان کی بنیاد کسی نہ کسی مشرکانہ عقیدہ پر قائم ہے۔ اس لئے توحید اعتقادی پر روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوا۔ عمل پر غور کرنے کے بعد اس کے منقطعہ کو معلوم کر لینا زیادہ دشوار نہیں ہے۔

توحید عملی | انسانی تعلقات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ لیکن ان کی نوعیت اور ان کی عملی شکلوں میں اختلاف ہے

جو برتاؤ والدین کے ساتھ کیا جاتا ہے وہ بیوی کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا۔ بھائی بہنوں کے ساتھ وہ طریقہ نہیں بڑھا جاسکتا جو دوست احباب کے ساتھ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ ارباب تکبریت سے ملنے کا طریقہ تاجروں سے ملاقات کے طریقے سے مختلف ہوتا ہے۔ طرز عمل کا یہ اختلاف نوعیت تعلق کے اختلاف پر مبنی ہوتا ہے۔ کس قدر ہندوق اور بدسلیقہ ہے وہ شخص جو اس اختلاف کو نظر انداز کر دے۔ کیا رائے ہے آپ کی اس شخص کے متعلق جو اپنے والدین کے ساتھ وہی طرز گفتار اختیار کرے جو وہ اپنے بے تکلف دوستوں کے ساتھ اختیار کرتا ہے؟ ایسے رکیک الحركات آدمی کی صورت دیکھنا بھی شاید آپ گوارا نہ کریں۔

حق تعالیٰ کے ساتھ ہمارے تعلق کی ایک خاص نوعیت ہے۔ وہ خالق ہے ہم مخلوق، ہم عبد ہیں وہ معبود، وہ مالک ہے ہم مملوک۔ کیا ہمیں اس قسم کا تعلق اللہ کے علاوہ کسی دوسرے سے بھی ہے۔ یقیناً نہیں۔ اس کا نتیجہ صریح یہ ہے کہ جو طرز عمل ہم اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ساتھ اختیار کرتے ہیں وہ کسی اور کے ساتھ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ عملی زندگی کا ہر قدم اسی اصول کی روشنی میں اٹھانا اور اس کے ہر جزو کو اسی رنگ میں رنگ دینا توحید عملی ہے۔ اس کی خلاف ورزی یقیناً شرک ہے۔ کاش اُمت محمدیہ علیہ الف الف تحیۃ اس سے محفوظ رہتی۔ لیکن صدافسوس کہ یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمانوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد اس ہلک مرض میں مبتلا ہے اور ایسے رسوم و اعمال کی پابندی جو میرٹھا توحید کے منافی اور سبکدست شرک میں آلودہ ہیں۔ نمونے ملاحظہ ہوں۔

عالم میں عجائبات بکثرت ہیں لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز اگر آپ کو دیکھنا ہو تو کسی بزرگ کے مزار پر چلے جائیے۔ اگر آپ میں شعور دینی کا کوئی حصہ بھی موجود ہے تو آپ متحیر و ششدر ہو کے رہ جائیں گے کہ یا اللہ یہ کون مخلوق ہے جو ایک طرف توحید کی مدعی ہے اور دوسری طرف مزاروں کے سامنے سجدے بھی کر رہی ہے۔ ان پر چڑھا دے بھی چڑھا رہی ہے۔ صاحب مزار سے دعائیں بھی مانگ رہی ہے۔ اپنی حاجتیں ان کے سامنے پیش کر کے نذریں اور منیتیں مان رہی ہے۔ غرض جو کچھ مندروں میں ہوتا ہے۔ وہ سب آپ دہاں بھی ہوتا ہوا دیکھیں گے۔ فرق یہ ہے کہ مندروں میں بت پرستی کرنے والے اپنی بت پرستی کے معترف ہیں۔ مگر مزار پرستی اور اولیاء پرستی کے شرک مرتکب کار تکاب کرنے والے وہ لوگ ہیں جو توحید کامل کے دعویدار اور سلطان المؤمنین صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں شمار کئے جاتے ہیں۔

دعا کے معنی ہیں پکارنا۔ یہ پکارنا حاجت روائی کے لئے ہو یا دفع مصیبت کے لئے یا امداد و اعانت کے لئے یا عنایت توجہ حاصل کرنے کے لئے، سب صورتیں دعا میں شامل ہیں اور حدیث نبوی ہے:

الدَّعَاءُ مَتَّحُ الْعِبَادَةِ

(دعا و عبادت کا مغز ہے)

دوسری روایت میں ہے :-

الدَّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ

(دعا ہی عبادت ہے)

اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو مندرجہ بالا مقاصد میں سے کسی مقصد سے پکارنا یا باننا ظر و غیر اللہ سے دعا کرنا

اس کی عبادت کے مرادف ہے۔ کس قدر حیرت انگیز اور افسوسناک ہے یہ بات؟ کہ لا الہ الا اللہ واللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے) کا قائل اس شرک صریح کے گندہ نامے میں غوطہ لگا ہے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی است

ایک بزرگ کے بقول احتیاج شیروں کو "روباہ مزاج" بنا دیتی ہے۔ مشہور مثل ہے "صاحب الغرض مجنون" کون ہے جسے احتیاجات نہ ہوں اور کتنے ہیں جو اس جنون سے بالکل مامون ہوں۔ اس کے بعد شرک میں مبتلا کا خطرہ بھی قوی ہو جاتا ہے۔ اس لئے قرآن حکیم نے اسی توحید و عالی پر بار بار زور دیا ہے اور حق تعالیٰ کی صفت ربوبیت کی خوب وضاحت فرمائی ہے۔ کیونکہ اللہ رب العالمین کے علاوہ کسی دوسرے سے دعا کرنا اسے حق تعالیٰ کی صفت ربوبیت میں شریک کرنا ہے۔ اور اشراک باللہ کی یہ قسم سب سے زیادہ عام ہے۔ چند ارشادات الہیہ پر اکتفا کرنا تو ضیح دعا کے لئے کافی ہے۔

قل انما ادعوا ربی و لا اشرک بہ احداً

کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں دعا کرتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ (عبادت و دعا میں) کسی کو شریک نہیں کرتا،

آیت میں "دعا" کو ذات حق جل شانہ کے ساتھ مخصوص فرمایا گیا ہے اور اس کے خلاف کرنے کو یعنی غیر اللہ سے دعا کرنے کو شرک فرمایا گیا ہے۔ براہت کا اظہار فرمایا گیا۔ لفظ "انما" انحصار کی صراحت کرتا ہے۔ اسی طرح لفظ "احداً" کا عہد بھی قابل غور ہے۔ انبیاء، اولیاء، شہداء، جن، ملائکہ کسی سے بھی دعا مانگنا شرک صریح ہے۔ یہاں تاکہ کہ سرور کونین سلطان دارین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دعا مانگنا داخل شرک ہے۔

ومن یدع مع اللہ الہاً آخرلاً برہان لہ بہ وانما حسابہ عند ربہ انہ لا یفلح الکافرون
اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو بھی پکارتا ہے (یعنی دعا و عبادت میں شریک کرتا ہے) اس کے پاس (اس شرک کی) کوئی دلیل نہیں ہے اور اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہوگا۔ بے شک کفر کرنے والے کامیاب نہیں ہونے۔

یہود و نصاریٰ کے متعلق قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا ہے :-

اتخذوا حبارہم و رهبانہم ارباباً من دون اللہ

(انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کو چھوڑ کر اپنا رب بنا لیا ہے)

کلام خیر الانام میں اس کی تفسیر یہ وارد ہوئی ہے کہ وہ لوگ اپنے علماء و مشائخ کو تخیل و تخریم کے بارے میں بالکل خود مختار سمجھتے تھے۔ آج مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ بھی اسی قسم کے شرک میں مبتلا ہے۔ یعنی خدا پرست کے بجائے پیر پرست بنا ہوا ہے۔ پیر صاحب کیسے ہی ناسق و ناجر کیوں نہ ہوں۔ مرید کی عقیدت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ عبادت کا ایک فاسق طریقہ ہے۔ جس پر عمل کرنا بعض مہر قوں میں ہر مسلمان کے لئے ضروری ہوتا ہے مگر توحید پر ایمان رکھنے والا یہ بھی سمجھتا ہے کہ ہر قسم کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے جس طرح دن کی روشنی طلوع آفتاب کا یقینی اور جیسی نتیجہ ہے۔ اسی طرح اس کلیہ سے یہ جزئیہ بھی بدارتہ سمجھ

میں آتا ہے کہ قربانی بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن ان لوگوں کی عقل و خرد کی تعزیت کن الفاظ میں کی جائے جو پیروں اور شہیدوں کے نام پر قربانیاں کر کے اپنے جذبہ توحید کو کندھ چھری سے ذبح کرتے ہیں۔ حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ کے نام پر قربانی کرنا تو اس قسم کے لوگوں میں عام ہے۔ لیکن بعض دوسرے حضرات کے نام بھی اس سلسلہ میں آجاتے ہیں۔ ایک آدھ ایسے بھی ہیں جنہیں ولی اللہ بھی نہیں سمجھتے مگر ان کے نام پر مرغ و فیسرہ کی قربانی کرتے ہیں۔ بعض تو ظاہری پر وہ بھی اٹھا دیتے ہیں یعنی جانور کو مزار پر لے جا کر قربان کرتے ہیں۔ مندروں میں جربھینٹ چڑھائی جاتی ہے اس میں اور اس میں ظاہری فرق بھی نہیں باقی رہتا۔

دین سے جہالت، فسق، ہوا پرستی، مشرکانہ ماحول ان چیزوں نے مل کر اس موحد قوم کے ہر شعبہ زندگی میں شرک کی آمیزش کر دی ہے۔ معاشرت کی ابتدا شادی سے ہوتی ہے۔ اسلام میں یہ ایک مبارک معاہدہ ہے لیکن مسلمانوں نے اسے بھی سوست شرک میں آلودہ کر دیا۔ دنوں اور ناریخوں کے سعد و نحس ہونے کا اعتقاد دراصل ستارہ پرستی کا ایک بچہ ہے جو اس کے مرنے کے بعد بھی زندہ ہے۔ اور تعجب ہے کہ موحدین نے اسے پاک بنا لیا ہے۔ اس باطل عقیدے کا اثر یہ ہے کہ تقرب سے پہلے منجم یا جوتشی سے دن تاریخ کے سعد و نحس ہونے کے متعلق دریافت کیا جاتا ہے۔ یہی کیا کم ہے مگر نجومی کا کام اسی پر ختم نہیں ہو جاتا۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس سے زائچہ بنایا جاتا ہے۔ جس میں اس کی ساری زندگی کے متعلق پیشین گوئی ہوتی ہے۔ ان افعال قبیحہ کو بھی شرک نہ کہا جائے تو شرک کس چیز کا نام ہے۔ حدیث نبوی میں بڑی شدت کے ساتھ نجومیوں سے خبریں پوچھنے کی ممانعت آئی ہے۔ معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ منجم سے آئندہ واقعات پوچھنا اسے عالم الغیب سمجھنے کے مراد ہے اور یہ اشراک باللہ کے ہم معنی ہے۔

رخصتی کے وقت بعض اوقات امام فنامن باندھا جاتا ہے۔ یعنی امام، کو وہاں دو لہا کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں انہیں حاضر و ناظر اور ہر قسم کی اہل اہل پر قادر سمجھا جاتا ہے۔ یہ کھلا ہوا اشراک باللہ ہے امامت کا عقیدہ بھی خالص شیعہ عقیدہ ہے۔

شادی بیاہ میں بعض اور بھی رسمیں بعض مقامات میں ہوتی ہیں جو عدو و شرک میں داخل ہیں۔ ان کی تفصیلات بجز طوالت نظر انداز کرتا ہوں۔

استنقا کیجئے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے توحید عملی کو بہت نظر انداز کیا ہے۔ چند اعمال و رسوم کا تذکرہ حاصل استنقا پر مبنی نہیں ہے۔ ان کے علاوہ کبھی بہت سے اعمال و رسوم آپ کو ملیں گے جو عدو و شرک میں داخل ہیں۔ مثلاً فیراتہ کی فیس کمانا۔ ٹونے ٹونے کرنا چیک کو دفع کرنے کے لئے سینٹلا پوجا کرنا اور اسی قسم کے بیسیوں مشرکانہ اعمال ہیں جن میں مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد مبتلا ہے جن میں جہلا بھی ہیں اور پڑھے لکھے بھی۔ مزید انہوں میں اس پر ہے کہ تعلیم یافتہ ان مشرکانہ اعمال کی گندگی پر دور از کار تاویلات کی مٹی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس حال کو بھی ممکن فرض کر لیا جائے کہ اس قسم کے اعمال فساد عقیدہ سے محفوظ ہیں تو بھی شرک عملی کا سیاہ و اغان کی پیشانی پر لٹکا رہے گا۔ دین توحید تو صورت شرک کو بھی حقیقت شرک کی طرح ملموں قرار

توحید عالی | محبت، تسلیم و رضا، خوف، امتنا و یہ سب ہمارے نفس کے کیفیات و حالت ہیں جو اضافی پہلو بھی رکھتے ہیں۔ یعنی ان کا تعلق کسی دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے۔ محبت کے لئے کسی مجرب کا وجود ضروری ہے۔ امتنا کسی پر ہوتا ہے۔ و علیٰ ذہ القیاس۔

یہ اور انہیں کے مثل بعض دوسری نفسی کیفیاتیں دو گونہ تعلق رکھتی ہیں یعنی ان کا تعلق مخلوق سے بھی ہوتا ہے اور خالق سے بھی۔ مثلاً محبت ہمیں اپنے والدین سے بھی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے بھی۔ لیکن وجدانی طور پر ہم ان دونوں تعلقات میں فرق محسوس کرتے ہیں۔ ان کا ایک درجہ مخلوق کے لئے ہے اور ایک درجہ خالق کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ مخصوص درجہ طاق ہی کے ساتھ مخصوص ہے کسی دوسرے کو نہ دیا جائے۔ اسی چیز کا نام توحید عالی ہے۔ مثلاً والدین، اولاد، اقارب، احباب، مال و دولت، وطن و مسکن ہر چیز کی محبت طبعی ہے۔ شریعت اس محبت پر کوئی ملامت نہیں کرتی لیکن اس محبت کی ایک حد ہے اس سے تجاوز و حدود توحید سے تجاوز ہے۔ کیونکہ اس سے بلند درجہ صرف حق تعالیٰ جل شانہ۔ کتاب ارشاد و ربانی سنئے :-

من یمناس من یخذ من دون اللہ انداداً یحبونہم کحب اللہ والذین امنوا شد حباً للہ

د بعض اشخاص اللہ کو چھوڑ کر بعض دوسروں کو اس کے مثل سمجھتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے کرنا چاہئے۔ اور اہل ایمان کا حال یہ ہے کہ وہ سب زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھتے ہیں، کوئی ایسا ہی پیمانہ دنیا میں موجود نہیں ہے جس سے ناپ کر بتایا جاسکے کہ فلاں قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت مخلوق کی محبت سے زیادہ ہے یا کم۔ لیکن اس کے لئے عملی پیمانہ موجود ہے جس سے ہر شخص اپنے دل کا امتحان کر سکتا ہے جب مخلوق و خالق کی رضا کا مقابلہ ہوتا ہے۔ ایمان کا تقاضا اور محبت الہی کا اقتضایہ ہے کہ مالک و محبوب حقیقی کی رضا کو اختیار کیا جائے اور ان کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ خواہ اس راستہ میں اقربا و احباب کی طرف سے منہ موڑنا پڑے یا اپنی جان و آبرو سے تعلق توڑنا پڑے۔ اگر دل میں یہ جذبہ نہیں تو بلاشبہ توحید عالی حاصل نہیں ہے۔

دلوں کا حال علام الغیوب جانتا ہے۔ ہم ظاہر میں تو صرف ظاہر کو دیکھ کر دل کے متعلق اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہمیں تزیہ نظر آتا ہے کہ "توحید جہی" کی جنس گراں مایہ آج اس قدر کمیاب ہو چکی ہے کہ بہت تلاش و جستجو سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ اس کے سب سے بڑے دوکاندار مشائخ تھے جن کی آتش دل کی چنگاریاں دور و دور تک دلوں میں آگ لگا دیتی تھیں۔ مگر ان میں سے اکثر کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں شعلہ طور کی تھلی کے بجائے آتش فرود کی پیش محسوس ہوتی ہے۔ احکام شرعیہ کی خلاف ورزی ان کا شعار۔ سنت نبویہ سے سرکشی ان کی طبیعت نامیہ۔ شرک و بدعت کے جذام میں مبتلا ہیں اور دوسروں تک اسے متعدی کرنے کے ور ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان کے دلوں میں محبت الہی کے بجائے محبت دنیا نے گھر کر لیا ہے۔ یہ حال صوفیا و مشائخ کے ایک بڑے گروہ بلکہ ان کی اکثریت کا ہے۔ لیکن سب کو ایسا ہی سمجھنا سخت غلطی ہے۔ آج بھی ایسے حضرات اس طبقہ میں موجود ہیں جن کے مقدس چہروں کا دیکھنا ہی محبت الہی کی فطری چمکادی کو ہر ادیتا ہے اور ایمان میں قوت و طاقت پیدا کرتا ہے۔

محبت الہی کا تذکرہ بھی مومن کو مجرب ہوتا ہے۔ اس لئے اس لذیذ حکایت کی یہ معمولی سی طوالت غالباً کسی کے لئے باغیاظنہ ہوگی۔ بات ختم کر رہا تھا کہ رو ایک "اپ لڑٹیٹ" قسم کے شرک یا آگے جو اگرچہ شرک و تقوادی اور علی میں داخل ہیں لیکن ان کی بنیاد اس محبت سے ہوتی ہے۔

پہلی چیز تو وطن پرستی ہے جو بلا تکلف خدا پرستوں کے فیشن میں بھی داخل ہو گئی ہے۔ وطن کی محبت ایک طبعی شے ہے اور اس کے کچھ حقوق بھی ہیں۔ یہاں تک انکار نہیں ہے بلکہ اس طبعی اقتضا کی خلاف ورزی پر شریعت اسلامیہ بھی نکیر کرتی ہے۔ لیکن ان سب کی ایک حد ہے، اس وقت یہاں نے وطن کو ایک معبود بنا لیا ہے۔ اس کی تقدیس۔ اس کے لئے اخلاق و انسانیت کے ہر اصول کو توڑنے پر آمادگی۔ اس کی محبت کا درجہ دین مذہب وغیرہ ہر چیز کی محبت سے بالاتر سمجھنا۔ اس کے لئے احکام الہی سے منہ موڑنا۔ یہ سب امور کیا اسے معبود کا درجہ نہیں دے دیے ہیں؟ اور کیا یہ شرک نہیں ہے؟ اسلام میں عیب و وطن بہت مستحسن ہے بلکہ مامور بہ ہے۔ لیکن وطن پرستی کی اس میں کوئی گنجائش نہیں۔ افسوس ہے ان مسلمان بھی اس مغربی شرک کو اپنی زندگی کا جزو بنا چکا ہے۔ اور ہر جگہ اسلامی ممالک سے مغربی ممالک کے خلاف جنگ کی خبریں آئیں۔ آنکھیں دیکھنے کو اور کان سننے کو تیس گئے کہ کہیں ترقی پسند مسیحا اللہ کا لفظ دکھائی یا سنانی دیتا لہیت کی روح کے بجائے ہر طرف وطنیت کی روح کا رفرما نظر آئی۔

ایک دوسرا بتا ہے ایران کے ایک صنم خراش نے تراشا لکھا۔ انسانیت کے نام سے مرموم ہے۔ یہ بھی فی نفسہ قابل قدر و محبت شے ہے۔ لیکن ایک گروہ نے اسے ہی معبود کا درجہ دے دیا ہے۔ اختلاف انسانیت کی محبت سے نہیں ہے بلکہ اس محبت و عظمت میں خلل اور افراط سے ہے۔ یہی حقیقت ایک فلسفیانہ تخیل اور عمل دو چیزوں کا ایسا عجیب مرکب ہے جس کے اجزاء کے درمیان کوئی کشمکش نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے پختار جب خیالی دنیا سے عملی دنیا کی طرف آتے ہیں تو خود اپنے ہاتھ سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ اسلام کا موقف ظاہر ہے۔ انسانیت تو اسی اس کے نزدیک لرض لیکن انسانیت پرستی اس کے نزدیک غلاف فطرت اور شرک ہے جس کی اس میں کوئی گنجائش نہیں۔

محبت کی طرح اعتماد کے بھی دو درجے ہیں۔ ایک درجہ مخلوق کے لئے ہے اور دوسرا رب العالمین کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس تخصیص کو باقی رکھنا توحید فی الاعتقاد ہے جس کا اصطلاحی نام دین قیوم میں توکل ہے۔ ارشاد حق ہے:

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ

داعی ایمان کو صرف اللہ پر توکل و اعتماد کرنا چاہئے،

خوف طبعی مخلوق سے بھی ہوتا ہے اور اسلام اس کی اجازت دیتا ہے لیکن اس کی ایک حد ہے جس کے آگے خوف کا وہ درجہ ہے جس کے متعلق فرمان باری ہے:-

وَأَيُّ قَوْمٍ يَرْهَبُونَ

اور صرف مجھ سے ڈرو،

یہ چند اشارات ہیں جن پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ مضروب بہت طویل ہو جائے گا۔ توحید عالی خود ایک مستقل موضوع ہے جو شرح و بسط لہذا چاہتا ہے۔ بشرط توفیق اس پر پھر کسی ذلت روشنی ڈالوں گا۔ آخر میں ایک جامع آیت لقل کرتا ہوں جو توحید کے سب ابواب کا خلاصہ۔ دامن کی زندگی کا مکمل دستور العمل۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کا مطالبہ ہے:

ان صلواتی و نسکى و محیای و میاتی لله رب العالمین

اے شکر میری نماز۔ عبادت۔ زندگی اور موت سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے،

کاش! سمجھدار مسلمان اس دعوت کی طرف متوجہ ہوتے اور اسے اپنا مقصد حیات بنا لیتے پ

غمره و فریاد ○ اصلاح و انقلاب ○ نقد و تنسیب

لکھے ہیں یہ اشعار، مگر خونِ جگر سے!

- اسد ملتانی
- عاصی کرنالی
- شفیق جونپوری
- ساقی جاوید
- پروفیسر ضیاء احمد بدایونی
- ابوالبدین حماد
- صابر قادری
- عامر عثمانی
- دہدستیدی
- نور جاہی
- بسمل سعیدی
- راغب مراد آبادی
- عبد الحمید ارشد
- رعناظف
- ابوالعرفان مست انصاری
- محمد عبد العزیز شرقی
- شبنم رومانی
- ابراہیم کنوری
- ابوالہجاء رازد
- ماہر القادری

عاشق کرذالی "توحید"

زخمہ توحید سے جنبشِ تاریکیاں تا۔
اس سے یقین کی نمود، اس سے خودی کاشیات

عشقِ جلالِ آفریں، محسنِ جمالِ آفریں
اس سے بشر کی حیاتِ سلسلہ معجزات

۳۱۔ سے نگاہِ عمرِ فناش کن رمزِ دیں!
اس سے دلِ مرتضیٰ رضِ جلوہ گہ نورِ ذات

اس سے فضا تاب ہے وادیِ بدر و حنین
اس سے شفقِ رنگ ہے دامنِ موجِ دریاں

اس کے اُنق سے طلوعِ نورِ حسینِ حرم
اس کی شعاعوں سے ماندِ تشقہ لائے منات

اس کی بہاروں میں محبتِ بندہ مؤمن کا دل
اس کی نضاؤں میں چستِ مردِ مسلمان کا ہات

اس کی تجلی میں گمِ عظمتِ ذہن و خرد!
اس کے تصور سے حلِ نکتہ ذاتِ صفات

حدتِ فکر و عمل ہے اسی طرفی کا پھل
غیرتِ دُغم و یقین، ہیں اسی ڈالی کے پات

شیطنتِ عصرِ نو، جرم و بغاوت کی رو!
شورہ انا سے ہے پُر اجماع کا تناسل

آہ اس احساس سے تلخِ مرے روز و شب
کام و دہن میں مرے، زہر ہے قند و ثنات

دوسو آدمی، ذہن کی غارت گری!
عقل کی پوشیدہ چوٹ، نفس کی دُزیدہ گھٹا

شُرک کی اُفتاد بھی، فتنہ ایجاد بھی!
شکر کا الحلا بھی، کھاتے ہیں ہم جس سے مارت

موجہ توحید میں ساری خرافات غرق
ایک خدا کا خیال، لاکھ بتوں سے نجات

کیا یہی توحید ہے؟

لب پہ تو اللہ کی تعریف ہی توحید ہے اور عمل دکھیں تو خود ایمان کی تردید ہے
کیا یہی توحید ہے؟

جس کو روئے سورہٴ اخلاص کی تاکید ہے اُن کو کئی کفار ہی سے خوف اور اُمید ہے
کیا یہی توحید ہے؟

خود جوئے نفس کی ہے بے تکلف پیر کا اور خدائے پاک کے احکام پر تنقید ہے
کیا یہی توحید ہے؟

جاہلی ہی کی قلمِ تعلیمِ قرآن کے خلاف آیتِ قرآن سے جس تقریر کی تمہید ہے
کیا یہی توحید ہے؟

خمسکانہ رنگ میں ہوتا ہے اسکا اہتمام خواہ وہ تقریبِ غم ہو خواہ جشنِ عید ہے
کیا یہی توحید ہے؟

تُوپِ کوشاں دینِ حق کی سر بلندی کیلئے اور باطلِ قوتوں سے طالبِ تائید ہے
کیا یہی توحید ہے؟

ندہ مردانِ خدا سے بے نیازی سلوک اور مردوں سے تجھلاد کی اُمید ہے
کیا یہی توحید ہے؟

سجدِ قبروں پر نظرِ دنیا پہ دلِ نذرِ تباہ دین کی منقیص میں انھیاری کی تقلید ہے
کیا یہی توحید ہے؟

کعبہٴ دل میں بسائے جا رہے ہیں بت نئے جاہلیت کے پُرانے دہر کی تجدید ہے
کیا یہی توحید ہے؟

اُس مسلمان کو نہیں لائقِ نظر کا بھی یقین کفر سے مرعوب ہی اسلام سے زبرد ہے
کیا یہی توحید ہے؟

حدیثِ ملت ہوئی ہے پارہ پارہ اسد انتشارِ فکر کی سو سو طرح تائید ہے
کیا یہی توحید ہے؟

خالق و کردگار

حمد

مہیشگی ہی اگر مادے کی ہے تسلیم
تو کردگار ازل سے کشیدگی کیا ہے
زمین آگ کا گولائی فرض کرتا ہوں
مگر زمین کی ہستی پہ آگہی کیا ہے
زمین آئی کہاں سے سوال کرتا ہوں
مکونات کے آغاز کی خودی کیا ہے
ہوئی نہ عقل کی تسکین خدا کو پھوڑ کے بھی
خدا نہیں ہے تو یہ نظم زندگی کیا ہے
چلا کہاں سے زمانے کا کاروانِ وجود
اور ابتدا ہے تو عنوانِ آخری کیا ہے
جب ابتدا کا پتہ ہے نہ انتہا کی خبر
تو فلسفی بھی حقیقت شناس ہی کیا ہے
زمین پہ لالہ و گل کی بہار کیا معنی
یہ آسماں پہ ستاروں کی روشنی کیا ہے
یہ ڈالیوں پہ عنادل کے چہچہے کیسے
چمن میں غنچہ و گل کی شگفتگی کیا ہے
کہیں تو خشک ہیں چہچہے کہیں رداں لہریاں
زمین کا ابھی کیا رنگ تھا ابھی کیا ہے
بغور دیکھئے ترتیبِ فصل و موسم کی
خزاں کے بعد یہ آمد بہار کی کیا ہے
یہ پھوٹے پھوٹے پردوں کے ٹھونسے کیسے
یہ شاخِ گل پہ سلیقے کی زندگی کیا ہے
ہے اک شعور پہ مہنی وجود ہر شے کا
جو دھوپ ہے تو درختوں کی پادری کیا ہے
خود اپنی ذات سے ہوتی ہے معرفت اکی
حقیقتِ بشری کیا ہے آدمی کیا ہے

خدا کی حمد سے آغاز ہر مقام کیا
اسی نے نطق سے انسان کو شرف بخشا
فلک کو سداۃ و طوبیٰ و عرش و لوح و قلم
زمین کی پیاس بجھانے کے واسطے کیا کیا
فلک کو چاند ستاروں نے روشنی بخشی
وہ نورِ حیاں حسین ابوالبشر کو دیا
بشر کو اپنی خلافت کا مرتبہ دیکر
شفیق سے دامن گھول کر دیا نگین
تجلی رخ و گیسو کو تھا جو شوقِ ظہور
بہر جلوہ رخسار و زلفِ محبوباں
جمالِ خارِ مہیلاں دیا بیاباں کو
بسایا داؤدی دکھسار کو بغزالوں سے
بتائے جن و بشر کے وجود کی غایت

ہزار شکر جہنم کی آگ کو اس نے
شفیق جیسے گنہگار پہ حرام کیا

ساقی جاوید بی بی

مرقد پرستی

سینکڑوں مدفن ہزاروں تعزیتے پوجے گئے
جانے کتنی خانقاہوں کے دیے پوجے گئے
جلنے کتنی "چادروں" کے حاشیے پوجے گئے
کتنے پنچے خیر و برکت کے لئے پوجے گئے

خیر و برکت کا صحیفہ طاق میں رکھا رہا
نقش ہستی پرودہ اوراق میں رکھا رہا

ہر لحد اک وقت کا نام سوراہے کس سے کہیں
شیشہ تقدیس چکنا چور ہے کس سے کہیں
دل یہاں خود اک صلیب نور ہے کس سے کہیں
کن انڈھیروں میں سحر محصور ہے کس سے کہیں

کون سا بڑ وقت کی آواز سنتا ہے یہاں
آدمی کا ذہن انگارے ہی چنتا ہے یہاں

رہروان حق مگر کچھ آج بھی بیدار ہیں
کچھ اُجالے رات سے آمادہ پیکار ہیں
پھر اُتق پر کچھ نمودِ صبح کے آثار ہیں
کچھ نکا ہیں اے زمانے نقش بردار ہیں

پھر چراغِ زلیست کی ہم تو بڑھاتے ہیں لہا
اجم و جہتاب بن کر جگمگاتے ہیں یہاں

یہ سلگتی ترتیبیں یہ "آستانے" یہ مزار!
یہ چرس پیتے مجاور، اُذکتے خدمت گزار
کفر کا اٹھتا بھواں، الحاد کا اڑتا غبار
زیلے کے نیلام ٹھہر، تقدیس کے جلتے دیار

مرقدوں پر سجدہ ریز اٹھے پجاری الاماں
قبر کے مُردوں کی یہ پروردگاری الاماں

عصمتوں کی منڈیوں کے بیوپاری دہر میں
سینکڑوں تکبیروں کی یہ تحویل دہر میں
آج بھی الحاد کے سکتے ہیں جاری دہر میں
آدمی کا دل ہے ظلمت کی پٹاری دہر میں

مرنے والوں سے مرادیں مانگتے ہیں لوگ
کس عقیدت سے جہنم کی طرف جاتے ہیں لوگ

پھر زمانہ ایک زنجیر کہن دیتا ہوا —
وقت پینے کیلئے خون چن دیتا ہوا —
آدمی کو پھر بلا ہے اہرن دیتا ہوا
کعبہ تقدیس کو خونیں کفن دیتا ہوا

رکھنے والوں نے ادا اک یاد رکھی کفر کی
"پیر و مرشد" نے بھی اک بنیاد رکھی کفر کی

مرقدوں کے پوجنے والو۔ حرم کا واسطہ
اس نبی پاک کے نقش قدم کا واسطہ
القلا سب چین و رون و عجبم کا واسطہ
جاگتی صبحوں کے سیلِ یمیم بہ یمیم کا واسطہ

تا جبکہ یہ دل لگی توجیہ سے، اسلام سے
صبح کی تم کو اُسی دیں ہیں غروبِ شام سے

پروفیسر ضیاء احمد بدایونی ایم۔ آئی۔

غیر اللہ کو سجدہ

ابوالبیان حماد

نغمہ توحید

کلید کلشن فردوسِ ددولتِ جاوید
 دلیلِ وحجتِ توحید، انجمِ دناہید
 ہمیں نصیب جو مہجانی اپنے رب کی تہ
 گوارا کرنے سے جو نظامِ باطل کو
 وہ سب خدا کے مطیع و فقیر بندے ہیں
 اُمید و بیم نہیں اسوا سے کچھ بھی جسے
 حسین بن علی نے کٹا کے سر اپنا
 کبھی بدل نہیں سکتے حقائقِ ابدی
 دل و دماغ صنمِ خانہ ہو او ہوس
 ہے خینابِ ضروری رسومِ بدعت سے
 سفینہ اس کا بھنور سے نکل نہیں سکتا
 جو بُت شکن تھا کبھی بُتِ فروش ہے وہ
 کسی پہ اسکو بھلا تبصرہ کا کیا حق ہے
 ہے جن کا اگر ہر مقصود مرضی مولا
 چراغِ چشمِ براہیم! جسکدہ ہے جہاں
 سنبھال تیشہ سحر اور ایک پُشید

ابوالبیان زمانہ ہزار دشمن ہو

میں بتکدوں میں سناؤ لگانغمہ توحید

لئے سفر سے ایک صحابی بڑا دقا
 سجدہ کیا رسولِ علیہ السلام کو
 لیکن نہ تھی پسند یہ تعظیم کی ادا
 اللہ کے پیغمبرِ عالی مقام کو
 پوچھی جو ان سے وجہ تو بولے کہ بارہا
 دیکھا ہے رومیوں میں جو ہر عزم کو
 کہتے ہیں سجدہ وہ بہ کمالِ فردنی
 مذہب کے ہادیان و سرانِ عظام کو
 میرا بھی دل ہوا کہ نبیؐ کے حضور میں
 لاؤں بجا خصوص سے اس رسمِ عام کو
 فرمایا یہ طریق نیایش سے عاجزی
 مشروع ہے اگر تو خدا کے نام کو
 گزیر حق کے واسطے یہ شیوہ نیاز
 ہوتا روا شریعتِ حقہ میں نام کو
 کرتا میں عورتوں کو ہدایت کہ سجدہ پڑ
 ہوں اپنے شوہروں کے حضور احترام کو

ذلتِ حق

اے کہ انسان تجھے خلق کیا ہے کس نے
اور مخلوق ہے جتنی بھی، وہ سب تیری غلام
فہم وادراک کی سوچی ہے امانت کس نے
گنن کو کس نے عطا طافت گویائی کی۔
بندہ کہہ کر تری توقیر بڑھائی کس نے
یہ نہ سوچا کہ ہے طاقت بھی کوئی لا محدود
تو نے اپنوں میں جسے چاہا خدا مان لیا
ہوش اتنا بھی نہیں ہے تجھے دیوانہ عقل
ہم نے بخشا تجھے تسلیم ورضا کا پیکر
تجھ میں مومن بھی ہیں مشرک بھی ہیں کفار بھی ہیں
اس لئے تجھ سے مسلمان شکایت ہے ہمیں
ایک بندہ تھا تجھی میں سے ہمارا محبوب
اس کے کردار پہ کو زمین کی عظمت قرباں
ہم نے بھیجا اُسے یوں تیری ہدایت کیلئے
تیرا بادی، ترار مہر، وہ مکمل انسان
جانتا تھا کہ ہے کیا رشتہ محبوب وحبیب
حق سے نہ قدم پھر بھی ہٹا سے اس نے
ایک بندے سے کبھی خود کو نہ بڑھ کر سمجھا
چھوڑ کر ہم کو اٹھائی نہ کسی سمت نگاہ
بار بار یہ بھی بتایا تجھے، یہ اہل تسبیح
ان کی تعظیم کو جھکنے سے سراسر بدعت
تو نے چاہا جہاں، پھیلا دیا بس دست سوال
ہم سے منہ موڑ کے تیغوں کی پرستش کی ہے
اپنے ہاتھوں سے ہوا ادھام پرستی کا شکار
جتنے غفار ہیں ہم اتنے ہی قہار بھی ہیں
ہے ہمارے ہی کرم پر تری ہستی موقوف
اب بھی ہے ذلت ہمارے غضبِ قہر سے ڈ

مترتبہ بڑھ کے ملائک سے دیا ہے کس نے
بخشا یہ کس نے تجھے عزت و عظمت کا مقام
کی عطا عقل و خرد کی تجھے دولت کس نے
دیدہ کور کو دیں نعمتیں بینیائی کی!
راہ منزل پہ پہنچنے کی دکھائی کس نے
عبد کی شان یہ تھی اُس کو سمجھتا معبود
وقت مشکل اُسے حاجات و اجان لیا
عقل رکھ کر بھی بنا پھرتا ہے بیگانہ عقل
ہم کو ہی بھول گیا آج ہمارا ہو کر
کچھ ہیں وہ، ہم سے ہی جو برس پر پکا بھی ہیں
اپنے محبوب کی اُمت سے محبت ہے ہمیں
جس کو ہر لحظہ ہماری ہی رضا تھی مطلوب
اس کی توقیر کی دیتا ہے شہادت قرآن
تو مرا جاتا تھا خیرِ دین کی اطاعت کے لئے
زندگی جس کی سراپا تھی، ہمارے فرمان
تھا یقین یہ بھی کہ کو زمین کی عظمت ہو نصیب
بندگی کے تجھے آداب سکھائے اس نے
اپنے کردار سے تجھ کو بھی یہی درس دیا
جب بھی مانگی ہے کبھی، ہم سے ہی مانگی ہو پنا
کوئی طاقت ہی نہیں ان میں یہ خود ہیں مجبور
ان سے کچھ مانگنا مومن کے لئے ہے ذلت
ہم نہ چاہیں تو بھلا دے کوئی کیا اسکی مجال
قابلِ عفو نہیں تو نے وہ لغزش کی ہے
اُس پہ یہ آرزو، ہو بندہ مومن میں شمار
ہر جزا اور سزا کے تری مختار بھی ہیں
ہم جو چاہیں ترے ہر عضو کو کر دیا ماون
بدعت و شرک کو چھوڑ اور رہ حق سے گڑ

تو اگر تباہ فرماں ہمارا ہو جائے

حشر میں پھر تری بخشش کا سہارا ہو جائے

اذانِ بٹ کدہ!

کتنے ہی اربابِ محبت ساتھ مرادیکر پھپکتے
 اور گھٹے کمیاب اجلہ اور پڑھے ظلمات کے سائے
 لیکن یارب شوقِ طلب پر غفلت کا الزام نہ کرے
 اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی غفلت کے ایوان گرانے
 لیکن غازی وہ ٹھیرے گا جو ضعیف کو حال بنائے
 اس کو مجاہد کون کہے گا سیل کی رو پر جو بہہ جائے
 کرب بلا سے ڈرنے والا ہرگز میرے ساتھ نہ کرے
 زدم کہہ جلوت سے اٹھا کر گوشہ خلوت میں لیجائے
 لیکن ان خاصانِ خدا سے زدم کے میدانِ خالی پائے
 جو اپنوں نے بھڑکانے ہیں ان شعلوں کو کون بجھائے
 یوں مٹ جانا راہِ وفا میں لاش بھی ڈھونڈے ہاتھ نہ آئے
 دیر سے بیٹھا ہے اک صدیقی قبر ولی پر آس لگائے
 ہم نے مٹی کے ڈھیروں پر لٹھے ٹیکے پھول چڑھائے
 دل پر عجب عالم طاری ہے بن رستے آرام نہ پائے
 کوئی یہ باتیں کیا سمجھے گا جب تک دل پر چوڑا نہ کھائے
 بن جاتے ہیں نادان انسان کس آسانی سے چوہائے

عشق و وفا کی راہ گزریں زیرِ قدم جب کانتے آئے
 جشنِ چراغاں کرنے والو! تم نے یہ کیسے دیسپا جلائے
 رنجِ میسر ہو یا راحت! فتح ملے یا ستر کٹ جائے
 کس کو ہم مجرم ٹھیرائیں، کس کو دینِ الزلم کہہ ہم نے
 خوب ملے اربابِ محبت ذکر و بیانِ عظمتِ باطنی
 شیوہ اہلِ عزم و تقویٰ ہے طوفانوں سے ٹکر لینا
 راہِ وفا کا رہو وہوں میں، کانٹوں پر چلنا ہے مجھ کو
 اُس مذہب کا باغی ہوں میں جو اپنے اربابِ ہم کو
 نغمہ رننے کے متوالوں کو صاحبِ وجد حال تو دیکھا
 غیروں نے جو بھڑکانے تھے انکو بچھایا ہم نے، لیکن
 راہِ نوردو! آسکتے ہیں جانبازی کے سخت مراحل
 فضلِ خدا سے رشتہ توڑے، کفرِ حلی سے ناطہ جوڑے
 چھوڑ گئی تشریح کو پیچھے تیز قدم توحید ہماری
 اے غمخوار ویرمت پوچھو کیوں پیہم رفتار ہوتا ہوں
 غم لینا اور ہنسکر لینا، سردینا اور شوق سے دینا
 قبروں پر جب میلے دیکھے تب یہ بات سمجھ میں آئی

عامر مثل نشہ بادہ مگر اسی بھی ایک نشہ ہے
 جن کو اپنا ہوش نہیں ہے کیسے نہیں کوئی سمجھائے

دردِ سعیدی

قطرہ

مجھ کو یہ خوفِ چشمِ عقیدت نگر سے ہے
 تقدیس کچھ حرم کی نہ دیوار و در سے ہے
 سجدوں کا احترام شریعت کے در سے ہے
 مگر اہیل کا خون جہاں راہبر سے ہے

بن جائے پھر حرم نہ عقیدت کا بتکدہ
 سر پہ اٹھائے پھر نہ درخانقاہ کو
 سجدے یہ احترام کے سب بے جواز ہیں
 ہے اہل کاروانِ طریقت یہ وہ تہا

فوقِ جاہی

اسلام کے نئے بُت ساز

لے خُدارکھے ترقی اس قدر کی قوم نے
 ہو رہی ہیں ارتقا کی منزلیں طے بہ پے
 پردہ فرسودہ گر باقی نہیں تو کیا ہوا
 یہ کھلے بازار پھرنادختراں قوم کا
 ان بزرگانِ مقدس کی کروں تعریف کیا
 رہبرانِ قوم کی توصیف ہو کیونکر بیاں
 مسجدیں دیران ہیں آباد میخانے ہوئے
 یہ بزرگانِ طریقت صوفیانِ پاکباز
 کنجیاں رکھتے ہیں اپنے ہاتھوں میں جنت کی یہ
 حکم پر قرآن و سنت کے عمل کرتے نہیں
 شرکِ بدعت کے نسلے خانقاہوں میں ام
 کیا تعجب ہے یہی حالت رہی گر قوم کی

بن گئے آنکیت سیرت بتانِ مکرو فن
 جامِ دیادہ، رقص و نغمہ، احتلاطِ مردوزن
 ہیں مگر نامِ خدا باقی رسومات کہن
 دید سے شرمندہ جنگی اہل مغرب کا چلن
 مغربیت پر ہے جن کی دورِ سپری خند زن
 نام سے اسلام کے پڑتی ہے ماتھے پر شکن
 عیشِ مستی کے بھنور میں غرق ہو سارا وطن
 سی ہے ہیں روزِ ناموسِ شریعت کا کفن
 زیرِ دامن ان کے ہیں فردوس کے سر زمین
 ان کی ملت ان کا مذہب رسومات کہن
 اور مجالس میں غرض کی بُت نوازی کا چلن
 بُت گری کرتے لگے اک روز دستِ بُت شکن

ہرم ابراہیم کی زینت بتانِ آذری!

خوب ہے وحدت پرستوں کا شعرا کا ذری

یہ محترم کے تماشے اور یہ جشنِ شبِ برات
 نت نئی بدعت پرستی اُقتِ مرحوم کی
 یہ مزاراتِ مقدس یہ بزرگوں کے نشاں
 زمزمِ قبراہوں کے اور یہ ڈھولک کا شور
 رہ گئے قبروں کے پتھر سجدہ ریزی کے لئے
 مانگی جاتی ہیں مزاروں سے مرادیں رات دن
 بُت پرستی گر کرے کوئی تو کافر بن گیا
 سرتوبوں کے سامنے غیروں کا جھکنا کا ذری
 مقبروں میں ہی پرستش روزِ غیر اللہ کی
 خوب ہے یہ اہلِ دین کی پروری آذری

گیا رہوں کی مجلسیں یہ مقبروں پر اژدہلم
 زینو عرسوں کا میلوں کا یہ تزکِ ہشام
 جانتی ہے جن کو دنیا ایک پاکیزہ مقام
 لوگ جن پرنا چتے ہیں مست ہو ہو کر مدام
 ہو چکا رخصت دلوں سے مسجدوں کا احترام
 بن چکی ہیں قبیلہ حاحات قبریں لاکلام
 پوچنا قبروں کا مسلم کیلئے ہے نیک کام
 اور مسلمانوں کے سجدے سجدہ ہائے احترام
 خانقاہوں میں چھلکتے ہیں منے بدعت کے جام
 خوب ہے اولادِ ابراہیم کا دینی نظام

دین کی تعلیم جنسِ خام ہو کر رہ گئی

حق پرستی کفر کا پیغام ہو کر رہ گئی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شہ پارے

مستغنی احکام شریعت ہوں
والبتہ ازہم طریقت ہوں
چو میں گے زاب حضرت مرشد کے قدم
بہتر ہے کہ اللہ سے رخصت ہوں

سراغیب مراد آبادی

تبروں پہ شب و روز یہ میلے ٹھیلے
یہ پھول چندیلی کے یہ کھیلے بیلے
پیران ریائی سے خدا سب کو بچانے
ایساں سے مسلمان کے یہ برسوں کھیلے

دل سوز نہاں سے ہو چکے ہیں خالی
اک کھیل ہے اب ذکر ہو یا قوالی
ہو خوش کا یہ غوغا نہیں اس گلشن میں
اک آگ بھڑک رہی ہے ڈالی ڈالی

پیران ریائی کے نہ پوچھو حالات
دل کش ہے اگر صبح تو دلچسپ ہے رات
معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس دنیا میں
حضرت ہی کے دم سے ہیں یہ ساری برکات

منبر پر بصد عجز دنیا آتے ہیں
رد و رو کے نکات خلق سمجھاتے ہیں
لیکن یہ خدا پرست، تسبیح پادست
خلوت میں کچھ اور شغل فرماتے ہیں

صوفی نے کہا ختم ہو درگاہ کا حال
لے روح فرار! اک نظر فیض کمال
ملائے کہا ہوتی نہ یہ حالتِ دین
گر روح کو ہو سکتی تصرف کی مجال!

ملتی ہے جب اک شوخ و شنگ ان کو سر راہ
مخشر بقدم، سیمتن، آدارہ نگاہ!—
مٹا کو نظر آتا ہے اس میں ابلیس!
صوفی کو نظر آتا ہے اس میں اللہ!

بربادی اسلام الہی توبہ
اُس صبح کی یہ شام الہی توبہ
قرآن سے آغاز ہو قوالی کا
قرآن کا انجام الہی توبہ

قرآن کو مجروح تو نہیں نہ کر
اللہ کے احکام کی توہین نہ کر
تو نہ رہے تالیح مذہب کہ ہے
مذہب کو مگر تالیح کا تین نہ کر

ایمان کی ہر سانس میں ڈھل جانا ہے جہل
یقان کی رگ رگ میں چل جانا ہے جہل
ثابت نہیں کر سکتے اسے جہلِ علوم
جب دین کے آغوش میں چل جانا ہے جہل

عبد الحمید ارشد

تزانہ توحید

ابوالبیکار حماد

”آثارِ توحید“

خداوند! تو ہستی رب عالم، واحد و یکتا
نداری بیچ ہمسر، نے ترا باشد کسے ہمتا

جہانے ساختی از آب و گل بہتر ظہورِ خود
چہ حکمت!! حکمتِ کامل، چہ صنعت! صنعتِ زیبا
جہاں روشن شد است از پر تو حسنِ دل افروزت
کجا شمس و قمر باشد؟ کجا حسنت جہاں آرا!

توئی خلاقِ عالم، صانعِ کامل، شہنشاہ ہے

سزاوارِ جہانِ نبائی توئی درستی و بالا

تعالی اللہ! رئے پاک تو حسنِ دلا ویزت

ہمہ عالم شدہ حیراں، ہمہ عالم بود شیدا

نمی یارد کسے ہرگز، بر آرد حاجت کس را

توئی حاجت روا، مشکلمشا، بر ہر کسے بالا

ندارد بیچ شرع، بیچ غیرتِ مشرکِ احمق

کہ سازد غیر تو معبود، خواند غیر تو آفت

سبیں آں بدعتی را کوز بدذوقی دبد بینی

بخواند غیر حق تا آد بر آرد حاجتِ اُورا

نہے احسان فرمودی کہ بہتر محو کفر و شرک

فرستادی رسول خود محمدؐ گوہرِ والا

تکلیب دادہ ادا از فضلِ بے حسابِ خود

کہ عاجز از نظیرش عالمِ فرین دہم بالا

ہمہ از برکتِ توحیدِ تست این نعمتِ وافر

ہمیں قرآنِ پاکِ ما، امام المرسلینِ ما

الہی! ارشد مسکینِ توارد غیر تو آفتا

توئی آفتا، من مولائے کل، بے مثل و بے ہمتا

یہ جہان رنگ و بو یہ عالم کون و فساد
تاجدارِ کشورِ خاور، وہ روشن آفتاب
چرخِ نیلی قامِ ہتقد، پرشکوہ و زرنگا
ابو باد و موج و طوفانِ رحل و شربتِ حیل
سرودِ شمشاد و صنوبر، بان و گلزار و چنار
نور و ظلمت، دھوپ چھاؤں، اختلافِ روز و شب
یہ فضا یہ ہستی ارض و فرائزِ آسمان
آبشاروں کا ترنم، نغمہ جوتے رواں
جلیوں کی یہ چمک اور صاعقہ کی یہ کرک
دن کا ہنگامہ سکوتِ نسیم، تاروں کے گہر
گردشِ ایام، اعصار و قرون وازمنہ
ناپتی گاتی ہوائیں، گنگنائی ندیاں
خاموشی کی راگنی، یہ چاندنی کی نغمگی
یہ تھیر آفریں نقش و نگارِ کہکشاں
سازِ فطرت کی مدھن نائیں فضاؤں کے گیت
زمین بھرنوں کے، رنگیں آبشاروں کے سرود
آہن و سنگ زجاج و آبِ آتش خاکِ باد
مسند آرائے تجلی گاہِ انجم، ماہتاب
بے عمود و بے ستون و بے وسیلہ استوار
یاسمین سنبیل و ریحان و نسرن اور کنول
نکھت گل، صورتِ بلبل، جزو گل، یہ جوئی
صورتوں کا فرق یہ نرنگہ اشکالِ عجب
عرش و کرسی سدر و وطوبی امکانِ لاہر کا
رقصِ طاووسی، پیپے کی سرسبلی پی کہاں
سبزہ زو کی لہک، پھولوں کی بھینبی لہک
رات کا پرہول ستار، تبا شیرِ سحر
امتیازاتِ قبائل، اختلافِ السہ
نغمہ بادِ سحر، فصلِ بہارِ گلستاں
جگنوؤں کی روشنی اور یہ گلوں کی تازگی
اورے قوس و قزح، ادا کی یہ دنیا
غلبہ دینِ میں، چل کی ہار اور حق کی جیت
اور صلواتِ ملائکہ چاند تاروں کے سرود

سب گواہی دے چکے اللہ کی توحید پر

کیوں نہ پیر آمادہ ہو انسان بھی توحید پر

لہ عربی ایک شہور دخت جسے شعر لے عرب اپنے کلام میں ویسے ہی

استعمال کرتے ہیں جیسے شعر لے عم سرود صنوبر کو۔

رعناظف

شُرکِ بدعت کی گرم بازاری

چل رہی ہیں شرکِ بدعت کی ہوائیں چار سوسو
گھومتے پھرتے ہیں پیرانِ ریائی کو بہ کو!
عام ہے بدعاتِ بدینی کی اب تو گفتگو
ملتِ اسلام کی خطرے میں ہے پھر آبرو

راز سے توحید کے آج اک جہاں بیگانہ ہے
اب حقیقت سے زیادہ عظمتِ افسانہ ہے

ایک دنیا سر پہ خمِ قبروں پہ آتی ہے نظر
ہے دلوں پر ان کے پیروں کی کرامت کا اثر
کیا خبر ان کو کہ یہ بھی ہے شریعت سے مفر
جو موجد ہیں نظر رکھتے ہیں وہ اللہ پر

جز خدا کے کوئی بھی مالک نہیں قادر نہیں
غیب کا عالم نہیں اور حاضر و ناظر نہیں!

سر عقیدت سے مزاروں پر جھکانا بھی ہے شرک
منتوں کو نہ تھا چادر چڑھانا بھی ہے شرک
اور قبروں پر چراغوں کا جلا نا بھی ہے شرک
"المدد یا شیخ" کا نعرہ لگانا بھی ہے شرک

حشر میں مشرک کی بخشش ہو نہیں سکتی کبھی
شرک سے ہوتی ہے توحید و رسالت کی نفی

مسلم و مشرک کی ہیں راہیں جدا منزل جدا
اُس کا ہے صرف اک خدا اسکے ہزاروں ہیں خدا
دل سے قائل ہے یہ ارشاد رسول اللہ کا
خواہشوں پر نفس کی قائم ہے اُس کا بسلسلا

جو موجد ہے وہ ایسے کام کر سکتا نہیں
بجول کر ترک رہ اسلام کر سکتا نہیں

لہ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ (قرآن مجید)

البر العرفان مسنت الضاری

سفیدی پر سیاہی

رخسار سے ہے گردِ مزارات ہویدا
سجدوں کی جبینوں سے جھلکتی ہے سیاہی

لے "اشہدان اللہ کے پیرو یہ بتا دے
رخسار و جبین دیتے ہیں اب کس کی گواہی

سجدے بھی کئے خاکِ مزاروں کی بھی چاٹی
بتلاؤ تو کیا ہیں یہی احکامِ الہی!

جو بات تمہاری ہے شریعت سے الگ ہے
دو دن بھی نہ فرماں محمدؐ سے نساہی

مسجد سے تمہیں عار مزاروں سے عقیدت
اللہ کرے دور دلوں سے یہ سیاہی

غیرت کی ہے یہ بات بڑے شرم کی جلا ہے
ہو شرک کا سالار محمدؐ کا سیاہی!!

کیا کیا نہ مزاروں پہ ان آنکھوں نے دکھایا
تو ہے الہی مری تو ہے الہی

نہ شراعت عقیدت تجھے یہ بھی نہیں معلوم
ہوتی ہے ذرا سے میں سفیدی یہ سیاہی

ابوالجہاد زاہد

اشارے

رموز کون و مکاں کو ٹٹولنے والا
خدا کی راہ پر آنا پڑے گا مجبوراً
سنور رہے ہیں نئے سر سے گیسوئے انکار
نکھر رہا ہے حیاتِ نظام نو کا جمال

مزه توجیب ہے کہ خود بے نقاب ہو جائے
ابھی کچھ اور یہ انساں خراب ہو جائے
اب اپنی خیر منائے تمدنِ گمراہ
نہ رنگ ہونہ وطن - لا الہ الا اللہ

(۲)
رنگ و نسل و وطن کے دلکش لفظ
میں اساکس تباہی عالم
بہرا من جہاں ضروری ہے
وحدت رب و وحدت آدم

(۱)
اے ناصیہ سائے در باطل بر خیز
یک حرف بگو یسیم سوئے ما بنگر
آسودگی امن و امان گر خواہی
لا تدع مع اللہ الہا آخر

خدا کرے کہ تیری بھی سمجھ میں آجائے
کہ تو حقیقت توحید ہی کو پا جائے
گماں کے پنجرے بیداد میں حقیقت سے
مرے عزیز! یہ تیری "بڑی کرامت" ہے
بہت ہی سامعہ پرور ہے بزمِ قوالی
یہ بیخودی ہے کہ ہے بیخودوں کی نقالی
وہ "بھوت" تیرے "فتیلوں" سے جل نہیں سکتا
وہ تیری "چلہ کشی" سے تو ٹل نہیں سکتا
اسے حیات کا پیغام میں نہیں کہتا
اسے تصوف اسلام میں نہیں کہتا

پسند آئی مجھے بات اک معذکر کی
یہی ہے "کشف" ترا آج کے زمانے میں
ستیزہ کار ہیں تاریکیاں اجالوں سے
تو اس فضا میں اگر نام حق بلند کرے
بہت ہی خوب ہے یہ وجد و حال کی دنیا
مرے عزیز! مگر تو نے یہ بھی سوچا ہے
بجھار پاپے جو ایمان کے چسراغوں کو
سوار ذہنیوں پر ہے آن جو "آسیب"
جو برق تابت عزائم کو مضمحل کر دے
سبق پڑھائے جو انساں کو ترک دنیا کا

یہ جو گیانہ طریقے یہ راہبانہ شعار
یہ زندگی سے ہے اے بجنر گریز و سرار

تلقین

سرست بادۃ مے توحید سیدنا بلالؓ

اے بحث کے امامو!

اک مردِ یادِ فنا کی تعلیم یاد رکھو
نقطہ کبھی نہ ہوگا تقسیم یاد رکھو

رستی خدا کی تھا مو!
اے بحث کے امامو!

اے غازیانِ ہستی!

اسرارِ کیفِ مستی زاہد پہ فاش کیوں ہیں
کل تک جو بت شکن تھے اب بت تراش کیوں ہیں

اتنی مہیب پستی!
اے غازیانِ ہستی!

قرآن سے منہ نہ موڑو!

کیوں بٹ گئے ہوں تم بھی فرقوں میں ٹولیوں میں
کیوں گر پڑے ہو تم بھی غیروں کی جھولیوں میں

تقلیدِ غیر چھوڑو!
قرآن سے منہ نہ موڑو!

رشتہ خدا سے جوڑو!

ایمان کرینگے غارتِ ملبیس کے یہ چیلے
مردوں کی یہ تجارتِ قبروں کے یہ جھیلے

ان بدعتوں کو چھوڑو!
رشتہ خدا سے جوڑو!

دیکھو وہ دورِ اُفق میں

توحید کا سویرا اک جالِ بُن رہا ہے
دل اپنی دھڑکنوں کا پیغام سن رہا ہے

دیکھو وہ نورِ افق میں!
دیکھو وہ دورِ افق میں!

سرست بادۃ مے توحید ایک دن

کوڑوں سے پٹ لپٹے تھے سرِ سرگداز کہیں

تھا جرم ان کی دروزیاں ہے لحد احد

اور وہ منات و لات کو پوجتا نہیں

ہر تازیانہ ذکرِ خدا سے تھا ہمنوا!

یہ دردِ عشق بھی ہے عجیب لفتِ آفریں

کہنے لگا بہ طنز وہاں اک ستم ظریف

تم جس پہ جان دیتے ہو وہ پوچھتا نہیں

سرخیلِ عاشقانِ نبیؐ نے دیا جواب

سُن لو مری یہ بات کہ ہر عقل کے قریں

چلتے ہو تم جو مٹی کا برتن خریدنے

ٹھنکا کے دیکھ لیتے ہو کچا نہ ہو کہیں

تم تو حقیر شے کو بھی لو دیکھ بھال کر

مولیٰ مرا خریدے یونہی کیا کرتے تین

ابراہیم گنوری

”توحید“

پاسباں عقل کی ایماں کی اماں ہے توحید
راز تخلیق ہی سوچو تو نہاں ہے اس میں
عبود و معبود کا رشتہ ہے اسی سے محکم
اہرمن نام سے اس کے ہی لرز جاتا ہے
انبیائے اسی کے تو پیامی بن کر
جز خداوند جہاں میں کوئی معبود نہیں
وہ خدا خالق کل - مالک و مختار جہاں
جو برے وقت میں انسان کے کام آتا ہے
جو بڑے پیار سے کہتا ہے طلب ہم سے کرو
کوئی سن ہی نہیں سکتا ہے تمہاری سریاد
ہم اسے چھوڑ کے غیروں سے کریں جا کے سوال
سجدے قبروں کو؟ یہ اعمال ہیں کتنے گندے
صاف قرآن میں اللہ کا اعلان ہے یہ
اور ہم ان کی ہی مخصوص نظر کے محتاج
اس پہ دعویٰ ہے ہمارا کہ مسلمان ہیں ہم
رشتہ اللہ سے بندوں کا ملانے والے
بت پرستوں پہ ہمیں کہتے فضیلت کیا ہو
حکم شیطان کی کیا کرتے ہیں دونوں تعمیل
کرنہ تذبذب حمیت کی ذرا جوش میں آ
تیرے کردار سے اللہ و پیمبر ہیں ملول

بت پرستی تو مسلمان کو سزاوار نہیں

دین اسلام کی ذلت تجھے منظور ہے کیوں

اپنے خالق سے بغاوت ترا دستور ہے کیوں
تو موحد ہے موحد کا یہ کردار نہیں

آہ — یہ مناظر!

یہ نمائش ہے کوئی میلہ ہے یا تہوار ہے
میں یہ سمجھا شامیانوں کی قطاریں دکھ کر
یہ دھوئیں کے سچ، یہ پھولوں کے گجرس کی مہک
شوقِ نظارہ کو ہر لحظہ فزوں کرتے ہوئے
کام کرتی ہے یہاں کی خاک بھی اکسیر کا
کیا مزے ہیں حضرت قبلہ سہاگن شاہ کے
گٹھری لیتے ہوئے، ہاتھوں کو پچکاتے ہوئے
یہ کرامت شیخ کی ہے، یا ہے نغمہ کا کمال
اس ہجومِ رنگ و بو میں کب خدایا د آئے ہے

ہر طرف خمیے لگے ہیں، ڈور تک بازار ہے
کوئی بات اس جگہ اُتری ہے باصد کروڑ
یہ لہیری کی صدائیں، یہ کٹوروں کی کھنک
نعم و ابرقعے نگاہوں پر فسوں کرتے ہوئے
ہے یہ تقریبِ عقیدت، عرس ہے اک پیر کا
اک طوائف گارہی ہے سامنے درگاہ کے
ساز پر کچھ چھو کرے تو البیاں گاتے ہوئے
رقص فرمانے لگے، کچھ صاحبانِ وجد و حال
عورتوں کی بھیڑ میں نظارہ ٹھوکر کھائے ہو

یہ در منزل ہے جہاں ہیں نیکیاں ٹھکی ہوئیں
درِ دل سن لیجئے، مشکل کشائی کیجئے
آنڈھیوں کو روکدین طوفان کے رخ موڑیں
میرا گلشن بھی بہت دن سے ہی بے فصل بہار

مقبرے کی جالیوں پر عرضیاں لٹکی ہوئیں
ان میں لکھا ہے ہماری جھولیاں بھردیجئے
آپ اگر چاہیں تو ٹوٹے آئینوں کو جوڑیں
آپ کو اللہ نے سب کچھ دیا ہے اختیار

دل مچلتا ہے کہیں، اور سانس گھٹتی ہے کہیں
یہ عقیدت کا تموج، یہ دفور اشتیاق!

پھول بیٹے ہیں کہیں، اور دیگ لٹی ہے کہیں
یہ ملیدے، یہ بتائے، یہ مٹھائی کے طباق

یہ اگر کی بنیاں، لوبان، صندل، عود و گل
 جس طرف بھی دیکھتے سامانِ تفریح نظر
 یہ موجد ہیں جو پوچھا کر رہے ہیں قبر کی
 تھام رکھا ہے کسی نے دونوں ہاتھوں سے غلا
 ہیں کسی کے ہاتھ بہر التجا اٹھے ہوئے
 جن کے سینوں میں عقیدت کے سمندر بند ہیں
 چادروں کی دھجیاں کتی ہیں یاں سونے کے مول
 آخرت کی یاد اس جا پاؤں رکھ سکتی نہیں
 مورے کے پنکھوں کے سایہ میں کلائے باندھ کر

باتوں باتوں میں یہاں خدام دے جاتے ہیں محل
 یہ چراغوں کی قطاریں، بگمگاتے بام و در
 چادریں چڑھتی ہوئیں، ڈھولک بھی ہی بجتی ہوتی
 کوئی سجدہ میں جھکا ہے، کوئی مصروفِ طوا
 رو رہا ہے کوئی چوکھٹ ہی پر سر رکھے ہوئے
 بدعتوں کے باب میں وہ کب کسی گھر بند ہیں
 دیکھتا ہی رہ تماشاخی زباں سے کچھ نہ بول
 ہن برستا ہے یہاں چاندی اگلتی ہے زمین
 زاتروں کے خود مجاور ہی جھکا دیتے ہیں سر

ہے ہر اک بدعت ضلالت، شرک، غیرِ عظیم
 اس طرح تردید، فرمانِ رسول اللہ کی
 اک طرف قبروں پر سجدے دوسری جانب نما
 یہ نہیں ہے شرک، تو پھر شرک کس کا نام ہے

ہے یہ تعلیم نبیؐ، فرمانِ قرآنِ کریم
 بدعتوں ہی بدعتوں کی ہر طرف شیشہ گری
 مدعی توحید کے اور شرک سے یہ ساز باز
 التجا، فریاد، استدعا، غیر اللہ سے

تا جکے یہ کھیل دُنیا کو دکھایا جائے گا
 مضحکہ توحید کا کب تک اڑایا جائے گا

ایک ایک شعر زندگی، عمل اور حرکت کا ترجمان
 قیمت دو روپے بارہ آئے

رگ جاں

(عاصی کرنا لی کا مجموعہ کلام)

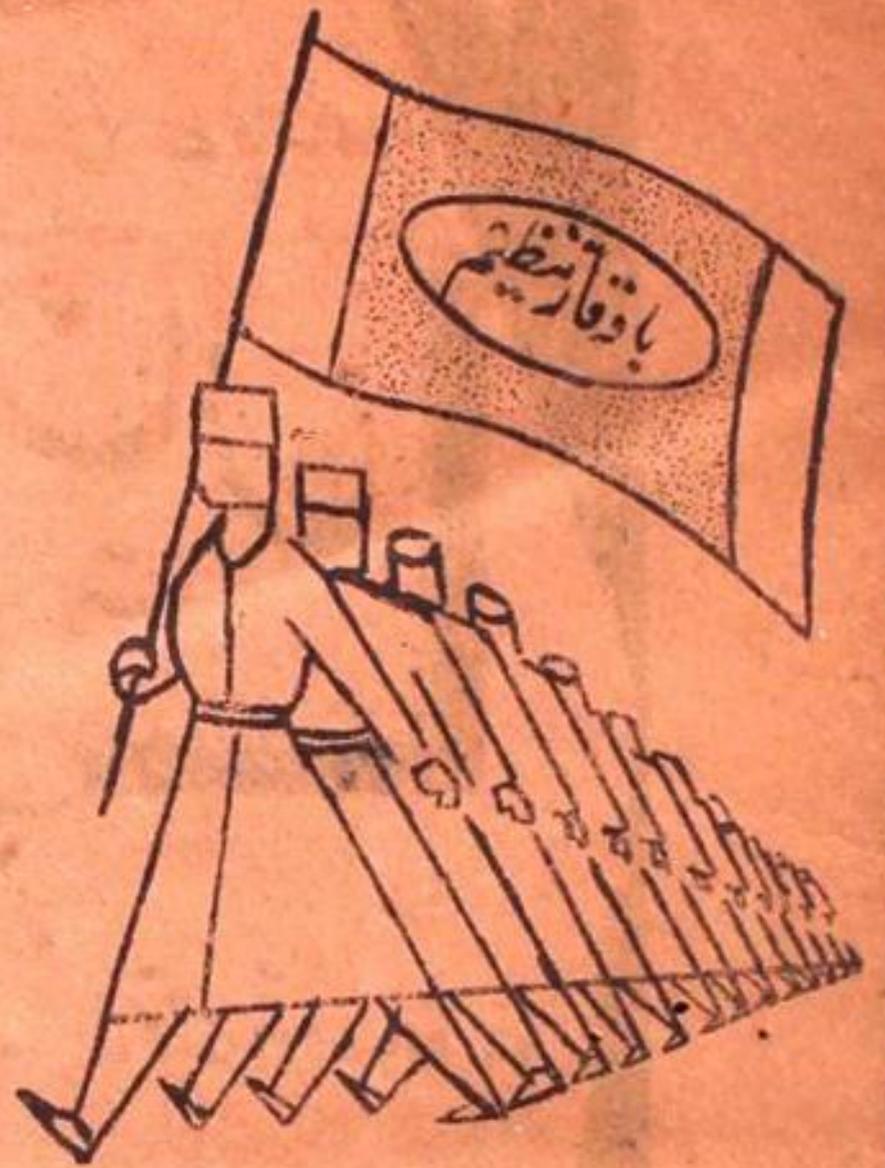
مکتبہ تعمیر انسانیت، موچی دروازہ - لاہور

باقار تنظیم

باہمی بچت کی پرافٹ شیرنگ اسکیم

اقتصادی انتشار اور معاشی بد حالی کی اصلاح کیلئے

ہماری پہلی پیشقدمی



ایک ضروری اعلان

ماہی ۱۹۵۷ء میں پانچویں گروپ کی تکمیل کیسے، باقار تنظیم کا ابتدائی پروگرام مکمل ہو گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ خلاف توقع ہم نے اپنے ابتدائی مراحل بڑی تیز رفتاری سے طے کر لئے ہیں، اس کے لئے ہم رب کریم کے سید شکر گزار ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ہم ان احباب کے بھی دل سے ممنون ہیں جنہوں نے کارکنان تنظیم پر پورا اعتماد کر کے بڑی فراخ دلی سے اس اسکیم کا پر جوش خیر مقدم کیا اور اپنے پر خلوص تعاون ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ درنہ ہو سکتا تھا کہ آجکل کے فاسد ماحول میں جہاں جھوٹ، خیانت، دھوکہ اور لالچ کا درد دور ہے، ایک ایسی اسکیم (Scheme) جو جوئے، لاشری اور تقدیر آزمائی جیسے دلفریب محرکات سے خالی ہو، کسی توجہ کی مستحق نہ سمجھی جاتی اور ایک دیا ستارہ اصولوں پر مبنی اسکیم کا قدم جمانا مشکل ہو جاتا۔ خدا کا شکر ہے کہ پانچ گروپوں کی تکمیل کے بعد یہ اسکیم اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی ہے۔

ابتداء میں پانچ گروپوں کی تعداد متعین کرنے سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ کامیابی سے چلنے کیلئے یہ کم از کم تعداد تھی، اس کم تعداد میں ایسی اسکیمیں کبھی بھی کامیابی نہیں چلائی جا سکتیں۔ اب اس اسکیم کو پوری طرح کامیاب، مفید عام اور بار آور بنانے کے لئے اس کی ممبر سازی جاری رہے گی۔ گروپ مٹے زیر تکمیل ہوئے دس برس تک کم از کم بارہ گروپ مکمل کرنے کا پروگرام ہے۔ اس پروگرام کی تکمیل کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ہم اپنے منصوبوں کو پوری قوت کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچا کر مفید عام اور بار آور بنا سکیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ حسب سابق ہمارے معاون احباب اپنے پر جوش جذبہ اور پر خلوص تعاون بدستور ہماری حوصلہ افزائی فرماتے رہیں گے۔

زیر تشکیل گروپ مٹے کی پہلی ڈرائنگ انشاء اللہ تعالیٰ ۲۳ جون ۱۹۵۷ء کو باقی پانچ گروپوں کے ساتھ ہی ہوگی۔

حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝

تفصیلات: باقار کمپنی لمیٹڈ - بندر روڈ - کراچی سے حاصل کریں

نئے بچوں کو بیماری سے بچائیے!

ہمارا طفل

شربت

نئے بچوں کا قدرتی محافظ ہے

بچوں کی عام جسمانی کمزوری، انگری، وینٹ، نکلنے کی تکالیف، اسہال، نزلہ

زکام اور پھیپھڑوں کی تکالیف میں پیش بہا فوائد کا حامل ہے

بروموم میں یکساں مفید ہے

نی شیشی ۱۹۴۰ء

اپنے شہر کے سٹاکسٹوں یا ادارہ کی آفسیوں سے حاصل کریں

طلب کریں



فہرست مفت

اشرف مہدی کل ایسٹریٹ، ریسرچ سٹرڈ، لاہور

طب یونانی کی مفید اور کامیاب ادویہ

مردانہ قوتوں کے لئے بہترین دوا

حب گوہر

مقویات کی سرتاج دوا

مشک خالص، عنبر اشہب، زعفران، کشتہ طلا،
کشتہ فولاد اور دیگر مقوی اجزاء کا مرکب۔
اعصاب دل و دماغ اور جنسی قوتوں کیلئے ایک بہترین
اور قابل اعتماد ٹانک ہے۔ زہریلے اور نشہ آور اجزاء سے پاک ہے
قیمت چار روپے فی شیشی۔ محصول ڈاک ۱۴/۱۲

حب فضلی

کشتہ فولاد، سلاجیت اور دیگر مقوی، مفرح اجزاء
کا مرکب ہے، جسمانی و دماغی کمزوری، پٹھوں کو تقویت، گردہ
مثانہ کی کمزوری، احتلام، جربیلن، اخراج فاسفیٹ اور
ذیابیطس شکوی کے لئے اکیر ہے۔

ہر عمر اور ہر موسم میں یکساں مفید ہے۔
قیمت دو روپے آٹھ آنے صرف۔ محصول ڈاک ۱۴/۱۲

عورتوں کی پوشیدہ امراض کا شافی علاج

نسوانی

سیلان الرحم (لیکوریٹا) ایام کی بےقاعدگی،
اور عام جسمانی کمزوری کو دور کرنے کے اعضاء کو
نور و نما کی قابلیت اور صحت بخشتی ہے!
قیمت چار روپے
محصول ڈاک چھوٹے آنے

آنکھوں کی تمام بیماریوں کیلئے مایہ ناز ایجاد
پرنسٹہ خاص حکیم مولوی احمد دین صاحب مرحوم

سرتم پلمیر اجیٹڈ

جو پیدائشی اندھے پن کے سوا آنکھوں کے جملہ امراض، دھند،
غبار، جالا، سُرخ، صغیت بصر اور پانی کا گرنا وغیرہ کیلئے
اکیر ماما گیا، آنکھ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے جس کی
حفاظت برکتوں کے لئے ضروری ہے۔

قیمت آٹھ آنے فی شیشی۔ محصول ڈاک ۱۴/۱۲

تیار کر ۱۵۷ - ہندی دوا خانہ یونانی - قصور
اسٹاکسٹ :- شیخ عنایت علی اینڈ سنز - ۶ - انارکلی لاہور

لوہے (IRON) کی ہر قسم کی ضرورتوں اور پورٹ لینڈ سیمینٹ کے لئے

مارش ایسڈ پین

کورنر ہاؤس، پریڈی اسٹریٹ، صدر کراچی ۳
سے مشورہ کیجئے

ادراس کی خدمات سے فائدہ اٹھائیے!

غسل کیلئے بہترین صابن

صنعت پاکستان کے بہترین نمونے

پستیدہ ترین نمونے

صابن خریدتے وقت

ذوالفقار انڈسٹریز

کا نام دیکھئے

جو اچھے صابنوں کی ضمانت ہے، جدید ترین و طاقتور مشینری سے

تیار کردہ۔ پاکستان میں ہر قسم کی صابن کی ضروریات قائلے

ذوالفقار انڈسٹریز کا نام ہمیشہ یاد رکھیں

ذوالفقار انڈسٹریز۔ ڈی ۱۹ منگھوپر روڈ۔ کراچی

گلفام ٹائلٹ سوپ

لیبل کریم سوپ

لیبل سوپ فلیکس پوڈر

ریٹیٹی اور ادنی کپڑے دھونے کا خاص جزا سے مرکب صابن

آل رائٹ میڈیکل کارپوریشن

کپڑے دھونے کا بہترین صابن

(۱) ہرن برانڈ - (۲) ملٹری بار

(۳) ۵۵۵ بار

صحیح ادویہ اور مناسب علاج کی فراہمی کی غرض سے

ہمدرد دوا خانہ

بنیاد ہند میں ۱۹۰۶ء عیسوی میں

پاکستان میں ۱۹۴۸ء عیسوی میں رکھی گئی

ہمدرد کے کاروبار کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آج اس کی تیار کردہ ادویہ ملک کے طول و عرض میں ہر جگہ مل سکتی ہیں۔ لیکن اس وسعت سے زیادہ اس کی کامیابی کا معیار وہ احتیاط ہے جو ہمدرد کے عملوں اور دوا سازی کے کارخانوں میں دواؤں کی چھان چٹک، صفائی، مستحراقی، تحقیق و تفتیش اور قدم قدم پر فتنی جانچ پرکھ میں برتی جاتی ہے۔ ان چیزوں سے ہمدرد کا نام اصلی اور خالص ہونے کی ضمانت ہے!

یہ وہ طریق علاج ہے

جس سے ملک کے اتنی فیصدی باشندے معالجہ کیلئے رجوع کرتے ہیں!

ہمدرد دوا خانہ پاکستان کراچی

طنیب یونانی کا علمبردار ہے!

یعقوب کے بسکٹ

خوش ذائقہ

خوش رنگ

اور

صحت کے لئے فائدہ بخش

سب کی پسند کے بسکٹ

تیار کردہ
سیٹھ محمد یعقوب اینڈ سنز
یعقوب بسکٹ فیکٹری سکھر
زین العابدین برادر س کراچی

اسٹاکسٹ :-

سیکسٹھ سوال ملز

حیدر آباد سندھ

جس میں

مضبوط دھاگا

اور

پائیدار خوشنما کپڑا

تیار ہوتا ہے

آپ پاکستان کو اسی وقت خوشحال بنا سکتے ہیں
چیکہ آپ پاکستان کی بنی ہوئی چیزیں خریدیں

یاوانی وائین سکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگا پیر روڈ - کراچی

ہر قسم کا سلکی اور سوئی کپڑا

کورا اور دھلا ہوا لٹھا

نیز ہر قسم کا دھاگا

تیار ہوتا ہے

یاوانی ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے اور قیمت مناسب ہے

اپنے پاکستان کی صنعت کی قدر اور جوصلہ افزائی

آپ کا قومی فرض ہے

بچوں کی صحت کا ضامن

ایسٹریکٹو اور

بیماری کی صحت بخش دوا

تندرستی میں طاقت بخش غذا

ایک روپیہ آٹھ آنے میں ہر انگریزی دوا فروش خریدے

اپنے ملک

پاکستان کی صنعت

ترقی دیکھئے

اور اپنے

لائپورکائن ملز

لائپورکابنا ہوا مضبوط کپڑا خرید کر نلک و قوم کو مضبوط تر بنائے

پروپرائٹرز

دہلی کلاٹھ اینڈ جنرل منر کمپنی لمیٹڈ

ان کارپوریشن انڈیا

چمکدار لیمن

سکون بخش



حق سنٹر کے لیمنس فلیس مدت میں تمام پاکستان میں پھیل گئے
آپ انہیں مکانوں، آفسوں اور فیکٹریوں میں ہر جگہ پائیں گے درحقیقت
ایک اعلیٰ درجہ کی چیمیز عوام کی خدمت کیلئے پیش کی گئی ہے۔ آپ
حق سنٹر ہی استعمال کیجئے اس لئے کہ یہ بہترین ہیں

پہنئے ہوئے

پاکستان میں



حق سنٹر ایکٹر کمپنی لمیٹڈ

کراچی
فاران

پاکستان

ماہِ القادری

قاران

جولائی ۱۹۵۷ء — ایڈیٹر — ماہر القادری

ساکنہ چندہ ... چھ روپے
فی پرچہ ... آٹھ آنے

مقام اشاعت

دفتر فاران - کیمیل اسٹریٹ - کراچی ۱

نظم و ترتیب

۲	...	ماہر القادری	...	نقش اول -
۹	...	عبدالباری ایم اے	...	توحید کی پہلی درگاہ -
۳۰	...	حاجی محمد عزیز اللہ بی اے، بی ایل	...	اسلامی توحید -
۳۳	...	ڈاکٹر محمد احمد صاحب صدیقی	...	شیخ الریس ابن سینا اور اس کا فلسفہ
۵۱	...	عروج زیدی	...	ہم نے بنایا -
۵۱	...	کوثر اعظمی	...	اشعار
۵۲	...	شفقت کاظمی	...	واردات و محسوسات
۵۲	...	ماہر القادری	...	نوشگفتہ
۵۳	روح انتخاب
۵۴	ہماری نظریں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نفسِ اول

اس تمدن پروردہ دنیا میں، جسے عالم اسباب بھی کہا جاتا ہے، فرد کو، جماعتوں کو اور حکومتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے، کسی کی طرف خود دوستی کا ہاتھ بڑھانا، یا کسی کے ربط و تعاون کے اقدام پر لبیک کہنا، دین و سیاست کے میخا اور فکر و دانش کے نقطہ نگاہ سے کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ اس دنیا میں کوئی حکومت بالکل الگ تھلگ نہیں رہ سکتی، چند افراد کے لئے تو ایسا کرنا ممکن ہے کہ وہ جوگی اور سیاسی بن کر جنگوں اور غاروں میں چلے جائیں اور وہاں پھل پھلا رکھا کر اور چشموں کا پانی پی کر زندگی گزار دیں، مگر ایک "حکومت" تو راہب نہیں بن سکتی۔ اُسے تو قدم قدم پر دوسری حکومتوں اور ریاستوں سے تعاون کے مواقع پیش آتے ہیں۔ اپنی مصلحتوں اور مفادات کے اعتبار سے کسی حکومت سے بڑھنا اور کسی مملکت سے کٹنا پڑتا ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کسی حکومت کے چیلنج کا جواب جنگ کے میدانوں میں دیا جاتا ہے، اور کسی سے صلح و دوستی کی کافرستوں میں معاہدہ کیا جاتا ہے!

آج دنیا کی سیاست پر — امریکہ اور روس — یہ دو طاقتیں چھانی ہوئی ہیں۔ دانشنگاہ اور ماسکو میں جو بالیسیاں مرتب ہوتی ہیں۔ ان کا اثر ایک ایک ملک اور حکومت کی سیاست پر جاکر پڑتا ہے، یہاں تک کہ "ارمن حرم" بھی ان نیلی اور سرخ پر چھائیوں سے بے نیاز اور غیر متعلق نہیں ہے۔ مشرق وسطیٰ میں جو ہل چل مچی ہوئی ہے۔ اس میں امریکہ اور روس کے سیاسی مفادات کا بہت کچھ ہاتھ ہے، کسی نے اسرائیلی حکومت کو شہ دے رکھی ہے اور کسی کی بساطِ سیاست کا جمال ناصر مرہ بنا ہوا ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں روس اور امریکہ کے ایجنٹ پھیلے ہوئے ہیں اور وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے کام اور مقصد سے غافل نہیں ہیں!

سیاست کی دنیا میں نہ محبت اور مروت کوئی چیز ہے اور نہ حق شناسی اور عدل و انصاف کے تقاضوں کا وہاں خیال

کیا جاتا ہے۔ "مفادات اور صرف مفادات" اہل سیاست اسی پیمانہ سے ہر مسئلہ کو ناپتے ہیں۔ یہی وہ گروہ ہے جو عدل و انصاف کو خود ہی دند تل ہے اور پھر خود ہی عدل و انصاف کی دکانی ڈیتا ہے۔ اپنے مفاد کے لئے طاقت استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو یہ سیاست باز خونخوار شیر بن کر ہر ظلم و زیادتی کر گزریں اور پانسہ پلٹ جائے تو پھر امن و صلح اور نرمی و دآشتی کے داعظ اور مبلغ بن جائیں۔ کسی محاذ پر گرگ، کسی جگہ گوسفند، کہیں شعلہ، کہیں شبنم! یہی اہل سیاست خود فناک سے خود فناک ہتھیار بھی بڑاتے ہیں اور پھر خود ہی اسلحہ کی تحفیف اور تحدید کے لئے کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں۔!

روس جو مصر کی پشت پناہی کر رہا ہے، تو اُسے مصریوں سے کیا واقعی محبت ہے؟ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو وہ احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔ روس کا یہ اپنا مفاد ہے، جس نے مصر کی پشت پناہی کا روپ دھا رہا ہے۔ اسی طرح امریکہ کو کیا اردن کی آزادی اور خوش حالی عزیز ہے؟ یہاں امریکہ کے مفادات نے مشرق اردن کی غمخواری کا بھیس بدل رکھا ہے۔!

سیاسی مفادات کی اس شور اشوری اور گرم بازاری میں ایک حکومت کے ارباب کا رکی فراست کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے ملک کے مفاد کے لحاظ سے ایسی پالیسی اختیار کریں کہ جس سے روس اور امریکہ — یہ دونوں طاقتیں قریب قریب برابر کی حلیف اور دوست بنی رہیں۔ مگر یہ پالیسی اسی وقت بروئے کار آسکتی ہے جبکہ اُس حکومت کے ارباب اقتدار صاحب فراست، انتہائی مخلص، بے غرض اور ایثار پیشہ اور آپس میں متحد ہوں۔ اور وہ حکومت اپنی ساکھ اور طاقت بھی رکھتی ہو۔ اتنی طاقت کہ بین الاقوامی دنیا میں اُس کا وزن محسوس کیا جائے۔ جس حکومت کے چلانے والے پر لے درجہ کے خود غرض، نفس پرست اور ایک دوسرے کے حریف و رقیب ہوں اور جس ملک میں ذاتی مفادات اور شخصی اغراض کی کشمکش نے خلقشا پیدا کر رکھا ہو، اُسے لامحالہ موجودہ دنیا کی کسی ایک بڑی طاقت کی طرف بھگتنا پڑے گا۔ اور اس بھگتاؤ اور میلان کا لازمی یہ نتیجہ ہوگا کہ ایک طاقت حلیف بن جائے گی اور دوسری حلیف —!

بھارت کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ دنوں سال کے بعد کہیں جا کر اُس کا جھکاؤ روس کی طرف ظاہر ہو پایا ہے۔ ورنہ اب تک اُس کے مخلص اور صاحب فراست ارباب کا رنے روس اور امریکہ دونوں طاقتوں سے تعلقات قائم رکھے ہیں۔ اور ان تعلقات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ بھارت کے نیتاؤں کا یہ کمال فراست و تدبیر ہے کہ پاکستان کے مقابلہ میں اُس نے امریکہ سے دگنی امداد حاصل کی اور دنیا کی نگاہوں میں باعزت اور طردار بھی بنا رہا۔ ایک پاکستان ہے کہ اُس نے بھارت کے مقابلہ میں بہت کم فائدہ اٹھایا، مگر امریکہ کی غاشیہ برداری اور استعماری طاقتوں کے پاکٹ میں چلے جانے کی بدنامی اس کے حصہ میں آئی۔ اور عرب ممالک تو پاکستان سے اسی لئے خفا ہیں کہ وہ پاکستان کو مغربی طاقتوں کا خوشتر ہیں سمجھتے ہیں۔!

دوسرا ملک ترکی ہے، جو دوسری جنگ عظیم کے وقت سے اب تک امریکہ کا دوست، معاہد اور حلیف ہے، مگر ترکی نے اپنی اس دوستی اور نیاز مندی کی امریکہ سے بھاری قیمت وصول کی ہے۔ اربوں ڈالوں کی امداد ترکی نے امریکہ سے حاصل کر کے اپنے کو صنعتی، زرعی اور فوجی اعتبار سے مستحکم بنا لیا ہے۔ امریکہ نے سب سے کم قیمت پاکستان کی نیاز مندی اور دوستی کی عطا کی ہے۔!

قرض ہی نہیں، بھیک تک لینے میں سلیقہ، حکمت اور رکھ رکھاؤ درکار ہے۔ ایک بھکاری رکھ رکھاؤ کے ساتھ آتا ہے اُسے روپیہ دو روپیہ دینے کے بعد اٹھا سلام کیا جاتا ہے۔ دوسرے بھکاری کو گالیوں دیتے اور ملا جیاں سنا تے ہوئے

پیسہ دو پیسہ ذلت و حقارت کے ساتھ زمین پر پھینک دیا جاتا ہے۔!

ایٹری اور انتشار | روس، امریکہ اور برطانیہ پاکستان کے رتی رتی بھر حال سے واقف ہیں۔ فٹ پاتھ اور چائے خانوں سے لے کر تصدق و ایوان کے حالات و کوائف پر یہ حکومتیں نظر رکھتی ہیں۔ کہ عوام کے کیا رجحانات ہیں؟ کون پارٹی

کیا کر رہی ہے؟ ارباب حکومت کے کیا عزائم اور منصوبے ہیں اور وہ ان کو بروئے کار لانے کے لئے زمین کس طرح ہموار کر رہے ہیں؟ لیاقت علی خاں مرحوم کے قتل ناحق کی جو افواہیں ہم عوام تک پہنچی ہیں، کیا ان کے پس منظر سے ان بدلیسی حکومتوں کا محکمہ جاسوسی بے خبر ہو سکتا ہے؟ یہ ہمارے "سابق آقا" اور حال کے ہمدرد اور گرم فرما "پاکستان کی تمام شخصیتوں کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں؟ جی ایم سید کو "سندھی کلچر" کی مجنونانہ عصیت کی شہ پر کہاں تک لے جایا جاسکتا ہے؟ سلیبی صاحب کی "پنجابیت" کے جنون سے کہا کہا کام نکل سکتا ہے؟ دولت نامہ اور کھوڑو کی ہوس اقتدار کو کس مقصد کی تکمیل میں کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے؟ ڈاکٹر خان جیسے مبغوض شخص کو کون میدان سیاست میں لایا ہے اور ری پبلکن پارٹی کس کے اشارے سے وجود میں آئی ہے اور اس کے بل بوتے پر کون کیا کرنا چاہتا ہے؟ جماعت اسلامی نے اقامت دین کے لئے کس کس عنوان سے جدوجہد کی ہے۔ پاکستان میں اس کی کتنی طاقت (Strength) ہے اور اس کی طاقت کو کمزور کرنے کے لئے کون لوگ کس طرح آلہ کار بن سکتے ہیں؟ سردار نشتر عوام میں کتنے مقبول ہیں اور وہ اسلام اور ملت کے لئے کہاں تک قربانی دے سکتے ہیں؟ غیر ملکی سیاست دانوں کو یہ بھی علم ہے کہ علامہ مشرفی کی پشت پناہی کہاں سے ہو رہی ہے؟ اور کراچی میں "گرانی" کے خلاف جو "مصلحتی ہم" جاری ہے، اس "کٹھ پتلی" کا تار کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور یہ جو "آئین کو معطل کر دینے" اور "تمام سیاسی پارٹیوں کو توڑ دینے" کی آوازیں آ رہی ہیں، یہ کس کی "تمنائے آمریت" کی صدائے بازگشت ہے؟

وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کون "بڑے آدمی" پاکستان کے انتشار کو اپنے اقتدار کے لئے مفید سمجھتے ہیں اور کون "بڑے لوگ" اس خیال میں مگن ہیں کہ پاکستان میں جس قدر زیادہ انتشار پھیلے گا، اتنی ہی ان کے اقتدار کی عمر و زمانہ بڑھے گی اور ان کی پوزیشن کو استحکام نصیب ہوگا۔ روس، برطانیہ اور امریکہ کو یہ بھی معلوم ہے کہ رشوت کا جال نیچے سے لے کر اوپر تک کہاں کہاں پھیلا ہوا ہے، کس کے شبستان عیش میں بادہ و شہاد کا کیا رنگ رہتا ہے؟

ایک طرف حکومت امریکہ، جو اہل لالہ نورو اور راجہ پیر شاہ سے بات کرتی ہے، جن کے بارے میں اس کا یقین ہی نہیں مشاہدہ ہے کہ اختلافات کے باوجود بھارت کی اکثریت کا ان لیڈروں کو اعتماد حاصل ہے۔ ایسے لیڈر جن کی پشت پر عوام کی اکثریت ہو، ہر طاقت اور حکومت سے آنکھ ملا کر بات چیت کر سکتے ہیں۔ ان کی خوشی اور ناخوشی کا وزن محسوس کیا جاتا ہے۔ مگر ایک پاکستان کے بعض "بڑے آدمی" ہیں، جن میں سے کسی کسی کو عوام کے شاید چند ہزار آدمیوں کی بھی تائید حاصل نہیں ہے۔ انہیں خود بھی اپنی نامقبولیت اور غیر ہمدردی کا احساس ہے۔ ایسے غیر عوامی لیڈروں کا امریکہ اور کوئی دوسری طاقت کیا وزن محسوس کر سکتی ہے؟ ان میں خود بھی اتنی جرات اور اعتماد نہیں ہے کہ وہ اپنی کسی بات کو منی لانے کے لئے اصرار کر سکیں۔ پس ایسے "بڑے لوگوں" کے ذریعہ جس بڑی طاقت سے بھی معاہدہ ہوگا، وہ دوستی اور مسادات کا معاہدہ نہیں بلکہ نیاز مندی کا معاہدہ ہوگا۔!

یہ جو راجہ غضنفر علی خاں کے دل میں ایسا ایسا ملک و ملت کا درد اٹھاتا ہے اور وہ مسلم لیگ کے اسٹیج سے برسوں کے بعد نمودار ہوئے ہیں۔ ہمارے "بدلیسی کرم فرماؤں" کے پاس ان کا سارا کچا چٹھا موجود ہے کہ ان حضرت نے طہران۔ انقرہ اور دہلی میں کیا کیا کئے

کھلائے میں۔ مسٹر اصغر خانی جن کا نام زبان پر آئے ہی تجاہت کی شہیدہ بازی "مجسم ہو کر سامنے آجاتی ہے، ایک نئی پارٹی کی داغ بیل ڈال چکے ہیں۔ وہ نہ جانیں کیا شوشہ چھوڑنا چاہتے ہیں کہ مداری کیا چھپاتا کیا نکالتا ہے! غرض "سفید فام ڈیپلومیٹس" اچھی طرح جانتے ہیں کہ کس لیڈر کی کیا ذہنیت ہے۔ وہ کیا عزم رکھتا ہے۔ اُس کا ذاتی کردار کیسا ہے۔ پبلک میں اُس کا کتنا رسوخ ہے وہ اگر پک سکتا ہے تو کتنے دعووں میں اُسے خریدا جاسکتا ہے؟

پاکستان میں جو کشمکش ہے، خلفشار اور ابتری ہے، اُس سے کون واقف نہیں ہے، زندگی کا ایسا کونسا شعبہ ہے جس میں ہل چل مچی ہوئی نہیں ہے۔ گرانی کا وہ عالم کہ پناہ بخدا! رشوت کی وہ گرم بازاری کہ تو یہ ہی بھلی! صوبائی عصبیت کا وہ زور کہ عہدہ نظر کی نامسلمانی سے فریاد!

پاکستان میں پچھلے دور بھی بڑے خراب اور اذیت کو مش گزرے ہیں۔ یہاں جمہوریت اور اسلام کی قدروں کو بہت کچھ پامال کیا گیا ہے۔ مگر موجودہ دور میں پچھلے دور کی تمام برائیوں کے ساتھ غنڈہ گردی اور ہلچل کی جو کیفیت پیدا ہو گئی ہے، وہ ملک کے مستقبل کے لئے انتہائی تشریش اور خطو کا باعث ہے۔ بہت ہی گھٹیا قسم کے لوگوں کی اوپر تک پہنچ ہو جاتی ہے اور وہ اپنے اس رسوخ اور رسائی سے ہر طرح کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔!

ڈھاکہ میں جب نیشنل اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا اور اُس وقت اسلام پسندوں کے جلسہ میں جو مخلوط انتخاب کی مخالفت میں منعقد ہوا تھا۔ جس طرح کی غنڈہ گردی ہوئی تھی اور مسلمانوں کی ڈاڑھیاں نوچی گئی تھیں، اُس کی ہدائے بازگشت کراچی کے ایک جلسہ میں سنی گئی۔ کہ اسٹیج سے کسی لیڈر نے مسلم لیگ کو برا بھلا کہا۔ مجمع نے اس پر احتجاج کیا اور ری پبلکن پارٹی کے رہنما کاروں نے آؤ دیکھانہ تاؤ، بس ایک دم لالٹھیاں برسائی شروع کر دیں۔ یہ اولیت اور خصوصیت ری پبلکن پارٹی ہی کے جلسہ کو حاصل ہے کہ اُس کے رہنما کاروں سے مسلح ہو کر جلسوں میں آتے ہیں اور عوام کے احتجاج کا جواب ڈنڈوں اور لالٹھیوں سے دیا جاتا ہے، آخر ایسی شر پسند حرکتوں کا کیا حشر ہوگا؟ اگر خدا نخواستہ جواب اور جواب الجواب کا سلسلہ چل نکلا تو ہات کہاں جا کر پہنچے گی اور ملک کے امن و امان کی کیا گت بنے گی۔؟

اس ری پبلکن پارٹی کو عوام نے نہیں "اقتدار" نے جنم دیا ہے۔ یہ "عالم بالا" کے اشارے اور ایما سے وجود میں آئی ہے اس کے گرتا دھرتا سب کے سب عہدہ و منصب کے بھوکے اور ارباب "اقتدار" کے "جی حنوری" ہیں۔ وہ امن پارٹی میں شامل ہو کر یا تو عہدہ و منصب چاہتے ہیں، یا پیرٹ اور تجارتی لائسنس! ملک و ملت کا کوئی مفاد ان کے سامنے نہیں ہے! ان کی ضمیر فردشی کا یہ عالم ہے کہ لاہور سے ڈھاکہ پہنچتے پہنچتے اپنی رائے اور فیصلہ کو بدل دیتے ہیں! اس کردار اور ذہنیت کے لوگوں کو سیاسی ہنگامہ آرائی کی شہرتی رہی یا ان کے ہاتھوں میں اقتدار آ گیا تو پاکستان کے حالات سنھلے گئے یا بگڑ گئے؟

دوس، امریکہ اور برطانیہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ پاکستان کے عوام "اسلام" کے سوا اور کسی نظریہ حیات کو نہیں چاہتے۔ مگر یہاں کے "بڑے لوگ" اسی تنگ و دو میں لگے ہوئے ہیں کہ پاکستان میں "اسلامی نظام" نافذ نہ ہونے پائے۔ اسلامی نظام سے انھیں اس قدر کہ کیوں ہے؟ اس کا حال یا تو اللہ جانتا ہے یا وہ خود جانتے ہیں۔ مگر ہم تو ظاہری حالات کو دیکھ کر یہی قیاس کر سکتے ہیں کہ ان حضرات کو "اسلامی نظام" کے نفاذ و قیام میں اپنے اقتدار کا زوال نظر آتا ہے۔ ان کو اچھی طرح پتہ ہے کہ اسلامی نظام کے سربراہ کاروں میں جو اوصاف (qualifications) ہونے چاہئیں ان سے وہ یکسر عاری ہیں۔ لہذا ان کی کمزوریوں پر اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا نظام سیاست اور نظریہ حیات ہی پردہ ڈال سکتا ہے۔!

”مخلوط انتخاب“ کے منظور کرانے میں ان بڑے لوگوں نے جو زمین آسمان ایک کر دیے ہیں اور دھونس دھاندلی اور لالچ سے جس طرح کام لیا ہے، وہ جمہوریت و انصاف کی ایک سنگین ٹریجڈی ہے! ”اسلامی نظام“ کو روکنے کے لئے یہ پہلا سنگ گراں ہے۔ جو اس راہ میں نصب کیا گیا ہے۔ ”مخلوط انتخاب“ کی تجویز منظور ہونے کے بعد ہی سے مشرقی پاکستان میں وہ تمام عناصر زور پکڑ گئے ہیں، جو پاکستان کی سالمیت اور اسلام کی وحدت کے حریف ہیں۔ ”مخلوط انتخاب“ نے کمیونسٹوں اور ہمسجھائی ہندوؤں کی ہمتیں بڑھائی ہیں۔ ”کامگاری“ کا اجلاس اسی غیر اسلامی ذہنیت کی صدا کے بازگشت تھا۔ مشرقی پاکستان کی خود مختاری کا مطالبہ ”مخلوط انتخاب“ کے بطن سے ہی پیدا ہوا ہے۔ اس ایک مسئلہ نے مشرقی پاکستان میں ہوا کے رخ ہی کو بدل دیا، وہاں کی بساط سیاست ہی اور سے اور ہو گئی۔!

جس ملک میں ارباب اقتدار اور عوام کے درمیان ”نظریاتی کشمکش“ پائی جاتی ہو۔ وہاں سکون و مسرت کی ایک صبح بھی طلوع نہیں ہو سکتی۔ وہاں سدا خلفشار اور برہمی و انتشار کا چکر چلتا رہے گا۔ اُس جگہ کوئی تعمیری کام ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کشمکش کے ختم ہونے کی بس دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو پاکستان کے عوام ”اسلامی نظام“ کے مطالبہ سے دست بردار ہو جائیں۔ یا پھر یہاں کے صاحبان جاہ و منصب عوام کی فکر و رائے اور پسند سے ہم آہنگ ہو جائیں۔!

ہونا کیا چاہیے؟ کیا کروڑوں انسانوں کا اپنے مطالبہ سے دست بردار ہو جانا سہل ہے۔ یا چند مٹھی بھر ”بڑے آدمیوں“ کا اپنے نظریہ کو بدل کر، عوام کا ہم خیال ہو جانا آسان ہے! سمندر کی بے شمار موجیں ساحل کی ریت میں گم ہو جائیں، یا ساحل کی ریت موجوں میں گھل جاتی ہے۔ ان میں کونسی بات آسان تر ہے، عملی اور معقول ہے۔!

پاکستان عوام کی قربانیوں سے بنا ہے، انہوں نے برسوں ایک مخصوص نظریہ اور نصب العین کے تحت ”پاکستان“ کے لئے جدوجہد کی ہے، عوام نے اتنی بڑی قیمت دے کر پاکستان کو حاصل کیا ہے کہ اتنی بڑی قیمت کسی خطہ ارض کے لئے کسی قوم کو نہیں دینی پڑی۔ تو اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ صرف چند ”بڑے آدمیوں“ کی مرضی کی خاطر اپنے اس نظریہ اور نصب العین سے دست بردار ہو جائیں، جس کی حفاظت کے لئے انہوں نے اپنے خون اور جانوں کے حصار باندھ دیے ہیں! پوری قوم کی قوم ”اسلامی نظریہ جیات“ کو چھوڑ کر ”ارتداد“ کس طرح قبول کر سکتی ہے؟ یہ اُن کے دین و ایمان کا سوال ہے!!

عوام اور خواص کی اسی نظریاتی کشمکش کے سبب پاکستان کمزور ہوتا چلا جا رہا ہے اور اسی چیز نے بین الاقوامی دنیا میں اُس کی ساکھ کو گرا دیا ہے، یہی سبب ہے کہ ”کشمیر“ پر پاکستان کا حق تو سب کے نزدیک ثابت اور مسلم ہے، مگر پاکستان کا حلیف اور معاہدہ طاقتیں تک کشمیر کے مسئلہ میں ”صنعتِ ابہام“ میں گفتگو کرتی ہیں! اگر پاکستان میں سیاسی انتشار نہ ہوتا، عوام اور ارباب اقتدار نظریاتی طور پر ایک دوسرے کے موید، موافق بلکہ دست و بازو ہوتے، تو کشمیر پر پاکستان کا حق ”اس طرح سیاسی حکمت عملیوں کا کھلوتا بن کر نہ رہ جاتا۔ ہندوستان کے پاس اتحاد و یک جہتی کی طاقت ہے، اس لئے دنیا کی تمام طاقتیں اظہارِ حق میں بھی ہندوستان کی طاقت کے دباؤ کا لحاظ رکھتی ہیں۔ ہمارے یہاں انتشار اور اختلاف کی کمزوری ہے، اس سے ہمارا حق ”بھی ایک معمہ بنا ہوا ہے۔ برطانیہ اور امریکہ جن کو ہم اپنا طرفدار سمجھتے ہیں وہ تک کشمیر کے مسئلہ میں طرح طرح کی بولیاں بولتے ہیں۔ متحدہ اقوام کے نمائندے جب بھی حالات کا جائزہ لینے کے لئے پاکستان اور ہندوستان آئے ہیں، تو کشمیر کے مسئلہ کو انہوں نے کچھ اس طرح ”گو مگو“ بنا دیا ہے کہ اُن کی روش، طرز بیان اور اندازِ گفتگو سے بھارت ہی کو فائدہ پہنچا ہے۔!

دس سال کی مدت میں یہ پانچویں وزیر اعظم ہیں، جو برسر اقتدار آئے ہیں۔ پاکستان میں کرسیوں کی ادلابدلی اس تیزی کے ساتھ ہوتی رہی ہے کہ فرانس کے علاوہ اس کی ادراک میں نظیر مشکل ہی سے ملے گی۔ یہاں عجیب عجیب غیر متوقع انقلابات رونما ہوئے ہیں۔ درجنوں "سابق عزت مآب" کس پرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ وہ "بڑے لوگ" ہیں کہ جب تک اقتدار ان کے ہاتھ میں رہا، ان کے استاذوں کا اہل غم طواف کرتے رہے۔ لیکن عہدے چھٹنے کے بعد لوگ انہیں دیکھ کر کتر اجاتے ہیں۔ جب سے پاکستان بنا ہے، چند گنتی کے لوگ ایسے نکلیں گے جن میں خذ بڑائی موجود تھی۔ ورنہ اکثر و بیشتر لوگوں کو عہدوں اور کرسیوں نے "بڑا آدمی" بنایا ہے۔ کرسیاں چھٹنے ہی ان کی "بڑائی" بھی جاتی رہی۔ اور اس ملیح کے اترتے ہی اصلیت ظاہر ہو گئی، —!

پاکستان کو سیاسی حالات کے جلد جلد تغیر و انقلاب نے بھی نقصان پہنچایا ہے۔ غیر ملکی حکومتیں بڑی تشویش میں رہتی ہیں کہ آخر کس پارٹی اور کن شخصیتوں سے معاہدہ کریں اور کن کو اپنے اعتماد میں لیں، اس لئے کہ کیا ٹھیک ہے کہ کب کس پارٹی کا ستارہ گردش میں آجائے اور کس کرسی نشین کو کب کرسی چھوڑنی پڑے! باہر کی حکومتیں ایسے سیاستدانوں کو اپنا راز دار بناتی ہیں اور ان کی دوستی پر بھروسہ کرتی ہیں۔ جن کے اقتدار کی عمر طبعی ہو اور جن کو عوام کی تائید اور پشت پناہی حاصل ہو۔ —!

اوپر جو کچھ کہا گیا ہے اور خاص طور سے شخصیتوں کا نام لے کر جو تنقید کی گئی ہے، یہ ایک ناگوار فرس ہے جو ہم نے ادا کیا ہے۔ اس طرح ہم نے خود اپنے زخموں کو چھیڑا ہے، حالات کی ابتری کو دیکھ کر ہم سے نہ رہا گیا۔ کسی طرح ضبط ہی نہ ہو سکا۔ اور ل کی چوٹیں کا غنڈ پر منتقل ہو کر رہ گئیں۔ مقصود اصلاح حال اور لوگوں کو چونکا نا ہے۔ ہم عوام اور خواص کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ ہماری تجریر کو خورد بینوں سے پڑھیں، پرکھیں اور جانچیں۔ ہم سے اظہارِ حقیقت میں اگر کہیں اوج نیچ ہو گئی ہو تو میں مطلع فرمادیں! اور ہماری کہی ہوئی باتیں درست ثابت ہوں تو ہماری اس خامہ فرسائی کی داد و ستائش یہی ہے کہ اصلاح حال کی طرف پورے خلوص سے توجہ کی جائے! تاریخ بتاتی ہے کہ جب دلوں میں خدا کا خوف پیدا ہوا ہے تو چور اور اکو تو یہ کر کے متقی اور پرہیزگار بن گئے ہیں۔ اور ان کے مستقبل نے ماضی کی ایک ایک غلطی اور کوتاہی کی تلافی کر کے بڑی ہے۔ —!

پاکستان کا مستقبل! ہمارا وجدان کہتا ہے کہ پاکستان کا مستقبل اب "اسلام پسندوں" کے ہاتھ میں ہے۔ پاکستان کے تاریخ افق کو یہی ستارے طلوع ہو کر انشاء اللہ تابناک بنائیں گے، پاکستان نے اس کے بہت سے دور دیکھ لئے۔ اب اللہ نے چاہا تو وہ اس "بہار" کو بھی دیکھ لے گا، جس کے لئے یہ چمن ظہور میں ہے! اسلامی نظام کی راہ کوئی کب تک روکے رہے گا۔ خود غرضی نے جب برسوں راج کیا ہے تو کیا اخلاص کو خدمت وقوعہ نہ ملے گا، اسی آئے والے مبارک دور سے ہم "فتح مکہ" کی اس لگائے بیٹھے ہیں۔

بدر دہشتیں آج بھی دیتے ہیں یہ پیغام
مکہ نہ ہو جو فتح تو ہجرت ہے نام تمام

وہ دن بھی انشاء اللہ آ کر رہے گا کہ غیر ممالک میں پاکستان کے نمائندے رقا ص بن کر نہیں بلکہ نیکی اور پاکیزگی

اخلاق کے مبلغ بن کر جائیں گے! پاکستان کی گھریلو زندگی پر عائشہ و فاطمہ کے مقدس آنچلوں کا سایہ ہوگا۔
 تہرج جاہلیت کا یہاں نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ ہر طرف بھلائی اور نیکی کا چلن ہوگا۔ یہاں کے ذرے دُنیا کے
 لئے شمع ہدایت ہوں گے! اور صفحہ ارض اور مدقِ روزگار پر یہ حکومت اللہ تعالیٰ کی ایک "آیت" بن کر چمکے گی!
 بار اہبا! ان تمناؤں کے ایک ایک حرف کو قبولیت کا شرف بخش اور ان جلتی ہوئی آنکھوں کو نظامِ حق کے نظارے
 سے طراوت اور ختنکی عطا فرما!

(آمین، یا رب العالمین!)

مآثرِ انصاری

۲۲ جون ۱۹۵۷ء

توحید نمبر

کی پلیٹیں ہم نے پریس میں اس خیال سے رگوا دی تھیں کہ ممکن ہے اس کے دوسرے ایڈیشن کے
 پھلپنے کی ضرورت پڑ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے اس قیاس اور اندازے
 کو واقعہ کی شکل دے دی اور چند دن ہی میں پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا۔
 توحید نمبر کا دوسرا ایڈیشن کرنا فلی سفید کاغذ پر چھپ کر تیار ہو چکا ہے۔ پھلے ایڈیشن
 کی کتابت کی جو غلطیاں معلوم ہو سکیں، ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔
 عام تاثر یہ ہے کہ شرک و بدعت کے رد میں فاران کا توحید نمبر قولِ فضیل بن کرمین پر
 شائقینِ توحید نمبر کو حاصل کرنے میں تاخیر نہ فرمائیں کیونکہ دوسرا ایڈیشن بھی تیزی کیساتھ
 فروخت ہو رہا ہے۔

عبدالباری ایم اے

توحید کی پہلی درسگاہ — الْبَيْتُ الْعَتِيقُ

مختلف زاویوں سے

عتیق کیسے؟ "بیت" گھر کو کہتے ہیں، اور "عتیق" عتق سے مشتق ہے۔ جس کے معنی میں اصل کا خالص ہونا۔ جمال شرا،

نجات، آزادی، کھٹنگی (مصباح اللغات) عتیق کے معنی کہنہ و پرانا۔ آزاد شدہ و آزاد کردہ عتلام۔
 غیثات اللغات) "البيت العتيق" کے معنی خانہ کعبہ (مصباح اللغات) غیثات اللغات میں اس سے زیادہ واضح تشریح یوں
 ملتی ہے :- "یعنی کعبہ و معنی لغتی آن خانہ قدیم بیت اول برائے عبادت آدم علیہ السلام مقرر بود و بعد طوفان لوح ابراہیم علیہما السلام
 فرید آں کردند۔ و عتیق یعنی کریم و معزز ہم آمدہ است۔ یا آنکہ از دست از دست خراب کردن طالمان" یہ فتاویٰ میں بھی لکھا
 ہے کہ "البيت العتيق" اس کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ صدمہ طوفان سے محفوظ رہا۔ انگریزی میں قدیم اور بہت پرانے کے لئے
 "Antique" ہے، جو غالباً اسی عتیق کا بگڑا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی آفرینش کے وقت سے کوئی
 خاص الخاص گھر بنا اور مرد زمانہ کے اثر یا صدمہ سیلاب وغیرہ کی وجہ سے اس عمارت کی تجدید ہوتی رہی۔ ذیل کی سطور میں ہم
 ہی اجمال کی تفصیل و دلائل پیش کرتے ہیں :-

سورۃ الحج میں بیان ہوا ہے :-

"وَإِذْ بَرَأْنَا إِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهَّرَ بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ
 وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ - وَأَذِّنْ لِلنَّاسِ الْحَجَّ - ثُمَّ لِيَقْتُنُوا أَنْفُسَهُمْ فِى يَوْمِ ذُرِّهِمْ وَلِيَطُوفُوا
 بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ -"

داور یاد کرو جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کر دی اور حکم دیا کہ ہمارے ساتھ کسی چیز کو شریک
 نہ کرنا اور ہمارے گھر کو صاف و پاک کرنا۔ طواف کرانے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کیلئے۔
 اور لوگوں میں حج کیلئے پکارو۔ پھر وہ دور کریں اپنی میل کھیل اور پوری کریں اپنی نذریں اور قدیم گھر کا
 طواف کریں)

اسی طرح سورۃ البقرہ میں بیان ہوا ہے :-

"وَعَهْدًا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهَّرَا بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ -"
 راہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے عہد کیا کہ ہمارے گھر کو طواف کرنے والوں، مجاوروں، رکوع و سجود کرنے
 والوں کے لئے پاک و صاف کرو)

ظاہر ہے طواف، عکوف، رکوع و سجد عبادت میں سے ہیں۔ اور طائفین، عاکفین اور رکع السجد پہلے سے تھے، جن کے لئے بیت کو آلودگیوں سے پاک کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے جو پہلے سے موجود تھا۔ جب حضرت ابراہیمؑ سے وہ گھر بیت عتیق بنا لیا جاتا ہے تو شبہ نہیں کہ گھر حضرت ابراہیمؑ سے پہلے تھا، اس لئے قدیم تھا۔ طہراً اور لا تشرك بیئ شیدئا کے الفاظ نارسے ہیں کہ معابد جدیدہ جو اس قدیم عبادت گاہ کے بالمقابل قائم ہو گئے تھے اور شرک کی آلودگیوں کے اڈے تھے۔ وہاں حج کریں بلکہ اسی پرانے گھر میں حج ادا کریں۔ اور اسے اوٹان سے پاک کریں۔ جنہیں بت پرستوں نے رکھ دیا تھا۔ یعنی اس میں دائے اللہ کی عبادت کے کوئی دوسرا کام نہ ہو۔ اسی طرح قرآن کریم میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ "ثُمَّ مَجَّاهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ" (الحج) اور "هَدَىٰ آتَابَالِغِ الْكَعْبَةِ" (مائدہ) یعنی قربانی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ بیت عتیق کعبہ تک پہنچے۔ اس کی جگہ کوئی دوسری نہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے۔ "وَكُلُُّ فَجَاجِ مَكَّةَ مَسْحَرٍ وَطَرَقَهَا مَسْحَرٌ" (مکہ کے تمام راستے اور گلی کوچے مسخر ہیں، یعنی قربانی کی جگہ) قربانی کی جگہ کعبہ اور اس کا گرد و پیش ہے۔ اور مروہ کعبہ کے گرد و پیش میں ہے اور وہی دراصل قربانی کی جگہ تھی۔ سمرات کا دائرہ وسیع ہو گیا تو قربانی کی جگہ میں بھی وسعت ہو گئی۔ پھر یہ فقرہ کہ "إِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ" (البقرہ) جبکہ ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ اس بیت کے قواعد کو اٹھا رہے تھے، غور طلب ہے۔ قواعد جمع ہے "قاعدہ" کی۔ "قَاعِدَاتُ الْبَيْتِ"۔ یہ بلند چوڑے (Plinth) ہے، جس پر مجسمہ نصب کیا جائے۔ القواعد من البیت کے معنی ہوں گے مکان کا چوڑے یا چاروں طرف کی بنیادیں۔ "يَرْفَعُ" کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ اس بیت کے قواعد پہلے سے تھے جنہیں یہ بلند کر رہے تھے! اب ایک حدیث بھی ملاحظہ ہو۔ صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے بردز فتح مکہ فرمایا:۔
 إِنَّ هَذَا الْبَلَدَ حَرَمٌ لِلَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ - فَهُوَ حَرَامٌ مُحَرَّمَةٌ اللَّهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ -
 اس حدیث سے ثابت ہے کہ مکہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے حرم تھا۔ کیونکہ یہاں آسمان و زمین کے بنانے کے وقت کا ذکر ہے۔
 دوسری حدیث ابو ذرؓ سے مروی ہے۔ فرمایا ابو ذرؓ نے،۔

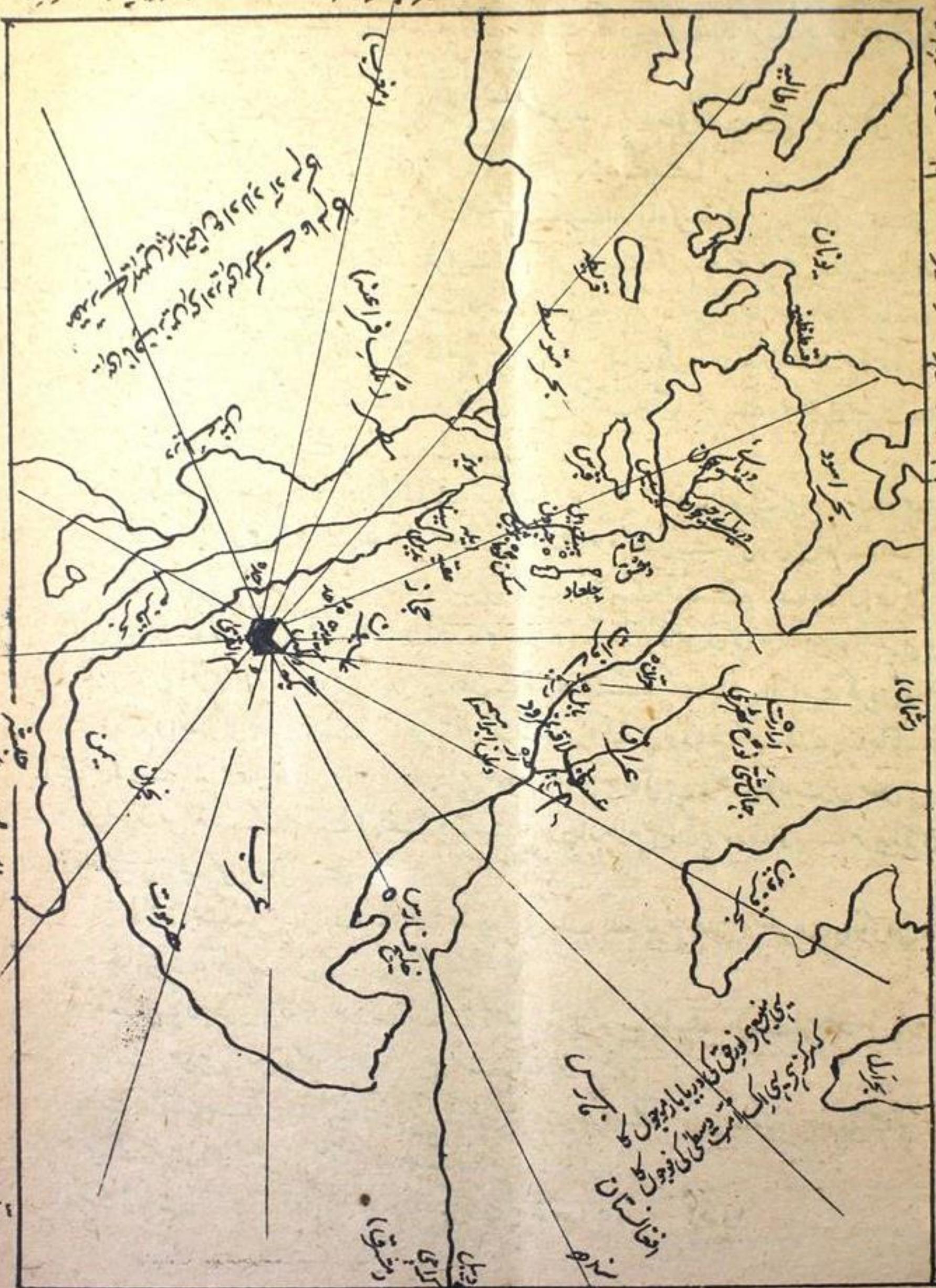
قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ مَسْجِدٍ وَضَعَ فِي الْأَرْضِ أَوْلَىٰ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ - قَالَ قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ الْمَسْجِدُ الْأَقْصَى - قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَمْ بَيْنَهُمَا قَالَ أَرْبَعُونَ سَنَةً -

ابو ذرؓ نے کہا۔ اے رسول اللہ! کون مسجد پہلے دنیا میں قائم ہوئی۔ کہا، مسجد حرام (یعنی کعبہ) ابو ذرؓ نے کہا میں نے کہا، پھر کون؟ کہا، مسجد اقصیٰ۔ (یعنی بیت المقدس) کہا میں نے اے رسول اللہ! اس میں کیا تفاوت ہے؟ کہا چالیس برس۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ جب آدمؑ نے مسجد کعبہ بنائی تو ان کو حکم ہوا بیت المقدس جلنے کا اور وہاں مسجد بنانے کا۔ تو انہوں نے حکم کی تعمیل کی، تیسری حدیث بھی ملاحظہ ہو۔ جو صحیح بخاری میں مروی ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَوَّلُ مَا أَخَذَ النَّسَاءُ وَالْمَنْطِقُ مِنْ قَبْلِ أُمَّ اسْمَعِيلَ - حَتَّى وَضَعَهَا عِنْدَ رُوحَةِ فِرْعَوْنَ فَرَّقَ زَمْزَمَ فِي أَعْلَى الْمَسْجِدِ وَوَلِيَتْ بِمَكَّةَ يَوْمَ صَبَأِ أَحَدًا - فَاطَّلَقَ إِبْرَاهِيمُ إِذَا كَانَ عِنْدَ الثَّنِيَةِ حَيْثُ لَا يَرُونَهُ تَقْبَلُ بِوَجْهِهِ الْبَيْتَ ثُمَّ رَعَابَهُمْ لِأَنَّ الْكَلِمَاتِ وَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي اسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ خَرْدَلٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ - رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ - فَقَالَ لَهَا الْمَلَكُ لَا تَخَافُوا الصَّبِيْعَةَ زَادَ مَعْبَدَتِ اللَّهِ يَسِينِي هَذَا الْغُلَامُ وَابْرَأَهُ - وَكَانَ بَيْتَ الْحَرَامِ مِنْ تَقْعَابِ مِنَ الْأَرْضِ كَالرَّابِيَةِ -

و توحید کی پہلی درس گاہ
رہا اول بیت و منبع للناس للذی بہنکھم مبرکاً و ہدی اللعالمین۔ ایک پہلا گھر جو انسان کیلئے وقف کیا گیا وہ ہی پورا پورا حق پرست اور تمام جہانوں کیلئے مرکز نہایت بنایا گیا۔



... خطی حکومت کا حرم امن
... "وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا تھا" ...
... اولین ایوان

الناس أمة واحدة - ابتداء میں سب لوگ ایک ہی طریقہ پر تھے۔

دکھا ابن عباس نے عورتوں نے ٹھکانا ادا اُمّ سَمِیْل سے سیکھا۔ یہاں تک کہ اتنا ان دونوں کو ایک بڑے درخت کے پاس منزم پر مسجد کے اُپر ہی حصہ میں، اور مکہ میں ان دونوں کوئی نہ تھا۔ تب روانہ ہوئے ابراہیم یہاں تک کہ پہلے تینہ کے پاس راغلائے مکہ کا نام ہے جہاں اہل مکہ کا مقبرہ ہے، جہاں سے اسے وہ نہ تیرے محرم گھر کے پاس۔ تاکہ وہ صلوٰۃ قائم کریں، تب فرشتہ نے اس سے کہا کہ تم لوگ ہلاکت سے نہ ڈرو۔ یہاں خدا کا گھر جسے یہ غلام اور اس کا باپ بنائے گا۔ اور بیت الحرام زمین سے اونچلی طیلے کی طرح تھا۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ، جبرہ و اسمعیل علیہما السلام کو مکہ لے گئے تو مسجد مکہ تھی، خواہ چوتراہ و کرسی ہی کی شکل میں کیوں نہ رہی ہو۔ لیکن اس وقت وہاں آبادی نہ تھی۔ لوگ حج کر کے چلے گئے تھے!

حج کے معنی لغت میں ارادہ کرنے کے ہیں اور عمرہ کے معنی زیارت کرنے اور آباد کرنے کے ہیں۔ اسلامی شریعت کی اصطلاح میں "حج و عمرہ" ان خاص مراسم و عبادات کی ادائیگی کے لئے سفر کرنے کو کہتے ہیں جو بیت الحرام سے مخصوص ہیں اور جن کے باعث کعبہ کی آبادی ہوتی ہے۔ یہی وہ خاص عبادت ہے جو سوائے بیت الحرام کے اور کسی مقام پر ادا نہیں کی جاسکتی۔ حالانکہ تمام روئے زمین خدا سے تعالیٰ نے ہی بنائی ہے۔ ایسا تو ہی اجتماع کسی مقام پر نہیں ہو سکتا۔ جہاں اگر مادی تمدن کے لوازم تو موجود ہوں مگر کوئی روحانی دقتار نہ ہو۔ اس لئے اس مبارک مقصد کے لئے وادی غیر ذی زرع کو منتخب کیا گیا۔ جس سے اسلام کی بہترین روایات وابستہ ہیں۔ جس کا ذرہ ذرہ خدا کے نام پر ملنے والوں کا شاہد ہے!

مکہ معظمہ کی تواریخ میں بلفظ (حرما) بیان کیا گیا ہے۔ حرما زبان عبرانی میں "وقت" کو کہتے ہیں۔ چونکہ وہ مسجد حضرت آدمؑ کی تھی، اس کے پہلے کوئی مسجد نہ بنی تھی، اس لئے بلفظ حرما مشہور ہوئی۔ اب بھی حرم کہلاتی ہے۔ یعنی اس میں سوائے اللہ کی عبادت کے سب بات حرام ہے۔ اسی طرح "الشہر الحرام" ہے۔ اہل عرب میں حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے یہ قاعدہ چلا آرہا تھا کہ ذیقعد، ذی الحجہ اور محرم کے تین مہینے حج کے لئے مختص و وقف تھے، اور رجب کا مہینہ عمرہ کے لئے خاص کیا گیا تھا۔ ان چار مہینوں میں جنگ اور قتل و غارتگری ممنوع و حرام تھی، تاکہ زائرین کعبہ امن و امان کے ساتھ خدا کے گھر تک جائیں اور اپنے گھروں کو واپس ہو سکیں۔ اسی لفظ سے احرام (احلال کی ضد) بھی ہے۔ "احرام" اس فقیرانہ لباس کو کہتے ہیں جو زیارت کعبہ کے لئے پہنا جاتا ہے۔ اسے احرام اسی لئے کہتے ہیں کہ اسے باندھتے ہی آدمی پر بہت سی وہ چیزیں حرام و ممنوع ہو جاتی ہیں جو معمولی حالات میں حلال ہیں اور وہ اس وقت سے کسی خاص مقصد کے لئے اپنے کو وقف کر دیتا ہے۔ ان چار حرام مہینوں پر سورۃ التوبہ سے مزید روشنی پڑتی ہے اور البیت العتیق کی تائید بھی ہو جاتی ہے:-

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا إِنِّي لَبِّبْتُ اللَّهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ ذَلِكَ الْيَوْمُ الْقِيَامِ

حقیقت پوری کہ مہینوں کی تعداد جب سے اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کے نوشتہ میں بارہ ہی ہے، جن میں سے چار مہینے حرام ہیں۔ یہی ٹھیک ضابطہ ہے

زبردست نشاندہی ہے کہ چار مہینے ابراہیمؑ سے بھی پہلے سے جاری تھے، سوال ہے کہ اگر جاری تھے تو کس لئے اور کہاں؟ حج ہی کے موسم میں اسی "البیت العتیق"۔ البیت المحرم کے پاس!

آدم کا زمانہ:- "وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا" (حالی)

البيت العتيق کا ابراہیم سے بہت پہلے موجود ہونا قرآن کریم سے اس طرح ثابت ہے :-

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ - (آل عمران)

میشک پہلا گھر جو انسان کے لئے وقت کیا گیا وہ ہی ہے جو بکۃ میں واقع ہے۔ اس سے سرچشمہ خیر و برکت اور تمام جہاں والوں کے لئے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا !

مقصود یہ ہے کہ پہلا عبادت خانہ یا معبد کعبہ ہی ہے۔ اس کے پہلے کوئی معبد نہ تھا۔ معبد سب لوگوں کے لئے ہوتا ہے۔ وہ کسی کی ملک نہیں ہوتا۔ ہر شخص اس میں عبادت کرتا ہے۔ خدا کے الفاظ میں کہ سب کے لئے یہ وضع کیا گیا تھا۔ یعنی وقت تھا۔ یہی شان مسجد کی ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ جب یہ پہلا معبد تھا تو ضروری ہے کہ حضرت ابراہیم سے پہلے رہا ہو !

تو اس میں بیان ہوا ہے کہ اولاد نوح عرب سے چل دی۔ اور ایسا ہوا کہ مشرق کی طرف سفر کرتے کرتے ان کو ملک سغاریں ایک میدان ملا اور وہاں بس گئے۔ پھر وہ کہنے لگے کہ آؤ ہم اپنے واسطے ایک شہر اور ایک برج جس کی چوٹی آسمان تک پہنچے، بنائیں۔ اور یہاں اپنا نام کریں۔ (پیدائش ۱۱: ۲-۴) برج یا منارہ بطور نشان معبد تھا۔ چنانچہ جب یہ شہر بابل اور مندر تیار ہوا۔ اور اصنام پرستی بڑھتی چلی گئی تو وہیں حج بھی ہونے لگا۔ بت پرست وہیں قربانی وغیرہ بھی کرنے لگے اور ارکان حج بھی کرنے لگے۔ نمرود کے زمانہ تک بڑا زور شور رہا۔ یہاں تک کہ ابراہیم کا زمانہ آیا۔ پھر انہوں نے ہجرت کی اور سورۃ الحج والا حکم قرآنی انہیں ملا۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مسجد کعبہ حضرت ابراہیم سے پہلے تھی اور وہاں حج ہوا کرتا تھا۔ لیکن اصنام پرستوں نے بابل میں ایک مندر بنا لیا تو حج کعبہ میں فتور پڑ گیا۔ اس لئے حضرت ابراہیم بموجب ہدایت اللہ لوگوں کو سمجھانے تھے کہ شرک کو چھوڑ دیں۔ آلودگیوں کو دور کریں اور حج پرانے ہی گھر میں کریں۔ ابراہیم کے وطن اُر کے کتبات میں رجو کھدائی میں ملے، تقریباً پانچ ہزار خداؤں کے نام ملتے ہیں جن کے سامنے مراسم عبادت، بجالائے جلتے تھے، ہر شہر کا الگ الگ رب البلد ہوتا تھا !

قرآن کریم میں بابل قابیل کا قبیلہ ذکر ہے :-

وَإِذْ قَرَّبْنَا قَابِلَ بْنَ يَاقَانَ إِذْ قَرَّبَ بَاقِرًا نَّانْتَقِبِلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَلْ مِنَ الْآخِرِ
قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ -

پڑھان پر آدم کے دونوں بیٹوں کی خبر ٹھیک ٹھیک چڑھایا اور قریب کیا، ان دونوں نے چڑھاوا تو قبول ہوا ایک کا اور دوسرے کا مقبول نہ ہوا۔ تو ایک نے کہا۔ بس مجھے قتل کروں گا۔ تب کہا کہ خدا متقین ہی کا قربان (ہدیہ) قبول کرتا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ :-

الْقُرْبَانُ مَا يَتَقَرَّبُ مَهَالِي اللَّهِ مِنْ ذَبِيحَةٍ أَوْ غَيْرِهَا -

یہی معنی مصباح اللغات میں بھی ملتے ہیں۔ "قربان ہر وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے۔ چاہے ذبیحہ ہو یا کچھ اور" ظاہر نصوص سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دونوں بھائیوں نے قربان، کسی ایک ہی مقام پر رکھا۔ ورنہ حسد و بغض نہ ہوتا، جو قتل کی واردات کا باعث ہوا۔

پیدائش باب چہارم میں بابل و قابیل کا قبضہ یوں لکھا ہے کہ بابل بکریاں چرانے تھے اور قابیل کھیتی کرتے تھے۔ کچھ دنوں بعد قابیل اپنی پیداوار زمین سے اللہ کے لئے صدقہ لایا۔ اور بابل بھی پہلے ٹپٹے اپنی بکریوں کے اور ان کی چربی لایا۔

لیکن خدا بائبل کے صدقہ (ہدیہ) سے خوش ہوا اور قابیل کا صدقہ (ہدیہ) مقبول نہ ہوا۔ اس حکایت سے بھی مستنبط ہوتا ہے کہ کوئی مکان عیسویہ تھا، کوئی مسجد تھا جہاں صدقات پہنچائے گئے!

پیدائش کے اسی باب میں یہ بھی ملتا ہے کہ قابیل سے خداوند نے کہا کہ "اگر تو بھلا کرے تو کیا مقبول نہ ہوگا؟ اور اگر تو بھلا نہ کرے گناہ دروازہ پر دیکا بیٹھا ہے" یعنی اگر تو اچھا کرے گا تو صعود ہے (ایہ لیصدقہ الکلم الطیب - قرآن) اور اگر بُرا کرے تو دروازہ پر کاربند بیٹھا پڑا رہے گا۔ اس سے آستانہ کا مفہوم مستنبط ہوتا ہے۔ کوئی مکان خاص عبادت کے لئے تھا۔ دروازہ ذکر بلا مکان کے نہیں ہوتا۔ اسے آستانہ خداوندی کہا جا سکتا ہے۔ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ "تب قائل (قابیل) نے خدا سے کہا کہ میری سزا میری برداشت سے باہر ہے، دیکھ میں تیرے حضور میں روپوش ہو جاؤں گا" (پیدائش ۳: ۱۳-۱۴) سو قائل خداوند کے حضور سے نکل گیا (پیدائش ۳: ۲۳) حالانکہ خدا ہر جگہ ہے، کہاں نہیں ہے؟ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ضرور کوئی عبادت کا گھر تھا، جس کے آستانہ پر ہدیہ و نذر چڑھائے جاتے تھے، جس کے حضور سے نکل کر قابیل چلا گیا!

یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ قربانی حضرت آدم کے وقت ہی سے فرض تھی۔ اور اس وقت سے تا زمانہ موسیٰ ایک مذبح (بمنتر مسجد یا مسجد) بنا لیا تھا۔ یسعیاہ ۶۰: ۷ کے الفاظ بھی عذر کے قابل ہیں۔ "وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنے شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا"۔ یہاں قربان گاہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مذبح بتلایا ہے۔ اس سے معلوم ہے کہ وہ قربان گاہ ہی جہاں کی قربانی کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ اور اسی جگہ کو قدیم سے قربان گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور اس کے بعد فقرہ "شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا"۔ بالکل "جعل اللہ للعبدة بیت المحراب قیاماً للناس" کا مفہوم ادا کرتا ہے (اس طرح قرآن کریم پہلے نوشتوں کی تصدیق کرتا ہے) اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو شوکت کا گھر بنا لیا ہے، تاکہ یہ قبلہ ہو اور مخلوق کے وہاں قیام کرے!

"أَوَّلُ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ" کے الفاظ نشاندہی کرتے ہیں کہ بیت عتیق ضرور ابو البشر آدم کے وقت سے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمولیت کیوں نہ سمجھی جائے جبکہ دین کا وجود وہیں سے شروع ہوا! نہ کہ محض ابراہیم کے وقت سے! جس کی تائید قرآن کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے:-

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ -

اللہ نے آدم و نوح، آل ابراہیم، آل عمران کو تمام عالم پر برگزیدہ کیا۔

اور "كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً" (البقرة) ابتداء میں سب لوگ ایک ہی طریقت پر تھے۔ انسان کی زندگی کا آغاز پورے

روشنی میں ہوا ہے۔ آدم کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ صحیح راستہ کونسا ہے۔ پھر پیدائش باب ۱: ۱ میں درج ہے کہ تمام زمین پر ایک زبان اور ایک لہجہ بولی تھی۔ اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ مرکزی معبد بھی ایک ہی رہا ہوگا، کم از کم سال میں ایک مرتبہ موسیٰ حج کے لئے آئے تھے یہی تو حیدر کی پہلی درگاہ رہی ہوگی!۔

مورخ ابن اثیر کی تاریخ الکامل سے پتہ چلتا ہے کہ جب قابیل نے بائبل کو قتل کر دیا تو حضرت آدم نے اپنی وفات سے قبل اپنے پیسے بیٹے شیث کو خلافت الہیہ میں اپنا جانشین بنا دیا تھا۔ حضرت شیث نے کعبۃ اللہ کی عمارت کو تعمیر کیا۔ دینا کے دارالسلطنت میں اولین ایوان تھا، جس کو ہم فطری حکومت کا حرم امن تسلیم کر سکتے ہیں۔ آئینہ عرب کے حوالے سے یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ اسے مربع صورت کی چار دیواری بتائی تھی۔ پیدائش ۴: ۲۶ میں ہے کہ شیث کے بھی ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس

اس نام انوش رکھا جب شیث ۵ برس کے تھے، اس وقت سے لوگ یہوواہ کا نام لے کر دعا کرنے لگے۔ (یعنی خدا کا نام پڑھنا شروع کیا) اور یہی مقصد تھا بیت عتیق کا۔ جیسا کہ قرآن و حدیث کے اشارات سے پتہ چلتا ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا اسْكَنتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُرَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ - رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ (ابراہیم)
فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكُمْ فَاذْكُرُوا لِلّٰهِ (البقرہ) وَاِنَّمَا جَعَلْنَا الطَّوَّافَاتِ بِالْبَيْتِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا
وَالْمَرْوَةِ وَذِمِّي الْجَمَارِ لِاقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ - (حدیث)

دیکھئے "لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ" - "فَاذْكُرُوا لِلّٰهِ" اور لِاقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ - حج کے اصل اغراض کی کسی نقاب کشائی کرتے ہیں۔ اسی طرح سورۃ المائدہ کے ان الفاظ کو بھی ملاحظہ کیجئے: "جَعَلَ اللّٰهُ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِلنَّاسِ" اللہ نے مکانِ محرم کی طرف لوگوں کے لئے، اجتماعی زندگی کے لئے، قیام کا ذریعہ بنایا (سورۃ المائدہ کے نوٹ نمبر ۱۱۳ میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اس کی تفسیر کی ہے)۔

"عرب میں کعبہ کی حیثیت محض ایک مقدس عبادت گاہ کی نہ تھی بلکہ اپنی مرکزیت اور تقدس کی وجہ سے وہی پورے ملک کی معاشی و تمدنی زندگی کا سہارا بنا ہوا تھا۔ حج اور عمو سے سدا ملک کھنکھرا س طرف آتا تھا اور اس اجتماع کی بدولت امت کے مائے ہوتے عربوں میں وحدت کا ایک رشتہ پیدا ہوتا، مختلف علاقوں اور قبیلوں کے لوگ باہم تمدنی روابط قائم کرتے۔ شاعری کے مقابلوں سے ان کی زبان اور ادب کو ترقی نصیب ہوتی اور تجارتی لین دین سے سارے ملک کی معاشی ضروریات پوری ہوتی۔ حرام مہینوں کی بدولت عربوں کو سال کا پورا ایک تہائی زمانہ امن کا نصیب ہو جاتا تھا۔"

بیت العتیق کی یہ مرکزی حیثیت شروع سے رہی ہوگی!

مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں یہ بات سمجھیں آتی ہے کہ حضرت آدم کے وقت سے کوئی مسجد تھی، جہاں خدا کا نام لیا جاتا تھا۔ قات و غیرہ جمع ہوتا تھا اور حج ہوتا تھا، یہ سب دین کے فرائض کی شکل میں سمجھے جاتے رہے ہوں گے!

جس صالح نظام زندگی پر حضرت آدم اپنی اولاد کو چھوڑ گئے تھے، اس میں سب سے پہلا بگاڑ حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ کے دور میں رونما ہوا:-

"وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ لِقَوْمِهٖ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِهٖ - (الاعراف)

یہ قوم نہ تو اللہ کے وجود کی منکر تھی نہ اللہ کی عبادت سے اسے انکار تھا۔ نوح کو آدم ثانی بھی کہا گیا ہے۔

"جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمْ اَلْبَاقِيْنَ" (الصافات)

ان کے دور میں سلطنت کا ربانی نثر یہ زیادہ منظم صورت میں دینکے سامنے آیا۔ البتہ جب شرک کی گراہی کے سبب ربانی حکمت سے بغاوت ان کی قوم کا مستقل فیصلہ تھا تب طوفان آیا۔ جو لوگ طوفان سے بچ کر زندہ رہے وہی خلافت کے مستقبل میں قرار پائے۔ نوح کی اچھی نسل کو بچالیا گیا۔ اور وہی آج تک اس دینکے پھلنے پھولنے کا ذریعہ بنی۔ توراہ میں طوفانِ نوح بعد کا ذکر ہے کہ "فقط ایک نوح بچا، یا وہ جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے (پیدائش ۲۲-۲۴) اور تب نوح نے خداوند کے لئے مذبح بنایا اور سبے پاک چوپایوں اور پاک پرندوں میں سے تھوڑے سے لے کر اس مذبح پر سوختی قربانیاں چڑھائیں۔"

پیدائش ۸: ۱۲ یہ تو طوفان کے بعد کا ذکر ہے۔ جب اس وقت انھیں مذبح کا احساس ہوا تو کیا طوفانِ نوح سے قبل جبکہ وہ صحیح راہ

دکھانے ہی کے لئے۔ شرک کو دور کرنے ہی کی خاطر (جیسا قرآنی آیات رہنمائی کرتی ہیں) مبعوث ہوئے تھے۔ مذبح (مجد) کا خیال نہ آیا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے وہی آدم کے وقت کا معبد ریت اللہ تھا۔ جہاں قابیل و ہابیل اپنی نذر لے کر گئے تھے۔ اب طوفان سے خرابی آگئی تھی، اس لئے انہوں نے بھی اس کی تجدید و مرمت کی!

تالمود کا بیان ہے کہ بچپن میں نمرود کے ڈر سے ابراہیمؑ پوشیدہ طور پر پرورش پالنے کے بعد دس برس کی عمر میں نوح اور ان کے لڑکے سام بن نوح کے پاس تربیت کے لئے بھیج دیئے گئے تھے۔ اور وہاں ۳۹ برس تک انہوں نے تعلیم حاصل کی، پچاس برس کی عمر میں ابراہیمؑ اپنے مرئی نوح کے پاس سے اپنے والد آذر کے پاس گئے۔ پھر نمرود سے مناظرہ کے بعد کنعان کو ہجرت کی۔ اور تین برس بعد نوح کی وفات ہو گئی۔ ایک معتبر تاریخ یہود "سفر ایشیا" میں مذکور ہے کہ ابراہیمؑ نے نوح اور سام بن نوح کے گھر میں پناہ لی تھی!

مجد اس وقت مذبح کہلاتا تھا، جیسا اوپر بتایا جا چکا ہے۔ کیونکہ عبادت اس زمانہ میں قربانی تھی (جیسا ہابیل و قابیل کے قصہ میں دیکھا) اور اب چونکہ عام عبادت ناز ہے، اس لئے مجد کو مسجد کہتے ہیں۔

توراة میں یہ بھی مذکور ہے کہ سام بن نوح علیوں کے معبود کے کاہن اور امام تھے!

"علیوں"۔ عبرانی زبان میں عجاز کا نام ہے عربی کا اس کا نام "عالیہ" بھی ہے، جو علیوں کا ترجمہ ہوا۔ ملک عرب انہی کے حصہ میں تھا، وہیں ان کا مسکن تھا، ان کی اولاد سے اس کا معرور ہونا اس پر دلیل بھی ہے، حضرت اسمعیلؑ اور ہاجرہ کے قصہ سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے رفع نزاع میراث کے واسطے ان کو سام بن نوح کے پاس جو اس وقت زندہ تھے، مکہ روانہ کیا تھا، اور مقصود یہ تھا کہ حضرت اسمعیلؑ وہیں رہیں (شادی بھی وہیں بنو جرہم میں کی) اور بعد وفات سام وہاں کے امام ہوں گے۔ سام بن نوح کا وہاں رہنا یہ بھی دلالت کرتا ہے کہ وہ مہتمم جج تھا!

مکہ کا قدیم اور اصلی نام بکۃ ہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہی نام قرآن کریم نے لیا ہے۔

مکہ کی تحقیق

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ

توراة کے زبور ۱۸۴، ۱۸۵ و ۱۸۶ میں ذکر ہے کہ "بمبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں رہتے ہیں، وہ سدا تیری تعریف کریں گے" "وہ وادی بکۃ سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں"

عربی بائبل میں یہ الفاظ ہیں۔ "طوبی للساکنین فی بیتک ابدًا ایتسخر نک"

"عابرون فی وادی البکا۔ یصیرونہ ینبوعا"

انگریزی بائبل میں یہ الفاظ بھی ملاحظہ ہوں۔

"Blessed are they that dwell in thy house: they will be still praising thee."

"Who passing through the valley of Baca make it a well."

یہاں خدا کے گھر کا ذکر ہے جہاں کے باشندوں کو مبارک بتلایا گیا ہے، جو ہمیشہ خدا کی تسبیح دستاویز کرتے ہوں گے، دیکھئے لفظ "بکا" اردو، عربی اور انگریزی تینوں زبانوں میں موجود ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بکا اسم معرّفہ (Proper Noun) ہے جو کسی زبان میں تبدیل سکا۔ انگریزی میں اسے کیپٹل بی (Capital B) سے بھی لکھا گیا ہے، جو گرامر کے مطابق اترتا ہے۔

عربی اور اردو میں لفظ وادی بھی آیا ہے۔!

مقابلہ قرآن کریم کے الفاظ سورۃ ابراہیم کے ملاحظہ کیجئے۔!

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ

یہاں بھی وادی اور بیتک المحرم کا ذکر ہے۔ اسمخیل اور ان کی والدہ کے آباد ہونے والی بخاری کی حدیث میں مذکور ہے۔
 "فَلَمَّا بَلَغَتِ الْوَادِي سَعَتِ" (یعنی جب ماجرہ اس وادی میں پہنچیں تو وہاں بیتا بنا نہ دوڑیں)

زبور کی مندرجہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ حضرت داؤد نے مکہ معظمہ اور قربان گاہ اسمخیل کی نسبت اپنا شوق اور اپنی حسرت ظاہر کی ہے۔ اور یہ مخطہ حضرت داؤد کے وطن سے دور بھی ہے کہ وہاں تک سفر کر کے جائیں!

معلوم ہوا کہ زبور کا لفظ بکا وہی "بکة" ہے جو قرآن کریم میں آیا ہے۔ یہ لفظ بکة بمعنی زحمت، زحم و ازحام سے مشتق ہے۔
 تباگ ہجوم کرنے کو کہتے ہیں۔ (بحوالہ مصباح اللغات) اس لفظ کا اطلاق مکہ پر اس لئے ہوا کہ اس مقام پر عوام الناس کا اجتماع بہت ہوتا تھا۔ (آئینہ عرب) ابن ہشام نے بھی سیرت میں بیان کیا ہے کہ "إِنَّ بَكَّةَ اسْمُ الْبَطْنِ مَكَّةَ - لَنَعْلَمُ تَبَاكُونَ فِيهَا" بالکل یہی مفہوم قرآن کریم کے ان الفاظ میں بھی پایا جاتا ہے۔ "إِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ" (البقرہ) خیال کر دیجئے ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے تیرتھ یا مرکز قرار دیا تھا۔!

(۲) وجہ تسمیہ کے بارے میں ابن ہشام نے ایک دوسرے قول کا بھی ذکر کیا ہے۔ "إِنَّمَا سُمِّيَتْ بِبَكَّةَ إِلاَّ أَنَهَا تَبَكُّ اعْتِاقُ الْجِبَابِرَةِ إِذَا أَحْدَثُوا فِيهَا شَيْئًا" اس مفہوم کی تفصیل کے لئے آگے لفظ حطیم کی تشریح ملاحظہ ہو۔

(۳) قدیم زمانہ میں "باس"، "باسہ" اور "بساسہ" کہتے تھے مگر اب مکہ کہتے ہیں (بحوالہ آئینہ عرب) عربی میں "باس" کے معنی ہیں بہادری، خوف اور عذاب کے۔

(۴) اگر اسے "بکی" بمعنی میت پر رونا اور "بکی" بمعنی دوسرے کو رلانا اور عبرانی زبان کے "بکة" بمعنی رونا سے متعلق سمجھیں تو یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت آدمؑ وہاں اپنے معاصی پر گریہ و زاری کرتے رہے ہوں گے اور وہاں ان کا "بیت الحزن" رہا ہوگا (ممكن ہے اسی خوف خدا اور عذاب سے تعلق مندرجہ بالا باس کا بھی رہا ہو) اسی لئے اس مقام کو "بکة" کہا گیا!
 اسی لفظ سے ملتا جلتا اور اسی مفہوم کا حامل ایک لفظ توراہ میں آیا ہے۔ "ربقة کی دایہ و بورہ مرگئی اور وہ بیت اہل کی اترائی میں بلوط کے درخت کے نیچے دفن کی گئی۔ اور اس بلوط کا نام "اتون بکوت" رکھا گیا۔ (سپیرالس ۱۳۵: ۸) یہ بکوت (انگریزی بائبل میں Bachuth) عبرانی لفظ ہے۔

(۵) اگر لفظ "مکة" پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ عبرانی و عربی دونوں زبانوں میں "مکة" کے معنی ہلاکت کے ہیں۔ (مک التئی) ہلاک کرنا۔ (مصباح اللغات) عجب نہیں کہ بعد ہلاکت ہابیل کے اس مقام کا نام آدمؑ نے مکہ رکھ دیا ہو۔ یا اسی بنا پر بعد میں رکھ دیا گیا ہو کہ ابتداء سے ہلاکت و موت وہیں سے ہوئی! یا پھر اسی "بکی" سے مشتق "بکی" (رونے کی جگہ) رہا ہو اور مرور زمانہ سے "بکی" سے مکہ ہو گیا ہو!

(۶) مکہ کی وجہ تسمیہ ایک اور بیان کی جاتی ہے۔ کہ جب آدمؑ (ابو البشر) اس وادی غیر ذی زرع میں آئے تو انہوں نے اپنی اولاد کو اولاً علم فلاحت کی تعلیم دی کہ مناسب غذا ہم پہنچے، چونکہ تکمیل فلاحت کے لئے تقدیر اذمنہ اور ادوا ضرور ہے۔ اس لئے آپ نے تعلیم ریاضی کی بنا ڈالی۔ پھر ہیئت و نجوم کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر قمر و دیگر کواکب کی طرقت اور قمری ہینول اور ہفتہ کے دنوں کو متعین کیا۔ جس پہاڑ پر یہ سب کارخانہ (observatory) رہتا تھا، اس کا نام (ہرہ تیاریح) یعنی جبل القمر رکھا۔ حضرت آدمؑ اسی جبل القمر پر رہتے تھے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ کے

پہاڑوں میں تھا۔ تقریباً یہی باتیں تاریخ الحکماء میں فالسٹین یوتانی نے لکھی ہیں۔ (بحوالہ بشری از عنایت رسول چریا کوٹی) تاریخ یہود کے "سفر ہبتا سار" میں لکھا ہے کہ ہابیل کے قربان پر ایک تجلی ہوئی (شعلہ یا آگ آئی) جس میں وہ غائب ہو گیا۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ جب ہابیل کے قربان پر تجلی ہوئی اور وہ تھا حرام کے پاس تو حضرت آدم وغیرہ نے اس کا نام کوہ فاران رکھا۔ کیونکہ "فاران" کے معنی تجلی ہیں۔ توراہ میں مکہ کے میدان کو بھی فاران لکھا ہے۔ پھر آگے چل کر جب اس خطہ میں عربی جاری ہوئی تو اس کا نام "جبل النور" (اور جبل الرحمتا ہوا۔ اسی "جبل القمر" کو اہل فارس "مہ" کہتے ہیں۔ جس سے مکہ کی یہ توجیہ لکھی آئی۔ (بحوالہ بشری از عنایت رسول چریا کوٹی) اگر یہ توجیہ مانی جائے تو یہ بہت بعد کی ہوگی۔ بہر حال اگر قمر کی پرستش بھی ہونے لگی۔ اور روحانیت ماہ کو دہاں سے بڑا تعلق بھی ہو گیا تو یہ سب شرک کی آلودگیوں کے نتائج تھے۔ جیسا ہمیں آج کی کھدائی سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آج کا رب البلد نثار چاند دیتا تھا۔ اگر ان سارے بیانات میں کچھ بھی حقیقت ملتی ہو تو وہ بھی اسی بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ایک قدیم مسجد حضرت آدم ہی کے وقت سے تھی۔ چنانچہ منجملہ مناسک حج وہی سادہ، بن سبلا لباس جو نسل انسانی کے پدر اعظم حضرت آدم کا تھا، تجویز کیا گیا۔ تاکہ ایک ہی لباس میں تمام دینکے انسان ایک سطح پر نظر آئیں۔ اور حج کے لئے وہی مقام چنا گیا جہاں دینا کی سب سے پہلی عبادت گاہ بنائی گئی تھی۔ !

رسا بکۃ کے علاوہ قرآن کریم نے مکہ کا لقب "أمد القری" بتایا ہے۔ جس سے اس مقام کی قدامت پر روشنی پڑتی ہے۔ "أمد القری" کے معنی ہیں "قری کی ماں" اور قری جمع ہے "قریۃ" کی۔ ظاہر ہے جس طرح بچوں سے پہلے ماں ہوتی ہے اسی طرح ساری بستیوں سے پہلے بستیوں کی ماں رہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَقَدْ نَزَّلْنَا أُمْدَانًا وَمِنْ حَوْلِهَا" (العام) اس طرح اس بات کا سراغ ملتا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلی آبادی مکہ معظمہ کے مقام پر ہوئی۔ جہاں خانہ بدوش قبیلوں نے قیام کیا اور بربریت و نوحش کو چھوڑ کر عمران و تمدن کی زندگی میں داخل ہو جائیں۔ کم از کم بخاری کی حدیث سے اتنا ضرور پتہ لگتا ہے کہ حضرت ابراہیم بیت اللہ بنانے کے ارادہ سے حضرت اسمعیل کے پاس دادی غیر ذی ذرع پہنچے تو وہ اس وقت تیر کی نوک بنا رہے تھے۔ اور ذبیحہ اسمعیل نے انھیں بتایا: "طَعَامُنَا لَئِنْ كُنَّا مِنْكُمْ لَمَنَافِعُ"۔ کیا اس سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ اس دادی غیر ذی ذرع میں اس وقت صرف گلہ بانی اور شکار پر قناعت ہو رہی تھی۔ چنانچہ ابراہیم نے یہ دعا مانگی: "رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آسَافًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ"۔ (البقرہ)

یہی منبع ہے نوح کی دریا بار موجوں کا

کہ مرکز ہے یہی اک امت وسطی کی فوجوں کا

یہی نادر زمین ہے اور یہی مرکز ہے عالم کا

مقدر ہے یہیں پر اجتماع اولاد آدم کا

(شاہنامہ اسلام از حفیظ)

مورخین نے جایجا تصریح کی ہے کہ چونکہ اہل عرب کعبہ کے مقابل اس پاس عمارات بنانے کو کعبہ کی بے ادنی سمجھتے تھے، اس لئے عمارتیں نہیں بنوائیں۔ بلکہ خیموں اور شامیانوں میں رہتے تھے اور اس طرح مکہ ہمیشہ سے خیموں ہی کا ایک شہر تھا، (حالانکہ اس وقت تو کعبہ کے گرد و نواح میں کئی کئی منزلیں عمارتیں ہیں)

زمانہ جاہلیت میں بھی کعبہ ان کا سب سے بڑا معبد تھا۔ یہ اسی کا احترام تھا کہ حج کے ہینوں میں تمام فتنے سرد پڑ جاتے تھے۔ چنانچہ عرفات کے اجتماع میں خطیب سب کو صلح اور صلح رحم کی دعوت دیتا تھا۔ اسی وجہ سے عرب مکہ کو "صلح" اور "امم الرحم" بھی کہتے تھے، پہلے قرآن کریم میں ایک آیت پیش کی جا چکی ہے کہ حرام ہینے حضرت آدم ہی کے وقت سے تھے۔ یہ امر بھی واضح ہے

کہ جب باہل دہاں قتل ہوئے اور نماز و حج فرض ہوا تو خدا نے دہاں خونریزی بھی حرام کر دی ہو !
 (۸) ایک کتاب "خیر الکلام فی احوال العرب والاسلام" میں یہ بھی ملاحظہ کیا کہ یونانیوں نے مکہ کو "مکوریہ" کے نام سے یاد کیا ہے
 معلوم ہوتا ہے یہ "مکوریہ" محض "ام القری" کا بگڑا ہوا لفظ ہے !

تجدید منازل کے

ابن مندہ دن کہتا ہے کہ خلیل نے جب ہاجرہ اور ان کے بیٹے ذبیح اللہ کو حبشیل میدان میں تنہا چھوڑا تو حضرت ذبیح اللہ نے وہیں ایک مکان بنایا اور اس کے گرداگرد ایک دیوار کھینچ دی اور اس کو اپنی بھیڑوں کی رہنے کی جگہ بنایا، پھر جب ان کے والد آخری مرتبہ شام سے ان کی ملاقات کو آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ اس احاطہ کے مقام پر کعبہ بناؤ اور حج کے واسطے لوگوں کو آواز دو۔ اسی مقام پر حضرت ذبیح اللہ اور ہاجرہ اور جو لوگ ان کے ساتھ قبیلہ جرم سے آئے تھے، مقیم رہے۔ یہاں تک کہ وہیں حضرت ذبیح اللہ اور ان کی والدہ نے رحلت فرمائی اور قریب حجر اسود کے دفن ہوئے !

پھر بنو جرم نے اس کی تجدید کی، پھر بنو عمالقہ نے اس کی مرمت کی، ان کے بعد جب خزاعہ کے قبیلہ پر قریش کو غلبہ ملا تو قصی بن کلاب نے کچھ جدید مکانات اصل تعمیر کے گرداگرد بنائے۔ خدا کا یہ کفر ایسا سا زہ تعمیر ہوا تھا کہ نہ چھت نہ کواڑ، اور نہ چوکھٹ اور نہ بازو تھے، قصی نے قدیم عمارت گرا کر نئے سرے سے تعمیر کی اور کھجور کے تختوں کی چھت پائی۔

چونکہ عمارت نشیب میں تھی، بارش کے زمانہ میں شہر کا پانی عزم میں آتا تھا۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کا دروازہ سطح صحن سے کافی اونچے پر بنایا گیا تھا۔ اور اس کی روک کے لئے بالائی حصہ پر بند بنوا دیا گیا تھا۔ لیکن وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا۔ اور عمارت کو بار بار نقصان پہنچتا تھا۔ چنانچہ سیلاب کے صدمہ سے دیواریں پھٹ جاتی تھیں، یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کا دروازہ سطح صحن سے کافی اونچے پر بنایا گیا تھا اور سیلاب ہی کی روک کے لئے بالائی حصہ پر بند بنوا دیا گیا تھا۔ لیکن وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا۔ لہذا آنحضرت کی ولادت سے ۳۵ دہ سال اکابرین قریش میں یہ رائے قرار پائی کہ موجودہ عمارت کو ڈھا کر نئے سرے سے زیادہ مستحکم بنائی جائے۔ حسن اتفاق سے جدہ کی بندرگاہ پر ایک تجارتی جہاز کنارے سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ قریش کو خبر لگی تو ولید بن مغیرہ نے جدہ پر چیکر جہاز کے تختے خرید لئے، جہاز میں ایک رومی معمار تھا، جس کا نام با توم تھا۔ ولید اس کو ساتھ لایا اور تمام قریش نے مل کر اس کی تعمیر شروع کی، حرم شریف کی دیواریں اوکری بند کر کے چھت بنائی، جب حجر اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا۔ جھگڑا اچکانے کے لئے آنحضرت نے حجر اسود کو ایک چادر میں رکھ کر ہر قبیلہ کے سردار کو چادر پکڑادی، جب چادر موقع کے برابر آگئی تو آپ نے اپنے ہاتھ سے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرمادیا۔

پھر حضرت عمر کے عہد خلافت میں ایک جدید دیوار خانہ کعبہ کے گرد بنائی گئی اور کچھ مکانات توڑ دیئے گئے۔ پھر حضرت عثمان نے اپنے عہد خلافت میں تعمیر میں کچھ اضافہ کیا۔

پھر ۶۲۷ھ مطابق ۶۸۳ء میں یزید بن معاویہ اور ابن زبیر کی لڑائی میں آگ لگی، کیونکہ ابن زبیر نے وہاں پناہ لی تھی۔ اور یزید کے لشکر نے روغن جلا کر اس پر پھینکا۔ جس سے خانہ کعبہ جل گیا۔ پھر دو مہماں ایران اور روم سے بلائے گئے اور انہوں نے پہلے سے کہیں بہتر طور پر اسے درست کیا۔ مگر چونکہ صحابہ نے اس کے مقام... عتبات کی بابت اختلاف ڈال دیا، اس لئے پھر گروا دیا گیا۔ اور دوبارہ ٹھیک اسی حد پر جہاں حضرت خلیل نے بنوایا تھا، تیار کرایا۔

پھر ولید بن عبد الملک نے کچھ ترمیم کی اور اس میں سنگ سفید کے ستون قائم کئے۔ پھر ابو جعفر محمد بن عباس نے کچھ جدید مکانات گرداگرد حرم شریف کے تعمیر کرائے، معتقد باللہ عباسی نے شمال کی طرف باب الزبارة تک، پشت کی طرف ابراہیم کی جدید عمارت

تعمیر کرا کے احاطہ حرم شریف کو بڑھایا۔ ۱۹۸۹ء میں سلیمان خاں بادشاہ قسطنطنیہ نے عمارت حرم شریف کو از سر نو بحال کجنگی و خوبی تعمیر کرانا شروع کیا۔ جی اس کے بیٹے سلطان مراد خاں کے عہد حکومت میں ختم ہوئی۔ یہی تعمیر اس وقت موجود ہے۔ البتہ ۱۹۵۵ء میں شاہ سعود نے مزید ترمیم و توسیع کے لئے ایک بڑی رقم اپنے بجٹ میں منظور کی۔!

بیت اللہ کی پاسبانی | آدھم کے بعد ان کے بیٹے شیخ، پھر نوح اور ان کے بیٹے سائم متولی ہوئے، پھر ابراہیم کے ساتھ ساتھ ان کے بیٹے اسمعیل تجرید میں سہیم کا رہے۔ بعد میں خود ہی اللہ کے گھر کے محافظ بنے۔ حضرت اسمعیل مصری، بابلی، فلسطینی اور عربی زبان کے ماہر کا لقب تھے!

حضرت اسمعیل کی وفات کے بعد ان کے بیٹے نابت کعبہ کے متولی ہوئے، ان کے مرنے پر ان کے نانا مضاہن ابن عمرو نے منصب حاصل کیا۔ اور کعبہ کی تولیت خاندان اسمعیل سے نکل کر جرہم کے خاندان میں چلی گئی۔ اور صدیوں ان میں رہی۔ مگر جب خزاعہ اور جرہم کی لڑائی ہوئی تو خزاعہ نے جرہم کو مکہ سے نکال دیا۔ جس کی بابت مضاہن کہتے ہیں یہ

وَمَنْ وَكَلَاهُ الْبَيْتِ مِنْ بَعْدِ نَابِتٍ
فَاخْرَجْنَا صِنَهَا الْمَلِيكَ بَعْدَ رَاةٍ
كَذَلِكَ بَيْنَ النَّاسِ تَجْرِي الْمَقَادِرُ
نُطُوفِ بَذَاكَ الْبَيْتِ وَالْأَمْرُ ظَاهِرٌ

جرہم ہی نابت کے بعد خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ ہم ہی اس کا طواف کرتے تھے، اور یہ بات ظاہر ہے، مگر خدا نے ہم کو وہاں سے نکال دیا۔ اور اسی طرح تقدیریں آدمیوں میں جاری ہوتی ہیں!

اللہ تعالیٰ نے اولاد اسمعیل پر نظر التفات فرمائی تو قصی کے وقت میں خانہ کعبہ کی تولیت تقریباً ۳۴۰ء میں ان کو عطا فرمائی۔ جس کا قصہ یوں ہے کہ ایک دن قصی بن کلب قریشی نے خزاعہ کے آخری دربان ابو عبسان کو خوب شراب پلائی اور خانہ کعبہ کی کتھیاں اس سے ایک مشک شراب پر مول لے لیں۔ جب ابو عبسان کو ہوش آیا تو سخت نادام ہوا۔ اس وقت سے عرب میں مثل پھری گئی۔ "أَخْسَرُ مِنْ أَبِي عَبْسَانَ" اس کا ذکر ایک شاعر یوں کرتا ہے یہ

بَاعَتْ خِرَاعَةَ بَيْتِ اللَّهِ إِذْ سَكَرْتُ
بَاعَتْ سَدَانَتَهَا بِالنُّزُورِ وَالنُّصْرَفِ
بِزِقِ خَمْرٍ فَبَسَّتْ صَفْقَةَ الْبَادِي
عَنِ الْمَقَامِ وَظِلِّ الْبَيْتِ وَالنَّادِي

خزاعہ جو لسنہ، آریا تو خدا کے گھر کو ایک مشک شراب پر بیچ دیا۔ پس کس قدر اس کی بیع بڑی بڑی ہوئی۔ اس نے اپنی سدا مت رمانی کعبہ کو تھوڑی سی مقدار پر بیچ ڈالا اور مقام و سایہ خانہ کعبہ سے پلٹ گیا اور محروم ہو گیا۔

قصی نے اولاد قہر کو جا بجاسے طلب ید اور مکہ میں آباد رہنے کی ترغیب دی، اور قریش زہر اور اولاد قہر کی عزت سارے ملک میں مستحکم ہو گئی۔ قصی کی رائے کو قریش مبارک سمجھتے تھے۔ پھر اس نے دارالاندوہ خانہ کعبہ کے سامنے بنوایا۔ اور حاجیوں کو کھانا کھلانے اور پانی پلانے کا ذمہ لیا۔ اس کے لئے اس نے قریش پر کچھ خراج مقرر کر دیا تھا، جسے وہ ہر سال ادا کر دیا کرتے تھے! اس تولیت کے متعلق عثمان بن طلحہ کا سلسلہ نسب قصی کی اولاد عبد الداؤد سے جا ملتا ہے۔ خانہ کعبہ کی کتھی اسی خاندان عثمان بن طلحہ میں ایک چلی آتی ہے۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ انہوں نے کتھی اپنے بھائی شیبہ کو بوقت وفات دی۔ شیبہ کی اولاد میں وہ کتھی رہی اور اسی بنا پر یہ صاحب مفتاح شیبی کہلاتا ہے!

رشک و حسد کی کرشمہ سازیاں | اللہ کا یہ مبارک گھر، مادی دروہانی برکتوں کا یہ مرکز و سرچشمہ تو تھا ہی بڑا قابل رشک گھر، پھر جیسے جیسے اس کی درباری کرنے والے خلوص سے دور ہو کر نفس پرستی و دولت کی فراوانی

کے چکر میں پھنس گئے۔ دوسروں کے جذبات رشک و حسد نے تیزی دکھائی۔ ہر طرف شرک کی آلودگیاں مختلف شکلوں میں دکھائی دینے لگیں۔ جس صانع نظام زندگی پر حضرت آدمؑ اپنی اولاد کو چھوڑ گئے تھے، اُس میں سب سے پہلا بگاڑ حضرت نوحؑ کے دور میں رونما ہوا۔ اور اصل گمراہی شرک کی گمراہی تھی۔ اور اسی بنیادی گمراہی سے بے شمار خرابیاں رونما ہوتی چلی گئیں۔ اسی لئے طوفان آیا!۔ پھر دوبارہ خرابی رونما ہوئی اور بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ آدھے کتبات میں پانچ ہزار خداؤں تک کے نام ملے ہیں۔ جن سے لوگ اپنی مختلف فروری مذہبیات کو متعلق سمجھتے تھے۔ ان آسمانی اور زمینی دیوتاؤں اور دیویوں کی شبیہیں بتوں کی شکل میں بنائی گئی تھیں۔ اور تمام مراسم عبادت انہی کے آگے بجالائے جلتے تھے۔!

بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یغوث، یعوق اور نسر، آدمؑ کے بیٹوں کے نام تھے، یہ لوگ بڑے پرمیزگار، عابد اور زاہد تھے۔ جب یہ مر گئے تو شیطان نے لوگوں سے کہا کہ کیا اچھا ہوتا اگر ان کی صورت بتائی جاتی۔ جس سے ان کی یادگار قائم رہتی۔ جب انہوں نے صورتیں بنا لیں تو ان کو رائے دی کہ مسجد کے آگے ان کو رکھو۔ تاکہ جب ان کو دیکھو تو وہ لوگ بھی یاد آجائیں! اس کے بعد ان کو ان صورتوں کی عبادت کرنے کی رائے دی۔ جاہلوں نے یہ بھی کرنا شروع کیا، یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ مرد کی صورت پر بنا یا گیا تھا سوار عورت کی صورت پر۔ یغوث شیر کی صورت پر۔ یعوق گھوڑے کی صورت پر۔ نسر گد کی صورت پر۔ بحوالہ آئینہ عرب حالانکہ صفا و مروہ کی پہاڑیوں سے اسمفل کی روایات کی فابستگی تھی، جس کے سبب یہ شعائر اللہ کی حیثیت رکھتے تھے، مگر بعد مرد و ایام ان دونوں پر زمانہ جاہلیت میں دویت نصب کر دیے گئے تھے، اس آف اور تا نکہ۔ جن کی بہت زیادہ عبادت کی جانے لگی تھی۔ یہاں تک کہ ان دونوں بتوں پر ہر قسم کی قربانی بھی ہونے لگی اور سفر سے واپس ہونے کے وقت گردنواح کے قبائل ان کو بوسہ دینا لازمی سمجھنے لگے۔ ان آلودگیوں کا یہ اثر ہوا کہ عہد اسلام میں ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کرنے سے عام مسلمان پرہیز کرنے لگے۔ انصار ان دونوں سے آگے بڑھ کر احرام باندھتے اور طواف نہ کرتے تھے۔ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ۔ "إِنَّ الصَّعَاءَ وَالْمُرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ" تاکہ ان کا یہ غلط خدشہ دور ہو جائے!

عرب میں بت پرستی کا بانی عمرو بن لُحی تھا، جرہم کو مکہ سے نکال کر خود حرم کا منولی ہونے کے بعد وہ ایک مرتبہ شام گیا، وہاں کے لوگوں کو بت پرستی دیکھا، تو پوچھنے لگا کہ ان کو کیوں پوجتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ حاجت روا ہیں، لڑائیوں میں فتح دلاتے ہیں۔ قحط پڑتا ہے تو پانی برساتے ہیں۔ چنانچہ کنعہ میں وہاں سے چند بت لاکر کنعہ کے آس پاس قائم کر دیے، کہا جاتا ہے کہ اسی نے لاکر بعض خول خزیمہ بن مدرکتہ مضر کے پوتے، عدنان کے پڑپوتے کی طرف منسوب ہے، ہبل کے بت کو کنعہ کی چھت پر سامنے دلی دیوار کی منڈیر پر منسوب کیا تھا، یہ بہت لمبا تھا۔ اور باقوت احمر سے بنا ہوا تھا۔ انسان کی صورت کا تھا۔ اور بت، ستوں کا خدائے اعظم تصور کیا جاتا تھا۔ تمام قبائل اُس کی عظمت کے آگے سرنگوں ہوتے تھے، قریش لڑائیوں میں اُس کی جے پکارتے تھے، چنانچہ جنگ احد میں ابوسفیان نے ہبل ہی کا نعرہ لگایا تھا۔ ہبل کے سامنے سات تیر رکھے ہوئے تھے، جن پر "کا" (نہیں) اور "نعم" (ہاں) لکھا ہوا تھا۔ ہر کام کے لئے ان نیروں کے ذریعہ قرعہ ڈالا جاتا تھا۔!

قربانیاں اور ہدیہ جو ان بتوں کو پڑھائے جاتے تھے، ان کو ذرائع (ذریعہ کی جمع) کہتے تھے۔ "عَبَعْب" ایک بڑا بھاری پتھر تھا۔ جس پر اونٹ کی قربانی ہو کرتی تھی۔ ذبیحہ کا خون اُس پر بہنا مبارک تصور کیا جاتا تھا۔ رجب کے ہدیہ میں بھی بتوں کے لئے ایک قربانی کرتے، جس کا نام "عتیرہ" رکھا تھا۔ قرع کی قربانی بھی کرنے لگے تھے، قرع اونٹنی کے پہلے بچے کو کہتے ہیں، وہ نذر کیا کرتے تھے، کہ جب میرے پاس اس قدر اونٹ ہو جائیں گے تو پہلا بچہ جو پیدا ہوگا اسے قربانی کروں گا۔ ذبح کرنے سے

پہلے اسے زینت دیتے اور کپڑے پہناتے۔ صدر اسلام میں مسلمان بھی ایسا ہی کرتے تھے (بحوالہ آئینہ عرب) مگر بعد میں منسوخ کر دیا گیا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ "لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيْرَةَ"۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ عرب اپنے معبودوں پر آدمیوں کی بھی قربانی کیا کرتے تھے، جیسا کہ آنحضرت کے جد امجد عبدالمطلب نے نذر کی تھی۔ کہ اگر دن بیٹے پیدا ہوئے تو ایک کہ ضرور ہی راہِ خدا میں قربان کروں گا۔ جب دن پورے ہو گئے تو ان پر قرعہ ڈالا۔ چھوٹے بیٹے عبداللہ (آنحضرت کے والد) کے نام پر قرعہ تو نکلا مگر ان کی قوم اور دیگر رشتہ داروں نے عبداللہ کے ذبح کرنے سے منع کیا۔ اس لئے ان کے عومن ستر ادرنٹ خرکے گئے۔ اسی کا حوالہ حدیث میں ہے کہ "أَنَا ابْنُ الذَّبِيْحِيْنَ" (میں دونوں ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ ایک عبداللہ کا دوسرے اسمعیل) غرض کہ بت پرستی بڑھتی چلی گئی، یہاں تک کہ۔

وہ کعبہ جو خدا سے مالک و مختار کا گھر تھا	وہ کعبہ جو خدا سے واحد و قہار کا گھر تھا
وہی کعبہ جسے تقدیس کا نور نگہ کہیے	وہی کعبہ جسے پیغمبروں کی سجدہ جبکہ کہیے
جسے پاکیزہ رکھنا فطرت انسان کا مقصد تھا	وہ کعبہ جو خدا کے بت شکن بندوں کا معبود تھا
دلوں سے ظالموں نے نفث و حدت کا مٹا ڈالا	اسی کعبہ کو یاروں نے صنم حنا بنا ڈالا
کہ رکھے تین سو اور ساٹھ بت اللہ کے گھر میں	نہ سو جھا فرق کوئی ان کو خدا میں اور پھر میں

عرب میں جس قدر انسان تھے ان سے سو بت تھے
یہ خلقت تھی خدا کی اور خلقت کے خدا بت تھے
(شاہنامہ اسلام از حفیظ)

عرب مشرکین میں بھی ایک مخصوص طریق عبادت کا نام صلوة تھا۔ جس کا قرآن کریم نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ "وَمَا كَانَ صَلَوَتُهُمْ وَعِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مَكَاءً وَتَصَدِيْعَةً (الانفال) بیت اللہ کے پاس ان کی صلوة سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ بس سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے!"

اس سے بڑھ کر یہ کہ ان میں سے اکثر لوگ حج کے موقع پر کعبہ کے گرد طواف برہنہ کرتے، اور اس معاملہ میں ان کی عورتیں مردوں سے زیادہ بیباک و بے جیا تھیں، ان کی نگاہ میں یہ ایک مقدس مذہبی فعل تھا۔ اور نیک ہی سمجھ کر وہ اس کا ارتکاب کرتے تھے۔ اور چونکہ اپنے مذہب کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے، اس لئے ان کا دعویٰ تھا کہ یہ رسم بھی خدا ہی کی طرف سے مقرر کی ہوئی ہے۔ اس پر قرآن کریم نے سورۃ الاعراف میں صاف طور پر استدلال کیا۔ سے کہ ان کا یہ خیال غلط تھا۔ "اِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَاءَنَا وَاللّٰهُ اَصْرًا نَّاجِيًا۔ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ۔ بَلْ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَوْلِ الْكٰفِرِيْنَ اِنْ جَاءَكَ اِلٰهُكَ بِاٰيٰتٍ مُّبِيْنَةٍ اَوْ نَزَّلْنَا سَمٰوٰتِنَا بِسَمٰنٍ مُّطْبُوْعٍ لَّا يُرٰى فِيْهَا اٰسٰنٌ وَّلَا اَعْرَافٌ"۔

چونکہ عرب کا مرکز کعبہ تھا، اور وہیں آلودگیاں آگئی تھیں اس لئے تمام قبائل میں ہلد بت پرستی کا رواج ہو گیا۔ سب سے قدیم بت منات تھا، مدینہ کے لوگ (اوس و خزرج) اسی پر قربانی پڑھاتے تھے۔ واپس جاتے ہوئے حرم کے پتھروں کو اٹھالیتے اور ان کو اصنام کعبہ کی صورت میں تراش کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ چنانچہ خانہ کعبہ سے جب دور ہوئے تو ایک پتھر جس کو دوار کہتے تھے نصب کر دیتے اور اس کے گرد اس طرح طواف کرنے لگے، جس طرح خانہ کعبہ کے آگے طواف کرتے تھے۔ وغالباً اسی طرح کی بگڑی ہوئی شکل ہندوستان کے اہل ہنود میں پھیری کی رسم اکثر دیکھنے میں آتی ہے) غرض کہ اس طرح دیکھتے دیکھتے بت پرستی میں متقابل کعبے وجود میں آ گئے۔!

باہل کے مندر کا حال تو دیکھ چکے، جہاں قربانی د حج ہونے لگا تھا اور فرد کے زمانہ تک بڑا زور شور رہا۔ یہاں تک کہ ابراہیم کا زمانہ آیا۔ زورنی نے کہا ہے کہ عرب کے بعض قبیلوں نے اپنی خاص عبادت گاہیں بنالی تھیں۔ مثلاً غطفان نے ایک مکان بالکل خانہ کعبہ کے مشابہ بنایا تھا۔ جس کا نام لیس رکھا تھا۔ اسی کا حج کرتے اور بڑی تعظیم و تکریم سے وہاں جلتے تھے۔ جس طرح کعبہ کو حرم کہتے ہیں اُس کو بھی محرم کہتے تھے۔ جب زہیر بن جناب کلبی اور غطفان میں مقابلہ ہوا اور اُس نے غطفان کو شکست دی تو اس کے ساتھ اُن کی عبادت گاہوں کو بھی منہدم کر دیا۔ (اصہبانی)

غطفان کے قبیلہ میں ایک درخت "طلح" تھا، جسے "عزری" کہتے تھے، اس کے لئے ایک مکان بنوایا تھا۔ جس کے دروازہ پر دربان بٹھائے گئے تھے، لوگ اس کی عبادت کرتے تھے، آنحضرت نے خالد بن ولید کو بھیج کر مکان گروادیا اور درخت کو جلا دیا۔ بنو خشم نے بھی ایک مکان بنوایا تھا جسے کعبہ کہتے تھے، اصلی نام اس کا "ذوالخلصہ" تھا۔ اس لئے کہ جو بت اس میں رکھا ہوا تھا اُس کا یہ نام تھا۔ اس لئے کہ وہاں خلصہ (ایک خوشبودار درخت) بہت پیدا ہوتا تھا!

ایک معبد اور تھا جسے مشغیہ کہتے تھے، یہ جبل احد کے قریب واقع تھا۔ جس کا عرب حج کیا کرتے تھے!

اسی طرح ربیعہ کا معبد "ذوالکعبات" تھا۔ وہ لوگ اس کا طواف کیا کرتے تھے!

تاریخ الکامل لابن اثیر سے پتہ چلتا ہے کہ فہر کے وقت میں یمن کا حاکم حسان ایک فوج لے کر مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ خانہ کعبہ کو گرا کر اس کا ملبہ یمن لے جائے اور وہاں کعبہ تعمیر کرے۔ فہر نے اپنے بھائیوں کیساتھ خود اس فوج کا مقابلہ کیا، حسان کو شکست ہوئی اور وہ گرفتار کر لیا گیا، تین سال کی قید کے بعد آزاد کر دیا گیا۔ مگر جاتے وقت راستہ ہی میں مر گیا۔!

یمن کے مشرق میں بحر ان کے علاقہ میں شہرء تک عیسائیت پھیل چکی تھی اور بحر ان کے عیسائی حبشہ والوں کے حلیف بن گئے تھے، بحر ان میں ابن اسح بن داس بن عدی کا قبہ دار مندر تھا۔ جو تین سو کھالوں سے بتایا گیا تھا۔ عرب اس کو کعبہ بحر ان کہتے تھے۔ کیونکہ اس کی زیارت کو اس طرح جایا کرتے تھے جیسے کعبہ کی زیارت کو جاتے۔ اگر کوئی شخص وہاں پناہ لیتا تو اسے پناہ دیتے۔ اگر کوئی کسی سے ڈر کر آتا تو اسے امن دیتے، اگر بھوکا ہوتا تو سیراب کرتے۔ کوئی حاجت لاتا تو اسے پورا کرتے۔ اور اگر روپے پیسے مانگتا تو اسے دیئے جاتے، اس کی بابت اصہبانی نے لکھا ہے کہ یہ گرجا گھر تھا۔ جسے کعبہ کی صورت پر بتایا تھا اور جس کی تعظیم بھی کعبہ کی تعظیم جیسی کرتے تھے! بحر ان کے عیسائی حبشہ والوں کے حلیف بن گئے تھے، یمن کے یہودی سردار ذولواس نے بحر ان پر حملہ کیا اور عیسائیوں کو

شکست دے کر ایک خندق کھدوا کر آگ میں جھونکرا دیا۔ اس واقعہ کے بعد حبشہ والوں نے یمن پر چڑھائی کی، ذولواس اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر کے یمن پر قبضہ جمایا۔ یہ واقعات ۶۲۲ء تک ظہور پذیر ہو چکے تھے، شاہ حبشہ اصحمة کا دوہرا نائب دائرے ابراہیم یمن کا عامل تھا، اس کی خواہش تھی کہ عرب مکہ کے کعبہ میں چڑھائے نہ چڑھایا کریں اور مکہ معظمہ کا حج اس طرح موقوف ہو جائے، اس کے بچکے بحر ان کے کعبہ میں آیا کریں جو وہاں پہلے سے موجود تھا، نفس شیطان نے اسے یہ پٹی پڑھائی:-

یہ مکہ میں جو کعبہ ہے اُسے جب تک ڈھاؤ گے اٹھا کر منگ اسود کو یہاں جب تک لاؤ گے

چنانچہ ۶۲۷ء میں (ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ یہ تھوہ اصحاب فیل آنحضرت کی پیدائش سے دو ڈھائی ماہ قبل واقع ہوا۔ آپ ہی کی برکت سے اہل مکہ اس فتنے سے محفوظ رہے) عبدالمطلب کی سرداری کے زمانہ میں ذی الحجہ یا محرم کے مہینہ میں ابراہیم تقریباً ساٹھ ہزار کی فوج لے کر مکہ کے کعبہ کو مسمار کرنے کی غرض سے بڑھا۔!

اس واقعہ کو ایک قدیم شاعر عبداللہ بن زہیری اپنے قصیدہ میں یوں بیان کرتا ہے:-

وَاسْئَلْ أَمِيرَ نَجِيشٍ عَنَّا مَارِئًا
وَلَسَوْفَ يَبْنِي الْجَاهِلِينَ عَلَيْهَا
مِثْرًا نَفَا لَمْ يُؤَدِّرْ ضَهْمًا !

دراپو چھو کہ فوج کے سردار نے کیا کچھ دیکھا۔ جسے خبر ہے وہ بے خبروں کو بتلا دے گا کہ ساٹھ ہزار میں سے کوئی بھی اپنے

بانک کو زندہ نہ گیا تھا اور اگر کوئی مرتا پڑتا یا داپس گیا بھی تو وہ بھی نہ بچا تھا !

معاذ اللہ! آفتِ سماوی سے سارا لشکر ہلاک ہو گیا، بلکہ سب کے لاشے مکہ سے آٹھ میل کی دوری پر ستر رہے تھے، ابرہہ کا سارا
کید خاک میں مل گیا اور بیتِ عتیق، خانہ کعبہ، اللہ کا گھر محفوظ رہا۔ عربوں میں یہ سال "عام الفیل" کے نام سے مشہور ہوا۔ اور قرآن کریم
میں اس واقعہ کی طرف اشارہ سورۃ الفیل میں ہے۔

بالآخر فتحِ مکہ کے بعد حضور نے شرک کی ساری آلودگیوں کو ایک ایک کر کے دور کیا، یہاں تک کہ ۹ھ میں جب حج مع شرائط
استطاعت فرض ہوا تو یہ بھی اعلان ہوا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کے اندر داخل نہ ہونے پائے گا۔ اور کوئی شخص
پرہیز نہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہ کر سکیگا۔ توراۃ کے یسعیاہ ۳۵: ۷ میں بھی ہے کہ "وہ جو ناپاک ہے اس پر سے گزر نہ کرے گا"
حطیم کیا ہے؟ | غیاث اللغات میں "حطیم" کے معنی شکستہ دیتے ہیں۔ "حطام"۔ ریزہ گیارہ خشک و ریزہ ہر چیز۔ دکنایہ از اندک
مال دنیا۔ مراد ازاں مال دنیا ست چہ مال دنیا بمقابلہ درجاتِ اخروی۔ یا بعوض انسان کہ اشرف المخلوقات
حکم ریزہ کاہ دارد۔ !

صباح اللغات میں "حطیمہ" کے معنی توڑنا دیتے ہیں۔ "المحطم"۔ سب کچھ چٹ کر جانے والا۔ "حطام الدنیا"۔ دنیاوی ساز و سامان
"حطیم"۔ دیوار کی وہ جگہ جو رکنِ زمزم اور مقامِ ابراہیم کے درمیان ہے، یہ اس دیوار کو کہتے ہیں جو کعبہ کے حجرِ اسود کو مغربی جانب
سے گھیرے ہوئے ہے۔ ابنِ درید لکھتا ہے کہ عرب جاہل اس دیوار کی قسم کھا یا کرتے تھے۔ جو جھوٹا ہوتا اس کو یہ دیوار دبل کے
ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی، اسی لئے اس کو "حطیم" کہنے لگے۔ !

روایت ہے کہ رسول اللہ کو شوقِ صدرِ معراج کی رات بمقامِ حطیم ہوا تھا۔ جب کفار نے رسول اللہ کے بیت المقدس تک
معراج کے سلسلہ میں جانے کو جھٹلانا شروع کیا اور جانچنے کے لئے نشانات پوچھنے لگے، تب وہ حطیم ہی میں کھڑے ہو گئے تھے۔
اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے کر دیا۔ عمارت کو دیکھتے جلتے اور سارے نشانات واضح طور پر کفار کو بتاتے جاتے
تھے۔ جیسا کہ ذیل کی حدیث سے واضح ہے:-

عَنِ الشَّيْخَيْنِ عَنِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ لَمَّا كُنَّا بِنَجِيشٍ قُرَيْشٍ حِينَ أُسْرِيَ بِنِي
إِبْنِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ قُمْتُ فِي الْحَجْرِ فَجَلَّتْ إِلَيَّ بَيْتِ الْمَقْدِسِ - فَطَفِقتُ أَخْبِرَهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَ
أَنَا أَنْظَرُ إِلَيْهِ -

یہ بھی ایک شرحِ صدر تھا۔ اور شرحِ صدر وہ مقام رفیع ہے۔ جس کے لئے موسیٰ کو خود التجا کرنی پڑی۔ "قَالَ رَبِّ اشْرَحْ
لِي صَدْرِي يَسَّرْ لِي أَمْرِي" (طہ)

الغرض حطیم کے پاس پہنچنے میں جو کچھ ہوتا ہے اس کے معنی یہی ہیں کہ حجاج اللہ کی اطاعت کے لئے ایک دم شکستہ و منکسر
ہو کر، عجز و انکسار میں سرشار اپنے کو ایک دم گرا کر اللہ کے گھر جائیں۔ !
حجرِ اسود کا فلسفہ:- اسی دیوارِ حطیم کے گھیرے میں وہ حجرِ اسود ہے، جس کی خاطر قبیلوں میں جمعگاہ بنتے ہوئے رسول اللہ نے

پچایا تھا۔ یہی وہ پتھر ہے جس کی بابت حضرت عمرؓ نے یہ الفاظ کہے تھے کہ ”تو ایک پتھر ہے، نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ کسی کو ضرر دے سکتا ہے۔“ پھر بھی اُسے بوسہ تک دیا جانے لگا! آخر کیا بات تھی کہ رسول اللہ نے اُسے اتنا اونچا درجہ دے رکھا تھا؟ کیا یہ محض ایک ٹوٹا ہوا تارا ہے؟ جیسا ایک انگریزی کتاب ”میریکل آف مین“ (Miracle of Man) میں لکھا ہوا ہے؟ آخر کیا بات ہے کہ اس پتھر کو بیت عتیق میں اس قدر نمایاں مقام حاصل ہے؟ اسی فلسفہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

تاریخ مکہ موسوم بہ ”اعلام بیت الحرام“ میں ہے: ”فَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاسْمٰعِيْلَ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَا سَمِيْعُ اِنْتِنِي بَعْجِي اصْنَعْ حَتّٰى يَكُوْنَ عِلْمًا لِلنَّاسِ يَبْتَدُوْنَ مِنْهُ الطَّوْفَ“۔ پھر حضرت ابراہیم نے حضرت اسمعیل سے کہا کہ ایک پتھر لادو تا کہ میں ایسی جگہ نصب کر دوں کہ لوگ جان جائیں اور وہیں سے طواف شروع کریں۔ (سیر النبی جلد ۱۔ از شبلی) عبد اللہ بن عباسؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ”نزل الحجر الاسود من الجنة“ چونکہ یہ حدیث مرفوعہ کی حیثیت رکھتی ہے (یعنی ایسی حدیث جس کی سند بنی کریم تک مستقر ہو) اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ پتھر ان اجزاء جنت سے ہوگا جنہیں اولاً آدمؑ نے پہلی مسجد یا پہلی عبادت گاہ (اَنْ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ) میں لگایا ہوگا۔ بلکہ امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ علماء نے بیان کیا کہ کعبہ پانچ مرتبہ بنایا گیا۔ پہلی بار ملائکہ نے بنایا۔ یہ حضرت آدمؑ کے وقت میں ہوا ہوگا۔ اور بناؤ ابراہیمی کو اس کے بعد لکھا ہے۔ اس سے اس بات کا سرخ لگتا ہے کہ یہ پتھر تدریجی یادگار ہے۔ جو بکہ کی عبادت گاہ میں رہا ہوگا، جو اس وقت نشیب میں وادی غیر ذی زرع میں ایک ٹیلہ کی طرح مرفوع تھا۔ (حدیث دیکھئے۔ وَكَانَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ مَرْفُوعًا مِنَ الْاَرْضِ كَالْمُرَابِيَةِ) جب ابراہیمؑ، اسمعیل اور ان کی والدہ ہاجرہ کو اس وادی میں چھوڑنے گئے تھے، پھر جب آخری بار ملنے گئے اور مسجد حرام کی تجدید کرنے لگے تو اس بلب سے ایک پتھر کو بطور یادگار لگا دیا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ یہ پتھر محض یادگار تھا یا اس میں کوئی اور راز تھا؟

توراة کے اوراق اُلٹنے سے کچھ روشنی ضرور پڑتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد کا دستور تھا کہ میدان میں جس جگہ کو عبادت گاہ مقرر کرتے وہاں ایک لمبا بن گھڑا پتھر ستون کی طرح کھڑا کر دیتے تھے! جیسے اب بھی مسلمان کھلی جگہ نماز پڑھتے ہوئے اپنی چھڑی وغیرہ گاڑ لیا کرتے ہیں، جسے ”ستروہ“ کہتے ہیں۔ (رحمۃ اللعالمین حصہ اول)

”اور یعقوبؑ صبح سویرے اٹھا اور اس پتھر کو جسے سر ہانے دھرا تھا لے کر ستون کی طرح کھڑا کیا اور اس کے سرے پر تیل ڈالا اور اس جگہ کا نام ”بیت ایل“ (رخاۃ خدا) رکھا۔“ (پیدائش ۲۸: ۱۸)

کتاب خروج ۲۴: ۲۴ میں بیان ہے کہ موسیٰ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے لئے اسی طرح کے بارہ ستون قائم کئے گئے اور ایک قربان گاہ بنالی گئی۔ پیدائش ۳۱: ۴۴-۴۵ میں ایک تفصیلی خاکہ اس طرح مندرج ہے: ”تب لابن نے یعقوبؑ کو جو اب دیا۔ پس اب آکہ میں اور تو دونوں مل کر آپس میں ایک عہد باندھیں اور تیرے میرے اور تیرے درمیان گواہ رہے، تب یعقوبؑ نے ایک پتھر لے کر اسے ستون کی طرح کھڑا کیا۔ اور یعقوبؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ پتھر جمع کر دو۔ انہوں نے پتھر جمع کر کے ٹھہر لگا دیا۔ اور وہیں اس ڈھیر کے پاس انہوں نے کھانا کھایا۔ اور لابن نے اس کا نام رکھ دانی اور ادانی زبان میں۔ پھر شاہد رکھا رکھا یعنی حجر شہادت۔ شہادت کا ڈھیر، اور یعقوبؑ نے (عبرانی لفظ) ”جلعاد“ (یعنی شہادت کا ڈھیر) رکھا۔ اور لابن نے کہا کہ یہ ڈھیر آج کے دن میرے اور تیرے درمیان گواہ ہو۔ اسی لئے اس کا نام ”جلعاد“ رکھا گیا۔ یہاں چار باتیں نمایاں ہیں۔ (۱) عہد باندھنا (۲) درمیان گواہ (۳) پتھر بحیثیت گواہ (۴) اور اس ذات (یعنی خدا) کی قسم کھانی۔

یہاں بیان شدہ پتھر کا ستون، پتھر کے ڈھیر بطور شہادت دیکھیے میں جیسے مٹی کٹائی میں شہادت کے تودے (antennae pillars) اور جنگوں کی حد بندی کی شہادت کے لئے پتھروں کے ڈھیر (Boundary pillars) چھوڑے جاتے ہیں۔ مگر توراہ کا ”حجر شہادت“ عہد نامہ کے سلسلہ میں ملتا ہے۔ سوال ہے کہ آخر پتھر کیوں شہادت کے لئے منتخب ہوا؟ اس فلسفہ کا راز ذیل کی عبارت سے افشا ہوتا ہے:-

”اور یسوع نے سب لوگوں سے کہا کہ دیکھو یہ پتھر ہمارا گواہ رہے، کیونکہ اس نے خداوند کی سب باتیں جو اس نے ہم سے کہیں، سنی ہیں۔ اس لئے یہی تم پر گواہ رہے۔ تا نہ ہو کہ تم اپنے خدا کا انکار کر جاؤ۔“

(یسوع ۲۴: ۲۷)

ظاہر ہے کہ جب اور جس حیثیت سے کائنات کا ذرہ ذرہ حق کی شہادت دے سکتا ہے تو یہ پتھر پتھر کیوں نہ دے!

جب اسرائیل (یعقوبؑ) مرنے کے قریب آئے تو اپنے کو سنبھال کر پلنگ پر بیٹھ گیا۔ اور کہا کہ خدا جس کے سامنے میرے باپ ابراہام اور اسحاق نے اپنا دودھ کیا، وہ خدا جس نے ساری عمر آج کے دن تک میری پاسبانی کی (پیدائش ۴۸) اس اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ یعقوبؑ وغیرہ کا وہی مذہب تھا جو ابراہیمؑ کے دور میں تھا۔ لہذا یہ بھی مستتب ہوتا ہے کہ اس قسم کا عہد نامہ، گواہی اور حجر شہادت اور قسم وغیرہ بھی شروع ہی سے مروج رہے ہوں گے!

قرآن کریم کی طرف رجوع کرنے سے عہد نامہ کے مفہوم کی تائید ضرور ہوتی ہے۔ مثلاً:-

”وَ عٰہِدْنَا اِلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیْ - (البقرہ)

سورۃ یس میں اللہ تعالیٰ کسی زبردست عہد نامہ کی یاد دہانی ان الفاظ میں کرتا ہے:-

”اَلَمْ اَعٰہِدْ اَیْکُمْ یٰنَبِیُّ اٰدَمَ اَنْ لَا تَعْبُدُوْا الشَّیْطٰنَ - اِنَّہٗ لَکُمْ غَدُوٌّ وَّ مُبِیْنٌ - وَ اَنْ

اَعْبُدُوْا لِیْ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ -“

راے اولاد آدم کیا ہم نے تم سے عہد نہیں کیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلم کھلا

دشمن ہے اور یہ کہ میری عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے۔)

اسی عہد نامہ کا اشارہ سورۃ البقرہ، الاعراف، الحجر اور ابراہیم کے مختلف مقامات پر پُر زور طریقہ پر ملتا ہے۔ ان مختلف مقامات کے حوالوں میں دو معاہدے صاف دکھائی دیتے ہیں۔ ایک آدمؑ، اُن کے زوج اور اولاد کے متعلق جو خدا نے کیا۔ دوسرا معاہدہ خدا نے ابلیس شیطان کے ساتھ کیا۔ آدمؑ اور اُن کے زوج کو شجر ممنوعہ کے قریب جانے سے منع کیا گیا تا کہ اُن کا شمار ظالموں میں نہ ہو جائے۔ مگر شیطان نے بہکا دیا۔ اور اُن کو جنت سے نکال باہر کیا گیا۔ اسی طرح ابلیس نے سجدہ نہ کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ کافروں میں شمار ہوا۔ اور وہ بھی جنت سے نکال باہر کیا گیا۔ پھر دونوں پارٹیوں سے اللہ تعالیٰ نے معاہدہ کیا اور ایک ہدایت دی۔ شیطان کو قیامت تک کے لئے ملعون ورجیم کہا گیا۔ یہ بھی بتایا گیا کہ شیطان کا داؤں اللہ کے مخلص بندوں پر نہ چل سکے گا۔ وہ اُہنی پر اپنا قبضہ جما سکتا ہے جو اللہ کی عبادت اور صراطِ مستقیم چھوڑ کر شیطان کی پیروی کریں گے، مگر ساتھ ہی ساتھ شیطان اپنی صفائی بیان کر دیتا ہے کہ میں نے تو محسن اپنی طرف بلایا تھا اور تم نے میری طرف آنا قبول کیا۔ اس لئے ملامت کے قابل میں نہیں ہوں۔ بلکہ اپنے ہی نفس کو ملامت کرو۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اولادِ آدمؑ کے لئے انبیاء آئیں گے۔ اور تاریخِ کامل لابن اشیر میں تو اُن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تک بتائی گئی ہے۔

جو لوگ ان کے کہنے پر عمل کریں گے، تقویٰ و صالح زندگی اختیار کریں گے، ان کے لئے کوئی اندیشہ نہیں۔ مگر جو اللہ کی آیات کو جھٹلائیں گے اور استکبار کریں گے وہ اصحاب النار ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ سے ابراہیم کے ساتھ عہد نامہ کی شرائط پر گفتگو ہو رہی تھی اور ابراہیم کو ان کے رب نے چند باتوں میں آزما کر فرمایا میں تم کو انسانوں کا امام بناتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا: "وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ" (البقرہ) اور میری اولاد کے متعلق کیا حکم ہے؟ جو اب دیا ان میں جو ظالم ہوں گے انہیں میرا عہد نہیں پہنچتا، ابھی اوپر بتایا جا چکا ہے کہ شجر ممنوعہ کے پاس جانا بھی ظالم ہونے کا باعث قرار پاسکتا ہے۔ اسی طرح۔

"لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرَاتِ الْأَرْضَ يَرَثُهَا عِبَادِي الصَّالِحُونَ" (الانبیاء) زبور میں پسند و نصیحت کے بعد ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے)

دوسری طرف "ابلیس" ابلّس سے ہے بمعنی بے خیر ہونا۔ شکستہ دل ہونا۔ غمگین ہونا۔ من رحمة اللہ ما یوس ہونا۔ (مصباح اللغات) اسی لئے شیطان کا نام ابلیس پڑا۔ اسی طرح شیطان کا لفظ شطن سے ہے، بمعنی مخالفت کرنا۔ حق و غیرہ سے دُور ہونا۔ لہذا شیطان کے معنی سرکش و نافرمان کے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے دربار سے ابلیس (شیطان) اسی بناؤ پر رائدہ درگاہ ہو کر نکلا گیا۔!

جب قرآن کریم میں عہد نامہ کا ذکر موجود ہے تو شہادت بھی ملتی چاہیے۔ یہاں دو عہد نامے دیکھے گئے جو بیک وقت ایک ہی دربار میں طے پائے۔ اور چونکہ انسان کے ساتھ سب سے اول اور قدیم معاہدہ زمین کی خلافت کا ہوا۔ دوسرے والے معاہدہ کو ہم شہادت میں لے سکتے ہیں جو بیک وقت ہوا۔ اور یوم الدین تک کے لئے قرار پایا۔

قرآن کریم میں شہادت کی بہترین مثال اس موقع کے لئے "وَالشَّيْنِ، وَالْمَنِيَّوْنِ، وَطُورِ سِينِينَ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ" میں موجود ہے، جس میں چار مختلف ادوار کی شہادت۔ تین، زیتون، طور، سینا کے پہاڑ اور بلد امین (شہر مکہ) کو قرار دیا گیا۔ اس میں پہلی شہادت کا اشارہ حضرت آدم ہی کے دور کی طرف ہے۔ اور تین کے پہاڑ کو شاہد بنا یا گیا ہے۔ جو حجر شہادت سے موزونیت رکھتا ہے! شہادت اور قسم کا ایک ہی مفہوم ہے۔ بعض مرتبہ تمدنی ضروریات اور بعض دیگر حالات مجبور کرتے ہیں کہ آدمی اپنی پوری بات کو تاکید و توثیق کے ساتھ پیش کرے، یہی ضروریات و حالات کبھی کبھی اس بات کے داعی ہوتے ہیں کہ اس تاکید میں پوری شدت اور اس توثیق میں کامل استحکام ہو۔ اس کے لئے طریقہ یہ تھا کہ بالعموم معاہدوں اور قسموں کی تکمیل عبادت گاہوں کے سامنے ہوا کرتی تھی۔ اس طرح قسم میں مذہبی تقدس کا رنگ پیدا ہوا۔ اس طرح کی قسموں اور معاہدوں پر گویا اللہ تعالیٰ کی گواہی ثبت ہو جاتی تھی، اور ان کے توڑنے میں اس کی سختی کا اندیشہ تھا۔ (اقسام القرآن از فرہی)

تاریخ شاہد ہے کہ قدیم قوموں کو جب کوئی اہم ضرورت پیش آتی تو اپنے معبدوں اور استھانوں کے پاس اکٹھی ہوتی اور وہیں اپنے دیوتاؤں کے سامنے معاہدہ کرتے۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کا حال بھی یہی تھا۔ خانہ کعبہ ان کا سب سے بڑا معبد تھا۔ اور جب ان کو کوئی معاہدہ کرنا ہوتا تو وہ اسی معبد کے پاس آتے اور گویا خدا کے سامنے اپنے معاہدے مرتب کرتے (اقسام القرآن از فرہی)

پھر شرک کی آلودگی کی وجہ سے کبھی بوں بھی ہونے لگا کہ کسی استھان کے پاس اکٹھا ہو کر معاہدہ کر لیتے کہ جن استھانوں پر وہ قربانی کرتے تھے ان کو خدا کا شریک اور خدا کے دربار میں اپنے لئے سفارش سمجھتے تھے۔ ادائے رسم کا طریقہ یہ تھا کہ یا تو (۱) قربانی کر کے ان کا خون چھڑکتے یا خانہ کعبہ کو چھوتے، یا پھر (۲) یہ کرنے کہ کسی خوشبو میں اپنے ہاتھ سب ڈالتے اور پھر اس سے خانہ کعبہ کو چھوتے۔ اس کی مثال بعثت سے کچھ پہلے بنی عبدمناف کے حلف میں ملتی ہے، جس میں آنحضرت اور حضرت بلو بکر بھی شریک تھے۔

اسی تو شبو کی وجہ سے یہ لوگ "مطہین" کے نام سے مشہور ہوئے، ان سب سے مقصود محض شہادت کے مفہوم کو تقویت دینا تھا۔ یہ طریقے اختیار کر کے صورت حال کو نگاہ کے سامنے رکھ دیتے تاکہ قلب پر اس کا اثر پڑے۔ (اقسام القرآن از فرامی)

اہل عرب زمانہ جاہلیت میں ہر طرح کے اختلافات عقائد کے باوجود (بیت اللہ) کی تعظیم میں بالکل متفق تھے۔ وہ جانتے تھے کہ خدا کا اولین گھر جو لوگوں کے لئے تعمیر ہوا، یہی ہے۔ یہاں تک کہ عرب کے نصرانی بھی اس گھر کی قسم کھاتے تھے، مثلاً عدی بن زید جاہلیت میں نصرانی تھا، تاہم کہتا ہے۔ "سعی الاعداء کالیون شرّاً۔ علیک وزبت مکہ والصلیب۔" (اعداء سرگرم سازش میں اور تمہارے خلاف کوئی شرارت اٹھانہ رکھیں گے۔ مکہ کے رب اور صلیب کی قسم) (اقسام القرآن از فرامی)

جاہلیت کی یہ بات اسلام میں بھی باقی رہی۔ فرزوق کا شعر ہے

أَلَمْ تَرِنِي عَاهِدْتُ رَبِّي وَآتِي
بَيْنَ رِجَالِ قَائِمًا وَمَتَاهِ
عَلَى حَلْفَةِ لَأَشْتَمُ الدَّهْرَ مُسْلِمًا
وَلَا خَارِجًا مِنْ فِي زُورٍ كَلَامِهِ

رکھا تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے ہا پ کعبہ اور مقام کے مابین کھڑے ہو کر اپنے رب سے کچھ عہد کیا ہے کہ کسی مسلم کو گالی نہ دوں اور نہ اپنے منہ سے کوئی جھوٹی بات نکالوں گا (اقسام القرآن از فرامی)

عرب کی قسموں میں ایک یہ بھی تھی۔ "لَا وَرَبِّ هَذَا الْبَيْتِ" اس مکان یعنی خانہ کعبہ کے مالک کی قسم، عرضہ کہ یہ تھے مختلف نعتیہ قسم و شہادت کے جو زمانہ قدیم سے رائج تھے۔ اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہرانے کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کا اظہار اور قسم کی سختی اور قطعیت کا اعلان ہوتا ہے۔ مثلاً آنحضرتؐ نے اپنے آخری خطبہ میں تمام اہم امور و ذرائع کے بعد ذکر فرمایا۔ "أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ۔ اللَّهُمَّ اشْهَدْ" (آگاہ میں نے پہنچا دیا، اللہ تو گواہ ہے) آپؐ جب کبھی کسی بستی میں جاتے تو ایک دعا پڑھتے "وَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ..... وَرَبِّ الرِّيَاحِ وَمَا ذُرِّيْنِ" (آسمان و زمین کا رب گواہ ہے اور ہواؤں اور وہ جو کچھ اڑاتی ہیں ان کا رب گواہ ہے) آپؐ نے ابن اللہبیہ ازدی کو تحصیل صدقہ کے لئے عامل بنایا۔ انہوں نے کچھ ہدیے قبول کر لئے آپؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے اس پر غصہ کا اظہار فرمایا۔ اور ان کی ذمہ داریوں کو یاد دلانے کے بعد آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر تین بار فرمایا۔ "اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ" (خداوند کیا میں نے پہنچا دیا؟) آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اللہ کو گواہ ٹھہرانے کی مثال حضرت ابراہیمؑ کے ایک واقعہ میں یوں ملتی ہے۔ "ابراہم نے سدوم کے بادشاہ سے کہا کہ میں نے خداوند تعالیٰ۔ آسمان و زمین کے مالک کی طرف ہاتھ اٹھا دیا ہے کہ میں نہ تو کوئی دھاگا، نہ جوتی کا تسمہ، نہ تیری کوئی اور چیز لوں گا" (پیدائش: ۲۲-۲۳) انگریزی بائبل میں ہاتھ اٹھایا کہا گیا ہے اور اردو بائبل میں "قسم کھائی ہے" لکھا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ ہاتھ اٹھانے کا مفہوم شہادت کا اشارہ یا گواہ ٹھہرانا تھا۔!

تفسیر جو اہر میں حجر اسود کے متعلق ذکر کیا گیا ہے کہ یہ پتھر زمین پر اللہ کا داہنا ہاتھ ہے۔ مناسب جج کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حجر اسود کو بوسہ دے کر، ہاتھ لگا کر یا محض ہاتھ اٹھا کر اس کی طرف اشارہ ہی کر دینا اسلام کے اول اور قدیمی عہد کو از سر نو تازہ کرنا ہے (بحوالہ مجموعہ تفاسیر فرامی) اور وہ بھی کہاں؟ اللہ کے بیت عتیق میں اس مقام پر جہاں حجر شہادت نصب ہے۔ اسی شاہد حجر کی طرف اشارہ کر کے جس نے بن آدم کے ساتھ اللہ کے معاہدہ کو اسی مقام پر بخود دیکھا اور سنا۔ اس طرح عہد کی توثیق اور عن کی راہ میں قربان ہونے کا اقرار بھی ہو جاتا ہے۔ دُومے پہلو سے بھی غور کیجئے۔ "لَوْ يَدُ اللَّهِ فَرَّقَ أَيْدِيَهُمْ" کا مفہوم بھی اس معاہدہ کی تجدید میں نظر آ رہا ہے۔ ہو یہو یہ منتظر اس وقت بھی تھا جبکہ رسول اللہ نے ۳۵ برس کی عمر میں اس پتھر کو چادر میں رکھ کر اپنے ہاتھ

سے عمارت میں لگایا تھا، اور ہر قبیلہ کا سردار اپنے ہاتھ سے چادر پکڑے ہوئے تھا !

یہ حجر شہادت شاہد تھا کہ اللہ نے شیطان کے استکبار کو برا سمجھا اور نقصانی مند، ہٹ دھرمی، شکوک و شبہات اور وسوسوں کی بددلت انکار حق کا نام استکبار رکھ رکھا گیا۔ ابلیس اگر ارا رہا اور سر تسلیم خم کرنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ اسی حجر شہادت کے پاس جو عظیم کی دیوار سے گھرا ہوا ہے جب حجاج پہنچتے ہیں تو یہ نہیں ہوتا کہ ”وَاذْاٰقِبَلْ لَہُمْ اَرْکَعُوْکَیْوَکَعُوْنَ“ (مرسلات) اور ان سے کہا جائے کہ جھکو تو جھکتے نہیں۔ بلکہ اطاعت حق کے لئے شکستہ و منکسر ہو کر گزرتے ہیں اور باطل کے مقابلہ میں حق کے عہد کو ہاتھ بڑھا کر تازہ کر لیتے ہیں۔ کیونکہ اس قدیم پتھر نے اللہ کے معاہدہ کو جو ابوالبشر آدم کے ساتھ ہوا دیکھا اور سنا، اسی لئے یہ حجر اتنا قابل احترام اور چومے جلنے کے لائق ہو سکا۔ !

رہ گیا نام اسود (یعنی سیاہ) تو اس کی وجہ تسمیہ قرآن کریم سے اس طرح مستنبط ہوتی ہے:-

یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ وَتَسْوَدُّ وُجُوْهُ - فَاَمَّا الَّذِیْنَ اَسْوَدَتْ وُجُوْهُہُمْ فَانْكَرْتُمْ بَعْدَ اٰیْمَانِکُمْ
فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا تَکْفُرُوْنَ - وَاَمَّا الَّذِیْنَ اَبْيَضَتْ وُجُوْهُہُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ - ہُمْ فِيْہَا خَالِدُوْنَ -

جس دن بعض لوگوں کے منہ سفید ہوں گے اور بعض کے سیاہ، تو جو لوگ سیاہ رہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے، تو اب اپنے کفر کی سزا میں عذاب کے مزے چکھو۔ اور جو لوگ سفید رہیں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے !

کیا ابلیس کے لئے نہیں کہا گیا۔ ”وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ“ (وہ کافروں میں ہو گیا)۔ زبردستی کے ساتھ اگر طے رہنے پر اسے ملعون و ربیم و من الضغیرین کہہ کر جنت سے نکالا گیا۔ کیا سخت دل ہونے کو پتھر یا حجر نہیں کہتے؟ ان ساری صفات کی بناء پر حجر اسود نام اس کے لئے زیادہ موزوں نہیں، خواہ رنگ سیاہ ہو یا نہ ہو۔ اسود، ابیمن کا منہ ہے۔ ابیمن حق کے لئے ہے تو اسود اس کا عکس ہے۔ !

القرن: یہ حجر اسود بیت عتیق کی قدامت پر صاف شہادت دے رہا ہے کہ بیشک دُنیا میں پہلا عبادت خانہ کعبہ ہی ہے۔ جو ”اُمّ القری“ بلکہ میں تھا، جو زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت سے بلد محترم تھا۔ اور جہاں اسی وقت سے چار پہیے حرام تھے اور آدم کی مسجد مکہ محض چوتراہ و کرسی ہی بلکہ ایک ٹیلہ ہی کی شکل میں تھی۔ جس وقت حضرت ابراہیم، اسمعیل اور ان کی والدہ کو پہنچانے گئے، جبکہ سام بن نوح حجاز کے امام تھے، اس حجر شہادت نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو گا کہ ہابیل و قابیل نے اپنی اپنی قربانی اسی بیت عتیق میں چڑھائی۔ حضرت شیث کے وقت یہی اولین ایوان اور فطری حکومت کا حرم امن تھا۔

پھر انوش کے وقت سے لوگ یہود واد کا نام لے کر اسی حرم میں دعا کرنے لگے۔ مکہ کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ آدم کا بیت الحزن بھی یہیں رہا ہو گا۔ الحاصل اس مقدم ترین عہد نامہ کی تکمیل کی غرض سے جو اللہ تعالیٰ اور ابوالبشر آدم کے درمیان ابلیس کے عہد نامہ کے بالمقابل ہوا، یہ بیت عتیق اور شوکت کا گھر، ساری جدوجہد کا مرکز بنا اور اسی بیت عتیق میں اس قدیم حجر شہادت نے بھی اپنا مقام حاصل کر لیا۔ حالانکہ بذات خود وہ ایک پتھر ہی ہے، نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ ضرر۔ !

۱۔ مگر کسی چیز کا ”سیاہ رنگ“ ہونا یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے، کسی پتھر کا رنگ ہی کالا ہو تو اسے ”حجر اسود“ کہہ سکتے ہیں۔ (م۔ ق)

حاجی محمد عزیز اللہ بی اہل اہل۔

اسلامی توحید

دنیا میں جس قدر مذاہب اور ادیان پائے جاتے ہیں، ان میں ہر مذہب والا توحید کا مدعی ہے، لیکن اسلام سے دُوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی امتش پرستی میں پڑ کر اور کسی نے اصرام پرستی میں اپنے کو ملوث کر کے اور کسی نے آفتاب و ماہتاب کو پوج کر، کسی نے سمندر و اور دریاؤں کو معبود سمجھ کر اور کسی نے اجار و رہبان کو تصرف کرنے والا جان کر مختلف طور پر ایسی ایسی ٹھوکریں کھائی ہیں کہ ان کا دعویٰ توحید بجائے خود باطل ہو کر رہ گیا۔ صرف ایک اسلام ہی وہ پاک و مقدس مذہب ہے جس نے نقہری بہائی توحید پیش کی ہے اور اس مسئلہ کو اس طرح واضح و مدلل کیلئے ہے کہ تمام ادیان عالم اس سے یکسر خالی ہیں۔ !

وجود باری تعالیٰ جس طرح کشتی سے ملح کا پتہ چل جاتا ہے اور دھواں دیکھ کر آگ کا علم ہو جاتا ہے، آفتاب نکلنے پر دن ہو جانے کا یقین ہو جاتا ہے، اسی طرح کائنات کا ہر ذرہ اپنے خالق کا پتہ دے رہا ہے۔ ایک صحابی نے کیا خوب کہا ہے۔ **و فی کل شیء لہ آیۃ، تدل علی انہ واحد۔** یعنی دنیا کی ہر چیز میں قدرت کی ایک نشانی ہے اور ہر چیز خدا کی وحدانیت اور وجود کی گواہی دے رہی ہے !

ان فی خلق السموات و الارض و اختلاف اللیل و النهار و الفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس و ما انزل اللہ من السماء من ماء فاجابہ الارض بعد موتھا و تصریف الریاح و السحاب المسخر بین السماء و الارض لآیات لقوم یعقلون۔ !

آسمان اور زمین کا بنانا اور رات و دن کا بدلتا آنا اور کشتی جو لے کر چلتی ہے دریا میں، جو چیزیں کام آویں لوگوں کو۔ اور جو آتا اللہ نے آسمان سے پانی پھر جلایا اس سے زمین کو مرگئے پیچھے، اور بکھیرے میں اس میں سب قسم کے جانور اور پھیرنا ہواؤں کا اور ایسے حکم کا تا یہ ہے درمیان آسمان اور زمین کے ان میں نمونے ہیں عقلمند لوگوں کے لئے (ترجمہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ)

آج دنیا میں انکار و دہریت کا کافی زور ہے اور اس مسئلہ میں نئے نئے انداز سے ریسرچ ہو رہا ہے۔ لیکن آخر ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح خدا کے اقرار کے بغیر چارہ نہیں ہے !

انبیاء سابقین کی دعوت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک جس قدر انبیاء و رسل مبعوث ہوئے ہر ایک نے توحید ہی کی دعوت دی۔ قرآن اس پر شاہد ہے :-

وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحي الیہ انه لا اله الا انا فا عبدون !
اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے کسی کی بندگی نہیں ہے سوا میرے سو میری بندگی کرو۔ (ترجمہ شاہ صاحب)

بلکہ قرآن پاک نے ہر رسول کی دعوت کو تفصیل سے بیان کیا ہے :-

والی عاد اخامہ ہود اقال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ - والی ثمود اخامہ
صالح اقال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ ، والی مدین اخامہ شعیب اقال یقوم
اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ - !

یعنی حضرت ہود علیہ السلام و حضرت صالح علیہ السلام و حضرت شعیب علیہ السلام ہر ایک نے اپنی اپنی
قوم کو یہی وعظ سنایا کہ ایک اللہ کی پرستش کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے !

اسلامی تصریحاً | اسلام نے توحید باری تعالیٰ کو تمام طاعتوں کی اصل قرار دیا ہے، اس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہے۔ ایک
حدیث قدسی میں یوں وارد ہوا ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے، جو بندہ میرے پاس اس حال میں آئیگا
کہ زمین و آسمان اس کے گناہوں سے بھرے ہوں گے مگر توحید پر قائم رہ کر شرک سے بچا ہوگا تو اس سے میں اتنی ہی رحمت لے کر لوں گا
اور جو بندہ زمین و آسمان بھر کر نیکیاں لے کر آئے گا اور اس کے ساتھ شرک بھی کرتا رہا ہوگا اور توحید سے تہی دامن ہوگا تو اتنا ہی
غضب و عقت لے کر لوں گا۔ اسی لئے حضور سرور کائنات کا فرمان ہے :-

اذ اسئلت فاسئل اللہ و اذا استعنت فاستعن اللہ و لو اجتمعت الانس و الجن علی ان
ینفعوک لن ینفعوک الا ما قد کتبہ اللہ تعالیٰ و لو اجتمعت الانس و الجن علی ان
یضروک لن یضروک الا ما قد کتبہ اللہ تعالیٰ -

یعنی جب تمہیں سوال کرنا اور مانگنا ہو تو اپنے اللہ سے مانگو اور جب کبھی کسی معاملہ میں مدد چاہنی ہو تو
اپنے اللہ سے چاہو اور یہ یاد رکھو کہ اگر تمام انسان و جن اور ساری طاقتیں مل کر تم کو ذرہ برابر نفع
دینا چاہیں تو ہرگز ذرا سا بھی نفع نہیں دے سکتے۔ مگر اتنا ہی جتنا کہ خدا نے تمہاری تقدیر میں لکھ دیا
ہے اور تمام انسان اور جن اور مخلوقیں بل کر تم کو ایک ذرہ کے برابر نقصان دینا چاہیں تو ہرگز
ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اتنا ہی جتنا کہ خدا نے تمہاری تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ !

قابل غور بات | سب سے پہلے ہر مسلمان کو کھنڈنے دل سے سوچنا چاہیے کہ جس توحید پر وہ قائم ہے اس میں کوئی کھوٹ تو
نہیں ہے ورنہ سارے کئے کر کے پر پانی پھر جائے اور قیامت کے دن اپنے اللہ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیگا
و ما یؤمن اکثرہم باللہ الا وہم مشرکون۔ یعنی بہت سے ایسے ہیں جو باوجود دعویٰ ایمان کے مشرک ہیں اور مشرک کسی حال میں
قابل مغافی نہیں ہے۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء۔ یعنی اللہ تعالیٰ مشرک
کے علاوہ ہر گناہ معاف فرما سکتا ہے۔ !

کفار عرب کی توحید | جن کافروں کے لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے گئے وہ اللہ تعالیٰ کو کائنات
اور زمین و سماوی کائنات جانتے تھے۔ ولئن سألنہم من خلق السموات و الارض لیقولن اللہ -
اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ ان کافروں سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کئے ہیں تو ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ جل مجدہ
نے پیدا کئے ہیں، اسی طرح کل کائنات کو اللہ کی ملکیت تصور کرتے تھے، نیز اللہ ہی کو اپنا رب سمجھتے تھے اور اللہ ہی کے قبضہ میں
ہر چیز کے ہونے کا یقین کرتے تھے۔ جیسا کہ آیات ذیل سے ثابت ہوتا ہے :-

قل لمن الارض ومن فيها ان كنتم تعلمون
سيقولون لله -

قل من رب السموات السبع ورب العرش
العظيم سيقولون لله -

قل من بیدار ملکوت کل شیء وهو یجیر
ولا یجار علیه سيقولون لله -

تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس کے پیچھے ہے۔ اب
کہیں گے اللہ کو۔

تو کہہ کون ہے مالک سات آسمانوں کا اور مالک اس
بڑے تخت کا بتادیں گے اللہ کو۔

تو کہہ کس کے ہاتھ میں حکومت ہے ہر چیز کی اور وہ بچا لیتا
ہر اور اس سے کوئی نہیں بچا سکتا اب بتادیں گے اللہ کو !

آسمان سے پانی برسانے والا اور روزی رساں بھی سارے کفار اللہ ہی کو یقین کرتے تھے :-

ولئن سألتهم من نزل من السماء ماء فاخيا به الارض بعد موتها ليقولن الله
اور جو تو پوچھے ان سے کس نے اتارا آسمان سے پانی پھر جلا دیا اس سے زمین کو اس کے مرے
پیچھے تو کہیں گے اللہ نے !

سمجھنے کی بات | اوپر کے مضمون سے یہ معلوم ہوا کہ کفار عرب اللہ کو خالق، رازق، رب، آسمان و زمین کا مالک سمجھتے تھے پھر
سمجھنے کی بات | بھی ان کو کافر ہی کہا گیا اور ان کی ہدایت کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا۔ آخر وہ کونسی بات
تھی، جس کی بنا پر زمرہ کفر سے نہیں نکالا گیا۔ وہ بات یہ تھی کہ تعظیم پرستش کے اور تذر و نیاز کے جو طریقے اللہ کے آگے
برتے جاتے تھے، وہی غیر اللہ کے آگے بھی برتتے تھے، مثلاً خدا کو سجدہ کیا جاتا ہے، رکوع کیا جاتا ہے، اس کو تذر و نیاز
کی جاتی ہے، اس سے ہی مدد چاہی جاتی ہے، اور مصیبت کے وقت میں امی کو پکارا جاتا ہے۔ اسی کے نام کی دہائی دی
جاتی ہے، نفع و نقصان کا مالک خدا ہی کو جانا جاتا ہے۔ وغیرہ۔ یہی امور عرب کے کافر غیر اللہ کے سامنے بھی کر لیتے تھے۔
اور جب ان کو منع کیا جاتا کہ رکوع و سجدہ، طواف، استغاثہ، اٹھتے بیٹھتے اسی کے نام کی رٹ لگانا یہ امور صرف اللہ کے لئے
ہیں، غیر اللہ کے سامنے قطعی حرام ہیں تو جواب میں یوں کہتے :-

ما نعبدهم الا ليقربوا الی الله نزلنا !

رہم تو اس لئے غیر اللہ پرستی کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کے قریب کر دیں گے !

ہم کو بھی بار بار غور کرنا چاہیے کہ اٹھتے بیٹھتے اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام تو زبان پر نہیں ہے ؟ نفع و نقصان کا
مالک خدا کے سوا کسی کو جانتے ہیں ؟ خدا کے سوا کسی اور کی تذر و نیاز کرتے ہیں ؟ اپنے خالق مالک کے گھر کے علاوہ کسی
اور جگہ کا طواف کرتے ہیں ؟ اور آڑے وقت اپنے رب کے سوا کسی اور کی دہائی دیتے ہیں ؟ کسی زندہ یا مردہ کے سامنے جا کر
استغاثہ کرتے ہیں ؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو ہم میں اور حضور کے زمانہ کے ابو جہل جیسے کافروں میں کوئی فرق نہیں
ہے۔ بہت جلد تو یہ کر کے صحابہ کا سا ایمان پیدا کرنا ضروری ہے، جس پر نجات اخروی و دنیوی کا دار و مدار ہے۔ (اللہ ہم
سب کو صحیح ایمان نصیب کرے اور توجید پر چلنے اور توجید ہی پر مارے اور قیامت کے دن موحدین کے ساتھ حضور
پاک کے جھنڈے تلے جمع کر دے۔ آمین !



ڈاکٹر محمد احمد رضا صدیقی

رپرڈ فیئر شعبہ فارسی عربی یونیورسٹی الہ آباد

شیخ الریس ابن سینا اور اس کا فلسفہ

ابن سینا صفر ۳۷۰ھ اور بعض کے نزدیک ۳۷۵ھ میں بمقام یافثہ جو بخارا کے متعلقات میں سے تھا، پیدا ہوا۔ پانچ سال کے بعد اس کو اس کا باپ بخارا لے گیا، وہاں اس نے علم و ادب سیکھنا شروع کیا، لوگوں کا خیال ہے کہ ابن سینا دس سال کی عمر میں ادب اور لغت کی تعلیم سے فارغ ہو گیا تھا اور یہ کہ اسی زمانہ میں فرقہ اسماعیلیہ کا ایک مصری داعی بخارا میں آیا تو ابن سینا اس کی فلسفیانہ باتیں عقل اور نفس اور علم ہندسہ اور علم حساب ہند کے سنا کر تا تھا، اور اس کی بعض باتوں کو قبول کرتا اور بعض کو چھوڑ دیتا تھا۔ ہمارے نزدیک یہ یقینی امر ہے کہ یہ سمجھ بوجھ اس پختہ کاری کا نتیجہ ہے جو ابن سینا کو بعد میں حاصل ہوئی لوگوں نے یہ خیال کر لیا کہ ابن سینا نے دس سال کی عمر میں ہی یہ سب جان لیا تھا!

غالباً ابن سینا کا سب سے زیادہ مشہور استاد ابو عبد اللہ ناتلی ہے، وہ بخارا میں آیا تو ابن سینا کے والد نے اس سے یہ خواہش کی کہ وہ ابن سینا کو منطق اور ریاضی سکھانے کا کام اپنے متعلق کرے۔ خود ابن سینا کا یہ قول ہے کہ میں (ناتلی کے ساتھ) مجلسی کی طرف جمعاً، جب اس کے مقدمات سے فارغ ہو گیا اور اشکال ہندسیہ کی طرف پہنچا تو مجھ سے ناتلی نے کہا۔ تم خود ان اشکال کو پڑھ کر حل کر لیا کرو، پھر اس پڑھے ہوئے کو میرے سامنے بیان کیا کرو۔ ناتلی خود کتاب نہیں اٹھاتا تھا اور میں اس کتاب کو حل کیا کرتا تھا، ہوا یہ کہ بہت سی مشکل باتوں کا علم اس کو اس وقت ہوا جب کہ میں نے ان کو اس کے سامنے پیش کر کے سمجھایا۔ پھر ناتلی مجھ سے جدا ہو کر کرکاج چلا گیا۔ اور اس نے علم طبیعی اور علم الہی کے متون و شرح کا مطالعہ کیا۔ پھر علم طب کی طرف راغب ہوا اور اس فن کی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا اور معالجہ کیا، علم وسیع کرنے کے لئے، مال کمانے کے لئے نہیں۔ اور اس کے پاس فن طب کے افاضل اور بڑے لوگوں نے آمد و رفت جاری رکھی۔ اس سے طب کے فتون اور معالجات جو تجربہ سے حاصل ہوئے تھے، سیکھنے لگے، اس وقت ابن سینا کی عمر سولہ سال تھی!

اتفاقاً امیر نوح بن نصر سامانی ایسا بیمار ہوا کہ اطباء اس کے علاج سے عاجز آ گئے۔ ابن سینا نے اس کا علاج کیا اور اس کو شفاء ہو گئی، اس لئے اس کے دربار میں ابن سینا کو بڑی عزت و عظمت حاصل ہو گئی، ابن سینا نے امیر نوح بن نصر سے اس کے بڑے کتب خانہ میں داخل ہونے کی اجازت حاصل کر لی۔ اب کیا تھا وہاں اس کو بڑی اعلیٰ درجہ کی کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا۔ ابھی ابن سینا پڑھے اٹھارہ سال کا بھی نہ ہوا تھا کہ اس نے ان سب علوم سے، جن کے حاصل کرنے کے لئے وہ مشقت کرتا تھا، فراغت حاصل کر لی۔ اور ابن سینا طب اور فلسفہ سے الگ ہو کر حکومت کی خدمت میں مشغول ہوا۔ جیسا کہ اس سے اس کے باپ کے کہا تھا۔ پس وہ ہمدان میں شمس الدولہ کا وزیر ہو گیا۔ لیکن فوج نے شمس الدولہ پر حملہ کر کے اسے حکومت سے دست بردار ہو جانے پر مجبور کیا۔ شمس الدولہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے تاج الدولہ نے ابن سینا پر خیانت

کی بہت لگائی اور اُسے وہاں ایک قلعہ میں قید کر دیا۔ لیکن ابن سینا اصفہان کی طرف بھاگ گیا۔ ابن سینا نے ان سب زمانوں میں تالیف و مطالعہ کا کام جاری رکھا۔

ابن سینا اپنی صحت کی طرف سے بے پُر ادراغ و غافل تھا۔ جس سے اُس کا جسم کمزور ہو گیا۔ وہ تو لہج میں مبتلا ہو گیا تو اپنی دو اُخوذ کرتا تھا۔ لیکن اپنی صحت کی محافظت نہ کرتا تھا، اس لئے وہ صحت یاب تو ہو جاتا تھا اور صحت کے بعد پھر بیماری پلٹ آتی تھی۔ آخر وہ اپنی بیماریوں کے اثر سے بمقام ہمدان ۳۲۵ھ مطابق ۹۳۷ء میں ۵۸ سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔!

ابن سینا کی شخصی خصوصیات | ابن سینا کی خصوصیات شخصیہ کا تعلق اُس کی عجیب و غریب ذکاوت سے اور اس کی سیاسی تدابیر سے ہے۔ اس کی ذکاوت نے اُسے بچپن ہی میں فلسفہ اور علم کو گھیر لینے پر قادر بنا دیا۔ اُس کا سیاسی

تدبیر بھی اس سے ظاہر ہے کہ وہ سرکاری عہدوں اور منصبوں پر برابر ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وزارت کے مرتبہ کو حاصل کر لیا۔ وہ فارابی کی طرح نہیں تھا کہ لوگوں کے اجتماع سے بھاگتا اور لوگوں کی ملاقات کو ناپسند کرتا۔ وہ تو سیاست میں ڈوب رہتا تھا۔ اور مجمع کی بھلائیوں اور برائیوں میں گھسار رہتا تھا اور اسی طرح اس کی شخصیت دورنگی تھی، لوگوں کے ساتھ وہ فلسفی، پرمہنگا، دیندار تھا اور اپنی ذات کے ساتھ وہ لذات و شہوات کا دلدادہ تھا۔ اور ابن سینا محض فلسفی نہ تھا بلکہ عالم اور طبیب بھی تھا، اس کا فلسفہ اس امر میں اُس کا معاون ہو گیا کہ وہ طب اور معالجہ میں فائق و کامل ہو جائے اور اس کے علم و تجربہ نے اُس کے فلسفہ میں ماہر ہونے میں اعانت کی، اور ابن سینا شاعر و اسع الخیال تھا۔ جس سے اُس نے فلسفہ میں ایک نیا کشش والا مادہ بڑھا دیا۔ اور اُس نے اپنے لئے ایک ادبی اسلوب تجویز کیا، جس میں اُس نے فلسفہ کو عمدہ و واضح طریقہ پر چلایا!

ابن سینا درجہ اول میں طبیب تھا اور دوسرے درجہ میں عالم طبیعی تھا۔ صرف تیسرے درجہ میں فلسفی تھا! خالص فلسفہ میں وہ فارابی کے درجہ تک نہیں پہنچا۔ ہاں فلسفہ کو اُس نے فارابی کی وساطت سے سمجھا اور اُس میں وسعت پیدا کی۔ کیونکہ اُس کی تالیف کا دائرہ بہت وسیع ہے، فلسفہ اسلامیہ کی تاریخ میں ابن سینا کا حقیقی درجہ یہ ہے کہ وہ اسلام میں فلسفہ اور علم کا تنظیم کرنے والا تھا، جس طرح ارسطو فلسفیہ یونانیہ کا منظم اور اس کے علوم کا ظاہر کرنے والا تھا۔ اسی وجہ سے وہ معلم ثالث اور شیخ الریس کے لقب کا مستحق قرار پایا! اور یہ عجیب و بعید نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے زمانہ میں کامل فلسفی اور زبردست مفکر تھا۔ اس کا اثر مشرق میں محدود نہیں رہا، بلکہ مغرب تک پہنچا اور ابن سینا کی بدولت مغرب نے طب کا اور فلسفہ کا بہت حصہ جانا اور موضوعات فلسفیہ کا کھنڈا معلوم کیا۔ اور ابن سینا کی کتابیں یورپ کی یونیورسٹیوں میں سترھویں صدی عیسوی تک برابر پڑھائی گئیں۔ اور ابن سینا کے زمانہ سے اور اس کے اثر سے اس سریانی ثقافت کو مغلوب کر دیا جو بسا اوقات فلسفہ یونانی کو عرب کے سامنے بدنام شکل میں ظاہر کرتی تھی!

ابن سینا کی شخصیت کے متعدد اطراف تھے اور اس کا اثر اس کی کتابوں اور رسالوں میں ظاہر ہے، اُس کی کتابیں بہت ہیں اور مختلف انواع کی ہیں، لغت میں اس نے تالیف کیا۔ شعر نظم کیا، طب میں، ریاضیات میں، طبیعیات اور فلسفہ میں کتابیں لکھیں۔!

طب میں ابن سینا کی کئی کتابیں اور رسالے ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور کتاب "قانون" ہے، اس میں "فیسیولوجیا (وظائف الاعضاء) اور علم الامراض اور حفظان صحت کے مباحث ہیں۔ پھر معالجہ کے وسائل، پھر ہر عضو کے امراض کا بیان پھر علاج اور اُس کی ترکیب کا بیان ہے!

- یہ دشوار امر ہے کہ ہم اس کے فلسفہ کی تقسیم اس کے مباحث کے اعتبار سے کریں، کیونکہ اس کی مشہور کتابیں فلسفہ کے کل فنون پر مشتمل ہیں۔ اس لئے ہم ان کتابوں کو ان کی شہرت کے اعتبار سے ذکر کرتے ہیں :-
- (۱) شفاء - یہ علوم فلسفہ کی انسائیکلو پیڈیا ہے (دائرہ معارف فلسفیہ) منطق اور طبیعیات اور ریاضیات اور الہیات کو جامع ہے، ادیب ابن سینا کی فلسفی کتابوں میں سب سے زیادہ حجم والی ہے۔
- (۲) نجات - یہ شفاء کا اختصار ہے، اس میں فلسفہ کی تین انواع ہیں - (۱) منطق (۲) طبیعیات (۳) الہیات - یہ کتاب باعتبار شمول اور وضوح اور اسلوب کے شفاء سے بڑھی ہوئی ہے۔
- (۳) تسع رسائل - اس میں ۹ رسالے ہیں - (۱) طبیعیات کے مباحث مخصوصہ باجسام (۲) اجرام علویہ کا بیان (۳) انسانی قوتیں اور ان کے ادراکات، جن کا تعلق عقل اور حواس سے ہے (۴) الحدود - یعنی بعض ایسے الفاظ کی تعریفات جو فلسفہ میں آتے ہیں (۵) حکمت کی اور اس کی فروع کی تقسیم (۶) اثبات النبوة (۷) معانی الحروف الہجائیہ - یہ رسالہ اپنے موضوع میں رمزیہ ہے (۸) رسالہ فی العہد - یہ رسالہ تہذیب نفس کے بیان میں ہے (۹) رسالہ فی علم الاخلاق -
- (۴) رسائل ابن سینا - یہ دوسرا مجموعہ ہے جو بمقام لندن ۱۸۹۲ء میں طبع ہو چکا ہے۔ اس مجموعہ میں رسالہ حی بن یقظان (یہ ایک خیالی قصہ ہے، ایک شخص بیت المقدس سے سیاحت ارض کر تا ہے اور عجیب شہروں اور ان کے عجائبات کا حال بیان کرتا ہے) اور رسالۃ الطیر اور رسالۃ الاشارات والتنبیہات اور رسالۃ القدر اور رسالۃ العشق ہیں۔
- (۵) مختلف تالیفات - ابن سینا کا قصیدہ منطق میں - چند رسالے منطق کے، ایک قصیدہ نفس کے متعلق - جو ایک مجموعہ میں جن کا نام منطق المشرقیین میں چھپا ہے - اور ان کے سوا -!

فلسفہ ابن سینا کا اجمالی بیان | ابن سینا کسی فلسفی کے مذہب کا پابند نہ تھا۔ اس نے قدماء سے جو اس کو پسند آیا اخذ کیا، افلاطون دارسطو سے بھی لیا۔ فارابی کی لکھی ہوئی باتوں میں سے زیادہ تر اخذ کیا۔ پھر افلاطونہ جدیدہ سے بھی مستفید ہوا۔ ابن سینا نے ارسطو کی ایسی ہونے کا ارادہ کیا، تو اس نے ارسطو کی کتابوں کی شرح کی۔ عربی شارحین میں وہ سب سے اچھا شارح ہے۔ اور فارابی کے فلسفہ کو اس نے شروع کیا اور اس کو افلاطونہ جدیدہ کی ریلوں سے الگ کرنے کی کوشش کی! اور چونکہ ابن سینا نے کوئی ایسا نظام جو اس کے فلسفہ کا شامل ہو، مقرر نہیں کیا، اس لئے ہم اس کے فلسفہ کی تفصیل اس طرح کرتے ہیں جس طرح خود اس نے تفصیل کی ہے۔ وہ چار قسم، منطق، ریاضیات، طبیعیات، الہیات ہیں۔ ہم ایک پانچویں قسم فلسفہ عملیہ میں زیادہ کرتے ہیں۔ "میانست و احلاق"

(۱) منطق - ابن سینا منطق کی ضرورت فلسفہ حاصل کرنے میں ان لوگوں کے لئے ضروری سمجھتا ہے، جن کا صحیح میلان فلسفہ کی طرف نہیں ہے، یا وہ سلیقہ سے فکر صحیح حاصل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، مگر وہ لوگ اس کی استطاعت رکھتے ہیں ان کا تحصیل حکمت میں منطق سے مستغنی ہونا ممکن ہے، جس طرح کہ خالص بدوی علم نحو سے (عربی بولنے میں) مستغنی ہے، کیونکہ اس میں بطبعاً وہ سلیقہ موجود ہے جو بولنے میں خطا لفظی سے بچاتا ہے!

منطق، ابن سینا کے نزدیک مادہ سے خالی ہے۔ (بخلاف علم طبعی کے کہ ناممکن ہے اس کا پایا جانا یا منتخیل ہونا مگر مادہ کے ساتھ متصل ہو کر) اور وہ (منطق) ایسا آلہ ہے جو ذہن کو خطا سے تصور اور تصدیق میں بچانے والا ہے اور حق اعتقاد کی طرف اس کے ابواب اور اس کے راستوں کو ہتیا کر کے پہنچانے والا ہے۔!

منطق میں ابن سینا کے جو اقوال ہیں ان کے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایک مشہور علم کے عام قواعد ہیں۔ جنہیں ابن سینا نے جمع اور مرتب کیا ہے، ہاں بعض رایوں سے جنہیں ہم خاص سمجھتے ہیں اور وہ کتاب نجات میں مذکور ہیں، ہم فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) کسی علم کا جان لینا دوسرے علوم کے حاصل کرنے میں معاون ہوتا ہے، مثلاً جو شخص ریاضیات کا ماہر ہو جاتا ہے، اس کو فلکیات کا سیکھ لینا آسان ہو جاتا ہے۔

(ب) حدود (تعریفات) کا استنباط کے لئے وضع کرنا باریکی کا اور ان اشیاء کے جوہر و ماہیات کو جاننے کا مفقنی ہے۔ یہ غلط ہے کہ ہم کہیں مثلاً کہ تلوار ایسا لوہا ہے جو کاٹ دیتا ہے، اور گرسی ایسی لکڑی ہے جس پر بیٹھا جاتا ہے، کیونکہ ایسی صورت میں ہم نے تلوار اور گرسی کی صرف ایک حالت پر نظر کی۔ اس قسم کے اقوال ”اسم ناقص“ ہی ہیں ”حد تام“ نہیں ہیں۔ اسی طرح ہمارا یہ قول کہ آفتاب ایسا ستارہ ہے جو دن میں نکلتا ہے ”حد ناقص“ ہے، کیونکہ دن کا نام دن جب ہی ہوتا ہے جب اس میں آفتاب نکلتا ہے، اور ابن سینا کی رائے ہے کہ جب ہم کسی چیز کی حد بتانے کا ارادہ کریں تو ہمیں نام ہے کہ ہم تعریف میں اس چیز کی ذات اور جنس اور فصل اور اس کی ماہیت کو لائیں تاکہ ذہن اس چیز کے غیر کی طرف نہ پھر جائے، جس کا قصد تعریف کا واضح کرنا ہے!

(۲) ریاضیات :- ابن سینا کے نزدیک ریاضیات کی چار قسمیں ہیں (۱) علم العدد۔ وہ شامل ہے جمع اور تفریق اور عمل جبر و مقابلہ کو (۲) ہندسہ۔ وہ مشتمل ہے علم مساحت کو اور علم الجیل (میکانیک) کو اور علم جراثقال اور علم اوزان اور علم میکال (پیمانہ) اور علم مناظر و مرایا کو اور پانی کے منتقل کرنے کے علم کو۔ (۳) علم ہیئت۔ اور اس کے فروع سے زینج و تقویم سے (۴) علم موسیقی۔ اور اس کے فروع سے عجیب و غریب آلات کا بنانا ہے، جیسے ارغن (ایک باجر کا نام ہے جسے ہندوستان میں ارگن باجر کہتے ہیں)۔

(۳) علم طبیعی (طبیعیات) علم طبیعی علم نظری ہے اور اس کا موضوع اجسام موجودہ ہیں۔ اس حیثیت سے کہ وہ تغیر میں واقع ہیں اور اس حیثیت سے کہ وہ اقسام حرکات و سکونات سے موصوف ہیں۔ ابن سینا کے نزدیک اس علم کا مدار بحث امور ذیل پر مشتمل ہے :-

الف) اجسام اور ان کے توابع حرکت پر زمان و مکان و جزو اور نہایت و لاناہایت۔

ب) عالم اور وہ یہ کہ ایک ہے، پھر فلک اور اس کی حرکت مستدیرہ پھر اجسام اولیٰ اور تخمخل و تکائف (خلا و دلاء) پھر حرارت و سردت کا اثر اجسام میں۔

ج) نفس اور اس کی قوتیں اور اس کا علوم کو حاصل کرنا اور ادراک و تجل۔ یہ عجیب بات ہے کہ ابن سینا طبیعیات کے حصہ میں اس پر بحث کرتا ہے کہ نفس جسم کے مرنے سے نہیں مرنے پھر بطلان تناسخ پر اور وحدت نفس پر۔ حالانکہ یہ مباحث حصہ اکہیات کے زیادہ مناسب ہیں!

ابن سینا علم طبیعی کے فروع آٹھ قرار دیتا ہے، جن سے وہ اس کے موافق ہو جاتا ہے جو ارسطو سے منقول ہے۔ اور وہ آٹھ یہ ہیں۔ اجسام کے امور عامہ جیسے مادہ و صورت و حرکت طبیعیہ وہ چیزیں ہیں جن پر ارسطو کی کتاب الکیان مشتمل ہے، پھر احوال ان اجسام کے جو عالم کے ارکان ہیں، جیسے سمادات اور جو چیزیں ان میں ہیں اور عناصر اربعہ جیسا کہ ارسطو کی کتاب السماء و العالم

میں ہے، پھر کون و فساد اور تولید اور نشو و استحالات جیسا کہ ارسطو کی کتاب الکون و الفساد میں ہے۔ پھر عناصر اربعہ کے احوال اور ان کے قوانین عام حرکات و تخلص و تکلف خصوصاً جن کا تعلق ابرو بارش اور شہاب اور عدد و برق اور لالہ اور آندھی اور زلزلہ اور دیباؤں اور پہاڑوں سے ہے، جیسا کہ ارسطو کی کتاب الاثار العلویہ میں ہے۔

پھر معادن جیسا کہ یہ بھی کتاب الاثار العلویہ میں ہے، پھر نباتات جیسا کہ کتاب النبات میں ہے۔ پھر کائنات حیوانیہ کا حال جیسا کہ کتاب طبائع الجواند میں ہے، پھر معرفت نفس و علم ان اداک کرنے والی قوتوں کا جو حیوانات میں اور خصوصاً انسان میں ہیں اور یہ کہ انسان کا نفس جسد کی موت سے نہیں مرتا اور وہ جو ہر روحانی الہی ہے جیسا کہ کتاب النفس اور کتاب الحسن والمحسوس میں ہے۔ ان کے تابع اور بہت فروع ہیں، جیسے طب اور احکام نجوم اور علم فراست اور سحر اور تعبیر رویا و طلسمات و علم کیمیا وغیرہ۔

اور جب ہم خاص نفس کی بحث پر آتے ہیں تیم ابن سینا کو دیکھتے ہیں کہ جس امر کو فارابی نے قبول کیا ہے، اس میں ابن سینا نے وسعت ظاہر کی ہے، اس لئے ابن سینا کے نزدیک نفس کے اساسی قوتوں میں قوت غازیہ ہے جو اجسام غریبہ کو اس کے اجسام مشابہ کی طرف منتقل کرتی ہے، جس میں کہ وہ عمل کر رہی ہے تاکہ جسد کے جو اجزاء تحلیل ہو چکے ہیں ان کے بجائے دوسرے اجزاء اسی قسم کے آجائیں اور قوت منمیه ہے جس کا کام یہ ہے کہ وہ اس جسد کے جس میں کہ وہ ہے بڑھنے میں معادن اس چیز کے ساتھ ہو جو اس جسد کی طبیعت کے مناسب ہو۔ اور قوت مولدہ ہے۔ یہ قوت اس امر میں معادن ہوتی ہے کہ وہ جسد جس میں یہ قوت ہے ایک دوسرا جسد اپنے مثل پیدا کرے۔

پھر نفس کے لئے دو اور قوتیں ہیں۔ ایک تو وہ قوت محرکہ جو نفس کو مرغوب خواہش کی طرف یا غضب کی طرف ابھارتی ہے۔ یا وہ قوت فاعلہ جس کی وجہ سے انسان حرکت کرتا۔ کام کرتا یا چلتا پھرتا ہے۔ دوسری قوت مدد ہے، جس کی دو قسم ہیں۔ ایک تو وہ جو باہر سے جو اس کے ذریعے سے اداک کرتی ہے، جو اس میں ہیں: بصر، سمع، شہم، ذوق، لمس۔ بصر کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ ابن سینا کی وہ پختہ رائے ہے جس کا ہمارے علم میں ابن سینا سے پہلے کوئی قائل نہیں ہوا، پہلے پہل اسی کو یہ بات سوجھی، اس نے اس پر دلیل قائم کی اور دوسروں کو بھی ادھر بلایا۔ اور وہ یہ ہے کہ ابن سینا سے پہلے جو فلسفی گزرے وہ اس کے محقق ہوئے کہ دیکھنے کی یہ صورت ہوتی ہے کہ آنکھ سے شعاع نکل کر دیکھے ہوئے جسم پر پڑتی ہے۔ لیکن ابن سینا بصر کی تعریف یوں کرتا ہے کہ وہ ایک قوت ہے کہ جو عصبہ مجوذہ میں رکھی گئی ہے، وہ رنگ ہر اجسام کی ان شکلوں کی صورت کو ادراک کرتی ہے جو کہ رطوبت جلیذہ میں منقوش ہو جاتی ہیں۔ جن کی یہ کیفیت ہے کہ وہ اجسام شفافہ بالفعل میں صاف اجسام کا سطحوں تک پہنچتی ہیں۔ اور ابن سینا نے معتدین کی ریالیوں پر تنقید کی ہے اور ہندی برہان اس بات پر قائم کی ہے کہ جبکہ دو جسم حجم میں برابر ہوں، لیکن وہ دونوں آنکھ سے اس طرح دور ہوں کہ دوری کی مسافت مختلف ہوں۔ یعنی ایک کی دوری دوسرے سے زیادہ ہو تو وہ جسم جو زیادہ دور ہوگا آنکھ سے دیکھنے میں بہ نسبت اس جسم کے جو کم دور ہے، حجم میں چھوٹا ہوگا۔

دوسری قسم وہ قوتیں ہیں جو باطن سے ادراک کرتی ہیں، ان میں سے بعض صور محسوسات کا ادراک کرتی ہیں اور بعض معانی محسوسات کو۔ محسوسات کے صور کو پہلے جو اس ادراک کرتے ہیں، پھر ان کو نفس کی طرف پہنچا دیتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بکری جب بیٹریے کو دیکھتی ہے تو بیٹریے کی شکل اور ہیئت اور رنگ بکری کے جو اس کے وسیلہ سے بکری کے نفس تک پہنچتا ہے، تو بکری جانتی ہے کہ وہ بیٹریا اپنے وصف کے ساتھ ہے۔ بکری اس کے علاوہ پھر جیسے سے ایک اور چیز کو ادراک کرتی ہے۔ وہ کیا ہے۔

بکری کا بھڑیے سے ڈرنا اور بھاگنا۔ سو یہ ادراک معنوی ہے، ابن سینا کا عقیدہ ہے کہ یہ ادراک جو اس ظاہرہ کی راہ سے نہیں ہوتا بلکہ قوی یا طنہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد ابن سینا ادراک مختلفہ کے قوی (قوت فنطاسیا، یعنی حس مشترک، خیال اور قوت مصورہ و وہمیہ و حافظہ) کے مراکز کو تجاولیت دماغ میں بیان کرتا ہے!

پھر نفس ناطقہ انسانیہ (عقلیہ) ہے اور اس کی دو قسم ہیں۔ قوت عامہ۔ قوت عالمہ۔ ان دونوں کو عقل کہتے ہیں۔ قوت عامہ وہ قوت ہے جو بدن کے لئے محرک ہے، حتیٰ کہ وہ انفعال کا تجزیہ کرتا ہے اور ان کو متمیز کرتا ہے۔ اور ان کے وقتوں کو پہچانتا ہے، مثل رونے اور دیکھنے اور شرمندہ ہونے کے۔ اور حتیٰ کہ وہ صناعات مختلفہ کے لئے مستعد ہوتا ہے، مثل طب اور بخاری اور کتابت کے۔ اور یہی قوت انسان کے کاموں میں لوگوں کے عرف کے موافق فیصد کتنہ بھی ہوتی ہے، جیسے ہمارا یہ ادراک کہ جھوٹ بڑی چیز ہے اور یہ کہ احسان پسندیدہ امر ہے۔ اس قوت کا نام "عقل عملی" ہو سکتا ہے!

قوت عامہ فقط قوتہ نظریہ ہے، اس کی غایت صور مجردہ و معانی مطلقہ کا ادراک و اکتساب ہے۔ اس کی بدولت ہمیں صحیح معارف و معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ اس قوت کا نام "عقل نظری" ہو سکتا ہے۔ نفس ناطقہ کا علوم کو حاصل کرنا دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ کسی دوسرے شخص سے جو ان کو جانتا ہے حاصل کرے، دوسرے یہ کہ بغیر کسی معلم کے اپنی ذات سے، "حس" سے ان کو حاصل کرے۔ اور اس امر میں لوگوں کی حالت ان کی استعداد کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ سب سے زیادہ استعداد کے اعتبار سے وہ شخص قوی ہوتا ہے جس کی عقل میں یہ استطاعت ہے کہ وہ مبادی عقلیہ اور معارف انسانیہ کو عقل فعال سے بلا واسطہ حاصل کرے، یہ نبوت کی ایک قسم ہے، بلکہ نبوت کی اعلیٰ درجہ کی قوت ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس قوت کا نام "قوت قدسیہ" (الہیہ) رکھا جائے۔ یہ قوت قوی انسانیہ میں اعلیٰ درجہ کی ہے۔

ابن سینا کی تقسیم کے اعتبار سے طبیعات میں مباحث ذیل باقی رہ گئے:-

حدوث نفس۔ بطلان قول بالتناسخ۔ وحدت نفس۔ ان مباحث کو ہم نے الہیات کی بحث میں لائے کے لئے متاخر کر دیا۔ کیونکہ یہ بحثیں الہیات کے مناسب ہیں!

(۴) علم الہیہ۔ (الہیات) الہیات کا لفظ ارسطو کے زمانہ کے بعد مستعمل ہوا ہے، اس کو افلاطون نے جدیدہ کے چھٹانے وضع کیا جبکہ انہوں نے فلوطن (متوفی ۳۸۴ ق م) کی بعض ریاضیوں کو ارسطو کی طرف اس کتاب میں منسوب کیا۔ جس کا نام الہیوں نے "ادٹولوجیا" یا "تیولوجیا" رکھا۔ یہی لفظ ترجمہ ہو کر الہیات یا علم الہی کے نام سے عرب میں منتقل ہوا۔ اور اس علم کا نام علم ماوراء الطبیعہ اور فلسفہ اولیٰ بھی ہے۔

الہیات دو قسم کے موضوع کو شامل ہے:-

(الف) وجود کے مبادی عامہ جیسے وحدت و کثرت اور علت و معلول اور قوت و حرکت۔ پھر علوم مختلفہ کے مبادی جیسے مبادی طبیعات و ریاضیات کے! اور الہیات کے اس قسم کا نام "علم وجود مطلق" ہو سکتا ہے اور یہی مقصود اول ہے۔ علم ماوراء الطبیعہ سے جس کا نام فقہاء نے علم الہی رکھا ہے!

(ب) اللہ میں، اور اس کی ربوبیت کے اثبات میں اور اس کی صفات میں اور اس کے خلق و ابداع کے دلائل میں نظر کرنا۔ پھر نظر کرنا وحی میں اور ملائکہ میں اور عالم کے کل حوادث کا ربط اس کے ارادہ و قدرت و اختیار سے۔ اور ظاہر کرنا اس کی عنایت کا افراد کے ساتھ۔ پھر نظر کرنا امر معاد (حشر) اور حساب و قیامت کے دن جزا و سزا میں اور راحت بہشت

و عذاب جہنم میں، پھر نفس میں اور اس کی ہمیشگی میں اور یہ کُلّ بحیث اپنے وجود میں متاخر اور فلسفہ صحیحہ کے مدلول سے بعید ہیں، ان کو جدید افلاطونیوں نے سریانی جماعت کی طرف پہنچایا اور انہوں نے ان باتوں کو عرب میں پہنچایا۔ اسلئے ضرورت ہے کہ ان میں کلام کریں تاکہ ہم اسلام میں فلسفہ پہنچنے کے ڈھنگ کو سمجھ سکیں۔ اور جب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ابن سینا کے نزدیک عموماً جو اہلیات کا باب ہے اس کی تفصیل کریں تو اس کی تفصیل حسب ذیل پلٹے ہیں:-

والف (واحد) (اللہ) وجود - بیشک اللہ تعالیٰ باتفاق رائے کل جماعات ایسا نہیں ہے کہ کسی معلول کے وجود کا مبداء ہو۔ اور کسی دوسرے معلول کے وجود کا مبداء نہ ہو، بلکہ علی الاطلاق وہ وجود اور معلول کا مبداء ہے!

اور "موجود" (یعنی عالم اور سب کچھ جو عالم میں ہے) کے اقسام و صفات و لواحق ہیں۔ وہ کثیر ہوتا ہے اور مکان میں ہوتا ہے اور چیز کو پُر کرتا ہے کیونکہ اس کے ابعاد (طول و عرض و عمق) ہوتے ہیں۔ اور اس کے لئے مادہ و صورت ہوتی ہے اور ابن سینا ہمیشہ ارسطو کا اس قول میں متبع ہے کہ مادہ کا صورت سے خالی ہونا ممکن نہیں ہے اور باوجودیکہ صورت (نظری طریقہ پر) میوے (مادہ اولی) سے مقدم ہے، لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ صورت کی ذات موجود بالقوة (یعنی موجود خالی مادہ سے) ہے وہ تو موجود بالفعل مادہ کے ساتھ متعلق ہونے کے وقت ہوتی ہے!

اور استحقاق وجود میں اول موجودات (یعنی سب موجودات میں سے سب سے افضل اور وجود کا احق) جو ہر مفارق (یعنی ہر وہ شے جس کا پایا جانا بناتہ مادہ سے خالی ہو کر ممکن ہو جیسے انسانیت اور سفیدی اور گرمی) غیر مجسم ہے پھر صورت - (خالی مادہ سے بطریق نظر) پھر جسم (مادہ متلبس بہ صورت) پھر میوے (مادہ اولی صورت سے خالی نظری طور پر) اور یہ ظاہر ہے کہ اس مقام پر ابن سینا افلاطون سے کسی قدر متاثر ہے!

(ب) قدیم و حادث - ہر وہ چیز جس کے وجود کے لئے کوئی علت ہو، وہ حادث ہے۔ اور قدیم وہ ہے جس کے وجود کے لئے کوئی علت نہ ہو، پھر قدیم کی دو نوع ہیں۔ ایک قدیم بالذات - اور وہ ہے جس کے لئے خارج میں کوئی علت نہ ہو۔ جو اس کے وجود کا مفقونی ہو، سوائے اللہ کے سوا کوئی قدیم بالذات نہیں ہے۔ صرف اسی کی ذات قدیم بالذات ہے۔ دوسری نوع قدیم بالزمان ہے اور وہ وہ شے ہے کہ جس سے پہلے کوئی ایسا زمانہ نہیں ہے جس میں وہ شے نہ رہی ہو۔ کوئی شے سوائے مجموعہ عالم کے قدیم بالزمان نہیں ہے۔ اب معلوم ہو کہ حکماء کے نزدیک عالم اللہ سے متاخر بالذات ہے یعنی اللہ کا وجود عالم کے وجود کے لئے علت ہے اور عالم کا وجود اللہ کے وجود کا معلول (مببب) ہے۔ لیکن عالم اللہ سے متاخر زماناً نہیں ہے۔ (اس لئے کہ فلسفیوں کے زعم میں اللہ کا وجود عالم کے وجود کو مفقونی بالایجاب بغیر تراخی زمانہ کے ہے) اور وہ چیزیں جن کی ذاتیں عالم میں موجود ہیں وہ سب حادث ہیں جیسے درخت یا فلاں درخت یا پہاڑ یا فلاں پہاڑ۔ اور جیسے زید و عمرو و خالد و فلاں و فلاں۔

اور ایسا ہی ہم اعتقاد کرتے ہیں کہ صرف اللہ کی ذات قدیم مطلق ہے، اس کے وجود کے لئے کوئی علت نہیں ہے۔ اور کوئی ایسا زمانہ پہلے نہیں ہوا جس میں وہ موجود نہ رہا ہو۔ اور عالم اللہ کے بہ نسبت حادث ہے کیونکہ اللہ عالم کے وجود کی علت ہے لیکن عالم قدیم ہے بہ نسبت ان اشیاء کے جو بعد میں پائی گئیں (بہ نسبت پہاڑ و درخت و آدمی وغیرہ کے) لیکن وہ سب اجسام جن کو تم عالم میں دیکھتے ہو وہ حادث (حادث) ہیں!

(ج) واجب و ممکن - واجب الوجود وہ ہے جس کا وجود ضروری ہو۔ اور ممکن الوجود وہ ہے جس کا وجود غیر ضروری ہو۔

واجب الوجود بذاتہ وہ ہے جس کا وجود اس کی ذات کا مفقوتی ہو کسی اور سبب کی وجہ سے نہ ہو، وہ اللہ ہے اور واجب الوجود بغیرہ وہ ہے جو اپنے وجود میں اللہ کا محتاج ہو وہ عالم ہے، اشیاء کی ذوات جب تک موجود نہیں ہوتیں ممکن الوجود رہتی ہیں، جب موجود بالفعل ہو جاتی ہیں تو واجب الوجود بغیرہ بن جاتی ہیں۔ مثلاً میز اس وقت تک ممکن الوجود ہی جب تک بخار (بڑھتی) اس کو نہ بنائے مگر جب اس نے میز کو بنا دیا تو وہ واجب الوجود بغیرہ (یعنی بالنجار) ہو گئی۔ اور واجب الوجود بذاتہ (اللہ) واحد (ایک ہی) ہے کیونکہ اس کا غیر اس کے لئے سبب نہیں ہو سکتا۔ اور وہ بسیط (غیر مرکب) ہے۔ اس لئے کہ اس کی ذات کے لئے یا اس کے وجود کے لئے مبادی اور اسباب کا ہونا غیر ممکن ہے اور وہ کامل ہے، یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہو۔ کیونکہ ایسی علتیں نہیں ہیں جو اس کو منتقل کر سکیں یا بدل سکیں۔ اور وہ حق ہے، اس لئے کہ ہر شے کی حقیقت اس کا وجود ہی ہے۔ اور یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کے لئے کوئی ضد ہو، کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو اس کے نوع سے ہو اور اس کے مشابہ ہو اور اسی لئے وہ تام الوجود ہے۔ اور وہ موجود ہے کیونکہ یہ ثابت ہے کہ اس کے لئے وجود ہے اور ہر موجود یا واجب الوجود ہے یا ممکن الوجود ہے، پس موجود اول واجب الوجود ہے، جس کے وجود پر بہان قائم ہو چکی ہے اور یہ عالم ممکن الوجود ہے، کیونکہ اس کے لئے اسباب کا ایسا سلسلہ ہی جو واجب الوجود تک منتهی ہوتا ہے جیسا کہ اس پر دلائل قائم ہیں، پھر بہت سے ایسے قرائن ہیں جو واجب الوجود (اللہ) کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ اور واجب الوجود کے لئے ایسے صفات نہیں ہیں جو اس ذات پر زائد ہوں اور نہ اعراض ہیں جو اس کی ذات پر محمول ہوں، بلکہ وہ عقل محض ہے اور اپنی ذات کا عاقل ہے اور معقول لذات ہے اور وہ عاشق و معشوق ہے اور لذیذ و متلذذ ہے، پھر اس کی قدرت و حیات و ارادہ نہ متعارض ہیں نہ اس کی ذات پر امور زائدہ ہیں، لیکن یہ سب تجزی قبول نہیں کرتے اور یہ سب ذات واحد حق ہیں، اور اب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہم ابن سینا کی رائے علم اللہ کے بارے میں اور اس بارے میں کہ وہ علم بالکلیات (مبادی یا اسباب کا علم) ہے نہ علم بالجزئیات (اشیاء و حوادث کا علم)۔

ہم انسان صرف ان چیزوں کو جانتے ہیں جو ہمارے حواس کے تحت میں واقع ہوتی ہیں اور ان کو حادث ہونے کے بعد میں جانتے ہیں۔ پھر یہ حادث ہونے کے بعد ہم میں تغیر پیدا کر دیتی ہیں، وہ یہ کہ ہم ان چیزوں سے جاہل ہونے کے بعد ان کے عالم ہو جاتے ہیں یا وہ چیزیں ہمیں لذت یا حزن یا زیادتی یا کمی عطا کرتی ہیں، یہی علم جزئی ہے اور یہ انسانی علم ہے۔ لیکن اللہ کا علم اس کے برعکس ہے، اللہ کا علم ایک اور نوع سے علم کلی ہے کہ وہ اسباب و مبادی کا علم سابق ہے اور اسی وجہ سے اللہ کا علم اشیاء کے حدوث کا سبب ہی، حالانکہ خود حدوث اشیاء ہمارے ان کے جاننے کا سبب ہے، ایک مثال میں اسے سمجھو، ہم کو کسوف (چاند گرہن) اس کے حادث ہونے اور آنکھ سے دیکھنے کے بعد علم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان قواعد عامہ کو جن سے تمام انواع کسوف عالم میں حادث ہوتے ہیں کسوف کے حادث ہونے سے پہلے سے بلکہ ازل سے یکبارگی جانتا ہے۔ لیکن ابن سینا کے نزدیک وہ اس کسوف کو جو فلاں دن حادث ہوا فلاں دن فلاں مقام میں دیکھا گیا نہیں جانتا۔ کیونکہ اگر وہ اس کو جاننے تو اس کا علم ہمارے علم کی طرح ناقص ہو اور یہ لازم آئے کہ ہماری طرح قبل اس کسوف کے حادث ہونے کے وہ اس کے حدوث سے حاصل ہو۔!

باقی رہا ایک اعتراض، وہ یہ کہ اللہ کو جو کسوف کا علم ہے اور علم نجوم و ہدیت کا فلکی حساب داں کو جو اس کا علم ہے، ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے کہ فلکی کو فلاں کسوف کا علم حاصل ہوتا ہے اس کے حساب لگانے اور واقعات مختلفہ اور معادلات کثیرہ ہر کب اور خاص قمر پر اعتماد کرنے کے بعد۔ اور اللہ تعالیٰ تو

ان کوفات کے حادث ہونے کی ان قوانین کے مطابق جن کو اللہ نے مقرر کیا ہے۔ علت ہے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ کا علم کلی مطلق اور ہمارا علم جزئی نسبی ہے۔

الحركة الكلية۔ ابن سینا علت بتانا چاہتا ہے حرکت مطلقہ کی جو عالم میں ہے اور حرکت کو اکب کی جو ان کے افلاک میں ہے اور کل افلاک کی حرکت کی نظام مخصوص پر۔ اس لئے اس بیان کو یوں شروع کرتا ہے۔ بیشک آسمان ایسا ذی حیات ہے جو اللہ عزوجل کا فرماں بردار ہے اور اس کے لئے ایک نفس ہے جو اس کو حرکت مستدیرہ متحرک کرتا ہے باوجود اس کے ہو سکتا ہے کہ یہ حرکت طبیعی ہو کیونکہ اس کا رخ کسی غایت و غرض کی طرف ہوتا ہے، جس کی طرف وہ مشتاق ہوتا ہے اور طبیعت کا شوق امر طبیعی ہے اور وہ جسم کے لئے ذاتی کمال ہے، پھر خاص ہر فلک کے لئے محرک خاص ہے جو اس سے قریب ہے جو صرف اس لئے خصیصیت رکھتا ہے اور وہ معشوقات (یعنی اغراض) جن کی طرف کو اکب اپنی حرکات میں متوجہ ہوتے ہیں وہ نہ اجسام ہیں نہ ایسے نفوس ہیں جو اجسام میں موجود ہیں بلکہ وہ نفس مفارق جو مادہ سے متصل نہیں ہیں) ہیں۔

عنایت الہیہ۔ جو شخص نظام عالم میں غور کرتا ہے وہ جان لیتا ہے کہ عالم کا صانع مدبر ہے۔ حکیم ہے عالم ہے اس نظام خیر کا جس پر یہ وجود ہے اور کمال بحسب امکان کا۔ یہی معنی ہے عنایت کا۔ عنایت کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عالم کے نظام کو بدل دیتا ہے، ہمارے خوش کرنے کے لئے یا ناخوش کرنے کے لئے۔ مثلاً بارش جو کسی مقام میں کسی زمانہ میں ہوتی ہے وہ ان قوانین طبیعیہ کے مطابق ہوتی ہے جنہیں صانع حکیم نے مقرر کیا ہے۔ رہا اس بارش ہونے سے ہمارا نفع پانا یا نقصان اٹھانا یا اس سے تنگ ہونا، سو یہ امر عارضی ہے جو بدلتا مقصود نہیں ہے۔ غرضکہ عنایت کا معنی ہے قوانین طبیعیہ کا عالم میں دقیق ترین ممکن بیج پر جاری ہونا۔ افراد و قبائل کا اہتمام اس کا معنی نہیں ہے۔ اور کوئی شے نہ شر مطلق ہے نہ خیر مطلق ہے بلکہ ہماری نسبت سے شر اور خیر ہے۔ مثلاً نابینا ہونے کے لئے کچھ اسباب طبیعیہ ہیں اور یہ امر ہمیشہ آنکھ میں ہوتا ہے، جس طرح قوت شنوائی کا مفقود ہونا کان میں ہوتا ہے! پس نابینائی اور ناشنوائی دونوں امر طبعی ہیں لیکن وہ دونوں اپنے عضو میں عیب کی چیز ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں عارضے ان دونوں عضو کو اس عمل کے کمال سے مانع ہیں جس کے واسطے وہ دونوں بنائے گئے ہیں، لیکن جو ان میں مبتلا ہے وہ خصوصاً اور اس کے گھر کے لوگ عموماً ان کو شہر شمار کرتے ہیں۔

نفس۔ اس کا نزول اور اس کا خلود۔ نفوس جزئیہ (افراد کے نفوس) ابن سینا کے نزدیک مختاریہ ہے کہ یہ نفوس ان ابدان کے تعدد کے ساتھ جو زمین میں پیدا ہوتے ہیں متعدد ہوتے ہیں اور یہ نفوس ان کے مناسب بدن کے وجود کے بعد موجود ہوتے ہیں، پس نفس کی مملکت یہ بدن ہے جس میں نفس حکمرانی کرتا ہے اور اس میں تعصرت کرتا ہے اور بدن نفس کا آلہ بنتا ہے، جس میں نفس کے مختلف قوی جلوہ گر ہوتے ہیں۔

اور ابن سینا نے ان ریالوں کو جو نفس کا جسد کے ساتھ متصل ہونے سے تعلق رکھتی ہیں اپنے قصیدہ عینیہ میں جو عمدہ ادبی رمز پر مشتمل قصیدہ ہے جمع کیا ہے، لیکن اس میں وہ کسی خاص رائے کا پابند نہیں ہے وہ افلاطون کی رائے کو رد کہ نفس جب ملاء اعلیٰ میں مجرد مطلق ہوتا ہے تو وہ ذرا الوہیت کا مشاہدہ کرتا ہے جب وہ ذات الوہیت میں تامل کرنے سے ایک لخطہ یا زاہد غفلت کرتا ہے تو سوز کے طور پر وہ ملاء اعلیٰ سے اتار کر آدمی کے جسد سے متعلق کر دیا جاتا ہے (فلوطن کی رائے کے ساتھ جمع کر دیتا ہے، فلوطن بنیادی طور پر افلاطون کا ہم خیال ہے۔)

پھر وہ اس کی حکمت کو دریافت کرتا ہے اور اس غایت سے شک کرتا ہے جس کے لئے نفس اُترا یا اتارا گیا جس کی طرف۔
پھر اس پر زور دیتا ہے کہ جسد سے متعلق ہونے پر نفس جن امور ارضیہ کو جان سکتا ہے وہ بہت ہی کم بلکہ لاشے کے درجہ میں ہے
جیکہ ہم کسی انسان کی عمر (وہ مدت جسے زمین میں گرا ہوا نفس پورا کرتا ہے) کی نسبت زمین کی عمر سے کریں۔!

قصیدہ عینیتہ رمزیشیخ المرئیس ابن سینا الفیلسوف فی ہیوط النفس

ورقاء ذات تعزز وتمنع

هبطت ایک من المحل الاربع

(۱)

وہ کیوتر نفس جو صاحب شرف و حفاظت تھا۔

نیری طرف بلند ترین مقام سے اُترا

وهی التي سفوت ولم تتبرقع

مجبوبة عن کل مقلة عارف

(۲)

حالانکہ وہ چہرہ کھولے ہوئے تھا نقاب پوش نہ تھا۔

وہ پہچاننے والوں کی آنکھ سے اڑ میں تھا

کرهت فراقک وهی ذات تفجع

وصلت علی کرة ایک وربما

(۳)

باوجود نفرت کے وہ تیری طرف پہنچا حالانکہ اکثر تیری جدائی کو ناپسند کرتا تھا اور درد مند تھا

الفت مجاورة الحزاب البلقع

انفت وما انت فلها واصلت

(۴)

اُس نے عاری کیا اور مانوس نہ ہوا پھر جب ملاقات کی تو ویران چٹیل میدان کی قرب سے اسے الفت ہو گئی!

ومنار لا يفراقها لم تقنع

واظنھا نسیت عهد ابالحمی !

(۵)

میرا گمان ہے کہ وہ محفوظ مقام کے وعدوں کو اور ان منزلوں کو کہ جن کی جدائی پر وہ راضی نہیں ہے بھول گیا۔

فی صیم مرکزها بذات الاجرع

حتى اذا اتصلت بهاء هبوطها

(۶)

یہاں تک کہ جب اُس نے اپنے ہیوط کے ہاکو صیم میں اپنے مرکز کے، جو کہ ریگ کے تودوں والی جگہ میں سے ملا دیا۔

بین المعالم والطلول المنضع

علقت بهاء الثقیل فاصبحت

(۷)

اُس نے اس میں ثقیل کی ٹاکو چسپاں کر دیا تو وہ نشانات اور پست کھنڈروں کے درمیان ہو گیا!

بمدامع تھمی ولما تقنع

تبکی وقد نسیت عهد ابالحمی !

(۸)

وہ روتا ہے حالانکہ وہ محفوظ مقام کے وعدوں کو بھول گیا ہے "بہنے والے اشکوں جو تھمتے نہیں ہیں!

درست بتکرار الريح الاربع

وتظل ساجدة علی الدمن التي !

(۹)

اور وہ نغمہ سرائی کرتا ہے گھر کے ان بقیہ آثار پر جو بار بار چاروں ہواؤں کے چلنے سے مٹ چلے ہیں!

تقص عن الاوج الفیج المریع

اذ عانتھا الشکر الکثیف وصدھا

(۱۰)

اچانک گھنے جمال نے اس کو باز رکھا اور شجر نے اسے بلند کشادہ پر بہا رہا مقام سے روک دیا!

ودنا الریحیل الی الفضلاء الاوسع

حتى اذا قرب المسیر الی الحمی !

(۱۱)

حتی کہ جب مقام محفوظ کی طرف جانا قریب ہوا اور کوچ وسیع ترین فضا کی طرف نزدیک ہوا۔

مالیس یدرک بالعیون الفھج

سجعت وقد کشف الغطاء بصرت

(۱۲)

تو وہ کیوتر نغمہ سرا ہوا اور پردہ دور کر دیا گیا تو اس نے وہ دیکھا جس کا ادراک

سونے والی آنکھوں کو نہیں ہوتا۔

(۱۳) وعدت مخالفة لكل مخالف عنها حليف التراب غير مشيع
وہ مخالف ہو جاتا ہے اس کا جو اس کا ساتھ چھوڑے اس کے ساتھ نہ چلے مٹی کا دوست بن جائے (یعنی جسم)

(۱۴) وعدت تغرد فرق ذر وة شاهق والعلم يرفع كل من لم يرفع
اور وہ کیوتر (نفس) بلند مکان کی چوٹی پر گانے لگا اور علم اس کو بلند کر دیتا ہے جو بلند نہیں ہوتا!

(۱۵) فلاي شئ اهبطت من شامح ساہ ائی حضر الحضيض الا وضع ؟
(سوال) کس وجہ سے وہ کیوتر (نفس) اونچے بلند مقام سے بہت نیچے جگہ کے گڑھے میں گر آیا گیا؟

(۱۶) ان كان أرسلها الاله لحكمة طوبيت عن الفطن اللبيب الاروع
اگر اللہ نے اس کو کسی حکمت کی وجہ سے بھیجا جو سمجھدار عقلمند تیز طبع آدمی سے پوشیدہ ہے

(۱۷) فهو طها ان كان ضربة لازم لتكون سامحة طالم تسمع
تو اگر اس کا اثر نا ضروری امر تھا! تاکہ وہ اس چیز کا سننے والا ہو جائے جسے نہیں سنا

(۱۸) وتكون عامة بكل خفية في العالمين ، فخرتها لم يرفع
اور وہ ہر جگہ ہر پوشیدہ امر کا جاننے والا ہر عالم میں، تو اس کے تنکات کی اسلحہ نہیں کی گئی!

(۱۹) وهي التي قطع الزمان طريقها حتى لقد غربت بغير المطلع
اس کے راستہ کو زمانہ نے کھوٹا کر دیا (کاٹ دیا) نتیجہ یہ ہوا کہ جگہ طلوع کے غیر میں اس کا غروب ہوا۔

(۲۰) فكانها برق تألق بالحمى ثم الظوى، فكانه لم يلمح
تو گویا وہ ایسی بجلی ہو جو سبزہ زار میں چمکی پھر غائب ہو گئی سویلوں سمجھو کہ وہ چمکی ہی نہیں!

اس قصیدہ کے آخر کے چھ شعر میں جسد آدمی میں نفس کے ہیو ط کے نظریہ پر تنقید ہے اور اس کی حکمت کے متعلق سوال ہے اور اس نظریہ کو تسلیم نہ کرنے کا ذکر اور اس نظریہ کے فاسد ہونے پر مردمان ضمتاً مذکور ہے!

جسد سے جدا ہونے کے بعد نفس کسے لے کیا حادثہ ہوتا ہے؟
ابن سینا کہتا ہے کہ "بدن کی موت سے نفس نہ مرتا ہے نہ اصلاً فساد کو قبول کرتا ہے۔" کیونکہ نفس کی حقیقت بدن کی

حقیقت کا غیر ہے، بدن مرتا ہے اور فاسد ہوتا ہے (تخلیل ہوتا ہے اور اس کی صورت بدل جاتی ہے) نفس کا بدن سے کوئی مادی تعلق بھی نہیں ہے کہ بدن میں جو چیز حادث ہو نفس اس سے متاثر ہو!

"پھر یہ نفس جب اس جسد سے جدا ہو جاتا ہے، جس میں تھا تو وہ دوسرے جسد میں داخل نہیں ہوتا۔" اور اسی بنا پر ابن سینا "تناسخ" کا منکر ہے (تناسخ یہ ہے کہ ایک نفس کئی جسد میں منتقل ہوتا رہے)

نفوس اپنے ابدان سے مفارقت کے بعد کہاں پہنچتے ہیں؟
ابن سینا ان نفوس کے لئے جو اپنے ابدان سے الگ ہو جاتے ہیں، سعادت اور شقاوت کا حال ثابت کرتا ہے۔ جو

دو مختلف طریقوں سے سمجھے جاتے ہیں:-
(الف) ابن سینا نے پڑھنے والے کو مخاطب کر کے کہا "تجھے یہ جان لینا ضروری ہے کہ معاد (قیامت اور جسمانی حشر) شرعاً مقبول

ہے اور اس کا ثبوت طریق شریعت اور خیر بنوت کی تصدیق ہی سے ہوتا ہے۔ اور اس شریعت حجت نے جسے ہمارے

نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عطا فرمایا ہے، حال سعادت و شقاوتِ بدنی کا بسط و تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔
 (ب) اور ابن سینا اپنے خطاب کے بعد کہتا ہے: "اور معاد کی ایک صورت وہ ہے جس کا ادراک عقل اور قیاس برہانی سے ہوتا ہے۔" وہ وہ سعادت و شقاوت ہے جو نفوس کے لئے ثابت ہیں۔ اگرچہ ہمارے اوہام اُن کے تصور سے قاصر ہیں۔ اور حکماء اہلسین کی رغبت اس سعادت (نفسانیہ) کے حاصل کرنے کی سعادتِ بدنیہ کے حاصل کرنے کی رغبت سے بہت بڑھی ہوئی ہے، اب تم سمجھ گئے کہ ابن سینا یہ اعتقاد کرتا ہے کہ شریعت معادِ بدنی و نفسانی دونوں کی قائل ہے۔ لیکن فلسفی علماء (انہی میں ابن سینا بھی ہے) صرف معادِ نفسانی کے معتقد ہیں اور ابن سینا یہ سمجھتا ہے کہ سعادتِ حقیقیہ جس کی طرف نفس اپنے معاد میں رجوع کرتا ہے وہ لزومی طور پر سمجھی جاتی ہے۔!

نفسِ ناطقہ (عاقلہ) کا کمال جو اس کے ساتھ خاص ہے، یہ ہے کہ وہ عالمِ عقلی ہو جائے کہ اس میں کل کی صورت منقش ہو اور صورتِ نظامِ معقول کی جو کل میں ہے اور خیر کی جو فالص ہے کل میں۔ ابتداء کرے مبداءِ کل سے، چلے جو اہر شریفہ کی طرف پھر روحانیتِ مطلقہ کی طرف، پھر اس روحانیت کی طرف جو ابدان سے کسی قسم کے تعلق کے ساتھ متعلق ہے۔ پھر اجسامِ علیہ کی طرف ان کی ہیئتوں اور قوتوں کے ساتھ، پھر اسی طرح برابر جاری رہے، یہاں تک کہ اپنے نفس میں کل وجود کی ہیئت پوری کرنے تو وہ بن جائے عالمِ معقول برابر کل عالمِ موجود کے۔ مشاہدہ کرے حسنِ مطلق و خیرِ مطلق و جمالِ حق کو اور اس کے ساتھ متحد ہو جائے۔

یہ تعریف اس پر دال ہے کہ معادِ ابن سینا کے نزدیک معادِ شخصی فردی نہیں ہے بلکہ وہ معادِ کلی مطلق نفسِ کلیہ کے لئے بحیثیتِ نفس ہونے کے ہے، زیادہ واضح عبارت میں یہ کہا جائے کہ معادِ ابن سینا کے نزدیک لوگوں کا جنت یا دوزخ میں اجتماع (یعنی معنی میں) نہیں ہے بلکہ وہ نفوسِ جزئیہ کا اُن کے بدنیوں سے جدا ہونے کے بعد ایک عالم میں متحد ہوتا ہے، یہی وہ نظامِ شامل ہے جو جمیع کائنات میں مسلط ہے۔!

(د) فلسفہ عملیہ:۔ ابن سینا عالم تھا اور اُس نے زندگی اور سیاست کے جھیلوں کو برتا تھا۔ اس لئے یہ انوکھی چیز نہیں ہے کہ فلسفہ عملیہ میں اُس کے پاس حکیمانہ نظام اور صحیح رائیں ہوں اور ہمارے لئے یہ اچھا ہے کہ ہم ابن سینا کے فلسفہ عملیہ کے تین فنون پر کلام کریں۔ سیاست - اخلاق - تصوف۔

سیاست:۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ابن سینا نے سیاست کو فارابی سے حاصل کیا۔ مگر اُس نے بہت کچھ اس میں اضافہ کیا۔ جو اس کو وسیع تجربہ سے حاصل ہوا تھا اور فارابی کو اُس کے معلوم کرنے کا موقع نہیں ملا۔

(الف) لوگوں کا درجہ میں متفاوت ہونا۔ ابن سینا کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کو عقول و آراء میں متفاوت بنا دیا ہے۔ اور اگر سب آدمی بادشاہ ہوتے تو سب کے سب فنا ہو جاتے اور اگر سب معمولی حالت میں ہوتے تو سب ہلاک ہو جاتے اور اگر سب دولت مند میں برابر ہوتے تو کوئی کسی کی خدمت نہ کرتا۔ اور اگر سب فقیر و نادار ہوتے تو سب تکلیف و مصیبت سے مر جاتے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ کچھ لوگ غنی ہیں، لیکن عقل و ادب سے خالی ہیں اور کچھ لوگ عقل والے ہیں لیکن اُن کے پاس مال نہیں ہے اور بعض ایک بادشاہ ہیں جو مرین یا مصائب میں مبتلا ہیں، اس لئے جس کے پاس جو فوائد ہیں اُن پر وہ قناعت کرتا ہے اور دوسرے کو جو نعمت حاصل ہے اُس میں وہ دوسرے کی اطاعت کرتا ہے۔!

سیاست کی طرف آدمیوں کی حاجت :- گو کہ بادشاہوں کو سب آدمیوں سے زیادہ سیاست کی حاجت ہے، کیونکہ رعیت کا انتظام ان کے سپرد ہوتا ہے۔ ان کے بعد حکام اور دولت مندوں کو، کیونکہ مانتوں اور خادموں سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔ لیکن فقیر نادار بھی سیاست اور حسن تدبیر کا محتاج ہے۔ بلکہ ممکن ہے کہ بعض حالتوں میں وہ بادشاہوں سے زیادہ اس کا حاجت مند ہو۔ کیونکہ بادشاہوں کے خدام و معاونین ہوتے ہیں جو ان کا ہاتھ بٹلتے ہیں اور جاہ سے بھی ان کا کام چلتا ہے، مگر فقیر کو اپنے معاش اور مقام اجتماعی میں صرف اپنی ذات پر اعتماد کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نفس انسانی، نفس انسانی کی حیثیت سے سیاست کی طرف حاجت مند ہوتا ہے، دولت مند کی دولت مندی اور مرکز اجتماعی سے قطع نظر کر کے۔!

انسان کی حاجت زوجہ کی طرف :- ہر انسان کو وہ عامی ہو یا بادشاہ، خوراک کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کی حاجت پڑتی ہے کہ وہ خوراک کا ذخیرہ جمع کر کے رکھے، کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ کھانے پینے کے سوا دوسرے مقاصد میں اپنا زیادہ وقت لگائے، بخلاف اس حیوان کے جس کو زندگی میں سوا کھانے پینے کے کوئی فکر نہیں ہے، اس لئے تم دیکھتے ہو کہ وہ حیوان کھانے پینے کی تلاش اسی وقت کرتا ہے جبکہ اسے بھوک پیاس لگتی ہے!

لہذا انسان کو مکالموں کی ضرورت ہوتی، جس میں وہ خوراک کا ذخیرہ اور دوسرے اسباب زندگی کو سینت کر رکھے، اب اس کو اپنے ایسے مددگار کی ضرورت محسوس ہوتی جو اس کے اسباب زندگی کے ذخائر کی اس کے گھر میں رہ کر حفاظت کرے اور اس نے سمجھا کہ نوکر سے اس کی امید نہیں کہ وہ خیر خواہی کے ساتھ گھر اور سامان کی حفاظت کرے، اس لئے زوجہ اختیار کیا، جسے اللہ نے مرد کے لئے سکون کا ذریعہ بتایا۔ بیوی رکھنے کا یہ سبب ہے! اور جبکہ زوجہ اختیار کرنا اولاد پیدا ہونے کا سبب اور بقا و نسل کی علت ہے، اس لئے مرد کو ذخیرہ خوراک رکھنے اور خدام و معاونین بنانے کی زیادہ ضرورت ہوتی، اب وہ رعیت والا ہو گیا، محتاج ہوا رعیت کے انتظام میں حسن تدبیر اور سیاست کی طرف۔ اس میں بادشاہ اور عامی اور خدام و مخدوم اور غنی و فقیر سب برابر ہیں!

ب) اپنے نفس کی سیاست :- سب سے پہلے انسان کو اقسام سیاست میں سے اپنی ذات کی سیاست شروع کرنی چاہیے کیونکہ اس کی ذات سب سے زیادہ اس کے قریب اور سب سے اس کے نزدیک مغز ہے اور سب سے زیادہ اس کی توجہ کا مستحق ہے اور جب وہ اپنی ذات کی سیاست خوبی سے کر لے گا تو اس سے اوپر شہر کی سیاست سے عاجز نہ ہو گا۔ ہر انسان کو یہ جانتا چاہیے کہ اس کے پاس عقل ہے، جس پر یہ واجب ہے کہ وہ نفس کی سیاست کرنے والا ہے اور نفس برائی پر ابھارا کرتا ہے۔ جب یہ جان لے تو ضروری ہے کہ اپنے نفس کے سب عیبوں کو تلاش کرے اور ان کی اصلاح کرے اور ضروری کہ فوراً اصلاح کرے مال مطول نہ کرے، کیونکہ اگر عرصہ تک اسے ڈال رکھے گا تو اس کی جڑ مضبوط ہو جائے گی اور اس کی اصلاح دشوار ہوگی۔ اور اس وجہ سے کہ انسان اپنے نفس سے دھوکے میں رہتا ہے اس کیساتھ چشم پوشی کرتا ہے، اس لئے واجب ہے کہ کوئی دوست سمجھدار امین بنائے جو اس کے لئے بمنزلہ آئینہ کے ہو کہ اس کو اس کے اچھے حال کو اچھا اور بُرے حال کو بُرا دکھائے۔ اور بادشاہوں کو اپنے نفوس کی سیاست کی بہ نسبت عام لوگوں کی زیادہ حاجت ہے، کیونکہ وہ اور آدمیوں سے بڑے مرتبہ میں ہونے کی وجہ سے اپنی لغویات کی طرف نگاہ ڈالنے کی پروا نہیں کرتے، نہ ان پر پشیمان ہوتے ہیں۔ اور نہ آزادی

اور عظمت کی کمی سے باز آتے ہیں (ہاں بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی عقل بڑے پایہ کی ہوتی ہے اور ان کے طریقے بہتر ہوتے ہیں، وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں) ان کے بڑے مصاحب ان کے کاموں کو اچھے ہوں یا بُرے (ان کی ناراضی سے بچنے کے لئے اور ان کو ہمیشہ راضی رکھنے کے لئے اور ان سے فائدہ طلب کرنے کے لئے) ان کی نظر میں مزین کر کے دکھاتے ہیں۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں جو بادشاہوں کے بہرہ و نصیحت اور اصلاح کی جرأت کریں۔!

اور جو شخص اپنے نفس کی اصلاح کا ارادہ کرے اس پر کجا جب ہے کہ لوگوں کے اخلاق کا جائزہ لے اور اپنے اخلاق سے ان کو ملائے اور سمجھے کہ سب لوگ برابر ہیں، پھر لوگوں کے اخلاق میں جس کو اچھا پائے اسے عمل میں لائے اور جسے بُرا سمجھے اس سے پرہیز کرے اور اس کو چلبند کہ اپنے نفس کے لئے انعام اور سزا مقرر کرے، جس دن وہ بھلائی کرے یا کوئی فضیلت یا عزت کا کام کرے تو اپنے نفس کو خوش کرے اور اس کو کچھ لذتوں سے محفوظ کرے اور جب کوئی بُرا کام کرے یا کسی امر میں کوتاہی کرے تو نفس کو ڈانٹے اور تنبیہ کرے اور اس کو بعض خیراتی اور لذات سے روکے حتیٰ کہ وہ دوبارہ نرم اور صالح بن جائے!

(ج) انسان کی سبب سے ان کی آمدنی اور خرچ میں :- ہر انسان کو اپنی روزی کے ہتیا کرنے میں کوشش کی ضرورت ہے لیکن اس میں آدمی کی دو قسم ہیں۔ ایک وہ جو اپنی غنا پر (جو تر کہ سے یا تجارت سابقہ وغیرہ سے حاصل ہوئی ہے) قناعت کرنے والا ہے۔ دوسری وہ جو محتاج ہے تجارت یا صنعت کے ذریعہ سے کمانے کی طرف۔ لیکن صنعت بہ نسبت تجارت کے زیادہ قابل اعتماد اور پائدار ہے! کیونکہ مال کے جاتے رہنے سے تجارت ٹوٹ جاتی ہے، لیکن صناعات کی آمدنی مال نہ رہنے پر بھی باقی رہتی ہے اور مشرفاء کی صناعات کی تین قسم ہیں :-

(۱) ایک وہ جو عقل سے تعلق رکھتی ہے اور وہ رائے کا درست ہونا اور تدبیر کی خوبی ہے (جیسے بادشاہوں اور وزیروں اور حاکموں کی صنعت)

(۲) دوسری وہ جس کا تعلق علم و ادب سے ہے اور وہ کتابت و بلاغت اور علم فلک اور طب ہے۔ (اور یہ صناعات اہل علم کی ہے)

(۳) تیسری وہ جس کا تعلق شجاعت سے ہے (جیسے شہسواروں اور جنگجویوں کی صنعت) اور چلبند کے انسان اپنی معاش شریفانہ طریقہ سے حاصل کرے جو ذلت اور زیادہ طمع اور بے آبروئی اور عزت کو برباد کرنے سے صاف ہو۔ اور مناسب ہے کہ اپنی آمدنی کا کچھ حصہ تم خیرات میں خرچ کرے اور کچھ وقت ضرورت کے لئے جمع کرے ہاں خیرات میں خرچ کرنے کے لئے کچھ شرطیں ہیں، وہ یہ کہ اس میں جلدی کرے اور چھپا کر خیرات کرے اور اسے کم سمجھے اور برابر کرتے رہے اور اس کے مستحق کو عطا کرے!

اپنے اخراجات میں میا نہ روی کو پیش نظر رکھو، نہ فضول خرچی نہ بخل کرو اور بخل سے بہت دور رہو، کیونکہ عوام فضول خرچی کی مدح کرتے ہیں اور بخل کی مذمت کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات آدمی کسی امر کو اپنی جاہ کے مناسب کرتا ہے حالانکہ اس کی مصالحتیں رائے عامہ پر ہیں۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ ان کی موافقت بعض ان امور میں وہ کرے جنہیں وہ لوگ پسند کرتے ہیں جبکہ اس میں شدید اسراف اور مال کا ضائع کرنا نہ ہو۔!

(د) مرد کی سیاست اس کی بیوی کے حق میں :- نیک سیرت عورت مرد کی شریک اس کی ملکیت میں ہے اور اس کے مال میں اس کی منتظم ہے اور اس کے سفر کی صورت میں اس کی قائم مقام ہے، اور بہترین عورت وہ ہے

جو عقلمند، دیندار، باجیا، ذہین، محنت والی، بچہ چلنے والی ہو، زبان دراز نہ ہو، مطیع ہو، خیر خواہ ہو امانت دار ہو، مجلس میں باوقار ہو۔ اپنی ہیبت میں با عظمت اور قد میں با ہیبت ہو، اپنے شوہر کی خدمت میں چست و پامال ہو۔ انتظام اچھا کرتی ہو اور شوہر کے قلیل عطیہ کو کثیر سمجھتی ہو اور اپنی خوش اخلاقی سے اس کی پریشانیوں کو دور کرتی ہو اور اپنے عمدہ برتاؤ سے اس کے غموں میں تسلی بخش بنتی ہو۔ !

عورت کے حق میں مرد کی سیاست کی بنیاد یہ ہے کہ عورت اس سے ڈرتی ہو اور اس کی اطاعت کرتی ہو۔ اور مرد کی ہیبت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کی عزت کو اور اپنے دین اور انسانیت کی حفاظت کرنے اور وعدہ و وعید میں راست باز ہو۔ اور اپنی عورت کی عزت کرے کہ وہ اس کی ہمیشہ محبت کرنے والی رہے اور اس کے مال کی نگراں ہو۔ اور جس قدر عورت کی شان بڑھی اور قدر عظیم ہوگی، اسی قدر اس کے مرد کی بڑائی اور اس کے درجہ کی عظمت سمجھی جائے گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ مرد اپنی عورت کے لباس اور سامان زینت کو عمدہ بنائے، اور پردہ میں سختی کرے اور اس کو غیرت میں نہ ڈالے، پس اس کے سامنے کسی غیر عورت کی خوبیاں نہ ذکر کرے، نہ اس کے بارے میں بہت باتیں بنایا کرے۔ اور مرد پر واجب ہے کہ اپنی عورت کو کام میں لگائے رکھے کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش کرے، گھر کا انتظام کرے، توکروں پر حلیمت کرے، کیونکہ اگر عورت بیکار رہے گی تو سیر سپاٹے اور بننے سنورنے میں لگ جائے گی !

(۵) مرد کی سیاست اس کی اولاد کے حق میں ہے۔ بچہ کا حق اس کے باپ پر یہ ہے کہ اس کا نام اچھا رکھے، پھر اس کے لئے ایسی دودھ پلانے والی رکھے جو احمق نہ ہو، نہ عیب دار ہو، اس لئے کہ دودھ کا اثر بچہ میں پہنچتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے جب بچہ کا دودھ چھوٹ جلائے تو اس کو اچھے اخلاق پر لگائے اور بری عادتوں سے دور رکھے، قبل اس کے کہ یہ عادتیں اس میں پختہ ہوں، کیونکہ اس کے بعد اس کی درستگی دشوار ہے اور اس کے لئے باپ ڈرانے اور رغبت دلانے اور مانوس کرنے اور پریشانی کرنے اور تعریف کرنے اور ڈانٹنے سے حسب ضرورت کام لے۔ اگر ضرورت سمجھے تو تکلیف دہ مار مارے۔ لیکن تھوڑی مقدار میں اور وہ بھی سفارشوں کو تیار کرنے کے بعد (تاکہ وہ سفارشی باپ کو بچہ کے مارنے سے روکیں) اس لئے کہ پہلی مار جب تکلیف دہ ہوگی تو وہ آئندہ مار کو بھی سخت سمجھے گا اور اس سے ڈرے گا اور اگر ہلکی ہوگی تو تکلیف نہ دے گی تو باقی مار کو بھی ایسی ہی سمجھے گا اور اس کی پر دانہ کرے گا !

اولاد کی تعلیم۔ جب بچہ تعلیم کے قابل ہو جائے تو وہ قرآن سیکھنے اور حرمت کے نقش بنانے میں لگا دیا جائے اور دین کے شعائر اور کچھ ایسے اشعار اس کو یاد کرائے جائیں جن میں علم کی مدح اور والدین کی فرمانبرداری اور نیکی کرنے کی خوبی اور مہمان داری کی تعریف اور بری خصلتوں کی مذمت ہو۔

یہ ضروری امر ہے کہ لڑکے کا معلم عقلمند، دیندار، تعلیم اطفال کا واقف، باوقار ہو، بچوں کے سامنے ہنسی، دل لگی زیادہ نہ کرے، بد مزاج ٹریش رو نہ ہو، بلکہ شیریں زبان، عقلمند، با مروت، پاکیزہ، خوش طبع ہو، بڑے لوگوں کی خدمت انجام دے چکا ہو۔ بادشاہوں کے اخلاق اور ہارم کھانے پینے اور گفتگو کرنے اور رہن سہن کے آداب سے واقف ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ لڑکے کے ساتھ اس کے مکتب میں اور لڑکے ایسے شریف، خاندانی لوگوں کے ہوں، جن کے اچھے طریقے مشہور ہوں، کیونکہ لڑکے دوسرے لڑکوں سے اس قدر طریقے سیکھ لیتے ہیں جو استاد سے نہیں سیکھتے۔ کیونکہ اگر ایک معلم ایک ہی لڑکے کو تعلیم دیتا رہیگا تو استاد اور شاگرد دونوں ایک دوسرے سے اکتا جائیں گے۔ اور جب اس لڑکے کے ساتھ

اور لڑکے بھی ہوں گے تو وہ نہ اکتائے گا اور علم کے لئے اسے امنگ ہوگی، اُس کے اور اُس کے ساتھیوں کے درمیان میں پسندیدہ مہارت ہوگا اور اس کی طبیعت گفتگو میں کھل جائے گی اور رہن سہن کی خوبی پیدا ہوگی۔ اس کے بعد وہ لڑکا لغت کے اصول اور خطوں اور خطیوں کے کچھ نمونے اور حساب سیکھے۔ پھر اتالیق پتہ چلائے کہ کس صنعت کو اس کی طبیعت قبول کرے گی اور اس کی استعداد اس پر توی ہوگی، اس لئے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جس صنعت کو لڑکا چاہے اُس کا پورے طور پر حاصل ہونا ممکن و مناسب ہو۔ اس لئے لڑکے کے سرپرست کو چاہیے کہ جب کسی صنعت کو اختیار کرنے کا ارادہ ہو تو لڑکے کی طبیعت کا اندازہ کرے اور اس کی ذکاوت کو جانچے، پھر کچھ عرصہ اس صنعت میں اس کی آزمائش کرے۔ پھر جب وہ صنعت میں آگے بڑھے تو اس کا والد اُسے اس امر پر آمادہ کرے کہ وہ بذات خود اس فن میں ترقی پیدا کرے، کیونکہ جب اُسے اپنی محنت کا مزہ ملے گا تو اس میں وہ جان توڑ کوشش کرے گا، جب وہ کام کا عادی ہو جائے گا تو اس میں برابر لگا رہے گا!

ہم نے بہت دیکھا ہے کہ دولت مندوں کی اولاد اپنے ہٹوں کے اموال پر بھروسہ کر لیتی ہے اور خود کمانا چھوڑ دیتی ہے، پس جب لڑکا اپنے ہنر سے کم کرنے لگے تو مناسب ہے کہ اُس کی شادی کر دی جائے اور اس کا گھر الگ بنا دیا جائے!

آدمی کی سیاست اُس کے نوکروں کے حق میں :- خدا م انسان کے لئے راحت کا راستہ آسان بنا دیتے ہیں، کیونکہ اس کا کام انجام دیتے ہیں اور اُس کا بہت وقت آرام کرنے یا علم طلب کرنے یا کمانے وغیرہ کے لئے بچا دیتے ہیں اور اس کے بجائے خود تمام مقامات و تکلیف کی جگہ پہنچتے ہیں، اس لئے تم پر ضروری ہے کہ اس پر اللہ کا شکر کرو کہ اُس نے خادموں کو تمہارا مطیع بنا دیا اور اُن کی خیر گیری کرتے رہو، اُن کے ساتھ نرمی کرو اور سخت برتاؤ نہ کرو۔ اس لئے کہ وہ بھی بشر ہیں، اُن کو بھی اور آدمیوں کی طرح نکان اور ماندگی اور اکتانا اور سُستی کا عرو من ہوتا ہے۔ اُن کو بھی حاجتوں کے تقاضوں اور اُن کے اجسام کی خواہشوں سے وہ صورت پیش آتی ہے جو ایسی حالت میں اور آدمیوں کو پیش آتی ہے۔

جب تم کوئی خادم رکھنا چاہو تو پہلے اس کی آزمائش اور جانچ کر لو اور اس کے حالات کا پتہ چلا لو۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو اندازہ اور فراست سے کام لو۔ اور بے ڈھنگی صورتوں اور غیر متناسب جسموں سے علیحدہ رہو۔ کیونکہ اخلاق اعضاء کے مناسب ہوتے ہیں۔ عیب داروں سے پرہیز کرو اور زیادہ عقل اور چالاکی والے پر اعتماد نہ کرو۔ اور تھوڑی عقل جو جیل کے ساتھ ہو اُس کو اس زیادہ تیزی پر فضیلت ہے جو چھچھو پن کے ساتھ ہو۔ پھر خادم کو وہ خدمت سونپو جس کو وہ خوبی کے ساتھ کر سکے اور خادم پر زیادہ اعتراض نہ کرو، کیونکہ اس سے تمہاری تنگ دلی اور بے صبری سمجھی جائے گی، اور کسی خادم کو برخواست نہ کرو کیونکہ ایسا کرنے میں تمہیں دوسرے خادم کی حاجت پڑے گی، اور تمہیں کیا معلوم کہ نیا خادم پرنے سے اچھا ہوگا، بلکہ خادم کو راضی کرنے کے لئے یہ ظاہر کرو کہ وہ فی نفسہ امانتدار ہے اور وہ تیرے پاس آئندہ زندگی بسر کرے گا تو وہ خادم تیری خدمت سے دل سے کرے گا، کیونکہ خادم اُس وقت تک خیر خواہی اور ہاں نشادی نہیں کرتا جب تک کہ اس کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ اپنے مالک کا شریک اُس کی نعمت میں ہے۔ اور جب تک کہ وہ اپنی برخواستگی سے بے خوف نہ ہو جائے اور اگر خادم کوئی لغو بات کرے تو کسی قدر اس کی توجیح کر دو، لیکن اگر کوئی سخت مصیبت کا مرتکب ہو یا کوئی جرم شنیع کرے تو جلد اُس سے چٹکارا حاصل کرو، تاکہ وہ دوسرے خادموں کو خراب نہ کرے!

اخلاق :- ابن سینا کے دو چھوٹے اچھے رسالے علم اخلاق میں ہیں، ایک کا "رسالتہ العہد" نام ہے، اس میں وہ ذکر کرتے ہیں کہ اس نے اللہ سے عہد کیا ہے اپنے نفس کے تزکیہ کا۔ بقدر اس قوت کے جو اللہ نے اُسے عطا فرمایا ہے تاکہ وہ اُسے

قوت سے فعل کی طرف عوالم عقل سے ایک عالم بنائے، جس میں مادہ سے مجرد ہئیت اور نفس کے کمال کا علم و حکمت کی جہت سے حاصل کرنا ہو۔ پھر وہ اس نفس پر جو اپنے کمال ذاتی سے ترقی پانے والی ہے، متوجہ ہو اور اس کی حفاظت کرے نفوس مادیہ کے ان ہئیت انقیاد کے آلودہ ہونے سے جو اسے محبوب کوفے۔ پھر ابن سینا ان فضائل کا ذکر کرتا ہے، جن سے اپنے نفس کو متصف کرنا چاہتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ فضائل کی تعریف میں افلاطون کی اس رائے کی اتباع کرنا ہے کہ فضیلت دو نقیضوں کے درمیان کی ایک درمیانی حالت ہے، مثلاً عدالت ظلم اور ظلم سہنے کی درمیانی حالت ہے اور شجاعت بزدلی اور تہور کے درمیان میں ہے۔ اور وہ صفات جن کو اپنی ذات میں وہ پسند کرتا ہے وہ راز کا چھپانا اور علم اور تقریر اور ذہین ہونا اور رائے کی سختگی اور دور اندیشی ہے اور یہ اسی طرح ہے جس طرح ہم فضائل عقلیہ کو سمجھتے ہیں! اس موقع پر فضائل نفسیہ بھی میں مثلاً صدق و وفا درحمت و جفا و تواضع و عفت و قناعت و سخاوت و شجاعت۔ یہ صفات اپنے تضاد کے ترک کو طبعاً مقتضی ہیں مثل کذب و بے قراری و چغل خوری وغیرہ کے۔ اور ابن سینا کی رائے ہے کہ فضائل حاصل کی جانے والی چیزیں ہیں (جیسا کہ سقراط کا قول ہے) اور ہر انسان کو فطرتاً ایسی قوت ہے جس سے اچھے کاموں کو کرتا ہے اور اسی قوت سے بُرے کام بھی ہوتے ہیں اور کُل اخلاق اچھوں یا بُرے، سب ملکتب ہوتے ہیں، انسان خلق جمیل کو حاصل کرتا ہے یا خلق قبیح سے بالارادہ منتقل ہوتا ہے، اس طرح پر کہ اپنے نفس کو ایک مدت تک خلق جمیل کا عادی بنائے اور ہم کو یہ جان لینا ممکن ہے کہ اخلاق فاضلہ یا ذمبیہ دوسروں کی طرف بھی ان پر عادی بنانے سے منتقل ہو جاتے ہیں،

پھر ابن سینا کا دوسرا رسالہ علم اخلاق میں بنیادی طور پر "سالنہ العہد" سے باہر نہیں ہے، لیکن کچھ امور اس میں زیادہ ہیں جن میں غالباً وہ افیغورس (امیقور) سے متاثر ہے، اس لئے کہ وہ اپنے نفس کے لئے اس لذت مفیدہ کو جو ہر نفس کو قوی کرے جائز قرار دیتا ہے، پھر سب کو مالی مساوات کی تعلیم دیتا ہے ان بھائیوں کے لئے اور شرکاء کے لئے جو مال کے حاجت مند ہوں اور تدبیر کرے کہ اس کے نزدیک موت کا بڑا خطرہ نہ ہو۔ یہ بروڈیکوس مسطانی کی رائے ہے) اور اس رسالہ میں ابن سینا عبادات بدنیہ کو ہمیشہ کرنے کی اور سنن الہیہ کی تعظیم کی اور احکام شرعیہ میں کوتاہی نہ کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔

فارابی کے فلسفہ اور ابن سینا کے فلسفہ کے درمیان میں مختصر موازنہ

۱ - فارابی نے ارسطو جیسی ہونے کا قصد کیا لیکن وہ افلاطونیہ اور افلاطونیہ جدیدہ کی رباؤں کے فلسفہ میں زیادہ داخل ہو گیا۔ اور ابن سینا نے ارسطو کا پابند ہوا نہ کسی اور کا، بلکہ ہر فلسفی کی اس رائے کو لے لیا جو اس کے پسند آئی اور بہت سی چیزیں اس میں اپنی طرف سے زیادہ کیں۔

۲ - فارابی، اعلا درجہ کا نظری فلسفی تھا، علوم عقلیہ میں ماہر ہو اور ابن سینا مقام اول میں عالم تھا، فارابی کا فلسفہ مجرد مطلق تھا، ابن سینا کا فلسفہ مادی تھا۔ فارابی "مابعد الطبیعیہ" کا زیادہ اہتمام کیا اور ابن سینا نے طبیعیات کا۔

۳ - یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فارابی نے خاص لوگوں کے لئے کتابیں لکھیں۔ اسی لئے اس کی کتابیں مختصر اور مشکل ہیں اور ابن سینا نے اپنی کتابیات میں ادبی اور جاذب اسلوب اختیار کیا ہے، وہ اپنی تحریریں بسط و تفصیل کرتا ہے اور مثالیں بیان کرتا ہے۔

۴ - باوجود اس امر کو یقین کرنے کے کہ ابن سینا کا "مجموعہ فلسفہ" فارابی سے اخذ ہوا ہے یہ ماننا ہٹے گا کہ ابن سینا نے اپنی قدرت اور اپنے اسلوب اور توسیع سے ایسا فلسفہ بنا دیا کہ وہ لوگوں میں مقبول اور شائع ہو گیا۔

۵ - ابن سینا فلسفہ عملیہ میں بڑھ گیا۔ کیونکہ زندگی کی پییدگیوں سے اسے پالا پڑا تھا۔ اچھائیاں، برائیاں دیکھی تھیں اور

قارابی نے تو عبادت و گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔ مجمع سے کنارہ کش تھا۔ ہر ایک کے حال کا اثر اس کے فلسفہ عملیہ (سیاست
داخلی) میں ظاہر ہے!

دعا (قارابی نے سمجھا کہ لوگ مرتبہ عقلیہ میں مختلف ہیں۔ ابن سینا نے اسے مان لیا اور حیات اجتماعیہ کے ہمیشہ باقی رہنے کیلئے
اسے ضروری ٹھہرایا!

ب (قارابی نے معرفت خالق کے وجود سے بیان شروع کیا ہے اور ابن سینا نے اس کو چھوڑ دیا ہے (لیکن اس نے اپنے ایک
اخلاقی رسالہ کے آخر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے) لیکن اس نے مقدمہ کے بعد وجوب سیاست انسان پر نفس خود سے بیان
شروع کیا ہے، کیونکہ انسان کا نفس سب سے زیادہ اس کے قریب ہے!

ج (قارابی نے انسان کی تین قسم قرار دی ہیں۔ برادر دلی۔ رؤساء۔ ماتحت لوگ۔ اور ان کے معاملہ کے لئے ایک سیاست
عقلی بنائی ہے۔ جو ان کی استعداد عقلی اور صفات نفسیہ پر مبنی ہے، اور ابن سینا نے انسان کی صرف دو قسم بنائی ہے
رؤساء، ماتحت لوگ (ہر فرد بشر اپنے ماتحت کے اعتبار سے رئیس ہے اور اپنے بالادست کے اعتبار سے ماتحت ہے)
اور ان کی سیاست کا عملی طریقہ تجویز کیا ہے۔ ہر فرد پر واجب ہے کہ اپنے سے اوپر والوں سے بھی اور اپنے ماتحتوں سے
بھی فائدہ حاصل کرے اور اس کے لئے بعض بڑی باتوں اور مبادی خلیفہ نفسیہ سے چشم پوشی کرے!

د (قارابی نے زوجہ و اولاد و خدام کی سیاست پر کلام نہیں کیا، کیونکہ اس نے نہ نکاح کیا نہ خدام دکھا۔ اور ابن سینا نے
تو اس کو سیاست کا ضروری باب قرار دیا ہے!

دھ (قارابی اور ابن سینا دونوں نے آمدنی اور خرچ کا تذکرہ کیا ہے۔ اور دونوں نے ان کے قاصدے تقریباً یکساں بیان کیے ہیں
دوستوں اور دشمنوں اور حاسدوں اور خیر خواہوں کے متعلق کلام کرنے میں منفرد ہے اور ابن سینا سے چھوڑ دیتا ہے، اس کے
کہ وہ عقلی طریقوں سے اصلاح بشر میں اس قدر اہتمام نہیں کرتا جس قدر کہ طریقہ نفسیہ عملیہ کا۔ اہتمام کرتا ہے!
بیشک قارابی سیاست مدنیہ سے تہاؤ ذکر کے اصلاح اجتماعی کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ حالانکہ ابن سینا یہ سمجھتا ہے کہ اجتماع
میں تفاوت مرتبوں اور طریقوں میں ضروری ہے۔ اس لئے وہ قصد کرتا ہے کہ وہ تفاوت اجتماع کی مصلحت کے لئے قائم رہے
قطع نظر کر کے ہر اصلاح ممکن و غیر ممکن سے!

اس میں شک نہیں کہ قارابی اور ابن سینا اپنی دونوں نے فلسفہ عربیہ کو اہل عرب میں پہنچایا اور ہر دو دیکھ ان کے
بعد ان کے فلسفہ کو سخت مقابلہ کا سامنا ہوا، مگر وہ زندہ دقوی رہا، یہاں تک کہ مغربی فلسفیوں نے اسے لیا اور اس کی بدولت
پورے ازمند وسطیٰ میں تفکیر کی بلند چوٹی پر مشرق و مغرب میں پہنچ گئے!



ہم نے بنایا

عروجِ زیدی

جلووں کو دلِ فردِ نظر ہم نے بنایا
ہر اشک میں رقصاں ہیں محبت کے تار کے
خود ساختہ ہی چاکِ گریباں ہمیں تسلیم
اے عزمِ جوان! منزلِ مقصودِ مبارک
بیگانہ آغوشِ سکون تھی تری دنیا
ساحل کی طرف ایک نظر بھی نہ اٹھائی
اب عشق ہی اور حسن کے پر کیفیتِ نظار کے
اشعار کے پرے میں عروجِ اپنی غزل کو

شعلوں کو جو اب گلِ تر ہم نے بنایا
قطروں کو جلا دے کے گہر ہم نے بنایا
پھولوں کو بھی کیا چاکِ جگر ہم نے بنایا
تاروں کو بھی اب گرِ سفر ہم نے بنایا
ماحول کو فردِ دوسِ نظر ہم نے بنایا
ہر موجہ طوفان کو بھنور ہم نے بنایا
اتنا اُسے گستاخِ نظر ہم نے بنایا
اک سلسلہٴ عزمِ بہر ہم نے بنایا

اشعار

کوثرِ اعظمی

کیا جانئے میں کس کا اب والہ و شیدا ہوں
لالہ و گل، سہمن و سرو، نسیم و کھرت
زہیں سے تا بفلک سینکڑوں نطالے ہیں
بس اک نظر نہیں و نہ ستوا اشار ہیں

اک ذات ہے ان دیکھی لیکن نہیں ان جانی
کون گلشن میں ہے جو آپ کا غماز نہیں

واردات و محسوسات

شفقت کاظمی

مرے نصیب میں شاید کوئی خوشی نہ رہی
ادھر فلک پہ ستاروں میں روشنی نہ رہی
ہمارے بعد رہ و رسم عا شقی نہ رہی

جفلے سے یار یا نڈاز دلیری نہ رہی
ادھر مرین شبِ غم نے موند لیں آنکھیں
ہماری موت محبت کی موت تھی شفقت

کیا وہ دنیا سے نامراد گئے
تیری بیداد تھی عزیز جنہیں
ہم کو لینا تھا کیا زمانے سے
کیا غرض اہل بزم کو شفقت

ظاہر میں بے رخی ہے تو یہ اور بات ہے
اے چشمِ یار! یہ بھی مقدر کی بات ہے
ہم کو ثبات ہے تو جہاں کو ثبات ہے
شفقت تجھے وہ یاد نہ آئیں تو بات ہے

درپردہ مجھ سے ان کو ضرور التفات ہے
اٹھی ہے تو کبھی تو حرفوں کے حال پر
قائم ہے اپنی ذات سے دنیا کا سلسلہ
یوں ترکِ رسم و راہ محبت سے فائدہ

نو شگفتہ

ماہر القادری

یہ اہتمام تجلی مری نظر کے لئے
کہ شاید آج وہ زحمت کریں ادھر کے لئے
یہی بس ایک سہارا ہے چشمِ تر کے لئے
دعا میں مانگ ابھی سے بال و پر کے لئے
جدا جدا ہے تجلی، نظرِ نظر کے لئے
رکھا ہی کیا ہے یہاں سخی چارہ گر کے لئے
کہ سجدے درد نہ بن جائیں میرے سر کے لئے

ستارے کروٹیں بدلا کئے سحر کے لئے
جلاد سے ہیں سرِ شام آلسروں کے چراغ
ترا تبسمِ رنگیں ہو اور بھی شاداب
ذرا چمن کی ہوا دیکھ، طائرِ نوخیز!
کسی کو طورِ مبسّر، کسی کو عرشِ نصیب!
متنازع درد بھی غارت گروں کی نذر ہوئی
نیازِ عشق کی یہ آزمائشیں کب تک

چلی چمن سے یہ کہتی ہوئی نسیمِ سحر
کہ زارِ راہ ضروری نہیں سفر کے لئے

روحِ انتخبنا

جو شخص اپنے دل میں یہ خیال کرتا ہے کہ وہ لمبی عمر حاصل کرے گا اور دیر تک اس کو موت نہ آئے گی، ایسے شخص سے دین کا کوئی کام بھی سرا بنجام نہیں ہو پاتا۔ اس لئے کہ وہ اپنے آپ سے کہتا ہے کہ ابھی بہت دیر تک زندہ رہوں گا۔ جس وقت چاہوں گا دینی کام کروں گا، اب تو ذرا چین و آرام سے گزار لوں۔ اور جو شخص اپنی موت کو قریب خیال کرتا ہے، وہ ہر وقت اسی کے خیال میں مشغول رہتا ہے۔ اور یہی بات تمام سعادتوں کی اصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ جب تو صبح کو اٹھے تو یہ خیال نہ کر کہ میں شام تک زندہ رہوں گا، اور شام کو اپنے دل میں یہ خیال نہ کر کہ صبح کو زندہ اٹھوں گا۔ زندگی سے زائد مرگ مہیا کر، اور تندرستی سے زائد بیماری حاصل کر۔ اس واسطے کہ تجھے یہ معلوم نہیں کہ کل حق تعالیٰ کے نزدیک تیرا کیا نام ہو گا؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کوئی شے مولیٰ کہ ایک ماہ تک کام آتی رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسامہ سے کچھ تعجب نہیں کہ اس نے ہینہ بھر کے لئے کوئی شے مولیٰ۔ ان اسامہ تطویل الامل (یعنی اسامہ درازی عمر کی امید رکھتا ہے) اور فرمایا مجھے قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جب میں پلک جھپکاتا ہوں تو خیال کرتا ہوں کہ آنکھ کھولنے سے پہلے ہی مر جاؤں گا۔ اور جب میں آنکھ کھولتا ہوں تو جانتا ہوں کہ آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی میری موت واقع ہو جائے۔ اور جو لقمہ منہ میں ڈالتا ہوں، خیال کرتا ہوں کہ موت کے سبب سے یہ میرے حلق ہی میں نہ رہ جائے گا۔ یہ کہہ کر حضور نے فرمایا۔ اے لوگو! اگر تم عقلمند ہو تو اپنے آپ کو مردہ خیال کرو۔ اس لئے کہ مجھے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جو اس نے جو وعدہ کیا ہے تم سے وہ پورا ہو کر رہیگا اور تم اس سے بچ نہ سکو گے!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب قنائے حاجت سے فراغت پاتے تو اسی وقت تیمم کر لیتے۔ صحابہ عرض کرتے حضور پانی قریب ہے، آپ فرماتے، شاید میں پانی تک پہنچنے سے پہلے ہی مر جاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی روز بروز بوڑھا ہوتا ہے اور دو چیزیں اس میں ہیں، وہ جوان ہوتی جاتی ہیں۔ ایک تو مال کی حرص، دوسرے زندگی کی آرزو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ کیا تم جنت میں جانا پسند کرتے ہو؟ عرض کیا، ہاں! فرمایا، آرزو کو کم کرو اور موت کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو! اور حق تعالیٰ سے شرم کرو، جیسا شرم کرنے کا حق ہے۔!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔ جوانی کو ضعیفی سے پہلے۔ تندرستی کو بیماری سے پہلے، تو نگری کو محتاجی سے پہلے، اور فراغت کو مشغل سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے! فرمایا، دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے سبب سے اکثر لوگ نقصان اٹھاتے ہیں۔ ایک تندرستی، دوسری فراغت!

حضور نے فرمایا۔ الکیس من ران نفسه وعمل لما بعد الموت۔ عقلمند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو رام کر لیا اور موت کے بعد (کی زندگی) کے لئے عمل کیا!

رکھیلے سعادت — علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ

ہماری نظر میں

انگریزوں - مرزا عبدالغفور بیگ - مرتبہ - محمد حمید اللہ صدیقی - ضخامت ۲۸۰ صفحات
 قیمت ڈھائی روپے - ملنے کا پتہ - دفتر رسالہ "مشیر" بند روڈ - کراچی -

ماہنامہ "مشیر" کا "اسلامی ادب نمبر" جس کا اصل "پاکیزہ ادب کا ڈائجسٹ" کہنا چاہیے بڑے اہتمام کے ساتھ
 منظر عام پر آیا ہے۔ اس کا ادارہ (سبہ گل) جناب حمید اللہ صدیقی نے لکھا ہے، جس سے ادب اسلامی کی تحریک کا
 ایک سرسری تعارف ہو جاتا ہے۔

تنقیدی مضامین میں محمد نجات اللہ صدیقی کا مقالہ "اسلام اور فنون لطیفہ" خاصہ وزنی اور جاندار ہے، نظموں اور
 غزلوں کا انتخاب بھی خوب ہے، جس میں مرزا مظہر جان جاناں سے لے کر ذوالعین فرید تک نظر آتے ہیں۔
 طالبانی، دستو سکی، چیموف، ایرک رائی، ایڈگر این پو اور جوہن پیٹر بیسل جیسے مشاہیر کے افسانوں کے
 ترجموں نے "ترجمہ" کے حصہ کو وقیع و شاندار بنا دیا ہے۔

اور پختل افسانوں کا انتخاب بھی دلچسپ ہے، بہر حال "اسلامی ادب نمبر" مجموعی طور پر کامیاب ہے۔
 اس شمارہ خاص کا نام اگر "تعمیری ادب نمبر" ہوتا تو اسلامی افسانہ نگاروں کی فہرست میں چیموف اور پریم چند اور اسلامی
 شاعروں میں بلراج کوہل جیسے ناموں کو دیکھ کر کھٹک اور الجھن پیدا نہ ہوتی۔

"اسلامی ادب نمبر" کے مرتبین سے سب سے بڑی بھول یہ ہوئی ہے کہ شبلی، حالی، سید سلیمان ندوی، ابو الکلام آزاد،
 عبد الماجد دریابادی، ابوالاعلیٰ مودودی اور امین احسن اصلاحی جیسے بلند پایہ اہل قلم اور ارباب فکر کی تحریروں کے نمونے اس میں
 شامل نہیں کئے گئے۔ کیونکہ "ادب" صرف تنقید، افسانہ اور غزل و نظم ہی کا نام نہیں ہے! جب "اسلامی ادب" کے
 نام سے "ادب" کے بارے میں یہ تصورات رکھتے ہوں۔ تو
 پھر کسے رہنا کرے کوئی!

مرتبہ - کوثر نیازی - ضخامت ۲۵۲ صفحات - قیمت دو روپے - ملنے کا پتہ - دفتر "تعمیر انسانیت" موجدی روڈ
 ماہنامہ "تعمیر انسانیت" کا یہ دوسرا سالنامہ ہے۔ جس نے اہل ذوق کی توقعات کی خاطر خواہ پذیرائی کی

ہے، نطیں، غزلیں، افسانے اور مقلے سب کے سب دلچسپ ہیں، نسیم مجازی کے ڈرامے سالنامہ کو چار چاند لگا دیے ہیں۔
 کس قدر نفسیاتی انداز میں کیلیسٹوں کے عزائم کے نقاب کیا ہے، غزلوں اور نظموں کے انتخاب میں ادارہ نے فراخ دلی سے کام لیا ہے
 بعض چیزیں چھانٹ بیٹھے کے قابل تھیں۔ ادارہ کی یہ سعی جستجو مستحق تیریک ہے کہ اقبال سہیل مرحوم کا غیر مطبوعہ کلام انہوں نے
 حاصل کر کے سالنامہ میں شائع کیا ہے، اس شمارہ خاص میں سب سے زیادہ کامیاب اور دلچسپ "افسانوں کا حصہ" ہے۔

"تعمیر انسانیت" کا یہ سالنامہ مقصدی ادب کا ترجمان ہے۔ اس کے زیادہ سے زیادہ اشاعت و قبولیت کا مستحق ہے۔!

خاص نمبر ماہنامہ پرچم مرتبہ ۱۔ شاکر عروجی۔ ضخامت ۲۰۸ صفحات۔ قیمت دو روپے۔ ملنے کا پتہ۔ دفتر پرچم، فتح آباد لاہور۔
 بچوں اور خواتین کے لئے ذوق و دلچسپی کی بھی مضامین میں رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔

شاکر عروجی۔ اپنی نظم جو "خاص نمبر" کا سر آغاز ہے۔ غالباً عجلت میں کہہ کر کاتب کے حوالہ کر دی ہے۔
 سب تری ذات کا عرفاں مری ذات ہے کیا
 یہاں "عرفاں" کا نہیں "ہر تو" کا محل تھا۔

بے ترا اور ہی صبحوں کو چمکنے والا
 میں تو ہوں محض اندھیروں میں پھٹکنے والا
 "صبحوں کو چمکانے والا" ہونا چاہیے تھا، یا ممکن ہے یہ کتابت کی غلطی ہو، اور "صبحوں میں پھٹکنے والا" کی جگہ "صبحوں کو چمکنے والا" چھپ گیا ہو!

سانس رگ جائے تو اک سانس میں مرجئے بشر
 تیری ہستی نہ پنہے تو کہ صر جئے بشر
 "پناہ" کو "پنہ" نظم کر کے شاعر نے اپنی ذوق کے وجدان پر ظلم کیا ہے!
 ہے ہر کام زمانے میں ادھورا مجھ سے
 آدمیت کا بھی منشا نہ ہو پورا مجھ سے
 "ہر کام" سے شعر کی چول سیدھی بیٹھتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کلام موزوں میں "شعریت" کا دودھ پتا نہیں!
 خلق کو جس سے کہ عار آئے وہ خلقت ہو یا میں
 انفرق دہر میں سامانِ ندامت ہوں میں
 "سامان" کی جگہ "تصویر" یا اور کوئی مناسب لفظ ہونا چاہیے تھا۔ "خلقت" کو "مخلوق" کے معنی میں استعمال کرنا بھی نامانوس اور غریب ہے!

سیر دانش ہے مجھ، خم ہے فراست کی کمر
 کہاں قدرتہ کہاں بچارگی نوری بشر!
 "خم ہے فراست کی کمر" اس میں کس قدر تکلف اور پائی جاتی ہے۔ اور دونوں جگہ "کہاں" میں "الف" دینے سے شعر کی نشانی اور روانی کا الگ خون ہو رہا ہے۔!

روزہ زفرم کا خاص نمبر | ادارہ ۱۔ منظور احمد رحمت، ڈاکٹر مسعود احمد نقوی۔ ضخامت ۲۰ صفحات،
 ملنے کا پتہ ۱۔ دفتر "زمزم" شاہی بازار، بہاولپور۔

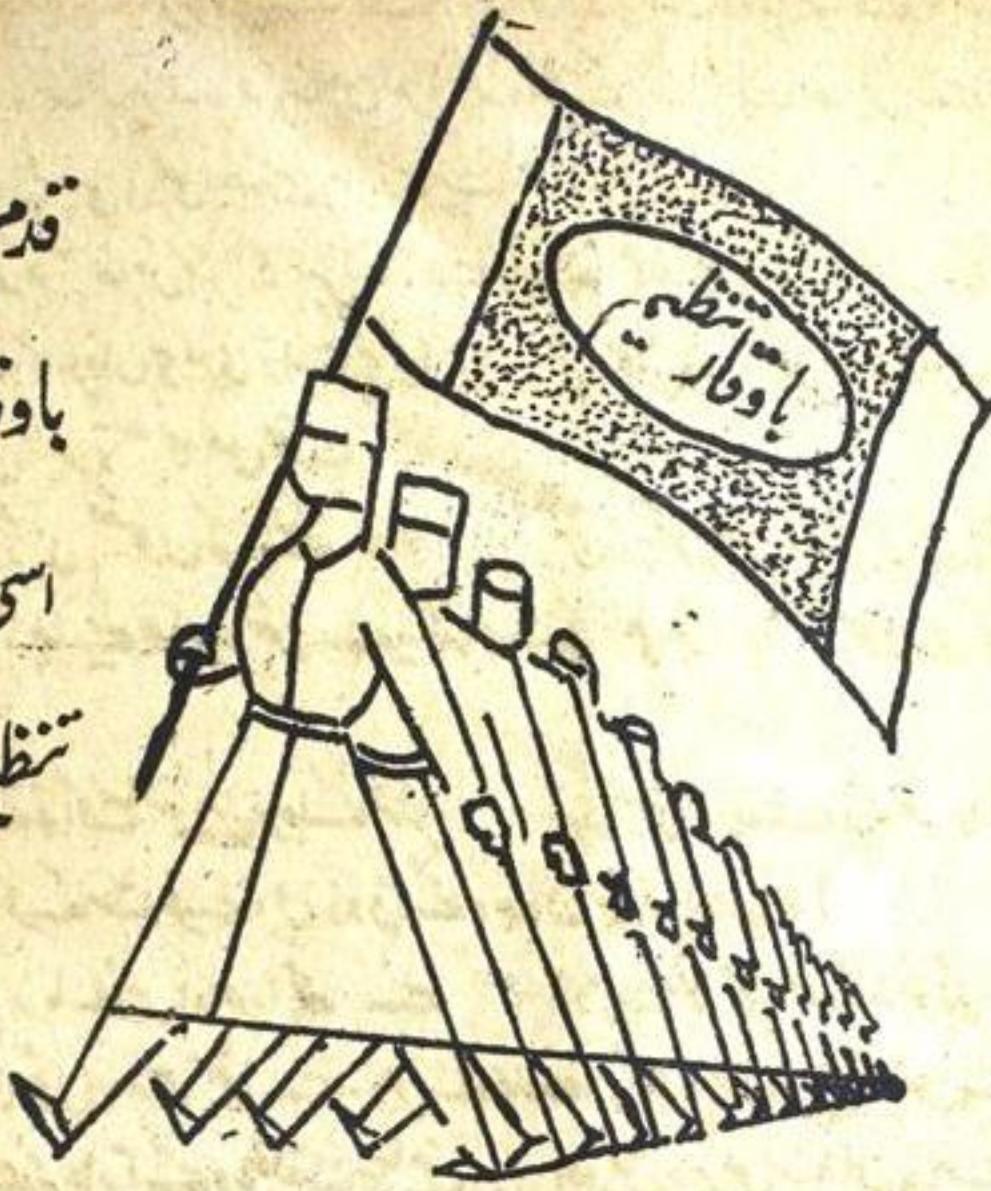
خاص نمبر کے ان عنوانات سے اس کے متنوع اور دلچسپ ہونے کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔
 "دیکھتا چلا گیا"۔ "دل میرا جلے"۔ "مخلیہ انتخاب کیوں اور کیوں نہیں"۔ "چند تصویریں بتاں"۔ "سب کا اقبال"۔
 "ریڈیو پاکستان"۔ "بچوں کے افسانے"۔ "ہمارے فلمی معادین"۔!

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا مقالہ "خاص نمبر" کی جان ہے۔ تہا اسی مقالہ کے لئے اس شمارہ کو خریدنا جاسکتا ہے!
 پیارا پیارا ٹھہراؤ (صفحہ ۳۵)۔ کھرا دشمن (صفحہ ۳۵)۔ "میر گشتی"۔ (صفحہ ۳۶)۔ خدا و نامزد کے درمیان گریبانوں کے
 ٹوٹتا ہوا (صفحہ ۳۶)۔ قدوس کی چلتی پھرتی لاش سالہا سال سے بھسم ہو رہی ہے (صفحہ ۳۶)۔ یہ انداز نگارش۔ "فری اسٹائل"
 قسم کھے جو "دندان" پر بہت گراں گزرتا ہے۔!

مقالوں کے علاوہ متعدد غزلوں، نظموں اور تصویریں اس سے "خاص نمبر" مزین ہے۔!

باوقار تنظیم

اقتصادی اور
معاشی میدان میں
امتتار اور بد حالی کی
اصلاح کے لئے
ہماری پہلی
پیش قدمی



قدم ملا کے چلو
باوقار بن کے بڑھو
اسی انتشار میں
تنظیم کی ضرورت ہے



اصول مضاربت کے تحت دورِ حاضرہ کی چھوٹی بچت کی ایک ایسی پرافٹ شیرنگ
اسکیم ہے جو سووی لین دین، جوئے، لائٹری اور طالع آزمائی جیسی مذہب و لعنتوں سے
بالکل پاک ہے۔

باوقار تنظیم

پانچ گروپوں کی تکمیل کے بعد اپنے ابتدائی دور سے گزر کر تعمیری دور میں داخل ہو گئی
ہے۔ چھٹا گروپ قریب الاہتمام ہے۔ دسمبر ۱۹۵۷ء تک بارہ گروپ مکمل
کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔ آپ بھی اس اسکیم میں شامل ہو کر اور ہمارے ساتھ
شانہ نشانہ چل کر اس پاکیزہ جدوجہد اور نیک مقصد میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔

باوقار تنظیم

تفصیلات مندرجہ ذیل پتہ سے حاصل کریں۔

باوقار کمپنی لمیٹڈ۔ بندر روڈ۔ کراچی۔

فون نمبر ۲۰۹۲۳

تمدن، ادب، سیاست، معاشیات، نفسیات اور فلم



جسے پاکستان اور بھارت کے تمام ممتاز دانش وروں، قلم کاروں، افسانہ نگاروں اور شاعروں کا تعاون حاصل ہے۔ ہر مہینے پابندی کے ساتھ شائع ہوتا ہے اور اس میں ہر مہینے اہم قومی اور بین الاقوامی سیاسی رجحانات پر تبصرے، سماجی، ثقافتی اور نفسیاتی پہلوؤں پر مضامین، معاشی جائزے، فلم اور فٹین لطیفہ پر مضامین، صحت مند رجحانات کی حامل نظمیں، غزلیں اور افسانے شامل ہوتے ہیں۔ متنوع، جاذب نظر اور دلکش تصویروں کی پیش کش نیاراھی کی خصوصیت ہے۔

کی
صحت مند اور ترقی پذیر قدروں کا ترجمان

نیاراھی

سکلانہ چھ روپے - فی کاپی آٹھ آنے

خط و کتابت کا پتہ: - نیاراھی - ۲۶ - اورینٹل چیمبر - ساؤتھ نیپیر روڈ - کراچی

ہندوستان کا واحد عربی ماہنامہ

- عالم اسلامی اور عالم عربی کے باہمی اتحاد اور اشتراک عمل کا داعی۔
- ممالک عربیہ میں دعوت اسلامی کا سفیر۔
- عربی قومیت کے خلاف ایک ابھرتی ہوئی آواز۔
- اور آپ کے افکار و خیالات، جذبات و احساسات کا ترجمان اس کے ساتھ

البعث الاسلامی

سرپرستی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ادارت

سید محمد حسنی

خوبصورت عربی ٹائپ پر نئی ترتیب کے ساتھ

تعاون کرنا ہر عالم دین، ہر صاحب ذوق اور ہر طالب علم کا اخلاقی فریضہ ہے۔

جو لوگ اس وقت خریدار نہیں گئے ان کی میعاد خریداری اپریل و مئی کے مشترکہ ضخیم شمارہ سے ہوگی، جو کئی اہم مضامین پر مشتمل ہے! پاکستان میں زندہ اشتراک کا پتہ:-

دفتر ماہنامہ "فاران" کیمیل اسٹریٹ کراچی۔

پاکستانی احباب اپنا چندہ "فاران" کو بھیج کر ہمیں منی آرڈر رسید بھیجیں۔

دفتر البعث الاسلامی - ۳۷ - گولڈ روڈ - لکھنؤ (انڈیا)

صحیح ادویہ اور مناسب علاج کی فراہمی کی غرض سے

ہمدرد دواخانہ

کی

بنیاد ہند میں ۱۹۰۶ء عیسوی میں

اور

پاکستان میں ۱۹۴۸ء عیسوی میں رکھی گئی!

ہمدرد کے کاروبار کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آج اس کی تیار کردہ ادویہ ملک کے طول و عرض میں ہر جگہ مل سکتی ہیں، لیکن اس وسعت سے زیادہ اس کی کامیابی کا معیار وہ احتیاط ہے جو ہمدرد کے معمول اور دوا سازی کے کارخانوں میں دواؤں کی چھان پھنگ، صفائی، ستھرائی، تحقیق و تفتیش اور قدم قدم پر نئی جانچ پرکھ میں برتی جاتی ہے، ان چیزوں سے ہمدرد کا نام اصل اور خالص ہونے کی ضمانت ہے!

یہ وہ طریق علاج ہے

جس سے ملک کے اتنی فیصدی باشندے معالجہ کے لئے رجوع کرتے ہیں!

ہمدرد دواخانہ پاکستان کراچی

طب یونانی کا علمبردار ہے

یَعْقُوبِ كے بسکٹ

خوش ذائقہ
خوش رنگ

اور

صحت کے لئے فائدہ بخش

سپاکی بسکٹ

تیار کردہ

سیٹھ محمد یعقوب اینڈ سنز

یعقوب بسکٹ فیکٹری سکھر

زین العابدین برادرس کراچی

اسٹاکسٹ

حبِ فضل

کشتہ فولاد، سلاجیت، اور دیگر مقوی مفرح اجزاؤں کا مرکب ہے
جسمانی و دماغی کمزوری، پٹھوں کو تقویت، گردہ مثانہ کی کمزوری —
احتلام، جریان، اخراج فاسفیٹ اور زیبا بیٹس شکر کی کے لئے اکیس

ہر عمر اور ہر موسم میں یکساں مفید ہے
قیمت دو روپے آٹھ آنے صرف - محصول ڈاک ۱۴/-
تیار کردہ :- ہندی دوا خانہ یونانی - قصور

آنکھوں کی تمام بیماریوں کے لئے مایہ ناز ایجاد
یہ نسخہ خاص حکیم مولوی احمد دین صاحب مرحوم

سرمد ہیم پلہ میرا رجسٹرڈ

جو پیدائشی اندھے پن کے سوا آنکھوں کے جملہ امراض دُھند،
غبار، جالا، سُرخ، ضعفِ بصارت اور پانی کا گرنا وغیرہ،
کے لئے اکیس مانا گیا ہے، آنکھ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے
جس کی حفاظت ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔
قیمت آٹھ آنے فی شیشی - محصول ڈاک ۱۴/-

تیار کردہ :- ہندی دوا خانہ یونانی - قصور

گلفام ٹو ایلٹ سوپ

لیٹی کریم سوپ

لیٹی سوپ فلیکس پوڈر

ریشمی اور اونی کپڑے دھونے کا خاص اجزاء سے مرکب صابن

آل راسٹ میڈیکل کاربالک صابن

کپڑے دھونے کے بہترین صابن

لاہور برانڈ - (۲) ملٹری ہار

(۳) ۵۵۵ ہار

غسل کیلئے بہترین صابن

صنعتِ پاکستان کے بہترین نمونے

پسندیدہ ترین نمونے
صابن خریدتے وقت

ذوالفقار انڈسٹریز کا نام دیکھئے

جو اچھے صابنوں کی ضمانت ہے، جدید ترین و لایٹی مشینری سے تیار کردہ

پاکستان میں ہر قسم کی صابن کی ضروریات کے لئے

ذوالفقار انڈسٹریز کا نام ہمیشہ یاد رکھیں -

ذوالفقار انڈسٹریز - ڈی ۱۹ منگھو پیر روڈ - کراچی

ہر ایک سائل ملز

حیدرآباد سندھ

جس میں

مضبوط دھاگا

اور

پائیدار خوش نما کپڑا
تیار ہوتا ہے

آپ پاکستان کو اسی وقت خوش حال بنا سکتے ہیں

جب آپ پاکستان کی بنی ہوئی چیزیں خریدیں

بچوں کی صحت کا ضامن

ایسٹن گلوکو روائٹ

بیماری کی صحت بخش دوا — تندرستی میں طاقت بخش غذا

ایک روپیہ آٹھ آنے میں ہر انگریزی دوا فروش سے خریدیے

لوہے (IRON) کی ہر قسم کی ضرورتوں اور پورٹ لینڈ میں

کے لئے

ایسٹن گلوکو روائٹ

کو رنر ہاؤس - پریڈی اسٹریٹ - صد کراچی ۳

سے مشورہ کیجئے

اور اس کی خدمات سے فائدہ اٹھائیے

باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگا پیروڈ - کراچی

قسم کا سلکی اور سوئی کپڑا

کو را اور دھلا ہوا لٹھا

نیز ہر قسم کا دھاگا

تیار ہوتا ہے

باوانی ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے اور قیمت مناسب ہے

اپنے پاکستان کی صنعت کی قدر اور جوصلہ افزائی

اپنی قومی فخر ہے

اپنے ملک
 پاکستان کی صنعت
 کو
 ترقی دیجئے
 اور اپنے

لائپور کاٹن ملز

لائپور کا بنا ہوا مضبوط کپڑا خرید کر ملک و قوم کو مضبوط تر بنائیے

پروپرائٹرز
 دہلی کلاکھائینڈ جنرل ملز کمپنی لمیٹڈ
 ان کارپوریٹڈ ان انڈیا

ابوالمجاہد زاہد کی شاعری میں

○ — عزم کی بلندیاں —

○ — دلوں کی بھلیاں — اور

○ — زیت کی نشانیاں — ہیں

ابوالمجاہد زاہد کا پہلا مجموعہ کلام

”تنگ و تاز“

جلوہ حق آگہی سے بہرہ ور کرے گا

کے ایک ایک شعر میں آپ شعلہ تابانی خودی محسوس کریں گے۔

میں زندگی کی بالکل انوکھے ڈھنگ سے رہنمائی کی گئی ہے۔

فن اور مقصد کا حسین امتزاج ہے۔

ظاہری و معنوی دونوں حیثیتوں سے ایک نیا معیار قائم کر رہا ہے۔

(ضیا احمد بدایونی کے پیش لفظ کے ساتھ)

کاغذ - کتابت - طباعت بہترین - خوبصورت جلد - قیمت دو روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ادارہ ادبیات نو - ۲۳۳ پچی گنج - لکھنؤ (یو۔ پی)

تروسیل ذرا پاکستانی پتہ: - نمائندہ نئی نسلیں - ۱۶۵ کیٹن روڈ - کراچی ۷

ہفت روزہ المنیر لائل پور

شاہ اسماعیل شہید نمبر

اس نمبر میں

عنقریب شائع ہو رہا ہے

شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کے حالات زندگی، ان بزرگان دین کی سیرت کے اہم پہلو اور ان داعیوں
دین حق کی دعوت اور طریق کار کے بارے میں اہم معلومات۔
سرزمین پاکستان میں دین حق کی سر بلندی و سر فزائی کیلئے جدوجہد کرنے والے افراد اور جماعتوں کی رہنمائی
کیلئے شہیدین کی مساعی اور ان کے نتائج کا خلاصہ۔
پاکستان اور بھارت کی اہم ترین دینی شخصیتوں کے مضامین، پیغامات اور بیانات۔ اسکے علاوہ اس نمبر سے

مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر قرآن

کی اشاعت بھی شروع کی جا رہی ہے۔ جو انشاء اللہ آئندہ بھی ہر اشاعت میں باقاعدہ شائع کی جاتی رہے گی۔
ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ مولانا اصلاحی کی تفسیر قرآن سے استفادہ کے خواہشمند رفقا کی سہولت کے لئے اس
تفسیر کی اقساط ہمیشہ اس شکل میں شائع کریں کہ انہیں الگ نکال کر فائل بھی بنایا جاسکے۔
جو حضرات اس خاص نمبر سے "المنیر" کے سالانہ خریدار بن جائیں گے ان کی خدمت میں شاہ اسماعیل شہید نمبر مفت ارسال کر دیا جائے گا
(چند سالانہ بارہ روپے ہے)

شاہ اسماعیل شہید نمبر کی ضخامت اور قیمت کا اعلان بہت جلد کر دیا جائے گا۔ شہرین کیلئے اہم موقع۔

مصطفیٰ صادق - مینجنگ ایڈیٹر - ہفت روزہ "المنیر"
لائل پور

علامہ گیلانی

(۲ جون ۱۹۵۶ء)

- فکر و نظر کی وسعت، علمی جامعیت اور ذہانت میں اپنی مثال آپ تھے۔
 - ان کی ژرف نگاہی نے ہر بباط علم و فن پر نکات و تحقیقات کے وہ گل کھلائے جو سد بہار ہیں۔
 - انہوں نے تنہا تصنیف و تالیف کا اتنا کام کیا جتنا یورپ میں ادارے اور انجمنیں کرتی ہیں۔
- عرض — عذرا اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ _____ مرحوم کے قدر شناسوں کی خدمت میں
ان کی وفات کے ٹھیک ایک سال بعد

افادات گیلانی نمبر

کی شکل میں ایک یادگاری تحفہ جون ۱۹۵۷ء میں پیش کر رہا ہے۔ جو الفرقان میں شائع شدہ علامہ مرحوم کے ان اہم علمی و تحقیقی مضامین پر مشتمل ہے جو مستقل کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئے ہیں۔

اس نمبر میں مولانا مرحوم کا ایک تقریباً سو سو صفحے کا طویل مقالہ ہے جو بجائے خود ایک قیمتی کتاب اور ان کی جامعیت و ذہانت کی بہترین یادگار ہے۔ ایک ان کے اس مقالہ کی تلخیص ہے جو الفرقان کے "مجدد الف ثانی نمبر" کی زینت بنا اور اہل علم کی نظر میں معنی کا عظیم کارنامہ قرار پایا۔ اس کے علاوہ بعض سلسلہ دار مضامین کی اہم اقساط — اور شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے مرحوم کی شخصیت پر ایک دلآویز، بصیرت افروز اور جامع مقالہ "نقوش و تاثرات" کے عنوان سے — !

فحامت کم و بیش ۲۰۰ صفحات _____ قیمت ۲ روپے (علاوہ محصول اک ۸ روپے)

نوٹ:۔ سال بھر کے لئے الفرقان کی خریداری قبول کرنے والے حضرات سے سالانہ چندہ پانچ روپے کے علاوہ اس نمبر کی کوئی قیمت نہیں لی جائیگی البتہ رجسٹری فیس کے ۸ چندہ کے علاوہ لازمی طور پر آنے چاہئیں۔ پاکستانی حضرات سکرپٹری اداہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلیا بلڈنگ — لاہور کے نام منی آرڈر روانہ کریں اور رسید کے ساتھ ہمیں اطلاع دیں۔

منیجر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

چمکدار لیکن

سکون بخش



حئی سنٹر کے لمپس قلیل مدت میں تمام پاکستان میں پھیل گئے
آپ انہیں مکانوں، آفسوں اور فیکٹریوں میں ہر جگہ پائیں گے درحقیقت
ایک اعلیٰ درجہ کی چیمیز عوام کی خدمت کیلئے پیش کی گئی ہے۔ آپ
حئی سنٹر ہی استعمال کیجئے اس لئے کہ یہ بہترین ہیں

پائے ہوئے

پاکستان میں



حئی سنٹر ایکٹرک کمپنی لمپ سنڈ

قاران کراچی

پاکستان

ماہِ القادری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشہ اول

پاکستان کے افق پر شروع شروع میں تھوڑا سا اُجالا ہوا تھا اور وہ بھی بس سیمیا کی سی نمود کھتی، اس کے بعد سے جو دھند لکوں کا سلسلہ چلا ہے تو سیاہیوں کی تہ پر تہ جمتی چلی گئی۔ اور اب پاکستان ان خوفناک ظلمتوں سے دوچار ہے جن میں روشنی کا دور دور پتہ نہیں، ہر طرف گہری تاریکی، مہیب سناٹا، ہاتھ کو ہاتھ سمجھانی نہیں دیتا، جیسے اس افق کو نور کی کرن نے چھوا ہی نہ تھا۔ اور دشمنوں کے منہ میں خاک گویا یہ ملک ظلمتوں کے لئے ہی وجود میں آیا ہے، اُجالا اس کی قسمت ہی میں نہیں لکھا، اور اندھیروں میں کھوکھریں کھاتے پھرنا یہاں کے عوام کیلئے مقرر ہو چکا ہے۔

اس گھٹا ٹوپ اندھیرے اور ملک گیر ظلمت سے یہ کہہ کر صرف نظر نہیں کیا جاسکتا... کہ۔

۵ اس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی تھا

”جبر مشیت و تقدیر“ اپنی جگہ مسلم مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پاکستان کے بڑے لوگوں کے ضمیر کی شمعیں جس تدریج کے ساتھ بجھتی رہی ہیں، اسی رفتار کے ساتھ پاکستان تاریک سے تاریک، تر ہوتا رہا ہے۔ اور آج پاکستان کی قسمت کے وہ لوگ مالک ہیں جو ظلمتوں کے نقیب اور اندھیروں کے سفیر اور تاریکیوں کے علمبردار ہیں۔ یہ ”بزرگان سیاست“ اور ”مردان شعبہ کار“ پاکستان میں اُجالا پھیلنے سے ڈرتے ہیں، کہ اس طرح خود ان کی شاطرانہ چالیں اور زندگیاں بے نقاب ہوتی ہیں۔ اس لئے انھیں اندھیرے سے محبت ہے، کہ یہ ان کی پردہ پوشی کرتا ہے اور اس دھندلکے میں لوگ نہیں دیکھ سکتے کہ کون کیا پارٹ ادا کر رہا ہے۔ اور کس نے کیا روپ دھار رکھا ہے۔؟

پاکستان پر کوئی شک نہیں بڑے سخت اور نازک وقت آئے ہیں۔ ایک مفلوج گورنر جنرل کی نیم آمریت اور مطلق اعلیٰ کا منحوس دور بھی پاکستان نے دیکھا ہے۔ مگر اس وقت جن خطرناک الجھنوں میں پاکستان گھرا ہوا ہے، وہ تمام پچھلی مصیبتوں

سے بڑھ کر ہے۔ ہمیں مفاد پرست قیادت نے ایک ایسے خوفناک غار پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ جس کے ایک طرف آگ بھڑک رہی ہے اور دوسری طرف امتحاہ سمندر ہے۔

پاکستان میں وہ تمام طاقتیں نہ صرف یہ کہ ابھر آئی ہیں بلکہ ان میں اتحاد ہو گیا ہے، جو پاکستان کی دشمن ہیں اور پاکستان کے مقصد و وجود سے جن کو اختلاف رہا ہے، اور وہ برسوں سے اسی کوشش میں لگی ہوئی ہیں کہ کسی طرح پاکستان کا شیرازہ بکھر جائے۔ مخلوط انتخاب کی منظوری مشرقی پاکستان کے مرد سبھائی ہندوؤں کی سب سے بڑی فتح ہے۔ اور عوامی لیگ کی حکومت کے زمانے میں پاکستان اور اسلام کے خلاف دہانوں کے ہندوؤں کو منظم ہونے کا موقع ملا ہے۔ مخلوط انتخاب کی زبرد براہ راست پاکستان کے بنیادی نظریہ پر اثر پڑتی تھی۔ اس لئے کمیونسٹوں نے بھی جداگانہ انتخاب کی مخالفت کی، یہ اثری چوٹی کا زور لگانا دیا، اور کروڑوں پاکستانی مسلمانوں کی تمنائوں کے علی الرغم ان سرخوؤں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ عوامی لیگ کی حکومت کے سایہ میں پاکستان کی ان دو دشمن طاقتوں --- مہاسبھائی ہندوؤں اور کمیونسٹوں --- کو ابھرنے اور منظم ہونے کا پورا پورا موقع ملا۔ مخلوط انتخاب کے منظور ہونے کے بعد ہوا کا رخ ہی بدل گیا! اس ساری مصیبت کے ذمہ دار ہمارے ارباب حکومت ہیں۔ جنہوں نے اپنے عہدوں اور کرسیوں کے لئے وہ خوفناک کھیل کھیلا، جس نے پاکستان کے مقصد و وجود پر خط تلخی کھینچ دیا

ان دو مصیبتوں سے ابھی بچپا نہیں چھوٹا تھا کہ ایک تیسری بلا "نیشنل پارٹی" کے نام سے وجود میں آئی۔ جس کے نفس ناطقہ مسٹر جی۔ ایم۔ سید اور میاں افتخار الدین ہیں! یہ دونوں بزرگ (؟) کیا سیاہ ناند رکھتے ہیں اور ان کا کچھلے زمانے میں کیا سیاسی و دل رہا ہے؟ یہ کوئی راز نہیں ہے۔ ان باتوں کو سب لوگ جانتے ہیں! جے۔ ایم۔ سید وہ صاحب ہیں جن کو پاکستان سے خدا واسطہ کا بیر ہے، ان کے قلب و ضمیر نے پاکستان کو قبول ہی نہیں کیا۔ وہ ہر اس خریک اور گٹھ جوڑ میں شامل ہونے کے لئے اودھار کھائے بیٹھے ہیں جس کا مقصد پاکستان کو ختم کرنا ہو۔ اس شخص پر سندھی عصبیت، اس بری طرح مسلط ہے کہ اس کے لئے اسلامی قدروں کو بھی وہ پامال کر سکتا ہے

دوسرے حضرت (؟) میاں افتخار الدین صاحب ہیں جو مغربی پاکستان میں کمیونسٹوں کی پشت پناہ ہیں۔ "لیل و نہار" ہو۔ "پاکستان ٹائمز" ہو، "امروز" ہو یہ تمام اشتراکی جبریسے جس ادارے کے تحت چل رہے ہیں اس کی زمام کار انھی میاں صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ ایک طرف ان کی سرمایہ دارانہ بدحواسی کا یہ عالم ہے کہ پاکستان میں جب کسی CRISIS کی جھنک یہ سن پاتے ہیں تو ہوائی جہاز میں بیٹھے اور یہ جا وہ جا! پھر آپ ان کو پیرس، لندن یا جنیوا میں پائیے گا اور دوسری طرف حالات پُرسکون ہوں تو اسمبلی میں وہ وہ گر جدار تقریریں کرتے ہیں کہ جیسے یہ اسٹالن کی طرح لوہے کا کلیجہ اور فولاد کا دل رکھتے ہیں! اور پھر اس شخص کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ لاکھوں روپیہ غیر ممالک سے تجارت کے ذریعہ کماتا ہے۔ حکومت چینی سے لاکھوں ٹن کونڈ جو پاکستان آیا ہے، اس کے دلال یہی میاں صاحب تھے۔ اور کونلوں کی اس دلالی میں ان کے ہاتھ کالے نہیں رہے اور سنہری ہو کر رہے ہیں۔

پاکستان کی بد قسمتی سے ایک بے وقوف مسلمان مشرقی پاکستان کے عوام میں رسوخ و اثر حاصل ہو گیا ہے اور یہ بھاشانی صاحب کمیونسٹوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔ "نیشنل پارٹی" وجود ہی میں اس وقت آئی ہے جب کمیونسٹوں نے بھاشانی صاحب کو اس "فتنہ نو خیز" کے لئے اچھی طرح ہموار کر لیا ہے۔ اس نوبت پر ڈاکٹر خان صاحب

کا سیاسی رول ذہن میں رکھ کر ان کی اس نقل و حرکت پر غور کیجئے کہ وہ ڈھاکہ کے گورنمنٹ ہاؤس میں صدر مملکت کے ساتھ قیام فرماتے ہیں۔ پھر وہ بھاشانی صاحب سے جا کر ملتے ہیں، اور ملنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے

”مولانا بھاشانی ایک دیانتدار اور مخلص آدمی ہیں، اور پاکستان کے اتنے ہی وفادار ہیں جتنا کوئی دوسرا شخص۔“

”نیشنل پارٹی جیسی پاکستان دشمن جماعت کے سب سے بڑے لیڈر — بھاشانی — کو پاکستان کی وفاداری کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت بھی تھی۔ اور یہ سرٹیفکیٹ ڈاکٹر خان صاحب نے مرحمت فرما دیا۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ ”نیشنل پارٹی“ کا یہ ڈرامہ بھی ”عالم بالا“ کے اشارے سے کہیں نہ کھیلا جا رہا ہو۔ کیونکہ کسی“ کا ایما پاکر ہی سرحدی گانڈھی کے یہ برادر بزرگ توڑ جوڑ کرتے اور لب نازک کو زحمت تکم دیتے ہیں۔ اور یہ تو سامنے کی بات ہے کہ ”نیشنل پارٹی“ کے ذریعہ سہروردی صاحب کی طاقت کو کمزور کرنا مقصود ہے۔“

سازشیں | اخبارات پہلے رمز و اشارات اور استعاروں میں طنز و تنقید کیا کرتے تھے، مگر اب نوبت اس حد تک آپہنچی ہے کہ بعض سنجیدہ باوقار اور چوٹی کے اخباروں نے پاکستان کے صدر مملکت جناب سکندر مرزا بالقبابہ کا نام لے کر تنقید کی ہے۔ اور جو کچھ کہا ہے خوب کھل کر کہا ہے اور پھر اس پر دلائل و شواہد پیش کئے ہیں! ان اعتراضات کی ایوان صدر سے ابھی تک کوئی تردید نہیں ہوئی! ہم خاک نشین تو اتنا ہی عرض کر سکتے ہیں کہ یا تو حضور صدر مملکت ”انتہائی صبر و تحمل عفو و درگزر اور ترجم خسر و انہ سے کام لے رہے ہیں یا پھر وہ اعتراضات اس قدر وزن رکھتے ہیں کہ چپ سادھ لینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔“

مفاد پرستی، غلط کاری اور خرابی کی انتہا ہے کہ پاکستان کے وزیر اعظم غیر مملکتوں سے گفت و شنید کے لئے باہر جاتے ہیں اور ان کے خلاف محلاتی سازشیں شروع ہو جاتی ہیں۔ ہم مسٹر حسین شہید سہروردی کے حامیوں اور مدج خوانوں میں نہیں ہیں۔ ہم بہت سے معاملات میں سہروردی صاحب سے بنیادی اختلافات رکھتے ہیں۔ مگر ان کی مخالفت میں ہم عواقب و نتائج کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ عرض کرنا یہ ہے کہ کسی سازش کا شکار ہو کر اگر اس نوبت پر سہروردی صاحب کو وزارت عظمیٰ سے دست کش ہونا پڑا تو پاکستان کی رہی سہی بین الاقوامی ساکھ بھی جاتی رہے گی اور غیر حکومتیں ہمارے نمائندوں پر اعتبار کرنا چھوڑ دیں گی کہ ہم پاکستان کے کس آدمی سے معاہدہ کریں۔ کس کو اپنے دل کا بھید بتائیں، کس سے سیاسی روابط پیدا کریں، جبکہ پاکستان میں توڑ جوڑ کے ذریعہ ہر بڑی سے بڑی شخصیت کو ایوان اقتدار سے باہر ”GET OUT“ کیا جاسکتا ہے!! سہروردی صاحب کے بارے میں ہمارا یہ اظہار خیال ”اہون البلیتین“ کے پیش نظر ہے۔ اس باب میں اتنا اشارہ ہی کافی ہے۔

پاکستان کا ہر بڑے سے بڑا آدمی اپنی طور پر اپنے عہدے اور منصب سے ہٹ سکتا ہے، اور اس کے ہٹائے جانے کے لئے تگ و دو کی جاسکتی ہے مگر اس کے لئے کوئی معقول وجہ سبب تو ہونی چاہئے؟ جو لوگ سہروردی صاحب کے درپے آزار میں وہ سیاست کے کسی بنیادی اختلاف یا ملک کی خیر خواہی کے لئے یہ سب کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ یہ ذاتی مفادات کی جنگ اور ہواؤ ہوس کی نزاع ہے۔ یہاں مفاد سے مفاد ٹکرا رہا ہے؟ اور مفادات کے تصادم کا نتیجہ کسی ملک، حکومت اور قوم کے حق میں مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ایک ”شیطان“ چکر ہے جو کسی ملک میں

اس وقت تک چلتا رہتا ہے جب تک مفاد پرستوں کے ہاتھوں سے زمام کار چھین نہ جائے۔

جائزہ | جب سہروردی امریکہ میں تھے تو عوامی لیگ کے لیڈروں نے بہت کچھ واویلا کی تھی کہ وزیر اعظم کے خلاف مسلماتی سازشیں ہو رہی ہیں؟ مگر ان "لیڈران کرم" سے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جس وقت ڈھاکہ میں مخلوط انتخاب منظور کرنے کے لئے "مملاتی سازشیں" ہو رہی تھیں اور سہروردی صاحب ان میں نہ صرف یہ کہ شریک تھے بلکہ بہت اہم رول ادا کر رہے تھے۔ اس وقت "مملاتی سازشوں" کو آپ نے کس طرح گوارا کر لیا؟ جب تک مملاتی سازشوں نے آپ کے مفادات کا ساتھ دیا۔ آپ نے ہر فتنہ انگیزی پر "مرحبا" کہا مگر جب اپنے مفاد و اقتدار پر ضرب پڑتی دیکھی تو مملاتی سازشیں "کانوف آپ پر کا بوس بن کر سوار ہو گیا۔ سچ کہا تھا کسی نے سہ

چاہ کن را چاہ در پیش

ملک کی اس ابتری اور سیاسی بحران اور عام انتشار کی سب سے زیادہ ذمہ دار "ریپبلکن پارٹی" ہے۔ جو کسی سیاسی مذہبی یا معاشی و معاشرتی نظریہ کی بنا پر وجود میں نہیں آئی بلکہ جس کو صرف ذاتی مفادات کے بطن نے جنم دیا ہے، جس میں ایسے ایسے مرفحان باد سناجج ہو گئے ہیں جن کی زمانہ سازی مفاد پرستی اور بے ضمیری نے اگلے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔! یہ لوگ جب تک حکومت کی کرسیوں پر براجمان رہیں گے، پاکستان کا سفینہ مفاد پرستی کے خوفناک بنور سے نکل ہی نہیں سکتا۔

ریپبلکن پارٹی کے ارکان اس کے سرپرست اور ارباب کار اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ عوام میں ان کی ساکھ باقی نہیں رہی، اس لئے یہ ٹولی "انتخاب" کے نام سے گھبراتی ہے۔ کیونکہ "انتخاب" میں اسے اپنے اقتدار کی موت دکھانی دیتی ہے لہذا اس پارٹی کا جہاں تک بس چلے گا، "انتخاب" کو ٹانے اور اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش کرے گی، اسی پارٹی کے سب سے بڑے لیڈر ڈاکٹر خان صاحب نے پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں کو توڑ کر "بیابان انقلابی کونسل" قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ یہ مشورہ اس پارٹی کے خوفناک عزائم کا آئینہ دار ہے کہ "زوال اقتدار کی پہچانیں بھی دکھائی دے جائے تو ملک میں انتشار بد امنی کا بہانہ بنا کر انتہائی اور آخری اختیارات استعمال کر دیے جائیں! اللہ کرے خیر و خوبی کے ساتھ انتخابات تک کا وقت گزر جائے، یہی بڑے سے بڑے خطرے اور سازش کے ظہور کا زمانہ ہے کیونکہ عوام کے ناپسندیدہ اور نامقبول عناصر "یوم انتخابات" کو اپنے حق میں "روز سیاہ" اور "یوم قیامت" سمجھتے ہیں۔

پاکستان میں انتشار و ابتری کا یہ عالم ہے کہ یہ مملاتی سازشیں الگ اپنا کام کئے جا رہی ہیں، ہم پر وزیر اعظم وہ مسلط ہیں جنہوں نے اپنی لیگ کے نام سے "مسلم" کا لفظ خارت کر دیا اور "اسلامی دستور" کے مخالفین میں جو سب سے پیش پیش تھے؟ یہ انہیں کی عزت عظمیٰ کا زمانہ ہے کہ پاکستان جس "دوقومی نظریہ" کی بنیاد پر وجود میں آیا ہے، اس کو انہوں نے باطل قرار دے دیا۔ ہماری مالیات ان کے دست تصرف میں ہے، جو انگریزوں کے زمانہ میں فوجی کینٹینوں کے ٹھیکیدار تھے، وزارت خارجہ پر ان بزرگ کا قبضہ ہے، جن کو انگریز اپنا "فرزند دلہند" سمجھتے تھے، تجارتی لائسنسوں اور پرمٹوں سے لوگوں کے ضمیر الگ خریدے جا رہے ہیں۔ رشوتوں کا سلسلہ دور دور تک پہنچا ہوا ہے اور جو روایتیں ہمارے کانوں تک پہنچی ہیں، ان سے اگر "مبالغہ" کو منہا بھی کر دیا جائے، تو بھی واقعات کی سنگینی انتہائی افسوس دہاکت کی مستحق ہے، سرکاری عہدیداروں کی باقاعدہ سرپرستی میں رقص و سرود کے جلسے اسی دور میں ہوئے ہیں۔ عمر کوٹ میں ہندو زمینداروں اور

ساموکاروں نے مسلمانوں کو ذلیل اسی عہد میں کیا ہے۔ شیعہ، سنی فسادات کا سہرا ۱۹۵۱ء حکومت کے سر ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ پاکستان میں آمریت اور مطلق العنانی کے خواب دیکھنے والے، کس بچاڑ سے کیا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ اور ان کی تمناؤں کے پورا ہونے کے لئے کس قسم کی خرابی حالات کی ضرورت ہے؟!

ملک میں ہوشربا گرانی نے لوگوں کے حواس ٹھکانے لگا دیے ہیں، بے روزگاری اور ناداری بڑھتی جا رہی ہے مگر اباب حکومت کے شایانہ اخراجات میں مجال ہے جو کئی آجائے ایسی باتوں پر تو وہ لوگ غور کرتے ہیں جن کے دلوں میں عوام کا درد ہوتا ہے جنہیں خدا کا نہیں تو کم سے کم پہلک ری کے انتساب کا ڈر لگا رہتا ہے۔ یہاں خدا کا خوف تو سرے سے محاذ ہی نہیں رہے عوام، سوان کو خداوندان نعمت نے بیٹھ بکری سمجھ رکھا ہے، جب یہ ذہنیت ہو تو کسی بڑے آدمی کو اپنے کردار اور زندگی کی اصلاح کی فکر ہو تو کیونکر ہو! حکومت کے نشہ میں تھوڑی بہت مستی ضرور ہوتی ہے، مگر اتنی نہیں کہ آدمی "شاہ بے خبر" ہی بن کر رہ جائے۔

ملک میں تعمیر و ترقی کا دور دورہ پتہ نہیں، ہر شعبہ میں تنزل و ابتری کے آثار نمایاں ہیں جو تعمیر و ترقی کے ذمہ دار ہیں۔ اور جن سے ملک کی بھلائی کی توقع ہو سکتی تھی، انھیں آپوں کی اکھاڑ پچھاڑ سے فرست کر کہاں ہے؟ یہ تو ان لوگوں میں سے ہیں جو آشیاں چلا کر سیر چر اغاں دیکھنا چاہتے ہیں۔

مشراب جن کی گھٹی میں پڑی ہو، رقص و سرود جن کا بھولتا ترین مشغلہ ہو، قمار بازی سے جنہیں انتہائی دلچسپی ہو انگریزی تہذیب جن کے مراتب و طبیحت میں رچ گئی ہو جن محفلوں میں خدا و رسول اور حدیث و قرآن کا بھولے سے بھی ذکر نہ آتا ہو۔ نا محرم چھو کر یوں کی ہم نشینی کے بغیر جن کی راتیں خالی نہ رہ سکیں، ان سے اگر کوئی "جمہوریہ اسلامیہ پاکستان" کے سنبھالنے کی توقع رکھتا ہے، تو وہ "جنت الممقار" میں رہتا ہے!

یہ جو ڈاکٹر خان صاحب نے "انقلابی کونسل" کے قیام کا مشورہ دیا تھا۔ اس میں جمہوریت ہی نہیں، خود اسلام کے خلاف زبردست سازش کا داعیہ پنہاں ہے، اس طرح "اسلامی دستور" کا مقصد صاف کرنا مقصود ہے۔ جو ان افرنگ زبوں کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے!

اب تو حالات ابتری کی اس سطح تک پہنچ چکے ہیں کہ پاکستان بن عیسائی مشنریوں کو ہر طرح کی سہولتیں اور رعایتیں مہیا کی جاتی ہیں، مگر شہر کی آرائش کی خاطر بنی ہوئی مسجدیں، بے دریغ ڈھا دی جاتی ہیں۔ نماز جو اسلام کا ستون ہے، اس کو کمزور کرنے بلکہ ڈھانے کے لئے حکومت کے ایک بے دماغ سکریٹری نے اردو میں نماز پڑھنے کا فتنہ کھڑا کر دیا ہے۔ اس پورے چودہ سو سال کی مدت میں اسلام کے خلاف جتنے فتنے ظہور میں آئے ہیں اور جتنی سازشیں ہوئی ہیں، ان سب فتنوں میں یہ "اردو میں نماز پڑھنے کا فتنہ" نتائج کے اعتبار سے شاید سب سے زیادہ خطرناک ہے۔

دستور کی منظوری کے بعد قوانین کو اسلامی انداز پر ڈھالنے کے لئے لاکمیشن کا تقرر جلد سے جلد ہو جانا چاہئے تھا۔ مگر اس کو ٹالا گیا۔ یہاں تک کہ ڈیڑھ سال کے بعد اس کمیشن کے ارکان کے ناموں کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ اور اس کی ہدایت نہ کی گئی ہے، ایسی رکھی گئی ہے کہ آپس میں فکر و اجتہاد اور آراء کا تصادم ہو، اور اس ہی نزاع میں برسوں کا کو بھی شامل کیا گیا ہے جو نہ قانون اسلام کا علم رکھتا ہے نہ قانون ہدایت سے واقف ہے، جس کا کام قرآن میں تحریر بنا

اور سنت رسول کا مذاق اڑانا ہے، اور جو حدیث و فقہ کو اسلام کے خلاف ۱۰۰ عیبی سازش کہتا ہے اور برسوں سے اپنے ان عقائد کی تبلیغ کر رہا ہے، ان بڑے لوگوں نے تہیہ کر لیا ہے کہ پاکستان میں کوئی تعمیری کام خیر و خوبی سے نہ ہونے دیں گے اور اسلامی نظام کی راہ میں تو اتنی رکاوٹیں پیدا کر دیں گے کہ اس نظام کا انا ذمداً ناممکن ہو جائے۔

پاکستان کے ارباب اقتدار عوام کی طرف سے غافل نہیں ہیں، ان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ عوام ان کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ اور ان کو کزن ناموں سے یاد کرتے ہیں اور لوگ موبدہ مہیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کس قدر مضطرب ہیں؟ عوام کے اپنی خیالات و عزائم نے ان بڑے لوگوں کو پینک سے انتقام لینے پر آمادہ کر دیا ہے۔ لہذا اسکیم یہ ہے کہ جس جیلڈ ترکیب، پال اور سازش سے بھی جمہوری قدروں کو پامال کیا جاسکے، اس میں کوتاہی نہ کی جائے۔ یہی طریقہ عوام کو بے اثر اور بے دست و پابنانے کا ہے!

حرف آخر :- ہم کسی لاگ لپیٹ اور ابہام و اشاریت کے بغیر مسائل و گفتگوں میں اس کا اعلان کرتے ہیں کہ موجودہ ارباب قیادت کے طرز عمل نے ہمیں مایوس کر دیا ہے اور ان کی ذات سے ہم کسی خیر کی توقع نہیں رکھتے۔ آخر کب تک فریب کھانے جائیں، کب تک اس نوٹش فنی میں رہیں کہ یہ "بڑے لوگ" اب سمجھتے ہیں، اب سمجھتے ہیں!

ملکا کو تباہی سے بچانا ہے تو "انقلاب قیادت" کے سوا اور کوئی پارہ کارہی نہیں ہے، مگر ہم کمیونسٹوں کی طرت و "انقلاب" نہیں چاہتے جس کا آغاز شکست و ریخت سے ہوتا ہے۔ پاکستان کے کسی بھی خواہ کو اس کا تصور ہی نہیں کرنا چاہئے۔ یہاں انقلاب آئین کے ذریعہ آئے گا، اور حقیقت میں آئینی انقلاب ہی کے ذریعہ ہمارے تمام درد و غم اور دکھوں کا مداوا ہو سکتا ہے۔ آئینی انقلاب بے شک، دقت چاہتا ہے، یہ سفر قدرے طویل اور صبر آزما ہے۔ مگر دوری منزل سے گھبرانا نہ چاہئے، صبر و ضبط اور ایثار و ہفا کوشاں سے کام لینے کی سز ورت ہے بس پھر منزل آسان ہے۔

پاکستان کے عوام اگر ان حالات کو بدانا چاہتے ہیں تو اس کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ انتخابات کیلئے دو پورے طور پر منظم ہو جائیں، اور اپنے متفقہ احتجاج اور ناقابل شکست غم سے ان لوگوں کو انتخابات کے لئے مجبور کر دیں جو انتخابات کو ٹالنا چاہتے ہیں۔ بس پھر انشاء اللہ تعالیٰ ان کی فتح ہے، پہلے "انتخاب" میں جمہوریت دوستوں اور اسلام پسندوں کو خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوگی۔ مگر اس طرح انقلابی کونسل قائم کرنے اور آمریت کے خواب دیکھنے والوں کے عزائم تو ناکام ہو جائیں گے، اور ملک میں سیدھی سچی جمہوریت کی بنیاد پڑ جائے گی۔

ہمارا سنمیر کہتا ہے کہ پاکستان کا مستقبل اسلام پسندوں کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہمیں ہمیشہ خزاں کا دور دورہ نہیں رہے گا۔ یہاں "بہار" انشاء اللہ آکر رہے گی۔ ہم تو اس مبارک زمانے کی توقع میں ہی رہے ہیں۔ جب پاکستان میں نیکیوں کا چین ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کے سوا یہاں کسی اور کا حکم نہ چل سکے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سنت، مہیا و عمل ہوگا۔ زمین سے آسمان تک، ہر کونسی ہی جگہ اور ہر شہر و قصبہ اور گاؤں میں خوشحالی ہی خوشحالی!

آخری بات یہ ہے کہ حالات کو بدل دینا ہمارے بس میں نہیں ہے، حالات کو بدلنے کی سعی اور جدوجہد

کے لئے ہم بے شک مکلف بنائے گئے ہیں۔ اپنا فرض تمہیں ادا کر دینا چاہئے۔ مگر اس جدوجہد میں ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رہنمائی نظر رہنی چاہئے۔ اس نامرادی اور کوتاہ دستی کی کوئی حد و انتہا ہے کہ جس ملک میں دس بیس لاکھ نہیں سات کڑور مسلمان بستے ہوں، وہاں اللہ کا دین غالب نہ ہو سکے، کوتاہی ہماری طرف سے ہوئی ہے۔ ہماری بے عملی اور جمود نے یہ روزِ بد دکھایا ہے۔ اس غفلت کے ہم ذمہ دار ہیں۔ ادا! اپنی کوتاہیوں، غفلتوں اور فرض شناسیوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے ہوئے اقامتِ دین کی راہ میں سرگرم عمل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں مغفرت و رحمت کی کچھ کمی نہیں ہے۔ اور خدا کی قسم "أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" کی بشارت تو بہت دنوں سے ہمارے انتظار میں ہے۔



امیر انصاری
۲۱ اگست ۱۹۵۷ء

اسعد گیلانی

اقامت دین کے لئے

راہ سلوک

اقامت دین کیلئے

تصوف کی اصطلاح مسلم معاشرے کے اندر صدیوں کے ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی فن دینداروں کے نقطہ نظر سے ممکن ہے کہ اپنے اندر مختلف اصطلاحی مفہومات سمیٹ چکی ہو اور اس لفظ کی نسبت کے ساتھ ہی انسان کے اطوار و عادات، لباس وضع قطع، بول چال، نشست و برخاست، تصور دین اور طریق عبادت کا کوئی مخصوص نقشہ ذہن میں آجاتا ہو۔ لیکن ایک عامی مسلمان دین و ایمان اور آخرت کی جڑ میں چیز کو سمجھتا ہے۔ جہاں اگر اس کا سارا تصور دین پر کوز اور مقصود عبادت منہی ہوتا ہے۔ وہ اپنے مالک حقیقی سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ اس تعلق کے تصور سے وہ ایک عبادت اور ایک تسکین محسوس کرتا ہے۔ اس تعلق میں اضافہ اس کی دلی تمنا ہوتا ہے۔ اس تعلق کی نوعیت، اس کا اخلاص، اس کی گہرائی، اس کا زندگی پر اثر، انسانی کردار پر اس کے نقوش، معاملات میں اس کی جھلک، تعلقات میں اس کا پر تو حق پناہی میں اس کی قوت کا عکس، باطل کی تردید میں اس کی رضا کے حصول کا تصور، غرض اس کی زندگی کا محور جس کے گرد اس کا نفس نفس گھومتا اور قوت حاصل کرتا ہے۔ وہ اللہ کی ذات کے ساتھ اس کا یہی شعوری تعلق ہے۔ اس تعلق کی نوعیت سے ہی انسانی کردار بنتے اور ان کی اقسام وجود میں آتی ہیں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اقامت دین کے لئے جو "راہ سلوک" پیش کی ہے۔ چونکہ اس کی اصطلاحات اور طور و انداز فن تصوف سے ملتے جلتے نظر نہیں آتے۔ لہذا اس سے کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں! اور جنس لوگ جرح و تنقیہ سے اصل حقیقت کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر تصوف "تعلق باللہ" کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو مولانا مودودی اس دور میں "تعلق باللہ" کے سبب سے بڑے داعی ہیں۔

مولانا مودودی کی شخصیت کا جہاں تک تعلق ہے۔ ہم آج کے انسانوں کی خوش بختی ہے کہ ان کے لئے وہ تاریخ میں پڑے معلومات فراہم کرنے اور بیان کرنے کی چیز نہیں بلکہ غور سے سمجھنے، قریب دیکھنے اور رائے قائم کر کے مخالفت یا موافقت کرنے کی چیز ہے۔ وہ ایسی شخصیت نہیں ہے جو دنیا میں خاموشی کے ساتھ اگر اپنی ذات کے قریبی ماحول میں تگ و تاز کر کے کچھ نیوی کامیابیاں یا سر نہیں سمیٹ کر کسی مخصوص طبقہ میں معروف یا بدنام ہو کر رخصت ہو جانے والی ہے۔ جس دور تہذیب میں ہم رہ رہے ہیں اور عصر حاضر نے ہمارے چاروں طرف اپنا فکری اور تہذیبی جال پھیلارکھا ہے اس دور تہذیب اور اس عصر حاضر کے خلاف مولانا نے بغاوت کا علم بلند کر رکھا ہے۔ وہ اس کو ڈھانے، توڑ پھوڑ دینے اور مسمار کر کے اس کی تخریب سے ایک نئی تعمیر اٹھانے کا عملی ااعدان، اظہار کر رہے ہیں۔ اظہار ہی نہیں انہوں نے یہ کام عملاً شروع کر رکھا ہے۔ ایک ممبر آزما اعصابی، علمی، عقلی، اخلاقی، مادی اور تہذیبی جنگ ہے۔ جو انہوں نے چھیڑ رکھی ہے۔ بنی نوع انسان کی موجودہ نسل میں سے وہ پکار پکار کر اپنے ساتھی جمع کر رہے ہیں۔ انہیں سمیٹ سمیٹ کر اور منظم کر کے موجودہ چلتے ہوئے نظام پر پیہم پورش کر رہے ہیں۔ یہ ساری کارروائی برابر وہ ہمارے سامنے کئے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی بڑا ہی غافل آدمی ہو گا جو

غیر جانبداری کا پردہ لٹکا کر اس میدان جنگ کی طرف سے آنکھیں پھیرے۔ انہوں نے ساری موجودہ نسل کو عموماً اور مسلم معاشرے کے فرد فرد کو خصوصاً یہ کہہ کر آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے کہ میں اقامتِ دین کا کام کر رہا ہوں۔ وہ کام جسے انبیاء اور صلحاء کرتے آئے ہیں۔ اور جسے ہمارے آقا اور سرکار نے انجام دیا۔ اب کون مسلمان ہے جو ان کی ان باتوں سے غافل رہ سکتا ہے۔ ان کے بارے میں دو میں سے ایک طرز عمل اختیار کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔

☆ اگر وہ شخص غلط کہہ رہا ہے۔ تو پھر اس کا مقابلہ اس کی مزاحمت، اس کی پیش قدمی کو روکنا ایک ایک مسلمان کا فرض ہے۔ اس لئے کہ ایک مسلمان کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے دین دایمان کے ساتھ کھیلے۔

☆ اور اگر وہ صحیح کہہ رہا ہے تو پھر اس کی امداد، اس کی اعانت اور اس کی رفاقت اس کے محاذِ جنگ کا سپاہی بننا، اس کے شروع کئے ہوئے کام میں اپنا سب کچھ لگا دینا ایک ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے کہ ایک مسلمان کے لئے یہ کسی صورت جائز نہیں ہے کہ دین کے خادم زخم کھا کر گریں اور اس کی حمیت میں سر مو حرکت نہ ہو۔

اس لئے آج ایک مسلمان ہر معاملے میں غیر جانبدار رہ سکتا ہے۔ یعنی مولانا مودودی کے معاملے میں اگر اسے ذرا بھی حالات زمانہ سے آگاہی اور اپنے گرد و پیش کی خبر ہے وہ غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔ یا اسے ان کا دوست ہونا چاہئے جاں نثار دوست یا اسے ان کا دشمن ہونا چاہئے۔ متشدد دشمن۔ لیکن یہ طرزِ عمل اس وقت تک دل و دماغ کے اطمینان اور قلب کی گہرائی سے نہیں ہو سکتا جب تک ان کی شخصیت اور ذات کا قریبی اور گہرا مطالعہ نہ کر لیا جائے۔ وہ کیا کہتے ہیں۔ اور جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود کس حد تک عمل کرتے ہیں۔ جو عمل کرتے ہیں، اس میں کس حد تک خلوص، خدا ترسی اور مقصد کے عشق کی جھلک ہوتی ہے۔ اس کام میں ان کی استقامت کا کیا حال ہے۔ انہوں نے اس کام میں کیا کچھ لگایا ہے۔ کیا کچھ بچا کر رکھا ہے۔ مادی طور پر کیا کچھ صرف کر دیا ہے۔ اور کیا کچھ پالیا ہے۔ ان کے عزائم کا کیا حال ہے؟ مصائب میں ان کی غریمت کس درجہ کی ہوتی ہے۔ ان کی زندگی کا اندر اور باہر کیا ہے۔ وہ قریب اور دور سے کیسے نظر آتے ہیں؟ یہ سب چیزیں ہیں جو ایک صاحب ہوش آدمی کو دیکھنی چاہئیں۔ اگر وہ ان کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا چاہتا ہے۔

مولانا مودودی کی شخصیت ایک پہاڑ کی مانند ہے۔ پہاڑ کو آنکھیں کھول کر دور سے دیکھئے تو بھی وہ خوشنما اور خوش منظر ہوتا ہے۔ اس حوالہ زمانہ میں بے ریا اور بے لاگ لپیٹ اپنے عزم کی مستحکم بنیاد پر کھڑا رہتا ہے۔ اور اگر اس کے قریب جا کر دیکھئے تو پھر جوں جوں اس کی قربت بڑھے گی۔ اس کی بلندی، عظمت اور اونچائی اور خوش منطری اور خوش نمائی بڑھتی چلی جائیگی۔ مولانا مودودی کی یہ بہت بڑی عظمت ہے کہ ان کی قربت دوری سے کہیں زیادہ خوش منظر ہے۔ مولانا مودودی کی زندگی میں کہیں پردے لٹکے ہوئے نہیں ہیں۔ کہیں پر بھی ان کی شخصیت نظروں سے اوجھل نہیں ہوتی۔ انہیں ہر حال میں دیکھئے اور ہر رنگ میں یکساں پائیے۔ بناوٹ۔ تصنع۔ تکلف۔ خود نمائی یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ان کی شخصیت کے گرد کوسوں دور تک پتہ نہیں ملتا۔ نہ وہ اپنی ذات کو کسی پر بٹھونستے ہیں نہ مرعوب کرتے ہیں، نہ علمی تفوق کا کوئی خفیف سا بھی مظاہرہ کرتے ہیں۔ نہ مجالس میں اپنے آپ کو نمایاں کرتے ہیں۔ وہ ہر شخص کے۔ جو ان سے ملے، ہمدرد، غمگسار، مخلص اور راست گو سمجھتی ہیں۔ ان کی چال ڈھال، بول چال، نشست و برخاست اور لب و لہجہ سے ایک مستحکم، باعمل اور راست فکر کردار کا اظہار ہوتا ہے اور آدمی تھوڑی سی بات چیت میں ہی سمجھ لیتا ہے کہ یہ شخص باتوں بہلانے والا اور اپنے گرد کوئی بناوٹی رکھ رکھاؤ رکھنے والا آدمی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے افکار عمل میں ڈھلنے کے لئے وجود میں آئے ہیں۔ اور وہ پوری سادگی اور اخلاص کے ساتھ نہایت

زیرک اور تدبیر سے اپنے کاموں کا نقشہ بنانے والا ہے۔ اس کے کردار میں کوئی سفسنی خیزی نہیں ہے۔ البتہ معاشرے کے بگاڑ کی اس انتہا میں اپنی زندگی کو اسلامی اخلاق و حدود میں بے تکلفی سے کس کر رکھنے کا ایک سادہ عمل انسان کو تخیر میں ضرور مبتلا کر دیتا ہے۔ جس نظام، فکر و اخلاق کو وہ دعوت اور تحریک کے طور پر لے کر اٹھے ہیں اس کے عملی نظام ہونے پر ان کی روزمرہ کی زندگی خود ایک جیتی جاگتی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی مثالیں اکثر دیکھنے میں آتی ہیں کہ اسلامی نظام حیات پر بعض اعتراضات و شبہات کا جواب اگر مجھ جیسے کسی عام کارکن نے دیا ہے تو بسا اوقات سائل دل سے پورے طور پر مطمئن ہو گیا ہے۔ یہ اطمینان جو ایک شخص کی زبان کے الفاظ سے ایک محترض کے دل میں ٹھنڈک بن کر اتر جاتا ہے۔ دراصل اپنے اندر علمی اور لسانی فرق سے کہیں زیادہ قلب و نظر کی پاکیزگی اور فکر و عمل کی یکسانی سے پیدا ہوتا ہے۔

جس راہ سلوک کو طے کر کے انہوں نے "تعلق یافتہ" کی جس اہمیت کو عملاً پہچانا ہے اس تعلق نے ان کے اندر احقاق حق اور الباطل باطل کی غزیت کا جو ہر پیدا کر دیا ہے۔ دو چیزیں ہیں جن کا مطالعہ ان کے کام کو سمجھنے کے لئے مفید ہے۔ ان کا عملی کردار جو حق کے لئے سب کچھ سہ جانے کا داعیہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور ان کی وہ راہ سلوک اور اس کے خدو خال جس پر وہ چل رہے ہیں۔ تاکہ مالک حقیقی سے اپنا تعلق استوار کر سکیں۔ ان کے داعیانہ کردار کی چند جھلکیاں ان کی بعض مختصر تحریروں سے نمایاں ہو کر سامنے آتی ہیں۔

"میرے برادرانِ دینی خواہ میری بات سنیں یا نہ سنیں۔ مگر میں تو یہی کہتا رہوں گا کہ تمہارے لئے اب اس کے سوا کسی چیز میں خیریت نہیں ہے کہ سچے مسلمان بنو اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمہارا جو فرض ہے اسے ادا کرو۔"

پھر دوسری جگہ لکھا ہے:-

"میرے جبرأت آمیز الفاظ سے آپ کو شاید یہ گمان گذرا ہو گا کہ میں اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتا ہوں اور کسی بڑے مرتبے کی توقع رکھتا ہوں۔ حالانکہ میں جو کچھ کر رہا ہوں صرف اپنے گناہوں کی تلافی کے لئے کر رہا ہوں اور اپنی حقیقت خوب جانتا ہوں۔ بڑے مرتبے تو درکنار اگر صرف سزا سے بچ جاؤں تو یہ بھی میری امیدوں سے بہت زیادہ ہے۔"

اپنی اولاد کے بارے میں ان کا نقطہ نظر یہ ہے:-

"میں اپنی اولاد کو عیش کے لئے نہیں پالنا چاہتا۔ بلکہ خیر کی خدمت اور شر سے جنگ کے لئے پالنا چاہتا ہوں۔"

اپنے انقلابی مشن کا علم اٹھاتے ہوئے لکھا ہے:-

"میں اپنی کمزوریوں سے خوب واقف ہوں۔ اور انہیں کمزوریوں کا احساس ہے جو مجھے ہر وقت مجبور کرتا ہے کہ خداوند عالم سے علم صحیح اور عقل سلیم کے لئے دعا کروں۔ محض فرض کی پکار نے مجھے مجبور کر کے اس کام پر آمادہ کیا ہے۔ جس کے دشوار گزار مرحلوں کو دیکھ کر ایک طرف اور اپنی کمزوریوں کو دیکھ کر دوسری طرف میری روح لرز اٹھتی ہے۔ بہر حال خدا کے بھروسے میں اس میدان میں قدم رکھ دیا ہے۔ اور تمام حکمتوں کو پیش نظر رکھ کر جن کی طرف اشارہ کر چکا ہوں۔ اپنے انقلابی مشن کی تبلیغ شروع کر دی ہے۔ یہ کام وہ کس بے لاگ انداز میں کر رہے ہیں۔ اس کا ہلکا سا نقشہ اس اقتباس میں نظر آئے گا۔"

”میرے نزدیک خدا کا دین اور اس کی آیتِ مسلمہ کا مفاد دنیا کی ہر شے اور ہر تعلق سے زیادہ قیمتی ہے۔ اور جب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص دانستہ یا نادانستہ اس کا نقصان پہنچا رہا ہے۔ تو میں اس کی مزاحمت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ خواہ وہ میرا قریب ترین عزیز ہو، دوست ہو، استاد ہو، یا میری قوم کا کوئی بڑے سے بڑا آدمی ہو۔ اس معاملے میں کسی تعلق یا کسی نیاز مندی کی پروا کرنے سے میں بالکل معذور ہوں۔ جس کسی کو میرے اس طرزِ عمل سے تکلیف ہو، وہ اگر اپنا حق پر ہونا دلیل سے ثابت کر دے گا، تو میں نہ صرف اپنی غلطی کا اعتراف کروں گا۔ بلکہ نہایت ادب سے معافی بھی چاہوں گا۔ خواہ وہ ذہبی اعتبار سے حقیر ترین آدمی ہو۔ اور اگر وہ مجرد شکایت کرے گا تو میں صاف عرض کروں گا کہ حق کے معاملے میں بڑے چھوٹے اپنے پرانے کی تمیز سے مجھے معاف رکھا جائے۔“

پھر جس راہ میں انہوں نے قدم رکھا ہے اس میں جیل کے شب و روز اور پھانسی کے تختے بھی آجاتے ہیں۔ لیکن ان کی عزیمت بیماری میں معالج سے مشورے کی رعایت بھی ظالم سے طلب کرنا پسند نہیں کرتی۔

”آپ کا بالمشافہ معائنہ کر کے علاج کے بارے میں ماسے قائم کرنا مفید ہو سکتا ہے۔ لیکن معلوم ہوا کہ قواعد میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اب صرف یہ صورت رہ جاتی ہے کہ میں بطور خاص حکومت سے یہ رعایت مانگوں کہ وہ مجھے اپنے معالج سے مشورہ لینے کی اجازت دے۔ لیکن ظالم سے رعایت کا مطالبہ کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں جان دے سکتا ہوں مگر رعایت کی درخواست نہیں کر سکتا۔ لہذا جو کچھ علاج آپ غائبانہ کر سکتے ہیں بس اس پر اکتفا فرمائیے۔“

جیل کے اندر سے اپنی بوڑھی والدہ کو خط کے ذریعے تسلی دیتے ہوئے صورت حال سے آگاہ کرتے ہیں:-

”جس راستہ پر میں برسوں سے چل رہا تھا اس میں یہ منزل تو بہر حال آئی ہی تھی۔ میرت اس کے آنے پر نہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ اتنی تاخیر سے کیوں آئی۔ درحقیقت میں تو اس پر حیران ہوں کہ شیطان اور اس کی برادری نے مجھے اتنے دنوں برداشت کیسے کیا۔ بہر حال اب کے وہ ادھر متوجہ ہو گئے ہیں۔ یہ امید نہ رکھنے کہ یہ کشمکش جلد ہی ختم کر دی جائے گی۔ اب اس کا خاتمہ دو ہی طرح ہو سکتا ہے یا میں ختم ہو جاؤں یا وہ اصلاح ہو کر رہے۔ جس کے لئے میں کچھلے پندرہ برسوں سے کام کر رہا ہوں۔ ان دونوں صورتوں کے درمیان کوئی تیسری صورت ممکن نہیں ہے۔ لہذا میری ماں اور سہیلی اور بیوی اور بچوں اور مجھ سے تعلق رکھنے والے سب لوگوں کو اپنا دل کھرا کر لینا چاہئے۔ اور ہر بدتر سے بدتر نتیجے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔“

کیا ان الفاظ کے پیچھے وہ کیرا نہیں بول رہا ہے جو دنیا میں حق کی گواہی کو زندگی کا واحد نصب العین بنا کر اسٹاکر تلہ ہے۔ اور جس کے لئے اس نے جان و متن کی بازی لگا دی ہے اور جس کے الفاظ میں حقیقت اور سچائی کا گہرا جذبہ ہے اور ایک عظیم کردار کی ترجمانی کرتا ہے۔

یہ کردار ایک خاص راہ پر چل کر اپنے مالک سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ یہ راہ اقامت دین کی راہ ہے۔ اس راہ کو مولانا مودودی ”سلوک قرآنی“ کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک تعلق باللہ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اس پر جان و دل سے لگ جائے جس پر اس کے مالک نے اسے بندہ مومن کی حیثیت سے مامور کیا ہے۔ اتباع رسول کا راز اس کے سوا کچھ نہیں کہ امتی وہی فریضہ انجام دے جو رسول کریم نے انجام دیا اور اس طرح انجام دے کہ انہیں کے نقش قدم پر چلے۔ اسی طرح راہ حق میں اقامت

دین کی خاطر مصائب برداشت کرے جس طرح رسول کریم نے برداشت کئے۔ پھر فہم قرآن کا اس سے بڑا نکتہ اور کوئی نہیں ہے کہ جو انقلابی کام قرآن نے انجام دیا۔ اور اپنے لانے والے کو جس انقلاب کی سربراہی کے لئے تیار کر دیا یا اسی انقلابی کوئے کر اٹھ کھڑا ہو۔ وہی جھنڈا بلند کرے اسی علم کو تھامے۔ بدر واحد کے معرکوں میں جان کھپائے۔ دشمنان دین کے نیروں کی نوکوں اور تلواروں کی دھاروں پر چل کر اپنے کام کو آگے بڑھائے۔ جب ایک بندہ مومن یہ کچھ کرنے اور سہنے کے لئے اٹھ کھڑا ہو تو سلوک کی بہت سی منازل خود بخود طے ہونے لگتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سلوک کی فنی اصطلاحات اور مخصوص اذکار و اشغال کا کوئی مرتب اور منضبط سلسلہ نہ ہو لیکن اللہ کی طرف بڑھنے اور اس کے در پر حق بندگی ادا کرنے کا کام اس طرح انجام پاتا ہے۔ چنانچہ اللہ کے کلام کا ہم حاصل کرنے کے بارے میں مشورے دیتے ہوئے تفہیم القرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:-

” آدمی قرآن کی روح سے پوری طرح آشنا نہیں ہونے پاتا۔ جب تک عملاً وہ کام نہ کرے۔ جس کے لئے قرآن آیا ہے۔ یہ محض نظریات اور خیالات کی کتاب نہیں ہے۔ یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ اس نے آئے ہی ایک خاموش طبع اور نیک نہاد انسان کو گوشہ عزت سے نکال کر خدا سے پھری ہوئی دنیا کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا۔ باطل کے خلاف اس سے آواز اٹھوائی۔ اور وقت کے علمبرداران کفر و فسق و ضلالت سے اس کو لہر دیا۔ گھر سے ایک سعید روح اور پاکیزہ نفس کو پہنچ کر لائی اور داعی حق کے جھنڈے تلے ان سب کو اکٹھا کیا۔ گوشہ گوشہ سے ایک ایک فتنہ جو اور فساد پرور کو بھرکا کر اٹھایا اور حامیان حق سے ان کی جنگ کرائی۔ ایک فرد واحد کی پکار سے اپنا کام شروع کر کے خلافت الہیہ کے قیام تک پورے تیس سال یہی کتاب اس عظیم الشان تحریک کی رہنمائی کرتی رہی۔ اور حق و باطل کی اس طویل اور جانگسل کشمکش کے دوران میں ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلے پر اس نے تخریب کے ڈھنگ اور تعمیر کے نقشے بنائے۔ اسے تو آپ پوری طرح اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اسے لے کر اٹھیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کریں۔ اور جس جس طرح یہ کتاب ہدایت دیتی جائے اسی طرح قدم اٹھاتے چلے جائیں۔ تب وہ سارے تجربات آپ کو پیش آئیں گے جو نزول قرآن کے وقت پیش آئے تھے۔ اور حبش اور طائف کی منزلیں بھی آپ دیکھیں گے۔ اور بدر واحد سے لے کر حنین اور تبوک تک کے مراحل بھی آپ کے سامنے آئیں گے۔ ابو جہل اور ابولہب سے بھی آپ کو واسطہ پڑے گا۔ منافقین اور یہود بھی آپ کو ملیں گے۔ اور سابقین اولین سے لے کر مولفۃ القلوب تک سب ہی طرح کے انسانی نمونے آپ دیکھ بھی لیں گے اور برت بھی لیں گے۔ یہ ایک اور ہی قسم کا سلوک ہے۔ جس کو میں ”سلوک قرآنی“ کہتا ہوں۔ اس سلوک کی شان یہ ہے کہ اس کی جس جس منزل سے آپ گذرتے جائیں گے قرآن کی کچھ آیتیں اور سورتیں خود سامنے آکر آپ کو بتاتی چلی جائیں گی۔ کہ وہ اسی منزل میں اتری سکتیں۔ اور یہ ہدایت لے کر آئی سکتیں۔ اس وقت یہ تو ممکن ہے کہ لغت اور نحو اور معانی اور بیان کے کچھ نکات سالک کی نگاہ سے چھپے رہ جائیں۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ قرآن اپنی روح کو اس کے سامنے بے نقاب کرنے سے بخل برت جائے۔“

مولانا مودودی کی اختیار کردہ اس راہ سلوک پر چلتے ہوئے مالک حقیقی کے ساتھ جو تعلق پیدا ہوتا ہے۔ اسے ناپے تولیے اور بڑھانے کے لئے جو طریقہ مولانا کے نزدیک کارگر ہے اسے انھوں نے اپنی ایک تقریباً ہدایات میں بیان کیا ہے:-

"اللہ کے ساتھ ہمارا تعلق بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے آپ کو خواب کی بشارتوں اور کشف و کرامات کے ظہور اور اندھیری کو ٹھہری میں انوار کے مشاہدے کا انتظار کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اس تعلق کو ناپنے کا پیمانہ تو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے قلب میں ہی رکھ دیا ہے۔ آپ بیداری کی حالت میں اور دن کی روشنی میں ہر وقت اس کو ناپ کر دیکھ سکتے ہیں۔ اپنی زندگی کا اور اپنی مساعی کا اور اپنے جذبات کا جائزہ لیجئے اپنا حساب آپ لے کر دیکھئے کہ ایمان لا کر اللہ سے بیچ کا جو معاہدہ آپ کر چکے ہیں اسے آپ کہاں تک نباہ رہے ہیں۔ اللہ کی امانتوں میں آپ کا تصرف ایک امین ہی کا سا تصرف ہے یا کچھ خیانت بھی پائی جاتی ہے۔ آپ کے اوقات اور محنتوں اور قابلیتوں اور اموال کا کتنا حصہ خدا کے کام میں جا رہا ہے اور کتنا دوسرے کاموں میں؟ آپ کے اپنے مفاد اور جذبات پر چوٹ پڑے تو آپ کے غصے اور بے کلمی کا کیا حال ہوتا ہے۔ اور جب خدا کے مقابلے میں بغاوت ہو رہی ہو تو اسے دیکھ کر آپ کے دل کی کڑھن اور آپ کے غضب اور بے چینی کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ یہ اور دوسرے بہت سے سوالات ہیں جو آپ خود اپنے نفس سے کر سکتے ہیں اور اس کا جواب لے کر ہر روز یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ اللہ سے آپ کا کوئی تعلق ہے یا نہیں اور ہے تو کتنا ہے اور اس میں کمی ہو رہی ہے یا اضافہ ہو رہا ہے۔ رہیں بشارتیں اور کشف و کرامات اور انوار و تجلیات تو آپ ان کے اکتساب کی فکر نہ کریں۔ سچی بات یہ ہے کہ اس مادی دنیا کے دھوکا دینے والے مظاہر میں توجیہ کی حقیقت پالینے سے بڑا کوئی کشف نہیں ہے۔ شیطان اور اس کی ذریعات سے دلالتے ہوئے ڈراما اور لالچوں کے مقابلے میں راہ راست پر قائم رہنے سے بڑی کوئی کرامت نہیں ہے۔ کفر و فسق اور ضلالت کے اندھیروں میں حق کی روشنی دیکھنے اور اس کا اتباع کرنے سے بڑا کوئی مشاہدہ انوار نہیں ہے۔ اور مومن کو اگر کوئی سب سے بڑی کوئی بشارت مل سکتی ہے تو وہ اللہ کو رب مان کر اس پر چم جانے اور ثابت قدمی کے ساتھ اس کی راہ پر چلتے رہنے سے ملتی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَنْزَلَ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ الْاَتْمٰنَ فَوَاوَا لَا تَخْزُوْا بِالْحِجَابِ جَنَّةٍ اَلْوٰقِفِیْنَ اَلَّذِیْنَ کَانَوْا عَلٰی سِدْرٍ مَّجْدِیْنَ اَلَّذِیْنَ کَانَوْا عَلٰی سِدْرٍ مَّجْدِیْنَ اَلَّذِیْنَ کَانَوْا عَلٰی سِدْرٍ مَّجْدِیْنَ

پھر راہ سلوک میں ذاتی اصلاح تزکیہ نفس اور سعی خیر کے لئے جو طریقہ انہوں نے تجویز کیا ہے۔ اسے مولانا مخرم نے ایک رفیق کے نام اپنے ایک مکتوب زندان میں بیان کیا ہے۔

ان اخلاقی کمزوریوں کے تین علاج ہیں۔ ایک مخلص دوستوں کی دعائے خیر۔ دوسرے صحبت خیر۔ اور تیسرے خود اپنی سعی خیر۔ دعائیں بھی آپ کے حق میں کرتا ہوں اور انشاء اللہ آپ کے دوسرے رفقا بھی کریں گے۔ صحبت ایسے آدمیوں کی اختیار کیجئے جو خدا سے ڈرنے والے ہیں اور ان لوگوں سے دور رہیں جن کے اندر خدا سے بے خوفی کی علامتیں پائی جاتی ہوں۔ رہی تیسری چیز تو احتساب نفس سے زیادہ کارگر کوئی دوسری تدبیر اس مقصد کے لئے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ

نے انسان کو ایک ایسی چیز عطا کی ہے جو اس کو بھلے اور برے کا فرق بھی بتاتی ہے۔ برائی پر اسے ٹوکتی اور ملامت بھی کرتی ہے اور بھلائی کی طرف اس کو اگساتی بھی ہے۔ ہمارے قدیم لٹریچر میں اس کو نفسِ نواہ کہتے تھے۔ موجودہ زمانے کی اصطلاح میں اس کو ضمیر کہتے ہیں۔ اگر انسان اس کو زندہ رکھے۔ اس کی ملامتوں پر توجہ کرے اور جس جس چیز پر وہ ملامت کرتا جائے اسے اختیار کرنے کی کوشش کرتا رہے تو یوماً فیوماً اس کو ترقی ہوگی۔ لیکن اگر آدمی اس کو دبائے کی کوشش کرے جب کہ کبھی برائی پر ٹوکے تو تاویل میں کر کر کے اسے خاموش کرتا رہے۔ اور اس کے تقاضوں کی خلاف ورزی کرتے کرتے اسے بالکل بے جان کر ڈالے۔ تو پھر آدمی کا اخلاقی و روحانی تنزل بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اسفل السافلین میں پہنچ جاتا ہے۔ یہی بات ہے جو قرآن مجید میں فرمائی گئی ہے کہ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا پھر ضمیر بھی دو چیزوں کا محتاج ہے، ایک یہ کہ اس کو زیادہ سے زیادہ علم کی روشنی بہم پہنچائی جائے تاکہ وہ بھلائی اور برائی دونوں سے خوب واقف ہو۔ اس غرض کے لئے قرآن اور حدیث اور سیرت نبوی اور صالحین کی سیرتیں نہایت مفید ہیں۔ دوسرے یہ کہ آدمی اپنے ضمیر کو مقویات کے ملتا ہے اور اس کی مقویات ہیں فرض اور نفل نمازیں، فرض اور نفل روزے۔ زکوٰۃ اور صدقات و خیرات اور بندگانِ خدا کی خدمت اور راہِ خدا میں عملاً دوڑ دھوپ یہ مقویات اس کو کھلتے جائے اور ترقی کے آسمان پر چڑھتے جائے۔

یہ وہ سبب صحابہ کا طریق تزکیہ ہے جو مولانا مودودی اپنے لئے اور اپنے رفقاء کے لئے مفید سمجھتے ہیں۔ لیکن اس راہِ سلوک کی کچھ خاص مشکلات بھی ہیں اور اس کے خاص مقامات پر آدمی ٹھٹھک کر کھڑا رہ جاتا اور آدمی حیرانی و گھبراہٹ میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے اس چیز کو کسی صاحب نے مولانا مودودی صاحب کے سامنے پیش کیا تھا۔ انھوں نے پوچھا کہ اقامتِ دین کا کام جتنا کچھ کٹھن اور اپنے تقاضوں کے لحاظ سے عظیم الشان ہے۔ اس درجے کی قیادت ہم کہاں سے لاسکتے ہیں۔ جو صاحب وحی و الہام ہو۔ پھر اس کام کو انجام دینے والے وہ مخلص مجاہدین کی جماعت کہاں سے میسر آسکتی ہے۔ جیسی کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت تھی۔ ان کا سا ایمان و اخلاص کہاں سے آسکتا ہے۔ اگر ہم قرآن کے سیاسی نظریے پر کوئی گروہ قائم کر بھی لیں تو بھی اس میں وہ اخلاقی دور، روحانی اسپرٹ کہاں سے پیدا ہوگی جو اسلامی نظامِ حیات کی صحیح نمائندگی کر سکے۔ مولانا مودودی نے اس رفیق کے خلیجان اور حیرانی کا علاج تجویز کیا ہے۔ ان شبہات و خیالات کو اقامتِ دین کی راہِ سلوک کے دھوکے قرار دیا ہے۔ اور ایک تفصیلی گفتگو کے ذریعہ ان کی نشاندہی اور ان سے بچنے کی تدابیر بیان کر دی ہیں اس مضمون کا ایک طویل اقتباس درج ذیل ہے۔

”آپ کے اس خلیجان کی ابتداء غالباً اس مقام سے ہوتی ہے کہ آپ اقامتِ دین کا جب تصور کرتے ہیں تو معاً آپ کے سامنے دورِ نبوت اپنی ساری تابنائیوں کے ساتھ آجاتا ہے اس خیال سے آپ کا دل بیٹھنے لگتا ہے کہ وہ عظیم رہنما اور وہ بے نظیر کارکن آج کہاں ہیں جن کے ہاتھوں یہ کام اس وقت ہوا تھا۔ آپ اپنے دل کا جائزہ لے کر تحقیق کیجئے کہ جب یہ سوال آپ کے دل میں ابھرتا ہے تو اس کے ساتھ کس قسم کے رجحانات آپ کے نفس کو اپنی طرف کھینچنا شروع کرتے ہیں۔ آپ گہرا جائزہ لیں گے تو نمایاں طور پر دو رجحانات کی کشش آپ کو

خود محسوس ہوگی۔

ایکسا یہ کہ مایوس ہو جاؤ۔ اب نہ وہ رہنما اور وہ کارکن میسر آسکتے ہیں۔ نہ یہ کام ہو سکے گا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ پورے دین کی اقامت کا تصور ہی چھوڑ دو۔ جو کام نہیں ہو سکتا اس کے پیچھے پڑنے سے کیا حاصل۔ دین کی جزوی خدمات ہیں سے کوئی ایک خدمت اپنے ہاتھ میں لے لو۔ اور جیسی کچھ بڑی سبلی بن آئے کرتے رہو۔ میں اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات کی بنا پر کہتا ہوں کہ یہ اولین رجحان ہے جو اس مقام پر آدمی کے سامنے آتا ہے۔ اور میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ پہلا دھوکا ہے جو شیطان ایک نیک نفس مسلمان کو دیتا ہے۔ تاکہ وہ اقامت دین کے نصب العین سے کسی طرح باز آجائے۔ اس لئے آگے کی کوئی بات سوچنے سے پہلے آپ کو چاہئے کہ اس فریب کو آؤں قدم ہی پر پہچان لیں۔ اور اگر آپ نیک نیرنگ ہیں تو پورے شعور اور عزم کے ساتھ اپنے ذہن میں پہلے اس کا اچھی طرح قلع قمع کر دیں۔

دوسرا رجحان جو اس کے سامنے آتا ہے یہ ہے کہ یہ کام ہے بیشک ضروری اور فرض مگر اس کے لئے رہنماؤں اور کارکنوں میں وہی روحانی و اخلاقی اوصاف درکار ہیں جن کی بدولت عہد نبوی میں یہ کام ہوا تھا۔ لہذا پہلے ویسے بن جاؤ اور اس طرز کے آدمی بنا لو پھر اس کام میں لگو۔ یہ دوسرا دھوکا ہے جو پہلے دھوکے سے بچ نکلنے والے کو شیطان وحیم دیا کرتا ہے۔ وہ جب دیکھتا ہے کہ یہ شخص اس نصب العین پر جم گیا ہے اور اس سے ہٹنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتا تو پھر وہ اس کو فکر کی بجائے تدبیر کی ایک غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اس سے کہتا ہے کہ بیشک دریا پار تو جس منزل کی طرف جانا چاہتا ہے، وہ ہے تو منزل مقصود ہی۔ مگر بے وقوف تیرا سیکھے بغیر دریا میں اترے گا۔ پہلے دریا سے باہر خشکی پر تیرنے کی مشق اچھی طرح کر لے۔ پھر دریا میں قدم رکھو۔ اس طرح وہ ناصح مشفق آدمی کو واقف بے وقوف بنا دیتا ہے۔ اور جو لوگ اس کے داؤں سے مات کھا جاتے ہیں وہ سب نہ صرف خود خشکی پر تیراکی کی مشق شروع کر دیتے ہیں۔ بلکہ جن جن لوگوں کو اپنے ساتھ لے چلنا چاہتے ہیں ان کو بھی خشکی کا تیراک بنانے میں خوب مہارت فن دکھاتے ہیں۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان ماہرین فن کو اکثر تو عمر بھر دریا میں اترنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی اور اگر کبھی اتر جاتے ہیں تو زمین پاؤں تلے سے نکلنے ہی یا عرق ہو جاتے ہیں یا دریا کے بہاؤ پر بہ نکلنے ہیں۔ کیونکہ دریا سے باہر خشکی پر تیراکی میں جو کمال پیدا کیا جاتا ہے وہ دریا کی روانی سے پہلا سابقہ پڑتے ہی کا عدم ہو جاتا ہے۔

ان دونوں رجحانات کی غلطی کو اگر آدمی آغاز میں ہی محسوس کر لے تو وہ اس طریق تزکیہ و تربیت کو آپ سے آپ ترجیح دے گا۔ جسے ہم نے ترجیح دی ہے۔ لیکن اس راہ پر چند قدم چلتے ہی یکے بعد دیگرے کچھ دورا ہے ایسے آتے ہیں جن میں سے ہر ایک پر پہنچ کر آدمی کا دل چاہتا

ہے کہ دائیں یا بائیں مڑ جائے۔ اور اگر وہ نہ مڑے تب بھی آگے چلتے ہوئے بار بار اس کے دل میں ایک کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ وہ ان میں سے کسی موڑ پر کیوں نہ مڑ گیا۔ بلکہ بسا اوقات یہاں تک جی چاہنے لگتا ہے کہ چلے اور انہیں میں سے کسی موڑ پر مڑ جائیے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ذرا اپنے ذہن میں سفر آغاز سے شروع کریں۔ اور ان میں سے ہر ایک موڑ کی کشش محسوس کر کے ذرا اس کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ادھر کیا ہے اور کیا چیز اس کی طرف مائل کرتی ہے۔

ایک موڑ آتا ہے جب آدمی کے دل میں بار بار یہ خیال چٹکیاں لیتا ہے کہ اس کام کیلئے بہر حال تزکیہ نفس ضروری ہے۔ اور تزکیہ نفس کے وہ طریقے جو مکہ اور مدینہ میں اختیار کئے گئے تھے کچھ واضح اور منضبط نہیں ہیں۔ اور بعد کے ادوار میں جن بزرگوں نے ان طریقوں کو منضبط کیا وہ صوفیائے کرام ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ وہ سب بزرگانِ دین ہی ہیں۔ لہذا اس کام کے لئے جو تزکیہ مطلوب ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے تصوف کے معروف طریقوں میں سے کسی کو حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ نئے طرز کے لوگوں میں تو شاید کم ہوں مگر مذہبی خانوادوں میں جن لوگوں نے آنکھیں کھولی ہیں ان سب کو اس موڑ کی کشش کم و بیش متاثر کرتی ہے۔ ان سب لوگوں سے جو اس کشش کو محسوس کرتے ہیں عرض کرتا ہوں کہ براہِ کرم اس مقام پر ٹھہر کر خوب اچھی طرح غور و تحقیق کریں اور ذرا بے لاگ طریقے سے کریں۔ کیا واقعی کہیں صوفیانہ لٹریچر میں اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ کہ اقامتِ دین اپنے وسیع و جامع تصور کے ساتھ ان بزرگوں کے پیش نظر تھی جن سے یہ صوفیانہ طریقے ماثور ہیں

اگر کوئی شخص تحقیق میں بے جا عقیدتوں اور موروثی تعصبات کو دخل نہ دے گا اور ٹھنڈے دل سے بے لاگ تحقیق کرے گا۔ تو اسے اس معاملے میں پورا اطمینان ہو جائے گا کہ اقامتِ دین کے لئے ہمیں اسی طریقِ تزکیہ سے اعتماد کرنا ہوگا۔ جو قرآن اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتا ہے۔ وہ اگر منضبط نہیں ہے تو آپ اسے منضبط کرنا چاہئے۔

اس موڑ کو جو شخص پورے اطمینان کے ساتھ چھوڑ کر آگے بڑھتا ہے اسے ذرا آگے چل کر ایک اور مقام پر حیرانی پیش آتی ہے۔ سیرتِ نگاروں نے عہدِ صحابہ کی شخصیتوں کے جو مرقعے کھینچے ہیں وہ اس کی نگاہ میں گھبر منے لگتے ہیں اور یہ دیکھ کر اس کا دل پھر بیٹھنے لگتا ہے کہ ان کتابی مرقعوں سے ملتی جلتی شخصیتیں تو کہیں نظر نہیں آتیں پھر بجرا یہ کام کیسے ہوگا۔

اس مقام پر آدمی ہر طرف نظر دوڑاتا ہے کہ کہاں کوئی راستہ ملتا ہے جدھر جا کر وہ اپنی مطلوب شخصیتیں پاسکوں اور بسا اوقات شیطان یہاں پھر اس کو مشورہ دیتا ہے کہ بس اسی جگہ سے پیچے مڑ جاؤ یا مایوس ہو کر یہیں بیٹھ جاؤ۔ اس مرحلے پر کبھی ٹھہر کر آدمی کو اچھی طرح غور کرنا چاہئے اور ٹھنڈے دل سے تحقیق کر کے ایک رائے قائم کرنی چاہئے۔ میں اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر یہ عرض کرتا ہوں کہ یہاں جو کچھ بھی حیرانی و سرشاری آدمی کو لاحق ہوتی ہے حقیقتوں سے غفلت

کہ بنا پر ہوتی ہے۔ وہ دو حقیقتیں اگر اس کی سمجھ میں آجائیں تو قلب مطمئن ہو جاتا ہے اور آگے کا راستہ صاف نظر آنے لگتا ہے۔

پہلی حقیقت یہ ہے کہ جن شخصیتوں کے نمونے وہ تلاش کرتا ہے وہ شخصیتیں نہ ایک دن میں بنی تھیں اور نہ آپ بن گئیں تھیں۔ وہ بنانے سے بنی تھیں، سالہا سال میں بنی تھیں۔ اور اگر بے لاگ تحقیق سے کام لیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ گوشہ ہائے عزت میں نہیں بنی تھیں۔ بلکہ قرآن و سنت کی ہدایت کے مطابق اقامتِ دین کی جدوجہد میں لگ جانے اور جاہلیت کے خلاف کشمکش کرنے سے ہی بتدریج بن سنبھلا کر وہ اس مرتبے پر پہنچی تھیں جسے آپ سیرت کی کتابوں میں دیکھ کر عیشِ عشق کر رہے ہیں۔ اب کوئی وجہ نہیں کہ شخصیت سازی کے اس طریقہ کی پیروی کرنے سے وہی نتائج حاصل نہ ہوں۔ اس درجے کے نتائج نہ سہی، اس طرز اور اس نوعیت کے نتائج تو یقیناً حاصل ہونے ہی چاہئیں۔ بشرطیکہ صبر و اخلاص سے کام لے کر اس طریقے کی پیروی کی جائے۔ اور حکمت و تفقہ کے ساتھ اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر کی جائے۔

دوسری حقیقت جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ یہ ہے کہ کئی باقی شخصیتیں واقعی شخصیتوں سے اچھی خاصی مختلف ہوتی ہیں۔ ایک گزرے ہوئے زمانے کے جو نقشے صفحہ قرطاس پر کھینچے جاتے ہیں۔ گوشت پوست کی دنیا میں بچسبہ وہ نقشے کبھی پیدا نہیں کئے جاسکتے۔ لہذا جس شخص کو خیالی دنیا میں نہ رہنا ہو بلکہ واقعی دنیا میں کچھ کرنا ہو اسے اس خیالی خام میں مبتلا نہ ہونا چاہئے۔ کہ گوشت پوست کے انسان کبھی بشری کمزوریوں سے بالکل منزہ اور تمام مثالی کمالات کا مرقع بن سکیں گے۔ آپ حدِ کمال کو نگاہوں سے اوجھل تو نہ ہونے دیں۔ اور اس تک خود پہنچنے اور دوسروں کو پہنچانے کی کوشش جاری رکھیں۔ مگر جبکہ آپ کو عملاً خدا کی راہ میں کام کرنا اور ہزار ہا آدمیوں سے کام لینا ہو تو قرآن و سنت کے مطابق دین کے تقاضوں اور مطالبات کی ایک حدِ اوسط آپ کو نگاہ میں رکھنی پڑے گی۔ جس پر آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا قائم ہو جانا راہِ خدا میں کام کرنے کے لئے کافی ہو۔ جس سے نیچے گرنا قابلِ برداشت نہ ہو۔ یہ حدِ اوسط خود ساختہ نہ ہونی چاہئے اس کا ماخذ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہی ہونی چاہئے۔ لیکن بہر حال اس حد کو سمجھنا اور نگاہ میں رکھنا ضروری ہے اس کے بغیر کوئی عملی کام آدمی نہیں کر سکتا۔ صدرِ اول میں جن لوگوں سے خدا کا کام لیا گیا تھا وہ سب بھی یکساں نہ تھے۔ اور نہ ان میں سے کوئی بشری کمزوریوں سے مبرا تھا۔ آج بھی جن لوگوں کے ہاتھوں یہ کام ہو گا وہ ہر طرح کی کمزوریوں سے پاک نہ ہوں گے۔ یہ خوبی نظامِ جماعت میں ہونی چاہئے کہ وہ مجموعی طور پر ایک صالح اور حکیمانہ نظام ہو اور اس کے اندر یہ استعداد بھی موجود ہو کہ افراد اس میں شامل ہو کر دینِ حق کی زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دیں۔

اور ان کی کمزوریاں بروئے کار آنے کے کم سے کم مواقع آئیں۔

ان سب الجھنوں سے بچ نکلنے کے بعد پھر آدمی کے دل میں یہ خلجان باقی رہ جاتا ہے کہ اپنے جن رفیقار کے ساتھ اقامت دین کا کام کر رہا ہے۔ وہ معیار مطلوب سے بہت کم ہیں اور ان کے اندر بہت سے پہلوؤں میں ابھی بہت سی خامیاں پائی جاتی ہیں۔ اس خلجان سے میں نے کسی رفیق کو بھی خالی نہیں پایا ہے اور میں خود بھی اس سے خالی نہیں ہوں لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر یہ خلجان ہمیں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی خامیاں دور کرنے پر اکسانا ہے اور ان صحیح ذرائع و وسائل کی تلاش اور ان کے استعمال پر آمادہ کرتا ہے۔ جن سے یہ خامیاں دور ہوں تو مبارک ہے۔ یہ خلجان - اسے مٹنا نہیں اور بڑھنا چاہئے۔ کیونکہ ہماری ساری اخلاقی و روحانی ترقی کا انحصار اسی خلجان کی پیدا کی ہوئی خلش پر ہے۔ جس روز یہ مٹا اور ہم اپنی جگہ مطمئن ہو گئے کہ جو کچھ ہمیں بننا تھا وہ ہم بن چکے ہیں اسی روز ہماری ترقی بند ہو جائے گی۔ اور ہمارا تنزل شروع ہو جائے گا۔ لیکن اگر یہ خلجان ہمیں بالوس اور فرار پر آمادہ کرتا ہو تو یہ خلجان نہیں دوسوہ شیطان ہے۔ جب بھی اس کی کھٹک محسوس ہو **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ** پڑھئے اور اپنے کام میں لگ جائیے۔ اگر آپ واقعی خلا کا کام کرنے لگتے ہیں تو خوب سمجھ لیجئے کہ ایسے دساوس سے دل کو پاک کرنے بغیر آپ کچھ نہ کر سکیں گے۔ اس وقت شیطان کے لئے اس سے زیادہ مرغوب کوئی کام نہیں ہے کہ وہ آپ کے سامنے تحریک اسلامی کی ہرنوئی کر بے قدر اور بے وزن کر کے پیش کرے۔ اور اس کی یا اس کے افراد کی ہر کمزوری کو بڑھا بڑھا کر دکھائے۔ تاکہ آپ کسی صورت دل چھوڑ بیٹھیں۔“

(ترجمان القرآن صفحہ ۲۷۱ نومبر ۱۹۵۱ء)

یہ وہ اقامت دین کی سیدھی اور مستقیم راہ سلوک ہے جس پر مولانا مودودی برسوں سے خود چل رہے ہیں۔ اور بے شمار بندگان خدا کو اس پر چلا رہے ہیں۔ ان چلنے والوں کے مختلف مقامات ہیں اور مختلف قلبی اور ذہنی کیفیات ہیں۔ ان سب کے سامنے مولانا نے اس راہ کی مختلف مشکلات کی وضاحت اور مختلف پیچیدہ مفادات اور دھوکے دینے والے مظاہر اور دوراہوں کی نشاندہی کر کے ان کا علاج بھی تجویز کر دیا ہے۔ یہ وہی راہ سلوک ہے جس پر فنی اصطلاحات کی گراںباری اور منضبط اصول و قواعد کی قید و بندش کے بغیر بھی حضور اور آپ کے رفیقار نے چل کر اللہ کا کام سرانجام دیا۔ اور اسی کام کو سرانجام دینے کے لئے مولانا مودودی اور ان کے ساتھ کوششیں کر رہے ہیں۔ اللہ کی راہ میں اٹھ کھڑے ہونا۔ اس کے رسول پاک کے اسوہ کا احترام و اطاعت کا قوی ترین جذبہ لے کر اپنے آپ پر فرائض کی پابندی اور کبائرت سے اجتناب کا پہرہ لگا دینا ساری عمر کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقام پر کھڑے ہو کر گزار دینے کا عہد کر لینا اور اس راہ میں تن من دھن سب کچھ کھپا دینے کا عزم کر کے آگے بڑھنے چلے جانا، اللہ کی راہ میں اس کے دیئے ہوئے سارے سرمایہ جان و مال کو اٹا کر اس سے آخرت کے اجر کی توقع باندھنا، اور کسی قسم کے کبر و ریا کے بغیر بندگان خدا کی تعریف و مندرست سے بے نیاز ہو کر دیوانہ وار اسی راہ پر گامزن رہنا۔ اور اس راہ میں جان دینے

کی تمن میں دل میں پابنا اور پرورش کرنا۔ بس اقامتِ دین کی راہ سلوک کے یہی حد و خال اور نشانات ہیں۔ اور ان حد و خال کی راہ پر چلنے والے راہرو کے لئے کسی کو یہ اطمینان دلانا تو مشکل ہے کہ وہ فنی اور اصطلاحی تصویف کے آداب و مدارج کا اہتمام کر رہا ہے یا نہیں۔ البتہ اس کا قلب یہ گواہی ضرور دے سکتا ہے کہ یہ راہ سلوک دنیا اور آخرت میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اور اس راہ کا مسافر تزکیہ نفس کی روشنی اور تعلق باللہ کے سلسلے میں چل کر منزل مقصود کو پالیتا ہے۔

مسلك اہلحدیث کا داعی اور آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا نقیب

پندرہ روزہ ترجمانِ دہلی

لادینیت، اخلاقی افلاس اور گمراہی کی تیز آندھی میں کچھ چراغ اب بھی روشن ہیں انہیں میں سے ایک اخبار "ترجمان" بھی ہے۔

چار سال سے یہ ماہوار شائع ہو رہا تھا۔ اب جولائی ۱۹۵۷ء سے پندرہ روزہ پر دینِ قیم کی صحیح ترجمانی کرتا ہوا شائع ہو رہا ہے، ہندوستان و پاکستان کے مشاہیر اہل قلم کی نگارشات سے یہ اخبار مزین ہوتا ہے، امت مسلمہ کو خیر الامم بننے کے طور و طریق سے آگاہ کرتا ہے۔ خیر و شر کے درمیان صحیح امتیاز کی روح بچھونکتا ہے، علمی، دینی، اصلاحی مقالات گراں قدر فتاویٰ روح پرور نظمیں اور غزلیں، جماعتی خبریں، عالمی اہم اہم خبریں، دنیا کی تحریکات کے جائزے اخبار "ترجمان" کو گلدستہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔

کتابت و طباعت و کاغذ کے اعلیٰ معیار پر ٹائٹل بلاک سے چھپتا ہے۔ سائز ۲۰x۳۰/۴ صفحات ۱۶، سالانہ زر تعاون پانچ روپے، ششماہی تین روپے۔

ہندوستان کا پتہ:- دفتر ترجمان ۴۴۳۳۳ نئی سڑک دہلی

پاکستان میں چندہ بھیجنے کا پتہ:- محمد احمد اینڈ کمپنی، موتی مسجد لاہور روڈ، کراچی ۱

ڈاکٹر محمد احمد صدیقی (شعبہ عربی و فارسی یونیورسٹی الہ آباد۔)

ابوالعلاء المعری اور اس کا فلسفہ

(۱) معری کے حالات بطریق اختصار۔

معری کا نسب عرب کے قبیلہ تنوخ سے ملتا ہے۔ یہ لوگ یمن میں سد مأرب کے جاری ہونے کے بعد چھٹی صدی عیسوی کے درمیان میں ملک شام کی طرف ہجرت کر کے چلے آئے تھے۔ معری کا خاندان معرہ میں بااقتدار اور دولت مند اور ذی علم اور صاحب حکومت تھا۔ معری کے دادا کا دادا امرہ کا اور اس کے بعد عمص کا قاضی ہوا۔ پھر معری کے چچا محمد کو عہدہ قضا سپرد ہوا، پھر معری کے باپ عبد اللہ (متوفی ۳۷۷ھ، ۹۸۷ء) عہدہ قضا پر فائز ہوا۔ اسی طرح معری کی ماں کا خاندان بھی حلب میں جلیل القدر اور مشہور تھا۔ اس خاندان میں بھی بہت سے ذی جاہرت اور ذی علم لوگ مشہور ہوئے۔

معری ابوالعلاء احمد بن عبد اللہ بن سلیمان بن محمد کی ولادت ۲۷ ربیع الاول ۳۱۳ھ بروز جمعہ ہوئی۔ معری صرف ساڑھے تین سال کا تھا کہ مر سن چھپک میں وہ مبتلا ہو گیا جس سے اس کی بائیں آنکھ جاتی رہی اور دایہ آنکھ میں سفیدی پھیل گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پورے چھ سال کا بھی نہیں ہوا تھا کہ بینائی سے بالکل محروم ہو گیا۔

معری کا نشوونما معرہ میں ہوا اور وہیں اس نے اپنے باپ سے کسی قدر علم ادب و لغت کی تعلیم پائی۔ اور پھر وہیں سے کچھ علم حدیث حاصل کیا۔ معری چودہ سال کا تھا کہ اس کے باپ کی وفات ہو گئی مگر معری برابر طلب علم میں مشغول رہا معرہ میں بھی اور دوسرے علمی مقامات مثلاً انطاکیہ، لاذقیہ اور طرابلس اور حلب میں بھی۔ وہ بیس سال کی عمر میں ۳۸۴ھ (۹۹۴ء) میں حلب سے معرہ واپس آیا۔ وہاں وہ بطور خود مطالعہ علوم میں مشغول رہنے لگا اور شعر گوئی کو کمائی کا ذریعہ بنایا۔ اس طریقہ سے اس نے کافی مال حاصل کیا مگر پھر اس نے کمائی کے اس طریقہ کو ناپسند کیا اور اس سے متنفر ہو گیا۔ اب اس نے اپنے شعر کو محدود کر دیا۔ اپنے ادیب بھائیوں اور دوستوں کے خطوط میں یا بعض اقارب کی مرثیہ گوئی میں یا وجدانیات محضہ کے ظاہر کرنے میں۔ معرہ میں ابوالعلاء کی زندگی کوئی راحت و آسائش کی زندگی نہ تھی۔ ایک دفع ضرور اس کے پاس سقا۔ جس سے تیس دینار سالانہ اس کو مل جاتے تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کو حلب کے حاکم نے اس سے ضبط کر لیا۔ اس وجہ سے ابوالعلاء ۳۹۹ھ کے تین ماہ گزر جانے پر بغداد پہنچا۔ باوجودیکہ اس زمانے میں معرہ سے بغداد تک سفر کرنے میں عام طور پر ایک ماہ کا زمانہ لگتا تھا۔

خود معری کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغداد میں مستقل اقامت کا اس کا ارادہ تھا۔ وہ اپنے ایک رسالہ میں کہتا ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ نہ میں نے مال کثیر حاصل کرنے کے لئے سفر کیا نہ زیادہ لوگوں سے ملاقات کے لئے۔ بلکہ میں نے دارالعلم میں اقامت کو ترجیح دیا تو میں نے بہترین مقام کو پایا۔ جس میں زمانہ نے مجھے ٹھہرنے کا موقع نہ دیا۔

اس میں شک نہیں ہے کہ ابوالعلاء سے پہلے اس کی شہرت معرہ سے بغداد پہنچ چکی تھی۔ اس کے بغداد پہنچنے پر اس کی بڑی

عزت و قدر ہوئی۔ اس کی زیر کی ادرو سوت علم کا سکہ لوگوں کے قلوب میں بیٹھ گیا۔ اس کے گرد طلباء کا ہجوم رہتا تھا۔ جو اس کے علم و فضل و ادب سے استفادہ کرتے تھے۔ اس کی ہم نشینی کو علماء و فضلاء رغبت جانتے تھے۔ لیکن اس کو ایک ایسی مصیبت پیش آئی جس نے اس کو بغداد چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ شریف رضی نقیب الطالبین کے سجائی شریف مرتضیٰ کے سامنے ایک دن مہنگی شاعر مشہور کا ذکر ہوا۔ چونکہ شریف مرتضیٰ متنبی کا مخالف تھا۔ اس نے متنبی کی برائی کی اور اس کے عیوب و نقائص ظاہر کرنے لگا۔ لیکن ابو العلاء متنبی کا طرفدار تھا اور اس کو شعرائے متاخرین میں سب سے بلند پایہ سمجھتا تھا۔ اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے مرتضیٰ کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر متنبی کا صرف یہ قول ہوتا۔ لک یا منازل فی القلوب منازل تو بھی اس کی فضیلت کے ثبوت کے لئے کافی ہوتا۔ یہ سن کر مرتضیٰ کی آتش غضب بھڑک اٹھی حکم دیا تو خدام نے اس کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ کر مجلس سے باہر نکال دیا۔ پھر مرتضیٰ نے حاضرین مجلس سے کہا کہ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ اس اندھے کا متنبی کے اس قصیدہ کے ذکر سے کیا مقصود تھا۔ حالانکہ ابوالطیب متنبی کے اشعار اس سے بہتر موجود ہیں۔

اس نے متنبی کے اس قول کو جو کہ اس قصیدہ میں ہے قصیدہ کیا تھا۔

واذا اتقت مذمتی من ناقص

فہی الشہادۃ لی بانئ کا صل

اس حادثہ کے ساتھ دوسرے ایسے اسباب بھی پائے گئے جو بغداد چھوڑنے کے موجب بنے۔ مثلاً بغداد میں احوال سیاسیہ و اجتماعیہ کی خرابی اور معری کی ماں کے سخت بیمار ہونے کی خبر معلوم ہونا اور حاسد دشمنوں کا معری کی ایذا رسانی کے درپے ہو جانا۔ ان وجوہ سے مجبوراً معری کو بغداد سے الگ ہونا پڑا۔ حالانکہ بغداد میں اس نے فوائد حاصل کئے تھے۔ وہاں کے علماء و فضلاء سے علوم حاصل کئے۔ ہندوستانی و فارسی مذاہب کے کچھ معتقدات معلوم کئے متفرق افراد سے بھی اور منظم جماعتوں سے بھی۔ مثلاً جماعت اخوان الصفا سے اور ان مجالس سے جو بغداد میں منعقد ہوتی تھیں۔ جن میں ادبا و علماء و فنہا شریک ہوتے تھے۔ اور اپنے خیالات و آرا ظاہر کرتے تھے۔

معری نے بغداد سے رمضان ۴۰۰ھ کے عشرہ اخیرہ میں معرہ جانے کے لئے کوچ کیا۔ راستہ ہی میں اسے ماں کی موت کی دردناک خبر معلوم ہوئی جس سے اس کے دل کو سخت ہدم پہنچا اور اسی وقت سے اسے دنیا سے سخت نفرت پیدا ہو گئی۔ جب وہ معرہ پہنچا تو وہاں کی حالت بہت خراب پائی اور باوجودیکہ اسے بغداد میں سخت صعوبتوں کا سامنا پڑا تھا مگر معرہ کی بد حالی محسوس کر کے اسے بغداد سے چلے آنے پر افسوس ہوا۔ اسی امر کے متعلق معری کہتا ہے

یا لھف نفسی علی انی رجعت الے

ھذا البلاد وقد فارقت بغدادا

”مجھے افسوس ہے کہ میں ان بستیوں کی طرف بغداد چھوڑ کر واپس آیا۔“

اذا رايت امور الا تو افقی

قلت الا یاب الے الا وطان انا ذی

جب ناموافق امور کو میں دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ وطن میں واپسی سے یہ باتیں پیش آئیں

جب وہ معرہ پہنچا تو ۴۰۰ سے وہ اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گیا اور صرف درس و تدریس سے تعلق رکھا۔ اس نے گوشت کھانا اور ہر اس چیز کو کھانا چھوڑ دیا جو حیوانات سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً دودھ، انڈا اور شہد اور اس نے حسب بیان اکثر مورخین اپنا نام رہین المجسین رکھا۔ مجسین سے اس کی مراد گھرا درنا بینا ہونا ہے۔ لیکن درحقیقت وہ مجاس تاشہ کا رہین تھا۔ اس کا قول ہے۔

أمرانی فی الثلاثة من سجونی

فلا تسأل عن النبأ النبیت

میرا برا حال نہ پوچھو میں اپنے کو تین قید خانوں میں پاتا ہوں۔

لفقدی ناظری ولسروم بیقی

وكون النفس فی الجسد الخبیث

بینائی کا گم ہونا۔ اور خانہ نشینی کا لازم ہونا۔ اور نفس خبیث کا بدن میں ہونا۔

معری کی زندگی کا نصف ثانی معرہ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہمید میں اور تالیف و تدریس میں گزرا۔ اس کی زندگی کے آخری حصے میں اس کے اور نصر بن ابی عمران داعی فاطمی بمقام مصر کے درمیان جوان کے گوشت وغیرہ کے ترک کے بارے میں خط و کتابت ہوئی۔ یہ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ معری نے گوشت کھانا اور جانوروں سے جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں مثلاً دودھ، انڈا اور شہد کھانا بالکل ترک کر دیا تھا۔

داعی فاطمی مذکور معری سے اس کے متعلق صاف اور صریح جواب کا مطالبہ کرتا تھا۔ لیکن معری گول مول جواب دیتا تھا۔ کبھی اپنی محتاجی کا بذر پیش کرتا۔ کبھی حیوانات پر رحم کرنے کو وجہ بتاتا کبھی اس کے متعلق حکما و متقدمین کے طریقہ کو پسندیدہ ہونے کو وجہ ٹھہراتا۔ معری پست قامت نحیف الجثہ کمزور جسم کا تھا۔ چیچک کی وجہ سے چہرہ بد نما ہو گیا تھا۔ وہ آخر عمر میں اپاہج ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ مرض الموت میں وہ تین دن بیمار رہا۔ اور بمقام معرہ زیج الادل ۴۲۹ھ کے نصف اول میں جمعہ کے دن اس نے عالم فانی سے رحلت کی۔ اس کے جنازہ کے ساتھ اجتماع کثیر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ دو سو تو صرف حفاظ قرآن کریم اس کی قبر پر حاضر ہوئے اور اڑتالیس شاعروں نے اس کا مرثیہ کہا۔

(۲) ابو العلاء المعری کے زمانے میں مشرق و مغرب کی کیا حالت تھی

صلیبی لڑائیوں کے چھڑنے سے سو اسو سال پہلے معری کی ولادت ہوئی اور چالیس سال پہلے وفات ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں سیاسی و اجتماعی اضطراب مشرق و مغرب دونوں میں پھیلا ہوا تھا۔ اس کا اثر معری کے کلام میں صاف طور پر پایا جاتا ہے (۱) الطائع (۳۶۳ - ۳۸۱ھ) اس خلیفہ کے زمانے میں آل بویہ کو بڑی قوت حاصل ہوئی اور عرصہ الدولہ بویہ بغداد پہنچا۔ بویہوں نے الطائع کو گرفتار کر کے اس کی جگہ القادر کو خلیفہ بنایا۔ اس کی خلافت اکتالیس سال رہی۔ پھر القائم خلیفہ ہوا، وہ پینتالیس سال ۴۶۴ھ تک خلیفہ رہا۔ اس زمانے میں درحقیقت اقتدار بویہ کو حاصل تھا۔ خلفاء کا معزول کرنا اور مقرر کرنا انہیں کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اپنی دار الحکومت شیراز سے خلافت بغداد کا انتظام کرتے تھے۔ لیکن خلافت کا لقب اور اس کے رسوم انہوں نے بغداد کے کمزور خلفاء کے لئے چھوڑ رکھا تھا۔ انہوں نے اپنے لئے ایسے جدید القاب

تجویر کئے جس سے ان کی قوت و شوکت پر زیادہ دلالت پائی جاتی تھی۔ جب معزالدولہ احمد بن بویہ کا تسلط بغداد پر جمادی الاول ۳۳۴ھ میں ہوا تو خلیفہ المستکفی اس امر پر مجبور ہوا کہ وہ معزالدولہ کا استقبال کرے اور اس کو امیر الامراء کا لقب عطا کرے۔ معزالدولہ کے بھائی عضدالدولہ کا توشہنشاہ نام ہوا اور وہ خلافت کے جمع امتیازات سے بہرہ مند ہوا۔ صرف خلافت کا لقب خلفاء کے لئے مخصوص رہا۔ بویہیوں کا زمانہ اضطراب سیاسی اور فتنہ ویرانی کے لحاظ سے خصوصاً عراق بدترین حالت میں تھا۔ لیکن اور شان و شوکت، آبادی اور ترقی ادب کی سرسبزی کے لئے مناسب تھا۔ اسی زمانے میں جماعت اخوان الصفا کا ظہور ہوا۔ مگر معری کی وفات سے دو سال پہلے دولت بویہ کا زوال ہو گیا اس کی صورت یہ ہوئی کہ جب بسا سیری کے فتنے سے خلیفہ القائم بامر اللہ بہت عاجز و پریشان ہو گیا (بسا سیری بویہ لشکر کا ایک امیر تھا) تو اس نے سلجوقیوں کے سردار طغرل بک سے مدد طلب کی۔ طغرل بک نے بغداد پہنچ کر بسا سیری کو اور اس کے تابعین کو بغداد سے نکال باہر کیا۔ اب طغرل بک کا اقتدار بغداد میں قائم ہو گیا اور منبروں پر اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا (۳۷۶ھ) اور دولت سامانیہ بخاری میں مادراء النہر (جیحون) میں اشاعت اسلام اور نشر علوم میں مشغول تھی۔ ان کے یہاں دو ماہر فلسفی طبیب آئے (۱) محمد بن زکریا رازی (۲) الشیخ الرئیس ابن سینا۔ انھیں کے دور حکومت میں تاریخ طبری کے ایک حصہ کا فارسی زبان میں ترجمہ ہوا۔ اور غزنہ (افغان) میں دولت غزنویہ قائم ہوئی۔ سلطان محمود غزنوی ۳۸۸ھ - ۴۲۱ھ، ۶۹۹ھ - ۱۰۳۰ھ کو ہندوستان میں فتوحات عظیمہ حاصل ہوئیں۔ علم و ادب کی طرف اس کی توجہ بہت تھی۔ اس کے یہاں ماہر ریاضی ابو ریحان بیرونی اور مشہور فارسی شاعر ابوالقاسم فردوسی عظیم الشان ہستیاں تھیں۔

اندلس کی بہار کا زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ بادِ سموم اس کی سرسبزی کو فنا کر رہی تھی۔ حکم بن عبدالرحمن الناصر (۳۶۶ھ) کی وفات کے بعد طوائف المملوک شہ رخ ہو گئی، فتنوں نے سراٹھایا، چھوٹے چھوٹے سردار تقوڑی تقوڑی زمین میں اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتے اور اس کے لئے ان فرنگی حکام سے اکثر مدد طلب کرتے جو اندلس سے عرب کے نکال دینے کے لئے جو کچھ ان کے امکان میں ہوتا اسے خرچ کرنے کے لئے آمادہ رہتے تھے۔

جوہر صفی نے مصر کو فتح کر کے فاطمین کی حکومت قائم کی، پھر وہ حکومت محیط اٹلانٹک سے بحر احمر تک پھر حجاز اور سوریہ اور موصل تک وسیع ہو گئی۔ معری نے چار خلفاء فاطمین کا زمانہ پایا۔

ابومنصور نزار العزیز (۳۶۵ - ۳۸۶ھ، ۹۷۵ - ۹۹۶) یہ مصر میں پہلا فاطمی خلیفہ ہے۔ (۲) حاکم بامر اللہ (۳) الظاہر۔ (۴) المستنصر (۴۲۷ - ۴۸۷ھ) حاکم کے زمانے میں سوریہ میں مذہب درزی پھیلا۔ حاکم بامر اللہ نے ۳۹۶ھ میں دارالحکومت مذہب فاطمی کے تعلیم و نشر کے لئے مصر میں قائم کیا۔

اس زمانے میں یورپ میں بھی فتنہ و اضطراب کچھ کم نہ تھا۔ اگر معری نے تین خلفائے بغداد کا اور چار خلفاء قاہرہ کا زمانہ دیکھا۔ تو اس نے روما کے باپس پوپوں کا زمانہ بھی پایا۔ انگلستان، ڈنمارک، فرانس، اٹلی وغیرہ ممالک یورپ میں جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ مذہبی اور سیاسی جماعتوں میں جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔

سوریہ ابوالعلاء المعری کا وطن بھی اضطراب سے خالی نہ تھا۔ پہلے شمالی سوریہ کے ایک حصے میں حمدانیوں کی حکومت تھی۔ پھر حکومت مرداسیہ قائم ہوئی۔ یہ حکومت عربی بدوی تھی۔ گو اس کے پہلے بادشاہ اسدالدولہ ابوعلی صالح بن مرداس (ت۔ ۴۲۰ھ) کے نزدیک معری کی بڑی قدر تھی۔ مگر معری اس سے خوش نہیں تھا۔ اس کی وجہ آئندہ معلوم ہوگی۔

۳۔ معرّی کے عناصر شخصیہ اور خصائص فنیہ

معرّی ایسے شخص میں عناصر شخصیہ کا اثر عظیم اس کی تفکیر اور آرا کی بنا میں ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عنصر شخصی بعض لوگوں میں قوی اور بعض لوگوں میں ضعیف ہوتا ہے۔ ہمارے شاعر ابوالعلا میں یہ چیز نہایت قوی اور بخوبی ظاہر ہے۔ یہ معلوم ہے کہ معرّی ہر طرح کی مسیبتیں بچپن سے لے کر آخر عمر تک آتی رہیں۔ اس کی بینائی جاتی رہی۔ وہ جسم کا دبا پستلا اور کمزور تھا۔ اس کی ماں باپ کی موت کا صدمہ اتنے پہنچا۔ گوماں کی موت کوئی انوکھی چیز نہیں ہے۔ مگر ایک اندھے اور کمزور شخص کے لئے جس کو شہر بھر میں بچوں سے بھی محرومی رہی۔ یہ حادثہ سخت حوصلہ شکن تھا۔ پھر ایسے شخص کے لئے جسے مالدار ہونا چاہئے وہ دیسا مالدار کی بنیاد نہیں ہوا۔ ہمیشہ مال کی کمی رہی۔ ایسی پریشانیوں کی حالت میں اگر ہمیں معرّی کی نزدیکیات میں پریشانی اور ناگواری اور بد قسمتی کا کلمہ اور تلخ کامی و نامراد کا بیان اور زہلے کا شکوہ نظر آئے تو کیا عجب ہے اور یہ بھی کوئی نئی بات نہ سمجھی جائے گی کہ معرّی ہر طرح سے رخ پھیر کر نقد و تہکم میں لگ جائے اور اصلاح اجتماعی کی کوئی صورت نہ تلاش کرے۔ بلکہ اس کے برعکس ہر ممکن اصلاح سے ہاتھ جھٹک کر الگ ہو جائے۔ بلکہ اصلاح کے قصد کرنے والوں کی طرف قصور و ضلال کی نسبت کرے۔

۱۔ نابینا ہونا اس کے لئے جانگداز صدمہ تھا۔ کیوں نہ ہوتا اندھے کے لئے دنیا تاریک ہو جاتی ہے۔ حواج ضرور یہ ہیں شواہد ہوتی ہے۔ قدم قدم پر ٹھوکر کھاتا ہے۔ لوگوں کی نظریں ذلیل ہوتا ہے۔ گو معرّی اپنی غالی فنی سے یہ کہتا ہے :-

”میں نابینا ہونے پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ جس طرح اور لوگ نابینا ہونے پر اس کا شکر کرتے ہیں۔“

ہو سکتا ہے کہ معرّی کا یہ قول اور اسی طرح اس کے بیٹی رو اندھے شاعر بشار بن برد کا اسی قسم کا قول بعض بہ تکلف بہادر کا ظاہر کرنے کے لئے ہو۔ اسی وجہ سے معرّی کبھی کبھی اس سبب کے خلاف نابینائی کی شکایت پریشانی قلبی کی وجہ سے اپنے اشعار میں کوئی اشارہ ہے۔ مثلاً

وما لي طرف اسير والسوري
 لاني ضرير لا تضغ لي الطريق
 ارا لني في الشلالة من سجونى
 فلا تسأل عن النبا النبىث
 لفقدي ناظري ولزوم بيتي
 وكون النفس في الجسد الخبيث

ب۔ معرّی نابینائی کے باوجود جسم کا کمزور اور لاغر تھا۔ ان باتوں سے معرّی بہ دنیا سے بے رغبتی لوگوں سے کنارہ کشی اور شادی بیاہ سے اجتناب کی وجہ سمجھی جاسکتی ہے۔

ج۔ معرّی کے والد کے خاندان کا معرّی میں اور اس کی والدہ کے خاندان کا حلب میں معرّی باقتدار اور وہ قائم ہونا چاہئے مذکور ہو چکا ہے۔ لیکن خود معرّی محتاج اور قلیل المال تھا۔ مگر بعض مورخین کی یہ تصریح کہ معرّی محتاجوں اور پناہ گزینوں کی بہت مدد کرتا تھا۔ اس کی قلت مال کے منافی ہے۔ بعض علماء نے جو اب دیا ہے کہ معرّی بغداد سے معرّی واپس آیا اور اس کے ماننے والے بہت ہو گئے تو وہ خوش حال ہو گیا۔ لیکن نزدیکیات کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ معرّی بغداد سے واپسی کے بعد بھی مدت مدید تک تنگ دستی میں مبتلا رہا۔ مثلاً یہ شعر

سوّلت لی نفسی و ہیما

تت لقد خاب ذالک التّسویل

میرے نفس نے مجھے بہکا یا اور وہ بہکانا کامیاب نہیں ہوا۔

واتهما می بالمال کلن ان یط

لب عنی ما یقتضی التّمویل

مال کا الزام لگانے نے مجھے یہ تکلیف دہی کہ مجھ وہ چیز الٹ کی جائے جو مالدار کی کو چاہتی ہے۔

ویقول العوّاة : خوّلک اللہ

و کذب تمّ نغیر التّخویل

کچھ رو لوگوں کا کہنا ہے کہ خدا نے تجھے مالدار بنا دیا ہے۔ بغیر مالدار کی تم لوگ جھوٹ بولتے ہو۔

اسی طرح ان خطوط سے جو معرّتی کے اور داعی فاطمی کے درمیان آتے جاتے رہے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شاعر اپنی محتاجی کی شکایت زندگی کے آخری ایام تک کرتا رہا۔ اور باوجود اس کے حرب تشریح مورخین وہ ہمیشہ سائلین و محتاجین پر مال خرچ کرتا رہا۔ اس لئے میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اس کا فقر اسٹانی تھا۔ یعنی اس کے پاس کچھ مال رہتا تھا۔ اور اسی میں سے وہ غربا کی مدد کیا کرتا تھا۔

د۔ دولت محمدانیہ کے نتیجے میں ہونے پر شمالی سواریہ میں جنگ کی وجہ سے ایسا سیاسی اضطراب ظاہر ہوا کہ معرہ میں بھی اس کا اثر محسوس ہوا۔ اور پریشانیوں میں سب رہنے والے مبتلا ہو گئے۔ ابوالعلا بھی اس میں تھا۔

ھ۔ باوجود معرّتی کے عظیم القدر ہونے کے اس کو نابینا ہونے کی وجہ سے معرہ میں بھی اور بغداد میں بھی کئی دفعہ ذلت و مصیبت سے سا بزم پڑا۔ مثلاً ایک دفعہ شریعت مرتضیٰ کی مجلس میں وہ گیا۔ کسی شخص کو اس کا درد کا لگا۔ تو وہ شخص کہہ اٹھا "یہ کتنا کون ہے"۔

ایک دن معرّتی نے عالم نحوی ابوالحسن الرضوی کی مجلس میں جانے کا ارادہ کیا۔ جب اس نے اندر جانے کی اجازت طلب کی تو ابوالحسن نے کہا۔ "اصطبل اندر آجائے" واضح ہو کہ اہل شام کی بولی میں اصطبل اندھے کو کہتے ہیں۔ یہ بات بھی ہے کہ معرّتی کے علم و فضل کے درجے کی بلندی کی وجہ سے اس کے بہت سے حساد و اعدا پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے کبھی اس کو زندیق کہا کبھی ملحد ہونے کا حکم لگایا۔ چونکہ وہ حکام و دولت اور علماء مذہب اور عامۃ الناس پر بے لاگ تنقید کرتا رہتا۔ اس لئے اس کے لئے ایک نئی آفت کا ظہور عجیب چیز نہیں۔ گو صراحتاً اس کو ایذا نہیں پہنچائی گئی۔ یہ تو عناصر ملبیہ ہیں جن سے ابوالعلا کی حکمت جاگزیں ہوئی۔ ابابہم ان عناصر ایجابیہ کو ذکر کرتے ہیں۔ جن کی بدولت اس حکمت کو فروغ ہوا۔

و۔ اس کا غضب کا حافظہ۔ نہ تو تاریخ عرب میں اور نہ میرے علم میں۔ تاریخ غیر عرب میں بھی کوئی شخص ایسا ہے۔ جو قوت حافظہ میں معرّتی کا مثل ہو۔ لوگ تو اس کے متعلق ایسے عجیب و غریب امور بیان کرتے ہیں جو بالکل گپ معلوم ہوتے ہیں۔ بہرحال ہمیں تو یہ بیان کرنا ہے کہ معرّتی نے اس زبردست حافظہ کی بدولت لغت عربیہ کا بہت بڑا حصہ اپنے قابو میں کر لیا اور اس کو اس نے اپنے اسجاع و قوافی اور خطوط و اشعار و رسائل میں استعمال کیا۔ علاوہ

اس کے وہ اس پر بھی قادر ہوا کہ وہ بکثرت اخبار و اشعار اور معارف کو محفوظ کرنے اور ان کو اپنی کتابوں میں درج کرنے یا ان پر اپنی رایوں کو مبانی کر لے۔

ب۔ اس میں تحلیل عقلی کی قوت۔ معری کا حافظہ صرف حفظ کا کام نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اس میں نقد کی قوت بھی بہت تھی۔ وہ اپنی محفوظات میں توازن کی قوت بھی رکھتا تھا۔ تورث و منعت کے موضوع کو دیکھتا تھا۔ یہاں تک کہ جو اپنے والدین اور اساتذہ سے کسی زمانے میں حاصل کیا تھا۔ باجوازاً اس کے ذہن میں آجاتا یا جسے وہ خود خیال کر کے ذہن میں قائم کرتا۔ ان سب میں توازن کر سکتا تھا اور قوت و ضعف کو سمجھ سکتا تھا۔

ج۔ اس کی جرأت۔ معری اپنی رایوں کے ظاہر کرنے میں جری تھا۔ خصوصاً لزومیات میں تو بعض لوگوں کی اہانت اور بعض معتقدات پر تہکم تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اور وہ ان چیزوں میں واقفیت قصد کرتا تھا۔ زہل باتیں نہیں سمجھتا تھا۔ وہ باوجود اس کے تقیہ فکر یہ کی طرف بسا اوقات رائل ہو گیا۔ اور اپنی بعض رایوں کو ظاہر نہیں کیا۔

د۔ اس کی غیرت۔ معری بہت با غیرت اور ارادہ کا پکا تھا۔ اپنے نفس کو بے عزتی اور ذلت سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس نے کبھی کسی کے عطیہ کو قبول نہیں کیا۔ (سوا اس مال کے جسے اس نے ابتداء حال میں شامیوں سے کمایا جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔) جس امر کو اس نے حق اعتقاد کیا اس پر پختہ رہا۔ مثلاً شمس کا تاج ہونا۔ عاداتاً لوگ جن چیزوں کے سامنے مذہبی لوگوں کے اثر سے یا سوسائٹی یا حکومت کے دباؤ سے ہٹ جاتے ہیں۔ اس کو ان چیزوں کے قبول کرنے سے انکار تھا۔

ه۔ اس کے علوم۔ شروع میں بیس سال کی عمر تک تو اس نے وہ علوم حاصل کیے جنہیں اس نے اپنے باپ سے اور اپنے استادوں سے سیکھا تھا۔ وہ لغت اور ادب اور فقہ کے علوم تھے۔ اس کے بعد اس نے بطور خود وہ علوم حاصل کیے جو اس کے زمانے میں رائج تھے۔ اس نے مذاہب اسلام، نامیہ اور غیر اسلمیہ کے اور علم کلام کے معتقدات و دلائل سے واقفیت پیدا کی اور ان علوم عقلیہ سے بھی جو اس کے زمانے میں عربی زبان میں منتقل ہو چکے تھے۔ بعض لوگوں کا یہ قول بالکل غلط ہے کہ معری نے بعض علوم ایک مسیحی راہب سے مقام لادقیہ میں سیکھے تھے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ معری زندیق تھا یا متقی۔ بعض لوگ اسے زندیق سمجھتے ہیں۔ زندیقہ ہے انسان کا فریب دینیہ سے استہزا اور ان کے ترک کو پسند کرنا۔ اس میں شک نہیں کہ معری نے فروغ شکیلیہ خواہ وہ اسلام سے وابستہ ہوں یا دوسرے دینوں سے سختی سے مقابلہ کیا ہے۔ جسے یہ بات ہے تو زندیقہ کے علاوہ یا اس سے بھی سمجھتا کوئی صفت اس کی طرف منسوب ہونی چاہئے۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے اسے کافر یا بد قرار دیا ہے۔ اس امر کے نصفہ کے لئے یہ ضرور کرنا چاہئے کہ اس کا تقویٰ کس درجہ کا تھا۔ اور وہ اپنے دینی فرائض کے ادا کرنے میں کیا نظر رکھتا تھا۔ نظر غائر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیشک معری میں دینی خشوع و خضوع پورے طرز پر پایا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو اس کا کلام

رودت الی صلیحہ الناس امری

فنام اسأل صنی یقع الکسد وون

میں نے اپنے امر کو اللہ کے سپرد کر دیا میں نے یہ سوال نہیں کیا کہ کب گریہ واقع ہوگا۔

فکم سيلم الجرمول من انشایا

وعو جبل باءم الفيلسوف

بہت سے نادان (جلد آنے والی) موت سے بچ جاتے ہیں اور فلسفی کو جلد موت آجاتی ہے۔

رب الكفنى حسرة الندامة فى الله

شوقبى وزانى بحالنا اننا صم

اسے میرے پروردگار پشیمانی کی حسرت کو آخرت میں ہیروئے لئے کافی بنا دے میں ہمیشہ پشیمان رہتا ہوں

معزى نماز کا پابند ستائیاں اس پر نماز جمعہ میں حاضر نہ ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ معزى کا یہ قصور قابل عفو ہے۔ اس لئے

کہ اندھے آدمی کے لئے جبکہ مسجد جامع میں آنا اس کے لئے شاق ہو صحیح عذر ہے۔ معزى کہتا ہے کہ

الحمد لله قد اصبحنا فى رعية

ارضى القليل ولا اهتم بالقوت

خدا کا شکر ہے کہ میں آرام میں ہوں بخوڑے مال پر قانع ہوں روزی کے لئے فکر نہیں کرتا۔

ومشاهد خالقى ان الصلوة له

اجل عندى من دهرى ويا قوتى

میرا پیدا کرنے والا شاہد ہے کہ اس کے لئے نماز پڑھنا میرے لئے موتی اور یا قوت سے زیادہ قیمتی ہے۔

يقولون : هلا تشهد الجميع التى

مرجو نابها عفو من الله او قربا

لوگ سمجھتے ہیں کہ تو جمعہ کی نماز میں کیوں نہیں آتا جس سے کہ مجھ پر اللہ سے معافی اور قرب کی امید ہے

وهل لى خير فى المحضون وانما

انرا حم من اخيارهم ابلا جربا

رہیں کہتا ہوں) کہ جمعہ میں میرے حاضر ہونے سے کیا فائدہ ہے جبکہ میں اچھے لوگوں میں ایک خارشقی

اونٹ (اپنے) کو بچا دوں۔

اور معزى رمضان میں روزہ بھی رکھتا تھا۔ کیونکہ معزى کے زیادہ ایام بحالہ میں گزرتے۔ معزى کا قول ہے کہ

ابيش با فطار وصوم و يفضة

ولنوم فلا صوما حمدت ولا فطرا

میں زندگی بسر کرتا ہوں افطار اور صوم اور بیداری اور سونے کے ساتھ پس نہ روزہ ہی تقریباً کے

قابل رکھتا ہوں، نہ افطار ہی خوبی کے ساتھ کرتا ہوں۔

معزى جس طرح جمعہ و جماعت کی حاضری سے محذور تھا۔ اسی طرح حج نہ کرنے میں بھی مجبور تھا۔ کیونکہ وہ بوجہ عدم

استطاعت مالی و جسمانی کے اس سے عاجز تھا۔ اس لئے حج اس پر فرض نہ تھا۔ وہ کہتا ہے کہ

ولہ اقص فرضانی منی و بلاحہا
وکم عاجز قدر امرہا متنظلا

میں نے فریضہ حج منی میں اور اس کے بستیوں میں ادا نہ کیا حالانکہ بہت سے ماجزوں نے سہی نفل حج ادا کیا
معری ہرزکوة بھی فرض نہ تھی اس لئے کہ وہ مالکن نصاب نہ تھا مگر وہ صدقہ نافلہ حتی الامکان اصحاب حاجت پر کیا کرتا تھا۔
رہا استحباب معاصی۔ تو ظاہر یہی ہے کہ وہ معاصی سے احتراز کرتا تھا۔ وہ شراب نہیں پیتا تھا۔ عورتوں سے اس نے حلال طریقہ پر بھی تعلق
نہیں رکھا۔ حرام کا کیا ذکر۔ اپنی زندگی میں اس نے کسی کو ضرر نہیں پہنچایا۔ ہاں دوسروں سے وہ ضرر برداشت کر لیتا تھا۔ اپنی جان
اور مال سے مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا۔ ذمیوی تلوث سے وہ متنفر تھا۔ ان سب امور مذکورہ پر اس کے نزدیک مہیات
سے بکثرت شہادہ دل سکتے ہیں۔

ان امور پر نظر کر کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابو العمار، معری متقی رہتا۔ واللہ علم بحقیقتہ النہال۔
معری کے خصائص عامہ۔ اس کے خصائص عامہ اس کے کثرت معلومات اور عظیم علم و ذہنی وجہ سے بہت ہیں۔ مثلاً:-
۱۔ لغت پر قدرت۔ یہ اس کی خصوصیت ان بے شمار مفردات میں ظاہر ہوتی ہے جنہیں وہ اپنے کلام میں استعمال کرتا ہے
اور الفاظ غریبہ اور صیغہ نادرہ ہیں اور ان الفاظ فنیہ میں ظاہر ہوتی ہے جنہیں وہ اپنے اشعار میں مناسب مواقع میں
رکتا ہے۔ مثلاً اسمائے حیوانات و نباتات اور مہیات کی اسماء اور الفاظ جغرافیہ مثل اسماء اماكن و قبائل اور
کنیتیں اور اشخاص کے نام اور بعض معجمی الفاظ علم ہوں یا غیر علم۔ سن کے اس کا قول سہ

کذہ لیلۃ المدکرات ضعیفہ

وکذاک المونثات ابعاء

سب مراد اللہ کے بندے اور عورتیں لونڈیاں ہیں۔

فالہلال الطیف والبدن والفرء

قد والصبح والشری والماء

اللہ ہی کے ہیں، ہلال بلند اور بدر اور فرقہ (نام ستارہ) اور صبح اور چٹی اور پانی

والثویا والشمس والذاری والنث

رہا والارہس والضحی والسماء

اور شہ یا اور آفتاب اور آگ اور شہ (نام ستارہ) اور زمین اور پانچ کادنت اور آسمان

۲۔ فنون بلاغت میں اس کا تصرف۔ معری صناعات لفظیہ طباق اور توریہ و تسبیح میں تکلف کا متکب ہوتا ہے معری
کی ترکیب محکم اور عمدہ ہوتی ہے۔ کیوں نہ ہو وہ لغوی ادیب عالم ہے۔ ہاں تکلف کی وجہ سے اس کی ترکیب کبھی کبھی کمزور
ہو جاتی ہے۔ اور فہم مراد میں قدرت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ادیب جب لفظی تکلف کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو معانی کے
بعض حقوق ادا کرنے سے وہ قاصر ہو جاتا ہے۔

۳۔ معری کی وسعت معلومات۔ حقیقت میں نزدیکیات سخن اور ادب اور تاریخ اور ایام عرب اور مفہمین کے اخبار
قرآن و حدیث و فقہ اور تمام علوم عربیہ و علوم طبی و فلسفہ کے بہت سے فنون کا مختصر انسائیکلو پیڈیا (دائرة

المعارف ہے۔ اس میں شک نہیں کہ معری نے ان اشیاء مذکورہ کو جمع کیا اور یہ چیزیں اس زمانے میں جس طرح رائج تھیں اس طرح اس کو سمجھا پھر ان میں بحث کی اور عقائد و طریقہ پر ان کی تنقید کی۔ ان سب امور کی تفصیل اور ان پر استشہاد کی اس مختصر تحریر میں گنجائش نہیں ہے۔ من شاء الاطلاع علیہا قل یراجع الی مولفانہ سقط الزند ورسالة الغفران واللزومیات۔

تہکم اور نقد۔ معری تہکم اور نقد پر قدرت رکھتا تھا اور اس صفت کے لحاظ سے بہ نسبت فلسفی ہونے کے اس کا ادیب ہونا زیادہ ظاہر ہوتا ہے معری کا تہکم زیادہ تر عادات حاکمانہ اور عقائد موروثہ اور سیاسی لیڈروں کے متعلق ہے۔ اہل شریعت بھی اس کے تہکم سے نہیں بچے۔ معری کا قول ہے

یا رب آخر اجنبی الی دار الرعیۃ
عجلاً فہذا فی السالۃ منکوس

اے میرے پروردگار مجھ کو دار رعیۃ (جنت) کی طرف جلد نکال۔ یہ (دنیا) تو امانت بھی ہے۔

یہ غون بالکسری الی یاج، وبالذی
تسرون الثواب کلہمہ صوکوس

لوگ خسارہ کے بدلے میں نفع تلاش کرتے ہیں۔ اور تکلیف پہنچا کر اچھے ثواب۔ یہ سب کے سب نقصان میں ہیں۔

واری صلوح لا تحوط رعیۃ
فعلام لوخذ جذریہ ومکوس

میں پادشاہوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ رعایا کی حفاظت نہیں کرتے پھر کس بنا پر جزیرہ اور ٹیکس لیتے ہیں۔

قانو افلان جید لصدیقہ
لا یکذبوا ما فی البریۃ جید

لوگوں نے کہا کہ فلاں اپنے دوست کے لئے سچا ہے۔ وہ جو بڑے بولیں دنیا میں کوئی بھی مفلس نہیں ہے۔

فامیرسم نال الامارۃ بالحننا
و تقیہم بصاوتہ مقصید

امیر نے تو حکومت ظلم سے حاصل کی اور رعایا پر مہزگار اپنی نماز سے شکر و غسل کرنے والا ہے۔

کن من تشاء یرجعنا او خذنا
فاذا صرنا فانی فانت السید

تم چاہے کچھ ہو دو غلے ہو یا خالص جہانم میں دو تہمتی لیکن تو تم صید ہو۔

معری کا تہکم از قبیل ہزلیات نہیں ہے بلکہ وہ تلخ حقیقت ہے جو شعر کے سا پنچہ میں ڈھال دی گئی ہے۔ معری کی قدرت نقد پر بہ نسبت تہکم کے زیادہ فلسفیانہ ہے۔ وہ فلسفیوں کے ادہام کو اور مکلمین کے خلائیات کو عقل کی کسوٹی پر جانچتا ہے۔ واقعات کے سامنے پیش کرتا ہے۔ تہکم اور نقد میں یہ فرق ہے کہ تہکم عادتاً ہزل و استخفاف پہ منتج ہوتا ہے بخلاف نقد کے کہ اس کی غایت اظہار حقیقت ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بھی نقد میں کچھ تہکم کا رنگ بھی آجاتا ہے۔ جیسا کہ معری کے یہاں یہ بات بہت ہے۔ ہندوستانی شعرا میں اکبر الہ آبادی رجم کے کلام میں بھی یہ رنگ غالب ہے۔

قال المعری۔ ان کان من فعل الکتب ثم مجبراً

فعبابہ ظلم علی ما یفعل

کبائر کا مرتکب اگر مجبور (محض) ہے۔ تو اس کے فعل پر اس کا معذب ہونا ظلم ہے۔

(۴) تاریخ فلسفہ میں معری کا کیا درجہ ہے

ابو العلاء المعری کو فلسفی کہہ دینا اسی طرح ممکن ہے جن طرح سفسطائیوں کو اور خود سقراط کو فلسفی کہا جاتا ہے یہ تو نا انصافی ہے کہ ہم معری کو افلاطون و ارسطو یا ابن رشد اور کانت کے درجے کا فلسفی قرار دیں۔ لیکن انصاف کا تقاضا ہے کہ ہم اس کو سقراط اور سینٹ اعطینوس اور غزالی اور توما الاؤینی و شوپنہور کے درجے میں فلسفی مانیں اور جبکہ یونانی فلسفہ کی پرانی کتابیں بہت سی نظم میں تھیں تو ہمیں حق ہے کہ ہم معری کی لزومیات کو فلسفہ کی کتاب کہیں۔ معری نے فلسفہ اسلامیہ (جو کہ اس کے زمانے میں رائج تھا) میں نقد و تبصرہ جاری کیا اور اس کی صحیح اور غیر صحیح رایوں سے افکار کو خبردار کیا۔ اس کی جرأت و حیرت اس معاملہ میں بہت زیادہ تھی۔ وہ حکم عقل کے مقابلے میں کسی رائے کی پیروی نہ کرتا تھا۔ اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ اس امر میں وہ سینٹ اعطینوس اور توما الاؤینی سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ معری اپنے تفکر میں واقعات پر نظر رکھتا تھا۔ خیال و وہم کی طرف مائل نہ ہوتا تھا۔ بعض لوگوں نے معری کے ساتھ بے انصافی کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی رائیں سلبی تھیں۔ بعض عادات پر اس نے تنقید کی لیکن ان کے اصلاح کی طرف توجہ نہ کی حالانکہ وہ چند امور میں ایجابی تھا اور بہت سے امور میں لاادریہ تھا۔ عورت کے بارے میں اس نے صاف ایجابی رائے ظاہر کی ہے۔ گو وہ رائے غلط ہے۔ اخلاق کے متعلق اس کی رائے کھلی ہوئی ایجابی ہے۔ دین میں اس کی رائے عملی تھی۔ یعنی وہ عمل صالح کو اور اعتقاد صحیح کو اور حسن معاملہ کو عبادات شکلیہ اور زیورات فقہیہ پر ترجیح دیتا تھا۔ زندگی کے متعلق وہ بلا تردد ترک ازدواج اور ترک نسل اور ترک ایذا حیوانات اور زہ خشک کی طرف دعوت دیتا تھا۔ اور معری نے جب بشر کی حالت میں غور کیا اور تاریخی واقعات کی چھان بین کی تو اس نے، بشری طبیعت پر فاسد ہونے کا حکم لگا دیا اور اصلاح بشر سے بامقصد حجاز کر الگ ہو گیا۔ کیونکہ جب اس نے دیکھا کہ تمام مصلحین اصلاح نہ کر سکے تو وہ اصلاح سے باز ہو گیا۔

معری ہر امر میں اتباع عقل کی طرف ترغیب دیتا ہے اور صرف عقل کو بادی اور باقی طریقوں کو صدمات و تدار دیتا ہے۔ مگر ماورائیات میں (یعنی ان امور میں جو ماد راع الطبیقہ سے تعلق رکھتے ہیں) وہ ان کی حقیقت تک پہنچنے سے اپنا عاجز ہونا بیان کرتا ہے۔ اور اس کو دوسروں کے لئے ناممکن بتاتا ہے اور ماورائیات میں فلسفیوں کی رائیں

ظاہر کر کے ان کے خیالات میں تناقض بیان کرتا ہے۔ حقائق امور ماورائے کائنات کو محال سمجھنا صرف معری کا قول نہیں ہے فیلسوف برونا وغیرہ اس (ت ۴۱۱ ق م) اس کا قائل تھا۔ اور معری کے بعد ابن رشد اور کانت وغیرہ بھی اس امر کے قائل ہوئے اور اگر کوئی شخص مذاہب لا اورین و طبعین اور مرجیہ عقلمین متقدمین و متاخرین سے واقفیت حاصل کر لے تو جان لے کہ معری کا اس امر کو ناممکن جاننا ہی صحیح رائے اور صحیح فلسفہ ہے۔

معری کے فلسفہ کا مفاد امور ذیل ہیں۔ اس کے عناصر شخصیت اور خصائص فنیہ۔ اس کے زمانے کے احوال انقلابات تاریخ عربی و ادب عربی۔ اسلام۔ مذاہب کلامیہ اور مذاہب فقہیہ۔ غیر اسلامی مذاہب مثلاً یہودیہ، نصرانیہ، مجوسیہ، صابئیہ۔ مذاہب فلسفیہ مثلاً اشراقیین، مشائخین۔ سفسطائین وغیرہ۔ ان چیزوں کا علم اسے مطالعہ سے اور ان کے باہمی مجادلات سے جو اس زمانے میں سوریہ میں پھیلے ہوئے تھے حاصل ہوا۔ وہ مشرقی مذاہب جو فلسف اور تدریس سے محروج تھے۔ مثلاً بوذیہ (بدھ مت) اور تناسخیت وغیرہ۔ ان امور سے اسے بغداد میں واقفیت حاصل ہوئی کیونکہ اس زمانے میں بغداد میں ان مذاہب کے علما کی آمد و رفت تھی۔

مذاہب باطنیہ۔ ان میں سے بعض کو بغداد میں جانا۔ جیسے مذہب جماعتہ اخوان الصفا اور بعض کو معرہ میں واپسی کے بعد۔ جیسے مذاہب قاطمی جس کی ایک شاخ مذہب درزی ہے۔ اور حشاشین کا مذہب اور فرقہ نصیریہ کا مذہب۔ اس کے زمانے میں یہ مذاہب بہت پھیلے ہوئے تھے اور سوسائٹی پر ان مذاہب کا اثر ظاہر تھا۔ معری کی کتابوں میں ان مذاہب کا ذکر کم و بیش آتا ہے۔

(۵) معری کے فلسفہ کا بیان بطریق اختصار

معری نے نہ کوئی نیا فلسفی مذہب ایجاد کیا ہے۔ نہ اس کا قصد اس نے کبھی کیا ہے۔ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس نے کسی فلسفی مذہب کو پورے طور پر اختیار کیا اور نہ یہ کہ وہ کسی دینی مذہب کا پورا پیرو ہوا ہے۔ بلکہ جن مذاہب کی جو بات اسے پسند آئی اسے تسلیم کر لیتا۔ زندگی کے مختلف ادوار میں اس کے خیالات میں بھی تنوع ہوتا رہا۔ اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ غور و فکر نیز زمانے کے انقلابات اور عمر کے مقضیات سے خیالات میں تغیر و تنما ہوتا ہی رہتا ہے۔ بعض لوگ لزومیات میں مختلف قسم کے خیالات و معتقدات کو دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ معری متشدد اور متشکک تھا۔ حالانکہ پہلے اس میں غور کرنا چاہئے کہ لزومیات کی جو موجودہ ترتیب ہے کیا اسی ترتیب سے معری نے اشعار کہے ہیں یا حسب حاجت شعر کہہ دیا۔ پھر جمع کی ترتیب حروف و حروف کے مطابق کی گئی۔

اس امر پر متعدد قرائن قائم ہیں۔ کہ لزومیات کی موجودہ ترتیب بعد کہ ہوئی۔ پہلے اشعار مناسب موقع پر کہہ دیئے جاتے تھے۔ کل اشعار دو چار ماہ یا دو چار سال میں نہیں کہے گئے۔ بلکہ بہت زیادے ہیں، معری کی لوجوانی سے بڑھاپے تک میں کہے گئے۔ قرائن حسب ذیل ہیں۔

(۱) اشارات تاریخیہ مثلاً ایک تاریخی مشہور واقعہ صلح بن مرد اس حاکم حلب کا ہے۔ وہ یہ ہے کہ معرہ کی رہنے والی ایک لوجوان کنواری عورت شراب کی ایک دوکان کی طرف گذری۔ اس دوکان کے بعض لوگوں نے اس سے چھڑ چھاڑکی۔ اور زبردستی اس پر غالب آگئے۔ جمعہ کے دن وہ عورت معرہ کے جامع مسجد میں آئی اور نمازیوں سے اپنا واقعہ بیان کیا۔ ان لوگوں نے جوش غضب میں اس دوکان کو جا کر ڈھا ڈالا۔ معری اس کے متعلق کہتا ہے

انت جامع يوم العروبة جامعاً
نقص على الشہاد باطصرا حمرها
جامع (غالباً اس عورت کا نام) جمعہ کے دن جامع مسجد میں آئی۔ حاضرین کے سامنے اپنا واقعہ بیان کرنے لگی۔

فلولم ليقوموا ناصرین لصوتها
نخلت سماء اللہ تمطر جمرها
اب اگر لوگ اس کی فریاد پر اس کی مدد نہ کریں گے تو میرا خیال ہے کہ آسمان سے آگ سے برسیں گے۔

فهدو ابناء کان یا وی فناء
فواجرا القتل للذوا حشیں خمرها
اس لئے تم لوگ اس عمارت کو ڈھادو جس کے صحن میں بدکار عورتیں بے حیائی کے لئے اپنے دوپٹے پھینک دیتی ہیں۔

وما العیش الا لجة باطلية
ومن بلغ الخمسين جا ذر عمرها
زندگی کیا ہے ایک فنا ہونے والا گہرا سمندر ہے اور جو چوبیس سال کی عمر کو پہنچ گیا وہ اس کی گہرائی کو پار کر گیا

واقعہ مذکورہ ۴۱۸ھ میں رونما ہوا تھا۔ اس وقت معری کی عمر ۵۵ سال کی تھی۔ صالح بن مرداس کا ایک رومی وزیر ثیودور نامی تھا۔ وہ اہل معرہ پر یہ انتہام لگاتا تھا کہ ان لوگوں نے اس کے خسر کو قتل کر ڈالا ہے۔ جب اہل معرہ بدکاری کے گھر کو منہدم کر دیا تو ثیودور کو انتقامی جذبہ میں اس پر آمادہ کیا کہ اس نے صالح کو اہل معرہ کے برخلاف ابھارا۔ صالح نے ثیودور کی باتوں پر اعتماد کر کے معرہ والوں پر تعزیری ٹیکس عائد کر دیا۔ اور ایک فوج کو معرہ کے منہدم کرنے کے لئے معرہ کر دیا۔ اہل معرہ بحالت پریشانی اپنے شاعر ابو العسلار المعری کے پاس آئے اور اس کو سفارش کے لئے صلح کے یہاں بھیجا۔ صالح نے ابو العسلار کی بڑی آد بھگت کی اور اس کی سفارش سے معرہ کے منہدم کرنے سے باز آیا۔ لیکن ٹیکس نہ معاف کیا اس سے معری صالح سے ناخوش ہو گیا۔ معری کہتا ہے

بعثت شفیعاً لک صالح
وذاک من القوم رای قسدا
میں سفارشی بنا کر صالح کے پاس بھیجا گیا۔ مگر یہ رائے قوم کی غلط تھی۔

نحی المعاشر من براثن صالح
رب یفرج کل امر معضل

صالح کے چنگل سے جماعتوں کو اس پروردگار نے نجات عطا فرمائی جو ہر مشکل امر کو حل کرتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ معری نے یہ اشعار ایک ہی وقت میں یا اوقات متقاربہ میں کہے ہیں۔ کیونکہ ان اشعار کا تعلق واقعہ مذکورہ سے ہے۔ لیکن لزومیات مضبوذہ موجودہ میں ان اشعار میں ہزاروں اشعار شامل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اشعار حسب موقع کہے گئے۔ اور موجودہ ترتیب حرف روی کے اعتبار سے بعد کو قائم کی گئی۔

(۲) لزومیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے کسی شعر میں اپنی عمر پچاس سال بتائی ہے۔ اور اس کے بعد والے شعر میں چالیس سال بتائی ہے۔ اسی طرح موجودہ ترتیب کے اعتبار سے مقدم شعر میں اپنی کہولت کا ذکر کیا ہے اور موخر شعر میں اپنے شباب کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شعر کہنے کی ترتیب اور ہے اور ترتیب جمع ادب ہے۔

(۳) غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اشعار جو ترتیب موجودہ میں مقدم ہیں ان سے شاعر کی رائے کی پختگی ظاہر ہوتی ہے۔ جو اس امر پر دلالت ہے کہ شاعر نے ان اشعار کو سن رسیدہ ہونے پر کہے ہیں۔ کیونکہ زیادہ عمر ہونے پر تجربہ کاری اور رائے کی پختگی عموماً حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض اشعار جو ترتیب میں موخر ہیں وہ بتاتے ہیں کہ یہ عمر کی پختگی سے پہلے کہے گئے ہیں۔ اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ بعض لوگوں کا یہ اعتراض ساقط ہے کہ معری کے کلام میں تناقض و تردد ہے۔ مثلاً وہ اپنے اس قول میں نسل کے باقی رکھنے کی ترغیب دیتا ہے کہ

والنسل افضل ما فعلت بها

وآخر استعبت بها فممن عقل

تمہارا سب سے کاموں میں سب سے بہتر کام نسل کا بڑھانا ہے۔ اور اس کے لئے دنیا میں تمہاری کوشش عقل کا مقتضات ہے۔

ایک دوسرے قول میں قطع نسل پر زور دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ

ادری النسل فربما لا تخافوا لایقالہ

لا تنكحوا الدهر غایر عقلیہم

میں نسل کے بڑھانے کو انسان کے ناقابل معافی گناہ سمجھتا ہوں۔ پس تو ہرگز سوا ہانچو عورت

کے عمر بھر کسی سے نکاح نہ کرنا۔

یہ اعتراض اس لئے ساقط ہے کہ جیسا کہ بیان ہو چکا، معری کی رایوں میں مختلف زمانوں میں تغیر ہوتا رہا جیسا کہ تمام مغربی و مشرقی فلسفیوں کی رایوں میں ہمیشہ تغیر ہوتا رہا۔ اس لئے یہ تناقض نہیں ہے۔ معری کا فلسفہ امور ذیل پر مشتمل ہے

(۱) معری تقیہ فکر پر عامل ہے۔ وہ اپنی سب رایوں کو صراحتاً ذکر کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے وہ اپنے بہت سے اعتقاد کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ یا رمز و کنایہ یا تلمیح کے طریق پر ذکر کرتا ہے تاکہ عامتہ الناس نہ سمجھ سکیں۔ کیونکہ اسے وہ اپنے لئے بھی اور لوگوں کے لئے بھی مضرت سمجھتا ہے۔ اسی تقیہ فکر یہ کی وہ دوسروں کو بھی ترغیب دیتا ہے کہ

اهوی الحیاة وحسابی من مصائبها

انی اعیش تبویہ و تدلیس

میں زندگی کی بوس کرتا ہوں۔ حالانکہ اس کی مصیبتوں میں سے یہ مصیبت میرے لئے کافی ہے

کہ میں دیکھ رہا ہوں اور ملمح سازی کی زندگی بسر کرتا ہوں۔

فاک تم حدیثک لایشعر بہ اخذ
من رھط جبریل او من رھط ابلیس

تو اپنی بات چھپا اسے کوئی نہ جانے کہ جبریل کی جماعت میں سے نہ ابلیس کی جماعت میں سے
(یعنی فرشتوں اور جنوں کو بھی نہ معلوم ہو سکے)

(۲) معری کی لا اذریۃ اور شک۔ معری کا اعتقاد ہے کہ امور کی ماہیات ہمارے ادراک سے محبوب ہیں اور دوسروں کے متعلق بھی وہ اسی کا قائل ہے۔

وما یدری الفتی والنظن جہل

وقضیۃ الملیذہ مغیبات

انسان نہیں جانتا اور گمان کرنا تو نادانی ہے۔ خدا کے فیصلے تو پوشیدہ ہیں

(۳) اتباع عقل۔ معری باوجودیکہ معرفت حقیقیہ سے انسان کو عاجز سمجھتا ہے۔ اس کا قائل ہے کہ انسان کو ہر فعل میں عقل کی اتباع ضروری ہے۔ تقلید سے اجتناب لازم ہے۔

فلا تقبلن ما یخبرونک ضیلۃ

انزالہم یوید ما التویر بہ العقل

لوگ جو اپنی بے وقوفی سے بہتیں خبر سناتے ہیں۔ جب تک عقل اس کی تائید نہ کرے اسے قبول نہ کرو۔

(۴) تشاؤم یعنی بداندیشی اور براشگون کا معری کے نزدیک بات میں غالب ہونا زیادہ ظاہر ہے۔ اور تشاؤم بظہر تحقیق فلسفہ میں سے نہیں ہے بلکہ وہ زندگی سے مایوسی اور ناامیدی ہے اور کسی شخص کا عادتاً اچھا شگون کرنا یا برا شگون کرنا نہ نظریاتی بنیادوں پر اور نہ مذہب فلسفی پر مبنی ہے بلکہ اسی نفسی خیالات پر مبنی ہے جو اس کی حیا، عملیہ اور عامہ و خاصہ میں سے پیش آتے ہیں اور انسان اپنی دونوں حال یعنی تشاؤم و تفاؤل میں اپنی زندگی کے حالات مثلاً محتاجی یا دولت مندی اور تندہستی یا بیماری اور کامیابی یا ناکامی کے۔ انہو متاثر ہوتا ہے اور انسان کو تشاؤم و تفاؤل کی طرف پھیر دینے میں انسان کے مزاج کو خاصہ دخل ہوتا ہے۔

اور تشاؤم فلسفہ مشرقیہ میں اور بالخصوص بدھ مت کے فلسفہ میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ لیکن یورپ کے فلسفہ جدیدہ میں وہ بہت ہی نادر الوجود ہے۔ جیسا کہ شوپنہور کے نزدیک ہے مثلاً۔ معری کی تو یہ حالت ہے کہ وہ تشاؤم میں حد اعتدال سے متجاوز ہے اس کو زندگی میں صہرت سیاہ رخ نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض اس کے سامنے سفید رخ پیش کیا جاتا تو اس سے وہ منہ پھیر لیتا۔ اس کے شعر مندرجہ ذیل میں ان باتوں پر غور کرو۔

عرفت سجایا الدھر اما شرورہ

فنقل واما خیرہ فوعورہ

میں نے زمانے کے ڈھنگوں کو پہچان لیا اس کا خرابیاں تو نقد ہی نقد ہیں۔ اور اچھائیاں صرف وعدے ہیں۔

ان اکانت الدنیا کذاک فخلعنا و لو ان کل الطالعات سعورہ

ترجمہ :- جب دنیا ایسی ہے تو چھوڑ دے ، اگرچہ کل ستارے سعد (مبارک) ہوں

رقدنا ولم نملکھ رقاد عن الاخری

وقامت بما خضنا ونحن قعود

ترجمہ :- ہم نے سونا چاہا لیکن تکلیف سے نہ سوسکے ۔ اور اس نے وہ چیز پیدا کر دی جس سے ہم بیٹھے بیٹھے ڈوب گئے

فلا یرهبنا الموت من نزلنا کبنا

انحننا اثراتی التراب صرعود

ترجمہ :- جو سواری پر سوار ہو وہ ہرگز موت سے نہ ڈرے ۔ اس لئے کہ مٹی میں نیچے اتر جانا۔ (یعنی مرے کے بعد قبر میں دفن ہونا) یہ درحقیقت بلند ہونا ہے۔ (کیونکہ دنیا کی ذلتوں سے نجات ملے گی۔

و کم انذرتنا بالسیول صواعق

و کم خبرتنا بالغمام رجود

ترجمہ :- اور بہتیرا بجلی کی کڑک نے ہمیں سیلاب سے ڈرایا اور ابر کے گرج نے اکثر ابر کی ہمیں خبر دی

اور جب وہ نظر پھیرتا ہے تو کسی چیز میں بھی اس کو سوا خرابی کے کچھ نظر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ خود

زندگی میں بھی اس کو خرابی ہی خرابی دکھائی دیتی ہے۔ وہ کہتا ہے :-

غللت الشرور و نر یو عقلنا صیرت

دیة القتیل کرامۃ اللقاتل

ترجمہ :- ہر ایسا بڑھ گئی ہیں اور اگر ہمیں عقل ہوتی تو مقتول کی دیت کے بجائے قاتل کے لئے انعام مقرر کیا جاتا۔

و دردت الی ذار المصابب مجبوراً

و اعصبحت فیہا لیس لی مجنواً النقل

ترجمہ :- میں مصیبتوں کے گھر (دشیا) میں مجبوری کی حالت میں آیا۔ اور اس میں ایسا ہو گیا کہ مجھے منتقل ہونا پسند نہیں۔

اعانی مشروراً لا قوام بمثلھا

واحر ناس طبع لا یعد بہ العقل

ترجمہ :- میں ایسی برائیاں جھیلتا ہوں جن کا کوئی مصالح نہیں ہے اور طبیعت کی میل کچیل صیقل کرنے سے صاف نہیں ہوتی

الا انما الدنیا منحوس لاہلھا

فما فی زمان انت فیہ سعور

ترجمہ :- آہ ہو جاؤ کہ بیشک دنیا اس میں رہنے والوں کے لئے سخت منحوس ہے۔ جس زمانے میں تم ہو

اس میں کچھ خوش قسمتی نہیں ہے۔

لو كنت رائد قوم ظاعنين الى

دنيا حذی لما الفیت کذا با

ترجمہ :- اگر میں کسی ایسی جماعت کا ناظم منازل ہوتا جو اس دنیا میں آنے والی ہوتی تو میں جھوٹ نہ بولتا

لقلت تله بلا نبتها سقم

وما عذبالعذب سم للفتی ذایا

ترجمہ :- میں (دنیا سے ان کے پاس اگر) کہتا کہ ان مقامات کی پیداوار بیماری ہے۔ اور میٹھا پانی ایسا زہر

ہے جو انسان کو پانی کر دیتا ہے

هی العذاب فجذوا فی ثرحلکھ

الی سواها و خلوا الدار اعذابا

ترجمہ :- وہ (دنیا) عذاب ہے۔ تم لوگ اس کے سوا اور مقام کی طرف کوچ کرنے کی کوشش کرو۔

اس گھر (دنیا) کا خیال ترک کر دو۔

اب بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ معری جو تشاؤم کا دلدادہ ہے۔ وہ لوگوں کو تفاؤل و تشاؤم

کے ترک پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ تناقض کیسا۔ مگر درحقیقت اس میں تناقض نہیں ہے۔ معری کے نزدیک خیر و

شر اور موت و حیات اور فقر و غنا سب چیزیں برابر ہیں۔ نہ کسی ایسی بھلائی سے جس کا ملنا سے ممکن ہو

وہ خوش ہوتا ہے۔ اور نہ کسی ایسی برائی سے جو اسے پہنچ سکتی ہے غمگین ہوتا ہے اور اسی وجہ سے وہ لوگوں کو

تفاؤل و تشاؤم کے ترک کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ کہتا ہے

لا تفرحن بقال ان سمعت به

ولا تطمئن اذا ما ناعب لغبا

ترجمہ :- تم کسی فال کو سن کر ہرگز خوش نہ ہو۔ اور نہ جب کو ابولے تو بدشگونی سمجھو۔

فالخطب القطع من سراع تاملها

والامر ایسر من ان تضر السرعبا

ترجمہ :- اس لئے کہ ناگہانی امر زیادہ پریشان کن ہے، بہ نسبت اس خوشی کے جس کی تم امید رکھتے ہو۔ اور

وہ امر (جس سے تم ڈرتے ہو) وہ زیادہ آسان ہے خون کو دل میں جگہ دینے کے۔

أسررت ان موالسنیج تفاؤلا

والفال من رانی لعمرک فاعل

ترجمہ :- کیا تو مسرور ہوا جبکہ دائیں طرف سے آنے والا گداز نیک شگون سمجھ کر۔ اور میری رائے میں فال

تیری زندگی کی قسم کمزور چیز ہے۔ (دائیں طرف سے گزرنے کو مبارک اور بائیں طرف سے لوگ منحوس

سمجھے ہیں۔)

ارایت فعل الدھرانی اھم مضت

قبلا و عرج عیائل بقبائل

جسمہ :- تم غور کرو کہ زمانہ کا پہلے گزرنے والی قوموں کے ساتھ کیا سلوک ہوا ہے۔ اور قبیلوں کی دوسرے قبیلے والوں سے کیسی مڈبھیڑ ہوئی ہے۔

یہ تشاؤم شدید معری کے لئے اس سے مانع نہیں بنا کہ وہ لوگوں کو عمل خیر و اخلاق کریمہ پر آمادہ کرے۔ کیونکہ وہ خصوصی در پر تشاؤم کا اہتمام نہیں کرتا تھا۔ جبکہ وہ اپنے ہاتھ کو مال و جاہ اور لذت دنیوی کے طلب سے جھاڑ چکا تھا۔ بلکہ اس نے ہا کہ انسان اپنے نفس کو خلق بلند کا نمونہ اور عدل کی مثال بنائے۔ لوگوں سے اور لوگوں سے حاصل ہونے والی چیزوں سے مثلاً شکر یا توجہ یا خوش ہونے سے صرف نظر کرے۔

تفکر علمی مادی :- معری کا اعتقاد ہے کہ فرائض دینیہ کے لئے شکل اور روح ہے۔ وہ شکل کے ترک کا داعی نہیں ہے بلکہ روح کو شکل پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ اسے ناپسند کرتا ہے کہ دین اور علم میں بے فائدہ بحث و جدال کی جائے۔ یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ فرض شکلی میں ایسا انہماک ہو کہ جس سے دوسرے فروض و حقوق دینیہ جس سے نفع اجتماعی ہوتا ہے۔ مثلاً زکوٰۃ و صدقہ ترک ہو جائیں۔ وہ اس عبادت شکلیہ کو بے فائدہ سمجھتا ہے جس کا نتیجہ شہر یا ضرر ہو۔

اذ ارام کیدا بالصلوٰۃ مقیمھا

فتاد رکھا عمدا الی اللہ اقرب

جو لوگوں سے سوال کرتا ہے تو وہ لوگ اسے محروم کر دیتے ہیں۔ اور اللہ سے سوال کرنے والا

ناکام نہیں ہوتا۔

معری معجزات و کرامات کا منکر تھا۔ انبیاء و رسل کے متعلق اس کے خیالات صحیح نہ تھے۔ فقہار صوفیہ کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا۔ عقلی دلائل کو دینی براہین پر ترجیح دیتا تھا۔ انھیں وجوہ سے بعض علمائے اس پر کفر و زندقہ کا حکم جاری کیا۔ یہ سب باتیں اس کے کلام کے مطالعہ کرنے والوں پر ظاہر ہیں۔ اس مختصر تحریر میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

واذا اتتک مذمتی من ناقص

فہی الشہادۃ لی بانی کامل

جب تجھ سے کوئی کم علم میری بُرائی بیان کرے تو یہ امر میرے کامل ہونے کی گواہی ہے۔

مشاہیر اور نامور شخصیتوں کے سوانح و حالات میں پڑھنے والوں کے لئے عبرت بھی ہوتی ہے اور بصیرت بھی۔

ان کی زندگیوں میں جہاں پاکیزگی، صالحیت، اور صحت اعتقاد و اصابت فکر پائی جاتی ہے، اس سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور اٹھانا چاہتے۔ جہاں فساد اعتقاد، خرابی عمل اور انتشارِ فکر ہے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

فارابی، ابن سینا اور ابن رشد بہت بڑے مسلم فلسفی گذرے ہیں۔ ان کی علمی خدمات یقیناً شاندار ہیں

مگر ان کے بعض افکار دینی نقطہ نگاہ سے خطرناک ہی نہیں گمراہ کن بھی ہیں۔ اور ابوالعلا معری تو فلسفی ہونے کے علاوہ

شاعر بھی تھا! شاعر اظہارِ فکر و خیال میں یوں بھی آزاد اور غیر ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اس لئے معری کے عقائد و افکار میں

جہاں دین سے بیگانگی پائی جاتی ہے ان سے ہم برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ اقرار میں ہم اس کے ساتھ ہیں بلکہ انکار میں ہم اس کے

مختصر رسول نگری

پیغام بیداری

- روح انصاف کی فریادگناں آج بھی ہے
وہی ناکامی تہہ سہم کا سماں آج بھی ہے
● دورِ عشرت ہے وہی اور ستم کوشی ہے
یہ سیاست ہے کہ ہنگامہ مکاری ہے
یہ معیشت ہے کہ افلاس ہے ناداری ہے
● محفلِ عیش جمی رہتی ہے ایوانوں میں
ہیں وہی خواب پریشاں، وہی تعبیریں ہیں
حق کے اظہار پہ اب تک وہی تعزیریں ہیں
● نئی رت آئی ہے یارنگ چمن بدلا ہے
ذوقِ تسلیم نہیں، وحدتِ افکار نہیں
● جذبہ حق میں وہ بیباکی اظہار نہیں
● عقل جذباتِ حق انگیز پہ غالب ہے ابھی
بے خبر! غیرتِ ایماں کے تقاضے کیا ہیں
تلخی گردشِ دوراں کے تقاضے کیا ہیں
● دیتے ہیں دعوتِ پیکار زمانے والے
صلوتِ کفر ہے جس چیز سے لرزاں کیا ہے
جو نہیں وارثِ لولاک وہ ایماں کیا ہے
● قوتِ ملتِ بیضا فقط اسلام سے ہے
- جس طرح پہلے تھی یہ مرثیہ خواں آج بھی ہے
دلِ نادار میں احساسِ زیاں آج بھی ہے
● وہی غفلت ہے وہی عالم مدہوشی ہے
یہ تجارت ہے کہ سرمایہ کی عیاری ہے
یہ تمدن ہے، اخوت نہ رواداری ہے
● عصمتیں بکتی ہیں دولت کے شبستانوں میں
وہی اخلاق کی گبڑھی ہوئی تصویریں ہیں
بے گناہوں کے لئے آج بھی زنجیریں ہیں
● کون کہتا ہے کہ آئینِ وطن بدلا ہے
روحِ تقدیس نہیں عفتِ کردار نہیں
صفتِ جنگاہ میں وہ عشق کی لکار نہیں
● مصالحتِ عشق جنوں خیز پہ غالب ہے ابھی
تجھے معلوم ہیں سترآں کے تقاضے کیا ہیں
شورشِ موجہ طوفاں کے تقاضے کیا ہیں
● ہیں کہاں گردنیں باطل کی جھکانے والے
تو نے سوچا بھی ہے وہ قوتِ پنہاں کیا ہے
جس کی دنیا میں نہیں دھاک وہ عرفاں کیا ہے
● فوقیت اس کو جہاں میں اسی پیغام سے ہے

شفقت کا نظمی

جذبات

دل ہے مانوس کینج تنہائی
شامِ غم جب کسی کی یاد آئی
گھوٹ چلی ہر نظر میں قدر اپنی
اُن سے چھوٹی نہ سادگی کی ادا
تیرے حسنِ جنوں نواز کی خیر
جس قدر ہم نے بھولنا چاہا
جن سے آباد تھی گلی تیسری
مٹ چکا شوق محفل آرائی
بڑھ گیا اور رنجِ تنہائی
بڑھ چلا اعتبار رسوائی
باوجود شباب و رعنائی
کم نہ ہوں گے ترے تمنائی
اُس قدر ہم کو تیری یاد آئی
کیا ہوئے اب وہ تیرے سوائی

شہیب کی سختیوں سے آے شفقت
کس کو ہے یاد عیشِ برنائی کرا

شکوہ کے!

راستخ عرفانی

شرابِ ناب سے ساقی سے پیمانوں سے کیا شکوہ
جو محرومی ہو قسمت میں تو مے خانوں سے کیا شکوہ
خردِ دلو، پریشاں حال انسانوں سے کیا شکوہ؟
چلو چھوڑو یہ دیوانے ہیں۔ دیوانوں سے کیا شکوہ
نہ راس آئے اگر فصلِ بہاراں غنچہ دل کو؟
تو پھولوں سے گلہ کیسا، گلستانوں سے کیا شکوہ
تری پُر کیف آنکھوں کے جنوں پرور اشاروں سے
جو زائد بھی بہک جائیں تو مستانوں سے کیا شکوہ
جہاں سے اٹھ گئے وہ پاسباں ناموس ملت کے
جو ننگ قوم ہوں ایسے مسلمانوں سے کیا شکوہ
شکایت بھی ہوا کرتی ہے اپنوں ہی سے آے راستخ
جو بیگانے ہیں، بیگانے ہیں، بیگانوں سے کیا شکوہ

روحِ انتقاد

قرآن مجید کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس نے واقعات کے بیان میں حد درجہ اختصار کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ اس کی عبارت ہر قسم کے مشو و زوائد سے بالکل پاک ہوتی ہے۔ اس وجہ سے جو شخص اس کے قصص اور دلائل پر غور کرنا چاہے اس کو پہلے معلوم کر لینا چاہئے کہ ان چیزوں کے بیان میں اس کی عام روش کیا ہے۔ یہاں ہم اس چیز کی طرف خاص اشارات کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن مجید میں قصص دراصل عبرت اور تعلیم حکمت کے مقصد سے بیان ہوئے ہیں اور بعض اوقات انہیں کی لپیٹ میں ان تحریفات کی اصلاح بھی کر دی جاتی ہے جو اگلوں نے ان میں کر رکھی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لئے اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ کوئی واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں تدبر کرنے والوں سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ وہ اس امر کا اہتمام نہیں کرتا کہ ایک واقعہ کو ایک جگہ پوری وضاحت و تفصیل کے ساتھ بیان کر دے۔ بلکہ اس کا عام طریقہ یہ ہے کہ ایک واقعہ کا کچھ حصہ ایک جگہ بیان کرتا ہے اور اسی کا کچھ حصہ دوسری جگہ ذکر کرتا ہے۔ اور بعض اوقات ان دونوں سے الگ ایک تیسری راہ بھی اختیار کرتا ہے وہ یہ کہ پورے قصہ یا اس کے کسی ایک حصہ کی طرف محض ایک سرسری اشارہ کر کے گزر جاتا ہے، حقیقت کے اعتبار سے یہ اسلوب بھی اسی عام اسلوب بیان کی ایک شاخ ہے جس کا اوپر بیان ہوا۔ کیونکہ اس کی تہ میں بھی بلاغتِ بیان کا وہی اسلوب ملحوظ ہے کہ بات صرف اتنی کہی جاتے جتنے کے لئے موقعِ کلام مقضی ہو، ہمارے علماء اس رمز سے واقف تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کا ایک اصول یہ ہے کہ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تفسیر کرتا ہے۔ پس جو چیز ایک جگہ مجمل ملے گی وہی چیز دوسری جگہ پوری تفصیل کے ساتھ سامنے آجائے گی۔ قرآن مجید کی تفسیر میں یہ اصل الاصول ہے جو ہر غور کرنے والے کے پیش نظر رہنا چاہئے!

دلائل کے بیان میں بھی قرآن میں ایجاز و بلاغت کا یہی انداز ہوتا ہے۔ اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ قرآن ان کو صرف بہ طریق اشارہ ذکر کر کے گزر جاتا ہے۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ دلیل کے اہم مقدمات کو تو بیان کر دیتا ہے۔ لیکن جو پہلو ظاہر ہوتے ہیں ان کو چھوڑ جاتا ہے، عقلی دلائل کے بیان کرنے کے معاملہ میں قرآن کا عام انداز یہی ہے، رہیں نقلی چیزیں تو قرآن جب ان کا حوالہ دیتا ہے تو عموماً صرف مشہور و مسلم پہلو کی طرف اشارہ کر دیتا ہے۔ اور چونکہ اس باب میں مقصود اصلی عبرت و یاد دہانی اور بخشش و عذاب کے عام خدائی قوانین کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے تحویلات و تہذیب کا معنوی اکثر ان کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے۔ قصص اور دلائل پر غور کرنے ہوئے ان دو بنیادی اصولوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے ورنہ صحیح نتیجہ نکلے گا۔

ہماری نظریں

قربانی کی حقیقت اور اس کی تاریخ | از - مولانا حمید الدین فراہی، ترجمہ :- مولانا امین احسن اصلاحی۔ ضخامت ۱۹۲ صفحات (قیمت) | دارج نہیں) ملنے کا پتہ :- مکتبہ تعمیر انسانیت، گوجرگلی، موچی دروازہ لاہور۔
مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ قرآنی علوم میں غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ امامت و اجتہاد کے منصب پر فائز تھے۔ مولانا مرحوم نے عربی میں

”السرایع الصیح فی من هو الذبیح“

کے نام سے ایک معرکہ آرا کتاب لکھی تھی۔ جس کا ترجمہ ان کے قابل فخر تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی نے سلیس اردو میں کیا ہے۔ اور مکتبہ تعمیر انسانیت نے اس کتاب کو خاص اہتمام کے ساتھ چھاپا ہے! مصنف مترجم اور ناشر سب کے سب اعلیٰ قدر سعی و اخلاص اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر پائیں گے۔

اس کتاب میں توریت اور علمائے اہل کتاب کے اعتراضات سے قرآنی آیات اور روایات و اقوالِ سلف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نہیں تھے۔ کعبنات یہودیوں نے توریت مقدس میں تحریف کر کے اس حقیقت کو خواہ مخواہ مشتبہ اور ملتبس بنا دیا ہے۔ یہ کتاب اس تحریف اور اشتباہ و التباس کے تار پود بکھیر کر رکھ دیتی ہے۔

قدیم مفسرین میں علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہود کی روایات سے متاثر ہو کر حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح ٹھہرا دیا۔ علامہ فراہی قدس سرہ نے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کا جس بصیرت و فراست اور دقت نظر کے ساتھ رد فرمایا ہے اس سے وہ انہیں کا حصہ ہے۔

ترجمہ کی خوبی اور تاثیر کا اندازہ اس اقتباس سے کیا جاسکتا ہے :-

”درا تصور کیجئے کہ ایک صابرا اور صاحب سوز و گداز انسان ہے جو بڑھاپے کی آخری منزل تک پہنچ چکا ہے۔

لیکن اولاد کی نعمت سے محروم ہے۔ اس محرومی سے اس کا دل تنگ ہو رہا ہے۔ اور وہ اپنے پروردگار سے اولاد

کے لئے پُرسوز دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرما کر اولاد کی نعمت سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے

اس قبولی دعا پر اس کے دل کا ریشہ ریشہ شکر کے جذبے سے معمور ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کا نام ہی

قبولِ دعا (اسلمح ایل) رکھ دیتا ہے۔ پھر تیرہ برس تک ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی پُرمجبت آغوش سے اس کو الگ نہیں کرتا۔ اکلوتا بیٹا ہے، دعائے سحر ہے۔ بڑھاپے کا چشمِ چرخ ہے اور سورتِ حال ایسی ہے کہ آئندہ اولاد کی کوئی امید نہیں ہے۔ ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرو کہ ایسے بیٹے کے ساتھ ایسے باپ کی محبت کا کیا عالم ہوگا؟

..... "وَقَلِّ لِّلْجَبِّينَ" اور اس کو پیشانی کے بل پچھاڑ دیا۔ (صفحہ ۸۹)

"قلِّ" کا ترجمہ شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے "گرادیا" اور ان کے بعد ڈپٹی نذیر احمد مرحوم نے "پچھاڑ دیا" کیا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ "پیشانی کے بل گرا دیا" ترجمہ: "پیشانی کے بل پچھاڑ دیا" کے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہے اور قرآنی مفہوم کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ "پچھاڑنے" میں "مزاحمت" کی جھلک سی پائی جاتی ہے۔ اور یہاں عمودِ کلام "اَسْلَمًا" قرار پاتا ہے۔! مولانا امین احسن اسلامی کی نگاہِ نکتہ میں سے ترجمہ کا یہ نازک فرق پوشیدہ تو رہنا نہیں چاہئے ہوتا۔

یہ کتاب عوام و خواص سب ہی کے پڑھنے کی ہے، اس کے مطالعہ سے قرآنی فہم میں تیزی اور جودت پیدا ہوتی ہے! کاش! ہمارے عربی مدارس کے نصاب میں اس قسم کی کتابیں باز پاسکیں۔! متقدمین کی تصانیف کے ساتھ مولانا فراہی کی اس کتاب کو بے دریغ رکھا جاسکتا ہے۔!

اعجازِ حدیث | از۔ مولوی محمد صادق سیالکوٹی، ضخامت ۳۴۰ صفحات

ملنے کا پتہ :- دائرۃ التبلیغ، پورہ ہیراں، سیالکوٹ شہر

جناب مولوی محمد صادق سیالکوٹی دسیوں کتابوں کے مصنف اور مولف ہیں اور ان کا قلم دین کی تبلیغ و مدافعت کے لئے وقف ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم کے احکام اور مسلمانوں کی زندگی کے تمام دین و دنیا کے کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حدیث مقدس کی روشنی میں انجام پاتے اور پابانہ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ اپنے موضوع پر یہ کتاب آسان، سلیس اور ہر اعتبار سے مفید ہے، ہر صفحہ اخلاقِ نبوی کے موتیوں سے مزین ہے۔ اس لئے پاکیزگی کے دربار کے لئے اس کا مطالعہ فائدہ مند ہے۔ شرک و بدعت کا رد بھی قوی دلائل سے کیا گیا ہے۔

سرورق پر اقبال کے شعر کا مصرعہ اولیٰ غلط چھپ گیا۔ "را" کے چھوٹ جانے سے مصرعہ کا وزن باقی نہ رہ سکا۔ اصل مصرعہ یوں ہے :-

بہ مصطفیٰ برسوں خوش را کہ دیں ہمہ دوست — ما اسکر کثیراً فقلیلہ حرام

"جو چیز نشہ لائے اس کی کثرت بھی حرام ہے اور قلت بھی حرام ہے۔" اس حدیث کا صحیح ترجمہ یوں ہونا چاہئے :- جس کی کثیر (مقدار) نشہ لائے اس کی قلیل (مقدار) بھی حرام ہے۔

مقلدین (احناف) پر جو "انکارِ حدیث" کا الزام لگایا گیا ہے وہ سب سے کمزور بات ہے جو اس کتاب میں کہی گئی ہے۔ فقہی مسائل میں استخراج و استنباط اور قیاس و اجتہاد کا ماخذ ائمہ فقہ کے نزدیک کتابِ سنت ہی تھا۔ "حدیث کی مخالفت" ان کا محاذِ اللہ شعار نہ تھا۔ مقلدین اسی بنا پر ائمہ فقہ پر اعتماد کرتے ہیں یہ سمجھتے ہوئے کہ ان بزرگوں نے کتاب و سنت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر ہی مسائل بیان کئے ہیں۔

از۔ مولانا فضل الرحمن صدیقی جسے پوری اصنامت ۱۲۷ صفحات، قیمت ایک روپیہ۔
دین اور ادب | اٹھ آنے۔ ملنے کا پتہ:۔ کتب خانہ، سراج العلوم، مولوی گنج دہلیہ، (مغربی خاندیش)

مولانا فضل الرحمن صدیقی کے گیارہ، علمی، مذہبی، تاریخی اور ادبی مضامین کا یہ مجموعہ ہے جس کا مقدمہ مولانا حامد الانصار غازی نے تحریر فرمایا ہے۔ مضامین معلومات آفریں اور دلچسپ ہیں۔ جناب عبداللہ ناصر (بمبئی) کے ظرافت آمیز اصلاحی اشعار ہر مضمون کے آغاز میں ملتے ہیں۔ کتاب کا ایک اقتباس:-

"اہل ہند میں گرو بابا نانک جنم ساکھی بھائی بالا ۱۶۷۷ء سطریم پر ایک شعر میں قرآن شریف کی عظمت اور منزلت کا یوں اقرار کرتے ہیں:-

توریت، زبور، انجیل، تری سن ڈتھے وید
رکھے قرآن کل جگ میں پرواز ۱۶

ترجمہ:- توریت، زبور، انجیل کو ہم نے بغور دیکھا اور وید کو بھی۔ مگر دنیا کے لئے جو کتاب ہدایت کا موجب ہو سکتی ہے، وہ "قرآن شریف" ہے۔

"اس کتاب میں آگے چل کر گرو جی نانک نے ص ۱۶۹ پر لکھا ہے کہ"

رہے کتاب ایمان وے بیچ کتاب قرآن

"یعنی اگر کوئی ایمان کی کتاب ہے تو وہ قرآن شریف ہے....."

کاش سکھ قوم اس حقیقت کو پالیتی!!

(صفحہ ۲۷) "یہاں کے حکمرانوں نے بھی اپنے یہاں علم کا چرچا اور اس کی تشہیر میں اچھا حصہ لیا۔" تشہیرِ عربی

شہرت کو کہتے ہیں، نشر و اشاعت اور شہرت کے معنی میں۔ اس لفظ کا استعمال کسی طرح درست

نہیں۔ (صفحہ ۳۱) ابن جریر نے تفسیر طبری (۸۰) جلدوں میں قلم برداشتہ لکھ ڈالا ہے:

"تفسیر کو مذکور پڑھ کر وجدان تلمذ کر رہ گیا۔ تو ایسے پھر مضمون نگار نے کس علم و اطلاع کی بنا پر یہ

کمزور بات لکھی ہے کہ ابن جریر کے اپنی عظیم تفسیر کی تدوین میں نہ غور و خوض کیا اور نہ اس کے

لئے دوسری کتابوں سے فائدہ اٹھایا۔ قلم اٹھا کر جو تفسیر لکھنی شروع کی تو بس لکھتے ہی چلے گئے۔!

صفحہ ۳۳ پر "حدی خواں" کو "ہدی خواں" لکھا ہے، یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

(صفحہ ۶۳) ان کو اپنی زبان دانی کا اس قدر دعویٰ تھا کہ کعبہ پر لٹکے ہوئے نادرا شعار کو وہ منٹوں میں اتار کر اس شخص کی تمام دماغ خراشیوں کو ایک لخت محو کر دیتے۔۔۔۔۔ یہ کس قدر کمزور انداز بیان ہے۔۔۔ صفحہ ۸۰ پر ابن شہاب زہری کو ابن شہاب زہری لکھا ہے۔

سخن امت ۵۶ صفحات، قیمت ۲۵ نئے پیسے (ہندستانی)
دیندار بے نقاب ملنے کا پتہ محمد سردار خان، جنرل مرچنٹ، ہمنہ آباد، دکن (بھارت)

جناب زاہد صدیقی دیندار انجمن کے مبلغ تھے۔ اپنی نادانیت کی بنا پر وہ کئی سال تک اس فتنے کا شکار رہے مگر جب ان پر حق واضح ہو گیا تو اس کے قبول و اظہار میں انہوں نے قطعاً پس و پیش نہیں کیا۔ ان کا مضمون "بے نقاب" سے چند ماہ ہوئے "فاران" میں چھپ چکا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اس مقالہ نے "دیندار انجمن" کو چوراہے پر ننگا کر کے کھڑا کر دیا ہے۔

اس مقالہ میں مضمون نگار نے صدیق دیندار جن بسویشور بابی دیندار انجمن کی کتابوں سے جو حوالے دیے ہیں اس کے کسی ایک حوالہ کی بھی دیندار انجمن والے تردید نہیں کر سکے۔! اس مضمون "بے نقاب" کو محمد سردار خان صاحب نے کتابی صورت میں چھپوایا ہے۔ اور افادہ عام کے لئے کم سے کم قیمت رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے گا۔!

JAMAAT - E - ISLAMI
 PAKISTAN
 سخن امت ۹۲ صفحات (لائب سائز) قیمت ایک روپیہ چار آنے۔
 ملنے کا پتہ :- مکتبہ جماعت اسلامی، اچھڑہ، لاہور۔

انٹرنیشنل بک ایکزچینجیشن شکاگو (۶۱۹ ۵۷) میں پیش کرنے کے لئے یہ کتاب مرتب کی گئی تھی۔ اس کتاب میں جماعت اسلامی کے :-

ادب Literature.

قیادت .. . Leader Ship.

تنظیم .. . Organisation.

نصب العین .. . Ideal.

کارگزاریاں .. . Achieuements.

پروگرام .. . Programme.

کا انگریزی زبان میں بڑے سلیقہ کے ساتھ تعارف کرایا گیا ہے۔ ٹائپ، طباعت اور کاغذ خوشنما اور سرورق دیدہ زیب ہے۔ انگریزی طبقہ کے لئے یہ کتاب جماعت اسلامی کا تعارف نامہ ہے۔

جماعت اسلامی کے اکابر اور متاثرین و متنفقین نے جو کتابیں لکھی ہیں ان کی مکمل فہرست مختصر تعارف کے ساتھ درج ہے۔ بعض اہم کتابوں کا تعارف تفصیل کے ساتھ کرایا گیا ہے۔ اس کتاب سے یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی بعض کتابیں اردو زبان سے انگریزی، عربی، سندھی، پشتو، فرانسیسی، بنگالی، انڈونیشیائی، ہندی، ملیالم، گجراتی، تامل، تیلگو، مرہٹی اور کنڑی چودہ زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں!

اللہ نے چاہا تو اقامت دین کی یہ تحریک آفاق گیر ہو کر رہے گی۔ اور تکفیر و تفسیق کی بوچھاڑوں میں بھی یہ قافلہ بڑھتا ہی چلا جائے گا۔

مِلّت بیضار | مرتبہ :- مولانا محمد حسین بلوچ، ضخامت ۴۸ صفحات (مفت)، صرف محصول ڈاک بھیجا جائے۔
ملنے کا پتہ :- مصنف سے، جامع مسجد کلانکوٹ، نزد پولیس چوکی، لیاری، کراچی۔!

قربِ قیامت ہے اور فتنے گھانس پھونس کی طرح آگ رہے ہیں، اس کتاب سے ایک اور فتنہ کا پتہ لگا۔ کراچی میں "ذکرِ جماعت" کے ماننے والے پائے جاتے ہیں۔ جو اٹک (پنجاب) کے کسی شخص "محمد مہدی" کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ایک "نور" تھا۔ جس نے اب سے کئی سو سال پہلے ظاہر ہو کر دین کا راستہ بتلایا۔ اور یہ "نور" پھر روپوش ہو گیا۔!

ذکرِ جماعت والے "سماز" نہیں پڑھتے، ان کا کلمہ یہ ہے :-

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ نُوْرُ پَاکِ مُحَمَّدٍ مَّهْدِي رَسُوْلِ اللَّهِ

یہ لوگ، ماہِ صیام کے بجائے ذوالحجہ کے مہینے میں نو دن روزے رکھتے ہیں، اور کعبۃ اللہ کے بجائے کوہِ مراد (ترتبت) میں جا کر حج ادا کرتے ہیں۔

ان کو "ذکرِ جماعت" اس لئے کہا جاتا ہے کہ "سماز" پڑھنے کے بجائے یہ لوگ "ذکر" کرتے ہیں۔

اس کتابچہ میں مکالمہ کے انداز پر ان گمراہ بلکہ کفریہ عقائد کا رد کیا گیا ہے۔ عبارت سلیس اور عام فہم ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے فتنوں کی ہوا اور بو باس سے بھی اہل ایمان کو محفوظ رکھے۔ (ان عقائد سے اللہ تعالیٰ کی کروڑ بار پناہ)

رونداد جلسہ سالانہ مع انتخاب مشاعرہ، ادارہ علم و ادب علی گڑھ۔

سالانہ رپورٹ

مرتبہ :- محمد عمر خان ٹمچھتاروی، ضخامت ۴۰ صفحات۔

ملنے کا پتہ :- ادارہ علم و ادب، چھتاری کمپاؤنڈ، رسل گنج، علی گڑھ۔

۵۶ - ۶۱۹۵۵

ادارہ علم و ادب علی گڑھ اپنی مالی دشواریوں کے باوجود اردو زبان اور دین کی خدمت کر رہا ہے۔ اس کی سرپرستی میں شبینہ مکتب، ہونہار کلب اور دارالمطالعہ قائم ہیں۔ کام بہت ہی چھوٹے پیمانے پر سہی۔ مگر ہو تو رہا ہے اس ادارہ کا سالانہ اجلاس اور مشاعرہ ہوا تھا۔ جس کی رپورٹ ہمارے سامنے ہے۔

دو فریق میں صرف "خاتم" کی لفظی بحث ہے، جو تکوینی شہادتوں سے ہر دو معنوں پر محیط ہے..... (صفحہ ۲۱)

'ختم نبوت' جو کفر و ایمان کی بحث ہے اُسے "ہر دو فریق میں صرف خاتم" کی لفظی بحث کہہ کر معاملہ کی اہمیت اور سنگینی کو اس قدر ہلکا اور بے وزن بنا دینا۔ "دیندار انجمن کے علم و کلام" کا شاہکار ہے۔ اور پھر یہ تک فرما دیا کہ "خاتم" کی یہ لفظی بحث تکوینی شہادتوں سے ہر دو معنوں پر محیط ہے۔"

حالانکہ ختم نبوت کی بحث لفظی نہیں ہے۔ بلکہ کفر و ایمان کی بنیادی نزاع ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک ایسی "نبوت" کا دعویٰ کیا تھا جس پر ایمان نہ لانے والے کو وہ "کافر" کہتا ہے۔ اس لئے نبوت کا دعویٰ کر کے وہ خود مرتد ہو گیا۔ اور اس کی پوری "امت" گمراہ کافر اور خارج از اسلام ہے۔! ابو احمد دستگیر صاحب "قادیانیت" پر فلسفہ و تصوف کے غلاف ڈال کر جو اس کے اصل چہرے کو چھپا دینا چاہتے ہیں، یہ ان کی نادانی اور جہالت ہے۔ ان کا یہ فریب چل نہیں سکتا۔ کتاب میں بعض کام کی باتیں بھی ہیں۔ مگر مجموعی طور پر یہ کتاب "فلسفہ و تصوف" کا مرکب عجیب ہے۔

از۔ ابو ظفر نازش رضوی، نہ نامت ۱۲۲۷ صفحات، آرٹ پیپر پر خوشنما ٹائپ، دیدہ زیب طباعت
 گلِ نختیں | خوبصورت سرورق۔ بلنے کا پتہ:۔ مصنفوں سے، ۱۳۷، ملتان روڈ، لاہور۔

سلطان محمود غزنوی کے بعد جو فاتحین بھی ہندوستان میں آئے وہ اپنے ساتھ فارسی زبان لائے۔ تقریباً نو سو سال تک ہندوستان کی سرکاری اور دفتری زبان فارسی رہی۔ شاہی درباروں میں فارسی شعرار کی خاطر خواہ قدر دانی ہوتی تھی مشہور ہے کہ عبدالرحیم خاں خانان نے سفر دکن میں کئی منزلوں تک ایک شاعر کو ہر منزل پر ایک ایک لاکھ روپیہ انعام میں دیا اور شاہ جہاں نے کلیم کو چاندی میں تلوا یا۔ یہاں کی قدر دانی کی دھوم سن کر ایران کے بعض چوٹی کے شعرار نے ہندوستان کا رخ کیا۔ اور عربی، نظیری، حسن سنجر اور علی حزیں جیسے نامی گرامی شعرار تو ہندوستان کی خاک ہی کا پیوند ہو کر رہ گئے۔

سہ دفن ہو گا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز

خود ہندوستان میں امیر خسرو، فیضی، غنیمت، غنی کاشمیری، واقف لاہوری، اور غالب جیسے بلند پایہ شعرار پیدا ہوئے۔ جو ایران کے شعرار کے مد مقابل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ:-

"ہندوستان میں فارسی شاعری ایک ترک لاجپن (امیر خسرو) سے شروع ہو کر ایک ترک
 ایک (غالب) پر ختم ہو گئی۔"

یہ قول کوئی شک نہیں اپنے اندر بہت وزن رکھتا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ عزیز صفی پوری، شبلی نعمانی، گرامی اور اقبال جیسے شعرار کے فارسی کلام نے اس سلسلہ الذہب میں کوئی خلل پیدا نہیں ہونے دیا۔ اس ہمارے دور میں یعنی اب سے چھو سات سال پہلے تک دکن میں مولوی مسعود علی محوی اور نواب ضیاء جنگ ضیاء

موجود تھے۔ جن کا فارسی کلام متقدمین کی شاعری کو آئینہ دکھلاتا ہے۔ افسوس ہے کہ ان بزرگوں کی شہرت دکن تک محدود رہی۔ مسلمان بادشاہوں میں بابر کی توڑک اور جہانگیر کی توڑک ان کے ادبی ذوق کی زندہ شہادتیں ہیں۔ اور اورنگ زیب عالمگیر کے رقعات "تو فارسی ادب کا شاہکار ہیں۔ ہم نے اب سے تقریباً پچیس سال قبل کابل کے محلہ "انیس" میں عالمگیر کی ایک فارسی غزل بھی دیکھی تھی۔ جسے پڑھ کر پہلی بار اس کا علم ہوا کہ :-

"اورنگ زیب عزت تخلص می کرد"

ہندوؤں کو بھی فارسی زبان سے خاصہ شغف تھا۔ جس کے ثبوت میں ٹیک چند کی "بہار عجم" اور انشوار مادھورام پیش کی جاسکتی ہیں۔ ہندوؤں میں فارسی کے بعض اچھے شعراء بھی ہوئے ہیں۔ بشبشور ناسخہ منور لکھنوی کے نانا کا ایک شعر ہم تک پہنچا ہے :-

یارم بخانہ آمد و جام شراب نیست در حیرتم کہ صبح ز میدان آفتاب نیست

افسوس ہے کہ ایران نے پاک و ہند کے فارسی شعراء کے خوبی کلام کا خاطر خواہ اعتراف نہیں کیا۔ یہاں کے اسلوب شعر گوئی کو وہ "سبک ہندی" (Indian style) کہتے ہیں۔

وہ جو ترک لاجپن (امیر خسرو) سے فارسی شعر گوئی کا سلسلہ چلا آ رہا ہے اسی سلسلہ کی ایک کڑی ابو ظفر نانش کی شاعری ہے۔ ان کے کلام میں فارسی کی "شکریت" (حلاوت) پائی جاتی ہے، زبان بھی ایرانی تئور لئے ہوئے ہے۔ اور بیان میں لطف و تاثیر بھی ہے۔ ان کے بعض شعروں پر ایران کے قدیم شاعروں کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے۔

ز شان سرور عالم مہاش بیگانہ

حزین مہاش و بیاموزد ز عشق ازمین

شرف چہ زائر قبر رسول را گویم

جہان زندگی بے مہر و الفت تیرہ و تارا است

چراغ مہر و الفت در حریم جاں فروزاں کن

سعدی کی مشہور غزل ہے :-

سہ ز عشق تابہ صبوری ہزار فرسنگ است

اس زمین میں نانش کے درد شعر ملاحظہ فرمائیے :-

اگرچہ صلح بہر حال بہتر از جنگ است

ز طفل گیسٹ ہمیں کار و شغل سر بازاں

مجاہد تیغ درد دست و کفن بردوش می باشد

ز حال زار گل و غنچہ کس نشد آگاہ

شدم بہ مسجد و میخانہ بار ہا دیدم

این معجزہ ہیں کہ ز الفاس خلیلی

کس نمی پرسد مرا در عالم بیچارگی

یہ معرکہ سپر انداختن ولے ننگ است

نظر بہ قبضہ شمشیر و گوش بر بنگ است

کہ جاں بازاں ملت راز پس این ساز و سامان است

کہ باغباں ز چمن غافل و صبا خفت است

کہ رند ہا ہمہ بیدار و پار سا خفت است

انبار گل از آتش سوزد ہر آید

غمگساران دوستان درد آشنا ہاں را چہ شد

قافی کا مشہور قصیدہ ہے :-

یاز جانان، یاز جاں با ایست دل برداشتن ؛ رسم عاشق نیست با یک دل دو دل برداشتن
اس زمین میں ابوظفر نازش کا یہ شعر کتنا معرکہ کا ہے -

سینہ وقعت زانوی قاتل تر خنجر گلو ؛ لیک نتوان از رخ قاتل نظر برداشتن
عربی صنفی پوری کا اس زمین میں کتنا اچھا شعر ہے :-

نوع و سے رائے آئینہ باشد کار و بس ؛ مرد را زیباست چار آئینہ در برداشتن
تعداد اذواج کی تائید حمایت میں اس سے بہتر کسی کا قول نظر سے نہیں گذرا۔

در دو غمت سرشت من عشق تو سر نوشت من ؛ بر تو عیاں چو آئینہ این ہمہ خوب زشت من
بگزر از اکسیر با وز کیمیا بیگانه باش ؛ گردِ راه ساقی و خاک در میخانه باش

بارقیب آن ستم آرا بجز آمد و رفت ؛ صہر نازبت آراج غبار آمد و رفت
بناز دلبری برقی نظر انداختی رفتی ؛ سر محفل بہ یک انداز ہوشم باختی رفتی

برائے کینج ارم گوشہ ورت ندھم ؛ من این مقام بردنیا و آخرت ندھم
قسم بہ حضرت یزداں کہ حورو و غلمان را ؛ برائے غازہ رخ خاک در گہت ندھم

مسترت ہمہ عالم اگر بہ من بخششی ؛ بایں عطائے تو سرمایہ غمت ندھم
بہرے در بہار تو بہ شکن کا ؛ من نیم آن کہ استخارہ کنم

دوش این حدیث تازہ ساغر شنیدہ ایم ؛ گشتیم خاک و تالیب جلناں رسیدہ ایم
بچپن سے اردو کے کسی شاعر کا یہ شعر سنتے آئے ہیں :-

پس مردن بنائے جائیں گے ساغر مری گل کے ؛ لیب جاں بخش کے بوسے ملیں گے خاک میں مل کے
در آئینہ چو دید جمال خود آن صہم ؛ حیراں بماند و گفت جوابت نہ دیدہ ایم

جنس و فابہ سایہ تاج و نگین مجو ؛ چیزے کہ ہر فلک نبود از زمین مجو
عطا کردی مرا در دفسراواں ؛ چہ گنج شایگان بخشیدہ رستی

نازش رضوی کی نظموں میں ملک الشعراء بہار کا رنگ جھلکتا ہے۔ اقبال کی نظم "عقل و دل" کا ترجمہ فارسی نظم
میں اس خوبی سے کیا ہے کہ "ترجمہ" نہیں معلوم ہوتا۔

دوسرا رخ :-

شعور بندگی در زندگی بہ ؛ جبین عجز را تا بندگی بہ

یہ رباعی کا وزن نہیں ہے، غالباً علامہ اقبال کے تئیں میں نازش نے قطعہ کو "رباعی" کا عنوان دیا ہے

با صد جلال و کبر و فخر ؛ بر تخت سیمائے سحر (صفحہ ۳۵)

"تخت سیمائے سحر" میں بڑا تکلف پایا جاتا ہے، "تخت کے مقابلے میں تو" اور "موزوں ترجمہ"۔

ہر ژاژ فابد نام شد ؛ ہر مصلحت ناکام شد

بشنو تقیر عام شد ؛ ایستت وقت امتحان

برخیہ نرائے پور جواں (صفحہ ۳۶)

شروع کے تین مصرعے بے جان سے ہیں! "ہر ژاژا خدا بدنام شد" میں صرف لفظوں کو چوڑ دیا ہے۔
"ہر بہودہ گو کا بدنام ہو جانا" یہ بات آخر کیا ہوئی؟

من صاحب عرفا کم، من بندہ یزدائم ؛ این نعرہ مستانہ در بزم توپیم زن (صفحہ ۴۳)
"در بزم خود" کہنا چاہئے! اس کے علاوہ بھی شعر میں کوئی لطف نہیں ہے۔

زاغبا محو بد آہنگی قطار اندر قطار ؛ باغباں در موسم گل خوشنوا یاں را چہ شد (صفحہ ۵۷)
مصرعہ ثانی شگفتہ ہے، مگر مصرعہ اولیٰ میں "محو بد آہنگی" نے پورے شعر کے لطف کو غارت کر دیا۔

ساغر نوش کن و جرعه ہر افلاک فشاں ؛ دردی سے بسر زاہد بیباک فشاں (صفحہ ۷۰)
"فشاں دن" عموماً وہاں بولا جاتا ہے جہاں بلندی سے پستی کی طرف کوئی چیز جھاڑی یا چمچ کی جلتے۔ ایسے موقع پر
"جرعہ" یا "پیارہ" کو آسمان کی طرف اچھال دے "کا محل بقا" اور اسی کی مناسبت سے فارسی کا امر "لانا چاہئے بقا"۔ زاہد
"بیباک" میں "بے باک" گھشو دزاید ہے۔ "بیباکی" زاہد کی صفت نہیں ہے! ہاں واعظ و ناصح کی صفت ہو سکتی ہے۔
آں جفا کارو ہم دل مضطر ؛ آسماں نیز مہر بان من است (صفحہ ۹۱)
نوشقوں کا سا شعر ہے۔

تہذیب را مجسمہ یا بے ادب بود ؛ سرتا بہ فرق معجزہ یا بوالعجب بود (صفحہ ۱۲۶)
اس شعر کی "فارسیت" بہت مشتبہ ہے! مرزا غالب نے قلیل پر جو "بوںے کچوری می آید" کی طنز کی تھی، ہم اس طنز کی
جرات نہیں کر سکتے۔

آں بے خبر کہ واقف آداب عشق نیست ؛ حقا کہ از قبیلہ ارباب عشق نیست (صفحہ ۵۸)
یہ شعر نظیری کے اس مصرعہ سے ناخود معلوم ہوتا ہے۔
سہ کیے کہ کشت نہ شد از قبیلہ بانہست۔

زیم دام صیا داست ایمن ؛ کہ شاہین را بلند است آشیانہ (صفحہ ۶۱)
دوسرے مصرعہ میں توارد ہو گیا ہے۔ مشہور شعر ہے۔
برو این دام بر مرغ و گرنہ ؛ کہ عنقار را بلند است آشیانہ
اس شعر میں :-

ہر دو در فکر خویش مشغول اند ؛ دست با کار و دل بیار خوش است (صفحہ ۱۰۱)
"دست با جیب" سے شاعرانہ لطف دو بالا ہو جاتا۔

زندہ شد افسانہ مارسیہ بر گنج حسن ؛ عکس زلف و رخ چو دریا بہر بلبلانہفتی (صفحہ ۱۰۲)
یہ امام بخش ناسخ لکھنوی کا رنگ ہے جسے کبھی پسند نہیں کیا گیا۔!

بہ من مرغ و ملامت مکن کہ وقت وداع ؛ زراہ رشک نہ گفتم ترا خدا حافظ (صفحہ ۹۶)

شعر اچھا ہے اور ”زراہ رشک“ نے شعر میں اور لطف پیدا کر دیا۔ مگر غالب کے اس مصرعہ کا کیا جواب ہے۔

سہ وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جاتے ہے مجھ سے

سرنامہ بر ”هو العلة الاعلى“ مرقوم ہے ”هو الله“ یا ”يسمى الله“ لکھنا چاہئے تھا کہ ”هو العلة الاعلى“

میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام کی رعایت بھی پائی جاتی ہے اہل توحید کو یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں مخلوق کے ناموں کی رعایت یا ایہام کا پہلو رو کر رکھیں۔

یقین ہے کہ فارسی کا ذوق رکھنے والے گل نختیں کو دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے اور اس کی قدر کریں گے۔

از - افادات شیخ مکی رحمۃ اللہ علیہ، بہ ترتیب و تصحیح و مقدمہ و تشبیہ

مقالہ در مسئلہ وحدت الوجود | ڈاکٹر محمد احمد صدیقی استاد غربی فارسی الہ آباد یونیورسٹی ضخامت ۳۲ صفحات

قیمت چار آنے، ملنے کا پتہ :- مینجر اسرار کریم پریس، جانشین گنج، الہ آباد

شیخ مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ :-

”بجانب الغربی فی حل مشکلات محی الدین ابن عربی“

لکھا تھا جس میں شیخ اکبر کے معترضین کے اعتراضات کے جواب دیئے تھے۔ جناب ڈاکٹر محمد احمد صدیقی نے اس رسالہ کو مرتب کیا۔ کتابت کی غلطیوں کو درست فرمایا، مشکل الفاظ کی شرح کی اور ضروری حواشی لکھے:

اصل کتابچہ فارسی میں ہے اور اپنے موضوع پر خوب ہے۔ مگر یہ مسئلہ (وحدت الوجود) اس قدر پیچیدہ اور نازک

ہے کہ لفظ و بیان اس کی تشریح کے متحمل ہی نہیں ہو سکتے اور گفتگو و شرح و بیان میں اگر بات اور اچھ جاتی ہے۔

شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ نے جن نازک مسائل سے بحث کی ہے ان میں بعض باتیں بہت زیادہ خطرناک

ہیں اور ان کی تحریر میں کشف و معرفت کے جہاں لالہ و گل ہیں وہاں سانپ بچھو بھی لپٹے ہوئے ہیں اور ایسی جرأت کون کریگا

کہ سانپ بچھوؤں کی پر دانہ کرتے ہوئے پھولوں پر ہاتھ ڈال دے۔

اسلامی کردار (حصہ اول) | مرتبہ :- پروفیسر عبدالعزیز ایم۔ اے۔ ایم۔ اے۔ ایل صدر شعبہ اردو اسلامیات

ایم۔ اے۔ اے۔ اے۔ کالج لاہور، ضخامت ۱۲۸ صفحات، قیمت ایک روپیہ چار آنے۔

ملنے کا پتہ :- نذر سنز پبلیشرز، سرکلر روڈ، عقب اردو بازار، لاہور۔

چالیس احادیث فاضل مرتب نے اس انداز میں ترتیب دی ہیں کہ میٹرک سے نیچے کی جماعتوں کے لڑکے بھی

انہیں آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ احادیث کا ترجمہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں کیا گیا ہے۔ مفہوم کی وضاحت کے

لئے مختصر اشارات بھی دیئے گئے ہیں۔ اور ہر حدیث کے ساتھ گرامر کے ضروری اور آسان قاعدے بھی درج کر دیئے ہیں۔

ترجمہ کا ایک نمونہ :-

مَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِي فِي الْجَنَّةِ

جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

مَنْ	أَحَبَّنِي	كَانَ	مَعِي	فِي	الْجَنَّةِ
جس نے	محبت کی	ہوا (وہ)	ساتھ میرے	بیچ	جنت کے

WHOEVER LOVES ME SHALL BE
WITH ME IN THE PARADISE.

قواعد

نا (ہمارا) جمع متکلم	ضمیر متکلم	فاعد متکلم	می (میرا)
ہماری کتاب	کتابنا	میری کتاب	کتابی
ہمارا پروردگار	ربنا	میرا پروردگار	ربّی

مضمون کی وضاحت کے لئے کہیں کہیں اسلامی حکایتیں بھی آگئی ہیں۔ اس انداز پر حدیث کی یہ پہلی کتاب ہے جو مرتب کی گئی ہے، عربی دانی اور کردار سازی کے لئے اس کتاب کی افادیت مسلم ہے۔

مرتبہ :- جون ایلیا - ضخامت ۲۷۲ صفحات، مجلد، دیدہ زیب، گروپوشن کیسافٹ
قیمت تین روپے آٹھ آنے - ملنے کا پتہ :- ادارہ ذہن جدید، ۲۰/۳۰۸ پرس رام
پارول بلڈنگ، پنجابی کلب، کھارادر، کراچی - (ٹیلیفون 37433)

جناب رئیس امر وہوی کا نام ہی خود ان کا تعارف ہے۔ ہندوستان میں ان کی شہرت عالم مہقت میں تھی۔ اس پر شباب پاکستان میں آیا۔ روز نامہ جنگ میں ان کا قطعہ ہر روز ایک لاکھ آدمیوں کی نگاہوں سے تو گزر جاتا ہوگا۔ ان کی یہ سہ ماہی دس سال سے مسلسل ہو رہی ہے۔ اس مدت میں انہوں نے نین ہزار کے قریب قطعہات کہے ہیں۔ جن کا انتخاب ادارہ "ذہن جدید" نے کتابی شکل میں پیش کیا ہے۔ رئیس صاحب کی غالباً یہ پہلی کتاب ہے جو منظر عام پر آئی ہے۔ اور اب یہ نو مولود ادارہ ان کی متعدد کتابیں شائع کرے گا۔

جناب رئیس امر وہوی کی قدرت کلام اور پرگوئی کا وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو یا تو حسد میں مبتلا ہو یا پھر اس کی عقل میں فتور آگیا ہو۔ وہ چاہیں تو ہر منٹ میں کم سے کم ایک شعر کہہ سکتے ہیں۔ سو سو شعر کی مثنویاں اور قصیدے انہوں نے ایک ایک نشست میں کہہ لئے ہیں۔ شعر گوئی ان کی "عادت ثانیہ" بن گئی ہے۔ اور وہ اسے اہلکاروں کے "Routine-work" کی طرح انجام دیتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ وہ باتیں کر رہے ہیں اور کاغذ اٹھایا اور اس پر کسی وقفہ اور نامل کے بغیر "جنگ" کے لئے قطعہ لکھ دیا۔ ان کے ہزاروں اشعار تو "متاع دیگران" بن کر رہ گئے ہیں۔ اس پر گوئی اور زود گوئی بلکہ بد اہمت و ارتجال کے سبب ان کے کلام کو سپاٹ اور سطحی ہونا چاہئے تھا۔ مگر حیرت ہے کہ اس زود گوئی کے باوجود رئیس امر وہوی کے کلام میں "ایک بات" ہے، بلکہ ایک "آن" ہے، وہ "آن" جس کے بارے میں حافظ شیرازی نے فرمایا ہے۔

سہ سیندہ طلعت آن باش کہ آنے "دارد!"

کسی شاعر کے دماغ کو شعر ڈھالنے کی مشین کہہ دینا، اس کی ہجو ملیج ہے۔ مگر رئیس امر وہوی کے حق میں یہ ہجو "ستائش" بن گئی ہے۔ شعر و ادب کے معاملہ میں ان کا دماغ بے شک مشین کی طرح کام کرتا ہے۔ مگر اس سے جو چیز ڈھل کر نکلتی ہے وہ بے جان نہیں، جامد اور ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر شروع ہی سے ان کا دماغ زود گوئی کا عادی نہ ہو جانا اور رئیس صاحب تعمق و تفکر سے کام لیتے تو پھر یہ دریا جو جگہ جگہ انتقال ہو گیا ہے، اٹھا ہوتا!

اس کتاب کا دیباچہ (گفتہ بہ) رئیس امر دہوی کے چھوٹے بھائی جون ایلیا نے اور اس کا مقدمہ ان کے دوسرے بھائی سید محمد تقی صاحب مدیر روزنامہ "جنگ" نے لکھا ہے۔ جون ایلیا ایک خوش گوشاعر ہیں مگر ان کی نثر میں ناچنگی پائی جاتی ہے۔

"جنس کے مستمنات و مظاہر کی نفسی اساس دوسری ثقافتوں کی اساس سے قطعاً مختلفا و متباہن تو نہیں ہے"

"نظامِ ثقافتی کی اس اساس کا رفرما کا مخصوص و تمایز پاکستانی ادب اور آرٹ کے لئے فصل تمیز کا حکم رکھتا ہے"

"یہ قطعات کا صرف ایک مرتب سلسلہ ہی نہیں بلکہ پاکستان کے تمدنی انفس و اعیان کی برہانی و وجدانی توجیہ و تعبیر بھی ہے"

یہ انداز بیان وجدان کے لئے کس قدر وحشتناک ہے!

رئیس امر دہوی کے قطعات میں طنز و مزاح اور اصلاح کا خوشگوار امتزاج ملتا ہے۔ سماج پر حکومت اور ارباب حکومت پر اور خود عوام پر انہوں نے طنز کیا ہے۔ مگر بڑے سلیقہ اور تہذیب و ادب کے ساتھ! ہو سکتا ہے کہ خود ان کی ذات بہت کچھ اصلاح کی محتاج ہو۔ مگر ان کی کوشش اصلاح میں خلوص ضرور پایا جاتا ہے۔ اس کمزور بینائی والے کی طرح جسے خود تو نشانِ منزل پوری طرح نظر نہ آتا ہو۔ مگر وہ دوسروں کی رہنمائی کے لئے چراغ لئے کھڑا ہو۔

ان قطعات میں شاعر کہیں نشتر چھو رہا ہے، کہیں چٹکی لے رہا ہے، کہیں آہستہ آہستہ تلوے سہلا رہا ہے۔ ان میں قہقہے بھی ہیں اور ہچکیاں بھی ہیں۔ زبان سلیس و سادہ بلکہ ٹکسالی ہے۔ الفاظ کے صحیح طور پر برتنے کا رئیس کو خاصہ سلیقہ ہے۔ ان چند قطعوں کو پڑھئے اور لطف لیجئے۔

جلوہ صبح بنارس، منظرِ شام اودھ	؛	یعنی ہر دولت کراچی کی بددلت مل گئی
ہر نظر صد حسن و جلوہ ہر قدم صدرنگ لبو	؛	ہم نے پاکستان مانگا تھا سو جنت مل گئی
اگرچہ آج بظاہر عوام ہیں آزاد	؛	مگر وہی ہے حکومت کا جبر و استبداد
ہم انقلاب کی کرتے تھے آرزو کتنی	؛	یہ انقلاب ہوا، انقلاب زندہ باد
مجھے سختی فکر نہایت کہ آ کے یہ دیکھوں	؛	نئے نظام میں اقبال کی جگہ کیا ہے
نئے نظام میں دیکھا تو آ کے یہ دیکھا	؛	کہ قوم شکوہ، حکومت جواب شکوہ ہے
یہ بحث تھی کہ فخر کراچی ہیں کون لوگ	؛	اک رہنمائے قوم پکارا کیا کہ ہم
ایک شوخ ناز نہیں بھی گزرتی تھی راہ سے	؛	پردہ الٹ کے اس نے اشارہ کیا کہ ہم
غزل پڑھ رہے تھے کہیں کوئی صاحب	؛	غزل میں قیامت کے سرتال نکلے
میں سمجھا کہ پورپی کے ہیں کوئی شاعر	؛	مگر وہ بڑودے کے قوال نکلے
پے کمیشن کی خبر پڑھ کر کسی اخبار میں	؛	گر پڑا دفتر کا اک بالو قریب چیف کورٹ
سائنس جب اکٹھی تو وہ بیچارہ یہ کہنے لگا	؛	فاختہ میں میری پڑھنا پے کمیشن کی رپورٹ

یہ کراچی سندھ کا گہوارہ انگریزی کا گھر ؛ اور پھر اردو کا مرکز، کس طرح لب کھولنے
 کر لیا ہے فیصلہ بندے نے پچ اس شہر کے ؛ نیم اردو، نیم سندھی، نیم انگلش بولنے
 اک مہاجر کو جو گولی مار میں مسکن ملا ؛ رو کے وہ بولا کہ مجھ کو اب نہ تم آزار دو
 میں کراچی چھوڑ کے جنگل میں رہ سکتا نہیں ؛ مجھ کو مت لے جاؤ گولی مار۔ گولی مار دو
 ہم پاک ریڈیو سے نہیں غیر مطمئن ؛ کانوں میں نثر و نظم کا رس گھولنا تو ہے
 اے قوم! اس کی نغمہ سرائی کی قدر کر ؛ مانا کہ بے سرا ہے مگر بولتا تو ہے
 بڑھ رہا ہے قوم کے بچوں میں ذوق شاعری ؛ جس طرح سے شعر گوئی ان کا قومی فرض ہے
 ہے یہی عالم تو ہر موڈ و پیدائش کے ساتھ ؛ سالن لیتے ہی پکارے گا کہ مطلع عرض ہے
 آنگن میں رشیدہ کے جو طوفان اُمنڈ آیا ؛ کہنے لگیں رو رو کے یہ نورن سے بچاری
 دریائے لیاری کے لئے مرتی تھی کم بخت ؛ دریائے لیاری کا مزہ دیکھ لیا ری!
 یہ خوشدامن مری فرما رہی تھیں ؛ کہ امریکہ کی ایجادیں نئی ہیں
 کہا میں نے اے بیگم کی اماں ؛ اک اٹیم بم کی موجود آپ بھی ہیں
 ہوئی پوسٹ مینوں کی ہڑتال اگر ؛ تو بندے سے کیا خاک لیجائے گی
 میں شاعر ہوں قاصد ہیں میرے ہزار ؛ نسیم سحر ڈاک لے جائے گی
 ہند والوں نے ترقی کی تو اس حد تک تھیں ؛ سخت محنت سے آگائے ساگ آلو کھیت میں
 واہ رے! حکام پاکستان یہ ان کا کمال ؛ بودیے ہیں سیکڑوں انمان لالو کھیت میں
 گز رہی حکام راشن کی عنایت ہے رئیس ؛ مچھیرت ہوں کہ ہم سب کیا سے کیا ہو جائینگے
 ترک گندم، ترک جو، ترک شکر، ترک برنج ؛ شہر و اسے رفتہ رفتہ اولیا ہو جائیں گے
 کل رات اک قیامت کبریٰ گزر گئی ؛ خفتہ نصیب ڈر سے نہ سوئے تمام رات
 کوسا مہاجرین نے بادل کورات بھر ؛ بادل مہاجرین پہ روئے تمام رات
 باوجود انقلابات جہاں ؛ تخت اور تاج آج بھی خوش بخت ہے
 تخت کس صورت سے اٹھے گا کوئی ؛ ”تخت جس صورت سے اٹھتا تخت ہے
 ایک رشوت خوار نے یہ اپنے ساتھی سے کہا ؛ کارِ سرکاری میں تو جاہل بھی تھا نادان بھی تھا
 تو ہی غافل چند پلیسوں پر قناعت کر گیا ؛ در نہ رشوت میں علاج تنگی داماں بھی تھا
 اللہ اللہ! خواتین کراچی کا جلوس ؛ واہ کیا منظر دلچسپ و دلیرا نہ تھا
 مرد سہمے ہوئے سمٹے ہوئے آتے تھے نظر ؛ اور انداز خواتین کا سردانہ تھا
 آرزو آخر کریں کس چیز کی ؛ ذوق و شوق آرزو جاتا رہا۔
 دو زبانیں ہو گئیں اس قوم کی ؛ اعتبار گفتگو جاتا رہا
 شکر ربی ہے پاکستان سے کیا ؛ خفا ہے مصر اور چین اور تلخ

قیامت ہے کہ چینی اتنی بے کیف ؛ ؛ تعجب ہے کہ مصری اس قدر تلخ
 کس کے لئے ہے اے نگہ شوق! مضطرب ؛ ؛ کس کے فراق میں دل مضطرب ہے تو
 مدت سے میرا چاند دکھائی نہیں دیا ؛ ؛ اے رویتِ ہلال کھٹی کہاں ہے تو
 اس مجموعہ میں بعض ایسے قطعات بھی شامل ہوئے ہیں جو چھانٹ دینے کے قابل تھے۔ مثلاً یہ قطعہ :-
 نوح کر کیوں رہنمائے قوم کو دکھاتی ہے قوم ؛ ؛ رہنمائے قوم بریانی کا بکرا تو نہیں
 ضیغِ اسلام کو تربا نیوں کا واسطہ ؛ ؛ ضیغِ اسلام قربانی کا بکرا تو نہیں (صفحہ ۶۷)

یہ ایک اچھا خاصہ قطعہ ہے :-

اگر ہے کوشش دیدار دلربا بھی گناہ ؛ ؛ تو خیر بندہ درگاہ کے گناہوں کی
 قدم قدم پہ تصادم ہے پردہ داروں سے ؛ ؛ خطا معاف الہی مری نگاہوں کی (صفحہ ۱۱۵)
 مگر اس میں "دلربا" کی جگہ کوئی اور موزوں لفظ آنا چاہئے تھا۔ شاعری میں لفظوں ہی کا سارا کھیل ہے۔ بعض
 اوقات ایک لفظ کی کھٹک کے سبب پورا شعر رباعی یا قطعہ وجدان کو کھٹکنے لگتا ہے۔

بتاؤں کیا کہ پاکستان آکر ؛ ؛ ترقی شیخ جی نے کی تو کیا کی
 بظاہر بیش و کم کی ہے یہ میسز ان ؛ ؛ گھٹا کی عقل گو داڑھی بڑھا کی (صفحہ ۱۱۹)
 اس قطعہ کا تیسرا مصرعہ بہت کمزور اور غیر متوازن ہے۔

اپنے آقائے کہن کے گیت گا ؛ ؛ اے فرنگی کے غلام خانہ زاد
 ساز یورپ پر مسلسل رقص کر ؛ ؛ زندہ باد انگریز انگلش زندہ باد
 "مرحبا! انگریز ہوتا" تو زندہ باد کی تکرار کی نوبت نہ آتی!

یہ جلوے نہیں ہیں مگر اک فریب ؛ ؛ یہ غمزے نہیں ہیں خرافات ہیں
 تعجب سے سیمیں یروں کو نہ دیکھ ؛ ؛ یہ سب ریشمی پارچہ جات ہیں (صفحہ ۱۲۰)
 اس قطعہ میں "سیمیں" کی جمع (سیمیں یروں) کھٹکتی ہے۔

اشک کو سیل آرزو تھہرا ؛ ؛ غم کو سرمایہ حیات بنا
 شکوہ سنج حیات غم کیوں ہے ؛ ؛ غم کو شادی کی کائنات بنا (صفحہ ۱۲۳)
 سپاٹا اور بے مزہ قطعہ! کو شادی کی کائنات میں ک کی تکرار نے خاصہ تنافر پیدا کر دیا۔ تھوڑی بہت کور کسر تو
 ہر بڑے سے بڑے انسان کے کام میں رہ ہی جاتی ہے۔ بھول چوک کس سے نہیں ہوتی۔! انصاف کا فیصلہ یہ ہے کہ رئیس
 امر وہوی کے قطعات نے اردو شاعری میں اضافہ کیا ہے، "ادارہ ذہن جدید" اس مجموعہ کی اشاعت پر مبارکباد کا
 مستحق ہے۔

علا بدایوں میں ایک صاحب تھے علی حاتم وہ قریب قریب اسی انداز کی رباعیاں کہا کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ ان کا کلام گنماہی کی نذر ہو گیا۔ ان کی ایک باغی کے
 تین مصرعے ذہن میں رہ گئے ہیں۔ اس میں تلمیحی اشارہ یہ ہے کہ بدایوں کے قریب ایک بستی شیخوپورہ ہے۔ جس کے زمیندار اور دو سار فریدی شیخ ہیں، ان
 "شیوخ" کو سرکار انگریزی سے خان صاحب اور خان بہادر کے خطاب ملے۔ اس پر علی حاتم نے کہا ہے
 کھور ہو جائے گا ؛ ؛ ہر تودہ ریگ طور ہو جائیگا ؛ ؛ بھرا گریہ خیالوں کی رہی ؛ ؛ شیخوپورہ، خان پور ہو جائیگا

باوانی وائیلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگاپیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سلکی اور سوئی کپڑا

کورا اور دھلا ہوا لٹھا

نیز ہر قسم کا دھکاگا

تیار ہوتا ہے

باوانی ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے اور قیمت مناسب

اپنے پاکستان کی صنعت کی قدر اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فرض ہے

رفیق صحت

موٹا تازہ قوی بارعب خوبصورت اور سرخ بنانے والا نایاب مرکب، مردوں اور عورتوں کی پوشیدہ بیماریوں اور بدنی کمزوریوں کو دور کرنے والا اکسیر۔
 ”رفیق صحت“ کی خاصیت یہ ہے کہ سیروں دودھ اور کئی چھٹانگ لکھن روزانہ ہضم کر لیتا ہے۔
 لاغر، کمزور اور مردہ صورت اسے کھا کر موٹے تازے اور قوی الجسم بن چکے ہیں۔ مقوی اعصاب، ریشم اور دل دماغ اور جگر کو بھی قوت دیتا ہے۔ مادہ تولید پر اس کا خاص اثر ہوتا ہے۔
 جریان احتلام اور عورتوں کی سفید رطوبت کے اخراج کو روکتا ہے، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کے لئے ہر موسم اور ہر عمر میں مفید ہے۔
 قیمت چار روپے محصول ڈاک ایک روپیہ

ملنے کا پتہ :- ہندی دواخانہ یونانی۔ قصور

غسل کیلئے بہترین صابن

صنعت پاکستان کے بہترین نمونے
 پسندیدہ ترین نمونے
 صابن خریدتے وقت

ذوالفقار انڈسٹریز کا نام دیکھئے

جو اچھے صابنوں کی ضمانت ہے۔ جدید ترین ولایتی مشینری سے تیار کردہ۔

پاکستان میں ہر قسم کے صابن کی ضروریات کیلئے
 ذوالفقار انڈسٹریز کا نام ہمیشہ یاد رکھئے
 ذوالفقار انڈسٹریز، ڈی ۱۹ منگھوپیر روڈ، کراچی

گلفام ٹوائپلٹ سوپ

لیلی کریم سوپ

لیلی سوپ فلیکس پوڈر

ریشمی اور اونی کپڑے دھونے کا خاص اجزاء سے مرکب صابن

آل رائٹ میڈیکٹیڈ کاربالک صابن

کپڑے دھونے کے بہترین صابن

(۱) ہرن برانڈ (۲) ملٹری

(۳) ۵۵۵ بار

آج کے نئے دور میں

جبکہ دنیا کا کاروبار مغرب کے اس بینکنگ سسٹم پر چل رہا ہے۔ جس کا دار و مدار اصول و بولن "پر منحصر ہے

یہ امر باعث نزاع تھا کہ

کیا کوئی باہمی بچت کی اجتماعی اسکیم اصول مضاربت کے تحت بھی کامیابی سے چلائی جاسکتی ہے

باقا منظم

کی چند ماہ میں شاندار کامیابی اس امر کی بین دلیل ہے کہ اس قسم کی اجتماعی اسکیموں کو سودی لین دین جوئے لائری یا طالع آنٹائی جیسے پر فریب محرمات کے بغیر بھی نہایت کامیابی سے چلایا جاسکتا ہے۔

باقا منظم کیسے

ایک چھوٹی بچت کی ایک ایسی پرافٹ شیرنگ اسکیم ہے۔ جس میں آپ صرف پانچ روپے ماہوار بچاتے ہوئے حصہ لے سکتے ہیں۔ مقررہ مدت میں آپ ایک دفعہ ضرور پانچ صد روپے کی کثیر امدادی رقم حاصل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کو وہ بونس بھی ملتا ہے جو کمپنی ہذا اپنے منافع سے اس اسکیم میں باقاعدگی سے حصہ لینے والے ممبروں کے درمیان تقسیم کرتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ کا ادا کیا ہوا روپیہ کسی صورت میں ضبط نہیں ہونا خواہ آپ نے ایک ہی قسط ادا کی ہو۔

ان کے علاوہ

اور بہت سی خوبیاں اور سہولتیں ہیں جو آپ کو آج کل کی نام نہاد امدادی کمیٹیوں میں حاصل ہو سکتی ہیں چھ گروپ چند ماہ میں فکس ہو چکے ہیں اور آج تک تین ممبروں کو پندرہ ہزار روپیہ تقسیم ہو چکا ہے۔ جو کمپنی ہذا کی دیانت اور اعتماد کی بہترین دلیل ہیں۔ ساتھ ساتھ گروپ زیر تکمیل ہے، اپنا کھانا جلد محفوظ کرا لیجئے۔ تاکہ آپ کو اٹھویں گروپ کا انتظار نہ کرنا پڑے۔

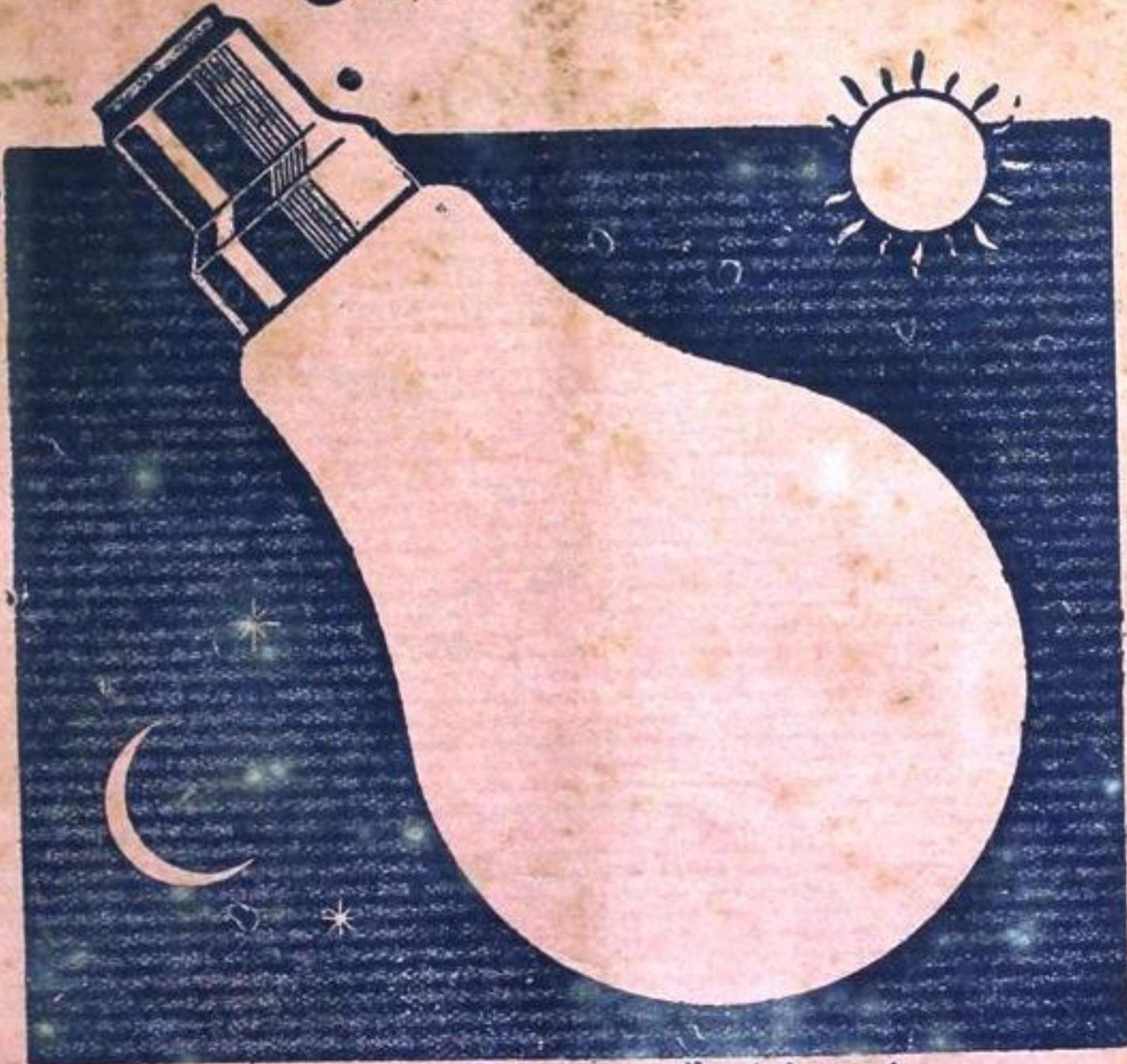
تفصیلات مندرجہ ذیل پتہ سے حاصل کیجئے

باقا منظم کمپنی لمیٹڈ، بندر روڈ کراچی نمبر ۱

فون: 70923

چمکدار لیکن

سکون بخش



حئی سنٹر کے لمپس قلیسل مدت میں تمام پاکستان میں پھیل گئے
آپ انہیں مکانوں، آفسوں اور فیکٹریوں میں ہر جگہ پائیں گے درحقیقت
ایک اعلیٰ درجہ کی چیمیز عوام کی خدمت کیلئے پیش کی گئی ہے۔ آپ
حئی سنٹر ہی استعمال کیجئے اس لئے کہ یہ بہترین ہیں

پاکستان میں
جنے ہوئے



حئی سنٹر الیکٹرک کمپنی لمپس

قاران کراچی

پاکستان



ماہِ القادری

فاران

ماہر القادری

ایڈیٹر

اکتوبر، ۱۹۵۶ء

سالانہ چندہ چھ روپے

فی پرچہ آٹھ آنے

مقام اشاعت

دفتر فاران کیمیل اسٹریٹ، کراچی نمبر

نظم و ترتیب

۲	ماہر القادری	نقش اول
۹	محمد اصغر شیخ مرحوم	روحانی بیماریاں
۱۳	حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ	قبر پرستی کا فتنہ
۱۶	مولانا ابوالکلام آزاد	معاشرہ اسلامی کی ایک جھلک
۲۰	ماہر القادری	جمالیات ... شعروادب میں
۲۳	پیر پیری القادری	جاہل صوفی اور ان کی گمراہی
۳۴	جگر مراد آبادی، عروج زیدی، صبا مہر، عبد الکریم مگر، حیرت بدایونی، قافیہ پیمیا	نظم و غزل
۳۲	اسعد گیلانی	روح انتخاب
۳۵	نجمار رضا	اس ہاتھ سے اس ہاتھ لے ... (افسانہ)
۳۸		ہماری نظریں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشہ اول

مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی ایک تقریر میں بڑی چچی تلی اور سچی بات کہی کہ —————
”پاکستان کی تمام سیاسی ٹولیوں میں ”قدر مشترک“ حصول اقتدار کی ہوس ہے۔ اور اس
معاملہ میں انھوں نے اپنے استاد انگریزوں کو بھی منزلوں پچھے چھوڑ دیا ہے۔“

یہ حقیقت ہے کہ پاکستان کے وقار و عزت کو ان طالع آزماسی لیڈروں نے فٹ بال کی گنید بنا رکھا ہے۔ جس کو جتنا
بھی موقع ملا ہے اس نے اپنے ذاتی اغراض کی خاطر پاکستان کے وقار کو پامال کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی! برسوں
سے حصول اقتدار کی اس جنگ کا چکر چل رہا ہے۔ حالات بگڑتے بگڑتے اب تو بت بیاں تک آن پہنچی ہے۔ کہ پاکستان کے
کھلے ہوئے دشمنوں نے طاقتوں کے توازن کے درمیان ”پاسنگ“ کی حدیث اختیار کر لی ہے۔ اور آج پاکستانی سیاست
میں پاکستان کے ان دشمنوں کو وزن حاصل ہو گیا ہے۔ یہ ”نیشنل لیڈر“ چونکہ اپنا ایک متعین مقصد اور خاص نظریے رکھتے
ہیں۔ اس لئے وہ کسی سیاسی پارٹی سے بھی ساز باز کرتے وقت اپنے مقاصد اور سیاسی نظریوں سے غافل نہیں رہتے پاکستان
کی دوسری پولیٹیکل پارٹیوں کے خود غرض لیڈران ”نیشنلسٹوں“ کو خریدیں گے تو کیا، بلکہ ان کے ”پاسنگ“ کی قیمت
پر وہ خوی بک جائیں گے۔ اس سودے بازی اور مول تول میں انھیں کامیابی ہو بھی رہی ہے۔

یہ نیشنل پارٹی ————— بظاہر کمزور اور بے اثر دکھائی دیتی ہے۔ اور یہ واقعہ بھی ہے۔ کہ پاکستان کے عوام کی حمایت
دائید اور پشت پناہی اس ”نوزائیدہ پارٹی“ کو حاصل نہیں ہے۔ مگر یہ جماعت اتنی بے اثر بھی نہیں ہے، جتنا کمزور و بے اثر
اسے سمجھا جا رہا ہے۔ (۱) روس کے درپردہ اشارات (۲) بھارت کے نظریاتی مقاصد کا پرتو (۳) مشرقی پاکستان کے ہاسیائی
ہندوؤں کے تخریبی عزائم (۴) پاکستان کے صوبہ پرست اور اسلامی نظریوں سے متوحش ————— افراد کا تعاون اور

سے بڑھ کر (۵) پاکستان کے "فرد ایوان" کا ایما۔ یہ وہ قومیں اور سازشیں ہیں جن کی نیش پناہی "نیشنل عوامی پارٹی" کو حاصل ہے۔ یہ لوگ بیشک مٹھی مٹھی مگر زیادہ قوت کی ضرورت "تعمیر" کیلئے درکار ہوتی ہے، تخریب کے لئے تھوڑی سی قوت بھی بہت ہے۔ ایک ذرا سی چنگاری خرمونوں کو جلا کر خاکستر بنا سکتی ہے، کشتی میں ذرا سا پھید کشتی کو ڈوبنے کے لئے کافی ہے! ڈائنامیٹ کی تھوڑی سی مقدار بڑھی بڑھی عمارتوں کو بھک سے اڑا دیتی ہے۔

مسلم لیگ نے کوئی ٹنک نہیں کہ پاکستان کے حالات کو بہت کچھ لگاڑا ہے۔ پاکستان بننے کے بعد سے کسی سال تک اقتدار اس جماعت کے ہاتھوں میں رہا۔ مسلم لیگ کے ارباب کار اگر اٹھارہ قبائلی اور ہوش و فراست سے کام لیتے تو پاکستان کو یہ برے دن کا ہیکو دیکھنے پڑتے مگر.....

عیب سے جملہ گفتنی ہنر میں نیز بگو

یہ بھی واقعہ ہے کہ مسلم لیگ اپنے فعل و عمل سے نہ سبھی کم سے کم زبان و قلم سے تو اسلامی نظریوں کی حمایت کرتی رہی ہے۔ یہ اذیت کا شرف تو "عوامی لیگ" ہی کو پاکستان میں حاصل ہوا ہے۔ اس نے کھل کر "اسلامی دستور" کی مخالفت کی ہے۔ سہروردی صاحب کی تقریریں اے دن اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ ان حضرات کے منہ سے "اسلام" کا نام شاد و نادر ہی نکلتا ہے۔ سہروردی صاحب بیچارے بھی کیا کریں اپنے رجحان مزاج اور طبیعت کو وہ بدل بھی تو نہیں سکتے۔ جس چیز سے انہیں لگاؤ اور محبت ہی نہیں ہے اس کا اظہار ان کی زبان سے ہو تو کیونکر ہو۔ برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔ (الانامہ تشریح بانیہ) یہ کیسے ممکن ہے کہ برتن میں ہو تو تیل اور ٹپکنے لگے دودھ، اہول کے درخت سے کلنے ہی نکلیں گے۔ لالہ گل تو نمودار ہونے سے رہے۔!

جو لیڈر اپنی جماعت (عوامی مسلم لیگ) کے نام سے لفظ "مسلم" کو خارج کر سکتا ہے۔ سمجھ لیجئے کہ اس کے سیاسی اور مذہبی بھجانات کیا ہو سکتے ہیں۔ اس کا کیا طریق فکر اور کردار ہونا چاہیے اسلام کی دلالی دہیہ بود کے لئے وہ کیا کر سکتا ہے؟

جناب شہید سہروردی صاحب کی بیباکی اور جرات کا بہت شہرہ سنا تھا۔ مگر پچھلے دنوں کے واقعات نے عوام کی اس خوش بھی "کو بھی رفع کر دیا اور عوام و خواص سب کو معلوم ہو گیا کہ یہ حضرت کتنے پائیوں میں ہیں! وزارت اعظمی ان کو اس قدر عزیز ہے کہ اس کی خاطر وہ پست سے پست تر سطح تک اتر سکتے ہیں۔ جب تک انہیں منصب نہیں ملا تھا وہ بہت دینگ تھے مگر کرسی اقتدار پر براجمان ہوتے ہی ان میں طرح طرح کی مصلحت کو شیاں اور کمزوریاں آگئیں! اب وہ ہر قیمت پر اپنی کرسی کی صحیح سلامتی کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کے لئے انہیں چاہیے اپنے وقار و خودداری کی مسلسل قربانیاں کیوں نہ دینی پڑیں! اسلام کی سر بلندی کی تو ان کی ذات سے کبھی امید تھی ہی نہیں۔ ان کی ہوس اقتدار سے اب یہ خطرہ ہو چلا ہے کہ "جمہوری اقدار" کی بھی وہ خاطر خواہ حفاظت نہ کر سکیں گے۔ اوپر سے ان پر دباؤ ہوتا ہے تو وہ اس کی مقادمت نہیں کر سکتے۔ بلکہ دب اور جھک جاتے ہیں۔ اور یہ کمزوری ان میں عہدے کے لالچ نے پیدا کی ہے! سنگ خارا میں جب نرمی اور لچک پیدا ہو جاتے تو کسی عمارت کے لئے اس کا ستون بنا خطرے سے خالی نہیں۔

عوامی لیگ اور ری سپلکس پارٹی کے گٹھ جوڑنے "جداگانہ انتخاب" کو رد اور مخلوط انتخاب "کو منظور کر کے ملک و ملت کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے بعد ہی سے پاکستان کے دشمنوں کو ابھرنے اور پریزروئے اکائینے کا موقع ملا۔

مغربی پاکستان کے صوبوں کو توڑ کر "دن یونٹ" جن بڑے لوگوں نے بنایا تھا۔ ان کے پیش نظر کچھ سیاسی مقاصد اور ذاتی اغراض تھے! حکومت کی طرف سے "دن یونٹ" کا کتا پر جوش بلکہ طوفانی پسینہ اہوا ہے۔

نیا شگوفہ

شہزادوں سے " دن یونٹ " کی شان میں قصیدے پڑھوائے گئے۔ اپنی صحافت نے اس " نسخہ کیمیا " کو طرح طرح سے سراہا کہ اس کے وجود میں آتے ہی صوبہ پرستی اور نیشنل ورکنگ کے تمام تعصبات مٹ جائیں گے اور " دن یونٹ " وہ کرامتیں دکھائے گا کہ " الدین کے چراغ " سے بھی ایسی عجیب و غریب باتیں ظہور میں نہ آئی ہوں گی !

" دن یونٹ " کے بارے میں عوام سے کوئی استصواب نہیں کیا گیا، اوپر کے کچھ لوگوں کے ذہن میں ایک اسکیم آئی، اور اسے انہوں نے نافذ کر کے چھوڑا، حکم حاکم مرگ مفاجات " کس کی مجال تھی جو اس سے سرتابی کرتا! جن دردمندان ملک و ملت نے زبان کھولی بھی تو ان کی آواز نقار خانہ میں طوطی کی صدا بن کر رہ گئی۔

" دن یونٹ " بنا پھیلے جیسے نجلے نظام کو بدل گیا۔ دفاتر اور محکموں میں ردوبدل ہوا۔ ہزاروں اہلکاروں کے عملہ کو ادھر سے ادھر جانا پڑا۔ راتوں رات نئی نئی عمارتیں بن کر تیار ہوئیں۔ اور یہ سب کچھ یوں ہی نہیں ہو گیا، اس میں گمراہیوں اور پیہ حکومت کو صرف کرنا پڑا۔ جب یہ سب کچھ ہو چکا " دن یونٹ " چل بھی نکلا۔ پنجاب - سرحد - سندھ اور بلوچستان کی جیکہ لوگ خطوں کے پتوں پر مغربی پاکستان " لکھنے لگے۔ اور علاقائی تقسیم کے تقورات " دن یونٹ " کی وحدت میں ضم ہونے لگے۔

بن جانے لشبمن تو کوئی آگ لگا دے
 کا فتنہ اچانک ظہور میں آیا۔ اور ری پبلکن پارٹی نے محض اپنی کرسیوں کو بچانے کے لئے نیشنل پارٹی سے ساز باز کر کے " دن یونٹ " کے ٹوڑے جانے کی تجویز اسمبلی میں منظور کرادی !

صوبے قائم بھی رکھے جاسکتے ہیں۔ ان کو توڑا بھی جاسکتا ہے۔ کہ پاکستان کی صوبجاتی حد بندی کنفرا ایمان کا مسئلہ نہیں ہے۔ اور نہ یہ نبدیلیاں " وحی " کی بناء پر عمل میں آئی ہیں۔ ملک کے مفاد اور نظم و نسق کی بہتری کی خاطر صوبے ملائے بھی جاسکتے ہیں۔ کسی نئے پلان کے مطابق ان کی تشکیل جدید بھی ہو سکتی ہے۔ حدود ارضی کو گھٹایا اور بڑھایا بھی جاسکتا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ " دن یونٹ " کے بارے میں یہ مخالفانہ رویہ کیوں اختیار کیا گیا۔ اس کی ایسی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔ اس بنے بنائے محل کو کیوں ڈھایا گیا؟ ایک چیز جو پہلے " تریاق " تھائی جا رہی تھی وہ ان کی آن میں " زہر " کیسے بن گئی !

اس بات کو ہر کوئی جانتا ہے کہ ری پبلکن پارٹی کو اسمبلی میں شکست سے بچنے کے لئے چند ووٹوں کی ضرورت تھی۔ اس کے لئے اس نے نیشنل عوامی پارٹی سے ساز باز کی۔ نیشنل پارٹی کے لیڈر چونکہ اپنے مقاصد میں مخلص ہیں۔ اس لئے انہوں نے تجارت کے لائسنسوں اور پرمٹوں یا عبدوں کی سودے بازی نہیں کی بلکہ اپنے " سیاسی نظریہ " کی کامیابی اور اس سے ملی قیمت ٹھہرایا۔ ری پبلکن پارٹی کے سامنے حصول اقتدار کے سوا اور کوئی نظریہ اور مقصد نہیں ہے۔ اس لئے اس نے " نیشنل " پارٹی کی شرط کو مان لیا اور دن یونٹ کے خاص دارا لحلافہ میں اس کے ٹوڑنے جانے کی تجویز کثرت آراء سے پاس ہو گئی !

باغبان نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
 جن پہ تمکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

ہم مانتے ہیں کہ " دن یونٹ " بنائے جانے میں جو عجلت اور شدت اختیار کی گئی تھی وہ نامناسب تھی۔ اور اس کے بنانے والوں کی نیتیں بخیرہ تھیں، مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ " دن یونٹ " میں شرکے ساتھ خیر کا عنصر بھی موجود تھا۔ اس تناسب کا تعین دشوار ہے کہ شر اور خیر میں کس کا کیا تناسب تھا۔ لیکن " دن یونٹ " کا نظم و نسق اچھے ہاتھوں میں اگر آجاتا تو پاکستان

کی وحدت و سالمیت کے لئے یہ بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ وحدت، تقسیم سے بر حال اچھی ہے۔!

مگر "دن یونٹ" توڑے جانے کے منصوبے میں "خالص شر" پایا جاتا ہے۔ "خیر" کا یہاں دور دور تپا نہیں! چنانچہ اس کے نتائج کا ظہور شروع ہو گیا ہے۔۔۔۔۔۔ بعض دالیان ریاست اپنی ریاستوں کے استقلال کا مطالبہ کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ بھاولپور کے بعض عمائد نے بھاولپور کو خود مختار صوبہ بنانے کا مطالبہ پیش کر دیا ہے۔۔۔۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ "پختونستان" کے پاکستان کش مطالبہ میں اس سے جان پڑ گئی ہے۔۔۔۔۔۔ بلوچستان میں عبدالصمد اچکزئی جیسے اسلام دشمن لیڈروں نے صوبہ بجا تی تعصب کو جو بھڑکایا تھا ان شعلوں کو اس تجویز نے اور ہوا دی ہے! مانا کہ صدر مملکت اور وزیر اعظم نے "دن یونٹ" توڑے جانے کے خلاف اپنی رائے اور حجان کا اظہار فرما دیا ہے، مگر اس کا قطعی فیصلہ تو پاکستان کی مرکزی اسمبلی ہی کر سکتی ہے۔! کون کہہ سکتا ہے کہ مرکزی اسمبلی کے اجلاس منعقد ہونے تک یہ سیاسی شعبہ گہرا کیا موقف اختیار کر سکتے ہیں۔ اور خود اسمبلی میں "توڑ جوڑ" کا اونٹ کس کر دے! جیسا ہے "دن یونٹ" کی شکست نہ بھی ہوئی تو بھی مغربی پاکستان اسمبلی کی اس تجویز نے صوبائیت اور "تفریق" کا جو جذبہ ابھار دیا ہے۔ اس کی تلافی کس طرح ہوگی!

ہیں یقین نہیں آتا کہ عالم بالاد (؟) کے جس اہیار سے ری پبلکن پارٹی وجود میں آئی ہے مستقبل میں وہ "اہیار" اس پارٹی کی پشت پناہی سے دست کش ہو جائے گا۔ "ری پبلکن پارٹی" آمریت کی آرزوؤں اور ان منصوبوں کا سب سے بڑا منظر اور آلہ کار ہے۔ اس پارٹی کا کوئی منشور اور اصول نہیں۔ اس کے سامنے کوئی پروگرام نہیں۔ ہاں۔ اس کے پاس حصول اقتدار کی ہوسناکیاں ہیں اور اس کے لئے وہ ہر بے عنوانی دھاندلی اور فریب کاری کے لئے تیار ہے۔ یہ اپنے اقتدار کی بقا و دوام کی خاطر ہر پارٹی سے ساز باز کر سکتی ہے (Slogans) کا ساتھ دے سکتی ہے اور ہر اصول کو توڑ سکتی ہے۔ اس پارٹی کی آخر دم تک یہ کوشش اور ٹنگ و دور ہے گی کہ کسی نہ کسی طرح "انتخابات" کی بلا اس کے سر سے ٹل جائے۔ اور اگر "انتخابات" اس کے ٹال نہ ٹل سکیں تو پھر "انتخابات" میں اپنے جہاد و اقتدار کو پوری قوت کے ساتھ استعمال کرے گی۔

"ری پبلکن پارٹی" نے اپنی حکومت میں دزیروں اور نواب وزیروں کی جو کھپ جمع کی ہے۔ اور جس میں اصناف پر اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس سے اس جماعت کے کردار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے! کیا اس کردار اور ذہنیت کے لوگ اپنے دور اقتدار میں "انتخابات" خیر و خوبی کے ساتھ ہو جانے دیں گے۔!

وہ کرسی نشین جن کو اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ قوم کی تائید انھیں حاصل نہیں ہے۔ اور انتخابات میں ان کے اقتدار کے لئے سو فیصدی خطرہ موجود ہے۔ لہذا یہ لوگ ملک کی سیاسی پارٹیوں کے اختلافات کی آڑ لے کر یا کسی دوسرے خلفشار کا مہیا بنا کر کیا عجیب ہے کہ کسی "جرات آزما اقدام" سے کام لیں۔ اور اس طرح وقت کے وقت سب کچھ تیاری ہونے کے بعد "انتخابات" کھٹائی میں پڑ جائیں! خدا کرے ہمارا یہ قیاس اور اندیشہ غلط ثابت ہو۔ مگر یہ اندیشے بے بنیاد نہیں ہیں! قوم کو مستقبل کے خطرات سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ اور اس مزاج، کردار اور ذہنیت کے "بڑے آدمیوں" کی نقل و حرکت پر گہری نظر رکھنی چاہیے!

لقویر کا ایک رخ تو یہ ہے۔ جو ابھی ابھی پیش کیا گیا ہے۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ ڈاکٹر خان صاحب اور خاتون

عبدالعقار خان دانستہ میدان سیاست میں لائے گئے ہیں۔ اور اس طرح ان کے لانے والوں کو، پختونستان اور پٹھان قوم کی سر بلندی کے نام پر اپنی پوزیشن کے لئے طاقت فراہم کرنا مقصود ہے۔ یہ "خان برادران" اسلام اور پاکستان کے بارے میں جو تصورات اور نظریے رکھتے ہیں۔ وہ سب کو معلوم ہیں۔ ان کے سیاسی مقدمات اور نظریوں کا ساتھ اسلام اور پاکستان کا نخلص ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جو "پاکستان" کی مخالفت میں پیشین اور سادہ کر سے بھی دو ہاتھ آگے تھے۔ اور پاکستان کا انتشار اور اضطراب جن کی تمناؤں کے عین موافق ہے۔ اور جن کے دل کی دھڑکنیں نیند نہرو کی تمناؤں سے ہم آہنگ ہیں۔

حالات انتہائی افسوس ناک ہیں، مطلع بہت زیادہ ابر آورد ہے۔ خطرات کی کوئی حد نہایت نہیں۔ ایک ایک شعبہ فکر و عمل میں اتیری اور انتشار پایا جاتا ہے۔ جن سے تعمیر و اصلاح حال کی توقع تھی۔ وہ اپنی دنیا بنانے اور اپنی کرسیاں سنبھالنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ پاکستان "خون یغما" بنا ہوا ہے جس کے جو کچھ ہاتھ لگتا ہے لے بھاگتا ہے۔ نہ جانے کتنے بڑے بڑے آدمیوں کے کھاتے انگلستان اور امریکہ کے بنکوں میں کھلے ہوئے ہیں۔ رشوت کا کاروبار روز پر ہے بڑے بڑے ذمہ دار لوگ اپنی پارٹیوں کے نام پر لاکھوں روپیہ کے چندے وصول کرتے ہیں، اور اس کے لئے پرمٹوں اور لائسنسوں کی باقاعدہ سودے بازی ہوتی ہے۔ بین الاقوامی دنیا میں ہماری ساکھ روز بروز گرتی چلی جا رہی ہے۔ ہماری حق بات کا بھی دنیا میں کوئی وزن نہیں اور ہمارے حریفوں اور مخالفوں کی ناحق باتوں کو بھی اہمیت دی جاتی ہے۔

حالات لاکھ ابر و خراب سہی مگر مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایمان اور ناامیدی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ مایوسی تو کافروں کو زیب دیتی ہے۔ جو لوگ خدائے حقیقیہ کی عبادت کرتے ہوں وہ مایوس ہو ہی نہیں سکتے۔

تراجم باک خدائے کہ داشتی داری

مگر صرف "پر امید" ہونے سے بھی عقہہ کشائی نہیں ہو سکتی۔ امیدیں اور آرزوئیں قوت عمل کے بل پر پوی ہو کر تھکتی ہیں۔ حرکت میں برکت ہے۔ اس کا رگاہ عمل میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کا سب سے بڑا تقاضا۔ بلکہ ایسا یہ ہے کہ انسان ہر نفس مصروف عمل رہے۔ قرآن پاک میں دو ٹوک انداز میں فرمایا گیا ہے کہ جو قوم خود اپنی حالت کو نہیں بدلتی اللہ تعالیٰ بھی اس کے حالات کو نہیں بدلتا۔ !

پاکستان کے حالات صرف تمناؤں کرنے اور دعائیں مانگنے سے نہیں بدلیں گے۔ دعا کی اہمیت اپنی جگہ مسلم مگر دعا کے ساتھ ساتھ عمل و حرکت کی بھی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے تو قوم کو افراد کے کردار و عمل کا جائزہ لینا چاہیے۔ کس نے کیا پارٹ ادا کیا ہے؟ جو افراد اپنے اعمال میں غیر نخلص ثابت ہوئے ہیں۔ ان کو معاشرہ میں کوئی عزت کا مقام اور منصب برگز نہیں ملنا چاہیے۔ فساد ابتری کی اصل و بنیاد ہی یہ ہے کہ مشتبہ کردار کے لوگوں اور غیر نخلص افراد کو قوم کو ارا کر لینی ہے۔ بلکہ ان کو منصب و اعزاز سونپے جانے پر بھی خاطر خواہ احتجاج نہیں کیا جاتا۔ اس چیز سے ناپسندیدہ افراد کی ہمتوں کو بڑھا دیا ہے۔ اور اس کردار کے لوگوں کو اس کا اطمینان رہتا ہے کہ وہ جب بھی چاہیں گے۔ قوم کو کوئی چلتا ہوا مساجد دے کر اپنے لئے "نذرہ باد" کے نعرے بلند کرالیں گے۔ !

قوم نے دس سال کی اس طویل مدت میں مختلف جماعتوں اور لیڈروں کا تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے کھوٹے اور کھرے پرکھے جا چکے ہیں۔ عوام اچھی طرح جان چکے ہیں کہ کس کے کیا عزائم اور احوال ہیں۔ اخلاص کہاں ہے۔ اور اغراض کا بندہ کون ہے۔ کس پارٹی کے پاس کیا پروگرام ہے۔ اور کون جماعت اپنے اصول پر قائم رہی ہے۔ اور کس پارٹی نے اپنے اصول بدلے ہیں۔

قوم اگر مخلص، خداترس، ایثار پیشہ اور نیک افراد کی قیادت قبول کرے۔ تو ملک کے حالات کو بدلتے کیا دیر لگتی ہے۔ پاکستان میں انقلاب جمہوریت کی راہ سے آئے گا۔ یہ راہ اگرچہ طویل ہے مگر سلامتی کی راہ ہے!

وہ حکومت جس کے ادبایا اقتدار کے حوصلوں میں "آمریت" کی آمیزش ہوگی، وہاں کے "برے لوگ" طبعی طور پر "جمہوریت" کے نام سے گھبراتے ہیں۔ پاکستان کے عوام بھی اسی افسوسناک صورت حال سے دوچار ہیں، عوام کی جیت اس میں ہے کہ وہ آئینی دباؤ کے ذریعہ ایسی صورت پیدا کر دیں کہ کسی کے لئے بھی جمہوری تقاضوں سے گریز کا کوئی چور راستہ باقی نہ رہ جائے!

پاکستان میں جلد سے جلد انتخابات کا ہونا جمہوریت کی سب سے پہلی فتح ہوگی۔ یہ ماننا کہ پہلے انتخابات میں پسندیدہ افراد بہت کم تعداد میں آئیں گے۔ مگر ملک میں جمہوریت کی داغ بیل تو پڑ جائے گی۔ اور "انقلابی کونسل" کے خواب دیکھنے والوں کی ہمتیں تو لپٹ ہو جائیں گی! اگر پاکستان میں کوئی "جمال ناصر" جیسا مفسد اور ظالم پیدا نہ ہو گیا۔ اور یہاں کے حالات نارمل (NORMAL) رہے تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ تیسرے الیکشن میں ملک کی زمام کار "نیک لوگوں" کے ہاتھ میں ہوگی!

حالات کا بدلنا عوام کی ہمت اور مردم شناسی پر موقوف ہے۔ انہوں نے "انتخابات" میں اگر پسندیدہ کردار کے لوگوں کو آگے آنے کا موقع دیا تو پھر لپٹیوں کو بلند ہوتے کیا دیر لگتی ہے۔ یہ ابراؤد مطلع دیکھتے ہی دیکھتے نکھر جاتے گا!

تاریخ بتاتی ہے کہ بنو امیہ نے حالات کو کس قدر خراب کر دیا تھا۔ مگر صرف حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے تخت حکومت پر آجانے سے زمین و آسمان ہی بدل گئے۔ اور دنیا نے ایک بار پھر خلافت راشدہ کی پہاڑ اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ نبوت بے شک ختم کر دی گئی ہے۔ اور صحابیت کا شرف بھی کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ مگر کسی اور شرف خوبی اور وصف و کمال پر قدغن نہیں لگائی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا خزانہ کھلا ہوا ہے۔

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا

آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اندھیرے بہت پھیل چکے۔ اب ان کے سمٹنے کا وقت آ رہا ہے۔ اچھے بہت دے دے رہے ہیں ان کے پھیلنے اور غالب ہو جانے کی گھڑی قریب ہے۔ حق و باطل کے درمیان کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکتا۔ باطل نے بہت کچھ کچھڑے اڑائے۔ اب حق کا دورہ شروع ہونے والا ہے۔ اسی صبح کے

طلوع کا سب کو انتظار ہے۔ دنیا انشاء اللہ دیکھ لے گی کہ اللہ کے نیک بندوں کو جب اقتدار ملتا ہے تو وہ اپنے نفس کی لذت و کبریائی میں نہیں بلکہ اللہ کی رضا، انسانیت کی مہربانی اور عوام کی فلاح و بہبود میں مصروف مگر تھے ہیں۔

ماہر القادری
۲۷ ستمبر ۱۹۵۷ء

سیرت نمبر ۱ اور توحید نمبر ۱

ختم ہو گئے

افسوس ہے کہ ان شماروں کے آرڈروں کی تکمیل سے ہم معذور ہیں

—————

ماہر القادری مدیر "فاران"

کی شاہکار تصنیف "کاروان حجاز" کے بھی محدود نسخے باقی رہ گئے

ہیں! شاہقین حضرات آرڈر دینے میں عجلت فرمائیں۔ یہ کتاب ہر اعتبار سے

پڑھنے، دوستوں کو تحفے میں دینے اور کتب خانوں میں محفوظ کرنے کے قابل ہے۔

قیمت

چار روپے (علاوہ محصول ڈاک)

مکتبہ "فاران" کیمپل اسٹریٹ، کراچی علی

روحانی بیماریاں

بدن کی طرح روح بھی بیمار ہوتی ہے۔ روح کی بیماریوں کا مرکز دل ہے، ﴿قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ (ان کے دلوں میں بیماری ہے) قِطْمَعُ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ (پھل پھل کرے، جس کے دل میں کوئی روگ ہے) وَلَيَقُولَنَّ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَرَنَّا كَذِبًا کہیں وہ لوگ جن کے دل میں روگ ہے (روحانی امراض کی ایک میں ختمِ اللہِ عَلٰی قُلُوبِهِمْ) (اللہ نے ان دلوں پر ٹھہر کر دی ہے) قِطْمَعُ عَلٰی قُلُوبِهِمْ (ترجمہ: پھر ہر گئی ان کے دلوں پر) عَلٰی قُلُوبِهِمْ اَقْفَالُهَا (ترجمہ: ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں) تَقْحِي لِقُلُوبِ النَّبِيِّ فِي الصُّدُورِ (ترجمہ: سینوں میں دل اندھے ہو جاتے ہیں) اَسْرَانِ عَلٰی قُلُوبِهِمْ (ترجمہ: رنگ پھا گیا ہے ان کے دلوں پر) قَوْلِ لِلْقَسِيَةِ قُلُوبِهِمْ (ترجمہ: سو خرابی ہے ان کے دل جس کے دل سخت ہیں) كَذَلِكَ يُطْبَعُ اَدْنَا عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ (ترجمہ: اسی طرح ہر کردیتا ہے اللہ ہر دل پر غرور اور سرکش پر یعنی دلوں پر ہر لگ جانی۔ ان پر تالا لگا دیا جانا، ان اندھا، رنگ آلودہ اور سیاہ ہونا، یاد دل کا متکبر و جبار بن جانا وغیرہ۔ روحانی بیماریوں کی اہمیت کے پیش نظر ان کے علاج کے لئے اطباء کا انتخاب اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے فَعَسَىٰ اَللّٰهُ النَّبِيْنَ (ترجمہ: پھر بھی اللہ نے پیغمبر) اپنے پاس سے ہی نسخہ ہدایت دیتا ہے وَنَزَّلَ مِنْ لَّدُنْ اَيْنَ وَمَا هُوَ شِفَاؤُ وَّوَدَّعْتَهُ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (ترجمہ: اور ہم اتارے ہیں قرآن میں سے جس سے مرض دور ہوں اور رحمت ایمان والوں کو واسطے) شِفَاؤُ مَا فِي الصُّدُورِ (ترجمہ: اور شفا دلوں کے روگ کی) هُوَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَاؤًا (ترجمہ: یہ ایمان والوں کے لئے ہدایت ہے اور شفا ہے) اطباء کو حکم ہوتا ہے کہ مفت علاج کریں اور کسی مریض سے اپنی فیس نسخہ، دوائی کی قیمت وصول نہ کریں كَا اَسْئَلُكُمْ نَفْسِيْ مَا كَا (ترجمہ: میں نہیں مانگتا تم سے کچھ مال) وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيَّا مِنْ اَجْرٍ (ترجمہ: اور میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کسی قسم کا اجرا) اَسْئَلُكُمْ اَجْرًا (ترجمہ: کیا تو مانگتا ہے ان سے کچھ بدلہ) اَسْئَلُكُمْ عَلَيَّا اَجْرًا (ترجمہ: میں نہیں مانگتا اس پر کوئی بدلہ) اس قدر مراعات و احتیاط کے باوجود اعداد و شمار اطباء کی زبانی ہی معلوم ہوتے ہیں کہ صحیاب ہونے والوں کی اوسط تعداد ہیبت ہی کم ہے۔ قلیل تعداد ہے حد تعجب چیز ہے لیکن جب آپ اس کے وجوہات پر غور فرمائیں گے تو آپ کا استعجاب رفع ہو جائے گا۔

(الف) مریض کو بیماری کا احساس قطعاً نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے تئیں تندرست خیال کرتا ہے۔ اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰی اُمَّةٍ اِنَّا عَلٰی اَشْرَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (ترجمہ: ہم نے پاپا اپنے باپ داداؤں کو ایک راہ پر اور ہم انہیں کے قدموں پر ہمیں راہ پاتے ہوئے۔

(ب) مریض اللہ روحانی طبیب کو بیمار بتلاتا ہے قُلْنَا مَا نُبَدِّلُ اٰتَمًا مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَسْتَمْتُمْ اِلَّا فِي ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ (ترجمہ: کیا نہیں اتاری اللہ نے کوئی چیز۔ تم تو بڑے بہکا دے میں پڑے ہوئے ہو۔)

د ج روحانی مریض کی طبیعت کو رد باصلاح کرنے والی چیز عقل سلیم ہوتی ہے۔ جو بیماری کے غلبہ سے کبھی فی الجملہ زائل ہوتی ہے۔ اور کبھی بے حد کمزور پڑ جاتی ہے۔ لہذا مریض ہذیان بکنا شروع کر دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے طبیب کو

پاگل اور دیوانہ قرار دیتا ہے۔ جو دراصل بیماری کے غلبہ سے اس کی اپنی دیوانگی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ **كَذَلِكَ قَالُوا لِي
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ اَلَا قَالُوا سَابِقُوا الَّذِيْنَ رَجَعُوْنَ** (ترجمہ: اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے
نہیں جو رسول آیا اس کو بھی کہا کہ جادو گر ہے یا دیوانہ **وَقَالَ الظَّالِمُونَ اِنْ تَتَّبِعُونَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا**
(ترجمہ: اور ظالم لوگ کہنے لگے کیا تم ایک سحر زدہ آدمی کی پیروی کرتے ہو) یہ صورت خطرناک ہوتی ہے۔ کیونکہ
مریض طبیب کی بات تک سننا گوارا نہیں کرتا **لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْخَوْفِ فِيْهِ**
(ترجمہ: اس قرآن کو نہ سنو بلکہ اس کے پڑھے جانے کے وقت ادھر ادھر کی لغو باتیں بیان کرو

(۱۵) ایسی ہی صورت کے اعتبار سے روحانی مریضوں کو استعاراً نامردے کہا گیا ہے۔ آپ صحابہ سے ہیں کہ مردے
کچھ نہیں سنتے **فَاِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْخَوَافِی** (ترجمہ: تو مردوں کو سنا نہیں سکتا) سو جب تک
ان میں زندگی کی کوئی رمق نہ عود کرے۔ ان کی بیماری علاج پذیر نہیں ہو سکتی **لَيْسَ مِنْ رَا مَنْ
كَانَ حَيًّا** (ترجمہ: تاکہ اس کو توڑ راتے جس میں زندگی ہو) ظاہر ہے کہ برعکس جسمانی مریض کے روحانی
مریض کا صحتیاب ہو جانا ایک اعجاز ہے یعنی مردہ کا زندہ ہو جانا جس کی صورت شاذ ہوتی ہے۔
اَوْ مَنْ كَانَتْ مَيِّتًا فَاحْيِيْنٰهُ (ترجمہ: ایک شخص جو کہ مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا)

(۱۶) جسمانی مریض کو صرف بیماری کے دوران میں لیکن روحانی مریض کو ہمیشہ کے لئے ناموافق اشیا سے پرہیز
لازم ہوتا ہے **وَدَسْمًا وَاظْهَرًا اَلَا تَتْمَدُّ وَبِاطِنًا** (ترجمہ: اور چھوڑ دو دکھلا ہوا گناہ اور چھپا ہوا
مسلم کی ایک روایت میں ہے **الَّذِيْ نِيَّاسَ جَنُّ الْمَوْحِنِ** اس میں مومن انسان کی جھڑو اللہ کے
اندر پابند شدگی کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ لذت کا ترک کرنا نفس پر شاق گزرتا ہے۔ اس لئے مریض
علاج و پرہیز نہیں کرتا

(۱۷) انی زمانہ علاج اور زیادہ مشکل ہو چکا ہے۔ کیونکہ آسمانی اطباء سید الکھماء (محمد عربی) کے بعد ختم ہو چکے ہیں
وَلَوْ كَانَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَخَالِفِيْهِمُ النَّبِيِّیْنَ آپ کے بعد جن اطباء کو یہ کام تفویض کیا گیا تھا۔ انہیں حکم تھا
کہ آسمانی اطباء کے نقش قدم پر چل کر علاج کے سلسلہ کو جاری رکھیں۔ علماء کا انبیاء بنی اسرائیل لیکن
وہ کسی لحاظ سے بھی ایسے ثابت نہیں ہوئے۔ علاج کرنا تو درکنار آج بیشتر بیماریاں انہی کی پیدا کردہ ہیں
عَلَمَاءٌ هُمْ شَرُّ نَحْتٍ مِنْ اَوْجِحِ السَّمَاءِ مِنْهُمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ -
یاد رہے کہ جسمانی بیماری کی آخری سرحد موت ہے۔ جس کے بعد جہاں تک مریض کا تعلق ہے۔ بنی تکلیف
کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ لیکن روحانی بیماری کی تکلیف کا آغاز موت سے ہوتا ہے۔ اور اضطراب و کرب کا زمانہ
ہر مرض کا اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے الگ الگ ہے۔ ظاہر ہے کہ تکلیف و عذاب کی رو سے روحانی
بیماریاں بغایت خطرناک و ضرر رساں ہیں لہذا ان کے علاج سے غفلت برتنی اپنے ساتھ پوری
دشمنی کا ثبوت دینا ہے **يَلِيْتَنِيْ قَدْ مَتَّ لِعِيَا قُف** (ترجمہ: کیا اچھا ہوتا جو میں اپنی زندگی ہی میں
کچھ آگے بڑھ دیتا۔ **يَلِيْتَنِيْ اَتَخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا** (ترجمہ: کاش میں
نے رسول کے ساتھ ساتھ راہ اختیار کی ہوتی) پھر وہ بیماری سب سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن بھی جاتی

جس کی تکلیف ابدی و دوامی ہو۔ اس کا دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسی بیماری ہے تاکہ اس کے علاج کی کوئی صحیح تدبیر کی جائے۔ ہم انشاء اللہ بدترین مرض مع نسخہ شفا بتلاتے ہیں۔

بیماریوں کو مشورہ

کہتے ہیں بیماری گھوڑے کی رفتار آتی ہے اور چوٹی کی رفتار واپس جاتی ہے۔ یہ ایک نہایت صحیح ضرب المثل ہے جسما نی بیماریوں کی بھی یہی کیفیت ہے۔ بیماری دفع ہونے کے بعد مدت تک تقاضت موجود رہتی ہے۔ بعض دفعہ بیماری کا ایسا شدید حملہ ہوتا ہے کہ عمر بھر صحت اپنے سابقہ انداز پر واپس نہیں لوتی۔ بلکہ اکثر بیماریوں کے بعد اعضاء مفلوج ہو کر بیکار ہو جاتے ہیں یا پہلے کی طرح توانا و مضبوط نہیں رہتے۔ لیکن روحانی بیماریوں کی کیفیت نہیں۔ اگر تشخیص مرض و علاج صحیح ہو تو بیماری رفع ہونے کے ساتھ ہی تمام قوتیں عود کرتی ہیں اور مریض ایک تندرست انسان سے زیادہ توانا اور طاقتور بن جاتا ہے۔ **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ** — **يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ** (ترجمہ: بیشک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو اچھائیوں سے بدلے گا) سو بیماریوں کو ہرگز مایوس نہ ہونا چاہیے۔ **كَلَّا تَقْتُلُوا مِنَ اللَّهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ يُغْفِرْ لِمَنْ يَشَاءُ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ ذَكِيمٌ** (ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید نہ ہو بے شک اللہ تمام گناہ بخش سکتا ہے۔

قرآن شریف میں لکھا ہے **وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ** (ترجمہ: جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا۔ وہ گویا آسمان سے گر پڑا) یعنی مرض شرک سے روح اپنے اصل مقام آسمان سے گر جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی عضو کسی صدمہ سے اپنی جگہ سے ٹل جائے تو انسان بیمار ہو جاتا ہے۔ اور صحتیابی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ عمل جراحت سے وہ عضو اصل مقام پر لایا جائے۔ اگر بعد دوری زیادہ ہو تو عمل جراحت سے وہ عضو اصل مقامات پر لایا جاوے گا۔ اگر بعد دوری زیادہ ہو تو عمل جراحت میں سخت شکل پیش آتی ہے۔ مریض شرک کی بھی یہی صورت ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی وجوہات ہیں۔ جو مریض کے علاج میں حائل ہوتے ہیں۔

۱۔ یہ ایک متعدی بیماری ہے جس کے حراشیم شپت در شپت نشود دنیا پاتے چلے جاتے ہیں اور تدفین نہیں ہوتے **إِنَّهَا** **إِشْرَاكُ آبَائِنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَيْنِهِمْ** (ترجمہ: شرک تو نکالا تھا ہمارے باپ داداؤں نے ہم سے پہلے اور ہم ہوتے ان کی اولاد ان کے پیچھے

ب۔ بیماری مریض کی طبیعت ثانی ہو کر رہ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اسے فطری شے قرار دیکر بیماری سے تعبیر نہیں کرتا۔ اور بجائے ارادہ شرعی کے خداوند تعالیٰ کے تکوینی ارادہ سے محبت پکڑتا ہے **كُوشَاءَ اللَّهِ مَا اشْرَكْنَا فَلَآ أَبَاؤُنَا** (ترجمہ: اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا نے) چاہئے تو یہ تھا کہ وہ مرض کا ذمہ دار اپنے تئیں قرار دیتا **وَإِذَا مَرَضْتُمْ فَهُوَ يُشْفِيكُمْ** (ترجمہ: اور جب میں بیمار ہوں تو شفا دے دیتا ہے۔) **وَقَالُوا صَآبِكُ** **مِنْ سَيِّئَةٍ فَسَنُ نَفْسِكَ** (ترجمہ: برائی تجھے پہنچے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے)۔

ج۔ عقل سلیم جو ہر بیماری میں طبیعت کی اصلاح کرتی ہے۔ فی الجملہ زائل ہو جاتی ہے **أَفِئْتَكُمْ وَرَبُّهَا** **تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ** (ترجمہ: میں بیزار ہوں تم سے اور جن کو تم پر جتے ہو اللہ کے سوا کیا تم عقل سلیم نہیں رکھتے؟) اور غلط فاسد خیالات کا سخت غلبہ ہوتا ہے۔ **أَفَخَيْرُ اللَّهِ مَا مَرُّوا فِي عَبَادِ** **أَيْهَا الْجَاهِلُونَ** (ترجمہ: اے نادانو! اللہ کے سوا اور کس کو تم بتاتے ہو جس کو میں پوجتا ہوں) چنانچہ اطباء ایسے مریض کو ابو جہل کہتے ہیں۔ یہ بیماری تمام قوتیں سلب کر لیتی ہیں اور جملہ اعضاء مضطرب ہو کر رہ جاتے ہیں۔

وَلَوْ اشْرَكُوا كَجَبَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (ترجمہ: اور یہ لوگ اگر شرک کرنے تو البتہ ضائع ہو جاتا جو کچھ انہوں نے کیا تھا) ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں علاج سخت دشوار ہوتا ہے۔

د۔ اس بیماری کے جراثیم اتنے خطرناک ثابت ہوتے ہیں کہ دارالشفاء کو بھی آلودہ کر دیتے ہیں انہا المشرکون نجسٌ فلا یقرُّ بوا المسجد اکتوا تم (ترجمہ: جو لوگ شرک میں وہ پلید ہیں۔ پس وہ بھی جگہ کے نزدیک نہ آنے پائیں) مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ اَنْ يَعْبُرُوا مَسْجِدَنَا بِرِجَالِهِمْ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ (ترجمہ: مشرکوں کا کام نہیں کہ اللہ کی مسجد آباد کریں جب کہ وہ اپنے اوپر کفر کو تسلیم کر رہے ہوں۔ دارالشفاء کا تزکیہ (مسجد سے صحت مند بنانا) کیا جاتا ہے۔ تاکہ جراثیم تندرست انسانوں میں مہریت نہ کرنے پائیں لَا تَشْرِكْ لِيْ شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ (ترجمہ: شرک نہ کرنا میرے ساتھ کسی کو اور پاک رکھ میرا گھر) اگرچہ اطباء ایسے بیماریوں کا علاج کرتے ہیں وَاِنَّ اَحَدًا مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَادَكَ فَاَجِدْهُ مَحْتًا لِّسَمْعِ كَلِمَةٍ اَنْذَرْتَهُ (ترجمہ: اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیکر یہاں تک کہ سن لے کلام اللہ کا) لیکن انہیں نہایت تاکید ہوتی ہے کہ بیماری کے جراثیم سے بچیں فَاَجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِّنْ اَكْثَارِ مَا يَبِيْنُ (ترجمہ: سو بچتے رہو بتوں کی گندگی سے) یہی وجہ ہے کہ ایسے بیماریوں سے انتہائی نفرت کی جاتی ہے اِنَّ اللّٰهَ بَدِيْعٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ (ترجمہ: اللہ الگ ہے مشرکوں سے) بلکہ ایسے مریضوں کو حرم کر دینے کا حکم ہے۔ تاکہ وہاں بڑھنے نہ پائے۔ فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (ترجمہ: مشرکوں کو جہاں سے پاؤ انہیں مارو) خاتم اطباء علیہ السلام کے زمانہ میں ایسا ہی کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ یہ خطرناک بیماری بالکل نیست و نابود ہو گئی اور کوئی بیمار باقی نہ رہا۔ سب انسان تندرست و صحت یاب بن گئے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَشْرِكُوْا بِيْ شَيْئًا (ترجمہ: میری بندگی کریں گے کسی کو میرا شرک نہ بنائیں گے۔ عرصہ تک یہی حالت رہی بعد میں جا کر غفلت گوش اطباء کی بے احتیاطی اور لاپرواہی سے پھر بیماری پھوٹ نکلی۔ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةِ حَتّٰی تَصْلِحَ قَبَائِلُ مِثْقٰلِ ذَرَّةٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَتَعْبُدَ قَبَائِلُ مِّنْ اُمَّتِيْ اِلَّا وَاَنْ تَدْرِيْ) اس پر طرہ یہ کہ معالج کوئی نہیں جنھیں طیب ہونے کا دعویٰ ہے وہ علم طب روحانی و دینی کا بلکہ میں

اسم الامراض اطباء نے اسے ام الامراض بتلایا ہے اور ان کا قول ہے کہ اس سے چھٹکارا پانے سے ہر بیماری رفع ہو جاتی ہے کیوں کہ ہر بیماری کی اصل یہی ہے۔ دوسری تمام بیماریوں کی تکلیف عارضی ہے۔ لیکن ان سختیوں کا نامی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَهٗوَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ترجمہ: بے شک اللہ جس گناہ کو چاہے بخش سکتا ہے۔ سوائے اس کے جو کسی کو اس کا شرک ٹھہرائے اس نے بہت شدید گناہ کا طوفان بادل افسر من یشرک باللہ فقد حوّر اللہ علیہ الجحیم (ترجمہ: بیشک جس نے شرک ٹھہرایا اللہ کے سوا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی) سید حکمانے فرمایا ہے نُوْحٌ مِّنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبٍ (بخاری) معلوم ہو کہ دوسرے امراض اتنے مضر نہیں اگر خطرہ ہے تو ایسی بیماری کا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر آسمانی طیب پہلے اسی بیماری کے علاج کی فکر کرتا رہا ہے وَمَا اُرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحٰی اِلَيْهَا اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْ وَاَنْ (ترجمہ: اور تم نے مجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا۔ مگر اس کو یہی حکم دیا کہ کسی کی نہیں بندگی سوائے میرے سو میری بندگی کرو) روحانی اطباء کی تمام تر یہی کوشش ہوتی ہے کہ لوگ ہر نوعیت

کے شرک سے مجتنب رہیں۔ یعنی شرک بالذات۔ شرک فی الصفات اور شرک فی العبادات میں مبتلا نہ ہونے پائیں اور ان کے دلوں پر
 كَلَّا لَمَّا كَلَّمْنَا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَمَا كَلَّمْنَا بَدَّلْنَا لَدُنِّي أَكْثَرَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَافِقُونَ

آسمانی صحیفہ طیب کا خلاصہ اور پچوڑ نقطہ اس قدر ہے کہ خدائے واحد کے ساتھ کسی قسم کا شرک روانہ رکھا جاوے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا
 يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝

کہ جو نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے سو ہم اس پر یقین لائے۔ اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو ہرگز ہرگز شریک نہیں ٹھہرائیں گے، انسان کی پیش
 کا یہی مقصد اور اس کی تخلیق کی یہی علت بتاتی ہے کہ صرف اللہ عزوجل کی عبادت کی جاوے وَفَاخْلُقْتُ أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَاكَ

لِيَعْبُدُونَ (ترجمہ۔ اور میں نے جن والسن کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔) آپ جانتے ہیں کہ عالم ارجح میں ہی
 انسان اس حقیقت کا اعتراف کر چکا ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے آگے اور کوئی اہلہ اور معبود نہیں الْمَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ

ترجمہ۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ بولے ہاں ہے۔) اِنَّا مَا تُجْكُمُ فَاغْبُدُون ۝ (ترجمہ میں تمہارا رب ہوں سو میری بندگی
 بندگی کرو یا یہی روح کا اصلی مرکز ہے اور اسی مرکز کو چھوڑ دینے سے اشراک باللہ کی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ

پہلے تشریح کی جا چکی ہے۔ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ ۝ (ترجمہ۔ جس نے اللہ کا کسی کو شریک ٹھہرایا تو
 اس کا ایسا حال ہے جیسے وہ آسمان سے گر پڑا) اس آیت میں انسان کی اس سستی اور گراؤ کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے۔ جب وہ صاحب عرش

کو الہ واحد تسلیم کرتے ہوئے اپنے جیسی یا اپنے سے کم تر مخلوق کے آگے سرنگوں ہوتا ہے۔ وَلَوْ أَنَّمَا لَمْ نَفْعِنَا بِهَا وَلَكِنَّهُ آمَنَّا
 بِاللَّهِ الْوَاحِدِ وَالرَّبِّ الْوَحِيدِ فَاتَّبَعْنَاهُ هُوَ الْوَحِيدُ كَمَا نَتَّبَعُكَ كَمَا نَتَّبَعُكَ الْوَحِيدُ (ترجمہ۔ اور ہم یہ چاہتے تو اس کا رتبہ بلند کر دیتے۔ ان آیتوں کی بدولت
 مگر وہ تو خود پست ہو رہا اور اپنی خواہش کے پیچھے ہو گیا، تو اس کا حال کتنے جیسا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ لقمان حکیم کو دنیا حکمت کا بادشاہ تسلیم کرتی ہے۔ قرآن نے بھی اس کی حکمت کی تصدیق فرمائی ہے۔
 عَلَّمَ الْقَالَ لَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ (ترجمہ۔ اور ہم نے لقمان کو حکمت دی) بہتر ہوگا اس کا نسخہ درج کر دیا جائے نہایت

مختصر اور جامع ہے۔ شفا خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے فرماتے ہیں۔ كَلَّا لَشُرِكُكُمْ بِاللَّهِ وَإِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ
 (ترجمہ۔ اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے) اگر آپ غور فرمائیں گے تو آپ پر یہ حقیقت فوراً منکشف ہو جائے گی۔ کہ

اس بیماری کے متعلق لقمان کی بھی وہی تشخیص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے ظلم کے معنی ذر ذر وضع الشی علی غیر محلہ
 ہوتے ہیں یعنی روح اپنا اصلی مرکز چھوڑ چکی ہے۔ اس نے عبادت پیمان کیا تھا۔ کہ میں اپنے خالق کے سوا کسی کی عبادت نہ کرونگی۔

السُّتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ (ترجمہ۔ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ بولے ہاں) لیکن وہ اپنی جیسی مخلوق کو معبود سمجھ کر نہایت
 پستی میں جا گری ہے۔ لفظ عظیم مرکز سے لے کر دوری کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے۔ علاج یہ تجویز فرماتے ہیں کَلَّا لَشُرِكُكُمْ بِاللَّهِ

یعنی ہر قسم کے
 اشراک باللہ کو ترک کیا جائے۔ تاکہ روح اپنے صحیح مرکز کی طرف عود کر سکے اور روحانی بیماری سے نجات حاصل ہو۔
 پس جس مسلمان کے دل میں توحید کا مزہ ہوگا وہ کھلے ہوئے شرک سے ہی نہیں، اس کے مخفی داعیات، محرکات اور مشابہت سے
 بھی پرہیز کرے گا۔ "توحید" میں اگر خدا نخواستہ فرق آگیا تو پھر کسی کی عقیدت و محبت اور کوئی عمل نیک کام نہیں آسکتا!

توحید

عبادت کی روح اور ایمان کی جان ہے۔

قبر پرستی کا فتنہ

اس رسالہ کا نام "بلاغ المبین" ہے۔ اس میں قرآن مجید کی آیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احاد پر شاہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے آثار اور اولیائے عظام رحمہم اللہ کے اخبار (ادار شاطہات) کا ترجمہ اس امید پر لکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ، اپنے حبیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر رحمت نازل فرما کر اس فتنہ و فساد کو دور فرمائے جس نے ہندو مشرکوں کے میل جول کی وجہ سے عوام الناس مسلمانوں میں پھیل کر اکثر کو آئینہ کریمہ و مایوسوں اکثرہم بِاللَّهِ اِلٰهًا وَهَنُمُ شُرَكَاءُ ۝ (بہت سے لوگ اللہ پر ایمان لگا کر بھی شرک کا کام کرتے ہیں) کا مصداق بنا دیا ہے۔ (نیز اس رسالے کو اسلئے لکھا گیا ہے) وَيُحِقُّ الْحَقَّ وَيُبْطِلُ الْبَاطِلَ ۝ لَوْ كَرِهَ الْغَافِلُونَ ط (تاکہ اللہ تعالیٰ حق کو سچ کر دے اور باطل کو جھوٹ کر دکھائے اگرچہ مجرم اس کو پسند نہیں کریں گے) اللہ تعالیٰ کا یہی وعدہ ہے۔

یہ گمراہ کر نیوالا فتنہ ایک ایسی سیاہی و تاریکی ہے جس نے بینا دلوں کو نابینا کر دیا ہے اور دین حق کی روشنی نہ پانے کی وجہ سے گمراہی کے گڑھے میں سر کے بل ٹنچ دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِي بِهٖ السَّيْحَةُ فِي مَكَانٍ سَعِيْقٍ ۝ (یعنی جو شخص کسی کو خدا کا شریک ٹھہرائے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ) گویا وہ آسمان پر سے گر پڑا پھر (یا تو) اس کو (راستہ ہی میں سے) پرند میں اچک لیں یا آندھی اس کو دور کسی گڑھے میں لیجا کر ڈالے یعنی اس قدر دور

اس رسالہ ایست نامیدہ بلاغ المبین کہ آیات کلام رب الانام و احادیث صحیحہ رسول علیہ السلام و آثار صحابہ کرام و اخبار اولیائے عظام را اندر ان ترجمہ نمودہ اید با امید آنکہ ہادی حقیقی جل جلالہ، و عم نوازہ بر امت حبیب خود رحمت فرمائید و فتنہ کہ از سبب خالطت و مواسست مشرکان ہنود در عوام ایشان شائع شدہ اکثرے را مصداق آیتہ کریمہ ۝ مَا يُوعَدُ مِنْ اَكْثَرِهِمْ بِاللَّهِ اِلٰهًا وَهَنُمُ شُرَكَاءُ ۝ گروانیدہ است خود متلاشی نماید وَيُحِقُّ الْحَقَّ وَيُبْطِلُ الْبَاطِلَ ۝ لَوْ كَرِهَ الْغَافِلُونَ وعدہ آن کریم آنست آن فتنہ مفضلہ ظاہرست کہ قلوب مقلوب اینانرا نابینا ساختہ است و از نایافتگی نور ملت بیضا حیفی در مغاک ضلالت سرزیر و پابالا انداختہ قولہ تعالیٰ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِي بِهٖ السَّيْحَةُ فِي مَكَانٍ سَعِيْقٍ یعنی کسیکہ شریک گرداند چیزے را با خدا پس گو یا افتاد از آسماں را پسند اورا جانوراں پرند یا می اندازد اورا بادے در مغاک بچید یعنی دور از شنیدن آواز حق باید دانست کہ آن فتنہ علت گوز پرستی است کہ پرستار آن را پیر پرستی گویند و این فعل شنیع را بہتر از عبادت مفروضہ و اورا دمسفونہ می پسندارند چنانچہ عووض بر عبادت در زعم ایشان این عمل میتواند شد و بدل آن، ہیچ عبادت دیگرے را نمی شمارند روزے کہ بنام بزرگے عوس می نمایند بر قبر آن بزرگ اثر دہام می کنند و در آنروز رسیدن انجا ہم تر

کہ آواز حق نہیں سن سکتا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ وہ فقہ نہایت گور پرستی ہے۔ ان قبر کے پجاریوں کو پیر پرست کہتے ہیں (اور قبر پرست لوگ) اس برے فعل (قبر پرستی) کو فرضی عبادت (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ) اور مسنونہ وظائف سے بھی افضل و بہتر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک ہر عبادت کے بدلے بندگان کی قبر پر حاضری کافی و درمیان عبادت کو اس کے مقابلہ میں بے حقیقت تصور کرتے ہیں۔ جس دن کسی بزرگ کا عرس کرتے ہیں تو ان بزرگ کی قبر پر میلہ مقرر کرتے ہیں اور وہاں حاضری دینے کو فرضی عبادت و حصول علوم دینی سے زیادہ افضل سمجھتے ہیں اور وہاں کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمام دنیاوی مشکل کاموں کے حل کرنے کے لئے ان قبروں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور قبروں کے پاس اس قدر گریہ و زاری، عاجزی و انکساری کرتے ہیں کہ کبھی اسکا عشر عشر بھی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر کے سامنے نہیں کرتے۔ صاحب قبر کا نام لیکر پکارتے ہیں اور ان سے دعا کرتے ہیں اور ان سے اولاد و روزی طلب کرتے ہیں۔ خلوص دل سے متوجہ ہو کر قبر پر چلہ کشی کرتے ہیں اور ان قبروں پر بہترین اور نہایت قیمتی غلاف و چادر چڑھاتے ہیں اور ان پر خوشبو لگاتے ہیں اور بخور یعنی اگر و صندل و لوبان وغیرہ جلاتے ہیں اور جھاڑ فانوس اور چراغوں سے مقبروں کی زیب و زینت کرنے کو ثواب سمجھ کر بے دریغ خرچ کرتے ہیں اور اس فضول خرچی کے ذریعہ ان بزرگوں کا تقرب اور ان کی روح کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔ اس قسم کے بہت سے کام ایسے کرتے ہیں جیسے ہندو مشرک اپنے بتوں کے سامنے کرتے ہیں۔ جب اس فقہ (قبر پرستی) کی برائی معلوم ہوگئی تو یہ جانتا چاہیے کہ آیت کریمہ **وَمَنْ يَشْرِكْ بِاللَّهِ** سے (جس کا ترجمہ پہلے لکھا جا چکا ہے) چار باتیں معلوم ہوئیں۔

از بجا آوردن عبادت مفروضہ و تحصیل علوم دینی دانستہ و باز شاعت قبیحہ آنست کہ رجوع برائے ہر مہمات دنیاوی بسوی آن قبوری آرند و تضرع و الحاح و اظهار نیاز مندی آن قدر در آن جا از ایشان ظاہری شود کہ گاہے عشر عشر آن در مساجد نماز بسوی خداے تعالیٰ حاضر و ناظر نگرددہ باشند و عبادت می کنند بنام صاحب قبر اولاد و رزق از وی طلبند و تاب متوجہ شدہ حکومت در آنجا می نمایند و ملابس فاخرہ بر آن قبوری پوشانند و آنہارا بہ خوشبوئی حاجی آلایند و استعمال بخور می سازند و چراغان و شمع و دیگر اسباب تزئینات مقابر ثواب دانستہ در آن جا صرف می نمایند و بدین عسرافت تقرب آن بزرگ و خوشنودی روح و سے می جویند و دیگر بسیار افعال نسبت بر قبور بزرگ بعمل می آرند کہ از آن جملہ مشرکان ہنود پیش اصنام خود ہا می کنند چون فقہ قبیحہ بدریافت رسید معلوم باید کرد در آیت کریمہ **وَمَنْ يَشْرِكْ بِاللَّهِ** کہ بالا مترجم گردید چہار مفہوم مذکور است اشراک بالبد و خرمن السمار و خطف الطیر و القار الریح فی مکان سیحی۔ پس اشراک باللہ آنست کہ چیزے از صفات خاصہ او تعالیٰ کہ زندہ کردن و میرانیدن و اولاد بخشیدن و روزی رسانیدن و بر خفیات داسرار مطلع بودن و غیر آن بجز او تعالیٰ نسبت کردہ شود و دانستہ آید کہ ازین کار ہا غیر او نیز تواند کرد و اگر ہر چیکس نیست کہ گوید یا خدا خداے دیگر شریک است و خرد او از آسمان آنست کہ دین توحید چون آسمان بلند مقام است کہ در آنجا سجدت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بچوں آفتاب عالمقار و روشنی بخش و لہائے مسلمانان است و آثار صحابہ آنسور و مانند ستارگان درخشان رہنمائی ایشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ **أَصْحَابِي كَأَلْوَابِ السَّمَاءِ يَأْتِيهِمْ أَضْوَاءٌ مِّنْ رَبِّهِمْ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ اللَّهِ يَسْتَعِينُونَ** پس ہر کہ دین توحید گذاشت گویا از آسمان افتاد ازین معنی

نکتہ ایراء کانتہما کہ حروف تشبیہ است بخوبی و لفظ
مفہومی شود

(۱) اشراک باللہ (۲) خرمن التمار (۳) خطف الطیر
(۴) الفار الریح فی مکان سحیح۔ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ
شریک ٹھہرانا یہ ہے جو صفات اللہ تعالیٰ کی خاص ہیں جیسے
زندہ کرنا، مارنا، اولاد و روزی دینا، محفی و پوشیدہ باتوں
کو جاننا وغیرہ، ان کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی
طرف نسبت کریں۔ اور یہ سمجھیں کہ یہ کام دوسرا بھی کر سکتا
ہے۔ (شُرک کے یہی معنی ہیں)

در نہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ
کا شریک کوئی دوسرا خدا ہے۔

آسمان سے گرنے سے یہ مراد ہے کہ دین توحید
آسمان کی مانند بلند و بالا مقام ہے جہاں پر نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی سنت کی روشنی چمکتے ہوئے سوزح کی طرح
مسلمانوں کے دلوں کو روشن کرتی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ
عنہم کے آثار جگمگاتے ہوئے ستاروں کی مانند مسلمانوں
کو راستہ بتاتے ہیں۔ (جیسا کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ اَصْحَابِي كَالنَّجْمِ بَايَهِمْ اِقْتَدَ يَتَمَرَّاهْتَدُ يَتِيمٌ
(میرے صحابہ روشن ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس
کی بھی اتباع کرو گے ہدایت پالو گے۔

پس جس نے دین توحید (اسلام) کو چھوڑا گویا آسمان سے
گر پڑا۔ اسی غرض سے لفظ کانتہما (گویا) حرف
تشبیہ لایا گیا تاکہ مضمون کی خوبی و باریکی اچھی طرح
سمجھ میں آجائے۔

معاشرہ اسلامی کی ایک جھلک

سورہ توبہ کی آیت ۱۰۴ کے نزول کا واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باز نطینی شہنشاہیت کے مدینہ پر حملہ کی تیاریوں کی اطلاع ملتی ہے۔ تو آپ پہلے ہی سے تیار ہو کر چل پڑتے ہیں جس کو غزوہ تبوک کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر بھی منافقین مختلف حیلہ بہانے کر کے شرکت جہاد سے ٹرک جاتے ہیں منافقین کے علاوہ بعض اور شخصیتیں بھی اس جہاد میں شریک نہ ہو سکیں۔ چنانچہ ان کے طرز عمل پر جو نتائج ظہور پذیر ہوئے۔ اور مسلم معاشرے نے کس طرح اطاعت رسول کا عملی ثبوت دیا۔ اس کا تاریخی ریکارڈ ہے۔ جو عبرت و مواعظت سے پر ہے۔ حضور تبوک سے لوٹے منافقین حسب معمول جھوٹی قسمیں کھا کھا کر آپ کو یقین دلانے لگے حضور نے ان کے عذر قبول کر کے معافی دیدی اور دلوں کا حال خدا پر چھوڑ دیا۔ لیکن ان میں تین شخصیتیں ایسی نکلیں جنہوں نے عدم شرکت جہاد کو اپنی کاہلی و سستی ظاہر کیا جس پر حضور نے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر انتظار کرنے کو کہا۔ ان تین شخصیتوں میں کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، مرارہ بن ربیع۔ پہلی شخصیت ان تہتر سالہ بچوں انصار سے ہیں جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں بیعت کی تھی۔ ہلال بن امیہ، مرارہ بن ربیع دونوں بدری ہیں۔ جو جنگ میں جاں نثاری کا ثبوت دے چکے تھے۔ لیکن غزوہ تبوک میں کوئی بھی شریک نہ ہو سکے۔ حضور کے فیصلہ سے ایسا ہوا کہ ان کا معاشرتی انقطاع ہو گیا۔ تمام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ان کی بیویوں نے بھی تعلقات ختم کر دیئے۔ چنانچہ اچانک انھوں نے اپنے آپ کو اس حالت میں پایا کہ مدینہ اور اطراف مدینہ کی پوری آبادی نے ان کی طرف سے رخ پھیر لیا ہے ان کے عزیز و اقارب تک ان کے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے۔ آخر جب پورے پچاس دن اس حالت میں گذر گئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اور انھیں قبولیت توبہ کی بشارت ملی۔ حضرت کعب بن مالک نے اپنی سرگزشت تفصیل سے بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے تمام جہادوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی۔ اور اس موقع پر بھی نکلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن ایک کے بعد ایک دن نکلنے کئے۔ اور میں اسی خیال میں رہا کہ اپنے معاملات پٹا لوں تو نکلوں۔ یہاں تک کہ آج کل جو وقت ہوتے پورا وقت نکل گیا۔ اتنے میں خرابی کہ آنحضرت واپس آ رہے ہیں۔ تب میری آنکھیں کھلیں۔ اب کیا ہو سکتا تھا آپ حسب معمول مسجد میں تشریف لاتے اور جو لوگ کوچ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ وہ آکر معذرتیں کرنے لگے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی سچائی کا یقین دلانے لگے۔ یہ اتنی سے کچھ ادھر آدمی تھے۔ انہوں نے جو کچھ ظاہر کیا آنحضرت نے قبول کر لیا اور ان کے دلوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔ جب میری طرف متوجہ ہوئے تو مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ جھوٹی معذرت بنا کر کہہ دیتا جو کچھ سچی بات صاف صاف عرض کر دی۔ آپ نے سن کر فرمایا اچھا جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا اور بھی کسی کو ایسا حکم ہوا ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں مرارہ بن ربیع ہلال بن امیہ کو۔

اس کے بعد جب آنحضرت کا حکم ہوا کہ ہم تینوں سے کوئی بات چیت نہ کرے۔ تو سب نے منہ پھیر لیا۔ اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہونے لگی۔ گویا کل جس دنیا میں تھا اب وہی دنیا اجنبی ہو گئی۔ وہ دنیا ہی نہیں رہی تھی۔ میرے دونوں شریک ابتلا گھر میں بند ہو کر بیٹھے۔

لیکن میں سخت جان تھا اس حالت میں بھی روز گھر سے نکلتا تھا۔ مسجد میں حاضری دیتا جماعت میں شریک ہوتا اور پھر ایک گوشہ میں سب سے الگ بیٹھ جاتا اکثر ایسا ہوتا کہ نماز کے بعد قریب جا کر سلام عرض کرتا اور پھر اپنے جی میں کہتا دیکھوں سلام کے جواب میں آپ کے لبوں کو حرکت ہوتی ہے یا نہیں۔ آپ گوشہ چشم سے کبھی کبھی دیکھ لیتے بس لیکن جب میری نگاہ حسرت اٹھتی تو رخ پھر جاتا

بہر تکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر

وہ جو وقت ناز کچھ جنبش ترے ابرو میں ہے

ایک دن شہر سے باہر نکلا تو قتادہ کے باغ تک پہنچ گیا۔ یہ میرا چچا بھائی تھا اور میں اپنے تمام عزیزوں میں اسے سب سے زیادہ محبوب رکھتا تھا۔ میں نے سلام کیا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا میں نے ابوقتادہ سے کہا تم نہیں جانتے کہ میں مسلمان ہوں اللہ اور اس کے رسول کی اپنے دل میں محبت رکھتا ہوں اس پر بھی اس نے میری طرف رخ نہیں کیا لیکن جب بار بار یہی بات دہرائی تو صرف اتنا کہا اللہ ورسولہ عظیم اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ تب مجھ سے ضبط نہ ہو سکا بے اختیار آنکھیں اشکبار ہو گئیں دہاں سے واپس ہوا تو راستہ میں ملک شام کا ایک قطعی مل گیا۔ وہ لوگوں سے کہہ رہا تھا کوئی ہے جو کعب بن مالک تک پہنچا دے۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو اس نے عثمان کا ایک خط دکھا کر میرے حوالہ کیا اس خط میں لکھا تھا۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر سختی کی ہے۔ تم ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہم تمہاری قدر و منزلت

کریں گے۔ خط پڑھ کر میں نے کہا یہ ایک اور نئی مصیبت آئی۔ گویا کھلی بلا میں کافی نہ تھیں۔

جب اس حالت میں چالیس راتیں گزر چکیں تو آنحضرت کی جانب سے ایک آدمی آیا۔ اور حکم ہوا ہے تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ میں نے کہا طلاق دیدوں۔ کہا نہیں۔ صرف علیحدگی کا حکم ہوا ہے اسپر میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھجوا دیا۔ جب دس دن اور گزر گئے تو پچاس راتوں پر صبح آتی ہیں اپنے چہرے پر نماز پڑھ کر بیٹھا تھا۔ ٹھیک ٹھیک وہی حالت تھی جس کی تصویر اللہ کے کلام نے کھینچی ہے۔ زندگی سے تنگ آ گیا تھا اور خدا کی زمین بھی اپنی ساری پہنائیوں کیساتھ مجھ پر تنگ ہو گئی تھی۔ اچانک کیا سنتا ہوں کہ کوئی آدمی کوہ سلح پر سے پکار رہا ہے۔

کعب بن مالک بشارت ہو۔ تمہاری توبہ قبول ہو گئی۔

چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے

آں شب قدر کہ این تازہ براتم دادند

اب لوگ جوق جوق مجھے مبارک باد دینے کے لئے دوڑے۔ ایک آدمی گھوڑا دوڑاتے ہوئے آیا لیکن بشارت کی آواز اس سے بھی زیادہ تیز تر ثابت ہوئی تھی۔ میں مسجد میں حاضر ہوا تو آنحضرت لوگوں کے حلقہ میں بیٹھے تھے۔ آنحضرت کا قاعدہ تھا کہ جب خوش ہوتے تو چہرہ مبارک چمکنے لگتا۔ جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔ ہم لوگوں کو یہ بات معلوم تھی اس لئے ہمیشہ آپ کے چہرہ پر نگاہ رکھتے تھے۔ چنانچہ میں نے دیکھا اس وقت بھی چہرہ مبارک چمک رہا تھا۔ فرمایا کعب! تجھے آج اس مبارک دن کے ورود کی بشارت دیتا ہوں جو تیری زندگی کا سب سے بہتر دن ہے۔ میں نے عرض کیا یہ بات آپ کی جانب سے ہوئی ہے یا اللہ کی وحی سے۔ فرمایا اللہ کی وحی سے (صحیحین) امام احمد بن حنبل کی نسبت منقول ہے کہ قرآن کی کوئی آیت اس قدر نہیں رلائی تھی جس قدر یہ آیت۔ مسلمانوں کے لئے اس میں درس عبرت و موعظت ہے ذییر اس سے معلوم ہوا کہ

۱) خدمت حق میں تساہل ایک مومن کے لئے کیا سخت جرم ہے کہ ایسے مخلص اور مقبول صحابی بھی اس درجہ

سرزلش کے مستحق ہوئے۔ اور تمام مسلمانوں کو ان سے قطع علائق کا حکم دیا گیا۔

۲) مسلمانوں کی اطاعت و امتثال کا کیا حال تھا کہ جو نہی انقطاع علائق کا حکم ہوا تمام شہر نے بیک دند رخ پھیر لیا

جمالیات

شعر و ادب میں!

”نقد و احتساب“ سے علم و ادب میں نکھار پیدا ہوتا ہے اور زبان و بیان ہی نہیں نگر و خیال تک یسر قیل ہوتی ہے علم و ادب کی دنیا میں جو کچھ ہونا رہتا ہے اگر اس کو جوں کا توں چھینے دیا جائے اور کسی سے بے اعتدالی اور اونچ نیچ پر کوئی ٹوکنے والا نہ ہو تو اس تسامح درگزر و عفواری اور خاموش بینی کا یہ نتیجہ ہوگا کہ غلطیوں کے انبار لگ جائیں گے بے اعتدالیوں کی تہ پر تہ جمتی چلی جائے گی۔ اور لغزشیں عادت بلکہ شاید ”آرٹ“ بن کر رہ جائیں گی۔

ناقد کا منصب اہم ہی نہیں نازک اور ذمہ دارانہ بھی ہے۔ جس طرح طبیب اور ڈاکٹر امراض کی تشخیص میں اپنی حذاقت و مہارت اور ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہیں اور مرض کی نشان دہی کرتے ہیں کہ جسم میں یہ خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ اور اس کے فلاں فلاں اسباب ہیں اسی طرح ”ناقد“ بھی علم و ادب کی کمزوریوں پر انگلی رکھ کر بتلاتا ہے کہ پانی یہاں پر مڑتا ہے اور اس جگہ یہ عیب پایا جاتا ہے۔ اسی کا نام ”صحت مند تنقید“ ہے جس کا ہر پہلو مثبت ایجابی اور تعمیری ہوتا ہے۔ یہ وہ تنقید اور چھٹیر چھپار نہیں ہے۔ یہ استاد و قسم کے شاعروں میں چوبیس چلا کرتی ہیں، اور جس کے نتیجہ میں ذاتی رقابتیں نک اُبھرتی ہیں۔ ”نقد و نظر“ کی بلند دنیا میں نہ رقابتیں ہیں اور نہ عداوتیں ہیں۔ وہاں اپنی بات کی پرچ کے لئے ہٹ دھرمی کو گوارا نہیں کیا جاتا۔ وہاں ہر بات حق و انصاف کے پیمانہ سے ناپی جاتی ہے۔ اور اس میں کسی کی روحمایت نہیں کی جاتی۔ ”ناقد ہر کسی کے سونے کو کسوٹی پر گھس کر دیکھتا ہے۔ اور جو کچھ کسوٹی بتاتی ہے۔ اس کے اظہار میں وہ کوتاہی نہیں کرتا۔!

اگر کوئی انسانی معاشرہ طبیعوں ویدوں اور ڈاکٹروں سے محروم ہو جائے تو طبی نقطہ نگاہ سے ایسا معاشرہ مریض بن کر رہ جائے گا۔ اور امراض کا مداوا اور دوا دارونہ ہونے سے نہ جلنے کتنے امراض اہل پٹریں گے۔ بالکل یہی حال علم و ادب کی اس سوسائٹی کا ہوگا جس میں ”ناقدین“ کا وجود ملتا ہو۔ انسانوں کو انکی غلطیوں اور لغزشوں پر ٹوکنے کا معاشرے کی بہت بڑی خدمت ہے۔

اگر لغزش زیادہ سنگین اور غلطی شدید تر ہو تو تنقید کے انداز میں شدت اور طنز بھی روا رکھی جاسکتی ہے۔ اس لئے کہ مہل کی گرائی کے ساتھ ”نوا“ کی تیزی بڑھتی جاتی ہے۔ ”ناقد“ کا قلم ہر جگہ مرہم ہی کا کام نہیں کرتا۔ اسے نثر و نفاذ بھی بن جانا پڑتا ہے۔

یہ مضمون ”نقد و احتساب“ ہے چند ان لفظوں اور اصطلاحوں پر جو ہمارے لٹریچر میں بڑی کثرت سے استعمال ہوتی ہیں۔ مگر ان کی تعبیر میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ اور اگر ”غلطی“ کا لفظ کسی کو ناگوار معلوم ہو تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ لوگ ان لفظوں اور اصطلاحوں کے مفہوم کی تعبیر میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔

ہمارے سامنے ریاضی اور جغرافیہ کی کتابیں آتی ہیں۔ ہم انھیں پڑھتے ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مگر ہم ان کو ادب نہیں کہتے۔ حالانکہ ان کتابوں میں الفاظ، جملے اور عبارتیں بھی ہوتی ہیں۔ اور اس عبارت و تحریر میں مفہوم و معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ خود بخود برآمد ہوتا ہے کہ مردہ چیز جو الفاظ جملوں اور عبارت کا مجموعہ ہو ”ادب“ نہیں کہی جاسکتی! ریاضی کی پوری

کتاب پڑھ کر بھی ہم اس میں "ادبیت" نہیں پاتے مگر کسی کے ایک دلکش جملہ کو سن کر طبیعت پھٹک جاتی ہے "ادبیت" دراصل اسی دلکشی تاثیر حسن ادا اور خوبی اظہار کا نام ہے۔

آج ہو یہ رہا ہے کہ ادب کا اطلاق عام طور پر شعرا، افسانہ اور تنقیدی مضامین پر ہوتا ہے۔ یہ "ادب" کیسا کچھ بہت بڑا ظلم ہے جو نادانستہ طور پر کیا جا رہا ہے۔ "ادب" کی دستوں کو اس قدر سمیٹ دینا اور انہیں تنگ بنا دینا ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ ایک حقیقت ہے کہ "کنار" ہے کچھ لوگ اسے محدود بنا دینا چاہتے ہیں۔ تو یہ کوشش چاہے کتنی نیک نیتی کے ساتھ کیوں نہ ہو جبرِ ناروا ہی کہی جائے گی! ادب معاملہ اس حد تک پیوستہ چکے ہے کہ اگر کوئی شخص "کارل مارکس" کے فلسفہ سرمایہ و محبت پر مضمون لکھ دے تو وہ ادیب بھی ہے۔ متنور الفکر اور روشن دماغ بھی ہے مگر کوئی بے چارہ "زکوات" کے فلسفہ کو اپنے کسی مقابلہ میں پیش کر دے تو اسے قدامت پرست اور تنگ نظر سمجھا جاتا ہے۔ اہل نظر اور ادیب علم و فن بڑی وسعت نظر رکھتے ہیں۔ ان کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ یہ تو وہی عصبیت ہوتی جس کی تہمت مذہبی طبقہ پر لگائی جاتی ہے۔

تحریر و مضامین میں دیکھنا یہ چاہیے کہ کس نے کیا کہا اور کس طرح کہا۔ طرز ادا میں کتنی دلکشی جاذبیت اور تاثیر ہے، پڑھنے والا اس کا کیا اثر قبول کرتا ہے۔ مضمون اپنی تفصیل اور جزئیات میں پھیل کر مرکزی خیال سے دور تو نہیں ہو گیا، استدلال ہے تو اس میں کتنی قوت ہے۔ کسی کا رد کیا ہے۔ تو اس تردید میں اصابت اور مقبولیت کس قدر ہے۔ کس کی تائید کی ہے۔ تو اس میں عقیدت اور عقلیت کا کتنا تناسب ہے۔ تحریر و مقالہ میں یہی باتیں دیکھنے کی ہیں اور اسی انداز پر پڑھ کر اور پڑھ کر ان کی افادیت اور عدم افادیت، اچھے اور برے ہونے کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔

بعض لوگ "تاریخ" کو بھی ادب میں شمار نہیں کرتے۔ حالانکہ کوئی مورخ جب تک کہ وہ ادیب نہ ہو کامیاب مورخ بن ہی نہیں سکتا۔ ابن خلدون کے "مقدمہ تاریخ" کو ہم شہادت میں پیش کر سکتے ہیں کہ وہ زبان و اظہار اور فکر و مفہوم کے اعتبار سے ادب کا شاہکار ہے۔ جسے فلسفہ تاریخ جانتا اور عربی ادب میں بہارت پیدا کرنا ہوا اسے "مقدمہ ابن خلدون" کو ضرور پڑھنا چاہیے۔ ایک بہت بڑے ادیب کا یہ قول وزن رکھتا ہے کہ جس کسی کے کتب خانے میں ابن تیم کی "زاد المعاد" ابن خلدون کا "مقدمہ تاریخ" اور شاہ "ملی اللہ" کی "حجۃ اللہ البانہ" ہو پھر اسے کسی کتاب کی ضرورت نہیں۔

اردو ادب میں شبلی نعمانی کی "سیرت النبی" اور "الفاروق" کو جو بلند مقام حاصل ہے۔ ان کے سامنے سب سے بڑے ناول گزر رہے ہیں۔ اور ہم یہ بات مذہب و عقیدت کے نقطہ نگاہ سے نہیں۔ خالص ادبی زاویہ نگاہ سے کہہ رہے ہیں۔ شبلی کی ان کتابوں میں تاثیر ہے۔ دلکشی ہے۔ جاذبیت اور دلچسپی ہے پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ وہ نیکی کے فردوس اور پاکیزگی کی جنت کی سیر کر رہا ہے۔ جہاں فوارے۔ سچائی کے موتی برسار رہے ہیں اور برگ و گل سے نگوکاری کی مہک آ رہی ہے۔

اردو کے تذکروں میں عام طور پر افسانہ نگاروں، ناقدوں، ناول نویسوں اور شاعروں کا تو ذکر ہوتا ہے۔ مگر ان کا ذکر نہیں ہوتا جن کی تحریروں میں ادبیت کی تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں مگر انہوں نے اس ادبیت کو ناول اور افسانہ میں نہیں، ایمان و اخلاق اور نیکی و پاکیزگی کی ترجمانی میں صرف کیا ہے۔ اس غلط اندیشی کو کیا کہے کہ "یسی کے خطوط" کا مصنف تو ادیب شمار کیا جائے۔ مگر الجہاد فی الاسلام اور "پردہ" کے مصنف کو نظر انداز کر دیا جائے۔ صرف اس لئے کہ ایک نئے "ردان" کو پیش کیا اور دو سمرے نے مذہب و اخلاق کو!

"ادب" میں وہ ہر چیز شامل ہے جس میں "ادبیت" پائی جاتی ہے۔ اب چاہے وہ افسانہ اور ڈرامہ ہو یا خالص مذہبی مضمون!

ادیب ٹاسٹانی بھی تھا اور امام غزالی بھی تھے۔ مذہب و اخلاق کو ادب کی حدود سے باہر قرار دیدینا بہت بڑی علمی اور ادبی نا انصافی ہے۔

جمالیات جمالیات کے ساتھ یہ تصور عام طور پر ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ اس کا تعلق انسانوں کے حسن و شباب جانداروں کی خوبصورتی، سبزہ و چمن، اور ساحل و آبشار کے مناظر عمارتوں کے گل بوٹوں، عکس و خطوط کی زیبائی اور نغمگی و خوش آہنگی سے ہے۔ کوئی شک نہیں کہ جمالیات میں یہ تمام چیزیں شامل ہیں۔ اور جو کوئی اس قدر زیادہ خشک ہو گیا ہے کہ ان چیزوں میں اسے جمالیاتی نشاۃ نہیں ملتا۔ تو ایسے آدمی کا وجدان دراصل مدقوق ہو چکا ہے۔ اور اس آدمی کی پوزیشن اس برگ خزان دیدہ کی سی ہے جسے چمن سے اڑ کر راستوں، جنگلوں اور دیرانوں میں چلا جانا چاہیے۔

کوئی شک نہیں کہ احساس جمال کا تعلق "شباب" سے بھی ہے۔ شباب کے تصور سے جمالیات کا احساس ابھرتا ہے۔ اسی لئے شعرا نے جو جمالیات کے ترجمان بلکہ نقیب ہوتے ہیں کبھی کسی عجزہ فرقت کی کبھی تمنا نہیں کی بلکہ محبوب کو خیر اور معشوق چارہ سالہ ہی کی آرزو کی ہے۔ اور یہ آرزو انتہائی دلکش و اثر انگیز اشعار کی تخلیق کا سبب بنی ہے۔

مگر "جمالیات" کے ان تصورات کے ساتھ اس حقیقت کو بھلایا جا رہا ہے۔ کہ نیکی، اخلاق اور ہر صفت کمال بھی جمالیات کا مظہر ہے۔ بلکہ یہ مظاہر "ان مظاہرے کے مقابلے میں زیادہ پائدار اور حسین ہیں جن کا تمام تر تعلق محسوس پیکروں اور آنکھ کو نظر آنے والے اجسام و قوالب سے ہے۔

سانولی رنگت کو شعر و ادب کی زبان میں "میلح" کہا جاتا ہے۔ اگر تاریکی اور سیاہی کا مزہ معلوم کیا جاسکتا تو وجدان کہتا ہے کہ اسے "شور" اور "نمکین" ہونا چاہیے اس کے مقابلے میں صباحت اور تبسم کو "شکر" سے تشبیہ دیتے ہیں۔

گھول دی میں نے خود اپنے ہی تبسم کی شکر

تاریکی و سیاہی کی طرح اگر آجائے کا مزہ معلوم ہو سکتا ہے۔ تو حس لطیف کہتی ہے کہ اس "مزہ" کو شیریں ہی ہونا چاہیے بالکل اسی طرح اگر بدی اور گناہ کا مزہ معلوم ہو سکتا تو اسے "تلخ" اور کھٹا ہی ہونا چاہیے کہ انسان کا صحت مند ذائقہ اسے گوارا ہی نہ کر سکے اس کے مقابلے میں نیکی اور اخلاق کے "مزہ" میں مٹھاس کی چاشنی پائی جانی چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بدی اور گناہ اگر تبسم ہو جائیں تو وہ کریم نظر ہوں گے اور نیکی و اخلاق پیکر محسوس بن جائیں تو ان کو حسین دیدہ زیب اور خوب رد ہونا چاہیے۔

ابھی اوپر جو کچھ کہا گیا ہے وہ محض ایک منطقی مخالطہ اور فلسفیانہ نکتہ آفرینی نہیں ہے۔ یہ بات وزن رکھتی ہے۔ اس کی اساس عقلی استدلال پر ہے آپ کے سامنے ایک نہایت ہی حسین خوب رد بلکہ پری جمال عورت آتی ہے۔ سرتا بقدم رعنائی و جمال، اتنی حسین کہ اسے خیام کی رباعی اور حافظ کی غزل کہہ سکیں مگر کوئی آپ سے یہ کہہ دے کہ اس حسین عورت نے اپنے خاندان کو قتل کر دیا ہے۔ تو اس عورت کے اس ارتکاب گناہ کے تصور کے ساتھ ہی آپ کو وہ "دائن" معلوم ہونے لگے گی۔ یہی وہ جمال اخلاق ہے جو ظاہری حسن جسمانی جمال اور برائی دیدہ زیبی پر غالب آجاتا ہے۔ یہ تو راعیٰ نور اور حسن حسین اور کمال برکمال ہے کہ کوئی انسان جسم و اخلاق کے حسن و جمال سے بھی مزین ہو مثلاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک طرف جسمانی صحت اور موزونی و خوبی میں اپنی مثال آپ تھے، اس قدر کہ

دو دنوں جہان آئینہ دکھلا کے رہ گئے

لانا پڑا تمہیں کہ ہتھاری مثال میں

اور دوسری طرف آپ نیگو کاری اور پاکیزگی اخلاق کے اعتبار سے ایک مثالی انسان تھے۔ اور اس میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں کہ پوری انسانی

تاریخ میں۔ بڑے انسان "تو بہت گزرے ہیں مگر" انسان کامل "بس نبی عربی کی ذات تھی۔

انچ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مقصود گزارش یہ ہے کہ ایک تو "جمال" وہ ہے جو پیکر محسوس بن کر نظر آتا ہے۔ اور آنکھیں اس کا مشاہدہ کرتی ہیں اور ایک "جمال" اس کا نام ہے جسے انسان کا وجدان اور باطن محسوس کر سکتا ہے۔ جمال کے "ظاہر و باطن" کی تقسیم و تیزی محض افہام و تفہیم کے لئے کی گئی ہے۔ درحقیقت یہ ہے کہ "جمال" بسیط ہے جو کسی تقسیم و تجزی کو گوارا نہیں کر سکتا۔ مٹھاس چاہے کسی پھل پھول اور چیز میں پائی جائے وہ "مٹھاس" ہی ہے۔ قالب بدل گئے تو کیا ہوا مٹھاس تو ہر قالب میں ڈھل کر مٹھاس، حلاوت اور شیرینی ہی رہی۔ یہاں تک کہ کلام بھی شیریں ہوتا ہے۔ حالانکہ پھلوں اور غذا کی دوسری چیزوں کی طرح کلام دشمن کا مادی قالب نہیں ہوا کرتا۔

— حسن و جمال " میں محبوبیت پائی جاتی ہے کہ دیکھنے والی نگاہ اسے پسند کرے چاہے اور اس کو محبوب سمجھے! عدل و انصاف، ایثار و سمدردی، خلوص، پاکبازی اور نیکوکاری ان تمام صفات کو پسند کیا جاتا ہے۔ یہ صفات سب کے نزدیک محبوب و مطلوب ہیں۔ ان صفات میں چونکہ شان محبوبیت پائی جاتی ہے اس لئے یہ حسین و جمیل اور حامل خوبی و ذریعہ پائی ہیں۔ پس جو کوئی شاعر اور ادیب اپنے کلام اور مضمون میں اخلاق نیکی پاکبازی اور شرافت کی عکاسی اور ترجمانی کرتا ہے۔ وہ حقیقت میں جمالیاتی شاعر اور ادیب ہے۔

یہاں ایک مغالطہ کو رفع کر دینا بھی ضروری ہے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ حیدر جو بلجیتیں سیدھی سادی بات کو ٹک مریج لگا کر اور سے اور بنا سکتی ہیں۔ — جرات اور بہادری ایک انسانی صفت ہے۔ مگر اس صفت کے حسین و کرم اور خوب ناخوب ہونے کا تمام تر تعلق اس "مقصد" سے ہے جو اس صفت کو بردنے کا راتا ہے۔ ایک ڈاکو بھی غیر معمولی بلکہ حیرت انگیز جرات دکھا سکتا ہے۔ اور ڈاکو عام طور سے جبری ہوتے ہی ہیں۔ مگر چونکہ اس جرات کا مقصد حسین و خوب نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ صفت ناخوب بن جاتی ہے۔ اس کے برخلاف ایک جرات مظلوم کی حمایت، حق کی سر بلندی، اچھائی (معروف) کے قیام، برائی (منکر) کے استیصال اور وطن کی حفاظت کے لئے صرف ہوتی ہے۔ چونکہ مقصد نیکی و پاکیزہ ہے۔ اس لئے یہ صفت حسین ہوتی ہے! تلوار چنگیز نے بھی چلاتی تھی اور حیدر اور خالد نے بھی۔ جرات ان سب کے سیرت و کردار کا نمایاں وصف ہے مگر کیا چنگیز اور کہاں حیدر و خالد! کوئلہ اور ہیرے کے کیمیادی عناصر میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ لیکن کوئلہ بھلا ہیرے کی برابری کر سکتا ہے۔؟

جو کوئی شاعر نیکی اور شرافت و اخلاق کو پیش کرتا ہے۔ وہ جمالیات کا حقیقی ترجمان ہے۔ اس قسم کے ادب سے انسان کے وجدان کو آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے اندر وہ احساس لطیف ابھرتا ہے۔ جو بدی یعنی بد صورتی کو ناپسند اور نیکی یعنی حسن و جمال کو پسند کرتا ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

سر روزہ "دعوت" دہلی کے پاکستانی خریدار و ایجنٹ صاحبان اپنی رقوم بحوالہ خریداری نمبر

ذکر ہفت روزہ "المنیر" نمبر ۷۸ جلیح کالونی۔۔۔۔۔ لائل پور

میں جمع فرما کر ہمیں مطلع فرمائیں _____ نیچر دعوت دہلی

پیر حیدر القادری

جاہل صوفی اور انکی گمراہی

آج کل عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جاہل صوفی طریقت اور حقیقت کے ٹھیکیدار قبر پرستی دپیر پرستی اور محفل رقص و سرور اور منشیات کو توجہ اور مباح قرار دیتے ہیں۔ لیکن احکام خدا و رسول کا بجالانا اور دینی علوم حاصل کرنے کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک کہ شریعت کی مخالفت کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے اور طریقت کو شریعت کی ضد بتلاتے ہیں۔ اور ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ تصوف میں علم کی کچھ حاجت نہیں اور ان کا یہ کہنا ہے کہ جب بندہ مولا کی محبت میں مستغرق ہو جاتا ہے تو اس پر نماز روزہ کی پابندی باقی نہیں رہتی اور نشہ اور شہوانہ استعمال کرنے کو قرب الہی کا بہترین ذریعہ بتاتے ہیں۔ یہ گمراہ لوگ اپنی چالاکی اور مکاری سے بھولے بھلے بندگان خدا کو صراط المستقیم سے ہٹانے میں مصروف رہتے ہیں۔

یہ گمراہ لوگ علم جیسی نعمت کو جسے حاصل کرنا جناب ہادی کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے اس کو دماغ سوزی بتاتے ہیں۔ اور عجیب قسم کے اشعار سنا کر لوگوں کو بہکا تے ہیں۔ اور آیات قرآنی و احادیث کے معنی اور ہر رنگان دین کے اقوال کا مفہوم الٹ پلٹ کر بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ آقائے کائنات کا ارشاد ہے کہ **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مَسْلُومٍ** یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلم مرد اور عورت پر فرض ہے۔

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

ہرگز دل من از علم محروم نہ شد
کم بود از سرار کہ مفہوم نہ شد
ہفتاد و دو سال سچی کردم شب و روز
معلوم شد کہ بیچ معلوم نہ شد

یعنی میرا دل کبھی تحصیل علم سے محروم نہیں ہوا۔ پورے بہتر برس دن اور رات میں نے عمل کی تحصیل کی۔ پھر بھی بہت سے ایسے اسرار ہیں جو مجھ پر نہیں کھلے اور بالآخر مجھے یہی کہنا پڑا کہ ہمیں کچھ نہیں آتا۔ آپ غور فرمائیں کہ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت معین الدین چشتیؒ نے بھی علم شریعت کو نہایت محنت اور جانفشانی سے حاصل کیا ہے اور تمام عمر اسی علم کی تبلیغ فرماتے رہے۔ قوت القلوب، عوارف الایا العلوم اور غینۃ الطالبین تصنیف حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ میں ہے کہ علم شریعت شرط ہے۔ طریقت اور تصوف کی۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے علم کو چھین کر نہیں اٹھائے گا۔ بلکہ علمائے حق کے اٹھ جانے سے علم خود بخود اٹھ جائے گا۔ یہاں تک کہ جب ایک بھی عالم کتابانی باقی نہ رہے گا۔ تو لوگ جاہلوں کو اپنا امام و پیشوا بنا لیں گے۔ ان سے مسائل پوچھیں گے۔ اور وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے۔ پس خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے۔

جمع الجوامع میں ہے کہ جناب رسالتناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آخری زمانہ میں شیاطین ہر رنگوں کی صورتیں اختیار کر کے

لوگوں کو گمراہ کریں گے۔

حضرت نظام الدین فرماتے ہیں کہ کسی مرید کا صدق و اخلاص صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ شریعت کا پورا امتیاع نہ ہو جائے۔ اور مخلوق سے پورے طور پر بے نیاز ہو کر امید منقطع کرے۔ اس راہ کے مبتدیوں پر آفتیں اس لئے نازل ہوتی ہیں کہ ان کی نگاہ مہید مخلوق پر لگی ہوتی ہے۔

خواجہ نقشبند کا قول ہے کہ خدا کی مجاہوری کرنا مخلوق کی مجاہوری کرنے سے افضل ہے۔ اور یہ شعر ارشاد فرمایا ہے

تو آگے گور مردان را پرستی

بگرد کار مردان کن درستی

یعنی تو کب تک مردوں کی قبر پرستی کرتا رہے گا۔ جا اللہ والوں کا اتباع کر کے اپنی آخرت درست کر۔

سلطان اولیاء حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی کا قول ہے کہ جو شخص دنیا اور آخرت میں سلامتی کا طالب ہے اسے چاہیے کہ صبر کو اپنا شعار بنائے۔ ہر حال میں راضی برضا رہے۔ مخلوق سے شکایت نہ کرے۔ اپنی حاجت کا سوائے اپنے پروردگار کے بذریعہ دعا و سوال یا زبان حال قال کے اور کسی سے ذکر نہ کرے۔ ہر امر میں مشکل کشائی کی توقع اسی ذات سے رکھے۔ کیونکہ اس کی ذات تمام موجودات سے برتر و علیٰ ہے۔

حضرت ابو یزید بسطامی کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا نظر آئے جو تمہاری دانست میں بے شمار گنہگار ہے۔ یہاں تک کہ ہوا میں اڑ سکتا ہے۔ اور پانی کی سطح پر چل سکتا ہے مگر جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ امر و نہی حدود شرعی کی حفاظت اور احکام اسلامی کی پابندی میں کیسا ہے، اس پر ہرگز اعتبار مت کرو۔

سید الطائفہ امام طریقت و حقیقت حضرت جنید بغدادی کا قول ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تک پہنچنے کے بے شمار راستے ہیں۔ مگر یہ تمام مسدود ہیں۔ صرف ایک ہی راستہ کھلا ہوا ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقبولیت پائی جاتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ یہ جاہل صوفی جو طریقت و حقیقت اور تصوف کا ڈھونگ رچائے بیٹھے ہیں اور شریعت کی پردی کو غیر فردی سمجھتے ہیں۔ دراصل یہی لوگ اولیائے طاغوت ہیں۔ ورنہ اولیاء اللہ کے اقوال سے تو صاف ظاہر ہے کہ شریعت کی پردی انسان پر ہر حالت میں فرض ہے۔ اور علم شریعت شرط ہے طریقت و تصوف کو حاصل کرنے کے لئے۔ چنانچہ مفتوح الخیب میں ہے کہ "جو طریقت و حقیقت شریعت کے مخالف ہو وہ کفر اور الحاد ہے" یہ جاہل صوفی نہ تو اولیائے عظام کی پردی کرتے ہیں اور نہ خدا اور رسول کے احکام کی پردا کرتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کہو کون ہے وہ شخص کہ اس کے ہاتھ میں تصوف ہے۔ ہرچہ او وہ حمایت کرتا ہے۔ اور اس کے مقابل کوئی حمایت نہیں کر سکتا جو تم جانتے ہو وہ بھی کہیں گے کہ اللہ ہے کہ پھر کہاں سے جھٹی ہو جاتے ہو" (سورہ مومنون)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ مت بناؤ میری قبر کو عید گاہ اور درود بھیجو مجھ پر اس لئے کہ درود تمہارا! پہنچایا جاتا ہے۔ مجھ کو تم کہیں ہو۔ پھر کہا ابو ہریرہ نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لعنت کی اللہ تعالیٰ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر (مشکوٰۃ)

ابی الطیف سے مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ایک کتاب لکالی۔ اس میں یوں لکھا تھا کہ لعنت کی اللہ تعالیٰ

نے اس شخص پر کہ ذبح کرے واسطے غیر اللہ کے (مشکوٰۃ)

غرض یہ قبر پرست، پیر پرست، آثار پرست اور تصویر پرست وہ تمام کام کرتے ہیں جو پیر نے مشرک کرتے تھے۔ اور جب ان کو سمجھایا جائے تو غضبناک ہو کر لغو اور بے معنی جواب دیتے ہیں کہ یہ تامل لوگ تو یونہی بکواس کرتے پھرتے ہیں اور بڑے لطف دسرور کے ساتھ عربی کا ایک جملہ ترجمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ "الصوفی کا مکذہب کہ" یعنی صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ بالکل لغو ہے۔ غور فرمائیے کہ سلطان الاولیاء حضرت سیدنا محی الدین جیلانیؒ جنہلی تھے اور فتویٰ شافعی مذہب پر دیتے تھے اور سلطان الہند حضرت غریب نواز چشتیؒ شافعی تھے اور حضرت شیخ شہاب الدین ہروردی شافعی تھے۔ اور حضرت خواجہ بہاؤ الدینؒ حنفی تھے۔

ان جاہل صوفیوں کا تانا بھی تو علم نہیں کہ آخر وہ ہیں کس گروہ کے؟ اور قیامت کے دن کس جماعت میں سے اٹھیں گے؟ اللہ کے محبوب بندے اب بھی موجود ہیں جو احکام خداوندی اور سنت رسول اللہ صلعم اور طریق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور اولیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم جمیع کے قدم بقدم صراط مستقیم پر چل رہے ہیں۔ اگر ایسی ہستیوں کا وجود ہم میں نہ ہوتا تو اسلاف کی بزرگی اور پارہ سائی بھگی ان نام نہاد صوفیوں کی حرکاتِ بد کی وجہ سے مشتبه ہو جاتی جنہوں نے ان کے نام پر بڑے لگانے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ اور خلاف شریعت باتیں ان کی طرف منسوب کر دی ہیں۔

غرضیکہ تمام مسلمانوں پر سنت نبویؐ کی پیروی اور امر و نہی پر استقامت واجب ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے وَذُرُوا ظُلْمًا هِيَ الْإِثْمُ وَبِاطِلًا يَكْفُرُ یعنی ظاہر اور باطن دونوں طرح گناہ چھوڑ دو۔ پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ شریعت کے خلاف سرگزر کوئی کام نہ کریں۔ اور احکام خداوندی اور فرمان نبویؐ کی بجا آوری کے سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں۔ اور مشرک جو بدترین گناہ ہے جو کسی طرح بھی معافی کے قابل نہیں ہے۔ اس کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیں۔ اور بدعت میں پڑ کر دوزخ کا، ایندھن نہ بنیں۔ پروردگار عالم مجبور حقیقی ہر مسلمان کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اردو تاریخ و ادب کی یہ منظوم کہانی، اور فریاد، اردو ادب میں اپنی نوعیت کی پہلی طویل نظم ہے، جس میں امیر خسرو سے لے کر ماہر القادری تک تمام قابل ذکر اور صاحب طرز شعراء کے تذکرے، ان کی خصوصیات کلام کو ردال دواں، اور سلیس و شستہ زبان میں نظم کیا گیا ہے۔

دردِ سعیدی کی یہ طویل اور تازہ ترین نظم دراصل اردو تاریخ و ادب کے عمیق اور بالا استیجاب مطالعہ کا پھول ہے۔ نظم کے ساتھ بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق کی تفریظ بھی شریک ہے۔

صفحات ۳۶ تا ۳۷ پیر، عکسی اور رنگین جگہوں سے مزین، کتابت و طباعت نفیس،

سائز

قیمت ایک روپیہ

ملنے کا پتہ: - دردِ سعیدی انجمن ترقی اردو (شاخ) ٹنڈو آدم (مغربی پاکستان)

سوز و حسرت

لب ترستے ہیں التجا کیلئے ہاتھ اٹھتے نہیں دعا کیلئے
 عشق کی وسعتوں کے پیش نظر حوصلہ چاہیے وفا کیلئے
 ایک جان عزیز کیا شے ہے لاکھ جانیں آدا آدا کیلئے
 ہم نے تہنائیوں میں کیا کیا لطف ایک آواز پہلے صدا کیلئے
 تجھ کو جو چسا ہونا صحو! کہہ لو کچھ نہ کہنا اسے خدا کے لئے

ماہر القادری

یہ کہتے ہیں کہ دل نے مرے حوصلے بڑھائے ہیں غموں کی دھوپ آگے خوشی کے سائے ہیں
 پلائے جامے ساتی! کہ ہوش باقی ہے ابھی تو صرف مرے پاؤں لڑکھڑائے ہیں

یہ سوچ کر ہی مصیبت کے دن گزرے ہیں کہ زندگی میں یہ مدت شمار کیا ہوگی

شفیق احمد

ہر طرزِ نو مجھے لکھنا ہے دل کا افسانہ نگار ہوں نہ خدایا یہ انگلیساں میری
 کلی کلی کو پیلا ہم حیات و بیتا ہوں کبھی صبا کبھی بلبیل ہے تر جہاں میری
 نہ مجھ کوئے کی ضرورت نہ مجھ کوئے کی تلاش ہر ایک رسم سے آزاد ہے فضاں میری

لاکھیشن

قیصر نہیں اس میں کے نہیں ہے
 گنجائش سودو سے نہیں ہے
 اُردی کا سماں ہے، قے نہیں ہے
 محتاج نوائے نئے نہیں ہے
 یا بحث کجا و کے نہیں ہے
 اور کوشی اس میں شے نہیں ہے
 کیا حکم جہاد و نئے نہیں ہے
 آئین میں کیا پٹے نہیں ہے
 خوش فال و خستہ پے نہیں ہے
 کوئی بھی بجائے وے نہیں ہے
 رگ جس میں نہیں ہے پے نہیں ہے
 سنت تو کوئی بھی شے نہیں ہے
 یہ سلسلہ پے پے نہیں ہے
 دستور کی شکل طے نہیں ہے
 ماتھے پر نمودِ خوے نہیں ہے
 کم فہم کی کیا پے نہیں ہے
 گولب پے بتوں کی بے نہیں ہے
 جب ایک سی ڈن کی نے نہیں ہے
 کچھ بھی تو نہیں ہے اے "نہیں ہے"

یہ کشورِ روم و رے نہیں ہے
 اسلام کی ہے یہاں حکومت
 مذہب کی بہار بے خزاں میں
 یہ نعمت ہے صوتِ سمرمدی کا
 کیا ذکر زمان اور مکاں کا
 کیا بات نہیں ہے دینِ حق میں
 کیا درس نہیں ہے مملکت کا
 ملحوظ رہے کتاب و سنت
 قانون کا جو بنا لکھیشن
 جو عالم دین بڑا ہے سب سے
 ایک ایسا بدن ہے یہ کمیشن
 اک رکن وہ ہے کہ جس کے نزدیک
 غائب ہے حدیث میں تو اثر
 قول اور کا ہے کتاب میں بھی
 قرآن پہ معترض ہیں اور پھر
 جو ہضم نہ ہو وہ منہ سے نکلے
 اٹھتے ہیں قدم انہی کی جانب
 سب رکن ہوں کس طرح ہم آہنگ
 اس باب میں بس ترے علاوہ

ہے نام درست "لا" کمیشن

"ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے"

محسوسات

عروج زبیدی

ہمارے نام کی راحت کسی کے پاس نہیں
 نہیں کہ دردِ محبت کسی کے پاس نہیں
 خوشی میں یا و خدا ہو "الم" میں شکر خدا
 جو چشمِ عفو کو مجبورِ التفات کرے
 وہ جس سے آتشِ نمرود گلگدہ بن جائے
 عمل میں حسنِ لطافت کو ڈھونڈنے والو
 غمِ حیات کا فیضان عام ہے لیکن
 عروسِ امن کا کس نے سہاگ لوٹا ہے
 رہِ خرد سے گریزاں ہے آجکا انساں
 یہاں تو دل ہی نہیں دردِ دل کا کیا مذکور
 ہر ایک تیرگی شب کا شکوہ سنج تو ہے
 نئی سحر کی بشارت کسی کے پاس نہیں
 کسی کے پاس ہے دولت کسی کے پاس نہیں
 یہاں یہ جذبہ طاعت کسی کے پاس نہیں
 وہ روحِ اشکِ ندامت کسی کے پاس نہیں
 اب اس یقین کی قوت کسی کے پاس نہیں
 یہاں نظر کی طہارت کسی کے پاس نہیں
 غمِ حیات کی لذت کسی کے پاس نہیں
 یہ سوچنے کی بھی فرصت کسی کے پاس نہیں
 دل و نظر کی رفاقت کسی کے پاس نہیں
 غرض تمہاری امانت کسی کے پاس نہیں
 نئی سحر کی بشارت کسی کے پاس نہیں

غرض پرست زمانہ ہے خود غرض احباب

عروج! پاسِ مروت کسی کے پاس نہیں

موجِ صبا کا

اُبھرا ہے سازِ شنوں کا جذبہ کلی کلی میں
 ہم غم میں مسکرائے تم رویہ ڈرے ہنسی میں
 تیرا بھی ہاتھ نکلا گلشن کی برہمی میں
 منزل پہ لٹ رہا ہوں تاروں کی روشنی میں
 میں تو چلا تھا یارب تاروں کی روشنی میں
 کانٹوں سے دوستی کی پھولوں کی دشمنی میں
 تری زلفوں کے سائے میں جو کچھ راتیں گزار آئے
 مرے حصہ میں کیوں یارب حیاتِ استوار آئے
 چمن میں جب بھی آوازِ اذانِ نو بہار آئے
 ترے بے کیف سجدوں کا انہیں کیا اعتبار آئے
 ترے بکھرے ہوئے گیسو کچھ ایسے سازگار آئے
 ملا نہیں بنے محبت کو کچھ جو اب ابھی
 کہ ان سے جھانک رہا ہے ترے شبابِ ابھی
 شہرا بیوں نے یہ چکھی نہیں شہرا اب ابھی
 پڑھی نہیں ہے کسی نے بھی یہ کتاب ابھی

یہ دن بھی دیکھنا تھا گلشن کی زندگی میں
 دیکھا یہ فرق تم نے دورانِ عشق ہی میں
 روحِ روانِ گلشن لے پاسیانِ گلشن
 رہ برینے ہیں رہزنِ یارب تری دہائی
 ابادن میں بھی اندھیرے ہر سمت دیکھتا ہوں
 کچھ پھول ہی چمن میں ایسے بھی تھے جنہوں نے
 اُسے بیرنگ صبحوں کا یہاں کیا اعتبار آئے
 مرا مسلکِ محبت اور محبتِ جاودانی ہے
 نفس والوں کی جانب سے بھی اک سجدِ چمنِ الو
 نظر جھکتی ہے مہر جھکتا ہے لیکن دل نہیں جھکتا
 سنوارے جا رہا ہوں وقت کی الجھی ہوئی زلفیں
 کھلا نہیں ہے حریمِ وفا کا باب ابھی
 اوضار تو آتھی آنکھوں کا آئینہ دیکھوں
 گوری نگاہ کی نہ صومِ مستیوں کی قسم
 جبینِ حسن کی آیات کو ابھرنے دو

نعمتِ رسول

عکبات ال — کریمہ محمد

بے شمار شہنشاہان کے شبابِ نو بہاراں
کے فرودِ نغمہ اراں

بے شمار شہنشاہان کے شبابِ نو بہاراں
کے فرودِ نغمہ اراں

بے شمار شہنشاہان کے شبابِ نو بہاراں
کے فرودِ نغمہ اراں

بے شمار شہنشاہان کے شبابِ نو بہاراں
کے فرودِ نغمہ اراں

بے شمار شہنشاہان کے شبابِ نو بہاراں
کے فرودِ نغمہ اراں

بے شمار شہنشاہان کے شبابِ نو بہاراں
کے فرودِ نغمہ اراں

بے شمار شہنشاہان کے شبابِ نو بہاراں
کے فرودِ نغمہ اراں

بے شمار شہنشاہان کے شبابِ نو بہاراں
کے فرودِ نغمہ اراں

بے شمار شہنشاہان کے شبابِ نو بہاراں
کے فرودِ نغمہ اراں

بے شمار شہنشاہان کے شبابِ نو بہاراں
کے فرودِ نغمہ اراں

بکد ایونی

جو علمِ خدا میں پنہاں تھی۔ ظاہر وہ حقیقت ہوتی ہے
یعنی کہ دو عالم پر نازل۔ اللہ کی رحمت ہوتی ہے
اک تو حقیقت کو حق تے۔ انسان کی صورت میں بھیجا
انساں کی طرف مائل ہونا۔ انسان کی فطرت ہوتی ہے
پامال کئے گر دوں کے طبق۔ سینے کو کیا ہتھاب کے شق
ایسی بھی بھلا دُنیا میں کسی انسان کی قدرت ہوتی ہے
تکمیل شریعت فرما کر اتمام کیا ہر نعمت کا
اس طرح زملنے میں پوری۔ اللہ کی حجت ہوتی ہے
اللہ رے جمال ہوش رُبا۔ ہر ایک نظر، ہر ایک ادا
قرآن کی سورۃ ہوتی ہے قرآن کی آیت ہوتی ہے
حکمت کا دم پر وارہ ہی کیا۔ فطرت کا دم اعجاز ہی کیا
ناسوت کی اس معراج سے خود لاہوت کو حیرت ہوتی ہے

روحِ انتخاب

اللہ کی راہ میں اپنے خون سے حق کی گواہی دینے والو!

تم پر بھینٹ اللہ کی سلامتی اور رحمت نازل ہو۔ سورج کے لئے یہ باعثِ فخر ہے کہ وہ تمہاری قبروں پر اپنی کرنوں کے پھول نچا کرے اور چاند کے لئے یہ سرمایہ عزت ہے کہ وہ تمہارے مدفنوں پر چاندنی کی چادریں چڑھاتے

میں تمہیں اس یقین کے ساتھ مخاطب کر رہا ہوں کہ تم اپنے مالک کے نزدیک زندہ ہو لیکن تمہاری زندگی کی حقیقت سے ہم مادی دنیا کی حدود میں پھنسے ہوئے لوگ باخبر نہیں ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ میرا سلام، اور میرے دل کی بے تابی تم تک پہنچانے کا اہتمام کارکنانِ قصداً و قدر ضرور ہی کر دیں گے، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ اس دنیا کا سب سے قیمتی تحفہ اللہ کی راہ میں پہنچایا ہوا خون، اور اپنے زخمی حلقوم پیش کریں گے، تو مدتوں کے بعد پہنچنے والی یہ تحفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت کا باعث ہوگا۔ کوثر و تسنیم کے چشموں میں آپ کو غسل دیا جائے گا۔ اور میزانِ عمل میں تل جائے گا۔ یہ خون محفوظ کر لیا جائے گا۔ جو ہر عمل سے بڑا عمل ہے اور ہر وزن سے بڑا وزن ثابت ہوگا۔ اس لئے کہ یہ تو وہی راہ ہے جس کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جان دوں، پھر زندہ ہوں، پھر جان دوں۔ پھر زندہ ہوں۔ پھر جان دوں، حضور کی اس تمنا سے تم نے اپنا پورا پورا حصہ پالیا۔ اور اپنی اس کامیابی پر ساری دنیا کو گواہ بھی بنا لیا۔

کتنے ہی مراحل میں جو اللہ کی راہ میں آتے ہیں اور ہر مرحلے کی آمد پر کچھ لوگ آگے بڑھتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کے سامنے اس مرحلے سے گزرنے کی مثال پیش کر دیتے ہیں۔ گویا کتبِ عمل کا ایک درس اپنے قافلے کے ساتھیوں کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ جو کمزور ہوتے ہیں وہ اس درس سے توت پکڑتے ہیں۔ راہ ہموار محسوس کرتے ہیں، اور آگے بڑھتے ہیں۔ یہ کام ہر تحریک میں ہوتا ہے، اور قافلہ فکر و عمل آگے بڑھتا رہتا ہے۔ لیکن تم نے تو آگے بڑھ کر اس راہ کا آخری درس دے ڈالا۔ تم نے تو کتابِ عشق کو تمت تک پہنچا دیا۔ تم نے تو سارا نصاب ہی طے کر لیا۔ قافلے کی گھنٹیاں بجاتی رہیں، مسافر آگے بڑھتے رہے۔ منزلِ عشق طے ہوتی رہی۔ راہیں ہموار ہوتی رہیں، ساتھی قطار اندر قطار جا ہی پڑھتے ہوئے چلتے رہے۔ اور منزل کے نشانوں کی تلاش میں نظریں افق پر بھٹکتی رہیں لیکن تم نے تو سارے قافلے کو مات کر دیا اور آگے بڑھ کر خود منزل کو گرفت میں لے لیا۔ تم تو سارے ہی کارواں کو پیچھے چھوڑ کر بہت دور آگے نکل گئے۔ اتنی دُور کہ تمہارے قدموں کی گرد بھی مجھے کہیں سے مل جائے تو اسے اپنے چہرے پر ملنا۔ اور اسے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا، میرے لئے باعثِ صداقت قرار ہوگا۔

فرعونوں کی سبزیں مین یوسف نے ایک اُسوۃ زندانی پیش کیا تھا تم نے اس اُسوۃ کو زندہ کر دیا۔ موسیٰ کی قوم نے بچوں کی قربانی سے ایک مثال قائم کی تھی۔ تم نے اس مثال میں پھر روح پھونک دی۔ کچھ تاریخ حقائق تھے جو تاریخ کی گرد کے نیچے بے جا رہے تھے۔ تم نے اس تاریخ کو پھر ڈھیرا دیا۔ کچھ سامریوں نے اپنے اقدار کا بچھڑا پونجی کی کوشش کی تھی۔ تم نے اپنے عمل کی ٹھوک سے اسے پاش پاش کر دیا۔ تاریخ کی کوکھ راہ حق کی قربانیوں سے خالی ہوتی جا رہی تھی۔ تم نے اسے پھر ملامت کر دیا۔ انسانیت بڑھ بڑھ کر اعراضِ نفسانی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا رہی تھی اور حق بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔ تم نے قربانیوں کا قبلہ پھر اللہ کی لڑت پھیر دیا۔ مدت سے لوگ مٹی اور پتھر کے موزوں پر حق کی اذانیں دینے کے عادی ہوئے جا رہے تھے۔ تم نے بتا دیا کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر پھانسی کے پھندے کے ساتھ مخلوق، ہو کر سب سے اونچے موزوں پر اذانِ دعوتِ حق دینے والے ابھی دنیا سے محو نہیں ہوئے ہیں۔ تم نے تو دنیا کے حق پرستوں کو وہ سبق دیا ہے۔

کہ جو انہوں نے دیا تھا۔ جو اللہ کی راہ میں پکڑے گئے۔ پھر زمین کھودی گئی۔ پھر وہ کمر تک اس میں گاڑ دیئے گئے۔ پھر انھیں آردوں سے چیر دیا گیا، اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت پڑیوں پر سے نوح ڈالا گیا۔ کتنی تیشلیں تھیں جن کے زندہ کردار تم بن گئے۔ کتنے جذبے تھے جن میں اضطراب بن کر تم دوڑ گئے۔ کتنی شکستہ رگیں تھیں جن کی جان تم بن گئے۔ کتنے بھٹکے ہوئے تھے جن کے لئے مثل راہ تم بن گئے۔ تم نے تو انبیاء کے ساتھیوں کی یاد تازہ کر دی اور رب یقینوں کو یقین دلایا کہ انسانوں کا وہ ماڈل قدرت نے ہمیشہ کے لئے ڈیزائن کیا جو آج سے تیرہ سو سال پہلے صحابہ کے زمانہ میں ظاہر ہوا تھا۔

حضور حق سرخرو ہو کر پہنچنے والو! تمہارے مادی جسموں کے بچھڑنے نے کتنی ہی آنکھوں کو بے خوابا اور آنسوؤں کے چشمے بنا دیا ہے۔ اس لئے کہ مادی جسموں کا بچھڑنا بھی ایک حادثہ سمجھا جاتا ہے، بیوی بچوں اور عزیزوں کا سوگوار چھوٹ جانا بھی ایک غم انگیز بات کہا جاتا ہے۔ میں نے نہ تمہیں دیکھا، نہ ملاقات کی، نہ رزابطہ باہمی پیدا کئے، اور شناسائی کے پیمانے سے اگر ناپا جائے تو تم میرے لئے ان لاکھوں اجنبیوں میں سے تھے جو روزانہ دنیا سے اپنے مالک کی طرف اپنا حساب دینے کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں، اور جن کی مجھے خبر بھی نہیں ہوتی۔ لیکن میرے گلے نے بھی وہ گھٹن بسوس کی جس سے تمہیں ہزاروں میل دور مہر کی سرزمین میں دو چار ہونا پڑا تھا۔ اور میری آنکھوں نے بھی باوضو ہو کر تمہاری یاد کو ستایا۔ ہم روزانہ دنیا کے اس کمرۂ امتحان میں سے اٹھ اٹھ کر جانے والوں کو ان کا پرچہ امتحان چھینتے دیکھتے ہیں اور کم ہی ان سے اپنے پرچے کے حساب کم و بیش کا احساس کرتے ہیں، لیکن یہ تم نے کس انداز سے اپنا پرچہ امتحان دیا کہ ساری محفل کو اپنے پاس ہونے کا یقین دلانے لگے۔ مجھے سرسبز شہدائے راہ حق خلیفہ راشد یاد آتے ہیں جن کے بارے میں اللہ کے حبیب نے فرمایا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عشر ہوتے۔ عزیمت جن کے گھر کی بانڈی تھی، جو اپنا سب کچھ راہ حق میں لگا کر بھی مہین نہ تھے۔ جو حضرت ابن عباس کے اطمینان دلانے پر بھی بار بار فرماتے تھے کہ اگر برابر برابر بھی چھوٹ جاؤں تو خوش ہوں۔ اور فرماتے تھے کہ میری اور میری ماں کی تباہی ہے اگر اللہ نے میری محضرت نہ فرمائی۔

میرے مکرم بھائیو! ایسے مقدس انسانوں کے قتلے میں شرکت کا فخر ہے جو تم کو حاصل ہو گیا ہے۔ میں نے سنا کہ جب تمہیں راہ حق کے اس ادبے موڑنے پر لایا گیا جسے لوگ پھانسی کہتے ہیں، تو تمہارے چہروں پر تشکر و امتنان کی جھلک تھی۔ تم گویا وہ کچھ دیکھ رہے تھے جسے عین الیقین کہا جاتا ہے۔ تم نے اپنے آخری راہوار پر سوار ہوتے ہوئے کہا۔

”اللہ انھیں معاف کرے جنہوں نے مجھ پر ظلم کیا“

”اللہ کا ہزار شکر ہے کہ اس نے مجھے شہید کا مرتبہ عطا فرمایا“

”میرے خون کے ہر قطرے سے انقلاب پیدا ہوں گے۔“

اس میں کیا شبہ ہے کہ تمہارا خون اسی راہ میں بہا جس راہ میں بدر والوں کا خون بہا تھا۔ بدر والوں کے خون کا ہر قطرہ انقلاب کا سیل بن کر اٹھا تھا۔ تمہارا خون بھی یونہی باطل کے لئے سیل بن کر اٹھ گیا۔ مستل ہے کہ اطمینان و مسرت تمہارے چہروں کے گرد ہالہ کئے ہوئے تھے۔ مجھے بھی تباہی و آخرت کے انعامات کی آخر وہ کون سی جھلک تھی جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ کاش ان آنکھوں میں سے ہم جیسے بے یقین اور مقام شوق سے دور افتادہ لوگ بھی وہ جھلک دیکھ لیتے جس نے تم کو پھانسی کے تختہ پر لگا کر مسکرایا اور اس نظارہ کی محویت نے تمہیں بھلا دیا کہ تم کہاں کھڑے تھے۔

جب کسی خاندان کا کوئی فرد انچا سرکاری عہدہ پالتا ہے۔ تو اس کا سارا خاندان فخر کرتا ہے۔ خوشیاں مناتا ہے اور مسرت کا اظہار کرتا ہے۔ کم ظرفوں کو تو معمولی سی حیثیت یا لینے پر بھی ایسے سے باہر ہوتے دیکھا گیا ہے۔ حالانکہ یہ عہدے چند سالوں کے لئے مقرر ہوتے ہیں۔

ایسی حکومتوں کی طرف سے ہوتے ہیں جن کی بے چارگی زندہ کی چند گردشوں سے ہی ظاہر ہو جاتی ہے اور جو مقرب ہونے پر چن جاتے ہیں لیکن تم نے تو خدا کی سلطنت میں مقام بندگی کا۔ سب سے بڑا عہدہ پایا ہے تمہارے اعزاز کا کیا عالم ہے تم تو ان میں سے ہو جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان پر دو زبانہ رو دو لیکن جب تک ان کا لاشہ میدان جنگ میں پڑا رہا تو فرشتے اپنے پروں سے سایہ کئے رہے " تمہارے خاندان والوں کو تو ان ہستیوں سے قربت کی نسبت ہے جن کو تو انہیں موت و ذلت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ انہیں مردے نہ کہو یہ زندہ ہیں البتہ تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔ تم جو راہ حق میں زندہ و پائندہ ہو گئے اور تمہاری زندگی اور پائیدگی کو ملک ملک کے قانون کی رو سے زوال نہیں ہے ظاہر ہے کہ تمہاری زندگی کے اس نئے روپ پر تمہارے اس اعزاز پر تمہارے اس نئے مقام زندگی پر ان لوگوں کو رد کرنے کا کوئی حق نہیں ہے جو یقین رکھتے ہیں کہ بالک الملک ہی سب سے بہتر و عدول کو پورا کرنے والا ہے۔ اور یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ جو اللہ کا ایک بندہ اللہ کی سلطنت میں پاسکتا ہے۔

لاکھوں انسان روزانہ مرتے ہیں، کروڑوں باطل خداؤں کی خدائی کا سکہ جمانے کے لئے جنگوں میں کا آتے ہیں اپنی اغراض کے لئے کش مکش کرتے ہوئے مرجاتے ہیں اس لئے کہ ایک بندھا ہوا ضابطہ ہے کہ دنیا میں ماں کی گود کے ذریعہ داخل ہونے والا قبر کی گود تک پہنچے گا۔ دنیا کے اس عرصہ حیات کی منزل کے یہ دو سنگ میل ازل سے اب تک لفظ ہیں جن کے درمیان انسان اپنی زندگی کا سفر طے کرتا ہوا گزرتا ہے۔ اس معاملہ میں ہر ذی روح مساوی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان لاکھوں اور کروڑوں میں سے کس کو یہ عزت حاصل ہوئی کہ وہ اپنے ارادے سے اپنے مالک کی راہ میں بھی چلا، اور اس کی راہ میں جان دی۔ جان دنیا اصل کام نہیں اس لئے کہ اسے واپس کئے بغیر چارہ نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اسے کس طرح واپس کیا، کس راہ میں واپس کیا، اور کس جذبے سے واپس کیا اس میں کیا شبہ ہے کہ — آئے لکڑی اور رسی کے ادنیٰ گھوڑوں کے شہسوار و اہل تم نے کروڑوں کے اندر اپنا ممتاز ہونا ثابت کر دیا، تم نے دنیا والوں کی عامی ہوئی راہ چھوڑ کر وہ راہ اختیار کی جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے لیکن جو عرصہ سے ویران تھی۔ تمہارے قدموں کے نشاںوں نے اس راہ کی رونق کو دوبالا کر دیا۔

تم ٹھنڈے ٹھنڈے قدم چل کر ضبط تک پہنچنے کے تمنا بیوں کو بہیر لگا گئے ہو۔ تم نے زیر لب حقائق کو داسکاف الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ تم نے استقامت کا لفظ بولنے والوں کو استقامت کا مفہوم سمجھا دیا ہے۔ تم نے راہ حق کی سب سے بڑی راز کی بات برسر عام رکھ دی ہے اور معرفت حق کے اس نکتے پر انگلی رکھ دی ہے جس کو بھول جانے سے علم لوگوں کے لئے حجاب اکبر بن جاتا ہے۔

جس کو بھول کر لوگ علم و عمل کی رنگا رنگ بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے ہیں۔ اور وادی عشق کو چھوڑ کر آداری فکر و نظر کی وادیوں میں سرگردان و پریشان رہے ہیں۔ تم نے بیشاق ازل کو خون کی روشنائی سے لکھ کر تازہ کیا۔ ادھا سے پورا کیا۔ اور پیچھے آنے والوں کو اسے پورا کرنے کا انداز بتا گئے۔ کچھ بے روح الفاظ تھے جو ہماری دعاؤں میں بار بار آتے تھے۔ کچھ سرد جذبے تھے جو زندگی کی حرارت سے نا آشنا تھے، کچھ خاموش ولولے تھے، جنہوں نے ابھی حقائق کا منہ نہ دیکھا تھا۔ کچھ سرکھن ارادے تھے جنہوں نے ابھی شہادت سے لکھ کر مشاہدہ نہ کیا تھا۔ تم نے ان الفاظ کو مفہوم دیا۔ ان جذبوں کو حرارت دی۔ ان ولولوں کو گویا کیا اور ان ارادوں کو عزیمت سے آشنا کیا کتے راہی تھے جو اس راہ پر صرف نقل سے مطمئن ہو کر اس کے ساتھ بڑھے چلے جا رہے تھے تم نے اچانک انہیں روکا، روک کر انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنے قلب کی گہرائیوں کو ٹٹولیں، اور اپنی رگوں میں گرم گرم خون کی گردش کا اندازہ کر کے آگے بڑھیں۔

یہ خبر سن کر کہ تم راہ حق کے سب سے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے ہو تمہارے کہنے دراندادہ ساتھی ہیں جنہوں نے پھندوں کیلئے اپنے حلقوم کا جائزہ لیکر دیکھا اور اس نثرانہ میں تو لے کیلئے اپنی زندگی میں پہلی بار اپنے آپ کو جانچا ہے تم محسوس کر لگے ہو کہ یہ جائزہ لے بغیر جو راہی اس راستہ پر چل پڑے۔ وہ ایسا بے زاد راہ مسافر ہے جو سفر کی سختیوں سے بے خبر، اور اس کے نشیب و فراز سے نا آشنا ہر وقت حوادث راہ کا ممکن شکار ہے۔ (استعد کیلانی)

اس باتھ دے اس باتھ لے

میٹرک پاس کرتے ہی خوش قسمتی سے اُسے سرکاری دفتر میں ملازمت مل گئی۔ اس زمانے میں جب کہ بی۔ اے اور ایم۔ اے " ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔ اُسے یہ نوکری نعمت غیر مترقبہ معلوم ہوئی کیونکہ اب وہ اپنے بوڑھے والدین اور چھوٹے بہن بھائیوں کا بوجھ سنبھالنے کے قابل ہو گیا تھا۔

رشید کو اپنی ملازمت بے حد عزیز تھی۔ اس نے اپنی تمام آمنگوں اور امیدوں کو نوکری کے دامن سے وابستہ کرتے ہوئے پوری استعداد اور دیانت داری سے کام شروع کر دیا۔ تین چار کلرک دو چیراسی اور بیڈ کلرک یہ تھا۔ دفتر کا مختصر سا عملہ۔ بیڈ کلرک بڑا نیک دل اور شریف انسان تھا۔ اور اس کا برتاؤ اپنے عملے کے ساتھ بڑی شفقت آمیز تھا۔ اس کے ساتھی کلرک بڑے زندہ دل نوجوان تھے دن بھر دفتر قہقہوں سے گونجتا رہتا۔

دفتر کی یہ محدود سی دنیا اس کے لئے کلبس کی سی دنیا کی طرح نو دریافت اور حسین تھی۔ وہ بہت مسرور تھا۔ کوئی چھوٹا سا ٹوٹا کام ہو تو چیراسی خدمت سے کمر بستہ اور پک ناک یا میر و تفریح کا کوئی اور پروگرام ہو تو دفتر کے ساتھی معیت کے لئے تیار رہتے دفتر کی عالیشان بلڈنگ اور قیمتی فرنیچر پر بھی ناز سا تھا۔ جیسے یہ اس کی ذاتی جائداد ہو۔

کبھی کبھار اُس کے اسکول کے فنانے کے دوست اس سے ملنے کے لئے دفتر آجاتے تو وہ دفتر کی ایک ایک چیز انھیں بڑے فخر آمیز انداز میں دکھاتا۔ اور دفتر میں اپنی حیثیت جاننے کے لئے چیراسیوں پر خواہ مخواہ رعب ڈالنے کی کوشش کرتا بعض اوقات انھیں بلاوجہ ڈانٹ ڈپٹ دیتا۔

اس کے بے روزگار دوست جب اس کے ٹھاٹھ دیکھتے تو بڑا رشک کرتے۔ اور حسرت سے کہتے "کیا نصیب پایا ہے۔ یار! حکومت کرتے ہو حکومت لا اور وہ ایسے موقعوں پر فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے نوکری سے بیزاری ظاہر کرتا۔ کبھی نوکری بغیر چارہ نہیں۔ کیوں کہ اور کوئی ذریعہ معاش نہیں۔ دگر نہ کپ کے ان بندھنوں سے آزاد ہو گئے ہوتے۔ نوکری آخر نوکری ہے۔ آپ لوگ عیش اڑاتے ہیں۔ اپنی نیند سوتے ہیں اپنی نیند جاگتے ہیں اور جی ہی جی میں اپنی نوکری یا جیسا کہ وہ بھی کبھی محسوس کیا کرتا تھا اپنی حکومت کے خیال سے بڑا خوش ہوتا تھا۔ دو سال اسی طرح ہنسی خوشی بیت گئے۔

آج سویرے ہی سویرے چیراسی نے اُسے اطلاع دی کہ بیڈ کلرک صاحب اسے یاد فرما رہے ہیں۔ جب وہ بیڈ کلرک کے کمرے میں داخل ہوا تو بیڈ کلرک سر جھکائے خاص انداز سے فائلیں الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ اس کے سامنے کی کرسی پر دو سرے ڈر کا بیڈ کلرک بیٹھا ہوا بڑے بے پروایانہ انداز سے سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ بیڈ کلرک نے اسے کچھ ہدایات دیں اور حکم دیا کہ

DRAFT G. LETTER بنا کر "put up" کرو۔

بیڈ کلرک جلد ہدایات دے کر دوسرے بیڈ کلرک صاحب سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ بیڈ کلرک کی ایک دو ہدائیں

رشید کی سمجھ میں نہ آئیں تھیں۔ اس لئے وہ اس انتظار میں کھڑا ہو گیا کہ ہیڈ کلرک اس کی طرف متوجہ ہو تو وضاحت طلب باتوں کو سمجھ لے۔ ہیڈ کلرک نے جب گردن گھمائی تو رشید کو منتظر کھڑا پایا۔ کیوں؟ کیا بات ہے۔ تم ابھی تک یہیں کھڑے ہو؟ میں نے تمہیں فوراً ڈرافٹ بنا کر لانے کو کہا ہے۔ ہیڈ کلرک نے خفگی آمیز لہجہ میں کہا۔

رشید "جی... ڈرافٹ کا مضمون ذرا پھر سمجھا دیجئے۔ آپ کا یہی مطلب ہے نا کہ..."

ہیڈ کلرک "ہاں! تمہارا خیال درست ہے۔"

رشید "اور یہ بھی پوچھنا ہے کہ..."

ہیڈ کلرک "اب تو میرا مطلب سمجھ گئے ہونا! جاؤ۔ جلدی سے ڈرافٹ بنا لاؤ"

رشید "مگر میں... میں یہ نہیں سمجھا کر..."

ہیڈ کلرک "ابے گدھے! میں تمہیں کہا تک (کہاں تک) سمجھاؤں... کیا تم... اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے..."

رشید کے سر پر جیسے کسی نے پوری طاقت سے ہتھوڑا دے مارا ہو۔ اس کا سر گھومنے لگا اور کان شاہیں شاہیں کرنے لگے۔

وہ چلایا "آپ! آپ!... مجھے... گدھا اور نہ جانے کیوں اس کا گلا رندھ سا گیا۔ اور اس کے آگے وہ

کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کے جی میں آیا کہ میزیر سے قلمدان اٹھا کر ہیڈ کلرک کے منہ پر دے مارے۔ اور خود بھاگ جائے...

پوری تیزی سے... دور... اتنی دور... کہ جہاں کوئی انسان نہ ہو۔ اور نہ ہی کسی میں سمجھ کر خوب روئے

دھاڑیں مار مار کر روتے۔ اپنے بال نوچے۔ اپنے کپڑے تارتا کر دے۔ اور اپنے منہ پر طمانچے مارے مگر کس کے منہ پر

دفتاری سوال اس کے ذہن میں گنبد کی آواز کی طرح گونجنے لگا۔

طمانچے کس کے منہ پر مارے جائیں۔ اپنے منہ پر یا ہیڈ کلرک کے منہ پر؟ اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا۔ جیسے اس کے

اندر بہت سے جن اور دیول کر چلا رہے ہوں۔ ہیڈ کلرک کے منہ پر! ہیڈ کلرک کے منہ پر!!

یہ ایک اس کے تھمے پھڑکنے لگے۔ کپٹیوں میں چنگاریاں سی رینگنے لگیں۔ اور ٹھہریاں خود بخود بھنج گئیں۔ اس نے بھر کر کہا۔ آپ نے مجھے گدھا...

مجھے گدھا... کیوں کہا۔ "اور اس کا جی چاہا کہ کہہ دے کہ گدھے تو آپ ہیں... مگر" اس نے سوچا کہ ایک اچھے بھلے بہترین

آدمی کو گدھا کیسے کہنے، "لیکن اس اچھے بھلے آدمی نے کتنی آسانی سے گدھا بنا دیا ہے مجھے" اس کی سوچ نے کروٹ بدلی تو پھر...

تو پھر... میں... ابھی وہ اتنا ہی سوچ پایا تھا کہ ہیڈ کلرک نے *get out* کہہ کر اس کی نکر کا گلا گھونٹ دیا۔ اور وہ خود بخود

بے اختیار۔ ایک آٹومیٹک مشین کی طرح لڑکھڑاتا ہوا اپنی سیٹ پر پہنچ گیا۔ اس کی سانس بے ترتیب ہو رہی تھی اور حواس مختل تھے۔ اس کو

ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کائنات پر گہری دھند چھا گئی ہو۔ اور اس دھند میں گھری ہوئی کمرے کی پرستے گھوم رہی ہے۔ دیواریں فرش میز

کری اور وہ خود۔ اسے اپنے سینے میں اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ جیسے اس کا دل شعلوں کی زد میں آ گیا ہو۔ اور اس میں سے دھوئیں کے بادل

اٹھ رہے ہوں۔ اس نے تاریخ کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ ہندوستان کے بادشاہوں میں سے ایک نے جب دوسرے پر فتح پائی تھی تو اس نے

شکست خوردہ بادشاہ کو ایک پنجرے میں بٹھا کر ملک بھر میں اس کی تشہیر کی تھی۔ اس نے سوچا کہ فاتح بادشاہ ہیڈ کلرک ہے اور شکست خوردہ

بادشاہ وہ خود ہے جس کی کہ دنیا بھر میں تشہیر ہو رہی ہے۔ اسے ایسا محسوس ہوا۔ کہ اس کے کان گدھے کے کانوں جیسے بلے ہو گئے ہیں

اور گلے میں پڑی ہوئی نکتائی ایک آہنی زنجیر بن گئی ہے۔ جسے ہیڈ کلرک پکڑے ہوئے اسے بازار میں گھسیٹا ہواے جا رہا ہے۔

اور پیچھے پیچھے بچے گدھا! آہ! گدھا کا شور مچاتے ہوئے دڑ رہے ہیں۔ اور نوجوان بے تہمتہ لگا رہے ہیں۔ جیسے ہیڈ کلرک نے اس کے کپڑے

اتار کر اسے چوراسے میں تنگاکھڑا کر دیا ہو۔ اور لوگ اسی پر سنبھل رہے ہوں۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں ملیں۔ اور ارد گرد چوروں کی طرح دیکھا۔ برستے اپنی جگہ پر قائم تھی۔ دفتر کے کچھ کلرک ایک میز پر جمع ہو کر مزے سے گپیں ہانک رہے تھے۔ ایک دہ اپنے کام میں سرزد تھے۔ چیراسی ایک کونے میں بیچ پر بیٹھا اذگھ رہا تھا۔ اور وہ وہ بھی حسب معمول اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ مگر پھر بھی کمرے کی فضا کچھ بدلی بدلی سی تھی۔ ہوا سانسوں میں زہر سا گھول رہی تھی جیسے وہ دفتر تہ ہو جاوے وہ روزانہ بیٹھ کر کام کرتا تھا بلکہ شاید یہ جیل تھی جہاں وہ ایک مجرم کی حیثیت سے موجود تھا لیکن اس کا جرم کیا تھا؟ اسے یاد آیا کہ پرسوں اس نے کالو چیراسی کو "گدھا" کہا تھا۔ مگر کیوں کہا تھا؟ اس لئے کہ وہ کینٹین سے چلنے ڈرا دیر سے لایا تھا۔ لیکن اتنے سے جرم پر اتنی بڑی سزا؟ یعنی میں نے اسے گدھا کہہ دیا۔ اوت میرے خدا! مجھ سے کتنا بڑا گناہ سرزد ہو گیا، اس نے پریشان ہو کر سوچا۔ اور میرے اس خطاب پر وہ کسی طرح تلملایا؟ اس کی سفید ڈاڑھی کے بال کس طرح بہوں کے نوکیلے کانٹوں کی طرح تن گئے تھے۔ اور اس کے سانوے رخسار کس طرح پتھے ہوئے لوہے کی طرح دیکھنے لگتے تھے؟ اور اس کی شعلہ فشاں آنکھوں سے پانی کی بوندیں رسنے لگیں تھیں۔! افسوس! اس وقت میں نے اس کے جذبات کی ذرا پرواہ نہ کی تھی۔ حالانکہ میرا دل اس کی پر دو قار ڈاڑھی پر بیٹے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ کر لپچ گیا تھا۔ بے اختیار جی چلا۔ دوڑ کر اس کے آنسو پونچھ ڈالوں۔ اور اس سے التجا کروں کہ۔ بابا! مجھ سے گستاخی ہو گئی ہے معاف کر دو، مگر میں یہ نہ کر سکتا تھا۔ لیکن میں ایسا کیوں نہ کر سکتا تھا۔ کس چیز نے مجھے اپنے گناہ کی معافی مانگنے سے روکا تھا؟ شاید میرے غور نے! آہ میری آنکھوں پر غفلت کی پٹی کیسی بندھ گئی تھی۔ میں واقعی گدھا لیکن بیڈ کلرک نے مجھ گدھا کیوں کہا؟ اسے یہ کہنے کا کیا حق حاصل ہے۔؟ لیکن مجھے کالو کو گدھا بنانے کا کیا حق حاصل تھا۔ کالو۔ میں۔ بیڈ کلرک۔ گدھا۔ کالو گدھا ہے؟ نہیں! میں گدھا ہوں؟ بالکل غلط۔ بیڈ کلرک گدھا ہے۔؟ نہ نہ لیکن اس نے بھی گدھا کیوں کہا۔ مگر میں نے کالو کو آہ! تو اس کا یہ مطلب ہوا۔ جو مجھے اس ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ یہ میرا ضرور احساس برتری کی سزا ہے۔ میرے گناہ کی پاداش ہے۔ میرے اعمال کا خیارہ ہے۔ اور شاید میری غفلت پر ایک ٹھوک رہے۔؟ آہ! مگر یہ ٹھوک کتنی دردناک ہے۔ یعنی کج بھے گدھا کہہ کر لپکا گیا ہے۔ اوہ! میرے خدا! میں کتنا ذلیل ہوں۔ اے رب العزت! میں بہت شرمسار ہوں۔ فرط مذمت سے میرے حواس بے قابو ہو رہے ہیں مجھے کچھ سوچنا نہیں کہ کیا کروں؟ کدھر جاؤں؟ کیسے جیوں؟ اس ذلت کو کس طرح سہوں! تو رحیم و کریم ہے۔ میرا گناہ بخش دے۔ مگر میں جو آج اپنی بے غیرتی پر اتنا مضطرب ہوں تو کیا میں نے کالو کی ہنک کرتے وقت اس کے جذبات کی بچل۔ اس کی خودداری کی تڑپ۔ اس کے ضمیر کی تلملاہٹ اور اس کی بے بسی کے آنسوؤں کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔؟ آہ تو پھر مجھے کالو سے معافی مانگنی چاہیے۔ شاید وہ مجھے معاف نہ کرے مگر مجھے معافی ضرور مانگنی چاہیے نہیں تو نہیں تو میں زندہ نہ رہ سکوں گا۔

وہ کرسی سے ایک جوش کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور کالو کے پاس پہنچ کر بھراتی ہوئی آواز میں مخاطب ہوا۔ "کالو بابا! مجھے معاف کر دو۔ پرسوں مجھ سے بڑی گستاخی ہوئی ہے،" اور کالو حیرت سے رشید بالو کے چہرے کی تکی لگا!

ہماری نظر میں

علیؑ اور ان کی خلافت

از۔ پیام شاہ جاں پوری، ضخامت ۴۰۰ صفحات، مجلد رنگین گریڈ پوش کے ساتھ، قیمت پانچ روپے، ملنے کا پتہ: ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل لاہور

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کی اُمت مسلمہ کو بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ سو دو سو نہیں ہزاروں صحابہ اور تابعین جہل و سفین میں خاک و خون میں تڑپے۔ اور اُمت میں شدید تفرقہ نمودار ہو گیا جیسے آفتاب نے زمین پر بھی دکھایا ہے، کہ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عمار بن یاسر ایک کیمپ میں اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر مخالف کیمپ میں ہیں اور۔ دونوں کیمپوں کے جانباڑوں کی تلواریں ایک دوسرے کے خلاف کھینچی ہوئی ہیں۔

تاریخ میں ان دردناک واقعات کو پڑھ کر دل سخت کرب و اذیت محسوس کرتا ہے۔ اور دل سے یہ تمنا ہو کہ بن کر اٹھتی ہے کہ "کاش! یہ نہ ہوا ہوتا" مگر اس کو کیا کہنے کہ یہ سب کچھ ہو کر رہا۔ یہ وہی مقام صبر و رضا ہے۔ یہاں

جف القلم بما ہو کاش

پر ایمان لائے بغیر اور کوئی چارہ نہیں! تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی بہت سی بار کیمپیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ بیچاری لکیریں کس طرح سمجھ سکتی ہیں کہ "نقاش" کس لکیر کو کیوں مٹاتا ہے۔ اور کس لکیر کو کس لئے باقی رکھتا ہے!

اسلامی تاریخ کے ان ابواب کو پڑھتے وقت طبیعت کو سخت وحشت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام کا معاملہ ہے۔ یہ سب کے سب آسمان ہدایت کے کواکب اور شمس و قمر تھے۔ ان کا شرف صحابیت ہی تھا اس قدر دزنی ہے کہ ہم ایک معمولی صحابی کی خاک پا کے بھی برابر نہیں ہیں! ایسی حالت میں ہم کس کو کیا کہیں۔ ہمارا فیصلہ اور ہماری رائے بھی غلط ہو سکتی ہے۔ کیا عجب ہے کہ مورخین سے بھی تسامح ہوا ہو۔ بعض واقعات ایسے دو رخے اور چھپے ہیں۔ کہ ان سے ایسے نتائج نکالنا جو سو فیصدی درست و صحیح ہوں بہت مشکل ہے۔

اس لئے بعض محتاط اہل علم کا یہ مسلک رہا ہے کہ وہ صحابہ کرام کے ان اختلافات کو اسی طرح رہنے دیتے ہیں، جیسے وہ کتابوں میں موجود ہیں۔ وہ ان کے بارے میں خود کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتے۔ اور نہ "حکام بننے کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم نے ہمارے اعمال کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہو گا۔ جہل و سفین کے معاملہ میں ہم سے پوچھ کچھ نہ ہو گی۔

مگر اس کو کیا کہنے کہ "تاریخ" اپنا فرس انجام دیتے سے باز نہیں رہ سکتی! واقعات کی تدوین ان پر غور و خوض اور پھر ان سے نتائج نکالنا اور حکم کرنا یہ تاریخ "کی نظرت میں داخل ہے"۔ جناب پیام شاہ چانپوری نے ایک مورخ کی

بادشاہ لوگوں کو رشوتیں نہیں عطیے اور انعام و اکرام دیا کرتا ہے۔ اس لئے یہی نقداد درست سمجھنا چاہیے۔
 (صفحہ ۳۱۲) اس لئے یہی نقداد درست سمجھنی چاہیے۔ یا اس لئے اس نقداد کو درست سمجھنا چاہیے، لکھنا تھا
 جناب پیام شاہجہا پوری کی زبان سلیس اور انداز بیان سلجھا ہوا ہے۔ کتاب پڑھکر ان کی مورخانہ بصیرت کا اعتراف
 کرنا پڑتا ہے! حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات گرامی سے انھیں جو عقیدت ہو وہ کہیں کہیں مورخانہ نقد و محاکمہ پر غالب آگئی ہے
 اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ کے حق میں ان کا قلم کسی کسی جگہ اشتراک کی تلوار بن گیا ہے!
 اس کتاب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نظام سلطنت، کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس باب سے
 بہت سوں کی معلومات میں اضافہ ہوگا! کتاب کے آخر میں فاتح خیبر کی کامی کے اسباب سے بھی بحث کی گئی ہے۔
 اسلامی تاریخ کے ان واقعات میں پڑھنے والوں کے لئے بہت کچھ عبرت و موعظت ہے۔ یہ کہ علم و فضل اور
 شجاعت و تقویٰ کے ہوتے ہوئے "تدبیر" کے پورے طور پر ٹھیک نہ ہونے سے ہوا کا رخ ہی بدل جاتا ہے۔
 شیطان جیسا فریب دیتا ہے تو "اقامت حق" کے نام پر اسلامی جماعت میں کچھ باغی اور سرکش پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور
 علیؑ جیسے محکم حق کو "کافر" کہنے میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔ حضرت علی جن کو "امام الادلیا" اور صوفیوں
 کا پیشوائے عظیم کہا جاتا ہے جب ہم ان کو مصیبتوں میں گھرا ہوا پاتے اور ان کی امیدوں کا خون ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو پھر ہم کس
 قطب، غوث اور ولی کی روح سے مدد چاہیں؟ کس کی قبر پر التجائے کر جائیں! انفع و ضرر کا مالک اللہ تعالیٰ کے سوا،
 کوئی نہیں ہے۔

از۔ اسد گیلانی۔ ضخامت ۹۳ صفحات، مجلد، رنگین گرو پوٹو کے ساتھ۔ قیمت تین روپے چار آنے
 ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ تعمیر انسانیت گوجر گلی۔ موجی دروازہ لاہور۔

تصویریں

جناب اسد گیلانی کے انیس مضامین کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ چند مضامین کے عنوانات
 ایک ایڈیٹر، ایک وزیر، یکدمانہ صحبت با ادلیا، مولانا سعود عالم ندوی، میرا سایہ، شہدائے مصر کی یاد میں، مولانا سود دی گلی کوچوں میں، اہلس معاش کی دھمکی پر
 ہلکے پھلکے دلکش مضامین، مگر صرف دل بہلانے کے لئے نہیں۔ بہر مضمون میں ایک پیام اور ایک مقصد رکھتا ہے۔
 جس میں پڑھنے والوں کے لئے عبرتیں اور بصیرتیں ہیں۔ انداز بیان دل نشیں اور اثر انگیز! "ہر کہ ازل ہیزد بر دل ریزد"
 کا سماں اور کیفیت!

اس کتاب کا ایک مضمون (شہدائے مصر کی یاد میں) اس شمارہ (روح انتخاب) میں نقل کیا گیا ہے۔
 میں نے تشویش سے پوچھا (صفحہ ۱۲) "تشویش کے ساتھ پوچھا، لکھنا چاہیے تھا۔ وہ سلسل اپنے ذہن میں
 کھٹکالتارم" (صفحہ ۱۳) یہ کیا انداز بیان ہے۔ یہ چیز ان سے آدمی پا کر اپنی ہڈی کا گودا تک بے یقینی کے حوالے
 کر دیتا تھا۔ (صفحہ ۱۴) "خالی ہڈی" یا ہڈی کا گودا بے یقینی کے حوالے کر دیئے سے آخر کس اشتراک اظہار
 مقصود ہے۔ اس جملے میں کس قدر تکلف پایا جاتا ہے۔ اس نے مسکین سی آواز میں بڑی جہاں دیدگی
 کے انداز میں کہا (صفحہ ۵۳) ترجمہ سا معلوم ہوتا ہے۔ یہ بہر حال واحد نسخہ یہ ہے کہ آپ خاموش
 رہیں (صفحہ ۱۴) "واحد نسخہ" یہاں کتنا بے جوڑ لگتا ہے لکھنا یوں چاہئے تھا۔۔۔ بہر حال جو کچھ ہونا تھا ہو گیا

حیثیت سے اس نازک ذمہ داری کا بار اپنے سر لیا ہے! اپنی اس کتاب کا پیش لفظ خود انہی نے لکھا ہے۔ جس میں فاضل مورخ نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ کہ اکابر۔ مورخین سے نقل روایت میں جو بے احتیاطیاں ہوئی ہیں ان پر وہ نظر رکھتے ہیں اور انہوں نے متضاد اور ضعیف روایتوں کو نظر انداز کر کے مستند واقعات نقل کئے ہیں۔

لائق مصنف نے تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ۔

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دور کا بھی تعلق نہ تھا۔

(۲) جنگ جمل غلط فہمی کی بنا پر وقوع میں آئی اور حق ظاہر ہونے پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ندامت ہوئی۔

(۳) حضرت علی اور امیر معاویہ کے مابین جو جدال و نزاع ہوئی۔ اس میں حق علی مرتضیٰ کے ساتھ تھا۔ اور امیر معاویہ وہ پیلے شخص جس جنہوں نے خلافت راشدہ کے مقابلہ میں ملوکیت کی بنا ڈالی۔ اور انہوں نے اپنے ذاتی اقتدار کی خاطر ہر حربہ اور اور ہر چیز اختیار کی!

اور

”اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؓ حضرت معاویہ کے مقابلے میں اس اعتبار سے ضرور ناکام رہے کہ وہ شام اور مصران سے واپس نہ لے سکے۔ لیکن ان کی کامیابی میں اس اعتبار سے کوئی شک و شبہ نہیں کہ انہوں نے اپنے عمل سے ایک مثالی اور صحیح اسلامی حکومت کا نمونہ پیش کر دیا۔“ (صفحہ ۳۹۱)

(۴) مروان کے جس خط کا تاریخ کی کتابوں میں ذکر ہے۔ اس کے بارے میں لائق مصنف کی یہ رائے ہے کہ یہ خط مفیدین کا بنایا ہوا تھا۔ اس رائے میں غالباً وہ منفرد ہیں مگر اپنی رائے پر وہ خاصی دینی عقلی دلیلیں لائے ہیں۔

مصنف نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت، علم و فضل بے لفتی زہد و تقویٰ، امانت و سخاوت، خطابت اور فقہ و اجتہاد کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ سے ہمیں اتفاق ہے! کوئی شک نہیں حضرت علیؓ اپنی اپنی مثال آپ تھے۔ مگر ابوطالب نے ان کی درخواستوں کو کبھی درخور اعتنا نہیں کیا (صفحہ ۲۳) ”درخور اعتنا نہیں سمجھا“ لکھنا چاہئے تھا۔ حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ بارہ دن کم بارہ سال بنتا ہے (صفحہ ۶) اس جملہ میں ”بتنا ہے“ ثقہ لوگوں کی زبان نہیں ہے جس نے لوگوں کو انگلیخت کر کے حضرت عثمان کی شہادت پر آمادہ کیا (۱۱۶) ”برا نگلیختہ“ کا محل تھا۔ حضرت علیؓ کی بیعت کروائی گئی (صفحہ ۱۲۹) ”کردائی گئی“ یہ بھی پسندیدہ زبان نہیں ہے۔

۵ انہیں لوگوں کے اثر و دباؤ سے کی جا رہی ہے (۱۲۹) ”اثر“ عربی اور ”دباؤ“ اردو لفظ ہے۔ جن کے درمیان واو عطف لانا درست نہیں۔ ”اثر اور دباؤ“ لکھنا تھا۔ صفحہ ۵۸ پر ”جریر بن عبداللہ البجلی“ کو عبداللہ الجبلی، اور صفحہ ۱۸ پر ”حروراً“ کو ”مروراً“ لکھا ہے۔ یہ کتابت کی غلطی ہے۔

مگر حضرت حسن نے حضرت جعفر کی قسم دی کہ حضرت علیؓ کو جب کوئی حضرت جعفر کی قسم دیتا تو آپ کا غصہ نہ ہو جاتا (صفحہ ۳۰۶) یہ روایت موضوع معلوم ہوتی ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے نام کی قسم کھانے کی ممانعت آئی ہے ہم اکابر اہل بیت سے ایسی غلطی کے ارتکاب کی توقع نہیں رکھتے۔

امیر معاویہ نے حضورؐ سے سرداروں کو رشوتیں دیں۔ (صفحہ ۳۶۲)

اب بھلائی اور خیریت اسی میں ہے کہ آپ خاموش رہیں۔ "حاضری اندازاً تیرہ ہزار تھی" (صفحہ ۹۷) اندازاً کے ساتھ تیرہ ہزار" کا جوڑ ٹھیک نہیں۔ "اندازاً" بارہ تیرہ ہزار لکھنا تھا۔

اس کتاب کا ایک ایک مضمون کام کا ہے۔ مکتبہ تعمیر انسانیت کی یہ پیش کش تبریک و تحسین کی مستحق ہے۔

از جناب قریشی احمد آبادی ضخامت ۱۱۲ صفحات، مجلد رنگین گرد پوش، شاعر کے ڈوٹو کے ساتھ، قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے ملنے کا پتہ:۔۔۔ حیدری انجمن سوداگری کی پوں جمالی پور، چکلا " احمد آباد (گجرات)

جمال کر بلا

یہ جمال قریشی کے سلاموں کا مجموعہ ہے۔ جس پر "پیش لفظ" جناب اعجاز صدیقی - مدیر شاعر نے۔ اور دیباچہ جناب حبیب الرحمن غزنوی نے لکھا ہے۔ پیش لفظ کی یہ عبارت کھٹکی۔

... یہی نہیں بلکہ حق کی حمایت اور نمائندگی کے لئے شہداء لے کر بلائے جس بلذکر دار کا ثبوت دیا۔ اس کردار کی کوئی

معمولی جھلک بھی اس دور کے بعد سے اب تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ (صفحہ ۹)

اس طرح "پیش لفظ" لکھنے والے نے واقعہ کر بلا کے بعد سے اب تک کی تمام شہادتوں اور قربانیوں پر خط تینخ کھینچ دیا۔ حالانکہ اس ہمارے زمانے میں "اخوان المسلمون" (مصر) نے جس عظیم الشان عزیمت، بے مثال جرات اور حق گوئی کا ثبوت دیا ہے۔ اس نے واقعہ کر بلا "کی یاد تازہ کر دی ہے۔!

امت محمد - کی مشکلیں ہوئیں آسان - تیری ایک ٹھوک سے (صفحہ ۳۹) ٹھوکر کا یہاں کیا محل تھا

سہ طلاطم غم کی یورشوں میں حیات ڈوبی ہوئی ہے گی (صفحہ ۴۰) صبح املا "تلاطم" ہے رط نہیں ت "یورشوں میں حیات کا ڈوبنا" یہ کیا انداز بیان ہے۔

سہ تاریکی بزم عالم بھی طلعت سے تری صنوبر ہوئی

اے ماہ نبوت کیا کہنا۔ اے مہر رسالت کیا کہنا! (صفحہ ۴۱)

"بھی" حضور زائد ہے "تاریکی بزم عالم" کو روشنی سے بدلنے کے لئے ہی تو مہر نبوت طلوع ہوا تھا۔ اس لئے "بھی" زائد

استعمال ہوا ہے

تسلیم در رضا کے مسلک میں بیعت کا سند یہ ٹھکرا کر

کچھ اور بڑھادی تھی تو نے اسلام کی زینت کیا کہنا (صفحہ ۴۲)

جس مصرع میں "تسلیم در رضا مسلک اور بیعت جیسے خالص عربی الفاظ آئے ہوں۔ ان کے ساتھ ہندی کا "سند یہ" کتبے جوڑ لگتا ہے..... مصرع ثانی میں "زینت" بھی شعر کی معنویت سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

اللہ اللہ سجدہ عالی کا یہ حسن نیاز

ہو کے میدان کو بنایا کعبہ ثانی حسین۔ (صفحہ ۴۳)

عالی بالکل زائد لفظ ہے "سجدہ" کی کوئی صفت "عالی" اور اسفل "نہیں ہے۔

آئینہ جہاں پردہ ہولناک منظر

تھا شہر سے بھی بڑھ کر تپتی زمیں پر سرور (صفحہ ۴۴)

"آئینہ جہاں" یہاں بالکل بھرتی کی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔ مصرع ثانی کس قدر بچکانہ ہے۔

سے حضرت عثمان کا دل، فاروق اعظم کا خیال (صفحہ ۶۸)

تانیہ کے لئے ایک لفظ کی ضرورت تھی "خیال" ذہن میں آیا اور منظوم کر دیا!
جمال قریشی بہت نو عمر ہیں۔ اس نو مشقی و ناپختگی کے دور میں انھیں اپنی نظمیں کتابی شکل میں پیش کرنے کی جرأت نہیں کرنی چاہیے تھی
ان کا کلام اس کی پیش گوئی کرتا ہے کہ اگر انہوں نے مشق سخن جاری رکھی تو وہ مستقبل میں ایک خوش گوشاعر ہو کر رہیں گے۔ کاش! وہ
منظر عام پر آنے کی عجلت نہ کریں!

علامہ اقبال کی کتابوں پر جس طرح لکھا ہوتا ہے۔ ————— "جملہ حقوق اخذ و نقل و ترجمہ اور طباعت محفوظ"

اسی طرح جمال قریشی نے اپنی کتاب پر بھی یہ عبارت درج کرائی ہے۔ اس "خوش فہمی" کا کوئی جواب ہے!

از۔ درد سعیدی، ضخامت ۳۲ صفحات، قیمت ایک روپیہ۔ ملنے کا پتہ: مصنف سے، انجمن ترقی اردو

اردو کی فریاد (شاخ، منڈو آدم (مغربی پاکستان)

جناب درد سعیدی ایک خوش گو تعمیر لپند انسان ہیں۔ جو اپنے دل میں اسلام اور ملت کا درد رکھتے ہیں۔ درد سعیدی کی
زندگی عشرت اور پریشانیوں میں گزاری ہے اور قدرنا شناس ماحول نے اس جو ہر قابل کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔
درد سعیدی نے اپنی ٹھوس نظم "اردو کی فریاد" کتابی صورت میں چھپوا کر شائع کی ہے۔ اور سندھ کے کسی صاحب —
نواب جام کا مبوخاں مرحوم — سے اس کا انتساب کیا ہے۔ اس پر تقریظ بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب نے لکھی ہے۔
یہ نظم رواں اور شگفتہ ہے۔ جس میں اردو کی مختصر تاریخ ہی منظوم ہو گئی ہے۔ چند اشعار:-

سیاست نے کھولی زباں میرے دم سے و میشت ہوتی نغمہ خواں میرے دم سے
میں ہر علم و فن کے خزانے لے لے ہوں و نئے اور پرانے زمانے لے لے ہوں
یہ پنجاب و گجرات میرے نشیمن و یہ سندھ اور بنگال میرے گھر آنگن
سخن پرورد پاک دہندوستان ہوں و میں اس براعظم کی واحد زباں ہوں
غرض جانتا ہے مجھے اک زمانہ! و میں صدیوں کی تہذیب کا ہوں نشانہ

دوسرا رخ:-

نظیر اکبر آباد کا رہنے والا و وہ باتوں میں کچھ چٹکے کہنے والا

"کچھ" حشو و زاید ہے

نسیم حسن کی وہ زہرہ گدازی و وہ حسن و محبت کی افسانہ سازی

"زہرہ گدازی" کتنا اکھڑا اکھڑا لگتا ہے۔ "شاید" افسانہ سازی "کیلے" تانیہ کی ضرورت تھی

دھلی ہوں میں اکبر کی طرز بیاں میں چلے طرز کے تیر میری کہاں میں

تیر "کہاں سے" چلتے ہیں "کہاں میں" نہیں چلتے۔

مجموعی طور پر یہ نظم اثر انگیز ہے۔ اور ایک ایک شعر سے شاعر کا خلوص جھلکتا ہے۔ نا اطلاق لکھنوی مرحوم اور واقف مراد آبادی

کی نظموں کے بعد اس انداز کی یہ تیسری نظم نظر سے گزری اور جی خوش ہو گیا۔

کاش! اس "فریاد" کو سمجھ قبول میسر ہو اور پاکستان دہندوستان میں "اردو" کے ساتھ انصاف کیا جائے۔

درد سجدی نے بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب کی خدمات کو سب سے زیادہ سراہا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ مولوی صاحب نے نصف صدی سے اردو کی خدمت کر رہے ہیں۔ اور ان کی پوری زندگی "اردو" کے لئے وقف رہی ہے۔ مگر انیسویں سے لے کر کچھ دنوں سے انجمن ترقی اردو کے حالات میں شدید اضطرابات رونما ہو گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے انجمن کے مخلص ارکان پریشانی میں کہ کیا کریں کیا نہ کریں ۹۹

مولوی صاحب عبدالحق قبلہ کا احترام اپنی جگہ مستم۔ مگر کسی قومی انجمن کو شخصی احترام پر ہرگز قربان نہیں کیا جاسکتا۔

از۔ ظہیر احمد صدیقی (ایم۔ اے) ضخامت ۱۰۶ صفحات۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

انیس کا تحقیقی مطالعہ

ملنے کا پتہ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، سول لائن، حاد بلڈنگ (یونیورسٹی ایریا) علی گڑھ (انڈیا)

"موازنہ انیس و دبیر" کو انیس پر "حرف آخر" سمجھا جاتا ہے۔ اور واقعی یہ کتاب ہے بھی بڑی معرکہ آرا! مگر جناب ظہیر احمد صدیقی کی اس تصنیف نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ نبوت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا کوئی اور فیضان بند نہیں ہوا۔

انیس کی زندگی اور شاعری پر فاضل درجواں نجات مصنف نے سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ انداز بیان میں دلکشی اور تنقیدی

دلائل میں خاصہ دزن ہے۔ ان کی تحریر کا ایک اقتباس۔

ہمارے ادیبوں کی ایک بہت بڑی خامی یہ ہے کہ وہ جب کسی کی برائی کریں گے۔ تو اس کی شکل کو گرد و خرابی میں چھپا دیں گے۔ اور جب تعریفوں پر آئیں گے تو اس کے چہرے کو پھولوں سے ڈھانپ دینگے۔ نتیجہ یہ کہ چہرے کے نقوش عوام کی نظروں سے مخفی رہیں گے۔ ایک شاعر کی عظمت صرف اس کی تعریف ہی میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کی خامیوں کو ظاہر کرنے کے بعد بھی اس کی عظمت برقرار رہتی ہے۔ اردو شاعری میں اچھے شاعر بہت گزرے ہیں۔ مگر عظیم شاعر صرف انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ مگر انیس ہمارے ادب کا عظیم شاعر ہے جس نے اردو ادب کو ایک نیا مزاج بخشا۔ انیس میں خوبیاں بھی تھیں اور خامیاں بھی لیکن خوبیاں خامیوں کے مقابلہ میں زیادہ تھیں۔ ان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے یہ عام کلیہ غلط کر دیا کہ "بگڑا شاعر مرثیہ گو" ہوا کرتا ہے مرثیہ گو اس نقطہ خروج تک پہنچا دیا۔ جہاں ہر کسی کی شاعری کا گزر نہیں۔

سے یوں غیظ تھا عمر کی طلب سے دیر کو

اس میں "عمر" کو "عمر" لکھ لے۔ یہ کتابت کی غلطی ہے۔ یقین ہے کہ یہ کتاب عوام و خواص میں قبول حاصل کرے گی۔

مرتبہ: مولوی احترام الین احمد شاغل عثمانی، ضخامت ۱۰۰ صفحات (بڑا سا سز) کتابت

طباعت اور کاغذ دیدہ زیب، سرورق حسین و دلکش۔۔۔۔۔ قیمت چار روپے

ملنے کا پتہ۔ سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان جے پور

اردو ادب کا راجستھان اردو کنونشن جے پور

گزشتہ سال مارچ ۱۹۵۵ء میں جے پور میں بڑی دھوم دھام کے ساتھ "کل راجستھان اردو کنونشن" منعقد ہوا تھا۔ جس کی روداد بڑے سلیقہ کے ساتھ کتابی صورت میں مرتب ہو کر ہمارے سامنے آئی ہے۔

اردو کی ہمہ گیری، قبولیت اور مدد عزیزی کی یہ دلیل ہے کہ اس کنونشن کا افتتاح ہر لائی سن ہمارا جے پور نے فرمایا۔ بیڈت رام کتہ وردیاں نے خطبہ استقبالیہ پڑھا۔ ہمارا جے پور نے تقریر کی۔ اور راجہ امر ناتھ اٹل نے صدارت کے فرائض انجام دیے۔

اس عظیم اجتماع میں شرکے مضامین بھی پڑھے گئے۔ اور بہت بڑے پیمانہ پر مشاعرہ بھی ہوا۔ اس کتاب میں یہ تمام مضامین اور
 مشاعرہ کرم کی غزلیں اور نظمیں شامل ہیں۔ بعض مضامین بہت بلند پایہ اور معلومات آفریں ہیں۔ شاعرانہ ادیبوں اور کنونشن کے مہمانین
 اور سرپرستوں کے درجنوں نوٹوں بھی اس "روداد" کی زینت ہیں۔ علمی و ادبی نمائش میں جو گرانقدر ملفوظات پیش کئے گئے تھے۔ ان کی
 تفصیل بھی اس کتاب میں درج ہے۔ یہاں تک کہ میر عماد اور میر نیچے کش کی فلمی و صدیوں کا بھی ذکر ہے۔

اس کنونشن کے لئے جو چندہ ہوا تھا اس کی فہرست بھی نام بہ نام درج کر دی گئی ہے۔ چندہ کی مجموعی رقم نو ہزار چھ سو اٹھادس روپے
 آٹھ آنے ہے۔ جس میں سب سے بڑا عطیہ نواب ممتاز الدولہ، کرم علی خاں صاحب بہادر، والی پھلا سو کا ہے۔ آخر میں اخراجات کا
 گوشوارہ درج ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کنونشن کے جملہ اخراجات کے بعد آٹھ سو کی رقم باقی رہی۔ چند ہزار روپیہ میں
 اتنے بڑے کنونشن، مشاعرے اور عامی نمائش کا انعقاد، منتظمین کے سلیقہ اور حسن انتظام کی دلیل ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ ہندی کا کس مضمبوط کرنے کی غرض سے راجستھانی اور مغربی ہندی کے اعداد و شمار مدغم کر دینے
 گئے ہیں۔ اور "اردو کا جو مستقلاً ایک زبان سے گلا گھونٹ دیا گیا ہے۔ ورنہ اگر صحیح اور غیر جانبدار ہو کر "اردو"
 ہندی کی جانچ کی جائے تو یقیناً "ہندی" کا تناسب ۲۲ فیصدی سے بہت گھٹ جائے گا۔ اور "اردو"
 کا تناسب کہیں زیادہ بڑھ جائے گا۔ (صفحہ ۴)

یہ ہیں وہ سیاسی تھکنڈے جو اردو کو مٹانے کے لئے بھارت کے سیکورٹی راج میں استعمال کئے جا رہے ہیں۔

صفحہ ۶۶ پر ایک مضمون نگار صاحب کا نام "نوح الاظم" نظر آیا اور بڑی حیرت ہوئی۔ کیا عجیب ہے کہ کوئی صاحب اپنا نام
 "رسول اللہ" بھی رکھ لیں! لوگوں کی مت ماری جاتی ہے۔ تو ایسے ہی "یٹھے" ظہور میں آتے ہیں۔
 بعض شاعروں کے تخلص:-

آرزو (لکھنوی نہیں ہے پوری) ————— اشرف (ٹونگی) ————— امجد (جو دھپوری) ————— برقی (جے پوری)
 تابش (مکن پوری) ————— گلبر (اجمیری) ————— دل راناوی) ————— ساغر (اجمیری) ————— سائل (جے پوری)
 شاد (جے پوری) ————— صاحب ————— ظفر ————— نظر ————— ماہر
 یہ بھول جاتیے کہ شاد، عظیم آباد کے۔ آرزو لکھنؤ کے، اور سائل دہلی کے تھے۔ اور گلبر مراد آبادی اور امجد
 حیدرآبادی بھی اللہ کے فضل سے بقید حیات ہیں! اردو میں تخلص کی تنگ دامانی کا یہ عالم ہے۔

از۔ مولانا احتشام الحق تھانوی۔ فخلت ۴۲ صفحات (بڑا سا نرا) قیمت نو آنے
 لینے کا پتہ:- کتب خانہ رینٹیہ، بیرون بوئبرگٹ۔ ملتان شہر۔

عورتوں کی مشکلات
 کا صحیح حل

حکومت پاکستان نے شادی بیاہ، طلاق و خلع اور مہر وغیرہ مسائل پر غور و خوض کے لئے ایک "عائلی کمیشن"
 مقرر کیا تھا جس کے ایک رکن مولانا احتشام الحق کیرانوی جو اپنے کو "تھانوی" لکھتے ہیں ابھی تھے۔ اس کمیشن نے جو سووائے عالم پر رپورٹ پیش
 کی ہے وہ عوام و خواص کے سامنے آچکی ہے۔ یہ رپورٹ "انشاء اللہ دفن ہو کر رہے گی کہ امت مسلمہ دینی مسائل میں "تجدد پسندوں"
 کی ذلیل و محقولات کو قیمت تک قبول نہیں کر سکتی۔

یہ رپورٹ پر بہترین تبصرہ "ولانا ابن حسن اصلاحی نے کیا تھا۔ اور ان "مغرب زدہ مفقیدیوں" اور "مصطفیٰ کمالی نقما" کے
 دلائل کی دھجیاں بکھر کر رکھ دی گئیں۔ مولانا احتشام الحق صاحب نے اپنا اختلافی نوٹ کمیشن کو بھیجا تھا جو متعدد اخبارات میں شائع ہو چکا ہے

ادرا بکت خان صدیقی نے لے۔ کتابی شکل میں پیش کیا ہے۔
 یہ تبصرہ خاصہ وزنی اور مدلل ہے۔ منکرین حدیث کے ادلم و شبہات کی حقیقت کو لائق مقبرہ نگار نے سمجھے ہوئے انداز میں واضح بلکہ
 بے نقاب کیا ہے۔ دین کی حمایت اور باطل کی تردید میں جہاں سے جو بھی "آواز" بلند ہوتی ہے ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔
 مولانا احتشام الحق صاحب کو یہ نوٹ بردقت مرتب کر کے کمیشن کو دیدینا چاہیے تھا۔ تاکہ کمیشن کی اصل رپورٹ کے ساتھ شائع ہو سکا۔
 مگر انہوں نے یہ "نوٹ" تاخیر سے بھیجا۔ جب کہ دوسرے علماء کے تبصرے پریس میں آچکے تھے۔ اسی کو بت ہے۔
 "مشنت از بعد جنگ"

مؤلف: مولانا محمد ابراہیم دہلوی، ضخامت ۱۲۸ صفحات، قیمت دو روپیہ چار آنے

طب روحانی کامل

مطبع: رحمن برادر سن تاجران کتب فریر روڈ کراچی۔

- عملیات کی یہ ایک مقبول کتاب ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی اور قرآن پاک کی مقدس سورتوں سے دافع
 امراض و بلیات اور حصوں نفعیہ و مراد کے لئے کس عمل سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ مثلاً
 (۱) اگر کسی شخص کے بھوڑا یا بھنی یا ناسور ہو گیا ہو، اور وہ کسی طرح اچھا نہ ہوتا ہو۔ تو سات دن تک تین سو دفعہ یا اس قبیل
 پڑھ کر اس زخم پر دم کیا جائے۔ بفضلہ تعالیٰ اس عرصہ میں زخم بالکل اچھا ہو جائے گا۔
 (۲) اگر کسی جانور یا آدمی کو نظر ہو جائے، اس پر سات مرتبہ "سورہ العادیات" کا پڑھ کر دم کرتا بہ قطر کے اثر کو زائل کرتا ہے۔
 مولف نے ان "عملیات" میں کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔ کہ کس قول رسول (حدیث) یا قول صحابی (اثر) کی بنیاد پر انہوں نے
 فلاں عمل لکھا ہے۔

ازہر منشی عبدالرحمن خان ضخامت ۳۶۰ صفحات، مجلد، خوبصورت گرد پوش کے ساتھ

انسانیت حیوانیت کی راہ پر

قیمت: چار روپیہ۔ طبع کا پتہ: ادارہ نشر المعارف چلیک، ملتان شہر۔

جناب منشی عبدالرحمن خان صاحب نے دین و اخلاق کی فکمی خدمت کو اپنی زندگی نبھایا ہے۔ ان کی کوئی نہ کوئی تصنیف یا تالیف چند
 بیسے یا سالوں سے وقفہ کے بعد پھرتی ہی رہتی ہے۔

اس کتاب میں فاضل مصنف نے تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ نفس پرستی، فحش نگاری، مجرم سازی، ہندب، بیوانی،
 جنسی عیاشی، شہوانی املاک کی بے راہروی، شائستہ زندگی، اقتدار کو شہی، اور فرض شناسی سے جو دنیا دوچار ہے۔ یہ سب
 عصر حاضر کے خطا شناس تمدن اور آخرت فراموش تہذیب کی شیشہ گری ہے۔ آج کی انسانی سوسائٹی انسانیت کی صراط مستقیم
 سے پیٹ کر "حیوانیت" کی راہ پر جا رہی ہے انسان رفتہ رفتہ درندہ بننا جا رہا ہے۔

مصنف نے یورپ کی کتابوں اور اخباروں کے مستند اقتباسات دے کر اپنے اقوال پر دلپس فراہم کی ہیں۔ یورپ کی خانہ ساز
 "جسوریت" کے، سیدو کی لہر زہ براندہم مثالیں پیش کرنے کے بعد "اشتراکیت" کی سنگدلی اور بے رحمی کو بھی کتاب میں ظاہر

کیا گیا ہے۔ ایک اقتباس

۔ روس کا، غنیم باب، تاریخ کا سب سے بڑا قاتل، اسٹالین، انسانوں کے قتل عام کا بہت شائق تھا
 اس کا عقیدہ تھا کہ جتنے زیادہ سر کردہ اشخاص قتل کئے جائیں، اقتدار کی جڑیں زیادہ مضبوط ہوتی
 ہیں۔ یہی دہر ہے کہ کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سکریٹری شروشیہف کے بیان کے مطابق اسٹالین نے جسے

بھی اپنا مخالف سمجھا اس کے خلاف جھوٹی شہادت تیار کر کے اور خفیہ پولیس کی امداد سے اس کا اقبالی بیان حاصل کر کے اسے موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ اس طرح اس نے سیکڑوں رفیق، معتمد دوست افسر ملاک کر ڈالے۔

خروشیہ کہتا ہے۔۔۔۔۔

جب ہم استمالین کے سامنے جاتے تھے۔ تو ہمیں یہ پتہ نہیں ہوتا تھا کہ زندہ واپس آئیں گے یا نہیں۔ صفحہ (۳۳) پر لیو پولڈ اسد کو "نو مسلم انگریز" لکھا ہے، حالانکہ سٹر اسد انگلستان کے نہیں آسٹریا کے رہنے والے ہیں۔۔۔۔۔ "چوہدری صاحب کچی گولیاں کھیلنے والے نہیں تھے"۔ محاورہ یوں ہے "کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں تھے" اس لئے کہ بڑی عمر کے آدمی "گولیاں" نہیں کھیلتے۔ "گولیاں" تو بچپن یا آغاز شباب میں کھیلی جاتی ہیں۔

لائق مصنف نے بڑی دیانت کے ساتھ ان کتابوں اور اخباروں کی فہرست درج کر دی ہے جن سے اس کتاب کی تدوین میں مدد لی گئی ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی کے "مجلہ" صدق جدید" سے سب سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے: (کتابوں اور جرائد کے عنوان "ماخذات" صفحہ ۳۵۹) کو دیکھ کر حیرت ہوئی "ماخذ" کی جمع ہے "ماخذ" (ماخذات) کیا چیز ہے) کتاب اپنے موضوع پر خوب ہے۔ مسلم نوجوانوں کو اس کے مطالعہ سے یقیناً فائدہ ہوگا۔

تالیف: ملا واحدی، ضخامت تین سو پچاس (۳۵۰) صفحات (مجلد) قیمت: ساڑھے تین روپیہ
 ملنے کا پتہ: دفتر نظام المشائخ، جیکب لائنز، کراچی۔
 حیات سرور کائنات کی پہلی جلد پر "ناران" میں تبصرہ ہو چکا ہے۔ اب اس کی دوسری جلد منظر عام پر آئی ہے۔۔۔۔۔ مضامین کی فہرست

حیات سرور کائنات
 (حصہ دوم)

سرور کائنات کی معاشرت — سرور کائنات کی گھر میں زندگی — نبی اور نبی کے قول و عمل کا مقام — رسول اور اولوالامر — غزوات اور سربراہی نظر — غلامی کا انبساط — اسلامی نظام معیشت — سرور کائنات کی جہان بینی — سرور کائنات کے معجزات — اسلام اور عورت — اسلام اور فرقہ بندی — اسلامی صورت بائیس — امر بالمعروف و نہی عن المنکر — ختم نبوت — رحمة اللعالمین !

جناب ملا واحدی صاحب سلجھی ہوئی نگر، متوازن دماغ، پاک صاف زندگی اور دردمند دل رکھتے ہیں۔ ان کی تحریر میں بھی ان اوصاف کی بہت کچھ جھلک پائی جاتی ہے۔ سلجھی ہوئی ٹکسانی زبان، اسلوب نگارش سادہ اور رواں۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ محبت رسول کی خوشبو سے ایک ایک لفظ مہکا ہوا۔ واقعات زیادہ تر وہی ہیں جو قاضی سیدمان منصور پوری کی تالیف "رحمة اللعالمین" اور شبلی نعمانی کی "سیرت النبی" میں پائے جاتے ہیں۔ مگر لائق مولف کے طرز بیان اور حسن ترتیب نے انھیں نیا پیر میں عطا کر دیا ہے۔

ملا واحدی صاحب "ختم نبوت" پر بھی دلیل لائے ہیں اور انھوں نے "حدیث رسول" کی بھی حمایت کی ہے۔ مگر ان کا انداز تقریباً برابر ہے۔ بلکہ انتہائی صلح صفائی کا اسلوب ہے، مسٹر پرویز کے خود ساختہ نظریوں کی انہوں نے تردید کی ہے۔ لیکن کہیں ان کا نام نہیں لیا۔ اور نہ تحریر میں طنز کا رنگ پیدا ہوا ہے۔ سب کچھ کہہ دیا۔ مگر اظہار و بیان میں درشتی نہیں آنے پائی۔

اسلام محض نظریاتی دین نہیں۔ اسلام عمل اور مصلحت کا دین ہے۔ اسلام اپنی تناقضات و صفات بیان کرنے والوں درمیان راستہ راہ راست لال سے اپنی صداقت ثابت کرنے والوں سے اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا

آن سے خوش ہوتا ہے جو اسلام کا مکمل نمونہ بن جائیں۔
ملا واحدی صاحب نے کتنی سچی بات کہی ہے۔ آج اسلام کے ثنا خوانوں کی کمی نہیں ہے۔ مگر ان میں کتنے ہیں جن کی زندگیاں
اسلام کا نمونہ ہیں۔ قول و عمل کے اسی نفاق نے امت مسلمہ کو متفرق اور کمزور کر دیا ہے۔

” جس اللہ نے بیوی کو دو بول پڑھکر حلال کیا ہے۔ اسی اللہ نے علی الاعلان تعلق کے ذریعہ،
لوٹھی کو بغیر بول پڑھوائے حلال کر دیا ہے۔ علی الاعلان تعلق لوٹھی کے ساتھ گویا نکاح ہے۔
یہ جملے فاضل مولف کی قوت ایمانی اور فراست دینی کی شہادت دیتے ہیں۔ جزا اللہ خیر الجزاء
” اشتراکی نظام میں کام کی قیمت ہے، انسان کی قیمت اشتراکی نظام میں نہیں ہے۔۔۔۔۔ اشتراکی نظام
میں فرد کچھ نہیں۔ سرمایہ دار نظام میں فرد سب کچھ ہے۔ لیکن اسلامی نظام میں انسان بحیثیت انسان
معزز و مکرم ہے۔ دُلُفد کر مٹنا بنی آدم، ہم نے انسان کو واجب النکرم بنایا ہے۔ اور جو اللہ کے اوامر
و نواہی یعنی قوانین کا جتنا پابند ہے۔ اتنا ہی زیادہ معزز و مکرم ہے۔“
ایک اور اقتباس، جو کیا عجب ہے کہ ”ضرب المثل“ بن جائے۔

” اسلام ماضی ہی کا مذہب نہیں ہے مستقبل کا بھی مذہب ہے۔“
صفحہ (۳) پر مولانا بدر عالم میرٹھی کو ”ہاجر کی“ لکھا ہے۔ حالانکہ مولانا موصوف کئی برس سے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔ اور غالباً
حکومت سعودیہ کی طرف سے ”اقامہ“ بھی مل گیا ہے۔

حضور اور ازواج مطہرات کے درمیان اللہ ایسا نظر آتا ہے۔ جیسے بزرگ خاندان اپنے خردوں کے
درمیان بیٹھا نصیحت کر رہا ہو۔ (صفحہ ۶۸)

اللہ تعالیٰ سے اس تشبیہ و استعارہ (بزرگ خاندان) کی نسبت بہت کچھ کھٹکتی ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں اس جملہ کو
بدل دینا چاہیے۔

یہ جو آپ دیکھتے ہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان سے ڈرا ڈرا اور دوسرے انسان کا دشمن ہے۔ (صفحہ ۱۸۹) اس جملہ کا
Construction چست نہیں ہے۔ کچھ اس طرح ہونا چاہیے تھا۔۔۔۔۔
” یہ جو آپ دیکھتے ہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان کا دشمن بنا ہوا ہے۔ اور ایک دوسرے سے ڈرا ڈرا رہتا ہے۔“
معجزات کے سلسلہ میں صفحہ ۶۴ پر جو معراج کا بیان ہے۔ ٹونٹ ٹونٹ میں حضور کے آسمانوں کی سیہ کرنے کا ذکر بھی اگر
دینا چاہیے تھا۔ جو مستند احادیث سے ثابت ہے۔

” اشرف المخلوقات کے شایان شان نہیں ہے کہ ڈھور ڈنگر کی طرح جہاں چاہے منہ مارتا پھرے (صفحہ ۲۴۳)“
جنسی بے راہ روی کے سلسلہ میں یہ عبارت آئی ہے۔ اس لئے اگر جملہ یوں ہوتا۔

..... کہ ڈھور ڈنگر کی طرح جہاں چاہے منہ مارتا اور کودتا پھاندتا پھرے ” تو مفہوم کی ترجمانی بہتر انداز میں ہو جاتی۔
کتاب میں دو تین جگہ ایک لفظ ”بڑا“ نظر آیا۔ جو دلی کے قدیم لوگ ضرور بولتے ہوں گے۔ اس لئے یہ لفظ غلط نہیں ہے۔
خود بڑی دلے اس لفظ سے نا آشنا ہیں۔ لہذا کسی زیادہ مانوس اور مشہور لفظ سے اس کو بدل دیا جائے۔ تو مناسب ہے۔

قرآنی آیات میں کتابت کی بعض غلطیاں کہیں ہیں

صفحہ ۱۵۸	ظَهَرَ لَفْظًا ذِي الْبُرْجَانِ	صحیح	ظہار لفظاً ذی البرجان لیسے
۲۳۰	يَا لَيْسَ	"	یا لیسے
۳۳۱	يَطْبَعُ	"	یطبیع
۲۳۱	يَعْمَهُونَ	"	یعمھون
۳۰۸	اِنَّ نَكْنَ	"	ان نکن
۳۲	الْفَى	"	الفی
۲۳۶	لَفْسَتُمْ	"	لفستم

جلد بندی میں بعض اوراق کی ترتیب آگے پیچھے ہو گئی ہے۔

کتاب اپنے موضوع پر ہر اعتبار سے کامیاب مگر انقدر ہے اور اردو داں طبقہ میں زیادہ سے زیادہ اشاعت کی مستحق ہے۔

از: مولانا محمد عزیز اللہ بیگ ہرننگ اورنگ آبادی (بہ نظر ثانی حکیم محمد ایامی بنگلوری) صحافت ۳۸۴ (مجلد گرد پوش کے ساتھ) (نہرست درج نہیں) منے کا پتہ: انجمن ترقی اردو، میسور، بنگلور

چراغ ابدی

قرآن پاک کے آخری پارہ کی یہ تفسیر اب سے تقریباً ۱۵۵ برس پہلے مولانا عزیز اللہ ہرننگ اورنگ آبادی نے لکھی تھی۔ جناب حکیم امامی بنگلوری نے اس تفسیر (چراغ ابدی) کو اپنے اہتمام سے نظر ثانی کے بعد شائع کیا ہے، موصوف نے دیباچہ میں لکھا ہے۔

”میں نے جہاں کہیں زبان کی اصلاح کی ضرورت پیش آئی وہاں اصلاح دیکر نشانات و اشارات اور بعض جگہ اضافات سے بھی کام لیا ہے۔ مطلب وہی ہے میں نے صرف زبان بدلی ہے۔“

کسی کتاب کی ”زبان“ بدل دینا کوئی سہل کام نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ”کارنامہ“ ہے! قرآن پاک کی ہر صورت سے پہلے اس کی تلاوت کے روحانی اور جسمانی فوائد ذکر ہے۔ اور کہیں کہیں تو یہ فوائد طبعی نسخے بن گئے ہیں تفسیر قدیم انداز پر لکھی گئی ہے۔

صفحہ (۶۹) الْبَصَائِرُ هَا خَا شَبَعَتَا (ان کی آنکھیں بند ہو جائیں گی) ”رِخَا شَبَعَتَا“ کا ترجمہ ”بند ہو جائیگی“

محل نظر ہے ”جھکی ہوئی ہوں گی“ ہونا چاہیے تھا۔ صفحہ ۳۰۵ پر ”سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑوں“ کو ان پٹ دوڑنے والے گھوڑے لکھا ہے۔ اس صفحہ ۵ پر غالباً کتابت کی غلطی کے سبب ”چوپاؤں“ کی جگہ ”چار پائیوں“ چھپ گیا ہے۔

”شیخ رکن الدین فرلے ہیں، ایک وقت میں شیخ حسین منصور کے مزار پر حاضر ہوا۔ اور پوچھا کیا ”روح منصور کو عظم مقام میں دیکھا۔ پھر میں نے خدا سے التجا کی یہ کیا مجھ سے ہے؟“ کہ منصور نے بھی ”اَنَا رُبَّمَا اَلَا عُلَى“ کہا۔ دراصل خدا ہونے کا دعویٰ کیا اور فرعون نے بھی۔ تو نذر آتی فرعون کا دعویٰ

خود بینی پر مبنی تھا۔ منصور نے مجھ سے عشق کیا۔ اور اپنے آپ کو گھٹایا۔ (صفحہ ۴)

ان خید جموں نے اس تفسیر کو ”انغ دار بنا دیا ہے۔ منصور کے گستاخانہ نعرہ کی غیرت الہی بول رہے ہیں۔ نہیں کر سکتی!

یہ تفسیر بڑے اہتمام سے چھپی ہے۔ کتابت اور کاغذ ہر چیز دیدہ زیب ہے

نالہ پابند نے نہیں ہے۔ !

قلم کی اس آزاد عنانی کے باوجود مولانا مناظر احسن قدس سرہ کی علمی خدمات کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ ان کی بعض تحریریں تو "نقش دوام" بن کر رہیں گی! ماہنامہ "الفرقان" تیریک و تحمین کا مستحق ہے کہ اس نے مرحوم کے بعض مضامین کے اقتباسات جمع کر کے ایک ضخیم نمبر شائع کر دیا! اس نمبر میں فاضل مرتب کے مضمون کے علاوہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی اور جناب نسیم احمد فریدی کے مقالے بھی خوب ہیں۔ کاش: مولانا گیلانی کی سوانح حیات لکھنے کی کسی کو توفیق نصیب ہو۔

مدیر: مولانا محمد اسحاق، ضخامت ۳۲ صفحات، قیمت: - آٹھ آنہ،

ملنے کا پتہ: - ہفت روزہ "الاعتصام" شیش محل روڈ - لاہور

ہفت روزہ "الاعتصام"
تحریر آزادی نمبر ۱۹۵۶ء

سنہ اٹھارہ سو ستاون کی "تحریر آزادی" جسے "قدر" (Autism) کے

نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ کس طرح وجود میں آئی! کیا محرکات تھے! تحریر آزادی میں مجاہدین کا کیا حصہ تھا۔ علماء اہل حدیث کے شوق جہاد نے کیا کارہائے نمایاں انجام دیتے؟ حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمۃ کا "جہاد" ۱۹۵۶ء کی تحریر آزادی پر کس طرح سے اثر انداز ہوا؟ اس نمبر میں اس کی تفصیل ملے گی۔ بعض مضامین تاریخی حیثیت سے اونچے درجہ کے ہیں۔

لکھنے والوں میں مشاہیر اہل قلم کی خاصی تعداد ہے۔ "الاعتصام" کا یہ "تحریر آزادی نمبر" پڑھنے اور محفوظ رکھنے کی چیز ہے۔

ادارہ تحریر: عبد الوحید خاں، حمیدہ بیگم، رخشندہ کوکب، ضخامت ۲۰ صفحات (سرو ورق دیدہ زین) قیمت: - ایک روپیہ، ملنے کا پتہ: دفتر ماہنامہ "عفت" اچھو - لاہور

سالگرہ نمبر "عفت"

ماہنامہ "عفت" اسلام پسند خواتین کا آرگن ہے جو مسلمان عورتوں میں دین و اخلاق کی تبلیغ کر رہا ہے۔ اس کا سالگرہ نمبر بڑے اہتمام سے شائع ہوا۔ جس کے مضامین ہلکے پھلکے دلچسپ اور صنف نازک کی نفسیات کے مطابق ہیں۔

بعض افسانے اس قدر بلند ہیں کہ ترقی پسند افسانہ نگار جن کے فن کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ ان کے شاہکار افسانوں سے کم نہیں بلکہ بڑھ کر رہی ہیں۔ ماہنامہ "عفت" کا سالگرہ نمبر اعتبار سے کامیاب ہے۔ توقع ہے کہ اسے قبول عام حاصل ہوا ہوگا۔

مدیر: مولانا حکیم محمد اشرف، ضخامت ۵۵ صفحات، ملنے کا پتہ: "المیتر" ماڈل ٹاؤن - لاہور۔

"اخوان المسلمون نمبر
۱ المیتر"

ہفت روزہ "الاعتصام" کا مقصد اشاعت ہی اعلیٰ کلمتہ الحق اور اقامت دین ہے۔ اس جگہ کا

"اخوان المسلمون نمبر خاص" اہتمام کے ساتھ شائع ہوا ہے جس میں جن البنا شہید جن البقینی۔ مولانا امین حسن

اصلاحی اور مولانا عبدالغفار حسن جیسی بلند شخصیتوں کے مقالے شامل ہیں۔

اس دور مفاد پرستی اور عبادت میں "اخوان" نے خاص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جو عظیم الشان قربانیاں دی ہیں۔ انہوں نے اسلام پسندوں کے سر اقتدار کو بلند کر دیا ہے! "اخوان" نہ ہوتے تو ایشیا و قربانی اور جرات و حق گوئی کی تاریخ میں حلا رہ جاتا!

"اخوان" کی جرات و ایشیا کا صیغہ جواب نہیں سی طرح جمال ناصر کی درندگی بہیمیت اور سنگدلی بھی اپنا جواب نہیں رکھتی۔ جلج اور ابن بسیرہ جیسے ظالموں کے کارناموں کو ناصر کے مقام نے گرد کر دیا۔ اسلام کو جتنا نقصان یہ جمال ناصر پہنچا رہا ہے اتنا نقصان اسلام کے دشمنوں نے بھی نہیں پہنچایا۔

"المیتر" جیسے پرچے "اخوان المسلمون" کا ذکر کرتے ہیں۔ تو لوگوں کو کچھ حالات معلوم بھی ہو جاتے ہیں۔ درنہ عام طور پر خاموشی سی چھائی ہوتی ہے۔ اور لوگوں کو محسوس تک نہیں ہوتا کہ "اخوان" کی تباہی نے مشرق وسطیٰ میں اسلام کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ

وہ اپنے فضل و کرم سے اس "تحریر" کو پھر سے کھڑا کر دے۔ اور مصر و شام میں اللہ کے یہ نیک بندے غالب و منصور نظر آئیں۔ (آمین)

جناب مولوی قاری سید عنایت علی صاحب نے اپنی زندگی کو "تجوید القرآن" کی تعلیم کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اسی کام میں وہ برسوں سے لگے ہوئے ہیں۔ ان کی یہ تالیف اپنے "موضوع" پر کامیاب ہے۔ کتاب کے پہلے حصہ میں بیس فصلیں ہیں۔ جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں۔

— فن تجوید کی تفصیلی تشریح — علم تجوید کی مفید معلومات — حروف مدہ اور حرّوف لین کے بیان میں
مد اور قصر — مخارج — صفات حرّوف — اجتماع ساکنین — نون ساکن کی تعریف،
لام جلا اور حرّوف کے پڑھنے کے بیان میں — حرف "ر" کے قاعدے — قواعد نون ساکن دونوں
— نیم ساکن اور میم و نون مشدّد — اے ضمیر — وقف و ابتداء — وقف کے اقسام
د قواعد — سکتہ اور آیات سجدہ — کلمہ پر وقف کرنے کے قواعد — فوائد متفرقہ ضروریہ —
سورہ توبہ کے شروع تعوذ و تسمیہ کے پڑھنے اور نہ پڑھنے کے بیان میں — رسم عثمانی — لہجہ اور لحن !
کتاب کے دوسرے حصہ میں چند قرآنی سورتوں کو عربی متن کے ساتھ لکھ کر حرّوف کی "تجوید" کو واضح کیا گیا ہے
مثلاً "اعوذ" ہے اس کے واؤ پر جزم اور اس سے پہلے "پیش" ہے۔ اس لئے اس کو ایک "الحق" کی برابر
کھینچ کر پڑھا جائے گا۔ (اسی کو "مد اصلی" کہتے ہیں)
لفظ "اعوذ" کی "ذال" کو "نراء" کے مقابلہ میں نرمی اور نہایت لطافت کے ساتھ اس کے صحیح مخرج
ادا کرنا چاہیے تاکہ ان دونوں حرفوں میں تمیز ہو سکے۔

ایک تو وہ مسلمان ہیں جو قرآن سے شغف ہی نہیں رکھتے۔ مگر جو مذہبی لوگ کہلاتے ہیں۔ ان میں سے کتنے ایسے ہیں
جو قرآن کو تجوید و ترتیل کے ساتھ پڑھتے ہیں
ہم میں سے گنتوں کو معلوم ہے کہ حرّوف "راء" اور "ل" کہاں "پیر" (مترخم) اور کہاں "باریک"
(مترق) پڑے جاتے ہیں؟ حرّوف کے مخارج کیا ہیں؟ مد کی کیا مقدار ہے؟ "م" اور "ن" غنہ کے ساتھ کہاں پڑھا جاتا ہے
وقف و ابتداء کے کیا قواعد ہیں۔!

"تجوید" کے اصولی اور ابتدائی قواعد کو نہ جانتا بڑی بد توفیقی ہے! "فن تجوید" کی کتابوں کو پڑھ کر اہل قرأت و
تجوید کی اس ہمت اور دینی شغف کی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے کس قدر محنت اور عرق ریزی کے ساتھ اس عظیم
فن کو مدون کیا ہے۔ جس قوم نے اپنے نبیؐ کے لہجہ تک کو محفوظ رکھا ہو۔ کیا وہ حصّوں کے اقوال و اعمال کو بھول سکتی تھی؟
جو نادان اور گمراہ لوگ احادیث رسولؐ کو "تاریخ" سے زیادہ وقعت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وہ کس قدر ضلالت
میں مبتلا ہیں۔!

"اعجاز القرآن" ایک فنی کتاب ہے۔ اس سے خاطر خواہ فائدہ دہی لوگ اٹھا سکتے ہیں۔ جو کسی قاری کے اگے زانوئے
تلمذ ہتھ کریں اور کتاب کے مندرجات کی سمجھ کو مشق کرتے رہیں۔ مگر اس کتاب کا مطالعہ بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔
تجوید کے بعض موٹے موٹے اصول اور قواعد سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ فاضل مرتب کو اللہ تعالیٰ دار میں میں اجر جزیل
عطا فرمائے۔!

درتیم

از: احسان بی۔ اے۔ ضخامت ۵۱۲ صفحات، مجلد گرد پوش کے ساتھ۔ سرورق۔ رنگین

قیمت ————— چھ روپے آٹھ آنہ

ملنے کا پتہ: شوکت پبلیکیشنز ۸۸ - الف ٹیمپل روڈ - لاہور

اس کتاب میں صدق رسالت کے درتیم، ساتی کوثر و تسنیم صاحب فیض عمیم سیدنا محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت سے لے کر حضور کے بچپن تک کے حالات ناول کے انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ جناب احسان بی۔ اے نے بڑے خلوص و عقیدت کے ساتھ اس کتاب کو لکھا ہے۔ اور اپنے انداز بیان سے خاصی دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ اس ناول کا وہ حصہ سب سے زیادہ جاندار اور پرشکوہ ہے۔ جس میں توریت و انجیل کے اقتباسات اور پیش گوئیوں کے "سینئر" سے قصہ میں تاریخی عظمت پیدا کی گئی ہے۔

یہ سڑک مٹیائے سانپ کی طرح بل کھاتی، ابوتیس کی پسیوں پر لٹی ہوئی" (صفحہ ۱۰۷)۔
 پیار کی "چوٹی" تو ضرور ہوتی ہے۔ اس کی "پسیاں" بھی ہوتی ہیں۔ یہ پہلے بار پڑھنے میں آیا۔ کیا عجیب ہے کہ "پسیوں" کی دیکھا دیکھی کوئی دوسرے صاحب "پیار کی آنتیں" بھی لکھ ماریں۔
 "تین عباتیں اور پھڑ پھڑائیں" (صفحہ ۱۰۲) "پھڑ پھڑانا جاندار کی صفت ہے۔ غیر ذی روح کے لئے اس صفت کا نا وجود ان پر گراں گزرتا ہے۔

"سورج کی نرم سنہری شعاعیں مقدس کعبہ کے عذاب پر اپنے کنوارے بوسے بچھا کر رہی تھیں (صفحہ ۳۵) "کنوارے بوسے" جدت ہے مگر نامانوس۔ رات بھر لڑھائی ہوئی شراب کے کسل پر کر دٹیں لے رہے تھے" (صفحہ ۳۵) یہ "کسل پر کر دٹیں لینا آخر کیا بات ہوتی۔ یہ کیا انداز بیان ہے۔ "جسم کے رونگٹے" صبح کی غیر مانوس سردی کی وجہ سے کھڑے ہو گئے تھے (صفحہ ۳۷) سرداران قریش کی تو ساری زندگیاں مکہ میں گزری تھیں تو پھر وہاں کی سردی ان کے جسموں کے لئے "غیر مانوس" کیوں ہونے لگی۔ میں تو ان پتھروں کو "چھوڑ دینا چاہتا ہوں" (صفحہ ۳۸) "چھوڑنا" کا اس طرح استعمال ذوق سلیم کو پسند نہیں آ سکتا۔ ادنیٰ ادنیٰ فرساز کو ابھرتی ہوئی پتھر ملی سڑک" (صفحہ ۳۹) "فرساز کو ابھرتی ہوئی سڑک" آخر کیا بات ہوتی ہے۔ "ملا رعلے کی میا رنگیں گونجتی" (صفحہ ۴۰) "مبارک بادیں" لکھنا چاہتے تھے۔ "آنکھوں پر کچی ہوتی ناک" (صفحہ ۵۰) غالباً "ستوان اور بلند وبالابینی" کو ان لفظوں میں ادا کیا گیا ہے۔

"جہانوں میں کس سا پیدا کر دیا تھا" (صفحہ ۲۵۴) "حرکت" کی جگہ "تحریک" کتنا نامانوس لگتا ہے۔
 "ابن عبداللہ اس کی طرح برگر کی آغوش میں آہستہ آہستہ آنکھیں جھپکتے رہے" (صفحہ ۷۵) "آنکھیں جھپکتے رہے" لکھنا چاہتے تھے۔
 "سنائی جانی ہے" اس شعور می اجناسا کی دبیر چادروں کی تہ میں گئے شور۔

اب سے تقریباً آٹھ سال قبل ماہر القادری کا ناول اسی موضوع پر اسی نام (درتیم) سے چھپ چکا ہے۔

ہنگامے پوشیدہ تھے۔ (صفحہ ۸۱) یہ انداز بیان سراسر تصنع ہے۔ اور ترجمہ "سا معلوم ہوتا ہے"۔ چہرہ اور سر
ردمال کے سالیوں میں دھندلا سا ہو کر اپنی جزئیات کو بیٹھا" (صفحہ ۹۸) "چہرے کی جزئیات" کیا ہوتی ہیں۔!
یہ کیا فکر اور کیا انداز بیان ہے! "طنابوں پر پھیلانگتا" (صفحہ ۱۰۱) "پر" کی جگہ "کو"
لکھنا تھا۔ اتنا کچھ کہ حلیمہ سعدیہ کی بھوک ٹرپ کر اٹھی اور ٹھننا کر بیدار ہو گئی" (صفحہ ۱۲۲) "بھناتے"
کا یہاں کیا موقع تھا؟ "حلیمہ کو بڑی جلدی لگی ہوئی تھی" (صفحہ ۱۲۶) "جلدی پڑتی تھی" لکھنا تھا۔
"جلدی" "سردی اور بھوک" کی طرح "گنتی" نہیں ہے۔

"موتی سفید سراتی ہوئی جھاگ" (صفحہ ۱۳۰) "جھاگ" بالاتفاق مذکور ہے۔ "دردہ میں جیسے
شہد گھول دی" (صفحہ ۱۳۳) "جھاگ" بھی مونث اور "شہد" بھی مونث! تو یہ "جوان کے
تھنوں میں تعجب انگریز فرادانی کے ساتھ بہہ رہا تھا" (صفحہ ۱۳۴) اول تو اس جملہ میں "تعجب انگریز فرادانی" ترجمہ سا
لگتا ہے، پھر دردہ تھنوں میں نہیں بہتا "تھنوں سے بہتا ہے" یا پھر دردہ تھنوں میں دوڑ رہا تھا "موزوں
انداز بیان تھا۔ "یہ خیال ایک زبان سے دوسری سماعت اور دوسری زبان سے تیسری سماعت میں،
مقتطع ہونے لگا (صفحہ ۱۳۶) نہایت ہی کمزور عبارت "اور مندر سے نکل جانے کے احکام موسلا دھار
برسا دیتے" (صفحہ ۱۵۰) احکام کا برسانا اور پھر موسلا دھار برسانا ایک اعجوبہ سے کم نہیں۔

اس سے بھی کہیں زیادہ کڑے چھوٹے بولتے تھے (صفحہ ۱۹۴) جھوٹ کی صفت کڑے۔ پہلی بار نظر سے گزری
"باریک ہوت اور صراحی کی ایسی گول گاؤ دم گردن۔ ان جزئیات پر چیمے کی چھت پر لگے ہوتے جوڑوں سے
"ناشوں میں کٹ کر بھری ہوئی روشنی (صفحہ ۱۹۴) لفظوں کا بہ نما گور کھودھندا" "کیں ایسی دھیمی دھیمی کاہلی اب بھی
ان کے گدازے ہوئے جسموں میں سراسر رہی تھی" (صفحہ ۲۲۰) کاہلی سراسر آیا کرتی ہے "عجیب انکشاف" پھر کاہلی کا
"دھیما ہونا" اسپرستتروا "اپنے گھوڑے کو بھی ایڑ بتائی (صفحہ ۲۶۴) "ایڑ لگائی جاتی ہے" بتائی نہیں جاتی۔
"قافلہ کا ہر شخص ایک نکتہ پر سمٹ آیا" (صفحہ ۲۸۶) "نقطہ" کا محل تھا "اس کے کلبجے کے ارد گرد سکون اور سردی کے
تنتے تیرنے لگے (صفحہ ۳۹۲) "سکون دوسرے کے" "تنتے بھی ہوتے ہیں! تو بہ! "کتنا سرد تھا ان چھوٹے ہاتھوں کے
ہلکے میٹھے دباؤ میں" (صفحہ ۴۰۵) "دباؤ" کا "میٹھا" ہونا۔ چہ خوب!!

"آمنہ اپنے خاندان کی قبر پر جا کر ایک آنسو نہیں روئیں" (صفحہ ۴۱۲) "ایک آنسو نہیں روئیں" اس خیال کو دوسرے
لفظوں میں ظاہر کرنا چاہیے تھا۔ "ہلکی ہلکی تاریکیوں میں ارد گرد سونے والوں کے خراٹے تیر رہے تھے"
(صفحہ ۴۱۸) آجکل ترقی پسند ادیب "تیرنا" جادو بجا کثرت کے ساتھ استعمال کرتے رہتے ہیں۔ احسان صاحب نے
بھی ان کی اس لفظ کے استعمال میں پیروی کی ہے۔ "ایک مری جبر جھری نے کر پھر ساکن ہو گئی"
(صفحہ ۴۱۸) جبر جھری کو "مری" یا "غیر مری" کہنا ایک عجیب سی بات ہے۔ "رات محمد کا بازو آمنہ لگی
گردن پر پڑا تھا" (صفحہ ۴۲۸) آخر یہ کیا انداز نگارش ہے!

"انہوں نے اپنے نھے سے دل کے ارد گرد کہیں کسی نامعلوم جگہ پر تکلیف کا احساس کیا" (صفحہ ۴۸۹) "معلوم"
یہاں بالکل نشوونما اور سب سے دل میں تکلیف کا کسی جگہ محسوس ہونا اس "دردہ جگہ کو" نامعلوم "کہاں رہنے والے جگہ

”دی المیہ قسم کی مسرت ان کی رگ رگ پر چھا گئی (صفحہ ۴۹۱) ”المیہ قسم“ کیا بات ہوئی؟ کہنایوں چاہئے تھا، ”دہ مسرت جس میں غم ملاحظہ تھا“ یا ”الم آشنا مسرت“

”شدت گریاں سے برکہ کی زبان بند ہو گئی (صفحہ ۵۱۱) ”شدت گریہ“ ہوگا۔ کتابت یا سنگسازی میں ”گریہ“ غالباً ”غالباً گریاں“ ہو گیا۔ ”راستہ دور راستہ چھوڑ دو“ سردار عبدالمطلب آرہے ہیں ”کی آدازیں عمومی شہد کی سطح پر دراصل بلبلوں کی طرح ابھرتی اور پھوٹتی رہیں (صفحہ ۴۶۸) یہ کس قدر نونمشقوں کا سا انداز بیان ہے۔ اس قسم کی عبارت کتاب میں جہاں بھی آگئی ہے وہ درجہ ان کو بھی وحشت ہوتی ہے۔ ناول نگار کو یہ خوش فہمی ہوگی کہ انہوں نے اس طرح بڑی ”جدت فکر سے کام لیا ہے۔ حالانکہ اس قسم کی عبارتیں اس ناول کے بدناما داغ ہیں۔ اس جملہ میں پہلے تو ”عمومی شور“ کی ترکیب دیکھئے، پھر ”لکھنا چاہئے تھا، نمایاں“ اور لکھ مارا، واضح“! اس سب پر مستزاد ”بلبلوں کا پھوٹنا“ محاورہ ہے۔ ”بلبلوں“ کا ٹوٹنا! پھر ”آدازوں“ کی تشبیہ ”پانی کے بلبلوں“ سے قیاس مع الفارق کے سوا اور کیا ہے!۔

سب سے بڑی حیرت تو یہ دیکھ کر ہوئی کہ۔

بلغ العلیٰ بکمالہ

جیسا مشہور اور زبان زد خاص و عام قطعہ جسے معمولی حرف شناس بھی جانتے ہیں کہ یہ سعدی شیرازی کا قطعہ ہے۔ اس کے نیچے خواجہ اجیر لکھا ہوا ہے۔!

”حدی خواں“ — ”ہدی خواں“ (چھوٹی ”ہ“ کے ساتھ) اور ”مختر قریش“ — ”مختر قریش“ ”ح“ کے ساتھ) جگہ جگہ لکھا ہوا نظر آیا، جن کو کتابت کی غلطی نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح صفحہ ۳۸۵ پر ”سحیر“ کو ”شعیر“ ”شس“ کے ساتھ ”شیمان“ کو ”شمیمہ“ — ”بنو نصیر“ (۴۵۲) کو ”بنو نصیرہ“ (”ص“ کے ساتھ) ملا کیا گیا ہے۔ یہ دلیل ہے لکھنے والے کے ”کم سواد“ ہونے کی!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا باب کس قدر پر زور ہونا چاہئے تھا۔ مگر یہ بہت کم زور بلکہ پھیکا ہے، پھر ولادت باسعادت کے بعد ”محمد ابن عبد اللہ“ کو ”گوشت کا نمٹا سا لوتھڑا کہنا“ (صفحہ ۴۴) کس قدر ناپسندیدہ انداز بیان ہے! اسے پڑھ کر بڑی اذیت ہوئی! اسی طرح حیب حضور حلیمہ سعدیہ کے یہاں — جاتے ہیں۔ تو آپ کے حلیمہ مبارک کی تفصیل کا یہ ٹکڑا۔

”پوپا موٹا چہرہ“

بھی بہت کچھ کھٹکا!

محمد سارا دن اپنے نانا کے تالاب پر کبوتروں اور لٹخوں سے کھیلتا ہے (صفحہ ۳۷، ۳۸) اس کا ماخذ آخر کیا ہے؟ اگر یہ ناول نگار کی محض خیال آرائی ہے۔ تو اسے سوچنا چاہئے تھا۔ کہ وہ دنیا کے سب سے زیادہ عظیم المرتبت بچہ آپ پر درود و سلام ہوں گا ذکر کر رہا ہے! احادیث میں تو شرب کے تالاب میں حضور کے تیرنے کا البتہ ذکر ملتا ہے کیونکہ تیروں اور لٹخوں کے ساتھ سارا سارا دن کھیلتے کی روایت ہماری نظر سے نہیں گزری۔

علی ”سعیر“ پھاڑ کا نام ہے۔ اور ”شعیر عربی میں ”جو“ کو کہتے ہیں۔

عبدالطلب کو "اباحضور" اور حضور کو "چھوٹے حضور" جو ناول میں جگہ جگہ کہا گیا ہے۔ اس نے عربی ماحول، عربی معاشرت، عربی زبان و محاورہ کی فضا کو ہی دگرگوں کر دیا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بعض جملے کہلوائے گئے ہیں۔ جو ناول نگار کے بنائے ہوئے ہیں۔ کاش لائق ناول نگاران "موضوعات" (Familiarities) سے دامن بچا جاتے۔!

"اور برکہ شوربے میں توڑی ہوئی کئی کی روٹیوں کا گرم گرم پیالہ لے کر آگئی" (صفحہ ۴۴) کیا قریش مکہ (مکہ) کی روٹیوں کا "شرید" بنایا کرتے تھے۔۔۔ اور انواع و اقسام کی مٹھائیوں کی دکانیں (صفحہ ۹۸)۔ جو وہ سو سال قبل مکہ معظمہ میں "انواع و اقسام کی مٹھائیوں کی دکانیں" ایک حیرت انگیز ریسرچ۔ (صفحہ ۱۲۲) پر پھیلوں میں "آلوچوں" کا بھی ذکر کیا ہے۔ حالانکہ "آلوچوں" کا "رگیتانی زمین میں پیدا ہونا محل نظر ہے۔۔۔ خوشبودار جڑی بوٹیاں، جنھیں بڑی محنت اور عرق ریزی کے بعد شام کی منڈی سے حاصل کیا تھا (صفحہ ۱۶۵) "خوشبودار جڑی بوٹیاں" شام میں نہیں یمن میں پیدا ہوتی تھیں۔ اور وہیں ان کی منڈی تھی۔

"ابھی شریا کا جھومر نصف آسمان تک بھی نہیں پہنچا (صفحہ ۲۹) یہ جملہ خاندان بنو ہاشم کی کنیز برکہ کی زبان سے کہلویا گیا ہے۔ کیا قریش کی عورتیں "جھومر" نام کے زبور سے واقف تھیں؟ "حرب بن امیہ کی بیوی کے بھجنوں کی آواز نہ تھی" قریش کی مستورات اور پھر ان سے زمزمہ نغمہ اور نشید کی جگہ "بھجنوں" کی نسبت! کتنی بے چوڑ بات ہے! ناول نگار کو ناول لکھنے سے پہلے قریش کے تمدن سے کھوڑی بہت واقفیت حاصل کرتی تھی!۔

ایوان کتابت

حسن علی آفریدی روڈ
کراچی ۷

میں رسالوں اور کتابوں کے سرورق کے خوشنما ڈیزائن تیار ہوتے ہیں، اشتہار سہرے، پمفلٹ، سلاٹ، دعوت نامے وغیرہ لکھے جاتے ہیں اور کتابوں اور رسالوں کی کتابت بھی ہوتی ہے۔ اجرت موزوں، پابندی وقت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

ہر قسم کے مسطر کتابت کی سیاہی ہولڈر، چربے کے کاغذ، نب کاغذ کی رنگائی وغیرہ کے لئے ہماری خدمات حاصل کیجئے۔

ایوان کتابت
حسن علی آفریدی روڈ
کراچی

کی ہر قسم کی ضرورتوں اور پورٹا لینڈ سمنٹ

لوہے

کیلئے

مارش اینڈ پینٹ

کارنبریاؤس، پریڈی اسٹریٹ، صدر، کراچی

سے مشورہ کیجئے

اور اس کی خدمات سے فائدہ اٹھائیے

بچوں کی صحت کا ضامن

ایسین گلوکوز واپٹ

تندرستی میں طاقت بخش غذا

بیماری کی صحت بخش دوا

ایک روپے آٹھ آنے میں ہر انگریزی دوا فروش سے خریدیے

رفیقِ صحت

موٹا تازہ قومی بارعب خولہ صورت اور سرخ بنانے والا نایاب مرکب، مردوں اور عورتوں کی پوشیدہ بیماریوں اور بدنی کمزوریوں کو دور کرنے والا اکیسر۔

”رفیقِ صحت“ کی خاصیت یہ ہے کہ سبوں دودھ اور کئی چھانک مکھن روزانہ ہضم کر لیتا ہے۔
لاغز، کمزور اور مردہ صورت اسے کھا کر موٹے تازے اور قومی الجسم بن چکے ہیں۔ مقوی اعضاء ریشہ اور دل و دماغ اور جگر کو بھی قوت دیتا ہے۔ مادہ تولید پر اس کا خاص اثر ہوتا ہے۔
جریانِ احتلام اور عورتوں کی سفید رطوبت کے اخراج کو روکتا ہے۔ بچوں، بوڑھوں، اور عورتوں کے لئے ہر موسم اور ہر عمر میں مفید ہے۔

قیمت چار روپے ————— محصول ڈاک ایک روپیہ

لٹنے کا پتہ:۔۔۔۔۔ ہندی دواخانہ، یونانی۔۔۔۔۔ تصور

غسل کے لئے بہترین صابن

صنعت پاکستان کے بہترین نمونے

پسندیدہ ترین نمونے

صابن خریدتے وقت

ذوالفقار انڈسٹریز کا نام دیکھئے

جو اچھے صابنوں کی ضمانت ہے۔ جدید ترین ولایتی شینری سے تیار کردہ۔

پاکستان میں ہر قسم کے صابن کی ضروریات کیلئے
ذوالفقار انڈسٹریز۔۔۔۔۔ کا نام ہمیشہ یاد رکھئے
ذوالفقار انڈسٹریز، ڈی ۱۹ منگھو پیر روڈ، کراچی

گلفام ٹو اپیلٹ سوپ

یسلی کریم سوپ

یسلی سوپ فلیکس پوڈر

ریشی اور اونی کپڑے دھونے کا خاص اجزاء سے مرکب صابون

آل رائٹ میڈ کیٹیڈ کار باک صابن

کپڑے دھونے کے بہترین صابن

۱۱، ہرن برانڈ (۷) ملٹری (۳) ۵۵۵ بار

چمکدار لیکن

سکون بخش



حئی سنٹر کے لیپس قلیل مدت میں تمام پاکستان میں پھیل گئے
آپ انہیں مکانوں، آفسوں اور فیکٹریوں میں ہر جگہ پائیں گے درحقیقت
ایک اعلیٰ درجہ کی جدید عوام کی خدمت کیلئے پیش کی گئی ہے۔ آپ
حئی سنٹر ہی استعمال کیجئے اس لئے کہ یہ بہترین ہیں

پاکستان میں

پائے ہوئے



حئی سنٹر الیکٹریک کمپنی لمیٹڈ

N.P.4.15

کراچی
فاران

پاکستان

ماہِ القادری

فاران

نومبر ۱۹۵۷ء

ماہر القادری

ایڈیٹر

زیر سالانہ چھ روپے
فی کاپی آٹھ آنے

مقام اشاعت

دفتر فاران، کیمبل اسٹریٹ - کراچی نمبر

نظم و ترتیب

۲	ماہر القادری	نقش اقل
۹	پہنٹ بنواری (علی چتر ویدی)	اسلام
۲۵	ترجمہ: عبد المجید اصلاحی	اسلام کی حقیقت
	منظوم طبعی (ترجمہ)	بے پردہ ہونے کے بعد
۳۲	مختلف شعرائے کرام	غزلیں اور نظمیں
۳۶		روح انتخاب
۳۶		ہماری نظریں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اول

پاکستان نیرنگ زمانہ اور گردش روزگار کا ایک مرتع عبرت بن کر رہ گیا ہے۔ یہاں کی سیاست میں ایسے ایسے عجیب و غریب انقلابات رونما ہوتے رہے ہیں کہ جن کا گذر کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتا۔ ادھر کے لوگوں کے شخصی مفادات کا ایک چکر ہے۔ جو برسوں سے یہاں چل رہا ہے، اور اقتدار کی کرسیاں اسی چکر کے اردگرد پھر کنی کی طرح گھومتی رہتی ہیں! وہ جو کسی فارسی شاعر نے کہا تھا۔

طاس حمام است این دنیاے دد

ہر زمان در دست ناپاکِ دگر

تو پاکستان میں "قلمدان ہائے وزارت" کچھ اسی قسم کے حالات سے دوچار ہیں۔ کس کس کی قسمت کے ستارے چمک چمک کر ڈبے ہیں اور کیسے کیسے "عالی مرتبتوں" کو "نیاز مند" بننا پڑا ہے! کیسے کیسے چاند "گبنائے ہیں اور کس کس "سُج" کو چراغِ سحر کی قیمت ملے ہے

ہمیں اہل سنت و جماعت سے کسے فریب

گئے ہر فرزندِ گئے ہر نشیب

کا بیچ بچھو اور ہو بہو تصویر! شام کو سر پر تاج اور صبح ہوتے ہوتے تاج ہی نہیں اپنی "دستار" بھی غائب۔ ابھی سب کچھ ابھی کچھ بھی نہیں ہم!

یہاں پاکستان میں جس کسی کو بھی اقتدار ملا۔ اس نے اپنی "دنیا" بنانے کی کوشش کی۔ اور اس جوڑ توڑ میں لگا رہا کہ اس کے اقتدار اور عہدے کو "عمر مختصر" نصیب ہو۔ اس مفاد و دوستی اور غرض پرستی نے ملک کو تباہ کر ڈالا۔ تعمیر کا دور دور پتا نہیں، تخریب ہی تخریب! لگا رہی لگا رہی ایسی بہتری اور وہ انتشار کہ پاکستان میں جو اب تک قائم ہے اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک زندہ مجزہ سمجھئے۔ "دو نہ اس کے" خداوندوں "سے تو اس مملکت کا تباہ پانچ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی

پاکستان میں کرسیوں کی ادلابدلی ادھر سے کچھ لوگ اپنی مرضی سے کر لیتے ہیں، عوام کو ان "بڑے آدمیوں نے" اپنا نوکر بنا کر سمجھ رکھا ہے۔ جن کو ان "آقاؤں" اور "خداوندوں" کے معاملات میں بولنے جانے اور دخل دینے کا سرے سے حق ہی حاصل نہیں ہے۔ کیسا ہی ناپسندیدہ اور نامقبول وغیر ہر دل عزیز شخص، عوام پر کیوں تسلط ہو جائے "عوام کو اسے چار دن چار برداشت ہی کرنا پڑتا ہے۔"

شہید بہروردی صاحب کے سیاسی نظریوں سے ہم بنیادی اختلافات رکھتے ہیں۔ اور پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ ہم اس کا اعلان کرتے ہیں کہ ملک کے بگاڑ میں ان "حضرت" نے اپنے ذوق اور مفاد کے بقدر، خاصہ حصہ لیا ہے۔ لیکن ان سے ہمارا یہ اختلاف اظہار حق سے ہمیں باز نہیں رکھ سکتا کہ عین اس موقع پر جب کہ کشمیر کا مسئلہ سبکو ڈیڑھی کونسل میں پیش ہے۔ اور بہروردی صاحب امریکہ جا کر دلوں کے ارباب اقتدار سے اہم مسائل پر گفت و شنید کر کے آئے ہیں۔ ان کا اس طرح ہٹا دیا جانا تشویشناک ہے۔!

سیاسی انقلابات کی یہ شہدہ بازی ہماری "حلیف حکومتوں" کو ہمارے اکابر سے بدظن کر دیگی۔ کہ وہ کس پارٹی پر اعتماد کریں اور کس شخصیت کو اپنا حلیف اور معاہدہ بنائیں؟ سال کے سال اس قسم کے سیاسی بحران اور ردوبدل نے بین الاقوامی دنیا میں ہماری ساکھ کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ دنیا کی نگاہ میں پاکستان انقلابات کی "دھوپ بھیاڑوں" بنا ہوا ہے۔ جس کی کسی پارٹی کا کوئی ٹھیک نہیں ہے۔ اور نہ اس کے کسی مسلک اور پروگرام کا بھروسہ ہے۔ بے یقینی گنہگار۔ تذبذب کا ماحول! خوب ذرا خوب کا کوئی پیمانہ نہیں! یہاں ہر چیز ذاتی اغراض کی ترازو سے تولی جاتی ہے۔ پاکستان میں بعض ایسے ایسے غلط کاروں اور شہدہ بازوں کو اقتدار کی کرسیوں پر آنے کا موقع ملا ہے کہ اگر ان کی ناشائستہ حرکتوں پر احتساب کیا جائے تو ان کے لئے کم سے کم سزا یہ ہو سکتی ہے۔ کہ شہر کے چوراہوں پر ان کے ڈرے لگائے جائیں۔ بین الاقوامی دنیا میں پنڈت نہرو کی بات کا وزن محسوس کیا جائے گا۔ جن کی وزارت اور شخصیت اپنی پشت پر قوم کے اعتماد مستقل کی بے پناہ قوت رکھتی ہے، پاکستان کے "وزیر اعظم" کی بات سنی جائے گی۔ جو

"شعبے ماند، شبے دیگر نہ می ماند"

کا مصداق ہے۔!

چند جھلکیاں | بہروردی صاحب ایک جماعت کے بانی اور قائد ہیں۔ ان کی عمر کا بڑا حصہ قومی کاموں میں گزرا ہے، ان سے توقع تھی کہ وہ اپنے دور حکومت میں ملک و ملت کی خدمت کر کے آنے والوں کے لئے ایک اچھی مثال قائم کر دیں گے۔ مگر ان کے زمانے میں حالات سنبھلے نہیں بلکہ اور بگڑے ہیں۔ مسٹر غلام محمد کے دور میں جب وہ وزیر تھے۔ تو انہوں نے فوجی حکومت اور ڈیکٹیٹر شپ کی عوام کو دھمکیاں دیں۔ اور وزارتِ عظمیٰ کے منصب بلند پر فائز ہونے کے بعد انہوں نے ہما سبھائی مندرجہ ذیل اور کمیونسٹوں کی تمنڈوں کا ساتھ دیکر، مخلوط انتخاب، منظور کر کے چھوڑا ان کی "شورخ مزاجی" اور "رومان پسندی" کا یہ عالم ہے کہ امریکہ تشریف لے جاتے ہیں۔ تو ہالی ووڈ کی ایکٹریوں سے ملنے کے لئے خود ان کے شبستانوں میں جا کر حاضری دیتے ہیں۔ غضب خدا کا جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کا وزیر اعظم اور دوسرے ملکوں میں جا کر عورتوں کے ساتھ "ڈانس" کا مظاہرہ کر لے۔ پاکستان کی اتنی غلط نمائندگی بہروردی صاحب سے پہلے کسی وزیر اعظم نے نہیں کی۔

امریکہ بویا ر دس۔ برطانیہ بویا چین ہر حکومت سے دوستی کی جا سکتی ہے۔ ہم اس غلط منطق کے قائل نہیں ہیں۔ کہ ر دس سے دوستی ہو تو اسے "آزادی" اور دشمن خیالی سے تعبیر کیا جائے۔ اور امریکہ سے سیاسی روابط قائم ہوں تو اسے غلامی اور تنگ نظری سمجھا جائے پاکستان کے مفاد کے لئے تمام بین الاقوامی نزاکتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر حکومت کو حلیف بنایا جا سکتا ہے۔ اس دنیا میں کوئی حکومت سب سے کٹ کر اور رد ٹھکر بالکل الگ تھلک کیسے رہ سکتی ہے۔

سہروردی صاحب کی خارجہ پالیسی کو ہم کو بھاشانی صاحب کی طرح تمام تر رد نہیں کر سکتے۔ مگر یہ ضرور کہیں گے کہ سہروردی صاحب نے امریکہ کے ساتھ روابط بڑھانے میں جس نیازمندی اور فروتری کا ثبوت دیا ہے۔ وہ ایک سنجیدہ اور باوقار ذریعہ اعظم کو زسیا نہیں دیتا۔ غیر حکومتوں سے دوستی اور معاہدہ کرنے میں اگر نزاکت حالات کے پیش نظر کہیں مساوات قائم نہ رہ سکے تو اتنی "گرڈ" بھی برداشت نہیں کی جاسکتی۔ جس کا مظاہرہ سہروردی صاحب نے امریکہ کے سفر میں کیا ہے۔ ان کے دور حکومت کا سب سے زیادہ سیاہ کارنامہ رشوت کی گرم بازاری ہے۔ جس کا سلسلہ اونچے اونچے ایوانوں تک پہنچتا ہے۔ تجارتی لائسنسوں اور پرمٹوں کے کھلے خزانے ایسی خرید و فروخت پھیلے کسی دور میں بھی نہیں ہوتی۔

اس بات کو ہم ضرور مانتے ہیں کہ نیڈٹ نہرو کو سہروردی صاحب نے بہت کھری کھری سنائی ہیں۔ اور ان کا لہجہ کبھی مدہم نہیں ہونے پایا۔ انہوں نے اکثر و بیشتر مبارزت آمیز انداز میں گفتگو کی ہے۔ یہ اگر ان کا واقعی کوئی کارنامہ ہے تو وہ لفظوں کی حد سے آگے نہیں بڑھنے پایا۔ کاش انگلستان اور امریکہ کے مقابل میں بھی ان کا لہجہ ادب نچا رہتا۔

پاکستان کے اس سیاسی انقلاب میں مسٹر گورمانی کو جو غیر متوقع طور پر اپنے منصب جلیل سے دستکش ہونا پڑا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قوت قاہرہ ایک ظالم کا زور دوسرے ظالم کے ذریعہ توڑتی رہتی ہے۔ وہ جو مشہور ہے کہ عرب کے دور جاہلیت میں دہان کا ایک ایک نامور پہلوان سو سو پہلوانوں کی برابر ہوا کرتا تھا۔ تو ہمارے گورمانی صاحب بھی تن تنہا ایک ہزار سناڑھیوں کی برابر ہیں۔ اب کی بار سیاست کے اس پھکیت کھلاڑی کو بھی نیچا دکھینا پڑا۔ مگر یہ حضرت نخلے بیٹھے والے نہیں ہیں۔ خواجہ ناظم الدین صاحب کی طرح گورمانی صاحب ملکی سیاست سے بے تعلق نہیں رہ سکتے۔ وہ ایک طالع آزمایہ آدمی ہیں۔ اور جوڑ توڑ کے لئے ہر دقت کیل کاٹنے سے لیس رہتے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ صاحب کب کیا گل کھلا دیں۔ اور کیا شگونہ چھوڑ دیں۔

گورمانی صاحب کے بیانات، اخباروں میں آتے رہتے ہیں۔ کرسی چھننے کے بعد ان کو جمہوریت اور عدل و انصاف کا احساس ہوا ہے۔ جب تک وہ صاحب اقتدار رہے۔ انہوں نے جمہوریت اور عدل و انصاف کو پرکاش کی برابر بھی وقعت نہیں دی۔ غلام محمد مرحوم کی غلط کاریوں میں ان کی مشورت شریک تھی۔ بلکہ یہ انہیں نئے نئے نکتے سمجھاتے تھے۔

مسلم لیگ کو پاکستان میں کام کرنے کے اچھے سے اچھے موقع ملے۔ کئی سال تک اس ملک کی تمام اقتدار اسی جماعت کے دست لقموں میں رہی۔ مگر مسلم لیگ نے اپنے دور فرمانبرداری میں وہ وہ کارستانیاں کیں۔ کہ پناہ بخدا! جو مسلم لیگ کے نام پر جان چھڑکتی تھی۔ وہ مسلم لیگ کی پے درپے حماقتوں اور غلط کاریوں کے سبب اس سے بیزار ہوتی چلی گئی۔ مشرقی پاکستان کے صوبائی انتخابات میں مسلم لیگ کی شکست فاش نے اسے اور زیادہ بے وقار کر دیا!

مغربی پاکستان میں جب ری پبلکن پارٹی نئی نئی وجود میں آئی تھی اور مسلم لیگ اور ری پبلکن پارٹی کے درمیان — صوبائی اسمبلی میں کشمکش برپا تھی تو اس وقت چوہدری محمد علی صاحب کی دد رخی پالیسی نے مسلم لیگ کی ساکھ کو زبردست نقصان پہنچایا۔ ان تمام خرابیوں کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ مسلم لیگ نے اپنے "نظریوں کی" شکست کبھی قبول نہیں کی اور عوامی لیگ، ری پبلکن پارٹی اور نیشنل عوام پارٹی کے غیر اسلامی اور قوم پرستانہ نظریوں کو وہ چیلنج کرتی رہی۔ اور ان کے مقابلہ میں جمی رہی! مسلم لیگ کے ملک کی ثابت قدمی کا سہرا سردار عبدالرب نشتر کے سر ہے۔ جن کی مقبولیت اور بردلحریری نے اس جماعت کے نام کو زندہ رکھا۔ اور انہوں نے نظریاتی طور پر مسلم لیگ کو اس کے موقف سے نہیں ہٹنے دیا۔

تجربہ ہے۔ پاکستان بننے کے بعد سے ملک کو جن حالات سے گزرنا پڑا ہے، اس سے وہ پوری طرح باخبر ہیں۔ ان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ گذشتہ وزارتوں نے کیا کیا غلطیاں کی ہیں۔ ملک کے نظم و نسق کو کس نے کس طرح بگاڑ لیا ہے۔ کس عہدے دار کا کیا کردار ہے۔ پاکستانی عوام سابقہ حکومتوں کی کن غلط کاریوں کی بنا پر ان سے بیزار رہے ہیں۔ اور ان کے رخصت ہو جانے پر عوام نے اس طرح اطمینان کا سانس لیا ہے جیسے ابھی ایک بڑی مصیبت سے نجات مل گئی۔ ان تجزیوں اور مشاہدوں کی روشنی میں مسلم لیگی ارباب اقتدار کو حالات درست کرنے کے لئے جدوجہد کرنی چاہیے۔ پھلی غلطیوں کا نہ صرف یہ کہ اعادہ ہونے پائے بلکہ ان کی تلافی ہونی ضروری ہے۔ ملک کی بہتری اور نفاذ کے لئے ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر کام شروع کر دیا جائے۔

مسلم لیگ کو پاکستان بننے سے قبل "اسلام" ہی کے نام پر کامیابی ہوئی تھی۔ اور اب بھی اس کے ذہن رفتہ کو "اسلام" ہی کا نعروہ واپس لایا ہے۔ خود مسلم لیگ کی پاکستان کی اور انسانی نیت کی بھلائی اسی میں ہے کہ اسلامی تدریج کو متشکل کیا جائے، مسلم لیگ کے اکابر کو تمام داخلی اور خارجی مسائل میں کتاب و سنت اور ائمہ صحابہ سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔ پختونستان کا شہر سپند لغرہ ہو یا سندھ تو مینٹ کا، نقور۔ ان تمام اصنام خیالی کو وحدت اسلامی کی ضرب ہی پاش پاش کر سکتی ہے۔

مسٹر چندریگر نے رشوت ستانی کو مٹانے کے لئے جو جرات مندانہ اعلان کیلئے ہے۔ اس کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں مگر اس قدر رشوت ستانی کی پہلی شرط یہ ہے کہ "طبقہ اعلیٰ" کی سب سے پہلے تطہیر کی جائے اور رشوت خوردوں اور خیانت کرنے والوں کے ساتھ کوئی رعایت روا نہ رکھی جائے۔ عمال حکومت جب اپنی آنکھ سے رشوت خوردانہ کا حشر دیکھ لیں گے تو ان کو عبرت ہوگی۔

پچھلے دور میں آرٹ کی ترقی کے نام پر ناچ گانے کی جو سرپرستی ہوتی رہی ہے۔ اس سرپرستی سے حکومت کو ہاتھ اٹھالینا چاہیے۔ اس اخلاقی بگاڑ کو پاکیزگی سے بدل دینے کی ضرورت ہے۔ اوپر کے طبقہ میں اب حالات کی خرابی اس گراؤ تک پہنچ چکی ہے کہ مسلمان عورتیں تک شراب پیتی ہیں۔ اس فاسقانہ رجحان کو پوری قوت کے ساتھ چیک کرنا چاہئے۔ سب سے پہلے سرکاری دعوتوں سے اس اصلاح کا آغاز کیا جائے۔ اور سرکاری دعوتوں کو اختلاط مرد و زن اور شراب کے معاملہ میں بالکل سادہ و خشک $Simples + Dry$

بنادیا جائے

مسلم لیگ نے ون یونٹ اور جداگانہ انتخاب کے قیام کی شرطوں پر جو سمجھوتا کیا ہے۔ اس نے ملک کے یاس انگریز جمود میں اعتماد اطمینان کی لہر پیدا کر دی ہے۔ اب تک حکومتیں ذاتی مفاد کی بنا پر بنتی رہی ہیں۔ اصول کی اساس پر یہ پہلی حکومت وجود میں آئی ہے۔ اگر شخصی مفاد اور ذاتی اغراض کو درمیان میں نہ لاکر اصول و مسلک کی اسی طرح نتج ہوتی رہی تو ملک کی ابتری استحکام سے بدل جائے گی اور عوام حکمرانوں سے نفرت کرنے کے بجائے ان سے محبت کرنے لگیں گے۔

پاکستان کی مرکزی وزارت میں حال ہی میں جو انقلاب رونما ہوا ہے اس کے بعض پہلو خاصے محل غور بھی ہیں۔ مثلاً یہ بات

حرف آخر | اب کھل کر سامنے آگئی ہے کہ ہمارے صدر مملکت سیاسی معاملات میں کافی ذہیل ہیں۔ سیاسی پارٹیوں کی آپس کی پھوٹ نے صدر مملکت کو منجید سلطنت کے دور زوال کے "بادشاہ گردوں" $صہہ صہہ صہہ$ کی طرح "وزارت ساز" بنا دیا ہے

گورمانی صاحب سے انھیں نے استعفیٰ لیا۔ سہروردی صاحب کو صدر کے طور دیکھ کر ہی اپنے منصب جمیل سے دستکش ہونا پڑا۔ اگر سلیکٹ پارٹی نے مسلم لیگ سے جو سمجھوتا کیا ہے۔ اس میں بھی ان کا ایما و شریک تھا۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ری پبلکن پارٹی صاحب موصون کے اشلے ہی سے وجود میں آئی ہے۔ اور اس پارٹی کی حیثیت ہمارے پریسیڈنٹ ہمارے حاشیہ بردار کی سی ہے! جناب سکندر مرزا صاحب اپنے منصب عالی پر فائز رہنے کی زبردست خواہش رکھتے ہیں۔ اپنی اس خواہش کی راہ میں جب بھی وہ کسی سیاسی طاقت کو تنگ کر لیں

بننا ہوا پائیں گے۔ تو اس سنگ گراں کو ہٹانے کے لئے وہ دخل در معاملات اور اپنے اختیارات کے استعمال سے شاید ہی باز رہ سکیں اور اپنے اختیارات کے استعمال میں وہ بہت دوز تک جا سکتے ہیں یہی سی پیکن پارٹی تو وہ صدر مملکت کے دستِ شفقت کی محرومی گوارا نہیں کر سکتی۔ اس چیز نے پاکستان کے حالات کو بہت کچھ منذبذب بنا دیا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اوپر کا ہاتھ کس نکل کو کب اور کس طرف مرد ڈرے۔ اور حکومت کی مشینری کس طرف چل پڑے

ری سی پیکن پارٹی نے اس تھوڑی سی مدت میں جس فراخ دلی کے ساتھ اصول شکنیاں کی ہیں اور طرح طرح کے رنگ بدلے ہیں تو اس کی دو سالہ زندگی کے کارناموں (؟) پر نظر رکھتے ہوئے اس بات کی کون ضمانت دے سکتا ہے کہ اس پارٹی نے اب صدر مملکت سے توبہ کر لی ہے۔ اور اب وہ اپنی گذشتہ بے اصولیوں کو نہیں دہرائے گی۔

خدا کرے ہمارے تمام قیاسات غلط ثابت ہوں، قصر دیوان کی سازشوں کا چکر ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ اور باب اقتدار اپنے کو عوام کا "مخدوم" نہیں "خادم" سمجھیں۔ اب تک جو ہوتا رہا ہے۔ اس کا آئندہ عادی نہ ہو۔ بڑے لوگوں کی ہوس اقتدار بے کنار ہونے کے بجائے محتدل و محدود ہو جائے۔ کرسیوں کو لوگ موروثی جائداد نہ سمجھیں اور یورپ کے ترقی یافتہ ملکوں میں جس طرح دہاں کے حکمراں جب یہ دیکھتے ہیں کہ ان کی کسی غلطی کے سبب ملک اور عوام کے مفاد کو نقصان پہنچا ہے۔ عوام میں ان کی طرف سے بدظنی اور بے اعتمادی پائی جاتی ہے۔ تو وہ بہ رضاد رغبت اپنی کرسیوں کو اپنے سے زیادہ اہل اور عوام کے معتمد علیہ افراد کے لئے خالی کر دینے ہیں۔ اسی طرح پاکستان کے "بڑے لوگوں" میں بھی یہ کیریکٹر پیدا ہو جائے۔ تو سارے دلدار دور ہو جائیں۔ کرسی سے چمٹے رہنے کی ہوس نے تمام معاملات کو اتر کر رکھا ہے۔ حیرت ہے کہ لوگ یورپ کی بڑی باتوں کی تونقالی کر لیتے ہیں مگر دہاں کے لیڈروں کے قومی کیریکٹر کا کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔!

نئی وزارت اسلام کی ترقی اور پاکستان کی بقاء کیلئے جو تدبیر اختیار کرے گی، اور پروگرام بنائے گی۔ اس سے تعاون کے لئے ہمارے ناچیز اور حقیر خدمات ہر وقت حاضر ہیں۔ اور ہم تنہا ہی حاضر نہیں ہیں۔ پاکستان کی ہر دینی اور رقابہ جماعت اشتراک و تعاون کے لئے تیار ہے۔ خدا کرے اقامت دین کا ہم مسلم لیگ اور ری سی پیکن پارٹی کے اتحاد و عمل کے ہاتھوں ہی پیچھے تکمیل کو پہنچ جائے۔ اور یہ سعادت انہی "خوش باشوں" کے حصہ میں آجائے۔ (آمین)

مورخ کا قلم رگلا ہوا ہے۔ سادہ ادراک اس کے سامنے رکھے ہیں۔ اور وہ منتظر ہے کہ اس "دور جدید" میں کیا ظہور میں

اسپر امداد رکھا

۲۸ اکتوبر ۱۹۵۷ء

اسلام پسند خواتین کا ترجمان

ماہنامہ "بتول" اچھرہ لاہور

زیر اداوت جمیدہ بیگم - رخشندہ کوکب
جاری کردہ حلقہ خواتین جماعت اسلامی پاکستان

خواتین کے علمی ادبی اور معاشرتی مضامین پر مشتمل ہے

نمبر ۵۷ء کے پہلے ہفتہ میں منظر عام پر آ رہا ہے۔

ترتیب میں حصہ لینے والی چند نمایاں اہل قلم خواتین

بت مجتبیٰ مینا

ام یوسف

عنیر بانو

ام زبیر

سلمیٰ یاسمین نجفی

زکیہ عبید

اور

ثریا اسماء وغیرہ

شعروادب کے علاوہ چند مستقل عنوانات

سیرت مفرح - ہمارا گھر - بچوں کی تربیت اور گرد و پیش وغیرہ

اس کے علاوہ حلقہ کی طرف سے بچوں اور خواتین کے لئے لٹریچر بھی شائع کیا جا رہا ہے۔

پانچ روپے

زر سالانہ

۸ آنے

فی کاپی

دفتر ماہنامہ "بتول" مم - اس کے ذیلی دارپارک - اچھرہ لاہور

پنڈت بنواری لعل چتر دیدی

اسلام

”اسلام“ کے بارے میں یہ ایک انسان پسند ہندو کے تاثرات ہیں! پنڈت بنواری لعل ”ماتھر چتر دیدی برہمن تھے“ اٹاواہ (یو۔ پی) میں پیدا ہوئے، حیدرآباد دکن میں ملازمت کی اور اپنی قابلیت اور فرض شناسی کی بدولت معمولی درجہ سے ترقی پا کر محکمہ آبکاری کے مہتمم (سپرنٹنڈنٹ) ہو گئے۔ پنڈت بنواری لعل آنجانی محکمہ آبکاری میں ملازم تھے۔ مگر کسی ”نشہ“ کی چیز کو چھوا تک نہیں، یہاں تک کہ سگریٹ بھی نہیں پیتے تھے۔ اپنی خوش اخلاقی کی وجہ سے سوسائٹی میں وہ مقبول تھے۔

علم و ادب کا انھیں ذوق تھا، اسلام کا مطالعہ انھوں نے فرقہ بندی اور عصبیت سے بلند ہو کر کیا۔ اس لئے وہ ”سچائی“ کو پا گئے اور انہوں نے پوری جرأت اور اخلاص کے ساتھ اس کا اظہار بھی کر دیا۔ یہ مضمون ”اعتراف حق“ کی ایک دستاویز ہے۔

”اسلام“ کے بارے میں جن لوگوں نے تعصب آمیز خیالات کا اظہار کیا ہے اور اسلام کو بے سرو پا اعتراضات کا نشانہ بنایا ہے، وہ دراصل ذہن و فکر کے اعتبار سے مریض تھے۔ اس مریض کی طرح جس کا ذائقہ بگڑ گیا ہو اور اسے شہد میں تلخی محسوس ہو تو اس میں ”شہد“ کا نہیں اس کی قوت ذائقہ کا تصور ہے کسی فرقہ اور ملت و مذہب کا پیرو کیوں نہ ہو، اگر اس کی فکر صحیح ہے اور وہ ذوق سلیم رکھتا ہے تو ”اسلام“ کے مطالعہ کے بعد اس کے قریب قریب وہی خیالات ہوں گے جن کا اظہار پنڈت بنواری لعل نے کیا ہے

(م۔ ق)

عظیم الشان رحمت الہی | اسلام ایک بیمار یا تدار کی طرح عطا ہوا۔ اٹانوں محکم تھا جو انسان کو عطا ہوا۔ آفتاب کی ماہیت نہ جانے اور اس کی ممتون نہ ہو۔ مگر پھر بھی استفادہ شعاع در سے ضرور بے حس میں ہوتا ہے۔ نور کو رد کرنے سے رک نہیں سکتا۔ موج ردانی سے باز نہیں آسکتی۔ ممتونیت احساس خوشی اور مسرت میں اضافہ کرتی ہے۔ انکار اس کے استفادہ سے محروم کرتا ہے۔ گہوارہ سے لے کر لب گور تک آفات ہیں۔ اگر کوئی خاص بدعت

حضرت رسالت مآب کی ذات اقدس پر ناجائز اعتراضات آغاز ہوئے۔ وہ ذات مقدس جس کا ہر فعل مثل روز روشن تھا۔ اور معصومیت سے لبریز تھا۔ اچھے اور برے کاموں کی شناخت یہ ہے کہ رازداری نہ ہو۔ پردہ داری اور شہتے حضرت کے تمام سوانح ان کی ایک بسوط تاریخ ہے۔

قلب انسانی میں ایک مرض پیدا ہو چکا تھا۔ تشکیک نے صبح دو تجویز کی۔ مگر کسی نہ کسی قسم کا فلسفہ غلط سوچ کر حقیقی تشفی انسان نے دل کی ضرورت کی۔ وہ سمجھا کہ دوا ملی۔ مگر دوا نہ تھی۔ صرف سراب یاد ہو کا تھا۔ مریض عقل صحیح راستہ کے۔۔۔ ٹھننے میں عاجز اور محذور رہا۔ پائے انگ و شوار اور سیدھے راستہ کو نہ پاسکا۔ اس کو گمراہی نصیب ہوئی۔ بجائے طے منازل اس نے تصفیہ کر لیا۔ کہ منزل مقصود نہیں ہے۔ اور اس کا نام انکا ہے۔ جب مقصود نہیں تو قطع منازل لا حاصل ہے۔ یہ استدلال عقل فرسودہ بننے گیا۔ اور مزید جستجو سے دست برداری کرنی۔ اس کو دلیل مزید کی ضرورت نہ تھی۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب کو یہ خیال برہم کہ مذہب ضرورت ہے۔ اور مذہب منجانب اللہ دیا جاتا ہے۔ جس طرح اور نعمتیں۔ عقل انسانی کا جو نتیجہ یعنی مذہب اگر ہو تو وہ اس کے لئے اس کے ہم خیال دو چار کے لئے موزوں ہو سکتا ہے۔ مگر تمام عالم کے لئے نہیں۔ صرف ایک صداقت ہی ہے جو فانی نہیں ہوتی۔ محدود بلکہ عالمگیر ہو سکتی ہے۔ دنیا میں بہت سے عقلا نے اس قسم کی بدائتیں کیں۔ مگر یہ تصور کے دن بشکل مذہب رائج پھر فنا ہو گئیں۔ اس کو مذہب کہنا غلط ہے۔ یہ صرف ایک طرز خیال تھا۔ ایک مکتب تخیل تھا۔

صداقت کا معیار یہ ہے کہ وہ بلا امداد بیرونی خود قوت رکھے اور پھیلے۔ اسلام کی امداد پر قوت حکومت یا زور شمشیر نہ تھا۔ ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور چند رفقاء اور وطن سے دور جا کر جاگزیں ہوئے۔ بہت سے دنیا میں مذاہب نہیں عقائد سلطنت و حکومت پھیلے۔ اور ان سلطنتوں کے ساتھ ان کی زندگی ختم ہوئی۔ اصلی صداقت کو طاقت کی ضرورت نہیں۔ اس میں مذرونی قوت انتشار ہے۔ وہ نشر ہوتی ہے۔ اور فنا نہیں ہوتی۔ دنیا بدلے۔ سلاطین مٹا جائیں۔ خیالات بدل جائیں۔ مگر سب اپنی روش پر ہے۔ اس کی رفتار متاثر نہیں ہوتی۔ وہ تغیرات سے بالا ہے۔ وہ اس دنیا کے فانی کے سہارے نہیں چلتا۔ اس کی شان بھی اسی طرح دنیا کی امداد سے بے نیازی کی ہے۔ اس کا نشوونما کسی حکومت کی آبیاری پر نہیں۔ اس کا انحصار بالبدگی تلوار کے سایہ سے مستغنی ہے۔ ادا قدرت سے وہ درختاں اور تاباں ہے۔ سعی انسان سے اس کو زوال نہیں پہنچ سکتا۔ جماعت کے عروج کا مبصر یا پابند نہیں ہے۔ وہ ہر جگہ ہے۔ ظن قبل اس کو دیکھے یا نہ دیکھے۔

معجزات نبوی کے متعلق مجھ کو زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ امور یا واقعات مافوق العادت یا **اثرات** جس کو معمولی واقعات سے تعلق نہ ہو اس کے دلائل سمجھ کر بیان کریں۔ میں معجزات نبی کا پورا قائل ہوں۔ ان کا وقوع ہوا۔ میں اس سے بڑھ کر ماننا ہوں۔ آنحضرت صلعم کی پوری زندگی کو میں ایک مسلسل معجزہ اور بلا وقفہ کرامات خیال کرتا ہوں۔ قبل نبوت آپ کی پاک زندگی اور اس ماحول میں قابل صد تحسین ہے۔ فلسفہ کا مقولہ مسلمہ ہے کہ ماحول کا اثر دماغ پر منکسر ہے۔ مگر یہاں غور طلب یہ ہے کہ آپ عرب میں پیدا ہوئے۔ جہاں شرک۔ بت پرستی اور تمام دنیا کے گناہ رائج الوقت تھے۔ آپ کے لئے جب تشریف لے گئے وہاں بھی یہی حال تھا۔ مگر آپ تمام اثرات سے محفوظ تھے جس طریقہ پر کہ کنول کا پھول پانی میں پانی سے بالاتر رہتا ہے۔ آپ کا لقب **امین** اور آپ کی دیانت ضرب المثل تھی۔ بعد نبوت آپ کا صبر و تحمل، ضبط اور صرف ایک حیات کی روشنی میں زندگی بسر کرنا کہ تمام مخلوق راہ راست پر آجائے۔ آپ کا استقلال اور اعداء سے طالب انتقام نہ ہونا ان کی اصلاح کے لئے کوشاں ہونا جو آپ کے دشمن جان تھے۔ کبھی خون دہراں میں مبتلا نہ ہونا۔ ہمیشہ اطوار نیکو اور سلوک کو جاری رکھنا

بدو عائد کرنا، انتہائی انکسار اور عجز، غربت اور صدقات گرسنگی برداشت کرنا۔ تمہوں کی حرص سے پاک رہنا۔ ایک منصف اعلیٰ ترین، اور مذہب بے بہا کا ذریعہ بننا۔ باوصف اس کے کہ آپ نے کسی مدرسہ میں تسلیم نہ پائی تھی آپ کا اعتقاد ذات الہی پر تمام مہنگائی از عجاہب نہیں؟ نبی کریم کی زندگی خود ایک مسلسل معجزہ ہے۔ آپ کی ہستی تمام تجلی معمولی سے بالاتر ہے۔ آپ کا ہر فعل سراپا پابند و تابع۔ احکام مرضی الہی۔ سب سے بڑا معیار یہی ہے کہ عمل انسان ایسا ہو جس کو رازداری کی ضرورت نہ ہو۔ آپ کی ہی زندگی کو عرواقیاز حاصل ہے۔ ہر روز کے واقعات۔ ہر لمحہ حیات کے حالات، روز روشن کی طرح عیاں اور روشن تھے۔ اور ہر فعل محصوم، روزانہ کاروبار مبنی بر صواب، ہر نفس آپ کا منور اور روشن۔ زندگی مثل آفتاب تابان و درخشاں۔ فخر یا غرور سے پاک۔ بڑی سے بڑی آفت آپ کے قدم میں لغزش پیدا نہ کر سکی۔ ہر لحظہ آپ کی اعلیٰ ہستی زیادہ نمایاں ظاہر ہوتی رہی۔ آپ رحمت برائے عالمین تھے۔ آپ پیام الہی کے منظر تھے۔ حکم الہی کے نشر کرنے والے۔ صداقت اور وحدت پھیلانے والے۔ راہ خدا میں وقف اور اگر الہی ہستی برتر سے۔ معجزات ظاہر ہوں تو کوئی مقام استعجاب نہیں۔ ادراک فہم۔ مشاہدہ اور تجربہ کے فہم سے یہ معجزات بالاتر ہیں۔ اس لئے انسان بدگمان ہوتا ہے۔ مگر محدود تجربہ مشاہدہ ہمیشہ و اکثر غلط ثابت ہوا۔ اور جدید دریافت غلطی ثابت کر رہی ہے۔ عقل معمولی اسباب و علل تک محدود رہتی ہے۔ چنانچہ مولانا نے رومی فرماتے ہیں

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند	بامن و تو مردہ باحق زندہ اند
سنگ بر آہن زنی بیرون جہد	ہم بامرحق قدم بیرون بند
آہن و سنگ از ستم بر ہم مزن	کایں دو می زاینہ ہچ مرد و زن
سنگ و آہن خود سبب آمد و نیک	تو ببالا تر نگر اے مرد نیک
کایں سبب را آں سبب آورد پیش	بے سبب کے شد سبب ہر گز بخویش
آں سبب را آں سبب عامل کند	باز گاہے پے برد عاقل کند
وان سبب را کا بنیاء را رہبر است	آن سبب بازین سببہا برتر است
ایں سبب را محرم آمد عقل مسا	وان سببہا راست محرم انبیاء
انبیاء در قطع اسباب آمدند	معجزات خویش بر کیواں زدند

اس سبب کو صرف نظر انبیاء دیکھ سکتی تھی۔ جو معمولی علم و عقل سے دور اور برتر تھی۔ جو چیز کہ تجربہ انسانی سے باہر ہو کیا اس کا وقوع خارج از مکان ہے۔؟ مہبت سارے نئے امور روز معلوم ہو رہے ہیں۔ کیا ان کے وجوہ یا وقوع سے انکار ہو سکتا ہے۔ عقل انسانی اگر یہ تقدیر کرے کہ انسان اور خدائی قوت یکساں ہیں۔ تو یہ نظریہ غلط محض ہے۔ جب خدا کی قدرت بالاتر ہے۔ تو وہ اسباب و علل کی پابند نہیں رہ سکتی۔ وہ سبب دیگر اسباب کے خلاف عمل کر سکتا ہے۔ معجزات، براہین یا دلائل کے متعلق روایت بھی ایک امر قابل غور ہے۔ کسی مذہب نے کسی نئی یا ہستی کے متعلق اس قدر تنقیح و تنقید یا تحقیق نہیں کی جس طرح کہ اسلام نے ہر راوی کے اعتبار سے۔ اور پھر قابل قبول اور قابل اعتبار راویوں کی جانچ پڑتال کے بعد کسی روایت کو تسلیم کیا گیا۔ اقوال افعال۔ ہر طریقہ پر اسی طرح جانچے گئے۔ اور پھر عقل راوی یعنی وہ سمجھ سکتا تھا عاقل و مانع اور قابل فہم تھا۔ غرض کہ جو واقعات کہ تسلیم کئے گئے ان کی صداقت کا پورا پورا اطمینان کر لیا تھا۔ ایسی صورت میں ایسی شہادت ناقابل اعتبار نہیں خیال کیا جا سکتا۔ اور یہ معجزات اس اعتبار سے بھی پختہ تھے۔ تاریخ کو ہم مانتے ہیں اگر موع

واحد ہو۔ مگر قابل اعتبار ہو۔ پھر یہاں بے اعتباری کی کوئی وجہ نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ معجزہ خلاف تجربہ تھا، تو یہ تجربہ انسانی روزِ خطہ ثابت ہو سکتا ہے۔ پس غلط تجربہ پر استدلال خود غلطی ہے۔
سب سے بڑا معجزہ خود قرآن تھا۔ ہر ایک نبی کو وہ اعجاز عطا ہوا۔ جو اس وقت مروج ہوا اور معجزہ نبوت اس سے بالاتر ہو۔
مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر تھا۔ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں طب تھا۔ عرب میں ادب تھا۔ شاعری تھی۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔

”انہوں نے کہا کہ پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے نشانیاں کیوں نہ اتریں۔ کہہ دے کہ نشانیاں
خدا کی قدرت میں ہیں۔ میں تو صاف صاف خدا کے عذاب سے صرف ڈرانے والا ہوں۔ کیا ان
کو یہ نشانی کافی نہیں ہے۔ کہ ہم نے اُس پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔“
(عنکبوت)

یہ نہ مننے والا معجزہ ہے جو ہمیشہ قائم اور دائم رہے گا۔ اور معجزے دقیقہ تھے۔ اللہ پاک فرماتا ہے۔
”کہہ دے اے پیغمبر اگر تمام جن دانش مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں۔ تو نہیں لاسکتے۔ اگرچہ
وہ ایک دوسرے کی مدد پر کیوں نہ ہوں۔“

(بنی اسرائیل ۱۰)

اسی وقت سرمدی کا جواب شعرائے عرب نہ دے سکے جو ہر قبیلہ میں موجود تھے۔ انہوں نے جنگ کی محارہ کیا۔ مگر جواب قرآن کی
ہمت تک نہ ہوئی۔ یہ وہ کھلی ہوئی کتاب جو امیرِ غریب سب کے لئے ہے نہ ایک طبقہ مخصوص کے لئے۔ اس کا ثبوت مزید یہ ہے کہ ایک
امی گروہ پیش امی۔ ملک گرفتارِ جالت اور غارِ حرا سے سرچشمہ علم اہل جاہل ہے۔ علم و حکمت کے پوشیدہ نکات ظاہر ہوتے ہیں۔ اور
وہ نکات جن کی تردید نہ ہوئی نہ ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قرآن کے نزول کے پہلے اے پیغمبر تو تم کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے۔ اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو
لکھ سکتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ باطل پرست شک کر سکتے تھے۔

(عنکبوت ۵)

نبی کریم کا سب سے بڑا کارنامہ شاندار اور درخشاں یہ ہے کہ رُدنے زمین پر رُطلان کفر اور توحید سے دنیا کو معمور کرنا۔ روحانی +
ارتقار پیدا کر دینا اور انسان کے اخلاق کو جو شیطانی تھے۔ فرشتوں اور ملائکہ کی عادات دلانا، اور ہم پرستی کو محدود کرنا۔ اخوت مساوات
تہذیب، تمدن، جمہوریت جس کا ضمنی نام ہے۔ سب کچھ سکھانا۔ عورتوں کو قہرِ مذلت سے نکالنا۔
امام غزالی فرماتے ہیں۔

”نبوت انسانیت کے مرتبہ سے بالاتر ہے۔ جس طرح انسانیت۔ حیوانیت سے بالاتر ہے۔ وہ
عظیہ الہی ہے۔ اور مہمبت ربانی ہے۔ سعی اور کسب تلاش سے نہیں ملتی۔“

یہ واقعہ ہے کہ ایک حکیم مصلح بھی کوشش کرتا ہے۔ کہ نبی نوع انسان کی حالت بہتر ہو۔ مگر اس کی سعی خاص خطہ اور زمانہ
کی پابند ہوتی ہے۔ نہ کہ عالمگیر۔ اس کے اقوال ذاتی ہوتے ہیں۔ اور معرض بحث میں آتے ہیں۔ اور ایک مستحق زندگی کی اصلاح
پر محدود ہوتے ہیں۔ ہر زمانہ کے لئے موزوں نہیں ہوتے۔ مگر نبی جو منجانب حکم خدا پہنچاتا ہے۔ اس کا حال برعکس ہے۔ اس کا

دائرہ عمل تمام عالم تمام زمانہ اور تمام صیغہ جات زندگانی میں۔

فلاسفہ اور نبی میں فرق
فلاسفہ کا اثر محدود ہوتا ہے۔ اس کی زندگی پاک نہیں ہوتی۔ پیغمبر میں فضائل کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کو اس تعلیم مذہب سے مقصود شہرت، جاہ طلبی، دولت مندی، قیام سلطنت یا ذاتی مفاد نہیں ہوتا۔ صرف حکم خدا کی بجا آوری اور ہدایت مطلوب ہوتی ہے۔ اس کا پایہ بلند ہے۔ یہ تمام اوصاف حمید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے۔ آپ کا مرتبہ سب سے افضل اور اعلیٰ تر

« بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر »

ہر ماہر فن کسی ایک فن کا ہی ماہر ہو سکتا ہے۔ نہ کہ تمام امور پر حاوی۔ ایک سچے سالار فوج کشی جانتا ہے۔ حکیم عالم خارجی سے بے پروا اور اپنے اصول سے واقف ہوتا ہے۔ شاعر تخیل میں مست رہ سکتا ہے۔ یہ صرف پیغمبر ہی ہے۔ جو علم معرفت، بہبودی علم اور اخلاقی تفہیم، آخرت کی راہ، دنیا میں عمل نیک کو سب مفید امور بلا غرض سکھاتا ہے۔ خود اپنی مثال قائم کرتا ہے۔ اور اللہ کے احکام راز سے مطلع ہوتا ہے۔ زحمت دوسروں کی بھلاتی کے لئے اٹھاتا ہے۔ اور یہ سب بے غرض۔ یہ اوصاف اسی نبی کریم میں تھے۔ جو نبی آخر الزماں سردار المرسلین تھے۔ نبوت سچی کا نتیجہ نہیں ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ جس نے نبی کریم کو تمام چیزیں عطا کیں۔ ورنہ آج تعلیم یافتہ دنیا میں بہت قابل ہستیاں ہیں۔ اور وہ نبی نہیں ہو سکتی ہیں۔ انسان صدیوں تک ستارے سیارے، چاند، سورج میں برقی، رعد، اور دوسرے قدرتی مناظر مہیب یا پُر رعب میں خدا کا دھوکا کھاتا رہا۔ مگر تعلیم نبوی نے جو خالص منجانب اللہ تھی۔ ان واحد میں اس کو صحیح نتیجہ پر پہنچایا کہ خدا ان کا خالق اور بالائے تر ہے۔ اور حقیقت آشنا کر دیا۔ اگر صرف تعلیم ذہنی انسان کو صحیح راستہ بتا سکتی تو وہ مہبت مدت پشیر آگاہ ہو جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کی جو تعلیم ہوتی ہے۔ وہ خالص خدا کی طرف سے بلا درنگ۔ اور اس سے ذہن انسانی تعلیم کے ذریعہ نہیں پہنچ سکتا۔ یہ اس کی دسترس سے بالاتر ہے یہی ایک مثال کافی ہے۔ چونکہ اعتقاد انسانی پہلے سے غلط طریقہ پر مبنی تھا۔ اس لئے پہلے ابتداء لفظی سے کی گئی یعنی یہ کہ پہلے "لا" نے خیالات ماضیہ کی تردید کر دی اور پھر اثبات کیا گیا۔ دنیا میں جمادات، نباتات سب کچھ کارنامہ قدرت موجود تھا۔ منطقیانہ نظر تھی۔ پھر بھی ذہن، انسانی صحت اور یقین کے ساتھ وجود خدا سے غافل تھا۔

وہ صحت نسب کے حامی تھے۔ کبھی محکوم نہ ہوئے۔ بہادر تھے۔ پُر جوش تھے، فیاض تھے، حق گو اور صاف باطن تھے۔ فیصح تھے، شاعری اس کی مثال ہے، ذلت پسند نہ تھے، مساوات اور جمہوریت اجزاء طبع تھے۔ عمل پسند تھے۔ کتابوں کے اثر سے اور فلسفہ کے بھگڑوں سے ان کے قلوب پاک تھے۔ چونکہ حیرا کے مباحث سے ان کے دماغ بہرے نہیں تھے۔ ظن قبول اور صلاحیت قبول تھی۔

قرآن پاک میں ہے: ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر سٹی کی۔ سب نے اس بار مرتبہ انسانی کے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اور ڈرے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ (احزاب - ۷)

« جو کچھ زمین میں ہے۔ خدا نے (لے انسان) تمہارے لئے بنایا۔ » (بقرہ - ۳)

« زمین میں جو کچھ ہے خدا نے اس کو تمہارے بس میں دے دیا » (حج - ۹)

انے انسان کو معبود اور مالک کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اور ایسے انسان کی روحانی ہدایت کے لئے پیغمبر پاک کو مبعوث فرمایا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے بندہ کو آشنا کرانا اسلام کا کام تھا۔

عمل نیکو خالد کو بوجھیمہ کی طرف بھیجا تھا۔ ان کو حکم جنگ نہ تھا۔ انہوں نے تلوار سے کام لیا۔ آنحضرت نے جب یہ سنا تو آپ کھڑے ہو گئے اور کہا اے خدا! خالد نے جو کچھ کیا۔ میں اس سے بری ہوں۔ اور حضرت علیؑ کو روانہ فرمایا۔ جناب امیر نے ایک ایک بچہ کا میاں تک کہ ایک ایک کے کا خون بہا دیا۔ اور اس پر رقم مزید لکھی۔

عورتوں اور بچوں کے لئے حکم جب کسی ہم پر فوج روانہ کی جاتی تو سردار فوج کو حکم سید المرسلین ہوتا تھا۔ کسی کزن سال کو۔ بچے کو۔ کم سن کو، عورت کو قتل نہ کرو۔

”عہد کی پوری پابندی کرانی گئی“

اسیران جنگ کے ساتھ سلوک کیا گیا۔ اسیران بدر کے ساتھ سلوک ملاحظہ طلب ہے۔ حاتم طائیؓ کی بیٹی جب گرفتار ہوئی تو عزت و حرمت کے ساتھ مقیم گوشہ مسجد کیا گیا۔ اور یمن کو معہ سازد سامان واپس کیا گیا۔

مقاصد اسلام بنی نوع انسان کی اخوت۔ ترقی اور فرد سے جماعت کی ترقی زیادہ ملحوظ اسلام ربی ہے۔ اسلام کا یہ یہ منشاء نہیں تھا کہ زندگی انسانی کو ہی صرف خوب روٹھا ہر میں بنایا جائے، بلکہ حقیقی منشاء تھا کہ انسان کو خوبی صورت و سیرت و سعادت دین حاصل ہو۔ دوسرے اقوام کی اور ممالک کی سنی یہ رہی مگر یہ سچی صورت چند منتخب فرقے یا اشخاص تک محدود رہی۔ عمومیت کی صورت اس نے اختیار نہ کی حق عبادت یا علم مذہب صرف چند فرقوں کو حاصل تھا۔ مابقی اس سے محروم رہے اور قہر عدلت میں گرفتار رہے۔ اسلام کی تعلیم اس کے منافی تھی۔ اس کا منشاء تھا کہ ہر کس و شخص دور اور نزدیک اعلیٰ و ادنیٰ سب پر آفتاب کی یکساں شعاعیں۔ نور انگن ہوں۔

سجدہ گاہ ادلایہ دستور تھا کہ ہر رسم عبادت کی ادائیگی کے لئے دیواریں اور محصور مقام کی محتاجی تھی۔ عیسائی کلیسا کے محتاج یہودی بیچ کے اندر، بت پرست بتوں کے آگے۔ مگر اسلام نے یہ حکم دیا کہ کوہ، دشت، بن، میدان، ہر جگہ سے خدا کو پکارو اور اس کے سامنے سجدہ کرو۔

اصلاحات شرک کی بیخ کنی۔ اہل پرستی کا اندفاع۔ مجرد طلسم کے منفی عقائد کو دور کرنا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ خدا اور بندہ کا تعلق ایک بادشاہ جاہر رعیت کا ہے۔ درمیان دیوتا شفاعت کر سکتے ہیں۔ یہ خیال غلط دور کیا گیا۔ شرک کو یہاں تک دور کیا گیا کہ ایک یہودی نے خدمت نبوی میں آکر مسلمانوں سے کہا کہ تم شرک کرتے ہو۔ کہتے ہو جو خدا ہے۔ اور جو محمدؐ چاہیں۔ آنحضرت نے صحابہ کرام سے فرمایا، کہ کہو کہ وہ ایک ہے جو چاہے پھر آپ جو چاہیں۔ عبد الشمس وغیرہ نام رکھنے میں شرک کا شائبہ ہے۔ اس لئے مخالفت کی گئی۔ غلاموں کو حکم ہوا کہ آقا کو رب نہ کہا کریں۔ تصویر کی مخالفت ہوئی۔ کہ رفتہ رفتہ تصویروں کی پرستش ہونے لگی ہے۔

وفات سے ۵ دن قبل رسول مقبول نے فرمایا۔ کہ تم سے پہلے لوگ قبروں کو سجدہ بنا لیتے تھے۔ میں منع کرتا ہوں کہ قبروں کو سجدہ بناؤ۔ الغرض شرک کو دنیا سے دور کرنے کی تدبیر کی۔ اور حکم یہ دیا کہ تمام کام بخیاں خوشنودی خالص اللہ اور تحت احکام کے جائیں۔ نمائش کو، ریا کو، ممنوع کیا گیا۔

غیر مذاہب کے ساتھ تعلقات ۹ سنہ میں عیسائیوں کے ساتھ عہد نامہ ہوا کہ:۔

پہنچنے بپشوں، پادریوں، اور راہبوں کو یہ تحریر دی کہ ان کے گرجاؤں عبادت اور خانقاہوں میں ہر ایک چھوٹی بڑی چیز جیسی تھی ویسی ہی برقرار رہے۔ نہ کوئی بپش اپنے عہدہ سے امد نہ کوئی راہب اپنی خانقاہ سے یا منصب سے خارج کیا جائے۔ اور جب تک

وہ امن صلح اور پیمان کے ساتھ رہیں۔ اُن پر جبر و تعدی نہ کی جائے۔

خداوند ناری کے چوتھے سال میں خانقاہ سینٹ کیتھرائن کے راہبوں اور عیسائیوں کو پورے حقوق عطا کئے گئے۔ اور مزید ظاہر کیا گیا کہ اگر کوئی مسلمان ان کی خلاف ورزی کرے گا۔ تو وہ خدا کے عہد کو توڑنے والا۔ اور دین کو ذلیل کرنے والا تصور ہوگا۔

عیسائیوں کو کامل آزادی دی گئی مگر ان سے یہ توقع نہیں کی گئی کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان کے دشمنوں سے مقابلہ کریں۔ اس لئے کہ خراج گزاروں کو جنگ سے تعلق نہیں۔

یہ غلط ہے کہ غیر مسلم باشندگان ممالک اسلام خطرے میں تھے کتاب ہدایہ "حفاظت جسم و جان غیر مسلم باشندوں کے حقوق" از روئے انسائیت لازم قرار پاتی ہے۔

مکرر اسی کتاب میں ہے:-

یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کہ کسی ممالک کی جان کی حفاظت اس لئے کی جاتی ہے کہ اس نے مذہب اختیار کر لیا ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ افس کے مال پر دست اندازی کرنا ہرے سے ناجائز ہے۔

کتاب ہدایہ۔ عصمت نفس کو اسلام کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔ حفاظت نفس آدمیت کا تعلق اسلام سے نہیں۔ بلکہ انسان سے ہے۔ ... انسان فطرۃً ایک ایسی چیز ہے جس کی حفاظت لازم ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ رعیتی حقوق کی بنیاد پیدائش کے لحاظ سے ہے۔ اور ہر شخص یہ حق رکھتا ہے۔

خلیفہ نے فوج کو نصیحت کی:-

فوج کو احکام | جب تم خدا کی لڑائی لڑو مردانہ وار لڑو۔ اپنی فتوحات پر بچوں اور عورتوں کے خون کا دھبہ نہ لگاؤ۔ کھجور کا درخت نہ جلاؤ۔ نہ اناج کے کھیت جلاؤ۔ بار آور درخت نہ کاٹو۔ نہ مویشیوں کو ستاؤ۔ معاہدہ یا شرط جو کرو اس پر قائم رہو اور اپنے قول و فعل کو مطابق کر کے دکھاؤ۔

۱۔ اسلامی شریعت کی بنا جمہوریت پر ہے۔ ابتدائی علامتیں اس کا نمونہ ہیں۔ انتخاب جمہوریت کا سنگ بنیاد ہے

جمہوریت

۲۔ مساوات قائم کی گئی۔

چرچ کے لئے عدالتیں جدا گانہ تھیں۔ اور نارمن لوگوں کے زمانہ سے جاری تھی۔ حج ان عدالتوں کے پادری ہوتے تھے۔ اور وہ لوگ پادریوں کے ساتھ خاص رعایت کرتے تھے۔ پادریوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ہنر سی بادشاہ دوم کے زمانہ تک یہ طریقہ رائج تھا۔ اور

انگلستان میں پادریوں کے لئے عدالتیں علیحدہ تھیں

کنٹربری کے بڑے پادری اور بادشاہ سے جھگڑا رہا۔ بڑے پادری صاحب کو بہ حکم شاہی قتل کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چرچ کو اور مضبوطی حاصل ہوئی۔ اور پادری جو مرتکب جرائم ہوتے تھے وہ ان عدالتوں کے حوالہ دیئے تھے جہاں سزائے مستحقہ نہ ملتی تھی اسلام نے ابتدا ہی سے یکسانیت کے عمل کا لحاظ کیا۔

۱۲۰۵ء میں پاپائے روم۔ نوٹس سوئم کی دلی آرزو تھی کہ چرچ کی قوت بڑھائی جائے

اور روم چرچ روزانہ نئے حقوق کی بدعا ہو رہی تھی۔ جس سے سلاطین یورپ

نالاں تھے۔ بالاخر شاہ جہاں انگلستان کے عہد میں یہ مخالفت آشکارا ہوئی۔ پوپ

مذہب عیسائی کی سعی کو حکومت پر غلبہ اور چہرہ دستی

نے حکم دے دیا۔ عام پرستش ممنوع رکھی گئی۔ کلب بند کر دیئے گئے۔ گھنٹے بجے موقوف ہوئے۔ مردے بلا فاتحہ دفن کئے جانے لگے۔ نومولود یا مردہ کے لئے وہ عایا بیتہ بند کیا گیا۔ تاریخ اسلام میں اس قسم کا حکم یا عمل کہیں بھی نظر نہ آئے گا۔

تقسیم بعد فتح خیبر | نصف مجاہدین پر مساوی حصہ سے تقسیم ہوئی۔ نصف بیت المال، مہمانی، سخاوت کے مصارف کے لئے۔ باقی یہودیوں کے ساتھ یہ شرط قائم ہوئی کہ قبضہ زمین پر ان کا رہا۔ اور وہ پیداوار کے حصے کرتے تھے۔ ایک حصہ مسلمانوں کو دیتے تھے۔ مگر حق انتخاب حصہ یہود کو تھا۔

سہ ماہ میں جب شام کی طرف فوج روانہ کی گئی تو زید بن حارثہ کو چھ آنحضرت سرور کائنات کے آزاد کردہ غلام تھے۔ سہ سالاری دی گئی۔ حالانکہ حضرت جعفر طیار برادر جناب امیر موجود تھے۔ ہم اساتذہ میں تمام مہاجرین شریک تھے۔ اساتذہ صاحبزادہ زید موصوف کی انصر مقرر فرمایا۔

ایک آزاد کردہ غلام کو تزویج

داخلہ مکہ کے بعد رسول اللہ نے حسب ذیل خطبہ پڑھا۔

پہلا خطبہ | ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اس نے اپنے بندوں کی مدد کی۔ اور تمام جہتوں کو توڑ دیا۔ ہاں تمام مفاخر استقامت خون ہائے قدیم کو نبھایا۔ میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف حریم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی ابرسانی اس سے مستثنیٰ ہیں۔

جنگ خیبر کے بعد | جنگ خیبر کے اسیر محفوظ تھے۔ آنحضرت کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ کے قبیلہ سے سفارت آئی۔ اور انہوں نے کہا کہ اگر سلاطین عرب سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا "ان سے بہت کچھ امید ہوتی۔ اور اسیروں کی رہائی کی سفارش کی۔

عمل جمہوریت

آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ خاندان عبدالمطلب کا جس قدر حصہ ہے۔ وہ تمہارا ہے۔ مگر رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ نے فرمایا، مجھ کو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے۔ لیکن میں تمام مسلمانوں سے ان کے لئے سفارش کرتا ہوں۔ سب نے منظور کیا۔ اور چھ ہزار آدمی آباد کئے گئے۔ جمہور کی رائے پر حسانہ چھوڑا گیا۔

جمہوریت کی شاندار مثال | حضرت ابو بکر صدیق نے بیعت خلافت کے بعد جو خطبہ دیا اس کا حاصل یہ ہے۔

اے لوگو! میں تمہارا دلی مقرر کیا گیا ہوں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ میں تم سے بہتر نہیں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرو۔ اور اگر بدی کا مرتکب ہوں تو مجھے ٹھیک بناؤ۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت۔ تم میں سے زور والا میرے نزدیک اس وقت تک کمزور ہے۔ جب تک کہ میں اس سے حق حاصل نہ کروں۔ اور تمہارے گروہ کا کمزور شخص اس وقت تک میری نظروں میں زودار ہے جب تک کہ میں اس کا حق اس سے نہ دلا دوں۔ تم میں سے کوئی شخص کوشش ترک نہ کرے۔ جو قوم اس کو چھوڑ دیتی ہے۔ خداوند کریم اسے ذلت میں مبتلا فرماتا ہے۔ جب تک میں خدا اور رسول کی اطاعت کرتا ہوں تم بھی میرے مطیع رہو۔

اور جس وقت میں اس امر سے باہر ہو کر نافرمانی کروں تو تم پر کبھی میری اطاعت واجب نہیں۔ سچے مذہب کی صحیح پیروی کی یہ مثال ہے جس سے بڑھ کر دتے زمین پر مثال نہیں مل سکتی۔

مساوات | اس کے سر پر جو اہرات کا مرصع تاج تھا۔ جب وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ قوم فزارہ کے ایک شخص نے اس کی عبا پر پیر رکھ دیا۔ جب نے اس کو ایک تھپڑ مارا۔ اور وہ شخص حضرت عمر کے پاس فریادی ہوا۔ تو خلیفہ نے اس کو منزاعے شرعی سے معاف نہ فرمایا، جب نے طلبی پر اقرار کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ اس آدمی کو رضامند کر لے یا وہ اس سے جبکہ کو بدلہ دلا میں گے۔ اور اس کو حکم دیں گے کہ وہ بھی اسی طرح تھپڑ مارے جبکہ نے اعتراض کیا کہ وہ ایک معمولی آدمی ہے اور وہ بادشاہ ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ اسلام نے دونوں کو ایک کیا ہے۔ اور بجز نیک مزاجی پر سبزی گاری اور کوئی ذریعہ حصول فضیلت نہیں ہے۔ وہ رات کو بھاگ گیا۔ اور پھر عرب کو نہ گیا۔ یہ مساوات تھی کہ غریب اور امیر سب یکساں تھے۔

عمرو بن العاص کے بیٹے نے قبطنی کو بے گناہ مارا۔ اس نے حضرت عمر کے پاس فریاد کی۔ حضرت عمر نے عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے کو مدینہ طیبہ میں طلب فرمایا۔ جس وقت وہ حاضر دربار خلافت ہوئے۔ خلیفہ ممدوح نے قبطنی کو ایک کوزا دے کر حکم فرمایا۔ کہ عمرو بن العاص کے فرزند کو مارے قبطنی نے کوزا مارا اور اس نے عمرو بن العاص پر بھی ہاتھ ڈالنے کا قصد کیا۔ مگر روک دیا گیا۔

اسلامی حکومت | نبی کریم صلعم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مہجانی چارہ قائم کیا۔ اتحاد اخوت قائم ہوا۔ نماز۔ جماعت۔ سب اتنا مساوی ہوں۔ زکوٰۃ مالدار مسلمانوں کے زائد مال سے کچھ رقم لے کر غریب مسلمانوں کو دیا جاتی تھی۔ اسلام کی غرض یہ تھی۔ کہ کمزور کی امداد کی جائے۔ اور ہم سب کو ہم پتہ بنا دیا جائے۔ تقسیم غنیمت کا طریقہ یہ تھا۔ کہ آزاد غلام چھوٹے بڑے سب کو تقسیم ہوتی تھی۔ اور کل مال تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عمر نے وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور بیت المال قائم ہوا۔ خلیفہ کے لئے چار شرائط تھے۔

خلیفہ | علم عداوت عدالت عدا کفایت نیک رویہ اور قابل اعتبار عا عقل و حواس کی صحت و سلامتی انتخاب بذریعہ شوری ہوتا تھا۔ خلفاء راشدین نے اپنی نسل سے نامزدگی نہ کی۔

چنانچہ حضرت عمر نے اپنے فرزند عبداللہ کے متعلق ممانعت فرمادی کہ ان کو منتخب نہ کیا جائے۔ حضرت علی نے بھی ارشاد فرمایا کہ میں انتخاب حسن سے منع کرتا ہوں اور نہ حکم دیتا ہوں۔

عدل مساویانہ | قبیلہ مخزوم کی ایک شورت نے چوری کی قریش کو تردد ہوا۔ کہ اس بار میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں کون سفارش کرے گا۔ اسامہ بن زید مقرر ہوئے۔ سردار دو عالم نے ارشاد فرمایا۔ تم حدود اللہ کے منافی سفارش کرتے ہو۔ اور خطبہ دیا کہ جو گذشتہ اقوام میں جب بڑا آدمی چوری کرے تو اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ اور اس لئے وہ ہلاک ہو گئیں۔ اگر ناطمہ بنت محمد چوری کرتی تو میں ان کا ہاتھ کاٹ لیتا۔

صفوان بن امیہ کی چادر ایک شخص نے اڑالی۔ وہ گرفتار ہوا۔ ہاتھ کاٹنے کا حکم رسول خدا نے دیا۔ صفوان نے عرض کی کہ ایک چادر کے لئے ایک عرب کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ سردار دو عالم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس لانے سے پہلے ہی اس کا خیال رکھا تھا۔ حاکم تک معاملہ پہنچنے کے بعد کسی کو سفارش کا حق نہیں ہے۔

علم | رسول اللہ نے فرمایا کہ "بہترین عبادت طلب علم ہے"۔
 ارشاد ہوا کہ "ایک ساعت علم میں غور کرنا ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے"۔
 علم کو تلاش کرو اگرچہ وہ چین میں ہو۔

علم ہدایت | ہر قوم کے لئے ایک نبی مخصوص ہوا۔ مگر سچے نبی آخر الزمان تمام بنی نوح انسان کے لئے قرآن میں ہے۔
 "اے محمدؐ تم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لئے بھیجا ہے۔ (سبا) بابرکت ہے۔ وہ جس نے
 اپنے بندہ پر قرآن اتارا۔ تاکہ وہ تمام دنیا کو ہوشیار کر دے (فرقان)
 تمام عالمیان کی جانب ردئے سخن قرآن ہے۔

احسان مذہب | تمام قسم کی غلامی سے انسان کو آزادی مقصود تھی۔ قرآن پاک میں ہے۔
 وہ ان کو بھلائی کا حکم دیتا ہے۔ اور برائی سے روکتا ہے۔ اور اچھائیوں کو ان کے لئے حلال
 اور حیثیت چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے اور ان کے اس بندھن اور زنجیروں کو جو ان پر ہوتی ہیں
 ان سے اتارتا ہے۔ (اعان - ۴ - ۱۹)

دعوت اسلام | ایسے رسول بھیجے جو نیکیوں کی خوشخبری دیتے اور بدکاروں کو ہوشیار کرتے ہیں۔ تاکہ رسولوں کو اس کی وعظ و تذکیر
 کے بعد پھر انسانوں کو خدا پر الزام دینے کا موقع نہ رہے۔ اس سے یہی ظاہر ہے کہ ردئے سخن عام ہے۔
 طریقہ جو کلام اللہ نے ارشاد فرمایا۔ اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے حکم یہ ہے۔
 "تو اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دے اور ان سے مناظرہ بطریق احسن کر"۔
 (نمل - ۱۶۰)

علی ہذا القیاس

"کتاب والوں اور ان پڑھوں سے کہہ دے۔ کیا تم نے اسلام قبول کیا۔ اگر کیا تو بدایت پائی۔ اور اگر نہیں پھیرا
 تو پھر صرف پیام پہنچا ہے۔ اور اللہ بندوں کا دیکھنے والا ہے" (آل عمران - ۳۰)
 "تو تیرا فرض صرف پیام پہنچا دینا ہے۔ اور ہمارا فرض ان سے حساب لینا ہے" (رعد - ۶)
 "تو (اے پیغمبر) تو نصیحت کر تو تو صرف نصیحت کرنے والا ہے۔ ان پر ڈارو غم نہیں لیکن جس نے منہ پھیرا
 اور انکار کیا تو خدا اس کو بڑی سزا دے گا۔ بیشک پھر ہماری ہی طرف لوٹ کر آئے گا۔ اور ہمیں پھر
 ان کا حساب لینا ہے" (..... (غاشیہ)

کیا یہ زبردستی تھی اور کیا یہ مجبور کرنا تھا۔

آزادی | قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا۔

"دین میں کوئی زبردستی نہیں ہدایت گمراہی ہے۔ الگ ہو چکی" (بقرہ - ۲۳)

"اور کہہ دے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ جو چاہے قبول کرے۔ اور جو چاہے انکار کرے (کہنساء ۴)

سجھار کا طریقہ | اسلام کا حقیقی منشاء تھا کہ خدائے واحد نے انسان کو پیدا کیا ہے اس پر احسانات کئے۔ درنہ ایک قطرہ پانی
 انسان پیسے بن سکتا تھا ۲۲۔ زراعت قدرت کی امداد پر منحصر ہے۔ زندگی اس کے کرم پر

پھر وہی نوع مذہب کے نام پر یا معاش کے خاطر یا منافرت ملکی یا اغراض یا اخلاقی پستی کے باعث ہم برسر پیکار تھے۔ یہ سب زہری مٹ جاتے۔ انسان انسان بنے۔ اخوت روتے زمین پر قائم ہو۔ سب ایک خدا کو مانیں۔ ایک معبود۔ ایک طریقہ عبادت۔ تاکہ اختلاف نہ رہیں۔ مسلک صحیح ہو۔ منافرت نہ رہے۔ مال و جان محفوظ رہے۔ قتل اور غارتگری نہ ہو۔ اکل حلال ہو۔ عورت صرف شہوت اور نفس پرستی کا ذریعہ نہ رہے۔ شاہ و گدا سب آرام سے ہیں۔ وہ تفریق جو دولت یا ثروت نے پیدا کی تھی۔ باقی نہ رہے۔ مظلوم کوئی نہ ہو۔ اصل حلال کار و راج ہو۔ یا آزادی کامل انسان کو ملے۔ عورتوں کو عزت اور دراشت میں ان کا حق ہے۔ اولاد حلال پیدا ہو۔ غرض کہ دنیاوی اور دینی سلجھاؤ کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ عقائد کی وجہ سے انسان مخالفت نامتناہی کرتا ہے۔ عقائد کو درست کرنا نیک بنیاد و صلح و امن قائم کرنا تھا۔

قرآن کریم نے حکم دیا۔

طریقہ تبلیغ | "توان سے درگزر کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے ایسی بات کر جو ان کے دلوں میں اثر کرے"۔ (سورۃ ۹)

اس سے زیادہ نرمی اور ملاحظت کا حکم اور کیا ہو سکتا تھا۔

پیغمبر پاک نے جب حضرت معاذ بن جبل ابو موسیٰ اشعری کو یمن دعوت اسلام کے لئے روانہ فرمایا۔ یہ نصیحت فرمائی کہ دین الہی کو آسان پیش کرنا۔ سخت بنا کر نہیں۔ لوگوں کو خوش خبری سنانا۔ نفرت نہ دلا۔

تمامہ بن اثال کا واقعہ | تمامہ بہامہ کے رئیس تھے۔ تمامہ گرفتار ہوا۔ مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھے گئے۔ آنحضرت صلعم نماز کے لئے تشریف لائے۔ تمامہ سے دریافت فرمایا کہ کیا رائے ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ میری رائے

اچھی ہے۔ اگر قتل کر دو گے تو خون دلے کو قتل کر دو گے۔ اور اگر احسان کر دو گے تو ایک شکر گزار پر احسان ہوگا۔ اگر فدیہ چاہتے ہو تو جو طلب کر دو گے دیا جاوے گا۔ آنحضرت خاموش رہے۔ تین دن تک یہ حال رہا۔ تیسرے دن سرد کائنات نے حکم دیا کہ تمامہ کو چھوڑ دیا جائے۔ وہ آزاد ہوئے۔ انہوں نے نخلستان میں جا کر غسل کیا۔ اور مسجد میں جا کر مسلمان ہو گئے۔

"اللہ کا حکم تھا کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد ان قیدیوں کو احسان دہر کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو"۔ (۱۸ - جبر و سختی کہاں تھی۔)

اسامہ بن زید | اسامہ بن زید نے بہ حیثیت سپہ سالار لڑائی میں شرکت کی ایک کافران کی زد میں آیا۔ انہوں نے حملہ کیا اس نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اسامہ نے اس کو فریب سمجھ کر کچھ خیال نہ کیا۔ اور نیزہ سے اس کا کام تمام کر دیا آنحضرت صلعم کو جب یہ خبر ملی تو آزر دہ ہوئے۔ اسامہ نے عرض کیا۔ کہ اس نے تلوار کے خون سے کلمہ پڑھا۔ تو رسالتماہ نے ارشاد فرمایا: اے اسامہ! کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔

آزادی مذہب | بنو نضیر حبیب دظن ترک کمر کے نکلے۔ تو اس شان سے کہ حبش کا دہوکا ہوتا تھا۔ انصار کی اولاد جو یہودی مذہب پر تھے۔ اور یہودی ان کو ساتھ لے جا رہے تھے۔ انصار نے ان کو روکا۔ آیت نازل ہوئی

"مذہب میں زبردستی نہیں ہے"

حضرت جویریہ اسیر جنگ ہوئیں۔ ان کا باپ حارث آنحضرت کے پاس آیا۔ اور اس نے کہا کہ میری لڑکی کینز نہیں بن سکتی۔ یہ معاملہ جویریہ کی مرضی پر چھوڑا تھا۔ آنحضرت نے زرفدیہ ادانی اور حسب مرضی جویریہ سے شادی فرمائی بلا مرضی اور ادانی رقم شادی نہ کی اور اس کا اثر یہ ہوا کہ تمام اسیران جنگ رہا ہو گئے

۱۔ مسیحی صلح حدیبیہ - آنحضرت نے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا۔ اسلحہ بجز تلوار کے ہمراہیوں کو ممانعت کی۔ یہ سب گئے۔ اہل قریش مخالفت پر آمادہ تھے۔ صلح کی گئی۔ شرائط یہ تھے۔

حتی الامکان جنگ سے گریز کیا گیا

- ۱۔ مسلمان سال حال واپس جائیں
- ۲۔ آئندہ سال صرف تین دن تک قیام کر کے چلے جائیں
- ۳۔ غیر مسلح آئیں۔ صرف تلوار لائیں جو نیام میں ہو۔ اور نیام تھیلے میں ہو۔
- ۴۔ مکہ کے مقیم مسلمانوں کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ اور اگر کوئی مسلمان مکہ میں اقامت کا ارادہ کرے تو اس کو نہ روکیں۔
- ۵۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کو جانے۔ اور اگر کوئی مسلمان مکہ میں جاوے تو واپس نہ کیا جاوے گا۔

۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا۔ کہ جس کے ساتھ چاہیں شریک معاہدہ ہوں۔ اس موقع پر ابو جندل سے رسول اللہ نے فرمایا۔ ابو جندل صبر اور ضبط سے کام لو۔ خدا تمہارے لئے اور مظلوموں کے لئے کوئی راہ نکالے گا۔ صلح اب ہو چکی۔ اور ہم ان لوگوں سے بد عہدی نہیں کر سکتے؟ یہ تھا عہد و پیمانہ پر استقلال۔

اس صلح کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار مدینہ آتے تھے۔ عقائد اسلام سنتے تھے۔ اور اسلام قبول کرتے گئے۔

قیصر روم، خسرو پردیز، ایران، عزیز مصر، بادشاہ حبش، روم کے عرب، روم کے شام، کے نام دعوت اسلام دی گئی۔ بادشاہ حبش نے اسلام قبول کیا۔ شاہ ایران۔ ہرا فروختہ ہوا۔ قیصر روم دل میں قائل تھا۔

دعوت اسلام بہ سلاطین

۷۔ ارشاد نبویؐ در بارہ عفو

ساتھ بن ہلاکو نے تیر اندازی کر کے فوج عینم کو بھگا یا اور ادنیٰ چھین لے۔ اور رسول اللہ نے عرض کی کہ دشمن کو پیا سا چھوڑ آیا ہوں۔ اگر سو آدمی مل جائیں تو ہر ایک کو گرفتار کر کے لا سکتے ہیں۔ ارشاد گرامی ہوا کہ۔

جب قابو پا جاؤ تو عفو سے کام لو۔

خبر کے موقع پر رسول اللہ نے حکم دیا کہ ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ آئیں۔ جو طالب جہاد ہوں۔

کیا یہ لوٹ مار کی تعلیم تھی۔؟

خبر

حضرت علیؑ کو حکم رسالت آیا ہوا کہ بہ زمی اسلام ان پر پیش کرو۔ اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام لائے تو سرخ اذنوں سے بہتر ہے۔

فتح کے بعد زمین منقودہ پر قبضہ کیا گیا۔ یہود نے درخواست تھی کہ زمین ان کے قبضہ میں رہنے دی جائے نصف پیداوار دے دیں گے۔ درخواست منظور ہوئی۔ بوقت تقسیم دو حصے غلہ کے لئے جاتے۔ اور یہود کو حق انتخاب تھا۔

عفو عام

جب خبیہ کے بعد جو مکہ میں داخلہ کے بعد رسول اللہ نے فرمایا۔ ان لوگوں کی طرف دیکھا جو ہر طرح کی اذیت اور مخالفت کے مرتکب سابق میں ہو چکے تھے۔ ان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ تم کو کچھ معلوم ہے کہ تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔ ان سب نے جواب دیا۔ تو شریک بھائی ہے۔ اور شریک برادر زادہ ہے۔ نبی کریم نے جواب دیا۔

تم پر کچھ الزام نہیں۔ تم سب آزاد ہو۔ ایسے واقعات۔ ایذا رسانی۔ مخالفت اور حملہ آوری، سازش کے بعد یہ ارشاد سبحان اللہ سبحان اللہ
 جہاد پر اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ ہر ہم کو غزوه بتایا گیا۔ مگر یہ امور ملحوظ رہیں کہ جہاد اس وقت کیا گیا۔ جب تمام اذیتوں
 اور تعاقب کی انتہا ہو چکی۔ ہجرت کے بعد بھی امن نہ ملا۔ حملہ ہوا یا حملہ کی تیاری کی گئی۔ یہاں کہ اجازت حج کے لئے اہل تہذیب
 سے جنگ کی مجبوری ہوئی۔ غنیمت یعنی لوٹ کو تدریجی طور پر رد کیا گیا (دیکھو باب اصلاحات) اسیران جنگ کے لئے سلوک نیک
 تھا۔ جہاد جہاد عبادت بن گیا تھا۔ کہ غنیمت اور خونریزی کی خواہش۔ بقائے اسلام کے لئے اُس کی ضرورت تھی۔ اشاعت
 اسلام کے لئے ناگزیر تھی۔ اگر جہاد نہ ہوتا تو اسلام (خدا خواستہ) مٹ جاتا۔ جو شے محبوب ترین اور قیمتی تر ہوتی ہے۔ اُس کے
 لئے ترک قبائل۔ جہاد اور وطن کیا گیا۔ اور جس کو قبول کیا گیا جو ہر حق تھا۔ اور جس میں عافیت دارین تھی۔ اس کو اگر محفوظ
 حملہ سے کیا گیا تو ٹھیک اور امر زیبا تھا۔

اللہ پاک فرماتا ہے کہ اللہ کسی مسلمان کی حالت میں تغیر نہیں کرتا۔ جب تک کہ تغیر اس میں نہ کریں جو ان سے متعلق
تغیر اقوام ہے۔ یہ مسلمان یا کسی طبقہ سے متعلق نہیں۔ بلکہ بنی نوع انسان سے روئے سخن ہے۔ جو جیسا کرے گا۔
 اس کو ثمرہ ملے گا۔

دیکھو اقوام فتح کے بعد مفتوح قوم کے ساتھ نیک سلوک پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔ اسلام نے کاپاپٹ
مفتوح کے ساتھ سلوک کی۔ اگر مفتوح مسلمان ہو گیا۔ تو اس نے مساوات حاصل کی۔ اگر غیر مسلم رہا تو جزوی
 ٹیکس دے کر وہ آرام سے رہے۔

مسلمانوں کا عدل۔ مہربانی اور خدا ترسی تھی۔ نہ مسلمان کو گھراؤ نہ دنیا میں کسی عزیز کی فکر تھی۔
اسباب فتح اسلام اور شہادت کو بہترین چیز سمجھتا تھا۔ راہ حق میں مرنا جنت میں جانا تھا۔ وہ ظالم نہ تھا۔
 اسامہ بن زید شام کو فوج لے کر چلے تو ابو بکر صدیق نے فہمائش فرمائی۔

”بددیانتی۔ بے وفائی۔ ظلم و زیادتی نہ کرنا۔ لوگوں کے اعضا کاٹنے۔ بچے، سن رسیدہ، بدہنوں اور عورتوں کا قتل کرنے
 پھل دار درخت کاٹنے اور جلانے اور درختوں کو بے ثمرہ بنانے سے پرہیز کرنا۔ بکری بگاتے، اونٹ، کو خدا کے لئے قربانی
 کرنے کے علاوہ، اور کسی وجہ سے ذبح نہ کرنا۔ اور عنقریب تم ایسے لوگوں کے پاس سے ہو کر گزر دو گے۔ جنہوں نے خدا کی عبادت
 کے لئے عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں سکونت اور گوشہ نشینی اختیار کی ہے۔ انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دینا۔ اور ان کی
 عبادت گاہ اور خانقاہ سے محترص نہ ہونا“

نبی کریم کے ذمہ تبلیغ و تبشیر خوش خبری سنانا۔ انذار (خدا کے جلال سے ڈرانا۔ انجام بد سے آگاہ
مقصد رسالت کرنا۔ اور تمام حجت کے لئے احد تھی
 اور مرتب

آپ صرف قاصد نہ تھے۔ مبشر (خوش خبری سنانے والے) نذیر (ڈرانے والے)۔
 سراج منیر (روشن چراغ) صاحب حکمت، صاحب خلق عظیم، صاحب مقام محمود۔ مجتبیٰ (مقبول)
 مصطفیٰ (برگزیدہ) مبین (شرح اور بیان کرنے والے) معلم مفرک (پاک کرنے والے)۔
 داعی الی اللہ۔ حاکم۔ (فیصلہ کرنے والا) مطاع (واجب الاطاعت) آلہم (حکم دینے والے)
 نابی رد (دکنے والے) تھے

یکسانیتِ تعلیم | قرآن نے حکم دیا کہ

یہ قرآن تمام انسانوں کے لئے پیغام ہے (ابراہیم۔ ۱۰۰)

اور ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے خوش خبری سنانے والا اور ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا۔ (سبا ۳)
یہ تعلیم مخصوص گروہ امرایا ذات پات کے جھگڑے یا محدود قوم کے لئے نہ تھی۔ یکساں تھی۔

تعلیمات اسلام کا تفریح، اسلامی تصوف کا حسین و جمیل گلدستہ، علم و تحقیق کا مخزن

مدیر اعلیٰ

(مولانا) میر حسن امجدری

ماہنامہ آستانہ زکریا ملتان

زیر سرپرستی: محمد مزادہ محمد سجاد حسین قریشی ہاشمی، سجادہ نشین دربار غوث العظیمین رح

آستانہ زکریا: اردو ادب میں اصلاح و انقلاب کی کوشش کر رہا ہے۔

آستانہ زکریا: دعوتِ اسلامی اور پیغامِ حق کا داعی و ترجمان ہے۔

آستانہ زکریا: شرک و بدعت - غلط عقائد، فحاشی، بے غیرتی،

اور مخالف اسلام تحریکوں کے خلاف، قلمی و فکری جہاد کر رہا ہے۔

اردو کے مشاہیر اہل قلم و علم اور ممتاز انشائے پرداز و شعراء آستانہ زکریا کی ترتیب میں حصہ لیتے ہیں۔ ہر ماہ کے مستقل عنوانات یہ ہیں

تجلیات، معارف قرآن، تشریح احادیث پاک، مثنوی رومی، تذکرہ اولیاء

حکایات صالحین، مذہب و اخلاق، تاریخ نمنار، نعت گویان اردو، روح انتخاب

شعرو حکمت، استفسارات، ہمارا ملتان، بچوں کی دنیا، ہماری نظر میں،

مشرقی و مغربی پاکستان میں اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے اشتہار چلے سکتے ہیں، پاکستان کے

تمام رسائل سے ارزاں دلکش اور معیاری رسالہ صرف پانچ روپے

سالانہ چندہ بھیج کر اولین فرصت میں جاری کرا لیجئے!

۰ ۸/۲ ۰

فی کاپی

۰ ۰ ۰ - ۵ روپیہ

سالانہ چندہ

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

نیچر رسالہ آستانہ زکریا ملتان شہر (مغربی پاکستان)

ترجمہ: عبدالمجید اصلاحی

اسلام کی حقیقت

ماہواک اسلام کے عنوان سے ایک قیمتی مقالہ مجلہ "المسلمون" قاہرہ کی جلد ۳۰، شمارہ ۷۷ میں شائع ہوا ہے۔ مقالہ نگار مصطفیٰ احمد زرقا سوریہ کے لا کالج (Leeds College) میں شریعت اسلامی کے استاد ہیں جن کے علمی، دینی، سیاسی، مضامین اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مقالہ کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اس کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔

مترجم

علماء اسلام اسلام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ ایک فطری دین ہے۔ فطرت سے مراد انسان کی وہ طبع سلیم ہے جس کی رہنما عقل حکیم اسے محکمہ نظام اجتماعی کی طرف رہائی کرتی ہے۔ جس میں انسان کی فکری، جسمانی اور روحانی ضرورتیں پایہ تکمیل تک پہنچتی ہیں اور اسے نیک، پاکیزہ، بلند اور پابندار عملی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ اس میں فرد اور اجتماع کا خیالی نہیں۔ عملی بقا اور تحفظ وجود میں آتے ہیں۔ اور انسان کی پوشیدہ صلاحیتیں قلب و نگاہ کی تیرگی میں گم ہونے کے بجائے زیور حسن سے آراستہ ہوتی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ انسان جو اپنی عقل سلیم اور فطرت اعتدال پسند کو کام میں لاتا ہو۔ اگر ان خارجی عوامل اور بیرونی اثرات کی عملداری سے الگ ہو اس کے افکار و عادات میں ظہور فساد کے موجب بنتے ہوں۔ بعد ازاں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے کوئی ایسا صالح نظام حیات وضع کرے۔ جو عملی اعتبار سے کامل ترین نظام ہو تو پورا یقین ہے کہ اس کے لئے وہ تجربوں کے بعد انہی بنیادوں تک پہنچے گا۔ جن بنیادوں کو اسلامی نظام زندگی لیکر آیا ہے۔

ہماری گفتگو فروعی تفصیل سے الگ ہو کر صرف اسلامی بنیادوں کے متعلق ہوگی۔

اسلام جیسا کہ اس کا اساسی دستور قرآن حکیم اعلان کرتا ہے اللہ کی وہ آخری شریعت ہے۔ جو پیش رو رسولان الہی کے لاتے ہوئے ہدیوں کا اعتراف اور ان اصلی اور بنیادی مرحلوں کی تکمیل کرتی ہے۔ جنہیں سابق الہی پیغاموں نے شروع کیا تھا۔ اس پہلو سے تمام ادیان سماویہ اسلام کی آغوش میں آجاتے ہیں۔ یہ وہ عام شاہراہ ہے۔ چنانچہ ان سابقہ کے اصلی خط و خال آکر ملتے ہیں اور اپنے تمام کناروں کو اس میں ضم کئے ہوئے منزل مقصود تک پھیل جاتے ہیں۔

اسلامی بنیادیں

اسلام میں عقلی بنیادیں | اسلام کی نظر میں ہر اصلاح کی بنیاد یہ ہے کہ انسان عقلی اعتبار سے اللہ کے وجود اس کی وحدانیت

اور صفات کی صحیح صحیح معرفت حاصل کرے۔ اس پر اور اس دن پر کامل اعتقاد رکھے جس میں لوگوں کو ثواب و عذاب کیلئے مجتمع کیا جائے گا۔ اور ان کے لئے دائمی عذاب یا سرمدی مسرت کا فیصلہ سنایا جائے گا۔ یہ اعتقاد اس لئے تھا کہ، دل و دماغ میں حاکم بالا دست کے روبرو انتہائی مسئولیت کا شعور پیدا ہو۔ اور ہر فرد معاشرہ اپنی جگہ خود اپنا محاسب اور نگران ہو جائے۔

اس ضمن میں اسلام ایک ایسا عقیدہ پیش کرتا ہے۔ جو انتہا درجہ سادگی اور حسن کے ساتھ انسانی معاملات کی شیرازہ بندی کرتا ہے۔ ہر قسم کے الجھاد اور معصے سے پاک جسے عامل اور جاہل یکساں طور پر ایک ایسی دلیل کی تائید کی روشنی میں سمجھ سکتے ہیں جو خالص عقل و مشاہدہ پر مبنی ہے۔

کائنات عالم میں حدوث و عدم کے بے شمار دلائل موجود ہیں جن سے یہ حقیقت دریافت ہو سکتی ہے کہ ایک ہستی ضرور موجود ہے۔ جو اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ عقل میں یہ بات آتی ہے کہ اثر کا تعلق موثر سے ضرور ہوتا ہے۔ اسی کائنات سے موجود کائنات کی صفات بھی سمجھی جاسکتی ہیں۔ یہ کائنات بڑی وسیع الشان کائنات ہے جس کی ایجاد قدرت کی محتاج ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ قدیر ہے۔ کائنات کے اندر ایک فطری، محسوس اور محکم نظام کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ تپہ چلا کہ خالق کائنات علیم و حکیم ہے وغیرہ وغیرہ اللہ تعالیٰ پر اعتقاد خود بخود عقیدہ آخرت کو مستلزم ہے۔ درہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی ایک بے مقصد اور عبث ٹھہریں گے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلْمًا لَا تَرْجِعُونَ ۝

ترجمہ۔ آپ تمہارے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے یہاں لوٹا کر نہیں لئے جاؤ گے۔ ذات الہی، صفات الہی، اور یوم آخر کے باب میں اسلام کا یہ عقیدہ ہے۔ قرآن نے اللہ تعالیٰ کو خلق کی تمام مشابہتوں سے منزہ قرار دیا ہے مثلاً اللہ کوئی انسان نہیں، اس جیسا کوئی نہیں وہ بیابا ہے اور نہ باپ۔

زمانہ ماقبل بعثت میں خالق و مخلوق کی حیثیتیں مخلوط اور گڈمڈ ہو چکی تھیں۔ خود ساختہ بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ قرآن نے بت پرستی کی شدت سے مخالفت کی بتایا، کہ صنم نوازی اور بت پرستی عقل انسانی کا جسے اولیٰ و خرافات سے بالا تر ہونا چاہیے زبردست اخطا ہے ایک دوسرا فسوس ناگ پہلو یہ تھا کہ اسلام سے پیشتر پیشوایان مذہب اللہ اور مخلوق کے درمیان حائل ہو گئے تھے۔ انہوں نے پیردان مذہب کی عقلوں پر دین کے نام پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔ مذہب کو انہوں نے اسرار سر بستہ اور زندہ طلسمات بنا کر رکھ دیا تھا تاکہ عوام مذہب کو بلا واسطہ نہ سمجھ سکیں۔

بتا برائیں عقل انسانی کو اسلام نے اس پہلو سے آزادی اور خود مختاری بخشی اور اعلان کیا کہ اللہ اور مخلوق کے درمیان کسی قسم کی کوئی وساطت نہیں۔ چنانچہ اسلام میں کسی فرد یا طبقہ کے لئے کسی نوعیت کا دینی اقتدار باقی نہیں رکھا گیا یعنی اسلام میں ایسے مردان دین کی مطلقاً گنجائش نہیں جو دین کو اپنے ساحرانہ عزائم کی خوراک بنائیں۔ اور دین کے نام پر عوام کی قسمتوں کے مالک و مختار بن جائیں۔ جیسا کہ — تحقیر کر لی کا خاصہ ہے، اس کے برعکس اسلام ایک کھلا ہوا دستور ہے۔ جو عقلی اعتقاد، قانونی اور شرعی، اصول و مبادی اور انسانی توجیہات کا حامل ہے۔

بغیر امتیاز مذہب و ملک کوئی بھی ایسے اختیار کر سکتا ہے۔ اور خود اپنی زندگی اور اپنے دوسرے ہم جنسوں کی زندگی میں اسے نافذ

کرنے کی اس کی طرف سے جو سعی و کوشش ہوگی وہ اللہ کے یہاں بلا کسی توقف و تردد کے شرف قبولیت سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ اسلام کے اس اصول کی شدت یہ عالم ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شریعت کو لے کر گئے تھے اس شریعت کے احکام پر عمل کرنے والے تھے۔ لفظوں قرآنی کے بیان کے مطابق آپ کی تمام تردنیی مہم تبلیغ اور وقتی اقتدار تنقید کے لئے وقف تھا۔

خود نبی کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے۔

۱. **أَمَّا أَنْتَ صَدْرًا وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ لِّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ**

ترجمہ :- تم تو صرف ایک ڈرانے والے ہو۔ اور ہر قوم کا ایک رہنما ہوتا ہے۔ تم پر محض یہ بوجھ نیا ہے۔

۲. **لَيْسَ لَكَ مِنْ أَكْامِرِ شَيْءٍ مِّنْ اهْتَدَىٰ فَا نَمَا يَهْتَدَىٰ لِنَفْسِهِ**

ترجمہ :- معاملہ کا کوئی حصہ تمہارے اختیار میں نہیں۔ جو کوئی راہ بدی اختیار کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے۔

۳. **وَمِنَ امْسَاءِ فَعَلِمَ هَا أَنْ اللَّهُ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ**

ترجمہ :- اور جو کوئی راہ سو رپکڑتا ہے۔ تو اس کا دباں اسی پر ہے۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی فاطمہ کو مخاطب فرماتے ہیں۔

”محمد کی بیٹی فاطمہ! اللہ کے یہاں میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔“

اس طرح اسلام نے عقل انسانی کو آزادی بخشی اور دین کے نام پر سودا بازی کا دروازہ بند کر دیا۔ جسے جتنا شریعت کا علم ہوگا۔ اس پر اتنا ہی فرض ہوگا کہ بغیر اقتدار و حکم جہاں تک وہ نادانوں کو علم دین سکھائے معلم و متعلم دونوں اللہ کے سامنے مسئولیت اور جواب دہی کے معاملہ میں یکساں اور برابر ہیں۔

چونکہ علم، عمران و اصلاح کی اساس و بنیاد ہے۔ اس لئے لفظوں قرآنی اور احادیث رسول میں تحصیل علم کی ترغیب **علمی بنیاد** اور علمائے کی رفعت و شان کا تذکرہ خصوصیت سے آیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا ارشاد ہے

۴. **هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ**

ترجمہ :- کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں۔ اور جو علم نہیں رکھتے برابر ہیں۔

کوئی بھی علم ہو۔ شریعت کا ہو۔ طبعی قوانین کا ہو، ہر مفید اور کارآمد علم کا سیکھنا ضروری ہے۔

تاریخ انسانی کا پہلا واقعہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکین قیدیوں کا فدیہ جو قرأت و کتابت سے واقف تھے یہ قرار دیا کہ وہ ناخواندہ مسلمانوں کو لکھا پڑھا دیں۔ اور یہ بھی تاریخ کا اولین واقعہ ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علمائے اصحاب پر ناخواندوں پر حصوں علم کا فریضہ عائد کیا۔ دونوں کو ایک سال کا موقعہ دیا۔ اور فرمایا کہ کوئی بھی اپنے فرض سے کوتاہی اور غفلت برتے گا تو عذاب اخروی ایک طرف خود اس دنیا میں بھی سزا اور سزائے کا مستوجب قرار پائے گا۔

اسلام کی ترقی جو کچھ ہوتی اس میں اسی عظیم الشان قانون کا ہاتھ تھا۔ جہاں جہاں اسلام کا نور تاباں پہنچا وہاں وہاں اس کے پہلو بہ پہلو شرعی اور طبعی علوم بھی پہنچے یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگوں کے ذہنوں اور دماغوں میں دینداری کا احساس و شعور زندہ تھا۔ اور مسلمانوں میں جو دو تعطل اور اہمال و غفلت کی خوتے ہلاکت آفرین نہ پیدا ہوئی

تھی۔

عبادتی بنیاد | تعلق باللہ کی حفاظت ہمذیب نفس اور روحانی نشوونما اور تقاؤ کے لئے اسلام نے متعدد عبادتیں فرض کی ہیں۔ مثلاً نماز، وغیرہ۔ نماز کے شرائط میں ایک شرط صفائی اور تھوڑی کی بھی داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی قانون میں نماز سے پیشتر اطراف جسم، چہرہ اور بعض حالات میں پورے جسم کا دھونا واجب ٹھہرایا۔ یہ عبادتیں جس طرح ظاہر کو پاکیزہ اور مستحضر بناتی ہیں اسی طرح باطن کو بھی مختلف آلودگیوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔

عبادت کا مفہوم صرف روزہ نماز ہی جیسے اعمال پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ عمل جو احکام الہی کی تعمیل میں کیا جائے عبادت ہے۔ حتیٰ کہ راہ سے ایک روڑے کو اس خیال کے تحت کہ بندگان خدا کو اس سے اذیت نہ پہنچے۔ ٹھانڈا پانی عبادت میں داخل ہے۔

اجتماعی بنیاد | اسلام جس وقت آیا تھا۔ اس وقت طبقاتی نظام کا رواج تھا۔ حکومتوں سے لے کر افراد تک زبردست زیر دست کے لئے خونخوار درندہ بنا ہوا تھا۔ قرآن نے انسانی مساوات کی تعلیم دی۔ اس طرح کسی خاص قوم یا رنگ یا نسل کے لئے کسی قسم کا کوئی شرف و امتیاز باقی نہ رہا۔ قرآن نے اس طرز کی تمام تفریقات سے بالا تر ہو کر فضل و شرف کا صرف ایک معیار متعین کیا ہے۔ وہ یہ کہ معاشرت میں افضل اور فائق تر وہی ہوگا جو علمی اور عملی فضائل کے اعتبار سے سب سے آگے ہو۔ قرآن مجید کا ارشاد گرامی ہے۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

ترجمہ: تم میں کریم تر وہ ہے جس کے دل میں سب سے زیادہ تقویٰ ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک ہے۔

من اطاع بہ عملہ لم یسرع بہ کسبہ

”جو عملی اعتبار سے سست ہو۔ اسے اس کا نسب تیز کام نہیں کر سکتا“

ردم و عرب کے نزدیک عورت کا مرتبہ اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ کہ وہ گھر کا ایک اثاثہ ہے۔ بیچاری حقوق و میراث اور آزادی رائے کی نعمت سے قطعاً محروم تھی۔ اسلام نے اسے مرتبہ بلند بختا۔ اسے شادی اور انتخاب شوہر کی آزادی عطا کی اور اپنے مال و حقوق میں تصرف کرنے کی اجازت دی۔ اس طرح اس نے مذکورہ پہلو کے اعتبار سے شوہر یا کسی فرد خاندان کے ناروا تسلط کو ختم کر دیا۔

قرآن نے مالداروں کے اموال میں دقت ضرورت ٹیکسوں کے علاوہ زکوٰۃ فرض کی ہے۔ یہ زکوٰۃ فقراء و مساکین اور بہت سے عمومی مصالح میں کام آتی ہے۔ اس طرح اسلام نے اجتماعی کفالت کا بابرکت نظام قائم کیا۔ جس میں انفرادی ملکیت کا احترام کرتے ہوئے۔ محتاجوں کے لئے اجتماعی زکاۃ کا انتظام کیا۔ آج اگر اس نظام کو رائج کر دیا جائے تو عالم انسانی اپنے بہت سے دکھوں سے نجات پا جائے جو بعض جدید اقتصادی نظام ہائے عمل کے پیدا کردہ ہیں۔

تشریحی بنیاد | خاص و عام تمام حقوق کو شامل قانون کی ایک ہمہ گیر عمارت قائم کرنے کے لئے اسلام تشریحی بنیاد میں پیش کرتا ہے۔ جو پیش نظر مقصد و پردگرم کے لئے پوری طرح کافی ہیں۔ انہی تشریحی بنیادوں کے

مبد ر فیض سے اور دوسرے تفریحی مسائل کے لئے ایک عظیم الشان فقہ اسلامی وجود میں آئی۔ جو آج تک دنیا میں تشریح و تفسیر کا بیش بہا خزانہ تصور کی جاتی ہے۔ اس کے اندر لاتعداد قانونی نکتہ آفرینیاں اور بے شمار تشریحی اشارات موجود ہیں

نظریہ حکومت کے باب میں اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ جنگ کی آخری انتہا امن ہے۔ رسول کو قرآن کا خطاب سے۔

وَأَنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا
(اگر وہ صلح کی جانب مائل ہوں تو تم مائل ہو جاؤ)

بین الاقوامی معاملات میں عدل و انصاف کی تنقید اسلام کی مسلم تعلیم موجود ہے۔ اس کے یہاں یہ اصول بھی ہے کہ اسلامی اور غیر اسلامی حکومتوں کے درمیان پیدا شدہ حکومتی اختلافات کو خواہ امن کی حالت ہو یا جنگ کی ہر موقعہ پر عدل و انصاف (قضا) کے تحت رکھا جائے گا۔

جنگ میں اسلام نے عورتوں، بچوں، بے کسوں، مرلہنوں، ایسے مذہبی لوگوں کو جو عبادت و ریاضت کے لئے گوشہ نشین ہوں قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ دشمن اگر انسانیت سوز حرکتیں کریں تو ان کے ساتھ معاملہ بالمثل کرنے کی بھی ممانعت وارد ہے۔

اسلام نے انسانوں کو تعلیم دی ہے کہ ان کی بنیادی ہم سوسائٹی کے اندر ایک مفید اور باعث خیر و برکت عضو بننے کی ہے۔ یہیں سے اس پرورد اور بنیادی فرائض عائد ہوتے ہیں۔

اولاً، محنت کش ہوں۔ اپنے کاموں کو ٹھوس اور محکم کریں۔ اپنے ہاتھوں میں اسباب قوت کا خزانہ جمع کریں۔
”رسول گرامی کا قول ہے۔“

”اللہ تعالیٰ پیشہ در مومن سے محبت رکھتا ہے۔“

”اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ جب کوئی شخص کام کرے تو اسے پایہ استحکام کو پہنچا دے“ یعنی اسے ادھورا نہ چھوڑے

”طاقتور مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے بہتر اور زیادہ محبوب ہے“

ثانیاً کہ خیر پسند ہوں، اجتماعی مصالح کی خاطر کوشاں ہوں۔ لوگوں کو اپنا کھائی تصور کریں۔ ان اعتبارات سے جس قدر آدمی سوسائٹی کے لئے پسند ہوگا۔ اسی قدر اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ بلند ہوگا۔
رسول اکرم کا ارشاد گرامی ہے۔

”لوگ اللہ کے عیال ہیں۔ اللہ کے نزدیک محبوب ترین وہ ہوگا۔ جو اس کے عیال کے لئے زیادہ سے زیادہ کارآمد اور مفید ہوگا۔“

”نبی اکرم علی اللہ علیہ وسلم نے تعصب سے روکا ہے۔ کیونکہ یہ آدمی کو اندھا کرتا ہے۔“

”ہماری جماعت سے وہ شخص خارج ہے جو تعصب کا داعی ہو۔ وہ بھی خارج ہے جو عصبیت پر جنگ کرے۔“

وہ بھی خارج ہے جس کی موت عصبیت پر ہو“

آپ نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور کلمہ حق کہنے میں جبری اور بیباک ہوں۔

”سب سے افضل جہاد۔ ظلم بادشاہ کے روبرو کلمہ حق کہہ دینا ہے“ اسلام اپنی تشریحی اور اخلاقی سیاست میں ان امور

کی تعلیم نہیں دیتا۔ جو فطرت انسانی سے متصادم ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر اسلام محض انکار و تطہیر کا ایک مجموعہ ہوتا۔ جو عمل کے

بجائے نہیں۔ بلکہ دماغی تفریح کا سامان ہے۔ اس نے اپنے تمام ادا مرد نو اہلی میں فطری طبائع کا لحاظ رکھا ہے۔ اور انہیں

اعتدال و تعمیر کی راہ پر لگانے کا اہتمام کیا ہے۔

بنا بر این اسلام نے نظریہ رہبانیت کا وائسکاف انداز میں انکار کیا کیونکہ زن و مرد میں ازدواجی رشتے کی ضرورت

ایک طبعی ضرورت ہے جسے رد کا گیا۔ تو برے نتائج رونما ہوں گے۔

اسی بنیاد پر اسلام نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ اگر دائیں گال پر طمانچہ مارا جائے تو دوسرا بھی پیش کر دیا جائے کیونکہ اولاً تو عجز کو اور شہ مٹے گی۔ دوسرے جذبہ انتقام، حضرات انسانی کا خاصہ ہے۔ جو اس جیسی تعلیم کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ قرآن نے اس کے برعکس عقوبت بالمثل کا قانون بنایا۔ اور سزا میں حد جرم سے تجاوز اور بری کو سزا دینے سے روکا۔ اس طرح اس نے تضاد کے اس طریقہ کو نیست و نابود کر دیا۔ جو خاندان و قبائل کو تباہ کر رہا تھا۔ اور مجرم کے بدلے بری عذاب کی چکی میں پیسے جا رہے تھے۔ اور ایک ایسا معتدل قانون پیش کیا جو عدالت کے زیر سایہ ایک طرف آتش انتقام کو سرد کرتا ہے۔ اور دوسری جانب ظلم و اعتداء کی روش پر ہمیشہ چلانا ہے۔

اسلام زندگی کے تمام متضاد عناصر سے استفادہ کی تنظیم کرتا ہے۔ کیونکہ ہر دونوں مخالف عنصر اگر مناسب طور پر اور بر محل استعمال کئے جائیں۔ تو انسانیت کے لئے مفید ثابت ہوں گے۔ مثلاً بعض اذقات آدمی اپنے خصوصی حقوق میں تسامح اور رواداری کا طالب ہوتا ہے۔ لیکن عام حقوق کے تحفظ کی خاطر اسلام اسے روک دیتا ہے۔ اور تشدد سے کام لیتا ہے۔ کیونکہ حفاظت حقوق میں اہمال و غفلت حیات ملی کے لئے عظیم مفسدہ ہے۔

اسی طرح عام حالات میں اسلام ادا مردنوا ہی کے اتباع کے التزام کی خاطر شدید احتساب سے کام لیتا ہے۔ لیکن بعض حالات میں ایسی استثنائی تدابیر کو جائز قرار دیتا ہے جس کے پیش نظر ممنوع، اضطراری حالات کے ختم ہونے تک مباح ہو جاتا ہے۔

اور ادا امر کی طرح عبادتوں کے اندر بھی ضرورتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

یہ اسلام کا ایک اجمالی اور مختصر خاکہ ہے جس سے معلوم ہوگا۔ کہ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے۔ جہاں عقل و فکر آزاد ہیں۔ نفس انسانی کی تطہیر و تزکیہ کا پروگرام ہے۔ تقلید و تعصب اور سادس و مزخرفات کے خلاف بغاوت ہے۔ اخلاق و حریت کی بعثت جدیدہ ہے۔

اس موقع پر میں اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ آج اسلامی ممالک میں اسلام قطعاً صحیح اور کامل صورت میں رائج نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ فرزند ان اسلام کے اکثر اعمال و مشاغل راہ اسلامی سبٹے ہوئے ہیں۔ اسلام کی تصویر کامل ان کے اعمال و رجحانات میں نہیں۔ قرآن اور رسول کے اقوال و افعال میں محفوظ ہے۔

اسلام اشخاص کا نام نہیں بلکہ اصول و افکار اور ایک مکمل نظام کا نام ہے۔ اس کی حقیقت کو اہل اسلام کے غلط اور غیر اسلامی اعمال کے واسطے سے سمجھنا ظلم عظیم ہے۔ ان کے اعمال اسلام پر حجت نہیں بلکہ اسلام خود ان کے خلاف حجت ہے۔

”مرزائی دائرہ اسلام سے خارج ہیں“

گرائڈر کتاب، دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت مقابل ریڈیو پاکستان بندر روڈ، کراچی سے مل سکتی ہے۔

بے پردہ ہونے کے بعد

(منفلوطی کا ایک شاہکار، آزاد ترجمے کے پیراہن میں)

مترجم - س 'ا' ندوی

میر نے ایک دوست کو سفر یورپ کا شوق دامنگیر ہوا۔ وہ ہمارے جانے پہچانے دوست تھے، وہ یورپ میں چنڈ سال رہے۔ پھر وہاں سے واپس آتے تو ہم انھیں پہچان بھی نہ سکتے تھے۔ ان میں اپنی کوئی خوبی اور کوئی بات نہیں رہ گئی تھی۔

وہ یورپ کو ایک نئی توہیلی دلہن کی دلہیز خوبروتیوں کے ساتھ گئے تھے۔ مگر جب وہاں سے لوٹ کر واپس آتے تو ان کا چہرہ برسات کی راتوں میں بھیگی ہوئی ایک چکنی چٹان کے مانند پھیکا پڑ چکا تھا۔ وہ یورپ ایک ایسا پاک و ظاہر دل لے کر گئے تھے جو عفو و درگزر کا خوگر، عذر خواہی کا پسینہ تھا۔ جب واپس آئے تو ان کے قلب کا نور و صفا نہایت سے پردوں میں چھپ چکا تھا۔ ادران کا غصہ زمین و ساکنان زمین پر، ادران کا جذبہ انتقام آسمان اور آسمان والوں سے کسی طرح کم ہونے ہی کو نہیں آتا تھا۔ وہ ایک بے نفس مادہ اور اطاعت گزار دل لے کر گیا تھا۔ جو دوسروں کو اپنا سے بہتر سمجھتا تھا، مگر جب وہ واپس آیا تو ایک بہکی ہوئی غیر مطمئن، غیر آسودہ طبیعت لے کر آیا۔ جو کسی چیز کو اپنے سے بہتر یقین کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ اور نیچے کی طرف نظر بھی جھکانا گناہ سمجھتی تھی۔

جب وہ گیا تھا تو عقل و رائے سے لبریز ایک دماغ لے کر گیا تھا۔ مگر جب آیا تو پتھر کی ایک خولدار مورتی جیسا سر لے کر آیا۔ جس میں حکمت و دانائی کے بجائے گندی ہوا بھری ہوئی تھی۔ وہ جب گیا تھا تو روتے زمین پر اس کے لئے دین اور وطن سے زیادہ عزیز کوئی دوسری شے نہ تھی۔ مگر واپسی پر انھیں دونوں چیزوں سے حقیر تر چیز اس کی نظروں میں اور کوئی نہ تھی۔

پہلے میرا یہ خیال تھا کہ یہ نانا نوش شکلیں اور یہ بوالعجبی کے ہولے جس میں بیچارے یورپ سے اپنے وطن کی طرف لوٹنے والے توجوان دکھائی دیتے ہیں۔ یہ کچھ رنگ ہیں جو وہاں ان کے جسموں پر زبردستی تھوپ دیئے جاتے ہیں۔ جب ان پر مشرق کا آفتاب طلوع ہوگا تو یہ خود بخود اڑ جائیں گے۔ یعنی مغربی تمدن کا اثر ان کے اد پر بس ایسا ہی ہے جیسے آئینہ میں صورت کا نقش۔ کہ جب آدمی سامنے سے ہٹا تو اس کا عکس بھی وہاں سے رخصت ہوا۔ اس لئے میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ میں اس دوست سے جدا ہو جاؤں۔ ساری عمر کا نہیں تو بچپن کا دوست ضرور تھا۔ بلکہ اس کی تمام کمزوریوں کے باوجود اس سے نیاہ کرتا رہا۔ تاکہ گذشتہ عہد رفاقت کا یادگار رشتہ و فالٹوٹنے نہ پائے اور آئندہ کی توقعات جو ایک لچھے دوست سے ہو سکتی تھیں ان پر بھی پانی نہ پڑے۔ چنانچہ اس وضع داری میں اس کی ایسی ایسی حماقتیں ایسی خرافات اور ایسی ایسی بدسلوکیاں، بد اطواریاں برداشت

کرنا پڑیں جن کے برداشت کی مجھ جیسے انسان میں کبھی طاقت نہ تھی۔ حتیٰ کہ وہ ایک رات بلائے بے درماں بن کر نازل ہو گئے۔ اس کے بعد ہم ایک دوسرے کی صورت سے بھی بیزار ہو گئے۔

قصہ یہ ہے کہ ایک دن حسب معمول جب میں ان سے ملنے کے لئے گیا تو انھیں بہت ہی محزون درلودہ پایا۔ جب سلام کیا تو ان جیسے عزیز دوست نے صرف اشارے سے سلام کا جواب دیا۔ اس پر میں نے پوچھا کہ خیریت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رات سے میں اس عورت کی طرف سے الجھن اور شدید روحانی اذیت محسوس کر رہا ہوں۔ مجھ میں نہیں آتا اس کو فت سے کیوں کر نجات حاصل کروں۔ اور اگر یہی حالت رہی تو میرا انجام کیا ہوگا۔ اس کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

میں نے بات کھٹتے ہوئے کہا کہ کون سی عورت۔ بھئی کچھ تو معلوم ہو، اس نے کہا، وہی جسے لوگ میری بیوی کہتے ہیں۔

در میں اسے اپنے مقاصد اور اپنی تمناؤں کی راہ میں ایک خطرناک چٹان اور ایک کاٹھن تصور کرتا ہوں۔ مگر آپ تو سیکڑوں آرزوئیں اور مقاصد رکھتے ہیں کس بامقصد آرزو کے بارے میں آپ گفتگو فرمائیے ہیں۔ (میں نے پوچھا) انہوں نے کہا کہ:- میری زندگی میں اس کے سوا کوئی تمنا نہیں کہ میں آنکھیں بند کروں پھر کھولوں تو ایک برقع بھی اس ملک کی عورت کے چہرے پر نظر نہ آئے۔ میں نے کہا:- کہ یہ تو آپ کے اختیارات کی بات نہیں ہے۔ اور نہ اس میں آپ کی رائے کو کوئی اہمیت حاصل ہے۔

مگر یقین مانئے کہ دنیا کے باکار لوگ پردہ کے بارے میں میری ہی طرح رائے رکھتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں ان کی بھی وہی خواہش اور دلی آرزو ہی جو میری ہے۔ دراصل اسی پردے کو اپنی عورتوں کے چہرے سے اتار کر انھیں مردوں کی محفل میں بٹھانے اور مردوں کے ساتھ اسی طرح نشست برخاست اور خللا ملانے میں جس طرح کہ عورتیں باہم اکٹھی بیٹھی اور آپس میں باتیں درچلیں کرتی ہیں۔ مشرقی انسان کی وہی طبعی سگڑوری، اندیشے اور احساس کمتری حائل اور مانع ہے۔ جو اس کے لئے ہر نئے کام کی طرف تادم کرنے میں ہمیشہ سنگ راہ بنتی چلی آئی ہے۔ اس لئے میں نے یہ سوچا کہ میں اس کمزوری کی پرانی عمارت کا منب سے پہلا ڈھلے لا بن جاؤں۔ جو قوم کی فلاح اور اس کی ترقی کی راہ میں ایک سدا سکندری بن کر سد تہائے دراز سے حائل ہے۔ اور میرے ہاتھوں کا کام انجام پا جلتے جو آج تک میرے سوا کسی مدعی حریت اور ان کے شاگردوں سے نہ بن پڑا۔ چنانچہ اس مسئلہ کو میں نے جب اپنی بیوی کے سامنے رکھ دیا۔ تو وہ توبہ تلا کرنے لگیں۔ اور انھیں ایسا معلوم ہوا جیسے میں ان کے سامنے کوئی بڑی زبردست مصیبت سی خونخاک آفت کا پہاڑ پیش کر رہا ہوں۔

وہ کہنے لگیں کہ اگر میں مردوں کے حلقے اور محفل میں نکل آئی تو پھر عورتوں میں قیامت تک کے لئے منہ دکھانے کے قابل ہوں گی۔ کیونکہ ان کا سامنا کرتے ہوتے مجھے شرم و حیا دا منگی ہوگی۔ حالانکہ اس میں شرم و حیا کی کوئی بات ہے۔ اصل چیز تو وہ تادم وجود اور ثلث ہے جو اللہ نے اس ملک کی عورتوں کے سر چھپا دی سے کہ وہ اپنے گھروں کی چار دیواری اور اپنی رخصتیوں اور ڈو پٹوں کی لحد جیسی تاریکیوں میں پڑی منہ چھپاتے۔ دنیا جہاں سے رد ٹھے ہوئے علم و تمدن کی تابانیوں محفوظ رہتے۔ اور آنکھیں بند کئے ہوئے زندگی گزار دیں۔ اور اس چل سہل والی پر رونق حرم ہراسے اٹھکر، آخرت کے رستان میں جادفن ہوں۔ اس لئے میرے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ میں اپنے لقب العین پر عمل کرتے ہوئے اس جا مدادر علاج دماغ کا علاج کر کے رہوں۔ اس کے نتیجہ میں خواہ وہ سر ٹوٹ جائے یا پھر شفا یاب ہو کر رہے۔

میرے دوست نے کہا۔

اس کی ان باتوں کا اثر مجھ پر بڑا ہی اندر مہناک قسم کا ہوا۔ اور مجھے اس سے ایک قلبی اذیت ہی پہنچی۔ اس لئے میں نے اس کے حال پر ایک ترس کھانے والے دست کی نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ میرے دوست کیا نہیں اپنی ان باتوں پر پورا یقین بھی جو اس نے کیا، ہاں، میں وہی حقیقت پیش کر رہا ہوں جس پر مجھے توکل اعتماد اور یقین ہے۔ اور میری روح پوری طرح اس سے مطمئن ہے۔ خواہ تمہارا یاد دہروں کا نفس اس سے مطمئن ہو یا نہ ہو۔

میں نے کہا کہ۔ کیا آپ مجھے یہ درپاستہ کرنے کی اجازت دیں گے کہ آپ ایک عرصہ دراز تک ایک ایسی قوم کے ملک اور ایسے دیار میں رہے ہیں جن کے مردوں اور عورتوں کے درمیان حجاب و شرم کا کوئی پردہ حائل نہیں ہے تو کیا آپ کے ذہن میں کوئی ایسا واقعہ بھی محفوظ ہے۔ جس میں کسی دن کچھ عورتوں سے خلا ملا کے دوران آپ کے دل میں یہ ہوش پیدا ہوئی ہو کہ ان کے شوہروں یا عزیزوں کی غفلت و لاعلمی میں ان کے شیشہ عصمت کو آپ چور چور کریں۔ اور ان کی عصمت کو داغ لگائیں۔

انہوں نے کہا، کہ یقیناً ایسا بھی ہوا ہے لیکن اس سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ میں نے کہا، مطلب یہ ہے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تمہاری گھر والی کی عزت پر بھی وہی ڈاکہ نہ پڑے جو تم دو مردوں کی عزت و حرمت پر ڈال چکے ہو۔

اس نے کہا۔ شریفی عورت مردوں کے درمیان پوری آزادی کے ساتھ رہ کر عصمت و عصمت کے ایک حصن حصین اور ایک محکم قلعہ کی طرح بن کر رہ سکتی ہے جس کی طرف کسی کی نگاہ بھی نہ اٹھ سکتی ہو۔ یہ سن کر مجھے کچھ ایسی تکلیف ہوئی کہ میں آپ سے باہر ہو گیا۔ اور کہا یہی وہ دھوکہ ہے جو تم جیسے کمزور طبیعت انسانوں کو شیطان بنا دیا کرتا ہے۔ اور یہی وہ سوراخ ہے جس کے راستے تمہارے مردوں کے اندر وہ داخل ہو جاتا ہے۔ اور وہاں سے سرک کر تمہاری عقل اور سمجھ پر چھپا جاتا ہے۔ اور اسے عضو معطل کر کے رکھ دیتا ہے۔

میرے دوست! شرن ایک لفظ ہے جس کا وجود زبان کی لغات اور انسائیکلو پیڈیا کے علاوہ اور کہیں نہیں پایا جاتا، اس لئے اگر ہم اسے لوگوں کے دل و دماغ میں تلاش کرنے کی کوشش کریں تو یقیناً ناکافی سے دوچار ہوں گے۔۔۔۔۔ نفس انسانی ایک ٹھہرے ہوئے پانی کے تالاب یا کی مانند ہوتا ہے جو ہمیشہ صاف اور ستھرا رہتا ہے لیکن جب اس میں کوئی پتھر پرتا ہے تو گدلا اور خراب بن جاتا ہے اسی طرح عفت بھی نفس کا ایک رنگ ہے۔ اس کا کوئی جو نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ رنگ آفتاب کی پڑنے والے شعاعوں سے بھی کمتر ہی پائدار ثابت ہوتا ہے۔

اس نے کہا۔ کیا آپ لوگوں کے اندر عفت کے وجود سے انکار کرتے ہیں میں نے کہا، میں منکر نہیں ہوں اس لئے کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ عفت نیک، بھولے، سادے، کمزور اور سنجیدہ لوگوں میں عام طور پائی ہی جاتی ہے لیکن حجاب کے درمیان سے اٹھ جانے اور ایک کے دوسرے کے رد برد ہو جانے کی حالت میں کسی باختیار عیار و چالاکے اور کزیز و طرار اور دل کو باتوں باتوں میں مرنے والی عورت کے اندر اس عفت کے وجود کا قائل نہیں ہوں۔

(سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا) آپ اس ملک کی کس فضا اور کس محفل دوسو ساٹھی میں یہ جا، میں، آپ کی عورتیں مردوں کے ساتھ آئیں؟ کیا معلموں (استادوں) کی محفل میں؟ جن میں کسی سے پوچھا گیا کہ وہ شادی کیوں نہیں کرتا ہے تو چھوٹے ہی اس نے جواب دیا کہ میں شادی کس لئے کروں۔ جب کہ ملک کی ساری عورتیں میری بیویاں ہیں۔ یا طلباء کی محفل میں؟ جن میں کتنے

یہ ہیں جن کے بیگ اور بستے محبوبہ یا دل پسند عورتوں کی تصویروں یا بتان عشوہ گر کے نامہ ہائے عشق اور پیام و محبت سے خالی
تو وہ اپنے ہم سنوں اور دوستوں کی صورت نہیں دکھاتے ہیں۔ اور ان سے چھپتے اور کئی کاٹتے پھرتے ہیں
یا چھوٹے لوگوں کی محفل جن میں بیشتر کسی گھر میں ذلیل خادم کی حیثیت سے داخل ہوتے ہیں اور وہاں سے معزز داماد بن کر
جاتے ہیں

اس کے بعد میں پوچھتا ہوں کہ یہ عورت کے بارے میں اتنی دل چسپی اور اس قدر چٹخارے لے لیکر باتیں بنانے والے اور
کے بارے میں یا اس کے پردے اور بے پردگی یا اس کی آزادی یا اسیری اور قید و بند کے بارے میں ایسا جوش و خروش
ماننے کی کیا ضرورت ہے، گویا آپ اپنا وہ تمام فرض جو آپ پر قوم کی طرف سے عائد ہوتا ہے، پورا کر چکے ہیں اور اب صرف
قی رہ گیا ہے کہ آپ ان نعمتوں اور بخششوں اور اس فضیلت کو دوسروں تک بھی عام فرمادیں
برادرم؟ اگر عورتوں کو مہذب بنانے کی خواہش ہے تو پہلے اپنے مردوں کو مہذب بناؤ لیکن اگر تم مردوں کو مہذب بنانے سے
زہو تو یاد رکھو کہ عورتوں کو قیامت تک تہذیب یافتہ نہیں بنا سکتے۔

تمہارے سامنے فخر و مباہرات کے بہت سے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ ان میں جس دروازے کے اندر جا ہو داخل ہو
اس دروازے کو بند ہی چھوڑ دو تو بہتر ہو، ورنہ اگر تم نے اس دروازے کو بھی چھوٹا کھول دیا۔ توجان کے لالے پڑ جائیں گے۔
ایسے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے جس سے بچھا چھوڑنا مشکل ہو جائے گا

پھر بھی مجھے کوئی ایسا آدمی بھی دکھا دو جو اپنے بارے میں اس کا یقین رکھتا ہو یا یہ وہم بھی کر سکتا ہو کہ اپنی کسی پسندیدہ
ت کے سامنے اپنی خواہشات پر قابو پا سکتا ہے۔ اس وقت یہ بھی مان لوں گا کہ کوئی عورت اس بات پر قادر ہے کہ وہ اپنے
پسند اور محبوب مرد کے سامنے اپنے جذبات کو رد کر لے۔

آپ لوگ عورت کو اس چیز سے گمراہ بنا نا چاہتے ہیں جس کے تحمل و برداشت کی خود آپ میں طاقت نہیں ہے۔ اور
سے ایسی توقعات رکھتے ہیں جن سے خود محروم اور ہی مایہ ہوتے ہیں۔ آپ اسے زندگی کے ایسے خطرناک محرکے میں ڈال کر اس
ٹھیلے اور اس پر ظلم کرتے ہیں جس کے متعلق آپ کو اس محرکے میں اتنی کمزور اور سادی جان کو ڈاکر فائدے میں رہینگے
سے ہیں نفع ہوگا یا نقصان۔ مگر میرا یقین ہے کہ آپ اس سودے بازی کے اندر خسارے ہی میں رہیں گے۔ عورت نے تم سے
لم کی سکاہت نہیں کی اور نہ یہ کہا کہ آپ اس کی بیڑیوں کو کھول دیجئے۔ اور اسے اس قید سے نجات دہانے، پھر کیوں آپ
اس کے ذاتی معاملات میں بلاوجہ مداخلت کرتے پھر رہے ہیں، اور عورت کے قصہ اور گفتگو کی دن رات جگالی کرنے سے
ت نہیں پاتے۔ عورت صرف تمہاری لغویات اور نالائقی کی شکوہ ہی کہ تم نے اس کی زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔ اور اس
آنے جانے، سیر و سفر ہر بات میں ہر جگہ دخل بنے پھرتے ہو، حتیٰ کہ اس کا عرصہ حیات اس کے ادھر تنگ کر رکھا ہے
لئے کوئی چارہ نہ پا کر اس نے اپنے کو گھر میں اس سے زیادہ مقید کر لیا۔ جتنا کہ گھر والوں نے اسے قید کرنا چاہا تھا۔
وہ گھر کے دروازے بند کر کے اندر بیٹھ رہی در کے پردے لٹکا دیتے۔ (گر ادے) تم سے چڑھ کر اور تمہاری لغویات سے
ار اختیار کرنے کے لئے۔

اس لئے سخت حیرت و استعجاب کی بات ہے کہ اسے قید خود کرتے ہو۔ اور پھر اس کے قید خانے کے دروازے پر کھڑے
رکتے روتے ہو۔ اور اس کی بدبختی کا مرتبہ پڑھتے ہو۔

تم اس کا مرثیہ نہیں پڑھتے نہ اس کا نوحہ کرتے ہو۔ بلکہ خود اپنی جہالت کا ماتم کرتے ہو۔۔۔۔۔ تم اس پر نہیں روتے بلکہ ان ایام پر روتے ہو جن کو تم نے ایسے دیار میں گزارا جس کے زمین و آسمان بے حجابی اور سو قسم کی ترغیبات کا سیلاب، رواں ہے۔ اور جہاں بے حیائی۔ بے شرمی اور آبروریزی کا بازار گرم رہتا ہے۔ اور تم اسی زندگی کو ناک کٹا کر مہیاں بھی پیدا کرنا چاہتے ہو جس کو کم دہاں چھوڑتے ہو۔

ہم اپنی خانگی زندگی میں غفلت اور پردہ کی مشک میں مضبوط قسموں اور گھنڈیوں سے بندھے ہوتے تھے۔ تم نے ہر روز اس میں سوراخ کرنا شروع کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عفت اس میں سے قطرہ قطرہ کر کے بہنے لگی۔ حتیٰ کہ وہ مشک پچک گئی۔ اور مشک ہو کر ایک گندی اور چھری کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ پھر ہمیں اس پر کبھی صبر نہ آیا۔ اور یہ ارادہ کر لیجئے کہ اس مشک کے موٹھے پر یا سر سے پر بندھے ہوئے چند بندھنوں کو کبھی کھول ڈالو۔ تاکہ اس میں ایک قطرہ بھی عصمت و عفاف کا باقی نہ رہ جاتے ہماری عورتیں ایک مدت تک اپنے گھروں میں مطمئن و پرسکون زندگی گزارتی رہیں جو اپنے حال اور اپنے مستقبل دونوں سے مطمئن تھیں۔ وہ ہر قسم کی خوش بختی اس فرض میں محسوس کرتی تھیں۔ جو وہ اپنی ذات کے لئے انجام دیتیں تھیں۔ یا اس قیام و قعود میں محسوس کرتی تھیں، جو اپنے رب کی نبردگی اور عبادت گزارگی کے لئے کرتی تھیں، یا اس محبت میں محسوس کرتی تھیں جو وہ اپنے بان بچوں سے کرتی تھیں یا اس صحبت میں محسوس کرتی تھیں جو وہ اپنی پردہ سن کے ساتھ بیٹھ کر اپنے دل کا درد اُسے سنائے اور اُس کے دل کا درد اس سے کہلوانے کے لئے گرم کرتی تھیں۔

وہ اعلیٰ ترین شرف اپنے باپ کی اطاعت، اپنے شوہر کی فرمائنداری اس کے احکام کی بجا آوری، اور ان کی رضامندی و خوشنودی حاصل کرنے میں محسوس کرتی تھیں۔۔۔۔۔ وہ محبت کے معنی تو جانتی تھی۔ مگر عشق کا مطلب بالکل نہیں سمجھتی تھی اس لئے وہ اپنے شوہر سے شوہر ہونے کی حیثیت سے ویسی ہی محبت کرتی تھی جیسی اپنے بچے سے، اپنا فرزند اور اپنے لخت جگر ہونے کی وجہ سے۔۔۔۔۔ اسی طرح اگر کسی عورت کا یہ خیال ہو تاکہ محبت شادی کی اساس ہے تو اس کا نظریہ اس کے مقابلہ میں یہ ہوتا ہے کہ.. شادی محبت کی اساس ہے، مگر تم نے اس سے کہا کہ یہ لوگ جو تمہاری خانہ آبادی کے سلسلہ میں اپنی رستے سے کام لیتے ہیں وہ تم سے زیادہ عقلمند نہیں ہیں اور نہ تم سے بہتر راتے رکھتے ہیں اور نہ تمہارے ذاتی مفاد کے بارے میں تم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے تمہارے بارے میں انھیں کچھ کہنے یا تمہاری دلالت و سرپرستی کا ادا کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا ہے۔ یہ سن کر اس نے باپ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اپنے شوہر سے سرکشی کرنے لگی، اور وہ گھر جو محل تک شادمانی و مسرت سے بھرپور گوشہ عافیت اور بقعہ نور تھا ایک ایسا آتشکدہ بن گیا جس کی آگ بجھنے کو نہیں آتی، اور نہ اس کی چپکاری سرد ہوتی ہے، تم نے اس سے کہا کہ تمہارے لئے اپنے شوہر کا انتخاب کرنا ضروری ہے۔ تاکہ تمہارے گھر والے تمہارے مستقبل کی خوشگوازیوں میں تمہیں دھوکہ نہ دے سکیں تو اس نے اسے بدتر شوہر کا انتخاب کیا جس کو گھر والے دیکھ کر ترس کھاتے تھے۔ اس سے اس کی کامرانی مسرت و خوشگوازی کی عمر ایک دن اور ایک رات سے زیادہ نہ ہوتی جس کے بعد پھر ایک طویل بد بختی اور المناک و حسرت ناک زندگی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

تم نے اس سے کہا محبت شادی کی اساس ہے۔ تو وہ اپنی نظروں سے مردوں کے چہرے کا جائزہ لینے لگی ان کی طرف نگاہیں اٹھانے اور انہیں گھورنے لگی۔ حتیٰ کہ محبت نے اسے شادی سے ہٹا دیا۔ اور وہ اس شادی سے اس محبت کے لئے سبکدوش ہو بیٹھی۔

پھر تم نے اس سے کہا کہ عورت کی شاد کام زندگی کا راز اس میں پوشیدہ ہے کہ اس کا شوہر اس کا عاشق ہو۔۔۔
اس سے پہلے وہ جانتی تھی کہ شوہر اس سے کچھ سوا ہوتا ہے۔ اور محشوق سے کہیں ملند ہوتا ہے۔ یہ سن کر وہ ہر روز نیا شوہر تلاش کرنے لگی جس سے وہ اپنی محبت کی اسی آگ کو اور ہوس و لطف کے اس شعلہ و پیش کو بھڑکاسکے۔ جس کو پرانے شوہر نے خاک تر بنا دیا ہے۔ تو نہ قدیم روش ہی پر وہ قائم رہی اور نہ ہی نئی ڈگر اس کو راس آئی۔

تم نے اس سے کہا کہ تمہارے لئے تعلیم بہت ضروری ہے تاکہ تم اپنے بچے کی اچھی تربیت کر سکو اور اپنے گھر کا کام چلے
گو اچھے طریقے سے انجام دے سکو

تم نے اس سے کہا کہ ہم اسی عورت سے شادی کرتے ہیں جسے ہم پسند کرتے ہیں۔ اور جس سے ہمیں محبت ہوتی ہے۔
جس کا مذاق ہمارے مذاق طبیعت کے مناسب اور جس کے احساسات و شعور ہمارے احساسات کے موافق ہوتے ہیں۔۔۔
تو وہ یہ معلوم کرنے میں خرق ہو گئی۔ کہ تمہاری محبت کا ایوان و دلبتیاں اور تمہاری محبت لگا ہوا ہے؟ تاکہ تمہاری پسند کے مطابق
وہ بناؤ سنگار کر سکے اور شینگی و نظر نوازی کا مرکز بن سکے۔ اس کے لئے جب اس نے تمہاری کتاب حیات کا ایک
یک صفحہ کھنگالا تو اس کی ہر نظر میں آبر و باختہ طوائفوں اور عزت کے احساس سے خالی بے غیرت مسخری عورتوں کے
دور کچھ نہ پایا۔ لیکن انھیں پر تمہاری گردید کی کے قصے اور ان کی عقل و ذہانت پر تمہاری شاعرانہ و صفت کی داستانوں کو سنا
وہ خود بھی ایسی ہی آبر و باختہ بن گئی اور ہر قسم کی شرم و حیا کو خیر باد کہہ کر وہ بھی کھل کھیلی، صرف اس لئے کہ وہ کسی طرح تمہاری
و شنودی و پسندیدگی کو حاصل کر سکے۔ تمہارا دل لے سکے۔ تمہاری محبت کی بازی کو جیت سکے۔ اس کے بعد تمہاری
رک و وہ باریک و شفاف لباس میں بڑھی تاکہ وہ اپنے وجود اپنے نازک جسم کو تمہارے روبرو اسی طرح پیش کر سکے۔

جس طرح زندیاں اپنے آپ کو بردہ فردشی کے بازار اور نخاس میں پیش کرتی ہیں۔ لیکن تم نے اس سے گریزی روش
اختیار کی اور اس سے نفرت کے ساتھ دور ہٹ گئے۔ تم نے کہا کہ ہم ناحشہ عورتوں کی شادیاں نہیں کرتے۔ گویا آپ کے گھر کی
دیزیں اگر لغزشوں سے بچ جائیں (یا بچی رہیں) تو قوم کی ساری عورتوں کے بدکار دے حیا ہو جانے کی آپ کو کوئی پروا نہیں ہے۔
پورا وہ اٹھے قدم، ناکام، شکستہ دل اور حیرت زدہ غمگین لوٹ گئی۔ اور اب اپنے سامنے خطا کاریوں کے غمگین گڑھے
لے اور کچھ باقی نہ پایا تو اس میں کود پڑی۔ اس طرح تمام قوم کے اندر بد طبیعتی و بد کرداری پیدا ہو گئی، ان کی عورتوں، مردوں،
ب کو بد گمانیوں نے کھا لیا اور دونوں فریق ناکارہ ہو کر رہ گئے۔ بے شمار گھر دیر کھلیا جیسے بن گئے۔ جن میں راسب گوشہ گیر
روں) اور شادی شدہ منوں جیسی عورتوں کے سوا کوئی زندگی کا صحیح معنی و مصدق نظر نہیں آتا۔۔۔ یہ تمہارا

عورتوں کے حال پر تمہاری غمخواری اور رنک ریزی کا حاصل۔ اے مدعیان ہمدردی نسواں ہم بھی تمہاری طرح یہ جانتے ہیں۔
عورت کو علم کی ضرورت ہے مگر تربیت و تہذیب کی ذمہ داری ماں باپ پر عائد ہونا چاہیے۔ کیونکہ تربیت و تہذیب ہر فرد کے
علم سے زیادہ نافع ہے۔ ساتھ ہی عورت کے لئے ایک تہذیب و انضام شوہر کے انتخاب کی ضرورت ہے۔ مگر ایسے شوہر کا صحیح و
قول انتخاب ماں باپ ہی کر سکتے ہیں (بڑی کی خود نہیں کر سکتی) اب شوہر دن کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ اپنی سوتوں کے ساتھ اچھا
نماؤ اور اچھا نباہ کریں۔ پھر عورت کو روشنی اور ہوا کی ضرورت ہے۔ جس میں نکل کر وہ زندگی کی نعمتوں پر متمتع ہو (عورت کے لئے
کے سر پرستوں کو اس کی اجازت دینی چاہیے۔ البتہ صبح شام کی سیر میں اس عورت کے ساتھ اس کا کوئی ولی قریب ضرور ہونا
چاہیے۔ بالکل ایسے ہی جیسے بکری کے ساتھ اس کا چرواہا کرتا ہے کہ کہیں اس کی غریب بکری کو بھیر پیا نہ اٹھالے جائے۔ لہذا اگر ہم

والدین، بھائی اور شوہروں پر ذمہ داریاں نہیں ڈالتے ہیں تو ہمیں تمام قوم سے خواہ وہ عورتیں ہوں یا مرد اپنے ہاتھ دھو لینے چاہیے۔ کیوں کہ اپنی اصلاح نفس کے لئے مرد سے زیادہ خود کو عورت کبھی بھی قادر نہیں ہے۔

پھر ہنہاری باتوں میں سب سے زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز بات مجھے یہ نظر آتی ہے کہ تم نے ایک چیز کے سوا اور سب کچھ سیکھ لیا ہے حالانکہ اسی چیز کا سیکھنا تمہارے تمہارے لئے سب سے زیادہ ضروری تھا۔ اور وہ یہ کہ — ہر زمین میں الگ الگ پودے لگتے ہیں۔ ہر پودے کا ایک زمانہ ہوتا ہے جس میں وہ نشوونما حاصل کرتا رہتا ہے۔ تم نے علمائے یورپ کو دیکھا کہ وہ ایک ایسی قوم کے اندر جو اپنی بیشتر ضروریات زندگی میں مطمئن اور فارغ البال ہے۔ علوم عالیہ اور کمالات فنون کی ترویج میں ہنہمک ہیں، تو تم بھی انہیں علوم میں یورپ والوں کی اندھی تقلید کرتے ہوئے ایک ایسی قوم کے اندر الجھ گئے۔ جس کا سواد اعظم الف سب سے بھی نا آشنا ہے۔ تم نے یورپ کے فلاسفہ کو دیکھا کہ وہ ایسے بے دین طبقات میں فلسفہ کفر والحا کی تلیقین کر رہے ہیں۔ جس کے پاس علم و ادب کا اتنا سرمایہ موجود ہے جو اسے ایمان سے بھی بڑی حد تک بے نیاز کر سکتا ہے۔ تو تم انہی فلسفہ کفر والحا کو ایک ایسی شاومی ناتواں بے علم قوم میں پھیلانے کے لئے بیٹھ گئے۔ جسے اپنے کمزور ایمان کا بھی کوئی ادنیٰ سا بدلہ نصیب نہیں ہے۔ اگر یہاں کسی بدل کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

تم نے یورپ میں مرد کو آزاد و بے قید پایا کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جس طرح چاہتا ہے زندگی گزارتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے نفس اور اپنے اقدامات پر قابو رکھنے کا سلیقہ جانتا ہے۔ اور پھر وہ بھی اس حال میں جب کہ اس کا اطمینان کر چکا ہے کہ اس نے اپنے لئے آزادی کی جو حدیں مقرر کی تھیں ان تک وہ پہنچ بھی چکا ہے۔ چنانچہ وہ اب ان سے آگے نہیں بڑھتا، نہ اس سے سرمو تجاوڑ کرتا ہے۔ تو آپ بھی اٹھ بیٹھے کہ بعینہ وہی حریت و آزادی اس ضعیف الارادہ اور عزم ہمت کے کمزور انسان میں بھی پیدا کر کے رہیں گے جو اپنی اخلاقی زندگی کے بدترین دن اور بڑی گھڑیاں ایسی چلنی پھلنی اور ڈھولان چوٹی پر کاٹ رہا ہے اور اگر اس کا قدم دہاں سے اکیا بھی پھسل جائے۔ تو گر ٹھکتے ہوئے غار کی ہولناک اور عمیق منزل ہی کو اپنا آخری ٹھکانا بنا سکے اور پھر وہیں کا ہو کر رہ جائے۔

تم نے اس یورپ میں شوہر کو دیکھا جس کی غیرت کے دیئے کو اس کے ماحول نے بھجوا دیا تھا۔ اور اس کے نفس کی تالش و غیرت کو زائل کر دیا تھا۔ کہ وہ اپنی عزیز رفیقہ حیات اور اپنے مایہ عیش و نشاؤ کو دوسری کمریوں ہاتھ ڈال کر ان کی آغوش محبت میں بیٹھ کر، اس کا پہلو گرم کر کے، غیروں سے یارانہ کر کے، اور رشتہ جوڑ کر تنہائیوں اور خلوتوں میں جس طرح ازادانہ، ان کے لئے سامان عیش و نشاط فراہم کرتی ہے۔ اس شرمناک اور گرجانے والے منظر کے سامنے بھی وہ جامد، بلیدارت بنا کھڑا رہتا ہے۔ تو تم نے سوچا کہ مشرق کے غیور شعلہ و شمس انسان بھی یہی شعار اختیار کر سکتے ہیں۔ اس جیسے بے غیرت دے جس بن سکتے ہیں۔ اور اپنے اور پرانا ہی قابو پا سکتے ہیں۔

یا تم نے ایک بیباک جوان اور جوانی کے سے انداز دکھانے والی یورپین عورت کو بہت سے موقعوں پر مردوں کے ساتھ دیکھا کہ وہ اپنے نفس اور اپنی عزت دونوں کا تحفظ کر لے گئی۔ تو ایشیا سواذلیقہ کی نادان و تجربہ کا عورت سے بھی تم نے یہی توقع قائم کی وہ مردوں کے سامنے اسی طرح نکل کر تفریح کر سکتی۔ اور اپنے کو اسی طرح بچا کر رکھ سکتی ہے۔ جس طرح وہ یورپین عورت اپنی عصمت کو بچا سکتی تھی۔ حالانکہ ہر وہ پودا جو غلط زمین میں لگایا جائے گا۔ اور بے وقت و بے محل دے موسم بویا جائے گا۔ یا تو اسے زمین قبول کرنے سے انکار کر دیگی۔ یا اگر وہ جم گیا تو وہ زمین کو ناکارہ کر کے رہے گا۔ اس لئے ہم آپ کے شرف اور عزت دینی کا واسطہ دلا کر لجا جت سے یہ کہتے ہیں کہ قوم کی ان بچی بچی مومن عورتوں کو مومن مومن ان کے گھر میں رہنے دیجئے اور انہیں ان کے خوابوں اور آرزوؤں کے بستروں سے مت بھنجو ڈیتے۔ جن عورتوں کو اس بے غیرتی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھنا پڑا۔

وہ تو۔ چڑھ چکیں۔ اس لئے جیسی تمہارے فریب کا شکار ہونا تھا وہ ہو چکیں۔ اس لئے کہ تو م کے ہر زخم کی دوا ہے مگر عزت و شرف اگر بوجہ ہو جائے تو اس کا کوئی بدلہ ہے، نہ ہو اس کا کوئی بدلہ ہے۔

اور اگر تم یہی کرنا چاہتے ہو اور اسی پر مقرر ہو تو ذرا سا انتظام کرو۔ یہاں تک کہ زمانہ تمہارے دلوں سے غیرت کی وہ رملق بھی نکال لے جسے تم اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں لے کر آئے تھے۔ تاکہ تم اپنی اس نئی زندگی کسی عسرت گاہ میں بے تحجیب اور بے خوف و خطر داد عیش دے سکو اور زندگی کے دن لطف کے ساتھ گزارتے ہوئے یہ کہہ سکو، کہ

اب تو آرام سے گزرتی ہے

عاقبت کی خبر خدا جانے

میری اس عرضداشت کو سن کر میرے نوجوان دوست نے ایک تمسخر آمیز ٹھٹھا لگایا۔ اور کہا یہی جماعتیں ہیں جن کی اصلاح کے لئے ہم آتے ہیں اس لئے ہمیں ان پر صبر کرنا چاہیے تاکہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے اس پر میں نے کہا کہ بہر حال اپنے بارے میں اور اپنے اہل و عیال کے بارے میں آپ کو اختیار ہے۔ جو چاہے کیجئے۔ مگر مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ میں آج کے بعد آپ کے گھر میں نہ آسکوں گا۔ اور نہ آپ کی اور اپنی دونوں کی آزادی میں مغل ہونے کی سعی لاحاصل کا مرتکب ہوگا

کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ ساعت جس میں میرے ساتھ تمہارے گھر کا کوئی پردہ بھی کھلیگا، مجھے شرم و ندامت سے زمین میں گاڑ دیگا۔

یہ کہہ کر میں واپس چلا آیا۔ اور یہ میرے اور اس قدیم دوست کے درمیان شاید فراق کی پہلی گھڑی تھی۔ پھر چند ہی دنوں کے بعد چیب میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ فلاں شخص نے اپنے گھر میں بے پردگی عام کر دی ہے اور وہ گھر ایسا چمکے اور تجلے خانہ بن چکا ہے۔ جس کے دروازوں پر ہر وقت جوتے چمکتے رہتے ہیں (یعنی آنے جانے والوں کے جوتوں کی آواز سنائی دیتی رہتی ہے) تو میری آنکھوں سے بے تحاشا آنسو ٹپک پڑے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ آنسو ایک لٹی ہوئی عزت، برباد شدہ آبرو پر غیرت دلال کے اشک تھے۔ یا ایک غم نصیب دوست کے اپنے نادان رفیق پر حسرت و اندوہ کے آنسو

اس واقعہ پر تین سال گزر گئے جس میں نہ میں ان سے نہ وہ مجھ سے ملا اور اگر راہ چلتے کبھی ملاقات کی نوبت آ ہی گئی۔ تو میں ویسے ہی سلام کر لیتا تھا جیسے ایک راہ گیر دوسرے کو سلام کر لیتا ہے۔ اور پھر وہ اپنی راہ لیتا ہے۔ اور کھلی محبت اور دوستانہ کا ذکر تک زبان پر نہ لایا

کل رات پچھلے پہر چیب میں اپنے مکان کی طرف آ رہا تھا۔ تو میں نے اس کو اپنے گھر نکلنے ہوئے دیکھا۔ فکر دلوں میں ڈوبے ہوئے غلطان و پچیاں، حیران دہریشیاں چلا آرہا ہے۔ میں اور اس کے پہلو بہ پہلو پولیس کا ایک سپاہی بھی چل رہا ہے۔ مجھے اس کی یہ حالت دیکھ کر نہ رہا گیا۔ قریب جا کر پوچھا کہ مہماتی کیا بات ہے۔

کہا، کہ مجھے خود بھی اسی سلسلہ میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ اس سپاہی نے ابھی ایک گھنٹہ پہلے میرے دروازے پر دستک دی اور کہا کہ آپ کو پولیس چوکی پر بلا یا گیا ہے۔ اس وقت ایسی ہلکی کا سبب میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ کیونکہ میں ذاتی طور پر کوئی بدکار یا مشتبہ شخص نہیں ہوں۔ کیا میں اس وقت آپ جیسے نخلص دوست سے یہ توقع کر سکتا ہوں کہ

آپ سابقہ باتوں کو نظر انداز کر کے اس مصیبت میں میرا ہاتھ بٹا میں گے۔ شاید مجھے تھکانہ کے پیش آنے والے معاملات میں کچھ مدد لینے کی ضرورت پڑ جائے۔ میں نے جواب دیا۔ میں بسرو حشم حاضر ہوں۔ اور اپنے دوست کے ساتھ ایسی خوشی کے عالم میں گم صم کہ نہ وہ میری موجودگی کا احساس رکھتا تھا۔ اور نہ میں راستہ طے کرتا رہا۔ مگر کبھی کبھی مجھ کو ایسا ضرور محسوس ہوا۔ کہ اس کے ذہن میں کچھ خیالات ہیں۔ جن کو وہ مجھ سے کہنا چاہتا ہے مگر شرم دجیا اس کے اظہار سے مانع ہے اس لئے میں پہل کر کے اپنے دوست سے بات کی طرح ڈال دی۔ اور کہا کہ آخر پولیس کی طلبی کا کوئی سبب آپ کی بھی سمجھ میں آتا ہے۔ اس پر اس نے حیرت دہریشانی کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا کہ بھئی سب سے زیادہ اندیشہ تو مجھے اس کا ہے کہ، کہیں میری بیوی پر رات کو کوئی سانحہ نہ گزر گیا ہو، اور مجھے اس کے بارے میں اس وجہ سے شک ہو رہا ہے کہ وہ اب تک گھر واپس نہیں آئی ہے۔ حالانکہ اس کی یہ عادت پہلے کبھی نہ تھی۔ میں نے کہا کہ اُس کے ساتھ بھی آخر کوئی کیا تھا۔ اس نے کہا نہیں۔

میں نے کہا کیا آپ وہ مکان نہیں جانتے جہاں وہ گئی تھیں۔

اس نے کہا - جواب دیا نہیں

میں نے کہا پھر کس بات کا آپ کو خوف ہے

اس نے کہا - محض یہ اندیشہ ہے کہ وہ غیور مگر احمق عورت ہے۔ ممکن ہے شاید بعض لوگوں نے اس سے راستہ میں چھپرے چھڑا کر کی ہو، وہ ان پر بگڑ گئی ہو۔ اور اس طرح دونوں کے درمیان کشمکش یا نزاع کی صورت پیدا ہو گئی ہو۔ جو جا کر پولیس چوکی پر ختم ہوتی ہو۔

اب ہم چوکی تک پہنچ چکے تھے۔ سپاہی ہمیں تھکانہ دار کے کمرے میں لے گیا اور ہم اس کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ پہلے تھکانہ دار صاحب نے اپنے سامنے کے سپاہی کی طرف اشارہ کیا جسے ہم کچھ نہ سمجھ سکے۔ پھر ہمارے نوجوان دوست کو اپنے پاس بلایا۔ اور کہا۔

میرے واجب الاحترام بزرگ میں نہایت افسوس کے ساتھ آپ کو یہ خبر دے رہا ہوں کہ رات بدکاری کے فلاں اڈے پر ایک مرد اور ایک عورت کو خلاف تہذیب فعل کا ارتکاب کرتے ہوئے گرفتار کیا اور اسے تھکانہ میں لائے ہیں۔ عورت نے اظہار میں بتایا کہ وہ آپ کی کوئی رشتہ دار ہے۔ اس لیے ہم نے آپ کو تکلیف دی۔ تاکہ آپ حقیقت و واقعہ بیان فرمادیں۔ اگر وہ سچی ہے تو ہم اسے آپ کے احترام میں، اور آپ کے شرف و عزت کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے آپ کے ساتھ جانے کی اجازت دیں گے۔ ورنہ وہ تو ایک بدچلن اور آوارہ و بدتماش عورت ہے۔ جس کو ایسی بدکار عورتوں کی منزا کسی طرح نجات نہیں مل سکتی ہے، وہ دیکھتے آپ کے پیچھے وہ دونوں کھڑے ہیں۔ ان پر نظر ڈال لیجئے۔

اتنے میں بڑے داروغہ کے سامنے کھڑا ہوا سپاہی جا کر، اور ان دونوں کو حوالات سے نکال کر ان کے پیچھے لاکھڑا کر چکا تھا۔ ہمارے دوست پیچھے پڑے اور کیا دیکھتے ہیں کہ وہ انھیں کی بیوی ہے۔ اس کا آشنا انھیں کا ایک دوست ہے یہ دیکھ کر اس دوست نے اس قدر شدید الم کے ساتھ آہ کی کہ اس کی درد ناک آواز سے تھکانہ مل گیا، اور اس کے چاروں طرف کے دروازوں اور لڑکیوں سے لوگ جھانکنے لگے۔ اس کے بعد وہ غش کھا کر گیا۔ میں نے تھکانہ دار صاحب سے کہا۔ کہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ ان محترمہ کو ان کے باپ کے گھر بھیج دیں۔ چنانچہ تھکانہ دار صاحب نے یہی کیا۔

اور عورت کے ساتھ اس کے آشنا کو بھی رہا کر دیا۔ اور صبرم اپنے عزیز دوست کو کسی نہ کسی طرح ان کے گھر لائے، اور فوراً ہی ڈاکٹر کو بلا کر دکھایا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ وہ شدید دماغی بخار میں مبتلا ہے۔ ان کی بیماری کی تیمارداری ہونا چاہیے۔ میرے اصرار پر ڈاکٹر صاحب نے وہ پوری شب انہیں کے پاس مختلف تدابیر کرتے ہوئے گزار لی اور جب لوز کا لڑکا ہو گیا تو پوچھے ضروری ہدایات دیتے ہوئے اور یہ وعدہ کرتے ہوئے کہ ضرورت ہوتی تو اطلاع دینے پر میں پھر حاضر ہو جاؤں گا۔ اپنے دولتگدہ پر تشریف لے گئے۔ اور میں مریض کے سر پر ہاتھ پٹھ کر اس کی حالت پر ترس کھاتا رہا۔ اور اس کا منتظر رہا کہ دیکھیں تھناتے الہی اسے کیا دن دکھاتی ہے۔ اتنے میں اس نے کروت لینا چاہی۔ اور اپنی آنکھیں بھی کھول دیں۔ اور مجھے سامنے سامنے پا کر میری طرف کچھ دیر ٹٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ گویا وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ مگر کہہ نہیں سکتا۔ اس لئے میں اس سے ذرا قریب ہو گیا۔ اور کہا کہ میرے دوست کیا آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

بھری دھیمی آواز میں اس نے جواب دیا۔ کہاں میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس اور کوئی نہ آئے

میں نے کہا۔ جس کو آپ بلائیں گے وہی آئے گا۔ اس کے سوا کوئی نہ آئے پائے گا۔ پھر وہ تھوڑی دیر غوطہ میں پڑا رہا۔ میں نے جو دیکھا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈباتی ہوئی تھیں میں نے کہا۔ میرے عزیز دوست! آخر دنے کا کیا سبب ہے۔

کہا۔ اس وقت میری بیوی کہاں ہے۔

میں نے کہا۔ اس وقت بیوی کو کیا کیجے گا۔

اس نے جواب دیا۔ کوئی غرض اس کے سوا نہیں کہ میں اس سے یہ کہہ دوں کہ میں نے اسے معاف کیا۔

میں نے کہا وہ اپنے باپ کے گھر ہیں

اس نے کہا۔ خدا اس پر، ان کے باپ اور پوری قوم پر اپنا رحم فرمائے۔ کیونکہ وہ مجھ سے ملنے سے پہلے شریف و معزز تھے۔ لیکن جس دن سے ان سے میرے تعلقات قائم ہوئے میری وجہ سے وہ ننگ و فساد کا شکار ہو گئے۔ اور ایسا لباس رسوائی پہننے پر مجبور ہوئے۔ جسے زمانہ کبھی کہتے نہ کر سکیگا۔ کوئی ان تک میرا یہ پیغام پہنچانے کہ میں ایک لب گور مریض ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں کہ ان کے خون سے رنگے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ میں اپنے اللہ سے ملوں۔ ساتھ ہی میں ان سے دست بستہ بٹتی ہوں کہ میری آنکھیں بند ہونے سے پہلے وہ میری خطائیں معاف کر دیں اور میری لجزشوں سے درگزر کریں

میں نے شادی کے دن اپنی بیوی کے باپ سے قسم کھا کر کہا تھا۔ کہ میں ان کی لڑکی کی آبرو کی حفاظت اپنی زندگی کی طرح کروں گا۔ اور اس کو بھی ان باتوں سے بچائے رکھوں گا جن سے اپنے وجود کو ملوث نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن میں نے اپنی قسم توڑ دی۔ اس لئے وہ میرے گناہ بخش کر میرے رب کے سامنے مجھے سرفرد ہونے کا موقع دے گی۔ یقیناً اس عورت نے مجھے ذبح کر دیا۔ مگر اس کے ہاتھ میں خنجر دینے والا بھی تو خود میں ہی تھا۔ (کوئی دوسرا تو نہ تھا) یہی خنجر تو تھا جسے میں اپنے سینے میں چھپاتے پھرتا تھا۔ اس لئے میرے جرم کو اس سے کیوں پوچھتے۔ اسے کیوں جرم قرار دیجئے۔ یہ میرا گھر وہ میری بیوی اور وہ دوست تو بھی میری ہی ہے۔ اور میں نے ہی اپنے گھر کے دروازے کو اپنی بیوی سے ملنے کے لئے اس دست پر (اور اپنے دوستوں کے لئے) کھولا تھا۔ اس لئے جرم میرے سوا دوسرا کون ہو سکتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے وہ خموش ہو گئے۔ میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک کالا بادل سا اس کی پیشانی پر آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔ جو بڑھ کر اس کے چہرے پر چھا گیا۔ اس کے بعد اس نے ایک دردناک آہ بھری۔ اور میں سمجھا کہ اس کے دل کے پردے چاک ہو گئے۔

اور آپ ہی آپ کہنے لگا۔

انسوس کتنی شدید تارکی میری لگا ہوں کے سامنے ہے۔ اور یہ دنیا مجھے کتنی تنگ نظر آرہی ہے۔ اسی کمرے میں اسی سونے پر اسی چھت کے نیچے، میں ان دونوں کو بات کرتے ہوئے دیکھتا تھا۔ تو میرا دل خوشی سے لبریز ہو جاتا تھا، اور میں پھولا نہیں سماتا تھا۔ اور خدا کا شکر ادا کرتا تھا کہ اس نے مجھے ایک ایسا با وفادار دست دیا۔ جو میری میری کا بھی اس کی تنہائیوں میں دیا ہی مونس و دمساز ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر مجھے ایک ایسی صاحب دل، شریف النفس بیوی دی جو میری غیر موجودگی میں میرے دست سے انتہائی محبت کرتی اور بڑے اخلاق سے پیش آتی ہے۔ اس لئے لوگوں سے یہ کہہ دو کہ وہ شخص جو کل تک اپنی ذکاوت و ذہانت پر فخر کرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ وہ سب سے زیادہ عالمانہ اور تجربہ کار انسان ہے۔ آج اس کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ دنیا کا انتہائی ابلہ بلکہ احمق ترین آدمی ہے اور اتنا غبی آدمی ہے کہ جس کے برابر غبی فرد کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

کاش! میری ماں نے مجھے نہ جنما ہوتا۔ اور میرا باپ لا دلدار ہوتا، اور مجھ جیسا نر زندان کے مقدر میں نہ لکھا ہوتا۔

شاید لوگ میرے معاملات میں ایسی چیزوں کو بھی جانتے تھے۔ جن سے خود میں ناواقف تھا۔ اور شاید وہ میرے گزرتے وقت ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے۔ اور کبھی میری طرف نظر میں گارڈ کر دیکھتے تھے۔ اور بڑی دیر تک دیکھتے رہتے تھے۔ شاید اس لئے کہ احمقوں کے چہروں سے حماقت ٹپکتی رہتی ہے، اور کندہ تا تراش قسم کے لوگوں کے چہروں سے کند ذہنی اور بے وقوفی ظاہر ہوتی ہے۔ اور شاید میرے وہ دوست جو مجھ سے اپنی محبت اور اخلاص کا اظہار کرتے تھے۔ اور میری ہاں میں ہاں ملاتے تھے وہ میرے لئے نہیں بلکہ اُس (عورت) کے لئے، سب کچھ کرتے تھے۔ اور شاید وہ مجھے دیوٹ، اور میری بیوی کو پیشہ در اور میرے گھر کو قحبہ خانہ قرار دیتے تھے۔ اس کے باوجود کہ میں اپنے آپ کو شریف اور عالی خاندان انسان یقین کرتا تھا۔ اس لئے آج کے بعد میں اس زمین پر ایک گھنٹہ کے لئے بھی باقی رہنا نہیں چاہتا۔ اور اس اندھیرے وحشت ناک گوشہ قبر کا شدت سے آرد و مند ہوں۔ جو مجھے اپنی تاریکیوں میں لے کر میری برائیوں کو ہمیشہ کے لئے چھپانے۔

دفن کرے۔

یہ بڑبڑاتے ہوئے اس نے آنکھیں پھر بند کر لیں اور اپنے شدید قلبی صدمہ کی غفلت میں کھو گیا۔

تنبہ میں کمرے کے اندر اس کے بچے کی کھلانے والی بچے کو اپنی گود میں لئے ہوئی آئی۔ اور اسے بستر کے ایک جانب لٹا کر خود چلی گئی، ادھر بچہ ہاتھ پر مارتے کھٹکتے پکھٹتے اپنے باپ کے سینہ پر پہنچ گیا۔ باپ نے اس کو محسوس کیا، اور آنکھیں کھولیں۔ بچہ کو دیکھ کر پیلے وہ مسکرایا، اسے سینہ سے لپٹا لیا، اور اس کا موند جو منہ کے لئے سر اٹھایا تھا کہ کچھ خیال کر کے لیٹ گیا۔ سر پھر لیا، اور اپنی لبناشت و مسرت کو چھپاتے ہوئے اسے سینے سے الگ کر دیا۔ اور چھینے لگا کہ اسے میرے پاس سے ہٹاؤ۔ میں اسے نہیں جانتا۔ میرے کوئی بچہ اور کوئی بیوی نہیں ہے۔ اس کی ماں سے پوچھو کہ اس کا باپ کون ہے۔ اور پھر میری باپ کے پاس اسے لے جاؤ۔ میں اپنی زندگی میں تنگ نہیں برداشت کر رہا۔ اور نہ اپنے پیچھے اپنے دامن پر اسے ایک نہ مٹنے والا داغ چھوڑ جاؤں گا۔ میں اسے اپنا وارث نہیں قرار دوں گا۔ ادھر آتا (دودھ پلائی) نے بچے کے چھینے اور ردنے کی آواز جو سنی تو ددڑنی ہوئی آئی۔ اور اسے اٹھا کر چلی گئی۔ دایہ کی گود میں بکتے اور ردنے ہوئے اپنے سے ددڑ ہوتے جانے کو محسوس کر کے باپ سے نہ رہ گیا اور اشکبار ہوتے ہوئے بھرا آئی ہوئی آواز سے کہا۔ اسے میرے پاس واپس لاؤ۔

نا بچے کو واپس لائی۔ باپ نے اتنا کہ ہاتھ سے اسے لے کر اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میرے بچے! تیرے باپ نے تیرے لئے قیمتی اور تیری ماں نے تیرے لئے ذلت و عار چھوڑی ہے۔ اس طرح ان دونوں نے تیرے ساتھ جو ظلم اور تیرا جو جرم کیا ہے اسے معاف کر دینا۔ اس لئے کہ تیری ماں ایک کمزور ذلتوالی عورت تھی۔ جو تقنا و قدر کے صدمات کی تاب نہ لاسکی اور لغزش کھاتی — اور تیرا باپ اپنے جرم میں نیک نیتی پر تھا۔ مگر جس نقطہ سے وہ بھلائی کرنا چاہتا تھا وہیں سے وہ برائی کر بیٹھا۔

اب خواہ تو میرا جائز بیٹا ہو۔ اے بچے! یا اپنی ماں کی ناجائز اولاد۔ لیکن میں تیری وجہ سے اپنے بہت سے دن خوشی و مسرت میں کاٹ چکا ہوں۔ اس لئے زندگی یا موت کسی حالت میں بھی تیرا احسان نہ بھولوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے بچے کو گود میں لے لیا، اور اس کی پیشانی چوم لی۔ نہیں معلوم یہ ایک شفیق باپ کا بوسہ تھا یا ایک کریم النفس محسن و مہربانی کا! اس اشار میں ہمارے دوست کو کافی تکان پیدا ہو چکی تھی۔ اس لئے اسے دوبارہ بخار ہو گیا۔ اور درجہ حرارت کے بڑھ جانے کی وجہ سے دماغ پر دوبارہ بہت برا اثر پڑا۔

اس کی طبیعت کی خرابی کی اس رفتار سے مجھے اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ اس لئے میں نے طبیب کو بھیجا۔ اس نے آتے ہی مریض کے چہرے پر گہری نظر ڈالی اور پھر رنج و اندیشہ سے بھری ہوئی نگاہ بھالی۔ اس کے بعد ہمارے دیرینہ رفیق پر نزع کا عالم طاری ہو گیا۔ وہ بڑی طرح کراہنے لگا۔ جس کو سنکر اور دیکھ کر اس پاس کا کوئی ایسا سنگدل سے سنگدل انسان نہ تھا جو تڑپ نہ گیا ہو۔

پھر موت نے جب اپنے سیاہ بھیا نکہ پردے اس کی خواہ گاہ پر ڈالنا شروع کئے تو بھی میں وہیں تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک عورت سیاہ لباس پہنے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ اور چند لمحات کے اس غریب مظلوم بہان کی طرف آہستہ سے بڑھ کر اس کے ایک جانب جھک گئی اور اس کا ہاتھ جو سینہ پر رکھا ہوا تھا۔ پکڑ کر بوسہ دیا۔ اور پورے درد و سوز کے ساتھ کہنے لگی۔

”آپ دنیا سے اپنے بچے کے بارے میں شک لے کر نہ جائیے اس وقت جب کہ میری یہ آپ سے آخری ملاقات ہے۔ اور آپ اس دنیا سے بیزار ہو کر ہمیں چھوڑ رہے ہیں۔ اس بچہ کی ماں آپ کے سامنے اعتراف کرتی ہے کہ وہ اگرچہ ایک جرم سے دوچار ہو گئی تھی مگر اللہ نے اسے بچا لیا۔ اس لئے آپ اپنے بچہ کی ماں کی جو خطا بھی ہو اسے معاف کر دیجئے۔ اور جب اپنے رب سے ملیں تو میرے لئے دعا کیجئے۔ کہ وہ بھی مجھے آپ سے جلد ملا دے۔ کیونکہ اس زندگی میں میرے لئے آپ کے بعد کوئی لذت نہیں ہے۔“

یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی اور پھر وہ اپنے شریف شوہر کے سر ہانے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مرنے والے کے شعلہ حیات سرد ہونے سے پہلے ایک بار پھر کاہ۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اور اپنی بیوی کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ جو اس کی آخری نگاہ تھی۔ پھر دم توڑ دیا۔

”کارواں کیساتھ چلو“

محمد حفظ الرحمن دفاہ طابوی

حضور ستر و رکون و مکاں کیساتھ چلو + قدم قدم شہ ہر دو جیاں کیساتھ چلو
بچھڑ گئے توٹے گی نہ عمر بھر منزل + ادھر ادھر نہ تھوکارواں کیساتھ چلو

زمین کے ساتھ چلو یا زماں کے ساتھ چلو
زرغ نشہ عرفاں اگر ہے مد نظر
رہ طلب ہے کسی رازداں کے ساتھ چلو
خلوص قلب سے پیرنخاں کے ساتھ چلو

ماہر القادری

نذر عقیدت

بجھم غم میں بھی توفیق مسکرانے کی
یہ منزلت ہے یہ توفیق اس گھرانے کی
خبر سنی جو شہ کربلا کے آنے کی
ہر ایک کو علی اکبر کی موت کا غم ہے
لئے ہودوں کے ہیں سجاد قافلہ سالار
حسین ہی کی طرف تھی نظر زماں کی
سنی ہے خاک شفا خاک ستلنے کی
درود پڑھنے گیس گردشیں مانے کی
کہ جیسے ٹوٹ گئی شلح آشیانے کی
یہ عمر تھی کہیں بارالم اٹھانے کی

میرے حسین جہاں کے حسین سب کے حسین
”رضائے دوست ہے سرخ ترے غمانے کی“

پیام

اگر ہے جرات ایماں تو اس سے کام لینا ہے
بتوں کی انجمن میں بھی خدا کا نام لینا ہے
طلوع صبح کی خاطر ہمیں تو جاگنا ہوگا
وہ جائے میکدے میں جس کو لطفِ شام لینا ہے
زمانہ کر چکا ہے تجربہ ایک ایک رہبر کا
ہمیں سے شرق و مغرب کو اب پیغام لینا ہے
کہاں تک مصلحت اندیشیوں کا سلسلہ لے دل
کسی دن میرے سلطان کا گریباں تھام لینا ہے

ثنوی صحیفہ فطرت کا ایک سبق

”استمداد لغیر اللہ شکر ہے“

مرد کاہل سید والا حسن
 آپ کو ملتے تھے بیت المال سے
 ہو گئی تاخیر اک بار اس قدر
 آپ تھے ہر مرد بکیں کے کفیل
 خود تو تھے شان قناعت سر بہ سر
 دوسروں کی فکر دامن گیر تھی
 ذات والا تھی ضعیفوں کی ٹھہیر
 اس طرف بھی کچھ توجہ کیجئے
 آپ یہ مضمون جب لکھنے لگے
 خواب میں دیکھا رسول پاک کو
 آپ نے فرمایا میں تیرا بن حق
 غیر حق سے استعانت کا خیال
 مانگ اسی سے تو کہ داتا ہے وہی
 اپنی جیسی ہی بھلا مخلوق سے
 آپ نے پھر اک دعا تلیقین کی
 لے گئے تشریف شاہ دوسرا
 مرسل حق کی دعا پڑھنے لگے
 ایک ہفتہ بھی نہ گذرا تھا ابھی
 بلکہ پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر دیا
 ملک شہر میں ناداں غور کر
 پھر بھی قدرت نے انہیں تہنید کی
 ہے ترے دل میں انکر پاس ادب

سر و بستان شہ نجیر شکن
 لاکھ درہم سال بھر کے واسطے
 تنگ دستی سے ہوئی حالت دگر
 تھے عطلے حق کی اک زندہ دلیل
 آپ کو پروانہ تھی اپنی مگر
 دوسروں کے واسطے تدبیر تھی
 آپ نے چاہا لکھیں سوتے امیر
 ذلت پر میرا وظیفہ دیکھئے
 ذلتا کچھ سوچ کر پھر رک گئے
 اپنے نانا گوشہ لولاک کو
 کیا یہی ہے شیوہ مردان حق
 کس لئے آیا تجھے اے خوشحصال
 ہر کسی کو دینے والا ہے وہی
 آدمی مانگے تو مانگے کس لئے
 یعنی توحید خدا تلیقین کی
 خواب سے جاگے امام اصفیاء
 نسخہ لطف و عطا پڑھنے لگے
 خود حکومت نے رقم سب بھیج دی
 معذرت کا خط بھی حضرت کو لکھا
 چاہتے تھے اپنا حق مانگیں مگر
 کاش تو سمجھے یہ اسرار خفی
 ماسوا اللہ سے نہ کر کچھ بھی طلب

غیر پر تکیہ نہ کرنا چاہیے
 ماسوا کا دم نہ بھرنے چاہیے

غزلیں

۲۴

نمبر ۶۱۹۵

جلوہ تھا، جلوہ گاہ سے پہلے
 دم الجھٹلے آہ سے پہلے
 ان کی پہلی نگاہ سے پہلے
 ہٹ گئے تم ہی راہ سے پہلے
 شکر لازم ہے آہ سے پہلے
 نگہ بے پناہ سے پہلے
 عشق کی شاہراہ سے پہلے
 اعتراف گناہ سے پہلے
 مسیروں خالقہ سے پہلے
 میرے حال تباہ سے پہلے
 پوچھ اپنی نگاہ سے پہلے
 منزلوں دور راہ سے پہلے

انجم و فہر و ماہ سے پہلے
 سہل سمجھے نہ کوئی شغلِ فغان
 کس قدر دل سے بچر تھے ہم
 دیدہ و دل سبھی تھے قرش راہ
 عشق میں ہر خفائے دوست کے بعد
 دل کو آسودگی کبھی نہ ملی
 کسی منزل پہ ہم سکے نہ قدم
 اک بجلی سی دل میں ہوتی سے
 دل کا بھی اک مقام ہے زاہد
 کون سمجھا ترا فریبِ کرم
 پیرش حال دل ہی بعد کی بات
 اہل دل دیکھ لیتے ہیں تسکین

شفقت کا طمعی

مگر بہا سادہ عالم نہیں ہے
 تری بے مہر یوں کا غم نہیں ہے
 مرنا صبح مرا ہمدم نہیں ہے
 مگر لطف تماشا کم نہیں ہے
 منتظر میں اداس کا شانے
 آہ وہ ناتمام افسانے
 کون ہم بے کسوں کو پہچانے
 وہ مرے دل کا حال کبیا جانے
 اپنے عہد و وفا کے افسانے
 اٹھ گئے اس جگہ سے دیوانے
 ہم نہ دنیا کا رنگ پہچانے

تعلق اب بھی ان سے کم نہیں ہے
 ہمیں روزنا ہے اپنی بے کسی کا
 مرے غم کا اسے احساس کیوں ہو
 تجھے دیکھے ہوتے ایک عمر بیتی
 کب وہ لوٹیں گے پھر خدا جانے
 زیر لب کہہ گئے جو دیوانے
 اجنبی ہیں دیار دوست میں سب
 جس نے پوچھا نہ کج تک مجھ کو
 تجھ کو بھولے تو اور یاد آئے !
 ذکر آیا تری جفا کا جہاں
 آہ دنیا میں رہ کے بھی شفقت

گل ہر رنگ

دہ ستم کیجئے جو زبیت کا حاصل بن جاتے — یہ اضافہ بھی سہی آپ کے احسانوں میں
 چشم ساقی کی نوازش سے شہ شاری سے — اس سے مطلب نہیں ڈھکتی ہے جو پیمانوں میں
 اے امیر کاروان صبح! آہستہ خرام — آج تیرے ساتھ بیار شب بھراں بھی ہے
 پھول بھی کھلتے ہیں اور اذن نظارہ بھی نہیں — ہم جہاں رہتے ہیں وہ جنت بھی ہر زنداں بھی ہے
 رہ نماؤ اچھ سے میرا حافظ بھی چھین لو — یاد آتا ہے تمہارا اچھ یہ کچھ احساں بھی ہے
 آہی گیا ہنگام سحر مٹ ہی گئی تاریکی شب
 آپ کا پرفرمان بجا میری گزارش سو مرادب
 آج ہوا تم شیر بکھن میں کہ جو کل تھا جام بلب
 تلخ بھی ہے پر کیف بھی ہے ظلمت غم تنہائی شب

عروج زیدی
 نیاز بدایونی
 شبہم سجانی

کیسے نبھے گا اے شبہم!
 شوقِ عمل، اور ذوقِ ادب

ہنگامہ تحزیب چمن میرے لئے ہے — بے نہری آریاب وطن میرے لئے ہے
 میں دہر کے آریاب کو سجدہ نہیں کرتا — پیشانی ددراں پہ شکن میرے لئے ہے
 مری حیات ہے اک کشمکش کے عالم میں — تمہارا جبر سہوں یا ستم زمانے کا
 ڈوبنے والے ہجوم یاس سے بد دل نہ ہو — دیکھ تو گرداب کی تہ میں کہیں ساحل نہ ہو
 کارواں درکارواں منزل بہ منزل چل وئے — اب ہماری ہم سفر گرد رہ منزل نہ ہو
 پردہ ناز و نیاز اے شاد اٹھنا چاہیے — حسن میں اور عشق میں کوئی حد غالب نہ ہو

شاد گلر لوی

ایک دن خاک دل کے ذروں کو لے اڑے گی ہوا زمانے کی
 اگر ذکر چھپڑوں میں اس آستان کا زمانہ کو مسجدوں پہ مچھور کر دوں
 تیری یاد، تیرا تصور، تیرا غم کسے پاس رکھوں کیسے دد رکردوں
 گزرے دنوں کو یاد نہ کر لے دل حزیں جو دن گزر گئے وہ فرا ہم کہاں سے ہوں
 دوستی کی ہے یہاں اس سے توقع کس کو کاش! وہ دشمن آریاب دفا ہو جائے
 آنکھوں میں آنک، لب پہ فغاں دلیں اضطراب آیا ہوں ان کی نرم سے کیا کیلئے ہوتے
 نجت میں عبث ہے اہتمام شعلہ سامانی یہ آتش خود بھڑک کر اپنا دامن پھونک سکتی ہو

ضیاء الحق ضیا

روح انتخاب

بیعتِ خلافت کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے لوگوں کو مخاطب کر کے جو تقریر کی وہ اس طرح تھی۔
 ”حمد و ثنا کے بعد لوگو! قرآن شریف کے بعد ایسی کوئی کتاب نہیں اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی
 نبی نہیں یہ کسی چیز کو شروع کرنے والا نہیں بلکہ پورا کرنے والا ہوں۔ میں مبتدع نہیں بلکہ متبع ہوں۔ میں کسی حال
 میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ البتہ میرا لوجہ بہت زیادہ ہے جو شخص ظالم بادشاہ سے بھاگ جائے وہ ظالم نہیں ہو سکتا یاد رکھو
 احکامِ الہی کے خلاف کسی کی اطاعت جائز نہیں۔“

جب آپ سلیمان بن عبدالملک کے کفنِ دفن سے فارغ ہو کر واپس آرہے تھے۔ تو آپ کے غلام نے کہا کہ آپ بہت غمگین
 نظر آتے ہیں۔ آپ نے اس کو جواب دیا کہ آج اس دنیا میں اگر کوئی شخص غمگین ہونے کے قابل ہے تو وہ میں ہوں۔ مجھ پر یہ بوجھ کیا
 کم ہے۔ کہ میں چاہتا ہوں کہ قبل اس کے کہ میرا نامہ اعمال لکھا جائے۔ اور مجھ سے جواب طلب ہو۔ میں حق دار کو اس کا حق
 پہنچا دوں! آپ جب اپنے گھر میں بیعتِ خلافت سے فارغ ہو کر داخل ہوئے تو آپ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھگی ہوئی
 تھی۔ آپ کی بیوی نے گھبرا کر پوچھا کہ کیوں خیریت تو ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خیریت کہاں ہے! میری گردن میں امتِ محمدی کا بوجھ
 ڈال دیا گیا ہے۔ ننگے، بھوکے، بیمار، منکوم، مسافر، قیدی، بچے، بوڑھے، کم حیثیت، عیال دار وغیرہ سب کا بوجھ میرے سر پر
 آن پڑا ہے۔ اسی خوف میں رو رہا ہوں کہ کہیں قیامت میں مجھ سے پرسش ہو۔ اور میں جواب نہ دے سکوں!
 خلیفہ ہونے کے بعد آپ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک سے کہا کہ تم اپنے زیورات بیت المال میں داخل کر دو
 درنہ میں تم سے جدائی اختیار کر لوں گا۔ کیوں کہ مجھ کو یہ کسی طرح گوارا نہیں کہ تم اور تمہارے زیورات جن میں ایک وہ قیمتی موتی بھی تھا
 جو عبدالملک نے اپنی بیٹی کو دیا تھا۔ سب مسلمانوں کے لئے بیت المال میں بھجوا دیئے!

مالک بن دینار کا قول ہے کہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص زاہد ہو سکتا ہے۔ تو وہ عمر بن عبدالعزیز ہیں کہ دنیا ان کے پاس
 آئی۔ اور انہوں نے اسے ٹھکرا دیا۔
 آپ کی حرم محترم فرماتی ہیں کہ ایامِ خلافت میں آپ کی یہ حالت رہی کہ باہر سے آکر سجدے میں سر رکھ دیتے۔ اور روتے روتے
 اسی حالت میں سوجلتے۔ جب آنکھ کھلتی پھر رونے لگتے۔ دلید بن ابی سائب کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز سے بڑھ کر کسی شخص کے
 دل میں خدا کا خوف نہیں دیکھا۔

کسی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے کہا کہ اگر آپ نے اپنے لئے کوئی محاذِ مقرر کر لیں۔ اور کھانے پینے میں احتیاط رکھیں تو بہت
 اچھا ہو۔ آپ نے فرمایا الہی! اگر میں قیامت کے سوا اور کسی چیز سے ڈرتا ہوں تو مجھے اُس سے امن میں نہ رکھنا۔ ایک مرتبہ آپ نے
 فرمایا لوگو! خدا سے ڈرو اور طلبِ رزق میں مائے مائے نہ پھرو۔ ازہر کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ کی قمیص میں پیوند لگے
 ہوئے تھے۔ تاریخ اسلام حصہ دوم (مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)

ہماری نظر میں

آر۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ضخامت ۵۶ صفحات قیمت ۱۷ روپے بارہ آنہ

ملنے کا پتہ: دارالاشاعت، مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی نمبر

امام ابو حنیفہ کی
تدوین قانون اسلامی

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے "قانون اسلامی کی تدوین کس طرح کی؟" اس پر تاریخی پس منظر کی روشنی

میں بحث کی گئی ہے۔ یہ موضوع ایک بحر ہے کنارے۔ اس کوڑے (کتابچہ) میں وہ کس طرح سما سکتا تھا۔ پھر بھی تامل مصنف نے بعض گوشوں پر عالمانہ انداز میں گفتگو کی ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ معصوم نہیں تھے۔ ان کے نامور شاگردوں نے اپنے استاد کی رائے اور فیصلوں سے اختلاف کر کے تقلید

جامد "پر فیصلہ کن ضرب لگائی ہے۔ اس اعتراض کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ امام ابو حنیفہ "تفقہ فی الدین" میں اپنی آپ نظر تھے۔
سوائے جیسے مقنین ابو حنیفہ کی بندی کے مقابلے میں "بونے" نظر آتے ہیں!

"ایک دن کسی نے فقہ کا درس اور قیاس آرائی دیکھی تو فقرہ کس دیا کہ قیاس سب سے پہلے ابلیس نے کیا تھا۔ (مراد یہ تھی کہ خدا نے جب حضرت آدم کو سجدے کا حکم دیا تو آتش مفلوک کو خالی مفلوک سے فضل قیاس کر کے ابلیس نے خدا کا حکم ماننے سے انکار کیا تھا) ابو حنیفہ اس کی حجت متوجہ ہوئے۔ اور کہا بھلے مانس تم نے بے محل بتا بھی ہے۔ ابلیس نے خدا کے حکم کو ٹھکرا دیا تھا۔ اور ہم ایک مسئلہ کو دوسرے پر صرف اس لئے قیاس کرتے ہیں کہ اس قرآن یا سنت یا اجماع کے اصول کے تابع کریں۔ اور اسی کی کوشش کرتے ہیں اور خدا کے حکم کی پیروی چاہتے ہیں پھر یہ اور وہ دونوں ایک کیسے ہوتے۔

ایک دفعہ انھوں نے قیاس کا اصول یوں بیان کیا تھا کہ قیاس ہر چیز میں نہیں چلتا۔ قیاس صرف ان چیزوں میں چلتا ہے۔ جن کارائے سے ادراک ہو سکتا ہو۔ قیاس کسی طرح ارکان دین کے ثابت کرنے اور اسباب دعلل میں نہیں چلتا۔ بلکہ صرف احکام کے ثبوت کے لئے چلتا ہے۔

ان اقتباسات سے اس کتابچہ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تجارت اور کارروائی کا دوبارہ کے سلسلہ میں پیغمبر اسلام نے بھی عرب میں یمن اور عمان کا کافی طویل سفر کیا تھا صفحہ ۵

"کارروائی کا دوبارہ" کتنی بچکانہ ترکیب ہے۔ آپ جہاں دیدہ تھے " (صفحہ ۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

جہاں دیدہ یا تجربہ کار کہنا قطعاً مناسب نہیں نبوت "جہاں دیدگی" اور "تجربہ کاری" سے بہت بلند ہوتی ہے۔ اس میں تخصیص بھی نظر آتا ہے۔ (صفحہ ۷) تخصیص بالاتفاق مومنٹ ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کا علم و تجربہ اپنی جگہ مستم ہے۔ کاش! ان کو اندازہ بیان کی شگفتگی بھی مل جاتی۔

آپ کی الفت میں جو دامن گریباں ہو گئے میرا ایماں ہے کہ وہ جزو بہاراں ہو گئے
نعت کے ان شعروں کو پڑھتے اور محکم "صلوٰۃ و سلام" بن جاتے۔

حاصل ہے مجھے سایہ دامن محمد ﷺ اب میں نہیں وابستہ دامنِ دو عالم
بھنگی ہوئی منزگانِ نبیؐ ابر گہر بار ﷻ ہنستا ہوا چہرہ چمنستانِ دو عالم
صرف ایک نظر ہے سرو برگِ چمن زلیخا ﷻ صرف ایک تبسمِ سرد و سامانِ دو عالم
کلام کے کچھ اور نمونے۔

باب و چنگ کی جنت میں اُدکھنے والو ﷻ اٹھو کہ دہریں تیغ و سناں کا دورِ ہر اب
جبینِ وقت کے اُبھرے ہوئے نقوشِ پڑھو ﷻ تمام دہریے آتشِ بجاں فغاں بر لب

دہری ہے دست کے راز دنیا کا انداز ﷻ رسن تو آج بھی موجود ہے گلو ہی نہیں
خریدتے ہیں فقط قبضوں کی شیشہ گری ﷻ اور آنسوؤں کی نزاکت کو بیخ دیتے ہیں
وہ انساں جن کی منزلِ مادرائے لالہ و گل ہے ﷻ دہری سیر گلستان سے بہل جائیں تو کیا ہوگا
مجھے تم خاڑا پر رنگِ دستی میں نہ لے جاؤ ﷻ دہاں مجروح ہو جاتے گا ذوقِ جستجو میرا
بہت ادیب ملیں گے کہ وقت نے جن کا ﷻ ضمیر چھین لیا اور قلم خرید لیا
ہو جس کے سامنے بدی کو جراتِ گفتار ﷻ جہاں بڑو کو میسر کیاں وہ مردِ حیل و سلق
ہے کشتِ نگر میں سو دوزباں کی نشوونما ﷻ مرے زمین کے نالے ابھی نہیں بیدار

نعتِ درد سے محروم رہ گونہ دل ﷻ بن گئے لوگ فرشتے سُر انساں نہ بنے
ایسے کتنے ہی گریباں ہیں جو فصلِ گل میں ﷻ چاک ہو کر بھی ترا گوشہ داماں نہ بنے

اب اس بہار میں کاسٹوں کا ذکر کیا کیجئے ﷻ کہ جن کا حق تھا وہ غنچے بھی مسکرا نہ سکے
سہ شاریہ میں اک دل بے مدعا سے ہم ﷻ جی چاہتا ہے کچھ بھی نہ مانگیں خدا سے ہم
ایسی بھولی شکلِ قاتل کون کہہ دے آپ کو ﷻ اللہ اللہ! اس طرح دامن بچا جاتے ہیں آپ
تری نظر سے اور امید دل نوازی کی ﷻ ہم آپ ٹھہریں لگاتے ہیں آہکینوں کو
بواہوس کہہ رہے ہیں دنیا کو ﷻ کہیں اس سلسلہ میں ہم تو نہیں

روح کا کرب شبِ بھر جو بڑھ جاتا ہے

چھیڑ دیتا ہوں غزلِ نالہ شبِ گیر کیا تھ

عاصی نظم و غزل دونوں پر قدرت رکھتے ہیں مگر "نظم گوئی" سے ان کی طبیعت کو خاص مناسبت ہے۔ ادران کے
آرٹ کے جوہر "نظم" ہی میں پوری طرح کھلتے ہیں۔

پھولوں کا ہار ان کی کامیاب ترین نظم ہے۔ اس نظم نے مشاعرے بھی لوٹے ہیں۔ اور کاغذ پر آکر بھی اس کی تاثیر کم نہیں ہوئی۔ چند شعر۔

شیم نے مجھے پھولوں کا ایک ہار دیا متاع گلشن و سہ ماہیہ پیار دیا
 مہک رہی تھیں گلوں کی لطافتیں اس میں دیکھ رہی تھیں شگوفوں کی عصمتیں اس میں
 شگونے نازک مربوط پھول والبتہ تمام ہار تھا فطرت کا شعر بر جستہ
 میں اپنے گھر سے وہ پھولوں کا ہار لے کے چلا میں اپنے باغ سے فصل بہار لے کے چلا

”لال قلعہ“ کی چند جھلکیاں۔

تو دردش پہ ڈالے ہوئے عظمت کا دوشالہ
 رفعت میں دیا ہے تجھے گردوں نے قبالہ
 اللہ یہ ہدیت! کہ ہے دہلی کا ہمالہ
 دیتے ہیں مورخ تری شوکت کا حوالہ
 اقلیم لطافت میں ترا سکہ رواں ہے
 دنیا کی عمارات کا تو شاہ جہاں ہے
 یہ قلعہ رطبت و تجلی کا شہستان!
 اس بزم میں رہتا تھا چراغاں ہی چراغاں
 اک انجمن حسن کہ آرام دل و جاں
 اک گل کدہ ناز کہ گل ریز و گل افشاں
 اک عیش و طرب، کیف و سکون نہکت مستی
 تھی گردش درداں سے بہت دور یہ بستی
 اخلاق جو چمکا تو اسی عرش بریں سے
 تہذیب جو مہکی تو اسی خلد حیں سے
 برسوں ہوتی اصلاح تمدن کی ہمیں سے
 پیدا کی گردوں ہوئے اس ایک زمین سے
 پائی ہے یہاں پردش الفاظ و بیانی نے
 برسوں اسی قلعہ سے سندلی ہے زباں نے

”اللہ تیری شان ہے“ مترنم درداں قومی نظم ہے۔

ادلاد صدیق و عمر عثمان و حیدر کے پسر
 عالی نسب، والا گہر اب ان کے سینے بے شرر
 بے مایہ سوز جگر محروم آداب نظر

خوبیدہ شام سحر کو نادائف فرداودے
اللہ تیری شان ہے کو اللہ تیری شان ہے

دختر تہذیب حاضر سے شاعر خطاب کرتا ہے۔

تو مری نظروں میں ذنرت کا صحیفہ ہو مگر کو وہ صحیفہ جس کے ادراق پر لٹیاں لٹ گئے
اک لب گل دنگ کی قیمت چکانے کے لئے کو بار بار تیرے تبسم کے گلستاں ٹٹ گئے
• فتنہ انکار حدیث پر شاعر کی دینی غیرت چیخ اٹھتی ہے۔

نااہل ہیں اور دعویٰ گفتار و قلم ہے۔ کو اللہ ترے دین پہ کیا جو دستم ہے
سنت کی اگر ملے تمہ میں مشعل نہیں ہوتی کو انسان کی توحید مکمل نہیں ہوتی
فرقہ کوئی سنت سے اگر برسر کیس ہے کو یہ جنگ خدا سے ہے محمد سے نہیں ہے

دوسرا رخ

اے شاہِ درد عالم شہ شاملنِ دو عالم کو اے مرکزِ ادراجِ فدا یانِ درد عالم (صفحہ ۲۱)
فدائی کی جمع " فدا یان " نہیں " فدا یان " ہے
بس ایک ایک لٹری رنگ و بو کا طوفاں تھی کو مری نگاہ تو رنگینیوں میں ڈوب گئی (صفحہ ۲۲)
پورا شعر کمزور اور سپاٹ ہے۔

کچھ گانے کی تکرار نہ باجے کا بکھیڑا کو ہر شیخِ دبر بہنِ حرم و دیر سے بالا (صفحہ ۳۳)
" کچھ کی جگہ تھی " ہونا چاہیے تھا۔ " بالا " بھی وجدان کو کھٹکتا ہے۔
قبضِ بسط و کرب و مستی ذکر و ذکر و ذوق و شوق کو یہ طلسماتِ دلِ مرحوم میں الجھے ہوتے (صفحہ ۴۲)
" طلسماتِ دلِ مرحوم " — یہ کیا ترکیب ہے ؟ " دلِ مرحوم " کا طلسمات ، کیا ہوتا ہے ؟

خاشاک میں اور پنچہ لڑانے کی ہوس ہے کو طوفان کی روایات مٹانے کی ہوس ہے۔ (صفحہ ۸۲)
شاعر کہتا ہے چاہتا ہے کہ "خس و خاشاک ہیں، مگر طوفان سے پنچہ لڑانے کی ہوس رکھتے ہیں۔ خس و خاشاک کا طوفان سے
مکمل لینا یا خبر د آزما ہونا کہنا چاہیے تھا " طوفان سے پنچہ لڑانے میں بڑا تکلف پایا جاتا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں بس لفظوں کو
جوڑ دیا ہے !

خوب سکھلاؤ اسے دورۂ حاضر کے علوم کو ابن آدم کو بلاتے رہو میٹھا زہراب (صفحہ ۹۴)
کیا دور " اور " دورہ " مترادف لفظ ہیں : " دورہ " زمانہ اور عصر کو نہیں کہتے !

مرے شعور کو لے دست ! معتبر نہ سمجھ کو میں کر رہا ہوں ستاروں کی دھڑکنیں محسوس (صفحہ ۱۰۳)
کیا ستاروں کی دھڑکنیں محسوس کرنے سے شعور نامعجز ہو جاتا ہے۔ ؟ شاعر آخر کیا کہنا چاہتا ہے۔
آدمی کے خانہ دل میں ہے ظلمت کا فراغ کو آدمی کے لب پہ روشن تبسم کے چراغ
" فراغ " قافیہ کی مجبوری کے سبب نظم کیا گیا ہے۔ یہ لفظ شعر میں فٹ کہاں ہوتا ہے۔

نظر میں ذوق نظر نہیں ہے جگر میں سوز جگر نہیں ہے (صفحہ ۱۰۸)

ذوق نظر میں "نظر" اور "سوز جگر" میں "جگر" زائد ہیں۔ ادران کی تکرار بھلی نہیں لگتی! شاعر کی طرف سے اگر یہ کہا جائے کہ اس تکرار سے مفہوم پر زور دیتا اور ~~مضمون~~ مضمون سے مراد ہے۔ تو اس تکرار کو گوارا کیا جاسکتا ہے۔

جیتا ہے مسلمان تو پڑجاتا ہے عنوان جو مرتا ہے مسلمان تو بن جاتی ہے ردداد (صفحہ ۱۳۱)
جس نہرگامہ پر در مفہوم کی ترجمانی کرنی مقصود ہے وہ لفظوں کے در نسبت اور اظہار و بیان کے اعتبار سے اثر انگیز نہیں رہتا۔ دوسرا بنیاد پر آگرتی ہے "عنوان نہیں پڑا کرتا"

موت تو اس زندگی کی مستقل تنظیم ہے جو کیسے ناداں ہیں جو کہتے ہیں پریشیاں ہو گئی (صفحہ ۱۵۸)
مفہوم تو سمجھ میں آگیا۔ مگر مفہوم موزوں الفاظ میں ادا نہیں ہوا۔ اس قسم کے کمزور اشار عاصی صاحب کو اپنے مجموعہ میں نہیں رکھنے چاہئے تھے۔
ترے ہی غم میں مجھے موت آگئی ہوتی و یہ زندگی تو بہر حال ختم ہی ہوتی (صفحہ ۱۶۰)
غزل کا مطلع اور اس قدر بے کیف — ۱۱!

دامن کو گل انشاں ہونے دو، ترتیب گلستاں ہوتی ہے

دحشت کو جنوں فرمانے دو، تکمیل بہاراں ہوتی ہے

مفہوم گنجگک سا ہے۔ "دحشت کو جنوں فرمانے دو" نے اور ابہام پیدا کر دیا۔

بھول چوک سے کون بچا ہوا ہے، خود تنقید نگار کو اپنی لغزشوں کا اعتراف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "رگ جاں" نے اردو ادب میں اضافہ کیا ہے۔ اور اس کتاب کو پڑھنے کے بعد عاصی کے دوسرے "مجموعہ کلام" کا اہل ذوق کو انتظار رہے گا۔

ازدخان بہادر عالم خان عالم صفحات ۱۲۸ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ (عمر)
جہالم نوا ملنے کا پتہ۔ پاکستان بک کمپنی شاہی بازار مجادل پور

خان بہادر عالم خان عالم کا یہ دوسرا مجموعہ کلام منظر عام پر آیا ہے۔ اس سے پہلے ان کا ایک مجموعہ "مربع جذبات" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ عالم صاحب تقسیم منبہ سے قبل آٹھ سال تک ریاست پاٹودی کے دیوان (چیف منسٹر) رہے ہیں پاکستان آنے کے بعد مجادل پور میں جیل خانہ کے انسپکٹر جنرل اور کالیج انڈسٹریز کے ڈائریکٹر کی اہم خدمات انجام دیں۔ ان کے آنے سے قبل جیل کی آمدنی گیارہ ہزار روپیہ سالانہ تھی۔ مگر ان کے زمانہ میں آمدنی تقریباً چار لاکھ تک پہنچ گئی۔ خود عالم صاحب کا بیان ہے "دنیا بھر میں صرف یہی ایک جیل تھا۔ جو نہ صرف اپنے تمام اخراجات کا کفیل تھا۔ بلکہ آمدنی دے رہا تھا۔ اور میرے کام چھوڑنے کے فوراً بعد ہی آمدنی ایک چوتھائی سے بھی کم رہ گئی۔"

جناب عالم صاحب کی نظم و نسق کی اس غیر معمولی قابلیت نے ان کو شعر گوئی میں بھی اپنے جوہر دکھائے ہیں۔ اور وہ اس طرح کہ ان کی طویل نظموں میں ربط و نظم اور انجام پایا جاتا ہے۔ ان کا کلام پڑھ کر اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف کو اگر زمانہ فرصت دیتا اور شعر و ادب "ہی پردہ اپنی پوری توجہ صرف کرتے، تو وہ صنفی لکھنوی جیسے مشاق مسن اور پرگو شاعروں کی صف میں جگہ پالتے۔ تم صاحب کے کلام میں رنگارنگی پائی جاتی ہے۔ انھوں نے سیاسی اور قومی "عنوانات" پر بھی نظمیں کہی ہیں۔ اور حسن و عشق کی بھی ترجمانی کی ہے۔

جذبات کی شدت ان کے کلام کا امتیازی وصف ہے۔

مجاہد سے خطاب -

سے کفن پیٹ کر تیغ کو بے نیام کر کو کس رحیل بچ چکا اسپ کو تیز کام کر
وقت جہاد آگیا۔ چون دچرا کا کام کیا سینہ سپر ہو تیر کھا، خلد کا اہتمام کر!
وقت بہت ہے مختصر دور دراز سفر مرکب تیز کام کو، اور بھی تیز کام کر

انقلاب ۱ -

فٹ پاتھ پر پڑے ہیں پردہ نشیں گھرانے دن یہ بھی دیکھنے تھے اے گردش زمانہ
اک وہ کہ ہوٹلوں میں مردن عیش و عشرت اک وہ کہ پٹریوں پر محتاج آب و دانہ

پھول میں رنگ دبو نہیں سبزہ تر کو کیا ہوا کتنے نظر نواز تھے شام و سحر کو کیا ہوا
پچانس اک چھپے کسی کے گننا بے تیر دل پر بخشنا مرے خدانے مجھ کو غم زمانہ
فقیر بے نوا کی طرح کائی زندگی ساری حلیفہ بن کے کیا آئر لیا فاروقِ اعظم نے
سائل دہلوی مرحوم کی بہت مشہور غزل ہے -

جناب شیخ کا نقش قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی
اس زمین میں عالم کی غزل کا ایک شعر ہے -

کرم کیجئے نوازش ہے، ستم کیجئے عنایت ہے ہمارا تو سر تسلیم خم یوں بھی ہے، اور یوں بھی
اب اور دیکھ دیکھ کے ہوتا ہے غم مجھے رکھ دو مرے قفس کو کہیں آستیاں سے دور
نکلے نہیں دل کے ابھی ارمان زیادہ آجاؤ کہ اب جی ہے پریشان زیادہ
کسی کسی نظم میں مزاح و طراوت کا چٹخارہ بھی پایا جاتا ہے -

بیڈروں کی بات میں تا شیر ادھی رہ گئی اس قدر ہوٹنگ ہوئی تقریر ادھی رہ گئی
کچا چھٹھا لکھ رہا تھا افسروں کا میں مگر بل الاٹ اک ہو گئی تحریر ادھی رہ گئی
"شوہر کی موت" اور "وادی مری" اثر انگیز نظمیں ہیں -

عالم صاحب کی برائی غالباً خاصی رنگ رلیوں میں لسبر ہوئی ہے۔ اس لیے بڑھاپے کا زمانہ ان پر بہت شاق گزر رہا ہے۔ انھوں نے
کتنی نظموں میں جوانی کا ماتم کیا ہے۔ ایک شاعر اور وہ بھی جذباتی شاعر، پھر وہ خوبصورت بھی ہو۔ اس کی زندگی بڑی نہکامد خیز ہوتی ہے۔
عالم کی شاعری بتاتی ہے کہ ان نہکاموں سے ان کو سابقہ پڑا ہے۔ اور اب بھی اس آتش دان کی کجلائی ہوتی چنگاریوں میں خاصی گرمی
موجود ہے -

دوسرا رخ -

کیا اسلام کو زندہ نقطہ تیری شہادت نے بھگت گھٹے دل بے حس بھی سن سن کر بیاں تیرا (صفحہ ۱۰)
"فقط" نے واقیبت میں مبالغہ پیدا کر دیا ہے۔ دین کا حیا اور تجرید بردر میں ہوتی رہی ہے۔

”دل کا بھرک اٹھنا“ یہاں معنویت کے اعتبار سے محل نظر ہے۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ ”تیرا بیان سن سن کر بے حس و حرکت
دل بھی متحرک ہو جائے۔ اور وہ بھی زندگی اور حرکت محسوس کرنے لگے“ یہ خیال لفظوں میں ٹھیک طرح ادا نہیں ہوا۔

کشمیر ہمارا ہے، اور اے کے رہیں گے ہم و قسمت کے نوشتہ کو ہم آگ لگا دیں گے (صفحہ ۱۱)
کشمیر کے لینے اور، قسمت کے نوشتہ کو آگ لگا دینے میں آخر ربط کیا ہے؟ شاعر یہ کہنا چاہتا ہے۔ کہ ہم کب تک مقدر پر
بھروسہ رکھتے رہیں۔ اور یہ سوچتے رہیں کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ تقدیر پر کیا اعتماد کاہلی اور
نزدلی کی دلیل ہے۔ آؤ کشمیر لینے کی تدبیر کریں اور جوشِ عمل سے کام لیں۔ یہ خیال شعر میں ادا نہیں ہو سکا۔

پنی پنی کے تحفلوں میں اب رقص کر رہے ہیں پڑھتے تھے جو نمازیں کل تک بھی پنجگانہ (صفحہ ۳۳)
”بھی“ زاہد ہے! اور تمہا اس ایک زاہد لفظ کے آسانے سے شعر کی زوشق کا کہا ہوا سا لگتا ہے۔

آج کل کا دن عین ہے جو ٹائے مل نہیں سکتا یہ وہ افنی ہے جس پر کوئی جادو چل نہیں سکتا (صفحہ ۳۸)
غالباً سہو کتابت کے سبب مصرعہ ادنیٰ خارج از بحر ہو گیا ہے! افنی پر جادو نہیں، منتر، چلا کرتا ہے۔

مدد کرتی ہیں پاک رو جس یقیناً دعا ان کی ہوتی ہے مقبول فوراً (صفحہ ۳۱)
اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے ”روحیں“ مدد نہیں کرتیں۔ یہ عقیدہ اسلامی تعلیمات سے میں نہیں کھاتا

موزِ غم پنہاں سے نہیں چین گھڑی بھر، اٹھتا ہے دھواں سامرے برکنج جگر سے (صفحہ ۴۱)
”گوشہ دل“ بولتے اور لکھتے ہیں مگر ”کنج جگر“ پہلی مرتبہ دیکھنے میں آئی۔ یہ ترکیب نامانوس ہے۔؟
کیس کیس مصرعے بحر سے خارج نظر آتے ہیں۔ اس کا سبب سہو کتابت ہی ہو سکتا ہے۔

ماہنامہ آستانہ زکریا، مدیر اعلیٰ - مخدوم زادہ محمد سجاد حسین قریشی رئیس التحریر - حسان الجیدی - سالانہ چندہ پانچ روپیہ
نی پرچہ آٹھ آنہ - ملنے کا پتہ - دفتر آستانہ زکریا سرکلر روڈ - ملتان شہر

ماہنامہ ”آستانہ زکریا“ بڑے اہتمام سے منصفہ شہود پر جلوہ گر ہوا ہے۔ سردرق رنگین ہے، کاغذ چمکنا سفید اور کتابت دیدہ و زیب
رسالہ کا نام اپنی لفظی اور معنوی ترکیب کے اعتبار سے چونکا دینے والا ہے لیکن سردرق پر حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانیؒ
کے مزار کی جو تصویر بنی ہے اسے دیکھ کر یہ حیرت دہر ہو جاتی ہے!

اس مجلہ کے اب تک چار شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ جو رنگا رنگ مضامین سے مزین ہیں۔ ان میں حکایات صالحین
بھی ہیں، توحید خالص پر بھی ایک مقالہ ہے، ملتان کی تاریخ پر بھی ایک مبسوط مضمون ہے۔ خواجہ بخیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت شمس تبریزی اور امیر خسرو سے لے کر محسن کا کوردی اور مولانا حسن رضا بریلوی تک پر مضامین ہیں! ریح الاول کا
شمارہ ”سیرت نمبر“ ہے۔ جو پاکیزہ مضامین کا گلدستہ ہے۔ ماہنامہ ”آستانہ زکریا“ میں نظمیں غزلیں اور انسانے
بھی شائع ہوتے ہیں جس کے سبب رسالہ کی دلچسپی بڑھ گئی ہے۔

ستمبر کے شمارہ میں ”مثنوی معنوی“ جس مقالہ کا عنوان ہے۔ اس کے صفحہ ۲۰ پر فاضل مضمون لکارنے لفظوں
کی جن بڑی کتابوں کی فہرست دی ہے۔ ان میں ”عوارف المعارف“ کا نام چھوٹ گیا ہے۔
فغان حسان، ایک فارسی منقبت ہے۔ جس کا ایک شعر ہے۔

ایک زامت بہت دردِ قدسیاں دے در تو قبلہ گاہ انس و جان

اس شہر میں بیت مبالغہ کیا گیا ہے۔ شاہگاہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل کرتے ہیں نہ کہ اولیاء اور صلحاء کے نام ان کے دروزباں رہتے ہیں۔ دوسرا مصرعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کی مدح کے لئے سزاوار نہیں۔ اس نظم کے دوسرے شعروں میں اپنے ممدوح سے جو شاعر نے استغاثہ کیا ہے۔ اور ان کو حاجتاً روائی کے لئے پکارا ہے۔ (حاجتِ حسان کن جملہ دعا) اس سے اسلامی توحید مجروح ہوتی ہے۔ پورا قرآن اور احادیث رسول اس پر گواہ ہیں کہ مصیبت میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا چاہیے۔ اور وفات پائے ہوئے لوگ کسی کی مدد نہیں کیا کرتے۔

ماہنامہ "آستانہ زکریا" کی عام روش خاصی مختاط ہے۔ جناب میرحسان اچیدری نے

برکتِ جامِ شریعت پر کفے سندانِ عشق

ہر ہوسنا کے نہ دانہ جام و سنداں باختن

کو بڑی حد تک پس کر کے دکھایا ہے۔ باکاش! یہ روش قائم رہے۔ بلکہ اس احتیاط میں اور شدت پیدا ہو جائے! بعض مضامین سٹیجی بھی ہیں۔ توقع ہے کہ رفتہ رفتہ رسالہ کا معیار بلند ہوتا چلا جائے گا۔ اور یہ رسالہ اسی "خانقاہی تعلیم" سے گریز کرے گا۔ جس کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔

سکھا دیتے ہیں اسیے شیوہ ہائے خانقہی

فقیہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب

اعلان کرنے کے

بعد بھی

"توحید نمبر" اور "سیرت نمبر" کے لئے ہمارے پاس فرمائشیں آ رہی ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ دونوں شمارے بالکل ختم ہو گئے۔ اور ان کے لئے آرڈر اب بھیجے جائیں۔

"توحید نمبر"

کا نقش اول "پاکستان اور ہندوستان میں کتابی صورت میں شائع ہو رہا ہے۔ چھپنے کے بعد

"فاران" میں اس کی تفصیل دی جائے گی

نمبر "فاران"

کاروان حجاز

ماہر القادری مدیر "فاران"

کی

معمر کہ آرا شاہکار تصنیف

آپ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے اپنے آنسوؤں کو ضبط نہیں کر سکتے، ایک ایک لفظ اللہ اور رسولؐ

کی محبت کی خوشبو سے مہرکا ہوا، کتاب پڑھنے میں آپ مصنف کیساتھ ساتھ اپنے کو حرم کعبہ اور مسجد نبویؐ

میں سجدہ گزار اور روضہ رسولؐ کے سامنے صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہوا محسوس کرینگے۔

زبان کی چاشنی، ادب کی لطافت، تخیل کی نزاکت، محدود جلدیں باقی رہ گئی ہیں۔ آڈر دینے

میں عجلت فرمائیے۔

قیمت چار روپے۔ علاوہ محصول ڈاک

مکتبہ فاران

کیمبل اسٹریٹ، کراچی ۷

صحیح ادویہ و مناسب علاج کی فراہمی کی غرض سے

ہمدرد واخانہ

کی

بنیاد سند میں ۱۹۰۶ء میں

اور

پاکستان میں ۱۹۴۸ء میں رکھی گئی

ہمدرد کے کاروبار کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ آج اس کی تیار کردہ ادویہ ملک کے طول و عرض میں ہر جگہ مل سکتی ہیں۔ لیکن اس وسعت سے زیادہ اس کی کامیابی کا معیار وہ احتیاط ہے۔ جو ہمدرد کے معمولوں اور دوا سازی کے کارخانوں میں دواؤں کی چھان، پھٹک، صفائی، مستقرانی، تحقیق و تفتیش اور قدم قدم پر فنی جانچ پرکھ میں برتی جاتی ہے۔ ان چیزوں سے ہمدرد کا نام اصلی اور خالص ہونے کی ضمانت ہے۔

یہ وہ طریق علاج ہے

جس سے ملک کے اسی فیصدی باشندے معالجہ کے لئے رجوع کرتے ہیں !

ہمدرد واخانہ پاکستان۔ کراچی

طب یونانی کا علمبردار ہے

سیرت نمبر اور توجیب نمبر کے بعد

"قاران ایک اور معرکہ آرا خاص نمبر پیش کرنے والا ہے

تفصیلی اعلان کا انتظار کیجئے

غسل کے لئے بہترین صابن

صنعت پاکستان کے بہترین نمونے
پسندیدہ ترین نمونے
صابن خریدنے وقت

ذوالفقار انڈسٹریز کا نام دیکھئے

جو اچھے صابنوں کی ضمانت ہے۔ جدید ترین و لائسنس یافتہ
سے تیار کردہ۔

پاکستان میں ہر قسم کے صابن کی ضروریات کیلئے

ذوالفقار انڈسٹریز کا نام ہمیشہ یاد رکھئے

ذوالفقار انڈسٹریز، ڈی ۱۹ منگھوپیر روڈ، کراچی

گلاب ٹو اپیلٹ سوپ

بیسلی کریم سوپ

بیسلی سوپ فلیکس پوڈر

ریشمی اور ادنیٰ کپڑے دھونے کا خاص اجزاء سے مرکب صابون

آل رائٹ میڈیکل کار باک صابن

کپڑے دھونے کے بہترین صابن

(۱) ہرن برانڈ (۲) ملٹری (۳) ۵۵۵ بار

چمکدار لیکن

سکون بخش



جی سنٹر کے لیپس قلیل مدت میں تمام پاکستان میں پھیل گئے
 آپ انہیں مکانوں، آفسوں اور فیکٹریوں میں ہر جگہ پائیں گے درحقیقت
 ایک اعلیٰ درجہ کی چیمیز عام کی خدمت کیلئے پیش کی گئی ہے۔ آپ
 جی سنٹر ہی استعمال کیجئے اس لئے کہ یہ بہترین ہیں

بننے ہوئے

پاکستان میں



جی سنٹر ایکٹرک کمپنی لمیٹڈ

قاریان
کراچی
ایکستان



ماہیتادری

فاران

دسمبر ۱۹۵۷ء — ایڈیٹر — ماہر القادری

سالانہ چندہ پچھ روپے

فی پرچہ لہ طرہ اکھانے

مقام اشاعت

دفتر فاران کیمیل اسٹریٹ کراچی نمبر ۱

نظم و ترتیب

۲	ماہر القادری	نقش اول
۹	مولانا راغب احسن	روس میں کیا دیکھا
۲۹	مختلف شعراء	نظمیں اور غزلیں
۳۴		روح انتخاب
۳۵	تماشائی	پرچھائیاں
۳۸	ندیم ہاشمی	وشو کر کے (افسانہ)
۴۹		ہماری نظریں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اول

جب کوئی قوم بگڑتی ہے تو اُس کی زندگی کا کوئی شعبہ بھی بگاڑ سے محفوظ و مامون نہیں رہتا۔ آج ہم مسلمان زوال و تخریب کے انھیں حالات و ساختات سے دوچار ہیں۔ افکار و معتقدات سے لے کر اعمال تک فساد ہی فساد اور ابتری ہی ابتری دکھائی دیتی ہے۔ چھوٹوں بڑوں اور عوام و خواص سب کا ایک ہی رنگ ہے اور سب سے پہلے "نقشِ اول" لکھنے والا اپنی کوتاہیوں اور نفس کی دست درازیوں کا اعتراف کرتا ہے۔ قوم کی قومِ آخرت فراموش اور خدا ناشناس ہو گئی ہے یا بہت ہی محتاط لفظوں میں یوں کہئے کہ ہوتی جا رہی ہے۔ دولت، عزت، عیش و مسرت اور شہرت و نمود، ان کے ذریعہ ہر کوئی اپنے نفس کو غلام بنا چکے ہیں صرف ہے۔

واعوذ منبر پر قال اللہ وقال الرسول کہہ کر سامعین سے داد و ستائش کی تمنا رکھتا ہے، اہل قلم مضامین اور کتابیں لکھ کر اپنی تعریف سننے کے لئے گوش بر آواز رہتے ہیں۔ سرمایہ دار کسی رفاہی کام میں چندہ دے کر چاہتے ہیں کہ اُن کے کام کو خوب سراہا جائے اور اُن کی سخاوت و دریادلی کا زیادہ سے زیادہ چرچا ہو۔ یہاں تک کہ خوش الحان قاری کلامِ پاک کی تلاوت کرتے ہوئے "مرحبا" "جزاک اللہ" اور "ماشاء اللہ" دوسروں کی زبانوں سے سننے کی آرزو رکھتے ہیں۔ کسی شخص سے کوئی بھلائی کا کام ہو جاتا ہے تو وہ اس انتظار میں رہتا ہے کہ لوگ اُس کے کام پر خراجِ تحسین ادا کریں۔

سیاسی لیڈروں کو چھوڑیے کہ اُن کی ساری تگ و دو تو "زندہ باد" کے نعروں کے لئے ہی ہوتی ہے مگر دینی طبقہ کے اکابر خود اپنے نفس کا ایمانداری کے ساتھ جائزہ لیں تو وہ بھی کسی نہ کسی درجہ میں نفس کا

اس چوری کو پکڑ ہی لیں گے — اخلاص و بے نفسی کا جیسا قحط ہمارے اس زمانہ میں پایا جاتا ہے، گزشتہ دور میں شاید ہی مسلم قوم پر یہ عالم گزرا ہو کہ اخلاص و وفا اور بے نفسی و لائیت کے دانہ دانہ کے لئے محتاج ہو گئی ہے۔

ملت میں ایسے جری اور بے باک ناقد اور معترض تو بہت پائے جاتے ہیں جو حکومت اور ارکان حکومت پر تنقید و احتساب کے معاملہ میں شمشیر برہنہ بن جاتے ہیں مگر عوام کے سامنے ان کے کردار کی خرابیوں پر ٹوکنے کی ہمت نہیں کرتے۔ یہ جو مسلمانوں کے جلسوں میں ہزاروں کی بھیڑ لگ جاتی ہے ان کی بڑی تعداد یہ ہے جن کے کانوں میں حکومت اور کارکنان حکومت کے خلاف نکتہ چینیاں اور گالیاں سن کر رس پڑتا ہے۔ اگر ملت کے رہنما عوام کو ٹوکنے شروع کر دیں تو جلسوں کی یہ پہل پہل بے رونقی سے بدل جائیگی۔ قوم میں ایسے بے لاگ ناقد اور جری محتسب کتنے نکلیں گے جو نہ حکومت سے ڈرتے ہیں اور نہ عوام سے خوف کھاتے ہوں! حکومت کے خلاف لب کشائی سے اگر عوام میں ہردلعزیزی اور قبولیت حاصل ہو۔ لگاؤ سا بھی داعیہ نفس کے اندر موجود ہو تو یہ کتنا خوفناک فتنہ ہے۔ اگر کوئی حکومت کا ناقد اور محتسب بن کر عوام کا "جی حضوری" بن جائے تو اس سے اس کی غلامانہ ذہنیت میں فرق کیا پڑتا ہے۔ حکومت کے عتاب کا ڈر اور عوام کی برہمی اور ناراضگی کا خوف، دونوں برابر ہیں۔ کوئی حکومت کا "جی حضوری" ہو اور دوسرا عوام کا "جی حضوری" اور "ہاں میں ہاں ملائے والا" تو یہ دونوں غلام ہیں اور ان کی فکر و رائے آزاد نہیں ہیں۔

فکر آزاد، نفس بے غرض اور زبان حق گو وہ کتاب ہے جسکو تنقید و احتساب میں جذبات کی رغاؤں سے نظر نہ ہو، اگر کوئی حکومت کے خلاف تقریر کرے یا مضمون لکھ کر قیصر خانہ میں جائے کیلئے تیار ہے مگر اظہار حق کر کے عوام کی ناراضگی مول لینا نہیں چاہتا۔ تو اس کردار، مزاج اور ذہنیت کا آدمی زمانہ ستیز نہیں زمانہ ساز ہے۔ حق پسند، حق شناس اور حق گو کے لئے بادشاہوں کے دربار اور شہر کے گلی کوچے برابر ہوتے ہیں۔ وہ بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے دربار میں حق کا اعلان کر کے جو حضرت طیار کا پارٹ ادا کرتا ہے اور دوسری طرف عوام میں بلال حبشی بن جاتا ہے کہ محلہ کے بوندے اور شیر لوگ اسے گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے ہیں مگر اعلان حق سے وہ باز نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ کی خشیت کا دل پر غلبہ ہو تو پھر نہ حکومت کے عتاب کا ڈر رہتا ہے اور نہ عوام کی برہمی کا خوف! جس طرح حکومتیں اپنے "جی حضوریوں" کو اعزاز و مناصب عطا کرتی ہیں اسی طرح عوام بھی اپنی مرضی پر چلنے والے لیڈروں کو عزت دیتے ہیں۔ حکومت اور عوام کی دی ہوئی عزت و ذلت سے بلند اور بے نیاز ہو کر جو کوئی حق بات کہے گا اللہ کی رضا اس کے ساتھ ہوگی۔ جو کوئی حکومت اور عوام دونوں پر بے لاگ تنقید کرے اور ان میں سے کسی سے نہ ڈرے، اس کے بعد بھی اس کو ہردلعزیزی اور قبول عام حاصل ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ اپنے حالات سے نفس کی کمزوریوں اور دل کی بیماریوں سے جتنا خود ہم واقف ہو سکتے ہیں،

اتنا اور کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا۔ کوئی اصلاح حال کے لئے خلوص کے ساتھ آمادہ ہو تو اپنے احوال کی کیفیات کی بہت کچھ اصلاح کر سکتا ہے۔ نفس کا کوئی مرض لا علاج نہیں ہے۔ بشرطیکہ اُس کے ازالہ کی فکر کی جائے۔ اور جب ذہن، نفس کی کمزوریوں کی تاویلوں پر اتر آئے تو پھر دل کی بیماریوں میں نت نئے اضافے ہوتے جاتے ہیں اور دل پر تاریکی اور سیاہی طاری ہوتی جاتی ہے۔ دل کی اسی کیفیت کو قرآن "سین" سے تعبیر کرتا ہے۔ ایک نہ چھٹنے والی زنگ، نہ دور ہونے والی تاریکی نہ ٹوٹنے والی ٹہر! بس پھر کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی۔

دوسرا رخ | قوم کے بگاڑ کا یہ ایک رُخ تھا جو اوپر پیش کیا گیا ہے۔ دوسرا رُخ بظاہر زیادہ تاریک تر نہ ہوگا مگر نتائج کے اعتبار سے شدید سے شدید خطرات کا حامل ہے۔ مصر کی مثال ہمارے سامنے ہے، وہاں کے علماء نے عوام کے شوق و پسندیدگی کی خاطر زمانہ کا ساتھ دیتے ہوئے "تصویر" کے جواز کا فتویٰ دیا، سودی بینک کی اباحت کے لئے اجتہاد فرمایا، عورتوں کی بے حجابی کے خلاف وہاں کے مذہبی طبقہ نے کوئی موثر احتجاج نہیں کیا۔ مکروہ اور ناپسندیدہ حرکات سے چشم پوشی، تساہل اور درگزر کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ برائیاں جڑ پکڑتی اور پھیلتی چلی گئیں۔ تہذیب حاضر کی ہر برائی اور معصیت کو مصر نے قبول کیا، اور فسق و فجور کے ان مظاہر کو تہذیب و ترقی اور تنویر فکر کا نام دیا گیا۔ مصری حکومت نے ان تمام لغزشوں کو شہ دی، بلکہ اُن کی سرپرستی کی۔

"انخوان المسلمون" نے پورے خلوص اور جوش کے ساتھ فسق و فجور کو دبانے اور نیکیوں کو پھیلانے کی کوشش کی۔ کوئی شک نہیں کہ مصر کے نوجوانوں میں "انخوان" نے اخلاق و پاکیزگی اور خدا شناسی کی ایک برقی ردِ دوڑادی۔ اور چند سال "انخوان" کو کام کرنے کا موقع اور مل جاتا تو مہر ہی نہیں پورے مشرقِ وسطیٰ کے وہ زمین و آسمان بدل کر رکھ دیتے۔ مگر فسق و فجور کے آغوش میں تربیت پائے ہوئے فوجی افسردوں اور اپنے طبقہ کے لوگوں نے "انخوان" پر وہ وہ دردناک مظالم کئے کہ نیرد، چنگیز، حجاج، اور ابن ہبیرہ کے ظالمانہ کارنامے اُن کے آگے گرد ہو گئے۔ اس صدی کے سب سے بڑے ظالم جمال ناصر نے اسلام کے فداکار "انخوان" کی لاشوں پر اپنا تخت حکومت بچھا کر، مشرقِ وسطیٰ میں اقامتِ دین کی کوششوں کو پامال کر دیا۔ اور اب مصر پرستی اور گراؤٹ کے اُس پاتال تک پہنچ چکا ہے کہ شراب لہجہ خمزیر، قمار، بدکاری اور فحاشی وہاں "آرٹ" سمجھے جاتے ہیں۔ اور عیش و عشرت کے تنوع میں تو مصر یورپ سے بھی بازی لے جا چکا ہے۔

مصری عوام لذتوں اور چٹخاروں کے خوگر ہو چکے تھے یا یوں کہئے کہ بنا دیئے گئے تھے۔ اس "انخوان المسلمون" کی پامالی اور بربادی پر وہ کوئی موثر احتجاج نہ کر سکے۔ جس زمانہ میں "انخوان" جو رداستبداد کی آتشیں چکی میں پیسے جا رہے تھے، جمال ناصر کی حکومت کا کٹیل پارٹیاں دے کر

اور نیم برہنہ رقص کی محفلیں جھاکر عوام سے کہتی تھی کہ یہ بے ذوق "اخوان" اور خشک ملا تم سے یہ لذتیں پھین لینا چاہتے ہیں اور ان کا تو پردگراں اور مشن ہی یہ ہے کہ مصری عوام کی زندگیاں خشک اور بے کیف بن کر رہ جائیں۔ اس ترقی یافتہ دور میں یہ مذہبی دیوانے چودہ سو سال پہلے کے شتر بانوں کا پسماندہ تمدن واپس لانا چاہتے ہیں۔

ناصر کی حکومت کا یہ فریب مصری عوام پر چل گیا اور نہ کیوں چلتا اس کے لئے پہلے سے زمین ہموار کر لی گئی تھی، مٹھی بھر "افراد" مصر کی فوجی حکومت کا کیا مقابلہ کرتے، ہاں عوام ان مظالم کی روک تھام کر سکتے تھے۔ مگر نفس کی لذتوں کو چھوڑ کر وہ اس ایثار اور مجاہدے کیلئے اپنے کو آمادہ نہ کر سکے اور اقامت دین کی اتنی عظیم الشان تحریک معصیت پروردہ حاکموں کے جبر و استبداد اور عوام کی بے تعلقی، غفلت اور لذتِ نفس کے ہاتھوں تباہ ہو گئی۔

جس ملک میں بھی اقامت دین کیلئے جدوجہد کی جائے گی وہاں اوپر کے اس طبقہ کا جو نظام اسلامی کے قیام میں اپنے اقتدار کی موت دیکھتا ہے یہی رول (role) رہے گا کہ وہ ملک کے عوام کو فسق و فجور اور عیش و لذت کے چٹخاروں کی طرف لے جائے۔ اسلامی اخلاق کو پروان نہ چڑھنے دے، جمہوریت کو ناکام بنانے کیلئے طرح طرح کی چالیں چلے اور سازشیں کرے، اور رفتہ رفتہ ملک کو ابتری کی اس انتہا تک پہنچا دے، جہاں "آمریت" کیلئے فضا سازگار بن جائے! مصر میں ناصر کی جابرانہ آمریت کو کھل کھیلنے کا اسی وقت موقع ملا ہے جب اس نے جمہوریت اور اسلامی اخلاق کو مصر سے دس نکالا دیدیا ہے۔

جائزہ پاکستان میں معاشرہ پرستی کی اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ ہم جو باتیں اب کہنے والے ہیں انکی اخلاقی مضرتوں کا احساس تک دلوں میں باقی نہیں رہا۔ اور اس طرف بھولے سے بھی کسی کی نگاہ نہیں جاتی، بلکہ ہمیں تو یہ خوف ہے کہ مغرب زدہ لوگ تو ایک طرف رہے شاید مذہبی طبقہ کے بعض افراد ہمارا مذاق اڑائیں گے اور ہم پر "ملاہیت" تنگ نظری اور قدامت پرستی کی پھبتیاں چست فرمائیں گے، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے ملامت کرنے والوں کی طنز و تشنیع کی کبھی پروا نہیں کی جسے ہم حق سمجھتے ہیں اس کے اظہار سے ہمیں کوئی طاقت باز نہیں رکھ سکتی۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ جو چیز اسلام کے نزدیک ناپسندیدہ ہے وہ عام انسانیت کے اور خاص طور سے امت مسلمہ کیلئے کبھی ذریعہ خیر اور سبب فلاح نہیں بن سکتی! اور نفسیات انسانی کا تجربہ بھی ہمیں بتاتا ہے کہ اخلاق میں بگاڑ کی ابتدا بہت ہی جھوٹی چھوٹی باتوں سے ہوتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی برائیوں کے گوارا کرتے رہنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ نفس انسانی پھر ان میں ناگواری محسوس نہیں کرتا اور رفتہ رفتہ دل کے اندر اخلاقی حس اور دینی غیرت باقی نہیں رہتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "تصویر" کو پسند نہیں فرمایا جب مکہ فتح ہوا ہے تو کعبہ کی دیواروں پر حضرت ابراہیم اور سیدنا اسمعیل علیہما السلام کی جو تصویریں بنی ہوئی تھیں وہ حضور کے حکم سے کھرچ دی گئیں۔ مشاہیر اور بزرگوں کی تصویروں اور مجسموں سے "بزرگ پرستی" (Hero worship) کے جذبہ کے ابھرنے کا امکان ہے چنانچہ آج بھی مسلمانوں میں ایسے متصوف خانوادے پائے جاتے ہیں جن میں بزرگوں کی تصویروں کو چوما جاتا ہے

اور ان کے حضور اظہار عقیدت کیا جاتا ہے اور مندروں کی صورتوں کی طرح ان کو "بھوگ" دیا جاتا ہے۔
 پاکستان بننے کے بعد چوٹی کے لیڈروں کی تصویریں لوگوں نے اپنے مکانوں، دکانوں، دفتروں اور ہوٹلوں میں
 آویزاں کرنی شروع کیں اور قائد اعظم کی "تصویر" کو عام کرنے کیلئے تو خود حکومت نے اپنے ذرائع استعمال کئے
 اب پاکستان کی عدالتوں، دفتروں، کالجوں، اسکولوں، کارخانوں اور فیکٹریوں، ہوٹلوں اور ڈرائنگ روموں میں ہر جگہ
 مشر جنار مرحوم کی تصویریں نظر آتی ہیں اور ان کی تصویر آویزاں کرنے کو لوگ پاکستان سے اظہار وفاداری اور محبت و
 عقیدت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ پاکستان بننے سے پہلے سرکاری عدالتوں اور دفتروں میں شاہ انگلستان کی تصویریں آویزاں
 رہتی تھیں، تقسیم ہند کے بعد بادشاہ کی تصویروں کی جگہ قائد اعظم مرحوم کی تصویریں آگئیں، اسلام میں جہاں تک تصویر
 کی ناپسندیدگی کا تعلق ہے۔ اس کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ کسی کافر کی تصویر ہو تو وہ ناپسند سمجھی جائے اور کسی مسلمان
 کی تصویر ہو تو اسے پسندیدہ تصور کیا جائے! تصویر کی ناپسندیدگی "نفس تصویر" کے وجود سے وابستہ ہے اس میں کافر و
 مسلمان کا امتیاز اسلام کا منشاء نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی تباہی میں شریک
 فتنہ رُخ ہی نہیں فتنہ تصویر بھی ہے
 اس "فتنہ تصویر" کے خلاف پاکستان میں کوئی احتجاج نہیں ہوا اور اس چیز کو جو فسق و فجور تو نہیں ہے مگر رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہر حال پسند نہیں فرمایا۔ پاکستان کے عوام و خواص نے گوارا کر لیا۔
 تاریخ میں کوئی ضعیف سے ضعیف بلکہ موضوع روایت تک نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ غیر ملکوں کے
 وفود یا باہر سے آنے والے مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مقدس پر پھولوں کی چادریں چڑھایا
 کرتے ہوں اگر اس احترام و عقیدت کی کوئی قبر مستحق ہو سکتی تھی تو وہ سید الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی
 قبر انور تھی مگر پاکستان کی حکومت نے قبروں کی مجاورت کا فرض اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ باہر سے جو کوئی وفد یا
 سفیر یا بڑا آدمی کراچی میں آتا ہے، حکومت کے عمال اسے قائد اعظم اور بیاقت علی خاں مرحوم کی قبروں پر لیجاتے
 ہیں اور پھولوں کی چادریں اور ہار چڑھواتے ہیں، اس کے جواب میں ہمارے وزراء، سفراء یا وفود جب دوسرے ملکوں
 میں جاتے ہیں، تو انھیں کافروں کی سجادھیوں، قبروں اور یادگاروں پر پھول چڑھانے پڑتے ہیں، ہمارے وزراء
 بھی صدر مملکت کے روبرو سلف اٹھانے کے بعد پہلا کام یہ کرتے ہیں کہ ان قبروں پر جا کر حاضری دیتے ہیں اور اس
 طرح پاکستان سے اپنی وفاداری کی سند حاصل کرتے ہیں۔

قبروں پر گنبد اور مسجدیں بنانے کی ممانعت آئی ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گچ کر کے پختہ
 بنانے کو منع فرمایا ہے۔ مگر پاکستان کی حکومت کے پیش نظر ان قبروں پر گنبد اور مسجد بنانے کی اسکیم ہے اور سنا ہے کہ ان
 عمارتوں پر کئی کروڑ روپیہ خرچ کیا جائے والا ہے۔ یہ خبریں اخباروں میں چھپتی ہیں تو عوام خوش ہوتے ہیں کہ یہ کوئی بڑا مفید
 دینی کام ہو رہا ہے اور ہم نے آج تک کسی اخبار میں حکومت کے اس منصوبہ کے خلاف کوئی احتجاج نہیں دیکھا۔
 لوگ محسوس نہیں کرتے کہ کس تدریجی ارتقاء کے ساتھ "فتنہ تصویر" قبر پرستی کے فتنہ تک پہنچا ہے۔ یا یوں
 کہتے کہ پہنچا گیا ہے! ہائے وہ اہل توحید جن کے دلوں سے بدعت کی نفرت نکلتی چلی جا رہی ہے۔ اس فتنہ کی زد
 سے ایمان و یقین کب تک بچے رہیں گے؟

دوسری طرف پاکستان میں فسق و فجور بے حیائی اور فحاشی کیلئے سہولتیں مواقع اور آسانیاں مہیا کی جاتی رہی ہیں، مینا بازاروں کے ذریعہ عورتوں میں تبرج جاہلیت کو فروغ دیا گیا ہے۔ کلچرل شو اور تفریحی میلے ٹھیلے اس لئے لگائے گئے ہیں کہ عوام کی اخلاقی حس بیکار اور معطل ہو کے رہ جائے، غضب خدا کا مسلمان جوان لڑکیوں کو فوجی وردی پہنا پھنکا کر باہر سے آئے ہوئے مہانوں کو ان سے سلامی دلوائی گئی ہے۔ قصر و ایوان میں بادہ ناب کے دور چلتے ہیں! ان منکرات و فواحش کے خلاف کوئی جرات آزما احتجاج نہیں ہوا۔ مسلمانوں کی بے حسی اور بے غیرتی کی انتہا ہے کہ بسوں اور ٹراموں کے گراہیگی تخیف کیلئے جتنا احتجاج ہوا ہے اس کا سزاواں حصہ بھی احتجاج فسق و فجور کے ان مظاہر کے خلاف نہیں ہوا۔

سیگم لیاقت علی خاں کو جب سفیر بنا کر یورپ بھیجا جا رہا تھا تو کسی کو صدائے احتجاج بلند کرنے کی توفیق نہ ہوئی کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ ایک مسلم خاتون کو وجے لکشمی کی سطح پر نہ لاؤ اسلام نے عورت کو بہت بڑا رتبہ دیا ہے۔ مگر اس کو یہ منصب نہیں دیا کہ اسے ایک ایسی ذمہ داری سپرد کر دی جائے جس میں ہر لمحہ نامحرم مردوں سے اس کا میل جول رہے اور اسے تنہا یورپ کے معصیت کدے میں بھیج دیا جائے۔

اسیگم یہ ہے کہ اسلام نے خوب و ناخوب کا جو معیار مقرر کیا ہے قوم کی نگاہ میں وہ معیار بے وزن ہو کر رہ جائے اسلام کی دی ہوئی قدیں مسخ ہو جائیں ملت میں سرے سے دینی غیرت ہی باقی نہ رہے۔ یہ سب کچھ جب ہو جائے گا تو بڑے لوگ "قصر و ایوان میں چین کی بنسی بجائیں گے، پھر نہ تو اسلامی دستور کا مطالبہ ہوگا اور نہ فسق و فجور کا کوئی مظاہرہ پبلک کو کھٹکے گا۔ کوئی دینی جماعت فواحش و منکرات کے خلاف سرگرمی دکھائے گی بھی تو اسے پوری طاقت کے ساتھ کچل دیا جائیگا اور حکومت کے اس جوہر و استبداد پر عوام چوں بھی نہ کریں گے اور وہ اس لئے کہ طرح طرح کی ناروا لذتوں اور غیر معتدل چٹخاروں کے عوام جب خوگم ہو جائیں گے تو ان کے اندر دینی غیرت اگر باقی رہی بھی تو بس اتنی جیسے ارد پر سفیدی پس اس مزاج اور ذہنیت کے لوگ کسی دینی تحریک یا جماعت کو پامال ہوتا دیکھ کر مضطرب کیوں ہونے لگے۔

پاکستان میں مسلم عوام کا حافظہ بھی کچھ کمزور ہوتا جا رہا ہے وہ دنیوی لالچ اور نغزہ بازی کے پیچھے دینی تقاضوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر شہید سہروردی صاحب ہیں جن کے بارے میں ہر کوئی جانتا ہے کہ انھوں نے اسلامی دستور سازی کی مخالفت ڈنکے کی چوٹ کی تھی اور اسی شخص کی ہو س اقتدار نے مخلوط انتخاب کا فتنہ کھڑا کیا تھا تا کہ مشرقی پاکستان کے ہندوؤں کی تائید حاصل ہو سکے، یہی سہروردی صاحب جب پنجاب کے شہروں میں جاتے ہیں تو عوام ان کا خیر مقدم کرتے ہیں، صرف اس لئے کہ وہ "ون یونٹ" کی حمایت کر رہے ہیں انکی "اسلام بیزاری" کو بھلا دیا جاتا ہے۔ عوام کی اس روش نے بھی بہت سے ناپسندیدہ کردار کے افراد کی حوصلہ افزائی کی ہے اور ان کو قیادت کا مقام عطا کیا ہے، عوام اگر مردم شناس ہو جائیں تو ناپسندیدہ لوگ معاشرے میں کوئی عزت کا مقام حاصل نہیں کر سکتے۔

ادیر کے طبقہ کا اسلامی اقتدار اور دینی رجحانات کے خلاف جو طرز عمل رہا ہے اس نے حالات کو اس قدر بگاڑ دیا ہے کہ وہ لوگ جو پاکستان کے دشمن ہیں انھیں پمپرزے نکالنے اور ابھرنے کا موقع مل گیا ہے

پاکستان بننے سے پہلے اسلامی دستور اور اسلامی فکر و اصول کے خلاف کہ، بڑے سے بڑے لیڈر کو لب کشائی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اب جی۔ ایم سید اور عبدالصمد اچکزئی جیسے صفی پائیں کے لیڈر اسلام کے بارے میں جو چاہتے ہیں کہہ ڈالتے ہیں۔

میدان عمل میں اور جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے مقصود لوگوں کو بد دل اور مایوس کرنا نہیں ہے۔ بددلی، مایوسی اور ہمت ہار کر بیٹھ رہنا یہ مرد مومن کی شان نہیں ہے۔ حالات کا جائزہ اس غرض سے لیا گیا ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں سے واقف ہو جائیں اور واقعات کی دنیا کا جہاں تک تعلق ہے اندھیرے میں نہ رہیں، انجمنوں سے دامن اسی غرض سے ہٹایا گیا ہے کہ لوگ ان کے اندمال اور مدوا کی فکر کریں۔

پاکستان اور قوم کی اصلاح کیلئے آسمان سے فرشتے نہیں آئیں گے یہ کام ہم گنہگاروں ہی کو انجام دینا ہے ہمت، عزم، استقلال اور ایمان و یقین کی ضرورت ہے، حالات کا منقلب ہونا امر ناممکن نہیں ہے، اب تک ملت میں اللہ کے فضل سے یہ احساس زندہ ہے کہ وہ روٹی کے نعرے کے مقابلہ میں اسلام کے نعرے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور خدا اور رسول اور کتاب و سنت کے نام پر ہر قربانی دے سکتے ہیں، قوم کے اسی دینی احساس سے کام لینا ہے جن کو قوم کی تباہی کا احساس ہے۔ اور جو تمام دنیا میں اور خاص طور سے پاکستان میں اسلام کی سر بلندی چاہتے ہیں ان کا فرض ہے کہ ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر حرکت و عمل کے میدان میں آجائیں، دامن، درمے، قدمے، سچے جو جتنا بھی کر سکتا ہے اتنا کرتا رہے۔

پاکستان میں غیر اسلامی معاشرت، لادینی تہذیب اور فسق و فجور کی جو رودور رہی ہے اور جس سیلاب کو جان بوجھ کر یہاں لایا گیا ہے اس کو روکنے کی شدید اور فوری ضرورت ہے۔ پاکستان کے دشمنوں نے تو یہاں "انقلابی کونسل" قائم کرنے کا شوشہ چھوڑ دیا ہے، اور یہ بات یوں ہی بے سمجھے بوجھے نہیں کہی گئی۔ اس کے پیچھے کسی بڑے آدمی رہا، کا عزم اور کوئی خوفناک سازش کام کر رہی ہے۔ پاکستان میں صرف اسلامی نظریات ہی اس قسم کے تمام فتنوں کا سدباب کر سکتے ہیں۔

حاجان عبدالغفار خاں نے دن یونٹا توڑنے کیلئے سول نا فرمانی کی دھمکی دی ہے، کیا اسلام کے شیرانی اور جانناز "نہ صدی گاندھی" کے برابر بھی دینی غیرت نہیں رکھتے۔ یہ شخص ایک غلط کار اور باطل مقصد کیلئے اتنا جوش دکھا رہا ہے، کیا اسلام پسند طبقہ حق و صداقت کیلئے صرف دعاؤں اور سنائوں ہی پر قناعت کے رہے گا؟ باطل کا مقابلہ کرنا مقصود ہے تو خطروں سے بچنے بچنے کی روش کب تک چل سکے گی، قربانی اور ایثار کے بغیر کوئی عظیم مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، اگر آپ کو مال، اولاد، شہرت، راحت و آرام اور جانیں پیاری تھیں تو پھر آپ نے ایمان و یقین کی منزل میں کیوں قدم رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود اور محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا رسول مان کر یہ اتنی بڑی ذمہ داری قبول کا ہیکو کی تھی، جب یہ ذمہ داری قبول کر لی ہے تو آپ کی شرافت و فاداری اور اخلاق و عزیمت کا یہ فرض اور تقاضا ہے کہ جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل کان زهوقا کا سماں دکھلا دیں۔ اسی میں آپ کی پاکستان کی بلکہ پوری انسانیت کی مصلحتی ہے کیونکہ باطل مٹے گا تو اس کے ساتھ ہزاروں فتنے بھی مٹیں گے اور حق آئے گا تو اپنے ساتھ بے شمار برکتیں اور رحمتیں لیکر آئے گا۔

مولانا راغب احسن ایم۔ اے

روس میں کیا دیکھا؟

مشاہدات، تاثرات، واقعات، حقائق

تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوا کہ پاکستانی علماء کا ایک وفد جمہوریہ چین گیا تھا وہاں سے واپسی کے بعد بدایوں کے ایک مولوی صاحب نے اپنے تاثرات کتابی صورت میں پیش فرمائے۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی ہوا اور چینی سفارت خانہ نے اس کتاب کی اشاعت میں یوری دلچسپی لی، چینی سفارت خانہ کی اس کتاب سے دلچسپی صرف اس وجہ سے تھی کہ اس سے جمہوریہ چین کے مقاصد اور پروپیگنڈے کو تقویت ہوتی تھی۔

یہ بات عالم آشکارا ہے کہ چین میں جو انقلاب آیا تھا اس میں زیادہ تر کمیونسٹوں کا ہاتھ تھا اور موجودہ چینی حکومت کمیونزم کے خطوط پر ہی گامزن ہے۔ روسی حکومت بڑی باخبر اور انتہائی ہوشیار اور مردم شناس حکومت ہے، وہ ہر ملک کے مشہور لوگوں کے حالات و کردار کی خبر بلکہ ان پر نظر رکھتی ہے کہ کس شخصیت سے کیا کام لیا جاسکتا ہے؟ کس پبلک لیڈر کی کیا کمزوری ہے؟ کون ایسا ہے کہ بڑے سے بڑا لالچ بھی اسے جھکا نہیں سکتا اور کون ایسے بزرگ (۹) ہیں کہ سفر، میزبانی، تفریح اور ہدایا و تحف کا لالچ جن سے وہ کام لے سکتا ہے جو روسی حکومت کو مطلوب ہے۔ یعنی روس کے اس پروپیگنڈے کی تائید، حمایت اور تقویت کہ روس میں مذہب پر کوئی پابندی نہیں ہے، وہاں دینی مدرسے ہیں، مساجد نمازیوں سے آباد رہتی ہیں! اور وہاں کی رعایا بڑی خوش حال اور آسودہ و مطمئن ہے؟

اسی مقصد کیلئے روسی سفارت خانہ نے انھی مولوی صاحب سے جن کا ذکر شروع میں اچکا ہے گفت و شنید کی کہ وہ علماء پاکستان کا ایک وفد لیبر روس کا دورہ کریں، چند مہینہ تک اس گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا حکومت پاکستان سے بھی ارکان وفد کی نامزدگی کے سلسلہ میں رد و کد رہی! اگر روس کا دورہ کرنے والوں کا یہ وفد مولوی صاحب موصوف کی مرضی کے علماء بلکہ یوں کہئے ”مولوی صاحبان“ سے ترکیب و تسنیل پاتا تو پھر اس وفد کا بیان زبان میری ہے بات ان کی ہے، بن کر رہ جاتا، اور روس کے دینی حالات

اور مذہبی آزادی کی ایسی تصویر ہمارے سامنے آتی جو روسی حکومت کی تناؤں کی آئینہ دار ہوتی مگر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس وفد میں بعض ایسے ارکان بھی شریک کر لئے گئے جنکے دل و دماغ "روسی حکومت" کے تحائف و ہدایا سے گراں نبار نہ تھے، اور جنھوں نے وہی کہا جو انھوں نے وہاں دیکھا اور محسوس کیا۔

اس بات کو بھی ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ یہ مولوی صاحب جن سے علماء کا وفد بچانے کیلئے روسی حکومت نے بات چیت کی اور اس "مہم" کیلئے پاکستان کے تمام اعلیٰ علماء کو نذر انداز کر کے انھی کی ذات والا (؟) پر سرخ حکومت کی نگاہ انتخاب پڑی، انھوں نے قاتل، روس کے حلیف، پاکستان کے دشمن، اور پنڈت نہرو کے دوست جمال ناصر کی حکومت کی دعوت پر مصر کا دورہ بھی فرما چکے ہیں، اور کہیں کہیں کے ہوائی اڈہ پر مصر کے انوار السادات کا انھوں نے خیر مقدم کیا تھا، یہ وہی انوار السادات ہے جو حجاج ثانی جمال ناصر کا دست و بازو ہے اور "انھوں" کے خون ناحق سے جس کا دامن نہ صرف یہ کہ داغدار بلکہ شرابور ہے۔ آہ! اس کردار کے "علماء"؟۔ غالب نے تجربہ کرنے کے بعد ہی کہا تھا۔

زمنہ از آل قوم نہ باشی کہ فریبند
حق را بہ سجودے و نبی را بہ درودے

یہ مقالہ اس وفد کے ایک ممتاز رکن جناب مولانا راغب حسینی (ایم۔ اے) کی دس تقریروں سے مقتبس ہے۔ صاحب موصوف نے ایک انصاف پسند اور غیر جانبدار سیاح کی نگاہ سے روس کے حالات کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا ہے اور جو کچھ دیکھا ہے اسے جوں کا توں بیان بھی کر دیا۔

اس مضمون کو پڑھ کر فارین کو اندازہ ہوگا کہ روس حقیقت میں ایک کابھی ہاؤس، ایک قید خانہ، ایک کال کوٹھری اور مذہب کی قتل گاہ ہے، جمال نہ کسی کو شخصی آزادی میسر ہے اور نہ وہاں اجتماعی حریت کا دور دور پتہ ہے۔ اس میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں ہے کہ اشتراکی لیڈروں نے جبر و استبداد میں روس کے جابر و ظالم شہنشاہوں کو منزلوں تکھے چھوڑ دیا ہے، وہاں پالیسی کے معمولی اختلاف پر اپنے رفقاء کار کو گولی مار دی جاتی ہے، سیریا کا حشر ہمارے سامنے ہے!

کمپوزر دراصل ایک "عذاب" ہے، اللہ تعالیٰ اس عذاب سے انسانیت کو جلد نجات دلائے! (آمین)

مسائل حکومت روس نے ایک پاکستانی مولوی صاحب کے ساتھ طویل پرائیویٹ گفت و شنید کے بعد ان کو یہ دعوت نامہ پیش کیا کہ وہ علمائے پاکستان کے نام سے سات ممبروں کا ایک وفد مرتب کرے جو روس کا دورہ کرے۔ یہ انتہائی غیر معمولی حرکت تھی۔ حکومت پاکستان نے اس پرائیویٹ دعوت نامہ کو ناپسند کیا کیونکہ یہ پاکستانی حکومت کے علم و مرضی کے بغیر بالا بالا کی گئی تھی۔ حکومت پاکستان نے روس

نمائندوں کو مسترد کر دیا۔ پاسپورٹ دینے سے انکار کر دیا اور کل ممبران وفد کو خود نامزد کرنے پر اصرار کیا
 ری طرف روس کے نامزدہ مولوی صاحب نے پاکستانی حکومت کی نامزدگی کو پسند نہیں کیا۔ جمیوں یہ معاملہ
 میں رہا۔ انجام کار جون ۱۹۵۷ء میں ایک سمجھوتہ ہوا اور حکومت پاکستان نے تین ممبروں کو اور روسیوں
 نے نامزدہ مولوی صاحب کے ذریعے چار ڈپٹی گیٹوں کو نامزد کیا۔

وفد کراچی سے ۲۷ جون ۱۹۵۷ء کو روانہ ہوا اور کابل میں دو دن قیام کے بعد حضرت امام ترمذی
 مہر ترمذ ترکستان میں ۳۰ جون کو ضیاء سے اترے اور دورے کے بعد ماسکو سے ۲۲ جولائی کو براہ
 کراچی واپس روانہ ہوا۔ یہ دورہ روس کا ۲۲ دن کا تھا جس میں وسط ایشیا کے وسیع و عظیم ممالک
 لئے صرف گیارہ دن اور محض ماسکو لینن گراڈ کے دو روسی نہروں کیلئے گیارہ دن رکھے گئے تھے۔
 سے زیادہ مضحکہ خیز پروگرام نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ قطعاً زیادہ دورہ نہ تھا بلکہ روس حکومت کی سخت نگرانی
 بقید دورہ تھا ہم سب سے زیادہ وسط ایشیا کی چھ مسلم جمہوریہوں اور اسلامی تہذیب کے مرکروں کو
 نے کے لئے بیتاب تھے جو تاریخ میں مشہور ہیں۔ لیکن ترکستان میں گیارہ دنوں میں ہمیں صرف تاشقند، سمرقند
 شان آباد دکھایا گیا اور سخت اصرار پر بھی ہمیں پنجاہ جاتے نہیں دیا گیا۔ مسلمان ریاستوں اور علاقوں میں
 ازبکستان، ترکمانستان، کرغیزستان، آذربائیجان، تاجکستان، بشکریا، مرغینان، اندجان، فرغانہ، خوجند، توشکند، خولزم، داغستان، قازان
 لیشیا کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا اور ۲۲ دنوں میں سے محض گیارہ دن ماسکو اور لینن گراڈ میں برباد کئے گئے۔

ہمارے دورے کا مقصد پانچ چیزوں کا دیکھنا اور معلوم کرنا تھا (۱) کمیونسٹ روس میں مذہب اسلام اور
 ان کی حالت (۲) سوویت یونین کا معاش و اقتصادی نظام (۳) سوکم سیاسی و قومی حالات (۴) چارم
 معلوم کرنا کہ پچھلے بقائے باہمی قوموں کی خود ارادیت اور آزادی انسانوں اور قوموں کی مسادات امن اور
 ریت کی خود روس کے اندر کیا حقیقت و اصلیت ہے۔ حالانکہ روس آج دنیا میں ان بلند بانگ اصولوں
 ممبر دار بنا ہوا ہے۔ ہم ان جمہوری رجحان کی اصلیت بھی معلوم کرنا چاہتے تھے جس کا اسٹالن کے بعد
 کیا جا رہا ہے۔

تحقیق میں نے ایک جوہائے حق کی حیثیت سے موقع و محل پر حالات کی تحقیق کی اور ہماری دریافت
 کے مطابق حقائق یہ ہیں کہ (۱) اولاً سویت یونین کے اندر مذہب کی مطلق آزادی نہیں ہے
 نہ وہاں مذہبی آزادی قطعاً ممکن ہے جب تک مارکسی دھرمیت کمیونسٹ روس کا *State Religion*
 ہی مذہب ہے۔ (۲) دوئم تاریخ عالم کی سب سے بڑی ہمہ گیر استبدادی سلطنت کی ساری قہرمانی طاقتوں
 سامعہ منظم اور زوردار کوششیں اور کل ممکن تدبیریں مذہب کی بیخ کنی کے لئے کی گئی ہیں۔ لیکن وہ سب ناکام
 کی ہیں۔ ایشیائی اور یورپین روس کے لوگوں کے دلوں میں خدا پر یقین اور ایمان زندہ ہے (۳) سوکم یہ کہ
 میں نہ مسادات ہے نہ آزادی۔ نئے اونچ اور بیچ طبقات پیدا ہو گئے ہیں روس میں سوشلزم بلکہ نئے
 اور نئے اشراف و امراء کے ماتحت ریاستی جائیداری *State Feudalism* اور *State*
Capitalism کا دور دورہ ہے۔ ظلم عوام چاہنے والی رعایا ریاست *Welfare State* کا کوئی نشان

موجود نہیں ہے۔ پیدائش خوشحالی اور معیار زندگی آزاد میشت کے حمالک سے نہایت پست اور بہت پس ماندہ ہے (۵) پنجم عوام الناس میں امن کی سچی پیاس ہے کیونکہ وہ بے جان پرزوں کی مشینی زندگی سے تنگ آچکے ہیں اور خوف اور محتاجی سے آزادی جاننے اور سوچنے اور بولنے کی آزادی، عقیدہ و عبادت کی آزادی حاصل کرنے کے لئے بے چین ہیں (۶) ششم مختلف الاقوام وفاقہ روس میں قوموں کو نہ آزادی حاصل ہے اور نہ برابری کیونکہ روس، قوم سامراجی اور استعماری قوم کی کیفیت رکھتی ہے اور مختلف ترکیبوں سے یونین کی سب قوموں پر مسلط ہے ذوقیہ سوویتائیہ روس کی مختلف قومی جمہوریتوں کو نہ آزادی حاصل ہے اور نہ مساوات۔ وہ محض ماسکو کی گٹھ پتلیاں ہیں۔ سوویت یونین آزاد قوموں کی دولت مشترکہ کا من و ملتہ Commonwealth نہیں بلکہ قوموں کا قید خانہ ہے۔

روس عوام سادہ منکسر المزاج اور گرم دل لوگ ہیں جن کی سیرت پر مشرقیت کا چھاپ نمایاں ہے لیکن روس کی سب قوموں میں تیرائی و تفریق کی قوموں کی صورت ترین، شریف ترین، بہادر ترین، پاکیزہ ترین، انقلابی قوم ہے جس کا مستقبل روشن اور عظیم الشان ہے۔

مبصر مشرقی حکیم الاسلام اقبال کا بیان حقیقت ترجمان ترکستان کے مستقبل کا آئینہ دار ہے فرماتے ہیں:-

ترسم کہ دگر خیزد از خاک سمرقند سے
آشوب ہلا کوئے ہنگامہ چنگیز سے

میں نے سوویت یونین کا سفر صاف ذہن اور کھلے دماغ کے ساتھ جو یائے حق اور پاکستان کی خیرگی اور دوستی کا پیغام پہنچانے والے کی حیثیت سے کیا۔ بطور رہنما ہمارے سامنے ۱۵ نومبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب روس کا تاریخی اعلان اور مسلمانوں کے نام وہ خاص منشور تھا جس کو لینن اور اسٹالن نے اپنے دستخط سے ۱۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو جاری کیا تھا اور جس میں کہا گیا تھا:-

”روس کے مسلمانوں! وانگا اور کریمیا کے تاتاروں! ترکستان کے کرغیزوں! اور ساوٹو!

ماورائے قفقاز کے ترکوں اور تاتاروں اور تمام وہ مسلمانوں! جن کی مسجدوں اور عبادت خانوں کو تباہ کیا گیا تھا اور جن کے مذہب اور رسوم کو روس داروں اور جاہلوں نے یاہمال کیا تھا سنو! کہ آج کے دن سے تمہارے دین اور تمہارے رسوم تمہارے قومی و ثقافتی ادارت کو آزاد ماموں اور ناقابل حملہ قرار دیا جاتا ہے۔ اپنی قومی زندگی کی آزادانہ اور بلا روک ٹوک تعمیر کرو یہ تمہارا حق ہے Council of people commissar کاؤنسل پیوپل کامیسارز بالشویک حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ مختلف قومیتوں کے متعلق اپنے کام کی بنیاد دو اصولوں پر رکھے گی (۱) اولاً روس کی مختلف قوموں کی برابری، اور خود مختاری، حق حاکمیت اور ساورینٹی کا اصول۔ (۲) دوئم روس کی قوموں کے آزادانہ حق خود ارادیت سلف ڈیٹ مینیشن کا اصول جس میں روس یونین سے علیحدہ ہو جانے کا حق بھی شامل ہے۔“

میں یہ بھی جاننے کا آرزو مند تھا کہ لینن کے اس عہد نامے کو کہاں تک پورا کیا گیا۔ میں نے اس

بلند ہانگ اعلان کی روشنی میں چیزوں کو دیکھنے کی کوشش کی۔

میں شروع ہی میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ سوویٹ روس میں پاکستانی علماء کے وفد کا دورہ آزاد نہیں بلکہ سرکاری نگرانی میں بالکل مقید دورہ تھا۔ روسی سفارت خانے کراچی نے بار بار ہمیں یقین دلایا تھا کہ دورہ بالکل آزاد ہوگا اور وفد کو آزادی ہوگی کہ وہ اپنے دوروں کا خود پروگرام بنائے حکومت کی طرف سے کوئی مداخلت نہیں ہوگی۔ ۲۶ جون ۱۹۵۷ء کو کراچی میں روسی چارج ڈی ایفیر ناظم الامور نے ہمیں بتایا کہ "آہنی پردہ بالکل اٹھا دیا جائے گا۔" لیکن عملاً اس وعدے کو کبھی پورا نہیں کیا گیا۔ وفد سے مشورے کے بغیر روسی حکومت نے دورے کے ہر جزوی و کئی پروگرام کی پوری تفصیل پہلے سے طے کر رکھی تھی جس میں کسی کی تبدیلی کی گنجائش نہیں تھی دراصل وہ ہمیں کم سے کم چیزوں کو دکھانا اور کھیلوں تماشوں اور ضیافتوں میں زیادہ سے زیادہ مصروف رکھنا چاہتے تھے۔

سوویٹ روس میں مسلمانوں کی خاص ریاستیں اور علاقے (۱) قازستان (۲) ازبکستان (۳) ترکستان (۴) تاجیکستان (۵) کرغزستان (۶) تاتارستان

(۷) آذربائیجان (۸) قازان (۹) بشکیریا (۱۰) داغستان فرغانہ مرغیساں خوارزم قوقند وغیرہ ہیں۔ ان میں سے ہمیں صرف دو یعنی ازبکستان و تاجیکستان کے دارالحکومت اور سمرقند دکھایا گیا۔ انھوں نے دوسری مسلمان ریاستوں علاقوں اور شہروں کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ وسط ایشیا میں عام مفہوم یہ ہے :-

سمرقند و صیقل روئے زمین است بخارا قوت اسلام دین است

بنا میں ہم سب سے زیادہ بے چین (اور آرزومند) بخارا کو دیکھنے کے لئے تھے لیکن ہماری ساری کوششوں اور مسلسل پورا اصرار درخواستوں کے باوجود روسیوں نے خاص تدبیر کی کہ کسی حالت میں بھی وفد کو وسط ایشیا میں اسلامی دین و تہذیب کے سب سے بڑے مرکز بخارا میں جانے نہیں دیا جائے ہم محسوس کرتے ہیں کہ روسی حکام ہمیں بخارا دکھانے سے بہت ڈرتے تھے۔ کیونکہ روسیوں نے بخارا کو بالکل تباہ و برباد کر دیا ہے اور اس کی تباہی کا منظر انتہائی دلہرز ہے نیز اسلامی مدافعت *Resistance* اور اشتراکیت کی مخالفت کا بخارا بڑا مرکز رہا ہے (وسط ایشیا کا سفر کرنا اور بخارا نہ دیکھنا ایسا ہی مضمحل کنیز ہے جیسا ہیملٹ کا ڈرامہ ہیملٹ کے بغیر دیکھنا)۔

حقیقت یہ ہے کہ دورے کے بائیس دنوں میں سے وسط ایشیا کے لئے صرف گیارہ دن رکھے گئے تھے وہ بھی زیادہ تر تاشقند میں ضائع کئے گئے جو اب ترکی سے زیادہ روسی شہر بنا دیا گیا ہے۔ اس وقت کا بھی بیشتر حصہ دس گیارہ پرانی مسجدوں اور قبرستانوں کے دکھانے میں صرف کر دیا گیا حالانکہ ان مسجدوں میں صرف چند سفید ریش نہایت بوڑھے نمازی تھے۔ نوجوان نہ ہونے کے برابر تھے اور لڑکے تو بالکل نہ تھے۔

سوویٹ روس میں اسلام اور مسلمان | روس میں میرے ذاتی مشاہدات نے مجھ پر یہ بالکل ظاہر کر دیا کہ

دہریت سوویٹ یونین کا ریاستی مذہب ہے۔ تمام خدا پرست مذہب کے خلاف دائمی جنگ کرنا کمیونسٹ پارٹی کا مقصد ہے۔ مارکسی نظریہ و عمل کے مطابق کمیونسٹ سوسائٹی کے مکمل قیام کیلئے جس میں مذہب ذاتی ملکیت کا انجام کار مکمل خاتمہ کر دیا جائیگا۔ سارے مذہبی نظاموں کو رفتہ رفتہ جھڑ سے اکھاڑ پھینکنا ضروری ہے۔ کامریڈ خروشیف سکریٹری کمیونسٹ پارٹی سوویٹ روس اعلان کرتا ہے :-

ہم آج بھی دہریہ ہیں اور ہم لوگوں کے ایک حصہ کو جو مذہبی افیون سے مسحور میں آزاد کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مذہبی افیون آج بھی موجود ہے۔
الما آنا ریڈیو کہتا ہے :-

”سوویٹ یونین سے باہر کے مسلمانوں کے تمام احتجاجوں کے باوجود اسلام سے متعلق سوویٹ روس کی یہ پالیسی بدستور قائم ہے کہ اسلام ایک رحمت پسندانہ تحریک ہے جس کی ایجاد ”ترقی“ اور قیام لوٹ کھسوٹ کرنے والے سرمایہ دار طبقہ کی رہن

منت ہے۔“
بڑی سوویٹ انسائیکلو پیڈیا (ایڈیشن جلد ۱۸) بیان کرتی ہے :-

”سوویٹ روسی یونین کے اندر سوشیل ازم کی فحشابی اور لوٹ کھسوٹ کرنے والے

طبقات کے استیصال کے نتیجے کے طور پر اسلام کی اجتماعی جڑیں کاٹی جا چکی ہیں۔“
سوویٹ یونین کے حقیقی حالات جو میں نے مشاہدہ کئے ہیں اس سے اس سرکاری پالیسی کے بیان کی حرف بہ حرف تائید ہوتی ہے۔

مسلمان مورخین کے بیانات کے مطابق اشتراکی انقلاب کے پہلے ترکستان میں ستائیس ہزار مسجدیں تھیں۔ لیکن ۱۲ جولائی ۱۹۵۷ء کو مسٹر. لوزین وزیر امور مذہبی و صدر کاؤنسل ریپبلکنس ایگز سوویت یونین ماسکو نے ہمارے سامنے ایک سوال کے جواب میں بیان کیا آج پورے سوویٹ یونین کے اندر کل ایک سو مسجدیں رہ گئی ہیں۔ ماسکو میں پہلے چار مسجدیں تھیں اب ایک ہی رہ گئی ہے۔ اور وہ بھی ہفتہ میں صرف جمعہ کی نماز کے لئے کھلتی ہے۔ لینن گراڈ کی مسجد کی تعمیر ۱۹۱۰ء میں امیر بخارا نے کی تھی یہ مسجد بھی صرف جمعہ کو کھلتی ہے۔ حالانکہ ماسکو اور لینن گراڈ میں علی الترتیب چالیس اور تیس ہزار مسلمانوں کی آبادی ہے۔ بائیس دن کے دورہ کے درمیان ہمیں کل انیس مسجدوں اور قبرستانوں کو دکھایا گیا۔ دس تاشقند میں چار سمرقند میں تین اسٹالن آباد میں ایک ماسکو میں ایک لینن گراڈ میں

جن مسجدوں کو ہمیں دکھایا گیا وہ سب پرانی تھیں جن کی ابھی ابھی مرمت کی گئی تھی صرف تاجکستان میں ہم نے ایک گاؤں میں ایک مسجد دیکھی۔

مسلمان مورخین اور ترکستانی لیڈروں کے بیانات کے مطابق زار کے عہد میں روس میں مسلمانوں کی تعداد پانچ کروڑ سے اوپر تھی خود زار کی حکومت بھی تسلیم کرتی تھی کہ مسلمانوں کی تعداد تین کروڑ سے اوپر ہے۔ لیکن اب کمیونسٹ روسی حکومت کہتی ہے کہ مسلمان صرف ایک کروڑ ہیں۔ سوال ہے کہ ۱۹۱۷ء اور ۱۹۵۷ء کے درمیان

باقی چار کروڑ مسلمان کدھر گئے اور کیا ہو گئے جبکہ اس چالیس سالہ دور کے اندر روسیوں کی تعداد بڑھ کر دگنی ہو چکی تھی۔

سمرقند کے عظیم الشان شاہی مدارس عربیہ مثلاً مدرسہ بی بی خانم۔ مدرسہ ریگستان۔ مدرسہ شیرو۔ مدرسہ الوغ۔ بیگ۔ مدرسہ ذہبیہ طلاکار۔ بند۔ ویران و خراب پڑے ہیں اور تیزی کے ساتھ گرتے جا رہے ہیں بخارا میں تین سو پچاس (۳۵۰) مدارس، اسلامیہ عربیہ تھے جس میں چالیس ہزار طلبا تعلیم پاتے تھے۔ یہ سارے مدارس برباد اور غلاما و طلاؤں کو کڑا لے گئے۔ آندجان میں پچاس بڑے مدارس اسلامیہ تھے وہ سب مٹا دئے گئے بخارا خوارزم اندجان محمد صاحب ہدایہ مرغانی کے شہر مرغان خواجہ معین الدین چشتی کے آبائی شہر چشت و سحر، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے شہر اوش اور اسلامی ثقافت و تہذیب کے دوسرے مرکزوں کو خاص طور سے کلی تباہی و بربادی اور انتقامی نسل کشی و قتل عام کا ہدف بنایا گیا۔

وسط ایشیا کی اسلامی زبانیں ترکی، ازبکی، تاتاری، فارسی وغیرہ سب عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھیں اور قیمتی نسخے رکھتی تھیں۔ لیکن روسیوں نے ان کی کتابیں جلادیں اور عربی رسم الخط کو خلاف قانون قرار دیکر ختم کر دیا اور مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی زبانوں کے لئے صرف روسی رسم الخط اختیار کریں۔ تمام ادقاف کو ضبط کر لیا گیا مختصر یہ کہ سارے سوویت روس کے اندر مسلمانوں کے پاس ایک بھی چھاپہ خانہ "دارالاشاعت" روزانہ اخبار "جریدہ" و رسالہ و جمیعتہ و مجلس مکتب خانہ یا پرائمری مذہبی تعلیم گاہ اور آمدنی دینے والا وقف نہیں ہے۔

مسلمانوں کیلئے مسلمانوں کی ریاستیں ہیں بھی کوئی مذہبی تعطیل نہیں ہے حتیٰ کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی تعطیل بھی نہیں ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو قربانی کرنے کی آزادی نہیں ہے۔ مسلمان مکہ شریف حج کے لئے جانے کی آزادی رکھتے ہیں اور نہ مالی استطاعت۔ جو چند روسی مسلمان حج کے لئے جاتے ہیں ان کو روسی حکومت پروپگنڈے کیلئے اپنے خرچ سے بھیجتی ہے مسلمانوں کو مذہب پر کوئی کتاب چھاپنے اور شائع کرنے یا درآمد کرنے کی اجازت نہیں ہے وہ چالیس سال کے اندر آج تک خود قرآن بھی نہیں چھاپ سکے ہیں دینیات کی پہلی اور قواعدہ بغدادی بھی نہیں چھاپ سکتے ہیں۔

۲۴ جولائی ۱۹۵۷ء کو تاشقند میں وفد پاکستان نے مسٹر امین جان قادروف وزیر تعلیم ازبکستان سے ملاقات کی۔ انھوں نے ہمیں صاف بتایا کہ ریاست کسی حال میں مذہبی تعلیم کا انتظام نہیں کر سکتی ہے۔ کیونکہ ریاست کی بنیاد مارکسی دہریت پر قائم ہے اور تعلیم ریاست و معیشت ہر چیز مارکسی اسٹیٹ جی کے مطابق ہونا لازمی ہے۔ انھوں نے وضع کیا کہ تعلیم مکمل طور پر لائبرل بنا دی گئی ہے۔ ابتدائی درجوں کے لئے یہ تعلیم جو مارکس اصولوں پر استوار کی گئی ہے لازمی ہو چکی ہے۔

سارے سوویت روس میں ایک عدد قرآنی مکتب یا پرائمری اسکول نہیں ہے جہاں دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تاجکستان کے وزیر اعظم مسٹر ناظر شاہ داد خدايوف نے ہمارے اس معروضے کو پوزور طور پر مسترد کر دیا کہ مسلمانوں کیلئے قرآنی مکتب اور مدرسے کھولے جائیں۔ وزیر اعظم نے اس کو اسٹیٹ کے نظریاتی اصولوں کے خلاف قرار دیا۔

بخارا فرغانہ سمرقند اندجان مرغیناں خوارزم نوجند اور دوسرے مرکزوں میں بہت سے شہرہ آفاق کتب خانے تھے۔ یہ انمول خزانے سب کے سب جلا کر رکھ کر دئے گئے۔
 ہماری درخواست پر مرزا محمود نائب وزیر اعظم ازبکستان نے کہا کہ مسلمانوں کو آئندہ آزادی ہوگی کہ وہ اپنے گھروں اور مسجدوں میں بطور خود مذہبی تعلیم کا انتظام کریں۔ لیکن یہ وعدہ محض سرب اور بالکل فریب باطل ہے۔

(۱) اولاً اس لئے کہ ماسکو کی مرکزی کمیونسٹ پارٹی کبھی اس کی اجازت نہیں دے گی (۲) دوم مسلمانوں کے پاس کوئی اوقاف باقی نہیں رہے جو ان کا خرچ پورا کر سکے (۳) سوئم بچوں کو مذہبی تعلیم دینے کیلئے نہ ضروری کتابیں ہیں اور نہ استاد و معلم (۴) چارم قرآن اور اسلام کے مسلمہ رسم الخط عربی کو خلاف قانون قرار دیدیا گیا ہے (۵) پنجم والدین کیلئے سرکاری کاموں پر حاضری دینا لازمی ہے اور بچوں کے لئے سرکاری اسکولوں کی حاضری جبری ہے۔ اس طرح والدین اور بچوں میں سے کوئی بھی فاضل وقت مذہبی تعلیم کیلئے نہیں بچا سکتا ہے (۶) مشتم زیادہ سے زیادہ بچوں کو ان کے گھروں اور خاندانوں سے بالکل جدا کر کے ریاستی "کودستانوں" کے حوالے کیا جا رہا ہے۔

بنابریں وزیروں کے ذہانی وعدے بالکل بے معنی اور ناقابل عمل رہیں گے جب تک مارکسی تعلیم لازمی ہے اور مسلمانوں کے اوقاف مسلمانوں کے حوالے نہیں کئے جاتے۔

دوس میں مسلمانوں کی تہذیبی نسل کشی سے پہلے علماء و مشائخ صاحب زمین اور صاحب حساب اعداد کاروباری مسلمانوں کو اور ان تمام لوگوں کو جو ارباب علم و قیادت تھے من حیث الجماعت سماج دشمن طبقہ جرمین قرار دیا گیا۔ جن کا استیصال کمیونسٹ سوسائٹی کے قیام کی شرط اول ہے۔ ان کی سیاہ فہرستیں تیار کی گئیں۔ ان کو گرفتار کر کے سائبیریا جزائر بحر منجمد شمالی، مثل کیسی دھوک سیلا، سرحدات چین اور دور دراز علاقوں میں جلاوطن کر دیا گیا جہاں ان کو مٹرکوں ریلوں اور نہروں کے بنانے کے لئے سخت ترین مشقتوں پر مجبور کیا گیا۔ لاکھوں اس طرح مار ڈالے گئے۔ ایک ۷۲ سالہ ازبکی لیڈر اور مورخ مولانا سید قاسم جان اندجانی نے جھگ کو بتایا کہ اٹھاون لاکھ مسلمانوں کو روسیوں نے قتل کیا۔ اس بیان کی تصدیق دوزلدرف جرمنی کے جریدہ "ملی ترکستان" نے بھی کی ہے۔

ہر مقام پر ہم دس اور بارہ سال کے لڑکوں اور لڑکیوں سے ملتے اور سوال کرتے رہے کہ آیا وہ کلمہ اور نماز جانتے ہیں۔ جواب ہمیشہ اور ہر مقام پر نفی میں ملا۔ نئی نسل اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتی ہے۔ ۸ جولائی ۱۹۵۷ء عید الاضحیٰ کے دن ہم مرزا محمود نائب وزیر ازبکستان سے ملے۔ وفد پاکستان نے وزیر موصوف سے احتجاج کیا کہ تعجب ہے کہ آج عید قربان کیلئے بھی سرکاری تعطیل نہیں دی گئی ہے۔ مرزا محمود نے کہا کہ مسلمانوں کو نماز عید پڑھنے کی اجازت دیدی گئی ہے لیکن حکومت کسی مذہبی تہوار کیلئے تعطیل نہیں دے سکتی ہے۔ ہم نے مسلمانوں کو عید قربان کے دن تاشقند اور اسٹالن آباد میں دیکھا۔ کوئی مسلمان قربانی نہیں کر سکا۔ البتہ جماعت عید میں ہزاروں مسلمان جمع ہوئے جو پاکستان اور عالم اسلام کی آباری و فلاح کیلئے

رو رو کر دعائیں کر رہے تھے۔

گذشتہ اور موجودہ تاریخ کے واقعات و حقائق کی بنیاد پر پورے یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ سوویٹ یونین میں مذہب کی مطلق آزادی حاصل نہیں ہے اور جب تک مارکس ازم کو بالکل ترک نہ کر دیا جائے۔ مذہبی آزادی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ سوویٹ یونین کے اپنے سرکاری بیان کے مطابق یونین کے اندر مذہب تحلیل اور استیصال کی حالت میں ہے۔

تاشقند کی نظامت دینیہ ایک بالکل حکومتی ادارہ ہے۔ جس کا مقصد اور مذہبی تعلیم کی ہمت افزائی کرنا نہیں ہے۔ بلکہ کمیونسٹ روس کی طرف سے مذہب کی نگرانی کرنا ہے۔ مسلمانان روس مکمل طور پر ذہنی غلطی اور تنہائی اور داغی قید اور جبر کی زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ نہ باہر کے اخبارات پڑھ سکتے ہیں اور نہ باہر کے لوگوں سے مل سکتے ہیں۔

سیاسی و قومی حالات میرے ذاتی مشاہدات کے مطابق سوویٹ یونین میں اسٹالن کے بعد جمہوریت نوازی و حریت کے رجحانات حقیقی نہیں بلکہ محض سرابی ہیں۔ مرکزیت آمریت تشدد منافرت انگریزی طبقاتی جنگ اور دین و مذہب کے خلاف غیر مختتم جنگ۔ مارکس ازم اور لینن ازم کے جوہر اور جنرلا بینفک ہیں اور اسٹالن ازم ان کا فطری اور جائز بچہ ہے۔ اسٹالن کے بعد داخلی و خارجی پالیسی میں معمولی تبدیلیاں محض وقتی داؤں بیچ کی تبدیلیاں ہیں تاکہ مستقل گہری چال اور طریقہ عمل کے تغیرات مذہب کی آزادی کا پروپیگنڈا، امن پرستی اور بقائے باہمی کا پر شور نقارہ، مظلوم و مغلوب قوموں کی طرف کچھ حریت نوازی کے سلوک کا ڈھنڈورا، اسٹالن ازم اور شخصیت پرستی کی تیزید کا اشتہار محض اس اندرونی کمزوری کے باعث جاری کیا گیا ہے جو اسٹالن کی فولادی شخصیت کے اچانک ہٹ جانے کے باعث ظاہر ہو چکی ہے۔ سب سے نمایاں کمزوری مضبوط پیدائش قیادت کا فقدان اور سوویٹ سامراج کی محکوم اور مظلوم قوموں کی بڑھتی ہوئی بے چینی ہے۔ کیونکہ وہ روسی شہنشاہیت و استعماریت کے خلاف بغاوت کر دینے پر آمادہ ہیں اور ان کو کچھ دسے کر رام کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

دوسری وجہ آزاد دنیا کی بڑھتی ہوئی تنظیم وحدت اور طاقت ہے جس نے روسی جارحیت کو مشرق و مغرب میں روک دیا ہے۔ تیسری وجہ اسلام اور مسلمان قوموں کے لئے پرفریب ہمدردی دکھا کر مشرق وسطیٰ میں روس کو داخل کرنے اور روسی اثر و نفوذ بڑھانے کی تازہ ترین پالیسی ہے۔ چالیس سال کے بعد قرآن کا پھانسا مسلمان مالک سے مختلف وفود کو بار بار بلانا مذہب کی آزادی اور مختلف نظریات و نظامات کی بقائے باہمی کا پروپیگنڈہ کرنا..... ان سب کا مقصد عربی، ترکی، ایرانی، افغانی، پاکستانی مسلم دنیا کو رام کرنا اور پھانسا ہے کیونکہ اسلامی دنیا مشرق و مغرب یورپ و امریکہ اور ایشیا و افریقہ کے درمیان ہرگز ہی اور فیصلہ کن مقام رکھتی ہے۔

سوویٹ یونین کی پندرہ قومی جمہوریتوں میں سے صرف روسی ریاست ہے جس کی حیثیت اور نام فیڈرل *Russian Federal SSR* محض ایک دھوکہ اور فریب ہے۔ روسی آبادی کو جائز اور باطل طور پر اصل سے

بڑھا چڑھا کر دکھانے اور اس کو مختلف الاقوام سوویٹ یونین کی سب سے بڑی اکائی دکھانے کے لئے روسی حکمران قوم نے خاص ترکیب سے تاجکستان، بشکیریا، قازان، استراخان، کریمیا، داغستان، بوریٹ منقونہ سائبیریا جیسے دور دست ملکوں اور علاقوں اور بہت سی دوسری قوموں کو جن کا دور کا واسطہ روس قوم سے نہیں ہے روسی جمہوریہ کے اندر شامل کر لیا ہے تاکہ روس ریاست کا رقبہ اور آبادی سب سے بڑھ جائے۔

روسی سامراجیت کا مزید ثبوت تمام قوموں اور اکائیوں کو روسی رنگ میں رنگنے کی تحریک سے ملتا ہے روسی زبان و رسم الخط ابتدائی کلاسوں سے تمام قوموں اور ریاستوں کیلئے لازمی بنا دیئے گئے ہیں۔ روسی رسم الخط کے علاوہ تمام دوسرے رسم الخطوں کو تمام جمہوریتوں کے استعمال سے روک دیا گیا ہے۔ روسی نوآبادکاری کے باعث تاشقند کی تیس فیصدی آبادی اور ریاست قازقستان کی ۵۳ فیصدی اکثریت روسی بنائی جا چکی ہے۔ بہت سے بڑے بڑے علاقے اور خطے جو قدیم زمانے سے مسلمان تھے آج مکمل طور پر روسی بنائے جا چکے ہیں۔

فیض اللہ خواجہ جوف جمہوریہ ازبکستان کے ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۸ء تک کمیونسٹ وزیر اعظم تھے۔ امیر بخارا کی حکومت کے خاتمہ کرنے اور وسط ایشیا میں کمیونسٹ نظام قائم کرنے کا سہرا فیض اللہ کے سر ہے لیکن فیض اللہ اور دوسرے ازبک لیڈروں نے دیکھا کہ کمیونزم کے ساتھ روسی سامراجیت ان پر مسلط کی جا رہی ہے تو انھوں نے اس کی مخالفت شروع کی۔ خاص طور سے انھوں نے ازبکستان کو مکمل طور پر روسی کا کھیت بنانے اور ترکستان کو خوراک کے لئے روس کا محتاج محض بنادینے کی پالیسی کی مخالفت کی۔ فیض اللہ اور ترکستانی لیڈروں نے ماسکو کے پنجسالہ اقتصادی پلان کی مخالفت کی اور ترکستان کیلئے ایک علیحدہ و مستقل پنجسالہ پلان بنانے کی آزادی پر زور دیا۔ ۱۹۳۸ء میں روسیوں نے فیض اللہ اور کمیونسٹ پارٹی ازبکستان کے سکریٹری اکمل اکراموف اور دوسرے لیڈروں کو قتل کر دیا۔

فیض اللہ و اکمل اکرام اور دوسرے ترکستانی لیڈروں کا اصل قصور یہ تھا کہ وہ روسی سامراجیت کی پالیسی کے خلاف تھے اور ازبکستان اور وسط ایشیا کی سیاسی معاشی اور تہذیبی آزادی و خود مختاری کے لئے لڑ رہے تھے۔

یہی مشر ۳۸-۱۹۳۶ء میں تاجکستان میں تاجک کمیونسٹ وزیروں اور لیڈروں کا ہوا۔ کیونکہ انھوں نے کمیونسٹ روس کی اس سامراجی پالیسی کی مخالفت کی کہ تاجکستان اور وسط ایشیا کو روسی نوآبادی بنا دیا جائے۔ عبداللہ رحم بے دت اور شرقی بے وزیر اعظم و صدر تاجکستان کو دوسرے لیڈروں اور ہزاروں محبان وطن کے ساتھ گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔

ہم نے لینن گراڈ میں سوویٹ یونین کے مرکزی پریس کو دیکھا جو سارے یونین کے کل اسکولوں اور کالجوں کے لئے نصاب کی ساری کتابیں ایک ہی مرکز سے چھاپ کر تقسیم کرتا ہے۔ یہ پریس گویا سارے سوویٹ روس کی دماغ بندی اور ذہن بندی و فکر سازی کا واحد کارخانہ ہے۔

زمانہ قدیم سے ترکستان تورانی قوموں کا وطن اور نسلی و ثقافتی لحاظ سے ایک ملک رہا ہے۔ وسط ایشیا اور یورپ کے تورانی مسلمانوں کو مغلوب کرنے کے لئے زار کی حکومتوں نے جو مسلسل جنگیں کیں مسلمانوں نے

سختی سے ان کا مقابلہ کیا۔ کئی صدی تک تورانیوں اور روسیوں کی یہ کشمکش جاری رہی سوویٹ روس سٹرکلیمنٹ ایٹلی کے الفاظ میں اٹھی ہوئی زاریت ہے کمیونسٹ روس زاریت سے لاکھ درجے بدتر جاہریت ہے۔ کمیونسٹ روس نے نہ صرف مسلمانوں کو غلام بنایا بلکہ مسلمانوں کو مسلمانیت اور قومیت سے محروم کرنے اور پوری طرح روسی بنادینے کے لئے ترکستان کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

کمیونسٹ روس نے ترکستان کو (۱) قازقستان (۲) ازبکستان (۳) تاجیکستان (۴) ترکمانستان (۵) اور غیرستان (۶) آذربائیجان اور بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے جس میں سے ہر ایک ماسکو کا محتاج و غلام ہے۔ کاغذ پر اور دستور اساسی کے لحاظ سے یہ سب خود مختار (مستقل) Sovereign قومی ریاستیں ہیں قانوناً ان کو حاکم خارجہ میں اپنی جداگانہ سفارتیں قائم کرنے مجلس اقوام متحدہ کا ممبر بننے اور سوویٹ یونین سے علیحدہ ہو جانے کے اختیارات حاصل ہیں۔ چنانچہ یوکرین اور بائیلوروس یو۔ این۔ او کی ممبر ہو چکی ہیں ہم نے تاشقند میں ازبکستان کے وزیر خارجہ مسٹر عبدالغنی سلطانوف ازبکستان پاکستان اور دیگر حاکم میں اپنی سفارتیں کھولے گا۔

لیکن اصل حقائق اس کے برعکس ہیں۔ روس تضاد و تناقض کا ملک ہے۔ چیزیں حقیقت میں ویسی نہیں ہوتیں جیسی دنیا کو دکھائی جاتی ہیں۔ ازبکستان، قازقستان اور دوسری قومی جمہوریتوں کی خود مختاری سادریٹی (حاکمیت) حقیقی نہیں بلکہ محض خیالی و سرابی ہے۔ ان کی ابتداء و پیدائش طاقت و زندگی کے سرچشمے ان کی قومیں اور عوام نہیں بلکہ کمیونسٹ پارٹی ماسکو ہے۔ جو سوویٹ یونین کی ہر معمولی سے معمولی چیز پر حکمرانی کرتی ہے۔ یہ جمہوریتیں اور ریاستیں قومی خواہشات کی نہیں بلکہ کرہیلن کی مخلوقات اور آلہ کار ہیں۔ ان کی بقا و زندگی کمیونسٹ پارٹی کی مرضی و خوشی پر موقوف ہے۔ خود ریاست بھی کمیونسٹ پارٹی کی آلہ کار ہے۔

صرف کٹر کمیونسٹ حکومتی ادارات پر مقرر ہو سکتے ہیں۔ قومی ریاستوں کی آزادی و خود مختاری کس قدر بے اصل ہے ہم پر اس وقت کھلا جبکہ ہماری ملاقات مسٹر عبدالجبار عبدالرحمنوف سے ہوئی۔ یہ صاحب وسط ایشیا کی سب سے بڑی جمہوریہ ازبکستان کے وزیر اعظم تھے لیکن ماسکو نے ان کو اس تصور پر برخاست کر دیا کہ وہ ماسکو کی کپاس کی پالیسی پر پوری طرح عمل نہیں کر رہے تھے۔ اب ان کو ماسکو کی زراعتی و صنعتی نمائش میں ایک اسٹال کا مینجر بنا دیا گیا ہے۔ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہے کہ نہ صرف کسانوں اور مزدوروں کو بلکہ بڑی بڑی قومی ریاستوں کو بھی حق نہیں ہے کہ وہ اس کا فیصلہ کر سکیں کہ وہ اپنے کھیتوں میں کونسی فصل اگائیں گے۔ ہر شخص کے کام اور ہر کھیت کی فصل کا فیصلہ ماسکو کرتا ہے۔

سوویٹ یونین میں الیکشن محض بوجس اور نمائشی ہوتا ہے۔ کمیونسٹ پارٹی ماسکو سارے امپرواروں کو نامزد کرتی ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کے علاوہ کسی کو کوئی پارٹی یا جمعیت بنانے کی اجازت نہیں ہے کوئی حزب اختلاف نہیں ہے۔ نہ مخالف اخبار ہے اور نہ کمیونسٹ پارٹی کے امپروار کے خلاف امپروار کھڑا کر سکتا ہے نہ خلاف میں ووٹ ڈال سکتا ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کے سارے امپروار ہمیشہ بالاتفاق منتخب ہوتے ہیں کیونکہ کسی کو ان کے خلاف کھڑا ہونے کی آزادی ہی حاصل نہیں ہے۔ سوویٹ یونین ایک چٹانی سنگین اسٹیٹ (Monolithic State) ہے۔

سوویت یونین میں آزادی کو اس لئے قربان کر دیا گیا تھا کہ برابری حاصل ہو لیکن عملاً آزادی و برابری دونوں کمیونسٹ پارٹی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دی گئی ہیں۔ پرانے امراء و اشراف کی جگہ نئے حکمران اور نئے اونچ و نیچ طبقات پیدا ہو گئے ہیں۔ سوویت سوسائٹی میں دوسرے امتیازات کے علاوہ (۱) کمیونسٹوں اور غیر کمیونسٹوں (۲) روسیوں اور غیر روسیوں (۳) شہریوں اور دیہاتیوں (۴) داعی کام کرنے والوں اور دستی کام کرنے والوں (۵) صنعتی مزدوروں اور زراعتی مزدوروں کے درمیان نمایاں تفریق و نا برابری ہے۔

سوویت روس میں مسلمان علاقوں خصوصاً ترکستان کی آزادی و توحید کی تحریکات جاری ہو چکی ہیں۔ اتحاد سوفیتائیہ اشتراکیہ روس کی سب سے زیادہ مظلوم، غیر مطمئن اور مضطرب قوم مسلمان ہیں۔ مسلمانوں نے کبھی اپنی شکست تسلیم نہیں کی ہے۔ وہ آج استقلال و اتحاد ترکستان کے داعی اعظم غازی انور پاشا اور اور مجاہد اعظم ابراہیم بیگ کے زمانہ ۱۹۲۷ء اور ۱۹۳۸ء سے بہت زیادہ خود شعور اور خود شناس منظم و تعلیم یافتہ، اور فوجی تربیت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ ترکان ترکستان ایک غیور و جسور بہادر جنگجو اور نہایت مذہبی قوم ہیں جو شاندار روایات و تاریخ اور حیرت انگیز جوش زندگی، قوت کردار اور زبردست احساس قومیت رکھتے ہیں۔ روسی ان کی قومیت کو مٹانے میں پوری طرح ناکام ہو چکے ہیں ترکان روس بحیثیت قوم زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ وہ فخریہ یہ بتاتے ہیں کہ گذشتہ عالمی جنگ میں جب ہٹلر کے سامنے روسی فوجیں پاش پاش بے بس و سرنگوں ہو چکی تھیں ماسکو اور لینن گراڈ بس ساقط ہوئے ہی، کو تھے کہ وسط ایشیا کے ترک و تاتار آگے بڑھے۔ خالی صفوں کو پر کیا۔ جرمنوں کے سیل رواں کا منہ پھیر دیا اور نازیت کو شکست فاش دی مارشل زہوخوف اور اسٹالن نے جنگ کے اس نازک ترین مرحلے پر مسلمانوں سے مدد کی بھیک مانگی اور مسلمان قوموں سے وعدہ کیا کہ فتح کے بعد مسلمانوں کو مکمل قومی آزادی اور وحدت قائم کرنے کا موقع دیا جائے گا اور ان کو حق ہوگا کہ وہ روس سے علیحدہ ہو جائیں اسٹالن اور زہوخوف نے ان وعدوں کے لاکھوں مطبوعہ اشتہار ہوائی جازوں سے مسلمانوں کے درمیان گرائے۔

روس میں تمام زمینیں جائیدادیں اور کار و بار ریاست کی ملکیت ہیں اور ریاست کا معاشی حالات | مطب کمیونسٹ پارٹی ہے جو دراصل ریاست کی بھی مالک ہونے کی مدعی ہے۔ یہ زمیندار اعظم ہے اور باقی سب اس کی رعیت بالمرضی اور غلام وابستہ جاگیر ہیں۔ معاشی نظام صاف طور پر ریاستی جاگیرداری *State Feudalism* کا نظام ہے۔ لوگوں کو قطعی اپنے کام اور ذریعہ زندگی چننے کا اختیار نہیں ہے۔ لوگ فارموں فیکٹریوں اور آفسوں سے بندھے ہوئے غلام ہیں نہ وہ استغنیٰ دے سکتے ہیں اور نہ دوسرے مقامات پر نئی راہ معاش تلاش کرنے جاسکتے ہیں۔ کام چھوڑ دینے کی سزا موت ہے۔ ہر مرد عورت اور بچہ یا کمیونسٹ پارٹی کا سرمایہ ہے جو اس کو جس طرح اور جہاں چاہے استعمال کر سکتی ہے۔ فرد لیلے کوئی اختیار کوئی آزادی، اور کوئی دوسرا چارہ کار نہیں ہے۔ والدین کو بچوں پر کوئی اختیار نہیں ہے زیادہ سے زیادہ بچوں کو خاندانوں سے جدا کر کے ریاستی کو دستاویزوں اور نرسری کے حوالے کیا جا رہا ہے۔ مسلم وسط ایشیا میں ریاستی جاگیرداری *State Feudalism* کے ساتھ ساتھ روسی استعماریت

د نوآبادی Colonialism بھی مسلط کی گئی ہے وہاں روسی تمام کلیدی مقاموں پر قابض ہیں۔ قازقستان ازبکستان تاجیکستان ترکمانستان گریغزستان آذربائیجان تاتارستان داغستان وغیرہ کی ساری معاشیات کی منصوبہ بندی کرکے اس طرح کی ہے کہ ان کی مکمل اقتصادیات روس کی آلہ کار بن کر رہ گئی ہے ہم نے وہاں کوئی گیہوں اور غلے کا کھیت نہیں دیکھا۔ حکام نے بتایا کہ غلہ روس اور یوکرین سے آتا ہے ازبکستان اور تاجیکستان پورا پورا کپاس کا کھیت ہے۔ سوویٹ یونین کی اسی فیصدی سے اوپر روٹی ان دو مسلم ریاستوں میں پیدا کی جاتی ہے۔ لیکن ان ملکوں میں ایک ہی کپڑے کا کارخانہ ہے۔ باقی ساری روٹی روس کو جاتی ہے۔

تاجیکستان میں اسٹالن آباد کے قریب ہم نے لینن کو لچور مشترکہ کھیت دیکھا جس کا رقبہ ۹۸۸۰ ہیکٹر ہے۔ یہاں صرف چند چوہی مکان تھے لیکن ۹۵ فیصدی کسان چھوٹے چھوٹے خس پوش مٹی کے نہایت پست مکانوں میں رہتے ہیں۔ یہ مکان یقیناً پنجاب و مشرقی پاکستان کے کسانوں کے مکانات سے بہت زیادہ گھٹیا ہیں۔ ان ترکستانوں کا معیار زندگی ماسکو کے قریب لینن میموریل کو لچور کے روسی کسانوں کے معیار سے بہت زیادہ پست ہے کیونکہ ہم نے روسی کسانوں کو پھ اور آٹھ کمروں کے آراستہ چوہی مکانوں میں رہتے دیکھا جو ریڈ پوسٹ ٹیلی وزن سٹ اور میز کرسی سے آراستہ تھے۔

تاشقند میں ہم نے دیکھا کہ شہر کے تمام نئے اور بہتر علاقوں پر روس قابض ہیں۔ تاشقند آبادی دہنوں میں ایک روسی شہر بنایا جا چکا ہے۔ مسلمان عموماً گندی بستیوں اور مٹی کے جھونپڑوں میں رہتے ہیں۔ پھر بھی مسلمان جھونپڑوں کو اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ ان کے اپنے گھر ہیں جن کے ساتھ خانہ باغ ہے۔ جہاں بھل اور سبزیاں پیدا کرتے ہیں لیکن اس طرح کی بہت سی آزاد جھونپڑیوں کا صفایا کر کے حکومت فلیٹ بنا چکی ہے جن کو کرایہ پر دیتی ہے۔ اس طرح ذاتی مکانوں اور باغوں کا خاتمہ ہوتا جا رہا ہے۔ آخری منزل ہر قسم کی ذاتی کھیتی باغبانی اور گھر باڑی کو یکسر مٹا کر ہر اچ زمین اور ہر مکان کو ریاستی ملکیت بنا دینا ہے۔ سوئٹلزم سے کیونڈزم کی طرف مارچ کی راہ میں کو لچور (مشترکہ کھیت) محض ایک عارضی اسٹیج ہے۔

منزل نہیں درمیانی اسٹیشن ہے۔ کامیون ازم کے مطابق انجام کار سب مشترکہ کھیتوں اور ذاتی مکانوں و سرکاری کھیتوں اور سرکاری مکانوں میں تبدیل کر دیا جائے گا اور کسی قسم کی ذاتی ملکیت، مذہب اور برابری باقی نہیں رہے گی اور ریاست بھی فنا ہو جائے گی۔ کھیتوں اور کارخانوں کے مزدوروں کا معیار زندگی آزاد معیشتوں کی بہ نسبت بہت پست ہے۔ ہمارے پنجاب کے کسانوں کی خوراک روسی کھیت مزدوروں سے بہت بہتر مایہ دار تر ہے۔ یقینی طور پر پاکستان اور ہندوستان کی خود کاشتہ زمینوں کے آزاد کسانوں کی زندگیاں روس مشترکہ اور سرکاری فارموں کے غلام مزدوروں سے بہت زیادہ خوشتر ہیں کیونکہ روسی کسان اپنی زمینوں سے بندھے ہوتے ہیں اور اپنے کاموں کو چھوڑ کر بہتر کاموں کی تلاش میں دوسری جگہ نہیں جاسکتے۔

سب سے حیرت انگیز بات جو ہم پر ظاہر ہوئی وہ یہ تھی کہ کارخانوں کے مزدوروں، آفس کے کارکنوں

فکاروں، کاریگروں اور دوسرے آزاد آمدنی رکھنے والوں کو ماہانہ انکم ٹیکس گھر کا کرہ اور دوسرے قسم کے ٹیکس دینے پڑتے ہیں۔ بے اولاد اور صرف دو بچے رکھنے والے شہریوں پر خاص ٹیکس عائد ہے۔ مشترکہ فارم کی پیداوار کا ۷۵ فیصدی حصہ اسٹیٹ لیتی ہے۔ بیج کا ذخیرہ چارہ اور حفاظتی ٹیکس اور دوسرے اخراجات منہا کرنے کے بعد باقی حصہ غریب مزدوروں کو ان کے کام اور حیثیت کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے۔ جو مشکل سے پیداوار کا پندرہ فیصدی ہوتا ہے۔

صافین کے سامان کی ہر جگہ خصوصاً ایشیائی ریاستوں میں انتہائی قلت ہے۔ بہت سی ریاستیں اپنے شہریوں کے لئے کافی خوراک بھی نہیں پیدا کر سکتیں۔ ہر ریاست ایک خاص جنس پیدا کرنے کیلئے مخصوص کر دی گئی ہے۔ اس طرح معاشی اور سیاسی لحاظ سے تمام قومی ریاستوں کو روس کی تابعدار نوآبادیاں بنا دیا گیا ہے۔ مثلاً قازقستان روس کا غلہ خانہ، ازبکستان تاجیکستان روئی کا کھیت آذربائیجان تیل کا خزانہ اور بشکیریا، تاتارستان دوسرا باکو ہے۔

سوویت و معاشیات کی چند خصوصیات واضح ہیں۔ (۱) اولاً ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۷ء تک پرائیویٹ کھیتوں کے توڑنے اور مشترکہ کھیتوں کے بنانے کی تحریک کا خیرہ انسانوں کے قبل عام اور مادی سامانوں کی بربادی عام کی شکل میں اس قدر بھاری عظیم اور دور رس ہوا ہے کہ سوویت نظام آج تک اس کے تباہ کن اثرات سے صحت یاب نہیں ہو سکا۔

۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۷ء کے درمیان شمال آراضی یعنی پرائیویٹ کھیتوں کے ختم کرنے اور مشترکہ کھیتوں کے بنانے کی تحریک اس قدر بے رحمانہ ظلم کے ساتھ جاری کی گئی کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ہے۔ اسٹالن نے ۱۹۲۹ء میں کسانوں اور کاشتکاروں کو سماج دشمن اور آخری سرمایہ دار قرار دیا۔ ان کے خلاف مکمل و مسلح جنگ کا اعلان کیا۔ ان کو قابل استیصال قرار دے کر چن چن کر ہلاک کیا گیا۔ اس آٹھ سالہ جنگ استیصال میں دو کروڑ چھیالیس لاکھ چوبتر ہزار پانچ سو مردوں اور عورتوں کا قتل عام کیا گیا۔ کسانوں نے شمال آراضی کا سخت مقابلہ کیا اور اپنے مویشیوں اور گھوڑوں کو کمیونسٹوں کے حوالہ کرنے کے بجائے اپنے ہاتھ سے کڑوڑوں کی تعداد میں ذبح کر دیا۔ اس ذبح عظیم نے غلہ، پیڑے، جوتے، دودھ، مکھن، گوشت اور چمڑے کی وہ عظیم قلت پیدا کی جو آج تک روس کی مصیبت بنی ہوئی ہے۔ کمیونسٹ اخبارات کے اپنے بیان کے مطابق گھوڑوں کی قلت اس قدر شدید اور نازک ہو گئی کہ ایک ایک جوڑے گھوڑے کی جگہ پر اشتراکیوں نے ایک ہی میں تیس مردوں اور عورتوں کو جوت دیا۔ جن سے شبانہ روز کام لیا گیا۔ پیشینی زراعت کی ترویج کے باوجود یہ قلت اب تک جاری ہے۔

(۲) دوئم شہری صنعت گری قائم کرنے کے لئے زراعت پیشہ لوگوں کی استعماری لوٹ اور غارت گری سوویت نظام کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ سوویت صنعت گری کے واسطے سارا سرمایہ کسانوں کے خون سے جمع کیا گیا۔ کمیونسٹ سرکاری سرمایہ کاری اور سرخ صنعت گری کی ساری

رت کسانوں کی لاشوں ہڈیوں اور کھوپڑیوں پر تعمیر کی گئی ہے۔ کسی زمانے اور کسی ملک میں آزاد
 ماٹوں کو اتنے بیرحمانہ طور پر نہیں لوٹا گیا اور نہ اتنے مکمل طور پر من حیث الجماعت ہلاک اور
 قیصال کیا گیا۔

(۳) سوئم من مانی قیمتیں حکومت مقرر کرتی ہے اور یہ آزاد معیشت ملکوں سے بہت زیادہ اونچی
 گراں ہیں۔ حکومت اپنے خریدنے کے لئے چیزوں کے دام بہت سستے مقرر کرتی ہے۔ اسی چیز کا
 صارفین کے لئے بہت اونچا رکھتی ہے۔ دیسا اور برآمد کرنے کی چیزوں کے دام بہت کم مگر اسی
 دام ملک میں بہت اونچا کرتی ہے۔ زراعتی و زہباتی جنسوں کے دام صنعتی و شہری جنسوں کے
 بلے میں بہت زیادہ کم ہیں دراصل کسانوں کے لوٹنے کا یہ خاص طریقہ ہے۔ شہری صنعتی
 وروں کے لئے سرکار نے روٹی اور دودھ کے دام قدرے کم کر رکھے ہیں۔ لیکن دیہات میں
 درت کی چیزیں سخت کمیاب و نایاب ہیں۔ ماسکو کی راجدھانی میں بھی قیمتیں بہت اونچی ہیں مثلاً
 ن اٹھائیس روپے پونڈ ہے اور روپل پاکستانی روپیہ کے برابر ہے۔ چھلی سولہ روپل۔ چائے
 وہ روپل گوشت پندرہ روپل پونڈ ہے۔ جوتے کے دام چار سو پانچ روپل ہیں قمیص سو روپل میں
 سوٹ ڈھائی ہزار سے تین ہزار روپل میں ملتا ہے۔ اور بڑے شہرت سے باہر یہ بھی نہیں ملتے۔

(۴) چارم۔ ہمیں ماسکو میں عورتوں کو اونچے اونچے لکڑی کے تختوں اور چالوں پر کھڑی ہو کر
 مستری کا کام کرتے ہوئے دیکھ کر سخت حیرت ہوئی۔ یہ عورتیں اینٹ ڈھولنے جھاڑو دینے اور
 اور ٹرام ڈرائیور کا کام کر رہی تھیں۔ بہت سے کارخانوں میں عورتوں کی کثرت ہے۔ لینن گراڈ
 سوویت یونین کے سب سے بڑے مرکزی چھاپہ خانہ میں نوے فیصدی کارکن عورتیں تھیں ماسکو
 بین گراڈ اور یورپی روس میں مردوں سے عورتیں دو گنی عورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ یہ ایک عظیم معاشرتی
 ہے لیکن انسانیت کے اصول پر اس کو حل کرنے کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ
 ہر جنگ کے باعث کروڑوں عورتیں ہیں جو اپنے خاندان کے کمانے اور پرورش کرنے والوں سے
 م ہو گئی ہیں۔ روس میں تمام عورتوں کے لئے اپنی روزی کمانے کے لئے کام کرنا ضروری اور لازمی ہے۔
 ماسکو کے مصانات میں ہمیں ننگے سر مردوں، عورتوں، لڑکوں اور لڑکیوں کو غریب ترین اور قلیل
 لباسوں میں دیکھا کر افسوس ہوا۔ بعض اس میں صرف بنیان پہنے ہوئے تھے۔

(۵) پنجم سوویت یونین تاریخ عالم کی سب سے بڑی غلام ریاست (Slave state) ہے جس میں
 اور سلاطین نہیں بلکہ ایک بے روح استبدادی ریاست سارے شہریوں کی مالک مطلق بنی ہوئی
 ہے۔ یہاں ہر چیز کی بنیاد غلامی پر ہے۔

(۶) ششم۔ تاریخ عالم میں سوویت یونین انسانی دماغ اور روح کا سب سے بڑا تاریکی قید خانہ
 جس پر آزاد علم و اطلاع، فکر و بیان اور اظہار خیال کی روشنی کو مکمل طور پر بند کر دیا گیا ہے۔
 کو دنیا کے واقعات کو جاننے اور غیر ملکی کتابیں اور اخبارات پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

تمام روسی اخبارات پارٹی پر دہکندہ کے اشتہارات ہیں اور دنیا کی خبروں اور تبصروں کو مطلق شائع نہیں کرتے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ خود سوویت یونین کی خبریں نہیں چھاپتے۔ تحریر و تقریر اور پریس کی آزادی مطلق نہیں ہے۔ انسان کے دماغ کو پوری طرح مفلج اور بند کر دیا گیا ہے۔

(۷) ہفتم ایک تعجب انگیز تضاد جو ہم نے سوویت یونین کے یورپین اور ایشیائی حصہ میں دیکھا وہ اسٹالن کے متعلق ہے۔ ایشیائی ریاستوں کی سرکوں، باغیوں، آفسوں، دفاتروں، کھیتوں اور کارخانوں کے ہر کونے میں اسٹالن کے دیو ہیکل فولادی مجسمے لگائے گئے ہیں لیکن ہاسکولین گراؤ اور یورپین حصوں میں ہم نے کوئی اسٹالن کا مجسمہ نہیں دیکھا جو تھے وہ سب ہٹا دئے گئے ہم نے محسوس کیا کہ ایشیائی ریاستوں میں اسٹالن کی دیو ہیکل موتیوں محکوم قوموں کو مرعوب اور خوف زدہ کرنے کیلئے لگائی گئی ہیں۔ کیونکہ سوویت اشتراکیت ایک غیر ملکی اور سامراجی مذہب ہے جسکو صرف اسٹالن ازم کے ذریعہ مسلط رکھا جاسکتا ہے۔ اور اسٹالن ازم وحشیانہ بربریت اور دہشت انگیزی محکوم قوموں کی نسل کشی کا دوسرا نام ہے۔

خوف اور یقینی کی زمین میں زوال کے آثار | سوویت یونین میں ہر جگہ مجلس میں چرچا امن کی دعوت کا تھا۔ سوویت حکام ہزاروں مرتبہ اور بار

بار نکتہ امن دھراتے تھے ہر تقریب کی ابتدا و انتہا دعوت امن پر ہوتی تھی۔ پاکستانی وفد نے جواباً کہا کہ اسلام کے معنی امن و سلامتی ہیں۔ اسلام مذہب امن اور امن قائم کرنے کا واحد سچا طریقہ ہے۔ پاکستان اسلامی مقاصد کا علمبردار ہے اور سوویت یونین اس وقت تک امن و سلامتی استحکام و توازن نہیں قائم کر سکتی جب تک کہ وہ طریقہ اسلام کی پیروی نہ کرے۔

کمیونسٹ پارٹی کے ماتحت سوویت یونین خوف و ہراس اور بے یقینی و لاندہبی کی سر زمین بنائی جا چکی ہے۔ یہ جاسوس اور خفیہ مجبوروں کی پولیس اسٹیٹ ہے۔ کھیتوں کارخانوں، فوجوں دفاتروں۔ ہر جگہ اور ہر گوشہ میں جاسوس بھرے ہوئے ہیں۔ ہم نے روس اور وسط ایشیا میں ہر چہرہ پر چلی حرفوں میں "خوف" لکھا ہوا دیکھا۔ ہر شخص آزادی اور صفائی سے بولنے سے ڈرتا ہے۔ وہ اپنے سایہ سے بھی ڈرتا ہے۔ سوویت یونین میں بچوں کے حکمرانوں سے لیکر ادنیٰ ترین مزدور اور ہر شخص ذاتی خوف و شک اور بدگمانی کی زندگی گزار رہا ہے۔ کوئی اپنے پر اعتبار نہیں کر سکتا۔ بلکہ باپ ماں بھی اپنے بچوں پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ کمیونسٹ پارٹی بچوں کو ان کے والدین کے خلاف جاسوس مقرر کرتی ہے اور بچوں کو والدین کے خلاف خبر دینے پر انعام دیتی ہے۔ روس اکابر ہر دم اندرونی بغاوت و انقلاب اور بیرونی حملہ کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔ ان بڑے لوگوں پر ہر لمحہ اپنے عزیز ترین دوستوں سے غداری اور قریب ترین رشتہ داروں سے بغلی پھری کا خوف سوار ہے۔

غریب مزدور نیمبر اور وزیر ہر دم خوف کی زندگی گزار رہے ہیں کیونکہ نہیں جانتے کہ کل انکا حشر کیا ہوگا۔ ہر جگہ بے یقینی اور بے اطمینانی پھیلی ہوئی ہے۔ کیونکہ ہر شخص ان سیاسی معاشرتی و اقتصادی

حالات سے غیر مطمئن ہے جن کا وہ قیدی اور غلام ہے۔

جنگ کے جھوٹے پروپیگنڈے نے عوام کے دلوں میں یہ خوف پیدا کر دیا ہے کہ کوئی بڑی خرابی موجود ہے اور جنگ جہاں روز کی ہلاکت و تباہی ان کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔

لوگ بس مویشیوں کی طرح کام کر رہے ہیں۔ وہ اپنے کاموں میں دل نہیں لگاتے کیونکہ کوئی ندرست انسان اپنی غلامی کی پیڑیوں اور اپنی قید و بندش کی ترنجیروں کے ساتھ محبت نہیں کر سکتا۔ روس میں خوف اور محض خوفِ زندگی کی بنیاد ہے "کوئی چیز محبت پر قائم نہیں ہے اور محبت ہی وہ قانونِ حیات ہے جس نے ہر ذرہ عالم کو باہم جوڑ کر اس کو مربوط و منظم و متحد نظام کائنات کو قائم و استوار رکھا ہے۔ حکیم مشرق علامہ اقبال نے فرمایا ہے:-

سُن اسے تہذیبِ حاضر کے گرفتار غلامی سے ہے بدتر بے یقینی

کیونست روس قولِ اقبال کی مکمل تفسیر ہے روس غلامی اور بے یقینی کا دیس ہے روسی کا مرض الموت بے یقینی کا روگ ہے۔ کمیونزم کے مذہب بے یقینی۔ یعنی اللہ رب العالمین بقاء روح حیات بعد الموت نظامِ اخلاقِ آخرت، خالق کے سامنے حساب و کتاب کی جوابدہی پر یقین کے انکار نے ہر چیز میں عام بے یقینی لگائی، بے اعتباری، شکوک و شبہات، خوف و ہراس، غداری و خیانت پیدا کر دیا ہے اور زندگی بالکل حیوانی راگزہ، ناشاد اور غیر متوازن ہو گئی ہے مکمل اخلاقی لٹلائی ہے۔ یہ ایک طریقہ ہے جو کبھی باقی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ یہ قانونِ فطرت اور کائناتی نظامِ اخلاق کے خلاف ہے

میرے مشاہدات کے مطابق کمیونزم کی بنیاد مارکسی "دہریت" مسلمان قوموں میں بہت کم پھیل سکتی ہے۔ جو ان اگرچہ اسلامی قواعد و آدابِ مذہب سے زیادہ باخبر نہیں ہیں لیکن اسلام پر یقین کا اعلان کرتے ہیں اور اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ ترکان روس کو اپنی قومیت اور مذہب پر فخر و ناز ہے اور یہی ملی و قومی عصبیت ہے جس نے ان کو اب تک کمیونزم کے پیٹ میں ہضم ہونے سے بچا رکھا ہے۔ ذمہ دار حضرات نے ہمیں اطلاع دی کہ وہ چند مسلمان جو وزارت و عمدہ کیلئے کمیونسٹ پارٹی کے ممبر بنتے ہیں مرنے کے پہلے اماموں کے ہاتھوں پر توبہ و استغفار کرتے ہیں بلکہ پڑھتے ہیں، اسلام پر اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہیں اور مزاجِ شریعتِ عمدیہ کے مطابق مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن ہونے کی درخواست کرتے ہیں۔

میرا یقین ہے کہ ایک فیصدی مسلمان بھی دہریہ نہیں ہیں چونکہ دہریت مارکسی مادیت کی جڑ اور الجھناہٹ ہے۔ بنا بریں روس کی جنگجو توراتی قوموں کے انتہائی ظالمانہ قتل و غارت کے حالات میں بھی اسلام پر ایمان بحال رکھنا اعلیٰ ترین اہمیت کا واقعہ ہے اور ضرور ہے کہ آزاد دنیا یہ کمال توجہ ان کے مستقبل پر نظر رکھے۔

مجھے اس پر مطلق شک نہیں ہے کہ سوویت یونین اور ساری دنیا میں اصلی جنگ نہ صرف غلامی و آزادی کے درمیان بلکہ رہائیت اور دہریت، اخلاقی نظام اور اخلاقی انارکھی کے درمیان جاری ہے۔ مسلمانان روس جو سوویت یونین کی سب سے بڑی غیر روسی قوم ہیں دراصل مارکسی دہریت اور روسی

سامراجیت کے خلاف "فوجی" نظرثانی و روحانی اعتبار سے سب سے زبردست مخالف طاقت ہیں۔ سوویت روس کسی حال میں ترقی و خوشحالی کی دوڑ میں آزاد دنیا کے برابر نہیں آسکتا کیونکہ یہ سرتاسر غلامی کی سلطنت ہے جس سے "آزادی" بالکل شہر بار کر دی گئی ہے، حالانکہ "آزادی" انسان کی انسانیت ترقی و خوشحالی کی روح رواں ہے۔ چنانچہ روس آج فقدانِ رجاں اور فقدانِ قیادت کے مرض میں مبتلا ہو چکا۔ اسٹالن کے بعد روس کے ہر شعبہ زندگی میں آج تیسرے درجہ کے لوگ حکومت کر رہے ہیں۔ ایک نئے اور اول درجہ کا انسان موجود نہیں ہے جس میں پیدائشی قیادت کا جوہر ہو جیسا کہ لینن گراڈ اسٹالن میں اور یہ صرف لینن ٹراٹسکی اور اسٹالن جیسے میدان نشی قائدین تھے۔ جو خوف اور بے یقینی کی اس وسیع عربض سلطنت کو تاریخ کے اس عظیم ترین غلام کیمپ کو اور مشرق و مغرب کی مختلف نسلوں قوموں، تہذیبوں اور مذہبوں کے اس تاریک قید خانہ کو کچھ روز قائم رکھ سکتے تھے۔

ہم نے لوگوں میں احساس کمتری اور زوال کے نمایاں آثار دیکھے ہیں۔ روسی خود اس کا احساس کرتے ہیں کہ وہ چینوں سے ہر اعتبار سے کم ہیں۔

روسی کہتے ہیں کہ چینی خوش قسمت ہیں کہ ان کے پاس ماوزی تنگ اور چواین لائی جیسے لیڈر انکی پیٹھ پر متحدہ پارٹی ہے۔ میں نے یہ احساس کمتری ماسکو میں بھی پایا۔ روس میں آج کوئی نہیں ہے جو اسٹالن کی جگہ لے سکے۔ اور لیڈر کے جانشینوں میں سخت افتراق و انتشار برپا اور شدید بدگمانی اور رقابت ظاہر ہو چکی ہے۔ مالوٹوف، مالن کوف، شیبی لوف اور کانگا لوزج کا حکومت سے ڈرامائی اخراج اس کا ظہور ہے۔

یہ داخلی افتراق اور جنگ قیادت کا کھلا مظاہرہ ہے۔ غالباً اس کمزوری کا ذمہ دار خود اسٹالن کیونکہ وہ نہایت حاسد تھا۔ اُس نے تمام اول درجہ کے لوگوں کو اپنے راستے کا کانٹا جان کر صاف کر دیا۔ جو کسی طرح اس سے نمایاں ہو رہے تھے۔ دوسرے یہ کہتے ہیں کہ یہ کمزوری خود سوویت سسٹم فطرت میں داخل ہے۔ کیونکہ یہ انسان کے دماغ، تعلیم، معیشت اور زندگی کی مکمل بندش اور قید کا نظام جس کے ماتحت اول درجہ کے لوگوں کا ابھار اور اٹھان ناممکن نہیں تو محال ہے۔ زوال اور انتشار۔ جراثیم خود اس سسٹم کے باطن میں داخل ہیں۔ کیونکہ یہ نظام مکمل طور پر اس صحت مندانہ انفرادیت، آزادی اور مسابقت کو ختم کر دیتا ہے جو عظمت، قیادت، تغیر و ترقی کی بیج اور بنیاد ہیں۔

سوویت یونین کے یقینی زوال اور انتشار کی ایک دوسری وزنی وجہ یہ ہے کہ روس آج نہ صرف انفرادی اور شخصیت کا قبرستان بلکہ قوموں، تہذیبوں اور تہذیبوں کا قید خانہ بھی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک آزادی کی جنگ لڑنے کی تیاری کر رہا ہے اور دوسری عالمگیر جنگ کی طرف امید کی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ اور یہ محسوس کرتا ہے کہ جنگ روسی آہنی پردہ کو پاش پاش کر دے گی۔ قید خانہ اقوام دیواروں کو گرا دے گی اور آزادی کی صحت بخش و روح افزا نسیم کی در آمد کا راستہ ان پر کھول دے گی۔ میری رائے میں سوویت نظام کی سب سے بڑی کمزوری جو اس کو اندر سے شکست و ریخت کی

کے رہی ہے اخلاقی اور روحانی بنیاد کا فقدان ہے۔ یہ کمی سوویٹ نظام کی مارکسی اصل و نہاد کے
 ث ہے۔ تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ کوئی عمرانی نظام باقی نہیں رہ سکتا تا وقتیکہ اس کی جڑیں آزاد انسانوں
 دلوں اور ضمیروں میں پیوست نہ ہوں۔ جو نظام زندگی محض اوپری جبر اور زور سے مسلط کیا جاتا ہے
 جبر اور زور سے ہی فنا ہو جاتا ہے۔ سوویٹ یونین ایک ایسا ہی جاہلانہ نظام ہے۔ سوویٹ نظام
 تمام نمایاں نقائص "مذہبیاں" اور تضاد اس کے مارکسی اصل و بنیاد سے پیدا ہوئے ہیں۔ جانتک
 نظام مارکسی دہریت اور مادیت پر مبنی ہے۔ یہ انسان کی انسانیت اور فطرت کی مکمل نفی ہے۔
 انسانیت اور انسانی فطرت جو (۱) عقلیت (۲) روحانیت (۳) اخلاقیات اور (۴) عمرانیت سے

ب ہے اور مارکسیت ان میں سے ہر ایک کے بالکل متضاد اور مخالف ہے۔
 سوویٹ نظام نے ایک طرف ہر قسم کی الوہیت کا انکار کیا ہے لیکن دوسری طرف مارکس کو نہ صرف
 بلکہ الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ اس نے مارکس کو نعوذ باللہ اپنا خدا رسول اور پوپ
 یلم کیا ہے، اور ایک ایسی خلاف عقل جنون پرستی کو فروغ دیا ہے جو ہر قسم کے تعصبات سے بڑھ چکی
 ۔ روس کیلئے اس وقت تک کوئی امید نہیں ہے جب تک وہ اس مٹی کے جھوٹے خدا کو تخت سے
 دھے منہ گرا کر بالکل پاش پاش نہ کر دے۔ جب تک مارکس پرستی کے اس باطنی روگ سے شفا
 صل نہ ہوگی سوویٹ سسٹم کے بقا کی کوئی امید نہیں ہے۔ داخلی تضادم تضاد اور ٹکراؤ سے اسکا
 سل سقوط و ہبوط لازمی ہے۔ داخلی یا خارجی حملہ اور سقوط کا خوف سوویٹ کائدین کے ہر خیال و عمل
 سوار ہے۔ جنگ کے خلاف عالمگیر پروگنڈا اور تحریک امن کی بنیاد بھی ہلاکت کا خوف ہے لیکن ایک
 مان جو خود اپنی "خودی" کے ساتھ برسرِ جنگ ہے یعنی اپنی عقلی اخلاقی عمرانی اور روحانی قوتوں کے
 خلاف صفت آتا ہے، کسی حال میں امن حاصل نہیں کر سکتا۔ "ظاہری" اور خارجی امن کے پہلے
 "طنی" اور "داخلی" امن قائم کرنا ضروری ہے۔ ایک انسان جو اپنی "خودی" کے ساتھ صلح و سلامتی
 میں رکھتا ہرگز دوسروں کے ساتھ صلح و سلامتی نہیں رکھ سکتا اور روس کی تاریخ سے یہ ظاہر ہے
 اللہ رب العالمین کی حاکمیت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے بغیر جو بعینہ اسلام ہے امن حاصل
 نا قطعی ناممکن ہے۔

۱۹۳۱ء کے قریب تحریک پاکستان کے محرک اول اور مشرق کے شاعر و مبصر فیلسوف اعظم
 کٹر سر محمد اقبال نے فرمایا تھا:-

"کہ روس جیسی گہری مذہبیت رکھنے والی قوم کسی مارکسی "دہریت" جیسے ایک
 منفی عقیدہ پر تانخ نہیں رہ سکتی اور انجام کار یا تو کمیونزم روس کو نکل جائے گا
 یا کمیونزم اسلام کو ہضم کر جائے گا۔ لیکن اقبال نے اعلان کیا ہے اسلام خود
 تقدیر عالم ہے اور کسی دوسری تقدیر کو برداشت نہیں کر سکتا۔"
 اس اور مشرق اوسط کے مشاہدات سے اس اقبالی پیشین گوئی کی مکمل تصدیق و توثیق ہوتی ہے۔

آج ایشیا اور افریقہ کے سامنے حقیقی سوال اسلام یا کمیونزم کا سوال ہے اور اس کے فیصلہ پر انسانیت کے مستقبل کا دار و مدار ہے۔
 ختم کرنے سے پہلے روسی عوام کو خراج تحسین ادا کرنا میرا فرض ہے۔ میری تنقید اقوام روس کے خلاف نہیں بلکہ مارکسی دہریت اور جاہریت کے خلاف ہے۔
 میں روسیوں کی سادگی، مہمان نوازی، بے جوش گرم دلی و مہربانی، خدمت گزاری اور ضبط و ادب سے بے حد متاثر ہوا۔ روسی عوام قابل محبت قوم ہے۔ ان میں مغربی یورپ کی قوموں جیسا احساس برتری نہیں ہے۔ میرا یقین ہے کہ روسی قوم لحدانہ مارکسی جاہریت سے نجات و آزادی حاصل کرنے کے لئے بے چین ہے۔ جو انسانوں کو حیوانیت اور انسانیت سے عاری بنا رہی ہے، اور جو عملاً زاریت اور تاریخ کے تمام قدیم ظالمانہ نظاموں سے ہزار گنا بدتر ہے۔

شعریک

ہندوستان کا واحد سنجیدہ ادبی ماہنامہ

پانچ سال سے

پوری باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

ہندوستان اور پاکستان کے ممتاز ادیبوں اور شاعروں کی نگارشات کا مرقع
 چند لکھنے والے :-

قاضی عبدالودود، فراق گورکھپوری، امتیاز علی عثمانی، اثر لکھنوی، ممتاز شیریں، عبد الحمید عدم،
 محمود ایاز، روشن صدیقی، ساعر نظامی، جگن ناتھ آزاد، محمود سعیدی، سہیل واسطی، فضل من اللہ،
 یوسف ظفر، مالک ام، ہری چند اختر، ذکیہ سلطانی، ماہر القادری، سراج الدین ظفر

مزید اراست : گوپال مشل

قیمت :

سالانہ چار روپے

فی کاپی چھ آنے

مقام اشاعت : ۹۔ انصاری مارکیٹ، دریا گنج، دہلی (بھارت)

پاکستانی ایجنٹ : سینٹر سروسز، پوسٹ بکس نمبر ۲۵۳، کراچی ۲

رضاء اللہ خاں رضا ٹونکی

کیا ہے تو

ہر گمان کہ عمر گریز پا ہے تو
ثباتِ عالم ہستی کا مدعا ہے تو

ترے وجود سے ہے کائنات کی زینت
بیانِ حسن تقویم کی جلا ہے تو

نظامِ عدل کا اجرا ہے تیرے ہاتھوں میں
جہانِ عقل میں سرچشمہ صفا ہے تو

جہاں کی راہنمائی ہے تیرا فرض اہم
کہ ایک ہدایتِ کامل کا واسطہ ہے تو

تری وفا ہے حیرتِ جمال میں مقبول
کسے نصیب وہ عالم جو دیکھتا ہے تو

یابیں نیازِ سر بندگی خدا شاہد
امامِ خلق ہے عالم کا مقتدا ہے تو

ترے ارادہ کے محکوم ہیں زمان و مکاں
کہ ارتقائے دو عالم کی انتہا ہے تو

متاعِ دہر تو پاستنگ بھی نہیں تیری
صفا و صدق کا وہ درجے بہا ہے تو

کوئی عروج تری دسترس سے دور نہیں
قدم اٹھا کہ فلک اس ہے برقِ پا ہے تو

صفائے دامن انسانیت کا داغ نہ بن
کہ چشمِ جن و ملائک میں با صفا ہے تو

شعر العرب

محمد بن عباد
(معتزم باشد کے دربار کا نامور شاعر)

وزهدنی فی الناس معرفتی بہم

و طول اختیاری صاحباً بعد منا

میں نے بہت دنوں تک ایک آدمی کے بعد دوسرے آدمی کا تجربہ کیا، اور لوگوں کو پہچانا، اس چیز نے میرا دل دنیا سے کھٹا کر دیا۔

فلم ترنی الا یام خلاً تسرنی

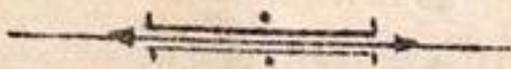
مبادیہ الاساء فی العواقب

زمانہ نے مجھے ہمیشہ ایسے دوست دکھائے کہ جن سے مل کر آغاز میں خوشی ہوئی مگر ان کی دوستی کا انجام بڑا بُرا نکلا

ولا قلت ارجوۃ لدفع ملامۃ

من اللہ ہر الا کان احدی المصنا

جب بھی میرے دل میں یہ آیا کہ فلاں دوست میری مصیبت کو دور کر سکتا ہے، مگر ہوا یہ کہ وہ خود ایک مصیبت بن گیا!



..... اللہ اللہ!

زباں پر مری، تیرا نام اللہ اللہ
خوشائیں، یہ میرا مقام اللہ اللہ!

★

اب اس سے بھی دلچسپ کیا بات ہوگی
وطن میں ہے غربت کی شام، اللہ اللہ

★

کہا شیخ نے بس عبادت یہی ہے
رکوع و سجد و قیام، اللہ اللہ

★

یہ بزمِ طرب، رقصِ اے، جام و مینا!
حضور آپ کا انتظام، اللہ اللہ!

★

یہ دیوارِ گلشن میں کیسی ہے ارشد
جنوں کی ہے یہ روک تھام، اللہ اللہ!

کوثر نیازی

غزلیں

○

بے غرض، بے لوث پاکیزہ رفاقت چاہیے!
اے ہجوم دوستاں! مجھ کو محبت چاہیے!

کون جانے! کب وہ ٹھہرائیں، ہمیں شایانِ لطف
ہر گھڑی اجڑے ہوئے دل کی یہ حالت چاہیے

حسن خود نکلے گا بہر جستجو دیوانہ وار
اے جنوںِ عشق! بس تھوڑی سی غیرت چاہیے

چند لمحوں کا نہیں ہے عسر بھر کا کام ہے
ہر قدم پر راہِ الفت میں عزیمت چاہیے

مسکرا کر بس یہ فرما دیجئے ہم کو قبول!
آپ سے نقدِ دل و جاں کی یہ قیمت چاہیے

ہر نفس آلائشیں ہیں، ہر گھڑی رنج و محن
اس نظامِ ظلم پرور سے بغاوت چاہیے

شاعری کوثر نہیں آسان اس کے واسطے
رنگِ اصغر چاہیے۔ اندازِ حسرت چاہیے

○

خیال ترکِ الفت ہم نشینو! آہی جاتا ہے
و فوراً یاس ہو تو آدمی گھبراہی جاتا ہے

ہمیشہ سطحِ دریا ایک حالت پر نہیں رہتی
سفینہ تند موجوں سے کبھی ٹکراہی جاتا ہے

تباہی کی گھڑی شاید زمانے پر نہیں آئی
ابھی اپنے کئے پر آدمی شرماہی جاتا ہے

نہیں نرک خرامی کارواں کی بے سبب کوثر!
خوشی سے جو اٹھتا ہے وہ بادل چھاہی جاتا ہے

فردوسِ تغزل

محمود سعیدی



بے نیازِ غلشِ دل نہیں ہونے پاتے
 دسو سے جن سے ہوئیں عقل کی راہیں مسدود
 تنگ منزل ہیں وہ منزل پہ پہنچنے والے
 حاصلِ زندگی عشقِ وہی لمحے ہیں
 جی رہے ہیں جو ترے غم کی نگہبانی میں
 ہم وہ مانوسِ غم موج و تلاطم ہیں کہ جو
 لاکھ بیگانہ بنیں لاکھ تعافل برتیں
 وہ مرے حال سے غافل نہیں ہونے پاتے
 ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے
 عشق کی راہ میں حائل نہیں ہونے پاتے
 جو چراغِ رہِ منزل نہیں ہونے پاتے
 زندگی بھر بھی جو حاصل نہیں ہونے پاتے
 عشرتِ زیست پہ مائل نہیں ہونے پاتے
 خوگرِ عشرتِ ساحل نہیں ہونے پاتے
 وہ مرے حال سے غافل نہیں ہونے پاتے

فرصتِ عیش تو کیا اب ہے یہ عالمِ مخمور
 غم کے لمحات بھی حاصل نہیں ہونے پاتے

انوارِ خیم



کچھ دن سے تیرے غم میں کمی پارہا ہوں میں
 کس کس کو رازدار بناؤں جہان میں
 شاید کہ اب حیات سے اکتا گیا ہے دل
 کس کس کی بزمِ ناز میں دہراؤں حالِ دل
 نہ کوئی یاد آتا ہے نہ کچھ اپنی خبر مجھ کو
 میری سادگی دیکھو ابھی کو دوست کہتا ہوں
 یہ کس منزل پہ لے آیا مرا ذوقِ نظر مجھ کو
 فریبِ دوستی دیتے رہے جو عمر بھر مجھ کو
 ہمیں بھی مسکرانے کی ہے خواہش
 نہ چھپرائے ہمنشیں ذکرِ بہاراں
 مگر حالات سے مجبور ہیں ہم
 کہ اب گلشن سے کوسوں دور ہیں ہم

روح انتخاب

افراد میں جاہل مغربی اخلاق اس طرح سرایت کرتے جا رہے ہیں جس طرح درختوں کے رگ و ریشہ میں پانی اور تاروں میں بجلی دوڑ جاتی ہے۔ اسلامی ممالک میں مغربی مادیت پوری شان کے ساتھ دیکھنے میں آتی ہے، خواہشاتِ نفس کی اندھا دھند پیروی، زندگی کی نہ بچھنے والی پیاس اور نہ مننے والی بھوک اس قوم میں پیدا ہوتی جا رہی ہے جس کے نزدیک آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے، مغربی علوم اور تہذیب کے اثر سے آخرت کا خیال روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے اور حیاتِ دنیا کی اہمیت اور کشش بڑھتی جا رہی ہے، اعزاز و فخر و جاہ کے حصول میں اور سر بلندی اور سرفرازی کی کوشش میں بلند حوصلہ اور ترقی پسند مسلمان یورپ کے ترقی یافتہ لوگوں کے نقش قدم پر گامزن ہے، اصول و اخلاق پر فوائد اور مصلحتوں کو ترجیح دینے کا مرض پھیل گیا ہے، مادی قوموں کی تقلید میں ظاہری نمائش اور کھوکھلے مظاہر کی گرویدگی بڑھ گئی ہے، انسانوں کی بندگی، قوت اور دولت کے سامنے سرائے گندگی اور "شاہ پرستی" میں کہیں کہیں یہ موحد اور مجاہد اُمتِ مشرک اور غلامِ طینت قوموں سے زیادہ ممتاز نظر نہیں آتی۔ (مولانا ابوالحسن علی ندوی)

دائمی دین کے ذاتی اوصاف کے سلسلہ میں ایک آخری اور بنیادی وصف استغناء ہے جس کے بغیر تبلیغ کا وقتاً اور احترام قائم نہیں رہ سکتا، لاپچی اور خود غرض انسان کبھی میدانِ تبلیغ کا مرد نہیں بن سکتا اور نہ کبھی بے باکانہ تبلیغ کر سکتا ہے، گویا خشیتِ اللہ کے بجائے خشیتِ الخلق، درحقیقت لاپچ اور طماعی ہی سے پیدا ہوتی ہے، اور تبلیغ کے قلب میں جب اپنے مستفیدوں سے طمع پیدا ہو گئی تو یقیناً وہ اُن کا محتاج ہو گیا اور محتاج انسان کمزور ہوتا ہے، اس لئے اس میں تبلیغ حق کی جرأت پیدا ہی نہیں ہو سکتی اور نہ وہ مخاطبوں پر اچھا اثر قائم کر سکتا ہے۔
آز بگزار و بادشاہی کن

اس لئے تبلیغ کا سب سے بڑا جوہر استغناء اور خود داری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے تبلیغی مساعی کے سلسلہ میں خوف و خشیتِ الہی اور اتباع رسالت کا وعظ سنانے سے پیشتر اپنے جس جس وصف کا کھول کھول کر اعلان کیا وہ سو اُسے استغناء کے دوسری چیز تھی، چنانچہ حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت لوط، حضرت شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تبلیغی مواعظ کے سلسلہ میں قرآن نے سب کا ایک ہی قول نقل کیا ہے۔

مِمَّا اسْتَلْكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اجْرٍ اَوْ اَجْرِي
اِلَّا عَلَى رِبِّ الْعَالَمِينَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَاطِعُونَ

میں ہیں کام پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے، پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔
(مولانا قاری محمد طیب)

تماثائی کے قلم سے

پرچھائیاں

روس کے شعبہ ہائے سائنس دانوں نے "سیارے" فضائیں کیا چھوڑے کہ بیچارے اُن دن ہو وور کو امریکہ میں اپنی ساکھ باقی رکھنی مٹس ہوگئی، وہاں کے عوام اپنے پریسیڈنٹ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ تم بھی روس کے "سیاروں" کے جواب میں کوئی "سیارہ" منظر عام پر لاؤ روسی راکٹ، چاند کو چھو کر دم لے گا، تو ہم امریکہ والوں نے "سیارے" کو تم سے کم مرتبہ د عطار د سے نچرا جانا چاہئے، یہ "سرخ" ہم "سفید فاموں" سے سائنس میں آگے سے طرح بڑھ گئے! ہمارے سائنس دان اب تک خواب خرگوش میں کیوں مبتلا رہے! اس میدان کے شہسوار تو اب ہم تھے، اور اب روس کے "دو سیاروں" کی بدولت ہم "پیدل" بنے جا رہے ہیں! یہ آخر ہوا کیا؟ امریکہ کی علمی عظمت کے جھنڈے سرنگوں کیوں ہو گئے! اے دانشنگن اور ولسن کی روجو! تم اگر ہماری فریاد سن سکتی ہو، تو ہماری کچھ امداد کرو!

امریکہ کے سائنس دانوں کی غیرت بھی سُنا ہے کہ جوش میں آگئی ہے۔ اور بس کوئی دن جاتا ہے، سُن لیجئے گا کہ روس کے ہتھلے پر امریکہ نے اپنا دہلا دے مارا! روس نے اپنے راکٹ میں "کتے" کو بٹھا کر بھیجا ہے امریکہ کے جواب میں "بتی" کو افلاک کی خبر لینے کے لئے بھیجے گا "کتا" مانا کہ وفادار ہوتا ہے مگر "بتی" کی طرح چالاک اور بے صبر تو نہیں ہوتا! وہ جو کسی شاعر نے کہا تھا:-

بلبلوں کو ہے یہ حسرت کہ ہم اُلونہ ہوئے

نورُوس کے اس "کتے" کی شہرت اور مقبولیت کو دیکھ دیکھ کر ختن کے ہرن کجلی بن کے ہاتھی، افریقہ کے بر شیر، عالمیہ کی ترائی کے بارہ سنگھے اور نہ جانے کون کون جانور حسرت کر رہے ہیں کہ کاش! روس کے اس "کتے" کی تقدیر میں مل جاتی!

اگر یہ تاریخی "کتا" روس میں زندہ واپس آ کر فر گیا یا راکٹ ہی میں مردہ پایا گیا تو پھر اس کی قبر پر وہ عظیم الشان منبہ بنے گا کہ فن تعمیر اس پر ناز کرے گا!

اگر ایسا ہو گیا تو پھر سن لینا کہ روسی حکومت پاکستان کے کسی آگے ہوئے مولوی کی خدمات حاصل کرے گی اور اس تاریخی کتے کے غرس کا بندوبست فرمائیں گے، اور یہ عرس اس دھوم دھام سے سال کے سال ہوا کرے گا کہ بڑے بڑے میلے ٹھیلے اس کے آگے دب کر رہ جائیں گے، کتے کی قبر پر چادریں چڑھیں گی، چراغاں ہوگا، قوالوں کی چوکیاں حاضر ہوا کریں گی، "کتے" کے نام پر دیگیں پکا پکا کر لٹائی جائیں گی، اور ماسکو ریڈیو تمام دنیا بھر میں

ڈھنڈورا پیٹنے گا کہ جس حکومت میں کتے کی قبر مرجع عقیدت بنی ہوئی ہو، کون کہہ سکتا ہے کہ وہاں مذہب اور روحانی اقدار کی حفاظت نہیں کی جاتی!

روس کے راکٹ میں بیٹھ کر قمر و عطارد کی طرف اسے پرواز کرنے والے کتے! "تو سب لیڈروں سے زیادہ زندہ باد"

لوگ کہتے ہیں اور ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ مسٹر شہید سہروردی پاکستان بننے کے بعد دوبارہ "شہید" ہو چکے ہیں، اُن کی پہلی شہادت مسٹر غلام محمد مرحوم کے دور آمریت میں واقع ہوئی جب وہ قانون کے وزیر تھے، اور دوسری تازہ ترین شہادت ابھی حال میں رونما ہوئی کہ وزارتِ عظمیٰ کی کرسی سے وہ بیدخل کر دئے گئے! شاید فانی نے اپنی سہروردی صاحب کے لئے یہ مصرعہ اب سے کوئی تیس چالیس سال پہلے کہہ دیا تھا۔

۵ زندگی نام ہے مَرَمَر کے جتنے جانے کا

سہروردی صاحب ہار ماننے اور نچلے بیٹھنے والے نہیں ہیں، وہ سال میں دس بار بھی اس طرح "شہید" ہوتے رہیں کہ منصب اُن کو ملا اور پھر چھین گیا، حکومت کی کرسی پر وہ براجمان ہوئے اور پھر کرسی موٹھوں کے غائب یہ کیا اسے منظر العجائب! "کا معاملہ پیش آ گیا۔۔۔ لیکن "کرسی" کی تمنا اُن کے دل سے نکل نہیں سکتی، لیلائے حکومت کے وہ ایسے قیس ہیں کہ بگولوں کو دیکھ کر ہی دل کو تسلی دے لیتے ہیں کہ یہ محلِ سلیمان ہے جو اُن کی طرف بڑھا جلد آرہا ہے!

سہروردی صاحب انگریزی زبان کے ایک طرف جادو بیان مقرر ہیں اور دوسری طرف "ڈانس" میں بیبل چودھری اور مس آذوری کے "ہم ذوق" اور "ہم فن" ہیں! لوگوں کے حافظہ سے یہ بات مشکل ہی سے محو ہو سکے گی کہ پاکستان کی وزارتِ عظمیٰ کے منصبِ جلیل پر ایک رقاص وزیرِ اعظم بھی فائز رہ چکا ہے!

پبلک اور اخبار نویسوں کو عوامی لیگ کی سابق حکومت کی ایک ایسی "نازک رگ" ہاتھ آگئی ہے کہ جس کے ذرا سے چھو جانے سے عوامی لیگ کے بڑے لوگ اور چھٹ بھیا سب کے سب تھلا جاتے ہیں بلکہ بوکھلا اٹھتے ہیں! عوام کا مطالبہ یہ ہے کہ سہروردی صاحب کے دورِ حکومت میں تجارت کے جو پرمٹ اور لائسنس دئے گئے ہیں، اُن کی تحقیقات کرائی جائے! اس پر عوامی لیگیوں کی طرف سے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ تحقیقات سہروردی صاحب کے دورِ حکومت ہی تک کیوں محدود رہے۔ پاکستان جب سے وجود میں آیا ہے، اس وقت سے اب تک کی تمام حکومتوں کے کارناموں کی جانچ پڑتال کی جائے! بات بہت معقول اور جواب سونی صدی درست ہے مگر اس کو کیا سمجھے کہ اس "جواب" میں اقرارِ جرم جھلک رہا ہے۔

سے ادھر لا ہاتھ، مٹھی کھول، یہ چوری یہیں نکلی

تماشا ئی عرض کرتا ہے کہ اس قسم کے جواب کو "الزامی جواب" کہتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے

کوئی چوری کا ملزم عدالت میں حاضر ہو کر مجسٹریٹ سے درخواست کرے کہ حضور! میرے مقدمہ کی سماعت کیساتھ تمام اگلے پچھلے چوروں پر بھی فرد جرم لگنی چاہیئے اس حمام میں میں اکیلا ہی ننگا تھوڑی ہوں! مگر ملزم کی اس نشاندہی سے اس کے مقدمہ کی سماعت تو ملتوی نہیں کی جاسکتی! انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ:

"Red-handed" ملزموں کے مقدمات کی سب سے پہلے سماعت کی جائے! کسی چور کے یہ کہہ دینے سے کہ میرے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی چوری کی ہے، اس "چور" کا چرم تو ہلکا نہیں ہو جاتا!

اب تک شاعروں کے وطن کی اس قسم کی نسبتوں — بیوی، بھیم، دیو، منگرو، کھتیر، دیو، گد و بندری، چمر گنجوی — سے اہل ذوق متوحش تھے کہ پاکستان میں ایک سیاسی لیڈر کے نام کے ساتھ "لونڈخور" کی نسبت دیکھ کر اور سن کر سانسہ پناہ مانگنے لگا کہ یا اللہ! یہ کیا سننے میں آرہا ہے! تماشائی نے سب سے پہلے "ٹنڈو آدم" جب سنا تو ہونٹوں پر بیساختہ مسکراہٹ آگئی مگر "لونڈخور" سننے کے بعد وہ دم بخود ہے کہ کہے تو کیا کہے! سوائے اس کے کہ سنی کو ان سنی کرے۔

یہ سڑک کہاں جاتی ہے۔
 اک مسافر نے دریافت کیا
 جی! یہ سڑک کہیں نہیں جاتی، یہیں پڑی رہتی ہے۔ دوسرے آدمی نے جواب دیا۔

ایک ہمیں آوارہ کہنا کوئی بڑا الزام نہیں
 دنیا والے دل والوں کو اور بہت کچھ کہتے ہیں

پرگ آوارہ

حبیب جالب کا مجموعہ کلام بہت جلد آپ کی خدمت میں پیش
 کیا جا رہا ہے

پروگریسو ٹریڈرز رام بھارتی اسٹریٹ
 جوڑیا بازار کراچی ۷

ندیم ہاشمی

وضو کر کے!

ن ن ن شہر کے گھنٹہ گھرنے تین بجائے۔ سیٹھ قاسم علی نے جواب حاجی قاسم علی ہو گئے تھے اپنی سٹا سالہ پرانی عینک کو ناک کی ہڈی سے ذرا اونچا کر کے سامنے کی دیوار پر نگاہ ڈالی تو ان کے گھڑیاں میں ابھی پانچ منٹ باقی تھے۔ وقت تنگ ہو رہا تھا۔ میل کو ٹھیک پانچ بجے اسٹیشن پر پہنچا تھا۔ سیٹھ جی نے منشی جی کو ذرا ترشی سے آواز دیکر کہا۔

”منشی جی“

سیٹھ کی آواز سننے ہی منشی برکت کے دل کی دھڑکنیں زقار قلم کے ساتھ ساتھ تیز تر ہوتی گئیں۔ آج نوبر کی بسیں تاریخ ہو چکی تھی اور تین روز قبل سیٹھ قاسم اس سے صرف اتنا کہہ کر اچھی روانہ ہو گیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ بیس نوبر تک انکم ٹیکس کے لئے حساب بنا کر رکھو۔ منشی برکت سیٹھ کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اگر اس نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو نوکری سے نکال دیا جائے گا۔ آہ! آٹھ بچوں کا باپ آج کس آزمائش میں مبتلا تھا۔ مصائب کا طوفان ابھی تھا ہی تھا کہ غریب منشی کی کشتی ایک بھنور میں پھنس گئی۔ پانچ بچے تعلیم کی مختلف منازل کو طے کر رہے تھے بشکیلہ کی شادی سر پر تھی۔ جس پر ہونے والے کم سے کم اخراجات بھی اس بد نظیب کی کمر توڑنے کو کافی تھے۔ دو بچے ابھی معصوم تھے۔ اور اپنے باپ کی مصیبتوں کا اس سے زیادہ کوئی جواب نہ دے سکتے تھے کہ کبھی کبھی اس کے ساتھ سیر کے لئے جا کر اپنی تو ملی زبان سے چند معصوم سوالات کر کے اس کا دل بہلا دیا کریں۔ پانی کی طرح روپیہ بہانے کے بعد ڈیڑھ سال سے تپ و آق کی مریض بیوی موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ جاؤ اور گردش زمانہ کی بھینٹ چڑھ چکی تھی وقت نے گھر سے بے گھر کر دیا تھا۔ عزیز واقرباء بیسویں صدی کے اس خوفناک طوفان کی نذر ہو چکے تھے، جسے نخلات میں بسنے والے ۱۹۴۹ء مبارک دن سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن منشی برکت کے لئے وہ دن اپنے تیس سالہ جوان بھائی صادق کی لاش کو ایک کہنہ درخت کی خزاں رسیدہ شاخ پر اٹا لٹکتے ہوئے دیکھنے کا دن تھا۔ جس کا کٹا ہوا سر خاک پر پڑا، اپنے بھائی کے آنسوؤں کا مذاق اڑا رہا تھا۔ منشی برکت کے لئے وہ دن اپنے قریب ہی بہنوئی کے مکان سے بہن کی فلک شگاف چھین سننے کا دن تھا۔ جب کہ انسان قادر ہے۔ گرد و آبرو سے نکل کر توفیٰ عصبیت کا جنازہ پڑھ رہے تھے۔ منشی برکت کے لئے وہ دن اپنے دو سالہ معصوم بھانجے کی لاش کو پہلے فضا میں نیزے کی نوک پر اور پھر اپنے ہی گھر کے صحن میں گرتا ہوا دیکھنے کا دن تھا۔ جس کے پیٹ سے انٹریاں نکل کر قومی عظمت کو داد جہود دیتی ہوئی زمین پر پھیل گئیں۔ منشی برکت کے لئے وہ دن اپنی اور اپنے بال بچوں کی زندگی سے مایوس ہو جانے کا دن تھا۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اسے گاؤں

کے چوہدری برکت سے سینھ کا منشی برکت بنا تھا، اسے اپنی خود ارطبیعت پر ذلت آمیز چوٹیں مہنا تھیں۔ چوہدری برکت گاؤں والوں کے لئے رحمت تھا لیکن آج اسے دوسروں کے رجم و کرم پر زندگی کے دن پورے کرنے تھے۔ وہ خوشحال تھا۔ دولت مند تھا۔ صاحب شان و شوکت اور قدر و منزلت کا مالک تھا۔ لیکن آج اسے نو سال تک درد کی قھو کریں کھا کر سینھ قاسم کے درد دولت پر پیشانی رگڑنا تھی۔ وہ بیٹوں، بیواؤں اور بے کسوں کا ہمدرد تھا لیکن آج اسے ایک نفس پرست کے ہاتھوں پر جمعیت کرنی تھی۔ اس کا ہاتھ تنگ دستوں پر فرخ اور ضرورت مندوں کی آخری امید گاہ تھا۔ لیکن آج اسے تنگ دل و رجم ظرف قرض خواہوں کی دھمکیاں اور ملاحیاں سننی تھیں، قادر مطلق نے شاید اسی روز کے لئے اسے خونخوار انسان بنا بھیڑیوں کے منہ سے بچایا تھا۔ کاش ان چیتوں نے، سے اسی روز پھاڑ کھایا ہوتا تو آج وہ ان اثر دہوں کے منہ میں نہ ہوتا جو انسانیت کو گل کر اگل دیتے ہیں اور اگل کر پھر نکل جاتے ہیں۔

گر آہ! مقدر کا ستارہ کسی کی خواہش پر اپنی سمت نہیں بدلتا، عین اس وقت جب کہ سکھ ورنندے چوہدری برکت کے عزیز و اقربا کو جو سب کے سب اس کے پہنوی کے مکان پر جمع ہو گئے تھے مرغ بسمل کی طرح تڑپتا ہوا چھوڑ کر اس کے مکان کی دیوار پر چڑھ رہے تھے۔ تو کچھ پاکستانی سورناؤں کو اسے بچا لینے کی شرارت سوچھی اور انہوں نے ایک سکھ کو گرا کر باتیوں کو بھٹکا دیا۔ اور چوہدری کو ح اہل و عیال سر زمین پاکستان میں لے آئے۔ اس وقت اس کے ساتھ پانچ بچے اور ایک بیوی یعنی گھر کے کل سات افراد تھے، وطن سے کچھ زیور اور نقدی بچا کر لائے تھے لیکن وہ بائیس سال کی مسلسل بیکاری کی نذر ہو چکے تھے۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ کسی کے آگے دست سوال دراز کئے بغیر چارہ نہ تھا۔ لیکن چوہدری کی غیرت اور ڈروری آٹے آئی۔ دو سال کیسوں میں گزارنے کے بعد بعد مشکل ایک تنگ و تاریک آبادی سے دوپکے مکان میں سر چھپانے کو جگہ تو مل گئی۔ لیکن دائے قسمت جتنا کہ تھوڑا بہت سرمایہ تھا ہر طرح کی کوشش اور دوڑ دھوپ کے باوجود رکان نہ مل سکی۔ اور چوہدری برکت کو نہ معلوم خدا نے کیسی سخت جان دی تھی۔ کہ ہر آزمائش سے گذر گیا۔ ہر ابتلا کا سامنا کیا۔ مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کر گیا۔ لیکن اپنی دینی غیرت اور۔ اصول زندگی بچھے کیلئے تیار نہ ہوا۔ پانچ سال بعد جب سر نہ ختم ہوا۔ کار پر دازان حکومت سے لغزش ہو گئی اور سرکاری قلم جنبش میں آکر چوہدری کے نام ایک دکان الاٹ کر گیا۔ لیکن اب تو گھر میں پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ جبورا دکان واپس کر کے لوکری کی تلاش میں سرگرداں پھرنے پڑا۔ دو ماہ کی فاقہ کشی کے بعد ایک سرکاری ٹھیکیدار کے ہاں سو روپے ماہوار پر ملازمت مل گئی۔ مگر والوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور زندگی اب قدرے سکون سے بسر ہونے لگی۔ لیکن آہ! مصائب کا چکر ابھی ختم نہیں ہوا۔ کتنی بھنور سے نکلی ہی تھی۔ کہ طوفان باد و باراں نے آگیا۔ ابھی وہی سال ہوئے تھے۔ کہ ٹھیکیدار کے پالس کرم خاں ایس ڈی۔ اے نے اپنا آدمی بھیجا کہ اسے اپنے یہاں کرنی نہ کوئی ملازمت دے کر ہماری خوشنودی حاصل کرو، بس اب گیا تھا۔ ٹھیکیدار پہلے ہی اپنی بددیانتیوں اور بے اعتدالیوں کی راہ میں چوہدری کو رکاوٹ سمھتا تھا۔ اسے چوہدری کے صاف و شفاف آئینہ حیات میں اپنی بے اصول زندگی کا عکس دیکھنا تو پہلے ہی ناگوار تھا۔ ایس ڈی۔ اے کی سفارش نے اسے او بھارا دیا۔ اور اس نے فوراً اپنے منہ سے اور دیا مندار ملازم کو غلط سلط بے بنیاد الزام لگا کر نکال دیا۔

چودھری کا سینہ حیات پھر سے چکولے کھانے لگا۔ دنیا اس کے سامنے اندھیر ہو گئی۔ آزمائشوں پر آزمائش طوفانوں
پر طوفان مہبتوں کا ایک سلسلہ جو ختم ہونے پر نہیں آتا۔ حادثاتِ زمانہ نے چودھری کو بہت لاغر کر دیا تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں اندر
دھنس گئی تھیں۔ چہرے کی سرخی زردی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ رخسار پچک گئے تھے۔ عمر اگرچہ چالیس پینتالیس سے زیادہ
نہ تھی لیکن بڑھاپے کے آثار ابھی سے نمایاں تھے۔ البتہ اس کا دل بھی جوان تھا۔ اس کے لبوں میں حرارت باقی تھی۔ وہ
جرات ایسا ہی کا مجسمہ عزم و ارادہ کی چٹان تھا۔

وہ اپنے مضبوط ارادوں کو لیکر پھر سے تلاش روزگار میں نکل کر کھڑا ہوا۔ اور آج سے ڈیڑھ سال قبل اسی شہر میں
داخل ہوا جہاں اب وہ سیٹھ قاسم کا منشی ہے۔ شہر بھر میں حاجی قاسم علی کی بزرگی پر ہنرگاری اور سخاوت کا چرچا تھا۔
گرد و نواح کے لوگوں پر ان کے زہد و تقویٰ کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ حاجی جی نے شہر میں تین تین چھوٹی چھوٹی اور ایک بہت
بڑی سہ گبنہ مسجد بنوا کر امیر و غریب کے دل میں مقام حاصل کیا تھا۔ ہر سال محفل میلاد کا اہتمام کرتے جس میں ملک کے بڑے
بڑے علماء حقیقت پیرانِ طریقت اور صالحین معرفت زہد و تقویٰ کے امام علمبردارانِ دین بھاری نذرانوں کی پیشکش برآتے
اور رونق محفل کا باعث بنتے۔ خانقاہ روحانیت کے یہ اجارہ دار بھی اپنی احسانمندی و فاشاری اور نمک خلاتی
کا پورا پورا ثبوت دیتے۔ جلسوں اور تقریروں میں سیٹھ صاحب کے گن گاتے ان کی ترفیوں کے پل باندھتے۔ اور خدا و
رسول کی حمد و ثناء سے پہلے سیٹھ قاسم کی حمد و ثناء میں زمین و آسمان کے قلابے ملا تے۔ سیٹھ قاسم کی کاروں کو
وہ براقِ ارضی کا خطاب دیتے۔

اور سیٹھ قاسم کے خاموش اشاروں کو "امرار معرفت" کہتے انہی دنوں میں سیٹھ جی بارہویں شریفین کی تقریب
میں شاندار دعوت کا اہتمام فرماتے۔ جس میں بڑے بڑے افسروں اور مہربانوں کو بلایا جاتا، روشنی پر تکلف کھلا
قیمتی موٹروں کی نمائش افسروں کے لئے سیر و شکار کا انتظام نرض "صاحب الفخر فخری" کی یاد میں ٹھاٹ باٹ کا پورا پورا
نظارہ نیا جاتا۔

شہر کے قریب ہی خواجہ دو جہاں فخر الاویا حضرت غریب نواز پیر شمس الحق تاشقندی کا مزار ہے۔ جن کی حیرت انگیز کرا
اور بیش بہا برکتوں سے لوگ ایک عرصہ تک نا آشنا رہے آج سے کوئی سات سال قبل سیٹھ قاسم کی نگاہ معرفت اور نگاہ
لوگوں کو ان سے فیضیاب ہونے کا موقع عطا کیا۔ اور انہی ایام میں جبکہ ہر طرف محفل میلاد کے چرچے لوگوں کو کیفیتِ حقیقت
سے اطمینان دے رہے تھے سیٹھ قاسم نے مزار کی بے رونق چار دیواری کو ایک عظیم الشان خانقاہ میں تبدیل کر کے
حضرت بند نواز کے سالانہ عرس کی داغ بیل بھی ڈال دی۔ عرس محفل میلاد سے متصل تاریخوں میں ہوتا ہے جس کا لاکھوں
روپیوں کی سالانہ آمدنی سیٹھ جی کی تجویز کی زینت بنتی ہے۔ تجارت تو ان کا آبائی پیشہ تھا ہی لیکن اب وہ بہت
بڑے گدی نشین اور بزرگ دین بھی بن گئے تھے۔ ہر سال ان دنوں میں ایشیا رضرت کی ہنگامی زوروں پر
تھی۔ میلہ میں عورتوں بچوں جوانوں اور بڑھوں کی وہ دلچسپیاں! فقیدروں کا شوق پیروں اور پیر زادوں کے نذر
دن چھینے کو تھا۔ سوچ دن بھر کے سفر سے تھک کر شب کی گودی میں پناہ لینے جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ
اب تک دنیا سے حرص و ہوس کو کوئی پیغام سناتا رہا ہے۔ اور گمراہ انسانیت کو اپنے چشم زید واقعات سنا کر اب باپوسر
ہو چکا ہے چہرے کی زردی بنا رہی ہے کہ آدم زادوں کی اس بے توجہی کا اہتمام لے کر چھوڑے گا۔ عین ممکن ہے کہ

اور اس کا پانچ روپے ماہوار وظیفہ بھی سیٹھ صاحب مولوی صاحب کے حوالے کرتے تھے۔ سیٹھ کے تیس پینتیس ملازم بھی ایک ایک دو دو روٹیاں صبح شام دے دیا کرتے، جس سے خاصہ گزارہ ہو جاتا۔ بازار میں خشک روٹیاں تین آنے سیر میں یک جا تیں اور اس طرح ہر مہینہ مولوی صاحب کی جیب میں پچاس ساٹھ روپے آجاتے جن سے وہ اپنے بیوی بچوں اور دوسو کی ضروریات کو پورا کیا کرتے۔

اس وقت خلافت معمول پھانک پر کسی کی کھٹ کھٹ سن کر چونک پڑے لیکن پھر کچھ سچ کر خاموش رہے۔
 "دوست محمد" مولوی صاحب نے مسجد کی دیوار کے قریب کھڑے ہو کر آواز دی۔

"ہاں جی! کہیئے" دوسو نے مسجد کا نڈکا چلاتے ہوئے کہا

"بیٹا کیا کر رہے ہو؟ ذرا چراغ تو لے آنا۔ کنبخت بجلی کو آج نہ معلوم کیا ہو گیا اتنی دیر ہو گئی جلتی ہی نہیں دیر سے ڈھیلا تماشش کر رہا ہوں ملتا ہی نہیں اور میں اسٹینجے کے لئے سردی میں کھڑا ٹھہر رہا ہوں۔" مولوی صاحب نے کانپتی ہوئی آواز سے کہا۔

"مولی جی۔ ابھی لایا۔ نڈکا چلا رہا تھا۔" اور تھوڑی ہی دیر میں دوسو چراغ لے آیا۔
 کھٹ... کھٹ... کھٹ۔

"اس وقت آج کون آیا ہوگا۔ جب سے میں آیا مجھے یاد نہیں کہ ایسے وقت کوئی سیٹھ کے پاس لے کے آیا ہو۔ کوئی اجنبی ہوگا۔" دوسو نے مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر کہا۔
 "کوئی تو ہوگا احمق۔ تم ذرا جلدی سے ڈھیلا ڈھونڈ لاؤ، چارڑے کے مارے میری تو جان پر بنی توبہ میرے اللہ۔ استغفر اللہ۔ ہمارے گناہوں کی شامت ہے یہ۔"

"لیکن جی وہ تو بیچارہ سردی میں مر جائے گا۔" دوسو نے دو تین ڈھیلے دیتے ہوئے کہا
 "میں جا کر چوکیدار کو نہ لے آؤں" دوسو نے ذرا توقف کے بعد بے چین ہو کر کہا۔

"تم بھی زے احمق ہو۔ ارے پاگل وہ تو بالی دیوانہ ہوگا۔ دن بھر بازار میں پھرتا رہتا ہے۔ رات کو کبھی کبھی اس طرف آجایا کرتا ہے۔ اگلے روز بھی میں نے اسے مغرب کے بعد بڑے شیشم تلے بیٹھا دیکھا تھا۔ تو جلدی سے اذان دو۔ وقت ہو رہا ہے" اور مولوی صاحب ذرا دور جا کر ایک پودے کی اوٹ میں بیٹھ گئے۔
 دوسو نے جلدی سے وضو کر کے اذان دی اور مولوی صاحب کے آنے سے پہلے ہی وہ پٹھان چوکیدار کے پاس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد مولوی صاحب فارغ ہو کر آئے تو دوسو قائب تھا۔

"اس جاہل کو کتنی بار سمجھایا کہ اذان کہنے کے بعد مسجد سے باہر چلے جانا مکروہ ہے۔ لیکن اس کے دماغ کوئی بات تکتی ہی نہیں۔" مولوی صاحب نے ڈھیلا پھینکتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔ اور پھر وضو کرنے بیٹھے۔
 وضو کر کے بیٹھے ہی تھے کہ بجلی کے قہقہے روشن ہو گئے۔

"ہوں! اب آئی کنبخت! جب ضرورت تھی تو اندھیرے میں سر تارتا رہا۔ اب جھک مارنے کے لئے آگے مولوی صاحب رومال سے منہ پونچھتے ہوئے زیر لب بڑبڑائے۔ اتنے میں دوسو خان بابا ایک اجنبی کو ساتھ مسجد میں داخل ہوئے۔ اجنبی کے چہرے پر تھکاوٹ اور پریشانی کے آثار نمایاں تھے اور سردی سے برا حال

”السلام علیکم مولانا“ تو وار د نے مولوی صاحب کی وجہہ شکل اور بارعب چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ساتھ ہی اپنے پٹھے پرانے سیاہ کبیل کو سنھالتے ہوئے مولوی صاحب کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔
 ”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ کہئے کیسے آئے۔ کس سے ملنا ہے۔ کیا کام ہے؟

مولوی صاحب ایک ہی سانس میں چاروں جملے کہہ گئے۔

”مجھے سیٹھ قاسم علی صاحب سے ملنا ہے“ اجنبی نے کہا۔

”لیکن وہ تو اس وقت آپ کو نہیں مل سکیں گے۔ آپ صبح تشریف لائیں ہم آپ کو ان کے میجر سے ملا دیں گے۔ آپ کا پیغام سیٹھ صاحب کے پاس پہنچا دیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی ملاقات ہو جائے۔“
 لیکن میں تو ان سے ابھی ملنا چاہتا ہوں۔ وہ نماز پڑھتے نہیں آئیں گے کیا ہے؟“ اجنبی نے اپنی پریشانی کو ظاہر کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں وہ گھر پر ہی پڑھ لیا کرتے ہیں۔ کبھی کبھی مسجد میں آتے جاتے ہیں لیکن آج تو یقیناً نہیں آئیں گے۔“

”یہ آپ کو کیسے معلوم ہے کہ آج وہ نہیں آئیں گے؟“ اجنبی نے پوچھا۔

آج شام کو مجھے بھی ان سے کچھ کام تھا اور اس کے لئے میں نے ان کے ملازم خاص سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آج ان کی انگلی میں جب کہ وہ اپنے بچے کو پھول توڑ کر دے رہے تھے ایک کانٹا چبھ گیا تھا جس کی انھوں نے اپنے فیملی ڈاکٹر کو بلا کر مرہم پٹی کرائی تھی۔ ڈاکٹر نے انھیں مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔
 ”لیکن اس وقت ایک میل پیدل چل کر واپس جانا ان کے لئے انتہائی تکلیف ہوگا۔“ دوسرے نے فکر مند ہوتے ہوئے کہا۔

”اچھی بات ہے! آپ خان بابا کو ساتھ لیکر جائیں شاید کام کی کوئی صورت نکل آئے۔“ مولوی صاحب نے دوسرے کی بات کو بھروسہ سے چڑھاتے ہوئے قدرے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

سیٹھ کے میجر لطیف کا منشی قاضی کمال مسجد میں آچکا تھا۔ دوسرے چوکیدار مالی اور خانسانے وغیرہ تو پہلے کافی دیر سے آئے ہوئے تھے۔ قاضی جی کے آتے ہی مولوی صاحب مصلے پر کھڑے ہو گئے۔

”نماز پڑھ لوں پھر آپ بھی میرے ساتھ چلیں شاید کوئی صورت نکل آئے۔“ ایک اجنبی نے صف میں کھڑا ہوتے ہوئے کہا۔

”لیکن میرا خیال تھا کہ آپ سیٹھ صاحب کے آرام کرنے سے پہلے جائیں۔“ مولوی صاحب نے کچھ مایوسانہ لہجے میں کہا۔ لیکن اجنبی کوئی جواب دے بغیر اپنے پاؤں ہلانے لگا۔ نماز باجماعت پڑھنے کا فرض ادا کرتے ہی مولوی صاحب نے سیدھی گھر کی راہ لی۔ البتہ دوسرے ’چوکیدار‘ اجنبی اور دوسرے نمازی مسجد میں سنتیں پڑھنے لگے۔

آج دوسرے کو ایک اجنبی کے ساتھ مولوی صاحب کے سلوک پر بہت افسوس ہوا۔ وہ طبعاً نرم دل اور صوفی و بے لوث تھا۔ لیکن اس کا ذہنی اور علمی معیار اتنا نہیں تھا کہ وہ اس خلاف توقع سلوک کے پس منظر

اور پیش منظر کی گہرائی تک جاسکتا۔ وہ نیران تھا کہ مولوی صاحب نے اجنبی سے اس کا نام تک نہیں پوچھا لیکن حیرت و استعجاب سے زیادہ کچھ سوچنا اس کے بس میں نہ تھا۔ اور نماز سے فارغ ہونے تک یہ سب کچھ اس کے ذہن سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا۔ اور اپنی فطرت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے وہ اجنبی سے یوں گویا ہوا۔
دوسو۔ اب کیا ارادہ ہے آپ کا؟ میرا تو خیال ہے آپ صبح ہی ملیں تو اچھا رہے گا۔۔۔۔۔ کیوں چودھری جی آپ خاموش کیوں ہیں؟

چودھری برکت:۔ لیکن اس وقت جا کر پھرانا مشکل ہوگا۔ بہتر ہے ابھی مل لوں۔
دوسو:۔ آپ جائیں گے کہاں؟ اگر مناسب سمجھیں تو رات مجھ غریب کی جھونپڑی میں بسر کریں۔ صبح ہوتے ہی ملاقات کا انتظام ہو جائے گا۔

چودھری:۔ لیکن آپ کو تکلیف ہوگی۔
دوسو:۔ اچھا تو میری غوشی کو آپ تکلیف کہتے ہیں۔ تو کیا میری خوشی اس میں ہے کہ آپ میری خواہش کو ٹھکرا دیں۔

دوسو کے خلوص میں اب شک کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی۔ چودھری نے اس کی بات مان لی۔ مختصر سا بستر تو چودھری کے پاس تھا ہی۔ رات دوسو کی چار پائی پر گزار دی۔ دوسو نے اپنا بستر چٹائی پر بچھا دیا۔ کھانا آیا تو دونوں نے مل کر کھایا۔ دوسو اپنے مہمان کی خدمت کر کے بہت مسرور تھا۔ اسے مولوی صاحب نے کئی مرتبہ بتایا تھا کہ حضورؐ اپنے مہمانوں کی بہت خاطر مدارات کرتے تھے، اور کئی کئی دن اس لئے فاقہ کشی میں گزار دیتے کہ گھر میں اپنے حصہ کے سوا مہمانوں کے لئے اور کھانا نہیں ہوتا تھا۔ آج وہ دن ہی دل پر خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ کہ حضورؐ کے نقش قدم پر چلنے کا ایک موقع مل گیا۔ اسے مولوی صاحب کے ہاں سے اور کھانا منگوانے کی بہت ہی نہیں ہوئی۔ لیکن اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ اپنے کھانے میں سے وہ مہمان کو خبر کئے بغیر کم سے کم کھائے۔

صبح نماز سے فارغ ہوتے ہی دوسو نے چوکیدار سے مل کر میسر لطیف کے ذریعہ سے سیٹھ کو چودھری کی درخواست ملازمت بھجوا دی۔ چودھری کو انتظار گاہ میں بیٹھے دو گھنٹے ہوئے تھے۔ انتظار کی ایک ایک گھڑی اُسے بڑی طویل و صبر آزا معلوم ہو رہی تھی، متضاد قسم کے خیالات چودھری کے تصور میں گھوم رہے تھے۔ "ہاں" اور "نہیں"۔ نفی اور اثبات۔ دونوں قسم کے جوابات مجسم شکل اختیار کر کے اسی کے سامنے آتے۔ کبھی کبھی آپ کو سیٹھ کی موہومہ شکل کے سامنے محسوس کرتا۔ پھر وہ خود سیٹھ کی طرف سے کچھ سوالات پوچھتا اور خود ان سوالات کے جوابات دینے لگتا۔ کبھی نرم کبھی سخت، کبھی اسید افزا کبھی مایوس کن غرضیکہ سوالات کو بوجھاڑ تھی جو ملاقات سے پہلے ہی اس پر ہونا شروع ہو گئی وہ تصورات کی دنیا میں کھویا ہوا تھا۔ کہ اچانک ایک بھاری پھر کم۔ موٹا تازہ گورا بھٹان ہلکے فیوزی رنگ کی وردی میں ملبوس اپنی بڑی بڑی موچھوں کو انداز سے تاؤ دیتا ہوا نظر ہوا۔ یہ بہیت خاں "سیٹھ کا خاص اردلی تھا۔
"چاؤ وردی بازگت کھون ہے۔"

ہیبت خاں نے کمرے کے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں ہوں خاں صاحب فرمائیے“ چودھری نے جلدی میں کرسی سے اپنی پشت ہٹاتے ہوئے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”تم کو سیٹھ صاحب اندر بلاتا ہے۔“

اتنے میں چودھری اپنے کپڑوں کو بھاڑ پونچھ کر اور بالوں کو ٹھیک کر کے سیٹھ کی حاضری کے لئے تیار ہو گیا۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی چودھری برکت سیٹھ قاسم علی کے سامنے تھا۔

خوبصورت۔ چوڑی پیشانی۔ بھرا ہوا چہرہ۔ پنکھ کی طرح پھیلی ہوئی چمکدار حنا زدہ ڈاڑھی۔ داہنے بازو کی کہتی کے ساتھ گاؤ تیکے پر ٹیک لگائے ہوئے اسی ہاتھ میں تسبیح تھی۔ جس کے ہلکے رنگ کے سُرخ چمکدار چکنے چکنے دانے سیٹھ کی انگلیوں سے سرگوشیاں کر رہے تھے کمرے میں قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ جس پر بنے ہوئے کہیں سُرخ کہیں سیاہ اور کہیں سفید پھول، باغ و بہار کا منظر پیش کر رہے تھے!

”اچھا تو آپ ملازمت کے خواہشمند ہیں“ سیٹھ نے کہا۔

”جی حضور“ چودھری نے سلام کرتے ہوئے جواب دیا

”اگر ملازمت کی گنجائش نہ ہو تو!“ سیٹھ نے پھر کہا

”تو پھر حضور جیسے خدا کی مرضی“ چودھری نے اطمینان سے جواب دیا۔

”اور اگر تمہیں ملازمت دے دوں تو پھر“ سیٹھ نے حیرت سے نگاہیں اوپر کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

”تو پھر حضور خدا کا شکر بجالاؤں گا“ چودھری نے جواب دیا۔

”اچھا تو بتاؤ کیا چاہیے۔“ سیٹھ نے تیز لہجہ میں کہا۔

”حضور اپنی محنت سے کمایا ہوا رزق حلال“ چودھری نے سیٹھ کے انداز سے متاثر ہوئے بغیر کہا

”تمہاری باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم ضرورت مندوں میں سے نہیں ہو۔ ہمارے پاس تو روزانہ ضرورت مند آتے رہتے ہیں اور ان کو ہم گنجائش نہ ہونے کے باوجود ملازمت دے دیتے ہیں اگر تم بھی ضرورت مند ہو تو بتاؤ ورنہ ہمارا وقت ضائع نہ کرو۔“ سیٹھ نے ہنسی بھلا کر کہا

”حضور میں ضرورت مند بن کر ہی آیا ہوں البتہ بھکاری بن کر نہیں آیا۔“

”اچھا جاؤ تھوڑی دیر بعد بلا یا جائے گا۔“ سیٹھ نے اگلا دن میں تھوکتے ہوئے کہا۔

”ہیبت خاں“ پر ماؤ جاناب“ ہیبت خان نے جلدی سے کہا

”مینجر لطیف کو بلاؤ۔“ سیٹھ نے کہا۔ ”بوت اچھا خضر۔“

تھوڑی دیر میں مینجر لطیف سیٹھ کے سامنے تھا۔

”مینجر صاحب کیا خیال ہے یہ آدمی تو بہت ہی مغرور معلوم ہوتا ہے“ سیٹھ نے ذرا آہستہ سے کہا۔

”نہیں حضور مغرور نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس نے پہلے کہیں ملازمت نہیں کی میری اس سے

گفتگو ہو چکی ہے، آدمی بہت ہی شریف اور دیانتدار معلوم ہوتا ہے۔ البتہ آداب ملازمت سے ناواقف ہے۔

اور یہ بہت جلد سیکھ لیگا۔ "ہاں سیکھ تو لیگا لیکن اگر اسی کی شرافت و دیانت حد سے بڑھ گئی تو پھر کاروبار کیسے چلے گا۔" حضور دیکھ لیجئے آگے چل کر اگر لوہا بہت ہی سخت نکلا تو اٹھا کر پھینک دینے میں کیا حرج ہو سکتا ہے۔ اس وقت تو ایک ماہ سے منشی کی سخت ضرورت ہے اب اگر اس موقع کو بھی کھو دیا تو پھر پورے کام کے معطل ہو جانے کا خطرہ ہے۔

مینجر کے مشورے پر سیٹھ نے چوہدری برکت علی کو بلایا اور اسے دو سو روپے ماہانہ تنخواہ پر اپنا ملازم رکھ لیا۔ اور اب ایک سال سے زیادہ مدت ہو چکی ہے۔ چوہدری برکت سیٹھ قاسم کا منشی برکت بن چکا ہے۔ دو سو روپے کی معقول تنخواہ ماضی کے واقعات بیوی کی ناگفتہ بہ حالت، بچوں کی تعلیم، مشکلیہ کی شادی، قرضخواہوں کا دباؤ یہ سب رہ رہ کر منشی برکت کو سوچنے پر مجبور کر رہے تھے۔ آج صبح سیٹھ قاسم نے کراچی سے آتے ہی منشی برکت کو آخری تہنید کر دی تھی کہ انکم ٹیکس کے لئے تین بجے تک نقلی حساب تیار کر دو ورنہ ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

منشی جی شنش و پنج میں مبتلا ہو گئے۔ نفس اور ضمیر کی کشمکش شروع ہو گئی تھی اور وہ بیسٹار فائلوں اور جبروں کے گھیرے میں بیٹھے کسی گہری سوچ میں مستغرق تھے مگرے میں سناٹا اٹھایا ہوا تھا۔ وقت اپنی سست رفتاری کے باوجود آج ان کی قوت ارادی سے پہلے ہی فیصلہ پر پہنچتا معلوم ہوتا تھا۔ سامنے رکھی ہوئی گھڑی کی ٹیک ٹیک مگرے کی پڑ سکون فضا کو چھیر رہی تھی، قریب ہی باورچی خانے سے ماما عزیزن کے برتن دھونے کی آواز کبھی کبھی شوخ گھڑی کی ہاں میں ہاں ملا دیتی۔ اور کبھی کبھی سیٹھ کی چھوٹی بچی شاہدہ اپنی اتنی بے عجیب و غریب سوالات کر کے اس خاموشی پر ایک معصوم حملہ کر دیتی۔ لیکن منشی جی دنیا و مافیہا سے بے نیاز اپنے دل کی کھڑکوں میں کھوئے ہوئے تھے!

"اگر مجھے غلط حساب تیار کرنے پر مجبور کر دیا جائے تو اس میں میرا کیا قصور سیٹھ قاسم خود ہی سزا بھگتے گا۔ منشی جی کے ماتھے کی شکنیں جو گہرے سوچ کی وجہ سے سکڑ گئی تھیں۔ اب ذرا کھلنے لگیں۔ نفس نے ضمیر کے مسلسل کچوکوں سے بچنے کے لئے ایک جوابی سپراٹھالی تھی "لیکن کیا تم اس بددیانتی میں شامل نہ ہو گے ضمیر کی ایک ہی ضرب نے نفس کی بوسیدہ ڈھال کو پاش پاش کر دیا۔ لیکن شیطان اتنی جلدی شکست ماننے والا کب تھا۔ اس نے فریاد منشی جی کی ذہنی کیفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا تم حاجی صاحب سے زیادہ نیل ہر تہاری نیکیاں تو ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ وہ رات رات بھر بھلے پر گزارنے والے بزرگ جنھوں نے لاکھوں روپے خرچ کئے اور عظیم الشان مسجدیں تعمیر کر کے اسلام کی خدمت کی جو ہر سال ہزاروں روپے لٹا کر بڑے بڑے مولویوں اور بزرگوں کو بلا کر محبوب خدا کے حضور نذر عقیدت پیش کرتے ہیں جن کی فقیری اور بزرگی کے آگے بڑے سدا یافتہ عالموں نے تسلیم خرم کیا ہے جس نے کئی کئی دفعہ بیت اللہ اور بیت الرسول کی زیارت کی ہے جس نے ملک کے جید علماء کی صحبت میں بیٹھ کر زندگی کا بڑا حصہ گزارا ہو۔ تم اسے دس امانت دو گے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں آج ہر طرف شیطانی کارہاں چل رہا ہے۔ پٹواری سے لیکر اوپر کے بڑے افسر تک شیطان کے ایجنٹ ہیں۔

ہر طرف سود ہی سود، رشوت ہی رشوت، دھوکے کا چلن اور فریب و دغا کا بیوپار۔ تجارت کا پیشہ جسے حضور مقبول کی سند پسندیدگی حاصل ہے وہ بھی ایسا اندازی سے اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے حالات میں اگر ایک بزرگ صورت اور بزرگ سیرت مجبوراً بلیک مار کٹنگ کرتا ہے اور مجبوراً رشوت دے کر شیطان پر لعنت بھیجتا ہے اور مجبوراً غلط حساب دکھا کر اپنے کاروبار کو ناکام ہونے سے بچا لیتا ہے تو تم اس کو بددیانتی سے تعبیر کرنے لگتے ہو۔ یہ تھا شیطان کا بھرپور حملہ۔ نفس کا آخری وار۔ منشی جی دل پکڑ کر رہ گئے۔ قلم اٹھا کر کچھ لکھنے ہی لگے تھے کہ ضمیر پھر سنبھلا اور ایک دفعہ پھر پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہوا۔

”ریاضت و عبادت تو باطنی اصلاح کے لئے ہوتے ہیں۔ دولت و ثروت اور مادہ پرستی سے بیزار ہو کر خدا سے لو لگانے کا باعث بنتے ہیں۔ حق و صداقت کے لئے بڑے سے بڑے کاروبار کو تھج دینے پر تیار کرتے ہیں۔ بڑے سے بڑے فرعون کا ڈر نکال کر دل کو خوف خدا سے مامور کرتے ہیں۔ جو عبادتیں اور سخاوتیں انسان میں یہ اوصاف پیدا کرنے میں ناکام ہیں۔ وہ بھوٹ ہے۔ دھوکا ہے۔ ریاکاری اور شہرت پرستی ہے۔ اور کچھ نہیں۔“ اور خالی نہیں گیا۔ شیطان نے لشکر کے پاؤں اکٹھے چکے تھے۔

ضمیر نے پک کر نفس کو اپنی آہنی زنجیروں میں جکڑ لیا تھا۔ منشی جی کی آنکھوں سے خوشی کے دو آنسو ٹپک پڑے۔ اب وہ اپنے اندر ایک سرور سا محسوس کر رہے تھے ان کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک سی آگئی تھی۔ قلم اٹھایا اور کمپنی کی آمد و خرچ کا اصل مزیدار تیار کرنے لگے۔ اتنے میں کسی نے رش ہوجہ میں آواز دی۔ ”منشی جی۔“ منشی برکت نے گھڑی کی طرف دیکھا تو ٹھیک تین بج چکے تھے۔ اور سیٹھ ”قاسم“ نے ساتھ والے کمرے سے نماز ظہر سے فارغ ہو کر منشی جی کو بلایا تھا۔ گارڈی کا وقت قریب آ رہا تھا اور سیٹھ جی حساب ساتھ لیکر جانا چاہتے تھے۔

”حضور! ابھی لیکر آتا ہوں۔“

یہ کہکر ”منشی برکت“ بلند آواز سے رقم شماری کرنے لگا۔ دو اور دو چار اور سات گیارہ اور تین چودہ۔ چودہ اور سات اکیس۔ اکیس اور تین ہو گئے چوبیس۔ حاصل آیا چار بچے دو۔

دو اور سات نو اور سات سو لہ اور تین انیس۔ انیس اور سات پھبیس حاصل آیا چھ بچے دو۔

۱۸۰۵۷۹۶۴

کل آمد

۱۵۳۷۹۳

کل خرچ

بقایا ۱۷۸۰۴۱۷۱ روپے

نقد بچت سال ۱۹۵۶ء

منشی جی نے سیٹھ کی ہراٹھائی اور ثابت کر کے تمام حساب سیٹھ کے پاس لے گئے۔

”یہ کیا لائے ہو“ سیٹھ نے لال پیلے ہو کر کہا

”حضور آپ کی کمپنی کا سال بھر کا آمد و خرچ کا حساب“ منشی برکت نے ہنایت اطمینان سے جواب دیا۔

”لیکن میں نے تمہیں کیا لانے کو کہا تھا“ سیٹھ نے نسبتاً نرم لہجہ میں کہا۔

”حضور سب اب!“ منشی برکت نے کہا

”لیکن یہ تو اصل حساب لے کر آئے ہو۔ میں نے تمہیں زیادہ سے زیادہ ایک ہتائی بچت دکھانے کو کہا تھا“

سیٹھ نے کہا۔

”حضور وہ کیسے کر سکتا تھا“ منشی جی نے اپنے جذبات کو ضبط کرتے ہوئے جواب دیا

”کیسے کر سکتے تھے“ وضو کر کے

سیٹھ نے ریاکارانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”لیکن حضور وضو کر کے تو نماز پڑھی جاتی ہے۔ تلاوت قرآن مجید ہوتی ہے۔ دنیا کا ہر جائز کام کیا جاسکتا ہے

بددیانتی اور غلط بیانی کو وضو سے کیا تعلق“

”بھائی وضو کر کے ہر کام جائز ہو جاتا ہے۔ اگر تم زیادہ وہی ہو تو مسجد میں بیٹھ کر حساب کر لو۔ جاؤ اپنی اور

اپنے بال بچوں کی زندگی پر ترس کھاؤ۔ مجھے تمہاری بیماریاں اور بے گناہ بچوں پر رحم آتا ہے۔ آج تو مجھے

کراچی ضروری جانا ہے۔ دو روز بعد آکر میں تم سے حساب لوں گا۔“

”نہیں حضور میں ابھی وضو کر کے کچھ لاتا ہوں“

اور یہ کہہ کر منشی برکت اپنے کمرے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد سیٹھ قاسم کے ہاتھ میں منشی برکت کا استغفار تھا۔

سیرت نمبر اور توجید نمبر

کے بعد

”فاران“ ایک اور ”خاص نمبر پیش کر رہا ہے

ہماری نظر میں

روح اسلام
(حصہ دوم)

از: مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی - ضخامت: ۶۷۲ صفحات - مجلد: نو بصورت
رنگین گر: پوش کیساتھ (بڑا سائز) قیمت بارہ روپے، مکمل تین حصوں کی قیمت
پچیس روپے - ملنے کا پتہ: - نفیس اکیڈمی بلاس انسٹریٹ - کراچی۔

اس کتاب کے پہلے حصہ پر "فاران" پر تبصرہ ہو چکا ہے۔ دوسرا حصہ خلافت بنو امیہ سے شروع ہو کر دولت
سیہ کے زوال پر ختم ہوتا ہے۔ مگر اس کتاب کے ساتھ ساتھ دوسری حکومتوں (صفاریہ، سامانیہ،
مطیہ، طولونہ، دہلیویہ، عبیدیہ، ایوبیہ، مرابطین، موحدین، دولت عثمانیہ اور صفویہ وغیرہ) کا اجمالی
رہ بھی ملتا ہے۔ کتابت چھ ابواب اور چند فصول پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کو پڑھ کر عبرت و بصیرت کا ایک مرقع نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ حکومت کی خاطر بھائی
بھائی کو قتل کیا ہے۔ بیٹوں نے باپوں کے خلاف بغاوت کی ہے۔ چچاؤں نے بھتیجیوں کے خون سے ہاتھ رنگے
۔ انتقام کے جوش میں اپنے مخالفوں کو دیواروں میں چنوا یا۔ اور زمین میں زندہ دفن کیا ہے۔ صاحب تاج
ت کے جب بڑے دن آئے ہیں تو اسے بوروں میں سی کر لالوں اور کھوکھوں سے اتنا زد و کوب کیا گیا ہے
ت کر دم نکل گیا ہے۔ بلندی و پستی کی ایسی نیزگیاں بھی چشم فلک نے دیکھی ہیں کہ چر دا ہے اور خاک نشین تخت و
کے مالک بنے ہیں۔ اور شہنشاہ بادشاہ نان شبینہ کے لئے محتاج ہو گئے ہیں اور جان بچانے کے لئے کسانوں
مزدوروں کی جھونپڑوں میں پناہ ڈھونڈتے پھرے ہیں۔ حکومت جب ذاتی اغراض کے لئے استعمال کی جائے
ہ بدترین لعنت بن جاتی ہے۔ اور حجاج اور ابن ہبیرہ جیسے ظالم دستگردن طور میں آتے ہیں، مگر حکومت سے
تعلقی کی رضا اور خدمت خلق مقصود ہو تو یہ عین رحمت بن جاتی ہے اور عمر ابن عبدالعزیز اور
رمی باللہ جیسے نیک نفس فرمانروا منظر عام پر آکر دنیا کو خیر و برکت سے معمور کر دیتے ہیں۔

"علی اکبر نے دشمنوں پر رستمانہ حملے کئے" (صفحہ ۷۹) رستمانہ کی ترکیب بھلی نہیں لگتی۔ مجاہدین و شہدائے
م کی بہادری اور جانبازی کی "رستم پہلوان" کی بہادری سے تشبیہ دینا ہی نامناسب ہے۔ "اس نے
ن بن نیر کو بلا کر اپنی جگہ فوج کا سپہ سالار مقرر کیا اور خود مر گیا" (صفحہ ۸۸) "اور خود مر گیا" سے ایک عجیب
مخیر مفہوم کی ترجمانی ہوتی ہے۔ "ایسی چقلش مردانہ دکھائی" (صفحہ ۲۲۹) "چقلش" اردو میں فوجی
آرائی اور جانبازی کے معنی میں نہیں بولا جاتا۔ فاضل مورخ اس لفظ کو کسی جگہ اسی مفہوم کی ترجمانی میں

لائے ہیں۔ اور بنی امیہ اپنی زعم حکومت میں ایسی باتوں کو خاطر میں نہ لاتے" (صفحہ ۲۳۱) "زعم" بالاتفاق مذکور ہے۔

"سیلمان بن ہشام اپنے چچا زاد بھائی کو پکڑ کر کوڑوں سے پٹوایا اور ڈاڑھی منڈوا کر تشہیر کرایا" (صفحہ ۲۴۲) یہ جملہ اس طرح لکھنا چاہئے تھا:-

"سیلمان بن ہشام نے اپنے چچا زاد بھائی کو پکڑ کر کوڑوں سے پٹوایا اور ڈاڑھی منڈوا کر اُس کی تشہیر کرائی۔" صفحہ ۲۴۲ پر "شدت پیاس" بڑھ کر حیرت ہوئی۔ "پیاس کی شدت" یا "شررت تشنگی" لکھنا چاہئے تھا۔ "نور الدین زنگی نے ملازمانہ خط لکھا" (صفحہ ۲۴۰) "ملازمت آمیز خط لکھا۔" تحریر کرنا تھا۔ صفحہ ۲۶۱ پر "ساز و براق" (ی کیساتھ) کو "ساز و براق" (ب کیساتھ) جو لکھا ہے تو یہ کتابت کی غلطی ہے۔ اس قسم کی کتابت کی غلطیوں کے سبب طلباء اور معمولی لکھے بڑھے لوگ شدید غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسلامی ادب و تاریخ میں "رافضی" کا لقب کس طرح آیا؟ اس کا جواب "تاریخ اسلام کے مصنف کی زبان سے سینے:-

"کوفیوں نے جس طرح حسین ابن علی اور مصعب بن زبیر کو دھوکا دیا تھا اسی طرح زید بن علی کو بھی دھوکا دیا۔ جب تلوار چلانے اور مردانگی کے جوہر دکھانے کا وقت آیا تو انھوں نے زید بن علی کے ساتھ طالب علمانہ کج بحثی شروع کی۔ اُن سے سوال کیا کہ پہلے آپ یہ فرمائیے صدیق اعظم اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کیسا سمجھتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے خاندان میں کسی کو ان دونوں حضرات کی نسبت بُرا کہتے نہیں سنا۔ کوفیوں نے کہا جب خلافت کے حق دار آپ ہی کے خاندان والے تھے، اور ان دونوں کے خلافت پر فائز ہو جانے سے وہ ناراض نہ ہوئے تو اب اگر بنو امیہ نے بجائے آپ کے خلافت پر قبضہ کر لیا ہے تو آپ اُن کو کیوں بُرا کہتے ہیں اور ان سے لڑتے ہیں۔ یہ کہہ کر بیعت فسخ کر کے چل دیئے اور زید بن علی نے اُن کو "رافضی" کا خطاب دیا۔"

اسلامی تاریخ میں ایسے بزرگ بھی گزرے ہیں:-

"ایک مرتبہ ہارون الرشید نے ایک بزرگ سے کہا کہ آپ مجھے نصیحت کیجئے۔ انھوں نے کہا کہ اگر آپ کا کوئی مصاحب ایسا ہو جو خوف دلاتا رہے اور اُس کا نتیجہ بہتر ہو تو وہ اُس مصاحب سے اچھا ہے جو آپ کو خوف سے آزاد کر دے۔ مگر نتیجہ اس کا بُرا ہو۔ ہارون الرشید نے کہا ذرا کھول کر بیان فرمائیے تاکہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ انھوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص آپ سے یہ کہے کہ قیامت کے دن آپ کی رعیت کے متعلق سوال ہونے والا ہے۔ آپ خدا سے ڈرتے رہئے تو وہ اُس شخص سے بہتر ہے جو یہ کہے کہ آپ اہل بیت نبوی میں سے ہیں اور بوجہ قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے تمام گناہ معاف ہو چکے ہیں۔" یہ سن کر ہارون الرشید ایسا رویا کہ پاس بیٹھنے والوں کو اُس پر رحم آنے لگا۔"

ایک اور واقعہ:-

"ایک مرتبہ متوکل نے علماء کو اپنے یہاں طلب کیا، جن میں احمد بن محمد بھی تھے۔ جب سب علماء آ کر

جمع ہو گئے تو اس جگہ متوکل بھی آیا، متوکل کو آتا ہوا دیکھ کر سب علماء و تعظیم کیلئے کھڑے ہو گئے۔ مگر احمد بن معدل بدستور بیٹھے رہے اور کھڑے نہیں ہوئے۔ متوکل نے اپنے وزیر عبید اللہ سے دریافت کیا کہ اس شخص نے بیعت نہیں کی ہے، عبید اللہ نے کہا بیعت تو کی ہے مگر ان کو کم نظر آتا ہے۔ احمد بن معدل نے فوراً کہا کہ میری آنکھوں میں کوئی نقصان نہیں ہے مگر میں آپ کو عذاب الہی سے بچانا چاہتا ہوں، کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص لوگوں سے یہ امید رکھے کہ وہ اس کی تعظیم کیلئے کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔ متوکل یہ سن کر احمد بن معدل کے قریب آ بیٹھا۔

آج کہاں ہیں ایسے حق گو علماء اور حق کو قبول کرنے والے فرمانروا؟
تاریخ اسلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ابن بو یہ دہلی یعنی معز الدولہ نے ۳۵۲ھ میں اس کا حکم دیا کہ ار محرم کو۔

حضرت امام حسین کی شہادت کے غم میں تمام دکانیں بند رہیں، بیچ و ستر موقوف رہے، شہر و دیہات کے تمام لوگ ماتمی لباس پہنیں اور علانیہ نوحہ کریں، عورتیں اپنے بال کھولے ہوئے چہروں کو سیاہ کئے ہوئے کپڑوں کو پھاڑے ہوئے سڑکوں اور بازاروں میں مرنیہ پڑھتی، منہ بوجھتی اور چھاتیاں پیٹتی ہوئی نکلیں۔۔۔۔۔

عزاداری کے نام سے جو خرافات کی جاتی ہیں، اہل بیت کا دامن بھرا اللہ اس سے پاک ہے، یہ تو بادشاہوں کی نکالی ہوئی "بدعات" ہیں، جو ایک فرقہ کا افسوس ہے کہ "دین" چکی ہیں۔

کوئی شک نہیں کہ بنو امیہ کے دور میں اہل بیت کرام پر شدید مظالم ہوئے ہیں اور ہماری تمام تر عقیدتیں ان مظلومین کے ساتھ ہیں لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں علویوں کو جب بھی موقع اور طاقت میسر آئی ہے انھوں نے خروج کیا ہے اور تاریخ میں یہ بھی ملتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے پوتے ابراہیم نے یمن میں پہنچ کر بے گناہوں کو قتل کیا کہ ان کا لقب ہی "ابراہیم قصاب" مشہور ہو گیا۔ حسین افسس ایک علوی سردار کے ہمراہیوں نے تو حرم شریف کی جالیوں تک کو توڑ ڈالا، اور زید بن موسیٰ نے بصرہ میں وہ قیامت ڈھائی کہ لوگ اسے زید الزار کہتے تھے۔

"تاریخ اسلام" ہر اعتبار سے ایک بلند پایہ کتاب ہے، زبان منجھی ہوئی اور سادہ ہے، تاریخ کے اہم واقعات خاص تفصیل کے ساتھ کتاب میں آگئے ہیں۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مرحوم نے یہ کتاب لکھ کر اردو ادب کی سطح کو بلند کر دیا ہے، نفیس اکیڈمی اس کتاب کی اشاعت پر تبریک و تحمیں کی مستحق ہے۔

مولفہ: منشی عبدالرحمن خاں ضخامت ۱۵ صفحات (ٹرانسائز) جلد، رنگین گرد پوش کے ساتھ قیمت سیرت اشرف | بارہ روپے، ملنے کا پتہ ادارہ نشر المعارف چلیک ملتان شہر۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اور حالات پر اب تک کئی کتابیں آچکی ہیں منشی عبدالرحمن خاں صاحب کی زیر تنقید تالیف "سیرت اشرف" ان تمام کتابوں کی جامع ہے اس لئے اس کے زیادہ ضخیم و مفصل ہے، یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے، فاضل مولف نے بڑی عقیدت و خلوص کیساتھ "سیرت اشرف"

کو مرتب کیا ہے، اور صاحب سیرت کی زندگی اور کمال کے کسی گوشہ کو شرح و گفتگو کے بغیر نہیں چھوڑا! اس راحت پسند زمانہ میں اس قدر جانفشانی اور تحقیق و عرفیہ کے ساتھ عام طور پر دورِ حاضر کے مشاہیر کے سوانح حیات شاذ و نادر ہی جمع کئے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بلاشبہ صوری و معنوی کمالات کا مجموعہ تھی۔ ان کی علمی تصانیف سے لاکھوں بلکہ سچ یہ ہے کہ کروڑوں مسلمانوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ مولانا تھانوی مرحوم نے جو عظیم قلمی کارنامہ چھوڑا ہے اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک "ایکیڈمی" کے کرنے کا کام تنہا ایک فرد واحد نے کس طرح انجام دیا؟ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حقوق عباد کا بھی پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، اور بندوں کے معاملات میں جن جزئیات تک ان کی نگاہ پہنچی تھی اس کی مثال پچھلے علماء اور صلحا کی زندگیوں میں بھی کم ملے گی۔

حق شناسی کا یہ عالم کہ اپنی تصانیف و تالیفات کے بارے میں خود اعلان فرمایا:

"تالیفات کے بعض مقامات میں مجھ سے انحصار موہم یا زیادت موہمہ یا غفلت سے کچھ لغزشیں بھی ہوئی ہیں جو اس وقت ذہن میں حاضر ہیں ان کی اطلاع جزئی طور پر دیتا ہوں اور جو اس وقت ذہن میں حاضر نہیں، ان کے لئے دو قاعدے عرض کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ میری کسی تصنیف میں جو اس نحل لغزش سے متاخر ہو، اس کی اصلاح کر دی گئی ہو اور متاخر ہونا تاریخ کے ملانے سے جو کہ ہر تصنیف کے آخر میں التزاماً لکھی گئی ہے معلوم ہو سکتا ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم کر لینا چاہئے کہ میری تالیفات میں جو مضمون متعارض ہو اس میں تیر کا قول میرا سمجھا جائے۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ ایسے مواقع مشتبہ کو دوسرے علماء محققین سے تحقیق کر لیا جائے، اور ان کے قول کو میرے قول پر ترجیح دی جاوے۔ اسی طرح اگر میرا لکھا ہوا کوئی مشتبہ فتویٰ کسی کی نظر سے گزے، اس میں بھی یہی تقریر معروض ہے۔"

اس طرف کے کتنے علماء ہمارے دور میں پائے جاتے ہیں؟ آج تو خود رانی کا یہ عالم ہے کہ ادنیٰ طالب علم بھی اپنی غلطی کی تاویل میں اور اپنی بات کی بیچ کرتا ہے۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اندر "جہاد" کا کس قدر ولولہ تھا، خود ان کی زبان سے سنئے۔
 "جیسے یہ غلط ہے کہ نماز روزہ کو کامیابی میں کیا دخل ہے؟ اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ خالی نماز روزہ کامیابی کے لئے کافی ہے۔ بلکہ دلائل اس کے شاہد ہیں کہ خالی نماز روزہ سے کبھی کامیابی نہیں ہوتی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ بلکہ ایک دوسری چیز کی بھی ضرورت ہے اور وہ چیز قتال و جہاد ہے۔ کیا مکہ میں نماز روزہ نہ تھا۔ بھلا صحابہؓ سے بڑھ کر نماز، روزہ کس کا ہو سکتا ہے۔ مگر اس کے باوجود دیکھ لیجئے کہ مکہ کے اندر مسلمان اتنے دنوں تک رہے لیکن غلبہ نہ ہوا۔ جب ہجرت ہوئی، قتال ہوا اس وقت غلبہ حاصل ہوا۔ تمام تاریخ اٹھا کر دیکھ لو اس کی نظیر نہ ملے گی کہ خالی نماز روزہ سے مسلمانوں کا غلبہ ہوا ہو۔ البتہ ضروری نماز روزہ بھی ہے۔ غلبہ کی حیثیت سے نماز روزہ اور قتال میں فرق یہ ہے کہ نماز روزہ تو شرط ہے غلبہ کی، اگر نماز روزہ اور اطاعت ہوگی تو غلبہ ہوگا اور جہاد علت ہے غلبہ کی۔ گو نماز روزہ

”میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ میرے اعزہ مجھ سے لاکھ درجہ بڑھ جائیں مگر افسوس ہے کہ اب تک کوئی بڑھا نہیں“ (صفحہ ۷۱۲)

تقاضائے بشریت کے اعتبار سے یہ باتیں کچھ مستنجد نہیں ہیں، انسان فرشتہ تو نہیں ہے۔ مگر ہم جیسے دنیا دار عقیدت مندوں کا دل ہی کتنا ہے کہ کاش مولانا تھانوی کی سوانح حیات میں یہ ”دعوت“ نہ ملتے۔ یہ ”دعوت“ خاصے سادہ و بے ضرر سہی مگر پڑھنے والے کے دل میں کھٹک تو پیدا کرتے ہیں۔

فاضل مؤلف کا کتاب لکھتے ہوئے اکثر مقامات پر یہ نقطہ نگاہ رہا ہے کہ مولانا تھانوی کی ذات سے جس چیز کو بھی نسبت ہے اس میں خرق عادت، روحانیت اور ولایت تلاش کی جائے، تھانہ بھون کے بارے میں لکھتے ہیں: ”جس کثرت سے اس علاقہ میں علماء و فضلا اور مشائخ گزرے ہیں، اس کی نظیر ہندو پاکستان کے کسی دوسرے خطہ میں نہیں مل سکتی۔“ (صفحہ ۵۳)

حالانکہ علماء و مشائخ کیلئے دہلی، بدایوں، ملتان، اورنگ آباد وغیرہ مقامات مشہور ہیں، تھانہ بھون کے علاقہ کی جو تعریف مؤلف نے کی ہے اس میں خاصہ مبالغہ پایا جاتا ہے! مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ”حکیم الامت“ سب سے پہلے محبوب المطالع دہلی کے مالک مولوی مرزا محمد بیگ نے کہا بلکہ پتہ میں لکھ کر بھیجا اس کو لائق مؤلف نے ”القا“ سے تعبیر کیا ہے، اور سنئے۔

”شروع شروع میں اس قصبہ (تھانہ بھون) کے پاس سے ریلوے لائنیں نہیں گزری تھی، حضرت کی بڑی خواہش تھی کہ ریل ان کے قصبہ کے پاس سے گزرے، تاکہ یہاں آنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ حق تعالیٰ کو چونکہ اپنے اطاعت شوار بندوں کی دلجوئی مطلوب ہوتی ہے در قبول ہوئی اور سہارنپور سے ایک پھوٹی لائن اس طرف سے گزاری گئی“ (صفحہ ۵۴)

یہ بہت ہی سیدھا سادہ واقعہ ہے، ہر قصبہ اور ہر شہر کے لوگ چاہا کرتے ہیں کہ ہمارے یہاں نقل و حمل کی سہولتیں مہیا ہو جائیں اور ایسا ہو جایا کرتا ہے۔ تھانہ بھون سے ریلوے لائن گزرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مولانا تھانوی کی دلجوئی سمجھنا خوش اعتقادی کے سوا اور کیا ہے؟

صفحہ ۵۶ پر ”ولایت“ کو مولانا تھانوی کی خاندانی وراثت لکھا ہے اور اس کا سبب یہ بتایا ہے کہ مولانا کے جد اعلیٰ مولانا صدر جہاں تھے، جن کا شجرہ نسب سلطان شہاب الدین غوری سے ملتا ہے جو اولیائے کابلیں میں سے تھے۔

مولانا تھانوی کے نانا صاحب کیا تھے؟ اس کا احوال منشی عبدالرحمن خاں صاحب کی زبان سے سنئے۔ ”آپ کے نانا پیر جی نجابت علی اعلیٰ فارسی دان، انشا پر دازی، لطیف گوئی، حاضر جوابی اور بذلہ سنجی کی وجہ سے بہت مشہور تھے اور ریاست کنج بده میں بھدہ وکیل ریاست ممتاز تھے اگرچہ

اسے آخر یہ کس طرح معلوم ہوا کہ مولانا تھانوی کے اعز میں سے کسی کو حضرت تھانوی کے درجہ سے آگے بڑھنا نصیب ہی نہیں ہوا! (م۔ ق)

وہ مولانا شاہ نیاز احمد بریلوی کے خلیفہ خاص سے بیعت تھے۔ مگر ان پر نظر تربیت حضرت حافظ صاحب روم کی تھی جس کی وجہ سے ان پر آثار ذکر و شغل کا اس قدر غلبہ ہوا کہ انہوں نے خود کو فکرِ معاش و ادائے حقوق سے نیاز کر لیا، اس پر حافظ صاحب کو ان کی یہ کیفیت اپنی توجہ سے سلب کرنی پڑی، اگرچہ ان کی وفات کے قریب حضرت حافظ صاحب نے ان پر پھر ایک ایسی نظر ڈالی کہ وہ کیفیت عود کر آئی۔ (صفحہ ۵۷)

غالباً مولف کو یہ معلوم نہیں ہے کہ شاہ نیاز احمد بریلوی تفضیلیہ عقائد رکھتے تھے اور ان کی گدی کے جانشینوں اس وقت جو بدعات و خرافات رائج ہیں اگر ان کا سلسلہ شاہ نیاز احمد صاحب سے چلا ہے، تو پھر اندازہ لگا لے کہ اس خانوارہ کے منتسبین کے "عقائد و وارداتِ قلب" کیسے ہوں گے۔ پھر ایک نگاہ سے کیفیت سلب کر لینا دوسری نگاہ سے اس مسلوب کیفیت کا عود کر آنا۔ یہ اگر تصوف کے "اسرار" ہیں تو پھر یہ:-

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

بات ہے، ہم جیسے "عامی" اور اس کوچہ کے نابلد کہیں تو کیا کہیں!

"سیرت اشرف" کے لائق مولف نے آخر میں لکھا ہے کہ مولانا تھانوی کو عشق کی دولت اپنے ننھال سے اور طریقت نیلت ردصال سے ملی تھی۔ گویا مولانا کی اپنی ذاتی کوششیں برائے بیعت تھی۔ یہ سب کچھ وہی صفات اور خاندانی ت ہیں۔ اکتساب اور مجاہدہ کو ایک بدفاضل ہی سمجھے۔

جن لوگوں کے نسب نامے اور خاندانی بٹھرے اتنے عالی اور مقدس نہیں ہیں وہ بیچارے مولانا تھانوی "سیرت" کو پڑھ کر کس قدر مایوس ہوں گے کہ ہم "اشرف علی تھانوی" جیسے بن ہی نہیں سکتے کہ ہمیں یہ کمالات میں نہیں ملے۔

"صفحہ ۵۸ پر حضرت تھانوی کو شانِ فاروقی اور شانِ علوی کا منظر لکھا ہے۔ پھر صفحہ ۶۲ پر حضرت کی ایک کرامت ہے کہ "لڑکپن میں حضرت والا کو اتفاق ہوا تو اُس روز ابر ضرور ہو گیا۔ اور بہت راحت کے ساتھ سفر طے ہوا۔ ت فرماتے تھے کہ "مجھے خود بھی گاہے گاہے ایسا ہونا یاد ہے۔"

اس قسم کے واقعات سے ثابت کرنا یہ مقصود ہے کہ مولانا تھانوی خاندانی اور مادر زاد ولی تھے۔ اور کچپن ہی سے ان اور خوارقِ ظہور میں آتے تھے۔

صفحہ ۲۲۲ اور ۲۲۳ پر ایک فہرست حضرت تھانوی کی صفاتِ فاضلہ کی دی ہے۔ یہ صفات ننانو (۹۹) - سوال یہ ہے کہ مولف نے خاص طور پر ننانوے صفات کیوں لکھیں، ان سے کم یا زیادہ کیوں متعین نہیں فرمائیں، نوے کا عدد کیوں؟ ہم بدگمانی نہیں کرتے۔ لیکن ذہن اس طرف جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام یہ کس قدر خطرناک عسَدِ دی مشابہت ہے! تو یہ!! پھر ان صفات کا رنگ یہ ہے:-

دلسوزی، وسعت خیال، خوش انتظامی، زندہ دلی

یہ صفات ہر کہ وہمہ سے منسوب کی جاسکتی ہیں۔

اوپر گزر چکا ہے کہ مولانا اشرف علی صاحب گو حکیم الامت "سب سے پہلے محبوب المطالع درہلی کے مالک نے لکھا اور اس لقب کا ان کو القا ہوا تھا۔ کیا عجب ہے کہ آنے والے عقیدت مند سیرت اشرف میں صاحب سیرت کی ننانوے صفات فاضلہ کو پڑھ کر یہ حکم لگا دیں کہ منشی عبدالرحمن صاحب کو بھی مولانا تھانوی کی ان صفات کا القا ہوا تھا اور پھر یہ ننانوے صفات "اسرار و رموز" کا بحث بن جائیں، عقیدت کی دنیا میں مبالغہ آمیزیوں کے اسی طرح ردوں پر رقصے رکھے گئے ہیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت تھانوی کے جنازے کی نماز پڑھاتے ہیں۔ اس کو بشارت سے تعبیر فرمایا ہے۔

"مولانا ظفر احمد عثمانی نے جنھیں نماز جنازہ پڑھانے کی پہلے سے بشارت ہو چکی تھی نماز

جنازہ پڑھائی۔ (صفحہ ۷۰۸)

اسی صفحہ پر یہ عبارت نظر آئی۔

"حضرت کے دفن ہونے کے بعد جو رات آئی، اس رات کو حضرت کے ایک جوان بیعت نے

جن کو فدایوں سے خاص مناسبت ہے، بعد نصف شب کے حضرت کو خواب میں دیکھا حضرت نے فرمایا۔

"مجھے مردہ نہ سمجھو، میں زندہ ہوں، جس طرح میری حیات میں مجھ سے فیض لیتے رہتے تھے،

فیض لیتے رہنا، فیض ہوتا رہے گا۔ اور مجھے مستام شہداء نصیب ہوا، کہدیا جاوے۔"

حالانکہ مولانا اشرف علی مرچھے، اور مرنے کے بعد ان کے جنازے کو دفن کر دیا گیا وہ زندہ نہیں ہیں انکو، ہمیں

مردہ ہی سمجھنا چاہئے۔ وہ مرنے کے بعد ہمیں رانی کے دانہ کے برابر بھی فیض نہیں پہنچا سکتے، خود سید الاولین والاخرین

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وفات سے قبل یہ فرمایا تھا کہ میں تمھارے درمیان کتاب و سنت چھوڑتا ہوں۔

یہ نہیں ارشاد کیا تھا کہ میں وفات کے بعد تمھیں فیض پہنچا کروں گا، مقصود یہ تھا کہ میرے بعد کتاب و سنت سے

اب تم ہدایت اور روشنی حاصل کرو گے! عالم قبر و برزخ سے ارواح کا دنیا والوں کو فیض پہنچانے کا عقیدہ بالکل

غلط اور بے سرو پا ہے!

مبالغہ آمیز عقیدت اور بے احتیاطی کی چند افسوسناک مثالیں۔

(۱) "مگر میں اس بحرنا پیدا کنار کی غواصی کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ جس طرح حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

والسلام کا نطق سراپا وحی اور کما خلق قرآن کی عملی تفسیر اسی طرح حضرت تھانوی کا ہر قول و فعل کتاب سنت کی

تنبیہ و تفسیر تھا"

(۲) "جس طرح دعائے خلیل اللہ رحمۃ اللعالمین کو لانے کا باعث ہوئی اسی طرح اس مجذوب اللہ

کی دعا بھی کرم عظیم لائی (یعنی مولانا تھانوی ایک مجذوب صاحب کی دعا کی قبولیت بنکر پیدا ہوئے ہنہ

(۳) "جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء نزول وحی سے خوف زدہ ہو گئے تھے تو

ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضرت کی بہت تسلی فرمائی تھی، اسی طرح علیہ

ہمیت کے زمانے میں جب پریشانی زیادہ بڑھتی تو حضرت اپنا غم غلط کرنے کیلئے اپنی غم گسار

جاں نثار رفیقہ حیات بڑی بیگم صاحبہ سے اپنے پروردگاہالات بیان فرماتے (صفحہ ۶۲)۔

(۴) ”جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات ”الصلوٰۃ مالکت ایمانہم“ تھے اسی طرح حضرت تھانوی کو بھی آخری فکر نماز اور حقوق کی تھی (صفحہ ۷۰۳)

(۵) حضرت کے عدل و مساوات نے عہد نبوی کی یاد تازہ کر دی (صفحہ ۶۷)

ہم نے دل پر جبر کر کے یہ اقتباسات نقل کئے ہیں اور دل استغفار پڑھتا رہا ہے، توبہ! لا حول ولا قوۃ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کے ساتھ ”اس طرح“ کی تشبیہ پہلی بار ہماری نظر سے گزری اور دل لرز لرز گیا، منشی عبدالرحمن خاں کو چاہئے کہ وہ کسی معذرت اور تاویل کے بغیر اللہ کے دربار میں اپنی لفظی بے اعتیادگیوں کی معافی چاہیں اور آئندہ ایڈیشن میں ان اذیت کو شہ جملوں کو کتاب سے یکسر نکلوا دیں! یہی وہ مبالغہ آمیز عقیدت ہے جس نے ولیوں کو نبیوں کا مقام دیدیا ہے اور انبیاء کرام کو ”الہ“ بنا دیا ہے! قیامت کے دن صلوات اور اتقیا اسی قسم کی مبالغہ آمیز عقیدتوں سے اللہ کے حضور اظہار برأت کریں گے کہ بارالہ! ہمارے قلوب میں اس بات کا خطرہ بھی نہیں گزرا یہ تو ہے ہمارے ان نادان عقیدتمندوں کی کارستانیوں ہیں۔

پیسرا راز یہ کھلا کہ حضرت تھانوی نے ہی قائد اعظم کے پاس تبلیغی و فود و خطوط بھیج کر انہیں مسنون طریقہ پر پابند نماز بنایا اور ان میں دینی ذوق پیدا کیا۔ یہ جو قائد اعظم پر آخری زمانہ میں اسلامی رنگ غالب نظر آتا تھا۔ یہ سب حضرت تھانوی کے فیضان کا نتیجہ تھا“ (صفحہ ۴۵)

یہ نفس واقعہ کی کتنی عجیب ترجمانی ہے، کیا لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایسی باتیں پڑھ کر اہل قلم مسٹر محمد علی جناح مرحوم کی ”مذہبیت“ کو سبٹ و مذاکرہ کا عنوان بنائیں۔ اس معاملہ میں مولف اس حد تک چلے آگئے ہیں۔

”چونکہ قائد اعظم کے اندر سیاست بھی تھی اور ہمت تھی اس لئے آپ نے (یعنی مولانا تھانوی نے) ان میں تدریس پیدا کرنے کی طرف فوری توجہ مبذول فرمائی تاکہ وہ ان تمام ضروری صفات سے متصف ہو جائیں جو ایک امیر المومنین کیلئے ضروری ہیں“ (صفحہ ۵۵)

تو بیچارے قائد اعظم امیر المومنین بننا چاہتے تھے اور نہ مولانا تھانوی نے ان کو ”امیر المومنین“ کے مقدس منصب کیلئے منتخب کیا تھا۔ یہ مولف کتاب کی نری خیال آرائی ہے۔ اور ایسی باتیں کر کے وہ مولانا تھانوی کی وڈیشن کو ہدف تنقید بنوانا چاہتے ہیں!

”حضرت تھانوی ابھی عالم ارواح ہی میں تھے کہ آپ کیلئے اہل اللہ مصروف دعا ہو گئے۔

عالم وجود میں آئے تو نہ صرف اس دور کے بزرگوں کی غائبانہ دعائیں آپ کے شامل حال ہیں بلکہ عالم برزخ والے بھی آپ کی طرف متوجہ ہوئے“ (صفحہ ۱۰۶)

یہی باتوں نے ”سیرت اشرف“ کو کس قدر ہلکا بلکہ بول کے ایک ”اعجوبہ“ بنا دیا ہے،

صفحہ ۱۹۸ پر یہ واقعہ بھی نظر آیا کہ مولانا تھانوی کو جب حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کیا ہے تو حاجی صاحب کی خدمت میں ایک سینی مٹھائی، ایک خوبصورت عمامہ اور چھپس روے پیش کئے گئے۔ اس ہدیہ کو حاجی صاحب نے قبول فرمایا!۔ بیعت کے ان لوازم کیلئے کتاب و سنت اور انما صحابہ

میں آخر کوئی سند ملتی ہے۔ یہ طریقے اور معمولات کہاں سے آئے ہیں؟؟

کتاب میں زبان کی غلطیاں بھی ملتی ہیں۔

”حضرت تھانوی مولانا کو ان اختلافات کے باوجود دیوبند ملنے کیلئے تشریف لے گئے (صفحہ ۸۰) ”کو“ کی جگہ ”سے“ لکھنا چاہئے تھا۔۔۔ ”مگر بصیرت باطنی سے بہرہ ور اور پرلے درجہ کے منظم تھے (صفحہ ۸۱) ”پرلے درجہ“ مذموم صفت کیلئے بولتے ہیں، مثلاً ”وہ پرلے درجہ کا بد معاش ہے“ مدح میں یہ لفظ اس طرح (وہ پرلے درجہ کا تشریف آدمی ہے) نہیں بولا جاتا۔

”شروع شروع میں وادی الحاد میں بھٹکتے رہے، کفر کی ڈگری حاصل کی۔ ہوش آئی تو سچ نگار بن بیٹھے۔“ (صفحہ ۷۷) ”کفر کی ڈگری حاصل کی“ یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے ”ہوش تو بالاتفاق مذکور ہے، صفحہ ۲۰۳ پر ”الہامیہ“ کو ”الہامیہ“ اور صفحہ ۱۳۷ پر حکیم ”سنائی“ کو ”حکیم ثنائی“ لکھا ہے اسے کتابت کی غلطی پر ہی معمول کیا جائے گا۔

ان فروگزاشتوں، لغزشوں اور مبالغہ آرائیوں کے باوجود کتاب مجموعی طور پر خوب ہے، مؤلف نے خاصی کاوش سے کتاب کو مرتب کیا ہے اور اپنی عقیدت کے اظہار کا کوئی عنوان باقی نہیں رہنے دیا۔

”فاران“ کے خریدار صاحبان

خدمت میں گزارش ہے

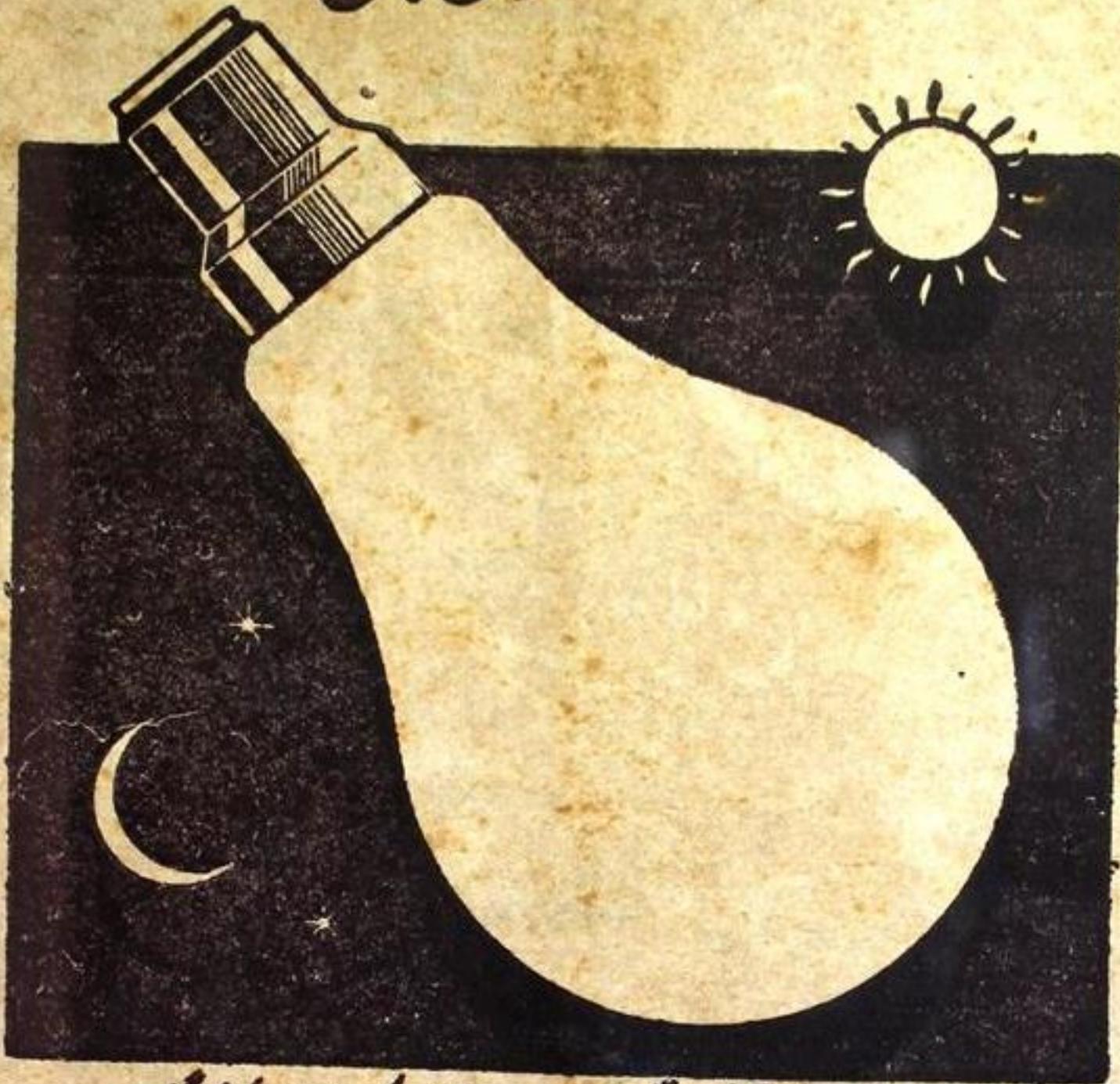
کہ ماہ دسمبر میں (توحید نمبر سے) بہت سے حضرات کی مدت خریداری ختم ہو رہی ہے، اس لئے بھارت کے خریدار صاحبان دفتر ”الحسنات“ رام پور (یو۔ پی) کو اپنا چندہ منی آرڈر کے ذریعہ بھیج کر ”فاران“ کو مطلع فرمائیں

آخر

پاکستان کے خریدار صاحبان منی آرڈر کے ذریعہ ارسال فرمائیں ورنہ ان کی خدمت میں دی پی بھیجا جائے گا جس کا وصول کرنا ان کا اخلاقی فرض ہوگا۔ جو صاحبان خریدار نہ رہنا چاہیں وہ دفتر کو اس کی اطلاع دیدیں

نیچر ”فاران“ کراچی

چمکدار لیکن سکون بخش



حی سنٹر کے لیمپس قلیل مدت میں تمام پاکستان میں پھیل گئے
آپ انہیں مکالوں، آفسوں اور فیکٹریوں میں ہر جگہ پائیں گے وہ حقیقت
ایک اعلیٰ درجہ کی چیمینڈ عام کی خدمت کیسے پیش کی گئی ہے۔ آپ
حی سنٹر ہی استعمال کیجئے اس لئے کہ یہ بہترین ہیں۔

دینے ہوئے

پاکستان میں



حی سنٹر الیکٹریک کمپنی لمیٹڈ

قاریان
کراچی
ایکستان

ماہ الفستادری

فاران

جنوری ۱۹۵۸ء ایڈیٹر ————— ماہر القادری

سالانہ چندہ چھ روپے

فی پرچہ آٹھ آنے

مقام اشاعت —————

دفتر فاران کیمیل اسٹریٹ کراچی نمبر ۱

نظم و ترتیب —————

۲	ماہر القادری	نقش اول
۹	سبط فاروق (ایم اے)	جدید تقاضے اور اسلام
۱۴	پروفیسر امیر احمد بہادری	انسانی ارتقاء
۲۰		عتاب نامہ
۳۵	ماہر القادری	تاثرات
۳۶	مختلف شعراء	نظمیہ غزلیں
۴۱		روح انتخاب
۴۴	ماہر القادری	مس یا مسز (افسانہ)
۵۱		ہماری نظموں
۵۶	پروفیسر شیخ احمد	استدراک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اَوَّل

۱۔ اب اور کیا ہے ارادہ اس انتقام کے بعد؟

ملک کے وہ چند سیاست باز جو شروع ہی سے پاکستان کے مخالف اور اسلامی نظریات کے دشمن رہے ہیں ان کے ہاتھوں پاکستان کا وقار جس طرح خاک میں مل رہا ہے اور پاکستان کی یک جہتی اور سالمیت کو جو پیہم صدے پہنچ رہے انہوں نے پاکستان میں پھر شدید سیاسی بحران پیدا کر کے چند ریگری وزارت کو ٹھکانے لگا دیا! ڈیڑھ مہینہ کے اندر اندر ایک جی جہتی وزارت کا اس طرح اکٹھا جانا ملک کی بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے!

چند ریگری وزارت نے آخر کیا قصور کیا تھا جس کی اُسے یہ سزا دی گئی، اس سے کوئی بد عنوانی سرزد ہوئی، تجارت فدا، یا معیشت و معاش کا کوئی نازک مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا عوام کی طرف سے کسی اضطراب یا بے اعتمادی کا اظہار کیا گیا اس وزارت نے کوئی ایسی خارجی پالیسی اختیار کی جو پاکستان کے مفاد کے خلاف پڑتی تھی؟ وزارتوں کا اس طرح اچانک رد و بدل کوئی ہنسی کھیل تو نہیں ہے، کہ جب جی میں آیا کوئی وزارت بنوادی، اور جب ترنگ اٹھی بچوں کے گھر وندے کی طرح اسے توڑ پھوڑ کر پرا بکرو دیا، اسی قسم کی حرکتیں وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو نہ صرف یہ کہ کسی ملک کے مفاد سے کوئی دلچسپی نہ ہو بلکہ اس ملک میں بگاڑ پیدا کرنا جن کا مقصود و منہتا ہو!

ساری دنیا جانتی ہے کہ ری پبلکن پارٹی نے جداگانہ انتخاب کی اساس پر مسلم لیگ، نظام اسلام اور کرشنک پارٹی سے معاہدہ کیا تھا، اس معاہدہ کے بعد ہی اخلاق و شرافت اور کھلی ہوتی و واضح آئینی سیاست کے ساتھ چند ریگری وزارت قائم ہوئی کوئی سیاسی چال نہیں کسی شخصی اور ذاتی مفاد کی کار فرمائی نہیں، ایک واضح اصول اور کھلا ہوا اجتماعی مقصد پیش نظر تھا مگر جب یہ نشین بن چکا تو مفسدہ پردازوں نے اس کے ایک ایک تنکے کو بکھیر دیا جیسے یہ آشیاں ہندی اسے اُجاڑنے کے لئے ہی نکلی گئی تھی!

دنیا کی تاریخ میں بڑے بڑے چالباز اور عہد شکن پیدا ہوتے ہیں مگر "ری پبلکن" جس عجیب و غریب ٹولی کا نام ہے اس کے ارکان جیسے طوطا چشم، وعدہ کراموش، بے ضمیر اور عہد سے پھر جانے اور وعدہ کر کے نہ بکر جانے والے، نہ دیکھنے میں آئے اور نہ سننے میں! جن کے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں، جن کی کسی بات کا کوئی بھروسہ نہیں! جن کو نہ خدا کا خوف ہے اور نہ بندوں کی شرم ہے! حیرت و افسوس کا مقام ہے اس ضمیر کردار اور ذہنیت کے افراد کے ہاتھوں میں پاکستان کی زمام کار آگئی ہے!

پاکستان کی سیاست اب ذاتیات کی ان بھول بھلیوں میں داخل ہو چکی ہے کہ ڈاکٹر فاں صاحب اعلان فرماتے ہیں

”میں شہید سہروردی صاحب کو وزیر اعظم رکھنا پسند نہیں کرتا“

اور اس اعلان بلکہ یوں کہئے فرمان واجب الادمان کے بعد چند دن کے اندر اندر سہروردی صاحب کو بصد حسرت یا اس وزارت سے دستکش ہو جانا پڑتا ہے، پھر چند دیگر وزارت تشکیل پاتی ہے اور ابھی اس وزارت کو پورے دو مہینے بھی نہیں گزرنے پاتے کہ پھر اپنی ڈاکٹر خاں صاحب کے ایما سے اس وزارت کا شیرازہ بکھیر دیا جاتا ہے، سیاست کے اس کھیل میں ٹریپ کا پتہ (TRUMP-CARD) اسی شخص کے ہاتھ میں آ گیا ہے، اور اسی شخصیت کے ارد گرد قصر و ایوان کی سازش پروردہ سیاست گھومتی رہتی ہے۔ اور یہ وہ بزرگ ہیں جو تقسیم ہند کے آخری لمحہ تک پاکستان کی مخالفت میں سب سے پیش پیش رہے ہیں، اسلامی نظریات کی حمایت میں ان کے منہ سے ایک حرف بھی نہیں نکلا، پاکستان بننے کے بعد جن کے سیاسی نظریات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، پٹیل، گاندھی اور ہنرو کے سیاسی نظریات کی روشنی میں جن کے مزاج اور فکر کی تشکیل ہوئی ہے، اور اسی کانگریس زدہ مزاج، م پرستانہ فکر اور غیر اسلامی ذہنیت نے پاکستانی سیاست کو اس بُخ پر ڈال دیا ہے، جس سے پاکستان کے مقصدِ خود کی نفی ہوتی ہے!

روزنامہ ”تینم“ نے بڑی سچی اور پتہ کی بات کہی کہ ڈاکٹر خاں صاحب اور خاں عبدالغفار خاں ان دونوں بانیوں نے ”تقسیم کار“ کر رکھی ہے، بڑے بھائی، حکومت کے معاملات میں دخیل ہو کر انتشار پھیلا رہے ہیں، اور چھوٹے بھائی باہر رہ کر ملک کی سالمیت کو پارہ پارہ کرنے کی تدبیریں کر رہے ہیں! ان دونوں بھائیوں کا وجود پاکستان کی رگ حیات اور رشتہ سالمیت و استحکام کے لئے دو دھاری تلوار کا کام کر رہا ہے! جو شخص ڈنکے کی چوٹ کہتا ہو کہ :-

”پٹھانوں پر پنجابی حکومت نہیں کر سکتے“

یا اس کے مفسدانہ عزائم پاکستان کی یک جہتی، سالمیت اور اتحاد کو تباہ کرنے میں کوئی کسر باقی رہنے دیں گے، پنجوستان کی تحریک پاکستان کے ساتھ سب سے بڑی دشمنی بلکہ غداری ہے اور حیرت ہے کہ اس غداری کی روک تھام کے لئے حکومت کی قانونی مشینری میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی، شہری حقوق کی زیادہ سے زیادہ آزادی کے ہم حامی ہو بیٹھے ہیں مگر یہ ”آزادی“ بے حد بے کراں اور نامحدود نہیں ہے، دنیا کی کوئی منصف سے منصف حکومت رواداری نہیں برت سکتی کہ اس کا ایک فرد اس حکومت کے مقصدِ وجود کے خلاف ایک تحریک کھڑی کر دے، اور اسے غداری سے کوئی باز پرس نہ ہو!

یہ تو چھوٹے بھائی کا کردار منصوبے اور عزائم ہیں اور بڑے بھائی۔ ڈاکٹر خاں صاحب پاکستان کو تباہ کرنے کیلئے سب سے پہلے یہاں کی ”جمہوریت“ کا تیا پانچہ کروینا چاہتے ہیں، ”انقلابی کونسل“ قائم کرنے کا شوشہ ہی فرقت سیاست باز کا چھوڑا ہوا ہے، جب یہ خاموشی اختیار کر لیتے ہیں، تو ان کے بلند اقبال صاحبزادے۔ انقلابی کونسل کا نعرہ بلند فرماتے ہیں، اس وقت تک انقلابی کونسل کا یہ نعرہ ایک ٹھھیائے ہوئے شخص کی دھمکی اور مجذوب کی بڑ معلوم ہوتا ہے مگر اس ”بجو اس“ کو ”قول نصیل“ بتانے کی خطرناک مہم جاری ہے، جس کے لئے کوئی ضمیمہ گروہ تجزیہ ہو شایاری کے ساتھ کام کر رہا ہے، کراچی کے درودیوار پر ”انقلابی کونسل“ کی تائید و حمایت میں جو پوسٹر جابجا نظر آ رہے ہیں، وہ آسمان سے فرشتوں نے آکر نہیں لگائے، ان کو پاکستان ہی میں

رہنے اور پسنے والے انسانوں نے دکایا ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ کب کیا ہو جائے؟ اس لئے کہ پاکستان کے سیاسی فلسفہ اور تہذیب کے پیش نظر یہاں ہر بیڈ سے بدتر انقلاب کے ظہور کا امکان ہے! پاکستان کے عالی مرتبت صدر جو یہاں کی جمہوریت کے سب سے بڑے محافظ ہیں ان کا فرض تھا کہ وہ اپنے دوست ڈاکٹر خاں صاحب سے غیر جمہوری مشوروں اور "انقلابی کونسل" کے نعرے پر باز پرس کرتے اور اس قسم کی حرکتیں کرنے سے روکتے، مگر افسوس ہے کہ اس قسم کے کسی احتساب اور باز پرس کی اطلاع عوام تک نہیں پہنچی، ہاں زبان راز میں کچھ فرما دیا ہو تو دوسری بات ہے۔

ڈاکٹر خاں صاحب گوشہ گنماہی میں پڑے ہوئے تھے، ان کی طرف کسی کا خیال بھی نہیں جاتا تھا ان کو جو شخصیت اور جو گروہ بھی حکومت و اقتدار کی بلندیوں پر لے کر آیا ہے، اور جس نے بھی ڈاکٹر خاں کی ذات و شخصیت کے ارد گرد ری پبلکن پارٹی کا حصار قائم کرایا ہے، اس نے پاکستان کے ساتھ بہت بڑی دشمنی کی ہے اور پاکستان کی سرزمین میں انتشار و افتراق کا بیج بو دیا ہے!

ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو کسی کی مخالفت میں صد انصاف سے گزر جائیں، ایمان لگتی کہیں گے — یہ کہ ری پبلکن پارٹی کے تمام ارکان ڈاکٹر خاں صاحب کے سیاسی نظریات کے حامی نہیں ہیں مگر ذاتی اغراض اور شخصی اقتدار کی ہوس نے انھیں ڈاکٹر خاں کے ساتھ دم چھلانے رہنے پر مجبور کر دیا ہے، مسلم لیگ سے کٹ جانے کے بعد ان کی سیاسی خودکشی واقع ہو چکی ہے، ان کے لئے اب کوئی سیاسی پلیٹ فارم باقی نہیں رہا جیسے تو کہاں جائیں، اس لئے ان کو اسی میں اپنی خیر نظر آتی ہے کہ ری پبلکن پارٹی کے زیر سایہ جتنے دن بھی جی سکیں جی لیں ہر حال وہ اپنے اقتدار کی زندگی کے لئے آخری سانس تک ہاتھ پاؤں مارتے رہیں گے — مانا کہ وہ دل سے ڈاکٹر خاں صاحب کے نظریوں کی کامیابی نہیں چاہتے اور انھوں نے جبر و اکراہ کے ساتھ اس گٹھ جوڑ میں شریک ہونا قبول کیا ہے مگر قلب کی اس بیزاری اور دل کے نہ چاہنے کے باوجود ڈاکٹر خاں صاحب کی پارٹی کا ساتھ دے کر، جو بگاڑ کی صورتیں پیدا ہوں گی، اس کی ذمہ داری سے وہ بچ نہیں سکتے! ایسی خود غرضی سے ہزار بار خدا کی پناہ جو کسی کو اس کے ضمیر کے خلاف کام کرنے پر مجبور کر دے!

پاکستان کے حالات کو بگاڑنا اور یہاں ابتری پھیلانا ڈاکٹر خاں صاحب کا مشن ہے، یہی سبب ہے کہ وہ جان بوجھ کر پرے درجہ کی بونگی یا تین اور انتہائی غیر ذمہ دارانہ حرکتیں کرتے رہتے ہیں، وہ کمال صحت ہوش و حواس کے ساتھ کسی جماعت سے معاہدہ کرتے ہیں اور پھر پوری فراست و دانش کے ساتھ اس معاہدہ کو کھٹ سے توڑ دیتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایسی باتیں کرنے سے عوام میں ان کی مواخیزی ہوگی، مگر عوام کا اعتماد حاصل کر کے کوئی تعمیری کام کرنا سرے سے ان کے پیش نظر ہی نہیں ہے، ان کا مقصود تو پاکستان کو بگاڑنا ہے اس مقصد میں وہ شروع ہی سے کامیاب ہیں، انھوں نے کیسے کیسے متضاد بیانات دئے ہیں، جب چاروں طرف سے شور مچا تو کسی بیان کی کوئی تاویل فرمادی، کسی بیان کے بارے میں کہہ دیا کہ میں نے یہ کہا ہی نہ تھا، اور کسی کے بارے میں چپ سادھلی جب وہ مغربی پاکستان کے ذریعہ اعلیٰ تھے تو انھوں نے ضلعوں اور کمشنریوں کے صدر مقامات سے فہرہ دار عہدہ داروں کے تہادے اس کثرت کے ساتھ کئے تھے کہ وہاں کا نظم و نسق متزلزل ہو کر رہ گیا تھا، ہم دو ٹوک

بات کہہ دینا چاہتے ہیں — وہ یہ کہ ڈاکٹر خاں صاحب کی جو کوئی بھی پشت پناہی اور حمایت کر رہا ہے، وہ پاکستان کو تباہی، انتشار اور ابتری کی طرف لیجا رہا ہے!

جائزہ پاکستان کے گزشتہ حالات کا سرسری جائزہ یہ ہے کہ قائد اعظم مرحوم پاکستان بننے کے بعد زیادہ تر علیل رہے اور انھیں خرابی صحت کے سبب خاطر خواہ کام کرنے کے مواقع نہ مل سکے، یاقت علی خاں مرحوم کے عہد حکومت میں کچھ کمزوریاں بھی ظہور میں آئیں مگر یہ واقعہ ہے کہ پاکستان کی بقا اور استحکام کے لئے ان کا اظہار شک و شبہ سے بلند تھا اور جب انھوں نے ملک کی خرابیوں کی اصلاح و تطہیر کا قصد کیا تو انھیں ایک سازش کے تحت شہید کر دیا گیا!

اس کے بعد خواجہ ناظم الدین صاحب گورنر جنرلی کا عہدہ اپنی مرضی سے غلام محمد مرحوم کو سونپ کر وزارت عظمیٰ کی کرسی پر فائز ہو جاتے ہیں، خواجہ صاحب ذاتی طور پر نیک نفس اور مرعبان برج آدمی ہیں اور ان کی طبیعت کا میلان خیر و فلاح کی طرف ہے مگر ایک طرف تو ان کے شیروں نے ان کی سادگی مزاج سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور دوسری طرف ممتاز و تازہ صاحب نے ان کے خلاف زبردست ہم شرمع کر دی، غلام محمد صاحب میں آمریت کی خوب بسی ہوئی تھی اور وہ ظم الدین جیسے مذہبی آدمی کو پسند بھی نہ کرتے تھے، ان حالات کی خرابیوں اور درپردہ سازشوں نے ناظم الدین وزارت کے بیڑے کو منجھدھا میں نہیں بلکہ سرسراہل ہی غرق کر دیا، جن شیروں پر خواجہ صاحب اعتماد کرتے تھے، ان میں سے بعض خود مسٹر غلام محمد کیساتھ شریک سازش تھے، خواجہ ناظم الدین کو اگر اپنی کی طرح نیک اور مذہبی افراد کی ہوت و تائید حاصل ہو جاتی تو وہ تاریخ میں "ناصر الدین محمود ثانی" کے لقب سے یاد کئے جاتے۔

وہ جو پرانے زمانہ کی مثل مشہور ہے کہ جب کوئی بادشاہ مرجاتا تھا، اور اس کی جگہ تخت پر بٹھانے کے لئے دارالخلافہ کو بوتر اڑایا جاتا تھا، اور وہ جس کسی کے سر پر بیٹھ جاتا اسی کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا جاتا، تو ناظم الدین وزارت پر طر فی کے بعد مسٹر محمد علی بوگرہ کو کچھ اسی انداز میں امریکہ سے لاکر وزارت عظمیٰ کی کرسی پر بٹھا دیا گیا، بوگرہ صاحب نے کسی پارٹی کی حمایت حاصل تھی اور نہ وہ خود سیاسی تجربہ اور تدبیر رکھتے تھے، اس لئے انھیں غلام محمد مرحوم چشم و ابرو کے اشاروں پر چلنا پڑا، اور ایک رات تو ان پر ایسی بھی آئی کہ کراچی ایر پورٹ سے ان کو کشاں کشاں گورنر جنرل ہاؤس لے جایا گیا۔ اور دستور ساز اسمبلی کے توڑے جانے کی تجویز پر ان کی منظوری دھمکیوں کے سایہ میں لی گئی! مسٹر محمد علی بوگرہ کے بعد چوہدری محمد علی صاحب عنان حکومت سنبھالتے ہیں، چوہدری صاحب مذہب سے شغف رکھتے ہیں اور غلامہ اقبال کے نظریات سے کافی حد تک متاثر ہیں، ان کا مزاج ہنگاموں کو پسند نہیں کرتا، ان کی ری زندگی دفتری ماحول میں بسر ہوئی ہے اس لئے پُر سکون ماحول کو وہ پسند کرتے ہیں، ان کے دور کا سب سے زیادہ شاندار کارنامہ "دستور" کی تشکیل بعد اس کا آئینی طور پر منظور ہونا ہے، مگر پاکستان کے دستور میں جو ناک رخنہ رہ گئے ہیں، ان پر اگر چوہدری صاحب توجہ دیتے تو یہ رخنے دستور میں باقی نہ رہتے، خاص طور سے مملکت کو جو نامحدود اختیارات دستور میں دئے گئے ہیں، ان کے صاحب موصوف ہی بڑی حد تک ذمہ دار ہیں۔

غالب کے مسئلہ کو غیر منفصل حالت میں چھوڑ دینا بھی بہت بڑی بے دانشی تھی، دستور پاکستان کی منظوری کے بعد چوہدری محمد علی صاحب کو آئینی طور پر ایک بڑی جرأت سے کام لینا چاہیے تھا، مگر وہ ایسا نہ کر سکے، اگر وہ ہمت

کر جاتے تو " انقلابی کونسل " کے خطرہ کی تلوار ہمارے سر پر ہر دم کیوں ٹکتی رہتی!

چوہدری محمد علی صاحب کی سیاسی روش سے بھی مسلم لیگی اکابر کو بجا طور پر شکوہ ہے، کہ وہ برابر ڈبل گیم کھیلتے رہے اور ان کی اس روش سے مسلم لیگ کو نقصان اور ری پبلکن پارٹی کو فائدہ پہونچا، مسلم لیگ کی اگر وہ کھل کر حمایت کرتے تو ری پبلکن پارٹی کو مسلم لیگ کے اتنے بہت سے باغی ممبر شاید میسر نہ آتے!

ون یونٹ کی تشکیل میں چوہدری محمد علی صاحب سب سے پیش پیش تھے، ملک کے تمام دوسرے تعمیری مسائل کے مقابلہ میں ان کی سب سے زیادہ توجہ ون یونٹ بنوانے میں صرف ہوئی، ان کا یہ جذبہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ ون یونٹ کے لئے انھوں نے ہر ناپسند سے ناپسند شخصیت سے مصالحت کو گوارا کر لیا، جب وہ لندن اور اس کے بعد سفر حج سے واپس آئے تو کراچی میں مسٹر گریس انسپکٹر جنرل پولیس کے خلاف تحقیقات ہو رہی تھی اور اس کے مظالم اور بد چلنی کی خبریں اخباروں میں پڑھ پڑھ کر کراچی کے عوام اس سفاک اور دنی الطبع انگریز افسر سے بہت زیادہ برہم تھے، چوہدری صاحب یہاں آئے تو بعض عہدیداروں نے اس معاملہ کو کچھ اور رنگ میں ان کے سامنے پیش کیا اور چوہدری صاحب نے اس کا اثر بھی قبول فرمایا، اس کے بعد کراچی ایڈمنسٹریشن میں جو تبدیلیاں ہوئیں، اور اس بدنام انگریز افسر (گریس) کے خلاف جو تحقیقات ہو رہی تھی اس میں تعطل رونما ہوا، اس نے پبلک میں برہمی پیدا کر دی، جہانگیر پارک کے جلسہ عام میں پبلک کی اس برہمی کا مظاہرہ دیکھ کر چوہدری صاحب گھبرائے اور اسی گھبراہٹ میں انھوں نے استعفا پیش کر دیا، ان کی علحدگی کا پاکستان کے عوام کو افسوس ہوا، ان کی ذات سے اچھی توقعات وابستہ تھیں اس کے بعد شہید سہروردی صاحب کی دیرینہ تمنا کی تکمیل کے لئے قدرت حالات کو سازگار بنا دیا ہے اور سہروردی صاحب مسند وزارت پر متمکن ہوتے ہیں! سہروردی صاحب کا سب سے زیادہ سیاہ کارنامہ مشرقی پاکستان کے ہندوؤں کے ساز باز کر کے "مخلوط انتخاب" کو منظور کرانا ہے، بلیت اسلامیہ ان کے اس جرم کو کبھی معاف نہیں کر سکتی! ان کی وزارت رشوت ستانی کے سلسلہ میں جس قدر بدنام رہی ہے، اس کی مدافعت میں عوامی لیگ کے بعض ارکان نے جو کچھ کہا ہے اس نے معاملہ کو اور زیادہ مشکوک بنا دیا ہے، ان کے دور حکومت سے غنڈہ گردی کو بھی منسوب کیا جاتا ہے! اپنے دوست اور حلیف مسٹر گورمانی کے معاملہ میں سہروردی صاحب نے جو کمزوری دکھائی، اس نے ان کی بیباکی اور جرأت آزمائی کی شہرت پر دھبہ لگا دیا! ان کے بیرونی مالک کے دورے خاصے کامیاب رہے، اور امریکہ نے ان کی تقریروں کا اچھا اثر قبول کیا، اس کے بعد چند ریگر وزارت برہر اقتدار آتی ہے، یہ پہلی وزارت ہے جو ہوس اقتدار نہیں بلکہ ایک اصول کی بنیاد پر تشکیل پاتی ہے، مسٹر چندریگر نے بڑی متوازن تقریریں کیں، دو انھوں نے اپنے پیش روؤں کو برا بھلا کہا اور نہ قوم سے بے چوڑے وعدے کئے چند ریگر صاحب نے اپنی تقریروں میں چوہدری محمد علی صاحب سے بھی زیادہ واضح اور زور انداز میں اسلام کا ذکر کیا، اسمبلی ہال پر "یوم جداگانہ انتخاب" کے سلسلہ میں جو ناخوشگوار پیش آیا اس کی چند ریگر صاحب نے جس کھلے دل سے مذمت کی ہے وہ ایک مثالی اعتراف ہے، ورنہ اس سے پہلے دھاکہ میں اسلام پسند لیڈروں کے ملار کے ساتھ جو حقارت آمیز سلوک کیا گیا، اس کی معذرت میں عوامی لیگ کے اکابر کو ایک حرف بھی کہنے کی توفیق نہیں ملی، نظام اسلام پارٹی کے قابل فخر نمائندے جناب فرید احمد نے چند ریگر وزارت میں شامل ہو کر جس سادگی، فراست و تدبیر، اخلاق اور جرأت و حوصلہ مندی کا ثبوت دیا ہے، وہ اپنی آپ مثال ہے ان کی ایمانی جرأت کا یہ عالم رہا ہے

کہ دہلی کی ایک بین الاقوامی کانفرنس میں انھوں نے انگریزی میں اثر انگیز تقریر کی اور اس میں قرآنی آیات کے حوالے سے
 کر بتایا کہ میثقت و معاش کے مسائل کا فطری حل صرف اسلام پیش کرتا ہے۔ مسٹر فرید احمد پاکستان کے پہلے وزیر ہیں جنہوں
 نے دلی کے ایک بھاری کرایہ کے ہوٹل کے مقابلہ میں بہت ہی کم کرایہ کے ہوٹل میں نہرناپنڈ کیا! اس ڈیڑھ ہینٹہ کی نقلیل
 ترین مدت میں اس مرد مومن نے عوام کے دلوں میں اپنے لئے جگہ پیدا کر لی! مسٹر فرید نے ذمہ داری و نسق کو حقیقت اور فعال بنانے
 میں بڑی فرض شناسی کا ثبوت دیا اور سرمایہ داروں کو ٹوکا کہ وہ مزدوروں اور ملازموں کے ساتھ اچھا سلوک کریں!
 مسٹر فرید احمد نے اپنے قول و عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ جب کبھی اللہ کو منظور ہوگا، پاکستان کے دن بھر میں گئے اور اس
 ملک کی زمام اقتدار صالح لوگوں کے ہاتھ میں آئے گی تو وہ دور نہ صرف پاکستان بلکہ ساری دنیا کے لئے کس قدر خیر و برکت
 کا باعث ہوگا۔ اور وہ دنیا جو آج روس کے مصنوعی سیاروں سے مرعوب ہے، انشا اللہ اس وقت اسلامی اخلاق سے متاثر
 ہوگی، جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

چند ریگ وزارت کو اگر کام کرنے کا موقع اور وقت ملتا، تو قوم اس وزارت سے بڑی اچھی توقعات رکھتی تھی مگر
 ی پبلکن کی عہد شکنی اور وعدہ خلافی نے اچانک حالات کو دگرگوں کر دیا!

دس سال کی مدت میں مسٹر فیروز خاں نون ساتویں وزیر اعظم ہیں جن کے ہاتھوں میں عنان حکومت آئی ہے صاحب
 بھوشن انگریز کے دور میں سر سکندر حیات خاں اور سر محمد یعقوب کی صف کے آدمی تھے، جن کی وفاداری اور نیا زندگی
 بر حکومت برطانیہ پورا اعتماد کرتی تھی اور سر بار کورٹ بنکر، میلکم ہیلی اور گلنگھم کی طرح ان کو اپنا معتمد علیہ سمجھتی تھی، پاکستان
 بننے کے بعد وہ مختلف اعلیٰ ذمہ دار عہدوں پر فائز رہے ہیں، اور پچھلے دنوں انھوں نے مجلس اقوام میں کشمیر کے مسئلہ میں
 کستان کی اچھی نمائندگی کی ہے، غیب کا حال اللہ ہی جانتا ہے کہ مسٹر فیروز خاں نون اس عظیم الشان ذمہ داری کو کس
 طرح نبھاتے ہیں اور ان کی وزارت کیا کارنامہ انجام دیتی ہے، اگر وہ اپنے کو بدل کر اسلام اور پاکستان کی مفید خدمات
 انجام دے سکے، تو اللہ کی نصرت ان کے ساتھ ہوگی اور اس طرح وہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں تلافی، مافات کر سکیں گے!
 پاکستان اس وقت سخت خطروں میں گھرا ہوا ہے، وہ تمام قوتیں جن کو پاکستان کا اسلامی حکومت
 بننا کسی عنوان گوارا نہیں ہے، ایک محاذ پر جمع ہو گئی ہیں، ان کا یہ اتحاد توقعات کے عین مطابق

اسلامی اتحاد

ہئے اسلامی نظام کے قیام میں ان کو اپنے اقتدار کی موت اور اپنے نظریوں کی شکست نظر آتی ہے! پاکستان میں مخلوط انتخاب
 حمایت اور صوبائی عصبیت کے فروغ کے لئے جو کچھ ہو رہا ہے، وہ بھارت اور روس کی توقعات کی صدا سے باز گشت
 ہے، مخلوط انتخاب کے ذریعہ ملت اسلامیہ کی امتیازی حیثیت کو ناسا کرنے کے لئے، ہندو کا پیہ اور اس کا دماغ پوری طرح
 م کر رہا ہے۔ نیشنل عوامی پارٹی اشتراکیت کے لئے زمین ہموار کر رہی ہے، یہ جو سننے میں آ رہا ہے کہ "مخلوط انتخاب" کو جزو دستور
 لانے کی غنڈا گمشادش کی جا رہی ہے، تو ایسا ہونا کوئی امر مستبعد نہیں ہے، ان اسلامی نظریوں کے مخالفین کے پیش نظر اصل
 حکیم تو یہ ہے کہ پاکستانی دستور کی اسلامی اسپرٹ کو ختم کر دیا جائے، "پاکستانی جمہوریہ" کے ساتھ لفظ "اسلامیہ" دیکھ کر یہ
 ک بہت بیچ و تاب کھاتے ہیں، اور ان کو خدا نخواستہ ملو قہ بل گیا تو پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنا کر دم لیں گے۔

اسلامی نظریات کے علاوہ جمہوریت کے لئے یہاں سب سے بڑا خطرہ ان بڑے لوگوں سے ہے، جن کو عوام پسند
 میں کرتے، اور جن کو خود بھی عوام میں اپنی اس غیر ہر و عزیز کی کا احساس ہے، اس لئے "انتخابات" میں ان کو اپنے

اقتدار اور فرمانروائی کی موت نظر آتی ہے، یہ "بڈے لوگ" انتخابات ٹالنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگادیں گے اور کیا عجب ہے کہ وقت کے وقت کوئی خطرناک قسم کا سیاسی بحران پیدا کریں۔

ہم نے پاکستان کی سیاست کا جو جائزہ لیا ہے اس میں کوئی بات ایسی نہیں کہی جس کی صحت پر ہمارا ضمیر مطمئن نہ ہو گیا، ہم کسی خوف سے حق بات کو چھپا بھی نہیں سکتے، اگر ہم سے اظہارِ واقعہ میں کوئی قلعہ ہو گئی ہے اور ہماری غلطی ہم پر واضح کر دی جائے تو اس کے اوقات میں ہم ایک لمحہ کے لئے بھی تامل نہیں کریں گے، ہمیں کسی شخص کی ذات سے کوئی کد اور پیر نہیں ہے، ہاں! یہ ضرور ہے کہ جب کسی کے قول و فعل کو ہم اسلام، ملت اور پاکستان کے لئے مضرت رساں پاتے ہیں، تو اس وقت ہماری دینی غیرت کا تقاضا ہوتا ہے کہ حق کا اعلان کریں اور غلط کاروں کو بے نقاب کر دیں! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ روس اور مقرر کی طرح حق گوئی پاکستان میں ابھی "جرم" قرار نہیں دی گئی!

ماحول بہت تاریک، فضا اتہائی مضطرب اور حالات بہت خطرناک ہیں، مگر انسان کے فکر و تدبیر اور ثبات و استقلال کی آزمائش ایسے ہی نازک موقعوں پر ہوتی ہے اسلام پسندوں کے اتحاد کا اس سے زیادہ نازک موقعہ اور کیا ہو گا؟ ضرورت ہے کہ اسلام پسندوں کی ایک ایک رت و قوت ایک مرکز پر جمع ہو جائے! اس وقت سامنے کی چیز یہ ہے کہ حکومت پر اس قدر دباؤ ڈالا جائے کہ "انتخابات" کا ٹالنا ناممکن ہو جائے۔ پاکستان میں جمہوریت کا عملاً نفاذ "انتخابات" ہی کے ذریعہ ہو گا۔ انتخابات میں اگر عوام نے مردم شناسی سے کام لیا اور اسلام پسندوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں ووٹ دئے، تو پھر کسی ٹکراؤ اور ناخوشگوار سی کے بغیر آئینی انقلاب آپ ہی آپ آجائے گا!

اسلام اپنے نفاذ کے لئے گندی سیاست اور غلط طریقوں کو پسند نہیں کرتا، یہ باتیں تو کیونہی ہی کو دیکھ دیتی ہیں کہ وہاں اپنے مقصد کے حصول کے لئے ہر بڑے سے بڑے طریقہ اور سازش کو کام میں لایا جاسکتا ہے مگر اسلام اس کی اجازت نہیں دے سکتا، پاکستان میں اسلام پسندوں کو ہر جدوجہد اسلامی اخلاق کے حدود میں رہ کر کرنی چاہیے، جوش ہو مگر ہوش کے ساتھ! جرأت ہو مگر تدبیر کے سایہ میں! ہر قدم پر اللہ کی رضا اور خوشنودی کا احساس! اخلاص، ایمانی فراست اور پاکبازی و خدا ترسی کے ساتھ فکر و عمل کی قوتوں سے کام لیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی ساتھ دے گی اور جسے اللہ کی نصرت میسر آجائے اس کو غالب اور فتح مند ہی ہونا چاہیے!

ماہر لکھنؤ

۲۲ دسمبر ۱۹۵۰ء

سبط فاروق (ایم۔ اے)

جدید تقاضے اور اسلام

آج انسان دور ہے پر کھڑا ہے، معاشرتی تاریکیوں میں سماجی بھول بھلیوں میں چشمہ مقصود کی تمنا اس کے دل میں موج زن ہے اور اس کی نگاہیں شمع ہدایت کی طالب ہیں، اسے راہ کی پہچان راستہ کی آنکھ تک نہیں اور گو مگو کے عالم میں وہ تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ چلتا اور پھر بھٹک کر لوٹ کر اسی مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں سے وہ چلا تھا۔ اس کا ذہن متضاد نظریوں کا شکار ہے اور اس کا جسم معاشرتی بحر ان، اور سوشل ابتری کا، حیاتِ جدیدہ کے تقاضے اب تک اسے ایک ایسے دور ہے پر پہنچا سکے ہیں جس کا ایک راستہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کے نام سے معنون ہے اور جس کی دوسری راہ اشتراکیت کی نظر فریب واوی سے گذر کر اشتراکیت کے خدایا حندق پر منتج ہوتی ہے۔

جدید علوم نے انسان کے فکر و نظر کو ضرور جلا بخشی ہے، اس کے دل و دماغ برق و رعد کی چمکا چومد اور گھن گرج سے ضرور متاثر ہیں، نظری سائنس اور سوشل سائنس ہر دو نے ذہنی اور سماجی حقائق کو ضرور اجاگر کیا ہے، اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انفرادی اور اجتماعی داخلی اور خارجی، فکری اور عملی زندگی کے منت نئے پہلو ابھر کر سامنے آ گئے ہیں اور موجودہ صدی کا انسان کنشت و کلیسا کی تنگنائے اور بندگلی میں واپس لوٹنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔

تجربہ و تعجب کی جگہ تفکر و تدبر نے لے لی ہے اور اوہام پرستی یا مظاہر پرستی کی اس کے ذہن میں قطعی گنجائش نہیں، اب اس کا لائحہ عمل اکتشافاتِ فطرت، حقیقت سخی کھوج سے اور یہ بنیادی امر جدید ذہنی کلچر کا روشن اور مثبت پہلو ہے۔ فضا میں معلو، پینڈا اور چاند تک پہنچنا اس قسم کے تجربات جنہوں نے ہوائی جہاز، ریڈیو اور ٹیلی وژن تک کو قصہ باضی بنا دیا اور ایسا نگاہ کی اس اہم تبدیلی کا ثمرہ ہیں۔

مگر اس امر واقعہ اور اس اساسی حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تخریب تعمیر پر مبنی ہے۔ جدید انسان نے مظاہر فطرت کو تسخیر ضرور کیا مگر خود ان کا شکار ہو گیا۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ ہے مگر بے بس ہے۔ یہ 'جن' توشیشی توڑ کر اس نے ضرور آزاد کر دئے مگر خود یہ جن اب اس کے سر میں روس کا اسپتک فضائی تجربہ اور تحقیقِ اسلمہ گفت و شنید کے متعلق اس کا مبدل رویہ اس حقیقت کی ایک چھوٹی مگر سامنے کی مثال ہے۔ اس کے لئے مورد الزام کوئی مخصوص طاقت یا طاقتیں نہیں بلکہ فرق صرف

زاویہ نگاہ کا ہے۔ تخریبی اسلحہ کی اس ریس کے پس پشت وہ تخریبی متضاد نظریات زندگی ہیں جنہوں نے اس کائنات کو حاصل کائنات سمجھ لیا ہے اور تخریب کائنات کے لئے باہم متصادم ہیں۔ امریکہ یا روس، برطانیہ ہو یا چین سب تخریبی اسلحہ سازی کی جنگ میں برابر کے شریک ہیں۔ امن عالم وظیفہ زبان پر ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ ہائیڈروجن بم یا ٹائٹروجن بم، راکٹ یا خدائیں اور کوبالت 'بم ہیں' ان متصادم طاقتوں میں سے کوئی طاقت وقتی طور پر دوڑ میں آگے بڑھ جاتی ہے اس کو غرہ ہو جاتا ہے کہ اب میدان مارا، وہ خواب دیکھنے لگتی ہے کہ اب اپنے نظام کی فتح اور مخالف نظام کی تباہی یقینی ہے اسی اثنا میں مخالف طاقت وقت لگا کر آگے ہو جاتی ہے اسے بھی اسی قسم گمان ہو جاتا ہے اور اس طرح یہ لامتناہی سلسلہ جاری رہتا ہے اس دوڑ اس ریس کا انجام یہی ہوگا نہ صرف ہر دو نظام زندگی محتم ہو جائیں بلکہ کل کرہ عالم تباہ و برباد ہو کر ریزہ ریزہ ہو کر فضا میں گم ہو جائے تو باہمی حقیقت کا عالم ہے، داخلی طور پر دونوں میں سے ہر ایک نظام بغیر کسی استثناء کے انتشار، فساد کا شکار ہے۔ کیونکہ ہر دو نظام یعنی سرمایہ دارانہ جمہوریت اور اشتمالیت، کپیٹلزم اور کمیونزم میں باہمی کتنا ہی تضاد کیوں نہ ہو ان کے مابین ایک غالب قدر مشترک ضرور ہے، عامیانا زبان دونوں ایک ہی عقلی کے چٹے بٹے ہیں ہر دو کا اصول حیات، اتمامی دائرہ فکر اور اساسی نظریہ حیات حیوانیت کے سوا کچھ نہیں اور ان کے مابین وہ لطیف شے گم ہو گئی ہے جو حیوانیت کو انسانیت کی سطح پر لاتی ہے، اخلاق انسانی کا وہ نازک رشتہ ٹوٹ گیا ہے جو آدمی کو بہائم سے میسر کرتا ہے۔

عملی طور سے، مخصوص طریقہ سے دیکھے، سرمایہ دارانہ نظام کو ایسے سرمایہ داری جب خوف زدہ یا جنگ آزما ہوتی ہے تو فاشنزم، نازی ازم یا کمپاروٹ اختیار کر لیتی ہے اور جب حالات پر نسبتاً حاوی ہوتی ہے تو اس نام پلوتوکریسی یعنی مالدار طبقے کی جمہوریت ہے، یہ سرمایہ داری یا ایک طرف نقطہ نگاہ ہوگا اگر اس کے پہلو نظر انداز کر دئے جائیں۔ جہاں فاشنزم سرمایہ بہمیت اور درندگی ہے وہاں پلوتوکریسی سرمایہ رو باہی مگر اس کے باوجود طبقہ دارانہ حدود میں پلوتوکریسی اندرونی امن یعنی قانون کے قیام و عمل کی علمبردار ہے آزاد آزادی مجلس، آزادی عمل، آزادی اظہار عطا کرتی ہے، پارلیمنٹری یا صدارتی جمہوری اجتماعی کردار مخالف ساتھ رواداری، تحمل و بردباری کا سبق دیتا ہے اور اس طرح اندرونی اصلاح کے زیادہ مواقع بہم پہنچاتا ہے جہاں کہ اس فضا میں کمیونزم تک کو پروان چڑھنے کی کھجالش ہوتی ہے۔ بیلٹ کبس کے فریڈ رائے شماری اور پریس پٹیٹ فارم کی آزادی سے عوامی شعور نشوونما حاصل کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

مگر جب یہ سب کچھ ہوتا ہے طبقہ داری حدود میں مقصد یہی ہوتا ہے کہ اسٹیٹ کے اندر اور باہر ذرائع پر ایک قلیل طبقہ کا قبضہ و تصرف ہو اور قبضہ و ملکیت بھی اتمامی صورت پر اجارہ داری اور ٹرانسنس کپٹلزم اور سما سامراج پر منتج ہوتا ہے اور اس طرح رزق، دولت چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ کر آ جاتی ہے اور ان 'CARTELS' ان جھٹوں کی گروہ بندیاں عالمی کساد بازاری، عالمی تجارتی بحران، 'TRADE CYCLES' اقتصادی انتشار عمومی بے روزگاری، عوامی بد حالی، فتنہ یہودیت اور بین الاقوامی جنگ جیسی ہیبت انگیز

ار ہوتی ہیں۔ آج فرنگ کی لگ جاں پچھلے یہودی ہے یہودی امریکہ برطانیہ فرانس کے وافر سرمایہ پر
 رت ہیں وہی گذشتہ جنگ کا ایک بڑا سبب بنے اور ان ہی کے فائننس کپٹل سے زیادہ تر دنیا کو کھینچی
 پچ بچار کھا ہے۔

یہ سب پلوٹو کرسی، سرمایہ دارانہ جمہوریت کی برکتیں ہیں، اب سبھی ویرے پر نظر ڈالئے۔ اشتراکیت اور
 مالیت، سوشلزم اور کمیونزم کو پرکھئے۔ اس کی بنیاد بیان کیا جاتا ہے۔ معاشرتی انصاف، سوشل جسٹس پر
 ہے۔ اس نام ہذا معاشرتی انصاف کی خاطر جمہوریت، عوامیت، آزادی، فکر و عمل، سب کو قربان گا۔
 بیٹ چڑھا دیا گیا ہے۔ کمیونزم کے اساسی اصول 'طبقہ داری جنگ'، خونخوار انقلاب، اقتدار، مزدور کے ہت
 بیٹ شپ کا قیام اور انجام کار، کسٹیت کا خاتمہ اور غیر طبقہ دار سماج کا قیام ہیں۔ مارکسزم معاشرے کی اساسی
 معاشرتی حس یا معاشرتی قدر قرار دیتا ہے وہ روحانیت کا سرا سر انکار کر کے اخلاقی قدروں کو معاشرتی قدر کی
 ٹی پر رکھتا ہے اور اخلاق میں اسے اضافیت ہی نظر آتی ہے یعنی جیسا موقع ایسا رویہ اگر حصول مقصد کے
 جھوٹ اور فریب سے کام چلے تو مارکسی اخلاقیات میں اس جھوٹ پر اس مکرو فریب پر سچائی اور راستی کو
 ن ہو جانا چاہئے۔ اس لئے موقع پرستی، ابن الوتمی کی خاطر کبھی ابن عام کے راگ گائے جاتے ہیں اور کبھی سول دا
 ونی خانہ جنگی اور عالمگیر جنگ کو سراہا جاتا ہے۔

یہی سبب ہے کہ مارکسزم اپنے اندرونی داخلی تضادات کا شکار ہے۔ اسی لئے طبقہ داری جنگ جیسے
 اساسی اصول کو ٹھکرا کر موجودہ فضا میں اندرونی توڑ پھوڑ یا طبقہ داری منافرت نیا اصول زندگی بن گیا
 ۔ کسان مزدوروں کے نام پر خونخوار انقلاب برپا کیا گیا مگر عملاً کلی طور پر کمیونسٹ پارٹی کے اعلیٰ عہدہ داروں
 'ری میجرز' اجتماعی فارموں کے ڈائریکٹروں اور پولیس فوج کے اعلیٰ افسروں پر مشتمل ایک قلیل بیوروکریسی دفتر
 ہی حامل اقتدار ہے اور اس طرح نئے طبقے وجود میں آ گئے ہیں جن پر خوف زدگی اور جنگ آزمائی کے بھوت
 ہیں۔ اسٹیٹ بجائے ختم ہونے کے استبداد کا آلہ کار بن گئی ہے اس استبداد کے پچھلے روز بروز مضبوط ہوا
 اور یہ استبداد چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ کر رہ گیا ہے جن کی باہمی خانہ جنگی حقیقتاً، اکھاڑ پھیر، ٹرنپ، لٹل
 کبھی سابق عظیم باب انسان کے مردے پر کورسے برائے جارہے ہیں، کبھی ٹراشکی، کامی ٹاٹ، بخارین کی
 آئی، کبھی بیسیا کی، کبھی مالوٹ، شہسپی ٹوٹ اور مالکوٹ کی اور کبھی ٹروٹوف کی، غرض حال کا عظیم بیورو
 قبل کا عظیم خدا ہے۔

کلاس دار طبقہ داری جنگ کے مرکز صنعتی مزدور کے بجائے غیر متمدن قبائل یا پس ماندہ زرمعی طبقے بن کر
 گئے ہیں اور اس طرح مارکسزم کے اساسی اصول، ہی یکسر بدل دیے گئے ہیں جس کے ذریعہ سب تانا بانا بنا گیا تھا۔
 پسندی کا سبب نام DYNAMISM انقلابی زاویہ نگاہ ہے۔

رہا معاشرتی انصاف، یہ ضرور ہے کہ REGIMENTATION اقتصادی جبری نام بندی سے بیروزگاری

کا خاتمہ کر دیا گیا ہے مگر اس روزگار نوازی سے کیا حاصل جب ایک ذیل روٹی کی قیمت چودہ آنے، ایک آنے کی قیمت سو روپیہ اور ایک جوتہ کی قیمت مزدور کے ایک ماہ کی تنخواہ ہے اور ایک جوڑے کپڑے کی قیمت تین ماہ کی تنخواہ یعنی کئی سو روپیہ ہے۔ کسان اور مزدور دونوں یکساں محنت کا وقت صرف کرتے ہیں مگر ان کے معیار زندگی میں ایک اور تین کی نسبت ہے اور ایک مزدور اور ایک مینجر کی تنخواہ میں تیس چالیس گنا فرق ہے یہ اقتصادی تفاوت خود ہی طبقہ واری معاشرہ کا ضامن ہے۔ نئے مالدار طبقے پیدا ہو رہے ہیں اور یہی مالدار طبقے ذرائع دولت اور سیاسی اقتدار کے بلا شرکت غیرے مالک و قابض ہیں اور محنت کش طبقے کسان مزدور جبری غلامی، بیگار اور ظلم و جور کا نشانہ ہیں۔

الفرض کمیونزم نے مادی زندگی کے صرف ایک پہلو یعنی معاشی مسئلہ کو لیا مگر اسے بھی حل کرنے کے بجائے پیچیدہ تر بنا دیا، مادی زندگی کا دوسرا پہلو جنسی مسئلہ ہے زن و شوہر کا رشتہ یعنی اہلی زندگی بھی اسی قدر اہم ہے جس قدر پیٹ اور بھوک کا مسئلہ۔ جنسی مسئلہ کا حل بھی اسی قدر و زنی سوشل مسئلہ ہے جس قدر تقسیم دولت کا اشتراکیت اس مسئلہ سے مراد مرادانی کرتی ہے اور اس کو ایک انفرادی پرائیویٹ معاملہ قرار دیکر نظر انداز کرتی ہے نتیجہ جنسی انتشار ہے!

جنسی مسئلہ کا تعلق پورے سوشل نظام جمالیات اور اخلاق سے ہے، اہلی زندگی ہی سے محبت و اخوت، ایثار اور خلوص کے چشمے پھوٹتے ہیں اس کے برعکس پیٹ کی بھوک تو انفرادی خود غرضی، بغض و عناد، حسد کینہ اور جنگ آزمائی کے لئے مجبور کرتی ہے، اس زن و شوہر کے رشتہ اور تولید و تناسل جیسے سوشل مسائل کو نظر انداز کرنا حقیقت سے دور بھاگنا ہے۔ جو معاشرہ اس مسئلہ کو حل نہیں کرتا اور جنسی بے لگامی کی اجازت دیتا ہے وہ اپنے اندر وہ تمام اخلاقی اور سماجی بُرائیاں پیدا کر دیتا ہے جو ایسی سوسائٹی کو گھن کی طرح کھا جاتی ہیں اسی لئے کمیونزم خود غرضی، ظلم و جور، فتنہ و فساد، قتل و خون ریزی، لاقانونیت، حسد کینہ، جرم و عصیان، مکر و فریب وغیرہ لغتوں کو پروان چڑھاتا ہے۔

یہ تو اشتراکی سماج میں مادی زندگی کا حال ہے۔ رہ گیا مذہب، اخلاق اور روحانیت اس کا جو حشر ہوا وہ ظاہر ہے اور اس کے اظہار کے لئے آنکھ میں آنسو، زبان میں قوت اور قلم میں طاقت نہیں۔

الفرض ہر دو جدید نظام ہائے زندگی یعنی سرمایہ دارانہ جمہوریت اور کمیونزم، شر و فساد کا منبع ہیں اور اپنے داخلی تضادات اور انتشار سے خود اپنے گورکن پیدا کر رہے ہیں۔ اہل فکر یعنی ذہین طبقہ اس فتنہ و فساد سے باخبر ہے مگر وہ مجب گومگو کے عالم میں حیران و سرگرداں ہے، اس پر بے یقینی طاری ہے اور بے یقینی معاشرہ کی موت ہوتی ہے۔ اس بے بسی کے عالم میں ذہین طبقہ، (INTELLIGENTSIA) کی دستگیری کر سکتا ہے مگر دشواری یہ ہے کہ اسلام تک ذہین طبقہ کی رسائی نہیں۔ باشعور طبقہ صرف اتنا جانتا ہے کہ اسلام روح اور مادہ، دنیا و آخرت، اخلاق اور معاشرت، معاشیات و جنسیات میں ایک حسین امتزاج پیدا کرتا ہے وہ حسین امتزاج کیا ہے یہاں تک اس کی دست رس نہیں، اسے کچھ علم نہیں کہ حقوق العباد کی بنیاد کس طرح عقیدہ توحید و رسالت پر قائم ہے اور دشواری یہ ہے کہ اسلام کی صفوں میں اندرونی انتشار ہے اور رہنمائی

مفقو وہ ہے اس کی نگاہیں طبقہ علماء کی جانب اٹھتی ہے مگر ذہین طبقہ اور طبقہ علماء کے مابین ایک وسیع حائل ہے، جن علوم جدیدہ یعنی سوشل اور نظری سائنس سے یہ ذہین طبقہ بہرہ ور ہے، ان علوم سے علماء مابعد ہیں اور جن علوم پر علماء کو عبور ہے ان سے یہ طبقہ سراسر بے بہرہ و بے نصیب ہے۔ دونوں طبقوں میں زاویہ نگاہ کا بھی فرق ہے۔ علماء کی زیادہ تر توجہ معاد و آخرت پر ہے، ماورائیت پر ہے، نظری اہلیات پر ہے، وہ ہر شے کو یونانی منطق و فلسفہ یا علم کلام کی رو سے دیکھتے ہیں اور ذہین باشعور طبقہ کی نظر اس لئے دنیا، اس کائنات پر ہے، نظری سائنس ہے وہ فضاؤں کا کھوج لگا رہا ہے اور سوشل سائنس سے اقتصادیات اور سیاسیات کی گتھیاں سلجھانا چاہتا ہے اسے عمرانیات کی جستجو ہے، اور اس بارے میں اس کو قرآن و حدیث کی ضیا پاشیوں کی ضرورت ہے، ہمارا ایمان ہے کہ قرآن ایک اساسی و بنیادی اور تحریر شدہ قانون WRITTEN LAW ہے اس کے ساتھ ہی معاشرہ کو بائی لاز اور کنونیشنوں کی ضرورت ہوتی ہے قوانین قرآن کی ایسی عملی تشریح و توضیح حدیث میں موجود ہے اور فقہ کی وہی حیثیت ہے جو JUDGE MADE LAW۔ ججوں اور ماہروں کے ذریعہ مرتب شدہ قانون کی ہوتی ہے۔ عمومی قانون کا تمام ترداد و مدار ان تین SOURCES ذرائع پر ہوتا ہے۔ بحمد اللہ قرآن پر ایک حرف میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا حدیث کے فن میں جو تحقیق و تدقیق کی گئی ہے اس کا اپنا مقام ہے اور فقہ کی باریک بینیاں جزئیات اور فروعات پر حاوی ہیں۔ یہ ہر سہ ذرائع ہی ذہین طبقہ کو راہ مقصود پر لگا سکتے ہیں اور ان تینوں ماخذ قانون تک جدید ذہین طبقہ کی رسائی نہیں۔

ظاہر ہے کہ علمائے کرام ہی اس اہم فریضہ سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں بشرطیکہ علماء اور ذہین طبقے کے زاویہ نگاہ میں ہم آہنگی ہو۔ ذہین باشعور طبقے میں ہزار گونہ برائیاں اور خامیاں ہیں مگر تسلیم کر لینا چاہئے کہ اس کے قلب میں خلوص ہے اور اس کی نگاہیں متجسس ہیں وہ چاہتا ہے کہ جدید عمرانیات جدید سوشل سائنسوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ضروریات وقت کے مطابق اتفاق دولت اور پیداوار دولت کے مسائل قرآن و حدیث کی روش سے واضح کئے جائیں اس کی نگاہیں ایک ایسے نظام کے لئے بے قرار ہیں جس میں پیداوار رزق، پیداوار دولت میں روز افزوں نشوونما کی ضمانت ہو جس میں سرمایہ کا صحیح مصرف ہو، جس میں معاشی انصاف ہو اور جس میں سیاست پر شیطانوں یا اجارہ داروں کا قبضہ نہ ہو۔

اب میری رائے میں یہ علمائے کرام کا فرض ہے کہ وہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد پر بھی نشئی بخش توجہ فرمائیں، قرآن حدیث اور فقہ کی منور روشنیوں میں علمائے کرام ہی اس اہم فریضہ کی بجا آوری کے اہل ہیں۔ دہر کو پیغام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اجائے کی ضرورت ہے اور علماء ہی مشعل بردار ہو سکتے ہیں۔

یہی تو سب سے بڑی خرابی ہے کہ مسلمانوں کے ذہین و باشعور طبقہ کی نگاہ صرف اسی کائنات پر ہے اور معاد و آخرت سے وہ غافل ہے کائنات کے وہ مسائل جن کے پیچھے آخرت کا تصور و یقین نہ ہو، انسانیت کے دکھ کا پورے طور پر ادراک نہیں کر سکتے، اس آخرت فراموشی ہی نے ملت اسلامیہ کو اس سستی تک پہنچا دیا ہے (مدیر)

پروفیسر سید احمد سہادری

انسانی ارتقاء

آجکل دنیا کے مفکرین کے ذہن میں یہ سوال چرچا لگا رہا ہے کہ آیا انسان اپنی فتوحات اور ارتقاء کی آخری حدود تک پہنچ چکا ہے یا ابھی اور آگے بڑھنے کا امکان باقی ہے۔ کچھ لوگ خیال کرتے ہیں کہ انسان اب اس نقطہ کمال تک پہنچ گیا ہے جہاں پہنچ کر ہر شے کا زوال شروع ہو جاتا ہے اور اب انسان خود اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کا سامان ہیا کر رہا ہے۔ اس نے ایسی ایسی خطرناک چیزیں تیار کر لی ہیں جو ذرا سی دیر میں ساری دنیا کو تباہ کر سکتی ہیں۔ لیکن دوسرے طرز فکر کے لوگ کہتے ہیں کہ انسانی ارتقاء بھی جاری رہے گا اور اس کے ابھی بہت دور تک جانے کے امکانات ہیں۔ ابھی ہماری اس دنیا کی مکمل تباہی کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے۔ ابھی ہم کو چاند تاروں میں پہنچنا ہے۔ وہاں اپنی آبادیاں قائم کریں گے۔ وہاں ہماری حکومت قائم ہوگی۔ نیچر کی ہر قوت پر ہم اقتدار حاصل کریں گے اور ان بے پناہ قوتوں کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کریں گے۔ ان دونوں طرز ہائے فکر کے لوگ دنیا کو صرف مادی حیثیت سے دیکھ رہے ہیں۔ ان کے نزدیک ترقی اور تنزل صرف مادے اور جسم سے متعلق ہے۔ اس قسم کی ترقی و تنزل کا ذکر کرتے وقت زندگی کا روحانی یا اخلاقی پہلو ان کی نظروں سے بالکل اوجھل اور پوشیدہ ہو جاتا ہے اور یہیں سے انسانی زندگی میں عدم توازن اور بد حالی پیدا ہو جاتی ہے۔ زندگی کی ترازو کا ایک پلہ بہت بھک جاتا ہے اور دوسرا پلہ آسمان سے باتین کرنے لگتا ہے بھلا اس قدر نشیب و فراز کی موجودگی میں عدل و توازن کس طرح برقرار رکھا جاسکتا ہے چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بھی ہماری زندگی غیر معتدل ہے۔

در اصل انسانی زندگی کی دو حصوں میں بنیادی تقسیم باوجود انتہائی مادی ترقیوں کے آج بھی اپنی جگہ پر قائم ہے اس میں شبہ نہیں کہ مادی لحاظ سے ہم بہت آگے بڑھ گئے ہیں اور نہ معلوم کہاں تک بڑھتے چلے جائیں گے لیکن یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ہم اخلاقی لحاظ سے ذلت کے عمیق ترین غاروں میں گرتے چلے جا رہے ہیں اور یہ انسان کی بڑی بد قسمتی ہے کہ اگر ایک چیز اس کو حاصل ہوتی ہے تو دوسری چیز اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ سائنس کی بے پناہ ایجادات ہمارے لئے اس دنیا سے آب و گل میں جنت کا سماں پیش کر سکتی تھیں لیکن انہوں نے اخلاقی اور روحانی انحطاط نے انہیں ایجادات کو ہماری زندگی کا سب سے بڑا دشمن بنا دیا ہے۔ اخلاقی گمراہی کی وجہ سے ہمیں ایک دوسرے کی زندگی، آزادی، عزت اور خوشحالی کو تباہ کر ڈالنے میں ذرا تامل نہیں ہوتا اور آج دنیا کے بہت سے مفکرین جمع رہے ہیں کہ اگر سائنسی ایجادات پر اخلاقی پابندیاں عاید نہ کی جاسکیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان خود اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کا خاتمہ کر لے گا۔ یہ ایجادات ہمارے لئے اسی وقت

باعث خیر ہو سکتی ہیں جبکہ ہم ان کے استعمال پر اخلاقی پابندیوں کی بلا دستی قائم کر دیں ان کا پورا پورا احترام کریں ورنہ یہ عین ممکن ہے کہ کوئی ملک ہو جس اقتدار اور ملک گیری کے شوق میں دوسرے ملکوں کو فتح کرنے کے لئے ان خوفناک قوتوں کو بروئے کار لے آئے جو ساری دنیا میں بڑی آسانی سے زندگی کا خاتمہ کر سکتی ہیں اور پھر خود بھی اپنی بھڑکانی ہوئی آگ میں جل کر راکھ ہو جائے علامہ اقبال مرحوم نے اس خدشے کو محسوس کر کے یہ پیشین گوئی کی تھی ۵

تہاری تہذیب اپنے ہاتھوں سے آپ ہی خود کشتی کرے گی
جو شخ نازک پہ آشیا دینے گا ناپائیدار ہو گا

مغربی ممالک کے وہ لوگ جو خدا - مذہب اور روح انسانی کو فراموش کر چکے ہیں ان کا حیات انسانی کے متعلق نظریہ صرف مادی ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن افسوس اس وقت ہوتا ہے جبکہ ایسے لوگ جو کہ خدا کے فضل و کرم سے مسلمان ہیں۔ خدا اور رسول پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔ خدا کے احکام کی پیروی کرتے ہیں۔ رسول کی سنت کا اتباع کرتے ہیں وہ بھی مغربی فلسفہ حیات اور توجیہ کائنات سے متاثر اور مرعوب ہو کر زندگی کے ایک ہی رخ کو لیکر کوئی حکم لگا دیتے ہیں اور ان کے ہم مشرب و ہم مسلک لوگ چیراں ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور نہیں سمجھ سکتے کہ ان کے یک رخے دعاوی کی کیا توجیہ کر میں۔ اسلام پر اس قسم کا ابتلا بہت پہلے سے مسلط رہا ہے کہ دانستہ بیگانوں کے فلسفہ حیات اور تصور کائنات سے متاثر ہو گئے اور اس تاثر کے تحت اسلامی فلسفہ حیات اور تصور کائنات کی تشریح کرنا شروع کر دی اور اس طرح غامتہ المسلمین کو ایک چکر میں ال دیا۔ دوسری تیسری صدی ہجری میں یونانی فلسفے نے اسلامی عقائد کو بے حد متاثر کیا اور نیتھے کے طور پر متکلمین اور معتزلہ کے فرقے پیدا ہو گئے اور آہستہ آہستہ یہ اثر بڑھتا چلا گیا یہاں تک فارابی - ابن سینا - امام رازی اور امام غزالی وغیرہ ان کے خیالات و عقائد سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کے بعد دوسرا زبردست ریلایہ یورپ کے صنعتی انقلاب کے جلو میں آیا اور ساری دنیا کے مسلم مفکرین کو بڑی حد تک متاثر کر گیا۔ ہندستان میں سرسید مرحوم کی قرآنی تفسیر اور فلسفہ نیچر اس کا بین ثبوت ہیں۔ علامہ شبلی مرحوم بھی اس - متاثر و مرعوب معلوم ہوتے ہیں چنانچہ "الکلام اور تاریخ علم الکلام میں اس تاثر کا پورا پورا تذکرہ کیا گیا ہے۔ آج ہمارے اپنے زمانے میں بھی بعض مفکرین اور علماء موجودہ سائنسی ایجادات سے بہت متاثر نظر آتے ہیں اور بعض اوقات کوشش کرتے ہیں کہ روحانی اور اخلاقی قدروں کی توجیہ موجودہ سائنس کی روشنی میں پیش کریں۔ ان کی یہ کوشش ہرگز مطمئن نہیں ہو سکتی اگر یہ لوگ حد سے تجاوز نہ کر جائیں اور عقائد کی بنیادوں پر تیشہ زنی شروع نہ کر دیں۔ سائنس اور فلسفے کے نظریات ہر آن بدلتے رہتے ہیں ان پر مذہب یا اخلاقیات کی بنیاد رکھنے کی کوشش انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے اور اس کا کم سے کم نتیجہ یہ ہو گا کہ ان نظریات کی طرح ہماری دینی روحانی - اور اخلاقی قدریں بھی ہر آن بدلتی رہیں گی اور زندگی کی کسی چیز میں استواری اور استقلال برقرار نہ رہ سکے گا۔ زندگی ایک بدلتا ہوا بہروپ بن کر رہ جائے گی یا سینما کی ہر لمحہ بدلنے والی ریل جو ہر لمحہ ایک نیارنگ روپ نظروں کے سامنے پیش کرتی چلی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں زندگی کی کسی چیز کو قیام و ثبات کیونکر حاصل ہو سکتا ہے نتیجہ یہ ہو گا کہ زندگی کی طرف سے بددلی بد اعتمادی اور مایوسی

پیدا ہوگی اور ذہنی سکون و آسودگی عنقا ہو کر رہ جائے گی۔ میں اس مقام پر ایک فاضل مسلمان فلسفی اور سائنس دان ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کی ایک کتاب کے چند اقتباسات پیش کروں گا جس سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ آجکل کے ہمارے اپنے مسلمان مفکرین جدید سائنسی نظریات اور جدید زندگی کی فلسفیانہ توجیہات سے کس قدر متاثر ہیں اور ان دونوں کی روشنی میں توجیہ کائنات پیش کرتے ہوئے کس حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب ایک جگہ اس کتاب میں فرماتے ہیں: "حالانکہ انسان دوسرے جانداروں کے مقابلے میں تخلیق کا ایک عجیب شاہکار ہے لیکن آج کا انسان مستقبل کے انسان کے مقابلے میں محض ایک جانور کی حیثیت کا مالک ہو گا۔ شعور نے ابھی اپنا ایک ادنیٰ سا حصہ موجودہ انسان کی ذات میں رونما کیا ہے۔ زندگی میں ابھی لاتعداد امکانات اور رجحانات پوشیدہ ہیں جو بروئے کار آنے کے لئے بیقرار ہیں۔"

ہم ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ دعویٰ تسلیم کر لیتے اگر یہ انسان کی مادی زندگی کے متعلق ہوتا۔ بلاشبہ ہماری مادی زندگی میں ابھی بہت سے امکانات اور پوشیدہ قوتیں ظاہر ہونے کے لئے بے فکر ہیں اور اگر زمانے نے ہمت دی تو یہ چیزیں پردہ ظہور پر رونا ہو جائیں گی لیکن اس دعوے کی ہمہ گیری غیر ذمہ دارانہ معلوم ہوتی ہے اور اس سے اتفاق کرنا ایک صاحب ایمان مسلمان کے لئے ممکن نہیں شاید محترم ڈاکٹر صاحب کو یہ جملہ کھتے وقت یہ خیال نہ رہا ہو گا کہ روحانی اور اخلاقی حیثیت سے انسان اپنے کمال کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ چکے ہیں اور اس حیثیت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے کردار اور ان کی شخصیتیں ہمارے سامنے ایک بلند ترین معیار پیش کر چکی ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ایک مسلمان اخلاقی و ایمانی لحاظ سے اس سے زیادہ اور کونسی بلندیوں کا متلاشی ہے اور وہ کس طرح یہ ہمہ گیری دعویٰ کر سکتا ہے کہ مستقبل کا انسان ہر لحاظ سے اتنا ارفع و اعلیٰ ہو جائے گا کہ اپنے اسلاف پر جب وہ نظر ڈالے گا تو وہ لوگ اپنے مقابلے میں اس کو جانوروں کی طرح پست نظر آئیں گے۔ ہمارے خیال سے تو معاملہ بالکل اس کے برعکس ہو گا اور اب بھی اسلاف اخلاقی میدان میں اپنے اسلاف سے کہیں زیادہ بلند ہیں مسلمانوں کے بارے میں تو ہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے اسلاف مجموعی طور پر ہم سے کہیں زیادہ بلند اخلاق اور صاحب ایمان تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کے مقابلے میں ایک مغربی مفکر کے چند جملے بھی پڑھ لیجئے جس میں اس نے موجودہ دور کے انسانوں کے اخلاقی انحطاط کا ماتم کیا ہے "موجودہ تہذیب ہمیں کچھ اس نہیں آ رہی ہے کیونکہ یہ ہماری بنیادی فطرت اور اس کے مختلف تقاضوں کو بغیر ملحوظ خاطر رکھے آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ یہ تہذیب سائنسی ایجادات کے پیدا کردہ اہام کے اجزائے ترکیبی سے مرتب کی گئی ہے۔ اس میں انسانی ہوس کاری۔ بے لگام آرزوئیں۔ بے انتہا شہوات۔ اور لاتعداد خود فریبیاں کارفرما نظر آتی ہیں۔"

دیکھئے کیرل ایک ایسے ملک کا رہنے والا ہے جہاں کے معاشرے میں خدائی احکام کا عملی زندگی میں بہت کم

(۱) Ideology of the future by Dr. Rafi

(۲) MAN the unknown by Caryl

دخل ہے اور مذہب و اخلاقیات کو ہمارے ایشیائی ممالک کے مقابلے میں بہت کم اہمیت حاصل ہے لیکن باوجود اس کے اس کو اپنی قوی بے راہ روی اور بد اخلاقی کا اس قدر شدید احساس ہے پھر ہم کو خدائی احکام کی بجا آوری کا دعویٰ ہے اور رسول کے اتباع کا فخر حاصل ہے کس منہ سے یہ غیر مشروط دعویٰ کر سکتے ہیں کہ انسان آج زندگی کے ہر پہلو کے لحاظ سے ترقی کرتا چلا جا رہا ہے اور نہ معلوم کب تک اسی طرح ترقی کرتا چلا جائے گا۔

گیرک اپنی کتاب میں اخلاق کی اہمیت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے "اخلاقی انضباط اور روحانی ترقی بھی انسانی زندگی کے لئے اتنے ہی ضروری ہیں جتنی کہ جسمانی صحت۔ آدمی کو اب اپنے اخلاقی انحطاط کی طرف فوری اور پوری توجہ کرنی چاہیے۔ یہ کوئی زندگی نہیں ہے کہ انسان اپنی اخلاقی قدروں کو تباہ کر کے تمام خیر و نیکی کے تصورات اور شرافت کے اجزا کو اپنی معاشرت سے نکال کر پھینک دے"۔

محترم ڈاکٹر رفیع الدین صاحب نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں ایک اور غیر مشروط سا جملہ لکھ ڈالا ہے جس کا ذکر یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں "اخلاق کے لئے کوئی بیرونی معیار مقرر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ شعور خود ہی اپنے لئے قوانین وضع کرتا ہے۔ چونکہ اخلاقی فعل ایک آزادانہ فعل ہے اس لئے اس کے لئے کوئی بیرونی اخلاقی معیار قائم کرنا خواہ وہ معاشرتی ہو۔ افادی ہو یا مذہبی شخصیت کے ارتقار کو محدود و محصور کرنے کے مترادف ہے۔ پابندی آزادی کی نفی ہے اس لئے قدرتی طور پر وہ اخلاق کی بھی نفی بن جاتی ہے"۔

اس جملے میں ڈاکٹر صاحب نے شخصیت کو بالکل واضح طور پر مذہبی اصول و ضوابط سے آزاد رکھنے کی تلقین کی ہے لیکن مغربی سائنس اور فلسفے سے متاثر ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ موصوف ایک راسخ العقیدہ مسلمان بھی ہیں اس لئے ان کی ایمانی قوت نے ان کو یہاں بڑی طرح بھنبھوڑا ہو گا۔ غالباً اسی وجہ سے انہوں نے آگے چل کر اسی کتاب میں اپنی اس غیر ذمہ دارانہ عبارت کو یہ لکھ کر سبذ جواز ہیا کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول چونکہ کامل ترین شعور کا مالک ہوتا ہے اس لئے اس کی پیروی میں بھی انسان کے شعور پر دراصل کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی کیونکہ رسول کی پیروی بھی دراصل اپنے ہی شعور کی پیروی ہے۔ یہاں آکر ڈاکٹر صاحب کی متضاد عبارتیں ایک چہستان بن جاتی ہیں۔ رسول کی پیروی ہی تو دراصل مذہب ہے پھر رسول کی پیروی کرنے کے بعد انسانی شعور پابندی سے آزاد کس طرح ہوا۔ رسول جو حکم دیتا ہے اس کی ہم خوشی سے پابندی کرتے ہیں خواہ ہمارا شعور اسے پسند کرے یا نہ کرے۔ اور یہی تو ایمان کا امتحان ہے کہ خواہ ہمارا نفس اور شعور کتنی ہی بغاوت کرے لیکن ہم اس کو مجبور کر دیں کہ وہ احکام خدا اور سنت رسول کی پیروی کریں۔ انسان کا شعور کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو جائے لیکن اس میں کبھی کبھی نفسانیت ابھرتی رہتی ہے۔ برائی اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتی ہے ایسے ہی وقت میں خدا اور رسول کی ہدایت کام آسکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کسی ایسے انسان کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں جو خدا اور رسول کی ہدایات اور توفیقات سے بے نیاز ہو کر ایک معیاری۔ متوازن اور پرہیزگاری کی زندگی بھن اپنے شعور کے بل بوتے پر گزار لے گیا ہو۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقینی ہے تو پھر وہ ایسی ناممکن الوقوع بات

ہلکے کیوں کمزور طبیعت کے انسانوں کو ایک خطرناک راستے پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہ نظریہ تو اس وقت ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ آنے والے انسان پچھلے تمام انسانوں حتیٰ کہ انبیاء و صحابہ و صلحا سے اخلاقی اور ایمانی لحاظ سے بہتر پیدا ہوں ورنہ خدائی احکام اور ہدایت کے تو انبیاء بھی محتاج رہے ہیں اور ان کا کام بھی خالی ان کے شعور سے نہیں چلا۔ اور پھر رسول کے قائم کردہ معیار زندگی کو۔ اس کے عطا کردہ قوانین کو۔ اس کی سنت کی پیروی کو آپ داخل چیز کس طرح قرار دے سکتے ہیں۔ نہ معلوم ڈاکٹر صاحب بیرونی معیار سے اس قدر کیوں گھبراتے ہیں۔ شاید مغربی فلاسفہ کا یہ قول ڈاکٹر صاحب کے دل میں گھر کر گیا ہے کہ انسان کو اپنی جبلت کی پیروی کرنی چاہیے۔ لیکن وہ بات فراموش کر دیتے ہیں کہ جبلت میں توازن۔ اخلاقی اور مذہبی قوانین سے ہی پیدا ہوتی ہے ورنہ حیوان اور ایک انسان ایک ہی سطح پر آجاتے ہیں۔ تہذیب کے معنی ہی یہ ہیں کہ انسانی جبلت سے وحشت کے آثار زیادہ سے زیادہ مناسب حد تک دور ہو جائیں اور نرمی۔ انس اور رواداری کے آثار پیدا ہوں گو وحشت کو مزاج انسانی سے بالکل نکال دینا بھی اس وقت مناسب اور ممکن نہیں ہے کیونکہ دماغ کے لئے اس جذبے کی بھی ابھی بڑی ضرورت ہے لیکن اس میں اعتدال پیدا کر کے صرف ضرورت کی حد تک اس کو برقرار رکھا جاسکتا ہے۔ فطرت انسانی میں اصول و ضوابط ہی جلد پیدا کرتے ہیں اور انسان کو اثرات المخلوقات کا درجہ عطا کرتے ہیں۔ بعض مغربی حکما کے ایک ہنگام سے دعوے کو برقرار رکھنے کے لئے ڈاکٹر صاحب اتنی خطرناک بات کہہ گئے ہیں کہ شعور انسانی کو مذہبی پابندی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اور پھر جب مذہبی پابندی کی ضرورت محسوس ہوئی تو گھبرا کر عجیب عجیب توہمیں کرنے لگے اور فرمانے لگے کہ رسول کے احکام کی پابندی و راصل پابندی نہیں کیونکہ وہ فطرت کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ فطرت کے مطابق ہو یا مخالف پابندی بہر حال پابندی ہے۔ صرف نام بدلنے سے یا کسی کی طرف نسبت دینے سے کسی چیز کی نوعیت نہیں بدلی جاسکتی۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کے احکام کی پابندی میں اکثر دل پر کافی جبر کرنا پڑتا ہے نفس کی بغاوت کو دباننا پڑتا ہے اور یہ کوئی بڑی بات نہیں تربیت و تہذیب اسی طرح عمل میں آتی ہے پھر انسان کی فطرت کوئی خیر محض نہیں ہے کہ بغیر تہذیب و تربیت کے فرشتہ سیرت بن جائے۔ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ اعلیٰ ترین تہذیب و تربیت کے بعد بھی کسی انسانی شعور کو پابندیوں سے بالکل آزاد کر دینا سخت خطرناک ہے کیونکہ انسان کی فطرت کے شر کے قوی ہمیشہ ابھرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ان پرسلسل نگرانی کی ضرورت ہے۔ کسی شخص سے بھی کسی وقت میں لغزش ہو سکتی ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب اس دنیا میں کتنے ایسے قابل شعور انسان پیدا کر سکیں گے جو ہر پابندی سے آزاد ہو کر صالح زندگی گزاریں ایسے لوگ اگر صدیوں میں دو چار پیدا ہو بھی گئے تو محض مافوقی اور استثنائی حیثیت کے مالک ہوں گے۔ استثناء اور مافوقیت پر ایک عام حکم لگا دیتا کس طرح مناسب ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے استدلال فرمایا ہے کہ مذہب انسان کی فطرت کی پکار ہے کوئی باہر سے ٹھونسی ہوئی چیز نہیں۔ بجا ارشاد ہے لیکن پھر لامذہبیت فطری پکار نہ ہوتے ہوئے کس طرح انسان کے دل و دماغ میں داخل ہو کر مسلط ہو جاتی ہے۔ فطری پکار مقابلہ کر کے غیر فطری چیز کو نکال کیوں نہیں دیتی معلوم ہوا کہ فطری پکار کو بھی داخل ہونے کے لئے کسی سہارے اور ذریعے کی ضرورت ہے۔ اور داخل ہو کر غیر فطری پکاروں کا مقابلہ کرنے کے لئے اور اپنے مستقل قیام کے لئے بھی سعی و کوشش۔ تہذیب و اصلاح

کی ضرورت رہتی ہے اس لئے انسانی شعور کسی حالت میں بھی ان چیزوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ بھی تو دیکھنے کی بات ہے کہ اس فطری پکار میں اختلاف کس قدر رونا ہوتا ہے۔ اس حد تک کہ ایک کا پیر و مشرق کو جاتا ہے تو دوسرے کا مغرب کو ایسی حالت میں حق و باطل کا امتیاز اور مقام اوسط کی تلاش بھی ضروری ہو جاتی ہے جو یقینی کچھ قواعد و ضوابط کی روشنی میں ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ اس فطری پکار کی نیرنگی ملاحظہ فرمائیں کہ اس کی فہرست میں توحید بھی شامل ہے اور شرک بھی۔ لادینی بھی شامل ہے اور دہریت بھی اور ہر رنگ کے کروڑوں پرستار دنیا میں موجود ہیں۔ تو آخر کسی کی فطری پکار نے تو فریب دیا ہی ہے۔ اور انسان دانستہ یا نادانستہ اس فریب میں مبتلا ہو گیا ہے۔ کیا ڈاکٹر صاحب ان سب کو ایک ہی نظر سے دیکھ سکیں گے اس لئے کہ یہ ان کی فطرت کی پکار ہے۔ یقینی ایک مسلمان کی حیثیت سے وہ اس کا جواب نفی میں دینے پر مجبور ہوں گے۔

ڈاکٹر صاحب کے استدلال سے توقع و باطل کا امتیاز ہی سرے سے مٹ جاتا ہے۔ ہر قسم کی پابندی اٹھالینے کے بعد انسانی معاشرہ وحشی جانوروں کا معاشرہ بن کر رہ جائے گا۔ انسان کے مزاج میں قدرت نے ضرورتاً وحشت و بربریت کا کافی حصہ دفاع کے لئے رکھ دیا ہے پھر اس کے نفس کے لاتعداد مطالبات ہیں جو تکمیل کے بعد قوت اور تعداد کے لحاظ سے بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ اگر ان کی تہذیب و تربیت اخلاقی اور مذہبی قوانین کے ذریعے نہ کی جائے تو انسان از خود دیانت اور انصاف کی طرف ہرگز مائل نہیں ہو سکے گا۔ انسانی مزاج کی تربیت ہی کی وجہ سے تو اس کے معاشرے میں تہذیب و تمدن کا ظہور ہوا ہے ورنہ تو یہ ہمیشہ ایک کندہ نارتراشس ہی رہتا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ بغیر کسی پابندی کے کس طرح ایک معیاری معاشرہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔ میں یہاں پابندی کے سلسلے میں ایک مشہور امریکن فلاسفر میکڈوگل کے چند جملے پیش کر دوں تاکہ میری بات کی تھوڑی سی تائید بھی ہو جائے اور یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ چوٹی کے مغربی حکما بھی اب اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ انسانی جبلت اور شعور کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا۔ آج تمام ماہرین نفس یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ انضباط ہی کا دوسرا نام تہذیب ہے بغیر انضباط اور پابندی کے۔ بغیر خیر و شر میں امتیاز کے اور بغیر قوانین و روایات کے دنیا میں سوائے وحشت و بربریت کے کچھ باقی نہیں رہ سکتا۔

ہندستان کے خریدار صاحبان

جن کا چندہ ختم ہو گیا ہے اپنا چندہ

”الحنات“ رام پور (یو۔ پی) کو بھیج کر۔

دفتر ”فاران“ کو مطلع فرادیں۔

عتاب نامہ

دوسرے رسالوں کی طرح "فاران" میں اگر کوئی خط شائع ہوتا، تو اسے "فاران" اور مدیر "فاران" کی مدح و منقبت پر مشتمل ہونا چاہیے تھا، مگر ہم نے اب تک اس باب میں اس قدر احتیاط ملحوظ رکھی ہے کہ "فاران" کے خاص شماروں (سیرت جبر اور توحید نمبر) پر رسالوں اور اخباروں نے جو شاندار تبصرے کئے ہیں، ان کے اقباسا تک "فاران" میں نہیں چھاپے! ہم اتنے بے نفس نہیں ہو گئے ہیں کہ کسی کی مدح و ذم سے ہمارا قلب کوئی اثر ہی قبول نہیں کرتا، اس اخلاص اور بے نفسی کا ہمیں دعویٰ نہیں ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ عام طور پر طبیعت اس سے! باکرتی ہے کہ ہم اپنی مدح و ستائش کا خود اعلان کریں!

اب کی بار "فاران" میں ایک صاحب کا "عتاب نامہ" شائع ہو رہا ہے، اس خط کی کوئی ادبی حیثیت نہیں ہے، اس قسم کی تحریریں اپنے اندر کوئی افادیت نہیں رکھتیں! اس مکتوب کے پڑھنے سے قارئین "فاران" کو اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ رسالوں کے ایڈیٹروں کی ذمہ داریاں کس قدر نازک اور پریچ ہیں، اور حق بات کہنے پر انھیں کیا کیا سستنا اور برداشت کرنا پڑتا ہے؟

اگر نفس معاملہ پر روشنی نہ ڈالی گئی تو تو یہ ہتھ پڑھنے والوں کے لئے ایک پہیلی اور مسمہ بن کر رہ جائے گی۔ بات یہاں سے چلتی ہے کہ احمد آباد سے ایک صاحب (جمال قریشی) نے اپنے "سلاموں" کا مجموعہ (جمال کر بلا) "فاران" میں ریویو کے لئے بھیجا تھا اس کو تقریباً ایک سال ہونے کو آیا ان کے دو تین خط بھی آئے جن میں "ریویو" کے لئے یاد دہانی فرمائی گئی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ اپنی کتاب پر "فاران" کے تبصرے کا انھیں انتظار ہے! اکتوبر ۱۹۵۷ء کے "فاران" میں "جمال کر بلا" پر تبصرہ کر دیا گیا، اسے پڑھ کر انھوں نے جو "عتاب نامہ" روانہ فرمایا ہے اسے جوں کا توں ہم یہاں درج کر رہے ہیں!

"فاران" جن حضرات کی نگاہ سے گذرتا رہتا ہے وہ ہمارے ہی نظر میں" کی اہمیت اور افادیت سے واقف ہیں کہ "فاران" میں کتابوں پر تبصرے کس قدر احساس ذمہ داری کے ساتھ کئے جاتے ہیں اور اس کام میں ہمارا کتنا وقت صرف ہوتا ہے! ہم اس کا دعویٰ نہیں کرتے کہ ہماری رائے سو فیصدی درست ہوتی ہے اور ہم جس چیز کے خوب و ناخوب ہونے کا جو حکم لگا دیں وہ (معاذ اللہ) وحی و الہام کا درجہ رکھتا ہے، اور ہماری رائے غلطی سے پاک ہوتی ہے! اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم اس غلط اندیشی اور خود بینی میں مبتلا نہیں ہیں! ہم بھی دوسروں کی طرح انسان ہیں، کوئی فرشتہ نہیں ہیں، ہم سے بھی بھول چوک ہوتی رہتی ہے! مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے دانستہ طور پر کسی ادیب، ناقد، مورخ، افسانہ نگار اور شاعر کے ساتھ

نا انصافی نہیں کرتے، اپنے نزدیک جس بات کو ہم حق اور قرین صواب سمجھتے ہیں، اس کا ہم پوری ذمہ داری کے ساتھ اظہار کرتے ہیں، ہم نے کسی کے کمال پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی اور ہم کسی کے محاسن کے اعتراف میں بخل کرنے کو ادبی خیانت سمجھتے ہیں!

”تنقید کو ہم نے ”تختین و ستائش سمجھا ہے اور نہ ”عیب جوئی و نکتہ چینی“! ”تنقید“ ہماری نظر میں ایک ”کسوٹی“ ہے جو کھوئے اور کھرے کو پرکھتی ہے! ہمارے ذوق، وجدان اور علم و مطالعہ کی ”کسوٹی“ جو کچھ پرکھ کر بتاتی ہے اس کے اظہار میں ہم کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے، اور اظہار حق میں کسی کی خوشی اور ناخوشی کی ہمیں پروا نہیں ہوتی! یہ تو ہو سکتا ہے کہ ہماری رائے غلطی کر جائے مگر دانستہ طور پر ہم نہ تو ثوب کو ناحوب کہتے ہیں اور نہ کسی کی کمزوری پر تختین و ستائش کا طمع چڑھاتے ہیں! یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے تبصرے عام طور پر کافی سے زیادہ پسند کئے جاتے ہیں اور بعض ارباب نظر کا بہت دنوں سے اصرار ہے کہ ”فاران“ کے تبصرے کتابی شکل میں شائع کئے جائیں! ہم نے بعض اوقات ایک ایک شمارے میں بیس بیس بائیس بائیس صفحات پر کتابوں کے تبصرے شائع کئے ہیں اور ”فاران“ مطالعہ کرنے والوں نے کسی آکٹاہٹ کے بیگزائن ”Re-views“ کو پڑھا ہے اور پسند کیا ہے ”فاران“ کے تبصرے پڑھ کر ہی ہمارے یہاں ناشرین اور مصنفین کی طرف سے اس کثرت سے کتابیں وصول ہوتی رہتی ہیں کہ بعض دوسرے رسالوں کے یہاں اس کثرت کے ساتھ کتابیں شاید وصول نہ ہوتی ہوں، اس وقت رسالوں کے ”خاص نمبروں“ کے علاوہ چھوٹی بڑی سو سے زیادہ کتابیں تبصرے کے لئے موجود ہیں اور دس پندرہ دن کے وقفہ سے ایک نہ ایک کتاب ریویو کے لئے آتی ہی رہتی ہے، بعض اہل قلم ہمارے تبصرے پڑھ کر ”زبان“ کی صحت کے معاملہ میں محتاط ہو گئے ہیں ”فاران“ کے غیر جانبدارانہ اور دیانت دارانہ تبصروں سے انفرادی طور پر بعض شاعروں اور ادیبوں کی ممکن ہے کہ دل شکنی ہو گئی ہو مگر مجموعی طور پر لکھنے پڑھنے طبقہ کو ان سے فائدہ پہنچا ہے! اب رہا ”دل شکنی“ کا معاملہ تو اس کی نوعیت یہ ہے کہ اگر ہر شخص کی طبیعت مزاج اور رجحان کی رعایت رکھی جائے تو دنیا میں اصلاح و انقلاب کی کوئی کوشش ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی!

”فاران جب نکلنا شروع ہوا تھا تو انہی دنوں میں کراچی سے ایک ماہنامہ ”گرد و پیش“ نکلا تھا، وہ جب ہمارے یہاں تبصرے اور تبادلے کے لئے آیا تو ہم نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے خود اپنی ایک نظم ”تنقید کی کہ۔“ ماہر القادری کی نظم میں لفظ ”نگاہ“ ”چشم“ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو محل نظر ہے۔“

مجلہ ”گرد و پیش“ کے ایک کارکن نے اس تبصرہ کو پڑھ کر بڑی حیرت کا اظہار کیا کہ ایک شاعر خود اپنی نظم کی کمزوری کی نشاندہی کرتا ہے اور اسے اپنے رسالہ میں چھاپتا ہے!

جگن ناتھ آزاد نے ”تاثرنا۔“ پامال کرنے کے معنی میں نظم کیا تھا، ہم نے ان کے مجموعہ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے اس لفظ پر گرفت کیا، مگر ایک صاحب نے توجہ دلائی کہ قدیم شعراء نے یہ لفظ (تاثرنا) ”پامال کرنے“ کے معنی میں نظم کیا ہے، ہم نے اس کی تصدیق کے لئے اردو لغات دیکھیں تو پتہ چلا کہ یہ لفظ

(تازنا) آجکل "پامال کرنے کے" معنی میں تو بیشک متروک ہے مگر اس کی اصل ملتی ہے۔ اس علم و اطلاع کے بعد ہم نے "فاران" میں اس کا اعلان کیا۔

بہت کم لوگوں کو اس کا احساس ہو گا کہ "فاران" میں کتابوں پر تبصرہ کرنے کے لئے ہمیں کس قدر محنت کرنی پڑتی ہے، اور اس معاملہ میں ہم ذمہ داری کا کس قدر شدید و نازک احساس رکھتے ہیں۔ حیدرآباد دکن سے دیوان غالب کی ایک شرح آئی ہوئی ہے، ہم اس پر چاہتے تو ادھر ادھر سے صفحات دیکھ کر چلتا ہوا ریویو کر سکتے تھے، مگر ہم ابھی تک اس کتاب کے ایک ہتائی حصہ کو پڑھ پائے ہیں دوسری "شروع" سے کلام غالب کی اس شرح جدید کا مقابلہ کر رہے ہیں اور "تنقید" کے لئے نشانات لگاتے جاتے ہیں، اس کتاب کو آئے ہوئے ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا مگر اس پر تبصرہ کی نوبت ابھی تک نہیں آئی۔ اہل حدیث کے بعض علماء کی کتابوں پر ہم نے پڑھ کر نشانات لگائے ہیں، مگر خفی فقہ کے بعض مسائل کی جن پر انھوں نے اعتراض کئے ہیں ہم تحقیق نہیں کر سکے، اس لئے ان کتابوں پر بھی اب تک تبصرہ نہیں ہو سکا۔

اس تمام محنت و عرق ریزی اور احساس ذمہ داری کے باوجود ہم سے بھول چوک بھی ہو جاتی ہے، یہ نہیں ہے کہ کسی کتاب کی نہ کوئی "خوبی" ہماری نگاہ سے چھپی رہتی ہے اور نہ کوئی کمزوری چھوٹنے پاتی ہے چند سطروں یا چند صفحات میں کسی کتاب پر تنقید کا پورا پورا حق ادا بھی تو نہیں ہو سکتا!

ذریعہ بحث مکتوب دہج کرنے سے قبل ہم اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ جو حضرات ہمارے یہاں کتابیں ریویو کے لئے بھیجتے ہیں، وہ ضبط و صبر سے کام لیں، ان کی کتابوں پر "فاران" میں تبصرہ ضرور کیا جائے گا۔ تبصرے کی تاخیر سے وہ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ ان کے ساتھ جان کر تساہل ہوتا جا رہا ہے، ریویو کی تاخیر کے بہت سے اسباب وجود ہو سکتے ہیں۔ اور وہ صاحبان جو اس کی توقع رکھتے ہیں کہ فاران میں ان کی صرف مدح سرائی کی جائے گی اور جو اپنے اوپر تنقید برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتے، اور جن کا طرف ذرا سی جنبش سے چھلک جاتا ہے، بہتر یہ ہے کہ وہ اپنی کتابیں ہمارے پاس نہ بھیجیں۔ (م۔ ق۔)

مکرمی ماہر القادری صاحب

السلام علیکم!

"چند دن ہوئے اکتوبر کا فاران ملا تھا شکریہ جمال کر بلا" پر ہندوستان و پاکستان کے مقتدر اخبارات و رسائل میں بڑے اچھے اچھے تبصرے ہو چکے ہیں لیکن مجھے آپ کے تبصرے کا خاص طور پر انتظار تھا اور امید تھی کہ آپ کا تبصرہ سب سے اچھا ہو گا آپ میری اس کاوش کو سراہیں گے۔ جو میں نے روایتی عزائی شاعری سے ہٹ کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن آپ کا تبصرہ شروع سے سیکر آخر تک مہل اور انتہائی ناروا لب و لہجہ پر مبنی ہے ایک طرف آپ خدا و رسول کی

عہ آج کل "تازنا" ڈانٹ ڈپٹ کرنے (TO REBUKE) کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

باتیں کرتے ہیں خود کو بڑا شاعر اور صاحب فن سمجھتے ہیں دوسری طرف آپ کا یہ عالم ہے کہ آپ نے کتاب کے محاسن کے سلسلے میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا گویا اس میں معائب ہی معائب ہیں ایک سو بارہ صفحات کی کتاب میں جب آپ کو علمی و فنی اغلاط نہ ملیں آپ نے ایک دو جگہ "حشو" و "زوائد" اور ایک جگہ کتابت کی غلطی کی بات نکال دی آخر میں مجھے بالکل ننھا بچہ قرار دے کر یہ بزرگانا مشورہ بھی دیا کہ مجھے اپنی نظمیں کتابی شکل میں چھپوانے کی جرات نہیں کرنی چاہیے تھی کیوں؟ کاش یہ بھی آپ لکھ دیتے۔ یہ عرض کر دوں کہ جسے آپ بچہ سمجھ رہے ہیں وہ گجرات کا بتیس سالہ شاعر ہے۔

"جمال کربلا" پر برہان دہلی، معارف اعظم گڑھ، ہماری زبان علیگڑھ، ساقی کراچی، بنگار لکھنؤ، سب رس حیدرآباد، قومی آواز لکھنؤ، شاعر ممبئی، اور دیگر اردو گجراتی اخبارات و رسائل میں انتہائی اچھے تبصرے آچکے ہیں اور سب نے "جمال کربلا" کو عزائی شاعری میں ایک اضافہ قرار دیا ہے اس کی نظموں سلاموں اور قطعات کو سراہا ہے مولانا نیاز فتحپوری، مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم۔ اے (فاضل دیوبند) پروفیسر خلیل الرحمان اعظمی، شاہ معین الدین ندوی، اعجاز صدیقی، مولانا حبیب الرحمن غزنوی وغیرہ آپ کے خیال میں بالکل معمولی اور نا سمجھ لوگ ہیں گویا علم و فن کے تمام اسرار و رموز سے صرف آپ ہی واقف ہیں تاہر صاحب دوسروں کو بیوقوف سمجھنے کی کوشش میں کچھ تو پاس و لحاظ ہونا چاہیے۔ ارباب علم و فن آپ کے تبصروں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے سب جانتے ہیں کہ محض اپنی فن دانی کے اظہار کی خاطر آپ کتابوں پر تبصرہ کرتے اور آپ کی نظریں سب سے پہلے لکھنے والوں کی غلطیاں تلاش کرتی ہیں جدید تنقید و تبصرے سے آپ بہت دور ہیں پھر جس انداز سے آپ لکھتے ہیں وہ اتنا دل آزار نہ ہوتا ہے کہ برداشت نہیں کیا جاسکتا اکثر بیشتر آپ کے اعتراضات نہایت معمولی ہوتے ہیں آخر یہ کہاں تک مناسب اور ادبی سنجیدگی کے مطابق ہیں یہ تو کوئی شرافت و انسانیت اور ادبیت نہیں ہوئی۔ ذیل میں آپ کے اعتراضات کا جواب پیش کر رہا ہوں۔

(۱) ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ تلاطم "ط" سے کتابت کی غلطی ہے میں آپ کی کتابوں اور رسالوں میں کتابت کی ایسی بچا سوں غلطیوں کی نشان دہی کر سکتا ہوں آپ کو اتنا تو معلوم ہونا چاہیے کہ نظم کے کسی منفر و شعر پر اسے دوسرے شعروں سے الگ کر کے اس طرح اعتراض نہیں کیا کرتے جس طرح آپ نے کیا ہے۔

(۲) اُمتِ محمد کی مشکلیں ہوئی آساں تیری ایک ٹھوکرے سے

آپ نے فرمایا ہے ٹھوکرا یہاں کیا محل تھا۔ میں عرض کروں گا کہ آپ کے اس بیجا اعتراض کا کیا محل تھا؟ حضرت امام حسین نے حق کی حمایت میں ہر چیز کو ٹھکرا دیا تھا اور یہ اُمتِ محمدی کے لئے حد درجہ فائدہ بخش ثابت ہوا "کردار حسین" کی تقلید نے مسلمانوں کی بہت سی مشکلات کو دور کر دیا آپ کہتے ہیں پورشوں میں حیات کا ڈوبنا یہ کیا انداز بیان ہے۔ جی!

میرے نزدیک تو یہ اندازِ بیان پڑھے لکھوں کا ہے۔ یورش کے معنی حملہ، چڑھائی، اور دھاوا ہیں غم کے بہت سے حملوں میں کیا نہیں ڈوبا جاسکتا آپ شاید کنوئیں سمندر، دریا، ندی اور نالے ہی میں ڈوبنے کو ڈوبنا سمجھتے ہیں شاید فراوانی رنج و خوشی نور و ظلمت وغیرہ میں ڈوبنا جن لوگوں نے لکھا ہے وہ سب جاہل تھے۔ ماہر صاحب۔ اردو کا گلخانہ گھونٹے، ملائیت کو ادبیت سے دوہی رہنا چاہیے کسی ماہر فن سے پوچھیے کہ

تلاطمِ غم کی یورشوں میں حیات ڈوبی ہوئی ملے گی

درست اندازِ بیان ہے یا نہیں طوفانِ غم کے حملوں میں حیات ڈوب سکتی ہے یا نہیں۔

تاریخی بزمِ عالم بھی طلعت سے تری صنوبر ہوئی

میں آپ ”بھی“ کو ”حشو و زوائد“ کہتے ہیں اگر ”تہنا“ ”حشو“ کہتے تو کیا حج تھا؟ کاش آپ یہ ہی بتا دیتے کہ یہ ”حشو“ کی کونسی قسم ہے ”حشو“ طبع بھی تو ہوتا ہے رہا اعتراض تو میں عرض کروں گا کہ بھی ہرگز زائد نہیں ہے، بھی کہہ کر میں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ماہِ نبوت کسی ایک قوم اور کسی ایک خطہٴ زمین کے لئے طلوع نہیں ہوا تھا۔ بلکہ پوری دنیا کے لئے۔ اب فرمائیے ”بھی“ ”حشو“ ہے یا ضروری؟

تسلیم و رضا کے مسدک سیت کا سندیسہ ٹھکرا کر

ہائے!! سندیسہ پر آپ نے اعتراض کر کے اردو شاعری کے مزاج سے عدم واقفیت کا پورا پورا ثبوت دیا ہے۔ ایک نہیں یکا۔ شعر اس قسم کے پیش کئے جاسکتے ہیں جن میں ہندی کے آسان الفاظ عربی فارسی الفاظ کے ساتھ خوبصورت معلوم ہوتے ہیں یہ اہل ذوق ہی جان سکتے ہیں کہ میرے مصرعہ میں سندیسہ کتنا بھلا معلوم ہو رہا ہے ہاں ایسے الفاظ لانا ناروا ہیں جو سماعت پر بار ہوں سندیسہ پیغام سے بہت اچھا ہے یہ کہہ دینا تو بہت آسان بات ہے کہ فلاں لفظ شعر کی معنویت سے ہم آہنگ نہیں ہے میرے مصرعہ سے

کچھ اور بڑھادی تھی تو نے اسلام کی زینت کیا کہنا

میں زینتِ شعر کی معنویت سے کیوں ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس کی بھی آپ نے تشریح کر دی ہوتی یہاں وقعت بھی ہو سکتا تھا لیکن زینت میں جو ہمہ گیری اور واقفیت ہے وہ اپنی جگہ بہت اہم ہے کیا ازکار بیعت نے ایسے اسباب پیدا نہیں کئے جن سے اسلام کی سجاوٹ اور آرائش ہوئی۔ جو لوگ تاریخِ اسلام سے واقف ہیں وہ میری تائید کریں گے۔

اللہ اللہ سجدہ عالی کا یہ حسنِ نیاز ہو کے میدان کو بنایا کعبہ ثانی حسین

آپ کہتے ہیں سجدہ سے کی صفت عالی اور اسفل نہیں ہو سکتی اگر ذرا سی دیر کے لئے مان بھی لیا جائے تو میں بحیثیتِ مسلمان آپ سے صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت امام حسین کا سجدہ ماہرِ قادری کے سجدے جیسا تھا؟ کیا ان کی عبادت اور ان کا استغراق عمومی تھا

اگر ہائے سجدوں اور ان کے سجدوں میں کوئی فرق ہو سکتا ہے ارکان نماز کی حیثیت سے نہیں بلکہ کیفیت کے اعتبار سے توحین کے سجدے کو سجدہ عالی کہنا نہ صرف علمی اعتبار سے بلکہ حسن کی عظمت و بزرگی کے پیش نظر مناسب ہو روزوں سمجھتا ہوں۔ آپ اپنے سجدوں کو حسین کے سجدوں کا ہم پتہ سمجھے تو سمجھیں۔ میں تو یہ جرات نہیں کر سکتا ہم دن رات معمولی لوگوں سے پوچھتے ہیں کہیئے مزاج کیسا ہے؟ جب کسی بڑی شخصیت کے سامنے ہوتے ہیں تو صرف مزاج عالی کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ جناب اور جناب عالی بھی شخصیتوں کے اسی فرق کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے۔ اگر آپ یہ کہہ دیں کہ جناب نہ اسفل ہوتا ہے نہ عالی۔ تو اس کا کیا علاج۔ آپ نے میرے اشعار پر صرف پانچ چھ اعتراضات کئے ہیں۔ شکر ہے کہ آپ کی "خوئے اعتراض" کو ایک سو بارہ صفحات کی کتاب میں اس سے زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن میں انہیں اعتراض برائے اعتراض سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ میں تو بشریت کے تقاضوں اور اپنی بے مائیگی کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھتا تھا کہ اہل علم کو زیادہ خامیاں نظر آئیں گی اور میں نے "عرض حال میں" اس کے متعلق لکھا بھی ہے میں اپنی واقفی غلطیوں کو ہر وقت ماننے کے لئے تیار ہوں لیکن خواہ مخواہ کے اعتراضات کو اپنی خام کاریوں سے منسوب نہیں کر سکتا پھر مجھے اس ذات گرامی پر بھی ناز ہے جس کی نظر سے میرے عزائی کلام کے بعض حصے گزرے ہیں۔

آخر میں مجھے جس بات پر سب سے زیادہ احتجاج کرنا ہے وہ ہے آپ کا یہ جملہ علامہ اقبال کی کتابوں پر جس طرح لکھا ہوتا ہے جملہ حقوق اخذ و نقل و ترجمہ و طباعت محفوظ۔ اسی طرح جمال قریشی نے بھی یہ عبارت درج کرائی ہے اس خوش فہمی کا کوئی جواب ہے "یہ آپ نے میری ذات پر انتہائی ناروا اور ناقابل برداشت حملہ کیا ہے۔ میری عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔ آپ کی یہ طنز ہرگز اس قابل نہیں کہ اسے بھولا یا جاسکے یا آپ کو معاف کیا جاسکے تا وقتیکہ آپ اپنا یہ جملہ واپس نہ لیں۔ آپ نے نہایت معمولی بات کو خواہ مخواہ علامہ اقبال تک لے جانے کی کوشش کی ہے۔ اور اسے اپنی جگہ میری خوش فہمی سمجھا ہے حالانکہ یہ سراسر آپ کی کم فہمی اور طعنہ طرازی کی دیرینہ عادت ہے یہ ظلمیں تیر چھوڑنے کا آپ کا وہ مسلک ہے جس نے پڑھے لکھوں کی نظریں آپ کی عزت اور وقت کو بڑی حد تک کم کر دیا ہے اور آپ کے ایک مخلص کی حیثیت سے مجھے بھی اس کا بڑا افسوس ہے۔

سینے میں گجرات کا شاعر ہوں اور گجرات میں گجراتی زبان کے شاعر رسائل، اخبارات بغیر پبلشرز اکثر اردو کی چیزوں کو استعمال کر لیتے ہیں اسی لئے مجھے ضرورت محسوس ہوئی کہ میں اپنی کتاب پر جملہ حقوق اخذ و نقل و ترجمہ و طباعت محفوظ لکھوں۔ اب آپ کی سمجھ میں آیا حاشا میرے وہم و گمان میں بھی وہ بات نہ تھی جو آپ کے دل و دماغ نے پیدا کی ہے ایسی باتیں آپ ہر شاعر ادیب اور مصنف پر متصر کرتے ہوئے کرتے ہیں۔ آپ نے پرستاران اقبال کے سامنے مجھے ذلیل اور بدنام کرنے کی شرمناک کوشش کی ہے میں آپ کا یہ آخری جملہ پڑھ کر ٹرپ اٹھا مجھ پر بیخ و غم کا ایک عالم طاری ہو گیا اس لئے کہ میں آپ سے زیادہ علامہ اقبال کا پرستار ہوں۔ ان سے ایک واہمانہ محبت رکھتا ہوں اگر آپ کے تبصرے

میں یہ دل دکھانے والی بات نہ ہوتی تو میں آپ کے معمولی اعتراضات کا ہرگز جواب نہ دیتا اگر آپ مسلمان ہیں ایماندار ہیں خدا اور رسول کا خوف آپ کے دل میں ہے جماعت اسلامی کے اصولوں پر کاربند ہیں دین و دانش کی باتیں کرنے کا ادعا ہے شریعت کے پیرو ہیں سچائی کے پرستار ہیں اور آپ میں اخلاقی جرات بھی ہے تو میرا یہ خط از ابتدا تا انتہا بجنسہ لفظ بہ لفظ فاران کی آئندہ اشاعت میں چھاپ دیکھے تاکہ جن لوگوں کی نظر سے آپ کا دل آزار تبصرہ گزر چکا ہے وہ میری معروضات بھی دیکھ سکیں۔ اگر آپ نے میرا یہ خط فاران میں نہ چھاپا تو میں اس خط کو ہندوستان اور پاکستان کے ہر چوں میں چھپواؤں گا ایک کتابچہ شائع کروں گا اس میں آپ کے ان غلط اعتراضات کو دکھاؤں گا جو آپ نے دوسروں پر کئے ہیں ان تمام اعتراضات کو ایک جگہ جمع کروں گا جو آپ کے مجموعہ فردوس پر ہوئے ہیں۔ فردوس کی دوسری فنی اور معنوی غلطیوں پر ارباب علم و فن سے لکھاؤں گا تاکہ آپ کی ادبیت اور فنی دانی کے پردے چاک ہو سکیں۔ آئندہ آپ دوسروں کے سینے میں اس طرح چھوریاں نہ بنو سکیں۔ میں خاموش نہیں بیٹھوں گا آپ کو اس سے زیادہ نقصان پہنچاؤں گا۔ جتنا آپ نے مجھے پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے دوسروں کو بے عزت کرنا شاید مذاق سمجھا ہے تنقید و تبصرہ کی کچھ تو حدود و قیود ہوتی ہیں۔ یقین کجھے اگر آپ میرے ایک ایک شعر کو ہدف اعتراض بنا لیتے تو مجھے اتنا رنج و متنوس نہ ہوتا جتنا آپ کی آخری بات سے ہوا ہے۔ آپ کے آخری جملہ کالب و لہجہ کتنا زہرناک ہے خدا کی پناہ مجھے فوراً لکھنے کہ آپ میرا یہ خط چھاپ رہے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو میں کوئی دوسرا انتظام کروں اگر آپ نے میرا یہ خط نہ چھاپا تو پاکستان کے ادبی اور مذہبی حلقوں میں اس انصافی کے خلاف بجدو بے انتہا احتجاج ہو گا میں ایک بار پھر آپ کی نوازشیں بیجا کا شکر یہ ادا کرتا ہوں آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔“

خادم جمال قریشی (احمد آباد)

جواب :-

سلام مسنون کے بعد جواباً عرض ہے کہ :-
 (۱) آپ میرے لئے بالکل نئے ہیں اس لئے آپ کی ذات سے مجھے کسی قسم کی پر خاش نہیں ہو سکتی میں آپ کو شعر و ادب کے میدان میں آپ کو اپنا حریف و رقیب بھی نہیں سمجھتا، اس کا وہم بھی میرے ذہن و دماغ میں نہیں گزر سکتا کہ آپ کی "شہرت" مجھ ہیچیدان کی ذات اور حقیر شخصیت پر اثر انداز ہو سکتی ہے، یا آپ کے نام و نمود سے میں دب کر اور گننام ہو کر رہ جاؤں گا، میں نے آپ کا مجموعہ کلام پڑھ کر جو اثر قبول کیا، اس کا اظہار کر دیا ہو سکتا ہے کہ میری رائے نے غلطی کی ہو، میری قلم نگاہی کے سبب آپ کے کلام کے محاسن مجھے نظر نہ آئے ہوں۔ مگر میں نے آپ کے کلام پر تنقید کا شواہد کلا آپ کو مطمئن کرنے کے لئے نہیں کی! اور آپ کو گرا کر زس ذرا بھی بلند نہیں ہو سکتا! کاش!

اس تصحیح کے بعد آپ کی غلط فہمیاں دُور ہو سکیں!

(۲) آپ کی اس جھنجھلاہٹ اور عتاب کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنا مجموعہ کلام اس توقع کے ساتھ بھیجا تھا کہ میں آپ کے کلام کی لامحالہ تعریف کروں گا بلکہ آپ کے محاسن کلام کے اعتراف میں دوسرے تنقید نگاروں سے بڑھ جاؤں گا۔۔۔ "فاران" کا تبصرہ پڑھ کر جب آپ کی توقع پوری نہیں ہوئی تو آپ کو طیش آگیا اور طیش کا غلظت پھیل کر ایک خاصہ طویل "عتاب نامہ" بن گیا! شعر و ادب اور نقد و محاکمہ کی دنیا میں اس قسم کی توقعات قائم نہیں کیا کرتے، اپنے سر اہے جانے کے داعیہ اور جذبہ پر توقعات کی عمارت قائم کرنا ہی نفس کی بنیادی کمزوری ہے!

عزیز من! اللہ رکھے! آپ تو ابھی زندگی کی بہت سی منزلوں اور وادیوں سے گزرنا ہے۔ اس قسم کی توقعات سے آئندہ گریز کیجئے! عربی کی مشہور ضرب المثل ہے:

مَنْ صَنَعَ فَقْدًا اسْتَهْدَفَ

(جس نے کوئی چیز لکھی اور تصنیف کی، اسے ہدف (تنقید) منور بنتا پڑا) تصویر کے اس رخ کو بھی سامنے رکھیے!

(۳) آپ نے جس رسالوں کے نام لکھے ہیں، انہوں نے جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے آپ کے مجموعہ کلام کو واقعی سراہا ہوگا مگر میں کسی کتاب پر تبصرہ دوسرے رسالوں اور اخباروں کی تنقید میں پڑھ کر نہیں کرتا، کتاب پڑھنے کے بعد میرا ضمیر اور وجدان جو فیصلہ کرتا ہے، میں اس کا اظہار کرتا ہوں۔ رسالوں میں جو عام طور پر تبصرے ہوتے ہیں، ان کا بعض اوقات یہ رنگ بھی ان آنکھوں نے دیکھا ہے کہ ایک شاعر کے مجموعہ کلام میں بعض اشعار بجا اور ذہن سے خارج ہیں مگر اس کتاب کو سراہا جا رہا ہے اور زبان کی فاحش بلکہ سامنے کی غلطیوں تک پر گرفت نہیں کی جاتی! ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک کتاب کی "فاران" میں تعریف کی گئی ہے مگر دوسرے رسالہ کی "تنقید" پڑھ کر پتہ چلا کہ اس کتاب کی بعض شدید قابل اعتراض باتوں پر ہماری نگاہ نہیں گئی!

ہندوستان میں "اردو" کے ساتھ جو دردناک سلوک ہو رہا ہے اور اردو داں طبقہ کو جو گونا گوں مشکلات پیش آرہی ہیں، ممکن ہے کہ ان تمام نراکتوں کا اندازہ کرتے ہوئے وہاں کے اردو رسالوں اور اخباروں کی یہ پالیسی ہو گئی ہو کہ نئے لکھنے والوں کا دل بڑھانے کے لئے ان کی کتابوں پر تحسین آمیز انداز ہی میں تبصرے کئے جائیں!

(۴) آپ نے مجھ پر الزامات وارد کئے ہیں کہ۔۔۔ میں دوسروں کو بے وقوف سمجھتا ہوں، میں اپنی فن دانی کے اہتمام کے لئے کتابوں پر تبصرہ کرتا ہوں میرے تبصرے دل آزار نہ ہوتے ہیں۔ ان میں شرافت انسانی اور ادبیت نہیں ہوتی۔۔۔ آپ کی نظر سے "فاران" کے تبصرے یقیناً گزرتے رہے ہیں، جب آپ کو میری "تبصرہ نگاری" کی یہ تمام خامیاں معلوم تھیں تو پھر آپ نے اپنی کتاب "فاران" میں تبصرے کے لئے کیوں بھیجا اور آپ پر جب اچھی طرح روشن تھا کہ میں کس

شاعروں اور ادیبوں کی تحریروں کے صرف تاریک رخ ہی پیش کیا کرتا ہوں، تو پھر آپ کو اپنے سلاموں کے مجموعہ کے بارے میں یہ خوش فہمی آخر کس بنا پر ہوتی کہ میں جو دوسرے شاعروں ادیبوں کی، جو کرتا ہوں آپ کے کلام فصاحت التیام سے مسحور و مرعوب ہو کر آپ کی تصدیق خوانی کے لئے مجبور ہو جاؤں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کی نگاہ میں میری تنقید نگاری کی وقعت تھی، آپ "فاران" کے تبصرے پڑھتے رہے ہیں ان کی اہمیت کا نقش آپ کے ذہن و فکر پر ثبت تھا۔ آپ نے "فاران" کو ایک وقیع رسالہ سمجھ کر ہی اپنی کتاب ریویو کے لئے بھیجی تھی، آپ نے دو یا تین خط بھی یاد دہانی کی غرض سے بھیجے ہیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ "فاران" کے تبصرہ کا آپ کو شدید انتظار ہے، مگر اپنی توقعات کے خلاف "فاران" کا تبصرہ پڑھ کر آپ جھنجھلا گئے، اور بس اُس کے بعد سے میرے محاسن آپ کی نگاہ میں معائب بن گئے۔ آپ نے جو الزامات مجھ پر لگائے ہیں، ان کی اس طرح ہاتھ کے ہاتھ تردید ہو جاتی ہے۔

(۵) "فاران" میں جو چند اعتراضات آپ کے کلام پر کئے گئے ہیں، ان کے آپ نے جو جوابات اپنے خط میں دئے ہیں وہ اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتے۔ اتنی سامنے کی غلطیوں کو آپ نے ماننے کے بجائے ان کی تاویل میں کرنے کی سعی رائیگاں اور کوشش بیجا کی ہے،

میں نے "طلاطم" کے سلسلہ میں صرف اتنا لکھا تھا — "طلاطم غم کی یورشوں میں حیات ڈوبی ہوئی ملے گی (صفحہ ۱۰۱) صحیح اطلاق "طلاطم" ہے۔ میں نے جان کر اس بات کو مبہم رہنے دیا کہ یہ غلطی کاتب کی ہے یا مصنف کی ہے! مگر اب میں کھل کر کہتا ہوں کہ اس الزام کو آپ بیچا سے کاتب کے سر نہیں منڈھ سکتے، آپ کے اس مکتوب میں جو آپ نے خود اپنے قلم سے لکھا ہے اطلاق دو غلطیاں موجود ہیں، آپ نے "بزرگانہ مشورہ" کو "بزرگانا مشورہ" (ہ کے بجائے الف کے ساتھ) اور "چھریوں" کو "چھوریوں" لکھا ہے، "چھوری" تو ہندی میں پتی کو کہتے ہیں، یعنی جسے عربی میں "آنہ" اور انگریزی میں Miss بولتے ہیں! "چھری" میں "پش" ہے واو نہیں ہے! پھر آجکل نئے ادیب و شاعر عام طور پر "طلاطم" کو "طلاطم" اور "غیظ" کو "غیض" لکھتے ہیں اکثر کتابوں اور رسالوں میں ان دو لفظوں کی حد تک اطلاق غلطیاں دیکھنے میں آتی رہتی ہیں اور آپ بھی یقیناً اس غلطی میں مبتلا تھے!

آپ کے اس مصرعہ :- اُمت محمد کی مشکلیں ہوئیں آسماں تیری ایک ٹھوکر سے کے بارے میں عرض ہے کہ یہاں "ٹھوکر" واقعی بے محل ہے، آپ نے اس کی جو توجیہ کی ہے کہ "حضرت امام حسینؑ نے حق کی حمایت میں ہر چیز کو ٹھکرا دیا تھا، اور یہ اُمت محمدی کے لئے صد درجہ فائدہ بخش ثابت ہوا، کردار حسینؑ کی تقلید نے مسلمانوں کی بہت سی مشکلات کو دور کر دیا۔" اس سے "ٹھوکر" کے بے محل ہونے کا اعتراض رفع نہیں ہوتا! "ٹھوکر" استعمال کرنے کے دو قرینے ہیں۔

"اس نے ایک ٹھوکر میں باطل کے قلعہ کو پاش پاش کر دیا"

اس میں "ٹھکرانے کے فعل کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے،

مگر — " اس نے ایک ٹھوکر میں مشکلوں کو آسان کر دیا " اس میں کسی باطل یا ناخوشگوار شے کو بے وقتی کے ساتھ " ٹھکرانے " کا مفہوم پہنچا نہیں ہوتا۔
تلاطمِ غم کی یورشوں میں حیات ڈوبنی ہوتی ملے گی۔

اس پر میرا اعتراض یہ تھا کہ — " یورشوں میں حیات کا ڈوبنا " یہ کیا انداز بیان ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے —

" میرے نزدیک تو یہ انداز بیان پڑھے لکھوں کا ہے، یورش کے معنی حملہ، چڑھائی اور دھاوا ہیں، غم کے بہت سے حملوں میں کیا نہیں ڈوبا جاسکتا، آپ شاید کہتے ہیں، سمندر، دریا، ندی اور نالے میں ڈوبنے کو ڈوبنا سمجھتے ہیں، شاید فراوانی، بے خوشی، نور و ظلمت وغیرہ میں ڈوبنا جن لوگوں نے لکھا ہے، وہ سب جاہل تھے، ماہر صاحب اردو کا گلہ نہ گھونٹئے، ملائیت کو ادبیت سے دور ہی رہنا چاہئے۔ "

یہ کس محبت نے کہا تھا کہ غم میں ڈوبنا اور غیش و مسرت میں غرق ہونا درست نہیں ہے! اعتراض اس پر تھا کہ: " غم کی یورشوں میں ڈوبنا " نہیں بولا جاتا " یورشوں میں ڈوبنا اور غرق ہونا " زبان و محاورہ کے خلاف ہے " حملہ اور دھاوے میں ڈوبنا " بھی نہ کانوں نے سنا اور نہ آنکھوں نے دیکھا! شعر و ادب میں لفظ و بیان ہی کا تو سارا کھیل ہے، نازک سے نازک خیال کی نزاکت اور لطافت غیر متوازن لفظوں کے قالب میں ڈھل کر غارت ہو جاتی ہے یہ کوئی " ملائیت " کی بات نہیں ہے، یہ زبان اور معانی و بیان کے مسلمہ اصول ہیں۔

آپ کے اس مصرعہ میں: — " تاریکی بزمِ عالم بھی طلعت سے تری صنوبر ہوئی! "

" فاران " میں یہ تنقید کی گئی تھی —
" بھی حشو و زائد ہے " تاریکی بزمِ عالم کو روشنی سے بدلنے کے لئے ہی تو ہر نبوت طلوع ہوا تھا۔ "

اس کے جواب میں آپ لکھتے ہیں —
" بھی " ہرگز زائد نہیں ہے، " بھی " کہہ کر میں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ماہِ نبوت کسی ایک خطہ زمین کے لئے طلوع نہیں ہوا تھا۔ "

خوب! اگر زمین کا جو خطہ بھی ہو گا وہ " بزمِ عالم " ہی میں شامل ہو گا، " بزمِ عالم " تمام کائنات کو محیط ہے! اس لئے آپ کے مصرعہ میں " بھی " بالکل " زائد " استعمال ہوا ہے!

آپ کے اس مصرعہ —

تسلیم و رضا کے مسدک میں بیعت کا سندیسہ ٹھکرا کر

میں " سندیسہ " جو خالص ہندی کا لفظ ہے، " تسلیم و رضا مسدک اور بیعت " جیسے عربی لفظوں کے ساتھ بھلا نہیں لگتا! میرے اس نوکے پر بھی آپ کو یہ لفظ (سندیسہ) نہیں کھڑکا تو پھر اس کے

میں " میں " بھی یہاں ٹھیک استعمال نہیں ہوا۔

یہ معنی ہیں کہ آپ یا تو کج بختی پر اتر آئے ہیں یا پھر آپ کے وجدان کی صحت مُشتبہ ہے اور آپ کے "ذوق" کو مشکل ہی سے "سلیم" کہا جاسکے گا!
آپ نے اپنے اس مصرعہ : ۵

کچھ اور بڑھادی تھی تو نے اسلام کی زینت کیا کہنا!

کے بارے میں "زینت" کی عجیب تو جیہہ فرمائی ہے :
"ہاں" وقت" بھی ہو سکتا تھا، لیکن زینت میں جو ہمہ گیری اور واقعیت ہے وہ اپنی جگہ بہت اہم ہے! کیا انکار بیعت نے ایسے اسباب پیدا نہیں کئے جس سے اسلام کی سجاوٹ اور آرائش ہوئی؟

اپنی بات کی پیچ ہی جب منظور ہو تو ہر بے مکے لفظ کی مہمل سے مہمل تاویل کی جاسکتی ہے مگر یہ اندازِ بیان کیا ایک "عجوبہ" سے کم ہے کہ حضرت حسین کے ازکارِ بیعت سے اسلام کی سجاوٹ اور آرائش ہوئی!!

آپ کے اس شعر پر :- ۵

اللہ اللہ سجدہ عالی کا یہ حُسنِ نیاز
ہو کے میدان کو بنایا کعبہ ثانی حسین!
"فاران" میں یہ تنقید کی گئی تھی کہ : "عالی" بالکل زائد لفظ ہے "سجدہ" کی کوئی صفت "عالی" اور "اسفل" نہیں ہے۔

آپ نے اپنے خط میں اس اعتراض کی جو تردید کی ہے، وہ کتنی کمزور اور ناقابلِ قبول ہے؟ یہ کون کہا ہے کہ ماہر القادری کا سجدہ اور حضرت حسین کا "سجدہ" دونوں کا ایک مقام ہے! مگر نماز، رکوع، سجدہ اور قومہ و قیام کو "عالی" اور "اسفل" نہیں کہہ سکتے! ہاں! "پُر خلوص" "تازہ عبادت" وغیرہ صفات اس سے منسوب کی جاسکتی ہیں!

زبان کا زیادہ تر انحصار "سماح" پر ہے "قیاس" پر نہیں ہے "جناب عالی" اور "مزاج عالی" تو بیشک بولا جاتا ہے مگر اس ترکیب کو سامنے رکھ کر کوئی یوں کہے کہ "آپ کا دل عالی" کیسا ہے؟ تو زبان کے ساتھ ایک طرح کا مذاق ہوگا!

اس ایک ہی نظم میں جس کا یہ شعر ہے، آپ نے کتنی بہت سی غلطیاں کی ہیں اور تھوکر یں کھائی ہیں؟ سب سے نمایاں عیب تو "شتر گریہ" کا ہے کہ ایک ہی مسلسل نظم میں آپ نے اپنے مدوح کو "آپ" اور "تو" سے خطاب کیا ہے۔

ایک یہ مصرعہ : ۵

کیا نئے گی آپ کی یہ جلوہ سامانی حسینؑ

اور دوسرا یہ مصرعہ :-

کر رہے ہیں لوگ تیری مرثیہ خوانی حسینؑ

یہ بھی اک اعجاز ہے تیرے طریق کار کا
 ” طریق کار“ نے شعریت کا خون کر دیا! ” اخباری زبان“ !
 غیر فانی کر دکھائی ہستی فانی حسین!

منزلِ صبر و رھما میں دیکھ کر ثابت قدم
 بخش دی خوش ہو کے حق نے عمرِ فانی حسین
 کہنا چاہیے تھا ” حیات جاودانی“ اور کہہ گئے ” عمرِ فانی“! شہادت کے بعد شہیدوں کی ” عمر“
 ختم ہو جاتی ہے، ہاں! پھر اللہ تعالیٰ ” حیات جاودانی“ عطا فرماتا ہے!

اس نظم کی ردیف (حسین) میں کہیں تخاطب ہے (اے حسین!) اور کہیں یہ رنگ ہے:
 اپنی ناکامی کا اُس کو آج بھی احساس ہے

پانی پانی آج بھی ہے شرم سے پانی حسین!

ردیف (حسین) نے ” مدح“ میں ذم کا بھی اشتباہ پیدا کر دیا ہے، اور یہ دلیل ہے شاعر کے
 ناپختہ کار ہونے کی!

مجھے اس کی فرصت کہاں ہے کہ آپ کے کلام کی تمام غلطیوں کی نشاندہی کروں غلطیوں کا
 ایک بار ہے جو آپ کے کلام سے فراہم کیا جاسکتا ہے! اور آپ ہیں کہ رسالوں کے تبصرے پڑھ کر
 یا اپنے بعض دوستوں اور ہم نشینوں کی داد و ستائش سے متاثر ہو کر اس خوش اندیشی میں مبتلا
 ہیں کہ آپ نے اپنے سلاموں کا مجموعہ چھپو کر اردو ادب کو کیا کچھ دے دیا ہے اور اپنے ”عزلی سلاموں“
 کے ذریعہ اردو شاعری میں ایک نیا باب کھول دیا ہے!

آپ کی شاعری ابھی زیادہ سے زیادہ ”عالمِ مرامت“ میں ہے جسے آپ نے ”بلوغ“ سمجھ
 لیا ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کی یہ خوش فہمی آپ کی ترقی کی راہ میں سنگِ گراں نہ بن جائے!

آپ کے سینکڑوں شعروں میں کچھ شعر اچھے بھی ہیں، مگر زیادہ شعر ایسے ہیں، جن میں ”ناختگی“
 بھرتی، بھول اور بہت سی شاعرانہ کمزوریاں پائی جاتی ہیں! چند سال کے بعد جب آپ کے کلام میں
 ناختگی پیدا ہو جائے گی تو اس وقت آپ کو اس زمانہ کی شاعری کی کمزوریاں محسوس ہوں گی کہ جن
 نظموں کو آپ ”شامکار“ سمجھتے تھے، وہ تو بہت ہی معمولی سی نظمیں تھیں! آپ اُس وقت نہ جانے
 اپنی کتنی نظموں اور غزلوں سے اپنی ذات کے ساتھ نسبت بھی گوارا نہ کریں گے!!

جو لوگ آپ سے زیادہ تجربہ اور مشق رکھتے ہیں اور جتنی آپ کی عمر ہے اس سے زیادہ مدت اُن
 کی دشتِ شعر و ادب کی سیاحت میں گزری ہے، ان کی باتوں کو یوں ہی چٹکیوں میں نہ اُڑا دیجئے۔
 میں اپنے ایک واقعہ کا یہاں تذکرہ کرتا ہوں!

اب سے اکتیس سال پہلے کی بات ہے کہ بدایوں (یو۔ پی) کے ایک عرس میں مشاعرہ تھا،
 میری شاعری اُس وقت دورِ آغاز میں تھی، شہرِ بدایوں سخنوروں اور سخن سنجوں کا ہمیشہ مرکز رہا ہے،
 حضرت امیر خسرو کے استاد شہاب الدین بہرہ اسی خاک سے اُٹھے، فانی اور قمر اسی چمن کے طائرانِ خوش نوا تھے،
 پتہ تو یہ ہے کہ شعر و ادب بدایوں کی خاک سے سبز کی طرح اُگتے ہیں، بدایوں کے اس مشاعرے میں مجھ سے سامعین نے ہزار

کر کے کئی غزلیں سنیں، وہ جو امیر نے کہا ہے کہ : ۵ سو بوتلوں کا نشہ ہے اک واہ واہ میں ۔
 تو میں شباب کے اس دور میں مشاعرہ ت داد و تحسین کا ایک سرور ایجو رخصت ہوا، درگاہ کے
 سامنے چھولدار یوں میں باہر سے آئے ہوئے مہمان ٹھہرے ہوئے تھے، حضرت احسن مارہروی مرحوم
 حیات تھے، وہ میری قیام گاہ کی طرف آتے دکھائی دئے، میں چھولداری سے باہر آیا، احسن مرحوم
 نے اپنی بزرگانہ شفقت سے میرا دل بڑھانے کے لئے فرمایا :-

”میاں! خوب کہتے ہو۔ ہاں، ذرا وہ شعر تو سناؤ“ جس کا ”غلط انداز“ قافیہ ہے۔
 میرا یہ شعر تھا :-
 ہو چکی بیمار الفت کو تسلی ہو چکی
 اک نگاہ واپس وہ بھی غلط انداز ہے

اس پر مشاعرے میں بہت واہ واہ ہوئی تھی مگر جناب احسن مرحوم کے تیوروں سے میں
 تازہ گیا کہ میرے اس شعر میں کوئی نہ کوئی مستقیم ضرور ہے، ایک سیکنڈ میں ذہن اس طرف گیا کہ
 ”نگاہ واپس“ تو مرنے والے کی آخری نگاہ کو کہتے ہیں، اور میں نے اس شعر میں ”نگاہ واپس“
 محبوب کی نگاہ کو کہا ہے، اس خیال کے آتے ہی اللہ تعالیٰ نے ایک بات سمجھا دی اور پھر میں نے
 اس شعر کو خود ہی ”اصلاح“ کر کے پڑھا :-

ہو چکی بیمار الفت کو تسلی ہو چکی
 ایک دزدیدہ نظر وہ بھی غلط انداز ہے

اس پر احسن مرحوم نے مجھے بہت غور سے دیکھا، اُن کی اس نگاہ میں ستائش سے زیادہ حیرت کی
 آمیزش تھی!

اس واقعہ کے یہاں بیان کرنے کا مقصود یہ ہے کہ عوام کی نگاہیں بارکیک ہیں نہیں
 ہوتیں، وہ بعض اوقات ایک عیب دار شعر پر بھی سر دھننے لگتے ہیں۔ شاعر چاہے وہ
 نوآموز ہی کیوں نہ ہو اس کو اس قدر ذہین اور طباع ہونا چاہیے کہ کسی ناقد کا ذرا سا اشارہ
 پا کر اپنی غلطی کا احساس کر لے اور اپنی بھول چوک کی تاویل میں نہ کرے۔ اپنے سے زیادہ تجربہ کار
 لوگوں کی ”باتیں“ اس کی مستحق ہوتی ہیں کہ اُن پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے۔ کمال کی
 بلندی پر پہنچنے کے بعد بھی اپنی ”بے کمالی“ کا احساس رہنا چاہیے وہ اس لئے کہ پستی کی تو کوئی نہ
 کوئی حد ہے مگر بلندی، حسن و خوبی اور کمال کی کوئی حد نہیں، یہاں تو ”خوب“ کے بعد ”خوب تر“
 کی تلاش و جستجو ہوتی ہے۔

(۶) میری اتنی سی تنقید کا کہ

”علامہ اقبال کی کتابوں پر جس طرح لکھا ہوتا ہے۔“ جملہ حقوق اخذ و نقل و ترجمہ اور طباعت
 محفوظ ہیں، اسی طرح جمال قریشی نے بھی اپنی کتاب پر یہ عبارت درج کرائی ہے، اس ”خوش فہمی“ کا
 کوئی جواب ہے۔“

آپ نے اس قدر بُرا مانا ہے، وہ غصہ کیا ہے، اس قدر جھنجھلا ہٹ دکھائی ہے کہ پناہ بخدا! جیسے میں نے آپ کو خدا نخواستہ گالی سُسنی دی تھی یا میں نے آپ کی ذات کو کسی پیغمبر سے نسبت دیدی تھی اور آپ کی شاعری کو اللہ کے کلام کا مشابہ ٹھہرا دیا تھا!

میں نے یہ کب کہا تھا کہ آپ اپنے کو علامہ اقبال کا ہمسر سمجھتے ہیں، یا آپ کو یہ دعویٰ ہے کہ آپ کے سلاموں کا مجموعہ بانگِ درا، بالِ حیرل اور ضربِ کلیم کی ٹکر کا ہے! میں نے تو صرف یہ لکھا تھا کہ اقبال کی کتابوں پر جس طرح

”جملہ حقوق اخذ و نقل و ترجمہ طباعت محفوظ“

لکھا ہوتا ہے اسی کی دیکھا دیکھی آپ نے بھی اپنی کتاب پر یہ عبارت درج کرائی ہے! جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ”بانگِ درا“ کے سب سے پہلے ایڈیشن پر صرف ”حقوق طباعت بحق مصنف محفوظ“ سے ملتی جلتی کوئی عبارت درج تھی ”اخذ و نقل و ترجمہ...“ تو اقبال کی بعد کی کتابوں پر لکھا گیا ہے، جب ان کی شہرت معراجِ کمال کو پہنچ چکی تھی شروع شروع میں تو اقبال کی بعض نظموں (شکوہ، جواب شکوہ وغیرہ) کو کتب فروشوں اور تاجروں نے ان کی بغیر اجازت دھڑا دھڑ چھاپا ہے! علامہ اقبال کی ایک ایک کتاب کے کم از کم پندرہ پندرہ بیس بیس ایڈیشن چھپے ہیں اور ان کی چند کتابیں تو تعدادِ اشاعت میں ایک لاکھ سے بھی آگے پہنچ گئی ہیں، برسوں سے کالجوں کے کورس میں ان کی کتابیں داخل ہیں، ریڈیو میں ان کے کلام کا معاہدہ (Contract) ہے عوام و خواص میں ان کے کلام کی مانگ ہے دنیا کی محنت دبانوں میں ان کے کلام کا ترجمہ ہو چکا ہے اقبال کو ان کی کتابوں پر کافی رائلٹی ملی ہے اور ان کی وفات کے بعد سے اب تک ان کی اولاد اپنے شہرہ آفاق باپ کی کتابوں سے کیا محبت ہے کہ مجموعی طور پر کئی لاکھ روپیہ کا فائدہ اٹھا چکی ہو لہذا اقبال کی کتابیں اس کی مستحق ہیں اور ان کتابوں کو زیب بھی دیتا ہے کہ

”اخذ و نقل و ترجمہ کے حقوق محفوظ“

ان پر درج کیا جائے۔ مگر آپ کا تو شاید پہلا مجموعہ کلام مارکیٹ میں آیا ہے آپ نے عوام میں مشہور ہیں اور نہ خواص آپ کو جانتے ہیں، آپ کے مشہور ہونے کے لئے تو اس کی خاص طور سے ضرورت ہے کہ آپ کے کلام کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو، مگر آپ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ آپ اس قدر مشہور ہو چکے ہیں اور آپ کی کتاب کی مارکیٹ میں اس قدر مانگ ہوئی کہ اگر اس پر

”حقوق طباعت و اخذ و نقل و ترجمہ محفوظ“

لکھ کر ناشرین کتب کو نہ روکے گا، تو آپ کی کتاب کو کتب فروش ہزاروں کی تعداد میں چھاپ کر اور بیچ کر اپنا گھر بھر لیں گے اور آپ اس سے مجرم رہ جائیں گے، اور نہ جانے کس زبان میں آپ کے کلام کا ترجمہ شائع ہو گا، اور کس کس عہد ان سے اُسے ”اخذ و نقل“ کیا جائے گا! یہ آپ خوش نہیں اور سادہ مزاجی کی آخر کس جہت میں رہتے ہیں؟

(۷) آپ نے اپنے مکتوب گرامی میں اس خاکسار کو جو دھمکیاں دی ہیں، انہیں پڑھ کر آپ کی بچکانہ ٹھنگی پر ہنسی آگئی، کہ "ازیں بُوئے شیر می آید" بھائی! میں نے کب اس بات کا دعویٰ کیا تھا کہ میرا کلام اغلاط سے پاک ہے "فردوس" سے قبل میرے کلام کے چار مجموعے جو ہندوستان میں چھپے ہیں، ان کو اب اپنے اہتمام سے میں چھپواؤں تو شاید آدھے کے قریب حصہ حذف کرنا پڑے گا "فردوس" پر رسالوں نے بڑے اچھے تبصرے کئے ہیں، ماہنامہ "شاعر" نے بعض خامیوں کی البتہ گرفت کی ہے، مگر میں نے رسالہ "شاعر" کی اس تنقید کا برا نہیں مانا اور میں نے اپنے رسالہ میں ایک لفظ بھی "شاعر" کی اس تنقید کے جواب میں نہیں لکھا۔

میں نے عاٹا دکھا آپ کو گرانے اور مطعون کرنے کی رتی برابر کوشش نہیں کی، یہ آپ کو وہم ہو گیا ہے جو مجھ پر ایسی تہمت جوڑتے ہیں، اگر اس پر بھی آپ کے دل کا غبار دور نہ ہو تو آپ میرے گرانے کے لئے ہر امکانی تدبیر کر کے دیکھ لیں، اس کا رخصت میں آپ کو ہندوستان اور پاکستان میں کچھ ہم نوا بھی مل جائیں گے، آپ سب لوگ مل جل کر مجھے گرانے کے لئے زور لگائیں۔ اور دل کی یہ حسرت بھی نکال لیں! آپ میرے خلاف شوق سے پاک و ہند میں ہم شروع کر دیں بلکہ طوفان اٹھادیں، عزت و ذلت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے!

آپ کے "عتاب نامہ" کے بعض جملوں سے مجھے تکلیف ہوئی مگر میں آپ کو معاف کرتا ہوں۔۔۔۔۔ پدم گفٹی، عفاک اللہ نکو گفٹی :- بیچ و ستائش کے ہنگامہ میں اس طرح کے "عتاب نامے" کبھی کبھار ملتے رہیں تو اس سے نفس کی سزائش ہوتی رہتی رہے گی!

اللہ تعالیٰ پندارِ نفس سے محفوظ رکھے!

ماہر القادری

۶ دسمبر ۱۹۵۶ء

کراچی

ماہر القادری مدیر "فاران" کی شاہکار تصنیف

"کاروان حجاز"

ایک ایک سطر خدا اور رسول کی محبت سے ہم کی ہوئی

قیمت چار روپے (علاوہ محصول ڈاک)

مکتبہ "فاران" کیمبل اسٹریٹ کراچی ۷

ماہر القادی

تاثرات

”پچھلے ہینہ کراچی میں اسلامی جمعیتہ طلبہ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا تھا جس کے عام جلسے میں یہ چند اشعار میں نے خود پڑھ کر سنائے تھے! حقیقت یہ ہے کہ ان خود غزل سیاسی بیڈروں اور شاطروں سے قوم نا امید ہو چکی ہے، ان کے ہاتھوں ملک و ملت کی اصلاح اور بہتری شاید ہی ہو سکے! اللہ تعالیٰ کی مدد اور دستگیری کے بعد ان اسلام پسند نوجوانوں سے ملک و ملت کی بھلائی کی امیدیں وابستہ ہیں، پاکستان میں دیر یا سویر کوئی اصلاح اور تعمیری انقلاب جب بھی آئے گا، اُس کے نقیب یہی اسلام پسند نوجوان ہوں گے! میں جب کبھی ان نوجوانوں سے ملتا ہوں یا ان کے کسی مجمع میں ہوتا ہوں تو دل میں قنارت دین کی اُمتنگ جاگ اُٹھتی ہے، ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ سب ہمارے دست و بازو، اور رفیق کار اور شریک سفر ہیں، ان کی پاکیزہ نوجوانیوں کو دیکھ کر مجھے اپنی حالت پر شرم آنے لگتی ہے! سوچتا ہوں کہ فسق و فجور کے اس اندھیرے میں اخلاق و نیکو کاری کی یہ شمعیں روشن نہ ہوتیں تو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا!

حیا آنکھوں میں دل میں نور ایماں لیکے آئے ہو
اندھیری رات میں شمعِ فروزاں لیکے آئے ہو
کراچی کی فضا اخلاق کے پھولوں سے ہسکی ہے
بہاریں بن کے آئے ہو، گلستاں لیکے آئے ہو
جوانی اور پھر اس کا تبسم اتنا پاکیزہ
جزاک اللہ! نویدِ صبحِ خنداں لیکے آئے ہو
ہماری تیوروں سے کچھ پتہ باطن کا ملتا ہے
کہ تم سینوں میں اک خاموش طوفاں لیکے آئے ہو

جگر مراد آبادی

سوزِ جگر

(تازہ ترین)

محبت زندگی ہی زندگی ہے
 مگر تجھ بن مرے کس کام کی ہے
 وہی ساقی وہی وریا دلی ہے
 وہی میں ہوں وہی لب تشنگی ہے
 شہیدانِ محبت سو رہے ہیں
 مگر روحِ محبت جاگتی ہے
 ہٹو بارستے سے اے شیخِ دبرہن!
 مرے دل نے مجھے آواز دی ہے
 زمانہ چاہتا ہے زندگی کو
 مگر خود زندگی کیا چاہتی ہے

دردِ دل

نسیم بیگم دل تاج محلی (آکرہ)
 (غیر مطبوعہ)

دردِ دل سوزِ شمشیرِ مستور تمہیں کیا معلوم
 میری مجبوری کا احساس نہ کرنے والو
 مسکراتے ہوئے لب دیکھ لئے ہیں تم نے
 تم فقط نیم لگا ہی جسے کہتے ہو
 تم نہیں جلوؤں سے معمور حقیقت یہ ہے
 ان بلاؤں سے ہو تم دور تمہیں کیا معلوم
 تم بھی ہو سکتے ہو مجبور تمہیں کیا معلوم
 دل میں ٹیسیں ہیں بدستور تمہیں کیا معلوم
 تھا وہی وار تو بھر پور تمہیں کیا معلوم
 تم سے خود جلوے ہیں معمور تمہیں کیا معلوم
 دل میں آؤ تو دکھائیں تمہیں دل کی دنیا
 تم تو رہتے ہو بہت دور تمہیں کیا معلوم

غسریں

کہاں دھڑکن! کہاں پھولوں کے سینے
 بیگنے بن گئے جھوٹے بیگنے
 جہنم کر دیا ہے آدمی نے
 مجھے دھوکا دیا خود زندگی نے
 مجھے یہ زندگی دے گی نہ جینے
 ہر ساحل بھی ڈوبے ہیں سفینے
 ہمیں لوٹنا قریب رہبری نے

ہمیں تک ہیں محبت کے قرینے
 کچھ ایسی کروٹیں لیں زندگی نے
 اسی دنیا کو جو غلبہ بریں تھی
 اجل تو دشمن ہستی نہیں ہے
 بہر لمحہ غم دل بڑھ رہا ہے
 تلاطم سے ہراساں ہونے والو
 عبرت رہزن کے سر الزام آیا

دکھائے ابوح انسانی کے زینے
 جبین وقت کی تابندگی نے
 وہ ذوق جستجو مجھ سے نہ چھینے
 چنگ کر یہ کہا گل سے کلی نے
 ستایا آدمی کو آدمی نے
 کہانی ختم کر دی زندگی نے
 خودی کی لاج رکھ لی خودی نے
 ہوس کاری کو آتے ہیں پسینے
 پتے کی بات کہدی خودی نے

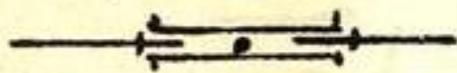
ہماری مشرب غم دوستی نے
 ہمیں سر پایہ عظمت دیا ہے
 حجاب ورمیاں اٹھے نہ اٹھے
 تبسم کی حدوں تک زندگی ہے
 فرشتے تو نہ اترے آسماں سے
 سہارا پا کے تیری بے رنجی کا
 جنوں پابند قید و حد نہیں ہے
 خوشامیری محبت کی لطافت
 خرد ہے مصلحت اندیش لیکن

عروج! اس روشنی کے گیت گاؤ
 اندھیرے بھی دے جس روشنی نے



کمر نین

جس کو دنیا کے حادثے سے بچا لایا تھا میں
 کس قدر دشوار تھی یہ رہ گزار زندگی
 انسان ہوں میں وسعتِ عظمت مری نہ پوچھ
 پھر مائل نشاٹا ہوا جا رہا ہے دل
 پہنچ ہے کہ ان کی یاد سے رکھیں نہ واسطہ
 میں جاوے فنا میں مڑ مڑ کے دیکھتا ہوں
 اپنے وجود کو بھی سمجھتا رہا فریب
 کیوں جبیں سائی پہ مجبور ہے انسان آخر
 ہزاروں منزلیں طے کر چکا ہوتا ہے وحشت کی
 ایک وہ آنسو ہر محشر مرے کام آگیا
 بارہا سنبھلا مگر میں پھر بھی ٹھوکر کھا گیا
 کونین پر ہوں سایہ و اماں کئے ہوئے
 جی چاہتا ہے چھیڑ کریں آسمان سے ہم
 لیکن دل ایسا مانگ کے لائیں کہاں سے ہم
 شاید مجھے پکارے گذرا ہوا زمانہ
 یوں مبتلائے گردشِ دوران ہوں میں
 بت میں کیا بات ہے ایسی جو برہمن میں نہیں
 وہ اک دیوانہ جو آسودہ منزل نہیں ہوتا



شفقت کاظمی

جذباتِ شفقت

جہاں ان سے ملاقاتیں رہی ہیں
 نگاہِ یار سے باتیں رہی ہیں
 جہاں تدبیر کی چلتی نہ دیکھی
 کبھی اُن کے تصور کی بدولت
 وہاں سویا کیا بے نکر کوئی
 زالی تھی یہ تقسیمِ ازل بھی
 چلایاروں میں جب ذکرِ محبت
 وہاں ہر رنگ کی باتیں رہی ہیں
 کبھی یوں بھی ملاقاتیں رہی ہیں
 وہاں تقدیر سے باتیں رہی ہیں
 عجب صبحیں عجب راتیں رہی ہیں
 یہاں شب بھر منا جاتیں رہی ہیں
 وہاں صبحیں یہاں راتیں رہی ہیں
 مرے قصے تری باتیں رہی ہیں

جو بیگانہ ہیں شفقت آج ہم سے
 کبھی ان سے ملاقاتیں رہی ہیں

فردوس تغزل

عشق کم ہے پریشاں نہ حُسن کم ہے اداس
ادھر غم ایک صدا ہے ادھر غم اک احساس
ستم کہ خوں ستم بھی اُنھیں نہ آئی راس
اداس کر کے مجھے خود وہ ہو گئے ہیں اداس
نہ تھا خزاں میں بھی محب و میوں کا کم احساس
بہار آ کے مجھے اور کر گئی ہے اداس

یہ بزم بزم ہم اہل وفا کے دم سے تھی
ہو ایہ بزم کو لیکن ہمارے بعد احساس
پشیمانی ہے تو کس طرح زندگی گزے
نہ تجھ سے دور ہوتا ہے دل نہ نیچے پاس
میں اپنی تشنّاع لب جُھبا تو لوں محشر
مگر جو دل کی طلب ہے مگر جو روح کی پیاس

مختصر سعیدی

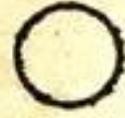


دہر میں پھیل گیا ہے غم دوراں ہو کر
ہم کہاں جائیں ترے غم سے گزیاں ہو کر
عمر بھر کو غم دوری سے ہم آغوش ہوئے
ہم گھڑی بھر کو ترے قرب سے شاداں ہو کر
زندگی بھی نہ رہی جب ترا اریاں نہ رہا
زندگی مچھکو ملی تھی ترا ارماں ہو کر

میری آشفتم نگاہی پہ نہ کر طنز اتنا
رہ نہ جائیں ترے جلوے بھی پریشاں ہو کر
نیکوہ غم پہ ہے اب دل کو نجات کیا کیا
کیا کیا یہ تری نظروں نے پشیاں ہو کر

شفیق احمد

ستا کے



پاس تاکامی صیاد نے روکا ورنہ
ہر شکایت پہ حکایت کا گماں کرتے ہو
میں مگر قنار ہی رہنے پہ تو مجبور نہ تھا
تم سے پہلے کبھی محفل کا یہ دستور نہ تھا

آرٹس جمال کرے گی حیات کیسا
ملتی ہیں خود پرست کو دنیا کی نعمتیں
ہر سانس پہ تجدد و وفا ہوتی ہے غافل
رضائے دوست سے حسن طلب ہے وابستہ
نیاز کو ہنسنے سے ناز شیریں کا معلق تھا
وجود کفر ہے لازم فروغ دین کے لئے
سوزِ نغمہ کہاں، ابھی تو ہمیں
رتبے میں ہر و ماہ سے بھی ہم زیادہ ہیں
حریفِ عشق بننے پہ خرد کی تاب کہاں
زرگس بھی مست، لالہ بھی پیمانہ گیر ہے
معاذ اللہ حقائق کی یہ کثرت
دنیا والو مقصدِ دل بے بیخ و محن کب لتا ہے
متاعِ لعل و گہرا اپنے پاس بھی ہے مگر
اب آبروئے لالہ و گل تیرے ہاتھ ہے
زلف گیتی ہے تراشا خانہ بادِ خرد
اس کا معاملہ ہے، کیا لکھ سکے گا خامہ
آئینہ یقین پہ خسرو کا نگار ہے
اور حق پرست ہو تو منرا دار دار ہے
ہوں گویش بر آواز تو غنچہ بھی جس ہے
زاق و وصل سے آگے بھی ایک منزل ہے
نہ پھیرا اب داستانِ حیلہ پرویز کے ساتھی
بڑھی ہے زلف سے عارض کی دلکشی کیا کیا
سازِ محفل درست کرنا ہے
ہمرازِ عشق وہم نفس جامِ بادہ ہیں
چراغِ مروہ کہاں، شیخِ آفتاب کہاں
ابک ہم ہی کیا، زمانہ تمہارا اسیر ہے
فسانہ بن گئی ہے زندگانی
لاکھوں کانٹے اُگتے ہیں جب پھول کہیں اک کھلتا ہے
پرکھنے والی نظر ایک بھی نہیں ملتی
لے اہل طفت کچھ تو چمن کا خیال کر
شاہِ دستِ جنوں کو آزمانا چاہیے
فی بعدہا عذاب فی قربہا التذامہ

بہر میں کام آسکی نہ شراب
فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ

روح انتخاب

صحابہ کرام بیدار ہوتے ہیں۔ خوف الہی سے لرزاں و ترساں۔ لیکن ان کے قلوب رحمت حق سے مطمئن ہوتے ہیں۔ ہر ایک گھر کے مزد، عورتیں اور بچے نماز کی تیاری میں مصروف ہو جاتے ہیں۔
بلالؓ سے اتر کر حجرہ نبویؐ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر عرض کرتے ہیں۔ "حی علی الصلوٰۃ
حی علی الفلاح" الصلوٰۃ یا رسول اللہ!

صبح کی روشنی پھیلنے لگتی ہے اور نمازیوں کے گروہ جوق در جوق مسجد کی طرف چلے آتے ہیں۔
یہاں جسے چاہو دیکھ سکتے ہو۔ ادھر ایک جماعت اپنے گھروں سے نکل کر مسجد کی طرف جا رہی ہے
یہ گندم گوں میاں قد اور بڑی آنکھوں والے علی بن ابی طالبؓ ہیں۔ جو حجرہ فاطمہ سے نکل کر آ رہے ہیں۔
اور وہ دراز قد، گداز جسم، سر کے اڑے ہوئے بالوں والے عمر فاروقؓ ہیں اور یہ گندم گوں، خوشرو، گداز
شادوں، سر پر گھنے بالوں اور بڑی ڈاڑھی والے عثمانؓ ذوالنورین ہیں۔

صدیق اکبرؓ بیت نبویؐ میں قیام پذیر تھے۔ وہ جلد جلد قدم اٹھاتے ہوئے آ رہے ہیں۔ یہ سفید رنگ،
نخیف الجبشہ اور کشادہ رو ہیں۔ ان کی آنکھیں چھوٹی ہیں، رخساروں پر زیادہ بال نہیں اور شانے بھکے ہوئے ہیں۔
قبیلہ بنی زہرہ کے گھروں سے جو مسجد کی ایک سمت واقع ہیں تین اور اصحاب آ رہے ہیں، ان میں سے
ایک پستہ قد، فریہ اندام، موٹی موٹی انگلیوں اور نختے بالوں والے ہیں جو سیاہ خضاب بھی لگاتے ہیں، یہ سعد بن
ابی وقاصؓ ہیں۔

اور دوسرے گندمی والے، ڈبلے پتلے، پستہ قامت، جن کے بال کانوں کی لوتک ترشے ہوئے ہیں، جن کے
ہنایت سفید براق لباس سے بڑے عطر مہک رہی سے اور جو نہایت متانت و وقار سے آ رہے ہیں عبداللہ
بن مسعودؓ ہیں اور تیسرے صحابی جو گداز جسم، دراز قد اور کھلتے ہوئے گندمی رنگ کے ہیں مقدادؓ بن اسود ہیں۔
ادھر دو اور صحابہ کو دیکھو یہ دراز قامت اور جسیم خالدؓ بن ولید ہیں اور یہ دوسرے پستہ قامت کشادہ رو
بڑی اور سرگیں آنکھوں والے عمرو بن العاصؓ نہیں۔ اور ان سے کچھ فاصلہ پر خوش رو، عظیم الجبشہ، سرمہ بچشم،
ہاتھ زیادہ ہلکا کر چلنے والے معاویہؓ بن ابی سفیان ہیں۔ وہ ایک نخیف الجبشہ، دراز قامت، کشادہ رو، چھوٹی
ڈاڑھی، صاف عارض اور سامنے سے دو شکستہ دانتوں والے ابو عبیدہؓ بن الجراح ہیں۔

ادھر مشرقی میدان کی طرف سے بھی دو اصحاب آ رہے ہیں۔ ان میں ایک قبیلہ اوس کے سردار سعد بن
معاذؓ اور دوسرے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہؓ ہیں اور یہ طویل قامت، نخیف الجبشہ، گھنے بالوں والے

صاحب جن پر حزن و ملال کے آثار نمایاں ہیں۔ سلمان فارسی ہیں۔ ان کے عقب میں ایک میاں قد بہت سُرخ و سفید رنگ اور بڑے بڑے بالوں والے جو حنا کا خضاب لگائے ہوئے ہیں صہیب رومیؒ ہیں۔ تم اس اجتماع میں طلحہؓ، زبیرؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور ابو ایوب انصاریؓ کو بھی دیکھ سکتے ہو۔

ادھر سے فرزند ان صحابہ بھی آرہے ہیں یہ دراز قامت اور سُرخ چہرے والے صاحبزادے عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ اور یہ دراز قد زروی مائل گورے رنگ والے خوبصورت صبیح و ملیح صاحبزادے عبداللہ بن عباسؓ ہیں اور یہ صاحبزادے جو ابو بکر صدیقؓ کے مشابہ ہیں عبداللہ بن زبیرؓ ہیں۔

آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے ہیں۔ بلالؓ اقامت کہتے ہیں اور رسول اللہ صغفوں کو سیدھا اور درمیان میں خالی جگہوں کو پُر کر کے تکبیر تحریمہ فرماتے ہیں اور مقتدی بھی اللہ اکبر کہتے ہیں یہ تکبیر تمام عالم کے بے ہنگام شور و غوغا کے درمیان ایک منظم و مرتب نغمہ حیات اور دنیا کے باطل اور بھونٹے دعاوی کے درمیان حق و صداقت کی دعوت عام بن کر پھیل جاتی ہے۔

یہی تکبیر بعض قلوب کے حق میں طمانیت اور بعض کے لئے لرزہ اضطراب کا باعث بن جاتی ہے۔ یہی تکبیر ایک قوم کے حق میں اُمید اور دوسروں کے حق میں خوف بن کر انحاء عالم میں گونجتی ہے۔ یہی تکبیر کمزوروں اور مظلوموں کو زمین پر اللہ تعالیٰ کی فرمانروائی کی خوش خبری سناتی اور جاہر و ظالم ہستیوں کو اس کے منصفانہ قصاص سے ڈراتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ظالموں کے طبقوں کو انہی صغفوں صلوٰۃ تے منتشر اور پارہ پارہ کر دیا تھا کہ صغفوں جنگت اور جاہروں کے ایوان ہائے مملکت میں اسی تکبیر نے زلزلہ ڈال دیا تھا کہ تیر و سناں کے حملوں نے۔ رسول اللہ پہلی رکعت میں سورہ نور کی آیات تلاوت فرماتے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ۔

اللہ تعالیٰ نے تم میں سے اللہ پر ایمان لانے والوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو زمین پر اپنا نائب بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے مومنین کو بنایا تھا۔

وَلَيَسْكُنَنَّ لَهُمْ دِينُهُمُ الَّذِي آرْتَضَىٰ لَهُمْ۔

اور اللہ تم مسلمانوں کے لئے ان کے اس دین کو مستحکم بنا دے گا جسے اس نے اس کے لئے پسند فرمایا ہے۔

وَلَيَبْدَلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُوا وَلَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمِن كَفْرٍ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔

اور اللہ انسانوں کے خوف و دہشت کو ضرور امن و سکون سے بدل دے گا تاکہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں۔ اور کسی کو اس کا شریک ذات نہ بنائیں۔ اس کے بعد بھی جو کفر اختیار کریں گے تو وہ فاسق و فاجر ہوں گے۔

دوسری رکعت میں آنحضرتؐ سورہ حج کی آیات تلاوت فرماتے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

إِنَّ اللَّهَ يَدْفَعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا
اللَّهُ تَعَالَىٰ مومنین کی ہر مصیبت میں ان کی مدافعت فرماتا ہے۔

ان الله لا يحب كل خوان كفور .

اللہ کسی خائن و ناشکر گزار سے محبت نہیں کرتا۔

الذین مکتتہم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف
و نہوا عن المنکر و اللہ عاقبہ الامور۔

مومنین وہ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار و حکومت عطا کر دیں تو نماز ادا کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکیوں کی ہدایت کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے اور تمام امور کا حسن خاتمہ اور انجامِ خدایہی کے لئے ہے۔

یہ وہ جماعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کا وارث بنانے کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ اسی کی وہ تعلیم و تربیت فرماتا ہے۔ تاکہ ان لوگوں کے درمیان انصاف الہی جاری کرے۔ عبادت گزاروں کی یہی صف تمام روئے زمین کے خلفاء، امراء، قضاة اور حاکموں، معلموں، رہبروں اور لشکر پر مشتمل ہے۔

زاہدوں کا یہی مختصر گروہ عنقریب لوگ عالم کے محنت و تاج کا وارث ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا رزق دنیا میں انہی کے ہاتھوں تقسیم فرمانے والا ہے۔ اور انہی کی زبانوں سے روئے زمین پر اپنا حکم جاری کرنے والا ہے۔

یہی وہ مختصر جماعت ہے جسے آج دو وادیوں کے درمیان ایک تنگ خطہٴ ارض گھیرے ہوئے ہے۔ لیکن کل یہی مشرقین و مغربین میں پھیل جائیں گے اور عنقریب تمام روئے زمین ان کے عدل سے قرار پائے گی۔ اور ان کے نور ایمان سے منور ہو جائے گی۔

یقیناً صرف ایک خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندہ خاص کی مدد فرمائی اس کے لشکر کو غالب فرمایا، اسی جماعت کے ہاتھوں اقصائے عالم فتح کئے گئے، اسی کے ذریعے امصار و بلاد آباد کئے گئے۔ یہی عمر بن شام میں رومی حکومت کو مٹا کر خود وہاں تشریف لے گئے تاکہ معابدوں کو پورا فرمائیں۔ اور رعایا کے حال کی نگرانی کریں۔ اور یہی بلالؓ لشکرِ مجاہدین میں بحیثیت غازی شریک ہوئے۔ عمر فاروقؓ بلالؓ کی طرف دیکھ رہے ہیں اور مؤذن رسول اللہ کی اذان سننے کے متمنی ہیں۔ عوام امیر المومنین سے عرض کرتے ہیں کہ "کاش آپ بلالؓ سے اذان دینے کی خواہش فرماتے" عمر بن بلالؓ سے اذان دینے کی فرمائش کرتے ہیں۔ اور اس کی تعمیل میں یہ ستر سالہ بزرگ حسب سابق اذان دینے کے لئے بکھڑے ہوتے ہیں اور اطراف و اکناف میں یہ کلمات گونجنے لگتے ہیں۔

اللہ اکبر اللہ اکبر۔

(ڈاکٹر عبدالوہاب عوام۔ از ماہنامہ تعافت)

ماہرہ لقاوی

مس یامسن

میں اپنی سہیلیوں کو دعوت دے چکی ہوں، سعیدہ کی سالگرہ گیارہ دسمبر کو ہوگی اور ضرور ہوگی، یہ تقریب کسی عنوان ٹل نہیں سکتی — حمیدہ نے قدرے تند و تیز لہجہ میں کہا

بیٹی! ہمارے گھرانے میں تو آج تک کسی بچہ کی سالگرہ نہیں ہوئی، میری نانی اللہ رکھے سو برس کی ہیں، وہ صبح سویرے کہہ رہی تھیں کہ ہمارے دادی، پودادی اور بڑے بوڑھوں میں سے کسی نے بھی اپنے کسی بچہ کی سالگرہ نہیں کی، اس حمیدہ نے بیٹھے بٹھائے کہا شو شوشہ چھوڑ دیا ہے — حمیدہ کی ماں نے پان کی گلوری بنا تے ہوئے جواب دیا

ہمارے بڑے بوڑھوں کے گھروں میں تو مٹی کے چراغ جلا کرتے تھے، انہی کی ہو ہو پیروی کرنی ضروری اور لازمی ہے تو لا اللہ کہہ کے توڑ دیجئے ان بجلی کے قمقموں کو! اور ان کی جگہ لے آئیے مٹی کے دئے، جن میں ہتھیلیوں سے بٹ بٹ کر روئی کی بتیاں اور سرسوں کا تیل ڈال کر، بڑے بوڑھوں کا نام روشن کر دیجئے! اماں جان! کسی بات کا اگلے زمانہ میں نہ ہونا اس کی دلیل نہیں ہے کہ وہ بات چونکہ پہلے کبھی نہیں ہوئی اس لئے بڑی ہے، میسوب ہے، خاندان کے نام کو اس سے بہ لگ جائے گا! یہ مکھی پر مکھی مارنے اور لکیر کے فقیر بنے رہنے کی رسم آخر کب تک چلتی رہے گی — حمیدہ نے اپنے بالوں کی لٹ کو انگلی میں گھماتے ہوئے کہا، اور اس کی ماں کے ہونٹ جواب دینے کے لئے ہلے ہی تھے کہ پڑوسن لمبی لمبی ڈگیں بھرتی ہوئی آدھمکی، اور حمیدہ کے ہاتھ میں کاغذ کا پرزہ پکڑتے ہوئے بولی:

”ابھی ابھی ڈاکیہ نے یہ تار لاکر دیا ہے، بیٹی! بسم اللہ کر کے اسے پڑھنا تو! اللہ اپنوں اور پرائوں کو خیر سے رکھے!“

حمیدہ تار پڑھنے لگی، پڑوسن کی نگاہیں حمیدہ کے ہونٹوں پر جمی تھیں کہ ان سے نہ جانے کیا بات نکلتی ہے۔ حمیدہ کے ماتھے پر سلوٹیں ابھرنے لگیں

بیٹی! خیر تو ہے — پڑوسن نے بے صبری کے انداز میں کہا

پچی جان! اس میں لکھا ہے کہ میں خیریت سے پہنچ گیا مگر... (بڑ بڑاتے ہوئے) ... ان پوسٹ آفس والوں کے جتنا قی خط ہوتے ہیں، کس بے پروائی کے ساتھ گھسیٹ لکھتے ہیں... تو یہ... اور... ہاں... جی!... یہ کہ... اور... پہلی بات تو وہی کہ میں خیریت سے پہنچ گیا... مگر (قدرے رگ کر) انکل (UNCLE) کا ابھی تک انتظار ہے (یہ انکل شکل کیا بلا ہے؟ پڑوسن بیچ میں

بول پڑی — حمیدہ مسکرا کر کہتی ہے "انگل" چچا کو کہتے ہیں! (حمیدہ پھر بڑبڑاتی ہے... اوہو! ذاک کے ابو صاحب نے یہ Seal Mark تحریر فرمایا ہے اس (S) عین میں مرغے کی چوہنچ آئی (1) نمیک لکھی ہے مگر اے (A) کا سر نہ پیرا اور باقی کے حروف، سبحان اللہ! جیتے کوئی چوہنچا کسی گیلے کاغذ سے گزر جائے! تاروں کی عبارت زیادہ تر انگل سے پڑھی جاتی ہے...)

پڑوسن حمیدہ کو دعائیں دینے لگی بلکہ تعریفیں کرنے لگی، حمیدہ شرماسی گئی مگر اس شرم جانے میں خود شناسی کا احساس بھی پہنا تھا، حمیدہ کی ماں پڑوسن کی زبان سے بیٹی کی تعریف سن کر فخر سا محسوس کر رہی تھی کہ پاس پڑوسن کی عورتیں حمیدہ کے "علم" کی محتاج ہیں اور اس کی بیٹی سینکڑوں کوس سے آئے ہوئے تاروں کو فر فر پڑھ کر اس کا مطلب اپنی زبان میں بیان کر دیتی ہے۔

سعیدہ کی سالگرہ کے مسئلہ نے شیخ احمد حسین کے گھرانے میں اچھی خاصی کشمکش کی صورت اختیار کر لی، کئی دن تک طوب گرما گرم بحث ہوتی رہی، سعیدہ اس کی باموں زاد بہن انجم اور اس کا چچا بھائی آفتاب یہ تین ایک طرف اور سارا گھر دوسری طرف! بڑی بوڑھی عورتیں کہتی تھیں کہ ہم اپنے گھر میں ترسٹانوں کی رسمیں اور تقریبیں قیامت تک نہ ہونے دیں گے،

حمیدہ اس پر اڑی تھی کہ گھر کی بڑی بوڑھیوں کا احترام سر آنکھوں پر مگر ان کی دقیانوسی باتیں اب ہمارے گھر میں نہیں چل سکتیں، زمانہ ترقی کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گیا اور یہ ہمارے گھر والے ہیں کہ اسی پرانی بکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں اور ڈوبے ہوئے ستاروں کی پوجا کر رہے ہیں!

اس نزاع میں حمیدہ کامیاب رہی، اس کا کہنا سب کو ماننا پڑا، حمیدہ کے باپ سب سے زیادہ سخت مزاج تھے مگر جوان بیٹی کے آنسوؤں کی لڑیاں دیکھ کر وہ بھی نرم پڑ گئے، حمیدہ کا بارہا کا تجربہ تھا کہ ایسے موقعوں پر اس کے آنسو ہی سدا اس کے کام آتے ہیں اور یہ حربہ کبھی ناکام نہیں ہوا!

گیارہ دسمبر کو سعیدہ سالگرہ بڑے دھوم دھام سے ہوئی، گھر کی دوسری عورتیں یہ تو نہیں کر سکتی تھیں کہ اس دن گھر چھوڑ کر کسی کے یہاں چلی جائیں، اوپر سے دل ہی سے یہی کہتی تھیں، اس تقریب میں انھیں بھی بہر حال شریک ہونا پڑا!

حمیدہ کے سلیقہ نے گھر کو سجا کر دہن بنا دیا تھا، بڑے کمرے کی چھت میں رنگ رنگ کاغذوں کے کترے ہوئے پھولوں کی وہ پھین، اور میزوں پر گلاب کے تازہ و شاداب گلدستوں کی وہ بہار! کمرہ اتنا صاف ستھرا کہ جس کے دیکھنے سے دکھتی آنکھیں اچھی ہو جائیں، ہر چیز قرینہ سے رکھی ہوئی، ہر بات میں سلیقہ، خوش نمائی، دیدہ زیبی اور رعنائی!

مغرب ہمان عورتیں آنا شروع ہوئیں سب سے پہلے ایک سوکھی پتلی و بلی عورت دارو ہوئی پچیس سال کے لگ بھگ عمر، گال پھلے ہوئے، آنکھوں کے ارد گرد سیاہ حلقے، ٹھکنا قد، سیدھی جانب کا کولھا آپر کی طرف ابھرا ہوا، اس حلیہ پر بناؤ سنگھار کا وہ عالم کہ کوئی نئی نئی نوپلی دہن کیا سنگھار کرے گی؟ ناخنوں کی کوروں سے لے کر کپنٹی کے بالوں تک ہر چیز پر فیشن کی طمع کاری! وہ اس کا سینہ مان کر چلنا، چلتے میں لچک لچک

اس نزاکت پہ یہ شمشیر ادا

جانا اور

آپ سے کیوں کر سنبھالی جائے گی

کا مصداق بننے کی مضحکہ خیز کوشش کرنا، بس یوں سمجھئے کہ بوڑھی بھینٹ نے اپنے کو نوحیز بہر فی سمجھ رکھا تھا یہ کالج کی استانی صاحبہ تھیں، اخلاقیات کی پروفیسر طاباٹ کے ہوسٹل کی ننگراں بھی! یہ ابھی تک مس miss کہلاتی تھیں، مغربی زبان میں جسے "آنسہ" کہتے ہیں، ہندی میں "کتیا"، ان مس صاحبہ کی کوئی آدھے درجن منگتیروں سے کورٹ شپ ہو ہو کر رہ گئی، دہن بٹنا اور بیلہے جانا ان کی قسمت میں لکھا ہی نہ تھا، ہوسٹل کی خوبصورت لڑکیوں کو پک پک پر لے جانے کا انھیں بہت شوق تھا، اور ان کے اسی شوق نے ان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں مشہور کر رکھی تھیں!

رات کے آٹھ بجے تک آنے والیوں کا تانتا بندھا رہا، برقعہ پوش تعداد میں تہائی سے بھی کم تھیں! غالب تعداد بے پردہ لڑکیوں کی تھی! اتنی بہت سی بیباک جوانیاں جہاں جمع ہو جائیں، وہاں جتنی بھی جہل پہل ہو کم ہے حمیدہ کا گھر سچ مح نگرستان بنا ہوا تھا، بلکہ بعض وقت تو ان کی چھڑ چھاڑ اور چہلوں کو دیکھ کر ایسا سماں پیدا ہو جاتا تھا کہ بس کوئی دم میں اس گھر سے قیامت اٹھنے والی ہے! ان سب میں کم شیخ حمیدہ ہی تھی، شاید گھر کی بڑی بوڑھیوں کی موجودگی نے اس کی شوخی میں سنجیدگی پیدا کر دی تھی، اس کا لباس بھی زیادہ بھر کیلا نہ تھا، مگر اس سادہ لباس میں بھی وہ انتہائی دیدہ زیب دکھائی دیتی تھی، اس کی ہر دو قامتی کے آگے بعض بعض نوجوان لڑکیاں ہول کے پودوں کی طرح اُجاڑا اور بے رونق نظر آتی تھیں،

سال گرہ کی تقریب کا آغاز سعیدہ کی گلپوشی سے ہوا، پھر ڈیڑھ فٹ چوڑا اور ایک فٹ اونچا کیک کا ناگہ ساتھ ہی آٹھ موم بتیاں روشن کی گئیں، یہ اس کی علامت تھی کہ سعیدہ کی یہ آٹھویں سالگرہ ہے! پھر مہمانوں نے سعیدہ کو تحفے دئے، کسی نے بچی کی بلائیں لیں، کوئی اس کی گردن میں پڑے ہوئے ہاروں کو ہی چوم کر رہ گئی کسی نے اس کے گال کو آہستہ سے سہلایا! اس کے بعد تفریحی پروگرام شروع ہوا۔

سب سے پہلے کالج کی دو لڑکیوں نے مل کر فلم کا ایک گیت گایا، اس کے بعد ایک لڑکی نے ہیکلے کی نقل کی، تیسری لڑکی نے منی کا کورا گھرا بجا کر اس پر ایک داورا سنایا، اور آخر میں کالج کی ایک استانی نے تقریب کی پچھے دار تقریب جس کے ایک ایک جملہ پرتالیاں بجائیں گئیں! پھر کھانا ہوا اور رات کے گیارہ بجے کے قریب یہ محفل ختم ہو گئی، ہر محفل اُجڑنے کے لئے ہی جیتی ہے، ہتھتے اپنے بعد سکوت ہی چھوڑ جاتے ہیں،

خوشی جاودانی، غم جاودانی

تھوڑی سی دیر میں ساری جہل پہل رخصت ہو گئی سعیدہ کے گلے سے ہار اتارے گئے، تحفوں کو الماری میں رکھا گیا! حمیدہ اس تقریب کی کامیابی پر پھولی نہ سماتی تھی مگر اس گھر کی دوسری عورتوں پر ایک عالم افسوس و حیرت طاری تھا، بوں پر مہر سکوت، پھرے نڈھال، آنکھیں خشک... کہ

سے یوں بھی آنسو بہائے جاتے ہیں

وہ ایک دوسرے کا منہ بکتی تھیں کہ ہیں! یہ کیا ہوا ہے ان آنکھوں کی قسمت میں یہ زخم کھانے بھی لکھے تھے

شیخ جی کی حویلی میں یہ چندال چوڑی آئی تو کیسے آئی! ان لڑکیوں کی بے باکی کو دیکھ دیکھ کر ہمارے توثرم کے مارے پکڑے اترے پڑتے تھے! یا اللہ! اب زمانہ اتنا نیچ ہو گیا ہے؟ کالجوں میں یہی کچھ سکھایا جاتا ہے تو اسے پروردگار! وہاں کی پرچھائیں سے بھی شریف خاندانوں کو بچاتے رہنا! ہم الزام کس کو دیں جبکہ اپنی گھر کی بیٹی ہی کا یہ سب کچھ کیا دھرا ہے!

سالگرہ کی اس تقریب کے بعد گھر کے لوگوں کی آنکھیں کھلیں کہ حمیدہ کو انھوں نے تعلیم کے لئے ایک عجیب قسم کے ماحول میں بھیج دیا ہے، 'خر بوزہ'، 'خر بوزے' کو دیکھ کر رنگ بدلتا ہے، اس مزاج اور روش کی سہیلیوں میں رہ کر 'حمیدہ' بالکل 'آن جیسی نہ بنی' پھر بھی ان کی بھوڑی بہت خوب تو آ ہی جائے گی! ان تمام شکوک شبہات اور توہمات کا واحد علاج یہی تھا کہ حمیدہ کو کالج سے اٹھایا جاتا، مگر ایسا کرنے کی ان میں جرأت نہ تھی، عورت کو آزادی اور چھوٹ دے کر، پھر اسے واپس لے لینا کوئی منسی کھیل نہیں ہے، سنو انی آزادی کی راہ میں قدم اٹھ کر پھر مشکل ہی سے مڑتے ہیں! حمیدہ سے پورا گھر مرعوب تھا!

اس دن کے بعد سے اتنا ضرور ہوا کہ اب حمیدہ کی نقل و حرکت کو نگاہِ تخیس سے دیکھا جانے لگا، حمیدہ کا بڑا بھائی رفیق اس معاملہ میں پیش پیش تھا اور کیوں نہ ہوتا یہ اس کی بہن کی عزت و آبرو کا مسئلہ تھا، بال سے باریک اور تلواری سے تیز!

اس جستجو کی ابتداء حمیدہ کی کتابوں سے کی گئی، وہ کالج چلی جاتی تو رفیق اس کی کتابوں، کاغذوں اور صندوقوں کا جائزہ لیتا حمیدہ کی طرف سے ابھی بدگمانی پیدا نہیں ہوتی تھی، مگر جانچنا یہ مقصود تھا کہ اس کا رجحان طبع کیا ہے؟

حمیدہ کی کتابوں کی الماری میں کورس کی کتابوں کے علاوہ کچھ ادبی اور علمی کتابیں بھی تھیں مگر زیادہ تر عشق و محبت کے ناول، 'یٹرھی لیکر سے لیکر' *HOT KISS* تک! ان ناولوں میں شبلی کی "الفاروق" بھی پائی گئی، مگر ڈسٹ کور کی رعنائی زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ مجھے انسانی ہاتھوں نے بہت ہی کم چھوا ہے۔ پڑھنے والی کی راتیں تو ان ناولوں اور افسانوں کے سہارے گزرتی ہیں! حمیدہ کی ایک چھوٹی سی بیاض بھی دیکھنے میں آئی، اس میں اس کے پسندیدہ اشعار درج تھے،

..... یہ کہ : وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں

گھلے مل کر وہ رخصت ہو رہے ہیں محبت کا زمانہ آ رہا ہے

بے نیازانہ برابر سے گزرنے والے نیز کچھ قلب کی رفتار ہوئی تھی کہ نہیں

وداع و وصل جداگانہ لذتے وارد ہزار بار برو، صد ہزار بار بیا

آئینہ اب نہیں دیکھا جاتا میں بے اندازہ دگر یاد آیا

تہاری چٹکیوں نے نیل اتنے دل پر ڈالے ہیں کہ جن کو گنتے گنتے دکھ گئی ہیں اُنکیا میری
کے سامنے کئی سوالیہ نشانات (؟ ؟ ؟) بنے ہوئے تھے، اور ایک جملہ بھی لکھا تھا جسے لکھ کر کاٹ دیا
گیا تھا کہیں کہیں سے حرف پڑھنے میں آتے تھے، مثلاً "لام" "تصور" کی "صاو" جدائی
کی "سی" !

حمیدہ کی آٹوگراف بک میں شاعروں، ادیبوں اور لیڈروں کے دستخطوں کے علاوہ کرکٹ اور ٹینس
کے کھلاڑیوں، یہاں تک کہ فلم ایکٹروں اور ایکٹریسوں کے بھی آٹوگراف تھے، امریکہ کی ایک قاصد نے
بڑے بڑے شہروں میں اپنے ناچ کے کرتب دکھائے تھے یہ "سے" اتنی بڑھی کہ گریس کالجوں میں بھی اس
نامور قاصد کو بلایا گیا، حمیدہ کی آٹوگراف بک میں، اس ڈانسرنے یہ جملہ اپنے قلم سے لکھا۔

"DANCE IS LIFE"

حمیدہ کی ہیلیوں نے بھی اس کی کتاب میں محبت بھرے جملے تحریر فرمائے تھے، اپنے دستِ خاص
سے اضلاع و محبت کا نشان ثبت کرتے ہوئے ! یہ جملے :-

— مجھے حمیدہ سے زیادہ اس کے گلابی رخساروں سے محبت ہے —

— پک ناک کی رنگین دوپہر کی یاد میں —

— FORGET ME NOT EVEN IN HONEY MOON —

اب سے پہلے حمیدہ کی ہیلیاں اس سے ملنے کے لئے آئیں تو کوئی پروا بھی نہ کرتا کہ اُن کے درمیان
کیا باتیں ہوتی ہیں، کون کس لئے تہنہ لگاتا ہے، کون کس سے کیا کہتا ہے؟ مگر اب ایک ٹوہ کام کر رہی تھی
ہر سراغ معاملہ کو مشکوک تر بناتا چلا جا رہا تھا! حمیدہ کے بڑے بھائی رفیق نے حمیدہ کے کمرے کے دروازے
کی آڑ سے اس کی ہیلیوں کی باتوں کو سنا تو اس کا چہرہ فرطِ غیرت و غضب سے تمنا گیا! بہانہ یہ کہ امتحان
کی تیاری مل جل کر ہو رہی ہے اور باتیں ایسی ایسی رومان آفریں کہ سننے اور چنچاروں کے درمیان پہروں
جھولا جھولتے رہے! ایک رڈ کی کی زبان سے یہ تاک سنا گیا کہ :-

"و جے کمار ایکٹر کے بھرے ہوئے بازو تو مجھے پسند ہیں، کاش! اس کی ناک ستواں ہوتی ..."

اب اس سلسلہ کی کرڈیوں کا ملنا کچھ مشکل نہ تھا، رفیق کو یہاں تک پتہ لگ گیا کہ استانیوں کے
یہاں جو دعوتیں اور پارٹیاں ہوتی ہیں اُن میں چوری چھپے بعض اوقات گانے بجانے تماش کے کھیل
دکھانے، نقلیں بھرنے اور لطیفے سنانے کی غرض سے سٹوڈنٹ نوجوان بھی ان میں شریک ہوتے ہیں،
اور حمیدہ نہ گانا جانتی ہے اور نہ اداکاری کا فن اُسے آتا ہے مگر خوبصورتی کی وجہ سے ہر محفل اور
پارٹی میں اس کی پوچھ ہوتی ہے! اور کالج کے میگزین میں پرنسپل صاحبہ کے چھوٹے بھائی واصل

شیرازی کی جو نظم : "غزالہ کے نام"

چھپی ہے، اُس کا موضوع حمیدہ کی ذات ہے! معاملہ صرف تفریح اور پک ناک پر جا کر ختم نہیں
ہو جاتا، بات بہت دور تک پہنچ چکی ہے!

حمیدہ کی نقل و حرکت پر گھر والوں نے چند دن سے پابندیاں لگا دی تھیں، حمیدہ کے لئے روک ٹوک کے یہ گھونٹ بڑے کڑوے کیلے تھے مگر اُسے پتا پڑے، اُس نے کوئی نمایاں احتجاج نہیں کیا، جیسے وہ اپنی کسی داخلی کمزوری کے سبب اپنے کو اس روک تھام کا مستحق سمجھتی ہے! اب وہ چپ چاپ رہنے لگی، بوجہ نامہ خاموشی، ملامت آمیز جمود، ایک ایسی اندرونی بھجاوٹ جس کی وہ خود بھی مدافعت نہ کر سکتی تھی، وہ اس پرندے کی طرح تھی جسے شیخ مصفیروں کے چہچہوں کے درمیان سے اٹھا کر قفس میں بند کر دیا جائے! پھیکی مسکراہٹ، زہر خند جیسی ہنسی! اس کا چہرہ سُت گیا تھا اور آنکھوں کی چمک دھندلا سی گئی! یا تو وہ عالم کہ ہر وقت بنی ٹھنی اور لوگ پلک سے درست رہتی اور اب یہ کیفیت کئی کئی دن تک آنکھیں سُرمہ سے اور بال کنکھی سے محروم رہتے! گھر والے، حمیدہ کی اس سوگواری سے خوش تھے کہ اس طرح اس کا تزکیہ نفس ہو رہا ہے!

جاڑے کی رات تھی، شام ہی سے بوند باندی ہونے لگی، ہوا کافی سرد تھی، لوگ لحافوں، زلیاں اور کبلوں میں لپٹے پڑے تھے، سارے شہر پر ایک گہرا جمود طاری تھا، گلیوں میں کبھی کسی کتے کی آواز اس سکوت میں ذرا سی دیر کے لئے حرکت پیدا کر دیتی مگر ٹھٹھڑے ہوئے کتے کی آوازیں دم ہی کیا ہوتا ہے، مدھم سڑوں میں "نج نج" کی اور چپ ہو گیا!

حمیدہ کے یہاں سب لوگ گہری نیند سو رہے تھے، بوڑھی ماما سوتے میں کبھی کبھار خُر خُر کرنے لگتی۔ اس کے سوا اور کوئی آواز کہیں سے نہ آتی تھی، چاروں طرف سناٹا ہی سناٹا! آدھی رات گئے، چور گلی میں شیشی رگاکر بڑے دالان کی چھت پر چڑھے اور پیچھے آکر صدر دروازے کی کنڈی کھول دی گئی! چوروں نے بڑے محتاط انداز میں دیا سلاٹیاں جدا جدا کر لیں اور صندوقوں کو کھونڈا، ریشٹن، ٹرن، ٹرن، ٹرن، ٹرن چیزوں کے ٹوٹنے اور اٹھانے میں مدھم سی آواز ضرور ہوتی تھی مگر کحافوں میں پلٹے ہوئے کان اُسے سن نہ سکتے تھے، اوریوں بھی سوتا اور مرا آدمی برابر ہوتا ہے!

حمیدہ کا بھائی اور بھانجرا جس کمرے میں سو رہے تھے، اس کی الماری سے ایک چور کی ذرا سی بے احتیاطی کے سبب کاپچ کا بڑا مرتبان جو فرش پر گرا، توہم کے گولہ کی طرح دھماکہ ہوا اور اس کی آواز سے مکان کے لوگ جاگ اٹھے، حمیدہ کا بھائی رفیق بھڑکھڑا کر اٹھا اور بجلی کا بٹن دبا کر کمرے میں اجالا کر دیا، چور بدحواسانہ انداز میں بھاگنے لگے پورے گھر میں جاگ ہو گئی، سب لوگ "چور چور" چلانے لگے، کسی کسی کی ڈر کے مارے گھگھی بندھ گئی، بوڑھی ماما گھبرا کر پاخانہ میں گھس گئی اور اندر سے کنڈی لگائی، جان ہر کسی کو پیاری ہوتی ہے، حمیدہ کی نانی ہمت کر کے پلنگ سے اٹھیں مگر فرش پر رکھے ہوئے پابند ان کی ٹھوکر جو لگی تو کئی ہوئی پتنگ کی طرح زمین پر گر پڑیں!

حمیدہ بھاگ کر بھائی کے کمرے میں آگئی، رفیق نے بڑی ہمت دکھائی، ایک چور کے بھاگنے کا آگے سے راستہ روک لیا، مشہور کہاوت ہے کہ چور کے کتنے پاؤں! ذرا پتہ کھڑکا اور چور صاحب یہ جا وہ جا! مگر جیب چور گھر جاتا ہے تو بڑا خوفناک ہو جاتا ہے، چور نے راہ فرار نہ پا کر دن سے بندوق کا فیر کر دیا۔

گلی رفیق کے کان پر سے ہوتی ہوئی حمیدہ کے لگی اور وہ زمین پر ترپنے لگی! چور ایک ایک کر کے بھاگ چکے تھے، پاس پڑوس کے لوگ شیخ جی کے مکان پر امداد کے لئے ٹوٹ پڑے!

حمیدہ بیہوش ہو چکی تھی، جسم سے تے لہو کی تلیاں چھٹ رہی تھیں، سب لوگوں نے مل جل کر ایک پلنگری پر اسے ڈالا اور ڈولی ڈنڈا کر کے ہسپتال لے گئے، ہسپتال میں اس کی مریم بیٹی ہوئی، ڈاکٹروں نے کہا کہ زخم بہت کاری آئے ہیں، کوئی کوٹھے کو توڑتے ہوئے نان تک پہنچی ہے، ہم اپنی ہر تدبیر کر رہے ہیں مگر شفا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے!

دوپہر کے وقت سول سرجن نے مریضہ کے نام کے کارڈ پر

MISS HAMIDA

لکھا دیکھ کر، عجب کے لہجے میں کہا "مس حمیدہ" شاید لکھنے میں غلطی ہو گئی کہ "مسنر حمید" کی جگہ "مس حمیدہ" لکھ دیا گیا۔

جی! مریضہ کا نام ٹھیک لکھا گیا ہے، مریضہ میری چھوٹی بہن ہے اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی۔

رفیق نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا

خوب! آپ کی غیر شادی شدہ بہن چھ مہینہ بعد ایک بچہ کی ماں بننے والی ہیں، کچھ بسنت کی خبر بھی ہے، *most wonderful case* سول سرجن یہ کہتے ہوئے دوسرے وارڈ کی طرف چلا گیا۔

اس خبر نے گھر والوں کو اور نڈھال کر دیا، اور اب تک جو وہ حمیدہ کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے تھے، اس میں ایک ایسی بیک لگ گیا، اب ان کی محبت نفرت سے بدل چکی تھی، ماں کی ماتا تک پر اس سے پڑ گئی!

تیسرے پہر کے بعد حمیدہ کی سانس اکھرنے لگی، شام کے وقت اُسے ہوش آیا، اس نے بڑی شکل سے راجھل پونٹوں کو اٹھا کر آنکھوں کو کھولا۔

"امی! کہاں ہیں — اُس نے کراہتے ہوئے کہا اور اس پاس نظر دوڑائی، وہاں اُس کے گھر کی ماما کے سوا اور کوئی جانا پہچانا چہرہ نہ تھا پھر اُس نے آنکھیں موند لیں۔

"بی بی! مجھے پہچانا، میں تمہاری نوکرانی عیدن ہوں — ماما نے بھرائی آواز میں کہا۔

"عیدن! میں صلی! خدا..... اور حافظ" آخری ہچکی میں گھل مل کر رہ گیا، بس پھر کوئی آواز نہ آئی!

ہماری نظر میں

آسمانی دستور

از: لطف خلیلی ضخامت ۲۵۶ صفحات (قیمت درج نہیں)

ملنے کا پتہ: مصنف سے، الکھف، بہار کالونی، کراچی

جناب لطف خلیلی علمی دنیا کے لئے بالکل نئے آدمی ہیں ان کی شاید یہ پہلی کتاب منظر عام پر آئی ہے موصوف کی یہ کتاب پڑھ کر اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے خلیلی صاحب دینی مسائل میں مخصوص فکر رکھتے ہیں انھوں نے قرآن میں تدبر کیا ہے اور اظہار خیال کا ڈھنگ انھیں آتا ہے، ان کی یہ کتاب پانچ حصوں پر مشتمل ہے جس کے چند اہم ابواب یہ ہیں:-

آسمانی دستور کے ذرائع — صالح حکومت کے قیام کی بنیادی تدبیر — تشکیل ریاست — خلافت کے بنیادی اصول — ترتیب حکومت — تقسیم کار — پاکستان اور آسمانی دستور — فاضل مصنف نے قرآنی آیات کی روشنی میں بتایا ہے کہ ”دستور سازی“ کے لئے ہمیں اور کہیں سے روشنی اور ہدایت لینے کی ضرورت نہیں ہے، قرآن پاک ہر مرحلہ میں ہماری رہنمائی کرتا ہے، اس لئے آسمانی دستور بنیہ لکھا ہوا (UN-WRITTEN) نہیں ہے بلکہ تحریر کیا ہوا ہمارے پاس موجود ہے، موصوف نے کوئی شک نہیں بڑے خلوص کے ساتھ یہ کتاب لکھی ہے، اور ان کی دلی تمنا ہے کہ پاکستان میں آسمانی دستور عملاً نافذ ہو، اس اسلامی حکومت کا ”اقتدارِ اعلیٰ“ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو تسلیم نہ کیا جائے اور حکومت کے کارکن اللہ تعالیٰ کے خلیفہ، یعنی نائب (VICEROY) کی حیثیت سے آسمانی دستور کے مطابق حکومت کو چلائیں، اور حکومت کے ان کارپردازوں کا صالح اور صاحب تقویٰ ہونا ضروری ہے!

مصنف نے کمالِ دردمندی اور بڑے اخلاص کے ساتھ یہ کتاب لکھی ہے اور بعض اُن گوشوں کی طرف اشارہ کیا ہے، جو عوام کی تائید بعض خواص کی نگاہ سے بھی چھپے رہتے ہیں، اس اعتراف کے بعد ہمیں اس کا بھی اظہار کرنا ہے کہ اس کتاب کے بعض مقامات پر ہمارے دل میں خاصی کھٹک پیدا ہوئی مثلاً:-

”اور آج انسان کو اس بات کا مشکل سے یقین آئے گا کہ وید یا قرآن، تو ریت ہو یا انجیل جو بھی آسمانی کتاب صحیح معنوں میں ہے، وہ سب کی سب ایک ہی مضمون اور ایک ہی کتاب کی چند اشاعتیں ہیں“ (صفحہ ۳۰)

اصل مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ جن انبیاء کرام کے نام قرآن پاک میں آئے ہیں ان کے علاوہ دوسرے مصلحین مثلاً کنفیوشس، زرتشت، کرشن جی وغیرہ کو ہم قطعی طور پر ”نبی“ یا ”رسول“ نہیں کہہ سکتے، اسی

طرح قرآن پاک میں جن آسمانی کتابوں کا ذکر نہیں آیا ان کو بھی ہم قرآن توہیت، انجیل، اور زبور کا درجہ نہیں دیکھتے اس لئے "وید" کو ان آسمانی صحائف کے ساتھ ملانا، احتیاط کے خلاف ہے، اور اس سے بڑے مفسد پیدا ہونے کا امکان ہے!

خلیلی صاحب فرماتے ہیں "صلوٰۃ" کے معنی مسلمانوں میں آج صرف ارکان نماز کے لئے محدود کر دئے گئے ہیں۔ ص ۱۰۸

"عبادت" کا مفہوم تو بیشک وسیع ہے جس میں "صلوٰۃ" بھی داخل ہے، اور زندگی کے کسی شعبہ کو "عبادت" سے مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا مگر جہاں تک "صلوٰۃ" کا تعلق ہے وہ اپنے ارکان کے اعتبار سے وہی ہے۔ جو مسلمانوں میں معروف ہے اور جسے وہ ہر دور میں تواتر کے ساتھ ادا کرتے آئے ہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی "صلوٰۃ" کے یہی معنی سمجھے تھے اور حضور نے رکوع، سجود اور قومہ کے ساتھ جو "صلوٰۃ" ادا کی تھی، وہی آج تک چلی آرہی ہے! مسلمان کی پوری زندگی عبادت ہے اور مرد مومن کو زندگی کے ہر شعبہ میں ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کرنی چاہیے مگر قرآن پاک نے "صلوٰۃ" کے لئے اوقات مخصوص کئے ہیں اور جنگ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ترکیب تک بتائی ہے!

قرآن پاک یقیناً آسمانی دستور اور ضابطہ حیات ہے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ دستور کسی کتاب میں لکھ کر عرب کے کسی پہاڑ پر نہیں اتار دیا، بلکہ اسے اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا، اور پھر جس پر یہ صحیفہ مقدس اللہ تعالیٰ نے نازل کیا، اس کی حیثیت صرف ایک پہنچانے والے کی تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کتاب کا تلاوت کرنے والا، کتاب و حکمت کا معلم اور تزکیہ نفس کرنے والا بنا کر بھیجا، آپ کی اطاعت کو مخصوص قرار دیا، اور آپ کے اسوہ حسنہ کو تمام انسانیت کے لئے معیار اور نمونہ (MODEL) ٹھہرایا یہی قرآن جسے خلیلی صاحب "دستور آسمانی" کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے اس کی تشریح فرمائی ہے اور اُسے عملاً نافذ کر کے دکھایا ہے۔ اس لئے لازمی طور پر "اسلامی دستور" کا ماخذ کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول بھی ہے! کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کسی دوسرے سہارے کی محتاج نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کی کتاب کا صحیح مفہوم سمجھنے اور اُسے عملاً نافذ کرنے کے لئے ہم مہبط قرآن (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی سنت کے محتاج ہیں، اللہ کے دین کی عمارت کتاب و سنت — ان دو ستونوں پر قائم ہے، لہذا زندگی کے کسی شعبہ میں بھی سنت رسول سے قطع نظر ممکن نہیں، جو کوئی قرآن نہیں کے زعم میں اپنی فکر و دانش پر اعتماد کرتا ہے اور سنت رسول سے اعراض کرتا ہے وہ گمراہی سے بچ نہیں سکتا، اس مزاج اور ذہنیت کا آدمی عقل کے تیرتھے لڑا کر خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا!

صحایہ کرام اور ائمہ فقہ نے دین کے مسائل کو جس طرح سمجھا اور بتا ہے، ان کی دین میں حیثیت "نظار" کی ہے اور ہمارے لئے ان نظائر میں روشنی اور بصیرت ہے! جو کوئی صرف قرآن کی مدد سے "اسلامی دستور" کی تشکیل و تنقید کرنے کا مدعی ہے وہ بہت بڑا دعویٰ کرتا ہے جسے مسائل کی تفصیلات و جزئیات میں نباہ نہیں سکتا!

فاضل مصنف نے قرآنی آیات کو عنوان بنا کر ان سے تفصیلات پیدا کی ہیں اور استنباط فرمایا ہے، یہاں تک کہ قرآن کی چند آیات کا مفہوم مصنف کی تفصیل و تشریح میں پھیل کر کئی سو صفحاتوں تک پہنچ گیا ہے! اس اپنی کتاب کا نام مصنف نے "آسمانی دستور" رکھا ہے، حالانکہ اس کتاب میں قرآنی آیات تو چند ہیں، زیادہ تر مصنف کے استنباطات اور تشریحات ہیں، جب مصنف کو قرآنی آیات کی تشریح و استنباط کا حق حاصل ہے تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنی آیات کی قولی اور عملی تشریح و تنفیذ کا حق حاصل نہیں تھا! اور کیا خلافت راشدہ "آسمانی دستور" کا مثالی نمونہ نہیں تھی؟

اسلامی دستور کو جو غیر تحریر شدہ (UNWRITTEN) کہا جاتا ہے، تو اس کا سبب یہ ہے کہ پہلی دستور: (۱) کتاب (۲) سنت (۳) خلفائے راشدین کے عمل اور (۴) ائمہ کے اجتہادات میں پھیلا ہوا ہے، ایک جگہ لکھا ہوا نہیں ہے، یہ جب کتابی شکل میں دفعہ واری مدون ہو جائے گا تو پھر اس پر (WRITTEN CONSTITUTION) کا اطلاق ہوگا! اور اس میں نئے اجتہادات بھی شامل ہوں گے۔

صلا پر "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ" کا یہ ترجمہ: "عبادت کرو اپنے رب کی یہاں تک کہ تم کو یقین حاصل ہو جائے" درست نہیں ہے! "یقین" کا ترجمہ "موت کرنا چاہیے تھا" قرآن میں ایک دوسری جگہ بھی یہ لفظ "یقین" موت ہی کے معنی میں آیا ہے:

"كُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ، حَتَّىٰ آتَانَا الْيَقِينَ" (المدثر)

(ہم قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے، یہاں تک ہم پر (وہ یقینی چیز) موت آپہونچی)

جہور سلف نے اس آیت میں "یقین" کو "موت" کے معنی میں لیا ہے اور ٹھیک لیا ہے۔ اور چونکہ بعض صوفیائے "یقین" کی ترجمانی "کیفیت قلب" سے کی ہے، وہ درست نہیں ہے، اس غلط ترجمانی نے یہ نسا و پیدا کیا کہ بعض متصوفین کے حالات میں ملتا ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے اور ان کے معتقدین ان کے "ترکِ صلوٰۃ" جیسے عظیم گناہ کی یہ توجیہ کرتے تھے کہ حضرت کو مرتبہ "یقین" حاصل ہو گیا تھا اس لئے قرآنی حکم کے مطابق ان پر سے نماز ساقط ہو گئی! حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کو مرتبہ یقین حاصل ہو سکتا ہے، مگر حضور نے دم آخر تک نماز ادا فرمائی۔

لائق مصنف جو "دستور آسمانی" کی تحریک لے کر اٹھے ہیں انھیں اس آیت کا متصوفانہ انداز میں ترجمہ نہیں کرنا چاہیے تھا، کتاب میں کہیں کہیں قرآنی آیات کی کتابت غلط ہوئی ہے، آئندہ ایڈیشن میں ان کی تصحیح ہونی ضروری ہے۔

از: حکیم مولانا محمد صادق سیالکوٹی، ضخامت ۳۱ صفحات

ملنے کا پتہ: دائرۃ التبلیغ پورہ ہیراں سیالکوٹ شہر

قرآنی تمعین

یہ کتاب بدعت و شرک کے رد میں لکھی گئی ہے، اور اپنے موضوع پر بہت کامیاب بلکہ شاندار کتاب ہے، قرآنی آیات اور احادیث کے حوالوں اور عقلی دلیلوں کے ساتھ بدعت و شرک کا پر زور رد کیا گیا ہے، اگر قبول حق کی دل میں صلاحیت ہو تو کمر سے کمر بدعتی اس کتاب کو پڑھ کر اپنا مسلک بدلنے پر مجبور ہو جائے گا!

زبان سلیس و سادہ اور انداز بیان سلیجھا ہوا ہے :
ایک اقتباس :-

”مولوی صاحب فرماتے ہیں بلہار جاؤں محبوب پاک حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے جنہوں نے حیرتی درخواست کو بارگاہ رسالت میں اپنی سفارش سے منطوری دلوائی“
”گویا مولوی صاحب نے حج کی درخواست خواجہ نظام الدین اولیا کے حضور میں کی انہوں نے اس پر سفارش لکھ کر رسول خدا کی خدمت میں پہنچا دی اور حضور نے سفارش مان کر درخواست قبول کر لی اور دعوت نامہ بھیج دیا، جب حضور نے دعوت نامہ بھیجا تو اللہ نے ارادہ پورا کر دیا“

خواجہ نظام الدین رسول خدا کے پاس سفارشی اور رسول خدا کے پاس سفارشی ہوئے تو لکھا :-
”هُوَ لِإِشْفَاءِ نَاعِدِ اللَّهِ“ کی طرح یہ عقیدہ ہے درگاہوں، قبروں اور عرسوں پر جانے والے لاکھوں مسلمانوں کا۔
فتاویٰ بزازیہ کی یہ عبارت :- ”مَنْ قَالَ إِنَّ الْأَرْوَاحَ الْمَشَايِخَ حَاضِرَةٌ لَعَلَّكُمْ يَكْفُرُونَ“
جو یہ کہے کہ بزرگوں کی روہیں حاضر و ناظر ہیں اور (وہ لوگوں کے احوال) جانتی ہیں وہ کافر ہو جاتا ہے۔
بحر الرائق کا یہ فتویٰ :-

”مَنْ ظَنَّ أَنَّ الْمَيِّتَ يَتَصَرَّفُ فِي الْأُمُورِ دُونَ اللَّهِ وَأَعْتَقَدَ بِذَلِكَ كُفْرًا“

”جس نے یہ سمجھا اور عقیدہ رکھا کہ فوت شدہ بزرگ اور ولی ہمارے کاموں میں تصرف کر سکتے ہیں اور نقصان پہنچا سکتے ہیں، وہ کافر ہو گیا۔“
احناف کی مستند فقہی کتابوں کے اقتباسات کو دیکھ کر بھی کوئی یہی کہے جائے کہ یہ وہابیوں کے عقائد ہیں، تو ایسے ہٹ دھرم سے اللہ کی پناہ !
”یہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے روز امت کی سفارش کرنی ہے صفحہ (۶۸) نے “جگہ جگہ غلط استعمال ہوا ہے۔“

سبق بلا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے ہمیں : کہ بشر کی زد میں ہے یہ گنبد افلاک (صفحہ ۱۹۲)

اثر تو بے شک دوا و دعائیں ہے : لیکن شفا مرض کی دست خدا میں ہے (صفحہ ۲۱۶)
یہ دونوں شعر ”ناموزوں“ لکھے گئے ہیں ! اس غلطی کا ذمہ دار کون ہے کاتب یا مصنف !
اس کتاب میں ”توحید خالص“ کو نکھرے ہوئے انداز میں پیش کیا گیا ہے، مصنف نے شرک و بدعت کی دھجیاں اڑا کر رکھ دی ہیں،
کتاب کے آخر میں جو ”تقلید“ کا رد کیا گیا ہے اسے پڑھ کر مقلدین (اہل سنت و الجماعت) بھڑک جائیں گے، اور اس طرح خوف ہے کہ بعض طبیعتیں اس کتاب کا وہ اثر قبول نہ کر سکیں گی جس قبول اثر کی یہ کتاب مستحق ہے !

سیرت نمبر اور توحید نمبر کے بعد

“فاران”

محرک اسلہ



جلوہ گر ہوگا،

تیا ریاں شروع کر دی گئی ہیں، اور اکابر اہل تسلیم

مقالے لکھ رہے ہیں!

“خلافت نمبر” کے مضامین ایمان افروز بلند و بالا

ہوں گے، فاران کا عظیم الشان خاص شمارہ محبت و رافت

کی بشارت بن کر نمودار ہوگا

خلافت نمبروں کے دھندلے آئینوں کو چمکائے گا اور فکر و دماغ کی کچی کمال
کڑاں فکر و خیالات اور معتقدات میں محبت کی رُوح پیدا کرے گا۔

“خلافت نمبر”

”برہان قاطع“ بن کر طلوع ہوگا

ابو منظور شیخ احمد (نامہ بردار)

اشتراک

توحید نمبر کے صفحہ ۳۳ پر مدیر فاران نے ایک نوٹ تحریر کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں :-
 ”آجکل اولیاء اور صلحا کی قبروں پر عام طور پر لوگ نذر و نیاز گزارتے اور استمداد کی نیت ہی سے حاضر ہوتے ہیں
 عرس کے علاوہ بعض قبروں پر دن رات میلہ سا لگا رہتا ہے، ان حالات میں جناب شیخ احمد صاحب صبح
 عقیدے کے لوگ قبروں پر جاتے ہیں تو انھیں ”ہاں“ ”حاضر“ (۲) دیکھ کر اہل بدعت یہی سمجھتے ہیں کہ جن معتقدات اور
 مرادوں کو لیکر ہم مزار اقدس پر آئے ہیں اسی کام کے لئے یہ صاحب بھی آئے ہیں۔ ان دنوں اولیاء و صلحا
 کی قبروں کی زیارت اگر اس ”فتنہ“ میں اضافہ کر رہی ہو، تو کیا کیا جائے! اذہم فقتدوا!“

مجھے یقین ہے کہ اس کا جواب فاضل مدیر خود جانتے ہیں اس لئے اگر وہی اپنے نوٹ میں اسکی توضیح فرماتے تو ہر طرح مناسب تھا مگر انھوں نے اس طرح
 سوال کیا ہے گویا میری تحریر سے انھیں کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے اور اسی کی بنیاد پر میرے طرز عمل سے متعلق انھوں نے ایک اے قائم کر لی ہے میں نہیں سمجھتا کہ
 میرے مضمون سے اس قسم کی غلط فہمی کا کیا امکان پایا جاتا ہے۔ تاہم انھوں نے خصوصیت کیساتھ خاکساک نام لیکر اسکا ذکر کیا ہے اس لئے میں یہ چند سطریں سر پر قلم کر رہا ہوں
 میں ان کی فہم و تدبیر کی دعوت کے لئے ان کا شکر گزار ہوں لیکن الحمد للہ مجھے اس مسئلے میں کبھی کوئی الجھن پیش نہیں آئی ہے اس لئے میرا اپنا طرز
 عمل بھی فتنہ نڈ کو رہ میں اضافہ کرنے سے پاک ہے اور میں تمام صحیح العقیدہ لوگوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ عرسوں اور میلوں ٹھیلوں کے دنوں میں اولیاء و صلحا
 کی قبروں کی زیارت کو نہ جائیں۔ زیارت قبور کا فائدہ دوسرے طریقوں سے بھی باقیوں سے بھی باقیوں سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے، چنانچہ میرے مضمون کی ساری تفصیلات
 اور خصوصاً ”عوام کی قبریں“ کے زیر عنوان لکھی جانے والی سطریں انشاء اللہ ان کے لئے از یاد بصیرت کی موجب ہونگی، البتہ وہ چاہیں تو کبھی بھیجا
 اولیاء و صلحا کی قبروں کی زیارت بھی کر لیں۔ اگر اس موقع پر نذر و نیاز گزارتے اور استمداد کی نیت سے آنے والے چند لوگ بھی وہاں
 حاضر ہوں تو مجرد ”حاضری“ فتنے میں کوئی اضافہ نہیں کرتی کیونکہ دونوں کے طریق حاضری میں نہ اسماں کا فرق موجود ہے اور میں سمجھتا ہوں
 کہ ناسمجھ سے ناسمجھ آدمی بھی اس فرق کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اس معاملہ میں صحیح العقیدہ لوگوں کو اس درجہ غلو سے احتیاط سے بھی کام لینا چاہیے
 کہ صحیح طریق کار کے عملی مظاہر سے بھی باز رہ جائیں۔

مدیر فاران ایک اور حاشیے میں علامہ اقبال مرحوم کی نسبت فرماتے ہیں :-

”ان کے ہر قول و فعل کو فقیہ یا محدث کے قول و فعل کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ اقبال نے اپنے کلام میں
 موضوع حدیثوں تک کو نظم کر دیا ہے، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء و محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت میں انھوں
 نے یہاں تک کہہ دیا ہے صحیح و غلط سے اونچا مقام ہے تیرا!“

حالانکہ کوئی ولی کسی نبی سے بلند نہیں ہو سکتا۔ یہ اقبال کے ”مزلات“ ہیں، ان پر نگاہ رہنی چاہیے ص ۳۳۱
 الحمد للہ اقبال کے ہر شعر اور مصرع مصرع پر میری نگاہ ہے اور ان کے ”مزلات“ بھی مجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی فرما
 کرے تو میں ان کے سارے ”مزلات“ جمع کر کے پیش کر سکتا ہوں لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس موقع پر مدیر فاران نے یہ تبلیغ کیوں کی ہے
 جبکہ میں نے اپنے مضمون میں نہ اقبال کے ہر قول و فعل کو فقیہ یا محدث کے قول و فعل کا درجہ دیا ہے اور نہ ان کے کلام سے وہ اشعار نقل
 کئے ہیں جنہیں انھوں نے موضوع حدیثوں کو نظم کیا ہے یا کسی ولی کو کسی نبی سے بلند بتایا ہے، غالباً ان کا رویے سخن ان تمام لوگوں کی طرف ہے
 جو بزرگوں کی عقیدت میں آنا غلو کرتے ہیں کہ ان کے اقوال و افعال میں طہ یا بس کی تمیز نہیں کرتے اور ان کا کام اور کلام ہی
 معیار رد و قبول بن کر رہ جاتا ہے۔ اگر بات یہی ہے تو میں اس معاملے میں مدیر فاران کا بالکل ہمنو ہوں لیکن انکی یہ بات ہتایت ناقص
 ہے کہ ”اقبال کے ہر قول و فعل کو فقیہ یا محدث کے قول و فعل کا درجہ نہیں دیا جاسکتا“ حالانکہ خود فقہاء و محدثین کے اقوال و افعال بھی
 معیار رد و قبول نہیں ہیں کھلی بات ہے کہ خدا کے ارشادات اور رسول خدا کے اقوال و افعال ہی وہ معیار ہیں جس پر کس کو دیکھنے
 کے بعد جو چیز کھوٹی ثابت ہوگی وہ رد کر دیا جائیگی چاہے وہ اقبال کے قول و فعل میں ہو یا فقیہ یا محدث کے قول و فعل میں۔

تَفْهِيْمُ الْقُرْآنِ (جلد سوم)

کا ایک حصہ تفسیر سورہ نور

از

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب

- ★ جسے فائدہ عام کے لئے الگ کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے
- ★ اسلامی نظام معاشرت کے متعلق وہ تعلیمات جو مسلمانوں کی اخلاقی و اجتماعی زندگی کے لئے اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں،
- ★ پر وہ، استیذان، قذف اور زنا سے متعلق قوانین شریعت پر مبسوط بحث۔
- ★ قرآن، حدیث اور فقہ کے باہمی ربط و تعلق کی صحیح نوعیت اور اس ضمن میں جدید شجاعت کا شافی جواب۔
- ★ اسلامی قانون اور نظام معاشرت کے متعلق ایسی معلومات جو اردو انگریزی ہی میں نہیں خود عربی زبان میں بھی کہیں ایک جا مرتب نہیں ملتی۔

وکلاد، حاکمان عدالت، طلبائے قانون اور اساتذہ کے لئے

اسلام کے معاشرتی نظام کی ایک جامع تصویر

سورہ نور تین اقسام کی تیار ہوں گی۔ جن حضرات کی فرمائشیں ہمارے ہاں درج ہیں وہ آخر دسمبر میں تجدید فرمائش کرتے ہوئے مطلوبہ قسم کی وضاحت فرمائیں

کاغذ کمرنا فلی سفید	۴	۳/۴/۰
کاغذ ولاتی سفید	۴	۴/۸/۰
کاغذ ولاتی سفید	۴	۶/۰/۰
خصوصی جلد اپ کور		

فرمائش بیجئے کا پتہ!

مکتبہ تعمیر انسانیت۔ موجید روازہ لاہور

طے یونانی کی مفید اور کامیاب دویہ

مردانہ قوتوں کے لئے بہترین دوا

حکدھنر

مقویات کی سرتاج
مشک خالص عنبر اشہب زعفران کشتہ سونا کشتہ فولاد
اور دیگر مقوی اجزاؤں کا مرکب
اعصاب دل و دماغ اور جنسی قوتوں کے لئے
ایک بہترین اور قابل اعتماد ٹانک ہے۔
زہریلے اور نشہ آور اجزا سے پاک ہے
قیمت شیشی چار روپے
محصول ذاک ایک پیہ

پتہ :- ہندی دوا خانہ یونانی - قصور - پاکستان
اسٹاکسٹ :- شیخ عنایت علی اینڈ سنز - ۶ - انارکلی لاہور -

حَفْضِی

جنسی امراض کے لئے بہترین اور مقوی دوا

جو کہ ہر عمر اور ہر موسم میں یکساں مفید ہے
کشتہ فولاد سلاجیت اور دیگر مقوی اجزاؤں
کا مرکب ہے
جسمانی و دماغی کمزوری پٹھوں کو تقویت گر وہ
مشانہ کی کمزوری احتلام جریان اخراج ناسفید
اور ذیابیطس شکر کی کے لئے مفید ہے۔ قیمت
دو روپے آٹھ آنہ محصول ذاک ایک پیہ

غسل کیلے بہترین صابن

صنعت پاکستان کے بہترین نمونے
صابن خریدنے وقت

ذوالفقار انڈسٹریز کا نام دیکھیے

جو اچھے صابنوں کی ضمانت ہے جدید ترین لائی
مشینری سے تیار کردہ

پاکستان میں ہر قسم کے صابن کی ضروریات کیلئے

ذوالفقار انڈسٹریز کا نام یاد رکھیے

ذوالفقار انڈسٹریز

ڈی ۱۹ منگو پیر روڈ کراچی

گلفا ٹوائیلٹ سوپ لیٹل گرین سوپ لیٹل سٹار فلکس پوڈر

ریشمی اور اول کپڑے دھونے کا خاص اجزا سے مرکب
صابن

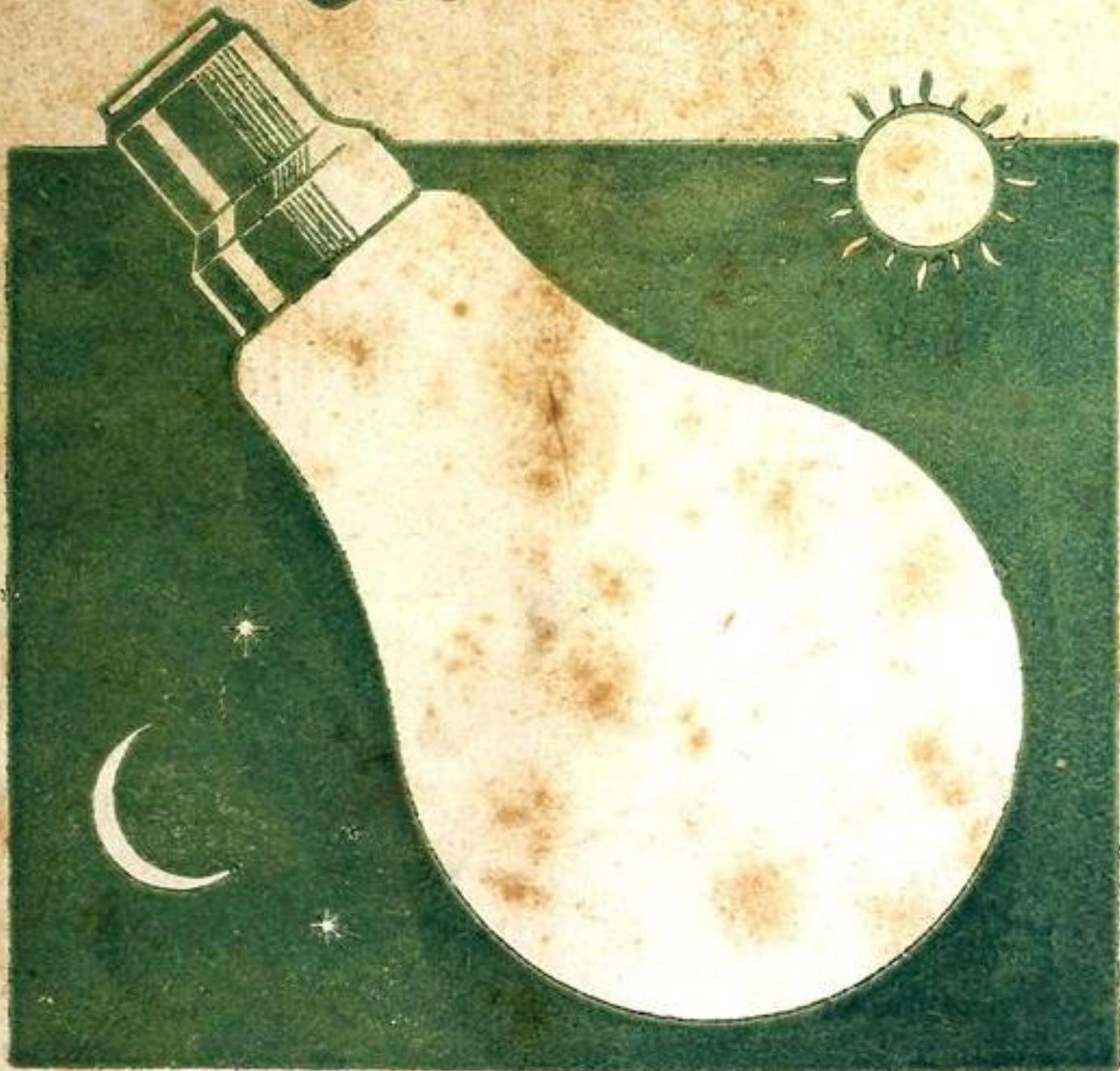
الٹ میڈیکلڈ کاربالک صابن

کپڑے دھونے کے بہترین صابون

(۱) ہرن برانڈ (۲) ملٹری (۳) ۵۵۵

پسکدار لیکن

سکون بخش



حق سنتر کے لیمپس قلیل مدت میں تمام پاکستان میں پھیل گئے
آپ انہیں مکالوں، آفیس اور فیکٹریوں میں ہر جگہ پائیں گے درحقیقت
ایک اعلیٰ ذہن کی جیسے تمام کی خدمت کیسے پیش کی گئی ہے۔ آپ
حق سنتر ہی استعمال کیجئے اس لئے کہ یہ بہترین ہیں

پاکستان میں بنے ہوئے

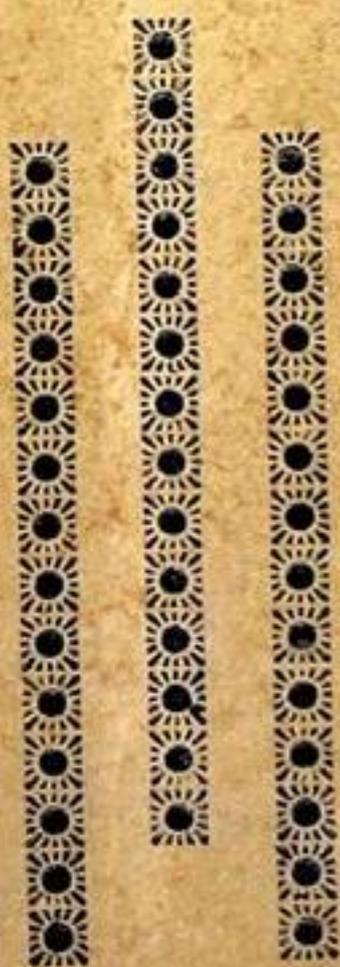


حق سنتر ایجنٹس کمپنی لیمپ سنٹر

پرنٹنگ ہاؤس

قاران کراچی

پاکستان



ماہ الفستردری

فاران

ماہ القادری

ایڈیٹر

مارچ ۱۹۵۸ء

سالانہ چندہ پچھرویسے

فی چپہ آٹھ آنے

مقارے شاعرت

دفتر فاران کیمیل اسٹریٹ کراچی نمبر ۱

نظم و ترتیب

۲ ماہ القادری	نقش اول
۹ منشی عبدالرحمن (خال)	پندرہ
۱۸ سریدالدین قریشی	عربی خطبات و درجاہلیت میں
۲۴ عبدالشہید المسدوسی	یہودی مذہب
۳۹ ماہ القادری	یادرفنگان (علی اخت مرحوم)
۴۵ مختلف شعراء	تظہیر و غزلیں
۴۹	روح انتخاب (بین الاقوامی کلورکیم)
۵۴	ہماری نظر میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اول

اسلام اور صرف اسلام ہی "دینِ فطرت" ہے، اس لئے عیسائیت کی طرح اسلام سائنس کی ترقیوں کی راہ میں کبھی حائل نہیں ہوا، تہذیب و تمدن اور علم و فن کی ہر وہ ترقی جو انسانی معاشرہ کے لئے فلاح و بہبود کا سبب بن سکتی ہے، اسلام اس سے ہم آہنگ ہونے کی لچک اپنے اندر رکھتا ہے، اسلام اپنی ذات سے امن و سلامتی واقع ہوا ہے، افادیت اس کی فطرت اور خیر اس کا مزاج ہے، اس لئے خیر و فلاح کی جہاں سے بھی کوئی آواز اٹھتی ہے اسلام اس پر "لبیک" کہتا ہے، حاتم طائی اور نوشیروان مسلمان نہ تھے مگر اسلامی ادب میں ان کا نام ہمیشہ احترام کے ساتھ لیا گیا ہے! ساری دنیا جانتی ہے کہ یہ مسلمان علماء تھے، جنہوں نے یونان و روما کے فلسفہ کو دنیا سے روٹھنا س کرایا، اگر مسلمان فلسفہ کی سرپرستی نہ کرتے تو افلاطون و ارسطو کا نام تو شاید کتابوں میں باقی رہ جاتا مگر ان کا "کام" گنہامی کے گرد و خبار میں دب کر رہ جاتا! اسلام نے اپنے ماننے والوں میں ترقی کی ایک برقی رو دوڑادی تھی، یہی سبب تھا کہ ایک زمانہ میں علم و فن اور ایجاد و اختراع کی زمام قیادت مسلمانوں ہی کے ہاتھوں میں تھی اور تہذیب و تمدن کے خاکوں میں مسلمان ہی رنگ بھرتے تھے!

مسلمانوں نے علم و فن کو، سائنس اور تمدن کو اس لئے آگے نہیں بڑھایا کہ وہ دنیا کو مرعوب اور خوف زدہ کرنا چاہتے تھے، اور ان ایجادات و اختراعات اور ترقیوں کی بنیاد اس جذبہ پر نہ تھی کہ ساری دنیا ان کی برتری کی قائل ہو جائے اور لوگ ان کی علمی ترقیوں کو دیکھ کر احساس کمتری میں مبتلا ہو جائیں، مسلمانوں نے دنیا کے ساتھ ایسا اوچھا برتاؤ اور ظالمانہ سلوک کبھی نہیں کیا، انہوں نے علم و فن کو آگے بڑھایا اور سائنس میں ایجاد و اختراع بھی کی، مگر کس لئے؟ اس لئے کہ مخلوق خدا کو اس سے فائدہ پہنچے، اور دنیا اس سے تمتع حاصل کرے! مسلمانوں نے علوم و فنون کو جو ترقی دی، اس کی بنیاد خدمتِ خلق اور رفاهِ عام کے جذبہ پر تھی اور وہ اپنے نبی اور انسانیت کے محسنِ اعظم کے اس ارشاد کی بنا پر کہ "الخلق عیال اللہ" (مخلوق اللہ کا کنبہ ہے)

خلقِ خدا کی محبت اور خیر خواہی کا جذبہ اپنے اندر رکھتے تھے اور آج بھی رکھتے ہیں! مگر ہم نے اپنے زمانہ میں اپنی آنکھوں سے علم و فن کا یہ جزئیہ اور سائنس کی یہ ٹریجڈی بھی دیکھ لی کہ سوویت و س نے

اپنا تابکار سیارہ (اسپینک) خوف و دہشت کی ایک علامت بنا کر فضا میں اڑایا اور اپنے جریفوں کو چیلنج دیا کہ وہ چاہے تو اس قسم کی ہیبت ناک اور تباہ کن ایجادات سے بڑے سے بڑے فاصلہ کی آبادیوں کو تباہ و برباد بگڑناک سیارہ کر سکتا ہے!

حقیقت یہ ہے کہ کمیونسٹوں نے دنیا کو تباہ و بربادی کے سوا اور دیا ہی کیا ہے! انتشار برامنی مزارع اور ترقیب یہ چیزیں کمیونزم کی مزاج اور ہر شے میں داخل ہیں یہی سبب ہے کہ کمیونسٹ عالموں اور سائنس دانوں کے دل بھی گداز سے محروم ہوتے ہیں پھر سے بھی زیادہ سخت جن میں مروت کی نرمی اور رواداری کی کوئی ٹچاک نہیں! بس یہی ایک دُھن اور لگن کہ کارل مارکس اور لینن کی خدائی کا تخت ساری دنیا پر بچھ جائے، چاہے اس کے لئے انسانوں کی بستیاں آگ اور لہو کی نذر ہو کر کیوں نہ رہ جائیں!

جہاں تک "نظریاتی جنگ" کا تعلق ہے، کمیونزم اس میدان میں شکست کھا چکا ہے، دنیا اس کے ذریعے باخبر ہو چکی ہے، خود روس کے لوگ کمیونزم کا مزہ چکھ کر اور اس نظام کا تجربہ کرنے کے بعد اس سے انتہائی بیزاریاں روس کے دوست اور حلیف پنڈت نہرو اور جمال اصر تک نے "کمیونزم" سے اپنی بے تعلقی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے، خود چین کے کمیونسٹ لیڈر کمیونزم کی مقبولیت کے لئے چین میں ایٹمی چوٹی کا زور دگا رہے ہیں مگر چونکہ وہ جانتے ہیں کہ کمیونزم سے لوگ بیزار خوف زدہ اور متنفر ہیں، اس لئے وہ "کمیونزم" کو دوسرے ناموں سے پیش کرتے ہیں اور باہر کے دُفود اور سیاہوں کے سامنے کمیونزم کا نام تک نہیں لیتے اور اپنے غلام پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں!

روسی ڈکٹیٹروں نے کمیونزم کی اس عدم مقبولیت اور غیر ہر دلعزیزی کو دیکھ کر یہ تدبیر سوچی ہے کہ سائنس کی مہیب ایجادوں سے دنیا کو مرعوب اور خوف زدہ بنا دیا جائے اور اسی رعب اور خوف کے بل بوتے پر کمیونزم کو زندہ رکھا جائے! اس میں کوئی شک نہیں کہ سیاسی دنیا میں "خوف و دہشت" کو اہمیت حاصل ہے مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ جس نظریہ کی بنیاد خوف و دہشت پر ہوتی ہے، وہ نظریہ اور نظام زیادہ دنوں تک پس نہیں سکتا، راکٹوں سے لوگوں کو مرعوب تو کیا جاسکتا ہے، مگر راکٹ لوگوں کے دلوں میں کسی نظریہ کو اتار نہیں سکتے! دنیا میں تم کیوں اور نظریوں کی مقبولیت اور کامیابی کا تعلق دلوں کی رضامندی سے ہے، کہ کسی دنیوی لاپرواہ، دباؤ اور خوف کے بغیر لوگ اسے قبول کریں اور فارس سے سلمان، روم سے مہیبش اور حبش سے بلال کھینچے چلے آئیں!

جرأت کی کمی

دوسری طرف مرعوبیت، بزدلی اور احساس کمتری کا یہ منظر بھی ان آنکھوں نے دیکھا لیا کہ روس کے "اسپینک" نے امریکہ میں کھلبلی پیدا کر دی اور وہاں کے لوگ ڈر کر اور ہم کر رہ گئے، امریکہ کے سائنس دانوں نے جیسے تیسے اپنا بھی ایک "سیارہ" فضا میں چھوڑ ہی دیا اور نہ اٹرن ہوئی کی صدارت کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا، امریکہ والوں کی اس مرعوبیت، بدحواسی اور گھبراہٹ نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ عیش و راحت کے آغوش میں نشوونما پانے والی قوم خطرات کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور سرمایہ داروں میں بھراست برائے نام ہوتی ہے! جو حکومتیں امریکہ کی حلیفت ہیں ان کو اس حقیقت سے غافل نہیں رہنا چاہیے کہ امریکہ کے پاس مال و دولت اور ہتھیاروں کی بیشک بہتات ہے مگر جرأت کی کمی ہے! مال و دولت کی بھست اور عیش و راحت کی ہوس اور جرأت و بہادری ایک دل میں شکل ہی سے جمع ہو سکتی ہیں! بزدل پیسہ والے کی دوستی امن و اطمینان کے

زمانہ میں تو فائدہ مند ثابت ہوتی ہے لیکن جنگ کے دوران میں خطرہ سے خالی نہیں کہ نہ جانے کس مرحلہ میں راہِ فرا اختیار کر جائے اور کب سپر انداختہ ہو جائے۔

ہیروشیما میں امریکہ نے جو کچھ کیا ہے، وہ اس حقیقت کا شاہد ہے کہ سرمایہ دار جب اپنے حریف کو کمزور پاتا ہے پھر بڑے سے بڑے ظلم پر اتر آتا ہے، مگر اپنے سے قوی اور طاقتور کے مقابلہ میں کان دہنے رہتا ہے! سرمایہ دار ذہنیت کا یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ ڈبل گیم کھیلتی ہے اور موافق و مخالف دونوں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے، اور کسی جرات مندانہ اقدام کی اسے کم ہی توفیق نصیب ہوتی ہے، کسٹیر کے مسئلہ میں امریکہ کی پالیسی کا ہم برسوں سے تجربہ کر رہے ہیں، امریکہ کا سفیر ہندوستان میں کچھ کہتا ہے اور پاکستان میں ان نمائندہ کا انداز گفتگو بدلا ہوا ہوتا ہے، کسٹیر کے مسئلہ میں جس طرح روس نے کھل کر بھارت کی تائید کی ہے اس کا دسواں حصہ بھی امریکہ نے پاکستان کی موافقت میں اپنی رائے عوم اور فیصلہ کا اظہار نہیں کیا! امریکہ نے مسئلہ کسٹیر میں پاکستان کی تائید میں جب بھی کچھ کہا ہے تو چپا چپا کر بات کی ہے، دبا ہوا لہجہ، ایسی دو طرفہ محتاط گفتگو کہ پاکستان بھی خوش ہو جائے اور ہندوستان بھی ناراض نہ ہو!

بات میں بات نکل آئی، مسئلہ کسٹیر پر گفتگو مقصود نہ تھی کہ یہ اپنی جگہ خود ایک مستقل موضوع ہے، ہاں

دُنیا کس طرح فلاح پاسکتی ہے؟؟
 تو کہنا یہ ہے کہ آج کی دنیا روس اور امریکہ کی حریفانہ نزاع کے درمیان کراہ رہی ہے، اب معاملہ اس نوبت تک آ پہنچا ہے کہ روس نے اپنا ایک "سیارہ" فضا میں اڑایا، تو دوسری طرف سے امریکہ نے اپنا راکٹ چھوڑ دیا دونوں حکومتیں اپنے رعب اور دبدبہ کو برقرار رکھنے کے لئے دوڑ دھوپ کر رہی ہیں، نیتیں دونوں کی اچھی نہیں ہیں روس کی روش امریکہ کے مقابلہ میں زیادہ سنگین اس لئے ہے کہ اسی زمانہ میں جب کہ اس نے فضاؤں میں "سیارے" چھوڑ رکھے ہیں، روس کی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ خدا کے تصور نے دنیا کی ترقی کو روک رکھا ہے اس لئے اس "تصور" (ایمان باللہ) کے خلاف جہاد کرنے کی ضرورت ہے۔

انسانیت کی فلاح و بہبود کی توقع نہ روس سے ہے اور نہ امریکہ سے! ان دونوں طاقتوں کی باہمی کشمکش خلقِ خدا کے فائدہ کے لئے نہیں بلکہ اپنی ذات کے فائدے کے لئے ہے! ان حکومتوں میں سے کسی کا بھی نظام حق و انصاف، اور پاکیزگی و نیکو کاری کی اساس پر مرتب نہیں ہوا، یہ انسانوں کے بنائے ہوئے دستور اور خود ساختہ نظام ہیں ان انسانوں کے جو ریت کے ایک ذرہ کی تخلیق کا بھی صحیح علم نہیں رکھتے، اور جن کی فکر ذکاوت کو قدم قدم پر ٹھوکریں لگتی ہیں!

انسان اپنے آپ تو پیدا نہیں ہو گیا، اور نہ "حیات" اپنی خالق آپ ہے، انسان اور زندگی کو جس نے پیدا کیا ہے، وہی انسان کے لئے اور زندگی کے واسطے "ضابطہ" اور دستور و آئین نازل کرنے کا حق رکھتا ہے، اس نے جس طرح انسان کو دنیا میں بھیجا، تو اس کی زندگی کے لئے ہوا پانی، غذا اور لباس کے سامان بھی جتیا کر دئے، اسی طرح یہ کیسے ممکن تھا کہ جس خالق نے انسان کے جسم کی بقا کے لئے ایک پورا نظام قائم کیا، وہ اس کی ریح جذبات، قصد رات بلکہ یوں کہیے "اصل حیات" کے لئے کوئی ضابطہ آئین اور نظام نازل نہ فرماتا، اگر اللہ تعالیٰ انسان

کو پیدا کر کے آزاد چھوڑ دیتا کہ خوب و ناخوب کا فیصلہ وہ خود کرے اور ہدایت و ضلالت کے درمیان اپنی عقل کے بل بھرتے پر خطِ فاضل کھینچے، تو اس سے ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا طہ پر حرف آتا اور دوسری طرف خود انسان مشکلات کی دلدل میں پھنس جاتا!

اللہ تعالیٰ کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ اس نے انسان کو خلق کیا تو اس کیساتھ اس کی زندگی کے لئے ایک "ضابطہ" بھی نازل فرمایا جس طرح انسان "فطرت" پر پیدا کیا گیا ہے، اور تمام انسان اپنی بنیادی جبلت اور اساسی فطرت کے اعتبار سے "ایک" اور "کنفس واحدہ" ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اسلام کو جو دین فطرت ہے تمام انسانوں کے لئے ضابطہ حیات بنایا کہ یہی خوب و ناخوب کا معیار ہے، یہی کھرے اور کھرے کی کسوٹی ہے۔ اور یہی ہدایت و ضلالت کے درمیان حدِ فاصل ہے! اللہ تعالیٰ نے انسانوں ہی میں سے بہترین لوگ اس منصب کے لئے منتخب فرمائے جو ہر دور میں اس "ضابطہ حیات" کو دنیا کے سامنے ٹھیک اسی شکل میں پیش کرتے ہیں جس شکل میں یہ ضابطہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر اتارا تھا، یہاں تک کہ عرب کے ایک اُمّی معلم اخلاق اور اللہ تعالیٰ کے آخری اور سب سے بڑے "نائب" اور نمائندے نے اس دین فطرت اور ضابطہ حیات کو مکمل ترین شکل و صورت میں پیش فرما کر، اس پر مہر لگا دی کہ اس ضابطہ کے اساسی اصولوں میں نہ کمی ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی ممکن ہے!

یہ جو آج سارے عالم میں ابری و انتشار برپا ہے اور دنیا کے ہر گوشہ میں اضطراب اور بد حالی پائی جاتی ہے، اس کا اصل سبب ہدایت کے راستہ سے لوگوں کا ہٹ جانا ہے، اصرارِ مستقیم سے بھٹک جانے کا نازی نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ افراد اور قومیں خاک چھانتی اور ٹھوکریں کھاتی، پھریں، اور اُن کو گسرتگی و حیرانی اور نامرادی کے دھکوں کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے!

دنیا کو اگر امن و آسشتی مطلوب ہے، فوز و فلاح کی تمنا ہے، اور لوگ واقعی عام حالات کی ابری سے تنگ آچکے ہیں، تو پھر اُن کے تمام دکھوں کا علاج "اسلام" اور صرف "اسلام" ہے۔ یہ وہ دین فطرت ہے جو انسانوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کے گڑ بتاتا ہے، جو دلوں کو فیر و فلاح کے لئے ابھارتا ہے، اور قوموں اور ملکوں میں بٹی ہوئی دنیا کو "ایک کلمہ" پر جمع کرتا ہے۔ انسانی تاریخ میں کوئی شک نہیں کہ بڑے بڑے انسان پیدا ہوئے ہیں جن کے احترام سے ہمارے قلوب بہرہ مند ہیں مگر "انسانِ کامل" بس ایک ہی پیدا ہوا، اور اسی کی زندگی تمام دنیا کے لئے معیار ہے، کسوٹی ہے اور نمونہ ہے۔ جس زندگی میں اس نمونہ اور اسوۂ حسنہ کی جھلک نہیں، وہ زندگی انسان کی نہیں، حیوان کی زندگی ہے۔ اگر لوگوں کو زندگی اور بربریت چھوڑ کر "انسان بننا ہے" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر چاہے نہیں! دنیا کے اندھیرے کو مٹانا ہے تو اسی "سراجِ منیر" سے روشنی لینی ہوگی، کائنات کو رحمت و ارفاق سے سمور کرنا ہے تو "رحمتہ العظیمی" کی رحمت اور خلقِ خدا سے آپ کے ہمدردی کے جذبہ کو رہنما بنانا ہوگا۔ مزدوروں، غریبوں اور محتاجوں کے مسائل کو فطری توازن کے ساتھ حل کرنا ہے، تو اس کئی واسطے انسانِ کامل کی زندگی میں ان مسائل کی کلیدی ملے گی، جس نے بھوکا رہ کر اوروں کو کھانا کھلایا ہے، اور جس کے فقر کے سامنے شہنشاہی

متاع حیر نظر آتی ہے :

توبہ و انابت کا وقت

روس اور امریکہ کے درمیان جو "سیارہ بازی" ہو رہی ہے، اس نے اللہ کے فضل سے ہمیں ڈرہ برابر مرعوب نہیں کیا، اور نہ ہی اپنی جان کی کوئی فکر لاتی ہوئی، یہی وہ نادرک مواقع ہیں جہاں خدا سے قادر و برتر کی ذات پر اعتماد کام آتا ہے ! اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور جبروت کے مقابلہ میں ہر بڑی سے بڑی طاقت حیر دکھائی دیتی ہے ! موت ہر جان کے لئے مقدر کر دی گئی ہے وہ آکر رہے گی، اگر راکٹوں ہی کے ذریعہ ہماری موت کا آنا لگے دیا گیا ہے، تو اللہ تعالیٰ کا لکھا پورا ہو کر رہے گا اور کوئی تدبیر اس نوشتہ کو بدل نہیں سکتی ! ہمارا فرض توبہ ہے کہ نفس واپس اور آخری دم تک اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرتے رہیں، اور اس حقیقت پر ہمارا یقین ایک لمحہ کے لئے بھی ڈرہ برابر متزلزل نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہماری جانوں کو خرید چکا ہے، اور مشتری جب چاہے اپنی امانت کو واپس لے سکتا ہے، ہماری دیانت کا یہ تقاضا ہے کہ اس کی امانت میں خود برد نہ کریں، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے خیانت کاروں کی طرح نہیں بلکہ دیانت داروں اور امانت کی حفاظت کرنے والوں کی حیثیت میں حاضر ہوں !

مکن ہے کہ اب سے چند صدی قبل بعض لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی ہو کہ قیامت جب نازل ہوگی تو قرآن کی زبان میں پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے اور لوگ پتنگوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے مگر بیویں صدی عیسوی میں انیم کی زبان سے اس کی شہادت دلوادی گئی کہ یہ سب کچھ ممکن ہے بلکہ ہو کر رہے گا !

توجیب کہ

یہ حالات امرکافی حدود سے قریب تر جتنے چلے جا رہے ہیں، زمانہ غفلت و سرشاری کا نہیں بلکہ توبہ و انابت، استغفار و توجہ الی اللہ اور بیدار رہنے کا ہے ! اور اب پچھلے پچھلے وہ وقت آ گیا ہے کہ :
 ۱۔ خواہم کہ خار از پا کشم — صد سالہ را ہم دور شد
 اگر اپنے فرضِ عبدیت کا صحیح احساس اور خاطر خواہ شعور ہو تو زندگی میں فرصت کہاں میسر آ سکتی ہے عمل اور پیہم عمل !

ابرو پادومہ و خورشید و فلک در کار اند

تا تو مانے یہ کھت آری وہ غفلت نہ خوری

آخرت کی فکر اگر دل میں جاگڑیں ہو جائے تو اپنے سے زیادہ خوشحال لوگوں کو دیکھ کر نہ تو رشک و منافرت کا جذبہ پیدا ہو، اور نہ اپنے سے کمتر انسانوں پر نظر ڈال کر فخر و غرور کے لئے طبیعت آمادہ ہو یہ آخرت فراموشی ہی تو ہے "جو آدمی کو عیش و تفریح کے طوفانوں میں غوطے دیتی رہتی ہے اور آدمی ان چٹانوں سے کسی طرح سیر نہیں ہو پاتا اور اُس کی نفسانی خواہشیں ہر وقت "الجموع" اور "العطش" پکارتی رہتی ہیں، اسلام کے پاس "دردِ آخرت" کا ایسا نسخہ ہے، جو انسان کے ارد گرد تقویٰ اور نیکو کاری کا حصار باندھ کر اسے بہت سی

برائیوں اور غلط کاریوں سے محفوظ رکھتا ہے، جس زندگی کے ارد گرد یہ حصار نہیں، وہاں بھلائی نہیں —
 وحشیوں اور بن مانسوں جیسی زندگی!

حق نہیں بدلتا!

سائنس کی کار فرمائیوں بلکہ یوں کہیے معجز نمائیوں کے ہم منکر نہیں ہیں، مگر اس شخص کے حال پر رحم آتا ہے، جس کے دینی اعتقادات روس اور امریکہ کے "سیاروں" کا شہرہ سن کر اپنی جگہ ہل گئے ہوں، اور "مادے" نے جس کی نگاہ میں عظمت و احترام کا غیر معمولی مقام حاصل کر لیا ہو! جو لوگ خدا کی ذات پر ایمان نہیں رکھتے، ان سے ہم اس موضوع پر خطاب ہی نہیں کرتے، ہاں! جو افراد اللہ کو مانتے ہیں، ان کی خدمت میں ہماری گزارش ہے کہ روس اور امریکہ کے سائنس دان جنہوں نے محیر العقول "تابکار سیارے" بتائے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے خلق فرمایا ہے اور اسی کی دی ہوئی عقل، فراست اور دانش کے بل بوتے پر ایسی ایجادات کا انہیں فخر حاصل ہوا ہے — پس سائنس کی اس تمام ترقی و اختراع کا اصل کریڈٹ تو اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہے حمد و شکر کی مستحق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ اتنے ذہین اور مفکر و مخترع دماغوں کو اُس نے خلق کیا ہے، اور جس کی مخلوق اتنی حکمت و بصیرت رکھتی ہے اُس کا خالق کس قدر حکیم و بصیر اور عظیم و اکبر ہو گا!

سائنس دان جو کچھ ایجادیں کرتے ہیں، اُس کے لئے سالہ اور مواد تو وہ اسی دنیا سے حاصل کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے، وہ بیشک موجد اور مخترع (INVENTOR) ہیں مگر خالق (CREATOR) نہیں ہیں، ساری دنیا کے شاہیر سائنس دان بل جل کر بھی کوشش کریں تو گھاس کے ایک ذرے سے تنکے اور مکھی کے ایک پر کو بھی خلق نہیں کر سکتے۔ سائنسدانوں کے پاس جو عقل ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ہے اور جس سالہ، مواد اور عناصر سے وہ اشیا بناتے ہیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے خلق کیا ہے تو ہر حیرت انگیز سے حیرت انگیز ایجاد کو دیکھ کر مرد مومن کے اندر ایمان و یقین اور زیادہ راسخ اور مستحکم تر ہو جانا چاہیے نہ یہ کہ اُس کے اعتقادات ڈالو ڈول ہو جائیں!

مانا کہ بعض مادہ پرست سائنس دان خدا پر ایمان نہیں رکھتے مگر ان کے ایمان رکھنے سے اللہ کے وجود کی توفیق نہیں ہوجاتی، ذرے اگر آفتاب کے وجود سے انکار کر دیں، تو کیا ان کا یہ انکار وجود آفتاب کی تردید کر سکتا ہے! اب رہا زندگی کے بنیادی حقائق اور اساسی مسائل کا معاملہ، تو دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی ایجاد سچائی کی کسی قدر کو نہیں بدل سکتی، اور ایک کروڑ راکٹ بھی سچ کو جھوٹ کا مقام نہیں دے سکتے، اگر انسان میخ و عطار د اور ماہ مشتری میں بھی جا کر بس جائے، یا وہاں انسانوں کی کسی بستی کی دریافت ہو جائے، تو وہاں بھی اللہ کا قانون اسی طرح چلے گا جس طرح اس ارضِ خاکی پر چلتا ہے! بڑے عظیم امریکہ کی دریافت نے کتاب و سنت کی پیش کی ہوئی کس حقیقت کو بدل دیا ہے جو چاند کی نئی دریافت کے بعد بدل جائے گی! اللہ کا قانون ہمہ گیر اور ازلی و ابدی ہے، زمان و مکان کے تغیرات اس کی بنیاد کے ایک ذرہ کو بھی ادھر سے ادھر نہیں کر سکتے! زمانہ کی نئی نئی ہواؤں سے متاثر ہو کر بعض کمزور عورت انسان تو بدل جاتے ہیں مگر اللہ کا قانون ہرگز نہیں بدلتا، اگر کسی میں انقلاب سے مقاومت کی سکت نہ ہو اور وہ اپنی کمزوری اور پست ہمتی کے سبب اپنے موقف سے ہٹ جائے اور اس اپنی تبدیلی کو بنیاد

بنا کر، اللہ کے قانون میں تبدیلی کا مطالبہ کر بیٹھے یا اس کی ضرورت محسوس کرے تو ایسا مطالبہ اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا! اگر تتلیاں اور بھونرے اپنی نادانی سے یہ مطالبہ کرنے لگیں کہ بہار و خزاں کے نظام میں ہماری متناؤں کے مطابق تبدیلیاں کر دو، پودوں اور پھولوں کی ساخت بدل دو اور موسموں کو کچھ سے کچھ بنا دو — تو کیا یہ مطالبہ کسی اعتبار اور توجہ کا مستحق قرار پاسکتا ہے!

جو کوئی اس انتشار و اضطراب، الحاد و انکار اور تشکیک و تذبذب کے دور میں اللہ اور رسولؐ کے ایمان پر جبار ہے گا، وہ آخرت میں اتنے بڑے اجر کا مستحق ہوگا کہ جس کی کمیست اور کیفیت کا اس عالم اسباب اور جہان آب و گل میں وہ تصور بھی نہیں کر سکتا، وہ منکرین جن کی شہرت اور بڑائی کے آج ڈنکے بج رہے ہیں، آخرت میں پھپھتائیں گے کہ کاش ہم دنیا میں ایک سوئی اور آپین بھی چاہے — بتاتے مگر ایمان اور عمل صالح کی دولت ہم کو مل جاتی، تو آج یہ نامرادی ہمارے حصہ میں کاہے کو آتی!

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حشر ان نیک لوگوں کے ساتھ کرتے جن کو اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ — کی نذیر و بشارت دی ہے (آمین)

مہر آغا دریا ۸۸
۲۱/۲/۱۹۵۸ء

فاران کا معرکہ آرا ”خلافت منیر“

ایک عظیم الشان تاریخی دستاویز ہوگا،

جس میں کتاب و سنت کے حاملین اولین (رضی اللہ عنہم و رضوا عنہم)

کی مقدس زندگیاں پیش کی جائیں گی،

”شمارہ خاص“ — محبت اور نفرت — کے درمیان خط امتیاز

قائم کرے گا

ایمان اور روز مقالے — بلند و باوقار نظمیں

پرودہ

کثیرالازدواجی اور طلاق کے بعد پرودہ ہی اسلام کا ایک ایسا قانون ہے جس کی بنا پر "ہندو متمدن مغرب کے مفکرین و مدبرین نے اسلام کو بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور غضب یہ ہے کہ مغربی علوم و فنون کی حیرت انگیز ترقی سے مرعوب اور مغرب کے صدیوں کے غلام مشرق نے وہاں کی تمام مادی ترقیوں کو بے حجابی و بے حیائی کی کمرامت سمجھ رکھا ہے اور اسی لئے ان کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔

اسی تقلید و نقالی میں آج وہی ملک پیش پیش ہیں۔ جن سے کسی زمانہ میں اسی مغرب نے ہندیب و تمدن کا سبق پڑھا تھا۔ اور جس کا اعتراف ہندیب جدید کے بانی اور مرکز فرانس کے مشہور و معروف محقق اور مؤرخ ڈاکٹر لیبان نے اپنی کتاب تمدن عرب میں ان الفاظ میں کیا ہے :-

"مسلمانوں نے یورپ کی ان وحشی قوموں کو انسان بنایا جنہوں نے رومیوں کی سلطنت کو فتح کیا تھا۔ مسلمانوں نے یورپ میں علوم و فنون۔ ادب و فلسفہ کا دروازہ کھول کر احسان کیا جس سے ہم یورپین قطعاً ناواقف تھے۔ مسلمان چھ سو برس تک مشرق سے مغرب تک سارے یورپ کے استاد رہے۔ عربوں کی بدولت یورپ نے تمدن حاصل کیا۔ عربوں کی معاشرت اور تقلید نے یورپ کے امر کی عادتوں کو درست کیا۔ اور انہیں بہتر اخلاق و عادات سکھائے۔ اور انہی کی بدولت یورپ نے تمدن حاصل کیا۔ (مشہور انگریز سائنسدان) راجر بیکن (موجودہ طریق حساب کا بانی) یونارڈس۔ ویل نو کا آرنو۔ ریمانڈل۔ سینٹ ٹامس۔ ابرٹ بزرگ اور قسطنطنیہ کا الفانس دہم یہ سب عربوں کے شاگرد تھے۔ یا ان کی تصنیفات کے نقل کرنے والے تھے" (تمدن عرب۔ صفحات مختلف)

عورت کی عفت و عصمت کے محافظ پرودہ کی بنیاد اسلام نے نہیں رکھی۔ بلکہ اس کا رواج عہد قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ جہاں جہاں بھی زنا عام ہوتا گیا۔ وہیں پرودہ کی ضرورت پیدا ہوتی گئی۔ انیسویں صدی کی انسائیکلو پیڈیا سے پتہ چلتا ہے۔ کہ موجودہ دول مغرب کی ہندو متمدن ماں رومن ایمپائر میں بھی پرودہ کا اسی قسم کا رواج موجود تھا جس قسم کا یہاں آج کل پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کی مندرجہ ذیل تحریر سے ظاہر ہے :-

"رومانیوں کی عورتیں بھی اسی طرح کام پسند کرتی تھیں جس طرح مرد پسند کرتے ہیں۔ اور وہ اپنے گھروں میں کام کرتی رہتی تھیں۔ ان کے شوہر اور باپ بھائی صرف میدان جنگ میں سرفروشی کرتے رہتے تھے۔ خانہ داری کے کاموں سے فراغت پانے کے بعد عورتوں کے اہم کام یہ تھے کہ وہ سوت کاتیں اور ان کو صاف کر کے اس کے کپڑے بنائیں۔ رومانی عورتیں نہایت سخت پرودہ کیا کرتی تھیں۔ یہاں تک

کہ ان میں جو عورت دایہ گری کا کام کرتی تھی۔ وہ اپنے گھر سے نکلنے وقت بھاری نقاب سے اپنا چہرہ چھپالیتی اور اس کے اوپر ایک موٹی لمبی چادر اوڑھی۔ جو اڑی تک لٹکتی رہتی پھر اس چادر پر بھی ایک عبا اور اوڑھی جاتی جس کے سبب سے اس کی شکل کا نظر آنا دیکھا۔ جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ لگنا مشکل ہوتا تھا۔ (مسلمان عورت صفحہ ۱۶۵)

رومن ایمپائر کی ہڈب و متمدن بہن سلطنت ایران میں تو یہ پردہ اتنا سخت تھا۔ کہ ایرانی حرم میں نرگس کے پھول بھی نہیں جاسکتے تھے۔ کیونکہ نرگس کی آنکھ مشہور ہے۔ رومہ اور ایران کی طرح یونان، شام اور عرب میں بھی پردہ کا سخت رواج تھا۔ آنتاب نبوت کے طلوع ہونے سے قبل بعض کفار بھی کشف و جہ یعنی منہ کھولنے کو برا سمجھتے تھے۔ چنانچہ کتاب حماسہ اور شعرائے جاہلیت کے دو اویں میں ایسے اشعار ملتے ہیں۔ جن سے وہاں کے رواج پردہ کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً نابنہ ذیانی کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔ جو متجددہ زوجہ نعمان بن منذر شاہ حیرہ کی تعریف میں کہا ہے۔ جبکہ ایک موقع پر اس شاہزادی کا دوپٹہ اتفاق سے گر گیا تھا۔ اور اس نے فوراً ہاتھ سے چہرہ کو چھپایا۔ پھر دوپٹہ اٹھالیا۔

سقطہ النصیف ولم تر ذی اسقاطها
فتنا و لذنا و اتقنتنا بالید
یعنی اس کا دوپٹہ گر گیا۔ مگر اس کا قصد نہیں تھا کہ وہ گر جائے پھر ہاتھ سنہ پر رکھ لیا کہ ہم سے چھپ جائے اور اس دوپٹہ کو اٹھالیا۔ (کشف النقاب عن مسئلۃ الحجاب صفحہ ۱۶۵)

قائدہ نزول حجاب (ذی قعدہ ۳۳۵ھ) سے قبل بدوی عورتیں بھی ایسا پردہ کرنے کی عادی تھیں۔ جس میں ان کا چہرہ چھپا رہتا تھا۔ جنگ بدر اور جنگ احد واقعہ ۳۳ھ سے قبل جب ایک عورت منہ پر نقاب ڈالے بنی قریظہ کے یہودیوں کے بازار واقع بیرون مدینہ منورہ میں ایک سُنار کی دکان پر کسی زیور کے سلسلہ میں بیٹھی تو یہودیوں نے اسے منہ کھولنے پر مجبور کیا۔ عورت کے انکار پر انھوں نے کوئی ایسی شرارت کی کہ جس سے اس کا پردہ کھل گیا۔ اور یہودی ہنسنے لگے۔ باغیرت خاتون نے اس پر چیخ ماری جسے سن کر ایک مسلمان نے اس یہودی کا کام تمام کر دیا۔ اور یہودیوں نے اٹھ کر اسی مسلمان کو شہید کر دیا۔ جس کی خبر پا کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے سات سو یہودیوں کا جن میں تین سو مسلح تھے محاصرہ کر لیا۔ حضور نے ایک سفارش پر ان کو قتل کرنے سے توجہ گزر فرمایا۔ لیکن مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ان یہودیوں کے اموال بطور غنیمت لوٹ کر باہم تقسیم کر لیں۔ اور ان کو ملک بدر کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور تمام یہودیوں کو مدینہ طیبہ سے ایک ایک لاکھ کے جلا وطن کر دیا گیا۔

یہ س کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام۔ تاریخ کامل ابن اثیر و دیگر کتب تاریخ میں دیکھی جاسکتی ہے غرضیکہ دور تہذیب و تمدن اور دور جاہلیت، دونوں میں ایک ہی نوع کا پردہ رائج تھا۔ جس میں چہرہ بھی چھپا ہوا ہوتا تھا۔ اسلام من و سلامتی کا ضامن اور فتنہ و فساد کا دشمن بن کر آیا تھا۔ اس لئے اس نے سب سے بڑا اور سنگین حرم،

لے ان یہودیوں کی طرف سے یہی ایک خطا تھی کہ ایک غیرت مند خاتون کو انھوں نے چھپڑا تھا بلکہ وہ اسلام کے خلاف مسلسل سازشیں کر رہے تھے۔ اور ان کے وجود سے قوی خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ وہ مدینہ میں کوئی بڑا ہنگامہ پیدا کر دیں (م۔ ق)

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (بقراءہ ۲۲) فتنہ تو قتل سے بھی سخت تر ہے۔

حالانکہ دوسری اقوام اور مذاہب میں قتل کو سنگین جرم سمجھا جاتا ہے لیکن چونکہ قتل کی صورت میں ایک دو جانوں کا ضیاع ہوتا ہے۔ اور فتنہ کی صورت میں قوموں کی توہین مت جاتی ہیں۔ اس لئے اسلام نے فتنہ کو قتل سے سخت تر قرار دیا ہے قرآن کے نزدیک :-

ہر وہ چیز جو انسانوں کی عقل اور اس کے عزم کے لئے وجہ امتحان و آزمائش ہو۔ فتنہ ہے دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ تمام چیزیں جو انسان کی عقل و ضمیر اور اس کے عزم و استقامت میں صدمہ کا باعث ہوں۔ اور جن کی بنا پر حق و صداقت کی راہ پر قائم رہنا دشوار ہو جائے فتنہ ہی کہلاتا ہے۔

فتنوں میں سب سے پہلا اور خطرناک فتنہ شیطان کا ہے جس نے انسان کی ضلالت و خجالت کی ہمہ کا آغاز ہی بے پردگی اور بے حجابی سے کیا۔ اور اسے ورغلا بھسلا کر اس کا لباس تقویٰ اتروا دیا جس سے ان کے بدن کے وہ ستور و محفوظ حصے جو ان کے جنت میں رہنے کے ضامن تھے۔ ننگے ہو گئے انھوں نے ایک دوسرے کی شرک و گناہ دیکھ لی۔ اور اس کی پاداش میں انہیں جنت میں رہنے کے قابل نہ سمجھ کر اس دنیا میں پھینک دیا گیا۔ جس کی وہ آج تک خاک پھانتے پھرتے ہیں۔ اسی واقعہ سے عبرت پکڑنے کے لئے حق تعالیٰ نے انسان کو واضح لفظوں میں خبردار کیا تاکہ وہ پھر اپنے انہی دشمن کے فریب و فتنہ میں نہ پھنسے۔

یٰبَنِي آدَمَ لِيُفْتِنَنَّكُمْ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ آبَوْنَكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ يُنَزِعُ عَنْكُمَا لِبَاسَهُمَا سَوْآتِهِمَا ۝ (اعراف ۳)

اے اولادِ آدم! کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں اسی طرح فتنہ میں مبتلا کر دے۔ جس طرح تمہارے والدین کو اس نے جنت سے نکلوا دیا۔ کہ ان دونوں کا لباس اتروا دیا تھا جس سے ان دونوں کو ان کا ستر دکھائی دینے لگا۔

اس لئے خالق کائنات نے انسان کی ستر پوشی کے لئے لباس بھی پیدا کیا۔ تاکہ دنیا کے مختصر قیام کے دوران میں یہ اپنے ستر کو ڈھانپنے رکھے جیسا کہ اس ارشاد و ربّانی سے صاف ظاہر ہے :-

يٰبَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ۝ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۗ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ (اعراف ۳۲)

اے بنی آدم۔ ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہارے جسم کی ستر پوشی کرتا ہے۔ اور موجب زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔

تقویٰ کے لباس کو ستر پوشی کے لباس پر کئی گنا فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ تقویٰ کا لباس جنت کا لباس ہے۔ اس کے اتارنے کی پاداش میں انسان جنت بدر کیا گیا۔ حق تعالیٰ انسان کو اس کی روز اول کی گرفتاری آلام و مصائب کا واقعہ یاد دلا کر اسے نصیحت کی کہ جنت کی طرح اس دنیا میں بھی تمہارے لئے دونوں قسم کے لباسوں کا انتظام کر دیا گیا ہے کہ یہاں بھی شیطان اور شیطانی قوتیں تمہارا لباس ستر اور لباس تقویٰ اتارنے کی کوشش کریں گی ان سے ڈرا بچ کر رہنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں جنت سے نکلوانے کے بعد کسی اور عذاب میں مبتلا کر دیں۔

شیطان کے فتنوں میں سے سب سے زیادہ خطرناک فتنہ نگاہ کا ہے۔ حافظ ابن قیم لکھتے ہیں کہ: —
 ”نگاہ شہوت کی قاصد اور پیا مبر ہوتی ہے اور نگاہ کی حفاظت دراصل شرمگاہ اور شہوت کی
 حفاظت ہے۔ جس نے نظر کو آزاد کر دیا۔ اس نے اس کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ اور نظری ان
 تمام آفتوں کی بنیاد ہے۔ جس میں انسان مبتلا ہوتا ہے۔ کیونکہ نظر کھٹک پیدا کرتی ہے۔ پھر کھٹک
 فکر کو وجود بخشتی ہے اور فکر شہوت کو ابھارتی ہے۔ شہوت ارادہ کو جنم دیتی ہے۔ ارادہ قوی ہو کر
 عزمیت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور عزمیت میں مزید پختگی ہو کر فعل واقع ہوتا ہے۔ جس سے اس
 منزل پر پہنچ کر، اس وقت کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ جب کوئی مانع حائل ہوگا (الجواب الدکانی ص ۲۰۲)

اس لئے اسلام نے بدکاری کے انسداد کے لئے نظروں پر پابندی لگائی ہے اور زنا سے بچنے کے لئے حصار نکاح
 قائم کیا ہے اور حصار نکاح کے روزن اور سوراخ بند کرنے کے لئے مختلف قسم کے پردے لٹکا دئے ہیں تاکہ نظروں
 کی سچ لائٹ حصار نکاح کے اندر نہ جاسکے۔ اور عورت کی عفت و عصمت محفوظ رہے۔ اس غرض کے لئے اسلام
 نے ستر اور پردہ کی حدود متعین کر دی ہیں۔ تاکہ کسی قسم کے فتنہ و فساد کا اندیشہ ہی نہ رہے۔ شریعت اسلام نے
 مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنہ تک کا حصہ قرار دیا ہے۔ جس کا پوشیدہ رکھنا مرد کے لئے ضروری ہے۔ اور اپنی بیوی
 کے سوا اسے اور کسی پر ظاہر نہیں کر سکتا۔ اور عورت کا ستر چہرہ اور ہتھیلیوں کو چھوڑ کر سارا جسم قرار دیا ہے جسے وہ
 اپنے خاوند کے سوا اور کسی پر ظاہر نہیں کر سکتی۔ لیکن لباس تقویٰ کے لئے۔ چہرہ اور ہتھیلیاں بھی داخل ستر ہیں۔
 کیونکہ صنایع فطرت نے عورت کے جسم کی زینتوں میں سے زیادہ حصہ زینت چہرہ کی ساخت میں رکھا ہے۔ اور وہی
 عورت کے حسن و جمال کا منظر اتم ہے اور حقیقی جذب و انجذاب کا سب سے زیادہ قوی ایجنٹ ہے۔ جو نگاہوں
 کو دعوت دیتا اور جذبات کو اپیل کرتا ہے۔ گویا مرد کو عورت کی طرف رغبت اور شہوت دلانے کا سب سے بڑا محرک
 اور فتنوں کا سرچشمہ چہرہ ہے اس لئے ہر وہ طریقہ جو چہرہ کو چھپانے کی راہ میں آسانی پیدا کر لے صحیح اور جائز ہوگا
 خواہ اس کی صراحت کتاب و سنت میں موجود ہو یا نہ ہو۔

لیکن موجودہ تعلیم یافتہ طبقہ فتنہ کی اہمیت اور چہرہ کی خاصیت کو نظر انداز کر کے اس کو کھلا رکھنے کا آرٹ
 ہے۔ اور اپنی تائید میں قرآن پاک کی یہ آیات پیش کرتا ہے۔

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (نور ۳۱)

عورتیں (غیر محرموں کے سامنے) اپنی زینت زیبائش
 اظہار نہ کریں سوائے اس زینت کے جو خود بخود ظاہر ہو جائے

یہ آیات قرآن کے اس حصہ کی نہیں۔ جس میں مسئلہ حجاب بیان کیا گیا ہے۔ کہ عورت کن حالات میں باہر نکلے یا سیر و
 سیاحت کرے۔ بلکہ یہ آیات قرآن کے اس حصہ کا جزو ہیں۔ جس میں محض شر اور فتنہ کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ قطع نظر
 اس امر کے کہ عورت اپنے گھر کے اندر ہے یا باہر اس کو اپنے بدن کا کونسا حصہ کس کے سامنے اور کن حالات میں
 کھلا رکھنا جائز ہے۔ شریعت اسلام نے عورت کی آزادی اور آسانی کے لئے ان حالات کو قید نہیں کیا۔ اور
 اس بات کا فیصلہ اس نے عورت کے تقویٰ پر چھوڑ دیا ہے۔ کہ وہ خود اپنے حالات اور ضروریات کے لحاظ سے
 فیصلہ کرے کہ اسے کب اور کس حد تک چہرہ کھلا رکھنا چاہیے اور فساد و فتنہ کے موقع پر اسے چہرہ کو چھپانے کی

کوئی صورت اختیار کرنی چاہیے۔

اگر ذرا دقت نظر سے کام لیا جائے۔ تو ان آیات سے وہ مقصد قطعاً حاصل نہیں ہوتا۔ جس کو حاصل کرنے کے لئے آجکل ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے۔ کیونکہ **إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا** میں ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے کہ جو غیر اختیاری طور پر خود بخود ظاہر ہو جائے جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اراداً اظہارِ زینت نہ کرے اور نہ خواہ نخواستہ زینت کے مواقع کو کھلا رکھے۔ البتہ اگر دوپٹہ یا چادر چہرہ پر سے گر پڑے یا نقاب اُلٹ جائے تو یہ امر مجبوری ہے۔ اور ناقابلِ مواخذہ، اس کی تائید مندرجہ ذیل آیات سے ہوتی ہے۔ جن میں بوڑھی عورتوں کے متعلق احکام درج ہیں۔

اور تمہاری عورتوں میں سے جو گھروں میں بیٹھ رہی ہیں جس کو (بوجہ بڑھاپے کے) نکاح کی کوئی توقع نہیں۔ ان کو کپڑے اتار رکھنے میں کوئی گناہ نہیں۔ مگر اس طرح کہ اپنی زینت و زیبائش نہ دکھاتی پھریں اور اس سے بھی بچیں۔ تو ان کے لئے بہتر ہے اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ
نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ
ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ
يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ. وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ
(نور ۳۱)

یعنی جب قرآن سن یا س کو پہنچی ہوئی بوڑھی عورتوں کو زینت کے مواقع کھولنے کی اجازت نہیں دیتا تو وہ جوان عورتوں کو **مَا ظَهَرَ** کے خواہ نہ خواہ کھلا رکھنے کی اجازت کیوں کر دے سکتا ہے۔ کیونکہ ایسی اجازت دینا تو تقویٰ کے سراسر خلاف ہے جس پر قصرِ اسلام کی بنیاد استوار کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود پیغمبر اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اکثر عورتیں با نقاب جاتی تھیں۔ اور شدید ضرورت کے بغیر نقاب نہیں اٹھاتی تھیں۔ چنانچہ نزولِ حجاب سے قبل جب ہندہ بن عتبہ قریشیہ کے نکاح کی نوبت آئی تو انھوں نے اپنے والد سے کہا کہ میرا کسی سے نکاح نہ کرنا۔ جب تک اس شخص کے خصائل سے مجھے آگاہ نہ کر دیا جائے۔ آخر باپ نے اس سے دو آدمیوں کا ذکر کیا جس میں سے ایک موجودہ زمانہ کے مروجہ پردہ کا حامی تھا۔ ہندہ کے باپ نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا کہ **شديد العيرة**۔ شدید حجاب القبۃ یعنی بڑی غیرت والا ہے اور گھر کے گھر سے پردے کا حامی ہے۔ یہ حضرت ابو موسیٰ بن جعفر کے والد ماجد حضرت ابو سفیانؓ تھے چنانچہ ہندہ نے حضرت ابو سفیانؓ کو پردہ کا حامی ہونے کی بناء پر پسند کیا۔ اور اپنی پسندیدگی کا ان الفاظ میں اعلان کیا:-

وَأَمَّا الْآخِرَةُ فَبِعَلِّ الْحَرَّةِ الْكَرِيمَةِ وَ
فِي الْآخِذِ بِأَدْبَابِ بَعْلِ مَعَ لَزْوَلِي
قَبْتِي وَقَلَّةِ تَلْفَتِي.

یہ دوسرا اس قابل ہے کہ شریف بی بی کا خاوند بنے اور میں ایسے خاوند کے تمام آداب ملحوظ رکھوں گی اور اپنے گھر میں پردہ کے اندر رہوں گی اور غیروں کی طرف نگاہ نہ کروں گی۔ بعد نکاح جب شہر میں وہ تائب ہو کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئیں۔ تو اس وقت بھی ان کے چہرے پر نقاب تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل طبقات ابن سعد ص ۱۸۱ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس قسم کا دوسرا واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں جس کی تفصیل ابو داؤد اور نسائی میں موجود ہے کہ ایک عورت نے اپنے آپ کو ازسرتا پا پردہ کے پیچھے چھپا کر ایک خط آنحضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ تو حضور نے ہاتھ کھینچ لیا۔ کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا کیونکہ اس عورت نے حضور کے سامنے بھی اپنا چہرہ بے نقاب نہ کیا تھا۔ ابو داؤد کے باب

فضل قتال الروم میں ایک اور واقعہ درج ہے :-

”ایک عورت بنام ام خلد نقاب پہن کر حضورؐ کے پاس آئی۔ تاکہ اپنے شہید لڑکے کا حال پوچھے۔ کسی

نے کہا کہ اس حالت میں بھی نقاب منہ پر ڈالے ہوئے ہو (کیونکہ ایسی پریشانی کی حالت میں تو انسان

بے اختیار ہو جاتا ہے) وہ کہنے لگی کہ بیٹے کی مصیبت آگئی تو کیا ہوا۔ کیا حیا کا پردہ بھی اتار دوں؟ حضورؐ نے

فرمایا کہ میرے بیٹے کو دو اجر ملیں گے۔ کیونکہ اہل کتاب (عیسائیوں) نے اسے جنگ میں شہید کیا ہے۔“

اسی ابوداؤد کے باب الحج میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور روایت موجود ہے کہ حج کے موقعہ پر :-

”سوار لوگ ہمارے سامنے گزرتے تھے جب کہ ہم حضورؐ کی مصیبت میں احرام باندھے ہوئے تھیں۔

اب جب وہ لوگ بالکل ہمارے سامنے آنے لگتے تھے۔ تو ہم میں سے ہر ایک عورت اپنی چادر کو سر سے

سرا کر اپنے چہرہ پر ڈال دیتی تھی پھر جب وہ لوگ گزر جاتے تھے۔ تو ہم چہرہ کو کھول دیتی تھیں۔“

غرضیکہ اس نبع کے بہت سے واقعات کتب حدیث و سیر میں موجود ہیں۔ جن سے صریحاً ثابت ہوتا ہے کہ خود ہمدردی سے

آب میں چہرہ پر نقاب ڈالنے کا رواج موجود تھا اور حضورؐ نے کبھی عورت کے نقاب اوڑھنے پر بھی نہیں فرمائی تھی۔

حضورؐ نے تو عورتوں کو اندھوں سے بھی پردہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور ابن کثیر کے مشہور روایات

سے ظاہر ہے۔ پردہ کے مخالفین حضورؐ کے سامنے بعض عورتوں کے بے نقاب آنے کی جن چند روایات پر انحصار کر

ہیں۔ ان میں بعض تو نزول حجاب سے قبل کی ہیں۔ اور بعض سہل و ضعیف ہیں جن کی تفصیل کشف النقاب عن مسئلہ الحجاب

(مصنفہ پروفیسر مولانا محمد کریم بخش صاحب ایم اے) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ستر کے بعد پردہ کا درجہ آتا ہے۔ جسے نگاہ اور دانا کے فتنہ کے مواقع پیدا ہونے کی راہ میں حائل ہونے کے

اسلام نے بھی بحال رکھا۔ لیکن اسلام نے احتیاط یہ کیا کہ عہد گزشتہ کے دور تہذیب و تمدن یا دور جاہلیت کے

سخت پردہ کی طرح اس کا صرف عورتوں کو ہی پابند نہیں بنایا بلکہ عورتوں کی طرح مردوں کی رفتار و گفتار اور لباس

و پوشاک پر بھی اس قسم کی پابندیاں عاید کر دیں جن سے زن و مرد کا بلا ضرورت میل ملاپ اور خواہ مخواہ یکجائی و اختلا

نہ ہو سکے۔ اس غرض کے لئے عورتوں کو تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ :-

(۱) اپنی زیب و زینت کی چیزوں کا مردوں پر اظہار نہ ہونے دیں۔

(۲) اپنے زیورات کی آواز تک غیر محرموں کے کان میں نہ جانے دیں۔

(۳) خوشبو، عطر یا سینٹ لگا کر گھر سے باہر نہ نکلیں۔

(۴) مردوں سے گفتگو کرتے وقت لب و لہجہ اور آواز میں نزاکت پیدا نہ کریں۔

(۵) راہ چلتے یا مرد سے باتیں کرتے وقت اپنی نظریں نیچی رکھیں۔

(۶) ایسے راستہ سے نہ گزریں۔ جہاں پر مردوں کی ریل پیل ہو۔ بلکہ کنارے ہو کر گزریں!

(۷) گھر سے نکلنے کے بعد اپنی حیا ڈھال میں حیا کو مقدم رکھیں

(۸) نماز یا جنازہ میں شرکت کے وقت مردوں کے پیچھے کی صف میں کھڑی ہوں۔

(۹) جب جماعت میں شریک ہوں تو مردوں کے سر اٹھانے سے پہلے سجدہ سے نہ اٹھیں۔ تاکہ ان کی نظر

وں کی شرمگاہوں پر نہ پڑے۔

(۱۰) کسی غیر عورت کی عصمت اپنے خاوند سے بیان نہ کریں۔

(۱۱) کسی غیر محرم کے ساتھ سفر نہ کریں۔ خواہ حج کا ہی سفر کیوں نہ ہو۔ اور

(۱۲) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

شرح اسلام نے عورت کی عصمت و عصمت کے تحفظ کے لئے مردوں پر پابندیاں لگادی ہیں کہ وہ :-

(۱) شرم و حیا کی سختی سے پابندی کریں :-

(۲) عورت پر بالارادہ نظر نہ ڈالیں۔

(۳) بے نقاب عورت کے سامنے آنے پر نظریں نیچی کر لیں۔

(۴) عورت سے اگر کوئی چیز مانگنی ہو۔ تو اوٹ میں کھڑے ہو کر مانگیں

(۵) عورت کے پاس تہنائی میں نہ بیٹھیں۔ اگرچہ وہ قرآن پڑھانے کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔

(۶) کسی اجنبیہ کے ساتھ سفر نہ کرے خواہ وہ سفر حج ہی کیوں نہ ہو۔

(۷) کسی ایسی عورت کے ساتھ مصافحہ نہ کریں جس کے ساتھ اس کا جائز تعلق نہ ہو۔

(۸) اپنی بیوی کے خلوت کے راز کسی پر افشاء نہ کریں۔

(۹) کسی کے گھر میں بلا اذن داخل نہ ہوں۔

(۱۰) پردہ دار مکان یا جگہ میں تاک جھانک نہ کریں۔

(۱۱) گفتگو کرنے میں غیر عورت کے ساتھ ہنسی دل لگی کی باتیں نہ کریں۔

(۱۲) اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتے رہیں۔

ت خداوندی کچھ ایسی ہے۔ کہ جب وہ کسی شے کو حرام قرار دیتا ہے۔ تو اس تک پہنچانے والے تمام ذرائع و وسائل

منوع قرار دے دیتا ہے۔ تاکہ اس حرام شے کی تحریم مضبوط اور مستحکم ہو جائے اور لوگ اس کے پاس نہ پھینکنے پائیں

تک کہ اس نے ایسے جائز فعل کو بھی ممنوع قرار دیا ہے جس سے کوئی مفسدہ پیدا ہوتا ہے اور وہ جواز کی مصلحت

مقابلہ میں زیادہ اہم ہو۔ جیسے حکم آیا کہ :

لَسَبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ

لِاسْمِ اللَّهِ عَدْوًا بَغِيرَ عِلْمِهِ

مفسودان باطل (جو کسی عزت و احترام کے مستحق نہیں) کو برا کہنا ظاہر ہے کہ خدا پرستانہ حمیت اور شرک

عزت کی بنا پر ہی ہوگا یہ مقصود برا نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے اس لئے منہا ہی کر دی۔ کیونکہ یہ اللہ کی

میں گستاخی کا سبب بن جاتا ہے۔ اس طرح حق تعالیٰ نے عورت کی عصمت و عصمت کے تحفظ کے لئے مردوں

پر طح کی پابندیاں لگادیں تاکہ عورتوں سے آدا دانہ میل جول کے مواقع پیدا ہی نہ ہوں۔ جو رغبت و شہوت پرستی

سبب بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ۔ احادیث اور آثار میں کہیں بھی کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا۔ جس سے یہ ثابت

ہاذا ان رسالت یا صحابہ کرام یا عام مسلمانوں کی عورتیں بے مجاہبی۔ بیباکی اور آزادی کے ساتھ سیر و تفریح یا

عیش و نشاط کے لئے یا مذہبی اور سیاسی یا سوشل اور رفاہی کاموں میں حصہ لینے کے لئے آجکل کی طرح بن سونکر اور دعوتِ نظارہ دیتے ہوئے باہر نکلتی تھیں۔ یا انھوں نے کبھی عہد رسالت یا خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں مذہبی سیاسی اور تمدنی اجتماعات میں آزادی اور تہرج کے ساتھ مردوں کے شانہ بشانہ حصہ لیا تھا۔ بلکہ انھیں تو عین حرمِ مبارک کے اندر اور خود آنحضرتؐ کے زمانے میں طوافِ کعبہ کے وقت مردوں سے بالکل الگ رکھا جاتا تھا اور ان کو غیر مردوں کے ساتھ کسی قسم کے میل جول کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ مسجد نبویؐ میں عورتوں کے لئے ایک دروازہ مخصوص کر دیا گیا تھا حالانکہ اس زمانہ میں بھی عورتوں کو معاشی کاروبار یا جنگی ضروریات کے لئے اور نرسنگ وغیرہ کے لئے باہر نکلنے کی اجازت ہوتی تھی۔

پردہ کی یہ ساری پابندیاں محض عورت کو مرد کی شہوانیت اور بربریت سے بچانے کے لئے لگائی گئیں۔ جس کو مبداءِ فطرت سے عورت کے مقابلہ میں رغبت و شہوت کا زیادہ مادہ بلا ہے۔ اور جسے اس سرمایہ تسکین حیات کے استعمال کی ساری قوتیں بخشی گئی ہیں۔ جو عورت کے پاس محفوظ ہے ان تمام فضیلتوں کے باوجود عورت کے ارد گرد پردہ کی آہنی دیواریں اس لئے کھینچ دی گئیں کہ کہیں مرد درندگی پر نہ اتر آئے۔ جیسا کہ آجکل عام دیکھنے میں آتا ہے اب تو اغوا، باجبر اور زنا بالجبر کے واقعات اتنی کثرت سے ہونے لگے ہیں کہ عورتوں کے لئے چہرہ چھپا کر باہر باہر نکلنا اور سفر کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ ایسے معاشرہ میں جہاں غنڈہ گردی اتنی عام ہو گئی ہو کہ ان کے انسدادی قوانین اور افسردوں کے عہدوں کے نام بھی غنڈہ ازم کی نسبت سے رکھے جانے لگے ہوں۔ عورتوں کو پردہ اتار دینے کی ترغیب دینا۔ عورتوں کی خیر خواہی نہیں۔ بلکہ دشمنی اور نفس پرستی ہے۔ عورت کی عفت و عصمت کی قدر و قیمت اسی طرح گرانا ہے۔ جس طرح طبقہ نسواں کی آزادی و بے حجابی کے حامیوں نے یورپ میں گرا دی ہے اور آئی گرا دی ہے کہ ذوقِ جنسیت اتنی تیزی سے ہم جنسیت میں بدل رہا ہے کہ برطانیہ میں سماجی برائیوں کی چھان بین کرنے والے کمیشن نے گورنمنٹ سے سفارش کی ہے۔ کہ بالغ افراد نابالغ بچوں کو اپنی شہوت رانی کا شکار نہ بنائیں۔

ان ہی حالات سے متاثر ہو کر ظلمِ طبعیات کی ماہر مسز ہڈسن نے حال ہی میں اس رائے کا اظہار کیا ہے:-
 ”ہماری (مغربی) تہذیب کی عمارت کی دیواریں مہندم ہونے کو ہیں۔ اس کی بنیادوں میں صفت آ گیا ہے۔ اور اس کے شہتیر بل رہے ہیں۔ نہ معلوم یہ ساری عمارت کب پیوندِ خاک ہو جائے۔ ہم گزشتہ کئی سال سے دیکھ رہے ہیں کہ اب لوگ نظم و ضبط کی پابندیوں کو اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس کے بقا کی بس ایک ہی صورت باقی ہے کہ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول پر پابندی لگا دی جائے۔ کیونکہ اس تہذیب کے لوگوں کی تمام تر توجہات آزاد جنسی تعلقات، قحبہ گری اور عصمت فروشی منحصر یہ کہ جنسی خواہشوں پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہیں اس سے ان کی ساری تعمیری صلاحیتیں ضائع ہو رہی ہیں۔ اس معاملہ میں اور بھی طرح طرح کی بے اعتدالیاں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جیسے مردوں اور عورتوں کا خود اپنے ہی ہم جنسوں کی طرف مائل ہونا۔ انسانی صلاحیتوں کا یہ زیاں بڑا ہی تشویشناک ہے۔ جنسی تعلقات کی یہ نوعیت اور اس کے ان بدترین آثار اور نتائج کو دیکھ کر ہمارے ذہنوں میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ آیا یہ ہماری تہذیب کے لمپا میٹ ہونے کے آثار و شواہد ہیں۔ یا اس کے اسباب؟ میری رائے یہ ہے کہ یہ آثار و شواہد

بھی ہیں اور اسباب بھی۔“ (ائٹھائیت کی تعمیر اور اسلام صد ۵۰ و ص ۵۳)۔
 اسلام نے پردہ کے فطری رواج کو اہم اصلاحات کے ساتھ رائج کر کے عورت کی عزت و عظمت میں جو اضافہ
 کیا ہے۔ اس کی نہ صرف مہذب دنیا میں پیدائشہ حالات تاؤید و تصدیق کر رہے ہیں بلکہ مغرب کے منصف مزاج مفکرین
 بھی اسے تسلیم کرتے ہیں مثلاً ہملٹن لکھتا ہے کہ :-

” اسلامی احکام عورت کی شان میں ہنایت مرتکب ہیں۔ جو اس کی عزت افزائی کو برقرار رکھنے
 اور اس کی بے حرمتی و ایذا رسانی سے محفوظ رکھنے کی طرف خاص توجہ دلاتے ہیں۔ اسلام نے پردہ
 کے باب میں تنگ نظری سے کام نہیں لیا جیسا کہ بعض مصنفوں کا خیال ہے۔ بلکہ اس نے غیرت و عزت
 کے اسباب کا لحاظ رکھا ہے۔“ (اسلام کا نظام حیات، ص ۱۸۹)

وان ہبیر کا قول ہے کہ :-

” پردہ کو اسلام نے ضروری اور عورتوں کو اجنبیوں سے میل جول رکھنے کو جو حرام قرار دیا ہے اس کا
 مفہوم ہرگز یہ نہیں ہے کہ عورتوں سے اعتماد کے جذبہ کو فنا کر دیا جائے بلکہ یہ ایک وسیلہ ہے۔ ان کے
 ناموس کی حفاظت و احترام کا، اور ذریعہ ہے ان کی رسوائی کی روک تھام کا درحقیقت اسلام کی نظر
 میں عورت کا جو درجہ و مقام ہے۔ وہ یقیناً قابل رشک ہے۔“

چانک لستار

تحقیقی و تنقیدی مضامین کا مجموعہ

لکھنے والے: وفاراشدی، کامل صدیقی، فضل سدوزانی، شاد کلکتوی، جلیل صدیقی

مکتبہ اشاعت اردو کوٹری (پہلے ڈھاکہ)

پام لیس فیکٹری کے تیار کردہ

فینی ٹر جینٹ

مثلاً، ڈوری، کنگری، بھجوری، پیمک، شولیس ہر قسم و مزار وغیرہ عام طور
 سے پسند کئے جاتے ہیں ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہیں اور قیمت مناسب ہے۔ مندرجہ ذیل پتہ سے
 طلب فرمائیں۔

پام لیس فیکٹری - گرام خان اسٹریٹ لارنس روڈ - کراچی

عربی خطبات دور جاہلیت میں

(الجمیعة العریبة کی سالانہ تقریب پر پڑھا گیا)

عربوں کے علوم و فنون کے بیان میں شاعری کے بعد جس چیز کا ذکر ملتا ہے وہ ان کی خطابت ہے۔ علامہ شبلی فراہی فرماتے ہیں۔
 ”عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائے ہیں۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ عرب اعراب کے معنی فصاحت اور
 زبان آوری کے ہیں اور چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے تمام دنیا کو بیچ سمجھتے تھے اس لئے
 انہوں نے اپنے آپ کو عرب اور دنیا کی تمام قوموں کو عجم کہہ کر پکارا ہے۔“

سیرت النبی کے اس جلیل القدر مصنف کے مذکورہ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ صحرا نشینان عرب کو قوت گویائی میں وہ
 کہاں حاصل تھا اور فن خطابت میں وہ اس نقطہ عروج پر پہنچ چکے تھے جہاں دوسری قوموں کے صحرا بیان خطیب نژاد لیدہ
 بیان اور گونگے نظر آتے ہیں۔ اگر اس بیان کو سبالتہ نہ سمجھا جائے بلکہ حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی جائے تو آسانی
 سے اس دعویٰ کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ عرب کے ریگ زار میں پلنے والی قوم کی صلاحیتیں صرف شراب کے جام،
 اذیتوں کی ہمار اور تموار کے دستوں تک محدود نہ تھیں، بلکہ ہر بادین شکر مادر سے وہ قوت گویائی لیکر آتا تھا جس
 میں شیرینی بیان، لطافت خیال اور شستگی الفاظ کے جوہر بدرجہ اتم موجود ہوتے تھے۔ عربوں کی خطابت کی تاریخ
 پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان عربوں کے نزدیک نثر کے خطبوں کی اتنی ہی اہمیت تھی جتنی اہمیت شعراء کے رنگین کلام
 کی وہ ایک خطیب کے الفاظ سے ویسا ہی اثر قبول کرتے تھے جیسا ایک شاعر کے ابیات سے۔ چنانچہ جنگ
 کے بھڑکتے شعلوں کو ہوا دینے یا خاک و خون کے سیل تیز کور و کئے کے لئے خطیب کے سحرانگیز خطبے عرب قوم
 کی تاریخ میں اہم مقام کے حامل ہیں۔

عربوں کی اولین ثقافتی، معاشرتی اور تمدنی تاریخ دو حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلا حصہ دور جاہلیت سے موسوم ہے اور
 دوسرے حصے کو ہمد اسلام کا نام دیا جاتا ہے۔ ادوار کی اس تقسیم کے لحاظ سے عربوں کی خطابت کی تاریخ بھی زما
 جاہلیت اور دور اسلام دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ دور جاہلیت کے خطباء میں قدامت کے لحاظ سے کعب بن لؤئی
 نام آتا ہے جو ا فصیح العرب سید العرب العجم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہذب اعلیٰ تھے اور تاریخ خطابت میں اقدم المخطباء کے لقب سے
 مشہور ہیں۔ کعب کے علاوہ زمانہ قبل از اسلام میں جن خطباء نے غیر معمولی شہرت حاصل کی، ان میں قیس بن خازم،
 زید بن عمرو المنطقی، قس بن ساعدة الایادی اور اکثم بن صیفی کے نام قابل ذکر ہیں۔

عربوں کی مرثشت میں تیز مزاجی کو دخل تھا۔ یہ درشتی مزاج اس حد تک موجود تھی کہ محض گھوڑوں کو دوڑانے اور
 نوروں کو پانی پلانے پر خون خرابہ ہو جاتا تھا۔ یہ جنگیں ایک مرتبہ شروع ہونے کے بعد سہ ماہی سال تک ختم ہونے لگا

کا نام نہ لیتی تھیں۔ ایسے موقعوں پر افراد کو جوش دلانے اور انتقام پر راہنمائی کرنے کے لئے سحر بیانی یعنی خطابت سے کام لیا جاتا تھا۔ اور پھر جب صلح کا وقت آتا تو اس کے لئے بھی خطیبوں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ عرب قبائل جب کسی دوسرے قبیلے کے سرداروں یا کسی ملک کے بادشاہ کے پاس سفارت بھیجے تو عوام الناس کو حکمراہ طبقہ سے اپنے قبیلہ کو متعارف کرانے اور خیر سگالی کے جذبات پیدا کرنے کے لئے بھی خطابت سے کام لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ عربی تمدن میں ایسے مواقع بھی پیش آتے رہتے تھے جن میں خطبہ لازماً سے تھا، چنانچہ بیاہ شادی کے وقت "خطبہ" بہت ضروری تھا، ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اپنے کارناموں کو سراہنا یہ خطیبوں کی خطابت کے خاص موضوع ہوتے تھے۔

عربوں کی فطرت کو پیش نظر رکھنے، پھر چشم تصور سے صدیوں قبل کی عرب دنیا کا جائزہ لیجئے آپ کو دور جاہلیت میں "ذی قار" کا میدان جنگ نظر آئے گا۔ ایسے وقت میں جبکہ تلواریں چمک رہی ہیں۔ اعضاء انسانی کٹ کٹ کر گر رہے ہیں۔ اور زمین خون سے لالہ زار ہو چکی ہے، قبیلہ بکر کے جوانوں کے حوصلے بہت ہوتے جا رہے ہیں۔ قریب ہے کہ حریف اپنے آخری حملہ سے بنو بکر کی عظمت کو خاک میں ملادے، ہانی بن قبیصۃ الشیبانی اپنی اونٹنی دوڑا سے میدان جنگ کے اس حصے پر پہنچتا ہے جہاں آل بکر کی صفوں میں انتشار اور کم ہمتی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ ابن قبیصۃ کی زبان کھلی۔ جذبات کا ایک سمندر ہے جو موجیں مار رہا ہے۔ آل بکر کا یہ خطیب چند جملوں پر مشتمل ایک خطبہ دے کر، غنیم کی صفوں میں تلوار سونت کر غائب ہو جاتا ہے۔ ابھی چند لمحے پیشتر جس قبیلے کے سرپرست کی ذلت کے بادل منڈلا رہے تھے۔ اب وہاں فتح و ظفر کے آثار پیدا ہو چکے ہیں، ہانی نے جو خطبہ دیا، اگرچہ اس کی روح تک عربی دان ہی پہنچ سکتا ہے لیکن عام قارئین اس کے ترجمے سے ہی بہت کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔

يَا مَعْشَرَ بَكْرٍ. هَالِكٌ مَعْدُورٌ. خَيْرٌكَ مِنْ نَاجٍ فَرُورٍ. اِنَّ الْخَذِرَ لَا يُنْجِي
مِنَ الْقَدْرِ. وَاِنَّ الصَّبْرَ. مِنْ اَسْبَابِ الظَّفَرِ. الْمِنِيَّةُ وَلَا الدَّنِيَّةُ.
اَسْتَقْبَالُ الْمَوْتِ خَيْرٌ مِنَ الْمَسْتَدْبَارِ. الطَّعْنُ فِي ثَعْرِ النُّحُورِ.
اَكْرَمُ مِنْهُ مَنْ فِي الْاَعْجَازِ وَالظُّهُورِ. يَا آلَ بَكْرٍ! قَاتِلُوا
فَمَا لَلْمَنَا يَا مَنْ بَدِ

(ترجمہ: اے قبیلہ بکر! کسی عذر سے ہلاک ہونے والا جان بچا کر بھاگنے والے سے بہتر ہے۔ احتیاط تقدیر سے نجات نہیں دلا سکتی۔ صبر کامیابی کے ذریعوں میں سے ایک ذریعہ ہے۔ موت آجائے مگر ذلت نہ آئے۔ موت کا استقبال کرنا، اس سے پیٹھ موڑنے سے بہتر ہے۔ وہ نیزہ جو دشمنی کے حلقوم میں پویست ہو۔ زیادہ باعث شرف ہے اس نیزے کی نسبت جو دشمن کے گولے اور پیٹھ میں جا لگے۔ اے آل بکر! جنگ کرو کیونکہ موت کے سوا چارہ نہیں۔)

اب دوسری طرف آئیے۔ تلواریں نیاموں سے ٹککنے کے لئے بیتاب ہیں۔ میدان جنگ میں سرفروزش جوانوں کی صفیں صرف اشارے کی منتظر ہیں۔ قریب ہے کہ وحشت و بربریت کا طوفان نسل انسانی کو بہا لے جائے کہ یکایک طرفین کے سردار اور کچھ دورانہدیش قسم کے بوڑھے صلح کے متلاشی نظر آنے لگتے ہیں۔ لیکن ان جوانوں کا کیا کیا جائے

جن کے سینے انتقام کی آگ سے سلگ رہے ہیں اور آنکھوں سے چنگاریاں رگل رہی ہیں۔ ایسے وقت میں جبکہ جنگ کا جو لامبھی پھٹنے کے قریب ہے۔ خطیب کے الفاظ کانوں سے مچراتے ہیں۔ خطابت کی سحر انگیزی پل بھر میں فضا کو متغیر کر دیتی ہے۔ جنگ صلح میں انتقام، دوستی میں اور غصہ ترحم میں بدل کر رہ جاتا ہے۔ نیاموں سے کھینچی ہوئی تلواریں پھر نیاموں میں چلی جاتی ہیں اور سب کچھ ایک خطیب کے چند الفاظ کا اعجاز ہے۔ مرتدا لخیڑنے اس موقع پر جب کہ سبعت بن الحارث اور منیثم بن شوب (ظرفین کے دوسرا) جنگ کے نازک موقع پر صلح کے لئے بے چین نظر آتے ہیں۔ یہ خطبہ دیا۔

”قَدْ عَرَفْتُمْ أَبْنَاءَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْعَرَبِ . مِمَّنْ عَصَى النَّصِيحَ
وخالف الرشيد . وَ أَصْبَحِي إِلَى التَّقَاطِعِ . وَ رَأَيْتُمْ مَا آلتِ إِلَيْهِ عَوَاقِبُ
سُوءِ سَبْعِيهِمْ . وَ كَيْفَ كَانَ صَيُورُ أُمُورِهِمْ . فَتَلَفُوا الْقَرْحَةَ قَبْلَ
تَفَاقُرِ الْمَشَايِ . وَ اسْتَفْحَالَ الرِّاءُ . وَ اعْوَاذُ الدَّوَاءِ . فَانَّهُ إِذَا سَفِكَتِ
الدَّمَاءُ وَ اسْتَحْكَمَتِ الشُّحْنَاءُ . وَ اذْ اسْتَحْكَمَتِ الشُّحْنَاءُ . لَقَضَّيْتِ
عُرَى الْاِبْقَاءِ . وَ شَمِلَ الْبَلَاءُ .“

ترجمہ: تم اپنے سے پہلے آنے والے ان عربوں کے حالات سے آگاہ ہو، جنہوں نے ناصح، مشفق کی نافرمانی کی اور ہر وحی کی مخالفت کی، اور باہمی تعلقات قطع کرنے کی آواز پر کان دھرے۔ ان کی نامبارک کوششیں انجام کو پہنچیں۔ اور ان کے اعمال کے جو نتائج رونما ہوئے، وہ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے۔ تمہیں چاہیے کہ زخم کو مندمل کرنے کا تدارک کو پیشتر اس سے کہ اس کا فساد حد سے بڑھ جائے اور بیماری احتیاط سے باہر ہو جائے اور علاج محال ہو جائے۔ اس لئے کہ جب خون ریزی ہو تو بغض و عناد جڑ پکڑ جاتے ہیں۔ اور جب بغض و عناد جڑ پکڑ جائیں تو بقائے حیات کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ اور تباہی عام ہو جاتی ہے۔“

صلح و جنگ سے متعلق خطبات کے ان نمونوں کو دیکھنے کے بعد خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے صرف صلح و جنگ کے مشہور موقعوں پر ہی ایسے خطبات دئے گئے ہوں۔ اور باقی خطبات میں ایسی شان نہ نظر آتی ہو۔ لیکن یہ محض خیال ہے، صلح و جنگ کے علاوہ دوسرے موقعوں پر خطبوں میں بڑا جوش اور صداقت پائی جاتی ہے۔ ذیل میں وہ تاریخی خطبہ درج کیا جاتا ہے جو ابو طالب بن عبدالمطلب نے ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ کے ساتھ آنحضرت کے نکاح کے وقت دیا تھا۔ اس کو پڑھنے سے قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ نکاح کے وقت کس قسم کے خطبے دئے جاتے تھے۔ ابو طالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا:-

”الحمد لله الذی جعلنا من ذریة ابراهیم . و زرع اسہعیل ، و جعل لنا
بلداً حراماً و بیتاً محجوباً ، و جعلنا الحکام علی الناس ، ثم ان محمداً بن
عبدالله ابن آخی من لا یوازن بہ فنی من قریش الا رجیع علیہ برّاً و
فضلاً ، و کرمّاً و عقلاً . و محمداً و نبلاً . و ان کان فی المال قلّ فان
المال ظلّ ذابلاً . و عاریة مُسْتَرْجَعَةٌ ، و له فی خدیجة بنت خویلد

رغبةً - وَلَهَا فِيهِ مِثْلُ ذَلِكَ. وَمَا أَحْبَبْتُمْ مِنَ الصَّدَاقِ فَحَلِي.

ترجمہ اللہ محمد ہے اس اللہ کی جس نے ہمیں (سیدنا) ابراہیمؑ کی اولاد سے بنایا۔ اور اسماعیلؑ کی نسل میں پیدا کیا۔ ہمیں ایک شہر عطا کیا جس میں فتنہ و فساد ممنوع ہے اور ایسا عطا کیا جہاں لوگ آکر زیارت کرتے ہیں۔ اور ہمیں لوگوں پر حاکم بنایا۔ میرا بھتیجا محمد بن عبد اللہ وہ ہے کہ اس کا موازنہ قریش کے جس نوجوان سے کیا جائے وہ (محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نیکی اور فضل، فیاضی اور عقل، شرافت اور نجابت میں اس پر بھاری ہوگا، باوجودیکہ وہ قلیل المال ہے۔ مال و دولت تو ڈھلتا ہوا سایہ ہے اور عارضی پونجی ہے خدیجہ بنت خویلد اور یہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں! جس قدر حق مہر تم پسند کرو وہ میرے ذمہ ہے۔“

قس بن ساعدۃ الایادی دور جاہلیت کے خطباء میں بلند پایہ حیثیت کا مالک ہے۔ سوق عکاظ کا یہ مشہور خطیب شستگی الفاظ، رفعت خیال، اور قوت تاثر کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ یہ وہ شخص ہے جو شرک و بت پرستی کے دور میں معبود حقیقی کا پرستار اور توحید کا طالب نظر آتا ہے۔ جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا وہ مشہور خطبہ سنا جو اس نے عکاظ کے میلے میں دیا تھا تو آپ نے اس کی رفعت خیال کی تعریف فرمائی۔

”ایہا الناس! اسبعوا و عتوا۔ مَنْ عَاشَ مَاتَ۔ وَ مَنْ مَاتَ فَاتَ وَ كَلَّ مَا هُوَ أَتٍ، لَيْلٌ رَاجِحٌ، وَ نَهَارٌ سَاجِحٌ وَ سَمَاءٌ ذَاتُ أَبْرَاجٍ وَ بَحْرٌ تَذْهَبُ، وَ بَحَارٌ تَزْخَرُ، وَ جِبَالٌ مَرْسَاةٌ، وَ أَرْضٌ مَرْحَاةٌ، وَ نَهَارٌ مُجْرَاةٌ۔ إِنَّ فِي السَّمَاءِ لَخَيْرًا، وَ إِنَّ فِي الْأَرْضِ لَعَيْنًا۔ مَا بَالُ النَّاسِ يَذْهَبُونَ وَ لَا يَرْجِعُونَ؟ أَرْضُونَ فَأَقَامُوا، أَمَّ تَرَكُوا فَنَامُوا؟ يُقْسِمُ قَسٌّ بِاللَّهِ قَسَمًا، لَا اِثْمَ فِيهِ: إِنَّ إِلَهًا دِينًا هُوَ أَرْضِي لَكُمْ وَ أَفْضَلُ مِنْ دِينِكُمْ الَّذِي أَنْتُمْ عَلَيْهِ۔ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ مِنَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ“

ترجمہ: (اے لوگو! بسنو اور محفوظ کر لو۔ جسے زندگی ملی اُسے موت ضرور آئے گی۔ جس پر موت آگئی وہ چل سنا جو چیز مقرر ہے اُسے رہے گی۔ رات تاریک ہے، دن پرسکون ہے۔ آسمان میں کئی برج ہیں۔ ستارے درخشاں ہیں۔ سمندر ٹھانڈے مار رہے ہیں۔ پہاڑ زمین میں گڑے ہوئے ہیں۔ زمین بھوننا بنانی گئی ہے۔ اور اس میں دریا بہائے گئے ہیں۔ آسمان میں دلائل و براہین ہیں۔ اور زمین میں درس عبرت لوگوں کو کیا ہوا کہ جا کر پھر نہیں آتے۔ کیا انھیں وہ زندگی پسند آئی کہ وہیں کے ہو رہے یا انھیں نظر انداز کر دیا گیا کہ پڑ کر سو رہے۔ قس اللہ کی ایسی قسم کھاتا ہے جس پر کوئی گرفت نہیں۔ اللہ کا ایک دین ایسا ہے جو ہمارے اس دین سے جس پر تم عمل پیرا ہو، لیکن زیادہ پسندیدہ اور فضیلت والا ہے۔ تم ہر فعل بد کے مرتکب ہوتے ہو۔“

دور جاہلیت کے خطیبوں میں ایک اور جلیل القدر خطیب اکثم بن صیفی ہے، جو حسب و نسب کے اعتبار سے شریف، قوم میں ذی مرتبہ، اور صائب الرائے شخص تھا۔ قابلیت کے خطیبوں میں اکثم کا خاص مقام ہے انساب

کامہ اور امثال و اخبار کا یہ حافظ ان لوگوں میں سے ہے جسے نعمان بن منذر نے کسریٰ کے دربار میں سفارت کی غرض سے بھیجا تھا۔ اس صیغی کے لڑکے کو ان سب پر سردار مقرر کیا گیا تھا۔ ظہور اسلام کے بعد اکثم نے اپنی قوم کو اسلام کی ترغیب دی۔ خود اس کے اسلام لانے کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ اس کے مقبول عام خطبوں میں سے ایک وہ خطبہ جو اس نے کسریٰ کے دربار میں دیا تھا۔

”ان افضل الاشیاء اعالیہا۔ و اعلیٰ الرجال ملوکہم۔ و افضل الملوک عمتہا نفعاً، و خیر الازمینہ اخصبہا۔ و افضل الخطباء اصدقہا۔ الصدق منجاة۔ و الکذب مہواة“، والشتر لجاہة، و الجزم مرکب صعب، و العجز مرکب و طیء۔ افة الرای الهوی۔ و العجز مفتاح الفقر۔ و خیر الامور الصبر۔ و حسن الظن و رظة، و سوء الظن عیصہ۔ اصلاح فسار الرعیة خیر من اصلاح فسار الراعی۔ من فسدت بطانتہ کان کالغاص بالماء۔ شر البلاد بلاد لا امیر بہا۔ شر الملوک من خافة البری۔ التزم یعجز لا الحاله۔ افضل الاولاد البررة، خیر الاعوان من لم یراء بالنصیحہ، آحق الجنود بالنصر، من حسنت سریرتہ یکفیک من الزاد ما بلغک المحل۔ حسبک من شر سماعتہ۔ الصمت حکم و قلبیک فاعلہ۔ البلاغہ الایجاز۔ من شدد نقر۔ و من تراخی تالف۔“

ترجمہ :- بہترین اشیاء وہ ہیں جو سب سے بلند و بالا ہیں۔ بادشاہ ہی لوگوں میں ارفع و اعلیٰ ہیں۔ بادشاہوں میں سب سے فضیلت والا وہ ہے جس کی بھلائی عام ہے۔ بہترین زمانہ وہ ہے جو نجات و اقبال کا ہو۔ بہترین مقرر سب سے زیادہ سچ بولنے والا ہوتا ہے۔ سچائی باعث نجات ہے اور جھوٹ ہلاک ہے۔ رٹائی کی بنیاد جھگڑا اور فساد ہے، پامردی، سرکشی اور ناتوانی، نرم شو سواری ہے۔ عقل کی آفت خواہش ہے۔ اور بے دست و پائی فقر کی کلید ہے۔ سب سے اچھا رویہ صبر ہے۔ اور حسن ظن دلدل ہے، اور سو ظن رکاوٹ ہے، رعایا کے بگاڑ کی اصلاح حاکم کے بگاڑ کی اصلاح سے بہتر ہے۔ جس کے دوست بچڑے ہوئے ہوں۔ وہ ایسا ہے جیسا پانی سے دم گھٹ کر مر جانے والا۔ بددین ملک وہ ہے جس کا کوئی حاکم نہ ہو۔ اور بدترین بادشاہ وہ ہے جس سے معصوم کو اندیشہ ہو۔ انسان تھک ہار جاتا ہے لیکن تدبیر نہیں ٹھکتی۔ بہترین اولاد وہ ہے جو نیک ہو۔ سب سے اچھا مددگار وہ ہے جو دکھاوے کے لئے مشورہ نہ دے۔ نفع کی سب سے زیادہ مستحق فوج وہ ہے جو پاک طبیعت ہو۔ تیرے لئے اسی قدر زادِ راہ کافی ہے جو تجھے منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔ تیرے لئے برائی کے متعلق سن لینا ہی کافی ہے۔ خاموشی حکمت ہے مگر اس کو عمل میں لانے والے نایاب ہیں۔ بلاغت اختصار میں ہے۔ جو بہت سخت گیر ہوا۔ اس نے لوگوں کو منتفر کر دیا۔ جو نرم شو ہوا، اس نے لوگوں کی محبت جیت لی۔ کیا وہ جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتحِ زمانہ!

عربی خطابت کے یہ تو چند نمونے ہیں جو اوپر پیش کئے گئے ہیں اور حقیقت میں عربی خطابت کے دور جاہلیت
سائے اتنا عجیب اور اس قدر طویل ہے کہ اس کو اگر قلمبند کیا جائے تو ایک خاصی ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔
جاہلیت کے عرب خطبا اپنی خطابت کے زور سے آگ لگانا بھی جانتے تھے اور بھانے کے فن سے بھی
تھے۔ انھوں نے قبیلوں کو خون خرابہ کے لئے بھی ابھارا ہے اور ساتھ ہی انسانی حقوق بھی یاد دلائے ہیں
ان نے جذبات کے فولاد کو تپا کر "انگارہ" بھی بنایا ہے اور اُسے پگھلا کر پانی بھی کر دیا ہے! جو لوگ عربی زبان
سب کا ذوق رکھتے ہیں عربی خطابت سے وہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں دوسری زبان کے ترجمہ میں آ کر
اس تحریر کا زور بہت کچھ کم ہو جاتا ہے!



○ افق صحافت پر ایک نئی اور دیرپا تنویر
○ علم و تحقیق کے بام بلند سے ایک نئے آفتاب حقیقت کا طلوع،

پاکستان میں اسلامی فکر و نظر کے علمبردار

ماہنامہ چراغ راہِ کراچی

کا

اسلامی قوانین

ہمیں پہلی مرتبہ ہندوستان کے ساتھ ساتھ تمام عالم اسلام کے مشاہیر علماء اور قسین اسلام
کے ثمرات فکر و تحقیق جدید پیرائے اظہار میں پیش کئے جا رہے ہیں

مکتبہ انور شہید احمد ایم اے ابی کام

مئی — میں شائع ہو رہا ہے

پین کے لئے ذریعہ موقع
قارئین کیلئے خیال فروز سامان مطالعہ

تفصیلات کیلئے مندرجہ ذیل پتہ پر لکھیے

چراغ راہ — فیض محمد فتح علی روڈ کراچی

یہودی مذہب

”جناب عبدالرشید المسدوسی دکن کے مشہور قومی کارکن اور اسلامیات اور قانون کے عالم ہیں، قائد ملت نواب بہادر یار جنگ کے ساتھ انھوں نے برسوں کام کیا ہے اس انقلاب میں سقوط دکن کے بعد انھیں بھی ہجرت کر کے پاکستان آنا پڑا، ان دنوں موصوف اردو کالج میں شعبہ قانون کے پروفیسر ہیں !

جناب مسدوسی نے اپنی کتاب ”مذہب عالم“ کا ایک باب ”فاران“ میں چھپنے کے لئے عنایت فرمایا ہے اس کتاب میں دنیا کے مشہور زندہ مذاہب کے رقبہ آبادی، ممالک، سیاسی طاقت سے بحث کی گئی ہے، اپنے موضوع پر یہ ایک منفرد کتاب ہے، جس کے عربی اور انگریزی ایڈیشن بھی شائع ہوں گے، صاحب موصوف کی یہ معرکہ آرا تصنیف کتابت کے مرحلے میں ہے چھپنے کے بعد مکتبہ خدام قسطنطنیہ فریر روڈ کراچی سے مل سکے گی۔ (م.ق.)۔“

یہودی مذہب کی حقیقت اور اس کی تسلیم اور تاریخ کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا جلد ۱۳ اور انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایٹھکس جلد ۷ سے مدد لی گئی ہے۔

یہودی مذہب کو عقیدہ توحید کی ایک خالص صورت کہا جاتا ہے، یہودی مذہب عقیدہ سے زیادہ ایک ایسی طاقت ہے جو انسان کی فکر اور کردار

پر اثر انداز ہوتی ہے یہ وہ مذہب ہے جس کی تلقین حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی تھی۔ یہ دنیا کے موجود مذاہب میں سب سے پرانا (قدیم) مذہب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہودی مذہب ان دو عظیم الشان مذاہب اسلام اور عیسائیت کا پیش رو ہے جو کرہ ارض کے بیشتر حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی تعلیمات میں ابراہیمی مذہب کے وہ اصول اور عقائد بھی پائے جاتے ہیں جن پر یہودی مذہب کا بڑی حد تک دار و مدار ہے، لیکن یہودیت کی رسی اور معین، تعریف کیا ہے؟ اس کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایٹھکس کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

”یہودیت کی کوئی معین اور معروف تعریف کرنا مشکل ہے کیونکہ اس ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کم سے کم اور قطعی طور پر کس چیز کا اقرار ضروری ہے، تاہم یہودیت دو اصولوں پر مبنی ہے خدا کی وحدانیت اور بنی اسرائیل کی پسندیدہ اور منتخب امت ہونا، یہودیت بت پرستی اور متعدد خداؤں کی پوجا یعنی شرک کو مسترد کرتی ہے۔ وہ ایک رب العالمین پر

اسی طرح انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا کے مقالہ نگار کی رائے یہ ہے کہ

” یہودیت کی یوں تعریف کی جاسکتی ہے کہ وہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو توحیدِ خاص پر اعتقاد رکھتا اور اس عقیدہ کے زندگی پر عملی اثر کو تسلیم کرتا ہے۔“ (جلد ۱۳ صفحہ ۵ -)
” لیکن وہ اس میں تہنا نہیں ہے، وہ عالم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اچھی جگہ ہے انسان تکمیل ذات کا اہل اور اپنے ارادے کا مختار ہے اس لئے وہ اپنے افعال کا جواب دہ ہے وہ کسی درمیانی واسطے یا نیربندی کی طاقت کا بھی منکر ہے۔ انسان آزاد ہے وہ شیطان کا تابع نہیں۔ اور زندگی کی مادی نعمتیں بذات خود بُری نہیں۔ اس لئے دولت ایک نعمت بھی ہو سکتی ہے اور لعنت بھی، انسان خدا کی صورت پر بنایا گیا ہے اس لئے وہ دیگر خدائی تخلیقات کی طرح معزز اور محترم ہے نیز اسی وجہ سے تمام انسان مثالی طور پر بھائی بھائی ہیں کیونکہ وہ ابتداً (ازل) میں متحد تھے اور وہ ابد میں بھی باہم متحد ہو جائیں گے اور اسرائیل کی مدد سے آسمانی بادشاہت میں ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گے۔ یہودی مذہب کا منصب یہ ہے کہ وہ سارے عالم میں امن اور مفاہمت پھیلائے۔“

(صفحہ ۵۸۱، جلد ۷ انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا اینڈ ایچیکس)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

” اگرچہ یہودی مذہب میں تبلیغ مذہب کا دروازہ کھلا ہوا ہے تاہم اس میں قربانی ذات کا مطالبہ کیا جاتا ہے اس کے باعث اب وہ غیر تبلیغی مذہب ہو گیا اور دنیا کی اقلیت کا مذہب ہے۔“

یہودی مذہب کی تاریخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آٹھ صدی پہلے شروع ہوتی ہے۔ (جلد ہفتم صفحہ ۴۲۰)

یہودی مذہب کے آغاز کی تاریخ

یہودی مذہب کی تعلیمات اور قانون ہیں۔ ایک تحریری قانون اور دوسرا زبانی قانون

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وادی سینا میں جس قانون کا ایلام ہوا تھا اس کے احکامات پر سے طور پر واضح نہیں ہیں، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر طور پر چالیس دن تک مقیم رہنے اور اس حالت میں ان کو ہدایات ملتی رہیں۔ جو تحریری (مکتوبی) قانون کی تشریح ہیں۔ یہ زبانی قانون کہلاتی ہیں۔ اور ان کو وادی سینا میں موسیٰ علیہ السلام پر عطا شدہ قانون کہا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ زبانی قانون بعد کے مذہبی رہنماؤں کی من گھڑت باتیں ہیں اور کسی حد تک یہ قول صحیح ہے، کیونکہ واقعہ تو یہ ہے کہ زبانی قانون کا بڑا حصہ قدیم یہودی روایات ہیں جن کا ایک حصہ بلاشبہ سامی یہودیوں نے سامی نسل کے مشترکہ رسوم و قانون سے حاصل کیا تھا۔ (انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا صفحہ ۱۶۶ جلد ۱۳)

مذکورہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ یہودی مذہب تین سامی مذاہب، اسلام، عیسائیت، یہودیت کے منجملہ ہے ان تینوں مذاہب کا سلسلہ ابراہیمی مذہب سے ملتا ہے جس کی تعلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی تھی، یہودی مذہب کی تعلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم کے مطابق دی۔ وہ خدا کے جلیل القدر پیغمبر تھے، جن کو توریت (صحیفہ آسمانی) دی گئی تھی اس طرح یہ مذہب غیر سامی مذاہب کے برخلاف ایک الہامی مذہب ہے جو سامی مذاہب کی ایک مشترکہ خصوصیت ہے۔ بلحاظ قدامت زمانہ یہ نہ صرف اپنے ہم خاندان مذاہب (عیسائیت اور اسلام) سے مقدم ہے بلکہ وہ مشرق کے دیگر غیر الہامی مذاہب سے بھی قدیم ہے۔ چاہے وہ آریائی ہوں یا غیر آریائی۔ چنانچہ بیان ہو چکا ہے کہ یہودی مذہب کی بنیاد آٹھ صدی قبل مسیح میں پڑی لیکن مشرق کے قدیم مذاہب یعنی بدھ مت، کنفیوشی مت اور ٹاؤ مت کی ابتدا پانچویں صدی قبل مسیح میں ہوئی تھی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ان قدیم مذاہب سے بھی یہودی مذہب تقریباً تین سو سال پرانا ہے۔

رسالہ 'LIFE' (لائیف) کا بیان یہ ہے کہ دنیا میں یہودیوں کی تعداد ایک کروڑ اٹھارہ لاکھ ہے۔ ان کے منجملہ نصف تعداد امریکہ میں ہے۔ صرف ممالک متحدہ

میں وہ پچاس لاکھ ہیں (لائیف صفحہ ۳۹ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۵ء)

اس کے بیشتر پیرویورپ اور امریکہ کے مختلف ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ چنانچہ جدول ذیل سے اس کی بخوبی وضاحت ہوگی یہ اعداد کتاب THE BRITANICA BOOK OF THE YEAR 1956 سے ماخوذ ہیں۔

یہودیوں کی آبادی جدول نمبر

ملک	آبادی	ملک	آبادی
شمالی امریکہ	54,30,000	یورپ	34,39,650
جنوبی امریکہ	6,31,730	ایشیا	16,29,240
		میزان	1,18,66,620

ذیل میں ہم ایشیا و افریقہ کے بعض ممالک سے متعلق جو اعداد مل سکے ان کی فہرست پیش کرتے ہیں۔

ایشیا اور افریقہ کے بعض ممالک میں یہودیوں کی تعداد

نشان سلسلہ	نام ملک	آبادی	حوالہ
۱	فلسطین	12,70,000	اتلس
۲	حبش	,60,000	ISLAM IN ETHIOPIA, P15
۳	عراق	1,00,000	BRIDGE TO ISLAM صفحہ ۲۶
۴	شام	29,770	" صفحہ ۱۴۲
۵	لبنان	5,666	" " " "
۶	ہندوستان	22,680	مردم شماری ہند ۱۹۵۱ء
۷	پاکستان		" " " " پاکستان ۱۹۵۱ء

یہودیوں کی اجتماعی حالت

توریت کے احکام اور خدا کے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی نافرمانی نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کی بنا پر یہودی دنیاوی اقتدار سے محروم اور غضبِ الہی میں مبتلا ہو گئے۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ
وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآؤْا بِغَضَبٍ
مِّنَ اللّٰهِ (آلہ - بقرہ آیت ۶۱)

ترجمہ :- اُن پر ذلت و بے چارگی
طاری کی گئی اور وہ خدا کے
عذاب میں گرفتار ہو گئے۔

چنانچہ مسیح عیسوی میں جب (Titus) ٹیٹس نے اُن کو فلسطین سے نکال باہر کیا اور ان کا معبد تباہ کر دیا تو پھر وہ در بدر کی خاک چھاننے لگے اور ہزاروں سال سے دنیا کے دور دراز ممالک میں منتشر اور بے ہوئے ہیں۔ پھر بھی انھیں مشکل کہیں چین نصیب ہوا۔ ہر جگہ وہ دیگر اقوام اور مذاہب کے مظالم اور تشدد کا شکار ہوئے۔ مثلاً ڈاکٹر آرنلڈ اپنی کتاب 'دعوتِ اسلام' کے صفحہ ۹۳ پر لکھتے ہیں۔

"سائٹھے تین سو برس تک سلطنتِ انگلستان نے یہودیوں کو اپنے ملک میں داخل ہونے نہیں دیا لیکن یہودیوں کی قوم بڑی سخت جان تھی کہ دیگر مذاہب اور خصوصاً عیسائیت کے تشدد کے باوجود وہ اپنے آپ کو باقی رکھ سکی اس کوشش میں ان کو مسلمانوں کی رواداری سے کافی شہارا ہلا۔"

تمام غیر جانبدار جن میں عیسائی مصنفین بھی داخل ہیں اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ مغرب کی نشاۃ ثانیہ سے پہلے عیسائیوں کے متعصبانہ اور متشددانہ برتاؤ کے مقابلے میں صدیوں تک انھیں صرف اسلامی مملکتوں میں پناہ مل سکی۔ چنانچہ ایک عیسائی 'اڈورڈ عطیہ' اپنی کتاب THE ARABS کے صفحہ ۱۲۵ پر لکھتا ہے۔

"جیسا کہ ہم اس کتاب کے پچھلے باب میں دیکھ چکے ہیں یہودیوں نے اُن علمی اور سائنٹیفک مساعی میں بڑا خوش آئند اور ممتاز حصہ لیا تھا، جنھوں نے بغداد اور اسپین کے خلفاء کے تحت عرب تہذیب کو پیدا کیا تھا۔ عربوں اور ترکوں کی حکومت کی پوری تاریخ میں عرب ممالک میں یہودی اقلیتوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا گیا۔ جب یورپ میں یہودیوں کو ہدفِ ظلم و ستم بنایا جا رہا تھا تو انھیں صرف مسلمانوں کی حکومت میں پناہ ملی۔"

لیکن جب عیسائیت کا جوش انتقام کم ہوا تو اپنی ذہنی برتری اور کاروباری صلاحیت کے باعث یہودی، عیسائی ممالک میں بھی بااثر ہو گئے۔ دوسری طرف عالم اسلام کے سیاسی زوال کے باعث مغرب کا اس پر معاشی اور سیاسی تسلط عام اور مستحکم ہو گیا نیز مغرب میں قومیت کا غلبہ ہو گیا تو یہودیوں کی سیاسی امنگیں تازہ ہو گئیں اور انھوں نے اولاً ایک قومی وطن اور پھر ایک قومی مملکت کا خیال پکانا شروع کیا۔ چنانچہ 'ہتھ من' اپنی کتاب (BRIDE TO ISLAM) میں لکھتا ہے کہ

"صیہونیت کی پہلی چنگاریاں (LEOPINSKER) لیوپنسکر نے ۱۸۸۲ء میں روشن کیں جو ایک روسی یہودی تھا۔ اور یہ ۱۸۸۱ء میں الکزمڈروم، زار روس کے قتل کے بعد پیش آیا۔

"PENSKER نے ایک کتاب لکھی جو "خود مختاری (AUTO EMANSPATION) کے نام سے

موسوم ہے تھیوڈر ہرزل نے اپنی کتاب یہودی مملکت کے ذریعہ ان چنگاریوں کو ۱۸۹۶ عیسوی میں ایک شعلہ بنا دیا
 ۱۸۹۶ء میں بارسل کے مقام پر پہلی صیہونی کانفرنس منعقد ہوئی۔ ہرزل نے اپنی حجادیر کو بروئے کار لانے کے لئے وقت
 وسیعی میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ پہلے پہلے یہودیوں کی آباد کاری کے لئے کوئی مخصوص ملک پیش نظر نہ تھا۔ ارجنٹائن
 یوگنڈا اور کینیا کے بارے میں خیال آرائی تھی، لیکن بہت جلد مشرقی یہودیوں کا اثر محسوس کیا جانے لگا جنہوں نے
 اپنے قدیم وطن فلسطین کا مطالبہ شروع کیا۔ وہ کسی اور ملک پر راضی نہ تھے لیکن ۱۹۱۱ء تک صیہونیوں کا خیال صرف
 ایک صیہونی گھر (وطن) کا قیام تھا کہ صیہونی مملکت بارسل کے مقام پر ۱۹۱۱ عیسوی میں جو دسویں کانفرنس منعقد ہوئی تو
 صدر نے حسب ذیل بیان دیا۔

”صیہونیت کا مدعا یہودی قوم کے لئے سرکاری طور پر تسلیم شدہ اور قانونی طور پر حاصل شدہ
 فلسطین میں ایک وطن کا قیام ہے یہودی مملکت کا نہیں بلکہ ہمارے آبا و اجداد کی قدیم سر زمین
 پر ایک گھر بنانا ہے جہاں ہم بغیر کسی جبر و تعدی کے ایک یہودی زندگی گزار سکیں ہمارا مطالبہ یہ ہے
 کہ فلسطین میں داخل ہونے والے تارک الوطن کو بغیر کسی تحدید کے ایک شہری کے حقوق حاصل
 کرنے کا موقع دیا جائے اور اس امر کا موقع دیا جائے کہ وہ یہودی رسم و رواج کے مطابق بغیر کسی
 رکاوٹ کے زندگی گزار سکیں یہی اور صرف یہی ہمارا مقصد ہے“

ان توقعات کی حقیقی تکمیل کا پہلا قدم اٹھایا گیا جبکہ ڈاکٹر چیم ویزمن سے (انگلستان کے حق میں اس کی قیمتی
 خدمت کے معاوضہ میں یعنی جو اس نے کیمیائی جنگ کے سلسلہ میں ایجاد کی تھی) برطانوی حکومت کی طرف سے یہ
 وعدہ کیا گیا کہ برطانوی حکومت فلسطین میں یہودیوں کی آباد کاری کو ہمدردی کی نظر سے دیکھتی ہے یہ نومبر ۱۹۱۷ء کا
 مشہور اعلان بالفور ہے۔ جس میں کہا گیا ہے

” ملک معظم کی حکومت یہودی قوم کے لئے فلسطین میں ایک قومی وطن کے قیام کو ہمدردی
 سے دیکھتی ہے اور اس مقصد کے حصول میں سہولت پیدا کرنے کے لئے اپنی بہترین کوششوں
 کو استعمال کرے گی لیکن یہ صاف طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ کوئی ایسی بات نہ کی جائے گی جو
 فلسطین کے موجودہ غیر یہودی قوموں کے موجودہ دیوانی اور مذہبی حقوق یا دوسرے ملک میں
 یہودی کو حاصل شدہ حقوق یا سیاسی مرتبہ کے خلاف ہو“

کہا جاتا ہے کہ یہ اعلان امریکہ کے مشورہ اور رضامندی سے ہوا تھا۔

” صدر امریکہ نے بالفور DECLARATION کے وجود میں لانے میں کافی حد لیا اور ۱۹۲۸ء
 میں صدر ٹرومن کے تحت ممالک متحدہ امریکہ نے اسرائیل کی آزاد مملکت کے وجود میں لانے
 میں کافی امداد کی“ (صفحہ ۲۸۸ MOSLEMS ON THE MARCH)

اعلان بالفور کے ذریعہ یہودی قوم کے لئے فلسطین میں ایک قومی وطن کے قیام کا جو وعدہ کیا گیا تھا وہ
 قطع نظر اس امر کے کہ عربوں کے ساتھ ”میک موہن وعدہ“ (MACK MOHAN PLEDGE) اور متحدہ
 برطانوی و فرانسیسی اعلان مورخہ ۱۹۱۸ء (دیکھئے ضمیمہ) کے مطابق نہیں سمجھا جاسکتا وہ صدر ولسن کے

”چودہ نکات“ کے پہلے اصول کے بھی خلاف تھا نیز اس میں کہیں بھی یہودی سلطنت کے قیام کا صراحتاً وعدہ نہیں کیا گیا تھا، لیکن ۱۹۱۸ عیسوی سے لے کر ۱۹۴۸ عیسوی تک تیس سال کی مدت میں ایسے حالات پیدا کئے گئے کہ مقامی



آبادی (مسلمانوں اور عیسائیوں) کی مرضی کے خلاف یہودی سلطنت قائم کی گئی۔ اس تیس سالہ دور میں کس طرح یہودی سلطنت کے قیام کا راستہ صاف کرنے کے لئے یہودیوں کی آبادی کو فلسطین میں ٹھونسا گیا اس کا یوں اندازہ ہوگا کہ

اعلانِ بالفور سے پہلے یہودی فلسطین کی آبادی میں ایک لاکھ تھے۔

”عرب دنیا کا ایک غیر منفک جز تھا جو شام سے غیر ممیز تھا اور اس کی آبادی نوے فی صد

عرب آبادی تھی“ (صفحہ ۹۲ THE ARABS)

لیکن آج حال یہ ہے کہ یہ تناسب معکوس ہو گیا ہے اور یہودی نوے فی صد سے زائد اور عرب دس فی صد سے کم ہیں۔ یہ نتیجہ خلافتِ توقع نہیں، کیونکہ شروع ہی سے صیہونی یہودیوں کے عزائم یہی تھے کہ فلسطین پر بیرونی یہودیوں کو لاکر بسایا جائے اور مقامی عرب آبادی پر غلبہ حاصل کیا جائے، چنانچہ ۱۹۲۰ء میں جو کمیشن (کننگ کریں کمیشن KING CRANE COMMISSION) بٹھایا تھا وہ اس سے واقف ہو چکا تھا۔ اسی طرح ۱۹۲۲ء جو (HAYCRAFT COMMISSION) ہیکر انٹ کمیشن، برطانوی حکومت نے بٹھایا تھا اس کے سامنے بھی یہودی گواہوں نے ان عزائم کا اظہار کر دیا تھا۔ اس طرح یہودیوں سے فلسطین میں ”قومی وطن“ کے قیام کا جو وعدہ کیا گیا تھا وہ بدانتہا عربوں کے فطری اور قومی حقوق کے معارض تھا اور اس طرح یہودیوں اور عربوں کے متضاد مفادات اور حقوق میں مصالحت کی کوشش خود فریبی اور دھوکہ تھا جس کو محسوس کرنے کا نتیجہ یہ تھا کہ ۱۹۲۹ء تک عربوں اور یہودیوں میں مسلسل فسادات ہوتے رہے جو بالآخر ۱۹۴۷ء میں خونریز لڑائی ہوئی اس کے مد نظر ۱۹۴۷ء میں مسٹر ریز نے مکڈانلڈ کی مزدور حکومت کو اس مسئلہ کے متعلق دوسری مرتبہ برطانوی حکومت کی پالیسی کا اعلان کرنا پڑا لیکن برطانیہ میں یہودیوں کے اثر کے باعث یہودیوں کو مزدور حکومت سے اپنے رویہ میں تبدیلی اور یہودیوں کے حق میں اس نئی دستاویز کے حاصل کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی جس کو عرب سیاہ دستاویزی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے بعد چونکہ جرمنی میں ہلڈی برہر اقتدار آگئے اور انہوں نے یہودیوں کی خبر بینی شروع کی اس لئے یہودی جرمنی سے بھاگ کر فلسطین میں جمع ہونے شروع ہوئے اور یہ رفتار یوں مافیہ ترقی کرتی گئی تا آنکہ سالانہ ساٹھ ہزار کی خطرناک حد پر پہنچ گئی، یہ سلسلہ چار سال (۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۶ء) تک جاری رہا اور اس طرح چار سال کی قلیل مدت میں دو لاکھ سے زائد یہودی فلسطین کے چھوٹے سے ملک میں جس کی آبادی تقریباً بارہ لاکھ تھی داخل ہو گئے اور انہوں نے اپنی قوت کو مستحکم کر لیا۔ اس خطرناک صورت حال سے مجبور ہو کر ۱۹۳۶ء میں عربوں نے مقاطعہ کا آفاذ کیا جو دو ماہ جاری رہا اور عرب مجاہدین نے یہودیوں کا مسلح مقابلہ شروع کیا جس کو دبانے کے لئے بیس ہزار ہزار برطانوی فوج موجود تھی لیکن دوسری جنگِ عظیم کے آفاذ تک عربوں کی مسلح مقاومت کو کچلانا جا سکا کیونکہ عرب صاف طور پر یہ دیکھ رہے تھے کہ کس طرح یہودی فلسطین میں آئینی آبادی کے قبضے کا سامان کر رہے ہیں اور اس مقصد کے لئے کس طرح نازیوں کے مظالم کے واقعات اور افسانوں سے عالمی رائے عامہ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور یہودیوں کی معاشی ترقی سے ملک کے معیار زندگی میں اضافہ کے فائدے کو اٹھال رہے ہیں اور اس طرح بتدریج فلسطین میں اپنے اثر کو بڑھا کر اپنے سیاسی اقتدار کا سامان کر رہے ہیں ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۹ء تک عربوں کی اس مقاومت کے نتیجے میں ۶۹ برطانوی، ۹۲ یہودی، ۴۸۶ عرب سولین اور ۱۱۳۸ عرب مجاہدین کی جانیں ضائع ہوئیں۔ (صفحہ ۱۳۰ THE ARABS)

اس صورت حال کے نتیجے میں برطانوی حکومت نے ایک رائٹ کمیشن اس غرض سے روانہ کیا کہ فلسطین کے فسادات کے اسباب کی دوبارہ تحقیقات کرے اور ان کا حل پیش کرے کیونکہ اب برطانوی حکومت پر پورے طور سے

یہ واضح ہو چکا تھا کہ صیہونی آرزوؤں اور عربوں میں مصالحت ناممکن ہے جس پر وہ اعلان بالفور کے بعد سے کاربند تھی کمیشن نے فلسطین کی دو حصوں میں تقسیم کی تجویز پیش کی جس کو یہودیوں کے طاقتور دعایہ نے منصفانہ ثابت کرنے کے لئے مغرب میں بڑا کام کیا اور یہی بالآخر ۱۹۴۸ء میں متحدہ اقوام کی تجویز تقسیم کی بنیاد بنا۔ عربوں نے اس کی سخت ناراضی سے مخالفت کی کیونکہ انھیں یہودی وطن کے بارے میں اپنے بدترین مگر مبہم اندیشے پورے ہوتے نظر آئے کہ ان کے قلب میں ایک بیرونی مملکت قائم ہوگی تمام عرب ممالک اور حکومتوں میں اس تجویز کے خلاف ایک طوفان برپا ہوا اور مجاہدین کی جدوجہد آزادی اور بڑھ گئی عربوں کے دو مطالبات تھے کہ یہودیوں کا داخلہ بند کیا جائے اور تقسیم کی تجویز مسترد کر کے مقامی آبادی کو آزادی دی جائے چونکہ ۱۹۴۹ء کے اوائل میں یورپ پر دوسری جنگ عظیم کے بادل منڈلا رہے تھے اور مغربی طاقتیں عربوں کو اپنا دشمن نہ بنانا چاہتی تھیں اس لئے انھوں نے اس تجویز کو ملتوی کر دیا۔ ۱۹۴۹ء کی جنگ کے بعد برطانوی حکومت نے تقسیم فلسطین کی تجویز پیش کی اور یہودیوں کے قومی وطن کے ادعا کی تردید کی۔ اس کے بعد وڈ ہیڈ کمیشن (WOOD-HEAD COMMISSION) قائم کیا گیا تاکہ وہ تقسیم کے متعلق معین تجاویز پیش کرے۔ اس کے نتیجے میں ۱۹۴۹ء میں حکومت نے ایک قرطاس اربعین شائع کیا جس میں حکومت برطانیہ نے اپنے اس ارادے کا اعلان کیا کہ وہ اندرون دس سال ایک آزاد فلسطین مملکت قائم کرے گی جس میں عربوں اور یہودیوں کو اس طرح حکومت میں حصہ دیا جائے گا کہ وہ ہر قوم کے مفادات کی ضمانت ہو نیز دس سال کے درمیان میں ڈیڑھ لاکھ یہودیوں کو ملک میں داخل کیا جائے گا۔ اس طرح تقسیم کے ذریعہ فلسطین میں یہودی سلطنت کے قیام کے ارادے کو ۱۹۴۹ء تک مسترد کیا جاتا رہا لیکن یہودیوں کے دباؤ کے تحت یہ وعدہ بھی پورا نہ ہوا۔ اس اثناء میں چونکہ دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی تھی۔ اس لئے اس سے یہودیوں نے بہورا فائدہ اٹھایا اور ۱۹۴۷ء میں اتحادیوں کی مدد کے بہانے یہودی اپنی ایک مستقل بریگیڈ بنانے میں کامیاب ہو گئے جن کا اپنا جداگانہ جھنڈا تھا اور اس کو برطانوی افواج کا جز بنا دیا گیا جب جنگ ختم ہوئی تو صدر ٹرومن کے اصرار پر برطانوی حکومت نے یورپ کے مزید ایک لاکھ یہودیوں کو فلسطین میں داخل کرنے پر مجبور ہوئی۔ کیونکہ

”برطانیہ میں صیہونی طاقتور تھے لیکن وہ ممالک متحدہ امریکہ میں زیادہ طاقتور تھے جہاں

نیویارک اور ایلیناس (ILLINOIS) میں انتخابی رائے میں ان کا فیصلہ کن حصہ

تھا جو صدارت کے انتخاب کو بدل سکتا تھا اس لئے وہاں ان کے درپردہ مذاکرات ارکان

کامگریس اور دونوں پارٹیوں کے گورنروں پر دباؤ ڈال سکتے تھے“ (THE ARABS PAGE 172)

”لیکن دوسری جنگ عظیم کے اختتام سے کچھ پہلے لیبر پارٹی انگلستان میں برہر اقتدار آگئی جس نے

فلسطین میں یہودیوں کے غیر محدود داخلہ کی قرارداد منظور کی اور کہا کہ ”یہودیوں کے فلسطین

میں داخل ہونے اور عربوں کے فلسطین سے باہر جانے کی ہمت افزائی ہونی چاہیے“ (THE ARABS PAGE 172)

اس کے بعد ایک مشترکہ (برطانوی اور امریکی کمیٹی) قائم ہوئی جس نے مزید یہودیوں کے داخلہ کی سفارش کی، گو اس کا بھی

اظہار کیا گیا کہ ”آبادی کے دوسرے طبقات کے حقوق اور موقف کو متاثر نہیں ہونے دیا جائے گا“ اس کے بعد عربوں نے انتداب

کے ختم کرنے، انگریزوں کے چلے جانے اور جمہوری بنیادوں پر ایک آزاد فلسطینی حکومت کا مطالبہ کیا۔ اسی دوران میں برطانوی

حکومت نے اصرار کیا کہ "برطانوی اور امریکی حکومتوں کی مقرر کردہ کمیٹی کی سفارش کے مطابق مزید یہودیوں کے فلسطین میں داخلہ کی شرط یہ ہے کہ یہودی 'دمہشت پسندی ختم کی جائے اور ان کی زیر زمین تنظیمیں ختم کی جائیں' اس پر یہودیوں نے ایک طرف غیر قانونی داخلہ جاری رکھا اور دوسری طرف دمہشت پسندی میں شدت پیدا کی۔ چنانچہ بیت المقدس کے (KING DAVID HOTEL) کنگ ڈیوڈ ہوٹل کے ایک بازو کو اڑا دیا۔ اُس کے بعد پھر برطانوی اور امریکی حکومتوں نے ایک اور تجویز پیش کی کہ "یہودیوں اور عربوں کی دو آزاد مگر وفاقی حکومتیں بنائی جائیں، لیکن یہودیوں نے اس کو بھی مسترد کر دیا کیونکہ وہ ملک کا بہترین اور ۶۵ فی صدی حصہ چاہتے تھے۔ اس کے بعد برطانوی حکومت نے ۱۹۴۷ء میں ایک کانفرنس میں عرب حکومتوں کو مدعو کیا۔ لیکن اس کا بھی کوئی خوشگوار نتیجہ نہیں نکلا بلکہ اس دوران میں یہودیوں کا غیر آئینی داخلہ اور خفیہ فوجی تیاریاں جاری رہیں۔ ۱۹۴۷ء کے موسم بہار میں متحدہ اقوام نے ایک کمیٹی بھجائی جس کی اکثریت نے تقسیم فلسطین اور ایک یہودی اور ایک عرب مملکت کے قیام کی سفارش کی۔ جس میں ملک کی ایک ہتائی یہودی آبادی کو ملک کا بڑا اور زیادہ زر خیز حصہ دیا گیا نیز ساحلی میداتوں کا مفید ترین حصہ اور تنہا عمدہ بندرگاہ دی گئی اور اس طرح عرب موثر بحری مواصلات سے کٹ گئے نیز ان کی آبادی کا نصف یعنی ۵ لاکھ عرب یہودی سلطنت میں چھوڑ دئے گئے" (THE ARABS. صفحہ ۱۷۷)

لیکن "برطانیہ نے اس اسکیم کے تعمیل کنندہ کے منصب کو ادا کرنے پر رضامندی سے انکار کیا اور انتداب سے دست برداری کا اعلان کیا اور اپنی غیر جانب داری ظاہر کرنے کے لئے اس اسکیم کے مباحث میں حصہ لینے سے انکار کیا۔ لیکن متحدہ اقوام کی اسمبلی نے ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو تقسیم فلسطین کی قرارداد منظور کی جس میں ممالک متحدہ امریکہ کا بڑا حصہ ہے۔ اس واقعہ کو منچیسٹر گارڈین نے بھی تسلیم کیا ہے جو ہمیشہ سے صیہونیت کا کھلا موید ہے۔ اسی طرح TIMES نے یہ تنقید کی کہ:

"نمائندوں کا جام احساس یہ تھا کہ تقسیم کی تجویز سوائے نیویارک کے کسی اور شہر میں منظور

نہ کی جاسکتی تھی کیونکہ اس شہر میں یہودیوں کا اثر ہے" (صفحہ ۱۷۹)

انگلستان کے اس اصرار کے بعد کہ ۱۵ مئی ۱۹۴۷ء کو وہ اپنا انتداب ختم کر کے فلسطین سے اپنی فوجیں واپس بلانے لگا، متحدہ اقوام کی طرف سے فلسطین میں امن برقرار رکھنے کے لئے کوئی بندوبست نہ کرنے کے باعث یہودیوں کو اس امر کا موقع مل گیا کہ وہ بزور قوت ۱۹۴۷ء میں فلسطین میں اپنی حکومت قائم کریں۔

"چنانچہ ۱۴ مئی ۱۹۴۷ء کو انتداب کے ختم ہونے سے چند گھنٹہ پہلے یہودیوں نے مملکت

اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا اور صدر نردمن نے فوراً اس کو تسلیم کر لیا" (صفحہ ۱۸۰)

یہودیوں کی اس ناجائز حکومت کے قیام اور اُس کے اقتدار سے بچنے کے لئے عربوں نے جو مقاومت کی، اُس کی ناکامی کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔ الغرض اس طرح تمام سابقہ بین الاقوامی مواعید کے برخلاف یہودیوں نے اپنے بین الاقوامی اثر، مالی قوت، اور بہتر اسلحہ کی مدد سے مقامی عرب آبادی کی مرضی کے خلاف فلسطین میں امرائیلی حکومت قائم کی۔ "جس میں یہودیوں کو متحدہ اقوام کے جنگ بند کرنے کے فیصلہ سے بڑی مدد ملی کیونکہ عربوں کو ہوائی بڑتری حاصل تھی اور یہودی بیت المقدس کے نئے حصے میں ہتھیار ڈالنے کو تھے" (THE ARABS ۱۸۱)

یہودی سلطنت کے قیام کی افسوسناک تاریخ کا خلاصہ اڈور ڈو عطیہ کے الفاظ میں یہ ہے۔

"اس طرح وقتی طور پر تاریخ کا المناک ترین باب ختم ہوا ایک ایسا باب جو اس کے تمام شرکاء پر بشمول عربوں کے جو ان کے ہدف میں بڑی روشنی ڈالتا ہے۔ صیہونیوں نے ایک مجنونانہ خواب کو آگے بڑھایا جو صرف عربوں کو کاری زخم پہنچا کر پورا کیا جاسکتا تھا۔ برطانیہ نے تیس سال تک اس خواب کی تعبیر کے لئے مسلسل اعانت کی۔ اور اس کے لئے مسلسل عربوں کو طفل تسلی دیتا رہا اور ان سے وعدہ خلافتی کرتا رہا۔ امریکہ نے متحدہ اقوام سے تقسیم کی تجویز منظور کرانے کے لئے قابل اعتراض محرکات اختیار کئے ثالث کی حیثیت سے خود متحدہ اقوام کی ناکامی الم نشج ہے جس نے اسرائیل کو اپنی قراردادوں کو بغیر کسی عقوبت کے توڑنے کی اجازت دی۔ ان سب پر مستزاد مغرب میل عربوں کے ایک سچے دوست کے الفاظ میں عرب اپنے مفاد کی حفاظت کے اہل ثابت نہ ہوئے کیونکہ کسی مفاد کا اخلاقی حیثیت سے ناقابل شکست ہونا بذات خود فتح کی ضمانت نہیں اور باوجود ان تمام بین الاقوامی اثرات کے جو ان کے خلاف مجتمع ہو گئے تھے۔ عرب فلسطین کی لڑائی جیت سکتے تھے بشرطیکہ خود ان کے اندر کوئی خرابی یا نقص موجود نہ ہوتا" (صفحہ ۱۸۵ THE ARABS.)

اعلان بالفور کے بعد ۱۵ مئی ۱۹۱۹ء تک جب کہ برطانوی انتداب ختم ہوا برطانوی ت کی طرف سے ذمہ دارانہ طور پر مسلسل یہی کہا جاتا رہا کہ اعلان بالفور کے ذریعہ یہودی سلطنت کے قیام کا کوئی نہیں کیا گیا تھا۔ قاہرہ پرست پارٹی کے مشرچرچل نے حکومت کی طرف سے صیہونیوں کے اس ادعا کی تردید فلسطین ایسا ہی یہودی ہونا چاہئے جیسا کہ انگلستان انگریزی ہے۔ اسی طرح سن ۱۹۱۹ء میں مزدور پارٹی کے رمن سے سیکڈ انڈ کی حکومت نے بھی یہودیوں کے ادعا کو مسترد کیا۔

نیز اپریل ۱۹۲۷ء میں برطانوی اور امریکی کمیٹی تحقیقات نے بھی اپنے اس ایتقان کا اظہار کیا تھا کہ فلسطین میں یہودی سلطنت نہیں قائم کی جائے گی۔ چنانچہ کمیٹی کے الفاظ یہ ہیں۔

"ہم اس امر کو ضروری خیال کرتے ہیں کہ فلسطین میں یہودی عربوں پر غالب نہ ہوں اور نہ عرب یہودیوں پر غالب ہوں۔ اور فلسطین میں نہ یہودی سلطنت ہو اور نہ عرب سلطنت فلسطین میں کال کار ایک ایسی سلطنت ہو جو مسلمانوں یہودیوں اور عیسائیوں کے حقوق اور مفادات کی مساوی طور پر نگہبان ہو۔ ہم بنیاد پر ذور طریقہ سے اعلان کرتے ہیں کہ فلسطین ایک مقدس سرزمین ہے جو عیسائیوں، یہودیوں اور ملانوں کے نزدیک برابر محترم ہے اور چونکہ یہ ایک مقدس ملک ہے۔ اس لئے فلسطین ایسا ملک نہیں ہو سکتا جس پر ایک سنٹل یا ایک مذہب اپنے ہتہا دعوے کو منصفانہ خیال کرے۔۔۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک مستحق سرزمین ہے اور وہ دوسرے ممالک سے بالکل بڑا گناہ نوعیت رکھتی ہے۔ ادوار انسانی برادری کے

تصویرات اور اعمال کے لئے مختص ہے، نہ کہ تنگ نظر قومیت کے لئے۔“

(THIS AGE OF CONFLICT صفحہ ۸۷۲)

یہ وہ نقطہ نظر ہے جس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ لارڈ مین (LORD MOYNE) برطانوی وزیر مملکت برائے مشرق وسطیٰ کو قاہرہ میں اسی کی پاداش میں ۱۹۴۲ء میں یہودی دہشت پسندوں نے قتل کیا۔ اور اسی طرح سینکڑوں برطانوی عہدہ داروں کو قتل کیا کیونکہ وہ ۱۹۴۲ء کے برطانوی حکومت کے قریب اس امیض کے اس فیصلہ کے حامی تھے کہ

”نیک معظم کی حکومت یقین رکھتی ہے کہ انتداب کے مصنفین جس میں اعلان بالفور کو شامل کیا گیا ہے، یہ ارادہ نہیں رکھتے تھے کہ فلسطین کو ملک کی عرب آبادی کی مرضی کے خلاف ایک یہودی سلطنت میں تبدیل کر دیا جائے۔“

(THIS AGE OF CONFLICT صفحہ ۲۵۴)

لیکن ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو برطانوی انتداب کے ختم ہوتے ہی یہودی عارضی حکومت نے اسرائیلی سلطنت کے قیام کا اعلان کیا جس کو فوراً ممالک متحدہ امریکہ نے اور اس کے چند ہی دنوں بعد سویت یونین نے تسلیم کر لیا۔ اور اس طرح بین الاقوامی مواعید کے خلاف ورزی میں اسرائیلی مملکت کا قیام عمل میں آیا اور اس کی مقاومت کے لئے اردن، عراق، شام، مصر اور لبنان نے جو کوششیں کیں ان کو ان ہتھیاروں کی مدد سے جو بڑی تعداد میں فوری جنگ عظیم کے دوران میں یہودیوں نے جمع کی تھیں یا جمہوری افواج کے ذخائر سے چرائی تھیں یہودیوں نے ناکام بنا دیا۔ اس لڑائی کو بند کرانے کے لئے متحدہ اقوام نے سوئیڈن کے کونٹ برنارڈ کو بھیجا لیکن ان کو بھی ستمبر ۱۹۴۸ء میں یہودیوں نے قتل کر دیا۔

”اسرائیلی حکومت نے متحدہ اقوام کے جنگ بند کرنے کے احکام کو ٹھکرا دیا۔“

(THE ARABS. صفحہ ۱۷۴)

اس کے بعد ۱۹۵۵ء تک وہ فلسطین کے مغربی علاقہ پر قابض رہے اور فروری ۱۹۵۵ء میں اچانک مصر کے مقبوضہ علاقہ 'غازہ' پر بے رحمانہ حملہ کیا اس کا نتیجہ طرفین کی تسلیح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو فرانس کی شہ پر اسرائیل نے مصر کے خلاف حملہ کر دیا۔ اور اُدھر برطانوی اور فرانسیسی حکومتوں نے اسرائیل اور مصر کو جنگ بند کرنے کا الٹی میٹم دے کر مصر کے خلاف حملہ کر دیا۔ لیکن متحدہ اقوام کی مداخلت نیز معاہدہ بغداد کے مسلم ارکان کے سخت طرز عمل کے باعث جنگ بند ہوئی اور برطانیہ و فرانس کو ہنر سوز کے علاقہ اور اسرائیل کو 'غازہ' کا علاقہ چھوڑنا پڑا۔

اس طرح تیس سال کے عرصہ میں فلسطین میں یہودی اپنی آبادی کو ایک لاکھ سے چودہ لاکھ تک بڑھانے اور مقامی عرب (دس لاکھ) آبادی کے منجملہ نو لاکھ کو ملک بدر کرنے میں بظاہر کامیاب ہو گئے لیکن کیا یہ اسرائیلی مملکت جو بین الاقوامی مواعید کی خلاف ورزی اور ظلم و زیادتی پر مبنی ہے باقی رہ سکے گی؟ اسرائیل کا قیام مشکوک اور غیر یقینی ہے۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ گذشتہ دس سال میں دو مرتبہ اسرائیلی

حکومت عربوں کے ہاتھوں شکست سے محفوظ رہی ہے لیکن اس کی وجہ وہ نہیں ہے جو MIDDLE EAST CRISIS کے مصنف کے حسب ذیل خیال میں مہلکتی ہے۔

” ایک ستم یہ ہے کہ یہودی جن کے متعلق توقع تھی کہ وہ معاشی تنظیم میں نام پیدا کریں گے اور مشکوک سپاہی ثابت ہوں گے وہ واقعہ کے طور پر اول درجہ کے سپاہی اور دوسرے درجہ کے

کاروباری آدمی ثابت ہوئے۔“ (صفحہ ۵۵ MIDDLE EAST CRISIS)

یہ نتیجہ ان کے اعلیٰ ترہتھیار اور اس قیمتی حربی معلومات مواقع جنگ اور اوقات جنگ کے صحیح علم پر مبنی ہے جو انہیں مغرب کے ترقی یافتہ ممالک کے سیاسی اور ڈپلومیٹک حلقوں میں شریک ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ مناسب اور سوزوں وقت پر ان اعلیٰ ترہتھیاروں کی مدد سے حملہ کرتے ہیں جو ان کے سوا کسی مشرقی ملک کو ہیا نہیں ہے ان کی معاشی ناقابلیت بھی حقیقی نہیں بلکہ اسی کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ یورپ اور امریکہ کی سرکاری اور غیر سرکاری امدادوں کو بے دریغ فوجی تیاریوں کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اس سے انہیں ایک ماہر فائدہ پہنچتا ہے کہ وہ اپنی معاشی مشکلات کا حوالہ دے کر اپنے دولت مند بھائیوں اور بھانجروں سے بے انتہا دولت بٹور سکتے ہیں۔ گذشتہ دس سال میں جس آسانی سے اور جس کثیر مقدار میں اسرائیل کے اس چھوٹے سے ملک اور یہودیوں کی چند لاکھ کی آبادی کو بیرونی مالی امداد ملی ہے اس کا عشر عشر بھی ہمسایہ عرب ممالک کو نہ مل سکا۔ لیکن اس سارے جتن کے باوجود پھر بھی یہ سوال باقی ہے کہ کیا یہ غیر فٹیری اور بیرونی مملکت مشرق وسطیٰ میں باقی رہ سکے گی؟ ہم اس کا جواب خود دینے کے بجائے غیر مسلموں اور اسرائیل کے دوستوں کی زبانی دیں گے۔

(۱) فرناؤ اپنی کتاب MUSLIMSON THE MARCH کے صفحہ ۲۹۱ پر لکھتا ہے۔

” اسرائیل ایک چھوٹی سی مملکت ہے جس کی آبادی تقریباً پندرہ لاکھ ہے عربوں اور مسلمانوں کے سمندر میں وہ ایک جزیرہ ہے مال کار اسرائیل کا وجود اس کی اس صلاحیت پر مبنی ہے کہ وہ مشرق قریب کی مملکتوں کے نظام میں کس طرح اپنے آپ کو بجاتی ہے وہ غیر معین طور پر ایک مخالف ہمسایوں کی دنیا میں ایک جزیرہ کی طرح برقرار نہیں رہ سکتی۔“

(۲) MIDDLE EAST CRISIS کے مصنفین لکھتے ہیں کہ

” اسرائیل نے تمام عربوں کو ایک مرتبہ اور مصریوں کو دو مرتبہ شکست دی ہے شاید وہ ایک اور مرتبہ بھی ایسا کر سکے لیکن کوئی مملکت باقی نہیں رہ سکتی اگر اس کو ہر پانچویں یا چھٹے سال اپنے سے زیادہ تعداد سے لڑنا پڑے۔ نتیجہ میں چار کروڑ عرب اساتذہ بارہ لاکھ اسرائیلیوں پر غالب آجائیں گے بشرطیکہ وہ پختہ عزم کر لیں متحد ہو جائیں اور کسی قدر کم ناکار کرد ہوں۔“ (صفحہ ۱۲۱ - MIDDLE EAST CRISIS)

(۳) ڈورڈ عطیہ اپنی کتاب THE ARABS کے صفحہ ۲۳۸ پر لکھا ہے

” وہ (عرب) خود اسرائیلیوں کی طرح جانتے ہیں کہ اسرائیل خوش حال اور زندہ نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس کی رسائی عرب بازار تک نہ ہو۔ اس رسائی کے بغیر وہ امریکی معیہونیوں پر

علیٰ حالہ ایک بار ہوگی جو ابھی تک اس ملک اسرائیل کو زندہ رکھنے کے لئے امداد پر امداد دے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ امریکی صیہونہی کب تک اپنی امداد کے ذریعہ اسرائیل کو باقی رکھنے کا عزم رکھیں گے ان کو توقع ہے کہ اگر وہ اپنے بازاروں کو اسرائیل کے لئے بند کر دیں تو اسرائیل کو پست معیار زندگی پر مجبور کریں گے اور ترک وطن کی رفتار اُلٹی ہو جائے گی یعنی یہودی ملک میں داخل ہونے کے بجائے ملک سے باہر چلے جائیں گے۔ جیسا کہ فی الواقع جرمنی میں نازیوں کے برسرِ اقتدار آنے سے فوراً پہلے کے برسوں میں پیش آیا تھا۔ ان کو یاد ہے کہ بیت المقدس کی لاطینی حکومت ایک سو سال تک باقی رہنے کے بعد بھی ختم ہو گئی۔ عربوں کے نزدیک اسرائیل بھی ایک اسی قسم کا مصنوعی وجود ہے، ایک ایسا ٹھونسہ جو اپنا جس کا عرب دنیا میں کوئی مقام نہیں وہ ایک ایسا پتھر ہے جو عرب پہاڑ کی ڈھلانوں پر کشش ثقل کی قوت کے برخلاف آگے ڈھکیلا گیا ہے۔ صرف مشرق وسطیٰ کے عربوں کی تعداد پانچ کروڑ ہے اور اسرائیل پندرہ لاکھ اس کو اگر علیحدہ اور اس علاقہ کی مقامی جماعتوں سے باہر رکھا جائے تو وہ بالآخر عرب ممالک کی بڑھتی ہوئی دولت، قوت اور استحکام کے مقابلے میں دیر پا ثابت نہ ہوگی۔ وہ درآمد شدہ تیل جس کی جڑیں نیویارک میں ہیں موکھ جائے گا، جو پتھر کشش ثقل کی قوتوں کی مزاحمت کر رہا ہے وہ زور سے وادی کی گہرائیوں میں گر پڑے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسرائیل کا قیام مغربی (عیسائی) اقوام کی ان دہری کوششوں کا حصہ ہے جن میں سے ایک کا منشا یہودی سرمائے کی منظم و موثر طاقت سے بیچپا چھڑانا اور دوسری کا منشا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یہودیوں کے ظالمانہ اور شرمناک سلوک کا بدلہ لینے کے لئے ان کو مسلمان کے غیظ و غضب اور انتقام کے حوالے کرنا ہے لیکن اس کا کوئی ثبوت فراہم کرنا مشکل ہے اس کے برخلاف ایک دوسرے گروہ کا یہ خیال ہے کہ بیسویں صدی کے نصف اول کے غیر معمولی اور بحرانی حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مغرب کو فلسطین میں اولاً یہودی وطن اور بعد ازاں قومی مملکت کے قیام پر راہنمی کر کے یہودیوں نے عیسائیوں سے ان کے صدیوں کے مظالم کا بدلہ لے لیا ہے کیونکہ وہ یقین رکھتے تھے کہ اس طرح وہ ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کو عیسائیوں کے خلاف صحت آرا کر دیں گے۔ اور اس طرح صلیب ہلال کی تاریخی آویزش کو تازہ کر کے وہ عیسائیوں سے بدلہ بھی لیں گے اسلام کی ابتدائی تاریخ میں عیسائیوں کے طرز عمل کو یاد کرتے ہوئے یہ رائے قرین صورت معلوم ہوتی ہے عیسائی دنیا تاریخ کے ایک نئے موڑ پر اپنے دوست، اتحادیوں کے چکھے میں آکر پھر مسلمانوں سے اپنے تعلقات کو بگاڑنے پر مائل کر دی گئی ہے، ہر سال چاہے یہ قیاس بھی غلط ہی کیوں نہ ہو اس سے انکار تو قطعاً ممکن نہیں کہ اسرائیل کا قیام بین الاقوامی سازشوں اور استعمار کی پیداوار ہے اس لئے استعمار کے زوال کے ساتھ اس کی موت بھی یقینی ہے۔ فلسطین میں اسرائیلی مملکت کے قائم نہ رہ سکنے کا دوسرا بڑا قرینہ متبدلہ بین الاقوامی صورت حال ہے، بیسویں صدی میں جو بین الاقوامی خلفشار پیدا ہوا اور جس کے نتیجے میں دو بڑی عالمگیر جنگیں ہوئیں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر یہودیوں نے فلسطین پر قبضہ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس میں انھیں دو عوامل سے بڑی مدد ملی، پہلا عامل مغربی استعمار

تھا، لیکن اب وہ عامل باقی نہیں رہا ہے۔ مغرب، اب بڑی حد تک استعمار سے دست بردار ہو چکا ہے اور مشرق اور مسلمانوں سے تعاون کی نئی بنیادیں تلاش کر رہا ہے۔ اس لئے وہ دیر یا سویر اس ناانصافی کو برقرار رکھنے میں دلچسپی باقی نہیں رکھ سکتا جو اس کے نئے لقمے اور ارادوں میں ایک بڑی رکاوٹ ہے اور جس کی وجہ سے ایک طرف مشرق وسطیٰ اور مشرقی ممالک میں اس کے جائز مفادات خطرے میں پڑ گئے ہیں تو دوسری طرف اس کے نظریاتی دشمن کو مخالف پروپگنڈا کرنے اور مشرق وسطیٰ کے اہم خطہ میں داخل ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد برطانیہ نے صیہونی مملکت کے قیام کی مخالفت کی، ایمانداری کی بات یہ ہے کہ آخری مراحل میں برطانیہ کا انجیلانی طور پر یہودی سلطنت کے قیام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اگرچہ منفی طور پر وہ ذمہ دار ہے کہ اعلان بالفور کے مصنف اور انتدالی حکومت کی حیثیت سے اس نے یہودی سلطنت کے قیام کی ناانصافی کو روکنے میں اپنا فرض تنہا ہی سے انجام نہیں دیا قانون اور انصاف کے اس مسلمہ اصول سے کیسے انکار ممکن ہے کہ نسل (Commission) کی طرح تہرک نسل (Omission) بھی مساوی حبرم ہے۔ دوسرا بڑا عامل، نازی دور میں یہودیوں پر جرمنی میں مظالم کا سلسلہ ہے جس سے متاثر ہو کر فلسطین میں یہودیوں کے توطن کی ہمت افزائی کی گئی، حالانکہ یہودیوں کے عزائم ظاہر ہو چکے تھے کہ وہ خانوں برباد یہودیوں کے لئے صرف ٹھکانہ نہیں چاہتے بلکہ اصل عرب آبادی کے جائز اور قدرتی حق کو غضب کرنا چاہتے ہیں، بہر حال یہودیوں کے ہمدردوں کی تائید میں اگر انتہائی فیاضانہ نقطہ نظر اختیار کیا جائے تو ہم ضرور یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ نازی دور کی بے رحمانہ سفاکی کے علاج کی ایک نہایت ہی بھونڈی اور غیر دانش مندانہ سعی تھی جو پچھلے قرن کے ان غیر معمولی حالات میں سوچنی گئی۔ جب کہ استعماری ذہنیت، قوت فیصلہ کو مفلوج بنا دے ہوئے تھی کیونکہ دوسری جنگ عظیم کے نتیجہ میں متعدد ممالک اور دنیا کے اہم حصوں میں جو بڑے اور اہم و پیچیدہ مسائل اور سوالات پیدا ہو گئے تھے ان کے دباؤ اور ان کے کسی قابل عمل حل کی تلاش کی مشکلات میں فلسطین کے مسئلہ میں (بغیر اس کے نتائج اور عواقب پر غور کئے ہوئے) جلد بازانہ فیصلہ کر دیا گیا جس کا سب سے بڑا اور قطعی ثبوت یہ ہے کہ یہودی سلطنت کے تسلیم کرنے میں امریکہ اور روس نے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کی۔ حالانکہ یہ دونوں کسی بڑے مسئلہ پر پچھلے دس سال میں کبھی متفق نہیں ہو سکے۔ بالشویک روس کی تائید قابل فہم ہے کیونکہ مسلمانوں اور اسلام سے متعلق اس کا نظریہ اور عمل واضح ہے لیکن امریکہ کی تائید اس کی پوری قومی تاریخ کے مخالف ہونے کے باعث قابل فہم نہیں، کیا یہودی سرمایہ کا امریکہ میں اثر یا یہودی رائے دہندوں کا امریکہ کی سیاسی جماعتوں کے انتخاب میں اہم عنصر ہونا امریکہ کو ان شاندار اصولوں سے روگرداں کر سکتا ہے جو بیسویں صدی کی تاریخ انسانیت کا روشن باب ہے امریکہ نہ صرف اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ ایسی مثال سیاسی و معاشی برتری کے باوجود استعمار کا مریض نہیں رہا بلکہ اس حیثیت سے بھی مشہور ہے کہ بیسویں صدی میں دو مرتبہ اس نے ظلم و تعدی کے خلاف اپنی قوت، دولت اور اثر کو استعمال کر کے نزع انسانی کو تباہی سے بچایا ہے اس طرح اب بھی وہ دنیا میں امن اور خوش حالی کو برقرار رکھنے کے لئے اپنی عظیم طاقت اور عظیم سرمایہ کو بے دریغ خرچ کر رہا ہے۔ کیا وہ صرف چند لاکھ یہودیوں کی رضامندی یا ان کی انتخابی رائے کی خاطر اپنے اس شاندار ریکارڈ کو برباد کرے گا؟ کیا وہ اپنے پچھلے قابل تعریف رویہ کو یہودی سلطنت کی ناانصافی سے داغدار بنانے کو گوارا کرے گا نیز مسلمانان عالم کی سچی دوستی کو قربان کر دے گا، اور کیا اس فیصلہ کے

وقت وہ اس امر کو بھی نظر انداز کر دے گا کہ اس کے بہترین اور قابل اعتماد حلیف (پاکستان، ایران، عراق اور ترکی) بھی اسرائیل کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں، جن سے بہتر حلیف شاید مغرب میں بھی اس کو نہ مل سکے گیں۔

امریکہ کی تاریخی روایات اس کی جمہوریت پرستی اور عاقبت بینی کی بنیاد پر کیا یہ توقع بے جا سمجھی جاسکتی ہے کہ بالآخر انصاف پسندی اور ضمیر کی آواز یہود کو ازی پر غالب آئے گی اور ظلم و نا انصافی کی پیداوار (اسرائیل) سے امریکہ اپنا ہاتھ دھولے گا؟ ان سوالات کا قطعی اور یقینی جواب تو مستقبل ہی دے گا لیکن کسی حد تک کتاب *The Britanica*, *book of The year 1956* صفحہ ۲۲۹ کے حسب ذیل اقتباس سے ہو سکتا ہے :-

” ممالک متحدہ امریکہ سے تعلقات (اسرائیل کے) کسی حد تک سرد ہو گئے ہیں جو عرب مملکتوں

سے اس کے بڑھے ہوئے تعلقات کا نتیجہ ہے۔“

یہودی سلطنت کا وجود مشرق اور عالم اسلامی میں کیونزوم کی سب سے بڑی فتح اور جمہوریت کی سب سے بڑی شکست پر نتیجہ ہو گا اور مستقبل میں ایک نئی دنیا کی تشکیل کے اس عظیم الشان تصور کو برباد کر دے گا جو سب کو عزیز ہے اس نیک کام میں ایک عالمی قوت کی حیثیت سے مسلمان سب سے بڑے مددگار اور ساتھی ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ انسانیت کو غیر منقسم سمجھتے اور مساوات، جمہوریت کے ان سچے اور قیمتی اقدار کے حامی ہیں جو اہامی مذاہب (اسلام اور عیسائیت) کے سرچشمے سے سیراب ہیں لیکن کیا یہودی مملکت باہمی تعاون کی اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ نہیں؟

ہمیں یقین ہے کہ موجودہ عہد کے سب سے بڑے مغربی مورخ اور دورین مفکر (ٹائٹل بی) کی وہ آواز صدا ہے صحرا: ثابت ہوگی جو ٹوکیو (دارالمخلافہ جاپان) میں بیرونی نامہ نگاروں کے کلب میں بلند ہوئی تھی۔

” اسرائیلی مملکت عربوں کے ساتھ نا انصافی پر قائم کی گئی ہے جنگ زدہ یورپ کے پناہ

گرنیوں کو عرب دنیا میں ٹھونس گیا اور بعض عربوں کو اپنا گھر بار چھوڑنے پناہ گاہیں اور پناہ

تلاش کرنے پر مجبور کیا گیا۔ انھوں (ٹائٹل بی) نے یہ بھی کہا کہ مشرق وسطیٰ کی چپقلش کی جڑیں

بہت گہری ہیں ان کی ابتداء اس وقت سے ہوتی ہے جب کہ مغربی طاقتوں نے عرب ممالک

پر طاقت کے ذریعہ قبضہ کیا، عرب بڑی اور سخت نا انصافیوں کا شکار ہوئے ہیں وہ ایسے

جاننازادگ ہیں جو ان نا انصافیوں کو دور کرنے کے لئے کسی قسم کی مدد تلاش کر سکتے ہیں۔“

(DAWN مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۵۷ء)

آج کی مشرق وسطیٰ کی صورت حال اس پیشگوئی کا آغاز ہے نہ کہ انجام

خلاصہ

فی صد

۰۵

یہودیوں کی آبادی

۱,۱۸,۰۰,۰۰۰

ایک کروڑ اٹھارہ لاکھ

آبادی عالم

۴۰,۰۰,۰۰,۰۰۰

دو ارب چالیس کروڑ

یادِ فتگان

علی اختر مرحوم

ایک غم دوسرے غم کو تازہ کر دیتا ہے، اور ایک بات دوسری بات کو یاد دلا دیتی ہے، علی اختر مرحوم کا ذکر لکھا تو حافظہ نے اب سے ستائیس سال پہلے کی یادداشت کے اوراق اٹھ دئے اور اُس زمانہ کی ایک ایک یاد اور ایک ایک صحبت نگاہوں کے سامنے مجسم ہو گئی!

۱۹۲۸ء میں سب سے پہلے میرا حیدرآباد دکن جانا ہوا تو شروع شروع میں کئی مہینہ مولانا مفتی عبدالقادر صاحب بدایونی کے ساتھ ہمانداری اور دعوتوں میں گزرے، مولانا موصوف بدایون چلے آئے تو مرتضیٰ احمد صاحب انصاری وکیل ہائی کورٹ کے بنگلہ میں میرا قیام رہا، وہ اُس زمانہ میں جام باغ میں رہتے تھے، خاصاً آرام دہ مکان تھا، ان کی آمدنی اور حالات کا جزو و مدبڑا پُر لطف تھا، کبھی روپیہ کی وہ ریل پیل کہ جیسے آسمان سے ہُن برس رہا ہے اور کبھی "خشک سالی" کا سماں! انہی دنوں مولانا حمید الدین قمر فاروقی سنبھلی سے ملاقات ہو گئی، قمر صاحب نے ابھی تک "ادارہ شرقیہ" قائم نہیں کیا تھا، صدر محاسبی میں ملازم تھے اور جدید ملک پیٹ کے سرکاری کوارٹرز میں رہتے تھے! ان سے اتنا ربط ضبط بڑھا کہ انصاری وکیل کے بنگلہ سے اٹھکر انہی کے یہاں آگیا چند دن ہمانی میں گزرے، پھر شتر کہ میں (MESS) کا بندوبست ہو گیا، کئی دوست مل کر کھانا کھاتے تھے، سنتے کا زمانہ، یار دوستوں کا جب گھنٹا بے تکلفی کی صحبتیں، حزب مزے سے گزرتی تھی!

مولانا قمر کے یہاں ایک دن اُن کے ایک دوست آئے، اُن کے ہاتھ میں بہت سے رسالے دیکھ کر میں نے پوچھا تو بولے :-

"علی اختر صاحب کے یہاں سے یہ رسالے لایا ہوں، رسالے والے تو اُن کے فریڈ ہیں۔"

اے مولانا حمید الدین قمر فاروقی سنبھلی ضلع مراد آباد کے رہنے والے ہیں، اور دیوبند کے فارغ التحصیل عالم! پنجاب یونیورسٹی کے "مولوی فیضل"، حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے خاندانی نسبت رکھتے ہیں، حیدرآباد دکن میں ان کے قائم کردہ "ادارہ شرقیہ" نے برسوں علوم شرقیہ کی خدمت انجام دی اور سینکڑوں طلباء کو ادیب فاضل اور منشی فاضل بنا دیا، فن تعلیم اور درس و تدریس میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں، سیر چشم اور حوصلہ مند دوست ہیں، تعداد از دو واج کے معاملہ میں "بھلاست ایگٹ" کے عملی مخالف بلکہ "قانون شکن"؛ تقسیم ہند کے بعد سے دکن کی جمیعتہ علماء کی زمام کار کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

جناب علی اختر کی نظمیں رسالوں میں پڑھی تھیں مگر یہ اسی دن معلوم ہوا کہ وہ اسی محلہ (جدید ملک پیٹ) میں رہتے ہیں اور ہمارا ان کا ابھی تک "چراغ تلے اندھیرا" والا معاملہ ہے! اس کے بعد میں علی اختر مرحوم کے یہاں پہنچا، ملے اور بڑے تپاک سے ملے بس پھر مسلسل ملنا جلنا ہوتا رہا، اور تعلقات بڑھتے اور استوار ہی ہوتے چلے گئے! یہ وہ زمانہ تھا کہ میری نوبت مشقی کا دور ختم ہو چکا تھا اور دوسرے دور کو شروع ہوئے بھی دو تین سال گزر چکے تھے اس وقت میری شاعری کا یہ رنگ تھا :-

میں محو خودی ہوں کہیں ایسا تو نہیں ہے اپنے پہ مجھے یار کا دھوکا تو نہیں ہے
ہاں! ماہرِ ناشاد سے کچھ تم نے کہا تھا تم بھول گئے ہو، کہیں ایسا تو نہیں ہے
اور اس دور میں شاہیر شعراء اور اہل فکر و نظر کی صحبت سے استفادہ کا ارادہ کئے بغیر بھی کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچ جاتا ہے، علی اختر مرحوم اپنی تازہ غزلیں اور نظمیں مجھے سُناتے اور اپنی محبت سے میرا تازہ کلام بھی فرمائش کر کے سنتے، ایک بار میں نے اپنی نئی غزل سُنائی، جس کا مقطع تھا :-

حیات ماہرِ حزیں رہین دردِ عشق ہے
وگر نہ مشرتِ فاک کی اساس کیا نمود کیا ہے

میری اس غزل کی انہوں نے بہت تعریف کی، نیاز فتحپوری ان دنوں بلدہ حیدرآباد آئے ہوئے تھے، ان سے بھی میری اس غزل کا تذکرہ کیا، علی اختر مرحوم کی حوصلہ افزائی نے مجھے ابھارا اور میں نے یہ غزل رسالہ "ہمایوں" میں چھپنے کے لئے بھیج دی اور دوسرے ہمینہ ہی میری غزل "ہمایوں" میں شائع ہو گئی!
ایک بار انہوں نے اپنی ایک سلسل غزل :-

"سحر کل رات کو — خیر و شر کل رات کو"

سُنائی، اس کے بعد میں نے اسی زمین میں غزل کہی اور ہمایوں میں یہ چھپ بھی گئی "ہمایوں" میں میری اس غزل کو پڑھ کر علی اختر صاحب بولے :-

"بھئی! تمہاری غزل خوب رہی، مگر میں نے اپنی غزل اس کے بعد چاک کر دی، کیونکہ جو کچھ میں نے کہا تھا، وہ سب تم نے اپنی غزل میں بیان کر دیا..."

علی اختر مرحوم کا مکان میرے گھر سے بہت قریب تھا، ایک فرلانگ سے بھی کم، دن رات ان کے یہاں اٹھنا بیٹھنا رہتا، اس دلچسپی اور ہم جلیسی میں "برج" کا شوق بھی شامل تھا، تاش کھیلنے کی آج کل جیسی لت، حضرت بگڑ مراد آبادی کو ہے، اتنی تو نہ تھی مگر علی اختر کے یہاں بعض دن آٹھ آٹھ دس دس گھنٹے مسلسل "برج پارٹی" کا جواؤ رہتا وہ بڑے انہماک کے ساتھ پتے کھیلتے اور ان کے ساتھی (PARTNER) سے پتے چلنے میں چوک ہو جاتی تو اس پر بہت بگڑتے، اور کبھی کبھار بد مزگی کی نوبت آجاتی، حضرت فانی بدایونی سے حیدرآباد دکن میں میری پہلی ملاقات اس عالم میں ہوئی کہ ہوش بگڑا می ان کو لیکر آئے۔ اور نیاز فتحپوری، علی اختر اور میں "برج" (کٹ ٹورٹ) کھیل رہے تھے!

علی اختر مرحوم پر سوز انداز میں ترنم سے شعر پڑھتے، مشاعروں کے وہ مرد میدان شروع ہی سے نہ تھے، پنڈت

داتا تریہ گئی ایک بار حیدرآباد دکن گئے، ہمارا راجکشن پرشاہ بہادر یمن السلطنت نے ان کے اعزاز میں بڑے دھوم کا مشاعرہ کیا، طرحی مصرعہ تھا :-

۹ ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

اس شاعرے میں وہ شریک ہوئے اور غزل پڑھی، مشاعروں کی ہنگامہ آرائی سے ان کا جی اُٹھتا تھا!

مشہور شاعرہ زہرہ نگاہ کے نانا نواب نثار یار جنگ بہادر مزاج علی اختر کے حقیقی چچا تھے، داغ دہلوی سے تلمذ تھا، حکومت دکن میں کلکٹر تھے، بڑے دوست نواز، ملنسار، خوش مزاج اور خود دار! ان کا دیوان "کیفیات مزاج" چھپ چکا ہے جس پر میرا مقدمہ ہے نواب صاحب مرحوم سے میرے اس قدر محبت و خلوص کے روابط تھے کہ اسے "مثالی دوستی" کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا، نواب صاحب مرحوم اور علی اختر کے درمیان کئی سال سے کشیدگی تھی، میری کوشش سے یہ کھچاؤ اور تناہنی دور ہوئی، اور چچا اور بھتیجے میں بلاپ ہو گیا۔

اب سے چند دن قبل ایک رسالہ میں علی اختر کو باغ سنبھلی کا فرزند لکھا ہوا دیکھا یہ التباس ضمنی ہنگامہ کر تخلص (باغ) کے سبب ہو گیا، وہ باغ سنبھلی کے نہیں سید کاظم علی باغ کے بیٹے تھے، باغ مرحوم کو جہاں استاد داغ دہلوی سے نسبت تلمذ تھی، سادات کا یہ خاندان مغلیہ بادشاہوں کے دور میں سبزیوار سے ہندوستان آیا اور مغلیہ حکومت نے کاسی گنج ضلع اینہ کے قریب دو تین گاؤں ان کو جاگیر میں عطا کئے، سید کاظم علی باغ کی پیدائش علی گڑھ میں ہوئی ریاست رامپور اور ریاست گوالیار سے ملازمت کا تعلق رہا، پھر دکن چلے گئے، وہاں ٹھیکیداری کرتے تھے، داغ کے رنگ میں کامیاب غزل گو تھے، مشائے میں بڑے ٹھٹھٹ کے ساتھ غزل پڑھتے، خوش طبع، خوش لباس، خوش خوراک اور شاہ خرچ تھے، علی اختر مرحوم کا مولد رامپور ہے، حیدرآباد دکن جب وہ یو۔ پی سے گئے ہیں تو میٹرک پاس کر چکے تھے، ان کی ملازمت کی ابتدا محکمہ آبکاری سے ہوئی، مدرس میں (غالباً) فریننگ حاصل کی اور پھر محکمہ آبکاری کے انسپکٹر ہو گئے، اس محکمہ میں "دست غیب" کے قدم قدم پر واقع تھے، وہ چاہتے تو ہزاروں ہمیں کھوں روپے پیدا کر لیتے مگر وہ اس دلدل میں کنول کی طرح رہے، حالانکہ وہ کثیر الاولاد تھے اور تنخواہ میں کسی طرح گزر نہ ہوتی تھی، اکثر پریشان بلکہ قلاش رہتے۔ ان کی درد انگیز نظم — فاقہ کی ایک شام — اسی زمانہ کی یادگار ہے، اور یہ جاگ بیتی نہیں سچ سچ آپ بیتی ہے!

حیدرآباد دکن میں ہوش بلگرامی مرحوم (نواب ہوش یار جنگ) سے علی اختر مرحوم کا بڑا یارانہ تھا، ہوش صاحب نے بھی اپنی دوستی کا حق ادا کر دیا، ہوش بلگرامی جس محکمہ (تمییرات) کے مہتمم (سکرٹری) تھے، علی اختر پنشن کے وقت اسی محکمہ میں مددگار مہتمم (اسسٹنٹ سکرٹری) تھے، ایک ہزار روپیہ ماہوار سے اوپر تنخواہ ملتی تھی، یہ ان کا سب سے زیادہ خوشحالی کا دور تھا، مگر۔

قرار در کف آداد گان نہ گیسر مال

نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غزالی

علی اختر دفتری صلاحیت میں اپنی آپ مثال تھے، قلم کے دھنی اور معاملہ فہم! ان کے لکھے ہوئے مسودوں

میں ادبیت بھی ہوتی تھی، ہوش بگرا می کے مضامین اور ان کے نام سے چھپی ہوئی مثنوی میں علی اختر کی نکر و کاوش کا بہت کچھ ہاتھ تھا، ڈیڑھ دو سال نواب معظم جاہ بہادر کے یہاں مسلسل حاضر باشی رہی اور دس بیس بیس سینکڑوں غزلیں ان کی "نذر" کر دیں!

اُردو دنیا میں علی اختر مرحوم کا تعارف رسالہ "نگار" کے ذریعہ ہوا، ان کی خاصی طویل نظمیں "نگار" میں برسوں چھپتی رہی ہیں، نیاز فچپوری ان کی شاعری سے بہت متاثر تھے، ایک بار نیاز صاحب نے اپنے ایک مضمون میں یہاں تک لکھ دیا۔

"علی اختر آج بھی جوش ملیح آبادی سے زیادہ اچھا شعر کہتے ہیں۔"

اس پر ادبی حلقوں میں خاصی چمکیاں رہیں!

نیاز فچپوری نے حدیث و فقہ کے ضلالت جو طوفان اٹھایا تھا، اس سے شروع شروع میں علی اختر بھی متاثر ہو گئے، مجھ سے کئی بار اس ضمن میں گرم بحث ہوئی مگر اللہ کے فضل سے یہ رنگ بہت جلد اُتر گیا پھر وہ مذہب میں غرق ہو کر رہ گئے، اور رہ کہاں گئے! یوں کہیے ساحلِ مراد تک پہنچ گئے!

جہاں تک مجھے علم ہے، علی اختر مرحوم کو شاعری میں کسی سے تمذد نہ تھا، ان کی ابتدائی غزلوں کا یہ رنگ تھا:

دوبنی ہوئی پاتا ہوں، نبضِ دل دیوانہ

ہلکی سی پھراک جنبش اسے جلوہ جانا نہ!

پھر تغزل میں "نظم" کا رنگ پیدا ہو گیا۔

عوض لہو کے اگر بجلیاں نہ رقصاں ہوں

تو وہ شباب کا اک دم ہے شباب نہیں

علی اختر کو زندگی کی شدید کشمکش سے سابقہ پڑا، ان پر بڑے سخت وقت آئے، اس چیز نے ان کو دنیا سے بہت بیزار کر دیا، ان کی بیسیوں نظموں میں دنیا سے بیزاری کی نمایاں جھلک ملی ہے، اور بعض نظموں میں تو وہ نرے "سوفسطائی" نظر آتے ہیں کہ ان کی نگاہ میں ہر "حقیقت" ایک فریب اور دنیا کی ہر لذت سراب اور ہر تصور و خیال ایک دھوکا معلوم ہوتا ہے! زندگی کے اسی سلسلے کرب نے ان کے جذبات میں مردود و نشاط پیدا ہونے نہیں دیا وہ دراصل ایک مفکر شاعر تھے، اور جذبات پر ان کی فکر کا غلبہ تھا، ان کے کلام میں جذبات ہیں مگر شریفانہ جذبات! سنجیدہ اور متوازن شاعری، بلند افکار، اوپن فضا میں پرواز کرتے ہیں اور کہیں کہیں اتنے بلند ہو جاتے ہیں کہ اقبال کی لے میں لے ملا دیتے ہیں، جوش ملیح آبادی کی نظم "حربِ آغاز" کے جواب میں "قولِ فیصل" بڑے معرکہ کی نظم کہی!

ان کے کلام کے دو مجموعے — اسرار اور انوار — شائع ہو چکے ہیں۔ افسوس ہے پاکستان کے کسی پبلشر کو ان کے مجموعہ کلام کو چھاپنے کی توفیق نہیں ہوئی! ان کے ہزاروں اشعار (نظمیں، غزلیں، رباعیات قطعے) ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں! اس اعتبار سے وہ خوش قسمت تھے کہ اپنے جیتے جی اپنے فرزند نظر حیدر آبادی کی شہرت دیکھ لی! دوسروں کا کیا گلہ کہتے خود ہم ان کے دوستوں اور شناساؤں نے ان کی خاطر خواہ قدر نہیں

اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے، تو محسوس ہوا کہ کتنی بڑی دولت کو ہم ناقدروں نے کھو دیا، ”قد رنمت بعد زوال“
ضرب المثل سچ ثابت ہوئی!

حیدرآباد دکن کی تباہی کے بعد وہ بھی ہجرت کر کے پاکستان چلے آئے، اور یہ سات آٹھ سال کا زمانہ بیماری ہی میں
راہ ان کی صحت کئی برس سے جواب دے چکی تھی آخر میں بینائی تک جاتی رہی، اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے،
کھوں کا آپریشن کرانا چاہتے تھے مگر ڈاکٹر نے کہا کہ ان کی کھانسی کو جب تک آرام نہ ہو جائے، آپریشن خطرہ سے
لی نہیں، ان کی علالت کے دوران میں ایک بار مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بھی بیمار پرسی کے لئے آئے، مولانا
صوف سے ان کی حیدرآباد کی ملاقات تھی، جناب جوش ملیح آبادی ان کے یہاں اکثر آتے رہتے اور اپنی دوستی
آخر وقت تک نباہتے رہے!

مذہب سے تو ان کو ہمیشہ شغف رہا مگر پاکستان آنے کے بعد وہ سر تا پا رکوع و سجود بن کر رہ گئے، کس خشوع و
صنوع کے ساتھ نماز پڑھتے کس عاجزی کے ساتھ دعا مانگتے، فجر کی نماز کے وقت سے جو اوراد و وظائف اور
افل کا سلسلہ شروع ہوتا تو نوبتے جا کر کہیں ختم ہوتا، ان کی نماز دیکھ کر مجھ تن آسان اور آوارہ مزاج کو اپنی بے بی
نماز پر شرمندگی ہوتی اور ان کی حالت پر رشک آتا، شاعروں میں ایسی خشیت اور توجہ الی اللہ کم لوگوں کو نصیب
ہوتی ہوگی!

میں جب بھی جاتا، مجھے دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے، اور گھنٹوں گفتگو رہتی، میں جانے کے لئے جلدی کرتا تو
صرار کر کے روک لیتے، ان کے یہاں جانے میں تاخیر ہو جاتی تو دوسروں سے میرا تذکرہ کرتے اور میرے آنے کے
منتظر رہتے، ان سے آخری ملاقات ان کے مرنے سے دس بارہ دن پہلے ہوئی! نظر حیدرآبادی نے اپنے یہاں
سیر سے آنے کے لئے کہا، ہناری کی دعوت تھی، میں ان کے یہاں آٹھ بجے کے بعد پہنچا، حیدرآبادی ذائقہ کی
ہناری کھائی، پھر میں علی اختر مرحوم کے کمرے میں آ گیا، نوبتے ہوں گے مگر وہ ورود وظائف میں مشغول تھے، اس سے
باغ ہوئے تو ناشتہ کے لئے آواز دی، ناشتہ آنے میں ذرا سی تاخیر ہوئی، تو آئے ہوئے ناشتہ کو پھر دیا، مریض
طبیعت یوں بھی نازک ہوتی ہے اور وہ تو شاعر بھی تھے! اندر سے اصرار ہوا تو پھر ناشتہ کیا، دودھ میں کورن فلیک
CORN FLAKES) بھیگے ہوئے، یہ ان کا ناشتہ تھا! کہنے لگے معذہ جواب دے گیا ہے۔ پھر مجھ سے
محبت آمیز شکایت کی:-

”ماہر بہت دن کے بعد آئے۔“

تو ن باتوں میں کہنے لگے:

”اس جوش (ملیح آبادی) سے میں نے بارہا کہا ہے کہ خدا کے بندے اب تو توبہ کرنے کی راہ رست

پر آ جا۔“

میں نے کہا حضرت علیؑ کی شان میں تو وہ نصیدے کہتے ہیں مگر خدا کا اور اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اس پر وہ
رک کر بولے: ”یہ رخص ہے!“ اتنے میں ان کے شاگرد سالک صاحب آ گئے۔

چلتے وقت مجھ سے دوبارہ جلد آنے کا وعدہ لیا، میں سوچتا ہی رہا کہ آج جاؤں، کل جاؤں، اسی عرصہ

میں صبح سویرے اخبار میں ان کی موت کی خبر پڑھی جو غیر متوقع نہ تھی، مگر دل کو دھچکا لگا، اسی وقت ان کے یہاں پہنچا، چند اجباب تعزیت کے لئے آئے ہوئے تھے، نظر حیدر آبادی اُداس بیٹھے تھے اور راعناب مراد آبادی رو رہے تھے، اُن کا کمرہ بند تھا، اب میں دستک کیوں دیتا، جن سے ملنے کے لئے آیا کرتا تھا، وہ ہمیشہ کے لئے اس مکان ہی سے نہیں اس دنیا سے جا چکے تھے پتھی ارگیا اور پتھرے کو لوگوں نے پیوند زمین کر دیا۔ رہے نام اللہ کا (اللہ اعلم) جانے والے! تجھ پر اللہ کی رحمت ہو، ہم بھی تیرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں، بس اوپر سویر کا معاملہ ہے، منزل سب کی یہی ہے، اللہ تعالیٰ ایمان کے ساتھ اُٹھائے اور آخرت کی رسوائی سے بچائے (آمین)

ہندوستان کے ممتاز دینی و علمی ماہنامہ "الحرم" میرٹھ کی اشاعتِ خاص

حضرت مدنی نمبر

میرٹھ قاضی زین العابدین میسرٹھی مدیر الحرم

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مقدس زندگی کے علمی، دینی، روحانی، اور سیاسی پہلوؤں پر محققانہ و بصیرت افروز مضامین و مقالات۔

قرآن و حدیث و فقہ و سلوک و معرفت کے جواہر نواز اور پرستل جہت مدنی کے غیر مطبوعہ خطبات و مکتوبات حضرت مدنی کے شیوخ عظام و رفقاء کرام، خصوصاً اکابر علماء دیوبند کے روح پرور اور ایمان افروز حالات و واقعات۔

حضرت مدنی کی شان میں ممتاز شعرا کے وجد آفریں نغمات یہ سب کچھ آپ الحرم کے حضرت مدنی نمبر کے تابناک صفحات پر ملاحظہ فرمائیں جو عنقریب مطلع صحافت پر طلوع ہو کر اہل نظر کی نگاہوں کو نور اور اہل دل کے دلوں کو سرور بخشنے والا ہے۔

"الحرم" کے "حضرت مدنی نمبر" کی خصوصیت یہ ہوگی کہ اس کے اکثر مضامین حضرت مدنی کے محترم رفقاء (اساتذہ دارالعلوم دیوبند) کے قلم سے لکھے ہوئے ہوں گے۔ نیز اس میں اشتہارات کی بھرمار نہ ہوگی۔ کتابت و طباعت سرورق الحرم کی روایات کے مطابق نظر افروز دیدہ زیب قیمت۔ ایک روپیہ ۵۰ روپے تک شائع ہو جائیگا اور الحرم کے مستقل خریداروں کو مفت پیش کیا جائیگا۔ آج ہی تین روپیہ سالانہ چندہ اور ۸۰ روپے وصول کرنا بھیج کر اپنا نام الحرم کے مستقل خریداروں میں درج کر ایسے تاکہ آپ کا دامن آرزو اس دینی ذروت سے محروم نہ رہ جائے۔ ایجنٹ صاحبان و تاجران کو کم از کم دس روپوں پر ۲۰ فیصد کمیشن دیا جائے گا۔ فوراً نقد و مطلوبہ سے مطلع فرمائیں اور نصف رقم پیشگی بھیج دیں۔

پاکستان میں ارسال درکار پتہ: مینجر کوثر بک ڈپو ایجنسی C/11 شاہ کالم باکس لاہور
خط و کتابت و ارسال درکار پتہ: مینجر الحرم۔ قاضی واڑہ میرٹھ

نعتِ رسولؐ

خود خدا بھی ہے ثنا خوانِ رسولِ عربیؐ
 دل کو ہو جائے جو عرفانِ رسولِ عربیؐ
 سارے عالم پہ ہے احسانِ رسولِ عربیؐ
 تھام لے گوشہٴ دامنِ رسولِ عربیؐ
 کس نے دیکھے ہیں غلامانِ رسولِ عربیؐ
 کس قدر عام ہے فیضانِ رسولِ عربیؐ
 مسکراتے ہیں گدایانِ رسولِ عربیؐ
 ہم پہ ہے سایہٴ دامنِ رسولِ عربیؐ
 حق کا فرمان ہے فرمانِ رسولِ عربیؐ
 وہ جو ہیں بے سرو سامانِ رسولِ عربیؐ
 دل وہ ہے جس کو ہو ارمانِ رسولِ عربیؐ

اے زبے و تبہ و شانِ رسولِ عربیؐ
 دیکھ سکتی ہے نظرِ جلوہٴ عرفانِ خدا
 سارے عالم نے کیا کسب سوادت اُن سے
 پھوڑ دے آرزو دولتِ دارین اے دل
 زندگی میں بھی وہ آزادئی انسان کے امیں
 ان کے مرہونِ کرم ہم سے گنہگار بھی ہیں
 کھلا ہی ہے سرفراز شہنشاہوں کی
 ہم کو خورشیدِ قیامت کا نہیں ڈر کوئی
 ہی فرماتے تھے جو حکمِ خدا ہوتا تھا
 تمہیں کون و مکاں کی ہیں انھیں کو تو نصیب
 سروہ ہے جس میں ہو سودائے محبت ان کا

یاد وہ لفظوں میں ہے اظہارِ عقیدتِ محمود
 کب مرے شعر ہیں شایانِ رسولِ عربیؐ

ماہرِ لقلہ

نعمت کی شریعت اور محکم ہوتی جاتی ہے
 طلوعِ ہر سے خود جذبِ شبنم ہوتی جاتی ہے
 آپ کیا آئے کہ حق کا بول بالا ہو گیا
 ساری دنیا میں اُجالا ہی اُجالا ہو گیا

یہ بزمِ آبِ گلِ جتنی کہ برہم ہوتی جاتی ہے
 قیامت میں مری فردِ عمل پر ہے نظر اُن کی

گل و بلبل کو رُسوا دیکھتا ہوں
 پر شاہین شکستہ دیکھتا ہوں
 دلوں میں بھی اندھیرا دیکھتا ہوں
 فقط دھوکا ہی دھوکا دیکھتا ہوں
 کہ میں تو اصل اشیاء دیکھتا ہوں
 مذاقِ اہلِ دنیا دیکھتا ہوں

گلستاؤں کو صحرا دیکھتا ہوں
 ملی ہے کرگسوں کو شاہبازی
 نغصا پر تیسرگی سی پھا رہی ہے
 جہاں تک کام کرتی ہیں نگاہیں
 تلاش کو بھلا کیوں حسن کہدوں
 منزل پر ہے معیارِ ترقی

تری گلی کا جو انسان غبار ہونہ سکا
 خکار کونا تو چالو، لٹکار ہونہ سکا
 وہ شاکی ستم روزگار ہونہ سکا
 قدم بڑھا ہی دئے گا غفلت ہونہ سکا

بندوں کا تصور بھی کر نہیں سکتا
 طلسمِ رنگ و بہارِ نشاط نے مجھ کو
 جسے یقین تھا حاصل کسی کی رحمت کا
 سنبھ میں آگیا رستہ تو بے قرار ہوئے

تفتیق احمد

موسیٰ قادری

شیطان کا اعترافِ شکست

① اس کی تخلیق پہ تھا ناز خدا کو کتنا
ایک بے نور سابت جسمیں لطافت و جمال
اور اس پیکر گل پر یہ تفاخر یہ غرور
اس کو سمجھا کیا وہ اپنی خدائی کا کمال

② بس کہ استادِ ملائک تھا بڑا عالم تھا
اس نئی خلق کی عظمت کو نہ مانا میں اتے
اس قدر علم و عبادت پہ مجھے غرہ تھا
حکیم خالق کی حقیقت کو نہ جانا میں نے

③ میں تو سمجھا تھا ابھی عقل ہے ناقص اسکی
میری تدبیر بہر گام گرائے گی اسے
اس کے قدموں پہ جھکانی تھی فرشتوں نے جسیں
اسکی طینت مرے قدموں پہ جھکے گی اسے

④ بندہ اللہ کا اللہ کا ہمسر بن کر
نکر سے اپنی تراشے گائے ماہ و نجوم
اک طرف قدرتِ خالق کا بھی مست کر ہوگا
اک طرف یہ بھی کہے گا وہ ہے حق و قیوم

① میں نے سوچا تھا یہ منی کا ہیولا! انسان
ذہنِ یزداں کے تخیل کے سوا کچھ بھی نہیں
صرف معصوم فرشتوں کو تھا حیراں کرنا
ورنہ تخلیق کا مقصود تھا کیا کچھ بھی نہیں

② پھونک دی روح تو جنت کی سکونت بخشی
جنسِ ناچیز کو مسجودِ ملائک بھی کیا
خاص کر علم ہر اک چیز کا بخشا اس کو
پھر کہا ارض پہ یہ ہوگا خلیفہ میرا

③ کیا خبر تھی کہ مجھے راندہ درگہ ہو کر
ابنِ آدم کے مقابل ہی پھر آنا ہوگا
آخری عمر میں انسان کی سیارے طیفیل
اپنی آنکھوں سے مجھے خون بہانا ہوگا

④ میں نے سوچا بھی نہ تھا اصل حقیقت کیا ہے
یہی انسان خدا کا بھی نہ تامل ہوگا
اور قدرت کا اڑائیگا یہ منس منس کے مذاق
اپنے خالق کا بھی اک روز مخالف ہوگا

⑤ فکرِ شیطان نے انسان سے کھائی ہے شکست
اس نے کھولا ہے مری عظمت و شوکت کا بھرم
اس کے قدموں پہ جھکاتا ہوں ندامت سے جسیں
آج کھاتا ہوں میں انسان کی عظمت کی قسم

گل صد برگ

توفیق جہد پائیں جو عزمِ جواں سے ہم
اٹھے اگر تو مر کے اٹھیں گے یہاں سے ہم
ایشا رہی سے عشق کا پرچم بلند ہے
یارانِ قافلہ تو رفاقت نہ کر کے
اذنِ کلامِ پاکے بھی تابِ سخن نہیں
اس سادگی کی داد کوئی ہسربان لے

ذروں کو زومشناس کریں کہکشاں سے ہم
یہ عہد کر چکے ہیں ترے آستان سے ہم
بے گانہ ہیں تصویرِ نمود و بزیاں سے ہم
اب کھیلتے ہیں گریزِ پس کارواں سے ہم
گویا حضورِ حسن میں ہیں بے زباں سے ہم
امیدِ لطف رکھتے ہیں ناہرِ باں سے ہم

ماحول سازگار نہیں پھر بھی لے عروج
رکھتے ہیں عشقِ خدمتِ اردو زباں سے ہم

کوثر اظہری

کوثر! نہ اگر دل میں ہوتا بس ایشانی
دل میں تو آتش ہے آنکھوں میں مگر پانی
شیشہ ہو کہ پیما نہ وہ رقص ہو یا نغمہ

چارہ گر غم کب ہے دھواے مسلمان
کیا جائے کیا شے ہے سوزِ غم پہنسانی
اسبابِ تباہی ہیں اسبابِ تن آسانی

مرزا وسیم بیگم

کچھ نہ کچھ تو دل کے پہلانے کی صورت چاہیے
دونوں عالم ہیں ترے ہی واسطے تیرے لئے
آدمی سے کیا نہیں ہوتا یہ ایسا ن وعمل
شکوہ کو تباہی پر واز کیوں کرتے ہیں لوگ

کوئی افسانہ یہ عنوانِ محبت چاہیے
مانگنے والے ذرا دامن میں وسعت چاہیے
آدمی کیا کر نہیں سکتا ہے جرات چاہیے
بال و پر کیا چیز ہیں اے دوست ہمت چاہیے

قمر جلالی

یہ حقیقت ہے کہ فرق اس میں ہر ٹو بھی نہیں

جس قدر ہم ہیں پریشاں ترے گیسو بھی نہیں

اشک رامپوری

اک دن وہ مل گئے تھے ہر رہ گزر کہیں

پھر دل نے بیٹھنے نہ دیا عسر بھر کہیں

حسرت ترمذی

کوئی نہیں، کوئی بھی نہیں، کوئی بھی نہیں

اے شامِ بیکسی! مری منزل تو دیکھنا

اقبال شاہد

بیاں کرتی رہی رازِ ہنسانی
وطن کی صبح ہے کتنی فروزاں
شہیدانِ وطن کے خون سے ہے
عطا کر یا الہی وہ خموشی
میرا آہ سچ گائی سے شاید

زبانِ بے زباں کی بے زبانی
وطن کی شام ہے کتنی ہنسانی
قبائے لالہ و گل اور عوانی
کرے جس کی تمتا خوش بیانی
بھوک اٹھے حرا غ زنگانی

غزلیں

تیری طرف بھی کرنے کے التفات ہم
تجھ سے جو کہہ گئے تھے کبھی ایک بات ہم
ہر چند پا گئے تیرے غم سے نجات ہم
ان کے حضور کہہ نہ سکے دل کی بات ہم

کیا کیا تھے مجھ لذت جو حیات ہم
یاروں نے اُس کے لاکھ فسانے بنا دیے
آلام روزگار سے فرصت نہ مل سکی
مردمی جواب کا کھٹکا لگا رہا

تیری محفل سے بادہ خوار چلے
ہم بھی کچھ دن یہاں گزار چلے
اب نسیم و صبا ہزار چلے
جو تری یاد میں گزار چلے
جس طرف تیرے خاکسار چلے

جام و مینا سنبھال رکھ ساتی!
یا درکھیں گے ہم کو اہل چمن
غنچہ دل میں وہ نمونہ رہی
لے خوشا زندگی کا وہ حصہ
خلق نکلی ہے پیشوائی کو

مجھ سے قسمت نے یوفانی کی
کس کو اُمید تھی رہائی کی

کیا شکایت تری جُدائی کی
دل قفس میں نہ کس طرح لگتا

عنوان چشتی

ہر اک پردہ جہاں میں پردہ محفل نہیں ہوتا
جو اپنے فرض کی تکمیل سے غافل نہیں ہوتا
بجنور میں ڈوب جانا تو کوئی مشکل نہیں ہوتا
محبت کا کبھی تار ایک استقبال نہیں ہوتا

ہر اک دل کیفیاتِ عشق کا حامل نہیں ہوتا
وہ انساں کا مگارِ زیست ہو جاتا ہر دنیا میں
بہت و شوار ہے لے نا خدا موجوں سے مکرانا
محبت کے اندھیروں سے نہ گھبرانا کبھی عنوان

یہ اور بات کہ آندھی میں بھی چراغ بیلے
رہ حیات میں انساں بہ احتیاط چلے
سکوں ملیگا اسے خاک گیسوؤں کتلے

غم حیات نے یورش تو کی محبت پر
قدم قدم پہ نشیب و فراز ملتے ہیں
چسے نہیں ہے غم روزگار سے فرصت

اگر مجبور سے بڑھ کر کہیں مختار ہو جائے
مگر بھکو یہ دھن ہے زندگی بیدار ہو جائے
اگر احساس ہو تو ہر نفس تلوار ہو جائے
وہ کوشش کر کہ اک اک خار خلد آثار ہو جائے
وہ انساں کیا جو غم میں زیست سے بیزار ہو جائے

یہ انساں اور بھی انسانیت بیزار ہو جائے
فرا رکھے تری زلفوں کے سائے خواب آوریا
حوادث ہی کو ہم نے تازیانہ کس لئے سمجھا
گستاخ کے فقط نقشے بدل دینے سے کیا ہوگا
ہجوم غم میں عنوان مسکرانا چاہیے تم کو

سُوحِ اِنْتِخَابِ

(لاہور کا بین الاقوامی کلوقیم)

اس مجلس مذاکرہ کے انتظام میں زیادہ تر وہی لوگ دخیل تھے جو مغرب، اُس کی اقدارِ حیات، اس کے افکار و تصورات اس کی طرزِ معاشرت، اور تہذیب و تمدن سے نہ صرف مرعوب ہیں بلکہ مغلوب بھی ہیں۔ ان حضرات کے خیالات کچھ ڈھکے چھپے نہیں کہ ملک کے باشندے ان سے ناواقف ہوں۔ ان کی "تجدد پسندانہ" کوششیں سب لوگوں کے سامنے ہیں۔ اس لیے اس ملک کے عوام یہ سوچنے میں بالکل حق بجانب تھے کہ یہ لوگ جس مجلس مذاکرہ کو ترتیب دے رہے ہیں اُس میں یہ اور اُن کے مغربی رفقاء بل جل کر اسلام اور مسلمانوں کے لیے کچھ نئے نئے کھڑے کریں گے۔

پھر ان حضرات نے شروع ہی سے جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ بڑا غیر دانش مندانہ تھا۔ انہوں نے اس کلوقیم میں بہت سے ایسے لوگوں کو بالکل نظر انداز کر دیا جو اسلام پر اتھارٹی کے ساتھ گفتگو کرنے کے اہل ہیں اور اُن کی جگہ ان لوگوں کو مدعو کیا گیا جو اسلام کے علم سے کورے اور اپنے گمراہ کن نظریات کی وجہ سے مسلم قوم میں اچھے خاصے بدنام ہیں۔ اگرچہ کلوقیم کمیٹی کے ایک دو صحیح انجیال ارکان نے اُنہیں اس غلطی سے روکنے کی کوشش کی، اور انہیں اسلام کے صحیح اُمنادوں کو بلانے کا مشورہ دیا، مگر اختیارات جن کے ہاتھ میں تھے وہ اپنی اسکیم بدلنے پر راضی نہ ہوئے۔ ان کے پیش نظر تو یہ مظاہرہ کرنا تھا کہ پاکستان کے اندر بھی اور باہر بھی دنیا بھر کے مفکرین اسلام کا ایک نیا ایڈیشن تیار کرنے پر متفق ہیں۔

یہی چیز مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرنے کے لیے کم نہ تھی کہ اس پر ایک اور حماقت یہ کی گئی کہ چودھری ظفر اللہ خاں کو بھی مجلس مذاکرہ میں شرکت کی دعوت دے دی گئی۔ اس کے بعد تو یہ ممکن ہی نہ رہا کہ اس مجلس کے حق میں عام لوگوں کے اندر کسی حسین ظن کی گنجائش باقی رہ جاتی۔

کلوقیم کے افتتاح کے موقع پر صدر ریاست نے جن خیالات کا اظہار کیا وہ عام مسلمانوں کے لئے مزید غم و غصے کے محرک ثابت ہوئے۔ صاحبِ صدر نے تجدد پسندوں کا وہی پُرانا ہتھکنڈا استعمال کیا جو اس مشرب کے لوگوں کا چلتا ہوا داؤں ہے کہ ایک طرف اسلام کی "ترقی پسندی" کو خوب دل کھول کر داد تحسین دی جائے اور دوسری طرف اُس "ملا" کو آڑے ہاتھوں لیا جائے جو اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کرنے میں سب سے بڑی مانع قوت ہے۔ یہ ٹھٹھولے لوگ سامنے آکر خدا اور رسول کی تعلیمات کے کچھ کہنے کی توجہات نہیں رکھتے البتہ اپنے دل کی بھر اس علماء کو ہٹ بنا کر وقتاً فوقتاً نکالتے رہتے ہیں۔ وہ دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اسلام

اور مسلمانوں کے لئے یہی لوگ اصل وجہ مصیبت ہیں، حالانکہ اسلام آج جتنا کچھ بھی باقی ہے، اپنی علماء کی کوششوں، قربانیوں اور محنتوں سے باقی ہے، ورنہ غیر ملکی سامراج کے آگے جو لوگ نقد دل و جان ہار چکے تھے، اور جنہوں نے اپنی دنیا بنانے کے لئے مغربی آقاؤں کی چاکری ہی نہیں ذہنی غلامی تک قبول کر لی تھی ان کے ہاتھوں دین کا جناح کبھی کاٹھ چکا ہوتا۔ یہ بات تو ایک معمولی عقل کا انسان بھی سوچ سکتا ہے کہ دین اگر اس سر زمین میں باقی رہا ہے تو ان لوگوں کی بدولت رہا ہے۔ جنہوں نے مسجدیں آہا دکھیں، جو قرآن اور حدیث پڑھتے پڑھاتے رہے، جن کی زبانیں خدا اور رسول کے ذکر میں شب و روز مشغول رہیں، نہ کہ ان لوگوں کی بدولت جنہیں کبھی جمعہ کی نمازوں تک میں نہ دیکھا گیا، جن کے گھر میں جانناز تک نہیں پائی جاتی، بلکہ جن کے گھروں میں کوئی یہ بتانے والا تک نہیں ملتا کہ سمت قبلہ کدھر ہے۔ اس قسم کے لوگ جب اسلام کی ترقی کا ڈھنڈورا پیٹنے کیلئے ملتا پڑے ہیں تو عام مسلمان لازماً اس سے یہ اثر لیتے ہیں کہ شاید یہ حضرات کچھ اسی طرح کا ایک نیا اسلام بنانا چاہتے ہیں جس کی شان ان کی اپنی زندگیوں میں نظر آتی ہے، اور ملتا پڑے سارا غصہ اس لئے آ رہا ہے کہ یہ کم نجات اس راستے میں حائل ہے۔

صدر محترم کی بات اس وجہ سے اور بھی عام مسلمانوں کو ناگوار گزری کہ اسی موقع پر نہیں، اکثر مواقع پر جب وہ ملتا پڑے ہستے ہیں تو "مجہد" اور "ذکر" حضرات کو بھول جاتے ہیں۔ ان کی زبان سے آج تک کبھی یہ سننے میں نہیں آیا کہ اس مذہبی طبقے کا بھی قصور ہے یا نہیں۔

اس مجلس مذاکرہ کا انتظام و انصرام جن ہاتھوں میں تھا انہوں نے بھی نہایت گھٹیا ذمہ داری کا مظاہرہ کیا۔ ایک تو انہوں نے اس کلوریکم میں بعض ایسے مقالات پڑھنے کی اجازت دے دی جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے متصادم تھے دوسرے انہوں نے محض دوستی اور دھڑے بندی کی وجہ سے ایسے لوگوں کو بھی مدعو کیا جن کی اسلام شناسی کا یہ حال تھا کہ قرآن پاک کی آیات تک صحیح نہ پڑ سکتے تھے۔ اس سے نہ صرف غیر مسلموں کو اسلام کی تضحیک کا موقع ملا بلکہ پاکستان کا وقار بھی سخت مجروح ہوا۔ تیسرے ان حضرات نے جو روش صحیح اسلامی ذہن رکھنے والے اہل علم کے ساتھ اختیار کی وہ سخت ناپسندیدہ تھی۔ نجد پسند اصحاب جو "رطب یا بس" کہنا چاہتے انہیں پورا پورا موقع بہم پہنچایا جاتا اور جب کوئی اللہ کا بندہ ان کے گمراہ کن اذکار پر تنقید کے لئے اجازت طلب کرتا تو اس کے راستے میں مختلف قسم کی مزاحمتیں پیش کی جاتیں۔ کبھی اسے یہ کہہ کر ٹال دیا گیا کہ وقت کی گنجائش نہیں اور کبھی بجلی اور لاؤڈ سپیکر بند کر دینے میں بھی کوئی مشرم محسوس نہ کی گئی۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے حربے ہر اس شخص کی زبان بندی کے لئے اختیار کئے گئے جس نے ان باطل اذکار پر ذرا سختی سے گرفت کی۔

اللہ تعالیٰ کی حکمتیں بھی عجیب و غریب ہیں۔ وہی ذات پاک ہر کام میں اپنی مخصوص مصلحتوں کو جانتی ہے۔ اس کے انداز نزلے ہیں اور انسان کا ناقص ذہن ان کو سمجھنے سے بسا اوقات قاصر ہوتا ہے۔ اس کی حکمت بالذات اکثر اوقات ان چیزوں میں بھی لا تعداد پہلو خیر کے پیدا کر دیتی ہے جن میں بظاہر کسی بھلائی کے آثار نظر نہیں آتے۔ اور کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم کسی چیز میں مہر امر بھلائی دیکھتے ہیں مگر وہ نتائج کے اعتبار سے یکسر بُرائی ہوتی ہے۔

عَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ (البقرہ)

شاید تمہیں ایک چیز بُری معلوم ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں ایک چیز بھلی معلوم ہو اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو۔

عدو مشرک برا بیگزند کہ خیر ماورآں باشد والا معاملہ اس اسلامی مجالس مذاکرہ کا بھی ہوا۔ اُس کی ظاہری شکل و صورت تو یہ تھی کہ اس میں غالب اکثریت غیر مسلم مستشرقین اور تجدد پسند و آزاد خیال مسلمانوں کی تھی اور ان میں ایسے لوگ بہت تھوڑی تعداد میں تھے جن کو صحیح معنوں میں علمائے اسلام کہا جاسکتا ہو۔ اس انتظام سے امیدیں یہی کچھ وابستہ کی جاسکتی تھیں کہ یہاں بین الاقوامی پیمانے پر اسلام کا ایک نیا ایڈیشن اچھی طرح تیار ہو سکے گا اور اس میں "ملا" کی آواز دب کر رہ جائیگی۔ ایسی ہی کچھ نشان دہی صدر محترم کا افتتاحی خطبہ کر رہا تھا۔ پھر ایک غلط فہمی یہ بھی تھی کہ صرف پاکستان کے علماء ہی "تنگ نظر" اور "تاریک خیال" ہیں اور اس بنا پر مغربی اقدار کے راستے میں حائل ہوتے ہیں۔ دوسرے اسلامی ممالک کے اہل علم کا یہ حال نہیں ہے۔ وہ اپنے افکار و تصورات اپنے نظریات و معتقدات کے اعتبار سے بالکل "ماڈرن اور ترقی پسند" ہیں۔ اس لئے جب اسلام کا جدید ایڈیشن اُن کے سامنے پیش کیا جائے گا تو نہ صرف پوری گرم جوشی سے اس کام کا استقبال ہوگا بلکہ یہ لوگ اس کے جاں نثار، فدائی اور پُر جوش مبلغ بن کر جائیں گے اور پھر اپنی حیات ہائے مستعار کے بقیہ لمحات اسی کی تبلیغ و اشاعت میں صرف کریں گے۔ اس طرح پاکستان کے تجدد پسند اصحاب کو ایک طرف دنیا کے اسلام کی قیادت اور رہنمائی کا منصب خود بخود حاصل ہو جائے گا اور دوسری طرف اہل پاکستان پر بھی یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ "یہ دنیا نوی 'ملا' جو چودہ سو سال پہلے کا پرانا اسلام تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے اور تمہیں اس کے اتباع کی ہر وقت نصیحت کرتا ہے اسے تو رارے اسلامی ممالک بھی ترک کر چکے ہیں، آخر تم اس "نفس" کو کیوں اپنے سینوں سے لگائے ہوئے ہو۔ کیوں نہیں اسے دفن کر دیتے اور اس کی جگہ اس اسلام کو قبول کر لیتے جو دانائے فرنگ اور اس کے مقلدین نے تمہارے لئے اختیار کیا ہے؟

مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی حکمتِ بالغہ سے نتائج اس کے بالکل برعکس برآمد ہوئے۔

اس مجلس نے ایک بار اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے کہ اترت مسلمہ بحیثیت امت اسلام کی کبھی ایسی تعبیر کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی جو ماضی سے بغاوت پر مبنی ہو۔ وہ اگرچہ انحطاط میں مبتلا ہے لیکن دین کے معاملے میں اس کی حس ابھی تک بالکل صحیح اور درست ہے اور اس کا ضمیر ہر اس چیز سے ابا کرتا ہے جس سے دین کو نقصان پہنچے۔ اُسے اپنے اسلاف سے گونا گوں محبت اور عقیدت ہے اور اُن کے علمی کارناموں کو وہ نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے، انھیں دریا برد کر دینے پر وہ کبھی تیار نہیں ہو سکتی۔ اس کی نظر میں آج بھی اصل معیار انسانیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی ہے اور جس چیز کے بارے میں اُسے یقین ہو جائے کہ وہ حضور کی طرف سے پہنچی ہے اُسے قبول کرنے ہی میں وہ اپنی اور پوری نوح انسانی کی نجات سمجھتی ہے۔ اُس کا ایمان اسی دین پر ہے جو رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور جس کے بہترین نمونے حضور کے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین تھے۔ قرآن مجید کی وہی تعبیر اُس کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر ہے جس کی تائید سنتِ رسول اور آثار صحابہ سے ہوتی ہو۔ دین میں جس طرح قرآن حکیم کے احکام و حکمت ہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ ثانیہ بھی حجت ہے اور اگر کوئی شخص سنت کو چھوڑ کر صرف قرآن حکیم

کو ماخذ دین فیہر اتاہے تو وہ گمراہ ہے ۔

جن حضرات کو کلوکیم میں جانے کا اتفاق ہوا ہے وہ اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہیں کہ پاکستان کے سوا کسی اسلامی ملک کا کوئی نمائندہ ایسا نہ تھا جس نے اسلام کے بارے میں ان بدیہی حقائق کا اعتراف نہ کیا ہو۔ اس معاملے میں باہر کے مسلم نمائندوں کے احساسات تو یہاں تک نازک تھے کہ وہ کوئی ایسی بات سننے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے جو قرآن و سنت کی مسلم تعلیمات کے خلاف ہوتی تھی، یا جس میں دین کی شکل بگاڑنے کی کوئی جھلک پائی جاتی تھی، حالانکہ وہ بھی اکثر و بیشتر ہمارے پاکستانی نمائندوں کی طرح مغربی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ تھے بلکہ اس معاملہ میں ان سے چند قدم آگے ہی تھے۔ ان سب حضرات نے مختلف ممالک کے نمائندے ہونے کے باوجود جس وحدت فکر کا ثبوت دیا وہ اہل پاکستان کے لئے باعث رشک ہے۔ پاکستان کے چند آزاد خیال لوگوں کی رائے سن کر انھیں سخت تعجب ہوا اور ان کے لئے یہ باور تک کرنا محال تھا کہ کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان بھی کہلائے اور پھر اس قسم کے خلاف اسلام خیالات کا اظہار بھی کرے۔

اس معاملے میں خوشی کے ساتھ غم و افسوس کا پہلو اگر کوئی ہے تو یہ کہ ساری دنیا سے اسلام میں صرف پاکستان ہی تھا جس کی طرف سے یہ بدنام مظاہرہ کیا گیا۔ دوسرے مسلمان ملکوں کے پاس ملاحظہ اور تجدد پسندوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ وہ چاہتے تو اپنے ہاں سے بھی ایسے نمائندے بھیج سکتے تھے۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی دنیا بھر کے سامنے اپنی بُری نمائندگی پیش کرنا مناسب نہ سمجھا۔

شامی اور مصری علماء کے مقالات کو دیکھنے سے ہمیں ایک اور خوشی اس بات کی ہوئی ہے کہ اُن کا اسلام کے متعلق زاویہ نگاہ ہمارے ہاں کے بہت سے روشن خیال اصحاب کی طرح اعتدال پسندانہ نہیں۔ انھیں اسلامی تعلیمات پر پورا پورا ایمان اور یقین ہے اور وہ پورے وثوق سے یہ کہتے ہیں کہ خالص اسلام ہی دنیا کے دکھوں کا مداوا اور علاج ہے وہ اسلامی اور غیر اسلامی اقدار کو ملا کر ایک ملغوبہ تیار کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ وہ اسلام کو ایک ہمہ گیر اور باطل شکن تحریک فکر و عمل سمجھتے ہیں اور اس بات کی پوری توقع رکھتے ہیں کہ اس تحریک کو اب اس دنیا میں ایک غالب قوت کی حیثیت سے سر بلند ہونا ہے، دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس کا راستہ روک سکے۔ اُن کا دین کے بارے میں تصور یہی ہے جس کا دین ہم سے تقاضا کرتا ہے۔ وہ دین کو خالق و مخلوق کے درمیان ایک پرائیویٹ رشتہ نہیں سمجھتے بلکہ ایک ایسا نظام حیات خیال کرتے ہیں جو زندگی کے سارے گوشوں پر حاوی ہو۔ زندگی کا کوئی شعبہ اور گوشہ ایسا نہیں جس کے متعلق یہ دین انسانیت کو رہنمائی نہ دیتا ہو۔

(ترجمان القرآن)

ہماری نظر میں

ارغام ہاڈر بجواب نقشبانی ہر

از:- مولانا مفتی محمد عبدالحفیظ حقانی ضخامت ۲۰۸ صفحات (قیمت درج نہیں) ملنے کا پتہ :- سید سعادت علی قادری مدرسہ انوار العلوم، کچھری روڈ، ملتان شہر۔

”فاران“ کے آغاز اشاعت سے لیکر اب تک صرف دو ”خاص نمبر“ شائع ہوئے ہیں۔ سیرت نمبر اور توحید نمبر۔ اللہ کے فضل سے یہ دونوں ”خاص شمارے“ ہماری توقع سے زیادہ مقبول ہوئے! مشرکانہ رسوم و بدعات کی مسلمانوں میں جو گرم باداری ہے اسے دیکھتے ہوئے ہمارا اندازہ تھا کہ ”توحید نمبر“ شاید ایک مخصوص طبقہ میں پڑھا جائے گا، اس لئے ہم نے پہلے ایڈیشن کے ختم ہو جانے کے بعد دوسرا ایڈیشن ڈرتے ڈرتے چھپوایا، اور اس کے بعد پریس کی جو پلیٹیں ہم نے رکوا دی تھیں، وہ کٹوا دیں، مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا۔ ”توحید نمبر“ ”سیرت نمبر“ سے کہیں زیادہ مقبول ہوا، دوسرا ایڈیشن چھپتے ہی ختم ہو گیا، اور اس وقت سے لیکر اب تک اس کے لئے سینکڑوں آرڈر آچکے ہیں اور ”فاران“ میں ”توحید نمبر“ کے ختم ہو جانے کا اعلان کرنے کے باوجود اس کے لئے فرمائشیں آتی ہی رہتی ہیں!

”توحید نمبر“ کا نقش اول کتابی صورت میں نو شہرہ سے چھپ چکا ہے، ہندوستان میں بھی مدرسہ اس کے ایک صاحب خیر نے ”نقش اول“ کو عین حیدر چھپوایا ہے۔ بنگلور کے ایک ناشر نے ”توحید نمبر“ چھاپنے کی ہم سے اجازت لی ہے! بلابالہ سینکڑوں خطوط ”توحید نمبر“ کی تعریف میں موصول ہوئے ہیں، مگر ہم نے ان میں سے ایک خط کو بھی نہیں چھاپا، ان میں سے بعض خطوط میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ ”توحید نمبر“ پڑھنے سے ہمارے عقائد کی اصلاح ہوگئی! چند خطوط تو ”فاران“ میں چھپنے کے لائق تھے مگر جب ہم ان کو چاک کر چکے، تو اس کا احساس ہوا!

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ اس نے مدیر ”فاران“ اور ”توحید نمبر“ کے فاضل مقالہ نگاروں کی کوششوں کو اس قدر موثر اور مفید بنا دیا، اور شرک و بدعت کے بڑے بڑے ایوان اللہ تعالیٰ کی توحید کے غلغلہ سے ہل گئے! ”توحید“ کی یہ آواز پاکستان اور ہندوستان ہی نہیں افریقہ، بحرین، قطر، سنگاپور، شام، نیواسا لینڈ اور انگلستان بھی پہنچی ہے؟ اسی ”توحید نمبر“ کے نقش اول کا جواب :-

”ارغام ہاڈر“

کے نام سے مولانا عبدالحفیظ صاحب حقانی نے دیا ہے، جو کتابی شکل میں اس وقت ہمارے سامنے ہے! ”ارغام ہاڈر“ کے نام کی عجیبی اور ”ابوہولیت“ ہی سے سمجھ لیجئے کہ لکھنے والے کی فکر کس سطح کی ہے! یہ وہ بزرگ ہیں جو میلاد کی محفلوں میں پیغ جمع کر فرمایا کرتے ہیں کہ وہابی انبیاء اور اولیاء کو ”یا“ کیساتھ پکارنے اور خطاب کرنے پر طنز کرتے ہیں، حالانکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ ”یا“ (یا ایھا الکافرون — یا ایھا الذین آمنوا —) کا استعمال

فرمایا ہے! بس اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ اس قسم کی دانش و بصیرت اور فہم و دانش دینی مسائل کے ساتھ کیا سلوک کر سکتی ہے اور سوچنے کا یہ انداز اپنے اندر کس قدر کبھی رکھتا ہے!

”ارغام ہاذر“ میں جو کچھ کہا گیا ہے، اور جس نقطہ نگاہ اور جن عقاید کی ترجمانی کی گئی ہے، اُن کا مجموعی طور پر یہ توحید نمبر“ میں موجود ہے، مولانا عبدالحفیظ صاحب نے قریب قریب اپنی دلائل کو دہرا دیا ہے، اور انہی عقاید کے اثبات کی ناکام کوشش کی ہے، جن کی تردید ”توحید نمبر“ میں کی گئی ہے!

اہل بدعت کتاب و سنت کے ساتھ جو مذاق کرتے ہیں، اللہ کی کھلی ہوئی آیتوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے جس طرح کھیلتے ہیں اور اپنے مزعمہ عقاید کے اثبات کے لئے آیتوں اور حدیثوں کو جو عجیب و غریب معنی پہناتے ہیں، اس کی بکثرت مثالیں ”ارغام ہاذر“ میں ملیں گی، شرک و بدعت کی حمایت اور اس سے ذوق و شوق رکھنے کا ایک مسلمان پر یہ وبال اس دنیا میں پڑنا چاہیئے کہ کتاب و سنت کا علم رکھنے کے باوجود، اُس کے بعض عقاید و اعمال کتاب و سنت کے مخالف ہوں، اور اپنے پیروں اور استادوں کی بات کو پرجہ ثابت کرنے کے لئے کتاب و سنت کے معانی و مفاہیم کو وہ بالکل الٹ کر رکھ دے!

قرآن کی اس آیت :- ” فاستغاثہ الذی وھو من شیعۃ علیٰ معدوہ“

اس حدیث :- من اغاث ملھوفاً کتب اللہ ثلاثاً و سبعمین مغفرةً — اور

سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ مصیبت کے وقت انبیاء اور اولیاء کی ارواح سے استغاثہ جائز ہے، اور ہم وفات پائے ہوئے بزرگوں کو پکاریں تو وہ قبر و برزخ سے ہماری فریاد اور پکار سن لیتے ہیں اور پکار سنتے ہی امداد فرماتے ہیں، زندگی میں نبی اور ولی کیا، اپنے دوست اور عزیز یہاں تک کہ اپنے لازم سے ایک آدمی مدد چاہتا ہے، مگر اُس دوست کے مرنے کے بعد ہمارے ذہن میں اُس سے مدد چاہتے کا خطرہ بھی نہیں گزرتا، اب کوئی یہ کہے کہ جس طرح ہمارے دوست زندگی میں ہماری فریاد سن کر ہماری مدد کیا کرتے تھے، اسی طرح مرنے کے بعد بھی ہماری مدد کر سکتے ہیں، اور تم ضرورت کے وقت اُن کو پکارو، تو یہ پوری منطق جہالت اور حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صحابہ کرام حضور سے دینی مسائل پوچھتے تھے، غریب اور محتاج لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کرتے تھے اور آپ اُن کی مدد فرماتے تھے، اور کاشانہ نبوت میں جو کچھ موجود ہوتا تھا، مانگنے والوں کو دیدیا کرتے تھے، صحابہ آپ سے دعائیں کراتے تھے، مگر حضور کی وفات کے بعد مدینہ کے محتاج اور فقرا حضور کو امداد کے لئے نہیں پکارتے تھے اور نہ روضہ رسول پر آکر استغاثہ کرتے تھے، اور نہ آپ سے مسائل پوچھتے تھے، اور نہ کسی صحابی کے دل میں اس کا خطرہ بھی گزرتا تھا کہ حضور ہماری فریاد سن سکتے ہیں اور ہماری دستگیری فرما سکتے ہیں، حضور کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعائے استسقاء میں آپ کے توسل کے بجائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا نام لینا، خود اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کی وفات کے بعد دعائیں نبی کی ذات کے توسل کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مناسب نہیں سمجھا! اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضور کو تمام اختیارات عطا فرمادے ہیں، تو ہارش کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی کیا ضرورت تھی، صحابہ کرام کو حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنا چاہیئے تھا :-

”یا رسول اللہ! خشک سالی نے تباہ کر رکھا ہے، آپ سینہ برسا دیجئے“ صحابہ کرام اس قسم کے معاملات میں جن کا اللہ تعالیٰ کے اختیارات سے تعلق ہے، حضورؐ سے ”استغاثہ“ نہیں کرتے تھے، اور نہ حضورؐ کی زندگی میں دور دراز مقامات سے آپ کو پکارتے تھے، اور نہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ہم جہاں سے بھی حضور کو پکاریں گے، آپ ہماری پکار کو سن لیں گے اور نہ حضورؐ کی وفات کے بعد آپ کے مزار پر حاضر ہو کر آپ سے ”استغاثہ“ کرتے تھے یہاں تک کہ دعائیں بھی اللہ تعالیٰ سے آپ کے ”توسل“ کے بغیر ہی مانگتے تھے، ایک وہ عاشقانِ رسول تھے، جو ہر معاملہ میں کتاب و سنت پر نظر رکھتے تھے، اور ایک یہ عشقِ رسولؐ کے مدعی ہیں جن کو سب سے زیادہ لطف کتاب و سنت کی مخالفت میں آتا ہے، اور ”بدعت“ جیسی قابلِ نفرت چیز جس کو حضورؐ نے ”ضلالت“ فرمایا ہے، ان کی نگاہ میں محبوب ترین شے بن کر رہ گئی ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں قبروں پر چراغ جلانے والے پر لعنت فرمائی ہے مگر اس کے جواب میں ”ارغام ہاذر“ کے فاضل مصنف، عبدالغنی نایسی کے والد ماجد کا قول پیش فرماتے ہیں کہ —

”قبروں کے پاس چراغ بدعت ہے اور اتلافِ مال ایسا ہی فتاویٰ بزاز یہ میں ہے، یہ اُس وقت جب کوئی فائدہ نہ ہو، لیکن وہاں اگر سجدہ ہو یا راستہ پر ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو، یا کسی ولی یا عالم کی قبر ہو تاکہ اطلاع ہو جائے کہ یہ ولی ہے، لوگ آکر برکت حاصل کریں، وہاں خدا سے دعا کریں تاکہ قبول ہو یہ روشنی جائز ہے، ممنوع نہیں ہے، اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے“

حضور کے صریح قول کے مقابلہ میں جناب نایسی کے باپ کی یہ تصریح اور نکتہ آفرینی پر کچھ کی برابر بھی وقعت نہیں رکھتی، مگر اہل بدعت کتاب و سنت کے مقابلہ میں اس قسم کے نکتوں، حیلوں اور مغالطوں کو پیش کرتے رہتے ہیں، اور ”سنتِ رسول“ کی اس کھلی ہوئی مخالفت کے باوجود، اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ ”عشقِ رسول“ کا حق ادا کر رہے ہیں!

توحید نمبر کے ”نقش اول“ میں ہم نے لکھا تھا کہ :-

”صحیحین میں بھی ایک واقعہ ملتا ہے کہ جبریل علیہ السلام آدمی کی شکل میں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال و جواب کرتے رہے، اور جب وہ اُٹھ کر چلے گئے تو حضور کو بتایا گیا کہ یہ جبریل تھے“

اس پر تنقید کرتے ہوئے صاحب ”ارغام ہاذر“ فرماتے ہیں :-

”... بالکل غلط جھوٹ، افتراء بہتان، بگو اس خطبہ الحواسی ماہر صاحب صحیحین یا اور کسی کتاب میں یہ واقعہ نکال دو، تو دو سو روپیہ انعام میں دوں گا۔“

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں :-

قال ثم فادبر الرجل فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ردوا على الرجل
فاخذوا ليردوه فلم يروا شيئاً فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا جبريل
جاؤ يعلم الناس دينهم

یہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے دوسرے طریق میں ہے :-

قال ثم قام الرجل فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ردوه على فالتمس

فلم یجدوه فقال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا جبريل اراد ان تعلموا
اذ لم تسالوا!

صحیح بخاری میں اسی حدیث کے آخر میں ہے: ثم اذ بر فقال رده فلم يروا شيئاً

فقال هذا جبريل جاء ويعلم الناس دينهم" (بخاری، بر حاشیہ فتح الباری)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو جبریل سے گفتگو کرتے ہوئے ان کے جبریل ہونے کا علم نہیں ہوا تھا، جب وہ اٹھ کر چلے گئے تب آپ کو اس کا علم ہوا۔ اور یہ استنباط ہم اپنی طرف سے نہیں کر رہے ہیں، یہی حدیث جو دوسرے طریق میں دوسری کتب حدیث میں پائی جاتی ہے، اس میں اسکی صراحت ملتی ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ حدیث متذکرہ بالا کے اطراف کے سلسلہ میں ابو قروہ کی روایت سے مندرجہ ذیل الفاظ نقل کرتے ہیں۔

والذی بعث محمداً بالحق ما كنت باعالم به من رجل منكم وانه لجبريل

"قسم اس ذات کی جس نے محمد کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں بھی تم میں سے کسی شخص سے زیادہ اس کے بارے میں علم نہیں رکھتا، اور بے شک یہ جبریل تھے!" ابو عامر کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

ثم ولى فلما لم نر طريقاً قال النبي صلى الله عليه وسلم سبحان الله! هذا جبريل
جاء ليعلم الناس دينهم، والذی نفس محمد بیده، ما جاء في قط الاوانا اعرفه
الا ان تكون هذه المرة

(.... پھر اس نے (یعنی جبریل نے) پیٹھ پھیری، جب ہم نے اس کا راستہ نہ پایا، تو حضور نے فرمایا کہ سبحان اللہ! یہ جبریل تھے، اس لئے آئے تھے کہ لوگوں کو ان کا دین بتائیں، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے جب کبھی یہ میرے پاس آئے ہیں، میں ان کو جان گیا، سوئے اس دفعہ کے!) سلیمان کی روایت کے یہ الفاظ اس سے بھی زیادہ واضح ہیں:-

"فوالذی نفسی بیده ما شبّه علی منذ اتانی قبل مرتی هذه وما عرفته حتى دلی

(قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس بار سے پہلے جب بھی وہ آئے، مجھے ان کے بارے میں شبہ نہیں ہوا، (مگر) اب کی بار جب تک وہ پیٹھ پھیر کر نہ چل دئے، میں انھیں پہچان سکا،) ان تمام طرق کے بعد حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:-

دلت الروایات التي ذكرنا على ان النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ما عرف انه جبريل

الا في آخر الحال (فتح الباری)

(یہ تمام روایات متذکرہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں، کہ حضور نے جبریل کو نہ پہچانا مگر آخر میں جا کر۔)

حدیث کی ان تمام روایتوں اور حافظ ابن حجر کی اس تصریح کو پڑھ کر قارئین "فاران" فیصلہ فرمائیں، کہ ہم نے خدا نخواستہ کوئی "بھوٹ" اپنی طرف سے گھر کر پیش کر دیا تھا؟ مولانا عبدالکفایت صاحب کا انعام لانا بھی کو مبارک رہے وہ اپنی تعلی پر دل میں پشیمان ہی ہو جائیں تو غنیمت ہے! اس قدر زور کے ساتھ چیلنج دینے سے پہلے "حضرت علامہ

حقانی مدظلہ " حدیث کی کتابوں کا مطالعہ تو دہرایتے کہ بعد میں پیشیانی کی نوبت نہ آتی !

" ما ادری ما یفعل بی ولا بکھ " اس آیت کو جو منسوخ بتایا گیا ہے، اس پر ہمیں بڑی حیرت ہوئی !

" نسخ " احکام میں ہوتا ہے نہ کہ عقاید اور " اخبار " میں ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بقول و دلیل مصنف اگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے نیا فقیر کے نام

بتا دئے تھے اور آپ پر خود اپنے اور صحابہ کے پیش آنے والے بعض واقعات بھی منسوخ ہو گئے تھے تو اس سے قرآن

کی آیت منسوخ کیسے ہو گئی ! اس وقت کی حالت جب وہ آیت یا آیتیں نازل ہوئی ہیں اپنی جگہ مسلم اور ثابت ہے !

اس کو اس ایک مثال کے ذریعہ (بلا تشبیہ) سمجھے، کوئی شخص کہتا ہے :

" زید کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے " — پھر وہی شخص بعد میں کہتا ہے یا لوگوں کی زبانی معلوم

ہوتا ہے کہ زید کو ہزاروں روپیہ مل گیا۔

تو کیا پہلا قول دوسرے قول یا واقعہ سے منسوخ ہو گیا ؟ دونوں قول اپنی جگہ مسلم ہیں کہ دو " حالتوں " کا ان سے اظہار

ہوتا ہے، ان دونوں اقوال میں نہ کوئی قول ناسخ ہے اور نہ منسوخ ہے ! کاشش ! مولنا حقانی کو قرآن میں تدبر و

تفکر کی توفیق نصیب ہوتی ! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو اس شخص کو قرآن کے معانی و مفاہیم کے بارے میں گھستگ

کرنے سے منع فرمایا ہے جو " ناسخ و منسوخ " کا علم نہ رکھتا ہو !

" ارغام ہاڈر " — پوری کی پوری کتاب اس قسم کی کمزور دسیلوں، پوچ باؤں اور لفظی مغالطوں سے بھری

ہوئی ہے ! اس قسم کے مغالطوں کا بعض سادہ مزاج لوگ آسانی سے شکار ہو جاتے ہیں، اس کے لئے ہم انشا اللہ

عمقریب ایک مفصل مضمون لکھیں گے، جو " فاران " ہی میں شائع ہوگا !



بہر قسم کے درد
سے فوری بنیاد کیلئے

انلجین
ٹکیاں



دوسرے دوائت کا درد۔ میعاد کی تکلیف اور دوسرے درد

میں سے قرآن کی حکم آیت کو منسوخ نہیں کرتے فقیر کی بات مصنف نے کی ہے۔



کاشتکار ہوتے دیر نہیں لگتی!

نزلے

آپ نزلہ، زکام اور کھانسی سے کتنا ہی بچیں
یہ اکثر بیٹھے بٹھائے ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً
موسم کی تبدیلی کے وقت تو گویا ان پر سے ہر
روک ٹوک اٹھ جاتی ہے۔
ہر وقت چوکنے رہنے اور ان کی روک
تھام سعالین سے کیجئے۔



سعالین

کھانسی، نزلہ اور زکام کی خصوصی دوا

ہمسدر

اپنے ملک
پاکستان کی صنعت کو ترقی دیکھتے
اور اپنے

لائسنس پور کائن ملز
کا

بنا ہوا مضبوط کپڑا خرید کر
ملک و قوم کو مضبوط بنائے

پروپرائٹرز
دہلی کلاتھ اینڈ جنرل ملز کمپنی لمیٹڈ
ان کارپوریشن انڈیا

آدم جی کے پارچے جاتا دیر کا ہوتے ہیں



آدم جی کائن ملز لاندھی کراچی

ایونانی کی مفید اور کامیاب ادویہ

جنسی امراض کیلئے بہترین اور مقوی دوا
حب نقی
 جو کہ ہر عمر اور ہر موسم میں یکساں مفید ہے کشتہ فولاد، سلاجیت اور دیگر مقوی اجزاؤں کا مرکب ہے۔ جسمانی و دماغی کمزوری پٹھوں کو تقویت، گردہ و مثانہ کی کمزوری، احتلام حریان، اخراج فاسفیٹ اور زیا بیٹیس فیکس کے لئے مفید ہے۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے
 محصول ڈاک ایک روپیہ

مروانہ قوتوں کیلئے بہترین دوا
حب گوہر
 مقویات کی سورتاج
 خالص منبر اشہب زعفران کشتہ سونا کشتہ فولاد اور دیگر مقوی اجزاؤں کا مرکب ہے۔
 صابن دماغ اور جنسی قوتوں کیلئے ایک بہترین اور اعتماد دہناکتا۔ زہریلے اور نشہ آور اجزائے پاک سے قیمت شیشی چار روپے محصول ڈاک ایک روپیہ

ہندی دوا خانہ یونانی و قصور پاکستان
 اسٹاکسٹ؛ شیخ عنایت علی ایٹمنٹر ۶۔ انارکلی لاہور

عسکری صابن کیلئے بہترین صابن
 صنعت پاکستان کے بہترین نونے صابن خریدتے وقت
ذوالفقار انڈسٹریز کا نام دیکھئے
 جو اچھے صابنوں کی ضمانت ہے جدید ترین ٹیکنالوجی
 مشینری سے تیار کردہ
 پاکستان میں ہر قسم کے صابن کی ضروریات کیلئے
ذوالفقار انڈسٹریز کا نام یاد رکھئے
ذوالفقار انڈسٹریز
 ڈی ۱۹ منگول پیر روڈ کراچی

گلفام ٹو ایبل سوپ
پیلے کریم سوپ
لیبلے سوپ لیکچر ٹیوڈ
 سہمی اور آوننی کپڑے دھونے کا خاص اجزاء سے مرکب پون
میلٹ میڈیکلڈ کارباک صابن
 دھونے کے بہترین صابون
 (۱) ہرن برانڈ
 (۲) ملٹری (۳) ۵۵۵ بار


 باوانی
 ان ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
 منگاپیر روڈ کراچی

مہر قسم کا

دس لاکھ اور سو فی کپڑے

گورا اور ڈھلا ہوا لٹھا

نیز ہر قسم کا ڈھکا گہ تیار ہوتا ہے

باوانی ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا ہر اعتبار سے

قابل اعتماد ہے اور قیمت مناسب ہے

اپنے پاکستان کی صنعت کی قدر اور حوصلہ افزائی

اپکا قومی فرض ہے

مہنگے مہنگے اور

چمکدے آباد رہند

مضبوط جسمیں
دھڑا

اور پائیدار
حوش کی کیمیا

پاکستان کو اسی وقت خوش حال بنا سکتے ہیں
پاکستان کو اسی وقت خوش حال بنا سکتے ہیں

جبکہ آپ پاکستان کی بنی ہوئی چیمپنز میں خریدیں

علاج کی ہر قسم کی ضرورتوں اور پورٹ لینڈ سمینٹ

مارٹن اینڈ کمپنی

کارنر ہاؤس پیریڈی اسٹریٹ صدر کراچی
سے مشورہ کیجئے

اور اسکی خدمات سے فائدہ اٹھائیے

بچوں کی صحت

کافضلین

کوزوولڈ

کلیئر

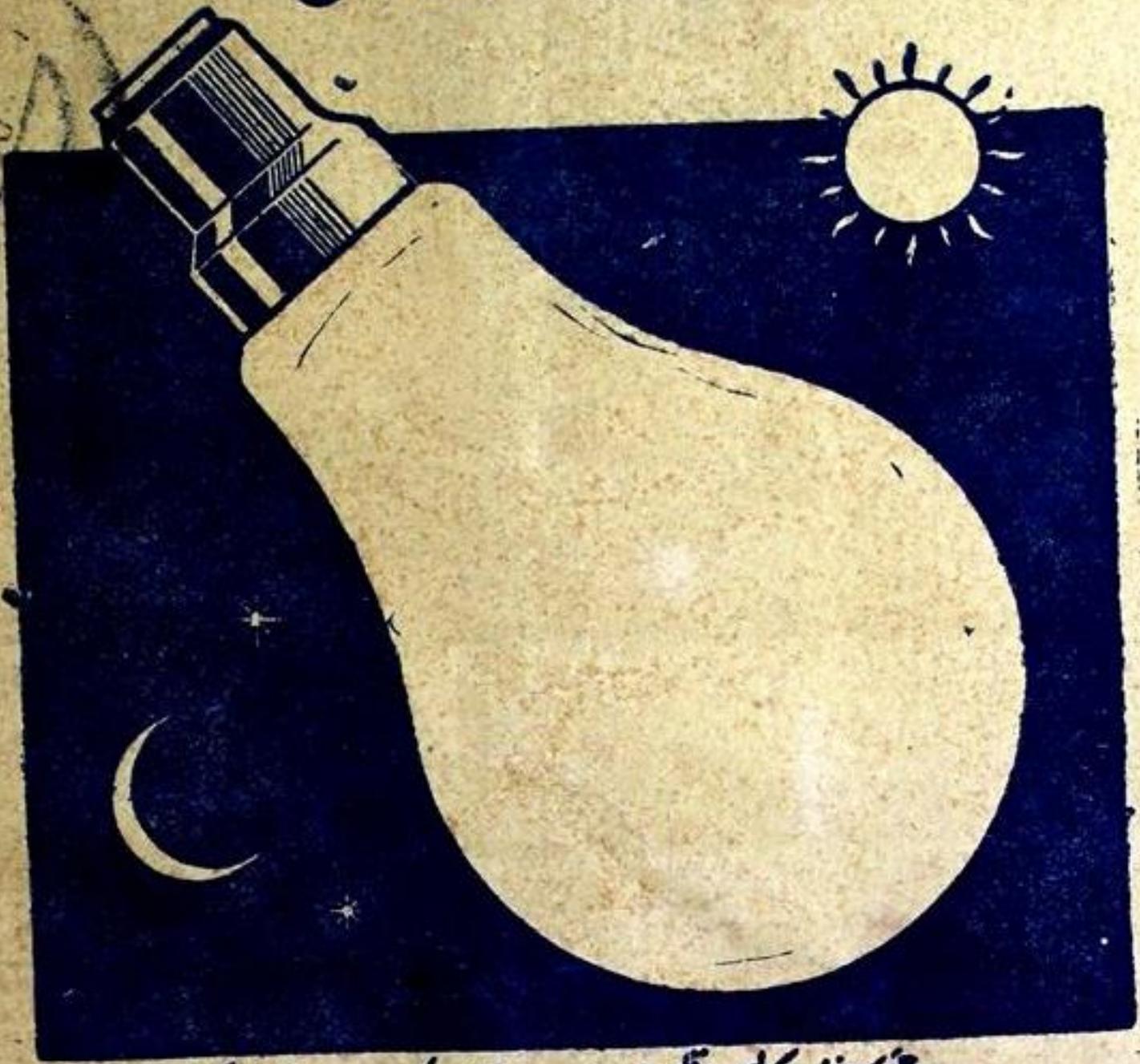
بیماری کی صحت میں دو
تندرستی میں طاقت

ایک بیہ آٹھ آنے

یہ سہرا نڈی دوا فروش سے خریدیے

چمکدار لیکن

سکون بخش



حق سنز کے لیپس قلیل مدت میں تمام پاکستان میں پھیل گئے
 آپ انہیں مکالوں، آفسروں، ٹیکسٹیوں میں ہر جگہ پائیں گے درحقیقت
 ایک اعلیٰ درجہ کی چیمیز عام کی خدمت کیسے پیش کی گئی ہے۔ آپ
 حق سنز ہی استعمال کیجئے اس لئے کہ یہ بہترین ہیں

پاکستان میں
 جنے ہوئے



حق سنز الیکٹریک کمپنی لمیٹڈ